اکسیرِ ہدایت

ترجمہ اردو

کیمیائے سعادت

مصنفہ

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ از

پروفیسر ملک محمد عنایت اللہ ایم۔ اے

ناشران

ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور

ملک محمد عارف پرنٹر پبلشر نے اپنے دین محمدی پریس لاہور سے چھپوا کر اشاعت منزل بل روڈ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ (از مصنف)

آسمان کے ستاروں۔ بارش کے قطروں۔ درختوں کے پتوں۔ بیابان کی ریت اور آسمان و زمین کے ذرّوں کے برابر تو حمد و شکر اسی ذات پاک کے لئے ہے یکتائی بے ہمتائی جس کا وصف اور ہیبت و کبریائی عظمت و بزرگی جس کی خصوصیّت ہے۔

اس کے جلال کے کمال سے کوئی مخلوق واقف نہیں۔ اور اس کی معرفت کی حقیقت کے انکشاف میں سوائے اسی کی ذات کے کسی اور کو راہ نہیں۔ بلکہ اس کی حقیقت کے جاننے میں اقرارِ عجز۔ صدیقوں کے مرتبہ کی انتہا ہے اور اس کی حمد و تعریف میں اعترافِ قصور فرشتوں اور پیغمبروں کے لئے ثنا کا آخری درجہ ہے۔ اس کے جلال کی ابتدائی چمک میں حیرانگی۔ عقلمندوں کی عقل کی غایت ہے اُس کے جلال کے قرب کی جستجو میں ششدر رہ جانا مریدوں اور سالکوں کی منتہا ہے۔

اس کی معرفت کے حصول سے ناامید ہو جانا محض جی کا چرانا ہے اور اس کی معرفت میں کمال کا دعوےٰ کرنا صرف ایک خیالی تشبیہ و تمثیل ہے۔ اس ذات پاک کے نظارہ جمال سے خیرگی و چکاچوندگی تمام آنکھوں کا حصّہ ہے اس کی عجیب عجیب صنعتوں پر غور کرنے سے معرفت کا حصول ضروری اور تمام عقلوں کے لئے بمنزلہ ثمر ہے۔

کوئی شخص ایسا نہ ہو جو اس کی ذات کی عظمت میں غور و فکر کرے۔ کہ وہ کیونکر ہے اور کیا ہے۔ اور کوئی دل ایسا نہ ہو جو ایک لحہ بھی اس کی عجیب و غریب صنعتوں سے غافل رہے۔ کہ انکی ہستی کیا ہے۔ اور کس

کی ذات سے ہے۔ تاکہ وہ پہچانے۔ کہ سب اس کی قدرت کے آثار ہیں اور اسی کی عظمت کے انوار ہیں۔ اور یہ سب عجیب و غریب چیزیں اسکی حکمت سے ہیں۔ اور اُسی کے جمال کا پرتو ہیں۔ اور یہ جو کچھ بھی ہے۔ اُسی کی وجہ سے ہے۔ بلکہ سب کچھ وہی ہے اور کسی چیز کی بھی سوائے اس کی ہستی کے کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ تمام اشیاء کی ہستی اُسی کی نورِ ہستی کا عکس ہے۔

اور درود سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جو تمام پیغمبروں کے سردار اور تمام نبیوں کے راہنما و رہبر اور اسرارِ ربوبیت کے امین و برگزیدہ حضرت کردگار ہیں اور ان کے تمام آل و اصحابؓ پر کہ ہر ایک ان میں سے امت کا پیشوا اور راہ شریعت کا راہنما ہے۔

اما بعد۔ جان کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ذمہ ایک عظیم الشان کام اور بہت بڑا غور و فکر ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ ازلی نہیں تو ابدی ضرور ہے اگرچہ اس کا بدن خاکی و سفلی ہے۔ لیکن اس کے روح کی حقیقت علوی و ربانی ہے۔ اگرچہ اس کی ذات ابتدائی درند و چرند و شیاطین کی صفات سے مخلوط ہے لیکن جب اس کو مجاہدہ کی کٹھالی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ تو وہ اس تمام آمیزش و آلائش سے پاک ہو کر درگاہ ربانی کے قرب کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسفل السافلین سے اعلیٰ علیین تک سب بلندی و پستی اسی کا کام ہے۔ اس کا اسفل السافلین یہ ہے کہ درند و چرند و شیاطین کے مقام میں جا گرے اور شہوت و غضب کا اسیر ہو جائے اور اس کا اعلیٰ علیین یہ ہے کہ فرشتوں کا ہمسر بنے اور شہوت و غضب سے خلاصی پائے۔ بلکہ یہ ہر دو اس کے غلام ہوں اور یہ ان کا بادشاہ۔

جب یہ مرتبۂ شاہی اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ تو وہ حضرت الٰہی کی بندگی کے قابل ہوتا ہے۔ اور اس کی یہ قابلیت فرشتوں کی خصلت اور انسانی مراتب کا کمال ہے اور جب اس کو ذاتِ باری کے جمال سے محبت ہو جاتی ہے۔ تو وہ ایک لحہ بھی بغیر اس کے دیدار کے صبر نہیں کرتا۔ اور جمالِ الٰہی کا نظارہ ہی اس کی بہشت بن جاتا ہے۔ اور وہ بہشت جو آنکھ، پیٹ اور فرج کی خواہش ہے۔ وہ اس کے نزدیک ہیچ ہو جاتی ہے کیونکہ انسان کی پیدائش فطرتی طریق پر ناقص اور خسیس واقع ہوئی ہے۔ اس لیے اس کو نقصان سے درجۂ کمال تک پہنچانا ممکن نہیں۔ مگر مجاہدہ اور معالجہ سے۔ جس طرح کیمیا سے پیتل اور تانبے کو صاف و پاک کر کے زرِ خالص بنانا دشوار ہے اور ہر ایک اسے نہیں جانتا۔ اسی طرح یہ کیمیا بہت مشکل ہے۔ جو انسانی فطرت کو درندگی اور چرندگی سے پاک و صاف کر کے فرشتوں کے درجہ تک پہنچاتی ہے تاکہ اس سے سعادت ابدی نصیب ہو۔

پس اس کتاب کے لکھنے کی غرض محض اسی کیمیا کے اجزاء کا بیان کرنا مقصود ہے۔ جو درحقیقت کیمیائے

سعادتِ ابدی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کا نام کیمیائے سعادت رکھا۔ اور یہ نام اس کے لئے بہت مناسب ہے۔ تانبے اور سونے میں سوائے زردی رنگ اور گراں بہائی کے اور کیا فرق ہے۔ اور اس سے سوائے دنیوی امیری کے اور کیا حاصل ہے اور دنیا خود چند روزہ ہے۔ دولت دنیا کیا چیز ہے چارپائیوں اور فرشتوں کی خصلتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس کیمیا کا حاصل لازوال سعادت اور اس کی نعمتوں کے ثمرات لاتعداد ہیں جنکی پاکیزگی و طہارت میں کسی کدورت کو دخل نہیں۔ پس کیمیا کا نام سوائے اس کے کسی اور چیز کے لئے بیجا ہے۔

پہلا عنوان اپنے آپ کو پہچاننے کے بیان میں

فصل جسطرح کیمیائی زہر بوڑھیا کے خزانہ میں نہیں پاتے بلکہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہوں کے خزانہ میں پاتے ہیں۔ اسی طرح کیمیائے سعادتِ ابدی بھی ہر جگہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ خزانہ خداوندی میں ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا خزانہ آسمان میں فرشتوں کی ذات اور زمین میں پیغمبروں کے دل ہیں پس جو کوئی اس کیمیا کو درگاہ نبوّت کے سوا کسی اور جگہ تلاش کرے گا۔ وہ غلط راستہ پر ہوگا۔ اور آخر کار دھوکہ کھائے گا۔ اور سوائے خام خیالی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اور بروزِ قیامت اس کی مفلسی ظاہر ہو گی۔ اور اس کا کھوٹ ظاہر ہو جائے گا۔ اور اس کا غرور رسوا ہوگا۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ کی اسے آواز آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر صلوات اللہ علیہم اس نسخہ کیمیا کو سکھانے کیلئے دنیا میں بھیجے۔ تاکہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ گوہرِ دل مجاہدہ کی کٹھالی میں اس طرح رکھنا چاہیے۔ اور ان بُرے اخلاق سے دُور رہنا بتائیں۔ جو دل کو پلید اور مکدر کریں۔ اور نیک صفات کا حاصل کرنا سکھائیں جس طرح اللہ تبارک نے اپنی پاکی و بادشاہی کی تعریف فرمائی ہے۔ اسی طرح اس نے انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بھیجنے کے متعلق بھی اپنی توصیف کی ہے اور مخلوقات پر احسان فرمایا ہے اور فرمایا ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔ يُزَكِّيهِمْ محض اس غرض سے تھا کہ انسانوں کو ناپسندیدہ اوصاف سے چھڑایا جاوے جو چوپائیوں کی صفتیں ہیں وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ سے یہ مطلب ہے کہ انسانوں کو فرشتوں کی صفات کے لباس سے خلعت پہنائے۔ اور اس کیمیا کا مقصد یہی ہے کہ جو باتیں نقصان کی ہوں ان سے علیحدہ رہے اور جو صفات کمال کی ہوں ان سے آراستہ و پیراستہ ہو۔ اور سب سے بڑی کیمیا یہ ہے کہ دنیا سے منہ پھیر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا کا یہی مطلب ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں سے علیحدہ ہو جائے اور تمام دنیا آپ خدا کے حوالہ کر دے یہ اس کیمیا کا ایک مجمل بیان ہے اور تفصیل اس کی بہت لمبی ہے۔

اور عنوان اس کا چار چیزوں کی معرفت بیان کرنا ہے۔ اور ارکان اس کے چار معاملات ہیں اور ہر رکن کے لیے دس اصل ہیں۔ پہلا عنوان یہ ہے کہ اپنی حقیقت کو پہچانے۔ دوسرا عنوان یہ ہے کہ اللہ تبارک کو پہچانے تیسرا عنوان یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت کو جانے۔ چوتھا عنوان یہ ہے کہ آخرت کی حقیقت کو سمجھے۔

اور ان چاروں چیزوں کا جاننا ورحقیقت مسلمانی کی معرفت کا عنوان ہے معاملہ مسلمانی کے چار رکن ہیں۔ دو ان میں ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور دو باطن سے۔ وہ دو جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں یہ ہیں :۔ رکن اوّل۔ اللہ تعالےٰ کے احکام کا بجالانا اسے عبادات کہتے ہیں۔ رکن دوم۔ حرکات و سکنات و معیشت میں ادب کا پاس رکھنا۔ اسے معاملات کہتے ہیں۔ اور وہ جو دو باطن سے تعلق رکھتے ہیں یہ ہیں :۔

رکن اوّل۔ اخلاقِ ناپسندیدہ سے دل کا پاک کرنا۔ جیسے غصّہ۔ بخل۔ حسد۔ غرور۔ خود بینی وغیرہ کیونکہ یہ اخلاق کے ہلاک کرنے والے ہیں۔ اور دین کے راستہ سے گمراہ کرنے والے۔ رکن دوم۔ دل کا صاف کرنا اخلاقِ حسنہ ہے۔ جیسے صبر۔ شکر۔ محبت۔ امّید اور توکل اور یہ نجات دینے والے ہیں۔

پہلا رکن۔ جس میں عبادت کا ذکر ہے۔ اس کی دس اصلیں ہیں۔ اصل اوّل۔ اہل سنّت والجماعت کے اعتقاد کے بیان میں اصل دوم۔ طلبِ علم میں اصل سوم طہارت کے بیان میں۔ اصل چہارم۔ نماز کے بیان میں اصل پنجم زکوٰۃ کے بیان میں اصل ششم روزہ کے بیان میں اصل ہفتم۔ حج کے بیان میں۔ اصل ہشتم تلاوت قرآن مجید کے بیان میں اصل نہم ذکر و دعا کے بیان میں اصل دہم۔ ترتیبِ وظائف کے بیان میں۔

دوسرا رکن۔ آدابِ معاملات کے بیان میں۔ اس کی بھی دس اصلیں ہیں :۔ اصل اوّل۔ خورد و نوش کے آداب میں۔ اصل دوم۔ آدابِ نکاح میں اصل سوم آدابِ کسب و تجارت میں۔ اصل چہارم طلبِ حلال میں اصل پنجم۔ آدابِ صحبت میں۔ اصل ششم۔ آداب گوشہ نشینی میں۔ اصل ہفتم آدابِ سفر میں۔ اصل ہشتم آدابِ سماع میں۔ اصل نہم آداب امرِ معروف ونہی عن المنکر کے بیان میں۔ اصل دہم۔ آداب پادشاہی اور رعیت پروری کے بیان میں۔

تیسرا رکن۔ مہلکات کے بیان میں۔ اور اس کی دس اصلیں ہیں۔ اصل اوّل ریاضتِ نفس کے بیان میں اصل دوم۔ شہوتِ شکم و فرج کے علاج میں۔ اصل سوم حرصِ سخن اور آفاتِ زبان کے بیان میں اصل چہارم غصّہ، کینہ اور حسد کے علاج کے بیان میں اصل پنجم۔ دنیا کی دوستی کے علاج میں۔ اصل ششم۔ مال کی دوستی کے علاج میں اصل ہفتم۔ جاہ و حشمت کے علاج میں۔ اصل ہشتم۔ عبادت میں ریا و نفاق کے علاج میں۔ اصل نہم تکبر و نخوت کے علاج میں۔ اصلِ دہم۔ غفلت و غرور کے علاج میں۔

چوتھا رکن منجیات کے بیان میں اور اس میں دس اصلیں ہیں۔ اصل اوّل ظلم سے بچنے اور توبہ کے بیان میں۔ اصل دوم صبر و شکر میں۔ اصل سوم۔ خوف و رجاء میں۔ اصل چہارم۔ زہد

و درویشی میں اصل پنجم۔ اخلاصِ نیت اور صدق میں اصل ششم۔ محاسبہ اور مراقبہ کے بیان میں۔ اصلِ ہفتم۔ تفکر کے بیان میں۔ اصل ہشتم توکل اور توحید میں اصل نہم۔ اللہ تعالےٰ کی محبت اور شوق میں اصلِ دہم۔ موت اور آخرت کے یاد کرنے میں۔

کیمیائے سعادت کے اصول وارکان کی فہرست یہی ہے اور ہم اس کتاب میں ان تمام چہار عنوانوں اور چار اصلوں کی شرح کریں گے۔ اور قلم کو دشوار اور بلند عبارت سے باز رکھیں گے۔ تاکہ عوام اس کو سمجھ سکیں۔ اگر کسی کو تحقیق و تلاش کا زیادہ شوق ہو تو دوسری مشکل کتابوں کو پڑھے۔ جیسے احیاء علوم الدین و کتاب جواہر القرآن یا اور دوسری کتب جو اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ اور اس کتاب کے فارسی[1] میں لکھنے کی وجہ محض لوگوں کی درخواست و التجا ہے۔ تاکہ مطلب کو وہ سمجھ سکیں۔ اللہ تعالےٰ ان کے التماس کی نیت اور میرے قبول کرنے کی نیت کو پاک وصاف رکھے اور ریا و کدورت سے بچائے اور اپنی رحمت کا امیدوار بنائے۔ اور نیکی کے راستوں کو کشادہ کر دے۔ اور ہمت دے کہ جو زبان سے کہا جائے۔ اسے عمل میں لایا جائے۔ کیونکہ کہنا بغیر عمل کے فضول ہے۔ اور کہنا بغیر عمل کرنے کے آخرت میں وبال کا سبب ہے ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں ۔

[1] اصل کتاب جس کا یہ ترجمہ ہے۔ فارسی میں ہے۔ اور احیاء العلوم وغیرہ عربی میں ہیں۔ (نامی)

آغاز کتاب

مسلمانی کے عنوان کے بیان میں۔ اور وہ چار ہیں۔ اور یہ پہلا اپنے آپ کو پہچاننے کے بیان میں ہے۔

اے عزیز! جان کہ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کی چابی اپنے نفس کا پہچاننا ہے اور اسی لئے کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ اور اسی واسطے اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (ہم اپنی نشانیاں جہان میں اور انسانوں میں دکھاتے ہیں تاکہ حقیقت حق ان پر ظاہر ہو، تمام چیزوں میں کوئی چیز سوائے تیرے اپنے آپ سے قریب تو نہیں ہے اگر تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ تو دوسری چیزوں کو کس طرح پہچانے گا۔ اگر تو یہ کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو پہچانتا ہوں۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ اس طرح کی پہچان اللہ تعالےٰ کی معرفت کی چابی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طرح تو اپنے آپ کو جانور بھی پہچانتے ہیں۔ جس طرح تو اپنے ظاہری ہاتھ پاؤں دسر و گوشت و پوست سے زیادہ نہیں جانتا اور اپنے باطن سے صرف اسی قدر جانتا ہے کہ جب بھوکا ہوتا ہے روٹی کھاتا ہے۔ جب غصہ میں آتا ہے کسی سے لڑتا ہے اور جب شہوت غلبہ کرتی ہے نکاح کرتا ہے اور تمام جانور ان باتوں میں تیرے برابر ہیں۔ پس تجھے اپنی حقیقت کو پہچاننا چاہئے کہ تو خود کیا چیز ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا۔ اور اس دنیا میں کیا کرنے آیا ہے۔ اور تجھے کس لئے پیدا کیا گیا ہے اور تیرے لئے نیکی کیا ہے اور کس چیز میں ہے اور تیری بدبختی کیا ہے اور کس چیز میں ہے۔ اور یہ صفات جو تیرے باطن میں جمع ہیں۔ بعض ان میں سے چوپایوں کی ہیں بعض درندوں کی بعض شیطانوں کی ہیں اور بعض فرشتوں کی ہیں۔ تو ان سب میں کون ہے اور کیا ہے جو تیری حقیقت ہے۔ اور کون کون سی صفات تجھ میں عارضی و کسبی ہیں۔ کیونکہ جب تک یہ نہ جانے گا اپنی سعادت نہ پائے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ غذا اور علیحدہ علیحدہ سعادت ہے چارپایوں کی غذا اور سعادت کھانا سونا اور جماعت کرنا ہے۔ اگر تو بھی یہی ہے تو دن رات اسی میں کوشش کر۔ تاکہ تیرے پیٹ اور فرج کا کام درست رہے درندوں کی غذا اور سعادت مارنا اور لڑنا اور غصہ کرنا ہے اور شیطانوں کی غذا شر انگیزی اور مکر و حیلہ کرنا ہے اگر تو ان سے ہے تو انہی کے کام میں لگا رہ۔ تاکہ اپنی راحت اور نیک بختی کو پہنچے۔ اور فرشتوں کی غذا اور سعادت جمال الٰہی کا دیکھنا ہے اور ان کو چارپایوں اور درندوں کی صفات سے کوئی تعلق نہیں اگر تیری فطرت فرشتوں کی ہے تو کوشش کر۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کو پہچانے۔ اور اس کے جمال کو دیکھے اور اپنے آپ کو شہوت و غضب کے ہاتھوں رہائی دلائے اور اسی کی طلب کرے۔ تاکہ یہ سمجھ سکے کہ یہ چارپایوں اور درندوں کے صفات تجھ میں کس نے پیدا کئے ہیں۔ کیا ان کو

اس لئے پیدا کیا ہے کہ تجھے قید کریں اور اپنی خدمت میں رکھیں اور مسخر کریں۔ یا اس لئے کہ تو ان کو اسیر کرے اور سفرِ عاقبت جو تجھے درپیش ہے اس میں ان سے کام لے اور اپنی سعادت کا تخم ان کی مدد سے حاصل کرے اور انکو اپنی رانوں میں دبائے اور اپنی سعادت گاہ کی طرف توجہ کرے۔ خاص لوگ اسے جنابِ الہیت کہتے ہیں۔ اور عام لوگ بہشت۔ اور یہ تمام باتیں تیرے سمجھنے کے لئے ہیں تاکہ تجھے اپنی حقیقت کا علم ہو جائے اور جس نے انہیں نہ جانا دین میں اُسے خجلت رہی اور دین کی اصلیت سے وہ حجاب میں رہا۔

فصل اگر تو اپنے آپ کو پہچاننا چاہتا ہے۔ تو جان کہ تجھے دو چیزوں سے پیدا کیا ہے ایک یہ ظاہری جسم جسے تن کہتے ہیں اور ظاہری آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ دوسرے باطنی معنے ہیں جس کو نفس دل اور جان کہتے ہیں اور انہیں باطن کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں ظاہر کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اور تیری حقیقت یہی معنئ باطن ہے۔ اور جو اس کے سوا ہے اُسی کا تابع۔ خدمت گار اور لشکر ہے۔ اور اُسی حقیقت کا نام ہم نے دل رکھا ہے اور جب ہم دل کی نسبت بیان کریں گے۔ تو جان لینا اس سے حقیقت آدمی مراد ہوگی۔ اور کبھی اس کو روح اور نفس بھی کہتے ہیں۔ اور اس دل سے وہ گوشت کا ٹکڑا مراد نہیں ہے۔ جو سینہ کے بائیں جانب ہے۔ اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ یہ جانوروں اور مُردوں کے بھی ہوتا ہے لیکن وہ دل جس سے حقیقتِ انسانی مراد ہے اسے ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور جو چیزیں ہم ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ اسی عالم سے متعلق ہیں جسے ہم عالمِ شہادت کہتے ہیں۔ اور دل کی حقیقت اس عالم سے نہیں ہے۔ وہ صرف اس جہان میں بطور مسافر آیا ہے۔ اور وہ ظاہر گوشت کا ٹکڑا اس کے لئے سواری اور ہتھیار ہے۔ اور تمام اعضاء اس کا لشکر ہیں۔ اور وہ تمام جسم کا بادشاہ ہے اور خدا تعالےٰ کی معرفت اور اس کے جمال کا مشاہدہ اس کی صفت ہے۔ اس کے لئے تکلیف عبادت ہے۔ اسی سے خطاب ہے اور ثواب و عذاب بھی اسی کے لئے ہے۔ اور اصلی سعادت و شقاوت بھی اُسی کے لئے ہے۔ اور تن ان تمام باتوں میں اسی کا محکوم ہے۔ اور اس کی صفات اور حقیقت کا جاننا اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت کی کنجی ہے۔ اُس کے پہچاننے کے لئے کوشش کر کہ وہ ایک عجیب موتی ہے اور فرشتوں کے گوھر کی جنس سے ہے۔ اور اس کا اصلی معدن اللہ تبارک و تعالےٰ کی جناب ہے۔ وہ وہیں سے آیا ہے اور وہیں جائے گا۔ اس جگہ صرف مسافرانہ طریق پر تجارت اور کاشتکاری کے لئے آیا ہے۔ تجارت اور کاشتکاری کے معنے آگے بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ عزوجل۔

فصل اے عزیز! جب تک تو دل کی حقیقت کو نہ جانے گا اس کی ہستی کو کس طرح پہچانے گا۔ پس اس کی حقیقت کو سمجھ کہ کیا چیز ہے اور اس کے لشکر کو پہچان کہ دل سے اس کو کیا تعلق ہے۔

پھر اس کے صفات کو دیکھ کر حق تعالےٰ کی معرفت اسے کیونکر حاصل ہوتی ہے اور یہ اپنی سعادت کو کس طرح پہنچتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا بیان آگے آئے گا۔ لیکن دل کی ہستی تو ظاہر ہے۔ کیونکہ آدمی کو اپنی ہستی میں کچھ شک نہیں۔ لیکن اس کی ہستی سے مراد یہ ظاہری جسم نہیں ہے کیونکہ یہ مردہ کا بھی ہوتا ہے جس میں جان نہیں ہوتی۔ اور ہماری مراد اس دل سے روح کی حقیقت ہے۔ کیونکہ جب یہ روح نہیں ہوتی تن مردہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنی آنکھیں بند کرے اور اپنے جسم کو بھلا دے اور زمین و آسمان اور ہر چیز کو جسے وہ آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے فراموش کر دے۔ تو وہ اپنی ہستی کو پہچان لیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو جان جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے جسم اور زمین و آسمان اور تمام دوسری چیزوں سے بےخبر ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی اس میں اچھی طرح غور و فکر کرے تو کچھ آخرت کی حقیقت بھی پہچان لے۔ اور یہ سمجھ لے کہ جب اس کا جسم چھین لیں گے۔ اس کا قائم رہنا اور فنا نہ ہونا ضروری ہے۔

فصل لیکن حقیقتِ دل کہ وہ کیا چیز ہے اور اس کی خاص صفت کیا ہے۔ شریعت نے اجازت نہیں دی کہ اس کو بیان کیا جائے اور اسی واسطے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شرح نہیں کی اور جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي اور اس سے زیادہ کہنے کی اجازت نہیں ہوئی کہ روح اللہ تعالےٰ کے کاموں اور عالم امر سے ہے۔ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ عالم خلق جدا ہے اور عالم امر جدا۔ جس چیز کے لئے ناپ اندازہ اور کمیت ہے اسے عالم خلق کہتے ہیں اسلئے کہ لغت میں خلق کے معنے اندازہ کرنے کے ہیں اور آدمی کے دل کے لئے اندازہ اور کمیت نہیں اور یہ اسی لئے تقسیم قبول نہیں کرتا۔ اگر یہ تقسیم قبول کرنے کے قابل ہوتا تو اس کی ایک جانب کسی چیز کا علم ہوتا اور دوسری جانب اسی چیز کا جہل ہوتا۔ اور یہ ایک ہی وقت میں عالم بھی اور جاہل بھی ہوتا اور یہ باتیں محال ہیں۔ اور باوجودیکہ روح قابلِ تقسیم نہیں ہے۔ اور مقدار کو اس میں دخل نہیں۔ مگر مخلوق ہے۔ اور پیدا کی ہوئی ہے اور جس طرح خلق پیدا کرنے کو کہتے ہیں ویسا ہی اندازہ کرنے کو کہتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے روح عالمِ خلق سے ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے عالمِ امر سے ہے نہ کہ عالمِ خلق۔ عالمِ امر ان چیزوں سے مراد ہے جن کے لئے ناپ اور اندازہ نہیں۔ اور جن لوگوں نے روح کو قدیم سمجھا ہے غلط ہے۔ اور جنہوں نے عرض تصوّر کیا ہے وہ بھی غلطی پر ہیں۔ کیونکہ عرض کے لئے خود قیام نہیں اور دوسروں کا تابع ہوتا ہے اور جان آدمی کی اصلیت ہے اور تمام جسم اس کا تابع ہے۔ پس روح عرض کیونکر ہوئی۔ اور جن لوگوں نے روح کو جسم کہا ہے غلط کہا ہے۔ کیونکہ جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتا ہے لیکن روح ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو سکتی۔ ایک چیز اور ہے اسے بھی روح کہتے ہیں۔ اور وہ روح ٹکڑے ہو سکتی ہے۔ اور جانوروں کے بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس روح کو جسے ہم دل کہتے ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ کی معرفت کا مقام ہے۔ وہ چوپایوں کے نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ جسم ہے۔ نہ عرض۔ بلکہ فرشتوں

کی جنس سے ایک گوہر ہے۔ اس کی حقیقت کو جاننا مشکل ہے اور اس کی شرح کرنے کی اجازت نہیں اور راہ دین کی ابتداء میں اس کی پہچان کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اوّل سب سے مجاہدہ ہے اور جو کوئی ریاضت کریگا اسکی پہچان خود بخود اسے حاصل ہو گی۔ اور یہ معرفت منجملہ اس ہدایت کے ہے جو حق تعالیٰ نے فرمائی ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور جس کسی نے ریاضت کے تمام مراحل کو طے نہ کر لیا ہو۔ اس سے حقیقت روح کے بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن ریاضت سے پہلے دل کے لشکر کو جاننا چاہئے۔ کیونکہ جو لشکر کو نہ جانے گا۔ جہاد نہ کر سکے گا۔

فصل اے عزیز! جان کہ تن دل کی مملکت ہے۔ اور اس مملکت میں دل کے مختلف لشکر ہیں وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ اسی سے مراد ہے اور دل کو آخرت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کا کام سعادت کی تلاش ہے اور اس کی سعادت اللہ تعالےٰ کی معرفت میں ہے اور اللہ تعالےٰ کی معرفت اس کی صنعتوں سے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب کچھ عالمِ حسیات سے ہے اور عجائبات عالم کی معرفت حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اور حواس کا قیام جسم سے ہے۔ پس معرفت جو ہے وہ اس کا شکار ہے اور حواس اس کے لئے دام ہے اور یہ جسم جو ہے وہ اس کے لئے (یعنے دل کیلئے) سواری ہے اور اس کے دام کو اٹھانے والی ہے پس اس غرض کیلئے دل کو جسم کی حاجت ہوئی اور جسم آگ پانی ہوا اور مٹی کا مجموعہ ہے اور اسی سبب سے کمزور ہے۔ باطن میں بھوک اور پیاس اور ظاہر میں پانی آگ اور درندوں کے خوف اور دشمنوں کے قصد سے خطرۂ ہلاکت ہے۔ پس بھوک اور پیاس کی وجہ سے اسے کھانے پینے کی حاجت ہوئی۔ اور اسی لئے اسے دو لشکروں کی حاجت ہوئی۔ ایک ظاہر جیسے ہاتھ پاؤں، دانت، منہ معدہ اور ایک باطن جیسے کھانے اور پینے کی خواہش اور ان کے بیرونی دشمنوں کے دفع کرنے کیلئے بھی دو لشکروں کی ضرورت پڑی۔ ایک ظاہری لشکر جیسے ہاتھ پاؤں اور سلاح۔ اور دوسرا باطنی جیسے شہوت وغصہ چونکہ ممکن نہ تھا کہ بغیر کسی چیز کے دیکھنے کے اُسے طلب کرنا یا دشمن کو دفع کرنا۔ اس لئے ادراکات کی ضرورت ہوئی جن میں سے پانچ حواس ظاہری ہیں۔ دیکھنا۔ سونگھنا۔ سننا۔ چکھنا۔ چھونا۔ اور پانچ حواس باطنی ہیں۔ قوتِ تخیل۔ قوتِ تفکر۔ قوتِ تحفظ۔ قوتِ تذکر۔ قوتِ توہم ان کی منزل گاہ دماغ ہے اور ہر ایک قوت کیلئے ایک خاص کام ہے اگر کسی ایک میں خلل پڑ جائے تو آدمی سے دین و دنیا کا کام بگڑ جائے اور یہ تمام ظاہر و باطنی لشکر دل کا غلام ہے اور وہ سب کا امیر اور بادشاہ ہے جب زبان کو حکم دیتا ہے بولتی ہے اور ہاتھ کو حکم دیتا ہے تو وہ پکڑتا ہے اور جب پاؤں کو حکم دیتا ہے چلتے ہیں۔ اور جب آنکھ کو حکم دیتا ہے دیکھتی ہے اور قوتِ فکر اسی کے حکم سے سوچتی ہے اور ان سب کو برضا و رغبت اس کا فرمانبردار بنا یا ہے تاکہ جسم کی حفاظت کریں۔ تاکہ دل اپنا توشہ لے لے اور شکار کو پکڑ لے اور آخرت کی تجارت کو مکمل کر دے اور اپنی سعادت کا بیج بو دے اور یہ سب لشکر دل کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں۔ اور حکم الٰہی کے خلاف نہیں چلتے۔ بلکہ برضا و رغبت

فرمانبردار ہوتے ہیں۔

فصل اے عزیز! دل کے لشکر کی تفصیل بہت لمبی ہے اور جو مقصد ہے وہ تجھے ایک مثال میں معلوم ہو جائے گا سمجھ لے کہ تن ایک شہر ہے اور ہاتھ پاؤں اعضا شہر کے پیشہ ور ہیں۔ اور خواہش شہوت اس شہر کے عامل اور غصہ بمنزلہ کوتوال ہے اور دل بادشاہِ شہر ہے اور عقل اس کی وزیر ہے اور بادشاہ کو ان سب کی ضرورت ہے تاکہ بادشاہت کا انتظام درست رہے لیکن شہوت جو کہ عامل خراج ہے وہ جھوٹی اور بادہ گو اور طامع ہے اور جو وزیر عقل کہتی ہے ہمیشہ اس کی مخالفت کرتی ہے اور ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ مملکت کے تمام مال کو خراج کے بہانہ سے لے لے۔ اور غصہ جو کہ کوتوال ہے وہ شدید وسخت وتند وتیز ہے۔ ہمیشہ مار دھاڑ کو پسند کرتا ہے۔ اور جس طرح کہ بادشاہ تمام باتوں میں وزیر سے مشورہ لیتا ہے اور جھوٹے طامع عامل کی گوشمالی کرتا رہتا ہے اور وزیر کیخلاف اسکا کہا نہیں سنتا۔ اور کوتوال کو اس پر مسلّط کرتا ہے تاکہ اسے زیادتی سے باز رکھے اور کوتوال کو بھی ڈانٹتا رہتا ہے تاکہ حد سے نہ بڑھے اور اس کے ایسا کرنے سے سلطنت کا نظام درست رہتا ہے۔ اسی طرح اگر بادشاہ دل بھی وزیر عقل کے مشورے سے کام کرے اور شہوت وغضب کو عقل کا محکوم رکھے۔ اور عقل کو ان کے حوالہ نہ کر دے تو بدن کی سلطنت کا انتظام درست رہتا ہے اور سعادت کے راستہ پر چلنا۔ اور جناب الٰہی میں پہنچنا اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے اور عقل کو شہوت وغضب کا مقیّد کر دے تو سلطنت ویران ہو جائے۔ اور بادشاہ بدبخت ہلاک ہو۔

فصل اے عزیز! یہ سب کچھ جو بیان ہوا ہے تو نے سمجھ لیا ہے کہ شہوت اور غضب کو کھانے پینے اور بدن کی حفاظت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس یہ دونوں بدن کے خادم ہیں اور کھانا پینا بدن کا چارہ ہے اور بدن کو حواس کا بوجھ اٹھانے کیلئے پیدا کیا ہے۔ پس تن خادمِ حواس ہے۔ اور حواس کو عقل کی جاسوسی کیلئے پیدا کیا ہے۔ تاکہ انکی معرفت اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعتوں کو جانے۔ پس حواس خادم عقل ہیں اور عقل کو دل کیلئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ دل کیلئے شمع اور چراغ کا کام دے اور وہ اللہ تعالےٰ کے نور کو دیکھے۔ جو دل کے لئے بہشت ہے۔ پس عقل خادم دل ہے اور دل کو اللہ تعالےٰ کے نظارہ جمال کے لئے پیدا کیا ہے پس جب اس طرف مشغول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا خادم بن جاتا ہے اور جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ اس کے یہی معنی ہیں۔ پس دل کو پیدا کیا ہے اور یہ مملکت اور لشکر اس کو دیا ہے اور یہ بدن اس کے لئے سواری ہے تاکہ عالم خاک سے سفر کر کے اعلیٰ علیین کی سیر کرے اگر چاہے کہ حق اس نعمت کا ادا کرے اور شرط بندگی بجا لائے تو بادشاہ کی طرح ملک کی مسند پر بیٹھے اور جناب الٰہی کو اپنا قبلہ ومقصود بنائے اور آخرت کو اپنا وطن اور جائے قیام تصوّر کرے۔ اور دنیا کو منزل اور تن کو سواری ہاتھ پاؤں اور اعضا کو خدمت گار عقل کو وزیر اور شہوت کو مال کا نگہبان غصہ کو کوتوال اور حواس کو جاسوس بنا کر ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کام پر مقرر کرے۔ تاکہ وہاں کی خبریں لائیں۔

اور قوتِ خیال جو دماغ کے اگلی طرف ہے اس کو ان کا افسر بنائے تاکہ جاسوس تمام خبریں اسکے پاس لائیں اور قوتِ تحفظ جو دماغ کے پچھلی جانب ہے اس کو ان تمام خبروں کا محافظ بنائے تاکہ جو خبریں اس کو افسر سے ملیں انکو حفاظت سے رکھے اور وقت پر وزیرِ عقل سے عرض کرے اور وزیر ان تمام خبروں کے مطابق جو مملکت سے اُسے پہنچتی ہیں۔ انتظام سلطنت اور بادشاہ کے سفر کی تدبیر عمل میں لاتا رہے اگر وزیرِ عقل دیکھے کہ لشکر میں سے کوئی مثلاً شہوت و غضب وغیرہ باغی ہوکر بادشاہ کی اطاعت سے منحرف ہو گئے ہیں تو ان کو درست کرے اور جہاد کی طرف متوجہ ہو اور انکو سلامتی کیطرف واپس لائے اور ان کو مار ڈالنے کا ارادہ نہ کرے کیونکہ مملکت بغیر انکے درست نہ رہیگی۔ بلکہ تدبیر یہ کرے کہ وہ اطاعت قبول کریں تاکہ جو سفر درپیش ہے اس میں دوست رہیں۔ دشمن اور ڈاکو نہ بنیں۔ جب ایسا کیا سعید ہؤا۔ اور حق نعمت ادا ہؤا۔ اور وقت پر اس خدمت کا صلہ پائے گا۔ اور اگر اس کے خلاف عمل کرے اور رہزنوں ڈاکوؤں دشمنوں اور باغیوں سے مل جاوے تو کافرِ نعمت ہؤا شقی ہؤا۔ اور اس بد اعمالی کی سخت سزا پائے گا۔

فصل اے عزیز! آدمی کے دل کو ہر ایک لشکر کے ساتھ جو اس کے باطن میں ہے تعلق ہے اور ہر لشکر کی وجہ سے آدمی میں ایک صفت و خلق پیدا کیا ہے۔ اور بعض ان میں سے بُرے اخلاق ہیں جو آدمی کے لئے ہلاکت کا موجب ہے۔ اور بعض نیک ہیں جو سعادت کو پہنچاتے ہیں اگرچہ وہ سب اخلاق بہت ہیں لیکن چار قسم کے ہیں چوپائیوں کے اخلاق۔ درندوں کے اخلاق۔ شیطانوں کے اخلاق۔ فرشتوں کے اخلاق۔ بسبب طمع اور شہوت کے انسان چوپائیوں کے کام کرتا ہے۔ جیسے کھانا اور جماع کرنا اور بسبب غصہ کے کتے شیر اور بھیڑیئے کے کام کرتا ہے۔ جیسے مارنا قتل کرنا۔ گالیاں نکالنا۔ لڑنا۔ جھگڑنا۔ اور بسبب مکر و حیلہ فریب خلقت میں فساد ڈلوانے کے شیطانوں کے کام کرتا ہے اور بسبب علم و اصلاح کے دوست رکھنے اور بُرے افعال سے پرہیز کرنے اور مخلوق کی بہتری چاہنے اور ذلیل کاموں سے بچنے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے خوش ہونے۔ جہل و ریا اور نادانی کو بُرا جاننے کی وجہ سے فرشتوں کے کام انجام دیتا ہے۔ اور درحقیقت آدمی کی سرشت چار چیزوں سے ہے۔ کتاپن۔ سؤرپن۔ شیطانپن۔ فرشتہ پن۔ کتا اپنی اصلی شکل وصورت یا گوشت و پوست کی وجہ سے بُرا نہیں ہے۔ بلکہ عادات کے لحاظ سے بُرا ہے۔ جیسے کہ آدمیوں سے لڑنا ہے۔ سؤر اپنی صورت کی وجہ سے مذموم نہیں ہے بلکہ خبیث و پلید چیزوں کے طمع و حرص کی وجہ سے بُرا ہے۔ یہ کتے اور سؤر کے روح کی حقیقت ہے اور آدمی میں بھی یہ تمام چیزیں موجود ہیں۔ اور اسی طرح فرشتوں اور شیطانوں کی حقیقت ہے۔ اور آدمی کے لئے فرمایا ہے۔ کہ نورِ عقل سے جو فرشتوں کے آثار و انوار سے ہے شیطان کے مکر و فریب کو معلوم کرے۔ تاکہ رسوا نہ ہو اور شیطان اس سے فساد نہ کر سکے۔ جیسا کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر آدمی کے لئے ایک شیطان ہے اور میرے لئے بھی ہے لیکن خدا تعالےٰ نے مجھے اس پر فتح دی ہے۔ اور وہ مجھ سے مغلوب ہو گیا ہے۔ اور مجھے برائی پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ اور آدمی کے لئے فرمایا ہے۔ کہ

اس حرص و شہوت کے سؤر اور غصہ کے کتے کو باادب اور عقل کا محکوم رکھے۔ تاکہ بغیر عقل کے حکم کے وہ کوئی کام نہ کریں اگر کوئی آدمی اس پر عمل کرے گا۔ اس کو ایسے اخلاق و صفات سے نیکی حاصل ہوگی۔ جو اس کی سعادت کے تخم ہوں گے۔ اور اگر اس کے خلاف عمل کرے گا۔ اور ان کا خدمت گذار بن جائے گا۔ تو اس میں بُرے اخلاق پیدا ہوں گے۔ جو اس کی بدبختی کے بیج ہوں گے۔ اور اگر اس کو اس کی یہ بُری حالت خواب یا بیداری یا حالتِ کشف میں دکھلائی جائے تو وہ اپنے آپ کو ایک کتے یا سؤر یا شیطان کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے پائے گا۔ اور اگر کوئی کسی مسلمان کو کافر کے قبضہ میں دیدے۔ اور کافر جو اس سے سلوک کرے گا وہ ظاہر ہے اور اگر کسی فرشتہ کو کتے یا سؤر یا شیطانوں کے حوالے کر دیا جائے تو اس کا حال اس سے بھی بدتر ہوگا۔ اگر لوگ انصاف سے کام لیں اور غور کریں کہ وہ رات دن حرص و ہوس کے غلام ہیں اور درحقیقت ایسے لوگوں کا حال ایسا ہے کہ اگرچہ وہ ظاہر میں آدمی کی شکل و صورت پر ہیں لیکن کل قیامت کو یہ راز ان پر عیاں ہوگا جب ان کا ظاہر ان کے باطن کی شکل پر ہوگا۔ جن پر شہوت و حرص غالب ہے لوگ اُسے سؤر کی صورت میں دیکھیں گے اور جن پر غصہ غالب ہے وہ بھیڑیے یا کتے کی شکل اختیار کرے گا۔ اسی لئے جو خواب میں بھیڑیا دیکھتا ہے۔ مردِ ظالم اس کی تعبیر ہے اور سؤر دیکھے تو اس کی تعبیر مردِ پلید ہوتی ہے۔ چونکہ خواب نمونہ مرگ ہے۔ جب نیند کے باعث اس عالم سے اتنا دور ہوا اور صورت سیرت کے مطابق نظر آئی۔ اور ہر شخص کو اس کے باطن کے موافق دیکھا۔ یہ ایک بہت بڑا راز ہے۔ یہ کتاب اس کی شرح کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

فصل

اے عزیز! جب جان لیا کہ باطن کے یہ چار حکمران ہیں۔ اب تو دیکھ کہ تیرے حرکات و سکنات ان چاروں میں سے کس کی اطاعت میں ہیں۔ اور یقین کر کہ تو جو حرکت کرے گا۔ اس سے تیرے دل میں ایک صفت پیدا ہوگی۔ اور اس جہان میں تیرے لئے مصاحب ہوگی اور انہی صفات کو اخلاق کہتے ہیں اور تمام اخلاق انہی چار حکمرانوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر تو شہوت کے سوار کا مطیع ہے۔ تو پلیدی و بے حیائی حرص خوشامد ذلت حسد اور کسی کے نقصان پر خوش ہونا وغیرہ تجھ میں ظاہر ہوگا۔ اور اگر اس سؤر کو مقہور و باادب اور مطیع رکھے گا تو تجھ میں قناعت حیا و شرم دانائی نیکی۔ بے طمعی وغیرہ صفات پیدا ہوں گی۔ اور اگر غضب کے کتے کی اطاعت کرے گا تو تجھ میں بیخوفی پلیدی۔ لاف زنی غرور تکبر اور اپنی بڑائی چاہنا اور طنز کرنا اور دوسرے کو ذلیل و خوار جاننا اور لوگوں سے لڑنا وغیرہ صفات پیدا ہوں گی۔ اور اگر اس کتے کو ادب میں رکھے گا تو تجھ میں صبر و تحمل۔ عفو۔ ثابت قدمی۔ شجاعت۔ سکونت۔ عزت۔ بزرگی کی صفات پیدا ہوں گی۔ اگر تو اس شیطان کی اطاعت کرے گا۔ جس کا کام اس سؤر اور کتے کو ورغلانا اور دلیر کرنا ہے۔ اور ان کو مکر و فریب سکھانا ہے۔ تو تجھ میں دھوکہ دینا۔ خیانت کرنا۔ مکر و فریب کرنا وغیرہ۔ یہ تمام امور پیدا ہوں گے۔ اور اگر تو اس شیطان کو مطیع کرے گا۔ اور اس کے مکر و فریب پر فریفتہ نہ ہوگا۔ اور عقل کے لشکر کی مدد کرے گا تو تجھ میں دانائی معرفت۔ علم حکمت۔ صلاحیت۔ حُسن خلق۔ بزرگی۔ امیری کی صفات پیدا ہوں گی۔ اور یہ نیک اخلاق جو تیرے

ساتھ رہیں گے۔ مرنے کے بعد تیری نیک یادگار ہوں گے۔ اور تیرے لئے سعادت کا بیج ثابت ہوں گے۔ اور ایسے فعال جن سے بُرے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں گناہ کہتے ہیں۔ اور جن سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انہیں عبادت کہتے ہیں۔ اور آدمی کے حرکات وسکنات ان دو متذکرہ حالتوں سے خالی نہیں۔ آدمی کا دل آئینہ کی طرح روشن ہے اور یہ بُرے اخلاق اس کے لئے زنگ ہیں جو اسے سیاہ کر دیتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کے جمال سے محروم رہے اور نیک اخلاق بمنزلہ نور کے ہیں جو دل کو تمام تاریکی اور گناہوں سے پاک وصاف بنا دیتے ہیں۔ اور اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا۔ ہر برائی کے بعد نیکی کرنا کہ اسے محو کر دے۔ اور میدان قیامت میں آدمی کا دل ہو گا جو سیاہ ہو گا یا روشن ہو گا۔ فَلَا یَنْجُوْ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ط اور آدمی کا دل ابتدائے خلقت میں لوہے کی طرح ہے جس سے روشن آئینہ بنتا ہے۔ کہ تمام جہان اس میں نظر آتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی حفاظت کریں۔ ورنہ اس کو زنگار لگ جاتا ہے۔ اور اس سے آئینہ نہیں بن سکتا۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔

فصل شاید تو کہے کہ جب آدمی میں درندوں۔ چوپایوں اور فرشتوں کی خصلتیں ہیں۔ تو ہم کس طرح سمجھیں کہ اصل اس کی فرشتہ پن ہے۔ اور یہ صفات محض عارضی ہیں۔ اور کس طرح جانیں کہ آدمی کو فرشتوں کے اخلاق حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ دوسری صفات کے حاصل کرنے کے لئے۔ تو سمجھ لے کہ آدمی چوپایوں اور درندوں سے شریف تر و کامل تر ہے اور اللہ تعالےٰ نے ہر شئے کو کمال دیا ہے اور وہی اس کا آخری درجہ ہے اور اسی کے لئے اسے پیدا کیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ گھوڑا گدھے سے شریف تر ہے۔ گدھے کو بوجھ اٹھانے کے لئے پیدا کیا ہے اور گھوڑے کو جہاد اور جنگ میں دوڑنے کیلئے۔ تاکہ سوار کی ران کے نیچے مناسب طریق پر چلے اور دوڑے۔ اور اس کو بوجھ اٹھانے کی قوت بھی دی ہے۔ اور گدھے سے زیادہ کمال دیا ہے۔ اگر گھوڑا اپنے کمال سے عاجز آجائے تو اسے بوجھ اٹھانے کے کام میں لائیں گے۔ اور وہ گدھے کے مرتبہ کا ہو جائے گا۔ اور یہ اس کے لئے ہلاکت اور نقصان کا موجب ہو گا۔ اسی طرح بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ آدمی کو کھانے سونے اور جماع کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور تمام عمر اس میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اور بعض نے یہ خیال کر رکھا ہے۔ کہ آدمی کو دوسری چیزوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ جیسے ترکوں اور عربوں نے سمجھا ہے۔ اور یہ دونوں غلط ہیں۔ کیونکہ کھانا اور جماع کرنا شہوت (خواہش) سے ہوتا ہے اور یہ جانوروں کو بھی دی گئی ہے جیسے کہ اونٹ آدمی سے زیادہ کھاتا ہے اور چڑیا آدمی سے زیادہ جماع کی شائق ہے پھر آدمی کس طرح ان سے بزرگ ہوا۔ اور غلبہ غصہ کی وجہ سے ہے اور یہ درندوں کو بھی دیا ہے۔ پس جو کچھ چوپایوں اور درندوں کو دیا گیا ہے وہی آدمی کو بھی دیا ہے اور اس کے علاوہ جو کمال انسان کو دیا گیا ہے۔ اور جس کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات ہے وہ صرف

لے وہی شخص نجات پائے گا۔ جو اللہ کے سامنے گناہوں سے پاک دل لے کر حاضر ہو۔

جوہر عقل ہے کہ اس سے خدا کو پہچانے اور اس کی تمام صنعتوں کو جانے اور اس عقل کی معرفت اپنے آپ کو شہوت اور غضب کے ہاتھ سے رہائی دلائے۔ اور یہی فرشتوں کی صفت ہے اور اسی صفت کی وجہ سے وہ چوپائیوں اور درندوں پر غالب ہے اور سب اس کے مسخر ہیں۔ بلکہ وہ سب کچھ جو روئے زمین پر ہے۔ اس کے آگے ہیچ ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد کیا ہے وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ پس درحقیقت آدمی وہی ہے جس کے لئے کمال اور شرف ہو اور دوسری تمام صفات محض عارضی ہیں اور ان کو صرف آدمی کی مدد اور غلامی کیلئے پیدا کیا ہے جب آدمی مرجاتا ہے نہ خواہش رہتی ہے نہ غضب۔ صرف ایک روشن اور نورانی جوہر باقی رہتا ہے جو فرشتوں کی صفات سے موصوف اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت سے آراستہ ہوتا ہے اور یہی آدمی کا رفیق ہے اور فرشتوں کا بھی۔ اور وہ ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جناب میں رہتے ہیں۔ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ یا آدمی کے ساتھ ایک چیز اندھی وتاریک رہتی ہے۔ اور اس کی تاریکی اس کے گناہوں کی ظلمت کیوجہ سے ہوتی ہے۔ اور اس کا اندھاپن غصہ اور غضب سے اسے آرام ملنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کیونکہ اس کی خواہش اسی جہان سے تعلق رکھتی ہے اور یہیں رہ جاتی ہے۔ اس لئے اس کے دل کا رُخ اس جہان کی طرف ہوتا ہے کیونکہ اس کی شہوت (خواہش) اور مراد اسی جہان میں ہوتی ہے اور یہ جہان اس جہان کے نیچے ہے اس لئے اس کا سر نیچے کی طرف یعنی اس جہان کی طرف ہوتا ہے وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِہِمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ کے یہی معنی ہیں اور جو ایسا ہوگا وہ شیطان کے ساتھ سجین میں رہے گا۔ اور سجین کے معنے ہر ایک نہیں جانتا۔ اور اسی لئے اللہ تبارک کا ارشاد ہے۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا سِجِّیْنٌ۔

فصل دل کے عجیب عجیب عالموں کی کوئی انتہا نہیں۔ اور اس کی بزرگی اسی لئے ہے کہ وہ سب چیزوں سے عجیب ہے۔ اور بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے اور اس کا شرف دو وجہ سے ہے ایک علم کی وجہ سے دوسرے قدرت کی وجہ سے اور اس کی علمی بزرگی دو قسم پر ہے ایک وہ ہے جسے تمام لوگ سمجھ سکتے ہیں اور دوسری نہایت پوشیدہ ہے اور ہر ایک اسے نہیں جانتا۔ اور وہ نہایت عزیز ہے اور وہ جو ظاہری بزرگی ہے وہ تمام علوم اور صنعتوں کے جاننے کی قوت ہے تاکہ تمام صنعتوں کو جانے اور جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے پڑھے۔ اور سمجھے۔ جیسے علم ہندسہ۔ حساب۔ طب۔ نجوم و علم شریعت اور باوجود اس کے دل ایک ایسی چیز ہے جو ٹکڑے نہیں ہوتی اور تمام علوم اس میں سما جاتے ہیں۔ بلکہ تمام جہان اس میں اس طرح سما جاتا ہے جیسے قطرہ دریا میں۔ اور ایک لمحہ میں اس کی فکر اور حرکت زمین سے آسمان اور مشرق سے مغرب تک جاتی ہے اور باوجودیکہ وہ عالم خاک (زمین) پر ہے لیکن تمام آسمان کی پیمائش کرتا ہے۔ اور ہر ستارہ کی مقدار کو پہچانتا ہے اور حساب لگا کر بتاتا ہے کہ یہ کتنے گز کے فاصلہ پر ہے۔ اور مچھلی کو دریا کی تہ سے اور پرندوں کو ہوا سے طرح طرح کی تدبیروں سے زمین پر

لے آتا ہے اور طاقت ور حیوانوں کو مثلاً اونٹ، ہاتھی، گھوڑا وغیرہ کو اپنا مسخر کر لیتا ہے اور جو کچھ جہان میں عجیب عجیب علم ہیں۔ سب اس کا پیشہ ہیں۔ اور ان تمام علوم کو حواس خمسہ کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ ان سب حواس کو دل کی طرف راہ ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جسطرح عالم محسوسات یعنے جس طرح عالم جسمانی کے لئے حواسِ خمسہ دل کے پانچ دروازے ہیں۔ اسی طرح عالمِ ملکوت یعنی عالم روحانی کی طرف بھی دل میں ایک دروازہ ہے اور بہت سے لوگ عالمِ جسمانی ہی کو محسوس کرتے ہیں اور علم حاصل کرنے کا ذریعہ صرف حواس خمسہ ہی کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود محتقر اور بے اصل ہیں۔ دل کے لئے اور بہت سے دروازے ہیں۔ جو علوم کی طرف کھلے ہوئے ہیں۔ اور اس کیلئے دو دلائل ہیں۔ ایک خواب جس میں تمام حواسِ ظاہری بند ہو جاتے ہیں اور دل کے دروازے کھل جاتے ہیں اور عالم ملکوت (یعنے عالمِ ارواح) اور لوحِ محفوظ میں غیب کی چیزیں دیکھتا ہے۔ اور جو آئندہ ہونے والا ہوتا ہے اس کو نظر آجاتا ہے۔ یا صاف طریق پر، یا مثال کے طور پر۔ جس کے لئے تعبیر کی حاجت پڑتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو بیدار ہوتا ہے آدمی اسے معرفت کے جاننے میں بہتر جانتے ہیں۔ حالانکہ دیکھتے ہیں کہ بیداری میں حواس کے ذریعہ سے غیب کی چیزیں نظر نہیں آتیں۔ بلکہ خواب میں نظر آتی ہیں۔ خواب کی حقیقت کی شرح اس کتاب میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اس قدر سمجھ لینا چاہیئے کہ دل کی مثال ایک آئینہ کی مانند ہے اور لوح محفوظ بھی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تمام موجودات کی تصاویر ہیں اور جیسے صاف آئینہ کو تصاویر والے آئینہ کے سامنے رکھیں تو تمام تصاویر اس صاف آئینہ میں نظر آتی ہیں۔ اس طرح جب دل کا آئینہ صاف اور تمام محسوسات سے مبرّا اور معرّا ہوتا ہے تو وہ لوح محفوظ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور پھر لوح محفوظ کی تمام تصویریں دل کے آئینہ سے نظر آنے لگتی ہیں لیکن جب تک عالم محسوسات یعنی (عالمِ جسمانی) کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔ عالم ملکوت یعنی (عالم روحانی) اس سے حجاب میں رہتا ہے اور چونکہ خواب میں عالمِ محسوسات یعنے (عالمِ جسمانی) سے فارغ ہوتا ہے۔ اس لئے عالمِ ملکوت یعنی (عالم روحانی) کو ملاحظہ کرتا ہے۔ اگرچہ خواب میں حواس الگ ہو جاتے ہیں۔ لیکن خیال اپنی جگہ پر رہتا ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ دیکھتا ہے مثال خیالی کے لباس میں دیکھتا ہے اور وہ پردہ اور پوشش سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لئے صاف صاف حال نہیں کھلتا۔ لیکن جب آدمی مرجاتا ہے نہ خیال باقی رہتا ہے نہ حواس۔ اسوقت جو کچھ ہوتا ہے وہ بے پردہ بے خیال صاف صاف عیاں ہوتا ہے پھر اس وقت اُسے کہا جاتا ہے ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ﴾[١] اور وہ جواب دیتا ہے ﴿رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ﴾[٢] اور دوسری دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں۔ جس کو فراستیں اور نیک امور الہام کے طریق پر دل میں نہ آتے ہوں اور وہ حواس کے ذریعہ نہیں آتے۔

ترجمعہ: [١] پس تیرے پردے تجھ پر کھول دیئے ہیں بس آج تیری نگاہ تیز ہے [٢] اے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ہم کو پھر واپس بھیج تاکہ نیک عمل کریں اور ہمیں ہر طرح سے یقین آگیا۔

بلکہ دل میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ نہیں جانتا۔ کہ یہ کہاں سے آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام علوم محسوسات یعنی (عالم جسمانی) سے نہیں ہیں اور اس سے سمجھ لے کہ دل اس عالم سے نہیں ہے بلکہ عالم ملکوت یعنی عالم روحانی سے ہے۔ اور حواس عالم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ بے شک وہ عالم روحانی کے لئے حجاب ہیں اور جب تک اس عالم جسمانی کے مطالعہ سے فارغ نہ ہوگا۔ عالم روحانی کی طرف راہ نہ پائے گا۔

فصل یہ خیال نہ کر کہ دل کا دروازہ عالم ملکوت یعنی (عالم روحانی) کی جانب بغیر موت اور خواب کے نہیں کھلتا یہ غلط ہے۔ بلکہ بیداری میں اگر کوئی ریاضت کرے اور دل کو غضب اور شہوت اور اخلاق بد سے پاک کرے اور تنہائی میں بیٹھے۔ آنکھ بند کرلے اور حواس کو معطل کردے اور دل کو عالم روحانی کی طرف لگائے۔ اور ہمیشہ اللہ اللہ دل سے کہے نہ زبان سے۔ اور یہاں تک کہ اپنے آپ سے بیخبر ہو جائے اور تمام جہان سے سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے بیخبر ہو جائے اور جب ایسا ہو جائے۔ اگرچہ بیدار ہی ہو لیکن اس کے دل کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جو کچھ دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں وہ بیداری میں دیکھتا ہے اور فرشتوں کے ارواح اس پر نیک صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ پیغمبروں کو بھی دیکھتا ہے اور ان سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اور مدد پاتا ہے اور زمین و آسمان کے ملکوت اسے نظر آتے ہیں۔ اور جس کسی کے لئے یہ راستہ کھل جاتا ہے وہ عجیب عجیب باتیں دیکھتا ہے جو حد و صفات میں نہیں آتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ^(۱) زُوِيَتْ لِيَ الْأَرْضُ فَأُرِيتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا اور حق تعالیٰ نے ارشاد کیا ہے۔ ^(۲) وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اور تمام اسی حال میں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے علوم تمام اسی طرح سے تھے۔ تعلیم اور حواس کے ذریعہ سے نہ تھے اور یہ سب کچھ مجاہدہ سے تھا جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد کیا ہے وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا یعنے تمام چیزوں سے اپنا تعلق قطع کرلے اور سب اپنا آپ اسی کے حوالہ کردے اور دنیا کی تدبیر میں مشغول نہ ہو کیونکہ سب کام وہ خود درست کر دیتا ہے ^(۳) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا جب اپنا وکیل تو نے خدا کو بنا لیا تو خلائق سے بے پرواہ رہ ^(۴) وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ اور یہ تمام تعلیم ریاضت اور مجاہدہ کی ہے تاکہ دل عداوت خلق اور خواہش دنیا اور شغل محسوسات سے پاک ہو اور یہی راستہ صوفیوں کا اور شریعت کا ہے اور حاصل کرنا اس علم کا علماء کے طریقہ تعلیم پر ہے۔ اگرچہ یہ بہت بڑا راستہ ہے لیکن انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے علم کے مقابلہ میں جو بغیر کسی کے سکھائے اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بہت مختصر ہے اور بہت سے لوگوں کو اس راہ کی راستی تجربہ اور عقلی دلائل سے معلوم ہوئی ہے لیکن اگر تجھ کو ذوق سے تسلیم سے اور عقلی دلائل سے یہ حاصل نہیں ہوا ہے تو اس کا بالکل ہی منکر نہ ہو اس پر ایمان لا اور اس کی تصدیق کر تاکہ ان

ترجمہ: ^(۱) دکھائی گئی مجھ کو زمین پس دیکھا میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو ^(۲) اور اسیطرح دکھایا ہم نے ابراہیم کو عالم ملکوت زمین اور آسمان کے ^(۳) مالک مشرق اور مغرب کا اسکے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں پس اسی کو اپنا وکیل بنا ^(۴) اور جو کچھ کفار کہتے ہیں اس پر صبر کر اور چھوڑ ان کو چھوڑنا پسندیدہ طور

تینوں درجوں سے محروم نہ رہے اور کافر نہ ہو جائے۔ اور یہ دل کی عجیب عجیب حالتوں میں سے ہے اور اسی سے آدمی کے دل کی بزرگی معلوم ہوتی ہے۔

فصل اے عزیز! گمان نہ کر کہ یہ تمام باتیں خاص پیغمبروں ہی کیلئے ہیں۔ بلکہ تمام انسانوں کی فطرت اس کی قابلیت رکھتی ہے جسطرح کوئی لوہا ایسا نہیں جو فطرتی طور پر آئینہ بننے کی قابلیت نہ رکھتا ہو۔ جس میں تمام جہاں کی صورت نظر آئے گی۔ مگر زنگار اس کے جوہر کو خراب اور ناکارہ کر دیتا ہے اس طرح ہر وہ دل جس پر دنیا کی حرص اور گناہوں کی خواہش غالب آجاتی ہے زنگ آلود ہو جاتا ہے اور اس میں یہ اہلیت باقی نہیں رہتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے[1] كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْ يُنَصِّرَانِهٖ أَوْ يُمَجِّسَانِهٖ اور ہر ایک انسان میں اس اہلیت کے موجود ہونے کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی ہے[2] أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى اور جسطرح کسی عقلمند سے پوچھا جائے کہ دو ایک سے زائد نہیں ہیں۔ جواب دیگا ہاں زائد ہیں۔ اگرچہ تمام عقلمندوں سے اس نے کانوں سے نہ سنا ہو اور نہ زبان سے کہا ہو لیکن سب کے دل اس کی تصدیق سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ جسطرح یہ تمام آدمیوں کی فطرت ہے اسی طرح اللہ تبارک کی معرفت بھی تمام آدمیوں کی فطرت ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے[3] وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ اور پھر فرمایا[4] فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا عقلی دلائل اور تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ خاص پیغمبروں کیلئے مخصوص نہیں۔ کیونکہ پیغمبر بھی آدمی ہیں[5] قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ جس پر یہ راستہ کھول دیا جائے اور تمام جہان کی اصلاح اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بتلائے اور لوگوں کو اس کی طرف بلائے پس جو کچھ اللہ تعالےٰ نے اسے بتلایا ہے اُسے شریعت کہتے ہیں اور جسکو یہ بتلایا گیا ہے اس کو پیغمبر کہتے ہیں اور اس کے حالات کو معجزات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ لوگوں کو دعوت نہ دے یعنی نہ بلائے تو اُسے ولی کہتے ہیں۔ اور اس کے حالات کو کرامات کہتے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کسی پر یہ حالت طاری ہو۔ وہ لوگوں کی دعوت میں مشغول ہو جائے اور انہیں ہدایت کی طرف بلائے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اسے ہدایت کرنے میں مشغول نہ کرے اس سبب سے کہ شاید اس وقت شریعت تازہ ہو اور لوگوں کو ہدایت کرنے کی ضرورت نہ ہو یا اس سبب سے کہ دعوت و ہدایت کی شرائط ایسی ہوں جو اس ولی میں نہ پائی جاتی ہوں۔ پس چاہیئے کہ اولیاء اللہ کی ولایت و کرامت پر یقین کامل رکھے۔ اور سمجھ لے کہ یہ کام مجاہدہ سے تعلق رکھتا ہے اور اجتہاد کا اس میں دخل نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ جو کھیتی کرے وہ غلہ بھی حاصل کرے۔ اور جو چلے وہ منزل پر بھی پہنچے۔ اور جو تلاش کرے وہ پائے

---

[1] ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں، نصرانی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔ [2] کیا میں تمہارا رب نہیں؟ کہا انہوں نے کہ ہاں بے شک تو ہمارا رب ہے۔ [3] اگر تو ان سے پوچھے کہ انہیں کس نے پیدا کیا۔ تو کہیں گے۔ بے شک اللہ تعالےٰ نے [4] اللہ تعالےٰ کی فطرت وہی ہے۔ جس پر اس نے انسانی فطرت کو پیدا کیا۔ [5] لوگوں سے کہدے میں تمہارے جیسا آدمی ہوں۔

اور جو کام بزرگ ہوتا ہے اس کے شرائط بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اس کا حاصل کرنا بھی مشکل ہوتا ہے بمقامِ معرفت میں آدمی کے لئے یہ نہایت ہی شریف ترین درجات ہیں اور ان کا حصول بلا مجاہدہ اور پیر کامل کے مشکل ہے اور اگر یہ دونوں چیزیں حاصل بھی ہوں۔ لیکن پھر بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہو اور اس سعادت کا حاصل ہونا قسمت میں نہ لکھا ہو اس مراد کو نہ پہنچے گا۔ اور علم ظاہر میں امامت کا درجہ حاصل کرنا اور دوسرے تمام کاموں میں اسی قسم کا اختیار ہے۔

فصل آدمی کے جوہر یعنے دل کی بزرگی معرفت کی راہ سے تجھے کچھ معلوم ہو گئی ہو گی۔ اب جان لے کہ قادر ہونے کی حیثیت سے بھی اسے شرف حاصل ہے اور یہ بھی ملائکہ کی صفات میں سے ہے اور دوسرے حیوانات کو یہ عظمت حاصل نہیں اور جس طرح عالمِ اجسام فرشتوں کے تابع ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق مناسب سمجھتے ہیں۔ بارش برساتے ہیں اور موسم بہار میں ہوا چلاتے ہیں اور رحم میں حیوانات کی شکل اور زمین میں نباتات کی شکل بناتے ہیں۔ اور ان کو آرائش دیتے ہیں اور اس قسم کے تمام کاموں کے لئے فرشتوں کے مختلف گروہ موکل ہیں۔ اور اسی طرح آدمی کا دل جو فرشتوں کے جوہر کی جنس سے ہے اس کو بھی اختیار دیا ہے اور بہت سے اجسام عالم اس کے ماتحت ہیں اور عالمِ خاص ہر ایک کیلئے اس کا تن ہے اور وہ دل کا مطیع ہے۔ جیسے ظاہر ہے کہ انگلی میں دل نہیں ہے اور علم وارادہ بھی انگلی میں نہیں ہے۔ لیکن جب دل حکم دیتا ہے۔ انگلی اس کے مطابق حرکت کرتی ہے اور جب دل میں غصہ کی حالت پیدا ہوتی ہے تمام اعضا سے پسینہ جاری ہو جاتا ہے اور یہ بارش ہے اور جب شہوت یعنی خواہش کی صورت دل میں پیدا ہوتی ہے تو وہ ہوا بن کر آلتِ شہوت کی طرف جاتی ہے اور پھر کھانے کی رغبت ہوتی ہے تو وہ قوت جو زبان کے نیچے ہے خدمت کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے اور لعاب گرا کر طعام کو تر کرتی ہے تاکہ کھایا جا سکے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دل کی حکومت تن میں جاری ہے۔ اور تن دل کا مطیع ہے لیکن یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ بعض دل جو بہت بزرگ اور مضبوط ہوتے ہیں اور جوہرِ ملائکہ سے زیادہ نسبت رکھتے ہیں، اور اجسام تن کے علاوہ بھی ان کے مطیع ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر اس کی ہیبت شیر پر پڑے وہ عاجز اور مطیع ہو جائے اور اگر وہ کسی بیمار کے لئے دعا کرے وہ اچھا ہو جائے اور کسی تندرست کو چاہے تو بیمار کر دے۔ اور اگر وہ کسی کو اپنی طرف بلانے کا ارادہ کریں تو اس کے باطن میں ایک حرکت پیدا ہو جائے۔ اور اگر وہ بارش کے لئے دعا کریں تو بارش آ جائے اور یہ سب کچھ ممکن ہے۔ اور عقلی دلائل اور تجربہ کی بناء پر ثابت ہے اور جسے نظر لگنا اور جادو کہتے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہے اور تمام اشیاء میں آدمی کے نفس کی تاثیر ہے۔ جیسے کوئی نفس حسد کرتا ہے مثلاً وہ اگر کسی اچھے حیوان کو دیکھے اور حسد کی وجہ سے اس کی ہلاکت کا قصد کرے تو وہ اسی وقت ہلاک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ اَلْعَیْنُ تُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَالْجَمَلَ الْقِدْرَ (ترجمہ۔ نظر بد آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو دیگ میں ڈالتی ہے) اور یہ بھی دل کی

عجیب عجیب قدرتوں میں ہے اگر یہ خاصیت کسی داعی خلق یعنے پیغمبر سے ظاہر ہو تو اُسے معجزہ کہتے ہیں اور اگر کسی ولی سے ظاہر ہو تو کرامت ہے اور اگر اس خاصیت والا نیک کاموں میں ہو تو اسے نبی یا ولی کہتے ہیں۔ اور اگر بُرے کاموں میں ہو تو وہ ساحر ہے۔ کرامات اور معجزات سب آدمی کے دل کی قدرت کے خواص ہیں۔ اگرچہ ان میں بہت بڑا فرق ہے لیکن اس کتاب میں اس کے بیان کی گنجائش نہیں۔

فصل یہ جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے۔ جب تک تو اسے نہ سمجھے گا۔ نبوّت کی حقیقت کو اچھی طرح نہ جانے گا۔ لیکن کچھ گفت و شنید سے تھوڑا بہت جانے گا۔ کہ نبوّت و ولایت آدمی کے دل کی بزرگی کے درجات جلیلہ سے ایک درجہ ہے۔ اور اس درجہ کا حاصل تین خاصیتیں ہیں اوّل یہ کہ عام لوگوں کو جو کشف کی حالت خواب میں ہوتی ہے اس درجہ والے پر بیداری میں وہی حالت طاری ہوتی ہے۔ دوم عام لوگوں کا نفس سوائے اس کے اپنے تن کی دوسری چیزوں پر اثر نہیں کرتا۔ لیکن اس درجہ والے کا نفس اپنے بدن کے علاوہ غیر اجسام پر بھی اثر کرتا ہے۔ لیکن اس طریق پر کہ خلق خدا کی بہتری اس میں متصوّر ہو نہ کہ برائی سوم یہ کہ عام لوگوں کو علوم سیکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن اس درجہ والا بلا سیکھنے کے اپنے باطن سے سب کچھ سیکھ لیتا ہے۔ اور جس طرح یہ ممکن ہے کہ کوئی صاف دل اور ہوشیار آدمی خود بخود علوم سیکھ لیتا ہے۔ اس طرح یہ بھی جائز ہے کہ وہ آدمی جو بہت زیادہ عاقل اور زیادہ صاف دل والا ہوتا ہے۔ تمام علوم کو یا اس سے بھی زیادہ خود بخود جان لیتا ہے اور اسے علم لدنّی کہتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ [1] وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور جسے یہ تینوں خاصیتیں حاصل ہوتی ہیں۔ وہ اولوالعزم پیغمبروں میں سے یا اولیائے کبار میں سے ہوتا ہے اور جس کو اس میں سے ایک بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا بھی یہی درجہ ہے اور ہر ایک میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور کسی کو ان تینوں صفات میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل ہوتا ہے اور کسی کو بہت بہت۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کمال اس لئے تھا کہ جناب کو یہ تینوں صفات بدرجۂ اتم حاصل تھیں۔ اور جب اللہ تعالےٰ نے چاہا کہ لوگوں کو نبوّت کی راہ دکھلائے تاکہ وہ اس کی متابعت کریں اور اس سے سعادت حاصل کریں۔ تو ان تینوں صفات سے اُن کو کچھ تھوڑا سا عنایت کیا ایک سے خواب دکھلایا۔ دوسری سے ان کی عقلوں کو درست کیا۔ اور تیسری سے علوم کے لئے ان کے دلوں کو سیدھا کر دیا۔ اور آدمی کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ ان اشیاء پر ایمان لائے۔ جو اس کی جنس سے غیر ہوں۔ کیونکہ جس چیز کا شائبہ اس میں موجود نہ ہوگا۔ اس کی صورت کبھی بھی اس کے ذہن نشین نہ ہوگی۔ اور اسی لئے کسی نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کی حقیقت کو اچھی طرح نہیں پہچانا مگر سوائے اس کے اپنے کے اور اس حقیقت کی شرح بہت طویل ہے اور کتاب معانی اسماء اللہ میں اسے نہایت روشن اور مدلل طریق پر بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے لئے ان

[1] اور سکھایا ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک علم۔ ۱۲

صفات کے علاوہ اور بھی صفات ہوں۔ جنہیں ہم نہ جانتے ہوں اور ان کا شائبہ بھی ہم میں موجود نہ ہو جس طرح میں نے یہ کہا ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے خدا تعالیٰ کی ذات کی حقیقت کو کوئی اچھی طرح نہیں جانتا۔ اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کو بھی سوائے رسول کے دوسرا اچھی طرح نہیں جانتا۔ یا وہ جو مرتبہ میں بہت زیادہ ہو۔ پس آدمیوں میں سے پیغمبر کی قدر و منزلت کو پیغمبر ہی جان سکتا ہے اور ہمیں اس سے زیادہ معلوم نہیں ہے۔ اور اگر ہمارے لئے خواب (نیند) نہ ہوتی اور لوگ ہم سے بیان کرتے کہ کوئی شخص گرا پڑا ہے اور حرکت نہیں کرتا۔ اور نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے اور نہ جانتا ہے کہ کل کو کیا ہو گا۔ باوجودیکہ وہ سنتا ہے۔ اور دیکھتا ہے مگر اسے کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ پس ہم بھی کبھی اس پر اعتبار نہ کرتے۔ کیونکہ آدمی نے جو کچھ دیکھا ہوا نہیں ہوتا اس پر یقین نہیں لاتا۔ اور اسی لئے حق تعالےٰ نے فرمایا ہے بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ[1] اور فرمایا وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيمٌ۔ اور تو اس پر تعجب نہ کر کہ انبیاء علیہم السلام میں بعض صفات ایسی بھی ہیں جنہیں دوسرا نہیں جانتا اور صرف وہی ان کی لذتوں اور حالتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ اور تو دیکھتا ہے کہ جس شخص کو شعر سے ذوق حاصل نہیں ہوتا۔ وہ سماع سے بھی لطف نہیں پاتا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی اسے اس کے معنے سمجھائے کیونکہ اسے تو اس سے کچھ لگاؤ ہی نہیں اور نابینا اسی طرح رنگوں اور دیدار کی لذت حاصل نہیں کر سکتا۔ پس اللہ تعالےٰ کی قدرت سے تعجب نہ کر کہ بعض اور کمالات وہ درجۂ نبوت کے بعد پیدا کرے۔ اور اس سے پہلے کسی کو ان کے متعلق کچھ خبر نہ ہو۔

فصل جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے آدمی کے دل کی بزرگی معلوم ہو گئی ہو گی۔ اور صوفیائے کرام کی راہ کا بھی پتہ چلا ہو گا۔ کہ وہ کیا ہے اور یہ جو تو نے صوفیوں سے سنا ہے کہ علم اس راستہ کے لئے حجاب ہے۔ اور تو نے اس سے انکار کیا ہو گا۔ اس سے انکار نہ کر کیونکہ یہ درست ہے۔ اس لئے کہ محسوسات اور ہر وہ علم جو محسوسات کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جب تک تو اس میں مشغول رہے گا۔ یہ حال تجھ سے پوشیدہ رہے گا اور دل کی مثال ایک حوض کی مانند ہے اور حواس خمسہ اس کے لئے پانچ نہروں کی طرح ہیں جس سے اس حوض میں پانی آتا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ صاف پانی حوض کی تہ سے پیدا ہو تو اس کے لئے یہ تدبیر ہے کہ اس تمام پانی اور اس کیچڑ ملکو جو اس پانی کی وجہ سے حوض میں جم گیا ہے۔ سب کو باہر پھینک دے۔ اور تمام نہروں کے دہانے بند کر دے۔ تاکہ باہر کا پانی دل کے حوض میں نہ آئے۔ اور پھر حوض کی تہ کو کھود تاکہ صاف اور پاک پانی حوض کے اندر سے نکلے اور جب تک حوض اس باہر کے پانی سے بھرا رہے گا۔ ناممکن ہے کہ حوض کے اندر سے پانی پیدا ہو۔ اور اسی طرح یہ علم معرفت جو کہ دل کے اندر ہی اندر پیدا ہوتا ہے۔ کبھی حاصل نہ ہو گا۔ جب تک دل کو باہر کے آئے ہوئے

[1] بلکہ اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کے جاننے کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور حالانکہ ابھی اس کی تاویل بھی انہیں نہیں پہنچی۔

علم سے خالی نہ کیا جائے گا۔ لیکن عالم اگر اپنے دل کو اس سیکھے ہوئے علم میں مشغول نہ رکھے اور اپنے دل کو اس سے خالی کر ڈالے تو پھر یہ گذشتہ علم اس کے لئے حجاب نہ ہوگا اور ممکن ہے کہ اسے کشف حاصل ہو اور اسی طرح کوئی شخص اگر اپنے دل کو خیالات اور محسوسات سے خالی کر ڈالے تو یہ گذشتہ خیالات اس کے لئے حجاب نہ ہوں گے۔ اور حجاب کا سبب یہ ہے کہ مثلاً کسی نے اہلسنت والجماعت کے عقاید سیکھے۔ اور گفتگو اور مباحثہ کے تمام دلائل بھی سیکھ لئے اور اپنے آپ کو بالکل انہی سا کر دیا۔ اور یہ اعتقاد کر لیا کہ سوائے اس علم کے اور کوئی علم نہیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی بات اس کے دل میں پیدا بھی ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے۔ کہ یہ اس کے خلاف ہے۔ جو کچھ میں نے سنا ہے اور جو کچھ بھی میرے اس سیکھے ہوئے کے خلاف ہے۔ وہ سب جھوٹ ہے پس ناممکن ہے کہ ایسے آدمی کو کسی بات کی حقیقت معلوم ہو۔ کیونکہ وہ تمام عقائد جو لوگوں کو سکھلائے جاتے ہیں۔ وہ صرف حقیقت کا ڈھانچہ ہیں حقیقت کی اصلیت نہیں ہیں۔

معرفت تو وہ ہے جس سے یہ تمام تحقیقیں ان ڈھانچوں سے اس طرح کھلیں۔ جیسے ہڈی سے گودا اور تو سمجھ لے کہ جو کوئی گفتگو یا مناظرہ کا طریقہ اپنے اعتقاد کی فتحیابی کے لئے یا اس کے ثابت کرنے کے لئے سیکھتا ہے۔ اس پر یہ حقیقتیں نہیں کھلتیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں سب کچھ یہی ہے۔ لیکن اس کا ایسا خیال کرنا ہی اس کے لئے حجاب ہو جاتا ہے اور کیونکہ یہ خیال اس پر غالب ہوتا ہے اس لئے ایسے لوگ اس درجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اس خیال کو چھوڑ دیتا ہے پھر علم اس کا اس کے لئے حجاب نہیں رہتا۔ بلکہ اس کو کشف حاصل ہوتا ہے اور اس کا درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور ایسے شخص کا راستہ بہ نسبت کسی کم علم انسان کے نہایت بیخوف اور سیدھا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جاہل مدتوں تک اعتقاداتِ باطل اور خیالات فاسد میں سرگرداں رہتا ہے اور تھوڑا سا شبہ بھی اس کے لئے حجاب بن جاتا ہے اور عالم ان تمام خطرات سے محفوظ رہتا ہے پس تجھے اس بات کے معنے کہ علم حجاب ہے اس مضمون سے سمجھ لینے چاہئیں۔ اور اگر تو کسی صاحب کشف سے اس کے متعلق کچھ سنے تو انکار نہیں کرنا چاہئے لیکن مناظر اور نفس پرست لوگوں کی باتوں پر جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئے ہیں ہرگز یقین نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ خود اس حال سے بے خبر ہیں۔ اور چند آراستہ اور بے ہودہ صوفیوں کی باتیں اختیار کر رکھی ہیں اور وہ تمام دن اپنے آپ کو دھوتے ہیں۔ اور لنگ۔ جائے نماز اور گودڑی سے اپنے آپ کو سجاتے ہیں۔ علم اور علمائے کرام کی مذمت کرتے ہیں اور بلاشک ایسے لوگ واجب القتل ہیں۔ کیونکہ مخلوق خدا کیلئے یہ شیطان اور خدا اور رسولؐ کے دشمن ہیں۔ خدا اور رسولؐ تو علم اور علماء کی تعریف فرماتے ہیں اور تمام دنیا کو علم کی طرف بلاتے ہیں۔ لیکن یہ بدبخت کہ نہ تو صاحب حال ہوتے اور نہ ہی عالم ہوتے ہیں۔ ان کیلئے ایسی باتیں کس طرح روا اور جائز ہو سکتی ہیں۔ ایسے شخصوں کی مثال ایسے شخص کی ہے جس نے یہ سنا ہو کہ کیمیا زر سے بہتر ہوتی ہے

کیونکہ اس سے بے اندازہ زر پیدا ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے زر کا خزانہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتا اور کہتا ہے کہ زر کس کام کا ہے اس کی کیا قدر و قیمت ہے۔ کیمیا چاہئے کہ اصل چیز وہی ہے اور اسی خیال سے وہ زر نہیں لیتا۔ لیکن حالت یہ ہے کہ کیمیا کو اس نے نہ کبھی سنا ہے نہ دیکھا ہے ایسا شخص ہمیشہ بدبخت اور بھوکا اور مفلس رہتا ہے اور محض اسی بات کی خوشی میں . . . . کہ میں نے جو یہ کہہ دیا ہے۔ کہ کیمیا زر سے بہتر ہے۔ خوش ہوتا ہے اور لاف مارتا ہے۔

پس انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام کے کشف کی مثال کیمیا کی طرح ہے اور علماء کے علم کی مثال زر کی ہے اور صاحب کیمیا کی فضیلت صاحب زر پر مسلّم ہے لیکن اس جگہ ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس قدر کیمیا رکھتا ہے کہ اس سے سو دینار سے زائد زر حاصل نہیں ہو سکتا ایسے شخص کو اس شخص پر فضیلت نہیں ہے جس کے پاس ایک ہزار دینار زر کے موجود ہیں۔ اور جس طرح کہ کتب کیمیا اور کیمیا کے متعلق بہت سی حکائیتیں مشہور ہیں اور کیمیا کے متلاشی بھی بہت ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت زمانہ میں بہت کم یاب ہے اور بہت سے لوگ اس کی طلب میں فریب اور دھوکا کھاتے ہیں۔ صوفیاء کرام کا کام بھی اسی طرح پر ہے۔ حقیقت اور اصلیت ان میں بھی نادر و نایاب ہے اگر کچھ ہوتی بھی ہے تو بہت تھوڑی۔ اور وہ کوئی کوئی ہوتا ہے جو کمال کو پہنچتا ہے۔ پس یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جس کسی کو صوفیاء میں سے کچھ تھوڑی سی چیز ہاتھ آجائے اس کو ہر عالم پر فضیلت نہ ہوگی۔ اور بہت سے صوفیاء میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ شروع شروع میں ان پر کچھ حالت طاری ہوتی ہے اور پھر وہ حالت ان پر نہیں رہتی اور وہ کمال کو نہیں پہنچتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ سودا اور خیال ان پر غالب ہوتا ہے اور اس کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی لیکن وہ اسے کام سمجھتے ہیں اور سچ جانتے ہیں لیکن وہ اصلیت میں ایسا نہیں ہوتا جس طرح کہ خواب میں خیالات پریشان اور محال دونوں باتیں ہیں۔ اس طرح اس راستہ میں بھی بعینہ یہی باتیں درپیش ہوتی ہیں۔ لیکن علماء پر فضیلت ایسے صوفی کو ہوتی ہے جو اس راستہ میں ایسا کامل اور مکمل ہو۔ کہ علم دین جو دوسروں کو پڑھنے اور سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس صوفی کو خود بخود بلا سیکھنے اور پڑھنے کے حاصل ہو اور یہ درجہ نہایت نادر و نایاب ہے پس چاہئے کہ راہِ تصوف کی اصلیت اور اس کی فضیلت پر ایمان رکھو اور ان نقلی صوفیوں کے سبب سے صوفیائے کرام سے بدگمان نہ ہو اور جو ان نقلی صوفیوں میں سے علم اور علمائے کرام پر طعن کرتے ہیں۔ پس سمجھ لے کہ وہ نادانی اور جہالت کی وجہ سے کرتے ہیں۔

فصل شاید تو یہ کہے کہ یہ کس طرح معلوم ہو کہ آدمی کی سعادت اللہ تعالےٰ کی معرفت میں ہے۔ پس تو جان لے کہ یہ اس طرح سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ہر چیز کی سعادت اسی چیز میں ہے۔ جس میں اس کے لئے راحت و آرام معلوم ہو اور ہر چیز کے لئے لذت اسی میں ہے جو اس کی طبع کے مطابق ہو اور ہر چیز کی طبع کے

مطابق وہی چیز ہے۔ جسے اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جس طرح شہوت کی لذت اسی میں ہے کہ آدمی کی آرزو پوری ہو۔ اور غصہ کے لئے لذت اسی میں ہے کہ وہ اپنا بدلہ دشمنوں سے لے اور آنکھوں کی لذت اس میں ہے کہ وہ اچھی اچھی صورتوں کو دیکھے۔ اور کانوں کی لذت اس میں ہے کہ وہ اچھے اور دلکش آوازوں اور نغموں کو سنے اور اسی طرح دل کی لذت اس میں ہے جو اس کی خاصیت ہے۔ اور جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ کاموں کی حقیقت کو پہچاننا ہے۔ کیونکہ آدمی کے دل کی خاصیت یہی ہے لیکن شہوت و غضب اور حواس خمسہ کے ذریعہ سے محسوسات کو پہچاننا حیوانات کو بھی حاصل ہے۔ اور کیونکہ کاموں کی اصل حقیقت کا جاننا دل کی خاصیت ہے۔ اس لئے آدمی جو چیز نہیں جانتا۔ اس کے جاننے کا تقاضا اس کی طبع میں پیدا ہوتا ہے۔ تاکہ اسے جان لے اور جو کچھ وہ جان لیتا ہے اس پر خوش ہوتا ہے۔ اور اس پر فخر کرتا ہے۔ اگرچہ وہ ذلیل شے ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے کوئی شخص شطرنج کھیلنا جانتا ہے اور اگر اس کو کہا جائے کہ یہ دوسرے کو نہ سکھانا۔ تو اس کے لئے صبر دشوار ہے اور اس خوشی سے کہ وہ ایک عجیب کھیل جانتا ہے۔ چاہتا ہے کہ اس کے ظاہر کرنے میں فخر کرے۔ اور جب تو نے یہ جان لیا کہ دل کی لذت کاموں کی معرفت میں ہے تو یہ بھی سمجھ لے کہ جس قدر دل کو اچھی اور عمدہ چیز کی معرفت ہوگی۔ اس میں دل کے لئے لذت بھی زیادہ ہوگی۔ جس طرح کوئی شخص وزیر کے رازوں سے باخبر ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے یہ بات اور زیادہ خوشی کی ہوتی ہے۔ اگر وہ بادشاہ کے بھیدوں اور اس کے امورِ سلطنت سے واقف ہو جائے۔ اور جیسے کوئی شخص جو علمِ ہندسہ کی معرفت آسمانوں کی شکل و صورت اور مقدار کو جانتا ہے۔ وہ اس شخص سے زیادہ خوشی اور لذت اس میں ہے، کہ وہ اسے کھیلنا جانتے اور اسی طرح معلوم (یعنی جانی ہوئی چیز) جسقدر زیادہ شریف اور عمدہ ہوگی۔ اس کا علم یعنی جاننا بھی زیادہ باعثِ لذت و مسرت ہوگا

فصل

اور کوئی موجود بھی اللہ تعالےٰ کی ذات سے زیادہ شریف نہیں۔ کیونکہ تمام اشیا کا شرف اسی کی ذات سے ہے۔ اور بادشاہ اور تمام ملک سب اسی کی مخلوق ہے۔ اور تمام عالم کے عجائبات اسی کی کاریگری کے آثار ہیں۔ پس کوئی معرفت بھی اس کی معرفت سے شریف اور لذیذ نہیں۔ اور کوئی نظارہ اس کی جناب کے نظارے سے خوشتر نہیں۔ اور دل کی طبیعت بھی اسی کے نظارہ کی مائل ہے۔ کیونکہ ہر شے کی طبیعت اسی چیز کو چاہتی ہے۔ جو اس کی خاصیت ہے۔ اور جس کے لئے اللہ تبارک نے اسے پیدا کیا ہے۔ اور اگر کوئی دل ایسا ہو جس میں اللہ تعالےٰ کی معرفت کا تقاضا باقی نہ رہا ہو۔ وہ اس آدمی کی طرح ہے۔ جو بیمار ہو۔ اور اسے غذا کی خواہش نہ رہی ہو۔ اور وہ مٹی کو بہ نسبت روٹی کے زیادہ پسند کرتا ہو اور اگر وہ اس کا علاج کرتے اور اسے غذا کی خواہش دوبارہ حاصل نہ ہو اور مٹی کی خواہش اس سے جاتی رہے۔ تو ایسا لاعلاج مریض بدبخت ہے۔ اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ شخص جس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی معرفت کی خواہش کے سوا دوسری چیزوں کی خواہش غالب ہو جاتی ہو تو وہ اسی بیمار کی طرح ہے اور اگر اس کا علاج بھی نہ کیا جائے تو وہ اس

جہان میں بدبخت ہوتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور تمام خواہشات و لذّات و محسوسات جو آدمی کے بدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ بلاشک وہ موت سے فناہ ہو جاتی ہیں۔ اور وہ تمام تکلیفیں جو ان کے حصول میں اٹھائی جاتی ہیں۔ وہ بھی فنا ہو جاتی ہیں۔ لیکن معرفت کی لذّت جو دل سے تعلق رکھتی ہے وہ موت سے اور دُگنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دل موت سے ہلاک نہیں ہوتا اور معرفت برقرار رہتی ہے۔ اور دل زیادہ روشن ہو جاتا ہے اور لذت اس لئے دوگنی ہو جاتی ہے کہ باقی تمام خواہشات فنا ہو جاتی ہیں۔ اس کی مکمل شرح محبت کے باب میں کتاب کے آخری حصہ میں بیان ہو گی

فصل

دل کے گوہر کی نسبت جو کچھ اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس کتاب میں اسی قدر کفایت کرتا ہے۔ اور جسے زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو۔ وہ ہماری دوسری کتاب عجائب القلوب دیکھ لے۔ اور ان دونوں کتابوں سے بھی آدمی کو خودشناسی حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تمام شرح دل کے چند صفات سے ہے اور یہ ایک رکن ہے۔ اور آدمی کا دوسرا رکن تن ہے۔ اور اس کے پیدا کرنے میں بھی بہت عجائبات ہیں۔ اور بدن کے ہر عضو کے لئے ظاہری و باطنی نکات بے شمار ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے عجیب حکمتیں ہیں۔ اور آدمی کے بدن میں کئی ہزار رگیں ریشے اور ہڈیاں ہیں اور ہر ایک کی شکل اور صفت علیحدہ علیحدہ ہے اور علیحدہ علیحدہ غرض کیلئے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اور تو ان سب سے بے خبر ہے اور محض اسی قدر جانتا ہے کہ ہاتھ پکڑنے کے لئے ہیں اور پاؤں چلنے کے لئے ہیں۔ اور زبان بولنے کے لئے ہے۔

لیکن تو اس بات کو سمجھ کہ آنکھ کو دس مختلف پردوں سے بنایا ہے۔ اور اگر ان دس میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو بصارت میں فتور پڑ جائے اور تو نہیں جانتا کہ ہر پردہ کس لئے ہے اور کس وجہ سے آدمی دیکھنے میں اس کا محتاج ہے۔ اور جو آنکھ کی مقدار ہے وہ جتنی ہے ظاہر ہے اور اس کے علم کی شرح بہت سی کتابوں میں لوگوں نے لکھی ہے۔ اور اگر تو اس کے متعلق نہیں جانتا تو کیا عجب ہے۔ کیونکہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اندرونی اعضا مثلاً جگر تلی۔ پتّا۔ گردہ وغیرہ کس لئے ہے۔ جگر اس لئے ہے کہ معدے سے تمام مختلف طعاموں کو ایک ہی طریق پر خون کے رنگ کا بنا دے۔ تاکہ وہ ہفت اندام کی غذا کے قابل ہو جائے اور جب خون جگر میں پک جاتا ہے۔ اور تلچھٹ جو رہ جاتا ہے وہ سودا بن جاتا ہے۔ اور تلی اس لئے ہے کہ وہ سودا کو جگر سے لے لے اور جو اس پر زرد رنگ کی جھاگ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ صفرا ہوتا ہے۔ اور پتا اس لئے ہے کہ وہ اس صفرا کو اس سے نکال لے۔ اور جب خون جگر سے باہر آتا ہے۔ تو وہ پتلا اور بے قوام ہوتا ہے۔ اور وہ اس لئے ہے تاکہ پانی کو اس خون سے علیحدہ کر لے۔ اور خون بلا صفرا اور بلا سودا کے قوام ہو کر رگوں میں جائے اور اگر پتے میں کسی قسم کی تکلیف ہو جائے تو صفرا خون سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور اس سے مرض یرقان اور دوسرے صفراوی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر تلی کو کوئی صدمہ پہنچے تو سودا خون سے علیحدہ نہیں ہوتا تو اس سے سودائی امراض لاحق ہوتے ہیں۔ اور اگر گردے میں کچھ نقص پیدا ہو جائے۔

تو پانی خون میں ملا رہ جاتا ہے۔ اور اس سے مرض استسقا پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح آدمی کے ظاہری باطنی اعضا کو کسی نہ کسی کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ تاکہ بغیر ان کے بدن میں کوئی خلل واقع نہ ہو جائے بلکہ آدمی کا بدن باوجود مختصر ہونے کے ایک عالم کی مثال ہے۔ کیونکہ جو کچھ جہان میں پیدا کیا ہے۔ سب کچھ اس میں ظاہر ہے۔ ہڈیاں پہاڑ ہیں پسینہ بارش ہے اور بال درختوں کی مثال ہیں۔ اور دماغ آسمان کی طرح ہے۔ اور حواس ستاروں کی طرح ہیں۔ تفصیل اس کی بہت لمبی چوڑی ہے۔ کیونکہ تمام مخلوقات کی مثال اس میں موجود ہے۔ مثلاً سؤر۔ کتا۔ بھیڑیا۔ چارپایہ و دیو۔ پری فرشتہ۔ جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ان سب کی مثال آدمی کے وجود میں موجود ہے۔ بلکہ تمام جہان کے پیشہ وروں کی مثال اس میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً جو قوت غذا کو معدے میں پکاتی ہے اور ہضم کرتی ہے وہ باورچی ہے اور جو قوت غذا کو صاف کر کے جگر کو پہنچاتی ہے۔ اور بھوک کو آنتوں میں وہ گندھی کی مانند ہے۔ اور جو قوت طعام کو جگر کے خون کے رنگ کا بنا دیتی ہے وہ رنگریز ہے اور وہ قوت جو خون کو عورت کے سینہ میں سفید دودھ اور مرد کے خصیوں میں سفید منی بنا دیتی ہے۔ دھوبی کی طرح ہے اور وہ قوت جو غذا کو جگر سے کھینچ کر ہر عضو میں پہنچاتی ہے وہ بندھانی ہے اور وہ قوت جو گردے میں پانی جگر سے لے کر مثانہ کو پہنچاتی ہے وہ سقہ ہے اور وہ قوت جو بھوک کو بدن سے باہر گرا دیتی ہے وہ حلال خور ہے اور قوت جو بدن میں سودا اور صفرا پیدا کرتی ہے کہ جسم خراب و تباہ ہو وہ عیار مفسد کی طرح ہے اور جو قوت صفرا اور بیماریوں کو رفع کرتی ہے۔ وہ رئیس عادل کیطرح ہے اور اس کی تفصیل بھی بہت دراز ہے مطلب صرف اتنا ہے تاکہ تو جانے کہ یہ چند مختلف قوتیں تیرے بدن میں تیری خدمت میں مشغول ہیں اور تو غفلت میں پڑا ہے اور یہ کسی وقت بھی تیری خدمت سے فارغ نہیں اور تو ان کو نہیں جانتا۔ اور اس قادر مطلق کا شکر ادا نہیں کرتا۔ جس نے ان سب کو تیری خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایک روز کے لئے اپنے غلام کو تیری خدمت کے لئے بھیجتا ہے۔ تو تمام عمر اس کے شکریہ میں مشغول رہتا ہے۔ لیکن وہ ذات جس نے کئی ہزار پیشہ ور تیرے باطن میں تیری خدمت کے لئے مقرر کئے ہیں۔ اور جو تمام عمر میں ایک گھڑی بھی تیری خدمت سے فارغ نہیں ہوئے تو اُسے یاد بھی نہیں کرتا۔

اور بدن کی ترکیب کے جاننے اور اعضاء کے فوائد کو سمجھنے کا نام علم تشریح ہے اور یہ بہت زبردست علم ہے۔ اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ وہ محض اس غرض سے کہ علم طب میں اُستاد بن جائیں اور حالانکہ علم طب خود مختصر ہے۔ اگرچہ اس کی ضرورت ہے۔ لیکن دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور جو لوگ اس غرض سے حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کی عجیب و غریب صنعتوں کو دیکھیں تو ان کو صفات الٰہی سے تین صفات تو ضرور معلوم ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس قالب کے اور انسان کے بنانے والا ایک باکمال قادر ہے کہ جس کی قدرت میں کسی قسم کے نقص اور عجز کو دخل نہیں۔ اور وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ اور جہان میں کوئی کام اس سے عجیب نہیں۔ کہ ایک قطرہ پانی سے اس

قسم کا جسم پیدا کردے اور جو یہ کرسکتا ہے اس کے لئے موت کے بعد انسان کو پھر زندہ کرنا بالکل آسان ہے۔ دوم یہ کہ وہ اس قدر زبردست عالم ہے۔ کہ اس کا علم تمام اشیاء پر محیط ہے۔ اور یہ تمام عجائب معہ ان تمام عمدہ عمدہ حکمتوں کے بغیر کمال علم کے غیر ممکن ہیں۔ سوم یہ کہ اس کی رحمت وعنایت جو بندوں پر ہے بے حساب ہے۔ اور بندوں کے لئے جو کچھ چاہیئے تھا پیدا کیا۔ اور بلکہ جن اشیاء کی ضرورت تھی۔ مثلاً دل جگر دماغ جو کہ حیوانات کی اصل ہے۔ وہ بھی دی۔ اور وہ چیزیں بھی دیں۔ جن کی ضرورت نہ تھی۔ محض حاجت تھی۔ مثلاً ہاتھ۔ پاؤں۔ زبان آنکھ وغیرہ۔ اور وہ چیزیں بھی دیں۔ جن کی حاجت نہ تھی نہ ضرورت تھی۔ بلکہ مزید زینت کا باعث تھیں۔ جیسے بلوں کی سیاہی۔ لبوں کی سرخی بھوؤں کا خم۔ پلکوں کی ہمواری وغیرہ اور یہ لطف وکرم نہ صرف آدمی کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ بلکہ سب مخلوقات کے ساتھ یکساں ہے۔ یہاں تک کہ مچھر۔ زنبور اور مکھی کو بھی جن چیزوں کی ضرورت تھی دیں۔ اور باوجود ان تمام باتوں کے ان کی شکل وصورت کو طرح طرح کے نقشوں اور عمدہ عمدہ رنگوں سے سجایا۔ پس آدمی کی پیدائش پر اچھی طرح غور کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات کے پہچاننے کی کنجی ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ علم طب بھی ایک شریف علم ہے۔ اس لئے نہیں کہ طبیب کو اس کی ضرورت ہے اور جیسا کہ عجیب عجیب اشعار اور تصنیف اور صنعتیں جس قدر تو زیادہ جانتا ہے۔ اسی قدر تیرے دل میں شاعر اور مصنّف کی عظمت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح عجیب عجیب صنعتیں اللہ تعالیٰ کی معرفت وعظمت کی کلید ہیں اگرچہ یہ علم طب بھی معرفت نفس کا ایک باب ہے۔ لیکن علم دل کی نسبت چھوٹا اور مختصر ہے۔ کیونکہ یہ علم بدن کے متعلق ہے اور بدن مانند مرکب کے ہے اور دل مانند سوار کے۔ اور پیدا کرنے سے مقصود سوار ہے نہ کہ سواری۔ کیونکہ مرکب سوار کے لئے ہے نہ کہ سوار مرکب کے لئے۔ اور یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے محض اس غرض سے کہ تو جان لے کہ کوئی شئے تیری اپنی ذات سے زیادہ تجھ سے قریب نہیں لیکن باوجود اس کے تو اپنے آپ کو اچھی طرح نہیں جانتا۔ اور دوسری چیزوں کے جاننے کا دعوی کرتا ہے۔ حالانکہ یہ ایسا ہے۔ جیسے کوئی مفلس جسے کھانے کو نہ ملے۔ وہ یہ کہے کہ تمام شہر کے فقیروں کو میں ہی کھانے کو دیتا ہوں اور ایسا کہنا محض واہیات اور فضول ہے۔

فصل یہ سب کچھ جو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے تجھے آدمی کے دل کی بزرگی معلوم ہو گئی ہو گی۔ اب جان لے کہ خدا نے تجھے یہ ایک نایاب گوہر دیا ہے۔ اور تجھ سے پوشیدہ کیا ہے۔ اگر تو اسے تلاش نہ کرے گا۔ اور ضائع کردے گا۔ اور اس سے غفلت میں رہے گا۔ تو نقصان عظیم اٹھائے گا۔ اور اب تو کوشش کر اور اپنے دل کو ڈھونڈلے اور اسے دنیوی مشاغل سے نکال کر عزت اور کمال کے درجہ کو پہنچادے۔ تاکہ اسے اس جہان میں عزت وبزرگی حاصل ہو۔ اور وہ خوشی بے ملال اور کمال بے زوال اور قدرت بے عجز۔ اور معرفت بے شبہ اور جمال بے کدورت دیکھے اور اس جہان میں اس کی شرافت اسی میں ہے کہ وہ حقیقی بزرگی اور عزت کی استعداد اور لیاقت بہم پہنچائے۔ ورنہ آج اس سے زیادہ بیمار اور ناقص کوئی نہیں۔ کہ سردی وگرمی۔ بھوک اور پیاس۔ بیماری۔ رنج

مصیبت میں مبتلا ہے اور جس چیز میں اسے لذت اور آرام محسوس ہوتا ہے وہی اس کے لئے نقصان کا موجب ہے اور جو چیز اس کے لئے سُود مند ہے وہ رنج و مصیبت سے خالی نہیں ہے اور جو شخص عزت اور بزرگی حاصل کرتا ہے۔ وہ علم۔ قدرت۔ ارادہ ہیبت یا اچھی صورت کی وجہ سے ہے۔ اگر آدمی کے علم کو دیکھا جائے۔ تو اس سے زیادہ مجہول کوئی نہیں۔ کیونکہ اگر اس کے دماغ کی ایک رگ ٹیڑھی ہو جائے تو ہلاکت اور دیوانگی کا خطرہ ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ کیوں ہے اور اس کا سبب کیا اور علاج کیا ہے اور ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس کا علاج اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ لیکن نہیں جانتا کہ یہ میری دوا ہے۔ اور اگر آدمی کی قدرت اور طاقت کا خیال کیا جائے تو اس سے زیادہ عاجز اور کمزور کوئی نہیں۔ یہ ایک مکھی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اگر خدا اس پر ایک مچھر مسلط کر دے تو وہی اس کے ہلاک کرنے کو کافی ہے۔ اور اگر ایک زنبور ڈنگ مارے تو بے خواب و بیقرار ہو جائے۔ اور اگر آدمی کی ہمت کو دیکھا جائے تو ایک دانگ چاندی کے نقصان ہونے سے بے چین ہو جاتا ہے اور اگر بھوک کے وقت ایک لقمہ اسے نہ ملے تو مدہوش ہو جاتا ہے۔ اور اس سے زیادہ خسیس کیا چیز ہو گی۔ اور اگر آدمی کے جمال اور صورت پر نظر کی جائے تو نجاست کے ڈھیر پر ایک چمڑا کھینچ دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ صرف دو روز اپنے آپ کو نہ دھوئے تو ایسی خرابیاں اس سے ظاہر ہوں کہ اپنے آپ سے متنفر ہو جائے اور بدن سے بدبو آنے لگے۔ اور آدمی سے زیادہ گندی شے کون سی ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اس کے اندر نجاست موجود رہتی ہے اور وہ اسے اٹھائے پھرتا ہے اور دن میں دو بار اسے دھوتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ صوفیوں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے اثنائے راہ میں ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سنڈاس کو صاف کیا جا رہا تھا۔ اور راستہ نجاست سے خراب ہو رہا تھا سب صوفی وہاں رُکے۔ اور ناک کو بند کر کے ایک طرف کو بھاگے۔ لیکن شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ وہاں کھڑے ہو گئے۔ اور فرمانے لگے۔ اے لوگو! تم جانتے ہو کہ میری نجاست مجھ سے کیا کہہ رہی ہے۔ لوگوں نے کہا یا شیخ کیا کہتی ہے۔ فرمایا کہتی ہے۔ کہ کل میں بازار میں تھی (یعنے مٹھائی، میوہ وغیرہ) سب لوگ اپنی روپوں کی تھیلیاں مجھ پر خرچ کرتے تھے۔ تاکہ مجھے خریدیں۔ اور میں صرف ایک شب تمہارے پیٹ میں رہی۔ اور اس نوبت کو پہنچ گئی۔ اب میرا فرض ہے۔ کہ میں تم سے بھاگوں نہ کہ تم مجھ سے بھاگو۔

اور سچ تو یہ ہے۔ کہ آدمی اس جہان میں نہایت ہی عاجز ناکس اور بیکس ہے۔ اور کل قیامت کو اس کی گرم بازاری ہو گی۔ اگر کیمیائے سعادت کو اپنے گوہرِ دل پر ڈالے گا۔ تو چارپایوں کے درجہ سے فرشتوں کے درجہ کو پہنچے گا۔ اور اگر دنیا اور خواہشاتِ دنیا میں مبتلا ہو گا۔ تو کل قیامت کو سؤر اور کتے اچھے ہوں گے۔ کیونکہ وہ خاک ہو جائیں گے۔ اور رنج سے نجات پائیں گے۔ اور یہ عذاب میں رہے گا۔ پس آدمی کو چاہیئے۔ کہ اگر وہ اپنی عزت

اور بزرگی کو پہچانے تو اپنے نقص اور عجز پر بھی نظر کرے۔ کیونکہ یہ طریقہ بھی اللہ تعالےٰ کی معرفت کی کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے۔ اور اپنے پہچاننے کے بارے میں اس قدر شرح کافی ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ بیان کرنا اس کتاب میں ناممکن ہے۔

دوسرا عنوان اللہ تعالیٰ کی پہچان کے بیان میں

جان تو! پہلے پیغمبروں کی کتب میں مذکور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کہا گیا[۱] اِعْرِفْ نَفْسَكَ تَعْرِفْ رَبَّكَ اور اقوال صحابہ کرامؓ اور احادیث رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس پر شاہد ہیں۔[۲] مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آدمی کا دل آئینہ کی مانند ہے۔ جو اس میں غور وفکر سے کام لے گا۔ وہ حق تعالےٰ کو دیکھے گا۔ اور بہت سے لوگ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کو نہیں پہچانتے۔ پس اس وجہ سے دل کو پہچاننا ضروری ہوا۔ کیونکہ وہ معرفت کا آئینہ ہے۔ اور یہ دو طریق پر ہے۔

ایک تو بہت مشکل ہے جسے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اور ان کا فہم اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور جسے عام لوگ نہ سمجھ سکیں اسے بیان کرنا لاحاصل ہے۔ اور دوسرا طریق جسے لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ آدمی اپنی ہستی سے اللہ تعالےٰ کی ہستی کو پہچانے اور اپنی صفات سے ذات باری کی صفات کو جانے اور اپنے تصرف کو جو اسے اپنے بدن کی مملکت میں حاصل ہے۔ اللہ تعالےٰ کے تصرف سے جو تمام عالم میں جاری وساری ہے۔ قیاس کرے اور تفصیل اس کی یہ ہے۔

پہلے اپنے آپ کے ہست ہونے (موجود ہونے) کو جانے اور خیال کرے کہ اس سے چند سال پیشتر اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے[۳] هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اور وہ چیز جس سے آدمی اپنی اصل یعنی خلقت کو پہچانے کہ اس کی ہستی کیا تھی۔ وہ نطفہ ہے جو ایک ناپاک پانی کا قطرہ ہے۔ جس میں نہ عقل نہ سماعت نہ بصیرت نہ سر نہ ہاتھ نہ پاؤں نہ زبان نہ آنکھ نہ رگ نہ پٹھا نہ ہڈی نہ گوشت نہ چمڑا کچھ بھی

---

[۱] پہچان اپنے نفس کو اگر چاہتا ہے پہچاننا اپنے رب کو [۲] جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو [۳] کبھی آدمی پر ایک ایسا زمانہ تھا جب کہ وہ کوئی بھی چیز نہ تھا۔ جس کا ذکر کیا جاتا۔ ہم نے انسان کو پیدا کیا ایک قطرہ منی سے ملا ہوا چند چیزوں سے اور بنایا اس کو دیکھنے اور سننے والا۔

نہ تھا۔ بلکہ ایک ہی قسم کا سفید پانی تھا۔ پس یہ تمام عجائبات جو اس میں ظاہر ہوئے۔ کیا اس نے خود پیدا کئے۔ یا کسی دوسری ہستی نے۔ باوجودیکہ وہ درجہ کمال کو پہنچا ہے۔ لیکن ایک بال کے پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ لیکن جب وہ ایک پانی کا قطرہ تھا۔ اس وقت نہایت ہی عاجز اور ناقص تھا۔ پھر وہ کس طرح اپنے آپ کو پیدا کرتا۔ پس ضروری ہے۔ کہ آدمی کو اپنی ہستی سے اپنے خالق کی ہستی معلوم ہو۔ اور جب آدمی اپنے بدن کے ظاہری و باطنی عجائبات پر نظر کرے گا۔ (جس میں بعض کی شرح پچھلے بیان میں کی جاچکی ہے) تو اپنے پیدا کرنے والے کی طاقت اور قدرت کو صاف اور روشن دیکھے گا۔ اور پہچانے گا۔ کہ میرا خالق قادر ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

اور اس سے زیادہ کیا قدرت ہوگی۔ کہ اس قدر ذلیل و حقیر قطرہ آب سے کیسی باکمال و جمال عجیب و غریب شکل بناتا ہے۔ اور آدمی جب اپنی عجیب عجیب صفات اور اپنے اعضاء کے منافع کو ملاحظہ کرتا ہے۔ مثلاً ہاتھ پاؤں۔ آنکھ۔ زبان، دانت اور اعضائے باطنی جیسے جگر۔ تلی۔ پتا وغیرہ کہ ہر ایک کو کس کس حکمت کے لئے پیدا کیا ہے؟

تو اس سے اسے اپنے پیدا کرنے والے کے علم کا پتہ چلتا ہے۔ کہ کیسا کمال ہے۔ اور ہر شے پر محیط ہے۔ اور یہ بھی جان لیتا ہے۔ کہ ایسے علیم و قدیر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اگر تمام عاقل اپنی عقلوں کو کام میں لائیں اور انہیں سوچنے کے لئے بڑی بڑی عمریں دے دی جائیں۔ تاکہ وہ غور کریں۔ کہ ان تمام اعضاء میں سے کسی ایک عضو کو اس کی موجودہ صورت سے بہتر بنادیں تو وہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے۔ مثلاً دانتوں کی موجودہ صورت یعنے سامنے کے دانت چیز کے کاٹنے کے لئے تیز ہیں۔ اور دوسرے طعام کو مہین کرنے کے لئے چوڑے ہیں۔ اور دانتوں کے متصل زبان طعام کے پکڑنے کے لئے ہے۔ تاکہ طعام کو چکی میں ڈالے۔ اور زبان کے نیچے کی قوت خمیر کرنے والی اور پانی ڈالنے والی ہے۔ تاکہ طعام تر ہو کر گلے سے نیچے اُتر جائے۔ تمام جہان کے عاقل اس سے اچھی صورت پیدا نہیں کرسکتے۔ اور اسی طرح ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ہیں۔ چار انگلیاں ایک قسم کی اور ایک ہی صف میں: اور انگوٹھا ان سے ذرا فاصلے پر اور لمبائی میں چھوٹا اور ہر ایک کے ساتھ کام کرتا ہے اور تمام انگلیوں پر پھرتا ہے۔ اور ہر ایک انگلی کی تین گرہیں ہیں۔ اور اس کی دو گرہیں ہیں ایسی بنائی ہیں۔ اگر آدمی چاہے۔ اس کا آبخورہ بنالے۔ چاہے چلو بنالے اور چاہے مٹھی بنالے اور چاہے تو گھونسا بنا کر اسے اپنے لئے ہتھیار بنالے اور چاہے مٹھی کھول کر اس سے طباق بنالے اور بہت طرح سے کام میں لائے۔ اور اگر تمام جہان کے عقلمند انگلیوں کی کوئی اور وضع تجویز کریں۔ مثلاً یہ کہ سب ایک ہی صف میں ہوں۔ یا دو ایک طرف اور تین ایک طرف یا یہ کہ پانچ کی جگہ پر چھ ہوں یا چار یا تین۔ اگر تینوں کی جگہ دو یا چار گرہیں ہوں۔ جو کچھ بھی وہ سوچیں گے۔ یا تجویز

کریں گے سب ناقص ہوگا۔ اور کامل وہی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ
کا علم اس شخص پر محیط ہے۔ اور وہ تمام اشیاء کے جاننے والا ہے۔ اور آدمی کے ہر ہر عضو میں اللہ تعالےٰ کی وہ
حکمتیں ہیں۔ کہ جو کوئی ان حکمتوں کو زیادہ جانے گا۔ اللہ تعالےٰ کی بزرگی اور عظمت اور علم سے اس کے دل
میں اور زیادہ تعجب ہوگا۔ اور اگر آدمی اپنی حاجات پر غور کرے۔ تو اسے اوّل اپنے اعضاء کی ضرورت محسوس ہوگی۔
اور پھر خوراک، لباس اور گھر کی ضروریات کا احساس ہوگا۔ اور پھر اسے ہوا۔ مینہ گرم اور سرد موسم کی بھی حاجت ہو
گی۔ تاکہ اس کے کھانے کی چیزوں کو کھانے کے قابل بنائیں۔ اور پھر آدمی کے لئے صنعتوں کی بھی ضرورت ہوگی۔
اور ان صنعتوں کے لئے بھی اوزار درکار ہوں گے۔ مثلاً لوہا۔ تانبا۔ پیتل۔ سیسہ وغیرہ اور پھر آلات کے بنانے کی
ترکیب کے سیکھنے کی احتیاج ہوگی کہ وہ کیونکر بنتے ہیں۔ اور آدمی ان تمام اشیاء کی ضرورت کو محسوس کرکے جاننے لگا۔
کہ تمام مخلوقات نہایت ہی عمدہ اور شائستہ مناسب طریق پر بنائی گئی ہے۔ اور تمام اشیاء جو پیدا کی گئی ہیں۔ اگر اللہ
تعالیٰ انہیں نہ بناتا تو کسی کے خیال میں بھی ان کا بنانا نہ آتا۔ اور یہ تمام مخلوقات اور مصنوعات محض اللہ تبارک و تعالیٰ
کی رحمت و عنایت ہے۔ اور اولیائے کرام کی زندگی اسی صفت سے وابستہ ہے۔ اور وہ اللہ تعالےٰ کی رحمت
و عنایت ہے تمام مخلوقات پر۔ جیسا کہ فرمایا سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ۔ اور جیسا کہ رسول مقبول
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی شفقت زیادہ ہے۔ اس شفقت سے جو ماں کو اپنے دودھ پیتے بچے سے ہوتی ہے

پس جب آدمی نے اپنی ہستی کے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو سمجھ لیا۔ اور اپنے اجزا و اطراف کی تفصیل
سے اللہ تعالےٰ کی قدرت کو دیکھ لیا۔ اور اس کی عجائب حکمتوں اور اپنے اعضاء کے منافعوں سے اللہ تعالیٰ
کے علم کے کمال کو جان لیا۔ اور جن اشیاء کی ضرورت اور حاجت تھی۔ یا وہ جو زیب اور زینت کا باعث تھیں۔
اور ان کو اپنے ساتھ مجتمع اور موجود ہونے سے اللہ تعالےٰ کے لطف و رحمت کو پہچان لیا۔ پس اس طریق پر
معرفت نفس اللہ تعالےٰ کی معرفت کی آئینہ اور کنجی ہوگی۔

فصل پس جس طرح آدمی نے اپنی صفات سے اللہ تعالےٰ کی صفات کو جانا۔ اور اپنی ذات سے اس
کی ذات کو سمجھا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کے تنزیہ اور تقدیس سے جانے۔ اللہ تعالےٰ کے حق میں
تقدیس و تنزیہ کے یہ معنے ہیں۔ کہ وہ تمام ان چیزوں سے تبارک اور مقدس ہے جو وہم اور خیال میں آسکتی ہیں۔ اگرچہ
کوئی جگہ اس کے تصرف سے خالی نہیں۔ لیکن وہ کسی جگہ سے نسبت رکھنے سے بالکل بری اور منزہ ہے۔ اور آدمی اس
تنزیہ اور تقدیس کی مثال اپنے آپ میں دیکھ سکتا ہے۔ کہ اس کی جان کی حقیقت جسے ہم دل کہتے ہیں۔ ان تمام اشیاء
سے منزہ ہے جو وہم و خیال میں آسکتی ہیں کیونکہ دل کے لئے بھی نہ مقدار ہے۔ نہ کمیت ہے نہ وہ قابل تقسیم ہے اور جب دل مقدار
کمیت اور تقسیم سے خالی ہے تو اسکے رنگ کا ہونا لازمی ہے اور جس چیز کا رنگ ہیئت کا نہ مقدار وہ خیال میں نہیں آسکتی کیونکہ خیال میں وہی چیز آسکتی ہے

جسے آنکھ نے دیکھا ہو یا اس کی مثال کوئی چیز آنکھ کے ملاحظہ سے گزری ہوئی ہو اور سوائے رنگ اور شکل کے کوئی چیز نہ آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اور نہ خیال میں آسکتی ہے۔ اور جب طبیعت تقاضا کرتی ہے کہ فلاں چیز کیسی ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی شکل کیا ہے۔ چھوٹی ہے یا بڑی ہے اور جس چیز میں ان صفات کو دخل نہ ہو۔ اس کو دریافت کرنا کہ کیا چیز ہے محض بے فائدہ ہے۔ پس اگر تو کسی ایسی چیز کو دریافت کرنا چاہے۔ جس میں چون وچرا کی گنجائش نہ ہو تو اپنی حقیقت میں غور کر۔ کیونکہ تیری حقیقت جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی جگہ ہے۔ ناقابلِ تقسیم اور مقدار کمیّت اور کیفیت سے خالی ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ روح کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس میں چگونگی کو دخل نہیں۔ اور جب تو نے اپنے آپ کو ان صفات سے متصف دیکھا۔ تو سمجھ لے کہ حق تعالےٰ کی ذات چگونگی سے منزّہ اور پاک ہونے میں بدرجۂ اَولیٰ ہے۔

لوگ تعجب کرتے ہیں۔ کہ بے چون بے چگون کوئی چیز کس طرح ہو سکتی ہے۔ لیکن اپنی حقیقت پر غور نہیں کرتے۔ کہ وہ خود بے چون بے چگون ہیں۔ اگر آدمی اپنے تن کی طرف غور کرے تو ہزاروں چیزیں بے چون و بے چگون دیکھے۔ اپنے میں درد دیکھے عشق دیکھے اور اگر چاہے کہ ان کی چونی و چگونگی دریافت کرے۔ تو ناممکن ہے۔ کیونکہ جب ان اشیاء کے لئے رنگ اور شکل نہیں۔ تو اس سوال کو ان سے کچھ تعلق نہیں کہ کیونکر ہے۔ اور کیسا ہے۔ بلکہ اگر کوئی آواز، مزہ۔ بُو کی حقیقت کو دریافت کرنا چاہے۔ کہ یہ اشیاء کیا ہیں۔ تو آدمی نہیں جان سکتا۔ اور اس کا سبب یہ ہے۔ کہ چون و چگون مقتضائے خیال ہے۔ جو حسِ بصر سے حاصل ہوتا ہے اور خیال ہر چیز میں آنکھ کا حصہ تلاش کرتا ہے۔ اور جو چیز کان کی مملکت ہے۔ جیسے آواز۔ آنکھ کا اس میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی چونی اور چگونی کا دریافت کرنا محال ہے۔ جس طرح رنگ اور شکل سے کان کو کچھ تعلق نہیں۔ اسی طرح آواز حسِ بصر سے بے تعلق ہے۔ اور اسی طرح جو چیز حاسۂ دل سے دریافت ہوتی ہے۔ اور عقل سے پہچانی جاتی ہے۔ وہ تمام جو اس سے پاک ہے۔ اور چونی چگونی محسوسات سے تعلق رکھتی ہے اور یہ امر نہایت ہی غور اور فکر کرنے کے قابل ہے۔ اور اس کی شرح معقولات کی کتابوں میں کی گئی ہے۔ اس کتاب میں اس سے زیادہ گنجائش نہیں اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ آدمی اپنی بے چونی و بیچگونی سے حق تعالیٰ کی بے چونی و بے چگونی کو پہچانے۔ اور سمجھ لے کہ جس طرح جان موجود ہے اور بدن کی بادشاہی اور وہ تمام اشیاء متعلقہ بدن جن کیلئے چونی و چگونگی ہے۔ اسی جان کی مملکت ہیں۔ اور جان خود بے چون و بے چگون ہے۔ اسی طرح جہان کا بادشاہ یعنی خدائے قدّوس بے چون و بے چگون ہے۔ اور تمام محسوسات جو چونی و چگونگی رکھتے ہیں اس کی مملکت ہیں۔

اور دوسرے طریق پر حق تعالےٰ کے تنزیہ کا بیان اس طرح ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کسی خاص جگہ کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے۔ اور جان کو بھی کسی خاص عضو کے ساتھ منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہیں کہا جا سکتا۔ کہ جان ہاتھوں

میں ہے۔ پاؤں میں ہے۔ سر میں ہے یا جسم کے کسی اور حصہ میں ہے۔ بلکہ ہم اپنے تمام اعضائے بدن کو تقسیم کر سکتے ہیں۔ یعنے اُن کے ٹکڑے کر سکتے ہیں۔ لیکن جان کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ قسمت پذیر نہیں ہے لیکن تن قسمت پذیر ہے۔ اور قسمت پذیر میں ناقسمت پذیر کا سما جانا محال ہے کیونکہ اگر وہ اس میں سما جائے گی۔ تو قسمت پذیر ہو جائے گی۔ لیکن باوجود اس کے جان کو کسی عضو کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا اور کوئی عضو اس کے تصرّف سے خالی نہیں۔ بلکہ تمام جسم میں اسی کی حکومت ہے۔ اور وہ سب اعضاء کی بادشاہ ہے۔ اسی طرح تمام عالم اللہ تعالیٰ کے تصرّف میں ہے۔ اور اس کی ذات اس سے پاک اور صاف ہے۔ اور کہ اس کو کسی خاص جگہ کے ساتھ منسوب کریں اور تقدیس اور تنزیہ کی تمام نوع اس سے ظاہر ہو سکتی ہے کہ روح کی خاصیت اور اس کے ہنر کو بیان کیا جائے۔ لیکن اس کے بیان کرنے کی اجازت نہیں۔ اور یہ تمام حال اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ سے ظاہر ہوتا ہے۔

فصل

جب تجھے اللہ تبارک کی ذات کی نسبت علم ہو گیا۔ اور اس کے صفات اور پاکی اور اس کی تصدیق چونی وچگونی سے پاک ہونے کی ہو چکی اور اضافتِ مکانی سے اس کا تنزیہ معلوم ہو چکا (یعنے کسی خاص مکان سے منسوب نہ ہونا) اور یہ بھی تو نے سمجھ لیا۔ کہ آدمی کا نفس تمام معرفت کی کنجی ہے۔ لیکن ایک باب باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ اس کا جاننا ہے۔ کہ اللہ تبارک اپنی مملکت میں کس طرح بادشاہی کرتا ہے۔ اور کس طریق پر فرشتوں کو حکم دیتا ہے اور فرشتے کس طرح اس کا حکم بجا لاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کس طرح آسمان سے زمین پر اپنے احکام نازل فرماتا ہے۔ اور آسمان اور ستاروں کو کس طرح جنبش میں لاتا ہے۔ اور اہل زمین کے کاروبار کو کس طرح آسمانوں سے وابستہ کرتا ہے۔ اور رزق کی کنجی آسمانوں کے حوالہ کیونکر ہے اور یہ سب کچھ کس طرح پر ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک عظیم الشان باب ہے۔ اور اسے معرفتِ افعال کہتے ہیں۔ اور وہ جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسے معرفت ذاتِ وصفات کہتے ہیں۔ اور اس معرفت کی کنجی بھی معرفت نفس ہی ہے۔ لیکن اگر تو یہ نہیں جانتا کہ بدن کی مملکت میں تو خود کس طرح پادشاہی کرتا ہے۔ تو ہرگز ہرگز نہیں جان سکتا۔ کہ بادشاہ عالم کس طرح حکمرانی فرماتا ہے۔ پہلے اپنے آپ کو پہچان اور اپنے ہر ایک فعل کو جان مثلاً جب تو چاہتا ہے۔ کہ بسم اللہ کسی کاغذ پر لکھے۔ اوّل رغبت اور ارادہ تجھ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر تیرے دل میں حرکت اور جنبش ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اس دل میں یہ حرکت ظہور نہیں کرتی۔ جو تیرے دائیں جانب گوشت کا ایک ٹکڑہ ہے۔ بلکہ ایک جسم لطیف دل سے حرکت کر کے دماغ کی طرف جاتا ہے۔ اور اس جسم لطیف کو حکیموں نے رُوح لکھا ہے۔ جو تمام حس وحرکت کی قوتوں کے اٹھانے والی ہے۔ اور وہ رُوح اور ہے جو حیوانوں کی ہوتی ہے۔ اور جس رُوح کا نام ہم نے دل رکھا ہے۔ وہ حیوانوں کے نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کے لئے موت ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی معرفت کی جگہ ہے۔ جب

یہ روح دماغ میں پہنچتی ہے۔ تو دماغ کے پہلے خزانہ میں جو قوت خیال کی جگہ ہے۔ وہاں بسم اللہ کی شکل پیدا ہوتی ہے اور پھر وہاں سے کچھ اثر دماغ کے اعصاب میں پہنچتا ہے۔ جو تمام جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور انگلیوں میں دھاگے کی طرح بندھے ہوئے ہیں (جنہیں دُبلے آدمیوں کے بازوؤں میں دیکھا جاسکتا ہے) پس یہ پٹھے حرکت کرتے ہیں اور سرِ انگشت کو ہلاتے ہیں اور سرِ انگشت قلم کو جنبش دیتا ہے۔ پھر صورت بسم اللہ خزانۂ خیال کے مطابق حواس کی مدد سے اور خصوصاً آنکھ کی اعانت سے کاغذ پر لکھی جاتی ہے۔ کیونکہ آنکھ کی احتیاج زیادہ پڑتی ہے۔ پس جسطرح کہ اوّل اس لکھنے کے کام کے لئے تجھ میں رغبت پیدا ہوئی ہے۔ اس طریق پر اللہ تعالےٰ کے تمام کاموں کی ابتدا اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اور اسی کا نام ارادہ ہے۔ اور جس طرح کہ اس ارادہ کا اثر تیرے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر دل کی معرفت دوسری جگہوں پر پہنچتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کے ارادہ کا اثر پہلے عرش پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور پھر دوسری دل تک پہنچتا ہے۔ اور جس طرح کہ جسمِ لطیف بخارات کی طرح اس اثر کو دل کی رگوں کے رستہ سے دماغ تک پہنچاتا ہے۔ اور اس جسمِ لطیف کو روح کہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے ایک جوہرِ لطیف ہے۔ جو اس اثر کو عرش سے کرسی تک لے جاتا ہے۔ اور اس جوہرِ لطیف کو فرشتہ کہتے ہیں۔ اور روح القدس کہتے ہیں۔ اور جس طرح ارادہ کا اثر دل سے دماغ کو جاتا ہے۔ اور دماغ اور دل کے ماتحت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا اثر پہلے کرسی کو پہنچتا ہے۔ اور کرسی عرش کے نیچے ہے۔ اور جس طرح کہ بسم اللہ کی شکل جو کہ میرا مقصد ہے اور تیرا فعل دماغ کے پہلے خزانہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور فعل اس کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر صورت جو جہان میں ظاہر ہوتی ہے۔ پہلے اس کا نقش لوح محفوظ پر پیدا ہوتا ہے۔ اور جس طرح قوتِ لطیف جو دماغ میں ہے اور اعصاب کو جنبش دیتی ہے تاکہ اعصاب ہاتھ اور انگلیوں کو حرکت دیں۔ اور انگلیاں قلم کو ہلائیں۔ اسی طرح جواہرِ لطیف جو عرش و کرسی پر منقش ہیں۔ تاکہ آسمانوں اور ستاروں کو حرکت دیں۔ اور جس طرح قوتِ دماغ رگوں اور پٹھوں کے ذریعہ سے انگلیوں کو حرکت دیتی ہے۔ اسی طرح وہ جواہرِ لطیف جنہیں فرشتے کہتے ہیں۔ ستاروں اور ستاروں کے تار شعاعی کے ذریعہ سے عالم سفلی میں اُمہاتِ عالمِ سفلی کو حرکت دیتے ہیں۔ جنہیں اربعہ عناصر یعنے سردی۔ گرمی۔ خشکی و تری بھی کہتے ہیں۔ اور جس طرح قلم سیاہی کو جنبش دیتا ہے۔ اور پراگندہ و جمع کرتا ہے۔ تاکہ صورتِ بسم اللہ ظاہر ہو۔ اسی طرح یہ حرارت و برودت۔ مٹی اور پانی ان مرکبات کی امہات (یعنے اصلوں) کو حرکت دیتی ہے۔ اور جس طرح کاغذ پراگندہ یا جمع شدہ سیاہی کو قبول کرلیتا ہے۔ اسی طرح رطوبت ان مرکبات کو قابل شکل بنا دیتی ہے۔ اور یبوست ان کی حفاظت کرتی ہے۔ تاکہ ان کی صورت نہ بدل جائے۔ اگر رطوبت نہ ہوتی۔ تو ان کی شکل نہ بنتی۔ اور اگر خشکی... نہ ہوتی تو ان کی شکل کی حفاظت نہ ہوتی۔ اور جس طرح کہ قلم اپنے کام اور اپنی حرکت کو انجام تک پہنچا

دیتی ہے۔ اور صورت بسم اللہ کو خزانہ خیال کے نقش کے مطابق حاسۂ چشم کی مدد سے لکھ ڈالتی ہے۔ اس طرح جب حرارت و برودت ان مرکبات کی اصلوں کو فرشتوں کی اعانت سے جنبش دیتی ہے تو حیوانات اور نباتات کی صورت لوح محفوظ کی شکل کے موافق جہان میں ظہور کرتی ہے۔ اور جس طرح تیرے تمام کاموں کا اثر دل سے پیدا ہو کر دوسرے تمام اعضا میں پھیلتا ہے۔ اسی طرح عالم اجسام کے کاروبار کا آغاز پہلے عرش میں ہوتا ہے۔ اور جیسے اس خاصیت کا قبول کرنے والا سب سے پہلے تیرا دل ہے اور دوسرے اعضا اس کے بعد قبول کرتے ہیں۔ اور لوگ دل کو تجھ سے نسبت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تو دل میں رہنے والا ہے اور چونکہ تمام اشیا پر غلبہ عرش کے ذریعہ سے ہے۔ اس لئے لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ حق تعالے ساکن عرش ہے۔ اور جس طرح کہ تو دل پر غالب ہوگیا۔ اور دل کا کام درست ہوگیا۔ تو تمام مملکت بدن کی تدبیر تو کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ تبارک عرش کو پیدا کرنے سے عرش پر غالب ہوا۔ اور عرش سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اور مغلوب ہوگیا۔ تو تمام جہان کی تدبیر بن گئی۔ اور ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ[1] اس سے مراد ہے اور یہ سب کچھ درست ہے۔ اور اہل نظر کو مکاشفہ سے صاف صاف معلوم ہو چکا ہے۔ اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں[2] اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ اور اس کو سچ جان کہ بادشاہوں کو سوائے بادشاہوں کے دوسرا کوئی نہیں پہچانتا۔ اور اگر تجھے تیری مملکت پر اللہ تعالیٰ بادشاہ نہ کرتا۔ اور اپنی بادشاہی سے تجھے مختصر سا نسخہ نہ دیتا۔ تو کبھی بھی اسے پہچان نہ سکتا۔ پس اس بادشاہ کا شکر کر کہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اور بادشاہی عنایت کی۔ اور اپنی مملکت کے نمونہ پر تجھے مملکت دی۔ اور تیرے دل کو تیرا عرش بنایا۔ اور روح حیوانی سے جس کا منبع دل ہے، تیرا اسرافیل پیدا کیا۔ اور تیرے دماغ کو کرسی اور تیرے خزانہ خیالات کو لوح محفوظ بنایا۔ اور تیری آنکھوں اور کانوں اور تمام حواس کو تیرا فرشتہ بنایا۔ اور تیرے دماغ کے گنبد کو جو منبع اعصاب ہے۔ تیرے لئے آسمان اور ستارے بنائے۔ اور انگلی اور قلم اور سیاہی سے طبائع کو تیرا مسخر بنا دیا۔ اور تیرے دل کو بے چون و بے چگون پیدا کیا اور تمام اعضاء پر بادشاہ بنایا اور پھر تجھے کہا کہ اپنے نفس اور اپنی بادشاہی سے غافل نہ ہو۔ تاکہ تو اپنے پیدا کرنے والے سے غافل نہ رہے[3] فَاِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ فَاعْرِفْ نَفْسَکَ یَا اِنْسَانُ تَعْرِفُ رَبَّکَ

فصل پس اس تمام بیان سے کہ جس میں حضرت مالک الملک کی بادشاہی اور انسان کی بادشاہی کا موازنہ کیا گیا ہے۔ وہ عظیم الشان علموں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک آدمی کے نفس کا علم اور اس کی حقیقتوں

[1] پس سیدھا ہوگیا اللہ تعالے عرش پر اور تدبیر فرماتا ہے کاموں کی ۱۲ [2] بے شک اللہ تعالے نے پیدا کیا انسان کو اپنی صورت پر ۱۲ [3] پس اللہ تعالے نے پیدا کیا انسان کو اپنی صورت پر۔ پس پہچان اپنے نفس کو اے انسان تا کہ پہچانے اپنے رب کو ۱۲۔

اور قوتوں کا اس کے اعضا کے ساتھ تعلق کی کیفیت اور اس کے صفات و اقوات کا اس کے دل کے ساتھ تعلق اور یہ علم نہایت دراز ہے۔ جس کی کیفیت اس کتاب میں بیان نہیں ہو سکتی۔ دوسرے پادشاہ عالم یعنی حق تعالےٰ کی مملکت کی تفصیل اور اس کا فرشتوں سے ربط وضبط اور فرشتوں کے آپس کے تعلقات اور عرش و کرسی کا ان سے تعلق یہ علم بھی نہایت دراز ہے اور اس کا فقط یہی مقصد ہے کہ زیرک اور ہوشیار انسان اس پر اعتقاد کرے اور اللہ تعالےٰ کی عظمت وشان کو اس سے پہچانے اور جو احمق ہو گا۔ وہ یہ بھی نہ سمجھے گا۔ کہ وہ خود کسی طرح غافل اور نادان رہا۔ کہ ایسے پادشاہ جلال وجمال کے دیدار سے محروم ومحجوب ہے۔ اللہ تعالےٰ کے جمال کی لوگوں کو کیا خبر ہے۔ اور یہ جو کچھ کہا گیا ہے۔ محض اس واسطے ہے۔ کہ لوگ اپنے آپ کو پہچان سکیں۔ کہ وہ خود کیا ہیں۔

فصل بیچارے عاجز طبیعی و نجومی جو تمام کاروبار کو طبیعتوں اور ستاروں پر منحصر سمجھتے ہیں۔ ان کی مثال اس چیونٹی کے مانند ہے۔ جو کاغذ پر چلتی ہے۔ اور یہ سمجھتی ہے۔ کہ کاغذ سیاہ ہو رہا ہے۔ اور اس پر نقش بن رہے ہیں۔ یا وہ قلم کے سر کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور کہتی ہے۔ کہ میں نے تمام کام کی اصلیت کو جان لیا اور فارغ ہو گئی۔ کیونکہ یہ تمام نقش قلم بناتا ہے۔ پس یہ مثل عالم علم طبیعی کی ہے۔ جو آخری درجہ کے محرک کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا۔

اس کے بعد ایک دوسری چیونٹی آتی ہے۔ جس کی آنکھ بڑی اور نگاہ پہلی چیونٹی سے زیادہ تیز ہے وہ کہتی ہے۔ تو نے غلطی کی۔ کیونکہ میں اس قلم کو کسی کا مسخر دیکھتی ہوں۔ اور قلم کے سوا کسی دوسری شے کو دیکھ رہی ہوں جو اس نقش کو بنا رہی ہے۔ اور اس سے خوش ہو کر کہے کہ حقیقت یہی ہے جو میں نے سمجھی ہے۔ کہ نقاشی انگلی کر رہی ہے۔ نہ کہ قلم۔ کیونکہ قلم مسخر ہے۔ اور یہ مثال نجومی کی ہے۔ جس نے اپنی نظر کو علم طبیعات کے جاننے والے سے زیادہ دوڑایا۔ اور سمجھا کہ طبائع ستاروں کے ماتحت ہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھا۔ کہ ستارے فرشتوں کے ماتحت ہیں اور ان درجوں کو خیال میں نہ لا سکا جو اس سے اُوپر ہیں۔

اور جس طرح یہ تفاوت طبیعی اور نجومی کے درمیان عالم اجسام میں پیدا ہو گیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے درمیان بھی اختلاف ہے۔ جو عالم ارواح کی طرف ترقی کرتے ہیں۔

کیونکہ بہت سے لوگ عالم اجسام سے آگے ترقی نہیں کرتے۔ اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو نہیں سمجھتے کیونکہ وہ پہلے ہی درجہ پر رہ جاتے ہیں۔ اور عالم ارواح جو کہ عالم انوار ہے۔ اس میں بھی بہت دشوار گزار مرحلے ہیں۔ بعض ستاروں کے درجات کی مانند ہیں۔ اور بعض کے درجات چاند اور سورج کی طرح ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کے کمال کے مدارج ہیں۔ جنہیں اللہ تعالےٰ ملکوت السموات دکھائے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام

کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ [1] وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور کہا ابراہیم علیہ السلام نے [2] اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور اس واسطے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [3] اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ لَوْ کَشَفَھَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ کُلَّ مَنْ اَدْرَکَ بَصَرُہٗ۔ اور شرح اس کی کتاب مشکوٰۃ الانوار وصفات الاسرار میں بیان کی گئی ہے۔ وہاں دیکھنی چاہیئے۔ مقصد یہ ہے۔ تاکہ تو اس بات کو جان لے۔ کہ طبیعی بے چارہ جس نے تمام چیزوں کو حرارت اور برودت کے حوالہ کر رکھا ہے۔ سچا ہے۔ کیونکہ اگر یہ حرارت وبرودت اسبابِ الٰہی میں نہ ہوتی تو علم طب جھوٹا ٹھہرتا۔ لیکن اس وجہ سے اس نے غلطی کی۔ کہ آنکھ اس کی کم بین ہے۔ جو اس کی مدد نہ کر سکی۔ اور پہلی ہی منزل میں رہ گیا۔ انہیں کو اصل تصور کیا مسخر نہ سمجھا۔ اور انہیں کو مالک ٹھہرایا۔ نوکر خیال نہ کیا اور حالانکہ یہ حرارت وبرودت ان کم درجہ ملازموں میں سے ہیں۔ جو جوتوں کی صف میں کھڑے ہوں۔ اور نجومی جس نے ستاروں کو اسباب الٰہی سے تصور کیا۔ یوں کہتا ہے۔ اگر یہ ستارے نہ ہوتے۔ تو رات دن میں کوئی تمیز نہ رہتی۔ کیونکہ آفتاب بھی ستارہ ہے۔ اور روشنی وگرمی اس جہان میں اسی کی وجہ سے ہے اور گرمی وسردی میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ کیونکہ موسم گرما میں گرمی اس لئے ہوتی ہے۔ کہ آفتاب وسط آسمان کے نزدیک ہوتا ہے۔ اور سردی میں دُور ہوتا ہے۔ اور وہ خدا جس نے اپنی قدرت وطاقت سے آفتاب کو گرم وروشن بنایا۔ اس سے کیا دُور ہے۔ کہ زحل کو سرد وخشک پیدا کیا ہو۔ اور زہرہ کو گرم اور تر۔

اور ایسا سمجھنا ایمان میں کچھ خلل نہیں ڈالتا۔ لیکن نجومی نے یہ غلطی کی ہے۔ کہ ستاروں کو اصل سمجھا۔ اور کاموں کو ان ہی پر منحصر جانا۔ اور ان کے مسخر ہونے پر خیال کیا [4] وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِہٖ۔ مسخر وہ ہے۔ جس سے کام لیں۔ اور یہ ستارے کام کرنے والے ہیں۔ کارگذار ہیں۔ نہ کہ خود مختار اور جس طرح اعصاب قوتِ دماغ کی تحریک سے کام کرتے ہیں۔ اسی طرح ستارے بھی فرشتوں کے عمّال ہیں اور سب کے سب ادنےٰ درجہ کے ملازموں میں سے ہیں۔ اگرچہ ان کا درجہ نقیبوں کا ہے لیکن سب سے آخری درجہ پر ہیں۔ لیکن ان چار طبائع کی طرح نہیں۔ جو ادنےٰ طریق پر مسخر ہیں جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم۔

فصل

بہت سے اختلافات دنیا میں اس قسم کے ہیں۔ کہ ہر ایک ایک نہ ایک وجہ سے درست اور ٹھیک ہے۔ لیکن لوگ پوری طرح نہیں دیکھتے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ سب کچھ دیکھ لیا۔

---

[1] اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو پادشاہی آسمانوں اور زمین کی دکھائی [2] پس متوجہ کیا میں نے اپنے منہ کو اس کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا [3] اللہ کے لئے نور کے ستر ہزار پردے ہیں اگر ان کو اٹھایا جائے تو اس کے چہرے کی تجلیاں جلادیں ان سب کو جو ان کی طرف دیکھیں [4] آفتاب وماہتاب اور ستارے بھی ان کے ماتحت ہیں۔

ان کی مثال اندھوں کے گروہ کے مطابق ہے۔ جو سنتے ہیں کہ ہمارے شہر میں ہاتھی آیا ہے۔ اور وہ اس کو دیکھنے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کو ہاتھ سے ٹٹول کر پہچان لیں گے۔ اور اس خیال سے اس کو ہاتھوں سے ٹٹولتے ہیں۔ کسی کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑتا ہے۔ کسی کا پاؤں پر۔ کسی کا دانتوں پر۔ اور جب یہ اندھے دوسرے اندھوں کے پاس آتے ہیں۔ تو وہ ان سے ہاتھی کی تعریف دریافت کرتے ہیں۔ اور وہ اندھا جس نے ہاتھی کے پاؤں کو چھوا تھا۔ کہتا ہے۔ کہ ہاتھی ستون کی طرح ہے۔ اور جس نے اس کے دانتوں کو ہاتھ لگایا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ہاتھی گرز کی طرح ہے۔ اور جس کا ہاتھ کانوں پر پڑا تھا۔ وہ کہتا ہے۔ کہ ہاتھی کمبل کی طرح ہے۔ ایک ایک وجہ سے ان سب نے سچ کہا۔ لیکن غلطی اس میں کھائی۔ کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ ہم نے تمام ہاتھی کو دیکھ لیا ہے۔ حالانکہ تمام ہاتھی کو نہیں پہچانا۔

اسی طرح نجومی اور طبیعی کی نظر حضرت الٰہی کے ایک ایک ملازم پر پڑی اور اس کی سلطنت کا غلبہ دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کہا کہ هٰذَا رَبِّيْ یعنے یہی بادشاہ ہے۔ اور جس کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہدایت دی اور اس نے جسے رب سمجھا تھا۔ اور اس کے نقائص کو دیکھ لیا۔ اور جب اس کے علاوہ اور کو دیکھا۔ تو کہا کہ جسے میں خدا سمجھا تھا۔ وہ دوسرے کے ماتحت ہے۔ اور جو کسی دوسرے کے تابع ہے۔ وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ یعنے میں ماتحتوں کو دوست نہیں رکھتا۔

فصل کواکب وطبائع اور بروج اور فلک الکواکب جو کہ بارہ اقسام پر ہیں۔ اور ان کے علاوہ عرش عظیم ہے۔ ان سب کی مثال ایسے بادشاہ کی طرح ہے۔ جس کا ایک خاص حجرہ ہو۔ جہاں اس کا وزیر خاص بیٹھے۔ اور اس حجرہ کے اردگرد ایک بارہ دروازہ والا رواق ہو۔ اور ہر دروازہ میں وزیر کا ایک ایک نائب بیٹھا ہوا ہو۔ اور سات نقیب سوار ان بارہ دروازوں کے گرداگرد پھر رہے ہوں۔ اور وزیر کے نائبوں کے احکام جو انہیں وزیر اعظم کی طرف سے پہنچتے ہوں سنتے ہوں اور چار پیادے ان سات نقیبوں سے ذرا دور فاصلہ پر کھڑے ہوئے ہوں۔ اور اس انتظار میں ہوں۔ کہ دردولت سے انہیں کیا فرمان ملتا ہے اور ان چار پیادوں کے ہاتھوں میں چار کمندیں ہوں۔ تاکہ وہ ان سے اس گروہ کو حاضر کریں جس کے حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہو۔ اور اسے دور کریں۔ جس کے دور کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ اور کسی گروہ کو انعام دیں اور کسی کو عذاب دیں۔

پس عرش حجرۂ خاص ہے اور وزیر مملکت کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ جو مقرب ترین ملائکہ میں سے ہے اور ستاروں والا آسمان رواق ہے۔ اور بارہ برج اس کے بارہ دروازے ہیں اور نائبان وزیر دوسرے فرشتے ہیں۔ جن کا درجہ اس مقرب ترین فرشتے سے نیچے ہے۔ اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ کام مقرر ہیں۔ اور

سات ستارے سات سوار ہیں۔ جو نقیبوں کی طرح بارہ دروازوں کے گرد پھرتے ہیں۔ اور ہر دروازہ سے علیحدہ علیحدہ فرمان ان کو پہنچتے ہیں۔ اور چار عنصر (یعنے آب۔ آتش۔ خاک۔ ہوا) چار پیادے ہیں جو اپنی جگہ سے ادھر اُدھر نہیں جاتے۔ اور چار طبائع (حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست) چار کمندیں ہیں۔ جو ان چاروں پیادوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ مثلاً جب کسی کا حال بدل جائے اور وہ دنیا سے منہ پھیرے اور رنج و غم اس پر غالب آ جائے اور دُنیا کی نعمتیں اسے بُری معلوم ہونے لگیں۔ اور انجام کار فکر اسے گھیرے۔ طبیب کہے گا کہ یہ بیمار ہے اور اسے مرض مالیخولیا ہے اور افیتمون کا جوشاندہ اس کا علاج ہے۔ لیکن طبیعی کہے گا کہ اس مرض کی علت طبیعت میں خشکی کا پیدا ہونا ہے جو دماغ پر غالب ہوگئی ہے۔ اور اس خشکی کی وجہ سرما کی سرد ہوا ہے اور جب تک موسم بہار نہ آئے گا۔ اور رطوبت ہوگی۔ تب تک مریض اچھا نہ ہوگا۔ اور نجومی یہ کہے گا۔ کہ یہ سودا ہے اور یہ عطارد ستارہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب اسے مریخ (ستارہ) سے منحوس مشاکلت ہوئی ہے اور جب تک عطارد وسعدین یا تثلیث کے نزدیک نہ آئے گا۔ یہ حالت اچھی نہ ہوگی۔ پس طبیب۔ نجومی اور طبیعی سب سچ کہتے ہیں۔ کیونکہ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ یہ ان کے علم کا آخری نتیجہ ہے۔ لیکن اللہ کی درگاہ سے اس شخص مریض کی سعادت کا حکم ہوتا ہے اور وہ نقیب تیز اور تجربہ کار کہ جنہیں عطارد اور مریخ کہتے ہیں۔ انہیں اس لئے بھیجا جاتا ہے۔ کہ درگاہ الٰہی کے پیادوں میں سے ایک پیادہ یعنی ہوا خشکی کی کمند مارے اور اس شخص کے دماغ میں خشکی ڈال دے۔ اور دنیا کی تمام لذات سے اس کے دل میں نفرت پیدا کر دے۔ اور رنج و خوف کے کوڑے مار کر اس کے جذبہ اور شوق کو اللہ تعالیٰ کی درگاہ کی طرف پھیرے۔ لیکن اس حالت کو نہ طبیب سمجھتا ہے اور نہ طبیعی اور نہ نجومی جانتا ہے بلکہ یہ گوہر علم نبوت کے دریائے بیکراں سے نکلتے ہیں۔ جو مملکت کے تمام اطراف اور حضرت الٰہی کے تمام عاملوں نقیبوں اور نوکروں پر محیط ہے اور جانتا ہے کہ ہر ایک کس کام کے لئے ہے اور کس کے حکم سے حرکت کرتا ہے۔ اور خلقت کو کہاں بلاتا ہے اور کہاں سے روکتا ہے۔ پس جو کچھ کسی نے کہا سچ کہا۔ لیکن پادشاہ اور مملکت اور سپہ سالاروں کے راز سے واقف نہ ہوا۔ جس طرح ایک دیہاتی کسی بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ اور اس کے لشکر اور جاہ و حشم اور غلاموں کو دیکھ کر یہ کہے کہ میں نے بادشاہ کو دیکھا۔ اس کا ایسا کہنا دُرست ہے۔ کیونکہ اس نے بادشاہ کی درگاہ کو پادشاہ سے نسبت دی۔ لیکن حالت معکوس تھی۔ کیونکہ وہ درگاہ پادشاہی کی درگاہ تھی۔ لیکن جس غلام کو اس نے دیکھا وہ پادشاہ نہ تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بلا بیماری سودا اور محنت کے لوگوں کو اپنے حضور میں بلاتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ کہ یہ بیماری نہیں ہے۔ بلکہ میری مہربانی کی کمند ہے۔ جس سے ہم اپنے دوستوں کو اپنی درگاہ میں بلاتے ہیں۔ اِنَّ الْبَلَاءَ مُوَكَّلٌ بِالْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ بلائیں مقرر کی گئی ہیں انبیاؤں پر پھر اولیاؤں پر۔ پھر بزرگ تر لوگوں اور بزرگوں پر جو خاص بندے ہیں مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ یعنے میں

بیمار ہوا۔ اور تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ انہیں کی شان میں ہے اور اس سے پہلی مثال میں آدمی کے تن کے اندر کی بادشاہی کے متعلق بیان کیا گیا ہے اور یہ مثال آدمی کے بدن کے باہر کی بادشاہی کے متعلق ہے اور یہ معرفت بھی اپنے آپ کو پہچاننے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ معرفتِ نفس کو ہم نے پہلا عنوان مقرر کیا۔

فصل سُبْحَانَ اللّٰہِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کے معانی تجھے جاننے چاہئیں۔ اگرچہ یہ چار کلمے نہایت مختصر ہیں۔ مگر جامعِ معرفتِ الٰہی ہیں۔ جب تو نے اپنے تنزیہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے تنزیہ کو جان لیا۔ تو تجھ پر سبحان اللہ کے معنے روشن ہو گئے اور جب تو نے اپنی بادشاہی سے اس کی بادشاہی کی تقدیس کو جان لیا۔ کہ تمام اسباب و ذرائع اسی کے مسخر ہیں۔ جیسے کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم۔ تو تو نے الحمد کے معنے پہچان لئے۔ کہ جب اس کے سوا کوئی نعمت دینے والا نہیں۔ تو حمد و شکر اور کسی کے لئے زیبا نہیں ہو سکتا۔ اور جب تجھے یہ معلوم ہو گیا۔ کہ سوائے اس کے کوئی نعمت دینے والا نہیں۔ تو حمد و شکر اور کسی کے لئے زیبا نہیں ہو سکتا۔ اور جب تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ سوائے اس کے کوئی خود مختار حاکم نہیں۔ تو تو نے لا الٰہ الا اللہ کے مطلب کو سمجھ لیا۔ اور اب وقت ہے کہ تو اللہ اکبر کے معنوں کو سمجھے اور یہ جانے کہ یہ جو کچھ تو نے سمجھا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حقیقت کے متعلق کچھ بھی نہیں سمجھا۔ کیونکہ اللہ تبارک کی ذات بڑی و بزرگ تر ہے۔ اور وہ ایسا ہے کہ لوگ قیاس سے بھی اسے نہیں پہچان سکتے اور اس کے معنے یہ نہیں کہ وہ اوروں سے بزرگ تر ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز موجود ہی نہیں۔ کہ وہ اس سے بزرگ ہو۔ کیونکہ تمام موجودات اسی کے وجود کا نور ہے۔ اور آفتاب کا نور آفتاب سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے کہ کہا جا سکے۔ کہ آفتاب اپنے نور سے خود بزرگ تر ہے۔ بلکہ اللہ اکبر کے یہ معنے ہیں کہ اس سے بزرگ ہے کہ آدمی عقل کے قیاس سے اسے پہچان سکے۔ معاذ اللہ کیا حق تعالیٰ کی پاکی اور تنزیہ آدمی کی پاکی اور تنزیہ کی طرح ہے؟ آدمی کیا چیز ہے وہ تمام مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے۔ معاذ اللہ کیا اس کی بادشاہی آدمی کی بادشاہی کی طرح ہے؟ جو آدمی کو اپنے بدن کے متعلق حاصل ہے۔ اور کیا اس کا علم و قدرت آدمی کے صفات کی طرح ہے؟ نعوذ باللہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ ایک شائبہ کی مانند ہے۔ تاکہ تجھے باوجود عجز بشریت کے حضرت الٰہی کے جمال سے کچھ حاصل ہو جائے۔ اور اس نمونہ یا شائبہ کی مثال اس طرح پر ہے جیسے کوئی لڑکا ہم سے پوچھے کہ ریاست اور بادشاہی کی کیا لذت ہے اور ہم اُسے کہیں جیسے گیند اور چوگان کھیلنے میں لذت ہے۔ کیونکہ وہ سوائے اس مزہ کے اور کسی دوسرے مزہ کو جان ہی نہیں سکتا۔ اور جس مزہ کی نسبت اسے کچھ معلوم ہی نہیں وہ اس کا کچھ قیاس بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ اس مزہ کو جان سکے گا جس کا اسے کچھ شائبہ یا نمونہ حاصل ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لذتِ سلطنت کو لذت

چوگان بازی سے کوئی نسبت نہیں۔ صرف لذّت اور شادی کے نام کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ اور صرف نام کی وجہ سے برابر ہیں۔ اور اس وجہ سے یہ معرفت کا شائبہ لڑکوں کے لئے چاہیئے۔ پس اس طرح جو معرفتِ الٰہی کے متعلق بیان ہوا ہے اُسے بھی ایسا ہی سمجھ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اللہ کی حقیقت اور کمال کو اور کوئی نہیں جانتا۔

فصل اللہ تعالےٰ کی معرفت کی شرح دراز ہے اور اس کتاب میں پوری بیان نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ کافی ہے۔ کہ لوگ واقف ہو جائیں۔ اور حتی المقدور جستجوئے معرفت کریں کیونکہ آدمی کی سعادت اللہ تعالیٰ کی معرفت بندگی اور عبادت میں ہے۔ اور اس کی وجہ کہ آدمی کی سعادت اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ہے پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ لیکن بندگی اور عبادت میں بھی آدمی کی سعادت کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی مرے گا۔ تو اس کا سروکار اللہ تعالیٰ سے ہوگا۔ اِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَصِیْرُ اور جس کسی نے کسی کے ساتھ رہنا ہو۔ اس کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اسے دوست رکھے اور جس قدر اس سے محبت رکھے گا۔ اسی قدر اس کے لئے باعث سعادت ہوگا۔ کیونکہ لذت اور راحت محبوب کے مشاہدہ سے زیادہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دوستی و محبت آدمی کے دل پر معرفت اور ذکر سے غالب ہوتی ہے۔ اور جو کوئی کسی کو دوست رکھتا ہے وہ اس کا زیادہ ذکر کرتا ہے۔ اس لئے جو اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے۔ وہ اس کا بہت ذکر کرتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کی اور فرمایا اَنَا بُدُّکَ اللَّازِمُ فَالْزَمْ بُدَّکَ (یعنی میں ہی تیرا چارہ ساز ہوں اور تیرا سروکار مجھ سے ہے۔ ایک دم بھی میرے ذکر سے غافل نہ رہ) اور اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت پر مداومت سے پیدا ہوتا ہے اور عبادت میں فراغت خواہشات کے چھوڑ دینے سے پیدا ہوتی ہے اور خواہشات تب ہی چھوڑی جا سکتی ہیں۔ جب گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ پس گناہوں سے بچنا دل کی فراغت کا سبب ہے۔ اور اسکی اطاعت کا بجالانا ذکر کے غالب ہونے کا سبب ہے اور یہ دونوں جمعیت کا سبب ہیں جو تخم سعادت ہے اور اس کا مطلب نجات حاصل کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (بیشک ایماندار نجات پاتے ہیں) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی[1] اور چونکہ سب اعمال عبادت نہیں ہو سکتے۔ بعض عبادت میں داخل ہیں اور بعض نہیں اسی طرح تمام خواہشات سے علیحدگی بھی نہیں ہو سکتی اور نہ اس طریق پر جائز ہے۔ جیسے کہ کھانا نہ کھائے گا۔ تو ہلاک ہو جائے گا۔ اگر مباشرت نہ کرے گا تو نسل منقطع ہو جائے گی۔ اس لئے بعض خواہشات ایسی ہیں جنہیں چھوڑ دیا جائے اور بعض ایسی ہیں جو چھوڑی نہیں جا سکتیں۔ پس کوئی حد مقرر کرنی چاہیئے جو ان دونوں کو علیحدہ کر دے۔ اور اس حد کا مقرر کرنا دو حد سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو آدمی اپنی عقل، خواہش، تجویز سے حد مقرر کرلے اور اپنے غور و فکر سے اسے اختیار کرے یا کسی دوسرے سے حد مقرر کروائے اور مشکل ہے کہ آدمی کو اپنی حد باندھنے کا اختیار دے دیا جائے۔ کیونکہ خواہش اس پر غالب ہوتی ہے اور ہمیشہ راہ راست کو اس سے پوشیدہ رکھتی ہے اور جس میں اس کا اپنا مطلب ہوتا ہے

[1] بیشک اُسی نے نجات پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے پروردگار کا نام یاد کیا۔ پھر نماز پڑھی

وہ چیز اسے اچھی نظر آتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اختیار کی باگ کسی دوسرے کے حوالے کی جائے اور ہر شخص قابلِ متابعت نہیں ہے بلکہ نہایت دور اندیش انسان کی ضرورت ہے۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پس ضروری ہے کہ شریعت کی متابعت کرے اور اس کے حکموں اور حدوں کو لازم جانے۔ کیونکہ یہی سعادت کی راہ ہے۔ اور بندگی کے یہی معنی ہیں۔ اور جو کوئی حدودِ شریعت سے گذر جائے گا۔ اپنی مرضی سے ہلاکت میں جا پڑے گا اور اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ (پس جو کوئی اللہ تعالےٰ کی حدوں سے بڑھا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔)

فصل جو کوئی اہل اباحت میں سے ہیں یعنے غیر مباح کو مباح جاننے والے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکموں سے تجاوز کر گئے۔ ان کی غلطی اور جہالت سات وجوہ پر ہے پہلی جہالت اس گروہ کی یہ ہے کہ اللہ تبارک پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کو وہم وخیال کے خزانہ سے ڈھونڈھتے ہیں اور اس کی چگونگی کے متلاشی ہیں۔ اور جب ان باتوں سے اس تک نہیں پہنچتے انکار کر دیتے ہیں۔ اور تمام کاروبار کا حصہ طبیعت اور نجوم پر لے آتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ کہ آدمی اور دیگر حیوانات اور یہ تمام عجیب وغریب عالم مع تمام ترتیب اور حکمت کے اپنے آپ پیدا ہو گئے ہیں یا خود ہمیشہ سے چلے آ رہے ہیں۔ یا یہ سب طبیعت کا فعل ہے۔ لیکن طبعی خود اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ وہ دوسری چیزوں کو کیا جانے گا۔ اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کوئی اچھا لکھا ہوا دیکھے اور خیال کرے کہ بغیر کاتب کے خود بخود لکھا گیا ہے۔ علم قدرت اور ارادہ کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ یا یہ ہمیشہ سے ایسا ہی لکھا ہوا چلا آ رہا ہے۔ پس جس کا اندھا پن اس حد تک پہنچ چکا ہو وہ بدبختی کے راستہ سے نہیں ہٹ سکتا۔ طبیعی اور نجومی کی غلطی پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ اور دوسری وجہ اس گروہ کی جہالت کی یہ ہے کہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اور سمجھتا ہے کہ آدمی بناتات کی طرح ہے۔ یا اس حیوان کی طرح ہے جو مرنے سے فنا ہو جاتا ہے اور نہ اس پر عتاب ہے۔ نہ حساب ہے نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے اور سبب اس جہالت کا اپنے نفس سے عدم واقفیت ہے۔ کہ اپنے آپ کو گھاس پات یا گدھا یا گاؤ تصور کرتا ہے۔ حالانکہ وہ روح کو نہیں جانتا۔ جو آدمی کی اصلیت ہے اور ابدی ہے اور جس کے لئے موت نہیں۔ صرف جسم کو اس سے لے لیا جاتا ہے اور اسی کا نام موت ہے۔ اس کی حقیقت عنوان چہارم میں بیان کی جائے گی۔ اور تیسری وجہ اس گروہ کی جہالت کی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان تو رکھتا ہے لیکن ضعیف اور شریعت کے معنے نہیں سمجھتا۔ اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت کی کیا ضرورت ہے اور ہمارے گناہوں سے کیا تکلیف ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ ہے اور لوگوں کی عبادت سے مستغنی ہے اور عبادت و معصیت اس کے نزدیک برابر ہے لیکن یہ جاہل قرآن شریف کی طرف نہیں دیکھتے جو کہتا ہے ؎وَمَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا

ؔ جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اس نے اپنے آپ کو اپنی جان کے لئے پاک کیا۔ اور جس نے مجاہدہ کیا

یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ، وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ، وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ۔ پس یہ فاسق ہے۔ جو شریعت کو صرف یہی سمجھتا ہے کہ کام خدا کے لئے کرنا چاہیئے نہ اپنے لئے اور اس کی مثال اس بیمار کی طرح ہے کہ جو پرہیز نہ کرے اور یہ کہے کہ حکیم کو اس سے کیا چاہیے۔ میں اس کا کہا مانوں یا نہ مانوں۔ اگرچہ یہ درست ہے لیکن وہ ہلاک ہو جاتا ہے حکیم کی حاجت کے سبب سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اس کا پرہیز نہ کرنا اس کی موت کا سبب ہے حکیم نے تو اسے صحت کا راستہ بتایا۔ اگر مریض نے اس پر عمل نہ کیا۔ تو حکیم کا کیا نقصان۔ وہ خود ہلاک ہوگا۔ جس طرح بدن کی بیماری اس جہان میں ہلاکت کا سبب ہے۔ اسی طرح دل کی بیماری اگلے جہان میں شقاوت کا سبب ہے۔ اور جس طرح دوا اور پرہیز بدن کی سلامتی کا باعث ہے اسی طرح اطاعت و معرفت اور گناہوں سے بچنا دل کی سلامتی کا سبب ہے۔ لَا یَنْجُوْا اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ اور چوتھی وجہ جہالت اس گروہ کی یہ ہے۔ جو شریعت کے خلاف یہ کہتا ہے کہ شرع دل کو شہوت اور غصہ و ریا سے پاک کرنے کا حکم دیتی ہے لیکن یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ آدمی کو انہی چیزوں سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چاہے کہ سیاہ کو سفید کر دیا جائے۔ حالانکہ ایسا کرنا محال ہے۔ اور یہ احمق نہیں سمجھتے کہ شرع نے یہ حکم نہیں دیا کہ غصہ اور شہوت کو دور کر دو۔ بلکہ شریعت کا حکم انہیں اعتدال پر رکھنا ہے تاکہ یہ عقل اور شریعت پر غالب نہ آجائیں اور سرکشی نہ کریں۔ اور شریعت کے حدود کا خیال رکھیں۔ اور گناہ عظیمہ سے بچیں تاکہ اللہ تعالیٰ گناہ صغیرہ کو عفو کر دے۔ اور اسی طرح پر غصہ اور شہوت کو قابو میں رکھنا ممکن ہے اور بہت لوگوں نے ایسا کہا ہے۔ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ کہ غصہ اور شہوت کا مغلوب نہیں ہونا چاہیئے۔ حالانکہ آپ کی نو بیویاں تھیں۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ میں تمہاری طرح آدمی ہوں۔ اور اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ اور مجھے آدمی کی طرح غصہ آتا ہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ یعنے اس شخص کی تعریف فرمائی ہے۔ جو غصہ کو ہضم کر جائے۔ اس کی تعریف نہیں کی جس کو غصہ ہی نہ آئے اور پانچویں وجہ ان لوگوں کی جہالت کی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات سے بے خبر ہو کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہے اور ہم جس طرح پر بھی ہوں گے۔ وہ ہم پر رحمت کریگا۔ اور یہ نہیں جانتے کہ جس طرح وہ کریم ہے اسی طرح شدید العقاب بھی ہے۔ اور نہیں دیکھتے کہ بہت سے لوگوں کو بلا بیماری اور فاقہ میں رکھتا ہے اور نہیں دیکھتے کہ جب تک کھیتی اور تجارت نہ کی جائے مال ہاتھ نہیں آتا۔ اور جب تک کوشش نہ کریں علم حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے کہنے والے طلب دنیا میں تو تقصیر نہیں کرتے لیکن نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہے۔ جو کھیتی اور تجارت کے ذریعہ سے روزی دیتا ہے۔ باوجودیکہ اللہ تبارک و تعالیٰ روزی

بقیہ حاشیہ۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اس نے اپنی جان کے لئے مجاہدہ کیا۔ اور جس نے نیک عمل کئے۔ اپنی جان کے لئے کئے (۲) کوئی شخص نجات نہ پائے گا۔ مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے پاس گناہوں سے سلامت دل لے جائے گا۔

کا ضامن ہے اور فرماتا ہے وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الارضِ اِلَّا عَلَی اللہِ رِزقُھَا اور آخرت کا کام اس نے عمل کے حوالہ کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ کیونکہ یہ لوگ اس کے کرم پر ایمان نہیں رکھتے اور طلب رزق سے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اس لئے آخرت کے بارے میں وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں فقط زبانی ہے۔ اور شیطان کی تلقین ہے۔ جس کی کچھ اصلیت نہیں ہے۔ اور چھٹی وجہ ان لوگوں کی جہالت کی یہ ہے جو اپنے آپ کو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم ایسے مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں۔ کہ گناہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔ اور ہمارا دین مبین (عالی ظرف) ہے جو نجاست پذیر نہیں ہوتا۔ اور بعض ان میں سے ایسے احمق اور کم ظرف ہوتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص گستاخی کی بات اُن سے اور اُن کے تکبر اور غرور کو توڑ دے تو تمام عمر کے لئے اس کے دشمن بن جاتے ہیں اور اگر ایک لقمہ جس کا بہ طمع رکھتے ہوں انہیں نہ ملے تو تمام جہان ان کی آنکھوں میں تنگ و تاریک ہو جاتا ہے اور حالانکہ یہ لوگ ابھی ایسے عالی ظرف نہیں ہوتے کہ ان چیزوں یعنے گناہوں سے انہیں خوف نہ ہو۔ یہ دعویٰ ان کا کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا بھی ہو کہ عداوت۔ غصہ۔ شہوت دریا اس کے نزدیک نہ آسکیں۔ لیکن وہ اس بات پر غرور کرے۔ تو اس کا درجہ انبیاء علیہم السلام سے نہ بڑھ جائے گا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنے گناہوں پر روتے تھے۔ اور توبہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں معذرت کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے حذر کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات شبہ کی وجہ سے حلال چیزوں سے بھی پرہیز کرتے تھے اور یہ احمق کس طرح سمجھا ہے کہ وہ شیطان کے مکر و فریب کا شکار نہیں ہوا۔ اور اس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ سے بھی بلند ہو گیا ہے۔ اور اگر یہ احمق کہے۔ کہ پیغمبر بھی ایسے ہی تھے کہ گناہ ان پر کچھ اثر نہیں کرتے تھے۔ اور وہ جو کچھ توبہ استغفار کرتے تھے۔ محض لوگوں کی تعلیم کے لئے کرتے تھے۔ تو یہ احمق بھی کیوں اس طرح لوگوں کے فائدے کے لئے نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ دیکھتا ہے کہ جو کوئی اس کی حالت کو دیکھتا ہے تباہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ یہ کہے کہ لوگوں کی تباہی میرے لئے نقصان کا باعث نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کی تباہی سے کیا نقصان تھا۔ کہ وہ حد درجہ کے تقویٰ کے لئے اپنی جان کو مصیبت میں ڈالتے تھے۔ اور ایک دانہ خرما کا جو صدقہ کا تھا اپنے منہ سے کیوں نکال کر پھینک دیا۔ اگر وہ کھا لیتے تو لوگوں کا اس میں کیا نقصان تھا۔ بلکہ اس کا کھانا سبھوں کے لئے جائز ہو جاتا۔ اور اگر اس خرما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نقصان تھا۔ تو کیا ان احمقوں کے لئے شراب کا قدح کچھ نقصان نہیں رکھتا۔ آخر اس احمق کا مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو نہیں اور اگر شراب کے سو پیالوں کا درجہ ایک دانہ خرما سے زیادہ ہے۔ تو کیا یہ احمق اپنے آپ کو دریا سمجھتا ہے۔ کہ شراب کے سو پیالے اس کو نہ بگاڑیں گے۔ اور نعوذ باللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوٹا سا کوزہ آب جانتا ہے کہ ایک دانہ خرما ان کو بگاڑ دیتا۔ اس احمق کے لئے ایسا وقت ہے کہ شیطان اس کی مونچھیں مروڑے۔ اور جہان کے بیوقوف اس کا تمسخر اڑائیں۔ اس لئے کہ عقلاء کو اس کی

بات کرنے میں دریغ ہے۔

بزرگان دین وہ ہیں جو یہ پہچانتے ہیں کہ جس نے حرص و خواہش کو اپنا مطیع نہ بنایا وہ انسان نہیں ہے بلکہ حیوان ہے۔ پس سمجھنا چاہیئے کہ آدمی کا نفس مکار اور فریب دہندہ اور تمام جھوٹے دعوے کرتا ہے اور لاف مارتا ہے کہ میں بہت زبردست ہوں۔ پس چاہیئے کہ نفس سے اس کی دلیل طلب کی جائے۔ اور اس کی سچائی میں سوائے شرعی دلیلوں کے اس کی اپنی دلیلوں پر اعتبار نہ کیا جائے۔ اور اگر وہ ہمیشہ شریعت کی اطاعت میں رہے تو سچا ہے۔ اور اگر احکام شریعت میں حیلہ و بہانہ ڈھونڈے تو شیطان کا بندہ ہے۔ اور ولایت کا دعوٰے کرتا ہے اور آخری وقت تک ایسے شخص سے دلائل طلب کرتے رہنا چاہیئے۔ ورنہ وہ مغرور اور دنیا پر عاشق ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ اور لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ نفس کا متابعتِ شریعت میں محو ہو جانا مسلمانی کا پہلا درجہ ہے اور ساتویں وجہ غفلت اور شہوت سے پیدا ہوتی ہے۔ جہالت سے پیدا نہیں ہوتی۔ اور یہ اباحتی لوگ یعنے ناجائز کو جائز بنانے والے ہیں جو اوپر بیان کی ہوئی باتوں کو نہیں سمجھتے اور اگر کسی گروہ کو دیکھیں کہ وہ اباحت کے راستہ پر چلتے ہیں اور فساد کرتے ہیں اور چکنی چپڑی باتیں بناتے ہیں۔ اور صوفیوں کا لباس پہن کر تصوف اور ولایت کا دعوٰے کرتے ہیں۔ تو اس گروہ کو یہ باتیں پسند آتی ہیں۔ کیونکہ ان کے دلوں میں لغویت اور شہوت غالب ہوتی ہے جو انہیں فساد کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتا کہ مجھے اس سبب سے عذاب ہوگا۔ تاکہ فساد کرنا اس کی طبیعت کو ناگوار نہ ہو۔ بلکہ کہتا ہے کہ یہ فساد نہیں ہے۔ بلکہ ایسا خیال کرنا تہمت اور نئی بات ہے۔ حالانکہ وہ تہمت کے معنے نہیں سمجھتا اور نہ حدیث کو جانتا ہے۔ پس ایسا آدمی غافل اور شہوت پرست اور شیطان کا مطیع ہوتا ہے۔ اور سمجھانے سے نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اسے اپنے افعال میں شبہ نہیں ہوتا۔ اور اکثر یہ گروہ ان لوگوں میں سے ہے۔ جنہیں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِىْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا[1] پس ایسے لوگوں کو تلوار سے درست کرنا چاہیئے۔ نہ کہ باتوں سے اور دلیلوں سے۔ اور اس عنوان میں اہل اباحت کی فضیحت اور غلطی کا بیان کرنا اسی قدر کافی ہے اور یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا سبب جہالت نفس یعنے اپنے نفس کا نہ پہچاننا اور اللہ تعالےٰ کی ذات کو نہ جاننا اور شریعت سے انحراف کرنا ہے اور اگر آدمی کی جہالت ایسے کاموں میں ہو۔ جو اس کی طبع کے مطابق ہوں تو ایسی گمراہی کا زائل ہونا دشوار ہوتا ہے۔

اور سبب اس کا یہ ہے کہ یہ لوگ بے خوف اباحت کے راستہ پر چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حیران ہیں۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے۔ کہ تم کس بات کے لئے حیران ہو۔ تو اس کا کچھ جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو نہ طلب

---

[1] اور بے شک ایسے لوگوں کے دلوں پر پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ کہ وہ اسے نہ سمجھیں۔ اور ایسے لوگوں کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور اگر اسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو انہیں ہدایت کی طرف بلائے تو یہ کبھی بھی ہدایت نہ پائیں گے۔

ہوتی ہے۔ اور نہ شبہ۔ اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حکیم سے کہے کہ میں بیمار ہوں اور یہ نہ کہے کہ مجھے یہ بیماری ہے۔ پس ایسے مریض کا علاج نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کی بیماری کا پتہ نہ چلے۔

پس ایسے لوگوں کے لئے یہی جواب کافی ہے کہ تم جس چیز کے لئے چاہو حیران رہو۔ لیکن اس بات میں شک نہ کرو۔ کہ تم خدا کے بندے ہو اور تمہارا پیدا کرنے والا قادر و عالم ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے اور یہ باتیں انہیں دلیل سے سمجھانی چاہئیں۔ جس طرح کہ بیان کی گئی ہیں۔

تیسرا (۳) عنوان معرفتِ دُنیا کے بیان میں

جان لے کہ دنیا راہِ دین کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ کے مسافروں کی راہ گذر ہے صحرا کے کنارے پر اور ایک آراستہ و پیراستہ بازار ہے تاکہ مسافر اپنا زادِ راہ خرید سکیں۔ دُنیا اور آخرت دو حالتوں سے مراد ہے۔ جو موت سے پہلے اور آدمی سے زیادہ نزدیک ہے اسے دنیا کہتے ہیں اور جو مرنے کے بعد ہے اسے آخرت کہتے ہیں اور دنیا سے مقصود زادِ آخرت ہے۔ کیونکہ آدمی کو ابتدائے خلقت سے سادہ و ناقص پیدا کیا گیا ہے لیکن اس قابل ہے کہ کمال حاصل کرے اور صورت ملکوت کو اپنے دل کا نقش بنائے۔ اور درگاہِ الٰہی کے لائق ہو جائے اور اس طرح باریاب ہو کہ اللہ کے جمال کا نظارہ کرنے والوں میں اس کا شمار ہو سکے۔ اور یہی اس کے لئے سعادت کی انتہا اور بہشت ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ اور جب تک اس کی آنکھیں نہ کھلیں گی نظارہ نہ کر سکے گا اور آنکھیں اس کے جمال کو سمجھنے سے کھلتی ہیں۔ اور یہ معرفت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جمال کی معرفت کی کنجی اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعتوں کو پہچاننا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کنجی آدمی کے حواس ہیں اور یہ حواس بغیر اس جسم خاکی اور آبی کے بننے ممکن نہ تھے پس اس لئے اسے عالم آب و خاک یعنی دنیا میں بھیجا گیا۔ تاکہ اس جہان سے توشہ لے کر اللہ تعالیٰ کی معرفت معرفتِ نفس کی کنجی ہے اور تمام جہان کی معرفت سے جو حواس سے سمجھی جاتی ہے حاصل کرے۔ اور جب تک حواس آدمی کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی جاسوسی کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ آدمی دنیا میں ہے اور یہ حواس رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور آدمی کے ذاتی صفات باقی رہ جاتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ آخرت کو روانہ ہوا یعنی مر گیا۔ اور آدمی کا دنیا میں رہنے کا سبب یہی ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

فصل پس آدمی کو دنیا میں دو چیزوں کی حاجت ہے۔ ایک یہ کہ دل کو اسباب ہلاکت سے محفوظ رکھے۔ اور اس کی غذا حاصل کرے۔ دوسرے بدن کو ہلاک کرنے والی اشیاء سے بچائے اور اس کی

غذا حاصل کرے۔ اور دل کی غذا معرفت اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی غذا اس کی طبیعت کی مناسبت اور خاصیت پر مبنی ہے اور آدمی کی خاصیت پہلے بیان کی جا چکی ہے اور ہلاکتِ دل کا سبب اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا دوسری چیزوں کی محبت میں مستغرق ہونا ہے اور بدن کی حفاظت دل کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کیونکہ بدن فانی اور دل باقی ہے۔ اور بدن دل کے لئے اس طرح ہے جیسے حاجی کے لئے راہ حج میں اونٹ ہوتا ہے۔ اور حاجی اونٹ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اونٹ حاجی کے لئے ہوتا ہے۔ پس حاجی کو چاہیئے کہ جب تک کعبہ میں نہ پہنچ جائے۔ بقدرِ ضرورت اونٹ کے چارے اور جامے سے غفلت نہ کرے۔ اگر تمام دن اونٹ کے چارہ دینے اور سجانے میں صرف کرے گا۔ تو قافلہ سے پیچھے رہ جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔

اور اسی طرح اگر آدمی تمام وقت بدن کی حفاظت و قوت کے حصول میں خرچ کرے گا۔ تاکہ ہلاکت کے اسباب سے اسے بچائے رکھے تو اپنی سعادت سے محروم رہے گا اور بدن کی حاجتیں تین سے زیادہ نہیں۔ کھانا، پہننا رہنا۔ کھانے کے لئے غذا، پہننے کے لئے لباس۔ رہنے کے لئے مکان۔ تاکہ گرمی و سردی میں ہلاکت سے محفوظ رہے پس آدمی کی ضرورت بدن کے لئے اس سے زیادہ نہیں ہے بلکہ دنیا کا اصول یہی ہے اور دل کی غذا معرفت ہے۔ جس قدر زیادہ ہو بہتر ہے اور بدن کی غذا طعام ہے۔ اگر اندازہ سے زیادہ کھا جائے تو ہلاکت کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے خواہش کو آدمی پر اس لئے مقرر کیا ہے تاکہ وہ غذا لباس اور گھر کا تقاضا کرے اور بدن جو آدمی کی سواری ہے۔ ہلاکت سے محفوظ رہے اور خواہش کی فطرت ایسی ہے جو ایک حد پر نہیں رہتی۔ اور زیادتی کی طالب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے عقل کو اسے اعتدال پر رکھنے کے لئے پیدا کیا ہے اور شریعت کو پیغمبروں کی معرفت اس لئے بھیجا ہے۔ تاکہ خواہش کے حدود مقرر کر دیئے جائیں اور بچے میں پہلے خواہش ہی کو پیدا کیا ہے کیونکہ اس کی ضرورت تھی۔ اور عقل کو بعد میں پیدا کیا ہے۔ چونکہ خواہش نے پہلے جگہ پائی ہے اور غالب ہو چکی ہے اس لئے عقل اور شرع سے سرکشی کرتی ہے جو بعد میں پیدا کی گئی ہیں اور خواہش چاہتی ہے کہ ہمیشہ آدمی کو طلب غذا و لباس و مسکن میں مشغول رکھے پس اس لئے آدمی اپنے آپ کو فراموش کر دیتا ہے اور یہ نہیں جانتا۔ کہ یہ غذا اور لباس اور گھر کس واسطے چاہیئے اور وہ خود اس جہان میں کیوں آیا ہے اور دل کی غذا کو جو توشۂ آخرت ہے فراموش کر دیتا ہے پس تو نے اس دنیا کی تمام حقیقت اور آفت اور غرض کو پہچان لیا۔ اب چاہیئے کہ دنیا کی شاخوں اور شقوں کو پہچانے اور جانے۔

فصل اگر تو دنیا کی تفصیل میں غور کرے گا تو تجھے معلوم ہو گا۔ کہ دنیا تین چیزوں سے مراد ہے۔ ایک ان اشیاء کی ذاتیں جو روئے زمین پر پیدا کی گئی ہیں۔ جیسے نباتات۔ معدنیات و حیوانات۔ کیونکہ اصل زمین کی ضرورت مسکن و منفعت اور زراعت کے لئے ہے اور معدنیات مثلاً تانبا۔ لوہا۔ پیتل اور زاروں کے

لیے ہیں اور حیوانات سواری اور کھانے کے لئے اور آدمی نے دل اور بدن کو انہی میں مشغول کر دیا ہے دل کو ان چیزوں کی صحبت اور خواہش میں مشغول رکھتا ہے اور بدن کو ان کی اصلاح اور بنانے میں لگا دیا ہے اور دل کو ان اشیا میں مشغول کر دینے سے دل میں کئی صفات ایسی پیدا ہو گئی ہیں جو تمام ہلاکت کا باعث ہیں۔ جیسے حرص۔ بخل حسد۔ عداوت وغیرہ۔ اور بدن کو ان چیزوں میں لگا رکھنے سے دل کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھلا دیتا ہے۔ اور اپنی تمام ہمت کو دُنیا کے کاروبار میں خرچ کرتا ہے اور چونکہ دنیا کی اصل تین چیزیں ہیں۔ طعام لباس۔ مسکن۔ اس لیے صنعتیں اور شغل جو آدمی کے لئے ضروری ہیں وہ بھی تین ہیں۔ زرگری۔ جولاہگی اور معماری۔ لیکن ہر ایک کے لیے مختلف شاخیں ہیں۔ بعض انہیں درست کرتے ہیں جیسے دُھنیا (روئی دُھننے والا) اور سُوت کاتنے والا جو جولاہے کی مدد کرتا ہے۔ اور بعض اس کو اتمام پر پہنچاتے ہیں جیسے درزی جو جلاہے کے کام کو تمام کرتا ہے۔ اور ان سب کو لکڑی لوہے اور چمڑے وغیرہ کے اوزاروں کی ضرورت پڑی تو لوہار۔ ترکھان اور چرم دوز پیدا ہوگئے۔ اور ان سب کو ایک دوسرے کی مدد کی حاجت ہوئی۔ کیونکہ ہر ایک اپنا کام پورے طور پر نہیں کر سکتا۔ اس لئے ان کو اکٹھا کر دیا۔ تاکہ درزی۔ جولاہے اور لوہار کو مدد دے۔ اور لوہار اسی طرح ان دونوں کو مدد دے۔ پس ان سب کے درمیان معاملہ پیدا ہُوا۔ اور اس سے خصومتیں پیدا ہوئیں۔ کیونکہ ہر ایک اپنے حق پر راضی نہ ہُوا۔ اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہُوا۔ پس اس سے اور تین چیزوں کی ضرورت ہوئی۔ ایک سیاست اور سلطنت دوسرے قضا اور حکومت۔ تیسرے فقہ تاکہ اس سے قانون سلطنت اور سیاست کو جانیں اور یہ ہر ایک پیشہ ہے۔ اگرچہ پیشہ کاروں کی طرح ہاتھ سے تعلق نہیں رکھتا۔ پس اس وجہ سے دنیا کے شغل بہت ہو گئے۔ اور ایک دوسرے سے الجھنے لگے اور لوگوں نے اپنے آپ کو انہیں میں گم کر دیا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ ان تمام باتوں کا اصل تین چیزوں سے زائد نہیں۔ غذا۔ لباس اور مسکن اور یہ دُنیا کے دھندے انہی تین چیزوں کے لئے ہیں اور یہ تینوں چیزیں بدن کے واسطے ہیں۔ اور بدن دل کے لئے ہے تاکہ اس کی سواری بنے اور دل حق تعالیٰ کے لئے ہے پس لوگوں نے اپنے آپ کو اور خدا کو اس حاجی کی طرح بھلا دیا جس نے کعبہ کے سفر کو فراموش کر کے اپنا تمام وقت اُونٹ کی خبر گیری میں صرف کر دیا۔ پس دُنیا اور دُنیا کی حقیقت یہی ہے جو بیان کی گئی ہے اور جو کوئی اس دُنیا میں آمادہ کوچ و سفر نہ رہے اور آخرت کا خیال نہ کرے اور دُنیا کے شغلوں میں حاجت سے زیادہ مصروف رہے اس نے دنیا کو نہیں پہچانا۔ اور سبب اس جہالت کا یہ ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا ہاروت و ماروت سے زیادہ جادوگر ہے۔ اس سے بچو۔ جب دُنیا اس طرح کی جادوگر ہے۔ تو ضروری ہے کہ اس کے مکر و فریب کو سمجھیں۔ اور مثالوں سے اس کا کام لوگوں پر ظاہر کر دیں۔ پس اب وقت ہے۔ کہ اس کی مثالوں کو سنو ؎

فصل پہلی مثال:۔ دنیا کا پہلا جادو یہ ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو تجھ پر اس طرح ظاہر کرتی ہے۔ تو سمجھے کہ تیرے ساتھ مانوس ہو گئی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے وہ ہمیشہ تجھ سے بھاگتی ہے لیکن بتدریج وہ آہستہ آہستہ حرکت کرتی ہے اور اس کی مثال سایہ کی طرح ہے جو دیکھنے سے ساکن نظر آتا ہے۔ لیکن ہمیشہ گھٹتا ہے کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری عمر اسی طرح ہمیشہ آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے اور یہ دنیا ہے جو تجھ سے بھاگ رہی ہے اور تجھے رخصت کر رہی ہے۔ لیکن تو اس سے بے خبر ہے۔

مثال دوم:۔ دوسرا جادو اس کا یہ ہے کہ اپنے آپ کو تیرا دوست بناتی ہے تا کہ تجھے اپنا عاشق بنائے اور تجھ پر ظاہر کرتی ہے کہ تیرے ساتھ موافق رہے گی اور کسی دوسرے کے پاس نہ جائے گی لیکن ناگاہ تجھے چھوڑ دیتی ہے اور تیرے دشمن کے پاس چلی جاتی ہے اور دنیا کی مثال اس نابکار مفسدہ عورت کی طرح ہے جو مردوں کو لبھاتی ہے تا کہ عاشق بنائے۔ اور گھر لے جاتی ہے اور ہلاک کر دیتی ہے عیسیٰ علیہ السلام نے مکاشفہ کی حالت میں دنیا کو ایک بڑھیا عورت کی شکل میں دیکھا۔ پوچھا تو نے کتنے شوہر کئے۔ دنیا نے کہا کہ اس کثرت سے کہ شمار میں نہیں آ سکتے۔ پوچھا مر گئے یا انہوں نے تجھے طلاق دے دی۔ دنیا نے کہا نہیں میں نے سب کو مار ڈالا۔ آپ نے کہا کہ مجھے ان احمقوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ تو نے دوسروں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اور پھر تیری رغبت کرتے ہیں اور عبرت نہیں پکڑتے۔ اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنَا مِنْ سِحْرِھَا (اے اللہ ہمیں دنیا کے سحر سے بچا)

مثال سوم:۔ دنیا کے جادو کی یہ ہے۔ کہ اپنے ظاہر کو آراستہ رکھتی ہے اور اس میں جو بلا اور محنت ہے اس کو چھپائے رکھتی ہے۔ تا کہ جاہل اس کے ظاہر پر عاشق ہو جائے اور اس کی مثال اس بدشکل عورت کی ہے جو اپنا منہ تو چھپائے اور لباس فاخرہ پہنے اور اپنے آپ کو خوب سجائے اور جو کوئی اسے دور سے دیکھے عاشق ہو جائے اور جب اس کے چہرہ سے نقاب اٹھائے شرمندہ و ذلیل ہو جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن دنیا کو بدصورت بڑھیا کی شکل میں لائیں گے۔ اس کی آنکھیں سبز اور دانت باہر کو نکلے ہوئے ہوں گے جب لوگ اسے دیکھیں گے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں گے اور کہیں گے یہ ذلیل و رسوا کون ہے کہا جائے گا وہی دنیا ہے جس کے سبب تم ایک دوسرے سے حسد و بغض رکھتے تھے اور بے رحم ہو کر ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور جس پر تم عاشق تھے پھر اس کو یعنی دنیا کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا پھر دنیا کہے گی اے خدائے عزّوجلّ۔ وہ میرے دوست کہاں ہیں جو میرے ساتھی تھے پس اللہ تعالیٰ حکم دے گا۔ کہ ان کو بھی ان کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیا جائے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہَا۔

چوتھی مثال۔ اگر کوئی حساب لگائے کہ ازل سے کتنا زمانہ گزرا ہے جس میں دنیا نہ تھی اور اب تک کتنا زمانہ ہے کہ جس میں نہ ہو گی۔ اور چند روز ازل اور ابد کے درمیان ہے۔ پس سمجھنا چاہئے کہ دنیا کی مثال مسافر کے راستہ کی طرح ہے اور اس کی ابتدا گہوارہ ہے اور انتہا قبر ہے اور درمیان میں یہ چند معدود منزلیں ہیں جیسے ہر سال گویا منزل ہے

اور ہر مہینہ فرسنگ ہے اور ہر دن میل ہے اور ہر سانس جیسے قدم اور وہ یعنے سانس ہمیشہ رواں ہے کسی کے لئے ایک فرسنگ کا راستہ ہے اور کسی کے لئے اس سے کم یا زیادہ لیکن مسافر (یعنے آدمی) اس طرح ساکن بیٹھا ہے جیسے ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور کاموں کی اس طرح تدبیر کرتا ہے۔ کہ دس سال تک پھر ان کی حاجت نہ رہے۔ حالانکہ دس روز میں خاک کے نیچے ہوگا۔

پانچویں مثال:۔ اہل دنیا کی مثال دنیا کی لذت اٹھانے میں اور اس رنج و رسوائی میں جو قیامت میں انہیں نصیب ہوگا۔ ایسی ہے۔ جیسے کوئی خوش ذائقہ اور عمدہ غذا کھا جائے۔ کہ اس کا معدہ خراب ہو جائے اور وہ قے کرنے لگے۔ اور اپنے معدہ اور نفس اور قضائے حاجت کی رسوائی کو دیکھے اور شرمندہ و پشیمان ہو کہ لذت تو گئی۔ لیکن ذلت باقی رہی۔ اور جس طرح کھانا جتنا لذیذ اور بھاری ہوتا ہے اسی قدر اس کا ثقل بھی زیادہ گندہ اور خراب ہوتا ہے اسی طرح دنیا کی لذت جس قدر زیادہ ہوتی ہے عاقبت میں اسی قدر زیادہ رسوائی کا موجب ہے اور یہ سب کچھ جانکنی کے وقت معلوم ہو جاتا ہے۔ جس شخص کی دنیوی نعمت باغات۔ کنیزیں۔ غلام۔ سونا چاندی وغیرہ بکثرت ہوتے ہیں اسی قدر اس کی جانکنی کی تکلیف بھی اور ان چیزوں کا فراق بہ نسبت غریب آدمی کے زیادہ ہوتا ہے اور یہ رنج و عذاب موت سے زائل نہیں ہوتا بلکہ اور بڑھتا ہے کیونکہ ان کی دوستی دل کی صفت ہے اور دل موت کے بعد موجود رہتا ہے۔ مرتا نہیں ہے۔

چھٹی مثال:۔ دنیا کے کاروبار جو پیش آتے ہیں۔ وہ آدمی کو بالکل مختصر معلوم ہوتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ ان میں زیادہ وقت صرف نہ ہوگا۔ حالانکہ ایک موسم میں سو کام اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور آدمی کی عمر انہی میں صرف ہو جاتی ہے۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے طالب دنیا کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے جیسے کوئی سمندر کا پانی پینے والا جس قدر زیادہ پانی پیتا ہے۔ اسی قدر اس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے اور آخر وہ یہاں تک پیتا ہے کہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کی پیاس نہیں بجھتی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس طرح ناممکن ہے کہ کوئی آدمی پانی میں رہ جائے اور تر نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ آدمی دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو اور دنیا سے آلودہ نہ ہو۔

ساتویں مثال:۔ جو شخص دنیا میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی میزبان کے ہاں کوئی مہمان ہو۔ اور اس میزبان کی عادت یہ ہو کہ وہ ہمیشہ مکان کو آراستہ رکھے اور ایک گروہ کے بعد دوسرے گروہ کو بلائے اور سونے کے طباق چاندی کی انگیٹھی عود خوشبو ان کے سامنے رکھے۔ تاکہ وہ معطر ہوں اور اس سے خوشبو حاصل کریں۔ اور طباق اور انگیٹھی کو چھوڑ جائیں۔ تاکہ پھر دوسرا گروہ آئے۔ پس جو کوئی اس میزبان کی عادت سے واقف اور عقلمند ہوتا ہے وہ عود و خوشبو کو جلا کر اس سے معطر ہوتا ہے اور خوشبو حاصل کرتا ہے اور طباق اور انگیٹھی کو خوشی خوشی وہیں چھوڑ جاتا ہے اور شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور جو بے وقوف احمق ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ طباق و انگیٹھی اور خوشبو

وغیرہ سب میرے لئے ہے تاکہ میں اسے ساتھ لے جاؤں۔ اور جب رخصت کے وقت یہ اشیاء اس سے لے لیجاتی ہیں۔ وہ روتا ہے اور غم کھاتا ہے۔ پس اسی طرح دنیا بھی مسافروں کے لئے ایک مہمان سرائے ہے تاکہ اپنا زادِ راہ لیں اور جو کچھ سرائے میں ہے اس کا طمع نہ کریں۔

آٹھویں مثال:۔ دنیا داروں کا دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جانا اس قوم کی طرح ہے جو کشتی میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ اور کسی جزیرہ میں پہنچیں اور قضائے حاجت اور طہارت کیلئے کشتی سے باہر نکلیں اور کشتی بان منادی کر دے کہ کوئی شخص ہرگز زیادہ وقت خرچ نہ کرے اور سوائے طہارت کے کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ کشتی جلدی ہی روانہ ہو گی۔ لیکن وہ اس جزیرہ میں پراگندہ ہو جائیں اور جو ان میں سے عقلمند ہوں وہ جلدی طہارت سے فارغ ہو کر کشتی میں واپس آجائیں۔ اور عمدہ اچھی جگہ پر بیٹھ جائیں اور دوسرے اس جزیرہ کی عجیب عجیب چیزوں پر تعجب کریں۔ خوش رنگ پھول اور خوش آواز جانوروں اور منقش سنگریزوں کو دیکھنے میں مشغول ہو جائیں۔ اور جب واپس آئیں۔ کشتی میں اچھی جگہ نہ پائیں۔ اور تنگ تاریک جگہ میں بیٹھیں اور تکلیف اٹھائیں۔

اور ان میں سے ایک گروہ عجائبات کے دیکھنے پر اکتفا نہ کرے اور وہاں سے عمدہ عمدہ پتھر اپنے ہمراہ لے آئے۔ اور کشتی میں ان کے رکھنے کی جگہ نہ پا کر تنگ جگہ پر تو آپ بیٹھے اور سنگریزوں کو اپنی گردن پر اٹھائے۔ لیکن دو دن گزرنے پر سنگریزوں کا عمدہ رنگ تبدیل ہو کر سیاہ ہو جائے۔ اور ان سے بدبو آنے لگے۔ اور پھر ان بد رنگ اور بدبو والے سنگریزوں کے پھینکنے کی بھی جگہ نہ ملے۔ اور وہ گروہ پشیمان ہو۔ اور اسے اس بوجھ اور تکلیف کو اپنی گردن پر ہی اٹھانا پڑے۔ اور ایک گروہ اس جزیرہ کے عجائب و غرائب دیکھ کر اس قدر متحیر ہوا کہ اسے دیکھنے میں ہی مشغول رہا اور کشتی روانہ ہو گئی۔ اور وہ گروہ دور پڑا رہا کیونکہ اس نے کشتیبان کی منادی کو نہ سنا۔ اور اسی جزیرہ میں پھرتا رہا۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اس کے بھوک سے مر گئے اور بعض کو درندوں نے ہلاک کر ڈالا۔ پہلے گروہ کی مثال مومنوں کی ہے اور آخر کے گروہ کی مثال کافروں کی ہے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو اور خدا اور قیامت کو فراموش کر دیا۔ اور بالکل دنیا کے ہو گئے[1] اِسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ۔ اور درمیان کے دو گروہ گناہگاروں کی طرح ہیں۔ جنہوں نے اصل ایمان کی حفاظت تو کی۔ لیکن دنیا کی محبت کو نہ چھوڑا۔ ایک گروہ نے درویشانہ طریق پر نفع حاصل کیا یعنے حظّ اٹھایا۔ اور دوسرے گروہ نے حظِ نعمت کے علاوہ اپنے ساتھ بھی بہت کچھ اٹھا لیا اور بوجھل ہو گیا۔

فصل یہ مذمت جو دنیا کی گئی ہے۔ اس سے یہ خیال نہ کرنا کہ جو کچھ دنیا میں ہے مذموم ہے۔ بلکہ دنیا میں ایسی چیزیں جو دنیا سے نہیں ہیں۔ جس طرح علم و عمل دنیا میں ہے۔ لیکن دنیا میں سے نہیں ہے۔

[1] دوست رکھا دنیا کی زندگی کو آخرت پر۔

کیونکہ وہ آخرت میں بھی آدمی کے ساتھ رہے گا۔ لیکن علم تو بعینہٖ آدمی کے ساتھ رہے گا اور عمل اگرچہ بعینہٖ نہ ہوگا مگر اس کا اثر آدمی کے ساتھ رہے گا۔ اور یہ اثر دو قسم پر ہے۔ ایک جوہر دل کی پاکی و صفائی جو ترک گناہ سے حاصل ہوتی ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محبت جو عبادت پر مداومت سے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب کچھ باقیات الصالحات ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ علم کی لذت اور مناجات کی لذت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محبت تمام صفتوں سے بڑھ کر ہے اور یہ دنیا میں ہے لیکن دنیا میں سے نہیں ہے اس لئے تمام لذات مذموم نہیں ہیں، بلکہ وہ تمام لذتیں بھی بُری نہیں ہیں جو گزر جاتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں۔ ان کی بھی دو اقسام ہیں ایک وہ ہے جو اگرچہ دنیا میں سے ہے اور مرنے کے بعد بھی نہیں رہتی۔ لیکن آخرت کے کاموں اور علم و عمل اور مسلمانوں کے بڑھانے میں مددگار ہے جیسے نکاح، خوراک، لباس، مسکن جو ضرورت کے مطابق ہو اور راہِ آخرت کے لئے ضروری ہو کہ جو کوئی دنیا میں اتنی مقدار پر قناعت کرے جس سے مقصد صرف دین کے کاموں کے لئے فراغت حاصل کرنا ہو، وہ اہل دنیا سے نہ ہوگا۔ پس مذموم یعنے بُری دنیا وہ ہے جس سے دین کا کام مدِّنظر نہ ہو۔ اور وہ غفلت اور اترانے اور دل لگی کا باعث ہو۔ اور اُس عالم سے نفرت کرنے کا موجب ہو اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ۔ یعنے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے سوائے ذکر اللہ تعالیٰ کے اور جو کوئی اس میں مدد کرے۔ اور جو کچھ کہ حقیقت دنیا کی شرح اور مقصد بیان کیا گیا ہے اس جگہ پر کافی ہے باقی ارکانِ معاملہ کی تیسری قسم میں جسے عقبات راہ دین کہتے ہیں، بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

چوتھا عنوان معرفت آخرت کے بیان میں

کوئی شخص حقیقت آخرت کو نہیں جان سکتا۔ جب تک پہلے موت کی حقیقت کو نہ سمجھے اور موت کی حقیقت بغیر زندگی کی حقیقت جاننے کے معلوم نہیں ہوسکتی اور زندگی کی حقیقت کا جاننا۔ روح کی حقیقت کے جاننے پر موقوف ہے اور روح کی حقیقت اپنے نفس کی حقیقت کے جاننے پر منحصر ہے۔

اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ آدمی دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک روح اور دوسری جسم سے۔ روح سوار کی مانند ہے اور بدن اس کی سواری ہے۔ اور آخرت میں روح کے لئے بدن کے واسطہ سے ایک حالت ہوگی اور بہشت و دوزخ ہوگی۔ اور روح کے لئے بسبب اپنی ذات کے ایک اور قالب ہے جس میں بدن کو کوئی شرکت نہیں اور روح کے لئے بلا جسم کے بھی بہشت و دوزخ ہے اور سعادت و شقاوت ہے اور لذت اور نعمت دل کو بغیر واسطہ بدن کے حاصل ہوتی ہے اس کا نام بہشت روحانی ہے۔ اور جو رنج و الم و شقاوت روح کو بلا بدن کے حاصل

ہوتا ہے۔ اس کا نام آتش روحانی ہے۔ اور وہ بہشت و دوزخ جس میں بدن کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے اور حاصل اس بہشت کا باغ۔ نہریں۔ حور و قصور اور کھانا پینا ہے۔ اور حاصل اس دوزخ کا آگ۔ سانپ۔ بچھو اور زقوم وغیرہ ہے اور ان دونوں کی نسبت قرآن شریف اور احادیث میں ذکر ہے۔ اور ہر ایک کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اور تفصیل اس کی کتاب احیاء العلوم ذکر الموت کے باب میں بیان کر دی گئی ہے۔ یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ تاکہ حقیقتِ موت کی شرح کر دیں۔ اور روحانی دوزخ و بہشت کے معنے بیان کریں۔ کیونکہ ہر ایک انہیں نہیں جانتا۔ اور یہ جو کہا گیا ہے اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ یہ بہشت روحانی کے متعلق ہے اور اس کی حقیقت دل کے اس روزن سے معلوم ہوتی ہے۔ جو عالم ملکوت کی طرف کھلا ہوا ہے۔ اور جس کسی کے دل کا روزن کھلا ہوا ہے۔ اُسے اُس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اُسے آخرت کی سعادت اور شقاوت پر یقین ہے۔ تقلید اور سننے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ مشاہدہ اور معائنہ سے اس نے اسے سمجھ لیا ہے۔ جس طرح طبیب بدن کی سعادت و شقاوت یعنے صحت و مرض کو جان لیتا ہے۔ اور اس کے لئے اسباب ہیں۔ جیسے دوا اور پرہیز کرنا جسم کی صحت یعنے سعادت کا سبب ہے۔ اور پرہیز نہ کرنا مرض یعنے شقاوت بدن کا موجب ہے۔ اسی طرح وہ آدمی جس کے دل کا روزن کھلا ہوا ہے۔ دل یعنے روح کی سعادت اور شقاوت کو مشاہدہ سے معلوم کر لیتا ہے۔ اور عبادت و معرفت باعثِ سعادت رُوح ہے۔ جہالت اور گناہ روح کے لئے زہر یعنے باعث شقاوت ہے۔ اور یہ علم نہایت ہی عزیز بلند پایہ ہے۔ اور بہت سے لوگ جنہیں ہم علماء کہتے ہیں۔ وہ اس سے بے خبر ہیں۔ بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور سوائے جسم کی بہشت اور دوزخ کے کچھ نہیں مانتے۔ اور معرفتِ آخرت کو سوائے تقلید اور سُنی سنائی باتوں کے کسی دوسرے طریق سے نہیں جانتے۔ اور ہم نے اس مسئلہ کے متعلق نہایت شرح اور تحقیق اور مدلل کتب سے کام لیا ہے۔ اور اس کتاب میں جس قدر بیان کیا گیا ہے۔ وہ ہوشیار اور پاک باطن غیر متعصب آدمی کے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ کہ وہ اس سے اس راہ کو پالے اور آخرت کا حال اس کے دل پر ثابت اور محکم ہو جائے۔ کیونکہ بہت سے آدمیوں کا ایمان آخرت کے متعلق ضعیف اور متزلزل ہے۔

فصل

اگر تو چاہتا ہے کہ حقیقتِ موت کی نسبت کچھ جانے کہ اس کے معنے کیا ہیں۔ پس تجھے جاننا چاہیئے۔ کہ آدمی کے لئے دو روح ہیں۔ ایک روح جنس حیوانات سے ہے۔ اسے رُوح حیوانی کہتے ہیں اور ایک روح جنس ملائکہ سے ہے۔ اُسے رُوح انسانی کہتے ہیں۔ اور رُوح حیوانی کا منبع دل ہے۔ جو سینہ کی بائیں جانب گوشت کا ایک ٹکڑہ ہے۔ اور یہ رُوح حیوانی اخلاطِ باطن حیوان کا ایک لطیف بخار ہے۔ اور معتدل مزاج ہے۔ اور دل سے متحرک رگوں کے ذریعہ تمام اعضاء میں پہنچتا ہے۔ اور یہی روح آدمی کے جسم کو اٹھانے والی اور حس و حرکت کی قوت ہے۔ اور جب دماغ میں پہنچتی ہے حرارت اس کی کم ہو جاتی ہے اور معتدل بن جاتی

ہے۔ اور آنکھوں کو اس سے قوت بصارت اور کانوں کو قوت شنوائی حاصل ہوتی ہے اور تمام حواس اسی طرح اسی سے طاقت پاتے ہیں۔ اور اس کی مثال چراغ کی مانند ہے۔ جب گھر میں آتا ہے۔ گھر کی دیواریں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور جس طرح چراغ کی روشنی دیوار پر ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی قدرت سے قوت بینائی و شنوائی۔ اور تمام اعضا کی قوت اسی روح سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر کسی رگ میں سُدّہ اور گرہ پڑ جاتی ہے۔ اور وہ عضو جو اس گرہ کے بعد واقع ہوتا ہے۔ بیکار اور معطل ہو جاتا ہے۔ اور اس پر فالج گر جاتا ہے اور اس میں حِس و حرکت نہیں رہتی۔ اور طبیب یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ سُدّہ نکل جائے۔ اور اس روح کی مثال آتشِ چراغ کی طرح ہے اور دل کی مثال فتیلہ کی ہے اور غذا روغن کی مانند ہے اور جس طرح روغن یعنے تیل نکال لینے سے چراغ گل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر غذا نہ ہو تو اس روحِ حیوانی کی مزاج کا اعتدال جاتا رہتا ہے۔ اور حیوان مر جاتا ہے اور جس طرح روغن کے زیادہ ہونے سے فتیلہ یعنے بتی زیادہ روغن کھینچ لیتی ہے اور خراب ہو کر تیل نہیں کھینچتی۔ اسی طرح دل زمانہ دراز کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔ اور غذا قبول نہیں کرتا اور جس طرح کسی چیز کو چراغ پر پھینکنے سے چراغ بجھ جاتا ہے۔ حالانکہ تیل اور بتی اس میں موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح حیوان بھی زخم شدید کے پہنچنے سے مر جاتا ہے۔ اور جب تک اس روحِ حیوانی کا مزاج معتدل رہتا ہے۔ جیسا کہ چاہیئے۔ تو اللہ تعالےٰ کے حکم سے یہ رُوح آسمانی فرشتوں کے نور سے معانیِ لطیف کو قوتِ حِس و حرکت کی طرح قبول کر لیتی ہے اور جب حرارت یا برودت کے غلبہ یا کسی اور سبب سے روح کی یہ معتدل مزاجی جاتی رہتی ہے۔ تو روح ان چیزوں کے قبول کرنے کے قابل نہیں رہتی جس طرح کہ آئینہ جب تک صاف اور درست رہتا ہے صورتیں اس میں سے نظر آتی رہتی ہیں۔ اور جب اس کو زنگار لگ جاتا ہے۔ تو اس میں سے صورت نظر نہیں آتی۔ اس وجہ سے نہیں کہ صورتیں ہلاک یا غائب ہو جاتی ہیں بلکہ صورتوں کے ظاہر کرنے کی قابلیت اس میں نہیں رہتی۔ اس طرح اس بخارِ لطیف معتدل یعنے رُوحِ حیوانی کی قابلیت بھی معتدل مزاجی پر منحصر ہے۔ اور جب یہ معتدل مزاجی نہیں رہتی تو یہ بھی حِس و حرکت کی قوّت کو قبول نہیں کرتی۔ اور ایسا ہونے سے اعضا اس کے انوار کی عطا یعنے بخشش سے محروم اور بے حِس و حرکت رہتے ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ مر گیا۔ اور مرگِ حیوانی کا یہی مطلب ہے اور اس معتدل مزاجی کے دور کرنے والا اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے۔ اور اسے ملک الموت کہتے ہیں۔ اور لوگ اس کا نام تو جانتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت کا جاننا مشکل ہے اور یہی معنی ہیں موتِ حیوانات کے۔

لیکن آدمی کی موت دوسری طرح ہے۔ کیونکہ آدمی کے لئے یہ روح حیوانی بھی ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک اور رُوح ہے۔ جس کا نام روح انسانی اور دل بھی ہے۔ جس کا بعض گذشتہ فصلوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ روح روحِ حیوانی کی قسم سے نہیں ہے جو ایک ہوائے لطیف اور بخارِ پختہ اور صاف کے مانند ایک جسم ہے کیونکہ یہ رُوح

انسانی جسم نہیں ہے۔ اس لئے کہ قسمت پذیر (یعنے ٹکڑے ٹکڑے ہونے والی) نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس میں پیدا ہوتی ہے کیونکہ ایک ہے اور قسمت پذیر نہیں ہے۔ اور اس کی معرفت بھی ایک ہی ہے اور قسمت پذیر نہیں ہے۔ اس لئے یہ کسی قسمت پذیر جسم میں نہیں سماتی۔ بلکہ اس چیز میں سماتی ہے جو یگانہ ہو اور ناقابل قسمت ہو۔ پس فرض کرو بتی لَو اور روشنی یہ تین چیزیں ہیں۔ ان تینوں میں سے بتی کو مثل جسم کے سمجھو۔ اور چراغ کی لَو کو مثل روح حیوانی تصور کرو۔ اور چراغ کی روشنی کو روح انسانی جانو۔ اور جس طرح کہ نور چراغ چراغ سے زیادہ لطیف ہے اور اس روشنی کی طرف گویا اشارہ نہیں ہو سکتا اسی طرح روح انسانی بھی روح حیوانی سے زیادہ لطیف ہے۔ اور اس کی طرف بھی اشارہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ مثال اگر لطافت کی نظر سے دیکھا جائے تو درست ہے۔ دوسری وجہ سے درست نہیں ہے کیونکہ نورِ چراغ چراغ کی تابع ہے۔ اور اس کی فرع ہے اور جب چراغ گل ہو جاتا ہے۔ اس کا نور بھی جاتا رہتا ہے لیکن روح انسانی حیوانی کی تابع نہیں ہے۔ بلکہ وہ اصل ہے۔ اور روح حیوانی کے فنا ہونے سے فنا نہیں ہوتی۔ اگر اس کی مثال چاہتا ہے تو فرض کر کہ ایک ایسا نور ہے جو چراغ سے بہت ہی لطیف ہے۔ اور چراغ کا قیام اس نور پر منحصر ہے۔ اور اس کا قیام چراغ پر نہیں ہے۔ تب یہ مثال درست ہو گی۔

اور ایک وجہ سے روح حیوانی روح انسانی کی سواری اور ہتھیار ہے۔ اور جب روح حیوانی فنا ہو جاتی ہے۔ اور جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ تو روح انسانی قائم رہتی ہے۔ لیکن بے سواری و بے ہتھیار ہو جاتی ہے۔ اور سواری کی تباہی سے سوار فنا نہیں ہو سکتا۔ البتہ بے ہتھیار ہو جاتا ہے۔ اور یہ ہتھیار روح انسانی کو اس لئے دیا گیا ہے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کو شکار کرے۔ اگر اس نے شکار کر لیا ہے۔ تو اس ہتھیار کا تباہ ہو جانا اس کے لئے بہتر ہے۔ تاکہ اس کے بوجھ سے نجات پائے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موت مومن کے لئے ہدیہ و تحفہ ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کسی کے پاس شکار کرنے کے لئے دام ہو اور اس نے اس بوجھ کو اٹھایا ہوا ہو۔ لیکن جب شکار اس کے ہاتھ میں آ جائے تو دام کا ہلاک ہو جانا بھی اس کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر خدانخواستہ شکار کے حاصل ہونے سے پہلے دام ہی ضائع ہو جائے تو اس کی حسرت اور مصیبت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور یہ الم اور حسرت پہلے عذاب قبر ہے۔

فصل پس جان لے کہ اگر کسی کے ہاتھ پاؤں مفلوج یعنے شل ہو جائیں۔ تو وہ خود سلامت رہتا ہے اس لئے کہ وہ خود نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں ہے بلکہ ہاتھ اور پاؤں اس کے ہتھیار ہیں اور وہ ان کا استعمال کرنیوالا ہے اور جس طرح کہ تیری حقیقت تیرے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں۔ اسی طرح تیری پیٹھ اور پیٹ اور سر اور یہ بدن تیری اصلیت نہیں ہیں۔ اگر یہ سب کچھ شل ہو جائے ممکن ہے کہ تو سلامت رہے اور موت کے یہی معنے ہیں۔ کہ تمام جسم مفلوج یعنے شل ہو جائے اور ہاتھ کے شل ہو جانے کے یہی معنی ہیں کہ وہ تیری اطاعت نہ کرے اور ہاتھ کا اطاعت کرنا ایک صفت

کی وجہ سے ہے۔ اور اُسے قدرت یعنی طاقت کہتے ہیں۔ اور وُہ صفت نور ہے۔ جو چراغ روح حیوانی سے ہاتھ کو پہنچا ہے اور جب رگوں میں رُوح حیوانی کی راہ میں کوئی سُدہ پڑ جاتا ہے تو روحِ حیوانی کی روشنی وہاں نہیں پہنچتی۔ اس لئے اطاعت اور فرمانبرداری کی طاقت منعذر ہو جاتی ہے۔ اس طرح تمام جسم جو تیری اطاعت کرتا ہے۔ محض رُوح حیوانی کی وجہ سے کرتا ہے۔ اور جب رُوح حیوانی کا مزاج تباہ ہو جاتا ہے۔ بدن اطاعت نہیں کرتا۔ اسی کو موت کہتے ہیں حالانکہ تو زندہ ہوتا ہے۔ پس تیری حقیقت یہ تیرا بدن کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر تو غور و فکر سے کام لے تو فوراً سمجھ جائے کہ تیرے یہ اجزا وہ اجزا نہیں ہیں۔ جو بچپن میں تھے۔ کیونکہ وہ سب بخارات سے تحلیل ہو چکے ہیں۔ اور غذا سے ان کی جگہ پر اور پیدا ہو گئے ہیں۔ پس تیرا بدن وہ نہیں ہے۔ لیکن تو وہی ہے۔ اور تیری ہستی اس جسم سے نہیں ہے۔ بدن اگر تباہ ہو جائے تو ہو جائے تو اس طرح زندہ ہے۔ لیکن تیرے اوصاف دو قسم پر ہیں۔ ایک میں جسم شریک ہے۔ جیسے بھوک اور پیاس اور خواب۔ اور یہ بغیر مادہ اور جسم کے ظاہر نہیں ہوتے۔ اور موت سے فنا ہو جاتے ہیں۔ اور ایک وُہ جن میں جسم شریک نہیں جیسے معرفت حق تعالیٰ۔ اور اس کے جمال کا نظارہ اور اُس کی خوشی یہ تیری ذاتی صفت ہے اور تیرے ساتھ رہیگی۔ اور بَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ کے یہی معنی ہیں اور اگر بجائے اس کے یعنی معرفت حق تعالیٰ وغیرہ کی جہالت ہے۔ تو یہ بھی تیری ذاتی صفت ہے جو تیرے ساتھ رہیگی۔ اور یہ جہالت تیری روح کے لئے اندھاپن اور بدبختی کا تخم ہوگی [1] مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔ پس تو کبھی بھی موت کی حقیقت کو نہ جانے گا۔ جب تک ان دونوں روحوں کو نہ جانے گا۔ اور دونوں کے فرق اور آپس میں تعلق کو نہ پہچانے گا۔

فصل

اب سمجھ لے کہ یہ روح حیوانی عالم سفلی سے ہے۔ اور خلطوں کے بخارات کی لطافت کا مجموعہ ہے اور اخلاط کی چار قسمیں ہیں۔ خون۔ بلغم۔ سودا۔ صفرا۔ اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں۔ آب۔ آتش۔ خاک۔ ہوا۔ اور ان کے مزاج کا اختلاف و اعتدال گرمی۔ سردی۔ تری۔ خشکی کی کمی بیشی پر ہے۔ اور علم طب کا صرف یہی مقصد ہے کہ ان چاروں طبیعتوں اور رُوح کے اعتدال کی حفاظت کرے۔ تاکہ یہ روح حیوانی روح انسانی کی سواری اور ہتھیار بننے کے قابل ہو جائے۔ اور وہ رُوح انسانی اس عالم سے نہیں ہے بلکہ عالم علوی سے ہے۔ اور فرشتوں کے جوہر سے ہے۔ اور اسکا اس جہان میں آنا محض مسافرانہ طریق ہے اور وُہ اپنی ذات کی خواہش سے یہاں نہیں بلکہ اس کا یہ سفر محض اسلئے ہے کہ وُہ ہدایت سے اپنا زادِ راہ یعنی توشہ لے لے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے [2] قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ - اور فرمایا حق

---

[1] اور جو کہ اس دُنیا میں اندھا ہے (راہِ صواب سے) وُہ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ اور راستہ چلنے میں گمراہ ہے [2] ہم نے فرمایا تم سب اُتر جاؤ یہاں سے پس اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تم تک پہنچے۔ پس جس کسی نے متابعت کی میری ہدایت کی۔ پس کوئی خوف نہیں ہے اس جماعت کے لئے اور نہ وُہ غمگین ہونگے

تعالےٰ نے ۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ۔ پس اِس آیت میں دو روحوں کے مختلف ہونیکی طرف اشارہ ہے ۔ ایک کو مٹی کے حوالہ کیا اور اس کے اعتدال مزاج کو اس سے تعبیر کیا ۔ فرمایا سَوَّیْتُهٗ یعنے میں نے اسے تیار کیا اور مہیا کیا ۔ اور یہی اعتدال تھا ۔ پھر ارشاد فرمایا نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ۔ اور اِس کو اپنے سے نسبت دی ۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جامہ سفید کو جلادے تاکہ وہ آگ کے قبول کرنیکے قابل ہو جائے ۔ تب وہ آگ کے نزدیک جائے اور اس کو پھونک مارے تاکہ آگ لگجائے ۔ اور جسطرح کہ روح حیوانی سفلی کے لئے اعتدال ہے ۔ اور علم طب اِس کے اعتدال کو جانتا ہے ۔ تاکہ بیماری اس کو دفع کرے ۔ اور ہلاکت سے بچائے ۔ اِس طرح روحِ انسانی علوی جو کہ حقیقت دل ہے ۔ اِس کے لئے بھی اعتدال ہے ۔ اور علم اخلاق و ریاضت جو شریعت کے مطابق ہے اِس کو اعتدال پر رکھتا ہے اور اِس کی صحت کا موجب ہے ۔ چنانچہ ارکان مسلمانی کے بیان میں اِس کا ذکر کیا جائیگا ۔ پس معلوم ہُوا کہ بغیر حقیقت ارواح آدمی کے جاننے کے آخرت کو نہیں پہچانا جا سکتا ۔ جیسے بغیر اپنی حقیقت کے جاننے کے اللہ تعالیٰ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی ۔ پس اپنے نفس کو جاننا اللہ تعالےٰ معرفت کی کنجی ہے اور ارواح حقیقت کو جاننا آخرت کے جاننے کی کلید ہے ۔ اور اصل دین اللہ تعالےٰ اور آخرت پر ایمان لانا ہے اسی واسطے ہم نے اس کے جاننے کو مقدم رکھا ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے رازوں میں سے ایک راز میں نے بیان نہیں کیا ۔ کیونکہ اس کے بیان کرنے کی اجازت نہیں ۔ اور ہر ایک آدمی اسے نہیں سمجھ سکتا ۔ اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کی تمام معرفت اسی پر موقوف ہے ۔ تو اس کی کوشش کر کہ ریاضت و عبادت سے اسے جان سکے ۔ اور اگر تو کسی سے سنے گا تو سننے کی طاقت نہ رکھے گا ۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو سنا ۔ لیکن یقین نہ کیا ۔ اور اس کے سننے کی طاقت نہ پائی اس لئے انکار کر دیا اور کہا کہ خود ممکن نہیں اور یہ تنزیہ اور پاکی نہیں بلکہ تعطیل اور بے کاری ہے ۔ پس تو آدمی کے حق میں ایسا سننے کی طاقت کس طرح رکھتا ہے ۔ جب کہ وہ صفت اللہ تعالیٰ کی نشان میں نہ قرآن شریف میں صاف طریق پر ہے اور نہ حدیث میں اور یہی سبب ہے کہ جب آدمی سنتے ہیں انکار کر دیتے ہیں ۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کو ارشاد ہے ۔ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ یعنے آدمیوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں اور بعض انبیاء علیہم السلام کو وحی ہوئی ہے کہ ہمارے ان صفات کو بیان نہ کریں ۔ جنہیں لوگ نہ سمجھ سکیں ۔ کیونکہ اگر وہ نہ سمجھیں گے ۔ تو انکار کر دیں گے اور انکار ان کے لئے مضر ہے ۔

فصل

ان تمام باتوں سے تو نے جان لیا کہ آدمی کی جان کی حقیقت اس کی اپنی ذات سے قائم ہے اور وہ اپنی خاص صفات اور ذات کے قیام کے لحاظ سے قالب سے مستغنی ہے ۔ اور موت کے معنے اس کا یعنے آدمی کا فنا ہو جانا نہیں ہے ۔ بلکہ اس کے معنے اس کے تصرف کا اس کے جسم سے علیحدہ ہو جانا ہے اور حشر و بعث اور اعادت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے فنا ہو جانے کے بعد اس کو وجود میں لائیں بلکہ اسکے معنی یہ ہیں

کہ ان کو قالب دیا جائے گا۔ اس طرح کہ پھر ایک بار قالب اس کے تصرفات کو قبول کرے جیسے کہ پہلے کیا گیا تھا۔ اور یہ نہایت آسان ہوگا۔ کیونکہ پہلی دفعہ تو روح اور جسم دونوں کو پیدا کرنا تھا۔ اور اب روح موجود ہے۔ بلکہ روح انسانی اور اس کے جسم کے اجزا بھی موجود ہیں۔ اور ان کا جمع کرنا آسان ہوگا۔ بہ نسبت پیدا کرنے کے لیکن جس جگہ حقیقت ہے وہاں آسانی کو فضلِ الٰہی سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ جس جگہ دشواری نہیں وہاں آسانی بھی نہیں۔ اور آدمی کے دوبارہ زندہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ یہی جسم اس کو دوبارہ دیا جائے۔ کیونکہ جسم ایک سواری ہے۔ اگرچہ گھوڑا تبدیل کر دیا جائے لیکن سوار تو وہی ہے۔ اور بچپن سے بڑھاپے تک آدمی کے اجزا دوسری غذا کے اجزا سے بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ خود وہی رہتا ہے۔ جن لوگوں نے ایسا سمجھ لیا کہ قیامت کو یہی وجود دیا جائے گا۔ ان پر ایسے اعتراض ہوئے کہ وہ ان کے کمزور جواب دے سکے اور حالانکہ وہ اس تکلف سے مستغنی تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو کھا جائے۔ اور ان دونوں کے اجزا ایک ہو جائیں اور پھر حشر میں دوبارہ اجزا کیسے ملیں گے۔ اور اگر کسی آدمی کا ایک عضو کاٹ لیا جائے اور پھر وہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اور جب اس کو ثواب ملے گا۔ تو اس کا وہ کٹا ہوا عضو اس کے ساتھ ہوگا نہ ہوگا۔ اور اگر وہ عضو اس کے ساتھ نہ ہوگا۔ تو پھر وہ بہشت میں بغیر ہاتھ پاؤں اور آنکھ کے کس طرح ہوگا۔ اور اگر وہ عضو اس کے ساتھ ہوگا تو وہ اس نیکی اور ثواب میں دوسرے اعضا کا کس طرح شریک ہوگا جب کہ وہ عبادت میں ان کا شریک عمل نہ تھا لوگ اس قسم کے واہیات اعتراض کرتے ہیں اور وہ یعنے طرف ثانی جو قیامت میں اسی وجود کا ہونا بیان کرتے ہیں۔ نہایت تکلف سے ان کا جواب دیتے ہیں اور جب تو نے دوبارہ زندہ ہونیکی حقیقت کو سمجھ لیا تو تجھے ایسی باتوں سے سروکار نہیں کیونکہ تو اس قالب کا محتاج نہیں اور یہ اعتراض محض اس وجہ سے پیدا ہوئے کہ لوگوں نے سمجھ لیا۔ کہ تو اور تیری حقیقت یہی قالب ہے اور جب یہ بعینہ اسی شکل پر نہ ہوگا۔ تو تو بھی نہ ہوگا۔ اور اس وجہ سے وہ بحث میں پڑ گئے۔ اور حالانکہ اس بات کی اصل میں خلل ہے یعنی کمزور ہے۔

فصل اگر تو یہ کہے کہ فقہاء اور متکلمین کا مشہور مذہب یہ ہے کہ آدمی کی جان موت سے فنا ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کو وجود میں لاتے ہیں اور یہ جو کچھ کہ بیان ہوا ہے اس کے خلاف ہے پس جان لے کہ جو دوسروں کی باتوں پر جاتا ہے وہ اندھا ہو جاتا ہے اور جو کوئی ایسا کہے وہ نہ تو مقلد ہے نہ اہل بصیرت کیونکہ وہ اگر اہل بصیرت میں سے ہوتا تو سمجھ لیتا کہ جسم کی موت آدمی کی حقیقت کو فنا نہیں کرتی اور اگر وہ مقلد ہوتا تو قرآن شریف اور احادیث نبی کریم سے سمجھ لیتا کہ آدمی کی روح مرنے کے بعد سلامت رہتی ہے اور مرنے کے بعد ارواح کو دو طبقے ہیں۔ ارواح اشقیاء اور ارواحِ صلحاء کی روح کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ

یعنے ان لوگوں کو جو میری راہ میں مارے گئے ہیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے جو انہیں خلعت ملے ہیں۔ ان سے خوش ہیں۔ اور ہمیشہ اس کی جناب سے روزی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جنگ بدر کے اشقیاء و کافروں کو جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا۔ تو ایک ایک کا نام لیکر پکار کر اے فلاں ابن فلاں حق

تعالےٰ نے جو وعدے دشمنوں کے عذاب کے متعلق مجھ سے کیے تھے میں نے اسے سچا پایا۔ اور کیا تم نے بھی ان وعدوں کو سچا پایا۔ جو مرنے کے بعد عذاب کے متعلق تم سے کیے گئے تھے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو مردہ ہیں۔ آپ ان سے کیوں باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے یہ ان باتوں کو تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں۔ لیکن جواب سے عاجز ہیں اور جو کوئی قرآن وحدیث میں ان احکام کی تلاش کرے۔ جو مردوں کے حق میں بیان کیے گئے ہیں کہ وہ یعنے مردے اہل ماتم اور اہل زیارت اور جو کچھ اس عالم میں ہے اس سے آگاہ ہیں۔ وہ اس امر پر یقین کرے گا کہ مردوں کا بالکل فنا ہوجانا شریعت میں بیان نہیں ہوا ہے۔ بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ صفت بدل جاتی ہے مکان بدل جاتا ہے اور قبر ایک غار ہے۔ دوزخ کی غاروں میں سے۔ یا ایک باغ ہے۔ بہشت کے باغوں میں سے۔ پس یقین کر کہ موت سے تیری ذات اور صفات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ سوائے حواس وحرکات وتخیلات کے جو اعضا اور دماغ کی وجہ سے ہیں اور تو وہاں بالکل تنہا ومجرد ہوگا۔ یعنے ان تمام خیالات وغیرہ سے علیحدہ رہے گا۔ اور جان لے کہ جب گھوڑا مرجاتا ہے سوار اگر جولاہا ہو تو فقیہ نہیں بن جاتا۔ اور اگر اندھا ہو تو بینا نہیں ہوسکتا۔ لیکن پیادہ ہوجاتا ہے۔ پس قالب گھوڑے کی طرح سواری ہے اور تو سوار ہے اور یہ اسی سبب سے ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ اور محسوسات سے غائب ہوجاتے ہیں اور اپنے آپ میں سما جاتے ہیں۔ اور تصوف کے اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ذکر میں غرق ہوجاتے ہیں۔ تو آخرت کے حالات ان کے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ اگرچہ ان کی روح حیوانی اعتدال مزاج سے پھر نہیں جاتی۔ لیکن یہاں تک عاجز ہوجاتی ہے۔ کہ اللہ کا خوف اس میں پیدا ہوجاتا ہے۔ اور ان کی ذات کی حقیقت کو اپنے ساتھ مشغول نہیں رکھتی اور ان کی حالت قریب قریب مردوں کی ہوجاتی ہے۔ پس جو کچھ دوسروں کو مرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ ان پر یہیں روشن ہوجاتا ہے اور جب وہ اپنے آپ میں واپس لوٹتے ہیں اور عالم محسوسات میں مشغول ہوتے ہیں تو بہتوں کو اس حالت کے متعلق کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ لیکن اس میں کچھ اثر باقی رہ جاتا ہے۔

اگر بہشت کی حقیقت اسے دکھلائی جائے تو مسرت اور خوشی ان کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے۔ اور اگر دوزخ کی حقیقت ان کو بتائی جائے تو سستی اور خستگی ان کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے اور اگر اس کے متعلق انہیں کوئی چیز یاد رہ جائے۔ تو وہ اس کی خبر دیتے ہیں اور اگر خزانۂ خیال نے کسی شے کے ساتھ تعبیر کرلیا ہو۔ اور وہ ایسی مثال ہو جو اچھی طرح یاد رہے تو وہ اس کے متعلق بھی اطلاع دیتے ہیں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نماز میں ہاتھ لمبا کیا اور فرمایا۔ کہ بہشت سے خوشۂ انگور مجھ کو دکھایا گیا۔ میں نے چاہا کہ میں اسے اس جہان میں لے آؤں۔ لیکن یہ خیال مت کرو کہ میں اس حقیقت کو جس کی مثال وہ خوشۂ انگور تھا۔ اس جہان میں لے آتا۔ بلکہ یہ خیال تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے آتے اور اس کے محال ہونے کو جاننا مشکل ہے اور تجھے اس کے سمجھنے کی حاجت

نہیں اور علماء کے خیالات اس میں مختلف ہیں۔ کوئی تو خیال کرتا ہے کہ وہ اس امر کو سمجھ جائے کہ بہشت کا خوشہ انگور کیسا تھا اور کیا ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ دوسروں نے نہ دیکھا اور کوئی اس امر کی نسبت صرف یہی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ ہلایا۔ اور تھوڑی سی حرکت نماز کو فاسد نہیں کرتی۔ اور اسی کی تفصیل میں بہت غور کیا۔ اور سمجھا کہ علم اولین آخرین یہی ہے۔ اور جس کسی نے یہی سمجھا۔ اور اسی علم ظاہری پر قناعت کر لی۔ اور علم باطن کی طرف مشغول نہ ہوا۔ پس وہ خود معطّل ہے۔ یعنی بے کار ہے۔ اور علم شریعت سے انکار کرتا ہے۔ اور اس بیان سے یہ مقصد ہے۔ کہ تو خیال نہ کرے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بہشت کے متعلق خبر دی۔ وہ جبرائیل علیہ السلام کی تقلید اور ان سے سنی ہوئی ہے جس طرح کہ تو جبرائیلؑ سے سننے کے معنے جانتا ہے۔ اور دوسرے کاموں کو سمجھتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت کو دیکھا۔ حالانکہ بہشت کو اصلی رنگ میں اس جہان میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان کو تشریف لے گئے۔ اور اس جہان سے غائب ہو گئے اور آپ کا غائب ہونا بھی معراج کی ایک قسم تھی۔ لیکن غائب ہونے کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو روح حیوانی کے مر جانے سے۔ دوسرے اس کے طاقت ور ہو جانے سے۔ لیکن اس جہان میں بہشت نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور جس طرح کہ سات زمین اور سات آسمان پستہ کے چھلکے میں نہیں سما سکتے۔ اسی طرح بہشت کا ایک ذرہ بھی اس جہان میں نہیں سما سکتا۔ اور جس طرح قوتِ سامعہ اس امر سے مجبور ہے۔ کہ آسمان و زمین کی شکل اس میں ظاہر ہو۔ جیسی کہ آنکھ میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح اس جہان کی تمام حسّیات یعنی حواس بہشت کے تمام ذروں سے معزول ہیں۔ اور اُس جہان کے حواس بجائے خود اور ہیں۔

فصل اب وقت ہے کہ تو عذاب قبر کے معنوں کو سمجھے۔ پس جان لے کہ یہ دو قسم پر ہے۔ روحانی و جسمانی لیکن جسمانی کو تو ہر کوئی جانتا ہے۔ اور روحانی کو سب نہیں جانتے مگر وہ جانتا ہے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا ہو۔ اور اپنے روح کی حقیقت کو سمجھ لیا ہو۔ کہ وہ اپنی ذات سے قائم ہے اور جسم سے مستغنی ہے اور موت کے بعد باقی ہے اور موت اس کو فنا نہیں کرتی۔ لیکن ہاتھ پاؤں اور گوش و چشم اور حواس اس سے واپس لئے جاتے ہیں۔ تو عورت۔ لڑکے۔ مال۔ زمین۔ غلام۔ گائے۔ بیل وغیرہ مکان دوست رشتہ دار بلکہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان حواس سے دریافت ہو سکتا ہے سب واپس لے لیا جاتا ہے اور اگر یہ تمام چیزیں اس کی معشوق تھیں۔ اور وہ ان پر فدا تھا تو موت کے بعد وہ ان کے فراق کے عذاب میں رہے گا۔ اور اگر وہ ان تمام اشیاء سے بے پروا تھا اور ان کو پسند نہیں کرتا تھا بلکہ موت کا خواہشمند تھا۔ تو وہ راحت و آرام میں رہے گا۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل کی ہوئی تھی۔ اور اسے حق تعالیٰ کے ذکر سے محبت تھی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ پر فدا اور اسباب دنیا سے بیزار تھا۔ تو وہ موت کے بعد اپنے معشوق کے پاس پہنچ گیا۔ اور اس کو رنج و غم دینے والا یعنے اسباب دنیا

درمیان سے اٹھ گیا۔ اور وہ اپنی سعادت کو پہنچ گیا۔

اب ذرا غور و فکر کر کہ جس کسی نے اپنے آپ کو جان لیا اور پہچان لیا۔ کہ وہ باقی رہے گا۔ اور اس کی عزیز اور پیاری چیزیں دنیا میں رہیں گی۔ تو اسے یقین کرنا پڑے گا۔ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا۔ تو ان اشیاء کی جدائی سے جو اسے محبوب تھیں۔ رنج و عذاب حاصل ہو گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَحْبِبْ مَا اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُہٗ یعنے دوست رکھ ہر اس چیز کو جسے تو پسند کرے تو بے شک اس سے جدا ہونے والا ہے اور جب کوئی یہ سمجھ لے۔ کہ اللہ تعالٰے اس کا محبوب ہے۔ اور دنیا معہ اپنی چیزوں کے اس کی دشمن ہے۔ سوائے اس مقدار کے جو اس کا توشہ ہے تو اسے یقین ہو جائے گا۔ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا رنج و غم سے نجات پائے گا اور آرام و خوشی حاصل کرے گا پس جس کسی نے یہ پہچان لیا اُسے عذاب قبر میں کوئی شک نہ رہا۔ اور اس نے اس کے ہونے کو مان لیا۔ اور یہ پرہیزگاروں کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ دنیا داروں کے لئے ہے۔ جنہوں نے اپنا آپ بالکل دُنیا کے حوالہ کر دیا۔ اور اس سے حدیث کے معنے معلوم ہوتے ہیں[1] اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَجَنَّۃُ الْکٰفِرِیْنَ۔

فصل

عذاب قبر کو تو نے جان لیا۔ کہ وہ دنیا کی دوستی کے سبب سے ہے۔ پس سمجھ لے۔ کہ اس عذاب کے درجے ہیں۔ بعضوں کو کم اور بعض کو زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے جس قدر کہ دنیا کی اسے خواہش ہوتی ہے۔ اور اس شخص کا عذاب جو دنیا میں صرف ایک ہی چیز سے محبت رکھتا ہے ایسا نہ ہو گا۔ جیسا کہ اس شخص کا ہو گا جو زمین۔ مال۔ غلام۔ گائے۔ گھوڑے وغیرہ اور جاہ و حشمت اور دنیا کی تمام نعمتوں سے محبت رکھتا ہے جیسے کسی شخص کو کہا جائے کہ تیرا ایک گھوڑا چور لے گئے۔ تو اسے کم رنج ہو گا۔ بہ نسبت اس کے اسے یہ کہا جائے کہ چور تیرے دس گھوڑے لے گئے اور اگر تمام مال اس کا چھین لیا جائے تو اسے زیادہ رنج ہو گا۔ بہ نسبت اس کے کہ نصف مال چھین لیا جائے اور یہ تمام رنج مقابلتہً کمتر رہ جائے گا۔ اگر مال کے ساتھ اس کی عورت اور بچوں کو بھی لوٹ کر لے جائیں اور ولایت سے معزول کر دیں۔ اور ملک و مال زن و فرزند اور جو کچھ دنیا میں ہے۔ سب تباہ کر دیں اور اس کو تنہا چھوڑ دیں۔ اور موت کے یہی معنی ہیں۔ اور ہر کسی کا عذاب و آرام دنیا سے تعلق اور پرہیز پر منحصر ہے اور جس کسی کو دنیوی اسباب پوری طرح مدد دیں۔ اور وہ دنیا ہی کا بن جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور محبوب رکھا۔ اس لئے سخت عذاب ہو گا۔ اور اس کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ کیا جانتے ہو کہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے کن معنوں میں نازل فرمایا ہے۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا یعنے جس نے میری یاد سے منہ پھیرا۔ اس کے لئے زندگی تنگ ہے صحابہ نے عرض کیا

---

[1] دنیا مومنوں کا جیل خانہ اور کافروں کا بہشت ہے۔

کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کافر کو عذاب قبر اس طرح پر ہوتا ہے یعنی اس پر ننانوے اژدہا مسلط کر دیئے جاتے ہیں اور ہر سانپ کے نو نو سر ہوتے ہیں اور وہ اس کو کاٹتے ہیں اور چاٹتے ہیں اور پھنکارے لگاتے ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے۔ اہل بصیرت نے ان اژدہا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور احمق بے بصر کہتے ہیں کہ ہم کو قبر میں سانپ نظر نہیں آتے۔ اگر ہوتے تو ہماری آنکھیں جو بالکل درست ہیں انہیں دیکھتیں۔ ان احمقوں کو جاننا چاہیئے کہ یہ اژدہا مردہ کی روح کے اندر ہیں۔ اس کے جسم کے باہر نہیں ہیں۔ کہ دوسروں کو نظر آجائیں بلکہ یہ اژدہا اس کی موت سے پہلے بھی اس کے اندر موجود تھے۔ اور وہ بے خبر تھا۔ اور نہیں جانتا تھا۔ ان احمقوں کو جاننا چاہیئے کہ یہ اژدہے اس کافر کی صفات ہی سے بنے ہیں اور ان اژدہوں کے سر اس کے مذموم اخلاق کی تعداد کے برابر ہیں اور ان اژدہوں کا اصل ضمیر دنیا کی دوستی سے بنا ہے۔ اور ان کے سر اسی تعداد کے مطابق ہیں جس قدر اخلاق بد دنیا کی دوستی سے اس کافر میں پیدا ہو گئے ہیں۔ جیسے حسد۔ کینہ۔ ریا۔ کبر۔ حرص۔ مکر۔ فریب۔ عداوت اور جاہ وحشمت کی دوستی وغیرہ۔ اور ان اژدہوں کی اصلیت اور ان کے سروں کا زیادہ ہونا نور بصیرت سے پہچانا جا سکتا ہے اور ان کی تعداد نور نبوت سے پہچانی جاسکتی ہے جو اخلاق مذمومہ کی تعداد کے مطابق ہیں۔ اور ہمیں اخلاق مذمومہ کی تعداد معلوم نہیں۔ پس یہ اژدہے کافر کی جان کے اندر پوشیدہ رہتے ہیں۔ اس سبب سے نہیں کہ وہ خدا اور رسول سے ناواقف ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ اس نے اپنا آپ بالکل دنیا کے حوالہ کر دیا ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے ارشاد کیا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ یعنے یہ غصہ اس لئے ہے کہ انہوں نے زندگانی دنیا کو آخرت سے محبوب رکھا اور فرمایا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ یعنے اور ضائع کر دیا تم نے اس کی نعمتوں کو اپنی دنیوی زندگی میں اور ان سے مزے اٹھائے۔ اگر یہ اژدہے اس کافر کی جان کے باہر ہوتے جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے تو اس میں اس کافر کے لئے آرام ہوتا۔ کیونکہ آخر کبھی تو وہ اژدہے ایک ساعت کے لئے اسے کاٹنے سے باز رہتے چونکہ وہ اس کی جان کے اندر پوشیدہ ہیں۔ اس لئے وہ اس کی عین صفات ہیں اب کس طرح وہ کافر ان سے بھاگ سکے جس طرح کوئی شخص کنیز فروخت کرے اور پھر اس پر عاشق ہو جائے۔ اور وہ اژدہا جو اس کی جان کے اندر اسے کاٹتا ہے۔ وہ اس کنیز کا عشق ہے۔ جو اس کے دل میں پوشیدہ تھا۔ اور جب تک اس اژدہا نے اسے نہیں کاٹا۔ اس عاشق کو خبر نہیں ہوئی۔ اسی طرح یہ ننانوے اژدہا اس کے اندر تھے۔ اور وہ مرنے سے پہلے ان سے بے خبر تھا یہاں تک کہ انہوں نے اسے کاٹا۔ اور جس طرح کہ عین عشق اس وقت تک اس کی راحت کا سبب تھا۔ جب تک کہ وہ اپنی معشوقہ سے ہمکنار تھا۔ اسی طرح وہ عشق فراق میں اس کی تکالیف کا باعث بنا اگر اس کو عشق نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی بھی فراق کے رنج وغم میں مبتلا نہ ہوتا۔ اسی طرح دنیا کی دوستی اور اس کا عشق جو کہ زندگی میں راحت کا سبب تھا۔ موت کے بعد تکلیف کا موجب ہوا۔ اور عشق جاہ اس اژدہا کی طرح ہے

جو کاٹتا ہے اور عشقِ مال سانپ کی مانند ہے اور گھر بار کا عشق بچھو ہے اور اسی طرح پر قیاس کرے۔ جس طرح کہ وہ کنیز کا عاشق فراق میں چاہتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈال دے یا آگ میں جلا دے یا یہ چاہتا ہے کہ کوئی بچھو کاٹ لے تاکہ مرکر دردِ فراق سے رہائی پائے۔ اسی طرح جس کسی کو عذابِ قبر ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے رنج و غم کے عوض ایسے سانپ اور بچھو ہوتے۔ جن کو اس جہان کے آدمی جانتے ہیں کہ یہ جسم پر زخم لگاتے ہیں۔ اور کوئی ظاہری آنکھ انہیں دیکھ نہیں سکتی۔ پس درحقیقت ہر شخص اپنے عذاب کے اسباب یہاں سے لے جاتا ہے۔ اور وہ اس کے اندر ہیں۔ اور اسی لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا ھِیَ اَعْمَالُکُمْ تُرَدُّ اِلَیْکُمْ یعنی وہ تمہارے اعمال ہی ہیں جو دوبارہ تمہارے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اور اسی واسطے حق تعالےٰ نے فرمایا کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ یعنے اگر تمہیں علم الیقین ہوتا۔ تو تم خود دوزخ کو دیکھ لیتے۔ اور اسی لیئے فرمایا اِنَّ جَھَنَّمَ لَمُحِیْطَۃٌ بِالْکٰفِرِیْنَ یعنے دوزخ کافروں کو محیط ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ محیط ہوگی۔

فصل اگر تو کہے کہ ظاہری شرع سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان اژدہوں کو آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ اژدہا جو جان کے اندر ہوتے ہیں۔ نظر نہیں آتے اس کا جواب یہ ہے کہ اژدہا بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن مردہ دیکھ سکتا ہے۔ اس جہان کے رہنے والے انہیں نہیں دیکھ سکتے اور اُس جہان کی چیزیں اس جہان کی آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتیں اور یہ اژدہا مردہ کو اس طرح نظر آتے ہیں۔ جیسے ان سے انہیں اس عالم یعنی دنیا میں دیکھا تھا لیکن تو نہیں دیکھتا۔ اور جیسے کہ سویا ہوا آدمی اکثر خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ اسے سانپ کاٹ رہا ہے۔ لیکن وہ جو اس کے پاس بیٹھا ہوتا ہے۔ نہیں دیکھ سکتا۔ حالانکہ سانپ سونے والے کے لئے موجود ہوتا ہے۔ اور اس سے وہ تکلیف اٹھا رہا ہے لیکن دیکھنے والے یعنے بیدار کے لیئے وہ سانپ معدوم ہے۔ اور اس سے کہ بیدار اس سانپ کو نہیں دیکھتا سونے والے کا رنج کم نہیں ہوتا۔ اور جس طرح سونے والا خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ سانپ نے اسے کاٹا ہے اور وہ دشمن کا زخم ہے جو اس پر فتحیاب ہوگا۔ اور ایک رنج روحانی ہے جو اس کے دل پر ہوتا ہے اگر ہم اس کی مثال اس جہان سے چاہیں تو ایک سانپ ہے اور یہ ہوتا ہے کہ جب وہ دشمن خواب دیکھنے والے پر فتحیاب ہوتا ہے تو خواب دیکھنے والا کہتا ہے کہ میں نے اپنے خواب کی تعبیر پالی۔ کاش کہ مجھے سانپ کاٹتا۔ لیکن یہ دشمن مجھ پر فتح نہ پاتا۔ کیونکہ یہ رنج اس رنج سے بہت زیادہ ہے جو بدن پر ہوتا۔ پس اگر تو یہ کہے کہ یہ سانپ معدوم ہے اور جو کچھ خواب دیکھنے والے کے بیئے ہے۔ وہ محض ایک خیال ہے۔ پس جان لے کہ ایسا خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے بلکہ وہ سانپ موجود ہے۔ کیونکہ موجود چیز ہی پائی جاتی ہے۔ معدوم نہیں پائی جاتی اور جو کچھ تو خواب میں پاتا ہے اور دیکھتا ہے وہ تیرے حق میں موجود ہے۔ اگرچہ دوسرے لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ اور جو کچھ کہ تو نہیں دیکھتا ہے۔ اور نہ پاتا ہے۔ وہ تیرے لئے موجود نہیں ہے۔ اگرچہ تمام لوگ اسے دیکھتے ہیں اور جب کہ عذاب اور اسکا

سبب سونے والے اور مردہ کے پائے ہوئے ہیں۔ اور اگر اس کو دوسرے نہیں دیکھتے تو کیا نقصان ہے ہاں صرف اتنا ہے کہ سونے والا جلدی بیدار ہو جاتا ہے اور عذاب سے رہائی حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے لوگ اسے خیالی کہتے ہیں لیکن مُردہ اس میں مبتلا رہتا ہے۔ کیونکہ موت کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے وہ رنجِ عذاب اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اس عالمِ محسوسات کی طرح اُسے ثبات ہے اور یہ شریعت میں کہیں نہیں ہے۔ کہ ان سانپ اور بچھوؤں کو جو قبر میں ہوتے ہیں یہ عام لوگ چشمِ ظاہر سے دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی اس جہان سے دُور ہو جائے۔ سمجھ لو کہ سو جائے۔ اور اس عذاب شدہ مُردہ کا حال اس پر ظاہر کیا جائے تو وہ اس مردہ کو سانپ اور بچھوؤں میں دیکھے گا۔ لیکن انبیاء علیہم السلام اور اولیائے عظام اسے بیداری میں دیکھتے ہیں۔ کیونکہ جو دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں انہیں بیداری میں نظر آتا ہے اور یہ عالمِ محسوسات اس جہان کی چیزوں کے دیکھنے کیلئے ان کیلئے باعث حجاب نہیں ہے۔ پس یہ طول کلام اس لئے ہے کہ کچھ احمق اس قسم کی باتیں قبروں میں دیکھتے ہیں۔ اور جب چشمِ ظاہر سے کسی چیز کو نہیں پاتے تو عذاب قبر سے انکار کرتے ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ اس جہان کے معاملات کو نہیں جانتے۔

فصل شاید تو یہ کہے کہ اگر عذاب قبر اس وجہ سے ہے کہ دل کو اس جہان سے لگاؤ رہتا ہے تو اس جہان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو زن و فرزند اور مال و جاہ سے محبت نہ رکھے اس لئے ہر شخص کو عذاب قبر ہو گا۔ اور کوئی شخص بھی اس سے رہائی نہ پائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس طرح نہیں ہے اگر کئی شخص ایسے ہوں جو دنیا سے سیر ہو چکے ہوں اور ان کے لئے دنیا میں کوئی آسائش اور مسرت نہ رہ گئی ہو اور وہ موت کے خواہشمند ہوں اور یا بعض جو مسلمانوں میں سے درویش ہوں وہ اس قسم کے ہوں۔ لیکن وہ لوگ جو مال دار ہیں دو قسم پر ہیں ایک گروہ تو وہ ہے جو دنیا کے مال و اسباب سے محبت رکھتے ہیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کو دنیوی مال و دولت سے زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ تو ان کے لئے عذاب قبر نہ ہو گا۔ اور اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کسی شہر میں مکان رکھتا ہو اور اس مکان سے اسے محبت ہو لیکن ریاست اور سلطنت محل اور باغ کو اس مکان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہو اور جب اس کو حکم شاہی پہنچے کہ وہ دوسرے شہر میں چلا جائے تو اسے وطن سے جدا ہونے کا کوئی رنج نہ ہو گا۔ کیونکہ گھر بار اور شہر کی دوستی پر سلطنت کی محبت زیادہ غالب ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں گھر بار کی دوستی ناچیز ہوتی ہے۔ اور اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا اسی طرح انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام اور پرہیزگار مسلمان اگرچہ ان کے دل میں زن و فرزند شہر و وطن کی محبت ہوتی ہے لیکن جب خدا تعالیٰ کی دوستی اور محبت ان پر ظاہر ہوتی ہے اور اس کی محبت کی لذت کے مقابلہ میں یہ تمام اشیاء ناچیز ہو جاتی ہیں۔ اور یہ لذت موت سے پیدا ہوتی ہے۔ پس یہ لوگ عذابِ قبر سے محفوظ ہیں۔ اور جو لوگ خواہشات دنیا کو دوست رکھتے ہیں۔ اس عذاب سے رہائی نہیں پاتے۔ اور یہ بہت ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے [1] وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ اور یہ لوگ

(لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مدت تک عذاب اٹھائیں گے۔ اور جب ان کا زمانہ دنیا سے گزرے زیادہ ہو جائے گا۔ اور وہ لذت دنیا کو فراموش کر چکیں گے تو اللہ تعالےٰ کی دوستی جو ان کے دل میں پوشیدہ تھی۔ پھر ظاہر ہو جائے گی۔

اور ان کی مثال اس شخص کی ہے جو ایک گھر کو دوسرے گھر سے زیادہ دوست رکھتا ہو یا ایک شہر کو دوسرے شہر سے زیادہ پسند کرتا ہو۔ یا ایک عورت سے دوسری عورت سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔ اور جب اس کو اس زیادہ محبت والی چیز سے جدا کریں۔ اور وہ اس دوسرے کے پاس جائے جسے بہ نسبت اس کے کم دوست رکھتا ہے تو وہ مدت تک اس سے زیادہ محبت والی چیز کے فراق میں رنجور رہے گا۔ اور جب اس کو بھلا دے گا۔ اور دوسری شے سے محبت کرے گا تو اصل دوستی کہ جو اس کے دل میں پہلے محبوب کی نسبت تھی۔ مدت دراز کے بعد پھر ظاہر ہوگی اور جو خدا تعالےٰ کو بالکل دوست نہیں رکھتا وہ ہمیشہ اس عذاب میں رہے گا کیونکہ اس کے دل میں اسی شے کی دوستی تھی۔ جو اس سے لے لی گئی۔ یعنے دنیا۔ پھر بھلا وہ کس طرح نجات پائے اور عذاب کافر کی ہمیشگی کا ایک یہ بھی سبب ہے۔ جو بیان ہوا ہے۔

اور جان اگر کوئی دعوے کرے کہ میں خدا تعالیٰ کو دوست رکھتا ہوں۔ یا دنیا سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ اور یہ سارے جہان کا زبانی مذہب ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک ترازو اور کسوٹی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی دوستی پہچانی جاسکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے جب کبھی نفس اور خواہش اسے کسی چیز کے متعلق حکم دے اور اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے خلاف ہو۔ اور اگر وہ اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر مائل دیکھے تو یہ درست ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ دوست رکھتا ہے۔ جس طرح کہ ایک آدمی دو آدمیوں کو دوست رکھتا ہے۔ لیکن ایک سے اسے زیادہ محبت ہے۔ لیکن جب کبھی ان دونوں میں اختلاف ہو اور وہ اپنے آپ کو اس دوست کی طرف دیکھے جو اسے زیادہ عزیز ہے تو سمجھ لے۔ کہ وہ اس سے زیادہ محبت رکھتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو زبانی کہنا کچھ فائدہ نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ دعویٰ دوستی محض دروغ ہوگا اور اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمیشہ لا الٰہ الا اللہ کے پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاملات دنیوی کو معاملات دین پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور جب ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ ان کو فرماتا ہے کہ تم جھوٹ کہتے ہو کہ لا الٰہ الا اللہ ایسے معاملات کے ساتھ جھوٹ ہے۔ پس کیا تو نے اس جملہ سے جان لیا۔ کہ اہل بصیرت مشاہدہ باطن سے دیکھتے ہیں۔ کہ کون اس عذابِ قبر سے رہائی پائے گا۔ اور جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ نہ چھوٹیں گے۔ لیکن مدت عذاب اور سختی میں بہت فرق ہوگا جس طرح کہ تعلق دنیا میں بہت فرق ہے۔

فصل۔ شاید تو کہے کہ احمقوں اور مغروروں کا گروہ کہتا ہے۔ کہ اگر عذابِ قبر یہی ہے تو ہم اس سے محفوظ ہیں

پچھلے صفحہ کا حاشیہ۔ اور نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر اس میں پہنچنے والا ہے۔ یہ امر ہو چکا ہے۔ تیرے رب پر ضرور مقرر پھر نجات دیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے ۱۲

کیونکہ ہمیں اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے اور دنیا کا ہونا نہ ہونا ہمارے لئے برابر ہے لیکن جب تک وہ اپنے آپ کو نہ آزمائیں ان کا یہ دعویٰ محال ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہو، اُسے چور لے جائے اور جو مقبولیت یا شہرت اس کی ہے۔ اس کے کسی دوسرے ہمسر کے نصیب ہو اور اس کے تمام مرید اس سے منہ پھیر لیں اور اس کی مذمت کریں اور باوجود اس کے اُس کے دل پر کچھ رنج و غم کا اثر نہ ہو۔ اور اس کے لئے یہ واقعہ گویا ایسا ہو جیسے کسی دوسرے کا مال چوری ہو گیا۔ اور کسی دوسرے کی عزت جاتی رہی۔ اگر اس کی یہ حالت ہے۔ تو اس کا دعوےٰ درست ہو گا۔ کہ مجھ میں یہ صفات ہیں۔ یعنی دنیا کا ہونا نہ ہونا میرے لئے برابر ہے۔ لیکن جب تک اس کا مال چوری نہ ہو اور اس کے مرید اس سے نہ پھر جائیں۔ تب تک وہ اپنے دعوےٰ میں معذور ہے۔ پس چاہیئے کہ مال کو اپنے سے جدا کرے۔ اور شہرت سے بھاگے اور اپنے آپ کو آزمائے۔ اور پھر اعتماد کرے۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کو عورت اور کنیز سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن جب عورت کو طلاق دیتے ہیں یا کنیز کو فروخت کرتے ہیں۔ تو وہ آتش عشق جو ان کے دل میں پوشیدہ تھی۔ ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ دیوانہ ہو جاتے ہیں اور جلتے ہیں۔ پس جو کوئی چاہتا ہے کہ عذاب قبر سے بچے اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ دنیا کی کسی چیز سے تعلق نہ رکھے۔ لیکن بقدر ضرورت جس طرح کہ کسی کو طہارت کے لئے پاخانہ کی حاجت ہوتی ہے۔ اور وہ اس حالت میں بیٹھے رہنا پسند نہیں کرتا۔ اور چاہتا ہے۔ کہ جلدی فراغت حاصل کرے۔ پس چاہیئے کہ حرص طعام بھی معدہ کی ضرورت پورا کرنے کے لئے اسی طریق پر ہو کیونکہ یہ دونوں باتیں بالضرورت ہیں۔ اور اسی طرح دنیا کے دوسرے کام بھی انجام دے۔ پس اگر دل ان تعلقات سے خالی نہ کیا جا سکے تو چاہیئے کہ عبادت پر مواظبت اور مداومت کرے اور اللہ تعالےٰ کے ذکر سے محبت رکھے۔ اور ذکر الٰہی کو اپنے دل پر غالب کرے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کی دوستی دنیا کی دوستی پر غالب تر ہو جائے اور اپنے سے دلیل اور حجت طلب کرے۔ اور اس طریق سے شریعت کی متابعت کرے اور خواہشات نفسانی پر حکم الٰہی کو مقدم رکھے۔ اگر اس طرح نفس اس کی متابعت کرے۔ تو پھر اعتبار کرے کہ عذاب قبر سے نجات پائے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو یعنی نفس اس کا سرکشی کرے۔ تو اپنے آپ کو عذاب قبر کے حوالہ کر دے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ اس کو معاف کر دے۔

فصل

اب وقت ہے کہ دوزخ روحانی کے معنے بیان کئے جائیں اور روحانی سے یہ مطلب ہے کہ خاص روح کے لئے ہو اور جسم کا کوئی تعلق نہ ہو[1]۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ یہی دوزخ روحانی ہے۔ جس کی آتش کا غلبہ دل پر ہو گا۔ اور آگ جو بدن میں لگتی ہے۔ اُسے دوزخ جسمانی کہتے ہیں۔ پس جاننا چاہیئے کہ دوزخ روحانی میں تین قسم کی آتش ہو گی۔ اوّل دنیوی خواہشات سے فراق کی آگ

[1] اللہ تعالےٰ کی بھڑکائی آگ ہے جو دلوں پر ظاہر ہو گی۔

دوم۔ رسوائیوں اور شرمندگیوں کی آگ۔ سوم جمال حضرت الٰہی سے محروم اور نا امید ہونے کی آگ۔ اور ان تینوں آتشوں کا تعلق جان اور دل سے ہوگا نہ کہ جسم سے۔ اور ان آتشوں کی شرح کرنی ضروری ہے جو ہم اس جہان سے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس کے معنے اس جہان سے ایک عارضی مثال کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔ چہلی ہیتمر دنیا کی خواہشات سے جدائی کی آگ ہے اور اس کا سبب عذاب قبر کے باب میں بیان کر دیا گیا ہے اور آدمی جب تک اپنے معشوق کے ساتھ ہے۔ عشق اور رغبت کے لئے بہشت ہے اور جب اس سے جدا ہوا دوزخ ہے پس دنیا کا عاشق دنیا میں بہشت کے اندر ہے اَلدُّنْیَا جَنَّۃُ الْکَافِرِ یعنے دنیا کافر کے لئے جنت ہے اور آخرت اس کے لئے دوزخ ہے کیونکہ اس کا معشوق یعنے دنیا اس سے چھین لی جاتی ہے پس ایک ہی چیز لذت کا باعث بھی ہے اور رنج کا سبب بھی ہے لیکن اس کی دو مختلف حالتیں ہیں۔ اور اس آگ کی مثال دنیا میں اس طرح ہوگی کہ ایک بادشاہ ہے کہ تمام روئے زمین اس کے ماتحت ہے اور وہ ہمیشہ خوبصورت کنیزوں غلاموں عورتوں کے ساتھ اور باغ اور محلات کی سیر میں مشغول رہتا ہے۔ لیکن ناگاہ ایک دشمن آجاتا ہے اور اسے پکڑ لیتا ہے۔ اور اپنا غلام بنا لیتا ہے اور اس کی رعایا کے سامنے اسے کتوں کی حفاظت کا کام سپرد کرتا ہے اور اس کے سامنے اس کی عورت اور کنیزوں کو استعمال میں لاتا ہے۔ اور غلاموں کو بھی۔ ان سے کام لینے کو حکم دیتا ہے اور اس کے خزانہ کی تمام پیاری اور عمدہ اشیاء اس کے دشمنوں کو دے ڈالتا ہے۔ پس خیال کرکہ اس مرد یعنے بادشاہ کو اس کا کیسا رنج ہوگا اور سلطنت کے فراق کی اور زن و فرزند اور خزانہ و کنیزک غلام و نعمت کی جدائی کی آگ اُسے کس قدر جلاتی ہوگی۔ وہ ضرور چاہتا ہے کہ اُسے ایک دم ہلاک کر دیا جائے یا اس قدر عذاب اس کے جسم کو دیا جائے۔ کہ وہ اس رنج سے رہائی پا جائے اور یہ مثال ایک آگ کی ہے۔ اور جس قدر مال و دولت زیادہ رکھتا ہوگا۔ اور جس قدر سلطنت عمدہ اور زرخیز ہوگی۔ اسی قدر یہ آگ اور تیز ہوگی پس جو کوئی دنیا میں زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور جس سے دنیا زیادہ موافقت رکھتی ہے۔ اسی قدر اس کا عشق زیادہ مشکل ہوگا۔ اور فراق کی آگ اسی قدر زیادہ اس کی جان کو جلائے گی۔ اور اس آگ کی مثال اس جہان میں نہیں پائی جا سکتی۔ کیونکہ اس جہان میں جو رنج دل کو پہنچتا ہے جلد زائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حواس اور اس جہان کے شغل دل کو اِدھر اُدھر مشغول رکھتے ہیں۔ اور چونکہ یہ شغل حجاب ہیں۔ اس لئے دل میں عذاب متمکن نہیں ہوتا۔ اور یہ اس لئے ہوتا ہے۔ کہ جب رنجور اپنی آنکھوں اور کانوں کو اور چیزوں کے دیکھنے یا سننے میں مشغول رکھتا ہے۔ تو اس کا رنج کم ہو جاتا ہے۔ اور جب ان سے فارغ ہو جاتا ہے تو وہ رنج بڑھ جاتا ہے۔ اور جب مصیبت زدہ خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ تو زخم مصیبت اس کے دل پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی طبیعت اس وقت صاف ہوتی ہے اور محسوسات میں مشغول ہونے سے پہلے جو چیز اس تک پہنچتی ہے بہت اثر کرتی ہے۔ اور اگر خواب سے بیدار ہوتے ہی خوش آواز اس کے کانوں تک پہنچتی ہے تو صفائی دل کی وجہ سے اس کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے اور اس جہان میں

رہتے ہوئے صفائی کامل نہیں ہوتی اور جب مرجاتا ہے تو اثر محسوسات سے صاف ہو جاتا ہے اور پھر اس کے لئے بڑی راحت یا بڑے رنج کا قیام ہو جاتا ہے۔ اور یہ خیال نہ کر کہ وہ آگ اس دنیا کی آگ کی مانند ہو گی۔ بلکہ اس آگ کو ستر دفعہ پانی سے دھو کر اس جہان میں بھیجا گیا ہے دوسری قسم، آگ کی رسوائیوں سے شرم و ندامت کی آگ ہے اور مثال اس کی یہ ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ کسی کمینہ اور ذلیل شخص کو عزت دے اور اپنے ملک کی نیابت اس کے حوالہ کر دے اور اپنی حرم سرائے میں اسے آنے جانے کی اجازت دیدے۔ یہاں تک کہ کوئی بھی اس سے پردہ نہ کرے۔ اور اپنے خزانے اس کے حوالے کر دے اور اپنے تمام کاموں میں اس پر اعتبار کرے اور وہ کمینہ جب ان نعمتوں کو حاصل کرلے تو اپنے دل میں بادشاہ سے باغی اور سرکش ہو جائے۔ اور اس کے خزانہ میں تصرف کرے اور اس کے اہل حرم میں خیانت و فساد کرے اور ظاہری طور پر بادشاہ کو اپنے امانت دار ہونے کا ثبوت دے۔ اور ایک دن اسی اثنا میں جب کہ وہ حرم سلطانی میں خیانت اور فساد کر رہا ہو دیکھے کہ بادشاہ اس کے افعال کو روزن سے دیکھتا ہے۔ اور وہ کمینہ سمجھ جائے کہ بادشاہ اس کے اطوار کو سمجھتا ہے۔ اور اس کی حرکات کو ہر روز دیکھتا ہے۔ اور بادشاہ کی تاخیر محض اس لئے ہے کہ اس کمینہ کی خیانت اور بڑھے۔ اور اس کو دفعتہً عذاب میں مبتلا کرے اور ہلاک کر دے۔ پس خیال کر کہ اس حالت میں جو رسوائی کی آگ اس کے دل و جان میں لگے گی۔ کیا اس کا بدن اس سے سلامت رہے گا اور کیا وہ نہ چاہے گا۔ کہ اس وقت زمین میں سما جائے۔ اور اس آتش فضیحت و ندامت سے رہائی حاصل کرے پس اسی طرح تو اس جہان میں جو کام اپنی عادت سے کرتا ہے اور وہ تجھے ظاہری طریق پر اچھے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ ان کی حقیقت اور اصلیت بری اور رسواکن ہے جب ان کی حقیقت قیامت میں تجھ پر کھلے گی۔ اور ان کی رسوائی تجھ پر ظاہر ہو گی تو تو اس کمینہ کی طرح آتش ندامت سے جلے گا۔ مثلاً آج تو کسی کی غیبت کرتا ہے۔ تو کل قیامت کو اپنے آپ کو اس طرح دیکھے گا جیسے کوئی اس جہان میں اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ اور اسے مرغ بریاں سمجھتا ہے لیکن جب غور کرتا ہے۔ تو اپنے مردہ بھائی کو دیکھتا ہے۔ کہیں اسے مرغ سمجھ کر کھا رہا ہوں بخیال کر کس قدر رسوا ہو گا۔ اور کیسی آگ اس کے دل میں لگے گی۔ یہ غیبت کی روح اور حقیقت ہے۔ اور یہ روح آج پوشیدہ ہے کل بروز قیامت ظاہر ہو گی۔ اور اسی واسطے جو کوئی خواب میں گوشت مردہ کو کھاتا ہوا دیکھتا ہے۔ تعبیر اس کی یہ ہے غیبت کرتا ہے اور اگر تو آج کسی دیوار میں پتھر پھینکے۔ اور جو کوئی تجھے خبر دے کہ یہ پتھر اس دیوار سے تیرے گھر میں گرتے ہیں۔ اور تیرے لڑکوں کی آنکھوں کو اندھا کرتے ہیں۔ اور جب تو گھر میں جائے تو اپنے عزیز لڑکوں کی آنکھوں کو دیکھے۔ کہ تیرے پتھروں سے اندھے ہو گئے ہیں۔ تو جانتا ہے اس وقت کیسی آگ تیرے دل میں لگے گی۔ اور تو کس قدر رسوا ہو گا۔ اور جو کوئی اس جہان میں کسی مسلمان سے حسد کرتا ہے۔ اپنے آپ کو اس صفت پر دیکھے گا حسد کی روح اور حقیقت یہ ہے کہ تو دشمن کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے۔ لیکن اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا مگر تیرا

دین ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور تیری عبادتیں جو اس جہان میں تیری آنکھوں کا نور ہوں گی۔ اس کے حساب میں لکھی جاتی ہیں۔ تا کہ تو بے عبادت رہ جائے۔ اور تیری عبادتیں قیامت کے روز تیرے لڑکوں کی آنکھوں سے زیادہ کام آئیں گی۔ کیونکہ عبادتیں تیرے لئے سعادت کا موجب ہیں۔ اور لڑکے سعادت کا سبب نہیں ہیں۔ پس کل قیامت کو صورتیں حقیقتوں اور روحوں کی تابع اور جس چیز کی صورت کو دیکھے گا۔ وہ اپنے معنے کی شکل پر ظاہر ہو گی۔ اور فضیحت و رسوائی درپیش ہو گی۔ اس وجہ سے کہ نیند اس جہاں سے نزدیک ہے اور خواب میں کام اسی شکل پر نظر آتے ہیں جو اس کے معنے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ اور کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں ایک انگشتری ہے۔ اور میں اس سے مردوں کے منہ اور عورتوں کے فرج پر مہریں لگاتا ہوں۔ آپ نے کہا تو مؤذن ہے اور رمضان شریف میں صبح سے پہلے نماز کے لئے اذان دیتا ہے۔ اس نے جواب دیا ایسا ہی ہے۔ اب خیال کرنا چاہئے کہ خواب میں اس معاملہ کی رُوح اور حقیقت کو کس طرح دکھایا گیا کہ بانگ نماز رمضان میں ایک ذکر اور آواز کی صورت ہے۔ اور اس کی روح و حقیقت کھانے اور مباشرت سے منع کرنا ہے۔ اور تعجب تو یہ ہے۔ کہ قیامت کا سب نمونہ تجھے خواب میں دکھایا جاتا ہے۔ اور تجھے خود کسی چیز کی بھی خبر نہیں۔ اور یہی معنے ہیں جو حدیث شریف میں آئے ہیں۔ کہ قیامت کے روز دنیا کو ایک بدشکل بڑھیا کی صورت میں لائیں گے اور جو کوئی اس کو دیکھے گا کہے گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ یعنے ہم خدا کے ساتھ پناہ مانگتے ہیں تجھ سے اور کہیں گے یہ وہی دنیا ہے۔ جس کی طلب میں تم ہلاک ہوتے تھے۔ اور وہ اس طرح نادم ہوں گے۔ چاہیں گے کہ ہمیں آگ میں ڈال دیں تا کہ اس شرم سے نجات پائیں۔

اور ان تینوں رسوائیوں کی مثال میں ہم ایک حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک بادشاہ نے اپنے لڑکے کی شادی کی اور بادشاہ کے لڑکے نے جس رات دلہن کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ خوب شراب پی اور جب مست ہو گیا دلہن کے لئے اپنے مکان سے نکلا۔ اور خلوت خانہ میں جانے کا ارادہ کیا۔ راستہ بھول گیا اور گھر سے باہر نکل آیا اور اسی حالت میں ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک گھر دیکھا اور روشنی دیکھی۔ سمجھا کہ دلہن کے مکان میں پہنچ گیا۔ جب اندر داخل ہوا۔ چند آدمیوں کو دیکھا کہ سوئے ہوئے ہیں۔ ہر چند آوازیں دیں کسی نے جواب نہ دیا۔ سمجھا۔ کہ سو رہے ہیں۔ ایک کو دیکھا۔ کہ نئی چادر اوڑھے ہوئے ہے کہا یہی دلہن ہے۔ اُس کے پہلو میں لیٹ گیا۔ اور چادر اتار دی۔ جب خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی۔ کہا بے شک یہی دلہن ہے۔ اور خوشبو لگائے ہوئے ہے اور مباشرت میں مشغول ہوا۔ اور اپنی زبان کو اس کے منہ میں دے دیا اور جب کچھ منی معلوم ہوئی سمجھا کہ میری خاطرداری کرتی ہے۔ اور گلاب چھڑکتی ہے۔ جب صبح ہوئی اور ہوش میں آیا دیکھا تو اس مکان کو آتش پرستوں کا قبرستان پایا۔ اور وہ جو سوئے ہوئے تھے مردے تھے اور جس کی نئی چادر تھی۔ اور جسے اپنی دلہن سمجھا تھا۔ وہ ایک تازہ بدشکل بڑھیا کی لاش تھی۔ اور وہ خوشبو جو اس سے آ رہی تھی وہ کافور

تھا جو اس کے بدن پر ملا ہوا تھا۔ اور وہ جو رطوبت تھی۔ وہ سب اس کی پلیدی تھی اور جب غور کیا تو اپنے تمام اعضا کو نجاست میں بھرا ہوا پایا۔ اور جب اپنے منہ کو اس کے لعاب دہن سے کڑوا محسوس کیا چاہا کہ اس کی رسوائی اور ندامت سے ہلاک ہو جائے اور ڈرا کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ اور اس کا لشکر مجھے اس حالت میں دیکھ لے ابھی وہ اس خیال میں تھا کہ بادشاہ اور لشکر اس کی تلاش میں پہنچ گئے اور اسے اس بُری حالت میں دیکھا شاہزادہ نے چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں غرق ہو جائے تاکہ اس رسوائی و خجالت سے رہائی حاصل کرے پس کل قیامت کو دنیادار تمام لذتوں اور خواہشوں کو اسی طریق پر دیکھیں گے۔ اور خواہشات میں غرق رہنے سے جو اثر ان کے دل میں باقی رہے گا۔ وہ اس نجاست اور تلخی کے اثر کی طرح ہوگا جو شاہزادہ کے دہن اور اعضا میں رہ گیا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ دشوار اور بُرا ہوگا۔ کیونکہ اس جہان کے کاموں کی سختی کی مثال اس جہان میں نہیں ہے۔ اور یہ قصہ اس آگ کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا۔ جو دل و جان میں لگی ہوئی ہے اور جسم اس سے بے خبر ہے اور اسی کا نام ذلت اور رسوائی کی آگ ہے تیسری قسم آگ کی حضرت الٰہی سے محروم رہنے اور سعادت حاصل کرنے سے ناامید ہونے کی آگ ہے اور اس کا سبب نابینائی اور جہالت ہوگی جو آدمی اس جہان سے اپنے ساتھ لے جائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کی ہوگی اور مجاہدہ سے اپنے دل کو صاف نہ کیا ہوگا۔ تاکہ مرنے کے بعد حضرت الٰہی کا جمال اس میں دیکھے۔ جیسا کہ آئینہ میں عکس نظر آتا ہے بلکہ گناہوں اور دنیوی خواہشوں کے زنگار نے اس کے دل کو سیاہ کر دیا ہوگا۔ تاکہ وہ اندھا ہی ہے اور اس آگ کی مثال ایسی ہے جیسے تو چند آدمیوں کے ساتھ اندھیری رات میں ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سے سنگریزے پڑے ہوئے ہوں اور تو ان کا رنگ نہ پہچان سکے۔ اور تیرے ساتھی تجھے یہ کہیں کہ جس قدر ہو سکے اٹھالے۔ کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ یہ بہت مفید ہیں اور ہر ایک شخص حتی المقدور ان کو اٹھالے اور تو ایک دانہ بھی نہ اٹھائے اور کہے کہ یہ نہایت بیوقوفی ہوگی کہ اس قدر مصیبت برداشت کریں۔ اور بوجھ گراں اٹھائیں حالانکہ ہم نہیں جانتے کہ یہ کل کو کام آئیں یا نہ۔ پس تیرے ساتھی تو بوجھ اُٹھالیں اور وہاں سے روانہ ہو چلیں اور تو ان کے ساتھ خالی ہاتھ چلے۔ اور ان پر ہنسے اور ان کو احمق بنائے۔ اور ان پر افسوس کرے اور کہے کہ جو کوئی عقل و فہم رکھتا ہے میری طرح آسان و آسودہ چلتا ہے اور جو احمق ہوتا ہے اپنے سے بے خبر ہو کر بوجھ اٹھاتا ہے اور جب روشنی میں پہنچیں تو معلوم ہو کہ وہ سب سنگریزے یاقوت سرخ اور مروارید خوش آب ہیں۔ اور ہر دانہ کی قیمت سو ہزار دینار ہے اور وہ لوگ افسوس کریں کہ کیوں زیادہ نہ اٹھائے اور تو اس دھوکے اور دغا سے ہلاک ہوگا۔ اور افسوس کی آگ تیری جان میں لگے گی۔ پس وہ ان کو فروخت کر دیں اور بادشاہی روئے زمین کی حاصل کریں۔ اور جیسی نعمتیں چاہیں کھائیں اور جہاں چاہیں رہیں اور تجھے ننگا اور بھوکا دیکھیں اور غلام بنائیں اور تجھ پر حکومت کریں۔ اور تو ہر چند کہے کہ مجھے بھی اس نعمت سے حصہ دیں۔ قولہ تعالیٰ۔ اَفِیْضُوْا[؎]

؎ دو ہم کو پانی میں سے یا اس چیز میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں روزی دی کہ وہ کہیں گے خدا نے دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں

عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ وہ کہیں گے کل تو ہم پر ہنستا تھا اور آج ہم تجھ پر ہنستے ہیں۔ [1] اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۔ پس یہ مثال نعمت بہشت اور دیدار حق تعالیٰ سے محروم رہنے کی حسرت کے متعلق ہے۔ اور یہ جواہرات عبادات ہیں اور تاریکی دنیا ہے اور جس کسی نے عبادات کے جواہر دنیا سے نہ لئے اور کہا ہر دوست قرض کے لئے نقد کا رنج کیوں اٹھائیں۔ ایسے لوگ کل قیامت کو فریاد کریں گے۔ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا الْمَاءَ اور وہ کیونکر قیامت کو حسرت نہ کھائیں گے جبکہ کل قیامت کو اہل معرفت اور اہل عبادت کو قسم قسم کی سعادتیں حاصل ہوں گی جس کی ایک ساعت کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتیں کچھ چیز نہ ہوں گی۔ بلکہ جس کسی کو سب سے آخر دوزخ سے نکالیں گے۔ اس کو بھی اس افراط سے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دی جائیں گی جو دنیا سے دس گنا زیادہ ہوں گی۔ اور یہ مشابہت دنیا کے حساب اور مقدار سے نہیں ہے۔ بلکہ روح نعمت میں مشابہت ہے اور وہ ایسی خوشی اور لذت ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ ایک موتی دس دینار یعنے اشرفی کی مانند ہے اور درحقیقت وہ وزن اور مقدار سے دس اشرفی جتنا نہیں ہوتا۔ بلکہ روح مالیت میں دس اشرفی کی قیمت رکھتا ہے۔

فصل جب تو نے ان تینوں قسم کی آگ کو پہچان لیا۔ تو اب جان لے کہ یہ آتش جسمانی آگ سے بہت تیز ہے کیونکہ جسم کو اس وقت تک تکلیف نہیں ہوتی جب تک اس کا اثر جان تک نہ پہنچے۔ پس جسم کی تکلیف جان میں پہنچ کر بڑھ جاتی ہے اور وہ آگ اور درد جو کہ جان سے باہر نکلتا ہے۔ وہ بالضرور بہت زیادہ ہوتا ہے اور یہ آگ جان کے اندر ہی سے لگتی ہے باہر سے نہیں آتی۔ اور ان تمام تکلیفوں کی وجہ خلاف خواہش چیزوں کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور بدن کا مقتضائے طبیعت یہ ہے کہ اس کی ترکیب اس کے ساتھ رہے۔ اور اس کے تمام اعضا مجتمع رہیں۔ اور جب زخم کی وجہ ایک عضو سے دوسرا عضو علیحدہ ہوتا ہے۔ تو چونکہ یہ امر اس کی طبیعت کے خلاف ہے اس لئے بدن کو تکلیف ہوتی ہے اور زخم اجزائے بدن کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے اور تمام اعضا میں آگ لگ جاتی ہے اور ایک اعضا کو دوسرے اعضائے سے جدا کر دیتی ہے اور ہر ایک عضو سے علیحدہ علیحدہ تکلیف ہوتی ہے اور اس سبب سے تکلیف کی آگ زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو چیز مقتضائے دل ہوتی ہے جب اس کے خلاف دوسری چیز جگہ حاصل کر لیتی ہے تو اس کی تکلیف جان کو نہایت ہی عظیم ہوتی ہے اور دل کو مقتضائے طبیعت اللہ تعالےٰ کی معرفت ہے اور اس کا دیدار ہے اور جب اس کے خلاف اس کی ضد یعنے نابینائی اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ تو دل کے درد کی کوئی انتہا نہیں رہتی اگر لوگوں کے دل اس عالم میں بیمار نہ ہوتے تو موت سے پہلے درد بینائی کی تکلیف اٹھاتے جس طرح ہاتھ پاؤں سن ہو جاتے ہیں۔ اور آگ لگانے سے بھی انہیں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اور جب سن جاتا رہتا ہے تو اس حالت میں اگر چھو جائے تو آدمی کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس طرح لوگوں کے دل دنیا میں درماندہ اور سن ہو

[1] اگر تم تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تمسخر کریں گے۔ تم سے جس طرح کہ تم تمسخر کرتے ہو۔

جاتے ہیں۔ اور موت سے وہ سُن جاتا ہے۔ اور یہ آگ دفعتہً جان سے نکل آتی ہے اور یہ کسی دوسری جگہ سے نہیں آتی۔ بلکہ دل میں ہوتی ہے اور آدمی یہاں سے ساتھ لے کر جاتا ہے۔ چونکہ اسے علم الیقین نہ تھا۔ اس لئے نہ دیکھ سکا۔ اب چونکہ عین الیقین حاصل ہوا۔ تو اس آگ کو سمجھا۔ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ کے یہی معنی ہیں اور چونکہ شریعت نے دوزخ و بہشت جسمانی کی شرح صاف صاف کر دی۔ اس لئے اسے تمام لوگ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ اور دوزخ و بہشتِ روحانی کو جس کے سامنے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ اور اس کی تکلیف و عظمت کو نہیں جانتا۔ اگر کسی لڑکے کو کہا جائے کہ پڑھ۔ اگر پڑھے گا تو باپ کی ولایت و ریاست تجھے ملے گی۔ ورنہ تو اس سعادت سے دور رہے گا۔ تو وہ لڑکا اس بات کو نہیں سمجھے گا۔ اور اس کے دل پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ اور اگر اسے یہ کہا جائے کہ اگر تو نہ پڑھے گا۔ تو تیرا استاد تیری گوشمالی کرے گا۔ تو وہ اس سے ڈرے گا۔ کیونکہ اسے سمجھتا ہے اور جس طرح کہ استاد کی گوشمالی حق ہے۔ اسی طرح بے ادب لڑکے کا باپ کی امارت و ریاست سے محروم رہنا حق ہے۔ اسی طرح دوزخ جسمانی حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے محروم رہنے کی آگ بھی حق ہے اور جس طرح گوشمالی بمقابلہ ریاست و امارت کی محرومی کے کچھ بھی سزا نہیں۔ اسی طرح دوزخ جسمانی بھی دوزخ روحانی کے سامنے ایک معمولی چیز ہے۔

فصل اگر تو کہے کہ یہ شرح اور تفصیل اس کے خلاف ہے جو علماء کہتے ہیں اور کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ امور تقلید اور سننے سے سمجھے جاتے ہیں اور بصیرت کو اس میں دخل نہیں ہے تو جان لے کہ ان کے عذر کا جواب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ وہ کیا ہے اور ان کی یہ باتیں اس کے مخالف نہیں کیونکہ جو کچھ انہوں نے شرح آخرت کے بارہ میں کہا ہے درست ہے لیکن وہ محسوسات سے آگے نہیں بڑھے ہیں اور روحانیات کو انہوں نے نہیں جانا ہے یا اگر جانا ہے تو بیان نہیں کیا۔ کہ بہت سے لوگ اُسے نہ سمجھ سکیں گے اور جو جسمانی ہے وہ بغیر صاحب شرح کی تقلید اور سننے کے معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ حقیقت روح کی معرفت کی دوسری شاخ ہے اور اس کا جاننا بھی بصیرت اور مشاہدہ باطن پر مبنی ہے۔ اور اس مرتبہ کو وہی پہنچتا ہے جو اپنے وطن سے جدا ہوتا ہے۔ اور اپنے مولد سے باہر نکلتا ہے اور دین کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اس جگہ وطن اور گھر سے جسم کا گھر اور وطن مراد نہیں ہے۔ کیونکہ جسم کے سفر کی کچھ حقیقت نہیں لیکن وہ روح جو آدمی کی حقیقت ہے اس کی قرارگاہ ہے۔ جہاں سے وہ ظاہر ہوئی ہے۔ اور وہ اس کا وطن ہے۔ اور اس جگہ سے یہاں مسافرانہ آئی ہے۔ اور اس کے راستہ میں بہت سی منزلیں ہیں اور ہر منزل کا علیحدہ عالم ہے۔ اور اس کی پہلی قرارگاہ عالم محسوسات ہے۔ پھر عالم مخیلات۔ پھر عالم موہومات۔ پھر عالم معقولات اور معقولات اس کی چوتھی منزل ہے۔ اور اس چوتھے عالم میں وہ اپنی حقیقت کی خبر پاتا ہے اور اس کے آگے اسے کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اور ان چاروں کمالوں کو اس ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے۔

مثال جب تک آدمی عالم محسوسات میں رہتا ہے اس کا درجہ ایک پروانہ کا درجہ ہے جو اپنے آپ کو چراغ پر گراتا ہے

اگرچہ پروانہ کو حس بصر یعنی قوت بینائی حاصل ہے لیکن خیال اور یاد رکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ وہ اندھیرے سے بھاگتا ہے۔ اور روزن تلاش کرتا ہے اور چراغ کو روزن سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اس پر گراتا ہے اور آگ سے تکلیف اٹھاتا ہے۔ لیکن وہ درد اسے یاد نہیں رہتا۔ اور اس کا خیال نہیں آتا۔ کیونکہ اسے قوت حفظ وخیال نہیں ہے اور نہ وہ اس درجہ پر پہنچا ہے۔ اس لئے بار بار اپنے آپ کو چراغ پر گراتا ہے۔ یہاں تک کہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو قوت حفظ وخیال ہوتی تو ایک دفعہ تکلیف اٹھانے سے دوبارہ چراغ کے نزدیک نہ جاتا۔ کیونکہ دوسرے حیوانات جب ایک دفعہ مار کھاتے ہیں تو دوسری دفعہ لکڑی کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں کیونکہ اس کا خیال (یعنی پہلی مار کھانا) انہیں یاد رہتا ہے۔ پس عالم محسوسات آدمی کی پہلی منزل ہے۔ کیونکہ دوسری منزل عالم مخیلات ہے۔ اور جب تک آدمی اس درجہ پہ رہتا ہے۔ اس کا درجہ بہائم کے درجہ کے برابر ہے۔ کیونکہ جب تک ایک چیز سے تکلیف نہیں اٹھاتا۔ اس سے علیحدہ نہیں ہوتا اور جب ایک دفعہ صدمہ اٹھا لیتا ہے۔ تو دوسری دفعہ اس سے بھاگتا ہے۔ تیسری منزل عالم موہومات ہے جب اس درجہ پر پہنچتا ہے تو گھوڑے اور بکری کے برابر ہوتا ہے۔ اور بلا دیکھے صدمہ کے بھاگتا ہے اور جانتا ہے کہ اس سے تکلیف ہوگی جس طرح بکری نے بھیڑیئے کو دیکھا ہوا نہیں ہوتا۔ اور گھوڑے نے شیر کو دیکھا ہوا نہیں ہوتا۔ لیکن جب اس کی شکل دیکھتے ہیں بھاگ جاتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ دشمن ہے۔ اگرچہ گائے اونٹ ہاتھی جو صورت میں بہت بڑے ہیں لیکن ان سے نہیں بھاگتے۔ یہ سمجھ ہے جو خدا تعالیٰ نے ان کے باطن کو عطا فرمائی ہے۔ جس سے وہ اپنے دشمن کو پہچان لیتے ہیں اور باوجود ان سب باتوں کے کل ہونے والی چیز سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ یہ مرتبہ چوتھی منزل کا ہے۔ اور وہ منزل معقولات کی منزل ہے۔ جب آدمی اس منزل میں پہنچ جاتا ہے۔ تو تمام بہائم کی حدود سے گزر جاتا ہے۔ اور درحقیقت یہ عالم انسانیت کی پہلی منزل ہے۔ اور یہاں حس وہم وخیال سے بالاتر چیزیں دیکھتا ہے اور مستقبل میں ہونے والی باتوں سے بچ جاتا ہے۔ اور کاموں کی روح اور حقیقت کو صورت سے جدا کر لیتا ہے اور ہر چیز کی حد وحقیقت اور اس کی تمام مشمولہ اشیاء کو جان لیتا ہے۔ اور جو چیزیں اس جہان میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ وہ لامحدود نہیں ہیں۔ کیونکہ جو چیز محسوس ہوتی ہے وہ اجسام سے باہر نہیں ہے۔ اور تمام اجسام منتہی ہی ہیں۔ عالم محسوسات میں آدمی کا تردد اور روش زمین پر چلنے کے مطابق ہے۔ اور ہر آدمی چل پھر سکتا ہے اور چوتھے عالم میں اس کا چلنا محض روحوں اور کاموں کی حقیقت کی تلاش میں چلنا ہوتا ہے۔ اور وہ پانی پر چلنے کی طرح ہے۔ اور آدمی کا موہومات میں تردد کرنا کشتی کے سوار ہونے کی طرح ہے۔ جس کا درجہ پانی اور خاک کے درمیان ہے۔ اور درجہ معقولات کے اس طرف ایک مقام ہے۔ اور وہ مقام انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام و صوفیوں کا مقام ہے۔ اور اس کی مثال ہوا میں چلنے کی طرح ہے۔ اور یہی بات تھی جو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے۔ آپ نے فرمایا سچ ہے [ل] وَلَوِ ازْدَادَ يَقِينًا لَمَشٰى فِي الْهَوَاءِ آدمی

[ل] اگر ان کا یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے۔

کے سفر کی منازل عالم اوراک میں ہیں۔ اورجب آخری منزل پر پہنچتا ہے تاکہ فرشتوں کے درجہ کو پہنچ جائے۔ آخری درجہ کے پیتے چارپایوں کے درجہ سے اعلیٰ درجہ ملائکہ تک آدمی کے معراج کی منزلیں ہیں۔ اور بلندی و پستی سب انسان کا کام ہے اور اس کے لئے یہ خطرہ ہے۔ یا تو اسفل السافلین میں گرے یا اعلیٰ علیین تک پہنچ جائے اور اس خطرہ کو اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں یوں بیان فرمایا ہے[1] اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا اور جمادات کا درجہ تبدیل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ بے خبر ہیں۔ اس لئے بے خطر ہیں اور فرشتے اعلیٰ علیین میں ہیں۔ اور ان کے درجہ کو تنزل نہیں۔ کیونکہ ہر ایک کا درجہ اس پر مقرر ہے جیسا کہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے[2] وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اور چوپائے اسفل السافلین میں ہیں۔ اور ان کے لئے ترقی کی کوئی راہ نہیں۔ اور آدمی ان دونوں کے درمیان میں ہے اور خطرہ میں ہے۔ کیونکہ اس کے لئے ممکن ہے کہ ترقی کرے اور فرشتوں کے درجہ پر پہنچ جائے۔ یا چوپایوں کے درجہ میں اتر آئے۔ اور امانت الٰہی کے بوجھ کا اٹھانا یہی ہے۔ کہ اس نے خطرناک کام کو منظور کرلیا۔ پس سوائے آدمی کے امانت الٰہی کا بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ اور اس بات کے بیان کرنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ تو نے جو کہا تھا کہ بہت سے یہ نہیں کہتے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کیونکہ مسافر ہمیشہ مقیم کے خلاف ہوتا ہے۔ اور اس راہ میں بہت سے لوگ مقیم ہیں۔ مسافر کوئی کوئی ہے۔ اور جو کوئی پہلی منزل یعنے محسوسات اور مخیلات کو اپنا وطن بنا لیتا ہے۔ کاموں کی رُوح اور حقیقت اس پر بالکل ظاہر نہیں ہوتی۔ اور وہ کبھی روحانی نہیں بنتا۔ اور کاموں کی رُوح اور رُوحانیات کے احکام کو نہیں جانتا اور یہی سبب ہے کہ اس کی شرح کتابوں میں کمیاب ہے اور ہم شرح معرفت آخرت کو اتنے ہی بیان پر ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ لوگ اس سے زیادہ نہ سمجھ سکیں گے۔ اور بہت سے لوگ اس بیان کو بھی نہ سمجھیں گے۔

فصل بہت سے بیوقوف لوگ جو نہ تو یہ طاقت رکھتے ہیں کہ اپنی بصیرت سے کاموں کو جانیں۔ اور نہ ہی اس امر کی توفیق پاتے ہیں کہ شریعت ہی کی پیروی کریں۔ آخرت کے کاموں میں حیران ہوتے ہیں اور شک کرتے ہیں اور بات یہ ہے کہ جب خواہش ان پر غلبہ کرتی ہے۔ تو یہ بات ان کو پسند آتی ہے۔ کہ آخرت سے انکار کردیں۔ پھر وہ انکار ان کے باطن میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ اور شیطان اس کو اور بڑھاتا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ جو دوزخ کی نسبت آیا ہے وہ محض ایک دھمکی ہے اور جو کچھ بہشت کی بابت ہے محض ایک شعبدہ ہے۔ اور اسی وجہ سے خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور شریعت سے انکاری ہوتے ہیں۔ اور شرع پر چلنے والوں کو حقارت اور حماقت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ گروہ گدڑی پوش ہیں اور عاشق ہیں۔ پس ایسے احمقوں میں یہ قوت کہاں کہ ایسے رازوں کو دلیلوں سے سمجھ سکیں۔ پس ان

---

[1] ہم نے پیش کیا اپنی امانت کو آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پس انکار کردیا۔ ان سب نے اس کے اٹھانے سے اور اٹھا لیا۔ اس کو انسان نے اور بے شک وہ ظالم اور نادان تھا۔ [2] نہیں ہے ہم میں سے کوئی ایسا فرشتہ مگر اس کا مقام مقرر ہے۔

میں سے کسی کو بلانا چاہیئے۔ تاکہ ایک ظاہری بات میں غور کرے اور اُسے کہنا چاہیئے۔ کہ اگر تیرا ظن غالب یہی ہے۔ کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر و حکیم و اولیاء علما سب غلطی پر تھے۔ اور مغرور تھے۔ تو تو نے باوجود اس احمقی اور غرور کے اس حال کو نہ سمجھا۔ آخر ممکن ہے کہ تو غلطی پر ہو اور تو نے ہی دھوکا کھایا ہو جو آخرت کی حقیقت کو نہ سمجھا۔ اور عذاب روحانی کو نہ جان سکا۔ اور عالم محسوسات سے روحانیت کی مثال نہ دیکھ سکا۔ اور اگر وہ ایسا بیوقوف ہے۔ جو کسی طرح بھی اپنی غلطی کو نہ مانے اور کہے کہ جس طرح دو کو ایک سے زیادہ جانتا ہوں۔ اسی طرح یہ بھی سمجھتا ہوں کہ روح کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور کوئی بقا نہیں ہے اور روحانی و جسمانی کوئی رنج و راحت نہیں ہے۔ پس ایسے آدمی کا مزاج بگڑ گیا ہے۔ اور اس سے نا امید ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اس گروہ سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[1] وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْا اِذًا اَبَدًا۔ اور اگر وہ کہے کہ ان باتوں کے محال ہونے کی نسبت مجھے تحقیق نہیں اگرچہ یہ ممکن ہے مگر بعید ہے اور اس حال کی مجھے اصلیت معلوم نہیں اور غالب ظن بھی نہیں تو ایک ضعیف گمان پر میں کیوں اپنے آپ کو تمام عمر کے لئے پرہیزگاری کی کوٹھری میں بند کردوں اور لذت دنیوی سے باز رہوں۔ پس ہم اسے کہیں گے کہ جب تو نے اسقدر اقرار کر لیا تو از روئے عقل تجھ پر واجب ہوگیا۔ کہ شریعت کے راستہ کو اختیار کرے۔ کیونکہ بڑے خطرہ کے گمان ہی سے لوگ اس سے بھاگتے ہیں۔ جیسے تو کھانا کھانے کا ارادہ کرے۔ اور کوئی تجھے یہ کہدے کہ سانپ نے اس میں منہ ڈالا ہوا ہے۔ تو تو فوراً اس سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ اگرچہ گمان یہ ہے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے اور اس لئے کہتا ہے کہ تو کھانا نہ کھائے تو وہ خود کھالے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سچ کہتا ہے۔ ایسی حالت میں تو اپنے آپ میں خیال کرے گا اگر نہ کھاؤں تو بھوک کی تکلیف آسان ہے اگر کھاؤں تو ممکن ہے اس نے سچ کہا ہو۔ اور میں ہلاک ہو جاؤں۔ اگر اسی طرح تو بیمار ہو جائے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو تجھے کوئی تعویذ نویس یہ کہے کہ مجھے ایک درم چاندی دے تاکہ تجھے ایسا تعویذ لکھ دوں جس سے تو اچھا ہو جائے۔ اگرچہ تیرا ظن غالب یہ ہوگا۔ کہ نقش تندرستی سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ لیکن تو خیال کریگا کہ وہ سچ کہتا ہے اور ایک درم چاندی معمولی بات ہے۔ اور اگر کوئی نجومی تجھے یہ کہے کہ جب چاند فلاں مقام پر پہنچے۔ تو فلاں تلخ دوا کھالے۔ تاکہ اچھا ہو جائے۔ نجومی کے کہنے پر تو تلخ دوائی کھانے کا رنج برداشت کرے گا اور کہے گا تو سچ کہتا ہے۔ اگر جھوٹ بھی ہو تو معمولی بات ہے۔ پس کسی عقل مند کے نزدیک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں اور تمام حکیموں عالموں ولیوں کا قول کسی نجومی یا تعویذ نویس یا طبیب کے قول سے کمتر نہ ہوگا۔ ان کے کہنے کے مطابق تھوڑا سا رنج برداشت کرتا ہے تاکہ بڑی مصیبت سے نجات پائے اور تجھے تھوڑی تکلیف و نقصان بمقابلہ بڑے رنج و نقصان کے خفیف معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی حساب کرے کہ دنیا کی عمر کتنی ہے۔ اور ابد کتنا ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں تو سمجھ جائے کہ یہ رنج جو شریعت کی پیروی کا ہے۔ معمولی ہے بمقابلہ اس عظیم الشان خطرہ کے جسے تو خود کہتا ہے کہ اگر

[1] پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تو ان کو ہدایت کی طرف بلائے تو یہ کبھی ہدایت کی طرف نہ آئیں گے۔

انبیا علیہم السلام نے سچ کہا ہے تو میں ایسے عذاب میں ہمیشہ رہوں گا۔ اور یہ دنیا کی چند روزہ گذر جانے والی راحت مجھے کیا فائدہ دے گی۔ اور ممکن ہے کہ وہ سچ کہتے ہوں۔ اور مدت ابد کے یہ معنے ہیں کہ اگر تمام جہان کو کاکن یعنے چینہ کے دانوں سے بھر دیا جائے۔ اور کسی پرندے کو کہا جائے کہ ہزار ہزار سال کے بعد ایک ایک دانہ اس میں سے اٹھائے اور وہ سب دانے ختم ہو جائیں تو ابد میں سے کچھ بھی ختم نہ ہو۔ پس اتنی مدت خواہ عذاب جسمانی ہو۔ روحانی ہو خیالی ہو۔ کس طرح برداشت کیا جاسکتا ہے۔ اور دنیا اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہے کوئی عقلمند ایسا نہ ہوگا جو اس امر میں غور کرے۔ اور نہ جانے کہ اس عظیم الشان خطرہ سے احتیاط کرنا اور بچنا واجب ہے۔ اگرچہ تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔ لوگ تجارت کے لئے کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ اور بہت سی تکلیف نفع کے گمان پر اٹھاتے ہیں۔ اگرچہ اس احمق کو آخرت کا یقین نہیں ہے لیکن ضعیف سا گمان تو ہے۔ پس اگر اپنے حال پر مہربانی کرے تو اسی احتمال سے شریعت کی متابعت کرے۔ اور اسی واسطے جناب علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دن ایک ملحد یعنے منکر خدا سے مناظرہ کیا اور فرمایا اگر ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ تو کہتا ہے۔ یعنے خدا نہیں ہے۔ تو میں بھی بچ گیا۔ تو بھی بچ گیا۔ اور اگر ایسا ہے جیسا کہ میں کہتا ہوں۔ یعنی ذات باری کا وجود ہے۔ تو میں بچ گیا۔ اور تو پھنس گیا۔ اور ہمیشہ کے عذاب میں رہا۔ اور یہ بات جو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی۔ اس وجہ سے نہ تھی کہ آپ کو جناب باری کی ذات میں شک تھا بلکہ ایسا کہنا اس ملحد کی عقل کے مطابق تھا۔ کیونکہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ راہ یقین اس ملحد کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ پس اس سے سمجھ لے کہ جو کوئی دنیا میں زادِ آخرت کے سوا دوسری چیزوں میں مشغول ہے۔ وہ بے وقوف ہے اور اس کی غفلت کا سبب اور امورِ عاقبت میں غور نہ کرنے کی وجہ خواہشات دنیا کا غلبہ ہے جو اسے غور کرنے کی مہلت نہیں دیتا۔ اور وہ جو عذاب آخرت پر یقین رکھتا ہے اور وہ جو ظن غالب رکھتا ہے۔ اور وہ جو گمان ضعیف رکھتا ہے۔ عقل کی رو سے سب پر واجب ہے کہ اس خطرۂ عظیم سے بچیں۔ اور احتیاط و امن کا راستہ اختیار کریں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

عنوان مسلمانی ختم ہوا۔ اور معرفت نفس اور معرفت حق و معرفت دنیا کا او معرفت آخرت کا بیان اختتام کو پہنچا۔ انشاء اللہ اس کے بعد ارکان معاملات مسلمانی بیان کروں گا ٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارکانِ معاملاتِ مسلمانی

رکن اوّل عبادات کے بیان میں

اصل اوّل اعتقادِ اہل سنّت والجماعت

جب تو معرفتِ مسلمانی کے عنوان سے فارغ ہوگیا۔ اور اپنے آپ کو پہچان چکا۔ اور حق تعالیٰ کو جان چکا اور دنیا و آخرت کو سمجھ چکا۔ تو اب تجھے معاملۂ مسلمانی کے ارکان کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ گذشتہ بیان سے تجھے معلوم ہوگیا کہ آدمی کی سعادت اللہ تعالےٰ کے پہچاننے سے ہے۔ اور اس کی عبادات میں ہے۔ اور تجھے اصل شناخت ان چار عنوانوں کی معرفت سے حاصل ہوئی۔ اور اب اس کی بندگی تجھے ان چار رکنوں سے حاصل ہوگی ایک یہ کہ تو اپنے آپ کو ظاہری عبادات سے سجائے رکھے اور یہ رکن عبادات ہے۔ دوم یہ کہ اپنی زندگی حرکت و سکون کو باادب رکھے۔ اور یہ رکن معاملات ہے۔ سوم یہ کہ اپنے دل کو اخلاق ناپسندیدہ سے بچائے۔ اور یہ رکن مہلکات ہے چہارم یہ کہ اپنے دل کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرے اور یہ رکن منجیات ہے۔

رُکنِ اوّل، عبادات کے بیان میں۔ اور اس کی دس اصلیں ہیں۔ پہلی اصل اہلسنّت کے اعتقاد کو درست کرنے کے بیان میں۔ دوسری اصل طلبِ علم میں۔ تیسری اصل طہارت میں۔ چوتھی اصل نماز کے بیان میں پانچویں اصل زکوٰۃ میں۔ چھٹی اصل روزہ میں۔ ساتویں اصل حج کے بیان میں۔ آٹھویں اصل قرآن شریف پڑھنے میں۔ نویں اصل ذکر و تسبیح میں۔ دسویں اصل اوراد کی ترتیب اور اوقات عبادت کے نگاہ رکھنے میں۔

پہلی اصل اہل سُنّت کے اعتقاد حاصل کرنے میں

جان تو! جو کوئی مسلمان ہو یعنے اسلام لائے۔ اوّل اس پر واجب ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، جو اس نے زبان سے کہا ہے اس کے معنے دل سے سمجھے اور یقین کرے۔ چنانچہ اسے کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور جب اس پر یقین کرلے اور اس کا دل مطمئن ہوجائے کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ تو یہ اصل مسلمانی کے

لئے کافی ہے۔ اور اسے دلیل اور برہان سے سمجھنا ہر مسلمان پر فرض عین نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو دلیل کی تلاش اور علم کلام کے پڑھنے شبہات اور ان کے جوابات کو ڈھونڈھنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ بلکہ اس کو تصدیق اور یقین کر لینا کافی خیال فرمایا ہے۔ عام لوگوں کا درجہ اس سے زائد نہیں ہے۔ لیکن چند ایسے آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ جو طریقۂ گفتگو سے واقف ہوں اور اس اعتقاد کو دلیلوں سے ثابت کر سکیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص شبہ پیدا کرے تاکہ عام لوگوں کو صحیح راستہ سے بہکائے۔ تو وہ آدمی یعنے علم کلام کے عالم ان عام لوگوں کی زبان بن جائیں۔ اور اس شبہ کو دور کر دیں۔ اور اس صفت کو علم کلام کہتے ہیں۔ اور یہ فرض کفایہ ہے اور ہر شہر میں اس قسم کے دو ایک آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ عام لوگ صاحب اعتقاد ہوتے ہیں اور متکلم یعنے علم کلام کا جاننے والا ان کے اعتقاد کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت معرفت کا راستہ اور ہے۔ اور وہ ان دونوں یعنی اعتقاد اور متکلم ہونے کے علاوہ ہے۔ ریاضت اور مجاہدہ اس کا آغاز ہے۔ جو کوئی مجاہدہ اور ریاضت نہ کرے گا۔ اس درجہ کو نہ پہنچے گا۔ اور اس کے لئے معرفت کا دعویٰ کرنا مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسا کرنے میں نقصان نفع سے زیادہ ہوگا۔ اور اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پرہیز کرنے سے پہلے دوا کھائے اور اسے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو۔ کیونکہ وہ دوا اس کے معدہ میں جا کر اخلاط فاسد کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور اس دوا سے شفا حاصل نہیں ہوتی۔ اور بیماری کی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ اور جو کچھ ہم نے عنوان مسلمانی میں بیان کیا ہے۔ وہ معرفت کی حقیقت کا ایک شائبہ اور نمونہ ہے اور جو کوئی اس کا اہل ہو تلاش کرے اور وہی اس کی حقیقت کو تلاش کر سکتا ہے۔ جسے دنیا سے کچھ تعلق نہ ہو اور وہ دنیا میں مشغول نہ ہو۔ اور تمام عمر کسی دوسری چیز سے سوائے حق تعالیٰ کے اپنا دل نہ لگایا ہو۔ اور یہ کام یعنے معرفت کا نہایت مشکل کام ہے پس جو تمام جہان کی غذا ہے یعنے اعتقاد اہل سنت والجماعت اسے ہم بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ہر کوئی اس اعتقاد کو اپنے دل میں جگہ دے۔ کیونکہ یہ اعتقاد اس کی سعادت کا بیج ہے ۞

اعتقاد کا بیان

جان تو! کہ تو مخلوق ہے اور تیرا ایک پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے تمام جہان کو اور جو کچھ اس جہان میں ہے سب کو پیدا کیا ہے۔ وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں۔ اور یکتا ہے کوئی اس کا ہمتا یعنے ہمسر نہیں وہ ہمیشہ سے ہے اور اس کی ہستی کی کوئی ابتدا نہیں اور ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔ ازل اور ابد میں اس کی ہستی واجب ہے۔ کیونکہ نیستی کو اس میں دخل نہیں اور اس کی ہستی اپنی ذات سے ہے اسے کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ اور کوئی چیز اس کی محتاجی سے خالی نہیں۔ اس کی ہستی کا قیام اپنے آپ ہے۔ اور تمام اشیاء کا قیام اس

کی ذات سے ہے (تنزیہ) وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے اور وہ کسی جسم میں حلول نہیں کرتا۔ اور وہ کسی چیز کی مانند نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس کی مثل ہے۔ اس کی کوئی صورت نہیں۔ چونی وچگونگی کو اس کی ذات میں کچھ دخل نہیں اور جو کچھ خیال میں آسکتا ہے اور فکر میں گذر سکتا ہے۔ وہ اس کی کیفیت اور اندازہ سے پاک ہے کیونکہ یہ صفت اس کی مخلوق سے تعلق رکھتی ہے اور وہ کسی مخلوق کی صفت پر نہیں ہے اور جو صورت وہم وخیال سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ خُردی اور بزرگی اور مقدار کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ تمام صفات اجسام عالم کے متعلق ہیں اور وہ جسم نہیں ہے۔ اور نہ اس کو کسی جسم سے لگاؤ ہے۔ اور نہ وہ کسی جگہ پر ہے اور نہ کسی جگہ میں ہے۔ بلکہ اس کی ذات جگہ لینے والی چیز ہی نہیں۔ اور جو کچھ جہان میں ہے۔ سب عرش کے نیچے ہے۔ اور عرش اس کی قدرت کے نیچے مسخّر ہے اور وہ عرش کے اُوپر ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح کوئی جسم کسی جسم کے اوپر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جسم نہیں اور عرش اس کا حامل اور اٹھانے والا نہیں۔ بلکہ عرش اور اس کے حاملوں کو اس کی قدرت اور مہربانی نے اٹھایا ہوا ہے۔ اور آج بھی اس کی وہی صفت ہے جو کہ ازل میں عرش کے پیدا کرنے سے پہلے تھی۔ اور ابد تک اسی طرح رہے گی۔ کیونکہ گردش وانقلاب کو اس کی ذات اور صفات میں کوئی دخل نہیں۔ اگر گردش صفات نقصانی کے ساتھ ہوتی۔ تو وہ خدائی کے قابل نہ ہوتا۔ اگر تغیر صفات کمالی کے ساتھ ہوتا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ پہلے ناقص تھا۔ اور اس کمال کا محتاج تھا۔ اور محتاج اپنی پیدا کی ہوئی چیز کا ہوتا خدائی کے لائق نہیں ہوتا ۔ اور باوجود اس کے کہ وہ تمام مخلوقات کی صفات سے پاک ہے اس جہان میں جاننے کے لائق ہے اور اُس جہان میں دیکھنے کے قابل ہے اور اس جہان میں اسے بے چون و بے چگون جانتے ہیں۔ اُس جہان میں اسے بے چون و بے چگون دیکھیں گے۔ کیونکہ اس کا دیدار اس جہان کے دیدار کی قسم سے نہیں ہے۔

قدرت:۔ باوجود اس کے کہ وہ کسی چیز کی مانند نہیں ہے لیکن تمام اشیاء پر قادر ہے اور اس کی طاقت کمال ہے۔ اس میں کسی عجز۔ ونقصان اور ضعف کو راہ نہیں۔ بلکہ جو کچھ چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ ساتوں آسمان اور زمین عرش وکرسی اور جو کچھ بھی ہے۔ سب اس کے قبضۂ قدرت میں مقہور ومسخر ہے۔ اور سوائے اس کے کسی کا کسی چیز پر کچھ تصرف نہیں اور پیدا کرنے میں اس کا کوئی یار ومددگار نہیں۔

علم:۔ وہ دانا ہے اور تمام اشیاء کا جاننے والا ہے۔ اس کا علم تمام اشیاء پر محیط ہے۔ عرش اعلیٰ سے تحت الثریٰ تک تمام چیزیں اس کی جانی ہوئی ہیں۔ تمام چیزیں اس کے ارادہ اور قدرت سے ظاہر ہوئی ہیں۔ بلکہ بیابانوں کی ریگ کے ذرات اور درختوں کے پتے اور دلوں کے خطرے اور ہوا کے ذرے اس کے علم میں اس طرح ظاہر ہیں جیسے آسمانوں کے عدد

ارادت:۔ اور جو کچھ جہان میں ہے اسی کی خواہش اور ارادہ سے ہے اور کوئی چیز چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ خرد ہو یا بزرگ خیر ہو یا شر عبادت ہو یا گناہ۔ کفر ہو یا ایمان نفع ہو یا نقصان۔ کمی ہو یا بیشی۔ رنج ہو یا راحت۔ بیماری ہو یا

تندرستی سب اسی کی تقدیر و مشیت اور حکم سے ہے ۔ اگر تمام جہان جن و انسان ۔ فرشتے ۔ شیطان اکٹھے ہو جائیں ۔ اور جہان سے ایک ذرہ ہلانا چاہیں یا کسی جگہ رکھنے کا ارادہ کریں یا کمی و بیشی پر مائل ہوں تو بلا اس کی مرضی کے سب عاجز ہوں اور کچھ نہ کر سکیں ۔ اور بلا اس کی مرضی کے کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی ۔ اور جس چیز کو وہ پیدا کرنا چاہے ۔ کوئی اسے روک نہیں سکتا ۔ اور جو کچھ تھا اور جو کچھ ہوگا ۔ سب اسی کی تقدیر و تدبیر سے ہے ۔

سمع و بصر ۔ اور جس طرح کہ وہ دانا ہے اور ہر چیز کا جاننے والا ہے ۔ اسی طرح ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے ۔ دور و نزدیک اس کی شنوائی میں برابر ہیں ۔ تاریکی و روشنائی اس کے دیکھنے میں یکساں ہیں ۔ اندھیری رات میں چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے ۔ اور تحت الثریٰ کے رہنے والے کیڑے کے رنگ و صورت کو دیکھتا ہے ۔ اس کے لئے سننا کانوں سے نہیں اور دیکھنا آنکھوں سے نہیں ۔ جس طرح کہ اس کی سمجھ تدبیر اور فکر سے نہیں ۔ اسی طرح اس کا پیدا کرنا آلات سے نہیں ۔

کلام ۔ اور اس کا فرمان تمام مخلوقات کے لئے واجب العمل ہے ۔ اور جس چیز کی اس نے خبر دی ہے ۔ وہ سچ ہے اور اس کے تمام وعدے سچے ہیں ۔ فرمان ۔ خبر ۔ وعدہ وعید سب اس کا کلام ہے اور جس طرح وہ زندہ ۔ بینا ۔ دانا و شنوا و توانا ہے ۔ اسی طرح وہ گویا بھی ہے ۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ گفتگو کی اور اس کا کلام و زبان و لب اور دہن سے نہیں ہے ۔ جس طرح کہ آدمی کے دل میں بلا صوت و حرف بات پیدا ہوتی ہے ۔ یعنے آواز نہیں دیتی ۔ اللہ تعالےٰ کا کلام اس صفت میں آدمی سے نہایت ہی پاک اور منزہ ہے ۔ قرآن شریف ۔ توریت ۔ انجیل زبور اور تمام انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اسی کا کلام ہے اور اس کا کلام اس کی صفت ہے اور اس کی تمام صفات قدیم ہیں اور ہمیشہ سے ہیں کیونکہ اس کی ذات قدیم ہے اور جس طرح اس کی ذات قدیم ہے اور ہمارے دل کو معلوم اور ہماری زبان پر مذکور ہے اور ہمارا علم مخلوق و معلوم قدیم ۔ اور ہمارا ذکر مخلوق اور مذکور قدیم ۔ اسی طرح اس کا کلام قدیم ہے ہمارے دل میں محفوظ اور ہماری زبان سے پڑھا ہوا قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے اور ہماری محفوظ مخلوق نہیں ہمارا حفظ مخلوق ہے اور ہمارا پڑھا ہوا مخلوق نہیں بلکہ ہمارا پڑھنا مخلوق ہے مکتوب مخلوق نہیں بلکہ ہماری کتاب مخلوق ہے

افعال ۔ جہان اور جو کچھ جہان میں ہے سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور جو کچھ اس نے پیدا کیا ایسا ہے کہ اس سے اور بہتر نہ ہوگا ۔ اور اگر تمام جہان کے عقلا اپنی عقلوں کو جمع کر کے سوچیں کہ اس جہان کی موجودہ صورت سے کوئی اور اچھی صورت تجویز کریں یا اس سے اچھی تدبیر کریں یا اس میں کمی بیشی کریں تو نہیں کر سکتے ۔ اور اگر خیال کریں کہ اس سے بہتر چاہیئے تھا تو یہ ان کی خطا ہوگی ۔ اور اس کی حکمت کے رازوں اور مصلحت سے غافل ہوں گے ۔ بلکہ ان کی مثال اس اندھے کی ہوگی ۔ جو کسی کے مکان میں جائے اور وہاں ہر چیز نہایت قرینہ سے رکھی ہوئی ہو ۔ اور وہ نہ دیکھنے کی وجہ سے اس پر گر پڑے تو یہ کہے ۔ کہ یہ راستہ میں کیوں رکھی ہوئی ہے ۔ حالانکہ وہ خود راستہ پر

نہیں ہے اور نہ راستہ کو دیکھتا ہے۔ پس جو کچھ اس ذات بے نیاز نے پیدا کیا۔ عدل اور حکمت سے پیدا کیا سب کچھ پیدا کیا اور ایسا پیدا کیا۔ جیسے پیدا کرنا چاہیئے تھا۔ اور اگر اس سے زیادہ کمال پر پیدا کرنا ممکن ہوتا اور وہ پیدا نہ کرتا تو یہ اس کا عجز ہوتا یا بخل ہوتا۔ اور یہ دونوں باتیں اس کی ذات کے لئے محال ہیں۔ پس جو کچھ اس نے پیدا کیا۔ رنج۔ بیماری۔ درویشی۔ جہالت۔ عجز۔ سب اس کے عدل کی دلیل ہے اور ظلم تو خود اس سے ممکن نہیں۔ کیونکہ ظلم وہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے کے ملک میں تصرف کرے اور اس کا کسی دوسرے کے ملک میں تصرف کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کا مالک ہونا محال ہے۔ جو کچھ ہے جو تھا اور جو کچھ ہوگا۔ سب اسی کی ملکیت ہے اور وہ سب کا مالک ہے۔ اس کا کوئی ساجھی و شریک نہیں۔

آخرت:۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے جہان کو دو قسم پر پیدا کیا ہے ایک عالم اجسام۔ دوم عالم ارواح اور عالم اجسام کو آدمیوں کے روح کی منزل گاہ بنایا تاکہ اس عالم سے آخرت کا توشہ لے لیں۔ اور ہر ایک کیلئے ایک مدت مقرر کر دی کہ وہ اس مدت تک اس جہان میں رہے اور اس مدت کا آخر اجل کو بنا دیا تاکہ کمی بیشی کی گنجائش نہ رہے جب اجل آجاتی ہے۔ جان کو جسم سے جدا کر لیتے ہیں۔ اور قیامت میں جو کہ حساب اور اجر کا دن ہے جان کو دوبارہ جسم دیں گے۔ اور سب کو اٹھائیں گے اور جو کام کسی نے کئے ہوں گے وہ اپنے نامہ اعمال میں دیکھے گا اور سب کچھ اس کو یاد دلایا جائے گا اور اس کو نیکی اور گناہ کی مقدار اس ترازو سے معلوم ہو جائے گی جو اعمال کی مقدار بتانے کے قابل ہوگا۔ اور وہ ترازو اس جہان کے ترازو کی طرح نہ ہوگا۔ پھر سب کو پل صراط پر چلنے کا حکم ہوگا اور وہ پلصراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جو کوئی اس جہان میں صراطِ مستقیم پر رہا ہوگا وہ اس صراط سے بآسانی گزر جائے گا اور جو کوئی اس جہان میں غلط راستہ پر چلا ہوگا۔ وہ اس سے نہیں گزر سکے گا اور دوزخ میں گر جائے گا اور صراط پر ٹھہرا کر سب کے اعمال کی پرسش ہوگی اور صدق کی حقیقت صادقوں سے پوچھی جائے گی۔ منافقوں اور ریاکاروں کو رسوائی اور خجالت ہوگی اور کسی گروہ کو بیحساب جنت میں لے جائیں گے اور کسی گروہ سے نہایت آسانی سے حساب لیا جائیگا اور کسی گروہ کا حساب سخت ہوگا۔ آخر الامر تمام کفار کو دوزخ میں بھیجا جائیگا اور وہ ہرگز خلاصی نہ پائیں گے اور فرمانبردار مسلمانوں کو جنت میں بھیج دیں گے اور گناہ گاروں کو دوزخ میں لے جائیں گے انبیاء و بزرگ جس کی شفاعت کریں گے وہ بخش دیا جائے گا۔ اور جس کسی کی شفاعت نہ ہوگی وہ دوزخ میں جائے گا اور اس کے گناہ کے مطابق اس کو عذاب ہوگا۔ اور پھر آخر اسے بہشت میں لے جائیں گے۔

پیغمبر۔ چونکہ اللہ تعالےٰ نے آدمی کے بعض اعمال اور احوال کو اس کی شقاوت کا سبب اور بعض کو سعادت کا موجب بنایا ہے اور آدمی نہیں جان سکتا کہ کون عمل موجب شقاوت ہے اور کون عمل موجب سعادت ہے اس لئے اس نے کمال مہربانی اور فضل سے پیغمبروں کو پیدا کیا اور فرمایا کہ جن لوگوں کو ازل میں سعادت کا حکم ہو چکا ہے۔ ان کو اس بات سے

آگاہ کر دیں اور انہیں اپنا پیغام دے کر خلق کی طرف بھیجا کہ وہ سعادت اور شقاوت کی راہ لوگوں کو بتلا دیں تاکہ کسی کو بھی خدا پر حجت نہ رہے۔ اور سب سے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف بھیجا اور آپ کی نبوت کو ایسے درجہ کمال پر پہنچا دیا کہ اور کوئی فضیلت باقی نہ رہی اور اس وجہ سے آپکو خاتم النبیین کہا کہ آپ کے بعد اور کوئی پیغمبر نہ ہوگا اور تمام جن اور انسان کو آپ کی پیروی کا حکم دیا اور آپ کو تمام پیغمبروں کا سردار بنایا اور آپ کے یاروں اور صحابیوں کو دوسرے پیغمبروں کے یاروں اور صحابیوں پر فضیلت دی۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

اصل دوم طلب علم کے بیان میں

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طلب علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور تمام علماء نے اس پر اختلاف کیا ہے کہ یہ علم کونسا علم ہے۔ جس کی نسبت ایسا ارشاد ہے متکلمین کہتے ہیں کہ یہ علم کلام ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت اس سے ہوتی ہے اور فقہا کہتے ہیں کہ یہ علم فقہ ہے جس سے حلال وحرام میں تمیز ہوتی ہے۔ محدثین کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث کا علم ہے جو اصل علوم شرعیہ ہیں۔ صوفی کہتے ہیں کہ یہ علم احوال دل سے متعلق ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ کی طرف بندہ کا راستہ صرف دل ہے اور یہ تمام گروہ اپنے اپنے علم کی تعریف کرتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ یہ ایک علم مخصوص نہیں اور یہ تمام علوم واجب ہیں لیکن اس بیان کی کچھ تفصیل ہے جس سے یہ مشکل پیدا ہوتی ہے مثلاً جبکہ ایک کافر مسلمان ہو یا جو لڑکا بالغ ہو۔ یہ تمام علوم سیکھنے اس پر فرض نہیں ہوتے بلکہ اس وقت فرض ہوتا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے معنے جانے اور یہ وہی ہے جو اصل اول اعتقاد اہلسنت والجماعت کے بیان میں ذکر کیا گیا ہے اور جاننے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی تمام دلیلیں بھی جانے دلیلوں کا جاننا اس کے لئے فرض نہیں۔ لیکن ان عقیدوں پر یقین کرے اور انہیں باور کرے اور ان سب کی تفصیل کا جاننا بھی فرض نہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ کی تمام صفات اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صفات۔ قیامت۔ بہشت۔ دوزخ۔ حشر نشر وغیرہ پر عقیدہ رکھے اور سمجھے کہ اس کا خدا ان صفات کا مالک ہے اور اس کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی احکام وپیغام آئے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالےٰ کے ہر حکم کی اطاعت کرے گا۔ تو مرنے کے بعد سعادت کو پہنچے گا اور اگر گناہ کرے گا تو شقاوت کو پہنچے گا جب یہ جان لے تو اس کے بعد دو قسم کے علوم اپنے لئے فرض سمجھے ایک دل سے تعلق رکھتا ہے دوسرا اعمال جوارح سے اور وہ جو اعمال جوارح سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ دو قسم پر ہے۔ ایک تو وہ جو کرنے کے قابل ہے اور ایک وہ جو نا قابل عمل ہے کرنے کے قابل وہ علم ہے۔ جیسے کوئی شخص صبح کے وقت مسلمان ہو اور نماز ظہر کا وقت آجائے تو اس کے لئے نماز اور طہارت کا سیکھنا فرض ہے۔ اس مقدار کے لحاظ سے جتنا کہ فرض ہے اور ان دونوں میں سے جو سنت ہے اس کا سیکھنا سنت ہے فرض

نہیں اور شام کی نماز کا وقت آئے تو اس وقت اس پر اتنا علم فرض ہے جس سے وہ یہ جان لے کہ یہ تین رکعتیں فرض ہیں اس سے زیادہ اس پر واجب نہیں اور جب ماہ رمضان آجائے تو ماہ رمضان کا علم یعنے اسکے متعلق جاننا اس پر فرض ہوجاتا ہے جس سے وہ جان لے کہ رمضان کے روزے کی نیت کرنا فرض ہے اور صبح سے غروب آفتاب تک کھانا پینا اور مباشرت کرنا حرام ہے اور اگر سونے کے بیس دینار اس کے پاس ہیں تو اسوقت زکوٰۃ کا علم اس پر واجب نہیں یہانتک کہ [illegible] گزر جائے تو اس پر جاننا واجب ہوجاتا ہے اور [illegible] کی زکوٰۃ کس قدر ہے اور اس کے شرائط کیا ہیں اور علم حج اس وقت فرض ہوتا ہے جب وہ حج کرے کیونکہ اس کا وقت تمام عمر ہے اور جو کام در پیش آئے اس وقت اس کا علم واجب ہوتا ہے مثلاً جب نکاح کرے اس وقت اس کا علم بھی واجب ہوتا ہے تاکہ جان لے کہ عورت کے حقوق مرد پر کیا ہیں اور حیض کی حالت میں صحبت کرنا درست نہیں اور حیض کے بعد طہارت تک نزدیکی مباح نہیں اور اس قسم کی باتیں جو اس کے متعلق ہوں اور اگر پیشہ ور ہے تو اس پیشہ کے متعلق علم اسپر فرض ہے اور اگر سوداگر ہے تو سود کے مسائل بیع کی شرائط کا جاننا فرض ہے تاکہ بیع باطل سے بچے اور اسی واسطے اور اس واسطے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ دوکانداروں کو دُرّے لگا کر علم سیکھنے کے لئے بھیجتے تھے اور کہتے تھے جو بیع کی فقہ کو نہیں جانتا اسکو [illegible] بیٹھنا چاہیئے یعنے تجارت نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ بے خبری میں حرام کھائیگا اور اسے خبر بھی نہ ہوگی اور اسی طرح ہر پیشہ کیلئے علم ہے ۔ اگر حجام ہے تو اسے یہ جاننا چاہیئے کہ کونسی چیز آدمی کی کاٹنے کے قابل ہے اور کونسا دانت اکھاڑنے کے لائق ہے اور کس مقدار کی دوائی زخموں کو فائدہ دے گی اسی طرح یہ علوم ہر شخص کی حالت کے موافق ہیں بزاز کے لئے یہ واجب نہیں کہ وہ حجام کا علم سیکھے اور نہ حجام کا فرض ہے کہ وہ بزاز کے علم کو جانے یہ جو کام کرنے کے قابل ہیں یہ مثال تو ان کے علم کے متعلق تھی ۔ اور جو کام نہ کرنے کے قابل ہیں ان کا علم بھی واجب ہے اور ہر آدمی کے حال کے موافق علیحدہ علیحدہ ہے اگر کوئی شخص ایسا ہے جو دیبا پہننے کی قدرت رکھتا ہے یا ایسی جگہ پر ہے جہاں شراب پیتے ہیں یا سوئر کا گوشت کھاتے ہیں یا کسی ایسی جگہ پر ہے جو کسی سے غصب کی ہوئی ہے یا مال حرام اس کے قبضہ میں ہے تو علماء کا فرض ہے کہ ایسے شخص کو ان تمام امور کا علم سکھلادیں اور اسے بتلائیں کہ ان میں سے حرام کیا ہے تاکہ وہ اس سے باز رہے اگر ایسی جگہ ہو جہاں وہ عورتوں سے مخالطت رکھتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ محرم اور نامحرم کو جانے اور سمجھے کہ کس کو دیکھنا جائز ہے اور کس کو دیکھنا ناجائز ہے اور یہ علم بھی ہر ایک حال کے مطابق الگ الگ ہے اور جو کوئی کسی کام میں ہو اس کے واسطے واجب ہے کہ دوسروں کے کام کا علم سیکھے مثلاً عورتوں پر واجب نہیں ہے کہ وہ یہ سیکھیں کہ حالت حیض میں طلاق دینا جائز نہیں اس کا جاننا اس مرد کے لئے ضروری ہے جو کسی عورت کو طلاق دینا چاہتا ہے اور جو باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو دل کے حالات سے تعلق رکھتی ہے

اور دوسری اعتقادات سے تعلق رکھتی ہے اور جو دل سے تعلق ہے اس کی مثال یہ ہے اور اس کا جاننا واجب ہے کہ کینہ حسد اور کبر حرام ہے اور کسی پر برا گمان کرنا حرام ہے اور اس قسم کی باتوں کا جاننا ہر ایک کیلئے عین فرض ہے کیونکہ کوئی شخص بھی ان باتوں سے خالی نہیں پس ان کا علم اور ان کے علاج کا علم ہونا واجب ہے کیونکہ اس قسم کی بیماری عام ہے اور علم کے بغیر ان کا علاج نہیں ہوتا اور بیع سلم۔ اجارہ و رہن وغیرہ کا علم جسے فقہ کہتے ہیں اس کا علم فرض کفایہ ہے اور جو اس قسم کے کاروبار کرتا ہے اس کے لئے عین فرض ہے اور بہت سے لوگ ایسے کاروبار سے خالی نہیں ہیں دوسری قسم جو اعتقادات سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ ہے اگر کسی کے اعتقاد میں شک پیدا ہو جائے اس پر واجب ہے کہ وہ اس شک کو دور کرے اور اگر وہ شک ایسے اعتقاد کے متعلق ہے جو اعتقاد واجب ہے یا وہ ایسا اعتقاد ہے جس میں شک کرنا ناجائز ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ علم کا طلب کرنا ہر ایک پر فرض ہے کیونکہ کوئی مسلمان بھی جنس علم سے مستغنی نہیں ہے۔ لیکن علم کی ایک ہی قسم نہیں ہے اور ہر ایک کے حق میں برابر نہیں ہے۔ بلکہ حالات اور واقعات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے اور کوئی شخص بھی علم کی احتیاج سے ہرگز ہرگز خالی نہیں ہے پس اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے یعنی ہر شخص کے عمل میں جس علم کی ضرورت ہے اس کا جاننا اس پر فرض ہے

فصل جب معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے اس علم کا سیکھنا واجب ہے جس کی اسے اپنے معاملہ میں ضرورت ہے تو معلوم ہوا کہ عام لوگ ہمیشہ اس خطرہ میں رہیں گے کہ کوئی کام انہیں پیش آجائے اور وہ بیوقوفی سے اسے کر گذریں اور یہ جانیں کہ اس میں خطرہ ہے یعنی اس کا کرنا ناجائز ہے اور وہ کام ایسا ہے جس کی اکثر حاجت ہوتی ہے اور نادر نہیں ہے تو انکا یہ عذر کہ ہم اس سے ناواقف ہیں قابل سماعت نہیں ہے مثلاً کوئی شخص حالتِ حیض یا غسل کرنے سے پیشتر عورت سے صحبت کرلے اور بعد کو یہ کہے کہ مجھے اس کی نسبت معلوم نہیں تھا تو اس کا یہ عذر قابلِ قبول نہ ہوگا یا کوئی عورت صبح سے پہلے پاک ہو اور شام اور عشا کی نماز قضا نہ کرے اس لئے کہ اسے معلوم نہیں یا کوئی مرد جو عورت کو حالتِ حیض میں طلاق دے اور یہ نہ جانتا ہو کہ ایسا کرنا حرام ہے اس کا عذر بھی قابلِ سماعت نہ ہوگا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ جب تجھے کہہ دیا گیا تھا کہ طلب علم فرض ہے۔ تو پھر تو نے اس فرض کے پورا کرنے میں کیوں کوتاہی کی اور حرام میں مبتلا ہوا اور اگر کوئی ایسا واقعہ ہو جس کا ہونا غیر متوقع اور شاذ و نادر ہو تو اس میں اسے معذور سمجھا جائے گا۔

فصل جب معلوم ہو گیا کہ عام لوگ کسی وقت بھی خطرہ سے خالی نہیں ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ کوئی کام بھی جس میں آدمی مشغول ہو علم سے زیادہ بہتر اور بزرگ نہیں اور آدمی جس پیشہ میں مشغول ہوگا اس سے مقصود طلب دنیا ہوگا اور علم بھی بہت سے لوگوں کیلئے دنیا میں بہت سے پیشوں سے بہتر ہے۔

کیونکہ طلب علم چار حالتوں سے خالی نہیں ۔ اگر وہ میراث پانے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے دنیا سے مستغنی ہے تو علم اس کے مال کی حفاظت کا باعث ہوگا اور دنیا میں اس کی عزت کا سبب اور آخرت میں اس کی سعادت کا موجب ہوگا یا اگر کوئی شخص ایسا ہے جو مال و دولت کافی نہیں رکھتا ۔ مگر قناعت کا جوہر اس میں موجود ہے ۔ اور جو کچھ ہو اس پر کفایت کر سکتا ہے اور مسلمانی میں درویشی کی قدر جانتا ہے کہ درویش امیروں سے پانچسو سال پہلے جنت میں جائیں گے تو علم ایسے شخص کے لئے دنیا میں آسائش اور آخرت میں سعادت کا باعث ہوگا اور اگر کوئی ایسا شخص ہے جو علم حاصل کرتا ہے اور اس کی روزی حلال بیت المال یا اور دوسرے مسلمانوں سے اسے ملتی ہے جو اس کے لئے کفایت کرتی ہے بلا اس کے کہ وہ طلب حرام کرے یا ظالم بادشاہ سے کوئی چیز مانگے تو ایسے شخص کے لئے طلب علم دین و دنیا میں تمام کاموں سے بہتر ہے چہارم ۔ اگر کوئی ایسا آدمی ہے جو ذریعہ معاش نہیں رکھتا اور طلب علم سے اس کا مقصد دنیا حاصل کرنا ہو اور زمانہ ایسا ہو کہ سوائے بادشاہی روزینہ کے جو ظلم اور حرام سے حاصل کیا گیا ہو یا اس قسم کے لوگوں سے حاصل کرنے کے سوا جو ریا اور ذلت کے ساتھ ہو اور تمام ذرائع بند ہوں تو ایسے شخص کو یا جس کسی کو علم سے طلب مال و جاہ مقصود ہو بہتر یہ ہے کہ جو علم فرض عین ہے اس سے فراغت پانے کے بعد کسب و ہنر میں مشغول ہو ۔ ورنہ ایسا شخص شیطان ہوگا اور بہت سے لوگوں کو تباہ کرے گا اور جو جاہل اسے حیلہ و مکر سے مال حرام حاصل کرتا دیکھے اور طلب دنیا میں اسکی پیروی کرے تو بجائے اصلاح کے فساد دنیا میں زیادہ پھیلائے گا پس اس قسم کے جس قدر دانشمند دنیا میں کم ہوں بہتر ہے اور آدمی کے لئے بہتر یہی ہے کہ دنیا کے کاموں سے دنیا کو حاصل کرے اور دین کے کاموں کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنائے اور اگر کوئی یہ کہے کہ علم اسے دنیا کے کاموں سے پھیریگا ۔ جیسا کہ ایک گروہ نے کہا ہے مَا تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَاَبَى الْعِلْمُ اَنْ يَّكُوْنَ اِلَّا لِلّٰهِ یعنی ہم نے خدا کے لئے علم نہیں پڑھا ۔ لیکن علم خود ہمیں خدا کی طرف لے گیا لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علم کتاب و سنت اور اسرار راہ آخرت و حقائق شریعت کا علم تھا جو انہیں خدا کی طرف لے گیا یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان کے باطن میں یہ بات موجود تھی کہ وہ دنیا کی حرص کو مکروہ جانتے تھے اور بزرگان دین کو دیکھتے تھے کہ وہ دنیا سے دور بھاگتے ہیں اور وہ اس بات کی خواہش کرتے تھے کہ ان کی پیروی کریں جب علم ایسا اور زمانہ بہتر تھا تو لوگ اس بات کی امید کر سکتے تھے کہ وہ علم کی صفت پر ہو جائیں گے لیکن علم ان کی صفت پر نہ ہوگا مگر یہ علوم جو اس زمانہ میں پڑھے جاتے ہیں مثلاً خلاف مذہب علم قصہ اور حکایات دیگر اسی قسم کے واہیات علوم وغیرہ اور معلم بھی ایسے ہیں کہ جنہوں نے اپنے علوم کو دنیا کا جال بنایا ہوا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول اور ان سے علم کا حاصل کرنا لوگوں کو دنیا کی راہ سے نہیں ہٹا سکتا لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ یعنے سنا ہوا کب دیکھے کے برابر ہو سکتا ہے پس اب غور کرو کہ اس قسم کے علماء علمائے دنیا ہیں

یا علمائے آخرت اور لوگوں کو ایسے عالموں کا حال دیکھ کر نفع ہوتا ہے یا نقصان ہاں اگر کوئی ایسا ہو جو متقی اور پرہیزگار ہو اور علمائے سلف کا مقلد ہو اور ایسا علم پڑھاتا ہو جس میں غرورِ دنیا سے ڈرنے کا بیان ہو اس قسم کے عالم سے پڑھنا تو کجا اس کا دیکھنا اور اس کے پاس بیٹھنا بھی تمام لوگوں کے لئے مفید ہے اور اگر کوئی علم سیکھے جو نفع بخش ہو ۔ تو ان سب کاموں سے بہتر ہے اور سود مند علم وہی ہے جس کے پڑھنے سے دنیا حقیر معلوم ہو ۔ اور آخرت کے خطرات سے آگاہی ہو اور جس سے ان لوگوں کی جہالت اور حماقت کا پتہ چلے جو دنیا میں مشغول اور آخرت سے غافل ہیں اور جس سے غرور ۔ ریا ۔ حسد ۔ عجب حرص حبِ دنیا وغیرہ کی برائی اور اس کا علاج معلوم ہو اور یہ علم دنیا کے حریص کیلئے ایسا مفید ہے جیسے پیاسے کیلئے پانی اور بیمار کے لئے دوا ۔ اور حریص دنیا کا فقہ ۔ کلام ۔ ادب وغیرہ علوم میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسے کوئی مریض کسی ایسی چیز کا استعمال کرے جو اس کے مرض کے لئے اور زیادتی کا موجب ہو کیونکہ عام طور پر یہ علوم ۔ حسد ۔ ریا ۔ فخر مباہات ۔ عداوت ۔ غرور ۔ خود پسندی ۔ مکر اور طلبِ جاہ کا بیج دل میں بوتے ہیں ۔ اور جسقدر ان علوم کو زیادہ پڑھے یہ اوصاف اسی قدر دل میں زیادہ اور مضبوط ہوتے جاتے ہیں اور اگر ایسے لوگوں سے میل جول رکھے جو فقیہ ہونے کے مدعی ہیں اور خلاف مذہب علوم کے حصول میں مشغول ہیں تو ایسا ہو جاتا ہے اگر کسی وقت توبہ کرنی چاہے تو وہ اس کے لئے دشوار ہو جاتی ہے ۔

اصل سوم طہارت کے بیان میں

حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ یعنے اللہ تعالیٰ پاک لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ یعنی پاکی نصف ایمان ہے اور حضور کا ارشاد ہے بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَۃِ یعنی دین کی بنیاد پاکی پر ہے پس یہ خیال نہ کرنا کہ یہ تمام بزرگی اور فضیلت جسم اور کپڑوں کی طہارت کے متعلق ہے بلکہ اس کی چار قسمیں ہیں طبقہ اول سوائے ذات باری کے اور تمام اشیا سے دل کو پاک کرنا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ اسکا مطلب یہ ہے کہ جب دل ماسوے اللہ سے خالی ہوگا تو حق تعالیٰ کیساتھ مشغول اور مستغرق ہوگا اور یہی تحقیق لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور یہ صدیقوں کے ایمان کا درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام اشیا سے دل پاک صاف کر لینا نصف ایمان ہے اور دل جب تک ماسوی اللہ سے پاک صاف نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آراستہ نہیں ہوتا طبقہ دوم ظاہر دل کو برے اخلاق مثلاً حسد کبر ۔ ریا حرص ۔ عداوت ۔ رعونت وغیرہ سے پاک صاف کرنا تاکہ پاکیزہ اخلاق سے مزین ہو مثلاً تواضع ۔ قناعت ۔ توبہ ۔ صبر ۔ خوف ۔ رجا ۔ محبت وغیرہ اور یہ متقی لوگوں کے ایمان کا درجہ ہے اور برے اخلاق سے بچنا نصف ہے طبقہ سوم جسم کے اعضا کو گناہ سے بچانا یعنے پاک صاف کرنا مثلاً غیبت جھوٹ ۔ حرام کمانا خیانت کرنا اور نامحرم عورت

کو دیکھنا وغیرہ اور تمام کاموں میں اللہ تعالےٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا اور باادب رہنا اور یہ پارسا لوگوں کے ایمان کا درجہ ہے اور اعضائے بدن کو حرام کاموں سے محفوظ رکھنا نصف ایمان ہے طبقہ چہارم بدن و کپڑوں کو نجاست و پلیدی سے بچانا۔ تاکہ تمام جسم ارکان نماز و رکوع و سجود کے قابل ہو اور یہ مسلمانوں کی طہارت کا درجہ ہے اور مسلمان اور کافر میں اسی نماز کی وجہ سے فرق ہے اور یہ طہارت بھی نصف ایمان ہے اور چونکہ طہارت نصف اول ہے اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَۃِ یعنی طہارت بنائے دین ہے اور یہ جسم اور کپڑوں کی طہارت کہ تمام لوگ اسی میں مشغول ہیں حالانکہ یہ طہارت کا سب سے آخری درجہ ہے اور چونکہ یہ بہت آسان ہے اور نفس بھی اس سے راحت پاتا ہے کیونکہ صفائی اسے اچھی معلوم ہوتی ہے اور لوگ بھی اس ظاہری طہارت اور صفائی کو دیکھتے ہیں اور پارسائی و نیکی کا اندازہ اسی ظاہری صفائی سے لگاتے ہیں اس وجہ سے لوگ اسے آسان جانتے ہیں لیکن دل کی پاکیزگی اور طہارت کو جو حسد۔ ریا اور دوستی دنیا اور جسم کو گناہوں وغیرہ کے بچانے سے حاصل ہوتی ہے اور جسم کی ظاہری پاکیزگی کا اس میں کچھ تعلق نہیں اور چونکہ لوگوں کی نظر دل پر نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی نظارہ گاہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا مقام ہے لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے اس لئے ہر شخص اس پاکیزگیٔ دل کی طرف رغبت نہیں کرتا۔

فصل یہ طہارت ظاہری اگرچہ آخری درجہ ہے لیکن اس کی فضیلت بھی بہت بڑی ہے۔ بشرطیکہ آداب طہارت کو بجالائے اور وسوسہ اور اسراف کو اختیار نہ کرے کیونکہ جب آدمی وسوسہ اور اسراف کی حد کو پہنچ جاتا ہے تو یہ طہارت مکروہ اور ناپسندیدہ ہوجاتی ہے اور طہارت کرنے والا گنہگار ہوجاتا ہے۔ اور وہ احتیاطیں جو صوفیوں کی عادت ہیں مثلاً پاجامے چڑھانا اور چادر کو سر پر اوڑھنا اور پانی کے پاک رہنے کو یقینیا جاننا اور لوٹے کی حفاظت کرنا تاکہ اس میں کوئی ہاتھ نہ ڈالے یہ سب کچھ بہتر ہے اور فقہا کیلئے جو تصوف کے راستہ کے محرم نہیں ہیں صوفیوں کی اپنی عادت پر اعتراض کرنا لاحاصل ہے اور صوفیوں کیلئے بھی لازم نہیں ہے کہ وہ فقہا پر جو ان کی طرح احتیاط نہیں کرتے کسی قسم کا اعتراض کریں اور وہ احتیاطیں بہتر ہیں مگر ان کے لئے کچھ شرطیں ہیں۔

شرط اول۔ یہ ہے کہ اس احتیاط میں وقت خرچ کرنے کے باعث اور بہتر کام سے محروم نہ ہو اگر کسی کو علم سیکھنے کی طاقت ہے یا کسی ایسے فکر میں مشغول ہونے کی قدرت ہے جو کشف کیلئے زیادتی کا باعث ہو یا کسی ایسے کام میں مشغول ہے جو اس کے اہل و عیال کا کفیل ہے۔ یا خود اس کی کفالت کرتا ہے تاکہ لوگوں کا محتاج نہ ہو اور انکی دست نگری سے محفوظ رہے اگر طہارت کی احتیاط میں وقت صرف کرنا اسے ان کاموں سے محروم رکھے تو اسے چاہئے کہ ایسی طہارت میں مشغول نہ ہو کیونکہ یہ تمام باتیں احتیاطِ طہارت سے زیادہ ضروری ہیں اور یہی وجہ تھی کہ صحابہؓ ایسی احتیاط میں مشغول نہ ہوئے تھے اور اس سے زیادہ ضروری اور افضل کام جہاد۔ کسب اور طلبِ علم میں

وقت صرف کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ننگے پاؤں چلتے تھے اور زمین پہ نماز ادا کرتے اور زمین پر بیٹھتے تھے۔ اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھوں کو پاؤں کے تلووں پر ملتے تھے اور گھوڑے اونٹ وغیرہ کے پسینے سے پرہیز نہ کرتے تھے اور دل کی پاکیزگی اور طہارت میں بہ نسبت بدن اور لباس کی صفائی کے زیادہ کوشش کرتے تھے پس اگر کوئی ان صفات کا مالک ہو تو صوفیوں کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے اور جو کوئی . . . . . سستی کی وجہ سے ایسی احتیاط نہ کر سکے۔ اس کے لئے لازم نہیں ہے کہ وہ ایسی احتیاط پہ اعتراض کرے۔ کیونکہ احتیاط کرنا احتیاط نہ کرنے سے بہتر ہے۔

شرط دوم یہ ہے کہ اپنے آپ کو ریا، رعونت سے بچائے کیونکہ جو شخص اس قسم کی احتیاط کرتا ہے وہ سر سے پاؤں تک اس بات کی منادی کرتا ہے کہ میں پارسا ہوں جو اس قسم کی صفائی و طہارت رکھتا ہوں اور اسے اس بات میں فخر پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ زمین پر پاؤں رکھتا ہے یا کسی اور کے لوٹے سے طہارت کرتا ہے تو ڈرتا ہے کہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاؤں گا پس اسے چاہئے کہ وہ اپنی آزمائش کرے اور لوگوں کے سامنے زمین پر چلے اور مباح راستہ اختیار کرے اور اپنے باطن کے تدارک میں احتیاط برتے۔ اگر اس کا نفس اس سے کچھ تنازعہ اٹھائے تو سمجھ لے کہ اس میں ریائی آفت کا دخل ہے ایسی حالت میں اس پر واجب ہے کہ ننگے پاؤں چلے اور زمین پہ نماز ادا کرے اور احتیاط کو چھوڑ دے کیونکہ ریا حرام اور احتیاط سنت ہے اور جب بغیر احتیاط کے چھوڑنے کے ریا سے نہ بچ سکے تو اس پر واجب ہے کہ ریا سے بچنے کے لئے احتیاط کو چھوڑ دے۔

شرط سوم یہ ہے کہ کبھی کبھی احتیاط کو ترک کر دے اور احتیاط اپنے لئے فرض نہ سمجھے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے برتن سے طہارت فرمائی ہے اور جناب خلیفہ دوم حضرت فاروق رضؓ نے ایک یہودی عورت کے برتن سے طہارت کی ہے اور انہوں نے بہت دفعہ زمین پر نماز پڑھی ہے اور جو کوئی سونے کے لئے زمین پہ کوئی چیز نہ بچھاتا تھا اس کی آپ بہت عزت کرتے تھے پس جو کوئی آپ کی سیرت کو چھوڑے گا اور ناشائستہ راستہ اختیار کرے گا نفس اس کی مساعدت نہ کرے گا۔ احتیاط سے نہ بچنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس احتیاط کے نفس نے احتیاط کرنے میں کچھ عزت کر لی ہے۔ جس کا چھوڑنا ان کے لئے سخت مشکل ہے۔

شرط چہارم یہ ہے کہ ایسی احتیاط جس میں کسی مسلمان کی دلشکنی ہوتی ہو ترک کر دے کیونکہ کسی کے دل کو دکھانا حرام ہے اور احتیاط کا ترک کرنا حرام نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص سلام کرے اور معانقہ چاہے اور اس کے ہاتھ میں اور منہ پر پسینہ آیا ہو تو ایسی حالت میں اگر اہل احتیاط اس سے اپنے آپ کو سمیٹے اور معانقہ وغیرہ سے بچائے تو ایسی احتیاط حرام ہے کیونکہ اچھا اخلاق اور مسلمانوں کے ساتھ قربت رکھنا ہزاروں احتیاطوں سے زیادہ مبارک اور زیادہ افضل ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اہل احتیاط کے سجادہ پر پاؤں رکھ دے اور اس کے لوٹے سے طہارت کرے اور اس کے کوزہ سے

پانی پیئے تو اہل طہارت کو لازم ہے کہ اسے منع نہ کریں اور کسی قسم کی نفرت کا اظہار نہ کریں ایک دفعہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آبِ زمزم طلب فرمایا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے لوگوں نے اس میں ہاتھ پاؤں دھوئے ہوئے ہیں اور پانی کو خراب کر دیا ہے تھوڑا انتظار فرمایئے تاکہ میں خاص ڈول منگا کر پانی نکالوں حضورؐ نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت کو نہایت عزیز رکھتا ہوں بہت سے پڑھے ہوئے جاہل ان باریکیوں کو نہیں جانتے اور اپنے آپ کو نہ احتیاط کرنیوالوں سے بچاتے ہیں اور انکے دلوں کو رنجیدہ کرتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اکثر اوقات وہ اپنے ماں باپ اور دوستوں سے سخت کلامی پر اُتر آتے ہیں ۔ اگر کبھی وہ ان کے لوٹے اور کپڑوں کو ہاتھ لگا دیں اور یہ سب حرام ہے کہ اور اُس احتیاط کے باعث جو فرض نہیں ہے ۔ یہ باتیں کس طرح درست ہو جائیں اور اکثر اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ احتیاط کرتے ہیں ۔ ان کے دماغ میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور لوگوں پر احسان کرتے ہیں کہ ہم ایسے محتاط ہیں اور کسی سے نفرت کرنے کو غنیمت جانتے ہیں ۔ تاکہ اُسے رنجیدہ کر کے اپنی پاکیزگی اور طہارت کا اظہار کریں اور اپنا فخر ظاہر کریں اور دوسروں کو بدنام کریں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جس آسان راستہ پر چلتے تھے اسے اختیار نہیں کرتے اور اگر کوئی شخص پتھر سے استنجا کرتا ہے تو یہ لوگ اسے گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ تمام باتیں خبثِ اخلاق کے نشان ہیں اور باطن کی پلیدگی کی دلیل ہیں اور دل کو ان خباثتوں سے پاک رکھنا فرض ہے کیونکہ یہ تمام باتیں ہلاکت کا سبب ہیں اور احتیاط سے بچنا ہلاکت کا موجب نہیں ہے ۔

شرط پنجم یہ ہے کہ کھانے پہننے بولنے میں بھی احتیاط رکھے کیونکہ یہ نہایت ضروری ہے اور ضروری امور میں احتیاط نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ باقی احتیاطیں محض دکھاوا اور رعونت کے لئے ہیں یا صرف عادت ہے اور یہ اس طرح ہے کہ جیسے کوئی شخص بلا بھوک کھانا کھاتا ہے اور جب تک ہاتھ منہ نہ دھولے اس وقت تک نماز ادا نہیں کرتا اور اس بات کو سمجھتا کہ جو چیز نجس ہے اس کا کھانا حرام ہے اور اگر نجس ہے تو بلا ضرورت کیوں کھاتا ہے اور اگر پاک ہے تو ہاتھ کیوں دھوتا ہے اور پھر جس کپڑے پر عام لوگ بیٹھتے ہیں اس پر نماز ادا نہیں کرتا اور نہ معلوم عام لوگوں کے گھر کا پکا ہوا کھانا کس طرح کھا لیتا ہے حالانکہ کھانے میں طہارت کا لحاظ رکھنا ایک اہم امر ہے اکثر اس قسم کے لوگ بازاری لوگوں کے گھر میں طعام تو کھا لیتے ہیں ۔ لیکن ان کے کپڑے پر نماز نہیں پڑھتے اور یہ باتیں احتیاط طہارت میں سچے ہونے کی دلیل نہیں ہیں ۔

شرط ششم یہ ہے کہ منہیات اور منکرات میں احتیاط کا خیال رکھے اور تین بار سے زیادہ طہارت کرے حالانکہ چوتھی بار منع ہے یا طہارت میں دیر لگائے اور دوسرے مسلمان اسکے انتظار میں ہوں اور ایسا نہ چاہیئے ۔ کہ طہارت میں پانی زیادہ خرچ کرے اور نماز کے اول وقت کو تاخیر کر دے یا امام ہو کر اہل جماعت کو انتظار میں رکھے یا کسی مسلمان سے کسی کام کے متعلق وعدہ کر کے اسے وفا نہ کرے یا بسبب اس وعدہ کے اس مسلمان کا کسب بھی رہ گیا

ضائع ہو جائے یا اس کے اہل و اطفال کو نقصان پہنچے اور اس قسم کے کام اس احتیاط کی وجہ سے جو فرض نہیں ہے درست نہیں ہو جاتے یا مسجد میں اپنے لئے ایک بہت بڑا مصلےٰ بچھائے اس غرض سے کہ لوگوں کے کپڑے اس سے نہ چھو جائیں اور اس میں تین چیزیں ممنوع ہیں۔ ایک تو یہ کہ دوسرے مسلمانوں سے مسجد کا ایک حصہ بسبب بڑا مصلےٰ بچھانے کے غصب کر لیا حالانکہ اس کا حق صرف اتنا ہی ہے جس میں وہ سجدہ کر سکے دوم ایسی حالت میں دوسرے لوگ ساتھ لے کر نماز ادا نہیں کر سکتے حالانکہ سنت دوش بدوش مل کر کھڑے ہونا ہے۔ سوم اس میں مسلمانوں سے نفرت کرنا پایا جاتا ہے۔ جیسے کہ کتے اور پلیدی سے نفرت کرتے ہیں اور یہ درست نہیں اور اس قسم کے بہت سے منکرات ہیں جو پڑھے ہوئے جاہل بہ نسبت احتیاط کے کر گذرتے ہیں اور انہی منکرات منہیات نہیں سمجھتے

فصل جب تو نے یہ جان لیا کہ طہارت ظاہری طہارت باطنی سے علیحدہ شے ہے تو اب جاننا چاہئے کہ طہارت باطن کی تین قسمیں ہیں (اول) اعضائے بدن کی طہارت گناہوں سے۔ (دوم) دل کی طہارت برے اخلاق سے (سوم) ماسوی اللہ سے اور طہارت ظاہری بھی تین قسم ہے۔ (اول) طہارت نجاست سے (دوم) حدث اور جنابت سے (سوم) بدن کے بڑھنے والی چیزوں سے مثلاً ناخن۔ بال۔ میل وغیرہ۔

قسم اوّل نجاست سے طہارت

جان تو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیا جمادات کی قسم سے پیدا کی ہیں وہ سب پاک ہیں مگر نشا آور شراب چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ پلید ہے اور تمام جانور سوائے کتا اور سؤر اور ان جانوروں کے جو مر جاتے ہیں پاک ہیں۔ لیکن آدمی اور مچھلی اور ٹڈی اور دوسرے ایسے جانور بھی جن کے بدن میں خون جاری نہ ہو جیسے مکھی، بچھو۔ بھڑ اور ایسے کیڑے جو طعام میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہر چیز جو جانوروں کے پیٹ میں مستحیل اور متغیر ہو گئی ہو سب پلید ہیں۔ مگر وہ جانوروں کی اصل ہے۔ مثلاً منی اور مرغی کا انڈا اور ریشم کا کیڑا اور وہ چیزیں جو متغیر نہ ہوئی ہوں۔ جیسے پسینہ اور آنسو وغیرہ پاک ہیں اور جو اشیا ناپاک ہیں ان سے نماز درست نہیں مگر پانچ قسم کی نجاست دشوار ہونے کی وجہ سے معاف کر دی گئی ہے ایک اس استنجا کا اثر جو تین ڈھیلے کے بعد بھی باقی رہ جائے بشرطیکہ وہ اپنے مقام سے زیادہ نہ پھیلا ہو (دوم) راستہ کی کیچڑ اگرچہ اس میں نجاست یقینی طور پر ہو مگر اتنی جس سے وہ اپنے آپ کو بچا نہ سکے لیکن یہ نہیں کہ وہ کیچڑ میں گر پڑے اور لت پت ہو جائے یا کوئی حیوان اس کے کپڑے خراب کر دے اگرچہ ایسی باتیں شاذ و نادر ہیں لیکن یہ کیچڑ معاف نہیں۔ (سوم) وہ نجاست جو موزہ پر لگی ہو مگر اتنی مقدار جس سے وہ بچ نہ سکے اور اس موزے کو زمین پر رگڑا ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھ لینا معاف ہے (چہارم) پسوؤں کا لہو جو کپڑوں پر لگا ہو تھوڑا ہو یا زیادہ معاف ہے اگرچہ ایسی حالت میں پسینہ بھی آیا ہو (پنجم) پانی مُرتی مائل جو پھوڑوں سے نکلے۔ کیونکہ آدمی کا بدن اس سے خالی نہیں ہے۔ اور وہ

رطوبتیں بھی جو خارش کے دانوں سے نکلیں معاف ہیں اور اگر کوئی ایسا پھوڑا ہو جس سے پیپ نکلے تو اس کا دھونا واجب ہے اگر دھونے سے بھی کچھ اثر باقی رہے تو امید ہے کہ معاف ہوگا اور اگر کسی نے فصد کھلوائی ہو یا کوئی زخم ہو گیا ہو تو اس کے خون کو دھونا چاہیئے اور اگر اس کا کچھ اثر رہ جائے اور اس کے دھونے اور صاف کرنے میں خطرہ ہو تو نماز کو قضا کر دینا چاہیئے کیونکہ ایسا عذر کمیاب ہے ۔

فصل جو جگہ نجس ہوتی ہے وہ ایک دفعہ پانی سے دُھل جانے کے سبب پاک ہو جانی ہے لیکن اگر وہ عین نجاست ہو تو اسے اس قدر دھونا چاہیئے جس سے وہ بالکل جاتی رہے اگر دھونے ملنے اور ناخن کے کھرچنے کے بعد بھی اس کی رنگ و بو رہے تو وہ پاک ہے اور جو پانی بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے پاک ہے سوائے چار پانیوں کے ایک وہ پانی جس سے ایک دفعہ حدث کیا جا چکا ہو یعنے وضو وغیرہ وہ خود پاک ہے لیکن دوسری چیز کو پاک نہیں کرتا (دوم) وہ پانی جس سے نجاست دور کی گئی ہو وہ نہ خود پاک ہے نہ دوسری چیزوں کو پاک کرنیوالا ہے لیکن اس کا رنگ و بو مزہ وغیرہ نہ بدلا ہو تو پاک ہے (سوم) وہ پانی جس کا وزن ڈھائی سو من سے کم ہو اور اس میں نجاست پڑ جائے اگرچہ اس کا رنگ تبدیل نہ ہو وہ پلید ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر پانی کا وزن ڈھائی سو من ہے اور نجاست کے پڑنے سے اس کا رنگ متغیر نہیں ہوا ہے تو وہ پاک ہے (چہارم) وہ پانی جس کا رنگ مزہ بو کسی چیز پاک کی وجہ سے بدل جائے جس سے اس پانی کو بچایا جا سکے مثلاً زعفران صابون ۔ اشنان ۔ آٹا وغیرہ ۔ پانی پاک ہے لیکن کسی دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا اگر اس میں کچھ زیادہ تغیر نہ ہوا ہو تو پاک کر سکتا ہے ۔۔

قسم دوم طہارت حدث

اس میں پانچ چیزوں کا جاننا ضروری ہے ۔ آداب (۱) قضائے حاجت آداب (۲) استنجا آداب (۳) وضو ۔ آداب (۴) غسل آداب (۵) تیمم ۔ (۱) آداب قضائے حاجت ۔ اگر صحرا ہو تو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جائے اگر ممکن ہو تو کسی دیوار کے پیچھے بیٹھے اور بیٹھنے سے پہلے اپنا آزار بند نہ کھولے سورج اور چاند کی طرف منہ نہ کرے اور کعبہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے اگر پائخانہ میں ہو تو جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ قبلہ اس کے دائیں یا بائیں طرف رہ جائے اور جو جگہ لوگوں کے جمع ہونے کی ہو وہاں پاخانہ نہ پھرے اور پانی جو کھڑا ہو اس میں پیشاب نہ کرے اور نہ ہی میوہ دار درخت کے نیچے بیٹھے اور کسی سوراخ میں پیشاب اور پاخانہ نہ پھرے سخت زمین اور ہوا کے رخ پر پیشاب نہ کرے تاکہ اسپر چھینٹیں نہ پڑیں اور بلا کسی معقول عذر کے کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے اور جو جگہ وضو و غسل کرنے کی وہاں بھی پیشاب نہ کرے اور بیٹھنے کے وقت بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے اور جب پاخانہ کو جائے بائیں پاؤں کو پہلے رکھے اور جب باہر نکلے تو دائیں پاؤں کو پہلے رکھے اور کوئی ایسی چیز جس پر خدا تعالےٰ کا نام لکھا ہوا ہو ساتھ نہ لے جائے اور ننگے سر پائخانہ نہ جائے اور جب پاخانہ کے اندر جائے یہ پڑھے ۔

ـلہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخَبِیْثِ الْمُخْبِثِ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور جب باہر نکلے تو یہ پڑھے ـلہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْہَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَاَبْقٰی فِیَّ مَا یَنْفَعُنِیْ

فصل دوم استنجا کے بیان میں پاخانہ پھرنے سے پہلے تین ڈھیلے پتھر یا مٹی کے درست کر کے اپنے پاس رکھے اور جب فارغ ہو جائے تو بائیں ہاتھ میں لے اور مقام پاخانہ کے قریب جو پاک جگہ ہو وہاں رکھ کر ذرا کھسکا کر مقام نجاست پر پھیرے اور نجاست کو صاف کرے اور یہ خیال رہے کہ کسی دوسری جگہ نجاست نہ لگے اور اسی طرح تین ڈھیلوں سے صفا کرے اور اگر تین سے پاک نہ ہو تو اور کام میں لائے

لیکن تعداد کے لحاظ سے طاق رہیں اور پھر ایک بڑا پتھر یا ڈھیلا دائیں ہاتھ میں لے اور بائیں ہاتھ سے قضیب کو پکڑے اور اس ڈھیلے یا پتھر پر قضیب کا سر تین دفعہ تین جگہوں پر رکھے یا کسی دیوار پر تین دفعہ قضیب کا سر رکھے اور بائیں ہاتھ سے ہلائے دائیں ہاتھ کو کام میں نہ لائے اور پاکی کیلئے اس قدر کافی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ پانی اور ڈھیلے دونوں سے استنجا کرے اگر پانی کی خواہش ہو تو وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ جائے اور دائیں ہاتھ سے پانی ڈالے اور بائیں ہاتھ سے ملے یہانتک کہ نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور جب نجاست صاف ہو جائے تو زیادہ پانی نہ بہائے کہ پانی اندر چلا جائے اور جس جگہ کہ پانی اندر نہیں جاتا وہ جسم کے اندر کا حصہ ہے اس کے متعلق نجاست کا حکم نہیں ہے اور اس کے متعلق زیادہ وسوسہ نہ کرے۔ اور اسی طرح قطرہ جھاڑنے میں تین دفعہ قضیب کے نیچے ہاتھ لیجا کر تین بار جھٹکے اور تین قدم چلے اور تین دفعہ کنگھارے اور اس سے زیادہ اپنے آپ کو تکلیف نہ دے کیونکہ وہم پیدا ہوگا اور ایسا کرنے کے باوجود استنجا کے بعد تری پیدا ہو تو اپنی میانی پر پانی ڈالے اور اس تری کو پانی سمجھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسواس کو دور کرنے کے لئے ایسا ہی فرمایا اور استنجا کرنے کے بعد ہاتھ کو دیوار یا زمین پر ملے اور پھر دھوئے تاکہ کوئی بو باقی نہ رہے اور استنجا کرنے کے وقت یہ پڑھے ـلہ اَللّٰہُمَّ طَہِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِیْ مِنَ الْفَوَاحِشِ۔

فصل وضو کی کیفیت کے بیان میں۔ استنجا سے فارغ ہونے کے بعد مسواک کرے اور داہنی جانب سے شروع کرے پہلے اوپر کے دانتوں پر مسواک کرے اور اس کے بعد نچلے دانتوں پر پھر اسی طرح اندر کی جانب مسواک کرے پھر زبان اور تالو میں مسواک کرے اور مسواک کرنے کو نہایت ضروری سمجھے۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسواک کر کے ایک نماز پڑھنا بلا مسواک کی ستر نمازوں سے افضل ہے اور مسواک کرنیکے وقت یہ نیت کرے کہ میں ذکر الٰہی کا راستہ صاف کرتا ہوں اور جسوقت وضو ٹوٹ جائے پھر

ـلہ پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ خدا کے پلید اور پلید کرنیوالے شیطان مردود سے ـلہ سب تعریف پروردگار کے لئے ہے جس نے تکلیف دینے والی چیز میرے بدن سے نکال دی اور نفع دینے والی چیز میرے بدن میں رکھی ـلہ اے خدا پاک کر میرا دل نفاق سے اور محفوظ رکھ میری شرمگاہ فحش سے۔

اسی وقت کر لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے اور جس وقت بھی وضو کرے مسواک بھی کرے اور اگر وضو نہ کرے اور بلا کلی سونے کی وجہ سے منہ میں بدبو پیدا ہو جائے جو کوئی بدبودار چیز کھانے سے منہ خراب ہو گیا ہو تو ایسی حالت میں مسواک کرنا سنت ہے اور جب مسواک سے فارغ ہو جائے تو اونچی جگہ قبلہ رو بیٹھ کر یہ پڑھے [۱] بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ اور تین دفعہ دونوں ہاتھ دھوئے اور کہے [۲] اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْیُمْنَ وَالْبَرَکَۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشُّؤْمِ وَالْھَلَکَۃِ اور مباح ہونے اور رفع حدث کی نیت کرے اور منہ دھونے تک نیت کا خیال کرے اور تین دفعہ کلی کرے منہ میں پانی ڈالے اور غرغرہ کرے اور اگر روزہ ہو تو غرغرہ نہ کرے اور پڑھے [۳] اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَتِلَاوَۃِ کِتَابِکَ اور پھر تین دفعہ ناک میں پانی ڈالے اور کہے [۴] اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ پھر تین دفعہ منہ دھوئے اور کہے [۵] اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ بِنُوْرِکَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَوْلِیَائِکَ اور چہرہ کے تمام بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے اور اگر ڈاڑھی میں زیادہ بال ہوں اور میل ہو تو اس پر پانی بہائے اور انگلیوں سے بالوں میں خلال کرے اور اسی کا نام تخلیل ہے اور منہ کی جانب سے کانوں کے سرے سے لے کر گوشۂ پیشانی تک چہرہ کی حد ہے اور انگلیوں کو آنکھوں کے کوئے پر پھیرے تاکہ جو کچھ سرمہ وغیرہ کا اثر ہو وہ بالکل باہر نکل آئے۔ اور پھر تین دفعہ دائیں ہاتھ کو کہنی تک دھوئے اور جس قدر بازوں کے قریب تک دھوئے زیادہ فضیلت کا باعث ہے اور دھوتے وقت یہ پڑھے [۶] اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کو دھوئے اور ہاتھ میں انگوٹھی ہو تو اسے جنبش دیدے تاکہ پانی اس کے نیچے سے نکل جائے اور یہ پڑھے [۷] اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ پھر دونوں ہاتھوں کو تر کرے اور انگلیوں کے سرے ملا کر سر کے اگلی طرف رکھے اور گدی تک لے آئے تاکہ بالوں کے دونوں رخ تر ہو جائیں اور تین دفعہ اسی طرح کرے اور یہ خیال رہے کہ ہر دفعہ پورے سر کا مسح ہو جائے اور ہر بار یہ پڑھے [۸] اَللّٰھُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِکَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَکَاتِکَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّکَ پھر دونوں کانوں کا مسح کرے اور تین بار انگلی کو کانوں کے سوراخوں میں پھیرے اور انگوٹھے کان کی پیٹھ پر پھیرے

---

[۱] شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ بخشنے والے مہربان کے پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ تیرے شیطان کے وسوسہ سے اور پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ تیرے اے پروردگار کہ میرے نزدیک آئے [۲] اے خدا تجھ سے برکت چاہتا ہوں اور پناہ مانگتا ہوں ساتھ تیرے شومی اور ہلاکت سے [۳] اے خدا میری مدد کر اپنے ذکر پر اپنے شکر پر اپنی تلاوتِ کتاب [۴] اے خدا مجھے جنت کی خوشبو نصیب کر اور مجھ سے راضی ہو جا [۵] اے خدا اپنے نور سے میرا منہ سفید کر جس دن کہ تیرے دوستوں کے منہ سفید ہوں۔ [۶] اے خداوند میرا اعمالنامہ میرے دائیں ہاتھ دے اور میرے ساتھ جو آسان ہو [۷] اے خدا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میرا اعمالنامہ مجھے بائیں ہاتھ میں دے یا میری پیٹھ کے پیچھے سے [۸] اے خداوند مجھے اپنی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور کہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ پھر گردن کا مسح کرے اور پڑھے اَللّٰھُمَّ فُکَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ پھر دائیں پاؤں کو تین دفعہ نصف پنڈلی تک دھوئے اور پاؤں کی انگلیوں میں بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے تلوؤں سے خلال کرے اور اسے دائیں پاؤں سے شروع کرے اور بائیں پاؤں پر ختم کردے اور دائیں پاؤں کو دھوتے وقت یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ فِی النَّارِ اور پھر بائیں پاؤں کو دھوئے اور پڑھے اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ اور جب وضو سے فارغ ہوجائے تو یہ پڑھے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ اور جو شخص عربی نہ جانے اسے چاہئے کہ ان دعاؤں کے معنے معلوم کرے تاکہ اسے معلوم ہو کہ ان کا کیا مطلب ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص طہارت کرتے وقت خدا کا ذکر کرتا ہے اس کے اعضائے بدن کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اگر طہارت کرتے وقت خدا کا ذکر نہیں کرتا تو صرف وہی جگہ پاک ہوتی ہے جہاں پانی پہنچتا ہے اور ہر وقت ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا چاہئے اگرچہ پہلا وضو ٹوٹا ہوا نہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص طہارت کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کا ایمان تازہ کرتا ہے اور جب طہارت ختم کرے تو اسے سمجھنا چاہئے کہ یہ جو اعضائے ظاہری پاک کئے گئے ہیں یہ لوگوں کے دیکھنے کی جگہ ہیں اور اللہ تعالےٰ کے دیکھنے کی جگہ دل ہے اور اس کو گناہوں سے پاک نہ کیا جائے تو اس کی مثال ایسے شخص کی ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کو مہمان بلائے اور گھر کے دروازہ کو صاف ستھرا رکھے لیکن مکان کے اندر کا حصہ جہاں بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ ہے اس کو گندہ رہنے دے۔

فصل وضو میں چھ چیزیں مکروہ ہیں (۱) باتیں کرنا (۲) منہ پر ہاتھ مارنا (۳) ہاتھوں کو جھٹکنا (۴) دھوپ سے جو پانی گرم ہو اس سے وضو کرنا (۵) زیادہ پانی خرچ کرنا (۶) تین دفعہ سے زیادہ اعضا کا دھونا اور اس نیت

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے) رحمت میں ڈھانپ لے اور نازل فرما مجھ پر اپنی برکتیں اور اپنے عرش کے سایہ میں مجھے لے جس روز کہ تیرے سائے بغیر کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ؎ اے خداوند مجھے ان لوگوں میں سے کردے جو بات سن کر اس میں سے اچھی کے تابع ہو جاتے ہیں ؎ اے خداوند مجھے نار دوزخ سے آزاد فرما اور میں تیری مدد کے ساتھ زنجیروں اور گلوں سے پناہ مانگتا ہوں ؎ اے خداوند ثابت رکھ قدم میرا پل صراط کے جس روز کہ بہتیرے قدم پھسل کر آگ میں گریں گے ؎ اے خداوند میں تیری مدد کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ پھسلے قدم میرا پل صراط پر جس روز کہ منافقوں کے قدم پھسلیں گے ؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس (اللہ) کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے خداوند مجھے توبہ کرنے والوں میں سے کردے۔ اور مجھے اپنے پاک (گناہوں وغیرہ سے) رہنے والے نیک بندوں میں سے کردے۔

سے چہرہ کا پونچھ لینا کہ اس پر گرد نہ بیٹھے یا اس نیت سے چہرہ کا نہ پونچھنا کہ عبادت کا اثر دیر تک رہے اگر یہ نیت ہو تو دونوں کی اجازت ہے اور فضیلت ہے اور مٹی کے کوزہ سے وضو کرنا آفتابہ کی نسبت اور بہتر ہے ۔

فصل دوم غسل کے بیان میں ۔ جو شخص صحبت کرے یا خواب میں اس کو احتلام ہو جائے ۔ یا بیداری میں منی نکل آئے تو اس پر غسل واجب ہے اور فریضہ غسل یہ ہے کہ تمام بدن کو دھوئے اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے اور جنابت کے رفع کرنے کی نیت کرے اور سنت یہ ہے کہ اول بسم اللہ پڑھے ۔ اور تین دفعہ ہاتھ دھوئے اور جسم میں جس جگہ پلیدی لگی ہوئی ہو ۔ اس کو اچھی طرح دھوئے اور پھر بیان کئے ہوئے طریقوں پر وضو کرے اور غسل سے فارغ ہونے کے بعد پاؤں دھوئے اور غسل میں بدن کی دائیں جانب تین دفعہ پانی ڈالے اور بائیں جانب بھی تین دفعہ سر پر پانی ڈالے اور جسم کے جس حصہ تک ہاتھ پہنچ سکے ملے اور جو جگہ آپس میں چپکی ہوئی ہو ۔ اس جگہ پر بھی پانی پہنچانے کی کوشش کرے تاکہ پانی اس جگہ پر پہنچ جائے کیونکہ فرض ہے اور شرمگاہ سے ہاتھوں کو محفوظ رکھے ۔

فصل پنجم تیمم کے بیان میں ۔ کسی شخص کو پانی نہ ملے یا اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو رفیقوں کے ساتھ پیا جائے یا پانی لینے کے راستہ میں کوئی درندہ ہو یا ایسا شخص ہو جس سے کسی قسم کا ڈر خوف ہو ۔ پانی کسی غیر کی ملکیت ہو اور وہ زیادہ قیمت پر فروخت کرے یا اس قسم کی بیماری یا زخم ہو جس کے لئے پانی نقصان دہ ہو ۔ یا بیماری کے لمبا ہو جانے کا خطرہ ہو ایسی حالت میں چاہیئے کہ صبر کرے اور جب نماز کا وقت آئے تو ایسی جگہ تلاش کرے جہاں پاک مٹی ہو پھر اس پر دونوں ہاتھ مارے یہاں تک کہ اس سے غبار اڑے اور انگلیاں ملی ہوئی نہ رکھے اور نماز کے مباح ہونے کی نیت کرے اور تمام چہرہ پر دونوں ہاتھوں سے مسح کرے اور اس بات کی تکلیف نہ اٹھائے کہ مٹی اس کے بالوں میں لگ جائے اور اگر انگشتری پہنے ہوئے ہو تو اس کو نکال کر دوسری بار دونوں ہاتھوں کو خاک پر مارے اور اس بات کا خیال رکھے کہ انگلیاں ایک دوسرے سے کشادہ ہوں پھر دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے پیٹ پر رکھے اور اسی حالت میں بائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں ہاتھ کی کلائی کی پشت پر کہنی تک پھیرے پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دائیں ہاتھ کی کلائی کے منہ پر پھیرے پھر بائیں ہاتھ کا انگوٹھا دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر پھیرے پھر اسی طریق سے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر پھیرے پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آپس میں ملے اور انگلیوں کو ایک دوسری میں سے گذارے اور ملے اور اسی طرح ایک ضرب کا کرنا ہی کافی ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو جائز ہے کہ دوسری ضرب لگائے تاکہ غبار تمام ہاتھ اور کہنیوں تک لگے اور اس تیمم سے ایک ہی فریضہ پڑھے اور سنت جس قدر چاہے پڑھ لے اور اگر دوسرا فریضہ پڑھنا چاہے تو تیمم پھر دوسرا کرے

قسم سوم فضلات بدن کی طہارت ۔ فضلات بدن کی طہارت دو قسم پر ہے ایک تو اس میل سے طہارت

جو کہ سر اور داڑھی کے بالوں میں ہوتا ہے۔ اور یہ کنگھی۔ پانی۔ مٹی یا گرم پانی سے صاف ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر وحضر میں اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور میل سے اپنے آپکو صاف کرنا سنت ہے۔ اور جو میل آنکھوں کے گوشوں میں ہوتا ہے۔ وضو کے وقت انگلیوں سے صاف کر دینا چاہیئے۔ اور جو میل کانوں میں ہوتا ہے اُسے جب حمام سے نکلے صاف کر ڈالے۔ اور جو میل دانتوں کی جڑوں میں ہو۔ اُسے مسواک کلی اور غرغرہ سے صاف کر دینا چاہیئے۔ اور ناک کے میل کو بھی پانی سے نکال ڈالے اور وہ میل جو انگلیوں کے جوڑوں میں جمع ہو جائے اور پاؤں کی ایڑی تلوؤں میں اور ناخنوں میں اکٹھا ہوتا ہے۔ بلکہ تمام بدن وغیرہ سب میل کا دور کرنا سنت ہے۔ اور اگر کسی ایسی جگہ میل ہو جو پانی کو پوست تک جانے سے نہ روکے تو طہارت باطل نہیں ہوتی اور اگر ناخنوں میں خلاف معمول میل جمع ہو جائے تو وہ پانی کو روکے گا۔ تو اس میل کو گرم پانی سے اور حمام میں صاف کرنا سنت ہے۔

فصل حمام کے جانے والے پر چار چیزیں واجب اور دس چیزیں سنت ہیں۔ دو واجب حمام کے جانیوالے کی شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہ وہ ناف سے زانوؤں تک لوگوں کی نظروں سے بچائے اور ملنے والے کے ہاتھوں کو بھی وہاں نہ لگنے دے۔ کیونکہ ہاتھ کا لگانا دیکھنے سے زیادہ بُرا ہے۔ اور اپنی آنکھوں کو دوسرے کی شرمگاہ کے دیکھنے سے بچائے۔ اور اگر کوئی اپنی شرمگاہ برہنہ کرے تو بلا خوف اُسے منع کرے۔ اگر اسے منع نہ کریگا تو گنہگار ہوگا۔ اور گنہگار ہی حمام سے باہر آئیگا۔ حکایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حمام میں آنکھوں پر کچھ باندھے ہوئے منہ دیوار کی طرف کرکے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور عورتوں کیلئے بھی یہی واجب ہے۔ اور انہیں حمام میں جانا منع ہے۔ مگر ظاہری معذوری کی حالت میں جاسکتی ہیں۔ اور سنت یہ ہے کہ پہلے یہ نیت کرے۔ کہ میں پاکی کی سنت کو بجالاتا ہوں تاکہ نماز کے قابل ہو جاؤں۔ لوگوں کو دکھانا اس سے مقصود نہیں اور حمام کی اجرت حمامی کو پیشگی دے تاکہ نہلاتے وقت اُسکا دل خوش رہے اور اسے پتہ چل جائے کہ کیا اجرت ملی ہے۔ پھر جب اندر داخل ہو۔ تو بائیں پاؤں کو پہلے رکھے۔ اور یہ پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخَبِيْثِ الْمُخْبِثِ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ کیونکہ حمام شیطان کی جگہ ہے اور کوشش اس بات کی کرے کہ حمام خالی ہو۔ یا ایسے وقت جائے جس وقت حمام بالکل خالی ہو۔ اور حمام میں جو جگہ گرم ہو وہاں جلدی نہ جائے۔ یہاں تک کہ خوب پسینہ آ جائے اور جس وقت جائے فوراً طہارت کرے اور جلدی نہائے اور پانی زیادہ خرچ نہ کرے جس کے دیکھنے سے حمامی بُرا منائے اور جب حمام کے اندر داخل ہو۔ تو سلام نہ کرے۔ اگر مصافحہ کرے تو جائز ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا سلام کرے تو جواب دے عَافَاكَ اللّٰهُ اور زیادہ باتیں نہ کرے۔ اور اگر قرآن شریف پڑھے تو آہستہ پڑھے۔ اور اگر شیطان سے پناہ مانگے تو بلند آواز سے جائز ہے۔ اور سورج غروب ہونے کے وقت اور نماز مغرب وعشاء کے درمیان حمام نہ جائے۔ کیونکہ یہ وقت شیطان کے منتشر ہونیکا ہے۔ اور جب حمام کے گرم کمرے میں داخل ہو۔ تو دوزخ

کی آگ کو یاد کرے۔ اور ایک ساعت سے زیادہ نہ ٹھہرے تاکہ سمجھے کہ دوزخ کے قید خانہ میں کیونکر رہے گا۔ بلکہ عاقل وہی ہے جو ہر چیز کے دیکھنے سے آخرت کی حالت کو یاد کرے۔ اگر اندھیرا دیکھے تو قبر کی تاریکی کو یاد کرے۔ اگر سانپ دیکھے تو دوزخ کے سانپوں کا خیال کرے۔ اگر کوئی بری صورت دیکھے تو منکر نکیر اور دوزخ کے دربانوں کو یاد کرے، اگر کوئی ہیبتناک آواز سنے تو نفخۂ صور کو یاد کرے۔ اور اگر عزت و ذلت دیکھے تو قیامت کے مردود و مقبول ہونیکو یاد کرے۔ اور یہ سب باتیں شریعت میں سنت ہیں۔ طبیبوں نے طب کی رُو سے کہا ہے کہ ہر ماہ میں ایک بار چُونا استعمال کرنا مفید ہے۔ اور جب حمام سے باہر نکلے تو ٹھنڈا پانی پاؤں پر ڈالے تاکہ نقرس کی بیماریوں سے محفوظ رہے اور دردِ سر سے بچے اور ٹھنڈا پانی سر پر نہ ڈالے اور جب موسم گرما میں حمام سے باہر نکلے تو سود ہے کیونکہ یہ شربت کے فوائد رکھتا ہے۔

فصل :۔ فضلات بدن سے دور کرنا بھی پاکی کی ایک قسم ہے۔ اور وہ سات قسم پر ہے (۱) سر کے بالوں کا منڈوانا بہتر اور پاکی سے نزدیک تر ہے لیکن اہل شرف سید اور علویوں کیلئے بالوں کا رکھنا روا ہے۔ اور تھوڑے بال منڈانا اور لشکریوں کی طرح بالوں کو پراگندہ چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ اور اس سے منع کیا گیا ہے (۲) اور مونچھوں کا لب کے برابر رکھنا سنت ہے اور چھوڑ دینا منع ہے (۳) اور بغلوں کے بال ہر چالیس روز میں اکھیڑنا سنت ہے اور اگر اکیھڑنے کی شروع سے عادت ہو تو آسان ہے۔ اگر عادت نہ ہو تو مونڈنا بہتر ہے تاکہ تکلیف نہ ہو۔ (۴) اندام نہانی کے بالوں کا مونڈنا یا چونہ سے اکھیڑنا سنت ہے اور چاہیئے کہ چالیس روز سے زیادہ دیر نہ کرے (۵) ناخن کاٹنا تاکہ میل جمع نہ ہو۔ اور میل کے جمع ہونے سے طہارت باطل نہیں ہوتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کے ہاتھ میں میل جمع دیکھا۔ تو آپ نے انہیں ناخن کاٹنے کا حکم دیا۔ لیکن قضائے نماز کو نہ فرمایا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جب ناخن بڑھ جاتے ہیں تو شیطان کے بیٹھنے کی جگہ بن جاتی ہے۔ اور ناخن کاٹنے میں ابتدا بڑی انگلی سے کرنی چاہیئے اور ناخن کاٹنے میں ہاتھ پاؤں سے اور بائیں سے داہنا افضل ہے۔ اور تمام انگلیوں میں شہادت کی انگلی افضل ہے اس لئے ابتدا اسی سے کرنا چاہیئے اور اس کی داہنی طرف کی انگلیوں کے ناخن کاٹتا جائے۔ حتیٰ کہ پھر اسی تک پہنچ جائے۔ اگر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے ملا کر ایک حلقہ فرض کر لیا جائے۔ تو دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کریں۔ اور چھنگلیا تک کاٹتا جائے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے ابتدا کرے۔ تو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کر دے (۶) ولادت کے وقت ناف کاٹنا (۷) مرد اور عورت کا ختنہ کرنا۔

فصل :۔ داڑھی جب لمبی ہو جائے تو روا ہے۔ کہ ایک مشت چھوڑ کر باقی کاٹ ڈالے تاکہ حد سے متجاوز نہ ہو جائے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تابعین کے ایک گروہ نے ایسا ہی کیا ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ داڑھی کو لمبا چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور داڑھی کیلئے دس چیزیں مکروہ ہیں (۱) سیاہ خضاب لگانا۔ حدیث شریف میں ہے

کہ یہ خضاب کافروں اور اہل دوزخ کا خضاب ہے۔ اور سب سے پہلے یہ فرعون نے کیا تھا۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں لوگ ہونگے جو سیاہ خضاب کرینگے اور وہ بہشت کی خوشبو نہ سونگھیں گے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ بدترین بوڑھے وہ ہیں جو اپنے آپکو جوانوں کی مثل بناتے ہیں۔ اور بہترین جوان وہ ہیں جو اپنے آپکو بوڑھوں کی مثل بناتے ہیں۔ اور خضاب سے اسلئے منع کیا گیا ہے کہ اغراض فاسدہ کیلئے یہ ایک مکروفریب کا جال ہے (۲) سرخ اور زرد خضاب اگر غازی لگائیں تاکہ کافرین پر دلیرہ ہوں اور انہیں ضعیف اور بوڑھا خیال نہ کریں تو سنت ہے۔ اور اسی وجہ سے بعض علماء سیاہ خضاب کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہ غرض نہ ہو تو سب مکر اور فریب ہے جائز نہیں ہے (۳) داڑھی کو گندھک سے سفید کرنا تاکہ لوگ اُسے بوڑھا سمجھ کر اسکی تعظیم و تکریم زیادہ بجالائیں اور یہ بالکل حماقت ہے۔ کیونکہ عزت علم وعقل پر موقوف ہے نہ کہ پیری وجوانی پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ تو آپ کی داڑھی میں بیس بالوں سے زیادہ سفید بال نہ تھے۔ (۴) سفید بالوں کا داڑھی سے اکھاڑنا اور بڑھاپے کو ننگ وعار سمجھنا ایسا ہے جیسے خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے نور سے ننگ وعار رکھنا اور یہ جہالت کی وجہ سے ہے (۵) ہوس اور سودائے خام کی وجہ سے جوانی میں بال نکالا اکھاڑنا تاکہ صورت بلا ریش معلوم ہو تو یہ بھی جہالت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی تسبیح ہے سُبْحَانَ مَنْ زَیَّنَ الرِّجَالَ بِاللُّحٰی وَزَیَّنَ النِّسَآءَ بِالذَّوَائِبِ پاک ہے وہ خدا جس نے مردوں کو داڑھی اور عورتوں کو گیسوؤں سے زینت دی (۶) کبوتر کی دم کی طرح داڑھی کو تماشنا تاکہ عورتوں کی نظروں میں اچھا معلوم ہو اور وہ اس کی طرف زیادہ رغبت کریں۔ (۷) سر کے بالوں کا داڑھی سے بڑھانا اور زلفوں کا کانوں کی لو سے نیچے لٹکانا سراسر پرہیزگاروں کی عادت کے خلاف ہے (۸) تعجب کی نگاہوں سے اپنی داڑھی کی سفیدی اور سیاہی کو دیکھنا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو اپنے آپ کو تعجب سے دیکھے (۹) داڑھی میں اس غرض سے کنگھی کرنا۔ کہ لوگ اسے دیکھیں اگر سنت سمجھ کر کنگھی کرے۔ تو ثواب ہے (۱۰) لوگوں کو زہد جتانے کے لئے داڑھی کو الجھا ہوا اور پراگندہ رکھنا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اسے کنگھی وغیرہ کی پرواہ نہیں۔

اصل چہارم نماز کے بیان میں

اس بات کو سمجھ لے کہ نماز دین مسلمانی کا ستون ہے اور دین کی بنیاد ہے اور تمام عبادات کی پیشوا و سردار ہے۔ اور جو شخص پانچوں نماز فریضہ پابندی وقت وشرائط نماز کے مطابق ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی حمایت میں رکھنے کا وعدہ کیا ہے اور جب آدمی گناہ کبیرہ سے باز رہے گا۔ تو نماز اس کے باقی کے تمام گناہوں کا کفارہ ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان پانچ نمازوں کی مثال ایک صفّی نہر کی ہے جو کسی مکان کے دروازے پر بہتی ہے اور وہ پانچ دفعہ روزانہ اس میں نہاتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ باوجود دن میں پانچ دفعہ نہانے کے

اس کے بدن پر کوئی میل رہ جائے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح یہ پانچوں نمازیں آدمی کے گناہ دھو دیتی ہیں۔ جس طرح پانی میل کو دھو دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے چھوڑا اس نے اپنا دین ویران کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ تمام کاموں میں کونسا کام افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ اور آپؐ نے فرمایا بہشت کی کنجی نماز ہے۔ اور آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد اپنے بندوں پر سوائے نماز کے اور کوئی محبوب چیز فرض نہیں کی۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز سے زیادہ کوئی چیز محبوب ہوتی تو وہ اپنے فرشتوں کو اسی میں مشغول رکھتا۔ اور وہ ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔ ایک گروہ فرشتوں کا رکوع میں ہے اور ایک گروہ سجدہ میں ہے۔ اور ایک گروہ قیام میں ہے اور ایک گروہ قعود میں ہے۔ اور فرمایا جس کسی نے ایک نماز بھی قصداً چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا۔ یعنے وہ اس بات کے نزدیک ہوگیا۔ کہ اس کے ایمان میں خلل آجائے۔ جس طرح کہتے ہیں۔ جس کسی کا پانی جنگل میں ضائع ہوگیا۔ وہ ہلاک ہوگیا۔ یعنی وہ ہلاکت کے نزدیک ہوگیا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ تمام شرائط کے ساتھ پوری ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کریں گے۔ اور باقی اعمال جو اس کے تابع ہیں۔ وہ جیسے بھی ہوں گے منظور کر لئے جائیں گے۔ اگر نماز ناقص ہوگی تو باقی تمام اعمال کے ساتھ اس کے منہ پر ماریں گے۔ اور فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو شخص طہارت اچھی کرتا ہے اور نماز وقت پر ادا کرتا ہے۔ اور رکوع اور سجود اچھی طرح کرتا ہے۔ اور دل سے عاجزی و فروتنی کرتا ہے۔ تو اس کی نماز سفید اور روشن عرش تک جاتی ہے اور کہتی ہے کہ اللہ تعالےٰ تجھے حفظ و امن میں رکھے جیسا کہ تو نے مجھے نگاہ میں رکھا اور جو شخص نماز وقت پر ادا نہیں کرتا۔ اور رکوع و سجود و خشوع اچھی طرح بجا نہیں لاتا اس کی نماز آسمان تک سیاہ ہو کر جاتی ہے اور کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے۔ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔ اور جب تک خدا چاہتا ہے نماز یہی کہتی رہتی ہے۔ پھر اس نماز کو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر مارتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ سب سے بڑا وہ چور ہے۔ جو نماز میں چوری کرتا ہے۔

کیفیتِ ظاہرِ نماز۔ جان تو کہ نماز کے ظاہر اعمال ایک جسم کی طرح ہیں۔ اور ان کی ایک حقیقت اور راز ہے اور وہ نماز کی روح ہے۔ پہلے ہم نماز کا ظاہری بیان کرتے ہیں۔ جب آدمی اپنے بدن اور کپڑوں کی طہارت سے فارغ ہو اور اپنے ستر کو ڈھانپ لے تو ایک پاک جگہ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔ اور اپنے دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ رکھے اور کمر سیدھی رکھے اور سر کو ذرا آگے جھکا دے اور آنکھوں کو سجدہ گاہ کے سوا ادھر ادھر مشغول نہ کرے اور جب بالکل درست طریق پر کھڑا ہو جائے۔ تو شیطان کو اپنے پاس سے دور

کرنے کی غرض سے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے۔ اگر یہ ممکن ہو کہ کوئی اس کی اقتدا کریگا۔ تو پہلے باآواز بلند بانگِ نماز دے۔ اور اگر کوئی مقتدی نہ ہو تو فقط تکبیر کہہ لے اور نیت کو دل میں حاضر کرے۔ اور دل سے کہے مثلاً میں نماز فریضہ ظہر ادا کرتا ہوں اور جس وقت ان الفاظ کے معنے دل میں حاضر ہو جائیں تو پھر کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔ اور انگلیوں کے سرے کانوں کے برابر ہوں۔ اور انگوٹھوں کے سرے کان کی لَو کے برابر ہوں اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں شانوں کے برابر ہوں اور جب ہاتھ اس طریق پر ہو جائیں تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے پھر دونوں ہاتھ سینہ کے نیچے باندھ لے اور دائیں ہاتھ کو اوپر رکھے اور شہادت کی انگلی اور دائیں ہاتھ کے درمیان کی انگلی بائیں ہاتھ کی کلائی کی پشت پر رکھے اور دوسری انگلیوں سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو حلقہ کرلے۔ اور یہ نہ ہو کہ کانوں سے ہاتھ اٹھا کر بالکل سیدھے چھوڑ دے۔ اور پھر سینہ پر باندھے۔ بلکہ اوپر لاتے وقت سینہ کے نیچے باندھ لے۔ اور یہی درست اور صحیح ہے۔ اور اس حالت کے درمیان میں ہاتھوں کو نہ جھٹکے اور ادھر ادھر نہ لے جائے اور تکبیر کہنے میں مبالغہ سے کام نہ لے کہ اللہ اکبر کہنے کے بعد واؤ پیدا ہو یا اکبر کے بعد الف پیدا ہو جائے۔ جیسے کہ لفظ اَکْبَارُ کیونکہ یہ تمام کام وسوسہ اور جہالت ہے۔ اور جس طرح کہ بے تکلف بلا نماز یہ کلمہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بے تکلف نماز میں کہنا چاہیئے۔ اور جب ہاتھ باندھ لے تو یہ کہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا پھر اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ پڑھے اور بعد اس کے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اور الحمد شریف پڑھے اور تشدیدوں کو خوب ادا کرے۔ اور حروف میں مبالغہ نہ کرے کہ پریشان ہو جائیں اور ض۔ ظ میں فرق رکھے۔ اگر فرق نہ ہو سکے تو بھی جائز ہے اور جب الحمد شریف ختم کرے تو ذرا وقفہ دے کر آمِیْن کہے۔ ساتھ ملی ہوئی نہ کہے۔ پھر قرآن شریف کی کوئی اور صورت پڑھے جہاں تک چاہے اور صبح کی نماز اور شام کی دو پہلی اور عشاء کی دو پہلی رکعتوں میں پکار کر پڑھے بشرطیکہ مقتدی نہ ہو۔ پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے اور اس طرح کہے کہ سورت کا آخری حصہ تکبیر سے ملا ہوا نہ ہو۔ اور اس تکبیر میں بھی اسی طرح ہاتھ اٹھائے۔ جس طرح پہلی تکبیر میں اٹھائے تھے۔ اور پھر رکوع کرے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زانو پر رکھے۔ اور انگلیاں کھلی ہوئی قبلہ کی طرف ہوں اور ایک زانو کو دوسرے زانو کے ساتھ نہ ٹکرائے بلکہ سیدھے رکھے۔ اور پشت اور سر کو سیدھا رکھے۔ جیسے کہ لٓ کی شکل ہوتی ہے۔ اور دونوں بازوؤں کو دونوں پہلوؤں سے دور رکھے۔ اور عورت اپنا بازو اپنے پہلو سے جدا نہ کرے۔ اور جب یہ حالت بالکل درست ہو جائے تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ۔ اور اگر امام نہ ہو تو سات بار پڑھے۔ اور اگر دس بار تک پڑھے تو بہتر ہے پھر رکوع سے اٹھے اور سیدھا کھڑا ہو جائے اور ہاتھ اٹھائے اور کہے رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُہٗ اور نماز فجر کی دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھے اور پھر تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے

اور وہ عضو جو زمین سے زیادہ نزدیک ہے پہلے اُسے ہی زمین پر رکھے اول زانو پھر ہاتھ پھر پیشانی پھر ناک اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر کاندھوں کے برابر رکھے اور انگلیاں کھلی رہنی چاہئیں ۔ اور کلائیاں زمین پر نہ رکھے ۔ بازو ۔ پہلو ران اور پیٹ کے درمیانی جگہ کشادہ رکھے اور عورت کو چاہیئے کہ تمام اعضا کو ملائے رکھے ۔ اور پھر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِہٖ تین بار کہے اور اگر امام موجود نہ ہو تو زیادہ بار کہنا بہتر ہے ۔ پھر تکبیر کہے اور سجدہ سے اُٹھے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے ۔ اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور کہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاعْفُ عَنِّیْ وَعَافِنِیْ پھر دوسرا سجدہ کرے اور پھر اسی طرح بیٹھ کر تکبیر کہے اور کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت کو پہلی رکعت کی طرح ادا کرے اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کو اَلْحَمْدُ سے پڑھے اور جب دوسری رکعت کے سجود سے فارغ ہو جائے تو بائیں پاؤں پر تشہد کے لئے بیٹھے ۔ جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھا تھا ۔ اور اسی طرح دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بند کرلے اور انگشت شہادت کو سیدھا ہی چھوڑ دے ۔ اور جب کلمہ شہادت پڑھے تو اِلَّا اللّٰہُ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کے وقت اشارہ نہ کرے ۔ اور اگر انگوٹھے کو بھی انگشت شہادت کی طرح سیدھا چھوڑ دے تو روا ہے ۔ اور دوسرے تشہد میں بھی اسی طرح عمل میں لائے ۔ اور نیچے سے پاؤں کو داہنی طرف نکال دے اور بائیں چوتڑ کو زمین پر رکھے اور پہلے تشہد میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔ جب کہے تو کھڑا ہو جائے اور دوسری تشہد درود اور دیگر تمام معروف دعائیں پڑھے اور پھر اپنے چہرے کو دائیں طرف پھیر کر اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اور چہرہ کا پھیرنا اس طرح پر ہو کہ اگر کوئی شخص اس کے پیچھے ہو تو وہ اس کا نصف چہرہ دیکھ سکے پھر اسی طریق پر بائیں جانب سلام کرے ۔ اور ان ہر دو سلاموں میں نماز سے فارغ ہونے کی نیت کرے اور حاضرین اور فرشتوں پر سلام کی نیت کرے ۔

فصل چند باتیں نماز میں مکروہ ہیں :۔ بھوک اور پیاس کیوقت نماز پڑھنا ۔ تقاضائے بول اور تقاضائے حاجت کیوقت اور ہر ایک ایسے شغل کیوقت جو نماز میں خشوع سے باز رکھے ۔ نماز پڑھنا مکروہ ہے نیز دونوں پاؤں کو خوب ایکدوسرے سے ملا دینا ۔ اور ایک پاؤں کا اپنی جگہ سے اٹھا لینا اور سجدہ کرتے وقت پاؤں کے سرے پر بیٹھنا اور دونوں چوتڑوں پر بیٹھنا اور دونو رانوں کا سینہ تک لانا اور ہاتھ کا کپڑے کے نیچے رکھنا اور سجدہ کرتے وقت کپڑے کا آگے سے ادھر ادھر کرنا اور کپڑے پر کمر بند باندھنا ۔ ہاتھوں کا چھوڑ دینا اور ہر طرف دیکھنا ۔ اور انگلیوں کو چھوڑنا اور بدن کو کھجلانا ۔ جمائی لینا اور داڑھی کے بالوں سے کھیلنا ۔ اور سجدہ کے لئے کنکریوں کو دور کرنا ۔ اور سجدہ کی جگہ پر پھونک لگانا اور انگلیوں کو آپس میں ملانا ۔ اور پیٹھ کا ٹیڑھا کرنا ۔ غرضیکہ آنکھ ہاتھ اور سب اعضاء مؤدب رہیں ۔ اور نماز کی صفت پر ہوں تاکہ نماز مکمل ہو ۔ اور آخرت کا توشہ بننے کے لائق ہو ۔ نماز کے جن ارکان کا

ذکر کیا گیا ہے ۔ چودہ ان میں سے فرض ہیں ۔ پہلی نیت اور تکبیر ۔ قیام کرنا اور الحمد شریف کا پڑھنا ہے رکوع کرنا اور اس میں آرام کرنا ۔ رکوع سے اٹھنا اور آرام کرنا پھر سجدہ کرنا اور دونوں سجدوں میں آرام کرنا یعنی معمولی وقفہ لینا ہے ۔ اور التحیات پڑھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور سلام پھیرنا ۔ جب ان تمام باتوں کا نماز میں خیال رکھے تو نماز درست ہوتی ہے ۔

نماز کی حقیقت و رُوح کے پیدا کرنے کے بیان میں

جو کچھ بیان کیا گیا ہے ۔ نماز کی صورت اور جسم کا بیان ہے ۔ اور اس صورت کے لئے ایک حقیقت ہے ۔ اور وہ اس کی رُوح ہے اور ہر نماز اور ہر ذکر کے لئے ایک رُوح ہے اگر اصلی رُوح نہ ہو تو نماز مردہ آدمی کی طرح ایک بے جان جسم ہے ۔ اور اگر اصلی رُوح ہو لیکن اس کے ساتھ دیگر اعمال و آداب نہ ہوں تو نماز اس آدمی کی طرح ہے جس کی آنکھیں نکلی ہوئی ہوں اور کان اور ناک کٹے ہوتے ہوں اور اگر نماز کے اعمال پورے ہوں لیکن رُوح اور حقیقت نہ ہو ۔ تو اس نماز کی مثل ایسی ہے ۔ جیسے کسی کی آنکھیں تو ہوں لیکن ان میں بینائی نہ ہو ۔ اور کان تو ہوں لیکن سماعت نہ ہو ۔ اور نماز کی اصل رُوح خشوع و خضوع ہے اور تمام نماز میں حضوریٔ قلب ہے ۔ کیونکہ نماز کا اصل مقصد دل کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست رکھنا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ڈر اور تعظیم کے طریق پر تازہ کرنا ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ یعنی میری یاد کے لئے نماز پڑھا کر ۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں نماز میں سوائے رنج اور درماندگی کے اور کچھ حاصل نہیں ۔ کیونکہ وہ صرف جسم سے نماز پڑھتے ہیں اور ان کا دل غافل رہتا ہے ۔ اور فرمایا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں ۔ جن کی نمازوں میں سے صرف چھٹا یا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے اور نماز اسی قدر لکھی جاتی ہے ۔ جس حضوریٔ قلب ہو ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ کہ نماز اس طرح ادا کر جیسے کوئی کسی کو رخصت کرتا ہے ۔ یعنی حالت نماز میں اپنے آپ کو اور اپنی خواہشوں کو رخصت کر دے ۔ بلکہ تمام ماسوے اللہ کو رخصت کر دے ۔ اور پوری طرح اپنے آپکو مشغول کر ۔ اور اسی لئے جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے ہوتے تھے ۔ لیکن جب نماز کا وقت آجاتا ۔ تو نہ وہ ہمیں پہچانتے اور نہ ہم ان کو پہچانتے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہم پر اس قدر طاری ہو جاتی تھی ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نمازی کا دل حاضر نہیں ہوتا ۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں ۔ جناب خلیل علیہ السلام جب نماز ادا کرتے تھے ۔ تو دو میل سے ان کے دل کا جوش سنائی دیتا تھا ۔ اور جب حضور علیہ السلام نماز پڑھتے تو آپ کا دل اس طرح جوش کھاتا ۔ جیسے کوئی پانی سے بھری ہوئی تانبے کی دیگ آگ پر جوش کھاتی ہے اور آواز دیتی ہے اور جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو آپ کے بدن پر لرزہ شروع ہو جاتا اور رنگ متغیر ہو جاتا ۔ اور آپ فرماتے کہ اس امانت کے اٹھانے کا وقت آگیا ہے

ساتوں آسمان وزمین جس کے متحمل نہ ہو سکے۔ اور جناب سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی نماز میں خشوع نہیں ہے اس کی نماز نہیں ہے اور جناب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس نماز میں حضورِ قلب نہ ہو، وہ عذاب سے بہت نزدیک ہے۔ اور جناب معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں قصداً یہ دیکھے کہ اس کے دائیں بائیں کون کھڑا ہے۔ اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اگرچہ امام ابوحنیفہ اور شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ اور دیگر بہت سے علماء کہتے ہیں۔ کہ اگر پہلی تکبیر میں دل حاضر اور فارغ ہو تو نماز درست ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ فتویٰ ضرورت کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ کیونکہ غفلت لوگوں پر غالب ہے اور یہاں درستی کے یہ معنی ہیں کہ وہ نمازی شمشیر شریعت سے بچ گیا۔ لیکن آخرت کا تحفہ اسی قدر نماز ہوتی ہے۔ جس میں دل حاضر ہو۔ الغرض کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور صرف تکبیر اوّل کے وقت اس کا دل حاضر ہے امید ہے کہ ایسے شخص کا حال اس شخص سے بہتر ہو گا جو بالکل نماز نہیں پڑھتا ہے لیکن اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اس کا حال بدتر ہو۔ کیونکہ ایسے شخص پر زیادتی کی سختی کی جاتی ہے۔ جو سستی کیساتھ حاضر ہو بہ نسبت اس شخص کے جو بالکل حاضر ہی نہ ہو۔ اور اسی طرح حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایسی نماز جو بتوجہ دل ادا نہ کی جائے۔ عذاب سے زیادہ نزدیک ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنی نماز کو واہیات خیالات سے بچا نہ سکے۔ اسے نماز سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسا شخص خدا سے زیادہ دور ہو جاتا ہے پس ان تمام باتوں سے تجھے معلوم ہو گیا۔ کہ نماز باروح وہی ہے۔ جس میں اوّل سے آخر تک دل حاضر رہے۔ اور جس نماز میں سوائے پہلی تکبیر کے دل حاضر نہ ہو۔ اس میں سوائے ایک رمق روح کے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور اس کی مثال اس شخص کی ہے جو صرف ایک ہی دم کا مسلمان ہو۔

اعمال نماز کی حقیقت اور روح کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ پہلی چیز جو نماز کے متعلق پہنچتی ہے۔ وہ بانگ ہے مناسب ہے کہ جس وقت آذان سُنے۔ دل سے اس کی طرف متوجہ ہو۔ اور ہر کام سے ہاتھ اٹھالے کیونکہ سلف کا یہی قاعدہ تھا۔ جو ان میں سے لوہار ہوتا۔ اگرچہ اس نے ہتھوڑا اٹھایا ہوتا۔ لیکن آذان سُن کر فوراً رک جاتا اور ضرب نہ لگاتا۔ اور اگر کفش دوز ہوتا۔ تو وہ بھی اپنے ہتھیار کو رکھدیتا۔ اور آذان سنکر نہ ہلاتا۔ اور اس منادی سے قیامت کی ندا کو یاد کرے اور سمجھے کہ جو شخص اس فرمان کو سن کر جلدی کرے گا۔ قیامت کے روز اس کے لئے ندائے بشارت ہوگی اور اگر تو اپنے دل کو اس منادی آذان سے دیکھے تو سمجھ لے۔ کہ قیامت کی منادی میں تو اس طرح خوش رہے گا۔

طہارت:۔ طہارت کا راز یہ ہے کہ تو یہ سمجھے کہ بدن اور جامہ کی پاکی غلاف کی پاکی ہے اور اس پاکی کی روح دل کی طہارت اور پاکی ہے اور یہ توبہ اور پشیمانی اور اخلاق ناپسندیدہ سے پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور دل نظارہ گاہِ حق ہے۔ اور نماز کی حقیقت کی جگہ بھی دل ہے۔ اور بدن صرف نماز کی صورت کی جگہ ہے۔

ستر عورت:- کے یہ معنے ہیں کہ جو اعضا تیرے بدن کے زشت ہیں ان کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھ اور اس کی رُوح اور راز یہ ہے کہ جو کچھ تیرے باطن میں بُرائی ہے۔ اُسے اللہ تعالیٰ کی نظروں سے پوشیدہ رکھ اور جان لے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس کے کہ تو اپنے باطن کو ان چیزوں سے بچائے اور پاک کرے اور باطن اس طرح پاک ہوتا ہے۔ کہ تو اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کرے اور اس امر کا ارادہ کرلے کہ آئندہ ان کے نزدیک نہ جائے گا۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ ۔ یعنی گناہوں سے توبہ کرنا ایسا ہے۔ جیسے کبھی گناہ کیا ہی نہیں یعنی توبہ کرنے سے گناہ نابود ہو جاتے ہیں۔ اگر تجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو ان گناہوں پر خجالت۔ شرم اور خوف کا پردہ ڈال اور اپنے پروردگار کے حضور میں اس قدر شکستہ خستہ شرمسار حاضر ہو۔ جیسے کوئی بھاگا ہوا خطا کار غلام اپنے آقا کے سامنے ڈرتا ہوا پیش ہوتا ہے۔ اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے سر نہیں اٹھا سکتا۔

قبلہ رُو ہونا:- قبلہ کی طرف منہ کرنے کے یہ معنی ہیں۔ کہ اپنے ظاہری چہرہ کو تمام اطراف سے پھیر کر قبلہ رو ہو جائے اور اس کا راز یہ ہے۔ کہ اپنے دل کے چہرہ کو دونوں عالم سے پھیر کر حق تعالیٰ کی طرف مشغول کرے تاکہ ظاہر و باطن ایک ہو۔ اور جس طرح قبلہ ظاہر ایک ہے۔ اسی طرح قبلہ باطن بھی ایک ہے۔ یعنی ذات باری تعالےٰ۔ اور دل کو دوسرے خیالات میں لگانا ایسا ہی ہے۔ جیسے منہ کو ادھر ادھر پھیرنا اور جس طرح منہ کو ادھر ادھر کرنے سے نماز کی صحت نہیں رہتی۔ اسی طرح دل کے پریشان ہونے سے نماز کی رُوح اور حقیقت زائل ہو جاتی ہے اور اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص نماز کے لئے کھڑا ہو اور اس کی خواہش منہ اور دل تینوں چیزیں اللہ کے ساتھ مشغول ہوں تو وہ نماز سے اسی طرح باہر آتا ہے۔ جیسے کہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔ یعنی تمام گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ اور اسے سچ جان کہ جس طرح ظاہری چہرہ کو قبلہ کی طرف سے پھیر لینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ بعینہ اسی طرح دل کا اللہ تعالیٰ سے غافل رہ کر دوسرے خیال میں پریشان ہونا نماز کی رُوح اور حقیقت کو ضائع کر دیتا ہے۔ کیونکہ ظاہر جو ہے وہ باطن کا غلاف ہے۔ اور مطلب تو اس سے ہے۔ جو غلاف کے اندر ہے اور غلاف کی تو کوئی قدر و قیمت نہیں۔

قیام:- اس کا ظاہر یہ ہے کہ تو اپنی شخصیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے غلاموں کی طرح سر جھکا کر کھڑا ہو۔ اور اس کا راز یہ ہے۔ کہ دل تمام حرکات سے ٹھہر جائے اور عاجزی و تعظیم کے طریق پر خدمت کے لئے کمر بستہ ہو اور اس وقت چاہیئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا مقام یاد کرے جب کہ اس کے تمام بھید کھول دیئے جائیں گے اور سمجھ لے کہ وہ تمام بھید اس وقت بھی اللہ تعالےٰ کے نزدیک ظاہر ہیں۔ اور جو کچھ دل میں ہے یا رہا ہے۔ وہ جانتا ہے اور تمام ظاہر و باطن سے خبردار ہے اور تعجب یہ ہے کہ اگر اس کے نماز پڑھتے وقت کوئی صالح آدمی اس کو دیکھتا ہے کہ وہ کس طرح نماز ادا کرتا ہے۔ تو وہ صرف اسی صالح آدمی کے دیکھنے سے پہلے اپنے اعضاء کو مودب بنا

لیتا ہے اور ادھر ادھر نہیں دیکھتا اور اس سے شرم کھاتا ہے۔ اور نماز میں جلدی نہیں کرتا۔ اور نہ کسی دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ کیسی جہالت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتا۔ حالانکہ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور کیسی نادانی ہے کہ ایک ضعیف انسان سے شرم کرتا ہے۔ جس کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں۔ اور محض اس لئے مودب ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ لیکن ایک مالک الملوک سے نہیں ڈرتا۔ اور اس کے دیکھنے کو معمولی بات سمجھتا ہے اور اسی لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے کس طرح شرم کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس طرح تو اپنے گھر کے متقی اور صالح آدمی سے شرم کرتا ہے۔ اسی طرح حق تعالےٰ سے شرم کر اور اس تعظیم کے سبب سے بہت سے صحابہ نماز میں اس طرح ساکن ہوتے تھے کہ پرندان سے نہ بھاگتے تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ پتھر ہیں پس جس کسی کے دل میں اللہ تعالےٰ کی عظمت ہوتی ہے اور وہ اسے اپنا ناظر سمجھتا ہے۔ تو اس کا ہر عضو مودب اور خاشع بن جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی کو نماز میں داڑھی پر ہاتھ پھیرتا دیکھتے تھے تو فرماتے تھے کہ اگر اس کے دل میں تعالےٰ کا خوف ہوتا تو اس کا ہاتھ بھی دل کی صفت پر ہوتا۔

رکوع وسجود۔ کے ظاہری معنی بدن سے عجز کا اظہار کرنا اور اس کا اصل مقصد دل کی عاجزی ہے اور جو شخص یہ جانتا ہے۔ کہ چہرہ کا زمین پر رکھنا بہترین عضو کا خاک پر رکھنا ہے اور خاک سے بڑھکر اور کوئی چیز زیادہ خوار نہیں اور وہ سمجھے کہ اس کی اصل خاک اور اس کا وہی مرجع ہوگا۔ اور اپنی اصل کے مطابق تکبر کرے تاکہ اپنی بیکسی اور عاجزی کو پہچان لے پس اسیطرح ہر کام میں راز اور حقیقت ہے کہ اگر اس سے غافل ہو جائے تو اسکو سوائے نماز کی ظاہری صورت کے اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔

قرأت کی حقیقت اور اذکار نماز کا بیان

جاننا چاہئے کہ جو کلمہ بھی نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کے لئے حقیقت ہے اور اس کا جاننا ضروری ہے۔ اور لازم ہے کہ پڑھنے والے کا دل بھی اس صفت کے مطابق ہو تاکہ وہ سچا سمجھا جائے۔ مثلاً اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بزرگ ہے اور اس کو عقل و معرفت سے پہچانا جائے۔ اگر اسے یہ معلوم نہیں تو وہ جاہل ہے اور اگر وہ جانتا ہے۔ لیکن اس کے دل میں اللہ تعالےٰ سے زیادہ کسی اور کی عظمت موجود ہے تو وہ ایسا کہنے کے جھوٹا ہے اور اسے یہ کہا جائیگا۔ کہ یہ بات تو سچی ہے لیکن تو دروغ کہتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر کسی اور کا مطیع ہوگا۔ تو اس کے نزدیک وہ چیز اللہ تعالےٰ سے زیادہ باعظمت ہوگی۔ اور وہی چیز اس کی معبود اور اللہ ہوگی جس کا وہ مطیع ہے اور جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اَفَرَئَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اور جب وَجَّهْتُ وَجْهِيَ کہا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنے دل پر چہرہ کو تمام جہان سے پھیر کر اللہ تعالیٰ

کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اگر اس وقت اس کا دل کسی دوسری چیز کے خیال میں ہے تو اس کا یہ کہنا دروغ ہے۔ اور جب پہلے مناجات میں اللہ تعالےٰ سے پہلا ہی کلام جھوٹ ہو تو اس کے خطرات ظاہر ہیں اور جب حَنِیْفًا مُّسْلِمًا کہا تو اپنے مسلمان ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں پس چاہیئے۔ کہ اس صفت پر ہو۔ اس امر کا ارادہ کرے کہ میں ایسا ہی ہو جاؤں گا۔ اور جب اَلْحَمْدُ کہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے دل پر تازہ کرے اور اس کا تمام دل اللہ کا شکر گذار ہو۔ کیونکہ یہ حکم شکر کا ہے۔ اور شکر دل سے ہوتا ہے اور جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہے تو چاہیئے۔ کہ اخلاص کی حقیقت اس کے دل پر تازہ ہو۔ اور جب اِھْدِنَا کہے تو چاہیئے کہ اس کا دل تضرّع اور زاری کرے کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ سے ہدایت مانگتا ہے۔ اور تسبیح اور تہلیل و قرأت کے ہر کلمہ پر ایسا ہی بن جائے جیسا کہ وہ جانتا ہے اور اپنے دل کو اس کلمہ کی حقیقت سے متصف کرے۔ اس کی شرح بہت طویل ہے اگر چاہتا ہے کہ نماز کی حقیقت سے بہرہ ور ہو تو چاہیئے کہ ایسا ہی بن جائے۔ ورنہ نماز کی ظاہری حالت پر قناعت کرے۔

حضور قلب کے حاصل کرنیکا علاج

جان تو کہ نماز میں غفلت کی دو وجہ ہیں۔ ایک ظاہر اور ایک باطن، ظاہری وجوہات یہ ہیں کہ کسی ایسی جگہ نماز پڑھی جائے جہاں وہ کچھ دیکھتا ہے یا سنتا ہے اور دل اسی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دل آنکھ اور کان کا تابع ہے پس اس کا علاج یہ ہے کہ کسی ایسی جگہ نماز پڑھے۔ جہاں آواز نہ سن سکے۔ اگر کوئی تاریک جگہ ہو تو بہتر ہے یا آنکھ بند کرے کیونکہ بہت سے عابد نماز کے لئے ایک چھوٹا سا تاریک حجرہ بنا لیتے ہیں۔ تاکہ دل کسی کشادہ جگہ پر پراگندہ نہ ہو جائے۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما جب نماز ادا کرتے تھے۔ تو اپنے سے قرآن شریف۔ تلوار اور دیگر چیزیں جدا کر دیتے تھے۔ تاکہ دل ان کی طرف مشغول نہ ہو۔ اور دوسرے باطنی وجوہات ہیں اور وہ خیالات اور دل کا پراگندہ ہونا ہے اور اس کا علاج نہایت ہی مشکل اور دشوار ہے اور اس کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک تو کسی کام کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ نماز کے وقت دل اس کی طرف مشغول ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے اس کام کو ختم کرے۔ تاکہ دل کو اس سے فراغت حاصل ہو جائے۔ پھر بعد میں نماز پڑھے اور اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اگر طعام اور نماز کا ایک ہی وقت ہو۔ تو طعام پہلے کھا لیا جائے اور اسی طرح اگر کوئی بات کرنی ہو تو پہلے کہہ لے۔ اور بعد فراغت کے نماز ادا کرے۔ اور دوسری قسم ایسے کاموں کے اندیشہ کرنے کی ہے۔ جو ایک ساعت میں تمام نہ ہو سکیں یا واہیات خیالات جو عادت کے مطابق طبیعت پر غالب ہو چکے ہوں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ذکر اور قرآن جو نماز ادا کرتے وقت پڑھا جاتا ہے۔ اس کے معانی پر غور کرے اور دل کو ان کی طرف لگائے۔ تاکہ اس کے ایسا خیال کرنے سے اس کے بد خیالات دفع ہو جائیں۔ اگر خیالات کا غلبہ نہیں ہے اور کام کی خواہش بہت مضبوط نہیں ہے تو قرآن شریف

کے معانی پر غور کرنا اسے روک دے گا۔ اور اگر خواہش مضبوط ہے تو ایسا سوچنے سے اس کا خیال دفع نہ ہوگا۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ مسہل کھائے تاکہ مرض کا مادہ باطن سے دُور ہو جائے اور مسہل یہ ہے کہ اس چیز کو ترک کر دے جس سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ تاکہ اس سے نجات حاصل ہو اور اگر وہ نہ چھوڑ سکے گا۔ تو اس کے خیال سے کبھی نجات حاصل نہ کریگا اور اس کی نماز ہمیشہ نفس کی باتوں سے رلی مِلی رہے گی۔ اور ایسے شخص کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی درخت کے نیچے بیٹھے اور یہ چاہیے۔ کہ وہ چڑیوں کا بولنا نہ سُنے اور ایک لکڑی اٹھا کر ان کو درخت سے اڑا دے۔ اور وہ اسی وقت پھر آ بیٹھیں اگر وہ چاہتا ہے کہ ان سے نجات حاصل کرے تو اس کا علاج محض یہی ہے کہ اس درخت کو جڑ سے اکھیڑ ڈالے۔ کیونکہ جب تک درخت رہیگا۔ چڑیوں کا نشیمن ہوگا۔ اسی طرح جب تک کسی کام کی خواہش اس کے دل پر غالب رہے گی۔ خیالات پریشان ضرور آتے رہیں گے۔ اور یہ اس لئے تھا۔ کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ایک شخص عمدہ کپڑا بطور ہدیہ لایا۔ اور اس میں کچھ بیل بوٹے تھے۔ نماز کی حالت میں آپ کی نظر ان پر پڑی۔ تو نماز پڑھنے کے بعد اس کپڑے کو اتار ڈالا اور اس کے مالک کو واپس دے دیا۔ اور پرانا کپڑا پہن لیا۔ اسی طرح آپ کی نعلین مبارک میں ایک نیا تسمہ لگایا گیا تھا۔ حالت نماز میں آپ کی نظر اس پر پڑی۔ اور وہ اچھا معلوم ہوا۔ آپ نے اس تسمہ کو نکال دینے کا حکم دیا۔ اور پھر پرانا تسمہ ڈال دیا گیا۔ ایک دفعہ آپ نے ایک نئی نعلین بنوائیں۔ اور وہ آپ کو اچھی معلوم ہوئیں اور آپ نے سجدہ کیا اور کہا کہ میں اللہ تعالٰے سے عاجزی کرتا ہوں کہ وہ مجھے نعلین کو اس طرح دیکھنے سے اپنا دشمن نہ ٹھہرائے۔ اور جب آپ باہر تشریف لائے پہلا سائل جو جناب کو نظر آیا۔ جناب نے نعلین اس کو دے دیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے نخلستان میں نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ نے ایک خوشنما پرندہ کو دیکھا۔ کہ وہ درختوں کے درمیان اڑ رہا ہے۔ لیکن نکلنے کی راہ نہیں پاتا۔ اور آپ کا دل اس طرف مشغول رہا اور یہ یاد نہ رہا کہ آپ نے کتنی رکعت نماز ادا کی ہے۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے دل کا شکوہ کیا اور اس کے کفارہ میں اسی نخلستان کو صدقہ دے دیا۔ اور بہت سے اسلاف نے اس قسم کا عمل کیا ہے۔ اور حضور قلب کا یہی حال سمجھا جاتا ہے۔ اور جب تک حق تعالیٰ کا ذکر نماز سے پہلے دل پر غالب نہ ہوگا۔ نماز میں دل حاضر نہ ہوگا۔ اور خیال دل میں پہلے سے جما ہے وہ نماز کی حالت میں بھی دل سے دُور نہ ہوگا۔ اور جو شخص حضور دل سے نماز ادا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز سے پہلے اس کا علاج کرے۔ اور دل کو خالی بنائے اور یہ دنیا کے مشغلوں کو چھوڑنے سے ہوتا ہے۔ اور بقدر حاجت قناعت کرنے پر منحصر ہوتا ہے اور اس کا مقصد بھی محض دل کی فراغت ہو۔ اور جب تک عبادت پر اس کا التزام نہ ہوگا حضوری قلب نصیب نہ ہوگی ممکن ہے۔ کسی نماز میں ہو پس چاہئے کہ نفل زیادہ پڑھے اور دل کو حاضر رکھے۔ یہاں تک کہ چار رکعتوں کی بقدر دل حاضر ہونے لگے۔ کیونکہ نوافل سے فرائض کا تدارک ہوتا ہے۔

جماعت کے مسنون ہونیکے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ایک نماز باجماعت ستائیس تنہا نمازوں کے برابر ہے۔ اور جو شخص عشاء کی نماز باجماعت ادا کرتا ہے وہ ایسا ہے۔ جیسے اس نے نصف شب عبادت کی اور جو صبح کی نماز باجماعت پڑھتا ہے گویا اس نے تمام شب عبادت کی اور فرمایا۔ کہ جس شخص نے چالیس روز باجماعت نماز پڑھی اور کبھی پہلی تکبیر فوت نہیں ہوئی۔ اس کے لئے دو چیزوں سے نجات لکھی جاتی ہے۔ ایک نفاق سے اور دوسری دوزخ سے اور یہی وجہ تھی۔ کہ سلف میں سے جس کسی کی تکبیرِ اوّل فوت ہو جاتی تھی۔ وہ تین دن تک اپنی تعزیت کرتا۔ سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ متواتر بیس سال گذر گئے ہیں اور میں اذان سے پہلے مسجد میں ہوتا ہوں۔ بہت سے علماء نے کہا ہے کہ بلا عذر تنہا نماز پڑھنا درست نہیں۔ اس لئے جماعت کو لازم سمجھنا چاہیئے اور امامت و اقتدار کے آداب نگاہ رکھنے چاہیئیں۔ اوّل یہ کہ لوگوں کی خوشی و رضامندی حاصل کر کے امامت کرے اور اگر وہ نفرت کریں تو امامت سے عذر کرے اور اگر ایسے پسند کریں اور امامت کے لئے بلائیں تو بلا عذر رد نہ کرے۔ کیونکہ امامت کی فضیلت بلند ہے۔ اور مؤذن سے زیادہ ہے اور چاہیئے کہ طہارت کرتے وقت کپڑوں کی پاکیزگی کا خیال اور اوقاتِ نماز کا دھیان رکھے۔ اور اوّل وقت نماز پڑھے اور انتظارِ جماعت میں تاخیر نہ کرے۔ کیونکہ اوّل وقت نماز پڑھنا جماعت سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کیونکہ جب دو صحابہ رضی اللہ عنہما اکٹھے ہو جاتے تھے۔ تو تیسرے کا انتظار نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں زیادہ دیر سے پہنچے۔ تو صحابہ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام کر دیا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پہنچے۔ تو ایک رکعت ہو چکی تھی۔ جب نماز ہو چکی۔ تو صحابہ ڈرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ تم نے اچھا کیا اور ہمیشہ ایسا ہی کیا کرو۔ اور چاہیئے کہ امامت خالص اللہ کے لئے ہو۔ اور کوئی مزدوری نہ لی جائے اور جب تک صف درست نہ ہو جائے تکبیر نہ کہے اور تکبیریں کہنے میں بلند آواز سے کام لے اور امامت کی نیت کرے تاکہ ثواب حاصل ہو اگر نیت نہ کرے گا۔ تو جماعت درست ہو گی۔ لیکن ثواب جماعت نہ ملے گا۔ اور نمازِ جہری میں قرأت بلند آواز سے پڑھے اور تین وقفے بجا لائے۔ ایک جب کہ تکبیر کہہ اور اِنّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ الخ پڑھے اور مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھنے میں مشغول ہوں دوم جب سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ تو دوسری صورت ذرا ٹھہر کر پڑھے۔ تاکہ جس نے سورۃ فاتحہ ابھی ختم نہ کی ہو۔ وہ ختم کر لے اور جب سورہ ختم کرے تو اس قدر خاموش ہو جائے کہ تکبیر سورۃ کے آخر حصہ سے علیحدہ ہو اور مقتدی سوائے سورۃ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھے سوائے اس کے جو امام سے دور ہو اور امام کی آواز اس تک نہ پہنچ سکے۔ اور رکوع و سجود ہلکا کرے اور تین بار سے زیادہ تسبیح نہ کہے اور انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کسی کی نماز سبک تر اور کامل تر نہ تھی اور یہ اس وجہ سے تھا کہ مقتدیوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ضعیف ہو یا شاغل ہو اور مقتدی کو چاہیئے۔ کہ امام کے

۱؎ فجر، شام، عشاء ۱۲

بعد حرکت کرے نہ اس کے برابر جب تک امام کی پیشانی زمین تک نہ پہنچے سجدہ نہ کرے اور جب تک امام حدِ رکوع تک نہ پہنچ جائے رکوع کا ارادہ نہ کرے۔ کیونکہ اس کا نام متابعت ہے۔ اگر کوئی عمداً یا ارادۃً پہل کرے گا۔ تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اور جب سلام پھیر لیا جائے تو یہ دُعا پڑھنے سے زیادہ دیر تک نہ بیٹھے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَ اِلَیْكَ یَرْجِعُ السَّلَامُ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ اور جلدی سے اٹھ کھڑا ہو اور مقتدیوں کی طرف منہ کرے اور دُعا کرے اور مقتدیوں کو چاہیئے کہ امام سے پہلے نہ اٹھیں کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

نماز جمعہ کی فضیلت کے بیان میں

جمعہ کا دن نہایت بزرگ ہے اور اس کی فضیلت بہت بلند ہے اور مومنوں کے لئے عید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جس نے تین جمعہ بلا عذر ناغہ کئے اس نے اسلام کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے دل کو زنگ لگ گیا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ تبارک و تعالیٰ ہر جمعہ کو چھ لاکھ بندے دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے اور فرمایا کہ دوزخ کو ہر روز زوالِ آفتاب کے وقت بھڑکاتے ہیں۔ اس لئے اس وقت نماز مت پڑھو لیکن جمعہ کے روز پڑھو کیونکہ اس روز دوزخ کو نہیں بھڑکاتے۔ اور فرمایا جو شخص جمعہ کے روز مرتا ہے اس کے لئے شہادت کی خوش خبری ہے اور عذاب قبر سے اس کے لئے رہائی ہے۔

شرائط جمعہ:۔ جو دوسری نمازوں کے شرائط ہیں وہی جمعہ کے ہیں۔ لیکن علاوہ ان کے چھ شرائط اور جمعہ کیلئے مخصوص ہیں۔ نماز جمعہ کے لئے پہلی شرط وقت کی ہے یہاں تک کہ اگر امام مثلاً دیگر کی نماز کے بعد سلام دے تو نماز جمعہ فوت ہو جاتی ہے۔ پھر چاہیئے۔ کہ نماز ظہر ادا کرے۔ شرط دوم جگہ کے متعلق ہے۔ کیونکہ یہ نماز صحرا اور خیمہ وغیرہ میں درست نہیں شہر میں ادا کرنی چاہیئے یا کسی ایسے گاؤں میں جہاں چالیس مرد آزاد بالغ رہتے ہوں۔ اگر مسجد میں نہ ہو تب بھی درست ہے شرط سوم تعداد ہے۔ یعنی جب تک چالیس مرد آزاد بالغ حاضر نہ ہوں درست نہیں اور اگر اس تعداد سے خطبہ و نماز میں کم ہوں تو یہ ظاہر ہے کہ نماز درست نہیں۔ شرط چہارم جماعت ہے۔ اگر ہر شخص علیحدہ علیحدہ نماز جمعہ ادا کرے گا۔ تو درست نہ ہوگا۔ اور کوئی آخر رکعت جماعت کی پا لے۔ اس کی نماز درست ہو گی اور اگرچہ وہ دوسری رکعت میں تنہا ہو۔ اگر وہ دوسری رکعت کو رکوع کی حالت میں نہ پائے تو لازم ہے کہ اقتدار کرے اور نیت نماز ظہر کی کرے۔ شرط پنجم۔ ایک جگہ کی نماز سے زیادہ ایک ہی شہر میں نماز جمعہ نہیں ہونی چاہیئے۔ اور اگر کوئی شہر بہت بڑا ہے جس کی ایک مسجد میں لوگوں کی سمائی مشکل ہے تو ایسی حالت میں دو جگہ جمعہ پڑھے جا سکتے ہیں۔ اور اگر لوگ بے تکلف مسجد میں سما سکتے ہیں اور لوگ نماز جمعہ مختلف

اے اللہ سلامتی تو ہی ہے اور سلامتی تجھی سے ہے اور سلامتی تیری طرف پھرتی ہے۔ پس اے پروردگار مجھے سلامتی سے زندہ رکھ۔ اور مجھے جنت میں داخل کر۔ اے ہمارے پروردگار تو برکت والا اور بزرگ ہے اور صاحب بزرگی و بخشش ہے۔

مساجد میں ادا کرتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں وہی نماز جمعہ درست ہوگی۔ جس کی تکبیر اول پہلے ہوگی۔ شرط ششم دو خطبوں کی نماز سے پہلے پڑھنا ہے۔ اور وہ دونوں فرض ہیں اور دونوں خطبات کے درمیان بیٹھنا بھی فرض ہے۔ اور کھڑا رہنا بھی فرض ہے۔ پہلے خطبہ میں چار چیزیں فرض ہیں تحمید یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔ اور لوگوں کو تقویٰ کی وصیت کرنا اُوصِیکُم بِتَقوَی اللہِ اور قرآن شریف کی ایک آیت پڑھنا کافی ہے اور دوسرے خطبہ میں بھی چار چیزیں فرض ہیں۔ لیکن صرف قرآن شریف کی آیت کے عوض دعا فرض ہے اور نماز جمعہ عورتوں، غلاموں، بچوں، مسافروں کے لئے واجب نہیں اور بہ سبب کسی عذر کے ترک جمعہ درست ہے۔ مثلاً کیچڑ، مینہ، بیماری یا کسی کی تیمار داری۔ لیکن معذور کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ سب لوگ جمعہ سے فراغت حاصل کریں تو وہ ظہر کی نماز ادا کرے۔

آداب جمعہ:۔ جمعہ کے لئے دس سنت اور آداب کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اوّل یہ کہ پنجشنبہ کے روز سچے دل سے سفید کپڑوں کی تیاری سے جمعہ کا استقبال کرے اور پہلے ہی سے اپنے شغل کو چھوڑ دینا۔ تاکہ صبح بفراغت نمازگاہ میں آسکے اور پنجشنبہ کے روز نماز دیگر کے وقت خالی بیٹھے۔ اور تسبیح و استغفار میں مشغول ہو کیونکہ اس ساعت کی فضیلت بزرگ ہے اور اس بزرگ ساعت کے مقابلہ میں ہے۔ جو جمعہ کے روز ہوگی۔ اور کہا گیا ہے کہ اس رات عورت سے صحبت کرنا سنت ہے تاکہ یہ امر مرد و عورت دونوں کے لئے روز جمعہ غسل کا سبب ہو۔ دوم یہ کہ صبح کے وقت غسل میں مشغول ہو بشرطیکہ مسجد میں جلد جانے کی خواہش ہو۔ ورنہ تاخیر اولیٰ ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کے لئے تاکید شدید فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ بعض علما غسل جمعہ کو فرض جانتے ہیں۔ اور اگر اہل مدینہ کسی کو درشت کلامی سے پیش آتے تو یہ کہتے کہ تو اس سے بدتر ہے جو جمعہ کے لئے غسل نہیں کرتا۔ اگر جمعہ کے دن کوئی شخص حالت جنابت میں ہو۔ اور جب وہ غسل جنابت کرے۔ تو بہتر یہی ہے کہ غسل جمعہ کی نیت سے پانی اپنے بدن پر ڈالے۔ اور اگر ایک ہی غسل میں دونوں نیت کرے تو تب بھی جائز ہے اور غسل جمعہ کی فضیلت میں وہ شامل ہے اور سوم یہ کہ آراستہ اور پاکیزہ اچھی شکل بنا کر مسجد میں آئے۔ اور پاکیزگی کے معنی یہ ہیں کہ ناخن کٹوائے اور بال منڈوائے اور مونچھوں کے بال کٹوائے۔ اور اگر پہلے ہی یہ امور کر چکا ہے تو کافی ہے اور آراستگی سفید کپڑوں سے مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ تمام کپڑوں سے زیادہ سفید کپڑوں کو دوست رکھتا ہے اور نماز اور مسجد کی تعظیم کی غرض سے خوشبو لگائے۔ تاکہ اس سے بدبو نہ آئے۔ کسی کے لئے رنجش اور غیبت کا باعث نہ ہو۔ چہارم صبح کے وقت ہی جامع مسجد میں جانا۔ کیونکہ اس کی فضیلت بہت ہے۔ اگلے زمانے میں لوگ چراغ لے کر جاتے تھے۔ اور راستہ میں بھیڑ کے سبب چلنا دشوار ہوتا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن جامع مسجد میں گئے وہاں تین آدمی پہلے سے موجود تھے اپنے پر غصے ہوئے۔ اور کہا کہ جب تو درجہ چہارم میں ہے۔ تو تیرا انجام کیا ہوگا۔ اور یہ کہا گیا ہے۔ کہ پہلی بدعت

جو اسلام میں ہوئی وہ اس سنت کو ترک کرنا تھا۔ کہ یہود و النصاریٰ تو روز شنبہ اور یک شنبہ کو صبح ہی اپنے اپنے معبدوں میں جائیں اور مسلمان روز جمعہ کو جو خالص اسلامی دن رہے۔ سویرے جانے سے قاصر رہیں تو خدا جانے ان کا کیا حال ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز پہلی ساعت میں مسجد میں جاتا ہے۔ اس کو ایک اونٹ کی قربانی کا ثواب ملتا ہے اور جو دوسری ساعت میں جاتا ہے۔ اس کے لئے گائے ذبح کرنے کا ثواب ہے اور جو تیسری ساعت میں جاتا ہے اس کے لئے بکری قربان کرنے کا ثواب ہے۔ اور جو چوتھی ساعت میں جاتا ہے اس کے لئے ایک مرغی قربان کرنے کے برابر ثواب ہے اور جو پانچویں ساعت میں جاتا ہے اس کے لئے ایک انڈا قربان کرنے کا ثواب ہے۔ اور جب خطیب اپنے مکان سے باہر نکلتا ہے تو جو فرشتے ان احکامات کو لکھتے ہیں وہ اپنے کاغذ لپیٹ کر خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جو بعد میں آتا ہے۔ اس کے لئے فضیلت نماز کے سوا کوئی دوسری فضیلت نہیں۔ پانچویں اگر دیر سے آئے۔ تو لوگوں کی گردنوں پر پاؤں نہ رکھے یعنی ان پر سے نہ پھاندے۔ حدیث شریف میں ہے اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو قیامت کے روز اسے پل بنائیں گے۔ اور لوگ اس پر سے گذریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا۔ نماز کے بعد حضور نے فرمایا۔ کہ تو نے نماز جمعہ کیوں نہیں پڑھی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں حضورؐ کے ہمراہ موجود تھا۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ تو لوگوں کی گردنوں پر اپنے پاؤں رکھتا تھا اور جو شخص ایسا کرتا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ گویا اس نے نماز نہیں پڑھی۔ اگر صفِ اوّل خالی ہے۔ تو یہ جائز ہے کہ پہلی صف میں کھڑا ہونے کا قصد کرے۔ کیونکہ یہ ان لوگوں کی تقصیر ہے جنہوں نے پہلی صف کو نامکمل چھوڑ دیا۔ چھٹا یہ کہ جو شخص نماز میں ہو اس کے آگے سے نہ گذرے اور جب بیٹھے تو کسی دیوار یا ستون کے نزدیک بیٹھے تاکہ کوئی اس کے سامنے سے نہ گذر سکے۔ کیونکہ نماز کی حالت میں کسی کے آگے سے گذرنا منع ہے حدیث شریف میں ہے کہ خاک ہو جائے۔ اور ہوا اس کو اڑا کر پریشان کر دے۔ یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ نماز کی حالت میں کسی کے آگے سے گذرے۔ ساتواں یہ کہ صف اوّل میں بیٹھے۔ اگر نہ ہو سکے تو جو صف نزدیک ہو اس میں بیٹھے کیونکہ اس کی فضیلت بہت ہے اور اگر پہلی صف میں لشکری لوگ ہوں یا وہ جنہوں نے اطلس کے کپڑے پہنے ہوں یا خطیب سیاہ ریشمی لباس میں ہو یا اس کی تلوار میں سونا لگا ہوا ہو۔ یا اور کوئی برائی ہو تو جس قدر ان سے دور ہوگا۔ بہتر ہوگا کیونکہ جس جگہ کوئی برائی ہو وہاں قصداً نہ بیٹھنا چاہیئے۔ آٹھواں یہ کہ جب خطیب باہر نکلے یعنی خطبہ کے لئے آئے۔ تو پھر کوئی بات نہ کرے اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جائے اور اگر کوئی باتیں کرے۔ تو اسے اشارہ سے خاموش کر دے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس کسی نے خطبہ کے وقت زبان سے کسی کو چپ رہ یا متوجہ ہو۔ کہا۔ اس نے ایک بیہودہ فعل کیا۔ اور جو شخص جمعہ میں بیہودہ فعل کرے اس کی نماز نہیں۔ اور اگر دور بھی ہو اور خطبہ نہ سن سکے تب بھی چاہیئے کہ خاموش رہے اور جس جگہ باتیں ہوتی ہوں وہاں نہ بیٹھے اور سوائے نماز تحیۃ المسجد کے کوئی نماز نہ پڑھے۔ نواں یہ کہ جب نماز سے فارغ ہو تو سات بار الحمد

اور سات بار قل ہو اللہ اور سات بار معوذتین پڑھے، حدیث شریف میں ہے کہ ہر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک شیطان سے بچنے کیلئے پناہ ہے اور یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ یَاغَنِیُّ یَاحَمِیْدُ یَامُبْدِیُٔ یَامُعِیْدُ یَارَحِیْمُ یَاوَدُوْدُ اَکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ ۔ کہا گیا ہے جو شخص اس دعا پر مداومت کریگا، اس کو خزانہ غیب سے رزق ملیگا۔ اور وہ لوگوں سے بے نیاز رہیگا، اور پھر چھ رکعت نماز سُنّت ادا کرے، کیونکہ اسقدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، دسواں یہ کہ یہاں تک مسجد میں رہے کہ نماز دیگر پڑھے، اور اگر شام تک رہے تو اس کی بہت فضیلت ہے اور فرمایا ہے، کہ کہ اس کا ثواب حج اور عمرہ کے برابر ہے، اور اگر مسجد میں نہ بیٹھ سکے تو گھر جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ رہے تاکہ وہ مبارک ساعت جو جمعہ کے دن ہے اس سے غافل نہ رہے، تاکہ اس کی فضیلت سے محروم نہ ہو۔

روز جمعہ کے آداب کے بیان میں: چاہیئے کہ جمعہ کے روز سات فضیلتیں طلب کرے، اوّل یہ کہ بوقت صبح مجلس علم میں حاضر ہو اور فسانہ گوؤں اور ان کی صحبت سے دُور رہے، اور کسی ایسے شخص کی صحبت میں حاضر ہو کہ جس کی باتوں سے اور صحبت سے دُنیا کی رغبت دِل سے کم ہو جائے، اور آخرت کی جانب رغبت ہو، اور جس کا کلام ایسا نہ ہو۔ یعنی جس سے اس قسم کی باتیں حاصل نہ ہوں، وہ مجلس علم نہیں ہے اور جو شخص ایسا صاحب تاثیر ہے، اس کی مجلس میں بیٹھنا ہزار رکعت سے افضل ہے۔ دوم جمعہ کے دن ہی ایک ایسی ساعت بزرگ و عزیز ہے، کہ حدیث شریف میں وارد ہے، کہ اس ساعت میں جو حاجت طلب کیجائے وہ پوری ہوگی، اور اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ساعت سعید طلوع آفتاب کے وقت ہے یا زوال آفتاب کے وقت ہے، یا غروب آفتاب کے وقت ہے یا بانگ نماز کے وقت ہے یا خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہے یا نماز کے کھڑے ہونے کے وقت ہے یا نماز عصر کے وقت ہے، صحیح یہی ہے کہ اس ساعت عزیز کا وقت معلوم نہیں، شب قدر کی طرح مبہم ہے پس لازم ہے، کہ تمام روز اس ساعت کا انتظار کرے۔ اور کسی وقت بھی ذکر و عبادت سے خالی نہ ہو، سوم اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز اسی بار مجھ پر درود بھیجے گا، اس کے اسی برس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح درود پڑھا جائے۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَکَ رِضًا وَّلِحَقِّہٖ اَدَآءً وَّاَعْطِہِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَاجْزِہٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَاجْزِہٖ اَفْضَلَ مَا جَزَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصّٰلِحِیْنَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ○ یہ کہا گیا ہے، کہ جو شخص جمعہ کے روز یہ درود شریف سات بار پڑھے گا، اُسے بلاشک وشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہوگی، اور اگر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ سے زیادہ نہ پڑھے تب بھی کافی ہے، چہارم اس روز قرآن شریف کی زیادہ تلاوت کرے اور خصوصاً سورۂ کہف تلاوت کرے، کیونکہ حدیث میں اس کی فضیلت بہت مذکور ہے، اور عابدان سلف کی یہی

عادت رہی ہے، اور روز جمعہ ہزار بار صلوٰۃ اور ہزار بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔
پڑھنا درجات عظیمہ کے حصول کا سبب ہے۔ پنجم نماز بہت پڑھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جو شخص جامع مسجد
میں جائے اور داخل ہوتے ہی چار رکعت نماز پڑھے۔ اور ہر رکعت میں چار بار الحمد اور پچاس بار قل ہو اللہ احد پڑھے
وہ اس جہان فانی سے اس وقت تک نہ جائے گا، جب تک کہ اپنی جگہ بہشت میں نہ دیکھ لے گا۔ یا اس کی خوشخبری نہ پالیگا
اور مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے دن چار رکعت نماز پڑھے، اور اس میں چار سورت تلاوت کرے۔ الانعام۔ کہف
طٰہٰ۔ یٰسٓ اور اگر یہ نہ پڑھ سکے، تو سورۂ سجدہ۔ لقمان۔ الدخان۔ الملک پڑھ لے، اور ابن عباس رضی اللہ
تعالےٰ عنہ جمعہ کے دن کبھی بھی نماز تسبیح کو ناغہ نہ کرتے تھے، اور وہ مشہور نماز ہے اور بہتر یہی ہے، کہ وقت زوال تک
نماز پڑھے، اور اس کے بعد نماز شام تک تسبیح و استغفار میں مشغول رہے۔ ششم جمعہ کے روز صدقہ ضرور دے
زیادہ نہ ہو تو روٹی کا ٹکڑہ ہی سہی، کیونکہ اس روز صدقہ کی فضیلت بہت ہے۔ اور جو سائل خطبہ کے وقت کوئی چیز
طلب کرے اُسے تنبیہ کر دے، کیونکہ ایسے وقت میں کچھ دینا مکروہ ہے۔ ہفتم تمام ہفتہ میں اس روز جمعہ کو آخرت کے
لئے مسلّم رکھے، اور باقی روز کاروبارِ دنیوی کرے، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا
فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔[1] انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنے خرید و فروخت اور کسب
دُنیا نہیں ہے، بلکہ طلب علم ہے، اور بھائیوں کی زیارت اور بیماروں کی عیادت اور جنازہ کے ساتھ جانا اور ہر
اس قسم کے کام مراد ہیں۔ مسئلہ: نماز کے لئے جو ضروری باتیں تھیں وہ بیان کر دی گئی ہیں، دیگر مسائل بوقت ضرورت
دریافت کرنے چاہئیں، کیونکہ اس کتاب میں تمام کی شرح نہیں ہو سکتی۔ نماز کی نیت میں وسوسہ اکثر ہوتا ہے۔
اور اس کی نسبت اشارہ کیا گیا ہے، کہ یہ وسوسہ اس شخص کو ہوتا ہے، جس کی عقل درست نہ ہو یا وہ سودائی ہو یا شریعت
سے جاہل ہو، اور نیت کے معنیٰ نہ جانتا ہو، کہ نیت اس رغبت سے مراد ہے جس کی وجہ سے آدمی اللہ تعالےٰ کی
فرمانبرداری کیلئے کھڑا ہوتا ہے، اور منہ قبلہ کی طرف کرتا ہے، جیسے تجھ سے کوئی شخص کہے کہ فلاں عالم آرہا ہے اس
لئے اُٹھ اور تعظیم بجا لا، تو تو یہ نہیں کہیگا کہ میں فلاں عالم کیلئے فلاں شخص کے حکم کے مطابق کھڑا ہوتا ہوں، بلکہ یہ نیت
کھڑے ہوتے وقت خود بخود تیرے دل میں ہوگی، بلا اس کے کہ تو زبان یا دل سے کہے اور جو کچھ تو زبان سے کہے گا، وہ
حدیث نفس ہوگی نہ کہ نیت۔ نیت تو وہی رغبت ہے، کہ جس کی وجہ سے تو کھڑا ہو گیا، لیکن یہ جاننا ضروری ہے، کہ
نیت کیلئے حکم کیا ہے، مثلاً نماز عصر ہے یا نماز ظہر ہے، جب اس بات سے یعنے یہ جان لینے سے دل غافل نہ ہو، تو اللہ
اکبر کہے اور اگر دل غافل ہے، تو یاد کرے، اور یہ گمان نہ کرے کہ معنیٰ ادا اور فرض اور نماز ظہر سب یکبار مفصل دل میں جمع
ہوں، لیکن جو دل کے نزدیک ہوں اسے باہم جمع کرلے، اور اسی قدر نیت کیلئے کافی ہے، اگر کوئی تجھے کہے کہ نماز ظہر

---

[1] پس جب نماز پوری کی جاچکے تو پھیل جاؤ زمین میں، اور طلب کرو رحمت اللہ کی۔

پڑھی ہے تو تو اس وقت کہے گا کہ ہاں، لیکن جس وقت تو ہاں کہے گا، یہ تمام معنے تیرے دل میں موجود ہوں گے مفصل نہ ہوں گے، پس تجھے اپنے لئے یاد دلانا اس شخص کے پوچھنے کے برابر ہے، اور اللہ اکبر کہنا ایسا ہے جیسے ہاں کہنا اور جو کوئی اس سے زیادہ کھوج ڈھونڈھے گا۔ وہ اپنی نماز اور دل کو پراگندہ کرے گا، پس آدمی کو چاہیئے کہ آسان امر اختیار کرے اور جب اس طرح پر کرے گا جس صفت پر بھی ہو گا، نماز درست ہو گی، کیونکہ نماز کی نیت بھی دوسرے کاموں کی نیت کی طرح ہے، اور یہی سبب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو بھی نیت میں شبہ نہ تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ یہ کام آسان ہے، اور جو شخص یہ نہیں جانتا، وہ جاہل ہے۔

اصل پنجم زکوٰۃ دینے کے بیان میں

زکوٰۃ دینا ارکان مسلمانی میں سے ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ اسلام کی بنا پانچ اصولوں پر ہے، اول کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ۔ دوم نماز، سوم زکوٰۃ، چہارم روزہ، پنجم حج، حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص زر و سیم کے مالک ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے، ان کے سینہ پر ایسے داغ لگائے جائیں گے، کہ ان کی پیٹھ سے باہر نکل آئیں گے، اور جو شخص چارپائے رکھتا ہے، اور زکوٰۃ نہیں دیتا، قیامت کے دن وہ چارپائے اس پر مسلط کر دیئے جائیں گے، تاکہ وہ سینگوں سے مالک کو ماریں اور پاؤں تلے روندیں، اور جب تمام چارپائے اس پر سے گزر جائیں گے تو آگے والے پھر اسے روندنا شروع کریں، اور دوسری بار اسی طرح پامال کریں گے، یہاں تک کہ تمام خلق کا حساب ہونے اور یہ حدیث صحیح ہے، پس علم زکوٰۃ کا سیکھنا مالداروں پر فرض ہے۔

اقسام زکوٰۃ اور اسکے شرائط کے بیان میں جاننا چاہیئے کہ چھ قسم کی زکوٰۃ واجب ہے، پہلی چارپایوں کی زکوٰۃ اور اس میں اونٹ، گائے، بکری شامل ہے، لیکن گدھا، گھوڑا، اور دوسرے حیوانات کی زکوٰۃ نہیں ہے، اور یہ زکوٰۃ چار شرائط سے واجب ہے، اول یہ کہ حیوانات گھر میں نہ پلے ہوں، بلکہ چراگاہ میں چرتے ہوں، تاکہ ان پر زیادہ خرچ نہ آئے، اور اگر تمام سال گھر میں چارہ دیا گیا تو ان پر خرچ زکوٰۃ جتنا ہو گیا ہو، تو پھر زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ شرط دوم، اگر ایک سال اس کے ملک میں رہیں، اور سال کے اندر اس کی ملکیت سے نکل جائیں، تو تب بھی زکوٰۃ نہ رہے گی، اور اگر اس سال میں بچے پیدا ہوں گے تو وہ حساب میں شمار کئے جائیں گے اور اصل مال کی تبعیت میں ان کی زکوٰۃ واجب ہو گی، شرط سوم، اگر اس مال کی وجہ سے دولتمند ہو گیا ہو، اور اس کے تصرف میں رہا ہو، اگر وہ گم ہو جائے، یا کوئی ظالم اس سے لوٹ لے تو پھر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی، لیکن اگر تمام جانور بمعہ تمام منافع کے اسے پھر مل جائیں، اس پر گذشتہ زکوٰۃ بھی واجب ہو گی، اور اگر کوئی شخص اس قدر مال رکھتا ہے کہ اتنا ہی اس پر قرض بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی، کیونکہ وہ حقیقت درویش ہے، شرط چہارم اگر اس کے پاس مال بقدر نصاب ہے، اور وہ اسی کے سبب سے تونگر

ہوتا ہے، اور تھوڑے مال سے تونگر نہیں ہوتا، تو جب تک اس کے پاس پانچ اونٹ نہ ہوں گے، اُن کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور جب پانچ اونٹ ہو جائیں تو ایک بکری زکوٰۃ دینا واجب ہے، اور اگر دس اونٹ ہوں تو دو بکریاں اور اگر پندرہ ہوں تو تین بکریاں اور اگر بیس ہوں تو چار بکریاں زکوٰۃ دینی واجب ہونگی، اور بکری کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو اور اگر بکرا ہے تو دو سال سے کم نہ ہو، اور اگر پچیس اونٹ ہوں، تو ایک اونٹنی جس کی عمر ایک سال کی ہو، زکوٰۃ میں دے اگر ایک سال کی اونٹنی نہ ہو تو دو سال کا اونٹ دیدے، اور جب تک چھتیس اونٹ نہ ہو جائیں اس سے زیادہ زکوٰۃ واجب نہیں اور جب چھتیس ہو جائیں تو تین سال کی اونٹنی دے، اور اگر اکسٹھ[۶۱] ہوں تو چار سال کی اونٹنی دے، اور اگر چھہتر ہوں تو دو دو سال کی دو اونٹنیاں دے، اور اگر اکانوے[۹۱] ہوں تو دو اونٹنیاں تین تین سال کی دے اور اگر ایک سو اکیس[۱۲۱] ہوں تو تین اونٹنیاں دو دو سال کی دیں، اور پھر یہ حساب کریں، کہ ہر پچاس میں تین سال کی اونٹنی اور ہر چالیس میں دو سال کی اونٹنی زکوٰۃ میں دے لیکن گائے اور بیل جب تک تیس[۳۰] کی تعداد تک نہ ہوں زکوٰۃ واجب نہیں، اور جب تیس ہو جائیں تو ایک سال کا بچھڑا زکوٰۃ میں واجب ہے، اور چالیس ہوں تو دو سال کا، اور اگر ساٹھ ہوں تو ایک ایک سال کے دو، اور پھر اس طرح پر حساب کرلے، کہ ہر چالیس[۴۰] میں ایک دو سالہ اور ہر تیس میں ایک یکسالہ بچھڑا زکوٰۃ میں دینا واجب ہے، لیکن بکری چالیس میں سے ایک، اور ایک صد اکیس[۱۲۱] میں سے دو، اور دو سو ایک میں سے تین اور چار سو میں سے چار، اسی حساب کے مطابق ہر سو میں سے ایک بکری زکوٰۃ میں دینا واجب ہے، اور خیال رہے، کہ بکری ایک سال سے کم نہ ہو، اور بکرا دو سال سے کم نہ ہو اور اگر دو آدمی اپنی اپنی بکریاں اکٹھی رکھتے ہیں، اور دونوں صاحب زکوٰۃ ہیں، یعنے ان میں سے ایک کافر اور مکاتب نہیں، تو دونوں کا حصہ ایک ہی مال کا حکم رکھتا ہے، اور اگر دونوں کی بکریاں ملا کر بھی چالیس[۴۰] سے زیادہ نہ ہوں تو ہر ایک پر آدھی آدھی بکری زکوٰۃ میں واجب ہے اور اگر دونوں کی بکریاں ملا کر ایک سو بیس[۱۲۰] بکریاں ہیں، تو دونوں کے لئے ایک بکری دینا کافی ہے، قسم دوم، غلہ وغیرہ کی زکوٰۃ کے متعلق ہے، جس کسی کے پاس آٹھ سو من گندم یا جو یا خرما یا منقے یا کوئی ایسی چیز جو کسی گروہ کی غذا ہو سکتی ہے، کہ وہ اس پر کفایت کر سکے، جیسے مونگ، چنا، چاول وغیرہ تو اس میں سے اس کا عشر یعنی دسواں حصہ دینا واجب ہے، اور جو غذا نہ ہو، مثلاً روئی کتان وغیرہ اور میوہ جات اس میں سے دسواں حصہ واجب نہیں، اور اگر چار سو من گندم اور چار سو من جو ہیں، تو عُشر واجب نہیں، کیونکہ زکوٰۃ ایک جنس کے قابل زکوٰۃ ہونے پر واجب ہوتی ہے اور اگر پانی نہر کاریز سے نہ لیا ہو، یعنے نل اور منبع وغیرہ سے کھیت کو سیراب کیا ہو بلکہ دولاب سے لیا گیا ہو، تو ایسی حالت میں بھی دسواں حصہ واجب نہیں، اور زکوٰۃ میں انگور اور تر خرما وغیرہ دینا بھی درست نہیں، بلکہ منقی اور خشک خرمے دینے چاہئیں، اور اگر انگور خشک ہو کر منقے نہ ہوتا ہو تو تر انگور دینا درست ہے، اور جب انگور پک جائے اور گندم کے دانے سخت ہو جائیں، ہرگز ہرگز اس وقت اپنے تصرف میں نہ لائے جبتک کہ درویشوں کے حصہ کا اندازہ نہ کرلے، درویشوں کے حصہ کے اندازہ کے بعد تصرف میں لانا درست ہے قسم سوم

چاندی سونے کی زکوٰۃ ہے، دوسو درہم چاندی میں سے پانچ درہم آخر سال میں بطور زکوٰۃ دینا واجب ہے اور خالص سونے کے دینار میں سے، نصف دینار دینا واجب ہے، اور یہ دس ایک کی چوتھائی ہے (یعنے دو سو درہم کا دسواں حصہ بیس ہوتے ہیں، اور پانچ درہم بیس درہم کی چوتھائی ہے، اسی طرح بیس دینار کا دسواں حصہ دو دینار ہوتے ہیں، اور نصف دینار دو کی چوتھائی ہوتے ہیں، اور جس قدر سونا چاندی زیادہ ہو، اس حساب سے اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے اور سونے چاندی کے برتنوں اور گھوڑے کے ساز اور تلوار پر اور جو سونا لگا ہوا ہو، اور جو اشیاء سونے چاندی کی ناجائز ہونگی ان پر زکوٰۃ واجب ہے، اور جو زیور مرد و عورت کو رکھنا جائز ہے، اس پر زکوٰۃ واجب[١] نہیں، اور جو سونا چاندی دوسروں کے پاس اس طرح رکھا ہو کہ جب چاہے لے لے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے **قسم چہارم** مال تجارت کی زکوٰۃ ہے اگر بیس دینار کی کوئی چیز بغرض تجارت خریدے اور ایک سال ہو جائے تو اس پر بیس دینار نقد کی زکوٰۃ واجب ہے اور جو کچھ اس سے منافع ہوا ہے وہ بھی حساب میں آئے گا پس سال کے آخر میں مال کی قیمت معلوم کرے، اگر سرمایہ زر سے خریدا ہوا ہے، تو اسی زر کے حساب سے زکوٰۃ دے۔ اور اگر نقدی سے نہیں خریدا گیا، تو وہ نقدی جو شہر میں عام طور پر رائج ہو، اس کے حساب سے زکوٰۃ دے، اور اگر اس کے پاس کچھ متاع ہے، اور تجارت کی غرض سے اس کے عوض میں کوئی چیز مول لیتا ہے تو مجرد نیت کے اول سال اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی لیکن اگر وہ نقد اور بقدر نصاب ہے، تو مجرد مالک ہونے کے ہی صاحب نصاب ہوگا، اور اگر سال کے درمیان میں تجارت کا ارادہ چھوڑ دے گا، تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی واللہ اعلم۔ **قسم پنجم** زکوٰۃ فطر ہے، ہر وہ مسلمان جو عید رمضان کی رات کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے جو عید کے دن استعمال میں آئے، گھر اور کپڑوں کے علاوہ اور وہ جو ضروری اشیاء ہوں، ان سے زیادہ استطاعت رکھتا ہے تو اس پر ایک صاع[٢] طعام اس جنس سے جو اس نے خود کھایا ہے، دینا واجب ہے اور اگر گندم کھاتا ہے، تو اس کے بدلہ میں جو دینا واجب نہیں، اور اگر جو کھاتا ہے تو گندم دینا واجب نہیں، اور اگر اس نے ہر جنس سے کھایا ہے، تو جو اس میں سے بہتر ہو، وہ دے اور گندم کے بدلے آٹا وغیرہ دینا بھی ٹھیک نہیں اور یہ امام شافعی کے نزدیک ہے، اور جس کا نفقہ اسکے ذمہ واجب ہے، اس کا صدقہ فطر بھی اسی کے ذمہ ہے، جیسے جورو، لڑکے، ماں، باپ، لونڈی و غلام دو آدمیوں کے مشترک ہوں، تو دونوں پر صدقہ فطر واجب ہے، اور اگر لونڈی، غلام، کافر ہو تو اس کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے، اور اگر جورو اپنا صدقہ فطر خود دے تو بھی جائز ہے، اور اگر خاوند بلا اجازت جورو خود اس کی طرف سے دیدے۔ تب بھی درست ہے بس اسقدر احکام زکوٰۃ کا جاننا ضروری ہے، اور اگر اس سے زیادہ ضرورت ہو تو علماء سے دریافت کرنا چاہیئے۔

---

١ مذہب حنفی میں زیور پر زکوٰۃ واجب ہے ١٢ مصحح ٢ صاع، دوسو چھیاسی (۲۸۶) تولہ کا ہوتا ہے، شاہجہان آبادی سیر سے پونے تین سیر اور انگریزی سیر سے آدھ پاؤ تین سیر کا ہوتا ہے۔

زکوٰۃ دینے کی کیفیت کے بیان میں:۔ ضروری ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت پانچ امور کا خیال رکھے اوّل یہ کہ زکوٰۃ واجب دے تو یہ نیت کرے، کہ میں زکوٰۃ فرض دیتا ہوں، اور اگر زکوٰۃ کے لئے کسی کو اپنا وکیل مقرر کرے تو وکیل کرتے وقت نیت کرے، یا وکیل کو حکم دے، کہ وہ زکوٰۃ دیتے وقت نیت کرے اور جب ولی کسی بچے نابالغ کی زکوٰۃ دے تب بھی نیت کرے **دوم** جب سال ختم ہو زکوٰۃ دینے میں جلدی کرے، کیونکہ تاخیر بلا عذر لازم نہیں، اور زکوٰۃ فطر میں عید کے دن سے تاخیر نہ کرے، اور رمضان میں جلدی کرنا جائز ہے، اور رمضان سے پہلے دے دینا درست نہیں، اور مال کی زکوٰۃ میں جلدی کرنا تمام سال جائز ہے، بشرطیکہ زکوٰۃ لینے والا درویش زندہ رہے، اگر سال سے پہلے مر جائے یا امیر ہو جائے یا مرتد ہو جائے، تو پھر دوسری دفعہ زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ **سوم** ہر جنس کی زکوٰۃ اسی جنس سے دے، اگر سونا چاندی کے عوض زکوٰۃ دے گا، یا گندم جو کے عوض زکوٰۃ دے گا، تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بہت ناجائز ہے **چہارم** صدقہ اس جگہ دینا چاہیئے، جہاں مال ہو، کیونکہ وہاں کے درویش امیدوار ہوتے ہیں اور اگر کسی دوسرے شہر میں دے گا، تو یہ صحیح ہے، کہ زکوٰۃ اس کی قبول نہ ہوگی **پنجم** زکوٰۃ آٹھ گروہوں پر تقسیم کرے اور ہر گروہ تین آدمیوں سے کم نہ ہو اور تمام گروہوں کے آدمیوں کی تعداد چوبیس ہو، اگر زکوٰۃ کا ایک درہم ہو، تو امام شافعی رح کے نزدیک واجب ہے، کہ ان سب کو پہنچ جائے، اور آٹھ حصوں میں تقسیم کرے، اور ہر ایک حصہ تین آدمیوں پر یا اس سے زیادہ جیسے چاہیئے تقسیم کرے اگرچہ برابر نہ ہوں۔ اور اس زمانہ میں تین گروہ بہت کم ملتے ہیں، غازی، مؤلفہ عامل زکوٰۃ عموماً فقیر و مسکین مکاتب مسافر قرضدار ملیں گے، پس ہر آدمی کو زکوٰۃ پندرہ آدمیوں سے کم تعداد پر تقسیم نہ کرنی چاہیئے، یہ حکم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور شافعی مذہب میں یہ دو مسائل بہت مشکل ہیں، ایک یہ کہ کسی چیز کا بدل نہ دے، دوسرے یہ کہ زکوٰۃ سب کو دے، عموماً بہت سے لوگ ان دو مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرتے ہیں، امید کہ وہ ماخوذ نہ ہوں گے۔

ان آٹھ گروہ کی صفات کے بیان میں: پہلی صفت فقیر کی یہ ہے، کہ اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔ اور کوئی کسب نہ کر سکے، اور اگر کسی کے پاس ایک دن کی خوراک اور تمام بدن پر کپڑے ہیں، تو وہ فقیر نہیں ہے اور اگر اسکے پاس آدھے دن کی خوراک اور لباس ادھورا ہے، مثلاً کرتہ ہے تو پگڑی نہیں، اگر پگڑی ہے تو کرتہ نہیں، تو پھر وہ درویش ہے، اور اگر کسی ہتھیار سے کام کر سکتا ہے، تو پھر بھی درویش ہے، اور اگر طالب العلم ہے اور کسی کام میں مشغول ہونے سے علم حاصل نہیں کر سکتا، تو وہ بھی درویش ہے، لیکن اس قسم کے درویش بہت کم ملتے ہیں، لیکن لڑکے بہت ملیں گے، پس تدبیر یہی ہے کہ درویش کو تلاش کرے، جو عیالدار ہو، اور فقیر کا حصہ اس کے لڑکوں کا تسلیم کرے، **صفت دوم** مسکین کے متعلق ہے، جس کا خرچ آمدنی سے زائد ہو وہ مسکین ہے، اگرچہ مکان اور کپڑے اس کے پاس موجود ہوں۔ اگر اس کے پاس ایک سال کا خرچ نہ ہو، اور اس کا کاروبار اس کے ساتھ وفا نہ کرے، تو چاہیئے کہ اس قدر اس کو دیا جائے

کہ سال بھر کیلئے کفیل ہو سکے، اگرچہ اس کے گھر میں فرش اور برتن اور کتابیں وغیرہ ہوں لیکن چونکہ وہ محتاج ہے اور ایک سال کی روزی اس کے پاس موجود نہیں ہے، اسلئے مسکین ہے، اور اگر ضرورت سے زیادہ اشیاء رکھتا ہو تو وہ مسکین نہیں، صفت سوم، وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ جمع کرتے ہیں، اور حقدار لوگوں تک پہنچاتے ہیں، انکی مزدوری زکوٰۃ سے دینی چاہیئے، صفت چہارم مؤلفۃ القلوب لوگ ہیں، اور یہ وہ شریف اور عزت دار لوگ ہیں جن کو مال دینے سے اور لوگوں کو مسلمان ہونے کی وہ رغبت دلائینگے، صفت پنجم، مکاتب کی ہے، اور یہ وہ لونڈی و غلام ہیں، جو اپنے آپ کو اپنے مالک سے مول لے لیں، اور اپنی قیمت کو دو بار یا زیادہ اقساط میں اپنے مالک کو ادا کردیں صفت ششم وہ لوگ ہیں، جو کسی نیک کام میں قرضدار ہو گئے ہوں، چاہے وہ امیر ہوں یا درویش لیکن قرضہ کسی مصلحت کیوجہ سے لیا ہو، جس سے کوئی فتنہ دور ہوا ہو، صفت ہفتم، وہ غازی لوگ ہیں، جن کو بیت المال سے کچھ نہ ملتا ہو، اگرچہ وہ امیر ہی کیوں نہ ہوں، لیکن سفر خرچ اِن کو زکوٰۃ سے دینا چاہیئے، صفت ہشتم، وہ مسافر جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو، چاہے وہ سفر میں ہوں یا اپنے وطن سے سفر کو جانے والے ہوں، تو اِن کو زادِ راہ اور کرایہ دینا چاہیئے، اور جو شخص اپنے آپ کو درویش یا مسکین کہے چاہیئے کہ اس کی بات کو قبول کریں، معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹا ہے اور دروغ کہتا ہے اور اگر مسافر غازی سفر اور جہاد کو نہ جائیں۔ تو اِن سے مال زکوٰۃ کو واپس لے لینا چاہیئے، اور معتمد لوگوں کے ذریعہ سے معلوم کرکے دوسرے مستحقین کو تقسیم کردینا چاہیئے۔

زکوٰۃ دینے کے اسرار کا بیان: جس طرح نماز کے لئے ایک صورت اور حقیقت ہے، اور وہ حقیقت بمنزلہ صورت کی رُوح کے ہے اسیطرح زکوٰۃ کے لئے صورت اور رُوح ہے، جو کوئی زکوٰۃ کے راز اور رُوح کو نہ جانے گا اس کی زکوٰۃ ایک بے رُوح صورت کی مانند ہوگی، اور زکوٰۃ کے تین راز ہیں، ایک یہ کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنیکا حکم ہے، اور کوئی مومن نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ نہ رکھتا ہو، بلکہ یہ حکم ہے کہ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزیز نہ ہو، جیسے کہ قرآن شریف میں مذکور ہے، قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآءُکُمْ الآیۃ۔ غرضیکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں، جس کا یہ دعویٰ نہ ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں سے زیادہ دوست رکھتا ہوں، اور سمجھتا ہے کہ یہ واقعی ایسا ہے اور سچا ہے پس اس محبّت الٰہی کے جانچنے اور دریافت کرنے کے لئے نشان اور دلیل کی حاجت ہوئی تاکہ کوئی شخص اپنے بیجا اور لغو دعوے سے مغرور نہ ہو، کیونکہ مال بھی آدمیوں کے لئے ایک معشوق ہے، پس اس کو اس سے آزمایا گیا، کہ اگر وہ اپنے دعوےٰ میں صادق ہے، تو اس اپنے ایک معشوق کو راہِ حق میں قربان کرے، تاکہ دوستی حق تعالیٰ میں اسے اپنے درجہ کی پہچان حاصل ہو۔

پس جن لوگوں نے اس راز کو جان لیا، وہ تین طبقوں میں تقسیم ہو گئے، طبقہ اوّل، صدیقین کا ہے، کہ جو کچھ بھی انکے پاس تھا انہوں نے راہِ حق میں دے دیا، اور کہا کہ دو سو درہم میں سے پانچ درم خدا کے راستہ میں دینا بخیلوں کا

کام ہے، ہم پر واجب ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، سب اللہ تعالیٰ کی دوستی کے راستہ میں خرچ کردیں، جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مال خدا کی راہ میں حاضر کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بال بچوں کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو، تو جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا، کہ خدا اور اس کا رسول، اور ایک گروہ نے نصف مال خدا کی راہ میں دیا، جیسے کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نصف مال لائے اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، کہ عیال کے لئے کیا رکھا تو جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا، کہ جس قدر لایا ہوں اتنا ہی چھوڑ آیا ہوں، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَیْنَ کُمَا مَا بَیْنَ کَلِمَاتِکُمَا تَفَاوُتٌ یعنی تم دونوں کے درجات میں بھی اتنا ہی تفاوت ہے کہ جتنا تمہاری کلام میں ہے۔ **طبقۂ دوم** نیک مردوں کا ہے، جو یکبار خدا کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے، اور نہ ایسا کرنے کی قوت رکھتے ہیں، لیکن فقیروں کی حاجات کا خیال رکھتے ہیں، اور منتظر رہتے ہیں، اور اپنے آپ کو درویشوں کی مانند سمجھتے ہیں، اور صرف زکوٰۃ پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ جو درویش ان کے پاس آتا ہے، اپنے عیال کے برابر سمجھتے ہیں، **طبقہ سوم**: ان خالص مردوں کا ہے جو اس امر کی طاقت نہیں رکھتے کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم کے سوا اور کچھ خرچ کرسکیں، وہ صرف فریضہ پر ہی انحصار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو جاری سے اور خوشی سے بجالاتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں وہ درویشوں پر احسان نہیں کرتے اور یہ سب سے آخری درجہ ہے اور وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے دو سو درہم دیا ہے وہ اس کی راہ پانچ درہم نہیں دیتے، وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی سے محروم ہیں، اور جو شخص پانچ درہم سے زیادہ نہیں دیتا، اس کی دوستی اللہ تعالیٰ کے دوسرے دوستوں کے مقابلہ میں سخت ضعیف ہے، اور وہ تمام دوستوں سے بخیل ہے **اسرار دوم**: بخل کی پلیدی سے دل کا پاک کرنا ہے، کیونکہ بخل دل کے لئے نجاست ہے، اور جس طرح کہ نجاست ظاہری انسان کو نماز سے محروم رکھتی ہے اسی طرح کی بخل نجاست دل کو اللہ تعالیٰ کی جناب کے قرب کے لائق نہیں رکھتی، اور بغیر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے دل بخل کی پلیدی سے نجات نہیں پاسکتا، اور زکوٰۃ اس پانی کی مانند ہے، جس سے نجاست دھوئی جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل مطہرہ کیلئے حرام ہے، اس لئے ان کے پاکیزہ منصب کو لوگوں کے مال کے میل سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ **اسرار سوم** اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے، کیونکہ مال مومن کے حق میں نعمت ہے، جو دنیا اور آخرت میں راحت کا سبب ہے، پس جسطرح کہ نماز روزہ، حج نعمت بدن کا شکریہ ہے اسی طرح زکوٰۃ دینا نعمت مال کا شکریہ بجالانا ہے، جب اپنے آپ کو اس نعمت مال سے بے نیاز دیکھے، اور اپنے جیسے دوسرے مسلمان کو درماندہ و عاجز دیکھے تو یہ کہے کہ وہ بھی میری طرح اللہ کا بندہ ہے، شکر ہے اس کا جس نے مجھے مال سے بے نیاز کیا، اور اس کو میرا نیاز مند یعنی محتاج بنایا مجھے اس سے مہربانی کرنا چاہیئے۔ ممکن ہے یہ میری آزمائش ہو، اگر اسمیں قاصر رہوں تو اللہ کہیں مجھے اس جیسا اور اسے مجھ جیسا نہ بنادے، پس ہر ایک کیلئے ضروری ہے، کہ زکوٰۃ کے ان اسرار کو جاننے

زکوٰۃ دینے کے آداب و دقائق کے بیان میں - اگر کوئی چاہتا ہے کہ عبادت اس کی زندہ ہو، اور بے روح نہ رہے، اور اس کا دُوگنا ثواب ملے تو اُسے چاہیئے کہ سات آداب اپنے لئے لازم سمجھے، ادب اوّل، زکوٰۃ دینے میں جلدی کرے، اور تمام سال میں واجب ہونے سے پہلے دے دیا کرے، کیونکہ اس سے تین فائدے ہیں، ایک یہ کہ رغبت عبادت کا اثر اس پر ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ واجب ہونے کے بعد دینا ضرورت کی وجہ سے ہے اگر نہ دے گا، تو معذب ہوگا، اور ایسی حالت میں دُنیا ڈر اور خوف کی وجہ سے ہے، نہ کہ دوستی کی وجہ سے اور بندہ بُرا ہے جو ڈر سے کام کرے، دوستی اور شفقت سے نہ کرے، دوسرا فائدہ یہ کہ اس سے درویشوں کے دِل کو خوشی ہوگی۔ کیونکہ ناگہانی خوشی حاصل کرنے سے وہ اخلاص سے دُعا کریں گے، اور درویشوں کی دُعا تمام آفتوں کے لئے حصار ہوگی، تیسرا فائدہ جلدی سے یہ ہوگا، کہ زمانہ کی آفات سے ایمن رہے گا، کیونکہ دیر کرنے میں بہت آفتیں ہیں، ممکن ہے کہ کوئی مصیبت پڑ جائے اور وہ اس نیکی سے محروم رہے، اور جب دِل میں خیر کرنے کی رغبت ظاہر ہو۔ تو اسے غنیمت جانے اور خیال کرے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ہے، اور قریب ہے کہ شیطان حملہ آور ہو۔ فَاِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (پس مومن کا دِل دو انگلیوں کے درمیان ہے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے)

حکایت - ایک بزرگ کو جائے طہارت میں خیال آیا۔ کہ اپنا پیراہن کسی درویش کو دیدے، ایک مرید کو بُلایا اور اپنا پیراہن اتار کر اسے دے دیا، مرید نے کہا یا شیخ! باہر آنے تک صبر کیوں نہ کیا، شیخ نے جواب دیا کہ میں ڈرا، شاید میرے دِل میں کوئی خطرہ پیدا ہو، اور مجھے ایسا کرنے سے مانع ہو، ادب دوم۔ اگر زکوٰۃ یکبار دینے کا ارادہ ہو، تو ماہ محرم میں دے، کیونکہ یہ بڑا بزرگ مہینہ ہے، اور سال کا آغاز ہے یا رمضان شریف کے مہینہ میں دے کیونکہ دینے کا وقت جس قدر بزرگ ہوگا، اسیقدر ثواب زیادہ ملے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے جو کچھ آپ کے پاس ہوتا تھا خدا کی راہ میں دیدیتے تھے۔ اور رمضان شریف میں کوئی چیز بھی اپنے پاس نہ رکھتے اور تمام خرچ کردیتے، ادب سوم، زکوٰۃ پوشیدہ طور دے ظاہر نہ دے، تاکہ ریا سے محفوظ رہے اور اخلاص کے نزدیک ہو جائے، حدیث شریف میں ہے، کہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن سات قسم کے لوگ عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے، ایک امام عادل، دوم وہ جو دائیں ہاتھ سے صدقہ دیتے ہیں اور بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی، خیال کرنا چاہیئے، کہ کیا عظیم الشان درجہ ہے، جو امام عادل کے برابر ہے، اور حدیث شریف میں ہے، کہ جو صدقہ پوشیدہ طریق پر دیتے ہیں، ان کے اعمال باطنی میں لکھا جاتا ہے، اور جو ظاہری طور پر دیتے ہیں، ان کے اعمال ظاہری میں لکھا جاتا ہے، اور اگر یہ کوئی کہتا ہے کہ میں نے کوئی چیز خیرات کی ہے تو اسکے اعمال ظاہری اور باطنی سے ہٹا کر دفتر ریا میں لکھ دیتے ہیں، اور اسی لئے سلف نے صدقہ پوشیدہ طور پر دینے میں مبالغہ کیا ہے، بعض بزرگوں میں سے کسی نابینا کو دیتے، اور کوئی بات نہ کرتے، تاکہ وہ نہ سمجھے کہ کون ہے، اور بعض سوئے ہوئے

درویش کی چادر سے باندھ دیتے اور کوئی بات نہ کرتے، تاکہ وہ بیدار نہ ہو جائے، اور نہ جانے کہ اس نے دیا ہے۔ اور بعض درویشوں کی رہگذر میں ڈال دیتے، اور بعض کسی کی معرفت صدقہ دیتے، تاکہ کسی درویش کو پہنچادے، اور یہ تمام امور اس لئے عمل میں لاتے کہ درویشوں کو پتہ نہ لگے، کہ کس نے دیا ہے، اور دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھنا نہایت ضروری اور اہم سمجھتے ہیں، اس لئے کہ ظاہر طور دینے میں دل میں ریا پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بُخل دُور ہو جاتا لیکن ریا کی پرورش ہوتی ہے، اور یہ تمام امور ہلاک کرنے والے ہیں، بُخل کی مثال عقرب کی طرح ہے اور ریا سانپ کی مثال ہے، جو عقرب سے بڑھ کر خطرناک ہے، اگر کوئی عقرب کو مار کر سانپ کو کھلائے گا تو سانپ کی طاقت اور زیادہ ہوگی، تو گویا ایک ہلاکت سے بچ کر دوسری اس سے بھی صعب اور شدید ہلاکت میں پڑے گا، اور ان صفات کے زخم دل پر جب قبر میں لے جائیگا، سانپ اور بچھو کے زخم کی طرح ہوں گے، جیسا کہ عنوان مسلمانی میں ثابت کیا گیا ہے پس ظاہری طریق پر دینے کا ضرر اس کے منافع سے زیادہ ہے۔

ادب چہارم۔ اگر ریا سے بالکل بچا ہُوا ہو اور اپنے دل کو اس سے پاک کیا ہُوا ہو، اور یہ سمجھے کہ وہ ظاہری طریق پر صدقہ دے گا۔ تو لوگ اس کی اقتدا کریں گے، اور صدقہ دینے میں رغبت ان میں پیدا ہوگی، ایسے آدمی کیلئے ظاہری طریق پر دینا نہایت فضیلت رکھتا ہے، اور ایسا آدمی وہ ہوتا ہے، جس کے نزدیک مدح و ذم ایک ہی چیز ہے، اور کاموں میں اللہ تعالیٰ کے علم پر کفایت رکھتا ہے۔

ادب پنجم۔ صدقہ لوگوں کو سُنا کر اور اس پر احسان جتا کر ضائع نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ یعنے نہ ضائع کرو، تم اپنے صدقہ کو احسان جتانے سے اور دل کو دکھانے سے اور اذٰی کے معنے درویش کو آزردہ کرنے کے ہیں، اس طرح کہ اس سے ترش رو ہو اور ناک بھوں چڑھائے اور سخت کلامی سے پیش آئے اور اس کو بہ سبب درویشی اور سوال کرنے کے نظر حقارت سے دیکھے، اور یہ دو قسم کی جہالت اور حماقت ہے، ایک تو یہ کہ اس کے لئے مال کا دینا مشکل ہے، اور اس وجہ سے تنگ دل ہوتا ہے، اور کھلی بُری باتیں کرتا ہے اور جس شخص کے لئے ایک درہم دے کر ہزار درہم لینا دشوار ہو یہ محض اس کی جہالت ہے، حالانکہ اس زکوٰۃ سے فردوس اعلیٰ اور رضائے حق حاصل کرے گا، اور اپنے آپ کو دوزخ سے بچائے گا، اور اگر ان باتوں پر اسے ایمان ہے، تو زکوٰۃ دینا اسے کیوں ناگوار ہے، دوسری حماقت یہ ہے کہ وہ بحیثیت تونگری کے اپنے آپ کو درویش سے افضل سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جو پانچسو سال پیشتر اس سے بہشت میں جائیگا، وہ اس سے زیادہ شریف ہے اور اس کا درجہ زیادہ بلند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و فخر درویش کے لئے ہے نہ کہ امیر کے لئے، اور درویش کے اشرف ہونے کی یہ دلیل ہے، کہ امیر کو اللہ تعالیٰ نے مال کے اشتغال میں اس کے رنج و غم میں مبتلا کیا ہے، حالانکہ امیر کو دنیا میں بقدر حاجت کے سوا اور کچھ نصیب نہیں اور امیر پر یہ امر واجب کر دیا ہے، کہ وہ فقیر کو بقدر حاجت دے، پس درحقیقت امیر کو

فقیر کے لئے دُنیا میں بیگاری بنایا ہے۔ اور آخرت میں پانسو سال کا انتظار دخول جنّت کے لئے خاص کر دیا ہے۔

آداب ششم۔ یہ کہ احسان نہ جتائے اور احسان جتانے کی اصل جہالت ہے۔ اور وہ ایک دل کی خفت ہے اور وہ یہ ہے کہ خیال کرے۔ کہ اس نے درویش کے ساتھ نیکی کی ہے اور اپنی طرف سے کون سی نعمت اسے دی ہے کیونکہ درویش اس کا محتاج ہے۔ اور جب یہ خیال کر لیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس امر کی توقع رکھتا ہے۔ کہ درویش اس کی زیادہ خدمت کرے۔ اور اس کے کاموں میں زیادہ مستعدی دکھائے۔ اور پہلے اسے سلام کیا کرے۔ اور ہر کام میں اس کی زیادہ عزت کرے۔ اور اگر درویش کسی وقت اس کی خدمت بجالانے میں قاصر ہے تو پہلے زیادہ متعجب ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ میں نے اس کے ساتھ یہ نیکی کی۔ حالانکہ یہ تمام جہالت ہے۔ اور درحقیقت درویش نے اس کے ساتھ دوستی و نیکی کی۔ کہ اس کا صدقہ قبول کیا۔ تاکہ وہ آتش دوزخ سے رہائی پائے اور اس کے دل کو بخل کی پلیدی سے پاک کرے۔ اور اگر کوئی حجام اس کے مفت پچھنے لگاتا۔ تو وہ اس امر کا مشکور ہوتا۔ کہ جو خون اس کے لیئے موجب ہلاکت تھا حجام نے اس کو باہر نکال دیا۔ اسی طرح بخل اور زکوٰۃ کا مال اس کے لئے ہلاکت اور پلیدی کا موجب تھا۔ اور درویش کی وجہ سے نجات اور طہارت حاصل ہونی چاہیئے۔ کہ درویش کا ممنون ہو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ صدقہ پہلے اللہ تعالےٰ کے دست رحمت میں جاتا ہے۔ اور پھر درویش کے ہاتھ میں آتا ہے۔ پس جب صدقہ حق تعالےٰ کو دیا۔ اور درویش نائب حق ہے۔ اس نے لیا تو چاہیئے کہ درویش کا احسان مند ہو۔ نہ کہ اس پر احسان جتائے اور جب ان تینوں اسراروں کو جو زکوٰۃ سے متعلق ہیں جانے گا۔ تو سمجھ لے گا۔ کہ احسان جتانا جہالت ہے۔ اور اگلے بزرگوں نے احسان جتانے سے پرہیز کرنے میں مبالغہ کیا ہے۔ اور درویش کے سامنے عاجزی اور تواضع سے کھڑے رہے ہیں۔ اور پیشکش کر کے یہ سوال کیا ہے۔ کہ ہم سے قبول فرمایئے۔ اور بزرگوں کے ایک گروہ نے فقیروں کو نذر دیتے وقت اس طرح ہاتھ کیئے ہیں۔ کہ فقیر کا ہاتھ پیسہ روپیہ لیتے وقت اوپر رہے۔ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنْ یَّدِ السُّفْلٰی یعنی اوپر کا ہاتھ بہتر ہے۔ نیچے کے ہاتھ سے۔ پس کس کے لئے زیبا ہے۔ کہ درویش پر احسان کرے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما جب درویش کو کوئی چیز بھیجتی تھیں۔ تو لے جانے والے کو کہتی تھیں۔ کہ درویش جو دُعا دے یاد رکھنا تاکہ ہر دُعا کے بدلہ میں ہم بھی اس کے واسطے دعا کریں۔ تاکہ صدقہ بلا معاوضہ خالص رہے۔ دعا کی طمع بھی درویش سے روا نہ رکھتی تھیں۔ کیونکہ دُعا اس وجہ سے ہوتی ہے۔ کہ دینے والے نے احسان کیا ہے۔ حالانکہ محسن درحقیقت درویش ہے کہ جس نے یہ خدمت قبول کی۔

آداب ہفتم۔ اپنے مال سے جو بہتر اور حلال ہو۔ اور جس میں کچھ شبہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالےٰ پاک ہے۔ اور سوائے پاک شے کے قبول نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ یعنے جو چیز لوگ تمہیں دیں۔ اور تم اسے کراہت سے لو تو اس کو حق تعالےٰ کے

راستہ میں کیوں خرچ کرو، اگر کوئی شخص گھر کی بدتر چیزوں میں سے مہمان کے سامنے رکھے تو اس نے مہمان کی ہتک کی تو کس طرح جائز ہے کہ بدتر چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں دے، اور اچھی چیز اس کے بندوں میں رکھے اور بُری چیز کا دینا اس امر کی دلیل ہے کہ کراہیت سے دیتا ہے، اور جو صدقہ صدق دل سے نہ دیا جائے، اس کے قبول نہ ہونیکا خطرہ ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک درہم بہتر اور سچّے دل سے صدقہ دینا ہزار درہم پر فضیلت رکھتا ہے

زکوٰۃ دینے کے لئے درویش ڈھونڈنے کے بیان میں جو مُسلمان کسی فقیر کو بھی زکوٰۃ دے تو وہ اپنے فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہوجاتا ہے، لیکن جو آخرت کی تجارت کرے، اُسے چاہیئے کہ محنت و تکلیف سے نہ گھبرائے۔ کیونکہ جب زکوٰۃ بجا صرف ہوگی، تو ثواب بھی دُگنا ملے گا۔ اس لئے چاہیئے کہ پانچ صفات کے درویشوں میں سے کسی ایک صفت کے درویش کی تلاش کرے، اوّل یہ کہ پارسا اور متقی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اَطْعِمُوْا اَطْعَامَکُمْ الْاَتْقِیَاءَ یعنے طعام پرہیزگاروں کو دینا چاہیئے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ جو کچھ لیتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنا مددگار بناتے ہیں، اور دینے والا اس عبادت کے ثواب میں شریک رہتا ہے، کیونکہ اس نے عبادت میں عابد کی مدد کی ہے۔

نقل ہے کہ ایک امیر ہمیشہ صوفیوں کے سوا کسی دوسرے کو صدقہ نہ دیتا تھا، اور کہتا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی چیز کا خیال نہیں، اور جب ان کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کا دھیان بٹ جاتا ہے اور میں ایک ایسے دل کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں لے جانا بہتر سمجھتا ہوں، بہ نسبت ایسے سو دلوں کے جن کی غرض محض دُنیا طلبی ہو، اور جب اس قصّہ کو لوگوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا، تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص خدا کے دوستوں میں سے ہے اور یہ شخص بقال تھا، پھر مفلس ہوگیا، کیونکہ درویش جو چیز اس سے لیتے تھے وہ اس کی قیمت نہ مانگتا تھا، جنید رحمۃ اللہ علیہ نے دکان کرنے کے لئے پھر اسے مال دیا اور فرمایا، کہ تجھ جیسے آدمی کو اب کبھی نقصان نہ ہوگا۔ **دُوسری قسم** اہلِ علم کی ہے، یعنی طالب العلم ہو، کیونکہ جب اسے صدقہ دیا جائے گا، تو وہ اس سے بفراغت علم حاصل کرے گا، اور دینے والا ثواب علم میں اس کا شریک رہے گا، **تیسری قسم** ایسے شخص کی ہے جو اپنی غریبی کو پوشیدہ رکھے، اور شان و شوکت سے زندگی بسر کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی غریبی پر تجمّل کا نقاب ڈالا ہے، یہ نہ چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر بھیک مانگنے والے فقیروں کو دے **چوتھی قسم** ایسے شخص کی جو عیالدار ہو یا بیمار ہو۔ کیونکہ جس شخص کو رنج و غم زیادہ ہوگا۔ اس کو راحت پہنچانے کا ثواب بھی زیادہ ملے گا۔ **پانچویں قسم** غریب رشتہ داروں کی ہے، کہ ان کو دینا صدقہ بھی ہوگا، اور صلہ رحم بھی، اور جو شخص محض خدا تعالیٰ کے لئے کسی سے رشتہ داری رکھتا ہے، وہ بھی قرابت داروں کے مرتبہ میں ہے، اور جس کسی میں یہ صفات پائی جائیں یا اس سے زیادہ تو اس کو دینا بہتر اور افضل ہوگا، اور جب اس قسم کے لوگوں کو دیا جائے گا، تو ان کی دعا دینے والے کیلئے

حصار کا کام دے گی، اور یہ نفع اس نفع کے علاوہ ہے کہ بخل کو دل سے دُور کر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کیا، اور چاہیئے کہ زکوٰۃ کافروں اور سیّدوں کو نہ دے، کیونکہ زکوٰۃ مال کی میل ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو دینا منع ہے، اور کافروں کو بھی نہ دے، کیونکہ یہ مال کافر کو دینا منع ہے، کیونکہ کافر ایسے پلید ہیں کہ مرد مسلمان کے مال کی میل کے بھی لائق نہیں۔

زکوٰۃ لینے کے آداب کے بیان میں ، زکوٰۃ لینے والے کو چاہیئے کہ پانچ باتوں کا لحاظ رکھے۔ اوّل، یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کو محتاج پیدا کیا، اور اسی وجہ سے کچھ بندوں کو مال بکثرت دے دیا، اور جن لوگوں کے حق میں اُسے زیادہ مہربانی وعنایت منظور تھی، ان کو دُنیا کے مشغلوں اور وبال سے بچا لیا، اور دنیا کے حاصل کرنے کا غذاب اور اس کی حفاظت کا وبال امیروں کے ذمہ ڈالا، اور ان کو حکم دے دیا کہ میرے عزیز بندوں کو ان کی حاجت کے مطابق دیدیا کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے وہ مقبول بندے دُنیا کی مصیبتوں سے بچ کر حق تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہیں، اور جب یہ بسبب ضرورت کے پراگندہ خاطر ہوں تو امیروں کے ہاتھ سے انہیں پہنچ جایا کرے گا۔ تاکہ ان کی دعا امیروں کیلئے کفارہ بن جائے، پس وہ درویش جو حاصل کرتا ہے، اس نیت سے لے کہ اسے اپنی کفایت میں خرچ کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اسے فراغت حاصل ہو۔ اور اس نعمت کی قدر کو پہچانے کہ اللہ تعالیٰ نے امیر کو اس کا بیگاری بنایا ہے تاکہ عبادت میں مشغول رہے اور اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کہ دنیا کے بادشاہ اپنے غلامانِ خاص کو اپنی خدمت سے غیر حاضر نہیں ہونے دیتے اور اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ غیر حاضر ہو کر دنیا کے کاروبار میں مشغول ہوں، لیکن دہقانوں اور تاجروں کو جو کہ خدمت خاص کے لائق نہیں ہیں، ان کا بیگاری بنایا ہے، اور ان سے جزیہ و خراج لے کر غلامان خاص کو روزینہ دیتے ہیں، اور جس طرح بادشاہ کو سبھوں سے اپنے خواص کی خدمت لینا منظور ہے اسیطرح اللہ کا ارادہ تمام مخلوق سے اس کی جناب کی عبادت ہے، اور اسی لئے ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنی نہیں پیدا کیا ہم نے جن اور انسان کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں، پس درویش کیلئے ضروری ہے، کہ وہ جو کچھ لے اسی نیت سے لے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دینے والا لینے والے پر فضیلت نہیں رکھتا، بشرطیکہ وہ ضرورت کے لئے لے اور اس کا ارادہ عبادت الٰہی کے لئے فراغت ہو۔ دوم، یہ کہ وہ جو کچھ لیتا ہے حق تعالیٰ سے لیتا ہے، اور امیروں کو اللہ تعالیٰ کا مسخر سمجھے، کہ ان پر ایک مؤکل مقرر ہے تاکہ وہ اسے دیدے، اور وہ مؤکل ایمان ہے، جو اس کو اللہ تعالیٰ نے عنایت کیا ہے، اور اس وجہ سے کہ اس کی سعادت اور نجات صدقہ سے وابستہ ہے، اور اگر اس پر یہ مؤکل نہ ہوتا تو وہ ایک حبہ بھی کسی کو نہ دیتا، پس تعریف اسی کیلئے ہے، جس نے اس پر مؤکل لازم کیا، پس لینے والے کو امیر کا ہاتھ ایک واسطہ اور مسخر سمجھنا چاہیئے، اور وساطت پر خیال کر کے اس کا شکریہ ادا کرے۔ فَاِنَّ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللہَ۔ یعنی جس نے نہ شکر کیا آدمی کا اس نے نہ شکر کیا اللہ کا، اللہ تعالیٰ باوجود بندگان کے

اعمال کا خالق ہونے کے ان کی تعریف کرتا ہے، اور ان کا شکر بجا لاتا ہے، چنانچہ فرماتا ہے نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ یعنی کیا ہی اچھا بندہ ہے جو تائب ہے اور فرمایا کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا یعنی بیشک وہ تھا سچا نبی اور یہ مثالیں اس لئے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ واسطہ خیر بناتا ہے، اسے معزز کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہے طُوْبٰی لِمَنْ خَلَقْتُهٗ لِلْخَیْرِ وَیَسَّرْتُ الْخَیْرَ عَلٰی یَدَیْهِ یعنی خوشی ہے اس کے لئے جس کو پیدا کیا میں نے واسطے نیکی کے اور آسان کر دیا میں نے نیکی کو اس کے ہاتھوں پر، پس اس کے بزرگوں کی قدر کرنی چاہیئے، اور یہی شکر کے معنے ہیں اور دینے والے کو چاہیئے کہ درویش کے حق میں یہ دعا کرے طَهَّرَ اللّٰهُ قَلْبَكَ فِیْ قُلُوْبِ الْاَبْرَارِ وَزَکّٰی عَمَلَكَ فِیْ عَمَلِ الْاَخْیَارِ وَصَلّٰی عَلٰی رُوْحِكَ فِیْ اَرْوَاحِ الشُّهَدَآءِ یعنی پاک کرے اللہ تعالیٰ تیرے دل کو نیکوں کے دلوں میں اور پاک کرے اللہ تعالیٰ تیرے عملوں کو نیکوں کے عملوں میں اور رحمت کرے اللہ تعالیٰ تیری روح پر شہیدوں کی روح میں، اور حدیث شریف میں ہے، کہ جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اس کے بدلہ میں اس سے نیکی کرو، اور اگر نہ کر سکو تو اس قدر اسکے لئے دعا کرو، کہ جان لو کہ اس کا بدلہ پورا ہو گیا ہے اور کمال شکر ہے کہ صدقہ کا عیب پوشیدہ رکھے اور تھوڑے کو تھوڑا سمجھ کر حقیر نہ جانے اور دینے والے کیلئے یہ شرط ہے کہ جو کچھ بھی دے اگرچہ وہ بہت زیادہ ہو، لیکن حقیر سمجھے اور اس کی کچھ قدر نہ سمجھے، تیسری ہے یہ کہ جو مال حلال کا نہ ہو اسے نہ لے اور سود اور ظلم کا مال بھی ہرگز نہ لے چوتھے اسقدر لے جس کی اسے ضرورت ہو، اور ضرورت سفر کے لئے لیتا ہے، تو زادِ راہ سے زیادہ نہ لے، اور اگر ادائے قرض کے لئے لیتا ہے تو قرض سے زیادہ نہ لے اور اگر کفایت عیال کے لئے دس درم کافی ہو تو زیادہ نہ لے، کیونکہ کفایت سے زیادہ ایک درم بھی حرام ہے اور گھر میں کچھ اسباب یا کپڑا ضرورت سے زیادہ ہو، تو پھر بھی زکوٰۃ نہ لے، پانچویں، اگر زکوٰۃ دینے والا عالم نہ ہو، تو اس سے دریافت کرے کہ یہ جو تو مجھے دیتا ہے یہ مساکین کا حصہ ہے یا قرضدار کا، اگر لینے والے میں وہی صفت ہے، جس صفت والے کا حصہ دیا جا رہا ہے، دینے والا زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ سے دیتا ہے تو لینے والے کو نہ لینا چاہیئے، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام حصہ ایک آدمی کو نہ دینا چاہیئے۔

صدقہ دینے کی فضیلت کے بیان میں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صدقہ دو اگرچہ ایک ہی خرما کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ درویش کو زندہ کرتا ہے، اور گناہ کو اس طرح مارتا ہے جس طرح پانی آگ کو، اور فرمایا دوزخ سے بچو اگرچہ وہ نیم خرما ہی سے کیوں نہ ہو، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو خوش کلامی ہی سہی، اور فرمایا جو مسلمان مال حلال سے صدقہ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے دست رحمت میں اسطرح پرورش کرتا ہے، جس طرح تم اپنے چارپایوں کی پرورش کرتے ہو، یہاں تک کہ چند خرمے کوہ احد کے برابر ہو جاتے ہیں، اور فرمایا ہر کوئی روز محشر اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا، یہاں تک کہ مخلوق خدا کا حساب ہو کر کوئی حکم ہو، اور فرمایا صدقہ شر کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے، اور لوگوں نے پوچھا، یا رسولؐ اللہ کون سا صدقہ بہتر ہے، فرمایا جو تندرستی میں دیا جائے، جبکہ زندگی کی امید ہو اور افلاس کا خطرہ نہ ہو، نہ ایسے وقت

میں کہ دم حلق میں اٹکا ہوا ہو، اور اس وقت کہے کہ یہ فلاں کو دو اور یہ فلاں شخص کو دو، کیونکہ ایسے وقت میں اگر تو نہ بھی کہے گا تو لوگ اُسے لے ہی لیں گے۔ اور عیسٰی علیہ السّلام نے فرمایا، جو شخص سائل کو اپنے دروازہ سے ایک دفعہ محروم پھیرتا ہے، سات روز فرشتے اس کے گھر میں نہیں آتے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دو کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے، ایک تو صدقہ اپنے ہاتھ سے درویش کو دیتے اور رات کے وضو کے لئے پانی خود رکھتے اور اوپر سے ڈھک دیتے، اور فرمایا جو کسی مُسلمان کو جامہ پہناتا ہے۔ وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا جب تک جامہ درویش کے تن پر رہے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پنجاہ ہزار درہم صدقہ میں دیا، اور اپنے پیراہن میں پیوند لگا دیئے اور اپنا نیا پیراہن نہ بنوایا، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک شخص نے ستر سال عبادت کی اور اس سے ایک ایسا عظیم گناہ سرزد ہوا، کہ اس کی عبادت ضبط ہو گئی، پھر اس نے ایک دفعہ کسی درویش کو دیکھا، اور اس کو ایک ٹکڑہ روٹی کا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا وہ گناہ معاف کر دیا، اور اس کی ستر سال کی عبادت واپس دے دی۔ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب کبھی تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو تو صدقہ دیا کر، اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت شکر سے صدقہ دیتے، اور فرماتے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ، یعنی تم ہرگز نیکی حاصل نہ کرو گے، جب تک اپنی عزیز ترین چیز اللہ کے راستہ میں خیرات نہ کرو گے اور حق تعالیٰ جانتا ہے، کہ میں شکر کو دوست رکھتا ہوں، اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، کہ صدقہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتا جب تک صدقہ دینے والا اپنے آپ کو ثواب کا اتنا محتاج نہیں سمجھتا جتنا درویش صدقہ کا محتاج ہے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بردہ فروش کے پاس ایک کنیز خوبصورت کو دیکھا، فرمایا دو درہم میں اسے فروخت کرے گا۔ بردہ فروش نے کہا، نہیں، آپ نے فرمایا، جا اللہ تعالیٰ دو درہم صدقہ میں حور عین کو جو اس سے بہتر ہے، فروخت کر دیا ہے۔

اصل ششم روزہ کے بیان میں

ارکان اسلام میں روزہ بھی ایک رُکن ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نیکی کا بدلہ دس سے سات سو تک دیتا ہوں، مگر روزہ میرے واسطے خاص ہے، اس کی جزا میں خود دیتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ یعنی جو لوگ اپنی خواہشوں سے صبر کرتے ہیں، ان کیلئے بے حساب اجر ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ صبر نصف ایمان ہے اور روزہ نصف صبر ہے، اور ارشاد کیا ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی ہے اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میرے بندے نے کھانا پینا اور جماع خاص میرے لئے چھوڑ دیا، اس کا بدلہ میں دے سکتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، روزہ دار کی نیند عبادت ہے اور اس کا سانس تسبیح ہے، اور اس کی دعا مقبول ہے اور فرمایا جب رمضان شریف

آتا ہے۔ بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے اور اس بات کی منادی کر دی جاتی ہے کہ اے طالب خیر آ کہ تیرا وقت ہے۔ اور اے طالب شر ٹھہر کہ تیرے لئے جگہ نہیں۔ اور روزہ کی بڑی فضیلت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سے نسبت دی ہے اور فرمایا۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی روزہ میرے لئے ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اگرچہ عام عبادات اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں لیکن یہ خصوصیت ایسی ہے۔ جیسے کعبہ شریف کو اپنا گھر ارشاد فرمایا۔ اگرچہ تمام ملک اسی کا ہے۔ اور روزہ دو خصوصیتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوا ہے۔ ایک یہ کہ حقیقت اس کی ترک خواہشات ہے اور یہ باطنی امر ہے۔ جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور ریا کو اس میں دخل نہیں۔ دوم۔ یہ کہ ابلیس اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اور خواہشات اس کا لشکر ہیں اور روزہ اس کے لشکر کو تباہ کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی حقیقت خواہشات کو ترک کرنا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کے جسم میں خون رواں کی طرح ہے اور اس کا راستہ بھوک سے تنگ کرو اور فرمایا ہے۔ اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ یعنی روزہ سپر ہے۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ بہشت کا دروازہ کھٹکھٹایا کرو۔ لوگوں نے پوچھا کس سے آپ نے فرمایا بھوک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ روزہ عبادت کے لئے دروازہ ہے۔ اور سب فضیلتیں اسی لئے ہیں کہ خواہشات ہی مانع عبادت ہیں اور سیری خواہشات کی مدد ہے اور بھوک اسے مار دیتی ہے۔

روزہ کے فرائض کا بیان: روزہ کے لئے دس چیزیں فرائض میں داخل ہیں۔ اوّل فرض چاند کی تلاش ہے آیا چاند انتیس کا ہے یا تیس کا۔ اور ایک عادل کے قول پر اعتبار کرنا جائز ہے اور عید کے چاند کے لئے دو گواہ ضروری ہیں۔ جو شخص کسی ایسے شخص سے چاند کی نسبت سُنے جو اس کے نزدیک سچا ہو تو اس پر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قاضی اس کے قول کے موافق حکم نہ دے۔ اور اگر کسی ایسے شہر میں چاند دیکھا گیا ہو جو ایک بستی سے سولہ کوس دُور ہے تو اس بستی والوں کے لئے روزہ فرض نہ ہوگا۔ اور اگر مسافت سولہ کوس سے کم ہے تو روزہ فرض ہوگا۔ دوم۔ ہر رات نیت کرے اور یاد رکھے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے اور فرض ہے۔ اور جو شخص اس بات کو یاد رکھے گا اس کا دل نیت سے خالی نہ رہیگا۔ اور اگر شک کی رات کو یہ نیت کرے۔ کہ اگر کل رمضان ہے تو میں روزہ دار ہوں تو یہ نیت درست نہ ہوگی۔ اگرچہ رمضان ہو۔ یہاں تک کہ کسی معتمد کے قول سے شک دُور ہو جائے۔ اور رات کے آخری حصہ میں یہ نیت درست ہے اگرچہ وہ شک ہی میں ہو۔ اس کی اصل یہ ہے کہ رمضان ابھی باقی ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی تاریک جگہ میں ہے اور خیال اور سوچ کی بنا پر وقت تجویز کرتا ہے اور اپنے اسی اعتماد پر نیت کرتا ہے۔ تو درست ہے۔ اور اگر رات کو نیت کر چکا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس نے کوئی چیز کھالی ہے۔ تو روزہ باطل نہ ہوگا۔ اور اگر عورت یہ خیال کرلے کہ حیض بند ہو جائیگا۔ اور روزہ کی نیت کرلے۔ اور حیض بند ہو جائے تو روزہ درست ہوگا۔ سوم۔ باہر سے کوئی چیز قصداً اپنے اندر داخل نہ ہونے دے۔ لیکن فصد۔ حجامت۔ سُرمہ لگانا۔ سلائی کان میں ڈالنا۔ اور روئی سوراخ ذکر میں رکھنا۔ روزہ میں کچھ نقصان نہیں پہنچاتا۔ باطن سے مراد وہ جگہ ہے۔

جو کسی چیز کے لئے قرار گاہ ہو۔ جیسے دماغ، پیٹ، معدہ، مثانہ اور اگر بلاقصد کوئی چیز اندر چلی جائے جیسے مکھی یا غبار یا کلّی کا پانی تو اس سے روزہ کو نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر نہ کہ کلّی میں مبالغہ کرے۔ اور پانی حلق تک پہنچ جائے۔ تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ اور اگر بھول کر کچھ کھالے، تو قباحت نہیں اور اگر صبح وشام کے خیال سے کوئی چیز کھالے۔ اور پھر معلوم ہو کہ صبح سے پہلے یا غروب کے بعد کھائی تھی۔ تو روزہ کی قضا کرے۔ چہارم اپنی اہلیہ سے مباشرت نہ کرے جس سے کہ غسل لازم آتا ہو۔ کیونکہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر روزہ کو فراموش کردے۔ تو روزہ باطل نہ ہوگا۔ اگر رات کو مباشرت کرے اور غسل صبح کرے تو روزہ درست رہیگا۔ پنجم کسی طریق سے بھی منی نکالنے کا قصد نہ کرے۔ اور اگر اپنی اہلیہ سے پیار کرے اور بباعث جوانی انزال ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ ششم ارادۃً قے نہ کرے اگر بلااختیار ہوجائے تو روزہ باطل نہ ہوگا۔ اگر زکام میں بلغم کو کھنگار کے تھوک دے۔ تو کچھ قباحت نہیں کیونکہ اس سے بچنا دشوار ہے۔ اور اگر منہ میں آنے کے بعد نگل جائیگا تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ اور روزہ کی سنّتیں چھ ہیں سحری دیر سے کھانا۔ پانی یا کھجور سے جلدی افطار کرنا۔ زوال کے بعد مسواک نہ کرنا۔ فقیروں کو کھلانا۔ قرآن شریف کی تلاوت بہت کرنا۔ مسجد میں معتکف ہونا۔ خاص کر آخری دس راتوں میں جسمیں لیلۃ القدر ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس عشرہ میں آرام وخواب چھوڑ دیتے اور عبادتِ الٰہی میں کمر باندھ لیتے تھے۔ آپ اور آپکے اہل عبادت سے ذرا غافل نہ ہوتے اور شبقدر رمضان شریف کی اکیسویں ۲۱ یا تیئیسویں ۲۳ یا پچیسویں ۲۵ یا ستائیسویں ۲۷ رات ہے اور اکثر طور ستائیسویں کو ہی ہوتی ہے بہتر یہی ہے کہ یہ تمام عشرہ مسلسل اعتکاف کرے اور اگر اعتکاف مسلسل کرنے کی نیت کی ہو تو لازم ہے سوائے حاجات ضروریہ کے مسجد سے باہر نہ نکلے اور جتنی دیر وضو میں خرچ ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ گھر میں نہ ٹھہرے۔ اور اگر نماز جنازہ یا مریض کی عیادت یا تجدید طہارت یا شہادت کیلئے باہر آئیگا تو اس سے اعتکاف نہ ٹوٹے گا۔ اور مسجد میں سونا کھانا جائز ہے۔ قضائے حاجت کے بعد اعتکاف کی نیّت پھر تازہ کرلے؛

روزہ کی حقیقت واسرار کا بیان۔ روزہ تین درجوں پر منقسم ہے۔ ایک روزہ عوام کا۔ دوم روزہ خواص کا سوم روزہ خواص الخواص کا۔ عوام کا روزہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اسکی غایت کھانے پینے جماع کرنے سے پرہیز کرنا ہے۔ اور یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے لیکن روزہ خواص الخواص کا بلند ترین درجہ رکھتا ہے اور اپنے دل کو سوائے خدا تعالیٰ کے تمام اشیاء سے خالی کرنا ہے۔ اور اپنے آپکو مکمل طور پر اس کے حوالہ کرنا ہے۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوائے ہے۔ اس سے ظاہری وباطنی طریق پر روزہ رکھنا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی دوسری باتوں سے تعلق رکھتا ہے تو اس کا روزہ کھل جاتا ہے۔ اور اگرچہ دنیاوی اغراض میں غور کرنا مباح ہے لیکن یہ روزہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر جو دنیا کے راہ میں مددگار ہو وہ دنیا میں داخل نہیں۔ اور علماء نے کہا ہے کہ یہ وہ روزہ ہے جس میں اگر دن کو افطاری کی تدبیر کرے۔ تو وہ گناہ میں داخل ہے کیونکہ ایسا کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ نے جو رزق کا وعدہ فرمایا ہے وہ شخص اس پر یقین

نہیں رکھتا - اور یہ مرتبہ انبیا اور صدیقین کا ہے - ہر شخص اس روزہ پر نہیں پہنچتا - اور خواص کا روزہ یہ ہے کہ جماع اور کھانے پینے کے علاوہ تمام ناشائستہ امور سے اپنے آپکو بچائے - اور یہ روزہ چھ چیزوں سے مکمل ہوتا ہے - اوّل - یہ کہ آنکھوں کو ان تمام چیزوں سے بچائے - جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل کو پھیرتی ہیں - خصوصاً ایسی چیزوں سے بچے جن سے شہوت پیدا ہونیکا احتمال ہو - رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے - کہ نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے ' اور جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس سے پرہیز کرتا ہے - اسکو خلعت ایمانی دیا جاتا ہے جسکا مزہ وہ اپنے میں پاتا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں روزہ توڑ ڈالتی ہیں ' دروغ ، غیبت ، سخن چینی ، جھوٹی قسم ، نظرِ شہوت دوم - زبان کو بیہودہ گفتگو سے بچائے اور ذکرِ الٰہی و تلاوت قرآن شریف میں مشغول رہے یا خاموش رہے بحث کرنا خصومت کرنا بیہودہ باتوں میں داخل ہے ، بعض علماء کے نزدیک غیبت اور دروغ عوام کے روزہ کو بھی توڑ دیتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا اور پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو گئیں اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روزہ کھولنے کی اجازت طلب کی - آپ نے ایک پیالہ انکے پاس بھیجا کہ اس میں قے کر دیں - ہر ایک کے حلق سے خون کے ٹکڑے برآمد ہوئے - لوگ حیران رہ گئے - حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان دو عورتوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں سے روزہ رکھا اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے ' اس سے توڑ ڈالا یعنی کسی کی غیبت کی ہے اور یہ جو انکے منہ سے خون کے ٹکڑے نکلے ہیں ' یہ آدمیوں کا گوشت ہے جو انہوں نے کھایا ہے - سوم - بیہودہ باتیں نہ سنے کیونکہ جو باتیں کرنا منع ہے ان کا سننا بھی منع ہے اور سننے والا بھی غیبت کرنے والے اور جھوٹ بولنے والے کا ساتھی ہوتا ہے - چہارم - ہاتھ پاؤں کو تمام ناشائستہ حرکات سے محفوظ رکھے اور جو روزہ رکھ کر ایسے افعال کرتا ہے - اس کی مثل اس بیمار کی ہے جو میوہ کھانے سے پرہیز کرتا ہے ، لیکن زہر کھاتا ہے - اسی طرح گناہ بمنزلہ زہر کے ہے - اور طعام غذا ہے جس سے زیادہ کھانے سے نقصان ہوتا ہے - لیکن اصل غذا مضر نہیں ' اسی واسطے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ بہت روزہ دار ایسے ہیں جنہیں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا - پنجم - یہ کہ افطار کے وقت حرام اور مشتبہ چیزیں نہ کھائے اور حلال خالص بھی زیادہ نہ کھائے کیونکہ جب رات کو دن کا حصّہ بھی کھالے گا - تو کیا فائدہ رہیگا - کیونکہ روزہ کا مقصد خواہشات کو توڑنا ہے اور دونوں وقت کا کھانا ایک ہی وقت میں کھالینا خواہشات کو بڑھاتا ہے اور خاص کر قسم قسم کی غذاؤں کا کھانا اور جبتک معدہ خالی نہ ہوگا - دل صاف نہ ہوگا - بلکہ سنّت یہ ہے کہ دن کو زیادہ خواب نہ کرے بلکہ جاگتا رہے تا کہ بھوک پیاس اور ضعف کا اثر اسے معلوم ہو اور رات کو جبتک تھوڑا کھانا کھا کر جلدی نہ سو رہیگا نماز تہجد کیلئے نہ اٹھ سکیگا اسی لئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھرا ہوا برتن معدہ سے زیادہ برا نہیں ہے - ششم - اس کا دل افطار کے بعد اس فکر میں رہے - کہ روزہ قبول ہوا ہے یا نہیں - حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عید کے روز ایک گروہ

کی طرف سے گذرے جو ہنس رہے تھے - اور کھیل رہے تھے - آپ نے فرمایا - اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کو ایک میدان بنایا ہے تاکہ اس کے بندے عبادت اور اطاعت میں ترقی کریں، کوئی گروہ سبقت لیجاتا ہے اور کوئی پیچھے رہ جاتا ہے ان لوگوں پر تعجب ہے جو ہنستے ہیں اور اپنی حقیقت وحال کو نہیں جانتے - خدا کی قسم اگر پردہ اٹھ جائے اور راز کھل جائے تو جن کی عبادت مقبول ہے وہ خوشی میں اور جنکی عبادت مردود ہے وہ رنج وغم میں مشغول ہوں - اور کوئی بھی ہنسی اور کھیل میں مشغول نہ ہو - ان تمام امور سے معلوم ہو گیا کہ جو روزہ دار فقط نہ کھانے پینے ہی کو روزہ سمجھتے ہیں انکا روزہ ایک بیجان صورت ہے اور روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو فرشتوں کا ہمشکل بنائے کیونکہ فرشتے خواہشات سے مبرا ہیں، اور چار پایوں پر شہوت غالب ہے اسلیئے وہ فرشتوں سے بہت دور ہیں اسلیئے ہر وہ آدمی جس پر شہوت غالب ہے وہ چار پایوں کا درجہ رکھتا ہے اور جسکی شہوت مغلوب ہے وہ فرشتوں کا ہمسر ہے اور اسی وجہ سے صفات میں انکے قریب ہے نہ کہ جہت مکان سے اور جس طرح فرشتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں اسی طرح اس صفت کا آدمی بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتا ہے اور جو نماز شام کے بعد اہتمام کرتا ہے، اور حسب خواہش پیٹ بھر کر کھاتا ہے تو اسے شہوت زیادہ ہوتی ہے، اور اسے روزہ کی روح حاصل نہیں ہوتی۔

لوازم افطار - قضا - کفّارہ - امساک - فدیہ کے بیان میں - رمضان شریف میں روزہ چھوڑنے سے قضا کفارہ اور فدیہ واجب ہو جاتا ہے لیکن ہر ایک کیلئے محل وموقع علیحدہ علیحدہ ہے جو مسلمان مکلّف (بالغ) بلا عذر یا بعد از روزہ کھول دیتا ہے - اس پر قضا واجب ہے اور اسی طرح مسافر بیمار، حاملہ، حائضہ پر بھی قضا واجب ہے اور دیوانے اور نابالغ لڑکے پر قضا واجب نہیں اور کفّارہ جماع یا اور کسی طریق سے منی نکالنے پر واجب ہوتا ہے اور کفارہ یہ ہے کہ غلام یا لونڈی آزاد کرے - اور اگر اس کی توفیق نہ ہو تو دو مہینہ برابر روزے رکھے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مدّ اناج کے مسکین کو دے اور ہر مدّ ایک تہائی کم ایک من ہوتا ہے - اور امساک یعنی باقی دن بھر کھانے پینے، جماع سے باز رہنے بے عذر روزہ چھوڑنے والے پر واجب ہوتا ہے - اور اگر حائضہ دن کو پاک ہو جائے - اور مسافر جو دن کو مقیم ہو جائے اور بیمار جو دن کو تندرست ہو جائے ان پر امساک واجب نہیں ہوتا اور اگر شک کے دن ایک شخص گواہی دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور جس شخص نے طعام کھالیا ہے تو اس پر روزہ داروں کی طرح واجب ہے کہ باقی تمام دن کچھ نہ کھائے اور جو شخص دن کو ابتدائے سفر کرے اسکو روزہ نہیں چھوڑنا چاہیئے اور اگر روزہ کی حالت میں دن کے وقت کسی شہر میں پہنچ جائے تب بھی روزہ افطار کے وقت سے پہلے نہ کھولے، اور مسافر کیلیئے اگر طاقت رکھتا ہو تو حالت سفر میں روزہ رکھنا بہتر ہے بہ نسبت نہ رکھنے کے اور فدیہ دینا ایک مدّ اناج مسکین کو دینا ہے اور وہ اس حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت پر ساتھ قضا کے واجب ہے جو فرزند کے ہلاک ہونیکے خوف سے روزہ کھول ڈالے اور اس پر فدیہ واجب نہیں ہے - جو اپنی ہلاکت کے خوف سے روزہ کھول ڈالے اور اس پیر مرد پر جو ضعف کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے اس پر بعوض قضا کے

فدیہ واجب آتا ہے اور جو شخص قضائے رمضان میں یہانتک تاخیر کرے کہ دوسرا رمضان آجائے تو اس پر ہر روزہ کے عوض میں قضا اور فدیہ بھی واجب ہے۔

فصل

سال بھر متبرک اور بزرگ دنوں میں روزہ رکھنا سنّت ہے، جیسے عرفہ، عاشورہ اور ذوالحجہ سے نو روز پہلے محرم، رجب اور شعبان سے دس روز پہلے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رمضان شریف کے روزوں کے بعد محرم کے روزوں کی فضیلت اور تمام محرم کے روزے رکھنا سنّت ہے اور پہلے عشرہ میں روزے رکھنے کی خاص کر تاکید ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ محرم کا ایک روزہ دوسرے مہینوں کے تیس روزوں سے بہتر ہے اور رمضان شریف کا ایک روزہ محرم کے تیس روزوں سے زیادہ افضل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص ماہ حرام کی جمعرات، جمعہ، ہفتہ کو روزہ رکھتا ہے اس کے لئے سات سو برس کا ثواب لکھا جاتا ہے اور ماہِ حرام چار ہیں محرم، رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور ان میں زیادہ فضیلت ذوالحجہ کی ہے۔ اس لئے کہ حج کا مہینہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عبادت ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کی عبادت سے بڑھ کر محبوب نہیں اور اس کے ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کی طرح ہے، لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ کیا جہاد کی بھی اتنی فضیلت نہیں آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر اُس شخص کیلئے جسکا گھوڑا مارا جائے اور اُس کا بھی خون گرایا جائے اور صحابہؓ کے ایک گروہ نے رجب تمام مہینہ روزہ رکھنے کو مکروہ جانا ہے۔ تاکہ رمضان کی مانند نہ ہو جائے، اور اسی لئے ایک دن کم وبیش کر دیا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جب شعبان نصف تک پہنچ جائے تو رمضان تک پھر کوئی روزہ نہیں اور آخر شعبان میں افطار کر دینا بہتر ہے تاکہ رمضان اُس سے علیحدہ رہے اور شعبان کے آخر میں رمضان شریف کے استقبال کے روزے رکھنا مکروہ ہے لیکن قصد استقبال کے علاوہ کوئی اور نیّت ہو تو منع نہیں اور ہر مہینہ کے ایّام بیض (یعنی وہ دن جنکی راتوں میں چاند پورا اجالا ہوتا ہے تیرھویں، چودھویں، پندرھویں) میں روزے رکھنا افضل ہے اور ہفتہ میں دوشنبہ، جمعرات، جمعہ کے تمام سال متواتر روزے رکھنا سب روزوں کو شامل ہے یعنی جامع ہے لیکن سال بھر میں پانچ روزہ نہ رکھنا چاہئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور تین دن ایّام تشریق کے (یعنی ذوالحجہ کی گیارھویں بارھویں، تیرھویں تاریخ) اور چاہئے کہ افطار کو اپنے لئے منع نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے اور جو شخص صوم دھر کے روزے نہیں رکھ سکتا (یعنی سال بھر) وہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے یہ صوم داؤد ہے، یعنی داؤد علیہ السلام اسی طریق پر روزے رکھا کرتے تھے اور اسکی بڑی فضیلت ہے حدیث شریف میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزے رکھنے کا سب سے افضل طریقہ پوچھا۔ تو آپ نے صوم داؤدی کا طریقہ ارشاد فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ افضل طریق کا خواہاں ہوں آپ نے فرمایا۔ اس سے افضل اور کوئی طریقہ

نہیں اور اس سے کمتر درجہ جمعرات اور دوشنبہ کے روزہ کا رکھنا ہے تاکہ سال کی ایک تہائی سے ماہ رمضان کے نزدیک ہو جائے اور جب کوئی روزہ کی حقیقت کو پہچان لے کہ اس سے خواہشات کا دفعیہ مقصود ہے اور دل کا صفا کرنا مدنظر ہے تو چاہئے کہ اپنے دل کی حفاظت کرے اور اس صورت میں کبھی تو افطار بہتر ہے اور کبھی روزہ اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو یہانتک روزے رکھتے کہ لوگوں کا خیال ہوتا کہ اب حضور افطار کبھی نہ فرمائینگے اور کبھی یہاں تک افطار فرماتے کہ لوگ یہ خیال کرتے کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے۔ حضور کے روزہ رکھنے کی کوئی مقررہ ترتیب نہ تھی۔ اور علماء نے چار روزہ سے زیادہ متواتر افطار کو مکروہ جانا ہے۔ اور اسکی کراہت کو روز عید اور ایام تشریق سے اخذ کیا ہے اور ہمیشہ روزہ نہ رکھنے میں دل کے سیاہ ہو جانے کا اور غفلت کے غالب ہو جانیکا اور آگاہئی قلب کے ضعیف ہو جانیکا خطرہ ہے۔

اصل ہفتم حج کے بیان میں

حج ارکان اسلامی میں سے ہے اور عبادت عمر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص بغیر حج کئے مر گیا اسے کہدو خواہ وہ یہودی مرے یا نصرانی اور فرمایا جو شخص حج کرتا ہے اور پھر گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا، اور زبان کو بیہودہ اور ناشائستہ باتوں سے بچاتا ہے وہ اسطرح تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ اپنی پیدائش کے پہلے روز پاک تھا۔ اور فرمایا بہت سے گناہ ایسے ہیں جنکا کفارہ سوائے عرفات میں کھڑے ہونیکے اور کچھ نہیں اور فرمایا عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان کسی روز بھی ذلیل و خوار اور زرد رو نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسدن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے نہایت باران رحمت برساتا ہے اور بڑے بڑے عظیم الشان گناہ بخش دیتا ہے اور فرمایا جو شخص حج کے ارادہ سے گھر سے باہر نکلتا ہے اور راستہ میں مر جاتا ہے تو قیامت تک اسکے اعمال میں ہر سال حج اور عمرہ لکھا جاتا ہے اور جو شخص مکہ یا مدینہ میں مرتا ہے وہ قیامت کے دن حساب و کتاب سے معاف ہے۔ اور فرمایا کوئی گناہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ آدمی عرفات میں کھڑا ہو اور یہ خیال نہ کرے کہ میں گناہوں سے پاک ہوں۔ علی بن الموفق ایک صاحب بزرگوں میں سے تھے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایکسال حج کیا اور عرفہ کی رات دو فرشتوں کو خواب میں دیکھا، کہ سبز لباس میں آسمان سے اُترے، ایک فرشتہ نے دوسرے سے کہا کیا تو جانتا ہے کہ اس سال کتنے حاجی تھے؟ دوسرے نے کہا نہیں پھر اس نے کہا چھ لاکھ تھے اور پھر کہا تجھے معلوم ہے کہ کتنے حاجیوں کا حج قبول ہوا اس نے کہا نہیں پھر اس نے کہا صرف چھ آدمیوں کا۔ یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اس گفتگو کے خوف سے جاگ پڑا۔ اور سخت غمگین ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ میں کسی حالت میں بھی ان چھ آدمیوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اس پریشانی اور فکر میں مشعر الحرام پہنچا اور سو گیا - اور خواب میں پھر انہی دو فرشتوں کو دیکھا، کہ وہی باتیں کرتے ہیں پھر اسوقت ایک نے دوسرے سے کہا کہ کیا تجھے معلوم ہے

کہ آج رات اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دیا ہے، دوسرے نے کہا مجھے معلوم نہیں اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ آدمیوں کے لئے چھ لاکھ کو بخشدیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں پھر میں خوشی خوشی خواب سے اٹھا اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ہر سال چھ لاکھ نفوس خانہ کعبہ کا حج کیا کریں گے اور اگر کسی وقت یہ تعداد کم ہو گی تو آسمان سے اسی قدر فرشتے بھیج دیے جائینگے تاکہ یہ تعداد پوری ہو جائے اور قیامت کے دن خانہ کعبہ ایک عروسِ جلوہ آرا کی مانند ہو گا۔ اور حاجی لوگ اس کے گرد پھرتے ہونگے اور اس کے پیروں کو ہاتھ لگائیں گے۔ یہانتک کہ خانہ کعبہ بہشت میں داخل ہو گا۔ اور تمام حاجی لوگ اس کے ساتھ بہشت میں داخل ہوں گے ؛

شرائط حج :۔ جو مسلمان وقت پر حج کریگا اس کا حج درست ہو گا۔ اور حج کا وقت شوال و ذیقعد اور نو دن ذوالحجہ کے ہیں اور جب روز عید کی صبح طلوع کرے اسوقت سے حج کے لئے احرام بندی درست ہے اور اگر اس سے پیشتر حج کے لئے احرام باندھیگا۔ تو وہ عمرہ ہو گا۔ اور تمیز دار لڑکے کا حج درست ہے اور اگر شیر خوار ہے تو اسکا ولی اسکی طرف سے احرام باندھے اور عرفات پر لے جائے اور سعی و طواف کرے تو درست ہے پس حج مسلمان کی درستی کیلئے پابندی شرط ہے لیکن حج اسلام کے فرض ادا ہونے کی پانچ شرطیں ہیں مسلمان ہونا، آزاد ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہونا، وقت پر احرام باندھنا اور اگر نابالغ احرام باندھے اور عرفات پر کھڑے ہونیسے قبل بالغ ہو جائے، یا غلام ہو تو آزاد ہو جائے تو حج اسلام ادا ہو جائیگا اور فرض عمرہ ادا ہونے کی بھی یہی شرائط ہیں۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ عمرہ کیلئے تمام سال ہوتا ہے اور کسی دوسرے کیطرف سے نیابتہً حج کرنے کی یہ شرط ہے، کہ پہلے اپنا فرض اسلام ادا کرے اور اگر اس سے پہلے دوسرے کے حج کے لئے نیت کریگا تو اسی حج ادا کرنیوالے کا حج ادا ہو گا۔ اس دوسرے کی طرف سے ادا نہ ہو گا پہلے حج اسلام ادا کرنا چاہئے پھر قضا پھر نذر پھر نیابت اور اسی ترکیب سے ادا ہو گا۔ اگرچہ نیت اس کے خلاف ہو اور حج کے واجب ہونیکی یہ شرطیں ہیں مسلمان ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو۔ استطاعت رکھتا ہو لیکن استطاعت کی دو اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی توانا ہو اور خود حج کرے۔ اور یہ تین باتوں پر مبنی ہے۔ ایک تندرستی۔ دوم رستہ کا پُر امن ہونا سوم یہ کہ اس قدر مال دار ہو کہ آنے جانیکے خرچ کے علاوہ مالدار ہو مقروض نہ ہو اور واپس آنے تک بال بچّوں کے نفقہ کو مال کفایت کرے اور چاہئے کہ سواری کے لئے کرایہ رکھتا ہو۔ کیونکہ پیادہ چلنا لازم نہیں ہے دوم یہ کہ مفلوج ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اس کے اچھا ہونیکی امید نہ ہو ایسے شخص کی استطاعت یہ ہے کہ اسقدر مالدار ہو کہ اجرت پر کسی کو حج کیلئے روانہ کر سکے اور اگر اسکا بیٹا اس بات پر راضی ہو کہ وہ اپنے باپ دادا کی طرف سے بلا اجرت حج ادا کرے تو اسے چاہئے کہ بیٹے کو اجازت دے، کیونکہ بیٹے کیلئے باپ کی خدمت باعث شرف و عزت ہے اور اگر بیٹا کہے کہ میں مال دیتا ہوں اور کسی کو اجارہ پر بھیجدو۔ تو یہ درست نہیں کیونکہ اس صورت میں آسان ہو گا۔ اور اگر بیگانہ بھی اسکی طرف سے مفت حج کیلئے تیار ہو تو اس کا بھی احسانمند ہونا لازم نہیں، پس جب استطاعت ہو جائے تو حج کیلئے جلدی کرے اور اگر

تاخیر کریگا تو بھی درست ہے، اور اگر دوسرے سال حج کی توفیق ہوئی تو خیر اور اگر تاخیر کی اور حج کرنیسے پہلے مرگیا تو گنہگار ہوگا، ایسی حالت میں اس کے ترکہ سے اس کی نیابت میں حج کرانا چاہیئے۔ اگرچہ اس نے وصیت بھی نہ کی ہو، کیونکہ یہ اس پر قرضہ، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ میں چاہتا ہوں، کہ دوسرے شہروں میں لکھ بھیجوں کہ جو شخص استطاعت رکھتے ہوں اور حج نہ کریں ان سے جزیہ لیا جائے۔

ارکان حج کے بیان میں:۔ ارکان حج جنکے بغیر حج درست نہیں ہوتا۔ پانچ ہیں، احرام باندھنا طواف کرنا سعی کرنا، عرفات میں کھڑا ہونا اور ایک کے مطابق بالونکا مونڈنا اور واجبات حج جن کے ترک کرنیسے حج باطل نہیں ہوتا لیکن ایک بکرا احلال کرنا لازم آتا ہے، چھ ہیں۔ میقات میں احرام باندھنا، اور اگر میقات سے بلا احرام کے گزر گیا تو اس پر ایک بکرا ذبح کرنا واجب ہوگا۔ دوم، سنگریزے مارنا۔ سوم، غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھرنا۔ چہارم، مزدلفہ میں شبکو قیام کرنا۔ پنجم۔ اسی طرح منا میں ٹھہرنا۔ ششم۔ طواف وداع کرنا، اور ایک قول یہ ہے۔ کہ پچھلے چار واجبات اگر ترک کردیگا، تو بکرا ذبح کرنا واجب نہیں سنّت ہے، اور حج ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ افراد، قِران، تمتع، افراد سب سے افضل ہے، جیسے حج پہلے تنہا کرے اور حج تمام ہونے کے بعد حرم سے باہر آئے اور عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ بجالائے اور جعرانہ میں احرام عمرہ کا باندھنا تنعیم سے زیادہ افضل ہے۔ اور تنعیم میں باندھنا حدیبیہ سے زیادہ افضل ہے اور تینوں مقام پر باندھنا سنّت ہے اور قران یہ ہے۔ کہ حج اور عمرہ کی نیّت اکٹھی کرے اور کہے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ وَّعُمْرَۃٍ تاکہ دونوں کا احرام یکبارہ ہو جائے، اور پھر جب حج کے اعمال بجالائیگا تو عمرہ بھی اس میں داخل ہوگا۔ جس طرح غسل کرنے میں وضو بھی ہو جاتا ہے اور جو شخص ایسا کرے اس پر ایک بکرا واجب ہے اور مکّہ کے رہنے والے پر واجب نہیں، کیونکہ اس کا میقات مکّہ ہی ہے اور وہ مکّہ ہی میں احرام باندھے گا، اور جو شخص قران کرے اور عرفات پر ٹھہرنے سے پہلے طواف وسعی کرے تو سعی حج اور عمرہ میں محسوب ہوگی، لیکن طواف عرفات پر ٹھہرنے کے بعد اعادہ کرنا چاہیئے، کیونکہ طواف رکن کی شرط یہ ہے، کہ عرفات پر ٹھہرنے کے بعد ہو، تمتع سے یہ مطلب ہے کہ جب میقات پہنچے عمرہ کا احرام باندھے اور مکّہ معظمہ میں تحلّل کرے (احرام سے باہر آنا) تاکہ احرام کی قید میں نہ ہو اور پھر حج کے وقت مکّہ شریف میں حج کا احرام باندھے، اور اس پر ایک بکرا واجب ہے۔ اور اگر اس کی توفیق نہ ہو تو تین دن روزہ عید الاضحیٰ سے پہلے پراگندہ طور پر یا متواتر طور پر رکھے، اور سات روزہ وطن کر رکھے، اور قران میں اگر بکرا کی توفیق نہ ہو تو اسی طرح دس روزے رکھے، اور تمتع کی قربانی اس شخص کیلئے ہے، جس سے عمرہ کا احرام شوال یا ذلقعد یا ذوالحجہ کے عشرہ میں کیا یا حج کی زحمت کیا ہو، اور حج کا احرام اپنے میقات سے نہ باندھا ہو، اور اگر وہ مکّہ معظمہ کا باشندہ ہے یا مسافر ہے اور حج کیوقت میقات کو گیا یا اتنی مسافت پر گیا تو اس پر بکرا واجب نہیں ہے اور ممنوعات حج چھ ہیں ایک لباس کا پہننا، کیونکہ احرام میں پیراہن اور آزار و دستار و موزہ منع ہیں، بلکہ تہبند اور نعلین چاہیئے، اگر نعلین نہ ہو تو کفش جائز ہے

اور اگر تہبند نہ ہو تو شلوار جائز ہے اور سات عضو کو تہبند سے ڈھانپنا چاہیئے مگر سر کھلا رکھے اور عورت کو اپنی حسب عادت لباس پہننا جائز ہے لیکن منہ بند نہ کرے اگر محمل یا سائبان کے اندر ہو تو درست ہے، **دوم** اگر خوشبو استعمال کریگا یا لباس پہنیگا تو ایک بکرا واجب ہوگا، **سوم**۔ اگر بال منڈوائیگا یا ناخن کٹوائیگا تو ایک بکرا واجب ہوگا۔ حمام میں جانا، فصد کھلوانا، پچھنے لگوانا اور بالوں کو اسطرح کھولنا کہ اکھڑ نہ جائیں درست ہے۔ **چہارم**۔ جماع کرنا اگر جماع کریگا تو اس پر ایک اونٹ یا سات بکرے واجب ہونگے اور اسکا حج فاسد ہوجائیگا اور اس پر قضا واجب ہوگی، لیکن اگر پہلے تحلّل کے بعد جماع کریگا تو ایک اونٹ واجب ہوگا اور حج باطل نہ ہوگا۔ **پنجم**۔ ملاقات مباشرت یعنی مساس کرنا بوسہ لینا منع ہے، اور جو حرکات عورت و مرد کے باہم چھونے میں طہارت میں نقص پیدا کرے اس میں ایک بکرا واجب ہے احرام میں نکاح نہ کرنا چاہیئے، اگر کریگا تو جائز نہ ہوگا، اسلئے نکاح کرنے میں کوئی بکرا وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔ **ششم** شکار نہ کرے لیکن دریائی شکار کرنا جائز ہے اگر خشکی میں شکار کریگا تو اس کی مثل بکرا لگائے، اونٹ یا جس جانور سے وہ شکار مشابہ ہوگا واجب ہوجائیگا۔

کیفیّتِ حج کا بیان:۔ ارکانِ حج کی کیفیت کو اوّل و آخر تک بالترتیب جاننا چاہیئے اور بطریق مسنون فرض سنّتیں اور آداب وغیرہ ملے جُلے پہچاننا چاہیئے اور عبادت کرنا جس شخص کی عادت میں داخل ہے اسکے نزدیک فرض سنّتیں آداب سب برابر ہیں کیونکہ جو شخص مقام محبّت پر پہنچتا ہے وہ سنّتوں اور نفلوں کی وجہ سے پہنچتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فرائض کی ادائگی سے بندے میرا قرب حاصل کرتے ہیں اور جو میرا بندہ ہوگا وہ سنّتوں اور نفلوں کے ذریعہ میرا تقرّب حاصل کرنے میں کبھی آرام سے نہ بیٹھے گا، یہانتک اسے یہ مرتبہ حاصل ہو جائے کہ اسکے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ سب کچھ میں ہی بنجاؤں، اور مجھ ہی سے دیکھے اور مجھ ہی سے سُنے، مجھ ہی سے لے مجھ ہی سے کہے پس عبادات کی سنّتوں کا بجالانا ضروری ہے اور ہر موقعہ و مقام کے آداب ملحوظ رکھنا چاہیئے

اوّل سامان سفر و راہ کے آداب میں:۔ جب حج کا ارادہ کرے پہلے توبہ کرے اور ظلم سے باز آجائے اور قرضوں کو ادا کرے، اہل و عیال اور جسکی کا نفقہ اسپر واجب ہے ان سب کا نفقہ ادا کرے وصیّت نامہ لکھے اور حلال کی کمائی سے خرچ حاصل کرے اور مشتبہ مال سے پرہیز کرے، کیونکہ مشتبہ مال سے حج کے قبول نہ ہونیکا خطرہ ہے اور زادِ راہ اسقدر لے جس سے درویشوں کے ساتھ کچھ حسنِ سلوک کرسکے اور گھر سے روانہ ہونے کے پہلے سلامتی راہ کیلئے کچھ صدقہ دے اور طاقتور جانور کرایہ پر لے اور جو کچھ سامان ہو وہ کرایہ لینے کو دکھادے، تاکہ اسے اس پر اعتراض نہ ہو اور رفیق صالح اور تجربہ کار متقی مہیا کرے اور جو دین کی مصلحتوں اور راہ کے نشیب و فراز سے واقف ہو اور دوستوں کو وداع کرے اور انسے دعائے خیر کا طالب ہو اور ہر ایک سے یہ کہے اِسْتَوْدِعُ اللّٰهُ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ (تیرا دین تیری امانت تیرا انجام تیرے اعمال میں خدا کے سپرد کرتا ہوں اور وہ اسے یہ جواب دیں فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ كَنَفِهٖ زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَجَنَّبَكَ الرَّدٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ لِلْخَيْرِ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتَ (اللہ تعالیٰ تجھے اپنی یاوری و نگہبانی میں پرہیزگاری کا توشہ دے اور ہلاکی سے

تجھے محفوظ رکھے اور جس طرف متوجہ ہو تجھے نیکی کی طرف متوجہ کرے اور جب گھر سے باہر نکلنے لگے تو پہلے دو رکعت نماز پڑھے اور اول رکعت میں قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھے اور آخر میں یہ پڑھے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَاَنْتَ الْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْوَلَدِ وَالْمَالِ اِحْفَظْنَا وَاِیَّاهُمْ مِنْ كُلِّ اٰفَةٍ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِی مَسِیْرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اے اللہ تو یاری دے سفر میں اور قائم مقام رہے گھر والوں اور اولاد اور مال میں اور بچا ہمیں اور انہیں تمام بلاؤں سے اور اے اللہ تعالیٰ میں مانگتا ہوں اس سفر میں تیری اطاعت اور پرہیزگاری اور ہر وہ کام جس میں تو راضی ہو اور جب گھر کے دروازے پہنچے تو یہ پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ بِكَ انْتَشَرْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَبِكَ اعْتَصَمْتُ وَاِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ اَللّٰهُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰى وَاغْفِرْ لِی ذَنْبِی وَوَجِّهْنِی لِلْخَيْرِ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتُ شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے اور بھروسہ رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے دانائی اور طاقت مگر اللہ تعالیٰ کیلئے۔ اے اللہ تیرے نام کے بھروسہ پر پراگندہ ہوتا ہوں اور تجھ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور تیرے ہی ساتھ چنگل مارتا ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ مجھے پرہیزگاری کا توشہ دے اور میرے گناہ بخش دے اور جدھر میں توجہ کروں مجھے نیکی کی طرف متوجہ کر۔ اور جب سواری پر سوار ہو تو یہ پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۔ شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے۔ بہت بڑا ہے۔ پاک ہے جس نے اسے مسخر کر دیا اور نہیں ہم اس پر قدرت رکھنے والے اور بیشک ہم پھرنے والے ہیں۔ پروردگار کی طرف اور تمام راہ قرآن شریف پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں مشغول رہے اور جب بلندی پر گذرے تو یہ پڑھے اَللّٰهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اے اللہ تیرے لئے بزرگی ہے۔ تمام بزرگیوں پر شکر ہے تیرا ہر حال میں اور اگر راہ میں کچھ خطرہ ہو تو آیۃ الکرسی اور شَهِدَ اللّٰهُ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ پڑھے۔

مکہ شریف میں داخل ہونے اور احرام باندھنے کے آداب:۔ اور جب میقات میں پہنچے اور قافلہ وہاں احرام باندھے تو پہلے غسل کرے اور جمعہ کی طرح بال اور ناخن کٹوا لے اور سلے ہوئے کپڑے اتار دے۔ سفید چادر اور تہبند باندھے اور احرام سے پیشتر خوشبو کو استعمال کرے اور جب چلنے کیلئے اٹھے تو ہاتھ اٹھائے اور رستہ کی جانب چہرہ کرے اور نیت حج کرے اور دل و زبان سے یہ دعا پڑھے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ۔ حاضر ہوں میں اے اللہ حاضر ہوں میں نہیں کوئی تیرا شریک حاضر ہوں میں بیشک سب تعریف اور نعمت اور ملک تیرے لئے ہے اور نہیں کوئی تیرا شریک اور ہر نشیب و فراز پر اور قافلہ جس جگہ اکٹھا ہو انہی کلمات کو باآواز بلند پڑھتا رہے اور جب مکہ شریف کے نزدیک پہنچے تو غسل کرے۔ اور حج میں نو سبب سے غسل سنت ہے احرام دخولِ مکہ طوافِ زیارت۔ وقوفِ عرفہ۔ بمقام مزدلفہ تین غسل پتھر پھینکنے کیلئے اور تین غسل جمروں میں اور طوافِ وداع اور جمرۃ العقبہ میں پتھر پھینکنے کیلئے غسل نہیں ہے اور جب غسل کرکے مکہ میں جائے اور جب بیت اللہ پر نگاہ پڑے تو اگرچہ شہر ہی

میں کہیں نہ ہو ۔ یہ پڑھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَدَارُکَ دَارُ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا بَیْتُکَ عَظَّمْتَہٗ وَشَرَّفْتَہٗ وَکَرَّمْتَہٗ اَللّٰھُمَّ فَزِدْہُ تَعْظِیْمًا وَزِدْہُ تَشْرِیْفًا وَتَکْرِیْمًا وَزِدْہُ مَھَابَۃً وَزِدْ مَنْ حَجَّہٗ بِرًّا وَکَرَامَۃً اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَاَدْخِلْنِیْ جَنَّتَکَ وَاَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ اور وہ بزرگ ہے اللہ تعالیٰ اے اللہ تو سلام ہے اور سلامتی تجھی سے ہے اور تیرا گھر سلامتی کا گھر ہے اور اے بزرگی اور بزرگواری کے صاحب تو بابرکت ہے اے اللہ تعالیٰ تیرا یہ گھر تو نے اسے بزرگی دی اور شرافت دی اور کرامت دی اے اللہ تو اسکی تعظیم کو زیادہ کر اور اسکی قدر و منزلت کو زیادہ کر اور زیادہ کر اس شخص کی نیکی و بزرگی جس نے اسکا حج ادا کیا اور اے اللہ تعالیٰ کھولدے اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے اور اپنی جنت میں داخل کر اور پناہ دے مجھ کو شیطان مردود سے اور پھر بنی شیبہ کے دروازے سے مسجد میں داخل ہو اور حجر اسود کا قصد کرے اور بوسہ دے اور اگر ہجوم کے زیادہ ہونے کے باعث بوسہ نہ دے سکے تو اسکی طرف ہاتھ بڑھائے اور یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ اَمَانَتِیْ اَدَّیْتُھَا وَمِیْثَاقِیْ تَعَاھَدْتُہٗ اِشْھَدْ لِیْ بِالْمُوَافَاۃِ اے اللہ اپنی امانت میں نے ادا کی اور اپنا عہد وفا کیا تو میری حق گذاری کو گواہ رکھ اور پھر طوافِ کعبہ میں مشغول ہو۔

آداب طواف کعبہ کے بیان میں

طواف نماز کیطرح ہے اور اس میں بدن کپڑے وغیرہ کا پاک ہونا اور ستر عورت شرط ہے اور اس میں باتیں کرنی مباح ہیں اور پہلے سنتِ اضطباع کو ادا کرنا چاہیئے اور سنت اضطباع یہ ہے کہ تہبند کے بیچ کا حصہ داہنے ہاتھ کے نیچے کر کے اسکے دونوں کنارے کو بائیں کندھے پر ڈالے اور بیت اللہ سے پہلو کیجانب ہو کر حجر اسود سے طواف شروع کرے اسطرح پر کہ اس کے اور بیت اللہ کے درمیان تین قدم سے زیادہ فاصلہ نہ ہو تاکہ پاؤں فرش اور پردہ پر نہ پڑیں کیونکہ وہ خانہ کعبہ کے حدود میں ہیں ۔ اور جب طواف کی ابتدا کرے تو یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَوَفَاءً بِعَھْدِکَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اے اللہ تعالیٰ یہ طوافِ کعبہ تجھ پر ایمان لانے اور تیری کتاب کی تصدیق اور تیرے عہد کی وفا اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہے اور جب خانہ کعبہ کے دروازے پر پہنچے تو یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ ھٰذَا الْبَیْتُ بَیْتُکَ وَھٰذَا الْحَرَمُ حَرَمُکَ وَھٰذَا الْاَمْنُ اَمْنُکَ وَھٰذَا الْمَقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ النَّارِ اور جب رکن عراقی پر پہنچے تو یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّکِّ وَالشِّرْکِ وَالْکُفْرِ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں شک اور شرک کے کفر اور نفاق سے اور برے اخلاق سے اور بری نگاہ سے اپنے گھر والوں اور مال اور عیال میں اور جب پرنالے کے نیچے پہنچے تو یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِکَ اَللّٰھُمَّ اسْقِنِیْ بِکَاْسِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرْبَۃً لَا اَظْمَاُ بَعْدَھَا اَبَدًا اے اللہ مجھے سایہ دے عرش کے نیچے جس دن کہ سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا اے اللہ پلا مجھے کاسہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا شربت کہ جس کے پینے کے بعد میں کبھی پیاسا نہ ہوں اور جب رکن شامی پر پہنچے تو یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ

ف اے اللہ یہ گھر تیرا گھر ہے اور حرم تیرا حرم ہے یہ امن تیرا امن ہے اور یہ جگہ اسکی ہے جو تجھ سے آگ سے پناہ لینے والا ہے

اَجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّتِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْرُ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ (اے اللہ اس حج کو مقبول کر اور اس سعی کو مشکور کر اور گناہوں کو بخش اور سوداگری جو فاسد اور باطل نہ ہو۔ صاحب عزت اور بخشنے والے) اور جب رکن یمانی میں پہنچے تو یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِزْيِ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (اے اللہ میں کفر سے پناہ مانگتا ہوں فقر سے اور عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں حیات و ممات کے فتنہ سے اور پناہ مانگتا ہوں دنیا و آخرت میں رسوا ہونے سے) اسی رکن اور حجر اسود کے درمیان یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا بِرَحْمَتِكَ عَذَابَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ (اے اللہ مجھے دنیا میں نیکی دے اور اپنی رحمت سے عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے بچا)

سات دفعہ اسی طرح طواف کرے۔ اور ہر دفعہ یہی دعا پڑھے اور ہر دفعہ کو شوط کہتے ہیں اور تین شوطوں میں جلدی اور نشاط سے چلے اور اگر خانہ کعبہ کے پاس اژدہام ہو تو دور سے طواف کرے تاکہ جلدی جلدی چل سکے اور پچھلے چار شوطوں ہی پر اکتفا کرے اور جب ساتوں شوط ختم ہو جائیں تو بیت اللہ اور حجر اسود کے درمیان کھڑا ہو کر پیٹ سینہ اور دایاں رخسار کعبہ شریف کی دیوار سے لگائے اور دونوں ہاتھوں کو اپنے سر کے نیچے رکھ کر پھر دیوار پر رکھے یا کعبہ شریف کے آستانہ پر رکھے اور اس جگہ کو ملتزم کہتے ہیں اور اس جگہ دعا قبول ہوتی ہے اور پڑھے اَللّٰھُمَّ يَا رَبَّ الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعِذْنِیْ مِنْ كُلِّ سُوْۤءٍ وَّقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِيْمَا اٰتَيْتَنِیْ (اے اللہ اے بزرگ گھر کے مالک میری گردن عذاب دوزخ سے بچا اور مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھ اور اپنے عطا کئے ہوئے رزق پر مجھے قناعت دے اور اپنی دی ہوئی چیزوں میں مجھے برکت دے) پھر اسوقت درود شریف پڑھے استغفار کہے اور اپنے دل کی حاجت طلب کرے پھر مقام کے سامنے ہو کر دو رکعت نماز ادا کرے اور اسکو رکعت طواف کہتے ہیں اور اس سے طواف کا اختتام ہوتا ہے اور پہلی رکعت میں اَلْحَمْد اور قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری میں اَلْحَمْد اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے اور پھر دعا مانگے اور جبتک ساتوں شوط نہ پھریگا ایک طواف ختم نہ ہوگا اور ساتوں بار یہی دو رکعت پڑھے اور اس کے بعد حجر اسود کے پاس جا کر بوسہ دے اور ختم کرے اور پھر سعی میں مشغول ہو۔

سعی کے آداب:- لازم ہے کہ کوہ صفا پر جائے اور اسقدر پہاڑ پر چڑھے کہ کعبہ شریف نظر آئے پھر کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے یہ پڑھے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ وحدہ لا شریک اور ملک اسی کے لئے ہے اور اسی کیلئے تعریف ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے وہ مردہ بناتا ہے اور وہ زندہ ہے اس کیلئے موت نہیں اور اسکے

ہاتھ میں نیکی ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے نہیں کوئی معبود مگر اللہ واحد اور سچا ہے وعدہ اسکا اُسنے نصرت دی اپنے بندہ کو اور عزت دی ہے اس نے اپنے لشکر کو اور شکست دی اس نے بہت سے لشکروں کو تنہا نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ خالص کرنیوالے ہیں اسکے دین کو اگرچہ کافر مکروہ جانیں اس بات کو اور پھر دعا کرے اور جو حاجت ہو طلب کرے پھر وہاں سے اتر آئے اور سعی شروع کرے اور پہلے مروہ تک آہستہ آہستہ چلے اور پڑھے رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے پروردگار بخش اور رحم کر اور درگزر کر اس چیز سے کہ تو جانتا ہے بیشک تو بہت عزت والا اور کریم ہے اے پروردگار نیکی دے ہمیں دنیا اور آخرت میں اور عذاب دوزخ سے بچا) اور میل سبز تک جو گوشہ مسجد پر ہے آہستہ آہستہ چلے اور اس کے چھ گز تک تیزی سے چلے یہانتک کہ دوسرے میل تک پہنچ جائے۔

اور پھر وہاں سے آہستہ آہستہ یہانتک کہ کوہ مروہ تک پہنچ جائے اور وہاں سے اوپر چڑھے اور صفا کیطرف منہ کرے اور مذکورۃ الصدر دعائیں پڑھے اور یہ ایک بار ہوگا اور جب صفا پر جائیگا تو دوبارہ ہوگا اور سات بار اسیطرح کرے اور اس سے جب فارغ ہو تو طواف قدوم اور طواف سعی کرے اور یہ حج میں سنت ہے لیکن وہ طواف رکن ہے وہ وقوف عرفات کے بعد ہوگا اور طہارت کرنا سعی میں سنت ہے اور طواف میں واجب اور سعی اسیقدر کافی ہے کیونکہ وقوف عرفات کے بعد سعی کرنا شرط نہیں ہے لیکن طواف بعد ہونا چاہیئے۔ اگرچہ وہ طواف سنت ہو۔

وقوف عرفہ کے آداب:- اگر قافلہ عرفہ کے دن عرفات میں پہنچے تو طواف قدوم نہ کریں اور اگر پہلے پہنچے تو طواف قدوم بجالائے ترویہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ مکہ شریف سے نکلکر منا میں شب باش ہوں اور دوسرے دن عرفات کو جائیں اور وقوف کا وقت عرفہ کے دن زوال کے بعد سے صبح عید کے روشن ہونے تک اور اگر صبح کے بعد کوئی شخص جائے تو اسکا حج فوت ہوگا عرفہ کے دن غسل کرے اور ظہر کی نماز عصر کی نماز کے ساتھ پڑھے اور دعا میں مشغول ہو۔

اور اس روز روزہ نہ رکھے تاکہ طاقت رہے۔ اور دعائیں خوب مانگے کیونکہ حج کا راز دلونکا اجتماع اور عزیز ہمتونکا جمع ہونا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اسوقت تمام اذکار سے بہتر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے وقت زوال سے لیکر تا شام تضرع اور زاری استغفار اور توبہ نصوح اور پہلے گناہونکی معذرت اور استغفار کرنا چاہیئے اور اسوقت پڑھنے کی دعائیں بہت ہیں۔ تفصیل ان کی دراز ہے۔ کتاب احیاء العلوم میں ہم نے ذکر کر دیا ہے وہاں سے یاد کرنا چاہیئے اور جو دعا بھی اس وقت یاد ہو پڑھے کیونکہ تمام ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا بہتر ہے۔ اور اگر یاد نہ ہوں تو دیکھکر پڑھے یا کوئی دوسرا پڑھے تو آمین کہے اور غروب آفتاب سے قبل عرفات کے میدان سے نہ نکلے۔

آداب بقیہ اعمال حج:- عرفات کے بعد مزدلفہ کو جائے اور غسل کرے کیونکہ مزدلفہ حرم میں داخل ہے اور نماز شام میں تاخیر کرے اور نماز عشاء کے بعد ساتھ ملاکر ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھے اور اگر ہو سکے تو یہ رات مزدلفہ میں بیداری کیساتھ گزارے کیونکہ یہ رات نہایت بزرگ ہے اور اس جگہ رات گزارنا عبادت میں داخل ہے اور جو شخص مزدلفہ

میں قیام نہ کرے اور ایک بکرا ذبح کرے اور منا میں پھینکنے کیلئے ستر پتھر یاں اٹھالے کیونکہ ایسے پتھر یہاں بکثرت ہوتے ہیں اور پچھلی رات منا جانیکا قصد کرے اور نماز فجر اول وقت ادا کر لے اور جب مزدلفہ کے آخر میں جو مشعر الحرام کہلاتا ہے پہنچے تو اجالا ہونے تک ٹھہرا رہے اور دعا مانگتا رہے اور پھر یہاں سے اس جگہ پر پہنچیگا جسے وادی محسّر کہا جاتا ہے اگر جانور ہو تو اسے جلدی ہانکے اور اگر پیادہ ہو تو خوب تیزی سے چلے یہانتک کہ اس میدان کو طے کر لے اور یہی سنت ہے اور پھر عید کی صبح کو کبھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے اور کبھی لَبَّیْکَ یہانتک کہ اس بلندی پر پہنچ جائے جسے جمرات کہتے ہیں اور وہاں سے گذر کر اسی بلندی پر پہنچے جو قبلہ کیطرف منہ کرنے سے دائیں جانب واقع ہے اور اسے جمرۃ العقبٰے کہتے ہیں اور جب سورج نیزہ پر آجائے تو سات پتھر اس جمرہ میں پھینکے اور منہ قبلہ کی طرف کر کے رکھنا افضل ہے اور یہاں بجائے لبیک کے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور ہر پتھر پھینکتے وقت یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ تَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ[1] اور جب فارغ ہو جائے تو لبیک اور تکبیر کہنا موقوف کر دے اور تشریق کے دنوں کی صبح تک نماز فریضہ کے بعد تکبیر کہتا رہے اور وہ ایام تشریق عید کے دن سے لیکر چوتھے دن تک پھر اپنی منزل گاہ پر واپس آجائے اور دعا میں مشغول ہو پھر اگر کرنا چاہے تو قربانی کرے اور اس کی شرطوں کا لحاظ رکھے اور اس وقت بال منڈوائے جب اُسدن بال منڈوا چکا اور سنگ اندازی کر چکا تو ایک تحلّل اسے حاصل ہو چکا اور ممنوعات احرام مباح ہو گئے سوائے مباشرت اور شکار کے پھر مکہ شریف کو جائے اور طواف رکن ادا کرے اور عید کی آدھی رات گزر جانے پر طواف کا وقت آتا ہے لیکن عید کرنا افضل ہے اور اس طواف کے وقت کی انتہا مقرر نہیں بلکہ جسقدر دیر کریگا فوت نہ ہوگا لیکن دوسرا تحلّل حاصل نہ ہوگا اور مباشرت حرام رہیگی اور جب یہ طواف اسیطرح جیسے کہ ہمنے طواف قدوم بیان کیا ہے ہو جائے گا۔ تو حج کا اختتام ہوگا اور پھر جماع اور شکار حلال ہوگا اور اگر سعی پہلے کر چکا ہے تو پھر نہ کرے ورنہ سعی رکن اس طواف کے بعد کرے اور جب پتھر مار چکا اور بال منڈوا چکا اور طواف سے فارغ ہو گیا تو حج تمام ہو گیا اور احرام سے باہر ہو گیا۔ لیکن ایام تشریق میں سنگ اندازی کرنا اور منا میں شب باش ہونا زوال احرام کے بعد ہوتا ہے اور جب طواف و سعی سے فارغ ہو جائے تو عید کے دن منا میں پھر آئے اور رات بھر مقام کرے کیونکہ یہ واجب ہے اور دوسرے دن پتھر پھینکنے کیلئے زوال سے پہلے غسل کرے اور پہلے سات پتھر جمرہ میں جو عرفات کی طرف ہے پھینکے اور اسوقت رو بقبلہ کھڑا ہو اور بقدر سورۃ البقرہ دعا مانگے اور پھر درمیان کے جمرہ میں سات پتھر پھینکے اور دعا کرے اور پھر اسوقت سات عدد جمرۃ العقبہ میں پھینکے اور اس رات منا میں مقام کرے اور پھر جیسے تیسرے روز اس ترتیب کے مطابق اکیس پتھر ان تینوں جمروں میں پھینکے اور اگر چاہے تو اسپر اقتصار کرے اور مکہ شریف کو جائے اور اگر غروب آفتاب تک ٹھہریگا۔ تو اس رات کا قیام واجب ہوگا اور دوسرے دن بھی اکیس پتھروں کا پھینکنا واجب ہے۔ اور تمام حج یہی ہے۔ جو بیان کر دیا ہے۔

عمرہ کا بیان:۔ اور جب عمرہ بجا لانا چاہے تو غسل کرے اور جامہ احرام پہنے جیسا کہ حج میں پہنتے ہیں اور مکہ سے باہر

---

[1] اے اللہ پتھروں کا پھینکنا تیری کتاب کے تصدیق اور تیرے نبی کی سنت کی پیروی کے لئے ہے۔

نکل کر میقات عمرہ تک جائے اور وہ جعرانہ تنعیم اور حدیبیہ ہے اور عمرہ کی نیت کرے اور کہے لَبَّیْکَ بِعُمْرَۃٍ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسجد میں جائے اور دو رکعت نماز ادا کرے اور پھر مکہ کو واپس آئے اور راستہ میں لبیک کہتا رہے اور جب مسجد میں داخل ہو تو لبیک کہنا موقوف کردے اور طواف سعی کرے جیسے کہ حج کیلئے بیان کیا گیا ہے پھر بال منڈوائے اور عمرہ اس سے تمام ہوگا اور عمرہ تمام سال کیا جا سکتا ہے اور جو مکہ شریف کے رہنے والے ہیں انہیں چاہیئے کہ جسقدر ہوسکے عمرہ کریں اور اگر نہ کرسکیں تو طواف کریں اور اگر یہ بھی نہ کرسکیں تو کعبہ اللہ کو دیکھتے رہا کریں اور جب کعبہ کے اندر داخل ہوں تو دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کریں اور عزت و ادب کے ساتھ ننگے پاؤں اندر جائیں اور آب زمزم پیٹ بھر کر پیئں جس نیت سے پئیں گے شفا حاصل ہوگی اور یہ پڑھے[1] اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ شِفَاءً مِّنْ کُلِّ سُقْمٍ وَّارْزُقْنِی الْاِخْلَاصَ وَالْیَقِیْنَ وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

طوافِ وداع:- جب واپس جانیکا ارادہ کرے تو اوّل اسباب باندھے اور تمام کاموں کے بعد بیت اللہ کو رخصت کرے یعنی سات دفعہ طواف وداع کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے جیسے طواف کے حال میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور اس طواف میں اضطباع اور جلدی چلنا ضروری نہیں پھر ملتزم کو جائے اور دعا کرے اور کعبہ شریف کو دیکھتا ہوا الٹے پاؤں واپس ہو حتیٰ کہ مسجد سے باہر ہو جائے۔

مدینہ منورہ کی زیارت:- پھر مدینہ شریف جانے کا ارادہ کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے جو شخص میری وفات کے بعد میری زیارت کرے گا اس نے مجھے زندگی میں دیکھا اور ارشاد ہے کہ جو شخص مدینہ شریف آئے اور اس کی غرض سوائے میری زیارت کے دوسری نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا حق ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ مجھے اسکا شفیع بنائے۔ مدینہ شریف کے راستہ میں کثرت سے درود شریف پڑھے اور جب مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھے تو پڑھے[2] اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِکَ فَاجْعَلْہُ لِیْ وِقَایَۃً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ پہلے غسل کرے پھر مدینہ شریف میں داخل ہو خوشبو لگائے اور کپڑے پاک اور سفید پہنے اور جب اندر داخل ہو تو عجز و توقیر سے رہے اور یہ پڑھے[3] رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا۔ پھر مسجد نبوی میں جائے اور منبر کے نیچے دو رکعت نماز اس طریق سے پڑھے کہ منبر کا عمود اس کے دائیں کندھے کے برابر ہو۔ کیونکہ رسول اللہ علیہ وسلم کا موقف اور قیام گاہ یہاں ہے پھر زیارت کا ارادہ کرے اور مشہد مقدس کیطرف منہ کرے اور پشت قبلہ کیطرف پھیرے اور دیوار پر ہاتھ رکھنا اور بوسہ دینا سنت نہیں ہے بلکہ دور کھڑے ہو جانا زیادہ تعظیم میں داخل ہے پھر پڑھے[4] اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ

---

[1] اے اللہ اس پانی کو ہر مرض سے شفا کر دے اور مجھکو روزی دے اخلاص اور یقین دے اور دنیا و آخرت میں صحت دے [2] اے اللہ یہ تیرے رسول کا حرم ہے میرے لئے اسے حفاظت بنا۔ دوزخ اور عذاب اور حساب کی برائی سے پناہ دے [3] اے پروردگار داخل کر مجھے پسندیدہ داخل ہونا اور خارج کر مجھکو پسندیدہ خارج ہونا اور کر تو میرے واسطے اپنے پاس سے غلبہ مدد دینے والا ہے [4] اے اللہ کے رسول تجھ پر سلام اے اللہ کے نبی تجھپر سلام اے اللہ کے معشوق تجھپر سلام اے اللہ کے برگزیدہ تجھپر سلام اولاد آدم کے سردار تجھپر سلام۔ سلام تجھپر اے انبیاء کے سردار اور انبیاؤں کے ختم کرنیوالے

(باقی اگلے صفحہ پر)

عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ - اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَفِيَّ اللّٰهِ - اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ - اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَرَسُوْلَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ الطَّاهِرِيْنَ وَاَزْوَاجِكَ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰى نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلّٰى عَلَيْكَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْكَ الْغَافِلُوْنَ اگر کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہنچانیکی وصیت کی ہو تو یہ پڑھے ۱؎ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانٍ - اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانٍ پھر تھوڑے آگے بڑھ کر جناب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام کہے اور پڑھے ۲؎ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا وَزِيْرَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَالْمُعَاوِنَيْنِ لَهٗ عَلَى الْقِيَامِ بِالدِّيْنِ مَا دَامَ حَيًّا وَالْقَائِمَيْنِ بَعْدَهٗ فِيْ اُمَّتِهٖ بِاُمُوْرِ الدِّيْنِ تَتَّبِعَانِ فِيْ ذٰلِكَ اٰثَارَهٗ وَتَعْمَلَانِ بِسُنَّتِهٖ فَجَزَاكُمَا اللّٰهُ خَيْرَ مَا جَزٰى وَزِيْرَيْ نَبِيٍّ عَلٰى دِيْنِهٖ پھر اس جگہ کھڑے ہو کر جسقدر دعا مانگ سکے مانگے۔ اور پھر وہاں سے باہر آکر بقیع کے قبرستان کو جائے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بزرگوں کی زیارت کرے اور جب مدینہ شریف سے مراجعت کرنے لگے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے اور وداع کرے۔

حج کے اسرار و دقائق :- جو کچھ بیان کیا یہ حج کے اعمال کی صورت تھی اور اسکے ہر ایک عمل کا ایک سر یعنی راز ہے اور اسکا مقصد عبرت اور آخرت کے کاموں کو یاد رکھنا ہے۔ اور اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو اسطرح پر پیدا کیا گیا ہو کہ جبتک وہ اپنا آپ اللہ تعالے کے حوالے نہ کرلے اسکا کمال سعادت پر پہنچنا محال ہے جیسا کہ عنوان مسلمانی میں میں بیان کیا گیا ہے! اور خواہشات کی پیروی اسکی ہلاکت کا باعث ہے اور جبتک تو خواہشات کے قبضہ میں ہے اسکا ہر فعل شریعت کی متابعت میں نہیں بلکہ خواہشات کی متابعت میں ہے اور اس کا کوئی کام بندونکی طرح نہیں اور اس کی سعادت بندگی میں ہی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ گذشتہ امتوں کو رہبانیت اور ریاضت کا حکم دیا تھا یہانتک کہ انکے آدمی لوگوں سے کنارہ کش ہو جاتے اور پہاڑوں پر چڑھ جاتے اور تمام عمر ریاضت و مجاہدہ میں صرف کرتے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہمارے دین میں ریاضت اور رہبانیت نہیں ہے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہمارے لیے اسکا بدل جہاد اور حج مقرر کیا ہے پس اسلئے حق تعالیٰ نے اس امت کو بجائے رہبانیت کے حج کا حکم دیا کیونکہ اس سے مجاہدہ کا مقصد بھی ہے اور عبرتیں بھی حاصل ہیں اور دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے کعبہ کو شریف کیا اور اپنے سے نسبت دی اور بادشاہ ہونیکے در

پچھلے صفحہ کا بقیہ ۱؎ - اور پروردگار کا رسول - سلام تجھپر اور تیری آل پر اور تیرے پاک اصحاب اور تیری پاک بیویوں پر جو مائیں ہیں مسلمانونکی جزا دے تجھکو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے وہ بہتر جزا جو دی ہو کسی نبی کو اسکی امت سے اور رحمت نازل کرے تجھپر جتنا یاد کرتے ہیں تجھکو یاد کرنیوالے اور غافل ہیں تیری یاد سے غافل لوگ ۱؎ سلام ہو تجھپر اے اللہ کے رسول فلاں شخص کی طرف سے۔ سلام ہو تجھپر اے اللہ کے رسول فلاں شخص کی طرف سے ۲؎ سلام تمپر ہو اے دونوں وزیر اللہ کے رسول کے اور اسکے مددگار اور قائم ہونیوالے دین پر جبکہ وہ زندہ تھا اور قائم ہونیوالے بعد اسکے امت میں ساتھ اصلاح دین کے پیروی کی تم دونوں نے اس امر میں اسکے افعال کی اور عمل کیا تم دونوں نے اسکی سنت پر پس اللہ تعالیٰ تم دونوں کو نیک جزا دے اس چیز سے جو جزا دی ہے اس نے کسی نبی کو وزیر کو جو اسکے دین پر تھے۔

دولت کی طرح بنایا اور اس کے اطراف وجوانب کو حرمت عطا کی اور اسکی تعظیم و بزرگی کیلئے وہاں کے شکار اور اشجار کو حرام
کر دیا اور میدان عرفات کو بادشاہ ہونے کے میدان کیطرح حرم کے سامنے بنایا تاکہ دنیا کے تمام اطراف سے لوگ خانہ کعبہ کا قصد کریں
حالانکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مکان اور کعبہ شریف کے رہنے سے منزّہ ہے اور پاک ہے لیکن آدمی کو شوق اور آرزو
زیادہ ہوتی ہے تو اسے ہر وہ چیز جو دوست کی طرف منسوب ہو جان و دل سے زیادہ محبوب و مرغوب ہوتی ہے تو مسلمانوں
نے اس شوق میں اپنے اہل و عیال وطن و مال کو چھوڑا اور جنگلوں کے خوف و خطر کو گوارا کیا۔ اور غلاموں اور بندوں کی طرح
دوست حقیقی اور مالک مطلق کے آستانہ کا ارادہ کیا اور اس عبادت میں انکو ایسے افعال کا حکم ہوا جو عقل میں نہیں سماتے جیسے
پتھروں کا پھینکنا اور صفا و مروہ میں دوڑنا یہ اسلئے ہوا کہ جو باتیں عقل میں آسکتی ہیں نفس کو بھی انکے ساتھ تعلق ہوتا ہے کیونکہ
وہ اس کام کو اور اسکی علت کو جانتا ہے۔ مثلاً اسے معلوم ہے کہ زکوٰۃ دینے میں محتاجوں کی مدد اور یاوری ہے اور نماز میں
معبود حقیقی کے سامنے عجز کا اظہار ہے اور روزہ میں ابلیس کے لشکر کی شکست ہے ممکن ہے کہ آدمی کی عقل کے موافق عمل کرے اور بندگی کا
کمال یہ ہے کہ بندہ محض مالک کے حکم سے کام کرے اور اسکے باطن میں اس کام کا خواہشمند کوئی نہ ہو اور پتھر پھینکنا اور دوڑنا اسوجہ
سے ہے۔ کہ آدمی سوائے بندگی کے اور کسی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اور خصوصیت سے
حج کی شان میں حضور کی زبان پر آیا ہے لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ حَقًّا تَعَبُّدًا وَّرِقًّا یعنی عبدیت اور بندگی آپ نے اسی کو کہا ہے اور بعض
لوگ جو حیران ہیں کہ اعمال حج سے کیا مقصد اور کیا مراد ہے۔ انکا تعجب انکی غفلت کیوجہ سے ہے اور وہ حقیقت سے بیخبر
ہیں۔ کہ انکا مقصد بے مقصد ہے اور انکی غرض بے غرض ہے تاکہ بندگی اس سے ظاہر ہو اور بندہ کی نظر صرف مالک کے حکم پر
ہو اور اس میں کسی طرح طبیعت اور عقل کو دخل نہ ہو تاکہ آدمی اپنے آپکو باقی مطلق میں فنا کر دے کیونکہ نیستی و بے نصیبی میں اس
کی سعادت ہے۔ تاکہ اس سے حق اور حکم حق کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے۔

اور حج کی عبرتیں یہ ہیں کہ اس سفر کو آخرت کے سفر کا مثیل بنایا ہے۔ اسلئے کہ اس سفر سے مراد خانہ خدا ہے
اور سفر آخرت سے مراد صاحب خانہ یعنی خداوند تعالیٰ کی ذات ہے پس اس سفر کے حالات و مقدمات سے اس سفر کا احوال
یاد کرنا چاہیئے جب آدمی اپنے اہل و عیال و دوست احباب سے رخصت ہو تو یہ خیال کرے کہ یہ رخصت اس رخصت کی طرح ہے
جو سکرات موت میں ہوگی اور جسطرح اس سفر میں آدمی تمام دنیوی تعلقات سے فارغ البال ہو کر نکلتا ہے اسیطرح چاہیئے کہ آخر
عمر میں دلکو تمام دنیا سے خالی کر دے ورنہ سفر آخرت اس کیلئے منغص ہو جائیگا اور جب ہر طریق سے اس سفر کے لئے ہر قسم کا زاد راہ
مہیا کرتا ہے اور ہوشیار ہوتا ہے اور تمام احتیاطیں بجالاتا ہے کہ کہیں جنگل و بیابان میں بے سامان نہ ہو جائے پس جاننا چاہیئے
کہ میدان حشر بہت بڑا اور ہولناک ہے اور اس میں توشہ کی بڑی ضرورت ہے اور جب اس سفر میں جلد خراب ہو جانیوالی
چیز ساتھ نہیں اٹھاتا۔ جانتا ہے کہ یہ ساتھ نہ دیگی اور یہ توشہ اور زاد راہ کے لائق نہیں ہے اسیطرح وہ عبادت جو ریا اور
قصور پر مشتمل ہے زاد آخرت کے ناقابل ہے اور جب سواری پر بیٹھے تو اپنے جنازہ کو یاد کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ

سفرِ آخرت میں سواری ہوگی۔ اور یہ ممکن ہے۔ کہ سواری سے اترنا بھی نصیب نہ ہو۔ اور وقتِ جنازہ آجائے۔ اور یہ سفر حج اس طرح پر انجام پائے۔ کہ آخرت کے سفر کا زادِ راہ بنے اور جب احرام کے کپڑوں کو درست کریگا۔ کیونکہ جب نزدیک پہنچے گا روزمرہ کے کپڑے اتار ڈالے گا۔ اور انہیں پہنے گا اور وہ دو سفید چادریں ہیں۔ پس چاہیئے۔ کہ کفن کو یاد کرے۔ کیونکہ وہ بھی لباس دنیا کے خلاف ہے اور جب پہاڑوں اور جنگلوں کی تکلیفیں دیکھے تو نکیرین اور قبر کے عذاب کو یاد کرے۔ کیونکہ قبر سے قیامت تک ایک عظیم الشان جنگل ہے۔ اور اس میں بہت سے نشیب ہیں اور جیسے جنگل کی مصیبتوں سے بلا رہبر کے بچنا ناممکن ہے۔ اسی طرح بغیر عبادت کے قبر کے عذاب سے نجات ممکن نہیں اور جیسے جنگل میں اہل و عیال سے آدمی علیحدہ ہوتا ہے اسی طرح قبر میں بھی اکیلا ہوگا اور جب لبیک کہنا شروع کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی ندا کا جواب ہے روز محشر میں اسی طرح اسکو ندا پہنچے گی۔ اس خوف کو یاد کرے اور اس ندا کے خطرہ میں غرق رہے۔ علی ابن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ احرام کے وقت زرد ہوجاتا تھا اور بدن کانپتا تھا اور لبیک نہ کہہ سکتے تھے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ لبیک کیوں نہیں کہتے کہا میں ڈرتا ہوں کہ اگر کہوں اور لَا لَبَّیْکَ وَلَا سَعْدَیْکَ جواب آئے یہ کہا اور بیہوش ہوکر اونٹ سے گر گئے۔ احمد بن ابی الحواری سے جو ابو سلیمان دارانی کے مرید تھے حکایت ہے کہ ابو سلیمان نے اسوقت لبیک نہ کہا اور جب ایک میل تک گئے تو بیہوش ہوگئے جب ہوش میں آئے کہا حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی تھی کہ اپنی امت کے ظالموں سے کہہ دیں کہ مجھے یاد نہ کریں اور میرا نام نہ لیں۔ کیونکہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اسکو یاد کرتا ہوں اور اگر ظالم ہیں تو میں انکو لعنت سے یاد کرتا ہوں اور فرمایا کہ جو شخص حج کا خرچ مشتبہ مال سے لیتا ہے اور لبیک کہتا ہے اسکو جواب دیا جاتا ہے لَا لَبَّیْکَ وَلَا سَعْدَیْکَ حَتّٰی تَرُدَّ مَا فِیْ یَدَیْکَ[1] اور طواف و سعی اس کی مانند ہے جیسے غریب لوگ بادشاہوں کی درگاہ میں جاتے ہیں اور مجلس کے گرد گھومتے ہیں تاکہ اپنی حاجت عرض کرنیکا موقع پائیں۔ اور جلوخانے میں آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ اور کسی ایسے آدمی کو ڈھونڈتے ہیں جو ان کی شفاعت کرے اور اس امر کے متوقع ہوتے ہیں کہ اتفاقاً بادشاہ کی نظر ان پر پڑجائے اور وہ ان پر مہربانی کرے اور صفا و مروہ کی مثال اس جلوخانہ سلطانی کی مانند ہے اور عرفات پر لوگوں کا کھڑا ہونا اور اطراف عالم سے قسم قسم کے لوگوں کا جمع ہونا اور مختلف زبانوں میں انکا دعا کرنا میدان محشر کی مانند ہے کہ جہاں تمام مخلوق جمع ہوگی۔ اور ہر شخص اپنے لئے متردد و متفکر ہوگا کہ آیا مردود ہوتا ہوں یا مقبول اور پتھر مارنے سے ایک تو اظہار عبدیت مقصود ہے اور دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت ہے کہ اس مقام پر شیطان آپکے سامنے آیا تھا تاکہ آپ کو شبہ میں ڈالدے اور آپنے اس پر پتھر پھینکے تھے۔ اور اگر تیرے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ انکے سامنے تو شیطان آیا تھا میرے سامنے نہیں ہے میں کیوں فضول پتھر پھینکوں پس سمجھ لے کہ یہ خیال تجھے شیطان سے پیدا ہوا ہے پتھر مار تاکہ اسکی پشت ٹوٹے کیونکہ اسکی کمر اس سے ٹوٹتی ہے۔ اور تو بندہ فرمانبردار بن اور جو کچھ تجھے حکم دیا گیا ہے اسے بجالا۔ اور اپنی ذات کو بالکل خدا پر چھوڑدے اور یہ جان

[1] یعنی تیرا لبیک اور سعدیک کہنا ناپسند ہے۔ یہانتک کہ جو تیرے قبضہ میں ہے اس کو رد کرے۔

ہے۔ کہ اس سنگ اندازی سے تو نے شیطان کو مقہور کیا ہے۔ حج کی عبرتوں کے متعلق اسقدر بیان کیا گیا۔ تاکہ جو شخص اس راہ کو سمجھانے اپنے فرض اور شوق کی شدت سے اس پر تمام معانی واضح ہو گئے اور ہر چیز سے اس کو حصہ ملیگا کیونکہ اصلی عبادت کی روح یہی ہے۔ اور کاموں کی ظاہری صورت سے ایسے معانی میں اُن سے ترقی ہوگی۔

آٹھویں اصل قرآن شریف کی تلاوت کے بیان میں

اے عزیز! جان کہ قرآن شریف کا پڑھنا سب عبادتوں سے افضل ہے اور خاصکر نماز میں کھڑے ہو کر پڑھنا۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ میری امت کی فاضل ترین عبادت قرآن شریف کا پڑھنا ہے اور فرمایا کہ جس کو قرآن شریف جیسی نعمت عظمیٰ عطا کی ہو۔ اور خیال کرے کہ کسی دوسرے شخص کو اس سے (یعنی قرآن شریف سے) بہتر چیز دی گئی ہے تو اس نے اُس چیز کی تحقیر کی جسکو حق تعالیٰ نے بزرگی بخشی اور فرمایا کہ اگر قرآن شریف کو کسی چمڑے میں رکھیں تو اسکے نزدیک آگ نہ جائیگی۔ اور فرمایا قیامت کے دن قرآن مجید سے زیادہ کوئی چیز شفیع نہ ہوگی نہ پیغمبر نہ فرشتے اور نہ کوئی اور ارشاد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص دعا مانگنے کی بجائے قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول رہے میں اسے شکر گذاروں کا ثواب عطا کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے لوہے کی طرح۔ لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ پھر وہ کس طرح چھوٹتا ہے۔ فرمایا قرآن شریف کی تلاوت سے اور موت کو یاد کرنے سے اور فرمایا میں دنیا سے جاؤنگا اور تم میں دو واعظ چھوڑ جاؤنگا۔ جو کہ ہمیشہ تمہیں نصیحت دینگے ایک خاموش واعظ اور دوسرا گویا۔ واعظ گویا قرآن شریف ہے اور واعظ خاموش موت ہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ قرآن شریف کی تلاوت کرو۔ کیونکہ ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ہیں اور میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف بھی حرف ہے اور لام اور میم بھی ایک ایک حرف ہیں۔ امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ اے باری تعالیٰ تیرا تقرب حاصل کرنے کے لئے کونسی چیز زیادہ افضل ہے فرمایا میرے کلام قرآن شریف کے وسیلہ سے۔ میں نے عرض کیا۔ اگرچہ معنے سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ فرمایا ہاں۔ اگرچہ سمجھے یا نہ سمجھے۔

غافلوں کی تلاوت کا بیان: اے عزیز! جان کہ جس نے قرآن شریف سیکھا اسکا درجہ بزرگ ہے پس قرآن کی عزت کا خیال رکھے اور اپنے آپکو بُرے افعال سے بچائے۔ اور ہر وقت مؤدب رہے ورنہ اس بات کا ڈر ہے کہ قرآن شریف اسکا دشمن ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ میری امت کے بہت سے منافق قرآن خوان ہونگے اور ابو سلیمان دارانی نے کہا کہ دوزخ کا فرشتہ بہ نسبت بت پرستوں کے قرآن خوان مفسدوں کو جلدی پکڑیگا۔ توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے تجھے شرم نہیں آتی۔ اگر تجھ کو تیرے بھائی کا خط پہنچے اور تو راستہ میں ہو تو ٹھہر جاتا ہے یا ایک طرف ہو جاتا ہے اور اس کا ایک ایک حرف پڑھتا ہے اور غور کرتا ہے۔ اور یہ میری کتاب میرا نامہ ہے۔ جو میں نے تیری طرف لکھا ہے تاکہ تو

اسپر غور کرے اور عمل کرے۔ اور تو اس سے اعراض کرتا ہے۔ اور اس پر عمل نہیں کرتا۔ اور اگر پڑھے بھی تو غور نہیں کرتا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ تم سے پیشتر تھے وہ قرآن شریف کو نامہ سمجھتے تھے۔ جو حق تعالےٰ کی طرف سے انکو پہنچا۔ رات کو اس پر غور کرتے تھے۔ اور دن کو عمل کرتے تھے۔ اور تم نے اس کا درس اختیار کر لیا ہے۔ اور اس کے حروف و اعراب کو درست کرتے ہو اور اس کے احکام پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کا صرف پڑھنا ہی مقصد نہیں ہے۔ بلکہ اس پر عمل کرنا ہے۔ پڑھنا یاد رکھنے کیلئے ہوتا ہے اور یاد رکھنا عمل کرنے کیلئے ہوتا ہے اور جو پڑھتا ہے اور عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس غلام کی سی ہے کہ اپنے مالک کا خط اس کو پہنچے۔ اور مالک نے اس کو چند کام کرنے کو لکھا ہو۔ لیکن وہ بیٹھے اور نامہ کو خوش الحانی سے پڑھے اور اس کے حروف خوب درست نکالے۔ اور ان احکام میں سے ایک پر بھی عمل نہ کیا ہو پس ایسا غلام بلاشک وشبہ دشمن اور عذاب کے قابل ہے۔

آداب ظاہر تلاوت قرآن ۔ ظاہر چھ چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اول یہ کہ تعظیم سے پڑھے اور پہلے وضو کرے اور قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔ جیسے کہ نماز میں بیٹھتا ہے۔ جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص کھڑے ہو کر نماز میں قرآن شریف پڑھتا ہے اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اگر نماز میں بیٹھ کر پڑھے تو ہر حرف کے عوض پچاس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور اگر باوضو ہو کر بعد نماز کے پڑھے تو ہر حرف کے عوض پچیس نیکیوں کا ثواب اسکے نامہ اعمال میں لکھتے ہیں۔ اور اگر وضو کرکے نہ پڑھے تو دس نیکیوں سے زیادہ ثواب نہیں ملتا۔ اور رات کو قرآن شریف پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس وقت دل کو دنیاوی کاروبار سے فراغت ہوتی ہے دوم۔ یہ کہ آہستہ آہستہ تلاوت کرے۔ اور معانی پر غور کرے اور اس بات کے درپے نہ ہو کہ جلدی ختم کرلے اور بعض لوگ اس لئے جلدی کرتے ہیں کہ ہر روز ختم کرلیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تین دن سے پہلے قرآن شریف کو ختم کر لیتا ہے۔ وہ قرآن شریف میں جو علم فقہ ہے۔ اس سے بیخبر رہتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورہ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ وَالْقَارِعَۃُ اگر آہستگی اور غور کے ساتھ پڑھوں تو میں اسے بقرہ اور آل عمران کے جلدی ختم کرنے سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر کسی کو قرآن شریف جلدی پڑھتا ہوا دیکھتی تھیں تو فرماتی تھیں کہ یہ شخص نہ تو خاموش ہے اور نہ ہی قرآن شریف پڑھتا ہے۔ اگر کوئی شخص عجمی ہے اور قرآن شریف کے معانی نہیں جانتا۔ تو اس کے لئے آہستہ آہستہ پڑھنا نہایت افضل ہے سوم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن شریف پڑھے اور روئے اور اگر گریہ نہ آئے تو تکلف کے ساتھ رونے کی کوشش کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سُبْحَانَ الَّذِیْ میں آیت سجدہ پڑھو تو جبتک گریہ نہ کرو۔ سجدہ کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اگر کسی شخص کی آنکھیں گریہ نہ کریں تو اس کا دل گریہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن شریف غم کے لئے نازل ہوا ہے۔ جب تلاوت کرو۔ تو اپنے آپکو غمگین کرو۔ اور جو شخص قرآن شریف کے وعدہ وعید اور احکام میں غور کرتا ہے اور اپنے آپکو عاجز بناتا ہے تو وہ ناچار غمگین ہوتا ہے بشرطیکہ اس پر غفلت نہ ہو۔ چہارم

ہر آیت کا حق ادا کرے۔ کیونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آیت عذاب پر پہنچتے تھے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے۔ اور جب کسی آیت رحمت پر پہنچتے تھے۔ تو اس کی رحمت مانگتے اور آیت تنزیہ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے اور جب شروع کرتے تو اعوذ پڑھتے اور جب فارغ ہوتے تو کہتے اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ حُجَّةً لِّیْ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ[1] اور جب آیت سجود پر پہنچتے تو پہلے تکبیر کہتے اور پھر سجدہ کرتے اور اس میں بھی ستر عورت اور طہارت کے شروط نماز کی طرح عمل میں لائے۔ اور صرف اللہ اکبر کہکر سجدہ کرنا بلا تشہد و سلام کے کافی ہے۔ پنجم اگر قرآن شریف بلند آواز سے پڑھنے میں ریا کا خطرہ ہو یا کسی کی نماز کے پریشان ہونیکا احتمال ہو۔ تو آہستہ پڑھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن شریف آہستہ پڑھنا اسی طرح فضیلت رکھتا ہے۔ جسطرح صدقہ پوشیدہ دینا علانیہ دینے سے افضل ہے اور اگر ان باتوں کا خطرہ نہ ہو تو بلند آواز سے پڑھے تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کا سننا نصیب ہو اور اسے بھی زیادہ آگاہی حاصل ہو اور اطمینان زیادہ نصیب ہو۔ اور خوشی زیادہ ہو اور نیند بھاگ جائے۔ اور دوسرے سوئے جاگ اٹھیں۔ اور اگر یہ تمام نیتیں جمع ہوں تو ہر نیت کا ثواب علیحدہ ملتا ہے۔ اور قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اس سے آنکھ بھی مشغول ہوتی ہے۔ اور کہا ہے کہ ایک قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا سات قرآن شریفوں کے برابر ثواب رکھتا ہے ایک شخص فقہائے مصر میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ تو انہیں سجدہ میں دیکھا اور قرآن شریف سامنے رکھا ہوا پایا۔ اور کہا کہ فقہ نے تم کو قرآن شریف سے باز رکھا۔ میں جب عشا کی نماز سے فارغ ہوتا ہوں تو صبح تک قرآن شریف پڑھتا ہوں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کیطرف گئے دیکھا کہ رات کیوقت نماز میں قرآن شریف آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔ آپنے کہا آہستہ کیوں پڑھتے ہو۔ صدیقؓ نے جواب دیا۔ جس سے میں کہہ رہا ہوں وہ سنتا ہے۔ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ کہ بلند آواز سے پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو۔ فاروقؓ نے جواب دیا کہ سوئے ہوؤں کو بیدار کرتا ہوں اور شیطانوں کو دور کرتا ہوں آپ نے فرمایا دونوں نے اچھا کیا۔ کیونکہ اعمال نیت کے تابع ہیں۔ جب نیت دونوں کی نیک تھی۔ اسلئے دونوں کو ثواب ملیگا۔ ششم۔ خوش آوازی سے پڑھنے کی کوشش۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ قرآن شریف کو اچھی آواز سے آرائش دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہؓ کو دیکھا کہ قرآن شریف خوش آوازی سے پڑھتا ہے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِیْ مِثْلَهٗ یعنے شکر ہے اللہ تعالیٰ کا اس نے اس قسم کے لوگوں کو میری امت میں کیا اور اسکی وجہ

---

[1] اے اللہ تعالیٰ مجھ پر حرمتِ قرآن کے طفیل رحم کر اور میرے لئے اسے پیشوا اور راہ دکھانے والا نور اور رحمت فرما۔ اے اللہ تعالیٰ جو کچھ میں نے اس سے فراموش کر دیا ہے۔ وہ مجھے پھر یاد دلا۔ اور مجھے وہ تعلیم کر جسے میں نہیں جانتا۔ اور مجھے اس کی تلاوت رات کے وقت اور دن کے کناروں میں نصیب کر۔ اے پروردگار عالم میرے لئے اسے حجتِ قاطع بنا۔

یہ ہے کہ جسقدر خوش آواز زیادہ ہوگا۔ دل میں زیادہ اثر کریگا۔ سنّت یہ ہے کہ خوش الحانی سے پڑھے لیکن قوالوں کی طرح حروف وکلمات کے درمیان زیادہ الحان کرنا مکروہ ہے۔

آداب باطن تلاوت قرآن بھی چھ ہیں۔ اوّل یہ کہ عظمتِ سخن کو جانے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ قدیم ہے اسکی صفت ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور جو زبان سے ادا ہوتے ہیں وہ حروف ہیں جیسے لفظ آتش زبان سے کہنا آسان ہے اور ہر شخص اس کے کہنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن اصل کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسطرح اگر ان حروف کی اصل حقیقت ظاہر ہو تو سات زمین وسات آسمان انکی حقیقت کو نہ سنبھال سکیں اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا [1] لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی عظمت اور جمال کو حروف کا لباس پہنا دیا ہے۔ کیونکہ دلوں اور زبانوں کو انکی طاقت نہ تھی۔ اور سوائے لباس حروف کے انکے پاس نہ پہنچ سکتا تھا۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حروف کے سوائے کوئی دوسرا عظیم الشان کام بھی ہے۔ جس طرح کہ چوپایوں کو آداب سکھانا اور انہیں کسی کام کا حکم دینا انسانوں کی زبان میں ممکن نہیں کیونکہ ان میں اسے سمجھنے کی طاقت نہیں۔ مجبوراً اگر چارپایوں کی زبان سے ملتے جلتے الفاظ مقرر کئے تاکہ انہیں اس سے آگاہی حاصل ہو اور وہ جب ان الفاظ کو سنیں تو کام کریں۔ اور چارپائے اس کام کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ جیسے کہ بیل کو آواز دیتے ہیں تو وہ زمین کو نرم کرتا ہے۔ لیکن زمین کے نرم کرنے کی حکمت کو نہیں جانتا۔ کہ اسکا مقصد یہ ہے کہ ہوا مٹی میں جائے اور پانی دونوں میں ملے تاکہ جب تینوں جمع ہو جائیں تو اجتماعی حیثیت سے بیج کی غذا بنجائیں اور اسے پرورش کریں بہت سے لوگ قرآن شریف کو اس کی آواز اور ظاہری معنوں سے زیادہ کچھ نہیں سمجھے اور یہانتک کہ ایک گروہ قرآن شریف کو حروف اور آواز میں سمجھتا ہے۔ اور یہ خیال کرنا حد درجہ کا ضعف اور کجدلی ہے اور یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص خیال کرے کہ آتش کی حقیقت محض الف و ت و ش میں ہے۔ اور اس امر کو نہ جانے کہ اگر آتش میں کاغذ ڈالا جائے تو وہ اسے جلا دیتی ہے۔ اور کاغذ اس کی تاب کو برداشت نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ حروف لفظ آتش جن سے مرکب ہے ہمیشہ کاغذ پر لکھے رہتے ہیں۔ لیکن کچھ اثر نہیں کرتے اور جسطرح کہ ہر جسم کے لئے روح ہے جس کی وجہ سے وہ باقی رہتا ہے اسطرح حروف کے معنے بمنزلہ روح کے ہیں اور حروف جسم کی مانند ہیں اور جسم کی فضیلت صرف روح کی وجہ سے ہے اور حروف کی فضیلت بھی روح معانی کے سبب سے ہے اور اس تمام حقیقت کو اس کتاب میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کہ یہ اسکا کلام ہے۔ قرآن شریف پڑھنے سے پہلے دل کو حاضر کرے اور جانے کہ وہ کسکا کلام پڑھتا ہے۔ اور کسقدر اہم کام کو بیٹھا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اور جسطرح کہ قرآن شریف کے ظاہر کو سوائے پاک ہاتھ کے نہیں چھوتا۔ اسطرح اس کے معنے کی حقیقت کو سوائے اخلاقِ بد سے پاک اور

---

[1] اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور ٹکڑے ہوا دیکھتے۔

نورِ عظیم اور توقیر سے آراستہ دل کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن شریف کو کھولتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی اور کہتے یہ میرے رب کا کلام ہے۔ جبتک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہ جانیگا۔ قرآن شریف کی عظمت کو نہ پہچانے گا۔ اور یہ عظمت اسوقت تک دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ جبتک کہ اس کے صفات و افعال پر غور نہیں کرتا۔ جیسے کہ عرش و کرسی و سات آسمان و سات زمینیں اور جو کچھ کہ ان کے درمیان میں ہے ملائک جن و انس بہائم حشرات و جمادات و نباتات اور طرح طرح کی مخلوقات وغیرہ ان پر غور کرے اور جانے کہ یہ قرآن اس کا کلام ہے کہ یہ سب کچھ جس کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر وہ ان سب کو ہلاک کر ڈالے تو اُسے انکی کچھ پروا نہیں اور نہ کوئی اسکے کمال میں نقصان پہنچتا ہے۔ اور وہ سب کا پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا ہے۔ اگر ان تمام باتوں کا خیال کریگا تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا کچھ شمہ اسکے دل میں پیدا ہوگا۔ سوم۔ یہ کہ دل کو حاضر رکھے اور اسکے پڑھتے وقت غافل نہ رہے اور اس کی نفسانی باتیں اسے اِدھر اُدھر پراگندہ نہ کریں۔ اور جو کچھ غفلت میں پڑھے وہ نہ پڑھنے کے برابر ہے۔ پھر دوبارہ شروع کرے اور ایسے شخص کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی آدمی باغ کی سیر کو جائے۔ اور وہاں کے عجائب و غرائب کو بلا دیکھے واپس آجائے۔ کیونکہ یہ قرآن شریف بھی مومنوں کی عجائب گاہ ہے اور اس میں بہت سی عجیب و غریب حکمتیں ہیں کہ اگر کوئی شخص اس میں غور کرے تو پھر کسی دوسری چیز کی طرف مشغول نہ ہو۔ پس اگر کوئی شخص قرآن شریف کے معنے نہ سمجھے تو وہ بڑا کم نصیب ہے لیکن چاہیئے کہ اسکی عظمت اس کے دل میں حاضر ہو تاکہ خیالات پراگندہ نہ ہوں۔ چہارم۔ اور ہر کلمہ کے معانی میں غور کرے۔ تاکہ مطلب سمجھ میں آئے اگر ایکدفعہ کے پڑھنے سے سمجھ نہ آئے۔ تو پھر دوبارہ پڑھے۔ اگر ایسا کرنے سے لذت پیدا ہو تو پھر اسکو پڑھے کیونکہ زیادہ پڑھنے سے یہ بہتر ہے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز میں اس آیت کو بار بار پڑھتے تھے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الآیۃ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا بیس دفعہ تکرار کرتے تھے۔ اور حضرت سعید بن جبیر نے ایک رات اس آیت میں بسر کردی وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اور کوئی شخص ایک آیت پڑھے اور غور دوسری آیت کے معنوں پر کرے تو اس نے ایک آیت کا حق ادا نہیں کیا۔ اور عامر بن عبد اللہ وسواس کا گلہ کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا وہ دنیا کی باتیں ہونگی۔ عامر نے کہا کہ اگر میرے منہ میں چھریاں ماریں۔ تو یہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ میں نماز میں دنیا کی باتوں کا خیال کروں۔ مجھے یہ اکثر خیال رہتا ہے کہ میں قیامت کے دن کسطرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونگا اور کیسے وہاں سے واپس ہونگا ان تمام باتوں کو وہ وسواس جانتے تھے۔ اس حکم کی بنا پر جو کلمہ آدمی نماز میں پڑھتا ہے۔ چاہیئے کہ اسوقت سوائے اس کے معانی کے اور کسی قسم کا خیال نہ کرے۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفات والی آیتوں کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے اسرار میں غور کرے کہ قدوس و عزیز و حکیم و جبار کے معانی کیا ہیں اور جب اسکے افعال کی آیات پڑھے جیسے کہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ تو عجائب اور غرائب مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سمجھے اور اس کے علم و قدرت کمال کو جانے حتیٰ کہ

یہانتک ہو جائے کہ ہر چیز میں ذاتِ الٰہی کو مشاہدہ کرے اور سب اسکے ساتھ دیکھے اور اس سے دیکھے اور جب یہ آیت پڑھے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ تو نطفہ کے عجائبات پر غور کرے۔ کہ ایک طرح کے قطرہ پانی سے کیا گوناگوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے گوشت۔ پوست۔ رگ و استخوان وغیرہ اور دیگر اعضا جیسے سر۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھیں۔ زبان وغیرہ کسطرح پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اس امر پر غور کرے کہ کیسی عجیب و غریب طاقتیں جیسے کان۔ آنکھ۔ حیات وغیرہ کیسے ظہور کرتی ہیں۔ قرآن شریف کے تمام معانی اور شرح کا بیان کرنا مشکل ہے اور اتنا بیان کرنے سے مقصد محض قرآن شریف پر غور کرنے کیلئے تنبیہ کرنا ہے۔ تین قسم کے لوگوں کو قرآن شریف کے معانی معلوم نہیں ہو سکتے۔ ایک وہ جو ظاہری تفسیر پڑھے ہوئے نہ ہوں۔ اور زبان عربی سے ناواقف ہوں۔ دوم۔ وہ جو کسی گناہ کبیرہ پر مصر ہوں اور کسی بدعت کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ کیونکہ اس کا دل بدعت اور گناہ کے سبب تاریک ہو جاتا ہے۔ سوم۔ وہ جنہوں نے علمِ کلام میں کچھ اعتقاد پڑھے ہوں۔ اور اس کے ظاہر پر قیام کیا ہو اور اس کے خلاف جو کچھ ان کے دل پر گزرے اس سے نفرت کریں۔ ممکن نہیں کہ اس قسم کے لوگ ان ظاہری اعتقادات سے پھریں۔ پنجم یہ ہے کہ اس کا دل صفات مختلفہ کی طرف پھر جائے جیسے کہ آیات معانی مختلف ہوتے ہیں جب کسی خوف کی آیت پر پہنچے۔ تو اس کے دل پر خوف و ہراس طاری ہو اور جب کسی رحمت کی آیت پر پہنچے تو اس کے دل میں خوشی و سرور پیدا ہو۔ اور جب حق تعالیٰ کی صفات سنے تو عین عاجز اور خاکسار ہو جائے۔ اور جب کفار کی محال باتوں کی نسبت پڑھے جو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کرتے ہیں یا اس کے لئے بیٹا قرار دیتے ہیں تو اس جگہ پر شرم و خجالت سے اپنی آواز کو نرم کرے اسطرح ہر آیت کے معانی ہیں اور ان معانی کا تقاضا ہے۔ کہ اسی صفت پر ہو جائے۔ تاکہ آیات کا حق ادا ہو جائے۔ ششم۔ یہ کہ قرآن شریف کو اس طریق سے سنے جیسے حق تعالیٰ سے سنتا ہے اور فرض کرے کہ اس سے سنتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ لیکن اس کی لذت نہ پاتا تھا۔ حتیٰ کہ میں نے فرض کر لیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے لذت حاصل ہوئی۔ پھر میں نے فرض کر لیا۔ کہ میں جبریل علیہ السلام سے سنتا ہوں تب میری لذت اور بڑھ گئی۔ اور اب میں اسطرح پڑھتا ہوں۔ جیسے کہ حق تعالیٰ سے بلا واسطہ سنتا ہوں تو مجھے اب اس قدر لذت آتی ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ آئی تھی۔

نویں اصل حق تعالیٰ کے ذکر میں

جاننا چاہیئے۔ کہ ہر عبادت کا خلاصہ اور مقصد حق تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ اس لئے نماز مسلمانی کا ستون ہے۔ اور اس سے محض ذکرِ حق تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ اور قرآن شریف کا پڑھنا افضل ترین عبادت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی یاد دلاتا ہے اور جو کچھ اس

میں ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو تازہ کرنیکا سبب ہے اور روزہ کا مقصد خواہشات کو توڑنا ہے۔ کیونکہ جب دل خواہشات کی زحمت سے صاف ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی قرار گاہ بنجاتا ہے۔ جب دل خواہشات سے بھرپور ہوتا ہے۔ تو اس سے ذکر الٰہی کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اس میں کچھ اثر نہیں کرتا۔ اور حج سے جو زیارت خانہ خدا ہے اسکا مقصد صرف خداوند خانہ کا ذکر کرنا اور اس کی ملاقات کا شوق پیدا کرنا ہے پس تمام عبادات کا خلاصہ اور راز صرف ذکر پروردگار ہے بلکہ مسلمان کا اصل کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور یہ عین ذکر ہے۔ اور باقی تمام عبادتیں اس ذکر کی تاکید میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا تجھ کو یاد کرنا تیرے ذکر کا ثمرہ ہے اور اس سے بڑھکر اور کیا ثمر ہو سکتا ہے اور اسی لئے ارشاد ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ یعنی مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہیں یاد کروں۔ اور خدا کو ہر گھڑی یاد کرنا چاہیئے۔ اور اگر ہمیشہ نہ ہو سکے تو اکثر اوقات یاد کرنا چاہیئے۔ کیونکہ انسان کی بھلائی اس کے ساتھ وابستہ ہے اور اسی لئے فرمایا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اگر فلاح کی امید رکھتے ہو تو زیادہ ذکر کرنا اس کی کلید ہے نہ کہ تھوڑا اور اللہ کا ذکر اکثر اوقات کرنا چاہیئے نہ کہ کبھی کبھی اور اسی لئے فرمایا اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ اور اسی لئے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو کھڑے بیٹھے سوتے کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے اور فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ یعنی اس کا ذکر زاری اور ڈر کے ساتھ اور صبح و شام کو پوشیدہ طور پر اور کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ تمام کاموں میں کونسا کام زیادہ افضل ہے۔ فرمایا جس وقت میری تیری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو۔ اور آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں اس کام سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا بہترین کام ہے اور زر و سیم کے صدقہ دینے سے بہتر ہے اور خدا کے دشمنوں سے جہاد کرنا بہتر ہے اگرچہ وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ یا تم انکی گردنیں مارو۔ صحابہ نے سوال کیا وہ کونسا فعل ہے یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کو میرا ذکر دعا مانگنے سے باز رکھے اسکا انعام دعا مانگنے والوں کے انعام سے میرے نزدیک زیادہ ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر غافلوں کے درمیان ایسا ہے جیسے مردوں میں زندہ یا جیسے خشک گھاس میں سبز درخت کا ہونا یا جہاد میں بھاگے ہوؤں میں غازی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل بہشت کو کسی چیز کی حسرت نہ ہو گی۔ مگر اس ساعت کی حسرت ہو گی۔ جو دنیا میں بغیر ذکر الٰہی کے گزری۔ فضل الحق

حقیقت ذکر جاننا چاہیئے کہ ذکر کے درجے چار ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر محض زبان پر ہو اور دل اس سے غافل رہے اسکا اثر ضعیف ہے۔ لیکن بالکل اثر سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اس زبان کو جو ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ اس زبان پر ہر حال میں فضیلت ہے۔ جو بیہودہ باتیں کرے یا بالکل خاموش رہے دوم۔ یہ کہ دل میں ذکر الٰہی ہو۔ لیکن اس میں گھر نہ کرے اور قرار نہ پکڑے۔ ایسا ہو تو دل کو تکلیف کے ساتھ آمادہ کیا جائے کیونکہ اگر اس امر میں کوشش اور تکلف نہ کیا جائے گا۔

تو دل پھر غفلت اور نفس کی باتوں سے اپنی طبیعت پر لوٹ جائیگا۔ سوم۔ یہ کہ دل میں ذکر الٰہی نے قرار پایا ہو۔ اور اس میں تمکن اور غالب ہو۔ اور اس کی ایسی حالت ہو کہ اسے تکلف کے ساتھ کسی دوسرے کام کیلئے آمادہ کیا جائے اور یہ نہایت عظیم الشان درجہ ہے چہارم۔ یہ کہ جس کا ذکر کیا جائے اس کا دل پر غلبہ ہو جائے اور وہ حق تعالیٰ ہے اور ذکر دل میں نہ رہے۔ کیونکہ اس شخص میں جسکا دل ذکر کو دوست رکھتا ہے اور اس شخص میں جسکا دل مذکور کو دوست رکھتا ہے بہت فرق ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ ذکر اور ذکر کرنیکا خیال دل سے محو ہو جائے اور صرف مذکور دل میں رہ جائے۔ اگرچہ ذکر عربی ہو یا فارسی اور یہ دونوں سخن نفس سے خالی نہ ہونگے۔ بلکہ عین سخن ہونگے اور اصل یہ ہے کہ دل عربی اور فارسی سخن سے خالی ہو اور سب وہی ہو جائے اور کسی دوسری شے کی اسمیں جگہ نہ رہے اور یہ حد درجہ کی محبت کا نتیجہ ہے جسے عشق کہتے ہیں اور عاشق ہمیشہ معشوق کی طرف مشغول رہتا ہے۔ اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ معشوق کے تصور اور کمال خیال میں اسکا نام عاشق کو بھول جاتا ہے اور جب استغراق کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو عاشق الٰہی اپنے آپکو اور تمام دنیا و ما فیہا کو سوائے حق تعالیٰ کے فراموش کر دیتا ہے اور تصوف کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے اور اس حالت کو صوفیائے کرام فنا و نیستی کہتے ہیں یعنے جو کچھ بھی ہے اس کے ذکر سے فنا ہو جاتا ہے اور خود بھی فنا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ کے اور بہت سے عالم ہیں کہ ہم کو ان کی مطلق خبر نہیں وہ ہمارے نزدیک نیست ہیں اور ہمارے نزدیک ہست یعنی موجود وہ ہیں جن کی ہمیں خبر ہے۔ اور جب یہ عالم جو لوگوں کے نزدیک ہست ہیں ہے یعنے موجود ہیں، جس کسی کو فراموش ہو گئے اس کے نزدیک نیست یعنی غیر موجود ہیں اور جب اس نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا تو وہ خود اپنے نزدیک نیست یعنے غیر موجود ہو گیا اور جب کوئی چیز اس کے ساتھ سوائے حق تعالیٰ کے ہست یعنے موجود نہ رہی تو اس کے لئے ہست یعنے موجود صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور جس طرح کہ تو آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہے اور آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس سے زیادہ نہیں دیکھتا تو تو یہ کہتا ہے کہ عالم اس سے زیادہ نہیں ہے سب کچھ صرف یہی ہے۔ اسی طرح یہ عاشق الٰہی سوائے حق تعالیٰ کے اور کچھ نہیں دیکھتا اور کہتا ہے۔ کہ سب کچھ وہی ہے اور سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں۔ پس جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان سے جدائی اٹھ جاتی ہے اور یگانگی اور یکجہتی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ توحید وحدانیت کی ابتدا ہے کہ جدائی اٹھ جاتی ہے اور دوئی کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ جدائی وہ جانتا ہے جو دو چیزوں کو جانے اپنے آپکو اور حق تعالیٰ کو۔ اور عاشق اس حالت میں اپنے حال سے بیخبر ہوتا ہے اور سوائے ایک ذات باری کے کسی چیز کو نہیں جانتا پھر بھلا وہ جدائی کسطرح جانے۔ جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو فرشتوں کی صورتیں اس پر ظاہر ہونا شروع ہوتی ہیں اور ارواح و فرشتے و انبیاء اچھی اچھی شکلوں میں اسکے سامنے جلوہ گر ہوتے ہیں اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اس پر ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اور بڑی بڑی عظیم الشان چیزوں سے آگاہی ہوتی ہے جنکا تحریر کرنا ناممکن ہے اور جب پھر اپنے آپ میں واپس آتا ہے اور دوسرے کاموں کو جاننے لگتا ہے۔ تو اس پہلی حالت بیخودی و بیہوشی کا اثر اسمیں باقی رہتا ہے اور پھر اسی حالت کا شوق اسپر غالب ہوتا ہے اور دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اور جن کاموں میں لوگ مشغول ہوتے ہیں۔ اسکے دل کو وہ بُرے

معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اسکا تن لوگوں کے درمیان ہوتا ہے مگر اس کی روح غائب ہوتی ہے اور اسلئے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو دنیا کے کاروبار میں مشغول ہیں اور رحم کی نظر سے انکو دیکھتا ہے کیونکہ اسے خبر ہوتی ہے کہ وہ کس نعمت عظمٰی سے محروم ہیں اور لوگ اس پر ہنستے ہیں کہ وہ دنیا کے کاموں میں کیوں مشغول نہیں ہوتا۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ جنونی یا سودائی ہو جائیگا۔ پس اگر کوئی شخص درجہ نیستی پر نہ پہنچے اور یہ احوال و مکاشفات اسپر ظاہر نہ ہوں لیکن ذکر الٰہی اس پر غالب ہو جائے تو یہ بھی کیمیائے سعادت ہے۔ کیونکہ جب ذکر حق اسپر غالب ہو جائیگا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب آجائیگی تو پھر یہ ہوگا کہ وہ حق تعالےٰ کو تمام دنیا سے زیادہ دوست رکھیگا۔ اور اصل سعادت یہی ہے کیونکہ جب اسکا رجوع اللہ تعالےٰ کی طرف ہوگا تو اس کو موت میں اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے علیٰ قدر مراتب لذت حاصل ہوگی۔ اور جس شخص کی محبوبہ دنیا ہوگی تو اس کا درد وغم فراق دنیا میں اُسے دُنیا کے عشق کی مقدار کے مطابق ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے عنوان مسلمانی میں ذکر کردیا ہے پس اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرتا ہے اور وہ حالت جو صوفیا پر وارد ہوتی ہے اس پر طاری نہیں ہوتی تو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے ذکر کو نہ چھوڑے کیونکہ سعادت اس حال پر موقوف نہیں ہے بلکہ جب دل ذکر الٰہی کے نور سے آراستہ ہوگیا۔ تو کمال سعادت پر مہیا ہوا۔ اور جو کچھ اس جہان میں اسپر ظاہر نہ ہوگا۔ وہ مرنیکے بعد ظاہر ہوگا۔ اسلئے چاہیئے کہ مراقبہ کا ہمیشہ التزام کرے تاکہ دل حق تعالےٰ کی طرف مشغول ہو اور کسی وقت بھی ذکر الٰہی سے غافل نہ رہے کیونکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر حضور الٰہیت اور عجائبات ملکوت کی چابی ہے۔ اور یہ جو جناب حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے۔ کہ جو شخص بہشت کے باغوں کی سیر کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرے اور اسکے یہی معنے ہیں۔ اور جو کچھ کہ بیان کیا جاچکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام عبادت کا خلاصہ ذکر حق تعالیٰ ہے اور ذکر حقیقی وہ ہوتا ہے کہ جب امر و نہی درپیش ہو تو خدا تعالیٰ کو یاد کرے اور گناہوں سے بچے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل کرے اور اس کے ذکر میں یہ بات نہ پائی جائے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ محض حدیث نفس ہوگی اور اصلیت اور حقیقت سے بعید۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

فضائل تسبیح و تہلیل و تحمید و صلوٰۃ و استغفار حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے کہ ہر وہ نیکی جو آدمی کرتا ہے قیامت کے دن ترازو میں ڈالی جائیگی سوائے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے۔ کیونکہ اگر اسکو ترازو میں ڈالینگے تو یہ تمام زمینوں اور آسمانوں سے اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب سے زیادہ وزنی ہوگا۔ اور فرمایا کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صدق دل سے کہتا ہے اسکے گناہ اگر خاک زمین سے بھی زیادہ ہوں تو بخشدیئے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اخلاص کے ساتھ پڑھا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اور فرمایا کہ جو شخص سو بار دن میں کہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو اُسے دس غلام آزاد کرانے کا ثواب حاصل ہوگا۔ اور سو نیکیاں اس کے دفتر اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اور سو گناہ اس کے نامۂ اعمال سے کاٹے جاتے ہیں۔ اور رات تک یہ کلمہ اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھیگا۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ پڑھیگا اسے اسقدر ثواب ملیگا۔ کہ جیسے اس نے فرزندانِ

اسماعیل علیہم السلام میں سے چار غلاموں کو آزاد کیا ہو گا۔
تسبیح و تحمید:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص دن میں سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھتا ہے۔ اس کے تمام گناہ بخشدیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ زیادتی میں کفِ دریا کے برابر ہوں اور فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تینتیس بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور تینتیس بار سُبْحَانَ اللّٰہِ پڑھے اور اس کے بعد سو کو اس کلمہ سے پورا کرے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو حق تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ اگرچہ وہ کفِ دریا سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ دنیا نے مجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ تنگدست و درویش ہو گیا ہوں۔ اور محتاج ہوں۔ میرا علاج کیا ہے فرمایا تو کہاں ہے یعنی کیا تو اس صلوٰۃِ ملائکہ اور تسبیح خلق سے بے خبر ہے۔ جسکی وجہ سے وہ روزی حاصل کرتے ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وہ کیا ہے حضورؐ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ نماز صبح سے پہلے سو بار پڑھ تاکہ دنیا چار و ناچار تیری طرف متوجہ ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر کلمہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک تسبیح پڑھتا رہتا ہے اور اس کا ثواب تجھے ملیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمات باقیاتُ الصالحات ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کلمات کو پڑھتا ہوں اور گردشِ آفتاب کے نیچے جتنی چیزیں ہیں ان سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک تمام کلمات سے زیادہ پسند یہ چار کلمے ہیں اور فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ مدینہ کے فقیروں نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ آخرت کا تمام ثواب تو امیر لوگ لے گئے کیونکہ وہ عبادت جو ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں اور وہ صدقہ بھی دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے۔ آپ نے فرمایا تمہارے لئے ہر تسبیح و تہلیل و تکبیر صدقہ ہے اور ہر امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے اور اسیطرح تم میں سے ایک جب اپنی اولاد کے منہ میں لقمہ ڈالتا ہے تو وہ صدقہ ہے اور جان کہ تسبیح کی فضیلت درویش کیلئے اسواسطے زیادہ ہے کہ درویش کا دل دنیا کی تاریکی سے مشغول نہیں ہوتا۔ اور بہت مصفا ہوتا ہے۔ اور ایک کلمہ جو وہ کہتا ہے اس بیج کیطرح ہے جو اچھی زمین میں ڈالیں اور اثر زیادہ کرے اور پھل بہت دے۔ اور ذکر جو خواہشات دنیا سے بھرے ہوئے دل میں ہوتا ہے۔ وہ اس بیج کی مانند ہے جو شور زمین میں ڈالا جائے اور اثر کم کرے۔
درود شریف:۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز باہر تشریف لائے اور آپکے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر تھے آپنے فرمایا جبریل آئے تھے اور یہ پیغام لائے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تو اسے پسند نہیں کرتا کہ جو کوئی تیری امت میں سے ایک بار تجھ پر درود بھیجے گا۔ میں اسپر دس بار درود بھیجوں گا۔ اگر وہ ایکبار تجھ پر سلام بھیجیگا تو میں دس بار اسپر سلام

بھیجونگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تمام فرشتے اس پہ درود بھیجتے ہیں اگرچہ تھوڑا بھیجے یا زیادہ۔ اور میرے نزدیک مقرب وہ ہے جو مجھ پہ زیادہ درود بھیجے۔ اور جو شخص ایکبار مجھ پر درود بھیجتا ہے دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھتے ہیں اور دس گناہ اس کے نامۂ اعمال سے ہٹا ڈالتے ہیں اور فرمایا جو شخص کوئی چیز لکھتا ہے اور اس میں مجھ پر درود لکھتا ہے۔ تو فرشتے اس کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ جبتک کہ میرا نام اس کتاب میں لکھا رہتا ہے۔

استغفار: ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں دو آیات ایسی ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص ان دو آیتوں کو تلاوت کر کے استغفار کرے تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور وہ دو آیتیں یہ ہیں وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ اور دوسری آیت یہ ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ زیادہ پڑھتے تھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص استغفار زیادہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے غم سے آزاد فرماتا ہے۔ اور خوشی دیتا ہے اور جس تنگی میں بھی ہو اس سے نجات پاتا ہے اور جس جگہ سے اسکو رزق حاصل ہونیکا وہم و گمان بھی نہ ہو وہاں سے اس کو روزی پہنچتی ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک دن میں ستر بار توبہ و استغفار کرتا ہوں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی۔ تو معلوم ہوا کہ دوسروں کو اس سے کسی وقت بھی غافل نہ رہنا چاہیئے اور فرمایا جو شخص سوتی دفعہ تین بار پڑھے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اس کے تمام گناہوں کو بخشدیتے ہیں۔ اگرچہ وہ کفِ دریا اور ریگ بیابان اور برگ درختاں اور دنیا کے تمام ایام کی تعداد میں کیوں نہ ہوں۔ اور فرمایا جو شخص گنہگار ہو۔ اگر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور استغفار کرے تو اس کے تمام گناہ بخشدیئے جاتے ہیں۔

آدابِ دعا: جاننا چاہیئے کہ تضرع و زاری کے ساتھ مانگنا منجملہ مقربات کے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دعا عبادات کا مغز ہے۔ اور اسکا سبب یہ ہے کہ عبادات کا مقصود اظہار عبودیت ہے۔ اور عبودیت تب ہی ہوتی ہے جب اپنی شکستگی اور حق تعالیٰ کی عظمت کو جانے اور دعا میں یہ دونوں باتیں ہیں اور جسقدر تضرع و زاری زیادہ ہو اسی قدر اچھا ہے اور دعا میں آٹھ آداب کا خیال رکھے اول یہ کہ دعا اچھے اوقات میں مانگے جیسے عرفہ کا دن۔ رمضان المبارک۔ جمعہ۔ صبح کا وقت۔ آدھی رات کا وقت۔ دوم۔ بڑے بڑے حالات کے وقت کا بھی خیال رکھے جیسے غازیوں کے جہاد کرنیکا وقت۔ بارش کا وقت اور نماز فرضیہ کا وقت۔ روزہ کی حالت میں اور ایسے وقت میں جبکہ دل پر رقت ہو۔ کیونکہ ان تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ آسمان کے دروازے کھولدیتا ہے۔ سوم یہ کہ دعا کے وقت دونوں ہاتھ بلند کرے اور جب دعا ختم کرے تو منہ پر اتارے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت کریم ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ہاتھ اسکی طرف

طرف اٹھائے اور وہ خالی واپس پھیرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دعا مانگتا ہے وہ تین حالتوں سے خالی نہیں رہتا۔ یا تو اسکا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ اور اسے کچھ نہ کچھ اس وقت حاصل ہو جاتا ہے یا مستقبل میں اسے کچھ چیز ملنے والی ہوتی ہے۔ چہارم جب دعا مانگے تو اس کی نامقبولیت کا خیال دل میں نہ لائے بلکہ اسکی اجابت کا پتہ رکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا اسحالت میں کرو جب تمہیں اس کی اجابت کا یقین ہو پنجم دعا اس کی قبول ہوتی ہے جو نہایت خشوع و خضوع و زاری و حضورِ دل کے ساتھ کرتا ہے اور دعا کا تکرار کرتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کا دل غافل ہو اسکی دعا قبول نہیں ہوتی ششم۔ دعا میں عاجزی اور انکساری کا اظہار کرے اور دعا کا تکرار کرے اور دعا کرنا نہ چھوڑے اور یہ نہ کہے کہ میں نے بہت دعا کی ہے اور قبول نہیں ہوئی کیونکہ دعا کے قبول ہونے کا وقت اور مصلحت اللہ بہتر جانتا ہے۔ اور جب قبول ہو جائے تو یہ پڑھنا سنت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ اور جب اجابت میں دیر ہو جائے تو یہ کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ ہفتم۔ دعا سے پہلے درود شریف اور تسبیح پڑھے کیونکہ رسول اللہ علیہ وسلم دعا سے پہلے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلَی الْوَهَّابِ پڑھا کرتے تھے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دعا مانگے اسے مجھ پر پہلے درود بھیجنا چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے سے دعا ضرور قبول ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت کریم ہے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ ایک چیز کو قبول کرے اور ایک کو رد کرے ہشتم یہ کہ دعا سے پہلے توبہ کرے اور ظلم کے احاطہ سے باہر نکل آئے اور دل کو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ بہت سی دعائیں گناہوں کی ظلمت اور دل کی غفلت کیوجہ سے رد ہو جاتی ہیں حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے زمانہ میں قحط پڑا حضرت موسیٰ علیہ السلام تین دفعہ تمام امت دعائے باران کیلئے نکلے۔ لیکن قبولیت نہ ہوئی موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ تم میں ایک چغلخور ہے جب تک وہ رہیگا دعا قبول نہ کرونگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خداوند وہ کون ہے تاکہ اس کو جماعت سے باہر نکالا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے چغلخوری سے منع فرمایا ہے لہذا میں خود کیسے اس فعل کا ارتکاب کروں پس موسیٰ علیہ السلام نے تمام امت کو کہا کہ چغلخوری سے توبہ کرو۔ جب سب نے توبہ کی تو بارش ہوئی۔ مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایکبار قحط پڑا۔ بہت بار انہوں نے دعا مانگی۔ لیکن اجابت نہ ہوئی ان کے پیغمبروں پر وحی نازل ہوئی کہ انہیں کہدو کہ تم باہر آئے ہو اور دعا مانگتے ہو۔ پلید اجسام اور حرام خوری سے جسم پُر کئے ہوئے ہو اور تمہارے ہاتھ خون ناحق سے آلودہ ہیں۔ اسحالت میں تمہارا باہر نکل کر دعا مانگنا میرے غصہ کو تم پر زیادہ کرتا ہے پس جاؤ مجھ سے دور رہو۔

متفرق دعائیں:۔ جاننا چاہیئے کہ دعائے ماثورہ بہت ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں اور جن کا صبح کو اور شب کو اور نماز کے بعد اور مختلف اوقات میں پڑھنا سنت ہے اور ان دعاؤں کا بہت سا حصہ میں نے کتاب احیاء العلوم میں درج کیا ہے۔ اور ان میں سے چند بلند پایہ دعاؤں کو کتاب بدایۃ الہدایہ میں لکھا ہے جو کوئی چاہے

اس میں سے یاد کر لے۔ اس کتاب میں انکا درج کرنا باعث طوالت ہے اور بہت ان میں سے مشہور و معروف ہیں اور ہر ایک آدمی کو ان میں سے کچھ نہ کچھ یاد ہے لیکن چند دعائیں جو بعض حوادث اور بعض امور میں پڑھی جاتی ہیں اور سنت ہیں۔ اور لوگوں کو کم یاد ہیں تحریر کرتا ہوں تاکہ وہ یاد کریں اور ان کے معانی سمجھیں اور ہر ایک کو اس کے وقت و موقعہ پر پڑھیں کہتے ہیں کہ آدمی کو کسی وقت بھی خدا سے غافل نہ ہونا چاہیئے اور تضرع و دعا سے خالی نہ رہے جب گھر سے باہر نکلے تو یہ دعا پڑھے بسم اللہ رب اعوذ بک ان اضل او اضل او اظلم او اظلم او اجہل او یجہل علی بسم اللہ الرحمن الرحیم لا حول ولا قوۃ الا باللہ والتکلان علی اللہ جب مسجد میں داخل ہو تو یہ پڑھے اللہم صل علی محمد وعلی آلہ وسلم اللہم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اور داہنے پاؤں کو پہلے مسجد میں داخل کرے اور جب کسی ایسی محفل میں بیٹھے جہاں پراگندہ باتیں ہوتی ہوں تو یہ دعا پڑھنا انکا کفارہ ہے سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک عملت سوءا وظلمت نفسی فاغفر لی انہ لا یغفر الذنوب الا انت اور جب بازار جائے تو یہ دعا پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وہو حی لا یموت بیدہ الخیر وہو علی کل شیء قدیر اور جب نیا کپڑا پہنے تو یہ پڑھے اللہم انت کسوتنی ہذا الثوب فلک الحمد اسئلک من خیرہ وخیر ما صنع لہ واعوذ بک من شرہ وشر ما صنع لہ اور جب نیا چاند دیکھے تو یہ کہے اللہم اہلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک اللہ اور جب کسی کی موت کی خبر سنے تو یہ پڑھے سبحان الحی الذی لا یموت انا للہ وانا الیہ راجعون اور جب صدقہ دے تو یہ پڑھے ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم اور جب نقصان ہو تو یہ پڑھے عسی ربنا ان یبدلنا خیرا منہا انا الی ربنا راغبون اور جب کسی کام کی ابتدا کرے تو یہ پڑھے ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وہیئ لنا من امرنا رشدا اور جب آسمان کی طرف دیکھے تو یہ کہے ربنا ما خلقت ہذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا۔ اور بادل گرجنے کی آواز سنے تو یہ کہے سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ اور جب بجلی گرے تو یہ پڑھے اللہم لا تقتلنا بغضبک ولا تہلکنا بعذابک وعافنا قبل ذلک اور جب بارش ہو تو یہ پڑھے اللہم اجعلہ سقیا ہنیئا وصیبا نافعا واجعلہ سبب رحمتک ولا تجعلہ سبب عذابک اور جب غصہ کی حالت میں ہو تو یہ پڑھے اللہم اغفر لی ذنبی واذہب غیظ قلبی واجرنی من الشیطان الرجیم اور ڈر اور خوف کی حالت میں یہ پڑھے اللہم انا نعوذ بک من شرورہم وندرء بک فی نحورہم اور جب کسی جگہ درد ہو تو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار یہ کہے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سات بار یہ پڑھے اعوذ باللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر اور جب کوئی رنج و غم پہنچے تو یہ پڑھے لا الہ الا اللہ الحلیم العظیم لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الہ الا اللہ رب السموات ورب العرش الکریم اور جب کسی کام کے کرنے سے عاجز ہو تو یہ پڑھے اللہم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاؤک اسئلک بکل اسم سمیت بہ نفسک

نفسک وانزلتہ فی کتابک واعطیتہ احدًا من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القراٰن ربیع قلبی ونور صدری وجلاء غمی وذہاب حزنی وھمی اور جب آئینہ دیکھے تو یہ پڑھے الحمد للہ الذی خلقنی فاحسن خلقتی وصورنی فاحسن صورتی۔ اور جب کسی غلام کو مول لے تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ کہے اللھم انی اسئلک خیرہ وخیر ما جبل علیہ واعوذ بک من شرہ وشر ما جبل علیہ اور جب سونے لگے تو یہ پڑھے رب باسمک وضعت جنبی وباسمک ارفعہ ھذہ نفسی انت تتوفٰہا لک محیاھا ومماتھا ان امسکتھا فاغفر لھا وان ارسلتھا فاحفظھا بما تحفظ بہ عبادک الصالحین اور جب بیدار ہو تو یہ کہے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور اصبحنا واصبح الملک للہ والعظمۃ والسلطان للہ والعزۃ والقدرۃ للہ اصبحنا علی فطرۃ الاسلام وکلمۃ الاخلاص ودین نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وملۃ ابینا ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین۔

اصل دہم ترتیب اوراد کا بیان

جاننا چاہیئے کہ جو کچھ میں نے عنوان مسلمانی میں بیان کیا۔ اس سے عیاں ہوا کہ انسان کو اس عالم غربت میں کہ عالم خاک و آب ہے۔ صرف تجارت کیلئے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے ورنہ اسکے روح کی حقیقت علوی ہے جو وہاں سے آئی ہے اور وہیں واپس جائیگی اور اس تجارت میں اس کا سرمایہ عمر ہے اور یہ ایسا سرمایہ ہے جو ہمیشہ نقصان میں ہے اگر اس سے ہر لمحہ فائدہ و نفع نہ لیا جائے تو یہ سرمایہ سب ہلاک و نقصان ہو جائیگا اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا الآیہ اور اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جسکا سرمایہ یخ تھا اور گرمی کے موسم میں فروخت کرتا تھا۔ کہ لوگو اس شخص پر رحم کرو۔ جسکا سرمایہ اسطرح پگھل رہا ہے جو بعینہٖ اسیطرح سرمایہ عمر پگھلتا ہے کیونکہ وہ صرف گنتی کے چند سانس ہیں۔ جن کی گنتی و شمار سے صرف خدا ہی واقف ہے پس وہ لوگ جو اس کام کا خطرہ دیکھتے تھے وہ اپنے سانسوں کی حفاظت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان میں ہر ایک سانس ایک گوہر ہے جس سے سعادت ابدی کو شکار کیا جا سکتا ہے اور وہ اس پر نہایت مہربان تھے جسقدر کوئی زر و سیم پر مہربان ہو اور یہ شفقت اسلئے تھی۔ کہ انہوں نے دن رات کے وقتوں کو نیکیوں کیلئے تقسیم کر رکھا تھا اور مختلف قسم کے اوراد پڑھتے تھے اور دراصل ان وظائف کیوجہ محض یہ تھی کہ انکا کوئی وقت ضائع نہ جائے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سعادت آخرت کو وہی شخص پہنچتا ہے جب وہ اس جہان فانی سے جائے تو اس پر حق تعالیٰ کی محبت غالب ہو اور انس بغیر ذکر دوام کے نہیں اور محبت بے معرفت نہیں اور معرفت بلا تفکر حاصل نہیں ہوتی پس ذکر و فکر کی مداومت ہی تخم سعادت ہے۔ اور ترک دنیا و ترک شہوات و معاصی وغیرہ اس لئے ہے کہ فراغت کے بعد ذکر و فکر نصیب ہو۔ اور ذکر دوام کے دو طریق ہیں ایک

تو یہ کہ اللہ اللہ ہمیشہ دل سے کہے نہ زبان سے بلکہ دل سے بھی نہ کہے۔ کیونکہ دل سے کہنا بھی حدیث نفس میں شامل ہے بلکہ ہمیشہ اس کے مشاہدہ میں رہے۔ اور کسی وقت بھی غافل نہ ہو۔ لیکن یہ سخت مشکل ہے کہ ہر ایک کو ایسا کرنے کی طاقت نہیں۔ کہ اپنے دل کو ایک صفت اور ایک حال پر رکھے۔ کیونکہ اس سے اکثر لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے پس اس لئے مختلف اوراد مقرر کئے ہیں بعض ایسے ہیں جو جسم سے ادا ہوتے ہیں۔ جیسے نماز اور بعض زبان سے جیسے قرآن پڑھنا اور تسبیح کہنا اور بعض دل سے جیسے تفکر تاکہ تامل حاصل نہ ہو کیونکہ ہر وقت نیا شغل ہوگا اور ایک حالت سے دوسری حالت میں انتقال کرتے رہنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور دوسرے وہ اوقات جو حاجات دنیوی کیلئے خرچ کرنے ہوتے ہیں ان میں تمیز اور فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اگر تمام اوقات آخرت کے کاموں میں صرف نہ کئے جائیں تو کم از کم انکا بیشتر حصہ تو ضرور صرف کرنا چاہیئے تاکہ نیکیوں کا پلہ وزنی رہے۔ اگر نصف وقت دنیا کیلئے اور نصف آخرت کیلئے صرف کریگا تو اس سے خطرہ ہے کہ کہیں دنیا کے کاموں کا پلہ وزنی نہ ہو جائے۔ کیونکہ انسان کی طبیعت فطرتاً دنیا کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے کیونکہ دل کو دین کے کاموں میں لگانا خلاف طبیعت گزرتا ہے اور دین کے کاموں میں خلوص رکھنا ایک مشکل امر ہے اور بغیر اخلاص کے جو کچھ بھی ہو بے فائدہ ہے۔ اسلئے اعمال کی کثرت چاہیئے تاکہ ان میں سے ایک تو اخلاص والا ہو۔ پس وقت کا زیادہ حصہ صرف دین کے کاموں میں صرف کرنا چاہیئے اور دنیا کے کاموں کو ان کی تبعیت میں کرنا چاہیئے اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد کیا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ اور فرمایا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا اور فرمایا كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ پس ان سب آیات میں یہی ارشادات ہیں کہ زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بسر کرنا چاہیئے اور یہ بات شب روز کے تقسیم کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اس لئے انکا بیان کرنا بھی لازمی ہے۔

دن کے اوراد: جان کہ دن کے اوراد پانچ ہیں۔ پہلا ورد صبح سے طلوع آفتاب تک ہے اور یہ نہایت شریف وقت ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو قسم کے ساتھ یاد کیا ہے اور فرمایا وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۃ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ تمام اسی کی عظمت کے متعلق ہیں پس اس تمام انفاس کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ جب خواب سے بیدار ہو تو یہ پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔ دعا پڑھے اور کپڑے پہن کر دعا وذکر میں مشغول ہو اور کپڑے پہننے میں ستر عورت اور تعمیل احکام الٰہی کی نیت کرے اور ریا اور رعونت کے ارادہ سے پرہیز کرے پھر پاخانہ میں جائے اور بائیں پاؤں کو پہلے رکھے پھر مسواک وضو کرے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے تمام دعاؤں اور اذکار کو بجا لائے پھر صبح کی سنتیں گھر میں ادا کرے اور بعد کو مسجد میں ادائے فرض کیلئے جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے اور وہ دعا جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ سنت کے بعد جیسا کہ میں نے کتاب بدایۃ الہدایۃ میں بیان کیا ہے۔ یاد کر کے پڑھے۔ پھر مسجد کو جائے اور دائیں پاؤں کو پہلے رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی

دعا پڑھے اور صفِ اوّل میں بیٹھنے کا ارادہ کرے اور صبح کی سنتیں ادا کرے اگر سنتیں گھر میں پڑھ چکا ہے تو نمازِ تحیۃ المسجد[۱] پڑھے اور جماعت کی انتظار میں بیٹھے اور تسبیح و استغفار میں مشغول رہے جب نمازِ فریضہ سے فارغ ہو جائے تو طلوعِ آفتاب تک وہیں بیٹھا رہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ طلوعِ آفتاب تک مسجد میں بیٹھنے کو زیادہ پسند کرتا ہوں چار غلاموں کے آزاد کرنے سے اور طلوعِ آفتاب تک چار چیزوں میں مشغول رہے یعنی دعا اور تسبیح۔ قرآن پڑھنا اور تفکر۔ اور جب نماز سے سلام پھیرے تو ابتدا دعا سے کرے اور پڑھے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ پھر ادعیہ ماثورہ پڑھے اور کتاب دعوات سے یاد کر لے جب دعا سے فارغ ہو تو تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو اور ہر ایک کو سو بار یا ستر بار یا دس بار پڑھے جب دس ذکر دس دس بار ہونگے تو جملہ سو بار ہو جائیگا۔ اس سے کم تعداد میں نہ پڑھے اور ان دس اذکار کی حدیثوں میں بہت سی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں ہم نے طوالت کے خیال سے انہیں نہیں لکھا۔ ذکر اول یہ ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ دوم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ سوم سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ چہارم سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ پنجم سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ ششم اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَسْئَلُهُ التَّوْبَةَ ہفتم يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ ہشتم اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ نہم اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ دہم بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ ان دس کلمات کو دس بار پڑھے یعنی ہر ایک کو دس دس بار یا جسقدر پڑھ سکے کیونکہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ فضیلت ہے اور ہر ایک میں علیحدہ علیحدہ خاصیت اور لذت ہے اور اسکے بعد قرآن شریف پڑھنے میں مشغول ہو اگر قرآن شریف نہ پڑھ سکے تو اوائل قرآن یعنی آیۃ الکرسی و اٰمَنَ الرَّسُوْلُ و شَهِدَ اللّٰهُ و قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ و اوّل سورہ حدید اور آخر سورہ حشر کو یاد کر کے پڑھے۔ اگر کسی ایسی چیز کو پڑھنا چاہے جو ذکر اور دعا قرآن شریف کی جامع ہے تو جو ابراہیم علیہ السلام کو خضر علیہ السلام نے حالتِ کشف میں بتلایا تھا وہ پڑھے اور اسکی بہت فضیلت ہے اور اسکو مسبعات عشر کہتے ہیں اور وہ دس چیزیں ہیں اور ہر ایک سات بار پڑھتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ۔ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ۔ یہ چھ تو قرآن شریف میں سے ہیں اور چار ذکر ہیں اوّل سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ دوم۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ سوم اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ

---

[۱] مذہب حنفی میں فجر سے طلوعِ سورج تک سوائے دو سنت صبح کے اور نفل تحیۃ المسجد و تحیۃ الوضو وغیرہ منع ہیں۔ مصحح۔

لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ چہارم اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَافْعَلْ بِیْ وَبِھِمْ عَاجِلًا وَّاٰجِلًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مَا اَنْتَ لَہٗ اَھْلٌ وَلَاتَفْعَلْ بِنَا یَا مَوْلٰنَا مَا نَحْنُ لَہٗ اَھْلٌ اِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اس کی فضیلت کے باب میں ایک نہایت طویل حکایت ہے جسکو میں نے کتاب احیاء العلوم میں درج کیا ہے جب اس سے فارغ ہو جائے تو تفکر میں مشغول ہو اور تفکر کی بہت سی شقیں ہیں جو کتاب کے آخر میں درج کی گئی ہیں۔ اور جو تفکر ہر روز کرنا لازمی ہے یہ ہے کہ موت اور اجل کے نزدیک ہونے کا تفکر کرے اور اپنے آپکو کہے کہ یہ ممکن ہے کہ اصل میں ایک دن سے زائد باقی نہ ہو۔ اور اس تفکر کا فائدہ بہت ہے کیونکہ خلق جو دنیا کی طرف راغب ہے تو وہ محض درازیٔ امید کی وجہ سے ہے اور اگر یہ بات یقین کیساتھ معلوم ہو جائے کہ ایک ماہ یا ایک سال تک مر جائینگے تو جن کاموں میں مشغول ہیں ان سے دور بھاگیں موت تو ایکدن میں ممکن ہے اور لوگ ایسے کام کی تدبیر میں مشغول ہیں جو دس سال تک حاصل ہوں اسی واسطے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ۔ جب آدمی دل کو صاف کرے اور اس حقیقت پر غور کرے تو زادِ آخرت کا فکر دل میں پیدا ہوتا ہے پس ہر ایک کیلئے لازم ہے کہ اس میں فکر کرے کہ آج کے روز اسے کتنی نیکیاں میسر آسکتی ہیں اور کتنی معصیتوں سے پرہیز کر سکتا ہے اور پچھلے دنوں میں نے کیا کیا گناہ کیے ہیں جنکا تدارک ضروری ہے اور سب کیلئے تدبیر و فکر کی حاجت ہے پس اگر کسی کو کشف نصیب ہو تو وہ زمین و آسمان کے عجائبات پر غور کرے بلکہ حضرت الٰہی کے جلال و جمال میں غور کرے اور یہ تفکر تمام عبادات اور تفکر سے زیادہ افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس سے دل پر غالب ہوتی ہے اور جبتک عظمت غالب نہ ہو محبت غالب نہیں ہوتی۔ اور سعادت کا کمال محبت میں ہے لیکن ہر ایک کو یہ فضیلت نصیب نہیں ہوتی پس سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر جو اس نے عطا کی ہیں غور کرے اور ان تکلیفوں پر غور کرے جو جہان میں بیماروں درویشوں کو فکر و غم کی صورت میں ہوتی ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے انکو اس سے محفوظ رکھا ہے تو اسکا شکریہ ادا کرے کیونکہ شکر بجالانا اسپر واجب ہے اور شکر بجالانا محض یہی ہے کہ اسکے احکام کی تعمیل کرے اور گناہوں سے بچے اور تمام اوقات میں ایک وقت اس میں بھی تفکر کرے کہ صبح ہونے پر تا طلوع آفتاب سوائے نماز فجر فریضہ و سنت کے کوئی دوسری نماز درست نہیں اور اسکا بدل ذکر و فکر ہے دوسرے طلوع آفتاب سے وقت چاشت تک ہو سکے تو مسجد میں صبر کرکے بیٹھا رہے یعنی یہانتک کہ آفتاب ایک نیزہ بلند ہو جائے اور تسبیح باریتعالیٰ میں مشغول رہے تاکہ وقت کراہتِ نماز گزر جائے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے جب دن کا چہارم حصہ گزر جائے تو اسوقت نماز چاشت کا ادا کرنا افضل ہے چار رکعت ادا کرے یا چھ یا آٹھ جتنی توفیق ہو یہ سب مروی ہیں یا جسوقت آفتاب بلند ہو جائے اسوقت دو رکعت نماز پڑھ کے ان نیک کاموں میں مشغول ہو جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً بیماروں کی عیادت کو جانا یا کسی کے جنازہ کیساتھ جانا مسلمانوں کی اغراض کا پورا کرنا علما کی محفل میں حاضر ہونا۔ ورد سوم چاشت کے وقت سے لیکر

نماز ظہر تک ہے اور یہ ورد لوگوں کے حق میں مختلف طور پر ہے اور چار حالتوں سے خالی نہیں **حالت اول** یہ ہے کہ آدمی تحصیلِ علم پر قادر ہو اور اس سے کوئی عبادت بھی افضل نہیں بلکہ جو شخص اس پر قادر ہو اُسے نماز صبح سے فارغ ہوتے ہی تحصیلِ علم میں لگ جانا چاہیئے۔ لیکن ایسا علم حاصل کرے جو آخرت کیلئے نافع ہو اور ایسا علم ہو کہ اس سے دنیا کی رغبت کم ہو اور آخرت کی رغبت کو مضبوط کرے۔ اور اعمال کے عیوب و آفات کو ظاہر کرے اور اخلاص کی طرف دعوت دے لیکن علمِ جدل و خلاف و علم قصص و تذکیر جو صنعت و سجع سے ملا ہوا ہو۔ یہ سب حرص دنیا کو زیادہ کرتے ہیں اور دل میں حسد و غرور کا بیج بوتے ہیں۔ اور وہ علم جو مفید تر ہے وہ کتاب احیاء العلوم اور جواہر قرآن اور اس کتاب میں ہے، چاہیئے کہ علوم سب سے پہلے ایسے حاصل کرے۔ **حالت دوم**۔ یہ کہ تحصیل علم کی طاقت نہ رکھے۔ لیکن ذکر و تسبیح و عبادت میں مشغول ہو سکے اور یہ عابدوں کا درجہ ہے اور نہایت بزرگترین مقام ہے خاص کر ایسے ذکر میں مشغول ہونا جو دل پر غالب و متمکن ہو اور لازم ہو جائے نہایت افضل ہے **حالت سوم**۔ کسی ایسے کام میں مشغول ہونا جسمیں مسلمانوں کی راحت اور مدد مقصود ہو جیسے صوفیوں، فقیہوں درویشوں کی خدمت کرنا اور یہ نوافل کی عبادت سے زیادہ افضل ہے کیونکہ یہ عبادت بھی ہے اور مسلمانوں کے لئے باعث راحت بھی ہے اور عبادت پر انکی مدد بھی ہے اور انکی دعا کی برکت میں بہت اثر ہے **حالت چہارم**:۔ یہ ہے کہ اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ کسی کسب میں مشغول ہو جس سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کر سکے اور جو کام کرے اسمیں امانت کو مدنظر رکھے اور لوگ اسکے ہاتھ اور زبان سے محفوظ ہوں اور حرصِ دنیا اسکو زیادہ طلبی میں نہ ڈالدے۔ اور جب ضرورت پر کفایت کرے تو یہ شخص بھی عابدوں میں سے ہوگا اور اصحاب الیمین کے درجہ پر ظاہر ہوگا۔ اگرچہ اسکا درجہ سابقین و مقربین کا نہ ہوگا اور درجہ سلامتی کو لازم پکڑنا سب سے قلیل درجہ ہے اور جو شخص ان چاروں میں سے کسی درجہ میں وقت صرف نہ کریگا وہ شیطان کا مطیع اور ہالکین میں سے ہوگا ورد چہارم۔ وقت زوال سے نماز عصر تک ہے زوال سے پہلے قیلولہ کرے کیونکہ قیلولہ کرنا نماز شب کیلئے ایسا ہے جیسے روزہ رکھنے کیلئے سحر کا کھانا۔ اور جو شخص رات کو عبادت نہ کرے اسکے لئے قیلولہ مکروہ ہے کیونکہ زیادہ سونا مکروہ ہے اور جب قیلولہ سے بیدار ہو تو وقت سے پہلے طہارت کرے اور اس بات کی کوشش کرے کہ اذان کو مسجد میں جا کر سُنے اور نماز تحیۃ المسجد گزارے اور مؤذن کے جواب دے اور فرضوں سے پہلے چار رکعت نماز پڑھے اور دعا پڑھنے میں دیر کرے جلدی جلدی نہ پڑھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چار رکعت کو ذرا لمبی کر کے پڑھا کرتے تھے اور فرماتے کہ اسوقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے، جو شخص یہ چار رکعت نماز پڑھے اسکے ساتھ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور رات تک اسکے لئے دعائے بخشش مانگتے رہتے ہیں اسکے بعد امام کے پیچھے نماز فریضہ ادا کرے اور دو رکعت سنت پڑھے اور نماز دیگر تک سوائے تعلیم یا معاونتِ مسلمان یا ذکر و قرأت قرآن یا کسب حلال بقدر حاجت کے اور کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ ورد پنجم۔ نماز دیگر یعنے عصر سے غروب ہونے آفتاب

تک ہے چاہیئے کہ عصر کی نماز سے پہلے مسجد میں آئے اور چار رکعت نماز ادا کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے جو فریضہ عصر سے پہلے چار رکعت نماز ادا کرے اور جب نماز سے فارغ ہو جائے تو سوائے ان کاموں کے جو بیان کئے جا چکے ہیں۔ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو پھر نماز شام سے پہلے مسجد میں آئے اور تسبیح و استغفار میں مشغول ہو کیونکہ اس وقت کی فضیلت بھی صبح کے وقت کے برابر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا۔ اور اس وقت وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى و مُعَوِّذَتَيْن پڑھے اور جب غروب آفتاب ہو تو استغفار پڑھے۔ اوقات مقرر ہونے چاہئیں اور ہر ایک کام کا علیحدہ علیحدہ وقت ہو جو اس کام کا مقتضی ہو کیونکہ اس میں برکتِ عمر ظاہر ہوتی ہیں اور جس شخص کے اوقات فروگذاشت ہونگے۔ کہ ہر وقت میں کیا پیش آئے۔ اسکی عمر کا اکثر حصہ ضائع ہوگا۔

اورادِ شب:۔ رات کے بھی تین اوراد ہیں۔ وردِ اوّل نماز شام سے عشا تک ہے اور ان دونوں نمازوں میں جاگتے رہنے کی فضیلت بہت ہے تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یعنی انکے پہلو خواب سے خالی ہوتے ہیں چاہیئے کہ نماز عشاء تک نماز ہی میں وقت گذارے اور بزرگوں نے اسکو دن کے روزہ رکھنے سے زیادہ افضل سمجھا ہے اور اس وقت میں کھانا نہیں کھایا ہے جب وتر سے فارغ ہو جائے تو لہو و لعب میں مشغول نہ ہو کہ اس شغل نیک کا خاتمہ اسطرح پر ہو اور چاہیئے کہ انجام کار بھی خیر پر ہو۔ وردِ دوم سونا ہے ہر چند خواب عبادات سے نہیں لیکن اگر آداب و سنن سے آراستہ ہو تو منجملہ عبادات کے ہے سنت یہ ہے کہ روبقبلہ ہو کر سوئے اور داہنے پہلو پر سوئے جسطرح کہ مردہ لحد میں لٹاتے ہیں اور خواب کو موت کا بھائی سمجھے اور بیداری کو حشر تصور کرے اور ممکن ہے کہ جو روح خواب میں قبض ہو جاتی ہے وہ پھر واپس نہ دی جائے پس چاہیئے کہ کار آخرت درست ہو اسطرح پر کہ جب سونے لگے تو وضو کرلے اور توبہ کرے اور ارادہ کرے کہ اگر بیدار ہونگا تو پھر گناہ نہ کرونگا اور وصیت لکھ کر سرہانے کے نیچے رکھے اور تکلف کیلیئے اپنے آپکو نہ سلائے۔ اور نرم بستر نہ بچھائے تاکہ خواب غالب نہ ہو کیونکہ سونا عمر کو بیکار کرتا ہے اور رات دن میں آٹھ گھنٹہ سے زیادہ نہ سوئے کیونکہ یہ چوبیس گھنٹہ کا تیسرا حصہ ہے اگر ایسا کریگا تو اگر اسکی عمر ساٹھ سال کی ہے تو اس حساب سے بیس برس کا زمانہ خواب میں گذر جائیگا۔ اور باقی چالیس سال رہ جائیں گے اور اس سے زیادہ خواب میں نہ گذرنا چاہیئے اور پانی و مسواک کو اپنے قریب رکھے تاکہ رات کو یا صبح کو نماز کیلیئے اٹھے تو آرام رہے اور جب سونے لگے تو قیام شب یا صبح اُٹھنے کا ارادہ کرلے کیونکہ ایسا ارادہ کر لینے سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے اگرچہ خواب غالب ہی کیوں نہ آجائے اور جب پہلو زمین پر رکھے تو یہ پڑھے بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِاسْمِكَ أَرْفَعُهُ اور جیسا کہ میں نے دعوات میں بیان کیا ہے کہ آیۃ الکرسی و آمن الرسول و معوذتین اور سورہ تبارک پڑھے تاکہ ذکر اور طہارت کی حالت میں سو جائے اور جو شخص اس طرح کرتا ہے اسکی روح کو عرش پر لے جاتے ہیں اور جبتک بیدار ہو اسکو نماز گذاروں کے گروہ میں رکھتے ہیں وردِ سوم

تہجد ہے اور وہ نماز شب ہے جو پچھلی رات کو اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اور اسکا پڑھنا بہت سی نمازوں سے افضل ہے کیونکہ اسوقت دل صاف ہوتا ہے اور دنیا کے کاروبار سے آدمی فارغ ہوتا ہے اور رحمت کے دروازے آسمان پر کھولدیئے جاتے ہیں اور رات کی نماز پڑھنے کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جنکو احیاءالعلوم میں بیان کیا ہے پس دن رات کے اوقات میں کوئی نہ کوئی کام ہونا چاہیئے اور کسی وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے جب ایک رات ایسا کرے تو تمام عمر بھر ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اگر اسپر یہ دشوار ہو تو لمبی لمبی امیدیں نہ باندھے اور اپنے آپ میں یہ خیال کرے کہ آج کے دن ہی ایسا کر لوں۔ کہ شائد آج رات ہی مر جاؤں اور آج کی رات یہ کر لوں ممکن ہے کہ کل مر جاؤں اور جب ہر روز اسکی مواظبت کرنے سے رنجور ہو جائے تو یہ سمجھے کہ میں سفر میں ہوں اور میرا وطن آخرت ہے اور سفر میں تکلیفیں ہوتی ہی ہیں لیکن آرام اسی میں ہے کہ جلدی جلدی چلے اور وطن میں جا کر آرام کر لے اور مقدار عمر ظاہر ہے کہ عمر آخرت جو جاودانی ہے اس کے مقابلہ میں کیا ہے اگر کوئی شخص دس سال کے آرام حاصل کرنے کیلئے ایک سال تکلیف اٹھائے تو کیا تعجب ہے پس اگر ہزار دل سال ہمیشہ کے آرام کیلئے سو سال تکلیف اٹھائی جائے تو اس میں کون سی حیرانی کی بات ہے۔

(کیمیائے سعادت کا رکن عبادت ختم ہوا۔ اس کے بعد رکن معاملات شروع کیا جائیگا۔ انشاءاللہ تعالےٰ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رکن دوم معاملات کا بیان

رکن دوم معاملات کے بیان میں ہے۔ اور یہ بھی دس اصلوں پر منقسم ہے اصل اوّل۔ طعام کھانیکے آداب میں اصل دوم آداب نکاح میں۔ اصل سوم۔ آداب کسب تجارت میں اصل چہارم طلب حلال میں اصل پنجم بندگان خدا کی صحبت کے بیان میں اصل ششم گوشہ نشینی کے آداب کے بیان میں اصل ہفتم سفر کے آداب میں اصل ہشتم آداب سماع میں اصل نہم امر معروف اور نہی عن المنکر کے آداب میں اصل دہم سلطنت وحکومت کے آداب میں۔

اصل اوّل کھانا کھانے کے بارہ میں

جاننا چاہیئے کہ راہِ عبادت بھی منجملہ عبادت کے ہے اور زادِ راہ بھی منجملہ راہ کے ہے پس جس چیز کی راہِ دین میں حاجت ہے وہ بھی دین میں داخل ہے۔ دین کو طعام کی حاجت ہے سالکوں کا سارا مقصد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے اور اس دیدار کے حاصل ہونیکا ذریعہ علم وعمل پر مواظبت رکھنا بلا سلامتیِ دین ناممکن ہے اور بدن کی سلامتی کھانے پینے پر موقوف ہے بلکہ طعام کھانا ضروریاتِ دین میں سے ہے اسلئے دین میں داخل ہے اور حقتعالیٰ کا ارشاد ہے کُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا یعنے پاک روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو اس اُمت کو باریتعالیٰ نے کھانیکو اور عمل نیک کرنیکو ایک ہی آیت میں بیان فرمایا ہے پس جو شخص طعام کو اس نیت سے کھائے کہ اسے قوتِ عمل وعلم اور راہِ آخرت پر چلنے کی طاقت نصیب ہو تو ایسے آدمی کا طعام کھانا بھی عبادت میں داخل ہے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کے ہر فعل کیلئے ثواب ہے حتیٰ کہ اس لقمے پر بھی جو وہ اپنے اہل وعیال کے منہ میں ڈالے تب بھی اور یہ اسلئے کہا گیا ہے کہ مومن کا مقصد اِن تمام باتوں سے راہِ آخرت پر چلنا ہے راہِ دین کیلئے طعام کھانیکی نشانی یہ ہے کہ حریص ہو کر نہ کھائے روزی حلال میں سے کھائے اور بقدر حاجت کھائے اور کھانیکے آداب کا خیال رکھے۔

کھانا کھانیکے آداب:۔ جاننا چاہیئے کہ کھانا کھانے میں بھی کئی ایک سنتیں ہیں بعض تو کھانیسے پیشتر بعض کھانیکے بعد اور بعض کھانیکے درمیان میں وہ جو کھانے سے پہلے ہیں وہ یہ ہیں اوّل منہ ہاتھ دھوئے کیونکہ جب کھانا کھانا زادِ آخرت کیلئے ہے تو وضو کیطرح اس میں بھی ثواب اور عبادت ہے علاوہ ازیں منہ ہاتھ بھی صاف وپاک ہو جاتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کھانا کھانیسے پہلے ہاتھ دھوتا ہے وہ درویشی سے محفوظ رہتا ہے دوم یہ کہ کھانا دسترخوان پر رکھے خوان پر نہ رکھے

کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے کیونکہ سفرہ سفر یاد دلاتا ہے اور سفر دنیا سے سفر آخرت کی یاد پیدا ہوتی ہے اور یہ تواضع کے بھی نزدیک ہے اگر خوان پر کھائے تو یہ منع نہیں لیکن سلف کی عبادت اور نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت سفرہ پر کھانا تھا۔ سوم اچھی طرح یعنی درست ہو کر بیٹھے دائیں زانو کو اٹھائے رکھے اور بائیں پنڈلی کے بوجھ پر بیٹھے اور تکیہ لگا کر نہ کھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تکیہ لگا کر طعام نہیں کھاتا۔ کیونکہ میں بندہ ہوں اور بندوں کیطرح بیٹھتا ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں چہارم یہ نیت کرے کہ طعام عبادت الٰہی کیلئے کھاتا ہوں خواہش کے لئے نہیں کھاتا۔ ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی سال گزر گئے ہیں میں نے کوئی چیز خواہش کی بنا پر نہیں کھائی اور نیت کی درستی کا یہ نشان ہے کہ تھوڑا کھانیکا ارادہ کرے کیونکہ زیادہ کھانا عبادت الٰہی سے روکتا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چند لقمے جو آدمی کی پشت کو سیدھا رکھیں کافی ہیں اگر اس پر قناعت نہ ہو تو پیٹ کا ایک تہائی حصہ طعام کیلئے ایک تہائی پانی کیلئے اور ایک تہائی سانس لینے کیلئے رہنے دے پنجم یہ کہ جبتک بھوک نہ لگے طعام کو ہاتھ نہ لگائے کھانے سے پیشتر جو امور سنت ہیں ان سب میں زیادہ اچھی بھوک ہے۔ بھوک سے پہلے کھانا مکروہ ہے اور مذموم بھی ہے اور جو شخص طعام کھاتے وقت بھی بھوکا ہو اور کھانیکے بعد بھی بھوکا ہو وہ کبھی بھی طبیب کا محتاج نہیں ہوتا ششم جو کچھ حاضر ہو اسپر قناعت کرے اور لذیذ کھانوں کو نہ ڈھونڈھے کیونکہ مومن کا مقصد محض قوت عبادت ہے نہ کہ عیش و عشرت اور روٹی کا احترام کرنا بھی سُنت ہے کیونکہ آدمی کا قوام اسی سے ہے اور روٹی کی سب سے بڑی عزت یہ ہے کہ اسے سالن وغیرہ کے انتظار میں نہ رکھیں بلکہ نماز کے انتظار میں بھی نہ رکھیں اگر روٹی حاضر ہو تو نماز سے پہلے کھالیں پیچھے نماز پڑھیں ہفتم اسوقت تک کھانا شروع نہ کرے جبتک کہ کوئی دوسرا اسکے ساتھ شامل نہ ہو کیونکہ تنہا کھانا اچھا نہیں جسقدر زیادہ طعام ہاتھ میں پڑتے ہیں اتنی برکت زیادہ ہوتی ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی طعام تنہا نہ کھاتے تھے۔

کھانا کھانے کے وقت کے آداب یہ ہیں بسم اللہ پڑھے اور آخر الحمد کہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ ہر لقمہ میں کہے بسم اللہ اور لقمہ دوم میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور لقمہ سوم میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بآواز بلند کہے تاکہ دوسروں کو بھی یاد آجائے اور دائیں ہاتھ سے کھائے اور نمک سے شروع کرے اور نمک پر ختم کرے تاکہ حرص کو پہلے ہی توڑ دے اور خواہش کے خلاف ایک لقمہ چھوٹا سا اٹھائے اور جبتک خوب چبا نہ لے نگلے نہیں اور جبتک نگل نہ لے دوسرا لقمہ نہ اٹھائے اور کسی کھانے میں عیب نہ نکالے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کھانے سے کبھی نقص نہیں نکالا اگر اچھا معلوم ہوتا تو کھالیتے ورنہ چھوڑ دیتے اور اپنے آگے سے کھائے لیکن طباق میں سے میوہ کو ادھر ادھر سے لیکر کھانا جائز ہے کیونکہ وہ قسم قسم کا ہوتا ہے اور ثرید (وہ روٹی کے ٹکڑے جو شوربہ میں بھگوئے ہوئے ہوتے ہیں) کو برتن کے درمیان سے نہ کھائے بلکہ کناروں کی طرف سے کھائے اور روٹی کو درمیان میں سے نہ کھائے بلکہ کنارہ سے شروع کرے اور گوشت روٹی کو چھری سے ٹکڑہ ٹکڑہ کر کے نہ کھائے اور

برتن وغیرہ جو چیزیں کھانیکی نہ ہوں انکو روٹی پر نہ رکھے اور ہاتھ روٹی سے صاف نہ کرے اور جو نوالہ ہاتھ سے گر پڑے
اسے اٹھائے اور صاف کر کے کھائے کیونکہ حدیث شریف میں ہے اگر چھوڑ دیگا تو وہ شیطان کیلئے ہوگا پہلے انگلی کو دہن سے
صاف کرے اور پھر کپڑے سے صاف کرے ممکن ہے کہ اس میں برکت ہو اور گرم طعام کو پھونکیں مار کر ٹھنڈا نہ کرے
بلکہ اسکے سرد ہونے تک صبر کرے اور جب خرما یا زردآلو ایسی چیز جو شمار ہو سکے کھائے تو طاق کھائے یعنی یا سات یا
گیارہ یا اکیس کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی طاق ہے اسلئے اُسکے ہر کام کی نسبت اُسکے ساتھ ہو اور ہر وہ کام جس کے ساتھ کسی
طریقہ سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو وہ باطل اور بے فائدہ ہے اسلئے طاق جفت سے بہتر ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کیساتھ نسبت ہے
اور خرما کی گٹھلیوں کو خرما کیساتھ ایک برتن میں جمع نہ کرے اور نہ ہی ہاتھ میں لئے رہے اور اسطرح وہ چیز جسکا ثُقل پھینکتے ہیں
نہ ہی اسکے ثقل کو اس کیساتھ ایک برتن میں جمع کرے اور نہ ہی ہاتھ میں پکڑے بلکہ پھینکنے کیلئے علیحدہ رکھتا جائے اور کھانا کھانے میں پانی نہ پیئے

پانی پینے کے آداب:- کوزہ کو دائیں ہاتھ میں پکڑے اور بسم اللہ پڑھے اور آہستہ آہستہ پیئے اور کھڑے ہو کر اور لیٹ کر نہ
پیئے اور پینے سے پہلے کوزہ میں دیکھے تاکہ اس میں کوئی تنکا یا کیڑا وغیرہ نہ ہو اور اگر ڈکار آجائے تو کوزہ کیطرف سے منہ پھیرلے
اور اگر ایکدفعہ سے زیادہ پینا چاہتا ہے تو تین بار کر کے پیئے اور ہر بار بسم اللہ کہے اور پینے کے بعد الحمد للہ کہے اور کوزہ کو نیچے
دیکھے کہ وہ ٹپکتا تو نہیں اور جب تمام پی لے تو یہ پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا

کھانا کھانے کے بعد کے آداب:- سیر ہونے سے پہلے ہاتھ کھینچ لے اور انگلی کو منہ سے صاف کرے پھر رومال سے
صاف کرے اور روٹی کے ٹکڑوں کو چُنے حدیث شریف میں ہے جو شخص ایسا کرتا ہے اس کیلئے عیش میں وسعت کر دیجاتی ہے اور
اسکے فرزند بے عیب ہونگے اور سلامت رہینگے اور وہ ٹکڑے حور عین کا مہر ہونگے پھر خلال کرے اور جو کچھ دانتوں سے زبان پر آئے
اُسے نگل جائے اور جو خلال سے باہر نکل آئے اسے پھینکدے اور برتن کو انگلیوں سے صاف کرے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص برتن کو
انگلیوں سے صاف کر کے چاٹ لیتا ہے تو برتن اسکے حق میں دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو آتش دوزخ سے اسکو اسطرح بچا جسطرح
اس نے مجھے شیطان سے بچایا۔ اور اگر برتن کو دھو کر اسکا پانی پی لے تو ایک غلام آزاد کرنیکا ثواب ہے اور طعام کھانے کے بعد یہ پڑھے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا وَهُوَ سَیِّدُنَا وَمَوْلٰنَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ و لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ پڑھے اگر طعام حلال
نصیب ہو تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر مشتبہ ہو تو روئے اور اسکا غم کھائے کیونکہ وہ شخص جو کھاتا ہے اور روتا ہے
وہ اس آدمی کی طرح نہیں ہے جو کھاتا ہے اور غفلت سے ہنستا ہے اور جب ہاتھ دھوئے تو اشنان (ایک مٹی ہے جو صابن
کیطرح ہاتھوں کو صاف کرتی ہے اور خشک ہوجائے [illegible]) کو بائیں ہاتھ میں لے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سرے دھوئے
پھر ہاتھ کو اشنان ملے پھر ہونٹ دانت وغیرہ سے صاف کرے اور خوب اچھی طرح ہاتھ منہ وغیرہ دھوئے اور صاف کرے۔

کسی کے ساتھ ملکر کھانا کھانیکے آداب:- یہ آداب جو بیان کئے گئے ہیں اکیلا کھانا کھانیکے متعلق ہیں۔ اگر
کسی دوسرے کے ساتھ ملکر کھائے تو سات آداب اور بڑھائے اول اگر کوئی دوسرا آدمی علم وغیرہ اور پرہیزگاری کے لحاظ سے

فضیلت رکھتا ہے تو خود کھانا کھانے میں پیش دستی نہ کرے اور خود ان اوصاف سے متصف ہو تو دوسروں کو انتظار میں نہ رکھے دوم کھانا کھاتے وقت خاموش نہ رہے کیونکہ یہ اہل عجم کی عادت ہے لیکن اچھی اچھی باتیں کرے حکمت و شریعت و نیک لوگوں کے قصص بیان کرے بیہودہ باتیں نہ کرے سوم اپنے ہم کاسہ (یعنی جو اسکے ساتھ طعام میں شریک ہے) اس کا خیال رکھے اور اس سے زیادہ نہ کھائے کیونکہ طعام مشترک ہونیکی وجہ سے حرام ہوگا بلکہ چاہیے کہ ایثار کرے اور بہتر بہتر کھانے اس کے آگے رکھے اگر ساتھی آہستہ آہستہ کھائے تو اس سے تقاضا کرے کہ اچھی طرح بے تکلف ہو کر کھائے اور تین بار سے زیادہ نہ کہے کیونکہ زیادہ کہنا الحاح اور افراط میں داخل ہے اور قسم نہ دے کیونکہ طعام قسم سے حقیر ہے چہارم اس امر کا خیال رکھے کہ ساتھی کو یہ کہنے کی حاجت نہ پڑے کہ وہ کھاؤ کھاؤ کہے بلکہ جس طرح وہ کھاتا ہے اس کا ساتھ دیئے جائے اور اپنی عادت سے کم نہ کھائے کیونکہ یہ ریا میں داخل ہے اور جس طرح لوگوں کے سامنے مؤدب طریق سے کھاتا ہے تنہائی میں بھی اسی طرح ادب سے کھائے تاکہ جب لوگوں کے ساتھ کھائے تو مؤدب ہو کر کھا سکے اگر ایثار سے کم کھائے تو بہتر ہے اور اگر دوسروں کی خوشی کیلئے زیادہ کھائے تو یہ بھی بہتر ہے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے درویشوں کو دعوت خرما دی اور انہیں کہا کہ جو زیادہ کھائے گا اسے ایک ایک خرما زائد کے عوض ایک ایک درہم دیا جائے گا پھر اسوقت گٹھلیوں کو شمار کرتے اور ہر دانہ زائد کے عوض ایک ایک درہم دیتے پنجم نگاہ نیچی رکھے اور دوسروں کے لقموں کی طرف نہ دیکھے اگر لوگ اسکی عزت کرتے ہیں تو دوسروں سے پہلے ہاتھ کھانے سے نہ اٹھائے اور اگر تھوڑا کھانیوالا ہو تو پہلے ذرا کم کم کھائے تاکہ آخر میں اچھی طرح کھا سکے اور اگر نہ کھا سکے تو معذرت کر دے تاکہ دوسرے شرمندہ نہ ہوں ششم اور وہ امر نہ کرے جس سے دوسروں کو نفرت اور کراہت ہو برتن میں ہاتھ نہ جھٹکے اور منہ کو برتن پر اس طرح نہ جھکائے کہ جو کچھ منہ سے گرے وہ برتن میں پڑے اور اگر کوئی چیز منہ سے نکالے تو منہ پھیر لے اور چکنے لقمہ کو سرکہ میں نہ ڈبوئے اور جو لقمہ دانت سے کاٹا ہوا ہو اسے برتن میں نہ ڈالے کیونکہ ایسی باتوں سے لوگوں کی طبیعت میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور مکروہ اشیاء کی نسبت باتیں نہ کرے ہفتم اور جب طشت میں ہاتھ دھوئے تو آب دہن کو لوگوں کے سامنے طشت میں نہ پھینکے اور جو شخص بزرگ اور واجب التحیت ہو اسکو مقدم رکھے اور اگر لوگ اسکی تعظیم کریں تو مان لے اور طشت کو دائیں طرف سے پھرائے (گھمائے) اور تمام ہاتھوں کا دھوون جمع کرے اور ہر دھوون کو علیحدہ علیحدہ نہ پھینکے کیونکہ یہ اہل عجم کی عادت تھی اگر سب ایک بار ہاتھ دھوئیں تو یہ سب سے بہتر ہے اور عاجزی کے نزدیک ہے اگر منہ سے پانی پھینکے یعنی کلی کرے تو آہستہ کرے تاکہ اسکی (کلی کا پانی) کسی دوسرے پر یا فرش پر نہ پڑے اور جو شخص ہاتھ دھلانیوالا ہو اسکا کھڑا رہنا بہ نسبت بیٹھنے کے اولیٰ تر ہے اور یہ تمام آداب احادیث میں آئے ہیں اور انسان و حیوان میں فرق انہیں آداب کی موجودگی اور عدم موجودگی سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ حیوان اپنی طبیعت کے تقاضا کے مطابق جس طرح چاہتے ہیں کھاتے ہیں اور برائی بھلائی میں تمیز نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں یہ تمیز سکھلائی نہیں گئی۔ چونکہ آدمی کو اللہ تعالیٰ نے تمیز دی ہے اور وہ اس پر عمل نہ کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت عقل اور تمیز کا حق ادا نہیں کیا بلکہ کفران نعمت کیا۔

دوستوں اور دینی بھائیوں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی فضیلت، جاننا چاہیئے کہ کسی دوست کی دعوت طعام کرنا

بہت سا صدقہ دینے سے افضل ہے حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزوں کا حساب نہ ہوگا ایک تو وہ آدمی جو رمضان شریف میں سحر کے وقت کھانا کھاتا ہے اور ایک وہ جس سے افطار کرتا ہے اور تیسرے وہ جو دوستوں کے ساتھ کھاتا ہے حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تو دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ خوان پر بیٹھے تو جلدی نہ کر بلکہ دیر کر کیونکہ اس مقدار عمر کا حساب نہ ہوگا۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بندہ خود کھاتا ہے یا اپنے ماں باپ کو کھلاتا ہے اس کا حساب ہوگا لیکن جو دوستوں کے ساتھ کھائیگا اس کا حساب نہ ہوگا۔ بزرگوں میں سے ایک کی یہ عادت تھی کہ جب وہ دوستوں اور بھائیوں کے سامنے دستر خوان بچھاتے تو اس پر بہت سے کھانے چنتے اور کہتے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کھانا دوستوں کے آگے سے بڑھے اس کا حساب نہیں میں چاہتا ہوں کہ اس میں سے کھاؤں جو دوستوں کے سامنے سے بڑھا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک صاع بھر کھانا دوستوں کے سامنے رکھنا زیادہ پسند کرتا ہوں اس سے کہ ایک غلام آزاد کروں حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہیگا کہ اے پسر آدم! میں بھوکا ہوا اور تو نے مجھے طعام نہ دیا آدمی عرض کریگا بار خدایا تو بھلا کیسے بھوکا ہوا تو تو تمام جہان کا مالک ہے اور تجھے تو طعام کی حاجت نہیں اللہ تعالیٰ کہیگا تیرا بھائی بھوکا تھا اور تو نے اسے طعام کھلایا ہوتا تو وہ مجھے دیا ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مسلمان کو اسقدر پانی پیتا ہے کہ وہ سیر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے سات خندق آتش دوزخ دور کرتا ہے اور ہر خندق کی دوسری خندق تک پانچسو سال کی راہ ہے خَيْرُكُمْ مَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ یعنے تم میں سے بہتر وہ ہے جو کھانا بہت دے۔

کھانا کھانے کے بعد ان دوستوں کیلئے جو ایکدوسرے کی ملاقات کو جائیں۔ اس بارہ میں چار آداب ہیں **اول** قصداً کھانا کھانے کیوقت کسی کے پاس نہ جائے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بن بلائے کسی کا کھانا کھانے کا ارادہ کرے وہ اس ارادہ کرنے میں فاسق اور کھانے میں حرام خور ہو جاتا ہے مگر اتفاقی طور پر کھانیکے وقت جا پہنچے تو بلا اجازت نہ کھائے اور اگر دوسرا کہے کھاؤ اور یہ پتہ چل جائے کہ یہ دل سے نہیں کہتا تو تب بھی نہ کھائے لیکن نہایت نرمی کیساتھ انکار کر دے اور اگر کسی ایسے دوست کے ہاں کھانا کھانے کا قصد کرکے جائے جس پر اعتماد ہو اور اس کے دل سے واقف ہو تو دوستوں میں ایسا امر سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھوک کیوقت حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت ابو الہیثم بن التیہان کے گھر گئے ہیں اور اس سے طعام طلب کیا اور کھایا ہے اور یہ امر میزبان کیلئے باعث اعانت خیر ہے اگر معلوم ہو کہ وہ راغب بزرگوں میں سے ایک صاحب ہوئے ہیں جن کے تین سو ساٹھ دوست تھے اور ہر رات وہ ایک دوست کے گھر رہتے تھے اور ایک بزرگ کے تیس دوست تھے اور ایک کے سات دوست تھے اور وہ ایک ایک رات ایک ایک دوست کے ہاں بسر کرتے اور یہ دوست ان بزرگوں کے لئے گویا کسب وصنعت تھے اور ان کی عبادت کیلئے باعث فراغت تھے اور جب دوستی دینی ہو تو یہ جائز ہے کہ اگر دوست گھر نہ ہو تو تب بھی اسکے کھانے میں سے کھا لیا جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بریدہؓ کے گھر تشریف لیگئے اور اسکی غیر حاضری میں اسکا کھانا کھایا کیونکہ حضور کو معلوم تھا کہ وہ اس سے خوش ہونگے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ جو نہایت پرہیزگار بزرگوں میں سے تھے مع اپنے مریدوں کے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر گئے اور جو کچھ وہاں پایا کھا لیا جب حضرت حسن بصری آگئے

تو وہ یہ دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور بزرگوں کے ایک گروہ نے اس طرح حضرت سفیان ثوری کے گھر جا کر کیا جب وہ آئے تو کہا کہ تم نے مجھے اسلاف کے اخلاق کو یاد کرا دیا کہ وہ ایسے تھے دوم جب کوئی دوست ملنے کو آئے تو جو کچھ ماحضر ہو وہ سامنے لا رکھے اور بالکل تکلف نہ کرے اور اگر کچھ بھی موجود نہ ہو تو قرض نہ لے اور اگر عیال کی حاجت سے زیادہ نہ ہو تو اسے بھی رکھ چھوڑے ۔ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دعوت کی آپ نے فرمایا کہ میں تین شرائط پر آپ کے گھر آتا ہوں ۔ اوّل یہ کہ کوئی چیز بازار سے نہ لائے ۔ دوم یہ کہ جو کچھ گھر میں ہو اس کو واپس نہ لیجائے ۔ سوم یہ کہ اپنے اہل وعیال کا پورا حصہ محفوظ رکھے حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ تکلف کیوجہ سے ایکدوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہو گئے ہیں اگر تکلف درمیان سے اٹھ جائے تو نہایت بے تکلفی سے ایکدوسرے سے ملیں ایک دوست ایک بزرگ سے بے تکلف پیش آیا اس نے کہا کہ جب تم تنہا ہوتے ہو تو اس طرح نہیں کھاتے اور جب میں تنہا ہوتا ہوں تو اس طرح نہیں کھاتا اور جب ہم دونوں اکٹھے ہوں تو یہ تکلف کیوں کریں یا تو تکلف کو بطرف کر دیجئے یا میں آنا جانا چھوڑ دوں حضرت سلیمانؑ فرماتے کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں تکلف نہ کروں اور ماحضر سے دریغ نہ کروں صحابہ روٹی کے ٹکڑے اور خشک کھجوریں ایکدوسرے کے سامنے لیجاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ شخص نہایت گنہ گار ہے جو ماحضر کو حقیر جانتا ہے اور سامنے نہیں لاتا یا وہ شخص جسکے سامنے لایا جائے وہ اسے حقیر جانے حضرت یونس علیہ السلام روٹی کے ٹکڑے اور ترکاری دوستوں کے سامنے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر حقتعالیٰ تکلف کرنیوالوں پر لعنت نہ کرتا تو میں بھی تکلف کرتا ایک گروہ کا آپس میں کچھ تنازعہ تھا انھوں نے زکریا علیہ السلام کو تلاش کیا تا کہ وہ انکے درمیان فیصلہ کرا دیں لوگ آپ کی تلاش میں آپکے گھر آئے آپ گھر موجود نہ تھے لوگوں نے صرف ایک خوبصورت عورت کو گھر پر دیکھا متعجب ہوئے کہ وہ پیغمبر اور ایسی حسین عورت سے عیش وعشرت کرتے ہیں آخر تلاش کرنے کے جس جگہ پر آپ مزدوری کرتے تھے وہاں آپہنچے دیکھا کہ آپ روٹی کھا رہے ہیں انہوں نے آپسے باتیں کیں لیکن آپنے یہ نہ کہا کہ میرے ساتھ روٹی کھاؤ ۔ جب آپ اٹھے تو برہنہ پاؤں چلے تو انکو یہ تینوں باتیں عجیب معلوم ہوئیں آپ نے پوچھا حضرت یہ کیا باتیں ہیں آپنے فرمایا میں خوبصورت عورت اسلئے رکھتا ہوں کہ میرے دین کو محفوظ رکھے اور میری آنکھ اور دل کو کسی دوسری جگہ متوجہ نہ ہونے دے ۔ دوسرے یہ جو میں نے تم سے نہیں کہا کہ کھانا کھاؤ یہ اس واسطے تھا کہ میری مزدوری تھی تاکہ کام کروں اگر کم کھاتا تو انکے کام کو اچھی طرح نہ کر سکتا تھا اور میرا فرض تھا کہ میں کام پوری طرح کرتا اور میں ننگے پاؤں اسلئے چلا کہ زمین کے مالکوں میں کچھ جھگڑا ہے میں نے اس امر کو پسند نہیں کیا کہ اس زمین کی مٹی میرے پاپوش میں لگ کر کسی دوسری زمین پر جاتی رہے اس سے معلوم ہوا کہ کاموں میں صدق وراستی تکلف سے اولیٰ تر ہے سوم اگر سمجھے کہ میزبان کو اس سے تکلیف ہوگی تو اسپر تحکم نہ کرے اگر مہمان کو دو چیزوں میں اختیار دیا جائے تو جو شے میزبان کیلئے آسان تر ہو اُسے اختیار کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا ہے ایک شخص حضرت سلمانؓ کا مہمان ہوا ۔ انہوں نے اسکے سامنے جو کی روٹی اور نمک رکھا اس مہمان نے کہا کہ اگر اس نمک کے ساتھ سعتر ایک پتی ہے جو فقیر روٹی کیساتھ کھایا کرتے ہیں ، ہوتا تو بہتر تھا حضرت سلمانؓ کے پاس کچھ نہ تھا ۔ آپ آفتابہ گرو رکھ کر لے آئے جب وہ مہمان کھا چکا تو اس نے کہا الحمد للہ الذی قنعنا بما رزقنا یعنے شکر ہے اس خدا تعالیٰ کا جسنے مجھے دیئے ہوئے

رزق پر قناعت دی حضرت سلمانؓ نے فرمایا اگر تجھے قناعت ہوتی تو میرا اتقلیہ گرد نہ ہوتا لیکن جس جگہ دیکھے کہ وہاں کسی چیز کے طلب کرنے سے میزبان کو تکلیف نہ ہوگی بلکہ وہ خوش ہوگا تو ایسی جگہ جائز ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغدادی زعفرانی کے گھر تشریف فرماتھے زعفرانی ہر روز امام صاحب کیلئے کھانیکے اقسام لکھ کر باورچی کے حوالے کردیتا لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ خاص سے ایک کھانا اس میں بڑھادیا جب زعفرانی نے اسکو کنیز کے ہاتھ میں دیکھا تو نہایت خوش ہوا اور اسکے شکریہ میں کنیز کو آزاد کردیا مہمان بہتر یہ کہ مالک خانہ بصدقِ دل مہمانوں سے کہے کہ تم کیا چیز چاہتے ہو اور پسند کرتے ہو۔ کیونکہ میزبان کو مہمانوں کی خواہش کے پورا کرنے میں برابر ثواب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی آرزو پوری کرتا ہے ہزاروں نیکیاں اسکے نامۂ اعمال میں لکھتے ہیں اور ہزاروں برائیاں مٹا ڈالتے ہیں اور ہزاروں مراتب اسکے بڑھائے جاتے ہیں اور تینوں بہشتوں۔ فردوس۔ عدن۔ خلد میں سے اس کو حصہ دیتے ہیں اور مہمان سے یہ بات دریافت کرنا۔ کہ فلاں چیز لائیں یا نہ لائیں مکروہ ہے بلکہ مذموم ہے لیکن جو کچھ موجود ہو لائے اور اگر وہ نہ کھائے تو واپس لے جائے۔

فضیلت میزبانی۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس بارہ میں تھا اگر کوئی شخص بن بلائے آئے تو اسکے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے لیکن دعوت کے احکام دوسرے ہیں کہا گیا ہے کہ جب کوئی مہمان آئے تو کچھ تکلّف نہ کیا جائے اور جب تو خود کسی کو دعوت دے تو جو کچھ ہو سکے تکلّف کر۔ اور کوئی کسر باقی نہ رکھ ضیافت کی فضیلت بہت ہے عرب کے لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ سفر میں ایکدوسرے کے گھر جاتے ہیں اور مہمان کا حق ادا کرنا اہم ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مہماندار نہیں ہے اس میں خیر نہیں ہے اور فرمایا ہے کہ مہمان کیلئے تکلّف نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا اسکے ساتھ دشمنی کرنا ہے اور جو شخص مہمان سے دشمنی رکھتا ہے وہ خدا سے دشمنی کرتا ہے اور جو شخص خدا تعالےٰ سے دشمنی کرتا ہے خدا تعالیٰ اسکے ساتھ دشمنی کرتا ہے اگر کوئی غریب مہمان ہو تو اس کیلئے قرض لینا اور تکلّف کرنا بھی جائز ہے لیکن ان دوستوں میں تکلّف نہیں چاہئے جو ایکدوسرے سے ملتے جلتے رہتے ہیں کیونکہ انکا آپسمیں ایسا کرنا انقطاع دوستی کی دلیل ہے ابو رافع رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ فلاں یہودی سے کہہ کہ مجھے آٹا قرض دے کیونکہ میرے پاس مہمان آیا ہے اور میں ماہ رجب میں ادا کروں گا اس یہودی نے کہا کہ میں بغیر کسی چیز کے گرو رکھے ہرگز نہ دوں گا میں واپس آگیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا حضور نے سنکر کہا کہ واللہ میں زمین میں بھی امین ہوں اور آسمان میں بھی امین ہوں اگر وہ دیدیتا تو میں ضرور اسے ادا کردیتا اب میری یہ زرہ لیجا اور اسے گروی رکھدے میں لیگیا اور گروی رکھ آیا حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کی تلاش میں ایک دو میل تک جاتے اور جبتک کوئی مہمان نہ ہوتا روٹی نہ کھاتے ان کے صدق کیوجہ سے انکے مشہد میں ہنوز رسمِ ضیافت باقی ہے اور آج تک کوئی رات مہمان سے خالی نہیں ہوتی اور کبھی تو سو سو دو دو سو مہمانوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے لوگوں نے کئی گاؤں اس کیلئے وقف کردیئے ہیں۔

آداب دعوت و قبولِ دعوت۔ جو شخص دعوت کرے۔ اس کیلئے یہ امر سنت ہے کہ صالحین کے سوا دوسروں کو نہ بلائے کیونکہ طعام کھلانا ایک قسم کی قوت بڑھانا ہے اور فاسق کو قوت دینا فسق کی اعانت کرنا ہے صورت میں فقیر کو بلائے تو اگر دولتمند کو نہ بلائے ہے حضور

صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمام کھانوں سے بدتر وہ طعام ولیمہ ہے جس میں امیروں کو بلائیں اور درویشوں کو محروم رکھیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دعوت کرنے میں بھی تکلف کرتے ہو ایسے آدمی بلاتے ہو جو نہ آئیں اور جو آنیوالے ہیں انکو رد کرتے ہو۔ اور رشتہ داروں دوستوں اور نزدیکیوں کو فراموش نہ کرے کیونکہ یہ باعثِ وحشت ہے اور دعوت میں لاف و تفاخر کا قصد نہ کرے بلکہ اس امر میں کوشاں ہو کہ سنّت پر عمل کرے اور درویشوں کو راحت پہنچائے اور جس شخص کی متعلق خیال کرے کہ وہ دعوت کو قبول نہ کریگا یا اسپر قبول کرنا دشوار ہوگا اس کو نہ بلائے کیونکہ یہ امر میزبان کی دلشکنی کا باعث ہوگا اور جس شخص کو دعوت قبول کرنے میں راغب نہ پائے اسے بھی نہ بلائے کیونکہ اگر وہ آبھی جائیگا تو طعام کراہیّت کے ساتھ کھلائے گا اور یہ امر موجب خطا ہوگا۔ اوّل دعوت قبول کرنے میں امیر و غریب کی تخصیص نہ کرے اور فقیر کی دعوت سے نفرت نہ کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مساکین کی دعوت قبول فرماتے تھے جناب حسن ابن علی رضی اللہ عنہما درویشوں کے گروہ کے پاس سے گذرے درویش روٹی کے ٹکڑے آگے رکھے ہوئے کھا رہے تھے۔ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابن رسول اللہ ہمارے شریک ہو جئے آپ سواری سے اتر بیٹھے اور انکے شریک ہوئے اور کہا کہ حق تعالے متکبروں کو پسند نہیں کرتا جب کھا چکے تو فرمایا کہ اب کل تم میری دعوت قبول کرو دوسرے دن ان کیلئے اچھے اچھے کھانے پکوائے اور انکے ساتھ بیٹھ کر کھائے دوم اگر سمجھے کہ میزبان مجھ پر دعوت سے احسان کریگا اور میزبانی کو ایک رسمی میزبانی جانیگا تو اس سے کوئی بہانہ کردے اور اس کی دعوت قبول نہ کرے۔ بلکہ میزبان ایسا ہونا چاہئے کہ مہمان کی دعوت قبول کرنیکو مہربانی اور احسان سمجھے۔ اگر کوئی مہمان یہ جانے کہ طعام میں کسی قسم کا شبہ ہے یا میزبان کے گھر پر کوئی خلافِ شریعت اشیاء ہیں۔ مثلاً فرشِ اطلس یا چاندی کی انگیٹھی یا دیواروں اور چھتوں سے تصاویر جانوران یا راگ مزامیر ہے یا کوئی وہاں مسخری کرتا ہے اور فحش کلامی بکتا ہے یا جوان عورتیں مردوں کو دیکھنے کیلئے آتی ہیں کیونکہ یہ تمام امور مذموم ہیں اسلئے ایسی جگہ پر نہیں جانا چاہیئے اور اسیطرح اگر میزبان بدعتی یا ظالم و فاسق ہو یا دعوت کرنیسے میزبان کا مقصد محض لاف زنی ہو تو اس قسم کی دعوت کو بھی قبول نہ کرے اور اگر قبول کرے تو ان خلاف شریعت امور کو دیکھے اور منع نہ کر سکے تو خود وہاں سے باہر نکل آئے سوم یہ کہ رستہ کے دور ہونیکی وجہ سے دعوت کو رد نہ کرے بلکہ جس قدر برداشت کرے عادت سمجھ کر کرے توریت میں ہے کہ بیمار کی عیادت کیلئے ایک میل تک جاؤ اور جنازہ کے لئے دو میل جاؤ اور مہمان کیلئے تین میل جاؤ اور دینی بھائی کی زیارت کیلئے چار میل جاؤ چہارم یہ کہ روزہ ہونے کی وجہ سے دعوت رد نہ کرے بلکہ جائے اگر میزبان کی خوشی ہو تو صرف خوشبوؤں وغیرہ سے دل خوش کرلے اور اچھی اچھی باتوں سے جی بہلائے کیونکہ روزہ دار کیلئے یہی میزبانی ہے اگر وہ رنجیدہ ہو تو روزہ توڑ ڈالے[1] کیونکہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا بہ نسبت روزہ کے بہت افضل ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر اعتراض کیا ہے جو میزبان کی خوشی کیلئے روزہ نہ کھولے اور فرمایا ہے کہ تیرا بھائی تو تیرے لئے تکلف کرے اور تو یہ کہے کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔ پنجم یہ کہ پیٹ کی خواہش کے پورا کرنیکیلئے دعوت قبول نہ کرے۔ کیونکہ ایسی نیت کرنا حیوانوں کے فعل میں داخل ہے بلکہ سنّت سمجھ کر کرے۔ اور اس سے بچنے کی نیت کرے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص دعوت قبول نہیں کرتا وہ خدا اور رسول کا گنہ گار ہے اسلئے علمائے کرام کی ایک جماعت نے کہا کہ دعوت کا قبول کرنا

[1] نفلی روزہ مراد ہے۔ نامی۔

واجب ہے اور اپنے مسلمان بھائی کی عزت افزائی کی نیت کرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مومن کی عزت کرے وہ خدا تعالٰی کی عزت کرتا ہے اور اس کے دل کو خوش کرنے کی نیت کرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مومن کو خوش کرتا ہے وہ اللہ تعالٰی کو خوش کرتا ہے اور میزبان سے ملاقات کی نیت کرے کیونکہ بھائیوں کی ملاقات منجملہ درجات کے ہے اور اپنے آپکو غیبت سے بچانے کی نیت کرے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ فلاں آدمی بدخوئی و تکبر کیوجہ سے نہیں آیا دعوت میں شامل ہونیکی یہ چھ نیتیں ہیں اور ہر ایک کیلئے ثواب ہے اور ایسی نیتوں کیوجہ سے مباح اشیاء اللہ تعالٰے کے قرب کا سبب ہو جاتی ہیں بزرگان دین نے کوشش کی ہے کہ انکی ہر حرکت و سکون پر ایسی نیت ہو جیسے دین کے ساتھ نسبت ہو۔ تاکہ انکا کوئی دم ضائع نہ ہو حاضر ہونیکے آداب یہ ہیں کہ میزبان کو انتظار میں نہ رکھے اور جلدی کرے اور اچھی جگہ پر نہ بیٹھے بلکہ اس جگہ بیٹھے جہاں میزبان اشارہ کرے اور اگر دوسرے مہمان اسکو صدر بنانا چاہیں تو انکساری کرے اور زنانہ مکان سے جو ملحق جگہ ہو وہاں نہ بیٹھے اور جس جگہ سے طعام لایا جاوے اسطرف نہ دیکھے اور جب بیٹھے تو جو شخص اس کے نزدیک بیٹھا ہوا ہو اس کی مزاج پرسی کرے اگر خلاف شریعت کوئی امر دیکھے تو انکار کر دے اور اگر اس سے منع نہ کر سکے تو خود اٹھ کر چلا آئے حضرت امام احمد حنبل نے کہا ہے کہ اگر چاندی کی سرمہ دانی بھی دیکھے تو اٹھ کھڑا ہو اگر مہمان شب باش ہونا چاہے تو میزبان کیلئے یہ آداب ہیں کہ مہمان کو قبلہ اور جائے طہارت بتلا دے۔ لیکن طعام رکھنے کے آداب یہ ہیں کہ جلدی کرے کیونکہ یہ امر بھی مہمانوں کے اکرام میں داخل ہے کہ وہ انتظار نہ کریں اور جب تمام حاضر ہوں اور ایک باقی رہ گیا ہو تو حاضروں کا حق افضل ہے اور اگر ایسی صورت ہو کہ غائب درویش ہے اور وہ انتظار نہ کرنے سے شکستہ دل ہوگا۔ تو اس نیت سے تاخیر کرنا بہتر ہے حاتم اصم فرماتے ہیں کہ جلدی کرنا شیطان کا کام ہے لیکن پانچ امور میں جلدی کرنا چاہیئے طعام مسلمان۔ تجہیز مردگان۔ نکاح دختران۔ ادائیگی قرض۔ توبہ از گناہان اور ولیمہ میں جلدی کرنا سنت ہے دوم یہ کہ میوہ کو سب کھانوں سے پہلے پیش کرے اور آخر دستر خوان کو ترکاری سے خالی نہ رکھے حدیث شریف میں ہے کہ اگر دستر خوان پر سبزی ہو تو فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور چاہیئے کہ لذیذ کھانے پہلے رکھے تاکہ زیادہ کھایا جاسکے بہت کھانیوالوں کی یہ عادت ہے کہ ثقیل غذا پہلے رکھتے ہیں تاکہ مہمان بہت نہ کھا سکے اور یہ امر مکروہ ہے اور ایک گروہ کی یہ عادت ہے کہ تمام قسم کے طعام کو یکبارگی سامنے رکھ دیتے ہیں تاکہ جو کوئی پسند کرے کھائے جب طرح طرح کے کھانے مہمانوں کے سامنے رکھے تو پھر دستر خوان کو جلدی نہ اٹھائے کیونکہ ممکن ہے کہ ابھی کوئی سیر نہ ہوا ہو سوم یہ کہ مہمانوں کے سامنے تھوڑا طعام نہ رکھے کیونکہ یہ بے مروتی ہے اور زیادہ بھی نہ رکھے کہ یہ تکبر میں داخل ہے لیکن اس نیت سے جائز ہے کہ جو کچھ بچے گا وہ حساب میں داخل نہیں۔

حکایت :۔ حضرت ابراہیمؒ ادہم نے دستر خوان پر بہت سا طعام رکھا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجھے خوف نہیں آتا کہ یہ اسراف میں داخل ہے ابراہیمؒ نے جواب دیا کہ طعام میں اسراف نہیں ہوتا عیال کا حصہ پہلے نکال لینا چاہیے تاکہ ان کی آنکھیں دستر خوان پر نہ لگی رہیں کیونکہ جب کوئی چیز باقی نہ رہیگی تو وہ مہمان کا شکوہ کرینگے اور یہ مہمان کیساتھ خیانت ہوگی اور یہ جائز نہیں کہ مہمان اپنے ساتھ بھی کھانا باندھ کر لیجائے۔ جیسا کہ بعض صوفیوں کی عادت ہے لیکن ایسی حالت میں

روا ہے کہ اگر میزبان نہ بسبب شرم کے بلکہ صاف طور پر رضامندی سے اجازت دیدے بشرطیکہ اپنے ہم کاسہ پر ظلم نہ کرے اگر زیادہ لیجائیگا تو حرام ہوگا اور مروت سے بعید ہوگا اگر میزبان کی مرضی نہ بھی ہو تو بھی حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ فعل چوری کے برابر ہے اور جو کچھ ہم کاسہ شرم سے چھوڑ دے نہ دلی رضامندی سے وہ بھی حرام ہوگا۔

ضیافت خانہ سے نکلنے کے آداب :- یہ ہیں کہ اجازت سے باہر نکلے اور میزبان کو چاہئے کہ مہمانکو گھر کے دروازہ تک چھوڑ آئے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ہے اور میزبان کو مہمان سے کشادہ روی اور خوشگوئی سے پیش آنا چاہئے اگر مہمان میزبان کی طرف کوئی خطا دیکھے تو اسے معاف کردے اور اپنی نیکخوئی سے چھپا دے کیونکہ حسن خلق بہت سے تقربات سے افضل ہے حکایت ہے کہ ایک شخص نے دعوت کی اور اسکے لڑکے نے بلا کہے اپنے باپ کے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا باپکو اس امر کی خبر نہ تھی جب آپ مکان کے دروازہ پر پہنچے تو اس لڑکے کے باپ نے اندر نہ داخل ہونے دیا لڑکے نے پھر دوبارہ آپکو بلایا آپ پھر گئے لیکن اسکے باپ نے اندر نہ جانے دیا۔ آپ پھر واپس چلے گئے اسی طرح آپ چار بار آئے تاکہ لڑکے کو خوش کریں اور واپس چلے گئے تاکہ لڑکے کا باپ خوش ہو اور آپ ان باتوں سے فارغ تھے اور ہر رد و قبول میں ان کیلئے ایک عزت تھی کیونکہ وہ اسے خدا کیطرف سے پاتے رہے تھے

اصل دوم آداب نکاح

جاننا چاہئے کہ نکاح بھی امور دین میں داخل ہے جیسے کہ طعام وغیرہ کھانا جس طرح کہ راہ دین کیلئے آدمی کی حیات و بقا کی ضرورت ہے اور حیات بلا کھانے پینے کے ممکن نہیں اسی طرح راہ دین میں جنس آدمی کی بقا اور اسکی نسل کی حاجت ہے اور یہ بلا نکاح کے ناممکن ہے پس نکاح سبب اصل وجود انسانی ہے اور طعام اس کے بقا کا موجب ہے اللہ تعالیٰ نے نکاح کو محض نسل انسانی کی بقا کیلئے مباح کیا ہے شہوت رانی کیلئے نہیں بلکہ شہوت کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ نکاح کرنے کی متقاضی ہو اور لوگوں کو نکاح پر مجبور کرے تاکہ سالکان راہ دین پیدا ہوں اور دین کی راہ پر چلیں۔ کیونکہ اللہ تعالے نے تمام خلق کو دین ہی کیواسطے پیدا کیا ہے۔ اور ارشاد کیا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنے نہیں پیدا کیا ہم نے جن و انسان کو مگر واسطے عبادت کے اور جسقدر نسل انسانی بڑھتی ہے۔ بندگان حضرت ربوبیت میں زیادتی ہوتی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ترقی ہوتی ہے اسیواسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نکاح کرو تاکہ زیادہ ہو جاؤ اور میں تمہاری زیادتی کیوجہ سے دوسرے پیغمبروں کی امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں اور اس جنین پر بھی فخر کروں جو حالت حمل میں اپنی ماں کے پیٹ سے گر جائے پس اس شخص کے لئے بڑا ثواب ہے جو یہ کوشش کرے کہ اولاد بڑھے اور حق تعالیٰ کی بندگی کرے اور یہی سبب ہے کہ باپ کا حق بڑا ہے اور استاد کا اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ باپ پیدائش کا موجب ہے اور استاد راہ دین کی شناخت کا باعث ہے۔ اور اسی لئے ایک گروہ بھی اسکا قائل ہے کہ نوافل عبادات سے نکاح کرنا بہت افضل ہے جب معلوم ہوگیا کہ نکاح بھی منجملہ راہ دین کے ہے تو اس کے آداب کی تفصیل کا جاننا ضروری ہے اور اسکی تفصیل تین بابوں کے جاننے سے معلوم ہوگی باب اول نکاح کے فوائد اور

نقصان کے بیان میں باب دوم عقد نکاح کے آداب میں ۔ بابِ سوم نکاح کے بعد آداب معیشت کے بارہ ہیں ۔

باب اوّل نکاح کے فوائد و نقصان

جاننا چاہیئے کہ نکاح اپنے فوائد کی وجہ سے افضل ہے اور وہ پانچ ہیں فائدہ اوّل اولاد ہے اور اولاد کی وجہ سے چار قسم کا ثواب ہے ثواب اوّل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو وجود آدمی اور اسکی نسل کی بقا محبوب ہے وہ اسمیں کوشش کریگا اور جو شخص حکمت آفرینش کو پہچانیگا اسکو اس امر میں شک نہیں رہیگا کہ یہ محبوب حق تعالیٰ ہے اور جب مالک قابل زراعت زمین اپنے غلام کو دے اور تخم اور تمام آلات زراعت بھی مرحمت کرے اور ایک موکل اسکی طرف بھیجے جو اس کو زراعت کیطرف مشغول کرے غلام اگر عقلمند ہے تو سمجھ جائیگا کہ مالک کا مقصود ان اشیا کے عنایت کرنے سے کیا ہے اگرچہ مالک زبانی نہ کہے لیکن یہ تمام باتیں ظاہر کرینگی کہ مالک کا مطلب ان اشیا سے زمین کو کاشت کروانا اور بیج کرانا ہے اللہ تعالےٰ نے رحم (بچہ دانی) پیدا کیا اور آلہ مباشرت پیدا کیا اور اولاد کا بیج مردوں کی پشت اور عورتوں کے سینہ میں رکھا اور شہوت کو مرد وزن پر موکل بنایا کسی عقلمند سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ قدرت کا مقصود و مطلب ان سے کیا ہے اگر کوئی شخص تخم ضائع کرے اور موکل یعنے شہوت کو کسی حیلہ سے ٹالدے تو وہ فطرت کے مقصود سے روگردانی کریگا اور اسی لئے صحابہ سلف اس امر سے نفرت رکھتے تھے کہ وہ رنڈوے مریں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی دو عورتیں طاعون میں مرگئیں اور حتّٰی کہ خود ان کو بھی طاعون ہوگیا آپ نے فرمایا کہ میرا مرنیسے پہلے نکاح کردو کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ رنڈوا مروں ثواب دوم یہ کہ نکاح کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں کوشش کرتا رہیگا تا کہ ان کی امت بڑھے کیونکہ آپ اسکی وجہ سے قیامت کے دن فخر کریں گے اسواسطے بانجھ عورت کیساتھ نکاح کرنیکو منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ گھر میں کھجور کی چٹائی کا ہونا بہتر ہے بہ نسبت بانجھ عورت کے اور فرمایا ہے بچے دینے والی بدصورت عورت بہتر ہے بانجھ خوبصورت سے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کرنا شہوت کیلئے نہیں ہے کیونکہ خوبصورت عورت شہوت کیلئے شائستہ تر ہے ثواب سوم یہ ہے اولاد سے دعا حاصل ہوتی ہے حدیث شریف میں ہے کہ وہ نیکیاں جن کا ثواب منقطع نہیں ہوتا ان میں سے ایک اولاد بھی ہے کہ باپ کے مرنیکے بعد اس کی دعا ہمیشہ رہتی ہے اور باپ کو پہنچتی ہے حدیث شریف میں ہے کہ دعا کو نور کے طبقوں میں رکھتے ہیں ۔ اور مردوں کو دکھاتے ہیں اور مردے اسکے سبب آرام پاتے ہیں ثواب چہارم یہ ہے کہ فرزند ماں باپ کے سامنے مرجائے اور وہ اس کی موت کا رنج اٹھائیں تو وہ لڑکا قیامت کے دن ان کا شفیع ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن بچہ کو کہینگے کہ بہشت میں داخل ہو لیکن بچہ اسپر مغموم ہوگا اور مچل جائیگا اور کہے گا کہ میں ماں باپ کے بغیر داخل نہیں ہونگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا کپڑا پکڑ کر کھینچا اور فرمایا کہ جس طرح میں کھینچتا ہوں ۔ اسی طرح بچہ اپنے ماں باپ کو بہشت میں کھینچے گا حدیث شریف میں ہے کہ بچے بہشت کے دروازہ پر جمع ہوں گے اور یکبارگی رونا چلّانا شروع کردینگے اور اپنے ماں باپ سے ملنا چاہیں گے پھر ذاتِ باری سے انہیں اجازت ہوگی کہ وہ تمام لوگوں کے درمیان جائیں اور ہر ایک بچہ اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں جنت میں لیجائے ۔

حکایت ہے کہ ایک بزرگ نکاح سے عذر کرتے تھے یہاں تک کہ ایک رات قیامت کو خواب میں دیکھا اور دیکھا کہ لوگ پیاس کی وجہ سے تکلیف میں ہیں۔ اور بچے ہاتھوں میں سونے چاندی کے پیالے لئے لوگوں کو پانی پلاتے تھے۔ اس بزرگ نے بھی حالتِ خواب میں پانی طلب کیا لیکن بچوں نے نہ دیا اور کہا تیرا ان میں کوئی لڑکا نہیں ہے جب وہ خواب سے بیدار ہوئے تو فوراً نکاح کر لیا۔ فائدہ دوم نکاح میں یہ ہے کہ اس سے آدمی اپنے دین کو حصار میں کرتا ہے اور شہوت خواہش جو شیطان کا آلہ ہے اسکو اپنے سے دور رکھتا ہے اور اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے نکاح کیا۔ اس نے اپنا نصف دین حصار میں کر لیا۔ اور جو شخص نکاح نہیں کرتا۔ اغلب یہ ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو نظرِ بد اور دل کو برے وسوسے نہیں بچا سکتا اگرچہ فرج کو بچائے رکھے نکاح اولاد کی نیت سے کرے نہ کہ شہوت رانی کیلئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی مرغوب ترین شے کو کام میں لانا اسکے حکم کی تعمیل کی غرض سے ہے نہ کہ شہوت کے ٹالنے کی غرض سے شہوت کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ نکاح کی متقاضی ہو اگرچہ اس میں اور بھی حکمت ہے مثلاً یہ کہ ایک نہایت عجیب لذت رکھی ہے تاکہ وہ آخرت کے لذائذ کا نمونہ ہو جیسے کہ آگ کو پیدا کیا ہے تاکہ اسکی تکلیف عذابِ آخرت کا نمونہ ہو ہرچند لذت مباشرت اور آگ کی تکلیف بمقابلہ لذت آخرت و عذاب آخرت کے مختصر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اسمیں حکمتیں ہیں ممکن ہے۔ کہ ہر چیز میں بہت سی حکمتیں ہوں اور وہ ہم سے پوشیدہ ہوں اور سوائے بزرگانِ دین اور علماء کے دوسروں کو معلوم نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر عورت کے ہمراہ شیطان ہوتا ہے جس شخص کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو اسے چاہیئے کہ گھر جائے اور اپنی منکوحہ سے صحبت کرے کیونکہ اس بارے میں تمام عورتیں برابر ہیں۔ فائدہ سوم یہ ہے نکاح کی وجہ سے عورتوں سے محبت ہوتی ہے اور انکے ساتھ بیٹھنے اور ان سے مزاح کرنے میں دل کو راحت و سرور حاصل ہوتا ہے اور اس آسائش سے عبادت کی رغبت تازہ ہوتی ہے کیونکہ عبادت پر مواظبت کرنے سے آدمی ملول و دل گرفتہ ہو جاتا ہے اور یہ قوت کو پھر لوٹا لاتی ہے جنابِ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آسائش و راحت کو دل سے یکبارگی علیحدہ نہ کرو کیونکہ اس سے دل اندھا ہو جاتا ہے بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر استغراقِ عظیم الشان کا منکے مکاشفات ہوتے کہ آپکا بدن نازک انکا متحمل نہ ہو سکتا۔ تو ایسی حالت میں آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ہاتھ رکھکر فرماتے کَلِّمِیْنِیْ یَا عَائِشَۃُ یعنی اے عائشہ مجھ سے باتیں کرو اور اس سے آپکی منشا اپنے آپکو قوت دینا ہوتا تھا تاکہ وحی کے بوجھ کو برداشت کرنیکی قوت پیدا ہو۔ جب آپ پھر اس عالم میں آتے اور وہ قوت ختم ہو جاتی تو آپ پر اس کام کا شوق غالب آ جاتا اور فرماتے اَرِحْنَا یَا بِلَالُ یعنی اے بلال مجھے راحت پہنچاؤ۔ حتیٰ کہ نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے اور کبھی دماغ کو اچھی اچھی خوشبوؤں سے طاقت دیتے اسواسطے حضور نے فرمایا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ یعنی تمہاری دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو میرا محبوب فرمایا ہے (۱) خوشبو کو (۲) عورتوں کو (۳) اور میری آنکھوں کی روشنی نماز سے ہے اور نماز کی تخصیص اسلئے کی فرمایا کہ اس سے مطلب یہ ہے کہ میری آنکھوں کی روشنی تو نماز میں ہے اور خوشبو اور عورتیں تو بدن کی راحت کیلئے ہیں تاکہ اس سے نماز کی قوت

پیدا ہو۔ اور آنکھوں کی روشنی جو نماز میں ہے اسے حاصل کیا جائے۔ اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کا مال جمع کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ دنیا کے بعد کیا چیز اختیار کریں لِیَتَّخِذْ اَحَدُکُمْ لِسَانًا ذَاکِرًا وَّقَلْبًا شَاکِرًا وَّزَوْجَۃً مُّؤْمِنَۃً یعنی زبان ذاکر اور قلب شاکر اور عورت پارسا اور عورت کا بھی جگہ ذکر اور شکر کے ساتھ بیان فرمایا۔

فائدہ چہارم یہ ہے کہ عورت گھر کی غمخواری کرتی ہے اور طعام پکانا اور کپڑے و برتن وغیرہ دھونا اور جھاڑو دینے کو کفایت کرتی ہے اگر آدمی ان کاموں میں مشغول ہو تو علم و عمل اور عبادت سے محروم رہے اور اسی وجہ سے عورت دین کے کاموں میں مرد کی مدد کرتی ہے اور اسی سبب سے ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ نیک عورت دنیا سے نہیں ہے بلکہ آخرت سے ہے جو تجھے دین کے کاموں کیلئے فراغت بخشتی ہے حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ایمان کے بعد زنِ پارسا سے کوئی نعمت بہتر نہیں

فائدہ پنجم یہ ہے کہ عورتوں کی بد اخلاقی پر صابر رہنا اور انکی ضروریات کا بہم پہنچانا اور شریعت کی راہ پر انکو قائم رکھنا بغیر محنت کوشش کے ناممکن ہے اور یہ کوشش فاضلترین عبادت ہے حدیث شریف میں ہے کہ عورت کو نفقہ دینا صدقہ دینے سے زیادہ افضل ہے اور بزرگوں نے کہا ہے کہ اہل وعیال کیلئے حلال کی روزی تلاش کرنا ابدال کا کام ہے ابن المبارک رحمتہ اللہ علیہ چند بزرگ نفس لوگوں کے ساتھ جہاد میں مشغول تھے کسی نے پوچھا کہ اس سے بہتر اور کوئی اور کام بھی ہے۔ بزرگوں نے کہا اس سے بہتر یعنی جہاد سے بہتر کوئی عمل ہم نہیں جانتے حضرت ابن المبارک نے کہا میں جانتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جس شخص کے اہل وعیال ہوں وہ انہیں صلاحیت کے ساتھ رکھے اور جب رات کو نیند سے بیدار ہو اور لڑکوں کو برہنہ دیکھے تو انکو کپڑا پہنائے اسکا یہ عمل اس جہاد سے بہتر ہے۔

حضرت بشیر حافی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام احمد حنبل میں تین فضائل ایسے ہیں جو مجھ میں نہیں ہیں اور ایک ان میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کیلئے کسب حلال کرتے ہیں اور میں صرف اپنے لئے کرتا ہوں اور حدیث شریف میں ہے کہ گناہوں میں ایک گناہ ایسا ہے کہ سوائے عیالداری کی رنج و مشقت کے اس کا کوئی اور کفارہ نہیں۔

حکایت ہے کہ ایک بزرگ کی عورت مرگئی لوگوں نے ہر چند نکاح کیلئے کہا۔ لیکن انہوں نے کچھ پروا نہ کی اور کہا کہ میں تنہائی میں ہی مطمئن ہوں اور مجھے حضورِ قلب حاصل ہے انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کے گروہ ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں۔ اور ہوا میں جاتے ہیں جب اسکے پاس پہنچے تو ایک نے کہا کہ یہی شوم مرد ہے دوسرے نے کہا ہاں وہی ہے تیسرے نے کہا ہاں ہاں وہی شوم مرد ہے۔ چوتھے نے کہا ہاں بیشک یہی ہے یہ بزرگ حالت خواب میں ان لوگوں سے کچھ ایسے ڈرے کہ ڈر کے مارے کچھ پوچھ نہ سکے ان سب کے پیچھے ایک لڑکا تھا اس سے کہا کہ یہ شوم کس کو کہتے ہیں۔ اسنے جواب دیا تمکو کیونکہ اس سے پہلے تیرے اعمال مجاہدین کے اعمال کے ساتھ آسمان پر لائے جاتے تھے اب ایک ہفتہ ہو گیا ہے کہ تیرا نام مجاہدین کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے میں نہیں جانتا تمنے کونسا عمل ایسا کیا ہے جب وہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے تو فوراً نکاح کر لیا تاکہ پھر مجاہدین میں داخل ہوں۔ یہ تمام نکاح کے فوائد ہیں انکے لحاظ سے نکاح کی خواہش کرنی چاہیے۔ نقصانات نکاح تین ہیں اوّل یہ کہ شاید طلبِ حلال سے عاجز ہو اور خاصکر اس زمانہ میں۔ اور ممکن ہے کہ بسبب عیال کے

طعام شبہ یا حرام میں مبتلا ہو اور وہ اس کے دین اور عیال کی ہلاکت کا موجب ہو اور کوئی نیکی بھی اسکا تدارک نہیں کر سکتی۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی کے اعمال حسنہ پہاڑ کے برابر ہونگے اور اسے میزان کے پاس کھڑا کر کے پوچھیں گے کہ تو نے اپنے عیال کو کہاں سے نفقہ دیا اور اسے اس کی پکڑ ہوگی اور اسکی تمام نیکیاں اس وجہ سے ضائع ہو جائینگی اسوقت منادی پھر ندا کرینگے کہ یہ وہ آدمی ہے جسکی تمام نیکیاں اسکے عیال کھا گئے اور یہ گرفتار ہو گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن آدمی جو سب سے پہلے جھگڑیں گے وہ اس کے عیال ہونگے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کہینگے کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارا انصاف اس سے لے کہ ہم ناواقف تھے اور اسنے ہمکو طعام حرام کھلایا اور جو کچھ ہمیں سکھانا اسپر فرض تھا اسنے نہ سکھایا اور ہم جاہل رہ گئے پس جس شخص کے پاس میراث حلال نہ ہو یا کسب حلال نہ ہو اسے نکاح نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اسوقت تک جبکہ اسکو یقین ہو جائے کہ اگر نہیں کریگا تو زنا میں مبتلا ہوگا۔ دوم یہ کہ عیال کا حق بجا نہیں لا سکتا مگر حسن اخلاق اور انکے محالات پر صبر کر لینے اور متحمل ہو لینے اور انکے کاموں کو سرانجام دینے میں مشغول ہو لینے اور یہ ہر ایک سے نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ انکو رنج پہنچائے اور گنہگار ہو یا انکی طرف سے غفلت کرے اور وہ ضائع ہو جائیں حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اہل و عیال سے بھاگتا ہے وہ بھاگے ہوئے غلام کیطرح ہے اور اسکا نماز روزہ قبول نہیں ہوتا جبتک کہ پھر انکے پاس نہ جائے ہر ایک آدمی کیساتھ نفس ہے اور جبتک وہ اپنے نفس سے برنہ آئے بہتر یہی ہے کہ وہ دوسرے کے نفس کا ذمہ نہ اٹھائے حضرت بشیر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیوں نکاح نہیں کرتے انہوں نے کہا کہ اس آیت سے ڈرتا ہوں وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی عورتوں کو مردوں پر ایسا ہی حق ہے جیسا کہ مردوں کو عورتوں پر۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کیوں نکاح کروں کیونکہ مجھے اس کی خواہش نہیں اور عورت کو فریفتہ کیوں کروں.... سوم یہ کہ اہل و عیال کی تدبیر میں ایسا مستغرق ہو کہ فکر آخرت اور توشۂ قیامت اور ذکر حق تعالیٰ کا مانع ہو اور جو چیز تجھے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کرتی ہے وہ تیری ہلاکت کا موجب ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ یعنی اے مسلمانو! تمہارا مال اور اولاد تم کو ذکر خدا سے غافل نہ کرے۔ پس جس شخص کو اس امر کا خوف ہو کہ عیالداری کا شغل جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے ساتھ مشغول رکھتا تھا۔ اسکو نہ رکھ سکیگا اور وہ یہ سمجھے کہ اگر میں نکاح نہ کرونگا تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رہونگا اور حرام کے بھی نزدیک نہ جاؤں گا ایسے شخص کیلئے نکاح نہ کرنا افضل ہوگا۔ پس جس شخص کو زنا کا خوف ہو اسکے لئے نکاح فاضلتر ہے اور جس کو زنا کا خوف نہ ہو اسکیلئے نکاح نہ کرنا افضلترین ہے مگر جو شخص کسب حلال پر قادر ہو اور اپنے حسن اخلاق اور شفقت پر بھروسہ رکھتا ہو اور یہ جانے کہ نکاح اسکو ذکر الٰہی سے باز نہ رکھیگا اور اگر وہ نکاح کریگا۔ تو بھی ذکر الٰہی میں مشغول رہے گا۔ ایسے شخص کیلئے نکاح اولیٰ تر ہوگا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ؛

باب دوم کیفیت عقد نکاح اور اسکے آداب و صفات جنکا عورت میں نگاہ رکھنا لازمی ہے؛

شرائط نکاح پانچ ہیں اوّل۔ ولی ہے کیونکہ بے ولی نکاح درست نہیں جس عورت کا ولی نہ ہو سلطان اسکے لئے ولی کا حکم رکھتا ہے۔ دوم رضائے عورت۔ لیکن جب عورت دوشیزہ ہو اور اس کا باپ یا دادا نکاح کرے تو اسکی رضامندی کی ضرورت نہیں مگر تاہم بہتر یہ ہے۔ کہ اس کو بتایا جائے وہ اگر اس وقت خاموش رہے تو کافی ہے۔ سوم یہ ہے۔ کہ دو گواہانِ عادل حاضر ہوں اور بہتر یہ ہے کہ پرہیزگار اور نیک لوگوں کی ایک جماعت اسوقت حاضر ہو۔ فقط دو پر ہی اقتصار نہ کیا جائے پس اگر دو مرد موجود ہوں جن کا فسق مرد و عورت کو معلوم نہ ہو تو بھی نکاح درست ہے چہارم یہ کہ لفظ ایجاب و قبول ولی شوہر یا انکا وکیل صراحتاً کہے یا اسکی فارسی کہے اور سنت یہ ہے کہ ولی خطبہ نکاح کے بعد یہ کہے بسم اللہ والحمد للہ میں نے فلاں عورت کو تیرے نکاح میں بعوض اتنے حق مہر کے دیا۔ اور شوہر کہے بسم اللہ والحمد للہ+ کو نکاح سے پہلے دیکھ لے اور پسند کرے اور پھر عقد کرے۔ کیونکہ اس سے مزید الفت کی امید ہے اور نکاح سے اس کی نیت و مقصد اولاد کا پیدا کرنا اور آنکھ و دل کو ناشائستہ امور سے باز رکھنا ہو بالکل حظ و ہوسِ نفس مدِ نظر نہ ہو پنجم۔ عورت ایسی حالت میں ہو کہ اس سے نکاح جائز ہو اور وہ قریباً بیس صفات ہیں جنکی بنا پر نکاح حرام ہے وہ عورت جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہو۔ یا کسی دوسرے کی عدت میں ہو یا مرتدہ یا بت پرست یا زندیق ہو یعنی خدا اور رسول پر ایمان نہ رکھتی ہو یا اباحتی ہو یعنی غیر محرم لوگوں کے ساتھ ملکر بیٹھنا جائز جانتی ہو۔ اور اسکے نزدیک نماز کا نہ پڑھنا درست ہو اور کہے کہ میرے لئے یہ جائز ہے اور مجھے آخرت میں اس بنا پر عذاب نہ ہوگا یا نصرانیہ ہو یا یہودیہ ہو۔ اور ایسے نصرانی اور یہودی کی نسل سے ہو جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ مذہب اختیار کیا ہو۔ یا لونڈی ہو جب کہ مرد آزاد عورت کو مہر دینے کی طاقت رکھتا ہو۔ یا وہ زنا کا خوف نہ رکھتا ہو یا کوئی مرد اسکا مالک ہو یا کلی لحاظ سے یا جزوی لحاظ سے یا رشتہ کے لحاظ سے مرد کی محرم ہو یا ساتھ دودھ پینے کے لحاظ سے اسپر حرام ہو گئی ہو یا قرابت کے باعث اسپر حرام ہو گئی ہو مثلاً یہی مرد یعنی نکاح کرنیوالا اس سے پہلے اسکی بیٹی یا ماں یا دادی سے نکاح یا مجامعت کر چکا ہو یا یہ عورت اسکے باپ یا بیٹے کے نکاح میں رہی ہو یا مرد کی پہلی چار عورتیں موجود ہوں اور یہ پانچویں ہو یا اس عورت کی بہن پھوپھی یا خالہ اسکے نکاح میں پہلے موجود ہو کیونکہ دو بہنوں اور پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں اور ان دو عورتوں کو بھی نکاح میں جمع کرنا درست نہیں اگر انمیں سے ایک کو عورت فرض کریں اور ایک کو مرد اور اس صورت میں مرد و عورت کا رشتہ

+ یعنی ... [illegible]

کے لحاظ سے نکاح جائز نہ ہو اور ایسی عورت سے بھی نکاح درست نہیں جو پہلے اسکے نکاح میں ہو اور اس نے تین طلاقیں دیدی ہوں یا تین یا بالفرقت کر دیا ہو ایسی عورت جبتک کسی اور مرد سے پہلے نکاح نہ کرے گی اسپر حلال نہ ہوگی یا ان دونوں میں لعان واقعہ ہوا ہو یا مرد و زن اسمیں محرم ہوں یا حج و عمرہ کا احرام باندھا ہو یا عورت کمسن ہو اور یتیم ہو۔ کیونکہ جبتک وہ بالغ نہ ہو اسکا نکاح جائز نہیں۔ ان تمام مذکورہ صورتوں سے نکاح ناجائز ہے اور یہی نکاح کے حلال ہونے اور درستی کے شرائط ہیں۔

وہ صفات جنکا عورت میں دیکھ لینا سنت ہے آٹھ ہیں (۱) پارسائی ہے اور یہی اصل ہے اگر عورت ناپارسا ہوگی تو خاوند کے مال میں خیانت کریگی اور خاوند اس سے غمگین ہوگا۔ اگر عورت اپنے بدن میں خیانت کریگی اور مرد خاموش رہیگا تو یہ امر اسکے دین اور حمیت کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اور لوگوں میں بھی شرمندہ اور رسوا ہوگا اگر خاموش نہ رہیگا تو اسپر عیش ہمیشہ منغص ہوگا اور اگر ایسے طلاق دے تو شاید اس سے دلبستگی ہو اور طلاق میں تکلیف ہو۔ عورت خوبصورت اگر ناپارسا ہے تو وہ بلائے عظیم ہے اگر ایسی ہو تو اسے طلاق دینا ہی بہتر ہے ایک شخص نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عورت کی ناپارسائی کی شکایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے طلاق دیدے اس نے عرض کی مجھے اس سے محبت ہے حضور نے فرمایا پھر طلاق نہ دے اگر طلاق دیگا تو اسکے بعد اور فساد میں مبتلا ہوگا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص عورت کو مال و جمال کی غرض سے پسند کرتا ہے یعنی نکاح کرتا ہے تو وہ دونوں سے محروم رہتا ہے اور جو محض دین کے لئے کرتا ہے اسے مال و جمال دونوں نصیب ہوتے ہیں۔ دوم حسن خلق ہے کیونکہ ناشکر گزار عورت زبان دراز ہوتی ہے۔ اور بیجا طور پہ تحکم کرتی ہے اور ایسی عورت کیساتھ زندگی منغص ہو جاتی ہے۔ اور دین میں بھی خلل واقع ہوتا ہے سوم جمال ہے کیونکہ یہ محبت کا سبب ہوتا ہے اور اسی غرض سے نکاح سے پہلے دیکھ لینا سنت میں داخل ہے حضور صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انصار کی عورتوں میں ایک ایسی چیز ہے جس سے دلکو نفرت پیدا ہوتی ہے جو شخص انسے نکاح کرنا چاہے پہلے انھیں دیکھ لے اور کہا گیا ہے کہ جو نکاح بلا دیکھے کیا جاتا ہے اس سے بعد میں پشیمانی اور رنج پیدا ہوتا ہے اور یہ جو جناب سرور کائنات کا ارشاد ہے کہ عورت کو دین کی غرض سے نکاح میں لانا چاہیئے۔ نہ کہ جمال اور خوبصورتی کی غرض سے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ صرف خوبصورتی ہی کی غرض سے نکاح نہ کرے اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جمال کا خواہاں اور متلاشی نہ ہو۔ اگر کسی شخص کا مقصد نکاح سے محض اتباع سنت اور اولاد ہے اور جمال کو بالکل نظر انداز کرے تو یہ حد درجہ کی پرہیزگاری ہے جناب امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی منکوحہ کانی تھیں آپنے اسکی بہن کو جو نہایت خوبصورت تھی پسند نہ فرمایا کیونکہ کانی عقل میں اس سے بہتر تھی چہارم یہ ہے کہ مہر حتی الامکان کم ہو کیونکہ حضور انور کا ارشاد ہے کہ عورتوں میں وہ عورت اچھی ہے جسکا مہر کم ہو اور حسن و جمال میں بڑھ چڑھکر ہو زیادہ مہر باندھنا مکروہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عورتوں کا مہر دس درہم باندھا تھا اور حضور نے اپنی بیٹیوں کا چار سو درہم سے زائد نہیں باندھا۔ پنجم عقیمہ یعنی بانجھ نہ ہو۔ حضور سرورِ عالم کا ارشاد ہے کہ کھجور کی پرانی چٹائی کا گھر میں ہونا بہتر ہے بہ نسبت بانجھ عورت کے۔ ششم۔ عورت باکرہ یعنی کنواری ہو تو بہتر ہے کیونکہ اس سے محبت زیادہ ہوتی ہے اور جو عورت ایک شوہر دیکھ چکی ہے۔ عام طور پر اسکا دل اُسی کے خیال میں رہتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ثیبہ عورت کیساتھ نکاح کیا حضور انور نے فرمایا تو نے کنواری کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کیا تاکہ وہ تیرے ساتھ کھیلتی اور تو اسکے ساتھ کھیلتا۔ ہفتم یہ کہ حسب و نسب کے لحاظ سے بہ سبب دینی اصلاح کے بہتر ہو۔ کیونکہ بے اصل عورت مؤدب نہیں ہوتی اور اسکے اخلاق ناپسندیدہ ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ اسکے اخلاقِ بد اولاد پر اثر کریں۔ ہشتم یہ کہ عورت عزیز و اقارب سے نہ ہو حدیث شریف میں ہے۔ کہ اس سے اولاد کمزور ہوتی ہے شاید اسکا یہ سبب ہو کہ خویش و اقارب کے حق میں شہوت کم ہوتی ہے یہ ہیں عورتوں کی صفات جو بیان کر دی گئی ہیں لیکن وہ ولی جو اپنی بیٹی کا نکاح کرے بدخو، مرد اور بدصورت اور نان و نفقہ سے جو عاجز ہو اس سے۔ پرہیز کرے اور اگر مرد اسکا ہم کفو نہ ہو تو نکاح درست نہیں اور فاسق کیساتھ نکاح کرنا جائز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی بیٹی کا نکاح فاسق کے ساتھ کرتا ہے اسکا رحم منقطع ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ نکاح غلامی ہے ہوشیار رہ کہ اپنی بیٹی کو کس کی غلامی میں دیتا ہے۔

باب سوم نکاح سے لیکر آخر تک زندگی بسر کرنیکے آداب

جب معلوم ہو گیا کہ نکاح بھی دین کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے تو آدمی پر لازم ہے کہ دینی نقطۂ نظر سے اسکے آداب کا خیال رکھے نکاح انسانیت اور حیوانوں کی جفتی میں کچھ امتیاز نہ ہوگا۔ پس اس میں بارہ آداب کا خیال رکھے اول ولیمہ ہے اور وہ سنت مؤکدہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نکاح کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ یعنی ولیمہ کی دعوت کر۔ اگرچہ ایک ہی بکری ہو اور جس شخص کو ایک بکری کی بھی طاقت نہ ہو وہ جو کھانے کی چیز دوستوں کے سامنے رکھیگا وہی ولیمہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صفیہؓ سے نکاح کیا تو حضورؐ نے ستو اور خرما کے ساتھ دعوت ولیمہ فرمائی جسقدر طاقت ہو نقطۂ نکاح کے خیال سے دعوت ولیمہ کرے نکاح کے بعد کے پہلے تین دنوں میں ولیمہ کرے اور اگر کسی وجہ سے دیر ہو تو ایک ہفتہ سے زیادہ دیر نہ کرے دف بجا کر اعلانِ نکاح کرنا اور اس سے خوشی کرنا سنت ہے کیونکہ تمام روئے زمین پر عزیز ترین مخلوق آدمی ہیں اور نکاح انکی پیدائش کا موجب ہے پس اسکے لیے خوشی کرنا مناسب ہے۔ اور ایسے وقت میں دف اور سماع سنت ہے۔ ربیعہ بنتِ معوذ فرماتی ہیں۔ کہ جس رات مجھے دلہن بنایا گیا اسکے دوسرے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کنیزیں دف بجا رہی تھیں۔ جب انہوں نے کو دیکھا تو آپ کی تعریف میں اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔ آپ نے اپنی تعریف کے اشعار دف کے ساتھ گانے کی اجازت نہ دی کہ جناب کی تعریف عمدہ امور میں داخل ہے

(۱) وف دف بجانا ... ہے ... بچیاں ... اشعار ... (ع)

ایسے فضول باتوں کیساتھ ملانا ٹھیک نہیں دوم یہ کہ مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیئے۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ انہیں رنج نہ دیا جائے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ انکا رنج برداشت کریں اور انکی محال باتیں کہنے اور ناشکر گزاری پر صبر کریں حدیث شریف میں ہے کہ عورت کو ضعف اور پوشیدہ کرنیکی چیز سے بنایا گیا ہے۔ انکے ضعف کا علاج خاموشی ہے۔ اور انکے پوشیدہ کرنیکا علاج یہ ہے۔ کہ انکو گھر میں قید رکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی عورت کی بدکلامی پر صبر کریگا اسکو حضرت ایوب علیہ السلام کا ثواب ملیگا جو انہیں انکی مصیبت برداشت کرنیکے عوض میں دیا جائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات کیوقت تین چیزیں آہستہ آہستہ فرماتے تھے (۱) یہ کہ نماز کو مضبوط کرو یعنی مستقل طور پر پڑھا کرو (۲) لونڈی غلاموں کے ساتھ نیک رہو اور اچھا سلوک کرو۔ (۳) اور عورتوں کے متعلق ڈرتے رہو۔ کہ تمہارے ہاتھوں میں اسیر ہیں۔ انکے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے رنج اور غصہ پر تحمّل فرمایا کرتے تھے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عورت نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو حفصہ کیلئے نہایت افسوس ہے کہ وہ خاکسار نہ ہو پھر آپنے اپنی بیٹی حضرت حفصہ سے کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں خبردار حضور کو جواب نہ دیا کرو۔ اور جناب صدیق کی بیٹی حضرت عائشہ پر غرہ نہ ہونا کہ رسول پاک اسے عزیز جانتے ہیں۔ اور اسکی نازبرداری کرتے ہیں۔ ایک روز رسول پاک کی حرم محترمہ نے غصہ کی حالت میں حضور کے سینہ پر ہاتھ مارا انکی والدہ نے انہیں سخت کلامی سے کہا۔ کہ تونے حضور کیساتھ ایسا کیوں کیا۔ حضور نے فرمایا جانے دو کہ یہ اس سے بھی زیادہ کیا کرتی ہیں اور میں برداشت کرتا ہوں۔ اور حضور نے فرمایا خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ یعنی تم سے وہ بہتر ہے جو اپنی عورت کے ساتھ بہتر ہے۔ اور میں تم سب میں سے اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر ہوں سوم یہ کہ اپنی بیویوں کے ساتھ مزاح اور کھیل کرے اور ان سے رکا نہ رہے اور ان کے ساتھ انکی عقل کے مطابق رہے کوئی بھی اپنی عورت سے ایسی خوش طبعی نہیں کرتا جسقدر حضور کیا کرتے تھے یہانتک آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑا کرتے تھے کہ دیکھیں کون آگے جاتا ہے۔ حضور دوڑ نے میں آگے نکل گئے۔ جب دوبارہ دوڑنیکا اتفاق ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں۔ حضور نے فرمایا کہ اب ہم تم برابر ہو گئے۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کی آواز سنی کہ تماشا کر رہے ہیں۔ اور ناچ کر رہے ہیں۔ آپنے حضرت عائشہ سے فرمایا۔ کہ تم ان کا تماشا دیکھنا چاہتی ہو۔ حضرت عائشہ نے کہا ہاں دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ اٹھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تشریف لائیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو پر ٹھوڑی رکھ کر دیرتک تماشا دیکھتی رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ اب بس نہ کروگی۔ وہ خاموش رہیں حتیٰ کہ حضور کے تین بار کہنے پر آپنے بس کیا۔ یہ واقعات آیۂ پردہ کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ اس وقت تک غیر محرم پر نظر ڈالنے کی ممانعت نہ تھی جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ آپ ہر کام میں سخت اور تیز تھے۔ لیکن اپنی اہلیہ کے ساتھ بچوں کا سا سلوک فرماتے اور امور خانہ داری میں مردانہ وار رہتے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے۔ کہ جب گھر میں داخل ہو تو نہایت شاد اور خوش ہو۔ اور جب باہر

جانے لگی تو خاموش ہو کر جاؤ اور جو کچھ گھر میں موجود پاؤ اسے کھاؤ ۔ اور جو نہ ہو اسکی نسبت سوال نہ کرو چہارم اس درجہ بھی بے تکلف نہ ہو۔ کہ عورت بے خوف ہو جائے ۔ اور واہیات کاموں میں ان کی مساعدت نہ کرو بلکہ خلاف شریعت و مروت اگر کوئی فعل دیکھو تو اسپر تنبیہ کر دے اگر درگزر کریگا تو ان کا مطیع ہو جائیگا اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ یعنی مردوں کو عورتوں پر غالب رہنا چاہیئے ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَعِسَ عَبْدُ الزَّوْجَۃِ یعنی عورت کا غلام بدبخت ہے کیونکہ عورت کو مرد کا غلام ہونا چاہیئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ عورتوں سے مشورت کرو لیکن وہ جو کہیں اسکے خلاف عمل کرو۔ عورت درحقیقت نفس سرکش کی مانند ہے اگر ذرا بھی اسے ڈھیل دیجائے گی تو حد سے زیادہ بڑھ جائیگی اور حد سے زیادہ بڑھ جانیکا اندیشہ ہے اور پھر اسکا تدارک سخت مشکل ہو جائیگا حاصل کلام عورتوں میں ایک قسم کا ضعف ہے جسکا علاج صرف تحمل اور بردباری ہے اور عورتوں میں کجی بھی ہے اور اسکا علاج سیاست ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ طبیب کی طرح استاد ہو اور ہر امر کا علاج موقعہ حال کے مطابق عمل میں لائے لیکن صبر و تحمل کو زیادہ کام میں لائے حدیث شریف میں ہے کہ عورت پسلی کی ہڈی کی مانند ہے اگر اسے سیدھا کرنیکی کوشش کریگا تو وہ ٹوٹ جائیگی پنجم یہ کہ غیرت کے مقابلہ میں اعتدال کو مدنظر رکھے اور جس امر سے کسی قسم کی آفت پیدا ہونیکا اندیشہ ہو اس سے باز رکھے حتی الامکان عورت کو باہر نہ نکلنے دے اور چھت پر بھی نہ چڑھنے دے تاکہ کوئی نامحرم شخص اسکو نہ دیکھے اور نہ وہ کسی نامحرم شخص کو دیکھے اور اس امر کی بھی اجازت نہ دے کہ وہ دریچہ اور کھڑکیوں سے نامحرموں کو دیکھے۔ کیونکہ تمام آفتیں آنکھ سے پیدا ہوتی ہیں گھر کے اندر سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ کھڑکی اور دریچہ اور چھت سے پیدا ہوتی ہیں اور ان باتوں کو معمولی خیال نہ کرے اور بلا وجہ بدگمان بھی نہ ہو اور برا بھلا نہ کہے اور عورت پر حد سے زیادہ غیرت کا بار نہ ڈالے اور اسکے باطن کا تجسس نہ کرے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضورؐ سفر سے شام کے قریب واپس آئے اور فرمایا کہ آج کی رات اچانک کوئی شخص گھر میں نہ جائے۔ صبح تک صبر کرے دو آدمیوں نے حضورؐ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور اپنے اپنے گھروں میں برا ہوا کو دیکھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں عورتوں پر زیادہ غیرت نہ کرو کیونکہ جب لوگ انکو جانیں گے تو طعنہ زنی کریں گے ۔ اور غیرت کی اصل یہ ہے کہ عورت کو غیر محرم کی نظروں سے محفوظ رکھے حضورؐ نے جناب فاطمہؓ سے پوچھا کہ عورتوں کے لئے کیا چیز بہتر ہے حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ نہ کوئی مرد انکو دیکھے اور نہ یہ کسی مرد کو دیکھیں رسول پاکؐ اس جواب سے نہایت خوش ہوئے اور گلے لگا کر فرمایا کہ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ یعنی تو میرا پارۂ جگر ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی عورت کو دیکھا۔ کہ ایک روزن سے دیکھتی ہے اسے مارا اور پھر دیکھا کہ سیب کا ایک ٹکڑا خود کھایا اور ایک ٹکڑا غلام کو دیا حضرت معاذ نے اسپر بھی مارا حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ عورتوں کو اچھے کپڑے نہ پہناؤ تاکہ گھروں میں بیٹھیں۔ کیونکہ جب انھیں اچھے کپڑے پہنائے جائیں گے تو باہر جانیکی آرزو کرینگی رسول پاک کے زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں باپردہ آنیکی اجازت تھی۔ اور پچھلی صف میں کھڑی ہو کر نماز ادا کیا کرتی تھیں صحابہ نے اپنے زمانے میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ اگر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم دیکھتے کہ اب عورتیں کس چلن کی ہیں تو کبھی بھی مسجد میں آنیکی اجازت نہ دیتے آجکل عورتونکو مسجد اور مجلس سے روکنا
ایک اہم فریضہ میں داخل ہے لیکن بڑھیا عورت کو پرانی چادر اوڑھ کر آنیکی اجازت ہے۔ اکثر عورتوں کیلئے مجلس اور نظارہ
سے آفتیں پیدا ہوتی ہیں اور جس جگہ فساد کا خطرہ ہو وہاں عورت کو جانیکی اجازت دینا جائز نہیں ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک
اندھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں نہ اٹھیں اور کہا
کہ اندھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ اندھا ہے تو کیا تم بھی اندھی ہو (یہ واقعہ آیت پردہ کے نزول کے بعد کا ہے)
ششم یہ کہ عورت کا نان و نفقہ دینا صدقہ سے بہتر ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس کسی نے ایک دینار جہاد میں
خرچ کیا اور ایک دینار کا ایک غلام مول لے کر آزاد کیا اور ایک دینار ایک مسکین کو دیا اور ایک دینار اپنے عیال کو دیا تو یہ دینار
ثواب میں سب سے افضل ہے اور آدمی کو چاہیئے کہ کوئی اچھی شئے تنہا نہ کھائے۔ اور اگر کھائے تو اسے چھپائے اور جو طعام
کہ تیار نہ کر سکو اس کی تعریف عورتونکے روبرو نہ کرو۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہفتہ میں ایکبار ضرور حلوا یا مٹھائی بنائے
کیونکہ حلاوت سے یکبارگی منہ پھیر لینا بے مروتی میں داخل ہے جب کوئی مہمان نہ ہو تو اپنی عورت کیساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے
حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں ان گھروالونکو جو مل کر کھاتے ہیں اصل یہ ہے کہ جو کچھ
نفقہ دے وہ حلال کی کمائی سے ہو کیونکہ گھروالونکو مال حرام سے پرورش کرنے سے بڑھکر اور کوئی خیانت و ظلم نہیں
ہفتم نماز و طہارت و حیض کے متعلق جو علم دین ہے وہ عورتونکو تعلیم کرے اور اگر نہ سکھائیگا تو عورت پر واجب ہوگا کہ وہ
باہر جاکر کسی اور سے دریافت کرے اگر مرد اس کو سکھا دے تو پھر عورت کو بلا اجازت شوہر باہر جانا اور پوچھنا درست نہیں اور
اگر احکام دین سکھانے میں قاصر رہیگا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک گنہگار ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا یعنے اپنے نفس کو
اور اپنے گھروالونکو دوزخ سے بچاؤ اور یہانتک سکھلانا چاہیئے کہ اگر خون حیض غروب آفتاب سے پہلے بند ہو جائے تو نماز عصر
کی قضا کرنی چاہیئے اکثر عورتیں اس سے بیخبر ہیں ہشتم اگر دو عورتیں ہوں تو ان میں انصاف کرے حدیث شریف میں ہے کہ جو
شخص صرف ایک جورو کی طرف راغب رہیگا۔ اسکا نصف بدن قیامت کے دن ٹیڑھا ہو جائیگا اور انکو عطیہ دینے اور شب باشی
میں برابری کا لحاظ رکھے لیکن محبت اور مباشرت کرنے میں برابری ضروری نہیں کیونکہ یہ اختیار کی بات نہیں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات ایک بی بی کے ہاں رہتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ پیار کرتے تھے اور فرماتے
تھے یا اللہ جو بات میرے اختیار میں ہے اس میں سعی کرتا ہوں لیکن دل میرے قابو میں نہیں اگر کسی شخص کی طبیعت کسی عورت سے
سیر ہو جائے اور اسکی زندگی کو اسکا دل نہ چاہے تو اسے طلاق دیدینی چاہیئے قید میں نہ رکھے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینی چاہی کیونکہ وہ بوڑھی ہو گئی تھیں لیکن انہوں نے کہا کہ مجھے طلاق نہ دیجئے میں اپنی
باری بخوشی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن میرا حشر آپکی عورتوں میں ہو آپ نے نہیں طلاق نہ
دی اور اسی دن سے آپ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس دو راتیں بسر کرتے اور دوسروں کے پاس ایک ایک نہم جب عورت نافرمانی

کرے اور شوہر کی اطاعت نہ کرے تو اسکو نرمی اور مہربانی کے ساتھ اپنا مطیع بنائے اگر پھر بھی اطاعت نہ کرے تو اسپر خفا ہو اور
سونے کیوقت اسکی طرف پشت کرے اگر پھر بھی اطاعت نہ کرے تو تین راتیں اس سے علیحدہ سوئے اگر یہ امر بھی مفید نہ ہو تو پھر اسکو
مارے لیکن چہرہ پر نہ مارے اور ایسا سخت بھی نہ مارے کہ کہیں زخم ہو جائے یا کوئی عضو ٹوٹ جائے اگر نماز یا دین میں کوئی قصور
کرے تو ایک مہینہ اس پر خفا رہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک ماہ کامل اپنی عورتوں سے خفا رہے تھے دہم عورت کیساتھ
مباشرت کرنے کیوقت منہ کو قبلہ کیطرف سے پھیرلے اور مباشرت سے پہلے باتوں سے اور پیار و بوسہ بازی سے اسکا دل خوش
کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مرد کو عورت پر حیوان کی طرح نہ گرنا چاہیئے بلکہ مباشرت سے پہلے ایک
قاصد ہوتا ہے صحابہؓ نے پوچھا یا رسول وہ کیا حضور نے فرمایا اور جب ابتدا کرے تو کہے بِسْمِ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اگر قُلْ ھُوَ اللّٰہُ پڑھے تو بہت بہتر ہے اور کہے اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مِمَّا رَزَقْتَنَا ۔ حدیث شریف
میں ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھیگا اسکی اولاد شیطان سے محفوظ رہے گی اور جب انزال ہونے لگے تو اس آیت کیطرف خیال
کرے ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا یعنی تعریف ہے واسطے اس اللہ تعالیٰ کے جس نے پیدا
کیا انسان کو پانی سے اور پھر کر دیا اسکو نسب والا اور سسرال والا اور جب منزل ہونے لگے تو صبر کرے تاکہ عورت بھی منزل
ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں آدمی کے عجز کی نشانی ہیں ایک یہ کہ کسیکو دیکھے کہ وہ اسکو دوست رکھتا
ہے اور اسکا نام دریافت نہ کرے دوم یہ کہ کوئی بھائی اسکی عزت کرے اور وہ اسکی عزت کو رد کر دے سوم یہ کہ بوس وکنار
سے پہلے مباشرت کرنے لگے کہ جب اسکی حاجت روا ہونے لگے تو عورت کی حاجت روا ہونے تک صبر نہ کرے حضرت علیؓ
ابو ہریرہ و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ چاند کی پہلی اور پندرھویں اور مہینہ کی آخری رات کو عورت سے مباشرت
نہ کرے کیونکہ مکروہ ہے ان راتوں میں مباشرت کیوقت شیطان حاضر ہوتے ہیں حیض کی حالت میں عورت کے نزدیک نہ جائے
لیکن حائضہ کیساتھ برہنہ سونا درست ہے اور غسل حیض سے پہلے مباشرت کرنا درست نہیں جب ایکدفعہ مباشرت کر چکے اور دوسری
بار کرنا چاہے تو پہلے ذکر کو دھو ڈالے اور اگر حالت جنب میں کوئی چیز کھانی چاہے تو پہلے وضو کرے اور جب سونا چاہے تو
تب بھی وضو کرلے اگرچہ وضو کرلینے سے بھی حالت جنابت ہی میں رہیگا۔ لیکن سنت یہی ہے اور غسل سے پہلے ناخن اور بال نہ
کٹوائے تاکہ وہ جنابت کی حالت میں اس سے جدا نہ ہوں اور بہتر یہ ہے کہ منی کو رحم تک پہنچانے کی کوشش کرے اور پھر نہ لے
اور اگر عزل کریگا (یعنی منی کا باہر پھینکنا) تو صحیح یہی ہے کہ حرام نہ ہوگا ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ایک
کنیزک خادم ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو اور کام کاج سے باز رہے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عزل کر (یعنی
انزال کیوقت عضو تناسل کو بچہ دان سے ہٹا لینا) اگر تقدیر میں ہوگا تو فرزند خود بخود پیدا ہو جائیگا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر وہ
آدمی حاضر ہوا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ فرزند پیدا ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ
یَنْزِلُ یعنی ہم عزل کرتے تھے اور قرآن شریف نازل ہوتا تھا لیکن ہمیں اس بارہ میں ممانعت نہ ہوئی۔ یازدہم یہ کہ

جب اولاد پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہے حدیث شریف میں ہے کہ ایسا کرنے سے بچہ کا لڑکپن کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے اور نام اچھا سا رکھے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام ناموں سے بہتر عبداللہ و عبدالرحمن اور اسی قسم کے نام ہیں بچہ اگر پیٹ سے گر جائے یعنی حمل ساقط ہو جائے تو بھی اسکا نام رکھنا سنت ہے اور عقیقہ سنت مؤکدہ ہے لڑکی کے لئے ایک بکرا اور لڑکے کیلئے دو بکرے عقیقہ میں ذبح کرے اگر ایک ہی ہو تو تب بھی درست ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عقیقہ کے بکرے کی ہڈی کو نہیں توڑنا چاہیئے اور یہ سنت ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اسکے منہ میں میٹھی چیز ڈالیں اور ساتویں دن اسکے بال مونڈیں اور جسقدر اسکا وزن ہو اتنی چاندی یا سونا صدقہ میں دیں اور لڑکی کے پیدا ہونے پر کراہت و نفرت کا اظہار نہ کریں اور لڑکے کے پیدا ہونے پر زیادہ خوشی نہ کریں کیونکہ آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ خیر کس میں ہے اور دختر کا پیدا ہونا مبارک ہے اور اسکا ثواب زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں اور وہ انکے سبب رنج و مشقت برداشت کرے اور انکی خبر گیری کرے تو اللہ تعالیٰ اس رحم کے عوض میں جو ان پر کرتا ہے اس پر اپنی رحمت کریگا کسی نے عرض کیا اگر دو ہوں تو حضور نے فرمایا تب بھی پھر ایک سائل نے کہا۔ اگر ایک ہی ہو تو آپنے فرمایا تب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جسکی ایک بیٹی ہو وہ رنجور ہے اور جسکی دو ہوں وہ گرانبار ہے اور جسکی تین ہوں فرمایا اے مسلمانو اسکی مدد کرو وہ میرے ساتھ جنت میں ہے۔ جیسے کہ دو انگلیاں یعنے وہ مجھ سے بہت نزدیک ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نیا میوہ بازار سے گھر کو لیجائے تو وہ ثواب صدقہ کیطرح ہے چاہیئے کہ دینے میں ابتدا لڑکی سے کرے پھر بعد میں لڑکوں کو دے جو شخص اپنی لڑکی کو خوش رکھتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کے خوف سے رویا ہو اور جو شخص حقتعالیٰ کے خوف سے روتا ہے اس پر آتشِ دوزخ حرام ہو جاتی ہے **دوازدھم** جہانتک ہو سکے طلاق نہ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مباحات سے طلاق کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اور کسی کو رنج پہنچانا اچھا نہیں مگر حد درجہ کی مجبوری کیحالت میں اور جب طلاق دینے کی حاجت محسوس ہو تو ایک طلاق سے زیادہ نہ دے کیونکہ ایکدفعہ میں تین طلاق دے دینا مکروہ ہے اور بحالتِ حیض میں عورت کو طلاق دینا حرام ہے اور بحالت پاکی میں جبکہ اسے صحبت کی گئی ہو تب بھی حرام ہے اور بسبیل عنایت و مہربانی طلاق دینے میں کچھ عذر نہ کرے غصہ و حقارت کے باعث طلاق نہ دے اور اگر طلاق دے تو اسکے بعد عورت کو کچھ ایسا تحفہ دے جس کے باعث اسکا دل خوش ہو اور اسکے راز کی باتیں کسی سے نہ کہے اور یہ بھی ظاہر نہ کرے کہ کس عیب کی بنا پر طلاق دیتا ہے ایک شخص سے لوگوں نے پوچھا کہ عورت کو کیوں طلاق دیتا ہے اسنے کہا کہ اپنی عورت کا راز ظاہر نہیں کیا جا سکتا اور جب طلاق دے دی تو لوگوں نے پوچھا کہ تو نے طلاق کیوں دی اسنے جواب دیا کہ مجھے دوسروں کی عورتوں سے کیا کام کہ میں انکی باتیں کروں۔

فصل۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے عورت کے حقوق کے متعلق ہے جو مرد سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مرد کے حقوق بھی عورت پر

نہایت عظیم ہیں کیونکہ عورت درحقیقت مرد کی غلام ہے حدیث شریف میں ہے کہ اگر غیر حق کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو عورتوں کو اپنے خاوندوں کو سجدہ کرنیکا حکم دیا جاتا۔ منجملہ ان حقوق کے جو عورت پر ہیں ایک یہ بھی ہے کہ گھر میں بیٹھے اور بلا اجازت شوہر کے باہر نہ نکلے اور دریچہ و بام پر بھی نہ جائے اور ہمسایوں سے زیادہ دوستی وگفتگو نہ رکھے اور بلا ضرورت انکے گھر نہ جائے اور اپنے شوہر کی ہمیشہ خوبیاں بیان کرے اور صحبت و معاشرت میں جو کچھ آپس میں ہو وہ دوسروں سے ذکر نہ کرے اور تمام کاموں میں خاوند کی خوشی و مسرت کو مدنظر رکھے اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے اور ہمیشہ اس سے مہربانی سے پیش آئے اور اگر شوہر کا کوئی دوست دروازہ کھٹکھٹائے تو اسطرح جوابدے کہ وہ یہ نہ پہچانے کہ دوست کی بیوی بول رہی ہے اور شوہر کے تمام دوستوں سے پردہ کرے تاکہ وہ اسے نہ پہچانیں اور شوہر کے ساتھ جو کچھ نصیب ہو اس پر قناعت کرے اور دنیا کی خواستگار نہ ہو اور شوہر کے حقوق تمام رشتہ داروں اور عزیزوں سے زیادہ سمجھے اور ہمیشہ اپنے آپکو پاک و صاف رکھے جیساکہ صحبت معاشرت کیلئے لازم ہے اور جو کام کاج اپنے ہاتھ سے کر سکے کرے اور شوہر کے سامنے اپنے جمال پر فخر نہ کرے اور شوہر کے احسان کی ناشکر گزاری نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں نے تیرا کیا دیکھا ہے اور ہر وقت خرید و فروخت کے متعلق اور بے وجہ طلاق کی نسبت باتیں نہ کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ کی جانب نگاہ کی تو بہت سی عورتوں کو دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیوں ہے معلوم ہوا کہ شوہر کی ناشکر گذاری اور لعن طعن کی وجہ سے ہے۔

اصل سوم کسب و تجارت کے آداب

جاننا چاہیئے کہ جب دنیا راہ آخرت کی ایک منزل گاہ ہے اور اس میں آدمی کو کھانے اور پہننے کی حاجت ہے تو بلا کسب کے ممکن نہیں پس آداب کسب کو جاننا چاہیئے جو شخص ہمہ تن دنیا میں مشغول ہوگا وہ بدبخت ہے اور جو شخص ہمہ تن کار آخرت میں مشغول ہوگا۔ وہ نیکبخت ہے لیکن اعتدال پر وہی ہے جو دین و دنیا دونوں کے حاصل کرنے میں مشغول ہو لیکن مقصد اسکا زاد آخرت کا ہی اکٹھا کرنا ہو اور معاش محض معاد کی فراغت کیلئے ہو کسب کے متعلقہ احکام و آداب جنکا جاننا ضروری ہے وہ انشاءاللہ تعالیٰ پانچ بابوں میں بیان کرونگا باب اول۔ کسب کی فضیلت و ثواب میں باب دوم معاملہ کے شرائط تاکہ درست ہو باب سوم معاملہ میں انصاف کا مدنظر رکھنا۔ باب چہارم معاملہ میں احسان و بھلائی کرنا باب پنجم۔ دنیا کے معاملہ میں دین پر سبقت کرنا۔

پہلا باب فضیلت و ثواب کسب کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ اپنے آپکو اور اپنے اہل و عیال کو خلق کی محتاجی سے بچانا اور کسب حلال سے کفایت کرنا منجملہ جہاد کے ہے

اور راہِ دین میں بہت سی عبادات سے افضل ہے حضور سرورِ دو عالم تشریف فرما تھے کہ ایک جوان تنومند بہت صبح آپکے
قریب سے گزرا۔ اور بازار کی ایک دکان میں چلا گیا۔ صحابہ رضؓ نے کہا افسوس اگر اسقدر صبح سویرے یہ راہِ حق تعالیٰ میں اُٹھا ہوتا
حضور صلعم نے سنکر فرمایا کہ ایسا نہ کہو۔ اگر یہ اس لئے جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے ماں باپ کو یا اپنے اہل و عیال کو لوگوں سے
بے نیاز رکھے تو یہ بھی خدا کی راہ میں ہے اور اگر یہ لاف و گزاف تو انگری کیلئے جاتا ہے تو شیطان کی راہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں طلب حلال کرتا ہے تاکہ لوگوں کا محتاج نہ ہو اور ہمسایوں اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو
قیامت کے روز اسکا چہرہ اسطرح ہوگا جیسے چودھویں رات کا چاند حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنے والا سوداگر قیامت
کے دن صدیقوں اور شہیدوں کیساتھ اُٹھیگا اور فرمایا حقتعالیٰ پیشہ ور مومن کو دوست رکھتا ہے اور فرمایا سب سے زیادہ حلال
چیز پیشہ ور کا کسب ہے اگر وہ نصیحت پر عمل کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجارت کرو کیونکہ دس میں سے نو حصہ رزق
تجارت میں ہے اور فرمایا جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے اسپر ستر دروازے محتاجی و درویشی کے کھولے جاتے ہیں
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کو دیکھا پوچھا تو کیا کام کرتا ہے اسنے کہا عبادت کرتا ہوں آپنے فرمایا روٹی کہاں سے کھاتا
ہے اس نے کہا میرا ایک بھائی ہے وہ میری روٹی کا کفیل ہے آپنے فرمایا تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے حضرت عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کام کاج کو چھوڑ کر یہ نہ کہو کہ اے اللہ تعالیٰ روزی دے کیونکہ حق تعالیٰ آسمان سے سونا چاندی نہیں برساتا
حکیم لقمان نے اپنے فرزند کو وصیت کی کہ کسب کو ہاتھ سے نہ دینا جو شخص درویش اور خلق کا محتاج ہوتا ہے اسکا دین تنگ ہو
جاتا ہے اور عقل ضعیف ہو جاتی ہے اور اسکی مروت باطل ہو جاتی ہے اور لوگ اسکو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں لوگوں نے ایک بزرگ سے
پوچھا کہ عابد کی زیادہ فضیلت ہے یا امین سوداگر کی۔ بزرگ نے جواب دیا سوداگر امانتدار کی زیادہ فضیلت ہے کیونکہ وہ جہاد میں مشغول
ہے اسلئے کہ شیطان لعین دین اور ترازو کی راہ سے اُسے فریب دینا چاہتا ہے اور وہ اسکے خلاف کرتا ہے یعنی شیطان کا کہا
نہیں مانتا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس چیز سے زیادہ کسی اور کو دوست نہیں رکھتا کہ اپنے اہل و عیال کیلئے
میں طلب حلال کے لئے بازار میں ہوں اور مجھے موت آجائے لوگوں نے حضرت احمد حنبل رحؒ سے پوچھا کہ آپ اس شخص کے بارہ میں کیا
کہتے ہیں جو مسجد میں عبادت کیلئے بیٹھے اور کہے کہ حق تعالیٰ مجھے خود بخود روزی دیگا۔ آپنے فرمایا یہ مرد جاہل ہے اور شریعت کے
احکام سے ناواقف ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حقتعالیٰ نے میری روزی میرے نیزہ کے سایہ میں رکھی ہے یعنی غزا
کرنے میں (مراد کوشش ہے) اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم ادھم رحؒ کو دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے
ہیں اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ کا یہ کسب کب تک رہیگا۔ آپکے مسلمان بھائی آپکے اس رنج و تکلیف میں کفایت کر سکتے
ہیں۔ آپنے فرمایا خاموش رہ حدیث شریف میں ہے جو طلب حلال کیلئے ذلت برداشت کریگا بہشت اسکے لئے واجب ہو
جاتی ہے اگر کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ اَجْمَعَ الْمَالَ وَاَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ
وَلٰكِنْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ یعنے مجھے نہیں کہا گیا

کہ مال جمع کر اور سوداگر بن بلکہ مجھے کہا گیا ہے کہ اپنے خداوند کی تسبیح بیان کر اور ساجدین میں سے ہو اور عبادت کر اپنے خداوند تعالیٰ کی آخر عمر تک اور یہ اس امر کیلئے دلیل ہے کہ عبادت کسب سے زیادہ افضل ہے **جواب** یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے گذارہ کیلئے کافی مال ہو اسکے لئے بہ نسبت کسب کے عبادت زیادہ افضل ہے اور وہ کسب جو کفایت سے زیادہ کیلئے کیا جائے اس میں کچھ فضیلت نہیں بلکہ نقصان ہے اور دنیا میں دل لگانے کی دلیل ہے اور یہ تمام گناہوں کا سردار ہے اور جس شخص کے پاس مال نہیں لیکن مال صالح اور اوقات سے انکی بسر اوقات ہوتی ہے اسکے لئے کسب نہ کرنا اولیٰ تر ہے اور یہ چار اشخاص کیلئے ہے اوّل وہ جو ایسے علم میں مشغول ہو جس سے لوگوں کو منفعت دینی ہو جیسے علوم شرعیہ یا منفعت دینا ہو جیسے علم طب وغیرہ دوسرے وہ شخص جو عہدہ قضا یا منتظم اوقاف یا مصالح خلق میں مشغول ہو تیسرے وہ جسکے باطن میں صوفیوں کے مکاشفات و حالات کی راہ کشادہ ہو چوتھے وہ شخص جو کسی وقف خانقاہ میں عبادت ظاہر اور اوراد وغیرہ میں مشغول ہو اس قسم کے تمام لوگوں کو کسب نہ کرنا بہتر ہے بشرطیکہ انکی روزی کے دوسرے لوگ کفیل ہوں اور ایسا زمانہ ہو کہ لوگ بلا سوال و احسان کے ایسے امور کی طرف راغب ہوں یعنی ایسے لوگوں کی مدد کرنے پر جو خانقاہوں وغیرہ میں خدا کی یاد میں علم کے حصول میں مشغول ہوں بزرگوں میں سے ایک صاحب تھے اور انکے تین سو ساٹھ دولتمند تھے اور وہ بزرگ ہمیشہ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے اور ہر روز اپنے ایک دوست کے ہاں مہمان رہتے اور سال بھر اسی طرح کرتے یہ اُنکے دوستوں کی عبادت میں داخل تھا جو انہیں فارغ البال رکھتے تھے اور رباط اسوجہ سے بھی تھی کہ خیر کا دروازہ لوگوں پر کشادہ رہے ایک بزرگ تھے انکے تیس دوست تھے انکا دستور تھا کہ وہ بھی ہر رات ایک دوست کے ہاں بسر کرتے اور اسیطرح مہینہ گزار دیتے لیکن جب زمانہ ایسا ہو کہ لوگ بلا سوال کرنے اور بلا ذلت اٹھائے دینے کی رغبت نہ کریں تو پھر اپنے گذارہ کیلئے کسب کرنا بہتر ہے کیونکہ سوال کرنا بھی خواہشات میں داخل ہے لیکن ضرورت کے وقت حلال ہے کہ وہ شخص کہ اسکا درجہ بلند ہو اور اسکے علم سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہو اور طلب قوت میں اسکی ذلت ہوتی ہو تو ایسی حالت میں ہم کہینگے کہ ایسے شخص کیلئے کسب نہ کرنا اولیٰ ہے اور جس شخص کا دل حالت کسب میں بھی خدا کے ساتھ مشغول ہو۔ اسکے لئے کسب بہتر ہے کیونکہ تمام عبادتوں کی حقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور کسب کرنے میں بھی دل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا باب اکتساب علمِ کسب۔ تاکہ شرائط شرعیہ کے مطابق ہو

یہ بات بہت طویل ہے ہم نے اسکا تمام بیان کیا ہے اب اس کتاب میں ضرورت کے مطابق اسکا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ جو شخص اسکو جانے اگر کچھ مشکل درپیش ہو تو پوچھ لے اور جو شخص اسکو نہیں جانتا وہ حرام اور سود میں مبتلا ہوتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس بات کو پوچھ لینا چاہیئے اور کسب بالعموم چھ معاملوں پر ہوتا ہے بیع۔ ربوٰ۔ سلم۔ اجارہ۔ قراض۔ شرکت

پس ان تمام عقود کی شرائط بیان کرتے ہیں۔

عقد اوّل۔ بیع۔ اور بیع کا سیکھنا فرض ہے کیونکہ کسی کو اس سے گریز نہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں جاتے اور درّے مارتے اور کہتے کہ کوئی شخص بلا جانے مسائل فقہ کے بازار میں کاروبار نہ کرے کیونکہ وہ قصداً یا سہواً بیاج میں گرفتار ہوگا جاننا چاہیئے کہ بیع کیلئے تین رکن ہیں ایک فروخت کرنے والا اور ایک خریدنیوالا جنہیں عاقد کہتے ہیں دوسرا رکن تجارت کا مال ہے اسے معقود علیہ کہتے ہیں تیسرا رکن بیع کا لفظ ہے رکن اوّل عاقد ہے چاہیئے کہ پانچ اشخاص کیساتھ معاملہ نہ کرے اوّل لڑکا دوم دیوانہ سوم لونڈی وغلام چہارم اندھا پنجم حرام کھانیوالا وہ لڑکا جو بالغ نہ ہو اسکی بیع امام شافعیؒ کے نزدیک منع ہے۔ اگرچہ ولی کی اجازت سے کیوں نہ ہو اور دیوانہ کیلئے بھی یہی حکم ہے آدمی جو کچھ ان سے لیگا اگر وہ ضائع ہوجائے تو خریدکرنیوالے پر تاوان ہوگا اور جو کچھ انکو دیگا تو ان پر اسکا تاوان نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے خود اپنی دیکر مال ضائع کیا ہے اور لونڈی غلام کی بیع بلا اجازتِ مالک باطل ہے قصاب۔ بنئیے۔ نانبائی وغیرہ جبتک انکے مالک سے اجازت حاصل نہ کرلیں۔ ان سے معاملہ نہ کریں یا کوئی شخص عادل کہے یا شہر میں یہ مشہور ہو کہ انکے مالک نے انہیں معاملہ کرنیکی اجازت دیدی ہے اگر بلا اجازت مالک ان سے کچھ لینگے تو ان پر یعنے لینے والوں پہ تاوان ہوگا اگر انکو کچھ دیں گے تو جبتک وہ آزاد نہ ہوجائیں۔ ان سے تاوان نہیں لے سکتے نابینا سے بھی معاملہ کرنا باطل ہے مگر ایسی صورت میں صحیح ہے اگر وہ کسی ایک بینا کو اپنا وکیل مقرر کرلے وہ جو کچھ لیگا اسپر تاوان ہوگا اسلئے کہ مکلف آزاد ہے حرام خور سے بھی معاملہ نادرست ہے جیسے مشرک ظالم چور سُود دینے والے اور جھوٹی گواہی دینے والے اور رشوت لینے والے شراب فروخت کرنے والے۔ ڈاکو، گویئے اور نوحہ پڑھنے والے ان سب سے معاملہ منع ہوگا اور اگر ان سے معاملہ کرے اور اسے تحقیق ہوجائے کہ یہ مال انکا ہے تب جائز ہے اور اگر یہ جانتا ہے کہ یہ مال انکا اپنا نہیں تب یہ معاملہ باطل ہے اور اگر مال مشتبہ ہو تو اسمیں غور کرے اگر زیادہ حصہ مالِ کا حلال پر مشتمل ہے اور حرام کم ہے تو معاملہ درست ہے لیکن تب بھی شبہ سے خالی نہ ہوگا اور اگر زیادہ حصہ مال حرام کا ہے اور حلال کمتر ہے تو ظاہری طور پر ہم معاملہ کو حرام نہیں کہہ سکتے لیکن تب بھی یہ شبہ حرام کے نزدیک ہے، اور خطرۂ عظیم ہے یہود ونصاریٰ کیساتھ اگرچہ معاملہ جائز ہے لیکن قرآن شریف انکے پاس ہدیہ کرنا درست نہیں اور نہ ہی مسلمان غلام کو انکے پاس فروخت کرے اور اگر اہل حرب ہوں تو ہتھیار بھی انکے پاس فروخت نہ کریں کیونکہ یہ معاملہ ظاہر مذہب کی رو سے حرام ہے اور فروخت کرنیوالا گنہگار ہوتا ہے اگر اباحتی زندیق ہوں تو انکے ساتھ بھی معاملہ باطل ہے اور انکا مال اور خون حلال ہے بلکہ یہ لوگ کسی شئے کے مالک نہیں اور انکا نکاح باطل ہے اور ان کیلئے وہی احکام ہیں جو مرتدین کیلئے ہیں اور جو شخص شراب پینا اور نامحرم عورتوں کے پاس بیٹھنا اور نماز نہ پڑھنے کو ان سات شبہات میں سے کسی ایک شبہ کے باعث جو ہم نے عنوان مسلمانی میں بیان کئے ہیں درست سمجھے وہ زندیق ہے اسکے ساتھ نکاح اور معاملہ نادرست ہے۔

رکن دوم۔ مال ہے کہ اس سے معاملہ کرتے ہیں اور اسمیں چھ شرائط کو مدنظر رکھنا چاہیئے اوّل یہ کہ وہ مال پلید نہ ہو کیونکہ سگ و خوک۔ گوہ۔ ہاتھی کی ہڈیاں۔ شراب۔ گوشتِ مردار۔ روغنِ مردار کی بیع باطل ہے لیکن اگر پاک روغن میں کچھ پلیدی پڑ جائے تو اسکی بیع ناجائز نہیں علیٰ ہذا القیاس جامۂ پلید لیکن نافۂ مشک اور تخم کرم ابریشم کی بیع ناجائز ہے دوم یہ کہ مال میں کچھ فائدہ ہو کہ وہ مقصود ہو اور جو ہے سانپ بچھو۔ کژدم و دیگر حشرات الارض کی بیع باطل ہے شعبدہ باز کو جو سانپ میں نفع ہے اسکی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور گندم کے ایک دانہ کی بیع یا کوئی ایسی چیز جسکا کافی فائدہ نہ ہو (جس سے کوئی غرض پوری نہ ہو سکتی ہو) باطل ہے مگر بلی۔ مماکھی۔ چیتیا۔ شیر بھیڑیا جسکی ذات خاص یا جسکے چمڑے میں نفع ہو اسکی بیع جائز ہے اور طوطے۔ مور اور خوبصورت پرندونکی بیع جائز ہے کیونکہ ان سے یہ فائدہ ہے کہ آدمی انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بربط و چنگ و رباب کی بیع باطل ہے کیونکہ ان سے منفعت اٹھانا حرام ہے اور انکا نفع کالعدم ہے اور مٹی کے کھلونے جو بچوں کے کھیلنے کیلئے بنائے جاتے ہیں ان میں سے جو حیوانوں یا انسانوں کی شکل پر ہوں انکی بیع حرام ہے بلکہ انکا توڑنا واجب ہے لیکن اگر درخت اور دیگر نباتاتی شکل کے کھلونے ہوں تو انکی بیع درست ہے اور جس طبق یا کپڑے پر صورت بنی ہوئی ہو اسکی بیع درست ہے لیکن اس کپڑے کا فرش اور تکیہ بنانا درست ہے پہننا درست نہیں سوم یہ کہ مال فروخت کرنیوالے کی ملکیت ہو اگر کوئی شخص بلا اجازت مالک کے مال فروخت کریگا تو اسکی بیع بھی باطل ہے اگرچہ شوہر یا باپ یا بیٹے کا ہی مال کیوں نہ ہو اگر وہ مال کے فروخت ہونیکے بعد اجازت دیدیں تو تب بھی بیع باطل ہے کیونکہ اجازت پہلے چاہیئے۔

چہارم جو چیز فروخت کرے اسے خرید کرنیوالے کے حوالے کرنے پر قادر ہو بھاگے ہوئے غلام پانی میں مچھلی اور ہوا میں پرند اور بچہ پیٹ میں اور نطفہ گھوڑے کی پیٹھ میں ان سب کی بیع نادرست ہے کیونکہ انکا خریدار کے حوالے کردینا فروخت کرنیوالے کے اختیار میں نہیں اور جو بال حیوان کی پیٹھ پر ہوں اور وہ دودھ جو تھنوں میں ہو اسکی بیع بھی ناجائز ہے کیونکہ جبتک خریدار کے حوالہ نہ کریگا۔ نیا دودھ جو اور اسمیں پیدا ہوتا ہے وہ بھی اس میں ملجائیگا اور بلا اجازت مرتہن شے مرہونہ کی بیع ناجائز ہے اور اس کنیز کی بیع بھی ناجائز ہے جو بچہ کی ماں ہو گئی ہو کیونکہ اسکو کسی کے حوالہ کر دینا درست نہیں اور اس کنیز کی بیع بھی نادرست ہے جسکا لڑکا خورد سال ہو اسے لڑکے سے جدا کر کے یا لڑکے کو اس سے جدا کر کے فروخت کرنا و خرید کرنا ناجائز ہے کیونکہ ان میں جدائی ڈالنا حرام ہے پنجم یہ کہ عین مال کی مقدار اور صفت معلوم ہو عین مال کا نامعلوم ہونا یہ ہے کہ ایک بکرا اس گلہ میں سے یا ایک کپڑا ان کپڑوں میں سے جو تم چاہو تمہارے پاس فروخت کرتا ہوں اس قسم کی بیع بھی باطل ہے بلکہ یہ چاہیئے کہ ایک چیز کو اشارہ سے جدا کر کے اُسے فروخت کرے اور اگر یہ کہے کہ میں دس گز زمین تیرے پاس فروخت کرتا ہوں جس طرف سے تیرا جی چاہے لے لے تو یہ بیع بھی باطل ہے اور مقدار کو وہاں جاننا چاہیئے جہاں خریدنے والا مال عین آنکھ سے نہ دیکھے مثلاً فروخت کرنیوالا یہ کہے کہ میں نے تیرے پاس فلاں شئے کو اتنے پر فروخت کیا جتنے کو فلاں شخص نے اپنا کپڑا فروخت کیا یا فلاں چیز کے ہموزن سونا چاندی اور اسکی مقدار معلوم نہ ہو تو یہ بیع بھی باطل ہے لیکن اگر یہ کہے کہ اس گندم کو اس تھیلی بھر

سونے یا چاندی کے عوض فروخت کرتا ہوں اور خریدنیوالا دیکھ رہا ہو تو تب بیع جائز ہے اور صفت کا جاننا اس طور پر ہے کہ جس چیز کو نہیں دیکھا اس کو دیکھے یا بہت دن پہلے دیکھ چکا تھا اور وہ ہر چیز متغیر ہونیوالی ہے تو اسکی بیع باطل ہے اور جو ریشمی کپڑا ٹاٹ میں لپٹا ہوا ہو اور جو گندم ابھی خوشہ پر ہو اسکی بیع بھی باطل ہے اور آدمی جب کنیز مول لے اسے جائز ہے کہ سر کے بال اور ہاتھ پاؤں وغیرہ دیکھ لے اگر ان میں سے کوئی چیز دیکھنے میں رہ جائیگی تو بیع باطل ہوگی اگر کوئی مکان مول لے اور اسکا کوئی کمرہ دیکھنے سے رہ جائے تو تب بھی بیع باطل ہوگی مگر اخروٹ. بادام. باقلا. انار. مرغی کا انڈا وغیرہ اگرچہ چھلکے میں ہوں انکی بیع درست ہے. کیونکہ ان اشیاء کو اسی طرح فروخت کرنا مصلحت ہے اور بوقتِ ضرورت کچے اخروٹ اور باقلا جو دوہرے چھلکے میں ہوں انکی بیع بھی درست ہے اور فقاع کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ پوشیدہ ہوتی ہے لیکن اجازت سے اسکا کھا لینا مباح ہے. ششم جو چیز خریدی جائے جبتک اسپر قبضہ نہ ہو اس کی بیع درست نہیں چاہیے کہ پہلے اسکو قبضہ میں کرے اور پھر فروخت کرے. رکن سوم عقد ہے اور فروخت کرنیوالے کے لئے اس لفظ کا کہنا زبان سے ضروری ہے. کہ میں نے یہ چیز تیرے ہاتھ فروخت کی اور خریدنیوالے کو یہ کہنا کہ میں نے اسے خریدا یا یہ کہے میں نے یہ چیز اسکے عوض میں تجھکو دی اور وہ کہے میں نے لی یا قبول کی یا کوئی اور لفظ کہے کہ جس سے بیع کے معنی مفہوم ہوتے ہوں اگرچہ صریح نہ ہوں اگر لین دین سے پہلے یہ لفظ نہ کہا جائے تو بیع جائز نہ ہوگی جیسے کہ آجکل عادت ہوگئی ہے اور اولیٰ تر یہ ہے کہ حقیر اشیاء اجازت کے باعث اس امر کو جائز رکھیں کیونکہ اسکا رواج ہوگیا ہے. حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور علمائے شافعیہ کے ایک گروہ نے بھی اس قول کو اعتبار کی نظروں سے دیکھا ہے مذہب شافعی میں تین وجوہات کی بناء پر اس قول کیلئے فتویٰ دینا چنداں بعید نہیں ایک یہ کہ اسکی حاجت عام ہوگئی ہے. دوم یہ کہ شاید صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں بھی یہ عادت تھی اگر لفظ بیع کی بہ تکلف عادت ہوتی تو انکے لئے دقت ہوتی اور وہ اس تکلف کو نقل کرتے اور پوشیدہ نہ رہتا سوم یہ کہ جب عادت ہو جائے تو فعل کو قول کا قائم مقام کرنا محال نہیں. جیسا کہ ہدیہ میں ظاہر ہے کہ لوگ جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیجاتے تھے اس میں تکلف نہ ہوتا تھا اور اس زمانہ میں بھی ایسا ہی رہا ہے. اور جس جگہ کہ فعل اور عادت کی بناء بغیر لفظ کے ملکیت حاصل ہو جاتی ہے حالانکہ اس کا عوض بھی نہیں تو اس بیع کے معاملہ میں آپسمیں عوض یعنی قیمت موجود ہے فقط فعل سے جس چیز کا ملک میں آجانا محال نہیں ہے لیکن ہدیہ میں بمقتضائے عادت تھوڑی اور بہت میں فرق نہیں ہوا ہے لیکن کسی قیمتی چیز کی بیع میں لفظ بیع کہنے کی عادت رہی ہے جیسے مکان اور زمین. غلام حیوان اور قیمتی کپڑا اگر ان چیزوں میں لفظ بیع نہ کہے گا تو اسلاف کی عادت کیخلاف عمل ہوگا. اور ملک حصول نہ ہوگی لیکن گوشت، روٹی میوہ اور جو تھوڑی قیمت کی اشیاء خریدتے ہیں ان میں عادت اور حاجت کی بناء پر اجازت دینے کی وجہ یہ ہے اور حقیر اشیاء اور قیمتی اشیاء میں مدارج ہوتے ہیں یہ جاننا چاہیے. کہ یہ حقیر اشیاء میں سے ہے یا نہیں اور اسمیں کچھ اندازہ نہیں کر سکتے جب یہ امر مشکل ہوا تو راہِ احتیاط

کو اختیار کرنا چاہیئے۔ جاننا چاہیئے مثلاً کسی شخص نے ایک گدھا گندم کا خرید کیا اور لفظ بیع و شرا نہ کہا تو یہ انکی ملکیت نہ ہوجائیگا۔ کیونکہ یہ محقرات میں سے نہیں ہے لیکن اس میں سے کھانا اور تصرف کرنا حرام نہ ہوگا کیونکہ اس کے تسلیم اور حوالہ ہوجانیکے باعث اباحت حاصل ہوجاتی ہے اگرچہ ملکیت حاصل نہ ہو اور اگر ان میں سے کسی کی مہمانی کرے تو حلال ہے کیونکہ مالک کا اس کے حوالے کر دینا قرینہ حال سے اس امر پہ دلالت کرتا ہے کہ اسنے اسپر حلال کر دیا ہے مگر بشرطیکہ عوض اگر صریح نہ کہا کہ یہ مبیر الطعام اپنے مہمان کو کھلا دینا پھر اسوقت تاوان دیدینا درست ہوتا اور تاوان واجب آتا۔ جبکہ اس امر پر دلیل کیا تب بھی یہ امر حاصل ہوگیا پس لفظ بیع نہ کہنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اناج مول لینے والے کی ملکیت نہیں ہوجاتا اگر وہ کسی کے پاس فروخت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اگر خرید کرنیوالے کے کھانے سے پیشتر مالک واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے اس طعام کی طرح جو دعوت میں دسترخوان پر چنا جاتا ہے جاننا چاہیئے کہ بیع اس شرط پر درست ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور شرط نہ ہو اگر یہ کہے کہ میں ان لکڑیوں کو اس شرط پر خریدتا ہوں کہ میرے گھر پہنچا دے یا اس گندم کو اس شرط پر خریدتا ہوں کہ اسکا آٹا بنا دے یا مجھے کوئی چیز قرض دے یا کوئی اور شرط کہے تو اس صورت میں بھی بیع باطل ہوتی ہے لیکن چھ شرائط کا کرنا درست ہے ایک یہ کہ اس شرط پہ فروخت کرے کہ اسکے عوض میں فلاں شے گروی رکھے یا کسی کو گواہ کر دیا فلاں آدمی کو ضامن دے یا قیمت ابھی ادا کرنا عرصہ مجھے منظور نہیں یا لینے دینے والے دونوں کو تین دن تک فسخ بیع کا اختیار ہوگا مگر تین روز سے زائد جائز نہیں یا غلام اس شرط پر خرید کرے کہ وہ لکھنا یا اور کوئی پیشہ جانتا ہو یہ شرائط بیع کو باطل نہیں کرتے عقد دوم ربوا ہے اور یہ نقدی میں اور طعام و غلہ میں بھی ہوتا ہے لیکن نقد بیع میں دو چیزیں حرام ہیں ایک ادہار فروخت کرنا۔ کیونکہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض جبتک دونوں موجود نہ ہوں فروخت کرنا درست نہیں اور ایکدوسرے سے علیحدہ ہونے سے پہلے قبضہ کرلیں اگر اسی صحبت میں قبضہ نہ کریں گے تو بیع باطل ہوگی۔ دوم یہ کہ سونا چاندی سونے چاندی کے عوض فروخت کرے تو اسمیں زیادتی کرنی یعنی زیادہ لینا حرام ہے اور ثابت دینار کو ٹکڑے ٹکڑے ہوئے دینار کے عوض فروخت نہ کرنا چاہیئے اور نہ ہی کھرے دینار کو کھوٹے دینار کے عوض کچھ زیادتی پر خرید کرے۔ بلکہ کھرا کھوٹہ درست و شکستہ کو برابر کی قیمت پر فروخت کرے اور کوئی شخص کھرا ثابت دینار کے عوض خرید کرے پھر اس کھرے کو اسی شخص کے پاس ٹوٹے ہوئے دینار یا دانگ کے عوض فروخت کرے۔ تو یہ درست ہے اور مقصد پورا ہوجاتا ہے اور ہریوہ کا سونا جس میں چاندی کی آمیزش ہوتی ہو اسکو خالص سونے چاندی یا زر ہریوہ کے عوض فروخت نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس سے کوئی اور چیز مول لیکر فروخت کرے اور جس سونے چاندی کی چیز کا سونا یا چاندی کھرا نہ ہو اسکی نسبت یہی حکم ہے اور موتیوں کی لڑی جس میں سونا ہو اسکو سونے کے عوض میں فروخت نہیں کرنا چاہیے اور زر تار کپڑے کو سونے کے عوض فروخت کرنا درست نہیں مگر ایسی حالت میں کہ جب اسکو آگ پر رکھیں تو اسمیں سے اسی مقدار کا زر نکلے جسکے عوض فروخت کیا جائے اگرچہ اناج دو قسم کا ہو تب بھی ایکدوسرے کے عوض ادہار فروخت نہ کرنا چاہیئے

بلکہ ایک ہی صحبت میں دونوں کا قبضہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر ایک جنس ہو یعنی گندم کے عوض گندم تب بھی ادھار دینا درست نہیں اور زیادتی کے ساتھ بھی درست نہیں بلکہ کسی پیمانے میں ناپنے سے برابر ہو اگر تولنے میں ایک جیسا ہو تب بھی درست نہیں۔ بلکہ ہر چیز کی برابری کو اس انداز سے دیکھے جسکی عادت غالب ہو۔ گوشت کے بدلے میں قصائی کو بکرا دینا۔ نانبائی کو روٹی کے عوض گندم دینا اور تیلی کو تیل کے بدلے میں تل یا ناریل دینا درست نہیں اور یہ بیع نہ ہوگی۔ لیکن اگر بیع کی نیت نہ کرے اور اس طریقہ سے دے کہ اس کے بدلے میں روٹی حاصل کرے تو مباح ہے۔ لیکن یہ روٹی اس کی ملکیت نہ ہوگی۔ دوسرے کے پاس فروخت کرنیکا اختیار نہ ہوگا۔ اور نانبائی کیلئے گندم میں تصرف کرنا جائز ہے بیع درست نہ ہوگی۔ خرید نیوالے کی گندم نانبائی پر اور نانبائی کی روٹی خریدار پر باقی رہتی ہے جسوقت چاہیں ایکدوسرے سے طلب کر سکتے ہیں۔ اور اگر ایکدوسرے کو بھی بحل کر دے تو یہ کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر ایک کہے کہ میں نے بحل کیا اگر تو بھی مجھے بحل کر دے تو یہ امر باطل ہوگا اور اگر اس شرط کی صراحت نہ کرے اور یوں کہے کہ میں نے بحل کیا اور اگر طرف ثانی اس امر سے آگاہ ہے کہ اس کے دل میں یہ شرط ہے کہ یہ اسکے من بھر گندم اسکو نہ دیگا۔ تو یہ بحل کرنا اس جہان میں خدا اور اسکے درمیان محض لاحاصل ہے کیونکہ یہ رضامندی محض زبانی ہے دل سے نہیں اور جو رضا دل سے نہ ہو اس جہان کیلئے زیبا نہیں اور اگر یہ کہے کہ میں نے تجھے بحل کیا چاہے تو مجھے بحل کرے یا نہ کرے اور دل میں بھی یہی بات ہو جو زبان سے کہتا ہے تو تب یہ درست ہوگا پھر اگر دوسرا شخص بھی بحل کر دے تو بھی یہی حال ہے اور ایک دوسرے کو بحل نہ کرے اور قیمت دونوں کی برابر ہو اور مقدار بھی برابر ہو تو اس سے دنیا میں تو کوئی خصومت پیدا نہ ہوگی لیکن اگلے جہان میں اسکا بدلہ ہو جائیگا اور اگر اسمیں کچھ تفاوت ہے تو پھر اس جہان کی خصومت اور اس جہان اور اگلے جہان کا ڈر ہے نیز اس امر کو جاننا چاہیئے کہ جو شئے اناج سے بنے اسے اناج کے عوض فروخت کرنا درست نہیں اگرچہ برابر ہی ہو اور جو چیز گیہوں سے بنتی ہے جیسے روٹی آٹا۔ تو اسے گیہوں کے بدلہ میں فروخت نہ کرنا چاہیئے۔ اسیطرح انگور کو سرکہ اور شہد کے عوض فروخت نہ کرنا چاہیئے اور دودھ کو پنیر اور مکھن کے بدلہ میں فروخت نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ انگور کو انگور اور کھجور کو کھجور کے بدلہ میں فروخت کرنا درست نہیں تاوقتیکہ انگور منقہ نہ بنجائے اور رطب خرما نہ ہو جائے اسکی تفصیل دراز ہے اور جسقدر بیان کیا گیا ہے اسکا سیکھنا واجب ہے۔ اور جب کبھی ایسا مسئلہ درپیش آجائے جسے نہ جانتا ہو تو یہ خیال نہ کرے کہ میں اسے نہیں جانتا۔ بلکہ علماء سے دریافت کر لے اور غفلت سے حذر کرے تاکہ حرام میں مبتلا نہ ہو اور اس امر میں معذور نہ رہے کیونکہ علم کی تلاش اسی طرح فرض ہے جیسا علم پر عمل کرنا فرض ہے عقد سوم سلم ہے اور اسمیں دس شرائط کا لحاظ رکھے اول یہ کہ عقد کے وقت کہے کہ یہ چاندی یا یہ سونا یا یہ کپڑا یا جو کچھ ہو گدھے کے بوجھ گندم کے واسطے سلم کے طور پر میں نے دیا اور جس قسم کی گندم مقصود ہو اور اس چیز کی قیمت سے تبدیل کیجا سکے اور جس صفت کا بطریق عادت کہنا ضروری ہو صاف طور پر کہدے تاکہ طرف ثانی پر اچھی طرح واضح ہو جائے اور وہ کہے کہ میں نے قبول کیا اگر لفظ سلم کے بدلے میں یہ کہے کہ میں نے تجھ سے

پر تھے ان صفات کی خرید کی تو تب بھی درست ہے، دوم یہ کہ جو کچھ دیتا ہے بے حساب نہ دے بلکہ اس کے وزن اور
مقدار کو معلوم کرے تاکہ اگر واپس لینے کی ضرورت ہو تو اسے یہ پتہ چل جائے کہ میں نے کیا دیا ہے اور کس قدر دیا ہے
سوم ۔ مجلس عقد میں راس المال حوالہ کر دے۔ چہارم اوّل سلم ایسی چیز میں دے کہ اس کے وصف سے اس کا
حال معلوم ہو جائے جیسے حبوب، پنبہ، ابریشم، شیر، گوشت، حیوان لیکن جو چیز کئی چیزوں سے مرکب ہو اور جن کی علیحدہ
علیحدہ مقدار معلوم نہ ہو جیسے خضاب مرکب ہوتا ہے یا کمان ترکی یا کوئی مصنوع جیسے کفش و موزہ و نعلین و تماشا ہو تو
اس میں سلم باطل ہے کیونکہ صفت پیدا نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ روٹی میں سلم جائز ہے اگرچہ نمک اور پانی سے ملی ہوئی ہے لیکن
وہ مقدار مقصود نہیں اور جہالت نہیں لاتی۔ پنجم یہ کہ اگر وعدہ پر خرید کرتا ہے تو اسکی میعاد معلوم ہونی چاہیئے یہ نہ کہے کہ فلاں
غلہ کے تیار ہونے تک کیونکہ یہ متفاوت ہے یعنی ہمیشہ ایک سا نہیں اگر کہے کہ نوروز کے دن تک اور نوروز مشہور و
معروف ہو یا کہے جمادی تک تو یہ جائز ہے اور جمادی سے جمادی الاولیٰ خیال کیا جائیگا۔ ششم یہ کہ سلم اس شے میں دی جو وقت
موعود پر موجود ہو اگر میوہ میں سلم دیگا تاوقتیکہ میوہ اسوقت تک نہ پکا ہوا ہو تو سلم باطل ہے اگر اسوقت موعودہ تک
اکثر طور پر پک جاتا ہو تو درست ہے پھر اگر کسی حادثہ کے سبب سے دیر ہو جائے تو یہ اسکی مرضی پر منحصر ہے اگر چاہے تو مزید مہلت دے
ورنہ فسخ کر کے اپنا مال واپس لے لے۔ ہفتم یہ کہ دریافت کر لے کہ کس جگہ پر حوالہ کرے شہر میں یا گاؤں میں جہاں پر ممکن ہو کہ حوالہ
کر دیگا۔ مقرر کرنے تاکہ خصومت و اختلاف پیدا نہ ہو۔ ہشتم کسی چیز کی طرف عین اشارہ نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ اس باغ کے انگور یا
اس زمین کی گندم۔ کیونکہ ایسا کرنا باطل ہے۔ نہم۔ یہ کہ ایسی چیزوں پر سلم نہ دے جو عزیز و نایاب ہو جیسے کہ بڑے موتی
دانہ بے لاجواب ہو یا خوبصورت کنیز یا خوبصورت لڑکا یا اور اس قسم کی چیز۔ دہم۔ یہ کہ اناج میں بھی سلم نہ دے جبکہ
راس المال بھی اناج ہی ہو جیسے جو گندم۔ باجرہ وغیرہ کیلئے سلم دے عقد چہارم۔ اجارہ ہے اور اس کے دو رکن
ہیں اجرت و منفعت لیکن عاقد اور لفظ عقد ایسا ہی ہے جیسا کہ بیع میں بیان کیا ہے لیکن ضروری معلوم ہونی چاہیئے
جیسے کہ ہم نے بیع میں بیان کیا ہے اگر کوئی شخص گھر کو تعمیر کے عوض کرایہ پر دے تو نا جائز کیونکہ تعمیر نامعلوم شے
ہے اور بکری کے ذبح کرنیکے عوض میں کھال دینا اور پنہاری کو اجرت میں سبوس دینا یا تھوڑا سا آٹا دینا بھی
باطل ہے اور جو چیز مزدور کی محنت سے حاصل ہوتی ہے اس میں سے اجرت دینا بھی درست نہیں اگر کوئی شخص یہ کہے
کہ میں نے فلاں دکان تجھے ایک دینار ماہانہ پر دی تو ایسا امر بھی نادرست ہے کیونکہ اس میں اجارہ کی مدت نامعلوم ہے
اُسے یہ کہنا چاہیئے کہ سال یا دو سال کیلئے اجارہ پر دیتا ہوں تاکہ جملہ مدت معلوم ہو۔ رکن دوم منفعت ہے
جاننا چاہیئے کہ جو عمل مباح ہو اور معلوم ہو اور کسیقدر محنت کا محتاج ہو اور نیابت کی اس میں گنجائش ہو۔
اجارہ اس میں درست ہوتا ہے پس اس میں پانچ شرائط کا لحاظ رکھے اوّل یہ ہے کہ اس عمل میں کچھ قدر و قیمت ہو
اور کچھ محنت ہو اگر کوئی شخص اناج کو اس لئے اجارہ پر لے کہ اس سے دکان کو آراستہ کرے یا درخت کو اجارہ پر لے

کہ اس پر کپڑے سوکھائے یا سیب اجارہ پر لے کہ اسکی بو کو سونگھے یہ سب کچھ باطل ہے کیونکہ اس کی کوئی قدر نہیں اور یہ گندم کا ایک دانہ فروخت کرنیکے مانند ہے اگر کوئی آڑھتی اسقدر دبدبہ والا ہے کہ اس کی ایک بات کرنے سے مال فروخت ہو جاتا ہے۔ اگر اس امر کی مزدوری مقرر کریں کہ وہ ایک بات کہہ کر مال فروخت کرا دے۔ تو اجارہ بھی ناجائز ہے اور مزدوری بالکل حرام ہے کیونکہ اس میں اسے کچھ رنج و تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑا۔ بلکہ آڑھتیے اور دلال کو مزدوری اسوقت حلال ہوتی ہے کہ وہ اس قدر باتیں کریں اور چلائے کہ اسے اس میں کچھ محنت کرنی پڑے لیکن پھر بھی اجرت مناسب سے زیادہ نہ ہوگی اور یہ طریقہ جو مقرر کر لیتے ہیں کہ مثلاً پانچ روپے سینکڑہ لیا جائے تو یہ مال کی حیثیت کے مطابق لیتے ہیں۔ نہ کہ محنت و مشقت کے مطابق تو یہ طریق حرام ہے پس دلالوں اور آڑھتیوں کا مال جو وہ اس طریق سے کماتے ہیں حرام ہے اور دلال اور آڑھتی اس مظلمہ سے دو طریق پر رہائی پا سکتے ہیں ایک یہ کہ جو کچھ اسے دیا جائے لے لے اور تکرار نہ کرے مگر بقدر اپنی محنت کے طلب کرے۔ مال کی مقدار قیمت کے حساب سے نہ مانگے دوم یہ ہے کہ پہلے مقرر کرے کہ میں اس کے فروخت کرنیکے عوض میں ایک درم یا دینار لونگا اور مالک اس پر راضی ہو جائے اور آڑھتی یا دلال یہ نہ کہے۔ کہ قیمت میں سے پانچ روپے سینکڑہ کے حساب سے لونگا کیونکہ مال کی قیمت ابھی تک مجہول ہے۔ نہ معلوم خریدار کتنے کو خرید کرے اگر کہیگا تو باطل ہے بقدر محنت کے اجرت دینے کے سوا اور کچھ لازم نہیں۔ شرط دوم۔ یہ ہے کہ اجارہ منفعت پر ہو عین اس میں داخل نہ ہو اگر کوئی شخص باغ یا انگور کا درخت اجارہ پر لے تاکہ میوہ حاصل کرے یا گائے اجارہ پر لے تاکہ اس سے دودھ حاصل کرے یا گائے کسیکو اس شرط پر دے کہ اس کو گھاس چارہ ڈالے اور آدھا دودھ لے لے۔ اس قسم کے تمام اجارے باطل ہیں۔ کیونکہ گھاس و چارہ اور دودھ کی مقدار معلوم نہیں دونوں مجہول ہیں اگر کسی عورت کو اجارہ پر لے تاکہ وہ بچہ کو دودھ پلائے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس سے بچہ کی حفاظت مقصود ہے اور دودھ درزی کے دھاگے اور کاتب کی سیاہی کیطرح تابع ہوتا ہے اور اس قدر عمل مجہول معلوم کی تبعیت میں درست ہے۔ شرط سوم۔ ایسے عمل کا اجارہ کرے کہ اسکی حوالگی ممکن اور مباح ہو۔ اگر کسی ضعیف کو اجرت پر ایسے کام کیلئے مقرر کرے کہ جو اس سے نہ ہو سکے۔ تو یہ باطل ہے۔ اگر کسی حائضہ عورت کو مسجد صاف کرنیکے لئے اجرت پر مقرر کرے تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ یہ فعل حرام ہے اگر کسی کو اس امر کیلئے اجرت پر مقرر کیا جائے کہ وہ درست دانت کو اکھیڑ دے یا درست ہاتھ کو کاٹ ڈالے یا بچہ کے کان میں بالی ڈالنے کیلئے سوراخ کرے تو یہ سب باطل ہے۔ کیونکہ یہ تمام ازروئے شریعت حرام ہے اور انکی اجرت لینا بھی حرام میں داخل ہے۔ اور اسی طرح ان لوگونکی مزدوری بھی حرام میں داخل ہے جو سوئی سے لوگوں کے بدن میں نقش بناتے ہیں اور اس میں رنگ بھرتے ہیں یا سیاہی لگاتے ہیں۔ اور اُن کلاہ دوزوں کی اجرت بھی حرام ہے جو مردوں کیلئے ریشم کے کلاہ تیار کر لیتے ہیں اور ان درزیوں کی اجرت بھی حرام میں داخل ہے جو مردوں کیلئے قبائے ابریشمی سیتے ہیں اور انکا اجارہ بھی باطل ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو اجرت پر مقرر کرے کہ وہ اسکو رسن بازی یعنی بازیگری کا کام سکھا دے تو یہ بھی حرام

ہے اور اس کا دیکھنا بھی حرام ہے اور جو شخص ایسا کریگا وہ اپنی جان کے خطرہ میں ہے اور جو تماشا دیکھنے کو کھڑا ہوگا وہ اسکے خون میں شریک ہوگا۔ اسلئے کہ اگر لوگ اسکے تماشہ کو نہ دیکھیں تو وہ اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالے اور جو شخص رسن باز یعنی بازیگر یا کسی ایسے آدمی کو جو اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر تماشا کرتا ہے کچھ دیگا وہ گنہگار ہوگا اور اسیطرح مسخرے۔ مطرب اور نوحہ گر کو اور ہجو کرنیوالے شاعر کو بھی اجرت دینا حرام ہے اور قاضی کو حکم کے لئے اجرت دینا اور گواہ کو شہادت کیلئے اجرت دینا بھی حرام میں داخل ہے۔ اگر قاضی سجل دستمسک، تحریر کرے اور اپنے اس کام کی اجرت لے تو روا ہے کیونکہ اس کا تحریر کرنا اسپر واجب نہیں ہے بشرطیکہ اور لوگوں کو بھی سجل لکھنے سے نہ روکے اور اگر دوسروں کو لکھنے سے منع کرے اور اکیلا خود ہی تحریر کرے اور اس سجل کی اجرت جو ایک ساعت میں لکھا جاسکتا ہے دس دینار مانگے یا ایک دینار طلب کرے تو یہ حرام ہوگا۔ لیکن اگر دوسروں کو منع نہ کرے اور یہ شرط کرے کہ اگر میں اپنے خط سے لکھوں کو دس دینار اجرت لونگا تو یہ جائز ہے۔ اور سجل کوئی اور شخص لکھے اور وہ صرف دستخط کرے اور اسکے بدلہ میں کچھ طلب کرے اور کہے کہ یہ دستخط کرنے مجھ پر واجب نہیں تو یہ حرام ہوگا۔ کیونکہ اسقدر کام جس سے لوگوں کے حقوق مضبوط ہوجائیں قاضی پر واجب ہے اگر واجب نہ بھی ہو تو ایسا کرنے کی محنت ایک دانہ گندم کیطرح ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اسکی قدر و قیمت محض اسلئے نہیں کہ خط حاکم ہے اور جو شخص جاہ و مرتبہ کیوجہ سے حاکم ہو اسکو اجرت لینا نہیں چاہیئے لیکن قاضی کے وکیل کی اجرت حلال ہے مگر اس شرط پر کہ کسی ایسے شخص کی وکالت نہ کرے جسے جانتا ہو کہ یہ حقداروں کے حقوق کو تلف کرتا ہے بلکہ محقق ہونا چاہیئے۔ اور جو یہ جانے کہ یہ حق پر ہے اور یا اس امر سے ناواقف ہو کہ یہ امر باطل ہے اور بشرطیکہ جھوٹ نہ بولے اور فریب نہ کرے اور حق کے چھپانے کی کوشش نہ کرے بلکہ ردِّ باطل کی کوشش کرے اور جب حق بات ظاہر ہو تو چپ ہورہے اور ایسی چیز سے انکار کرنا درست ہے جس کے اقرار سے حق باطل ہو اور ایسے شخص کو جو دو شخصوں کے درمیان ثالث ہے کسی طرف سے کچھ لینا درست نہیں کیونکہ وہ ایک جھگڑے میں دونوں کا کام نہیں کرسکتا اور اگر ایک جانب کیلئے کچھ کوشش اور کچھ محنت اٹھائے جس کی قیمت لینا مناسب ہو تو اس کی اجرت حلال ہوگی لیکن اس شرط پر کہ جھوٹ جو حرام ہے نہ کہے اور فریب نہ کرے اور جو امر حق ہو دونوں فریق پر پوشیدہ نہ رکھے اور کسی کو جھوٹ موٹ سے نہ دھمکائے کہ وہ اسکی وجہ سے صلح کی رغبت کریں اور اگر وہ حقیقت حال سے واقف ہوتے تو کبھی صلح نہ کرتے غالبًا ایسی ثالثی سے صلح نہ ہوگی بس اگر ثالث ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جو عام طور پر جھوٹ فریب اور ظلم سے خالی نہیں ہوتے اور اسکی اجرت حرام ہے جب ثالث کو یہ معلوم ہوجائے کہ ایکطرف حق ہے تو یہ جائز نہیں کہ صاحب حق کو حیلہ حوالہ کیساتھ اس امر پر آمادہ کرے کہ اپنے حق سے کم پر صلح کرے اگر ثالث یہ جانے کہ یہ ظلم کریگا تو حیلہ سے اسے دھمکائے تاکہ وہ ظلم کے ارادہ سے باز آجائے اور ایسا کرنیکی ثالث کو اجازت ہے اور جو شخص دیانتدار ہو اور یہ جانے کہ جو حرف زبان پر لائیگا اس سے اسکا حساب ہوگا۔ کہ اس نے کیوں کہا اور کس لئے کہا۔ جھوٹ کہا یا سچ کہا یا اسمیں اسکا ارادہ درست تھا یا باطل ناممکن ہے کہ ایسا شخص کسی قسم کا فیصلہ یا وکالت کرسکے۔

لیکن وہ آدمی جو امیروں کے کسی کام میں کوشش کرتا ہے اور محنت اٹھاتا ہے اسپر اجرت لینا درست ہے بشرطیکہ کوئی ایسا کام
کرے جو مشکل ہو اور فخر و عزت کے بدلے میں اجرت نہ لے اور اسی کام کے متعلق وہ بات کہے جو درست اور جائز ہو اگر ظالم
کی فتحمندی یا حرام یومیہ کیلیئے کہے گا یا سچی شہادت کو چھپائیگا یا کسی حرام کام کیلیئے گفتگو کریگا تو گنہگار ہوگا۔
اور اسکی اجرت بھی حرام ہوگی۔ یہ تمام احکامات متعلقہ اجارہ جاننے ضروری ہیں کیونکہ لینے اور دینے والا دونوں گنہگار
ہوتے ہیں اور اسکی تفصیل دراز ہے مگر اس بیان سے ایک ناواقف آدمی بھی حل اشکال سے واقف ہو جائیگا۔ کہ فلاں بات کو
دریافت کرنا ضروری ہے شرط چہارم یہ ہے کہ یہ کام اسپر واجب نہ ہو کیونکہ واجب امور میں نیابت درست نہیں۔
اگر غازی کو جہاد کیلیئے اجرت پہ مقرر کریگا۔ تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ غازی جب خود صف جنگ پہنچیگا تو اسپر ضرور
جہاد کرنا واجب ہوگا اور اس لئے قاضی اور گواہ کی اجرت درست نہیں کہ کسی کو اجرت دیکر اس امر پہ آمادہ کرے کہ وہ اس
کی جگہ نماز پڑھے یا روزہ رکھے کیونکہ اسمیں نیابت جائز نہیں اور حج کیلیئے اس شخص کو جائز ہے جو عاجز اور معذور ہو اور
اسکے اچھا ہونے کی امید نہ ہو اور قرآن شریف کے پڑھنے کیلیئے یا علم دین پڑھنے کیلیئے کسی کو اجرت پر مقرر کرنا درست ہے۔
اور قبر کھودنے اور غسل میت دینے اور جنازہ اٹھانے کی اجرت لینا درست ہے اگرچہ یہ فرض کفایہ ہے اور امامت کیلیئے یا نماز
تراویح کیلیئے یا اذان دینے کیلیئے اجرت لینا اختلافی مسئلہ ہے لیکن درست یہ ہے کہ اس میں اجرت لینا حرام نہیں ہے
لیکن یہ اجرت محض اس محنت کے عوض میں ہوگی کہ وقت نماز کا خیال رکھتا ہے اور مسجد میں کھڑا ہوتا ہے نماز اور اذان کے بدلہ
میں نہ ہوگی لیکن تب بھی یہ اجرت کراہت اور شبہ سے خالی نہیں شرط پنجم یہ ہے کہ عمل معلوم ہونا چاہیئے جب کوئی
جانور کرایہ پہ لے تو اسے دیکھ لینا چاہیئے اور کرایہ پہ دینے والا بھی یہ معلوم کرلے کہ کسقدر بوجھ ہے اور کب سوار ہوگا اور ہر
روز کتنا چلائے گا۔ مگر یہ کہ اس بارہ میں کوئی عادت مشہور ہو تو وہی کفایت کریگی اور اگر زمین اجارہ پر لے تو اسے یہ کہدینا
چاہیئے کہ فلاں چیز اس میں بوئیگا کیونکہ اس کا نقصان گندم سے زیادہ ہوتا ہے مگر یہ کہ عادت سے معلوم ہو اور اس طرح
تمام اجاروں کا اچھی طرح عمل ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس سے کوئی فساد پیدا نہ ہو اور جب اجارہ کی نسبت کچھ معلوم نہ ہو اور اس کے سبب
جھگڑا پیدا ہو تو وہ اجارہ باطل ہے عقد پنجم قراض ہے اور اس کے تین رکن ہیں اول سرمایہ ہے اور یہ نقد ہونا چاہیئے جیسے سونا
چاندی لیکن ورق نقرہ اور کپڑا اور سامان نہ چاہیئے اور وزن معلوم ہونا چاہیئے۔ اور اسکو عامل کے سپرد کردینا چاہیئے
اور اگر مالک یہ شرط کرے کہ میں اسے اپنے پاس رکھونگا تو درست نہیں۔ رکن دوم۔ نفع ہے چاہیئے کہ جو کچھ عامل کو ملیگا
اسے معلوم کرے مثلاً نصف یا ثلث۔ اگر یہ کہے کہ دس درم میرے ہیں یا تیرے ہیں اور باقی تقسیم کرلیں گے تو یہ باطل ہے۔
رکن سوم۔ عمل ہے اور شرط یہ ہے کہ وہ عمل تجارت ہو اور وہ خرید و فروخت ہے نہ کہ پیشہ وری اگر کوئی شخص گندم نانبائی
کو دے تاکہ وہ روٹی پکائے اور نفع کے دو حصے کرے تو یہ جائز نہیں اگر تیلی کو تخم کتان اس شرط پہ دے تو وہ بھی جائز نہ
نہیں اور اگر تجارت میں شرط کرے کہ سوائے فلاں آدمی کے اور کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرے اور سوائے فلاں آدمی کے کسی اور

سے وہ خریدے تو یہ شرط بھی باطل ہے اور جو بات معاملہ کو تنگ کرے اس کی شرط کرنا روا نہیں اور عقد قراض یہ ہے کہ مالک دوسرے شخص یعنی عامل کو کہے کہ میں نے یہ مال تجھکو تجارت کرنے کیلئے دیا۔ تاکہ اس کا فائدہ آدھا آدھا تقسیم کریں اور دوسرا یعنی عامل کہے کہ میں نے قبول کیا۔ جب عقد ہو گیا تو عامل خرید و فروخت میں اسکا وکیل ہوگا اور جب چاہے فسخ کر لے جب مالک نے فسخ کر لیا۔ اور تمام مال نفع کا اگر نقد ہو تو منافع تقسیم کریں اور اگر مال جنس ہو اور نفع نہ ہو تو اسے مالک کے حوالے کر دے عامل پر اس کا فروخت کرنا واجب نہیں اور اگر عامل فروخت کرنا چاہے تو مالک پر واجب ہے کہ منع کرے لیکن اگر جب عامل نے کوئی خریدار پایا ہو جو نفع پر مول لیتا ہو تو پھر مالک منع نہیں کر سکتا۔ اور جب مال جنس ہو اور اس میں منافع ہو تو عامل پر واجب ہے کہ اس جنس کو اسقدر نقدی کے عوض فروخت کرے جتنا سرمایہ تھا۔ زیادہ فروخت نہ کرے جب سرمایہ کے مطابق نقد ہو جائے تو باقی مال تقسیم کرلیں اور یہ عامل پر واجب نہیں کہ باقی مال کو فروخت کرے اور ایکسال گزر جانے پر مال کی قیمت کا جاننا ضروری ہے۔ تاکہ زکوٰۃ دیجائے اور عامل کے حصہ کی زکوٰۃ عامل پر ہوگی۔ اور عامل کو مالک کی اجازت بغیر سفر نہ کرنا چاہیئے۔ اگر کریگا تو مال کا تاوان اسکے ذمہ ہوگا اگر اجازت سے سفر کریگا تو مزدوری اور کرایہ دوکان شمار بر داری کے خرچ کی طرح عامل کا زاد راہ بھی مال قراض پر ہی ہوگا اور جب سفر سے واپس آئیگا تو دستر خوان اور آفتابہ وغیرہ جو مال میں سے خرید کیا تھا۔ سب عمل میں داخل ہوگا۔ عقد ششم۔ شرکت ہے جب مال مشترک ہو تو شرکت یہ ہے کہ ایک دوسرے کو تصرف کیلئے اجازت دیں اور اگر دونوں کا مال برابر ہوگا تو اسکا نفع بھی دونوں کے لئے برابر ہوگا اور اگر مال متفاوت یعنی کم و بیش ہوگا تو نفع بھی اسی لحاظ سے ہوگا۔ اور واپس پھیر لینے کی شرط درست نہیں اور اگر ایک کام میں زیادہ محنت کرنی پڑتی ہو تو اسوجہ زیادہ نفع لینے کی شرط کرنا درست ہے اور یہ قراض مع الشرکت کیطرح ہے۔ اور تین قسم کی اور شرکتوں کا بھی رواج ہے اور وہ سب باطل ہیں۔ (۱) ایک شرکت مزدوروں اور کاریگروں کی ہے۔ کہ جو کچھ وہ کمائیں وہ مشترک ہوگا اور یہ شرط باطل ہے کیونکہ ہر کسی کی مزدوری اسکی ملکیت ہوتی ہے (۲) دوسری شرکت معاوضہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس رکھ لیں اور کہیں۔ کہ جو سود و زیاں ہوگا وہ مشترک ہوگا۔ یہ شرط باطل ہے (۳) تیسری شرکت اسطرح پر ہے۔ کہ ایک آدمی مالدار ہو اور ایک صاحب عزت ہو۔ اور صاحب مال صاحب عزت کے کہے پر فروخت کرے تاکہ نفع مشترک ہو یہ شرط بھی باطل ہے۔ اور اسقدر علم معاملات کی نسبت جاننا واجب ہے کیونکہ اس کی حاجت عوام کو ہے۔ اور اس کے علاوہ شاذ نادر ہی کوئی بات ہوتی ہے۔ جب اسقدر معلوم ہو جائیگا۔ کہ جو کچھ درپیش ہوگا اسے دریافت کر سکیگا۔ اور جب اسکو نہ جانے گا تو حرام میں مبتلا ہوگا۔ اور نہ جانے گا۔ کہ وہ حرام میں مبتلا ہے۔ اور پھر اسکا عذرِ لاعلمی قابلِ پذیرائی نہ ہوگا۔

بابِ سوم معاملات میں عدل و انصاف کا لحاظ رکھنا !

جاننا چاہیئے کہ جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے ۔ وہ سب ظاہر شرع کے لحاظ سے معاملہ کی درستی کے شرائط تھے اور بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ ہم ظاہری شریعت کے لحاظ سے فتویٰ دیدیتے ہیں کہ درست ہے لیکن وہ معاملہ کرنیوالا خدا تعالیٰ کی لعنت میں مبتلا ہوگا ۔ اور وہ معاملات وہ ہیں جس میں مسلمانوں کو رنج و نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور یہ دو قسم ہیں ایک عام اور ایک خاص اور جو عام ہیں انکی دو اقسام ہیں ۔ اول احتکار ہے اور محتکر ملعون ہے اور محتکر وہ ہے جو اس خیال سے اناج خرید کرے کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کرونگا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اس نیت سے غلہ رکھے کہ گراں ہونے پر فروخت کرے اگر وہ تمام اناج صدقہ میں دیدے تو تب بھی اس کا کفارہ نہ ہوگا اور جو شخص چالیس دن اناج کو رکھے اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے ۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے بیزار ہے ۔ اور فرمایا جو شخص اناج خرید کرے اور کسی شہر میں لیجا کر وقت کی موجودہ قیمت پر فروخت کرے تو وہ ایسا ہے جیسے صدقہ دینا اور ایک روایت میں ہے جیسے ایک غلام کو آزاد کرنا ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ۴۰ دن اناج رکھے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے آپکو ایک شخص نے ایک محتکر کے اناج کی بابت خبر دی تو آپ نے فرمایا ۔ کہ اسے آگ لگا دو ۔

بزرگانِ سلف میں سے ایک نے اپنے وکیل کے ہمراہ کچھ غلہ بصرہ میں فروخت کرنیکے لئے بھیجا جب وہ وہاں پہنچا تو غلہ بہت ارزاں تھا ۔ اس نے ایک ہفتہ صبر کیا تو دگنی قیمت پہ فروخت ہوا اور اس بزرگ کی طرف لکھا ۔ کہ میں نے ایسا کیا ہے ۔ انھوں نے جواب دیا ۔ کہ میں نے تھوڑے نفع پر جس میں دین کی سلامتی تھی قناعت کرنی چاہی تھی یہ تمہیں چاہیئے تھا کہ تو بہت نفع کے عوض میں دین کو دیدیتا یہ جو تو نے کیا ہے اسکا بہت گناہ ہے ۔ اب تجھے تمام مال کو اسکے کفارہ میں خیرات کر دینا چاہیئے ۔ اور شاید کہ اب بھی ہم تم شومی سے نہ چھوٹیں ۔ جاننا چاہیئے ۔ کہ اس فعل کے حرام ہونیکا سبب ضرر خلق ہے ۔ کیونکہ خوراک میں آدمی کا قیام ہے ۔ جب لوگ اسکو فروخت نہ کریں تو ہر ایک کیلئے اسکا خرید کرنا مباح ہے اور جب ایک شخص خرید کرے اور اسکو بند رکھے تو دوسرے تمام لوگوں کو دستیاب نہ ہوگا اور یہ فعل اس امر کے مترادف ہوگا جیسے کوئی شخص مباح پانی کو روک دے تاکہ لوگ پیاسے ہوں اور زیادہ قیمت کو خریدیں اور اس نیت سے طعام کا خرید کرنا گناہ ہے لیکن دہقان جس کے پاس اناج ہو وہ خاص اسکا ہے جب چاہے فروخت کرے اسکے لئے یہ واجب نہیں ۔ کہ جلدی فروخت کرے لیکن اگر وہ بھی تاخیر نہ کرے تو بہتر ہے اگر اس کے باطن میں یہ رغبت ہو کہ اناج گراں ہو جائے تو اس کی یہ رغبت مذموم ہے ۔ اور دوسری چیزیں جو دواؤں وغیرہ کی جنس سے یا کوئی اور قسم کی ہوں جنکی عام لوگوں کو حاجت نہیں اور نہ ہی وہ طعام میں داخل ہیں ۔ انکی احتکار کرنا منع نہیں لیکن اناج میں احتکار کرنا حرام ہے اور جو اشیاء اناج کے نزدیک ہوں جیسے گوشت اور روغن وغیرہ اس میں علماء کا اختلاف ہے لیکن

درست یہ ہے کہ کراہیت سے خالی نہیں۔ لیکن اناج کے درجہ پر بھی نہیں۔ اور اناج کا جمع رکھنا بھی اس صورت حرام ہے جب اناج کی تنگی ہو لیکن جسوقت ہر شخص آسانی سے حاصل کر سکے اسوقت جمع کرنا حرام نہیں۔ کیونکہ اسوقت کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن علماء کے ایک گروہ نے اس وقت بھی جمع کرنیکو حرام کہا ہے۔ لیکن درست یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں بھی گرانی کا انتظار پایا جاتا ہے اور لوگوں کی تکلیف کا منتظر رہنا مذموم ہے اور سلف نے دو قسم کی تجارت کو مکروہ سمجھا ہے۔ ایک طعام فروخت کرنے میں لوگوں کی تکلیف کا منتظر رہنا۔ دوم کفن فروخت کرنے میں لوگوں کی موت کا خواہاں ہونا۔ اور دو اور قسم کے پیشوں کو بھی مذموم سمجھا ہے ایک قصابی کو اس میں دل میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری زرگری کہ اس سے دنیا کی آرائش ہوتی ہے نوع دوم وہ ہے جس سے عام لوگوں کو رنج ہوتا ہے وہ معاملہ میں کھوٹے روپیہ کا دینا ہے لینے والے نے اگر اس کو نہ پہچانا تو دینے والے نے اس پر ظلم کیا۔ اور اگر وہ جان جائے تو ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے کے ساتھ فریب کرے۔ اور وہ دوسرا پھر کسی اور دوسرے کیساتھ اور اسی طرح ایک عرصہ دراز تک اس دغابازی کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا۔ اور جس نے پہلے اس کی ابتدا کی ہے تمام مظلمہ اس کے ذمے ہوگا۔ ایک بزرگ نے اسی لئے کہا ہے کہ ایک کھوٹا درہم کسی کو دینا سو درہم چوری کرنے سے بدتر ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ چوری کا گناہ اسی وقت ہے۔ اور درہم کھوٹا دینے کا گناہ ممکن ہے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہے اور وہ شخص بدبخت ہے کہ خود مرجائے لیکن اس کا گناہ نہ مرے اور ممکن ہے کہ سو سال تک رہے اور ایسے شخص کو قبر میں عذاب دیا جائے گا۔ کہ جس نے اس گناہ کی ابتدا کی تھی کھوٹے سونے چاندی میں چار چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اول یہ کہ جب کھوٹا روپیہ پیسہ اشرفی ہاتھ لگے تو اسے کنوئیں میں پھینکدے کسی اور کو نہ دے اور کسی کو بتا کر بھی نہ دے کہ یہ کھوٹا ہے۔ ممکن ہے وہ کسی اور کے ساتھ فریب کرے۔ دوم یہ کہ بازاری پر واجب ہے کہ پرکھنے کے علم کو سیکھے تاکہ کھوٹے کو پہچان لے اس خیال سے نہیں کہ وہ خود نہ لے بلکہ اس خیال سے کہ کسی دوسرے کو دھوکے سے نہ دے اور مسلمان کے حقوق کو نقصان نہ پہنچائے اور جو شخص اس علم کو نہ سیکھے اور دھوکے سے وہ کھوٹا روپیہ پیسہ اس کے ہاتھ سے چل جائے تو تب بھی وہ گنہگار رہوگا۔ کیونکہ طلب علم میں اس معاملہ کی نسبت جس میں آدمی مبتلا ہو واجب ہے۔ سوم یہ کہ اگر کھوٹا درہم اس نیت سے لے کہ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رَحِمَ اللّٰہُ اِمْرَأً اَسْھَلَ الْقَضَاءِ وَسَھْلَ الْاِقْتِضَاءِ تو امر مستحسن ہے۔ لیکن کنوئیں میں ڈالنے کی نیت سے لے اور اگر خرچ کر ڈالنے کا اندیشہ ہو تو اگرچہ کھوٹا ہونا صاف بتلا بھی دے تب بھی نہ لینا چاہیئے چہارم کھوٹا سکہ وہ ہوتا ہے جس میں مطلقاً سونا چاندی نہ ہو لیکن وہ سکہ جس میں سونا چاندی تو ہو لیکن خالص نہ ہو تو اسے کنوئیں میں پھینکنا درست نہیں اگر اسے خرچ کرے تو دو چیزیں واجب ہیں ایک یہ کہ کہدے اور پوشیدہ نہ رکھے۔ دوم یہ کہ کسی ایسے آدمی کو دے جس پر اعتماد ہو کہ یہ کسی سے دھوکا نہ کرے گا۔ اور اگر جانے کہ وہ خرچ کر دے گا۔ تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے انگور کسی ایسے آدمی کے پاس فروخت کرے جسے جانتا ہے

سلہ خدا تعالےٰ اس پر رحم کرے جو لینے دینے میں آسانی سے برتاؤ کرتا ہے

کو شراب بنالے گا۔ یا کسی ایسے شخص کے پاس ہتھیار فروخت کرنے کی مثل ہے جسے جانتا ہو کہ وہ راہزنی کرے گا۔ اور یہ حرام ہے۔ معاملہ میں امانتداری کے مشکل ہونیکے باعث سلف نے کہا ہے کہ دیانتدار تاجر مرد عابد سے بہتر ہے قسم دوم ظلم خاص سے اور یہ اس پر ہوتا ہے جس کے ساتھ معاملہ کیا جائے اور ہر وہ معاملہ جس سے دوسرے کو ضرر پہنچے ظلم ہے۔ اور حرام ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو امر خود اپنی ذات کے لئے ناپسند ہو اسے کسی دوسرے مسلمان کیلئے بھی پسند نہ کرے اور جو شخص کسی کام کو اپنے لئے پسند نہ کرے اور اگر وہ اس کو کسی دوسرے مسلمان کے لئے پسند کرے ایسے شخص کا ایمان ناقص ہوتا ہے لیکن اس کی تفصیل چار چیزوں سے معلوم ہو سکتی ہے اول یہ کہ کسی شے کی اس کی اصل حیثیت سے زیادہ تعریف نہ کرے کیونکہ یہ فریب ظلم اور جھوٹ ہے۔ اور اگر خریدار بے کہے جانتا ہو تو اصل تعریف بھی نہ کرے کیونکہ یہ فعل بے فائدہ ہے اور بیہودہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ یعنی آدمی جو بات بھی کہے گا۔ اس کی نسبت اس سے پوچھا جائے گا کہ کیوں اس نے ایسا کہا اور جب اس نے بیہودہ کہا ہوگا تو اسکا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ اور جھوٹی قسم کھانا بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہے اور اگر سچی قسم بھی ہو تو تب بھی ایک خسیس شے کیلئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا بے ادبی ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ سوداگروں پر افسوس ہے، لَا وَاللّٰهِ، بَلٰی وَاللّٰهِ باعث اور پیشہ وروں پر بھی افسوس ہے کل اور پرسوں کہنے کے باعث۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فروخت کریگا قیامت کے دن حق تعالیٰ اسکی طرف نظر نہ کریگا حکایت کہتے ہیں کہ حضرت یونس بن عبید ریشم کا بیوپار کرتے تھے اور اس کی تعریف نہ فرماتے تھے ایکدن کا ذکر ہے کہ ریشم نکال رہے تھے۔ آپکے ایک شاگرد نے خریدار کے سامنے کہا۔ اے خدا مجھے تو بہشت کے کپڑے عنایت فرما۔ حضرت یونس بن عبید نے ریشم نکالنا چھوڑ دیا اور جسمیں سے نکال رہے تھے اسے علیحدہ پھینک دیا اور ریشم فروخت نہ کیا اور ڈرے کہ یہ کہنا مال کی تعریف کرنا تھا۔ دوم یہ ہے مال میں جو عیب ہو۔ وہ خریدار سے نہ چھپائے اور سب کچھ سچائی کے ساتھ اسے بتا دے۔ اگر پوشیدہ رکھیگا تو دغابازی کریگا اور نصیحت سے دستبردار ہوگا اور ظالم اور عاصی ہوگا علاوہ اگر کپڑے کی اچھی سی قسم خریدار کو دکھائیگا یا اندھیرے میں دکھلائے تاکہ اسکا عیب پوشیدہ رہے یا جوتی کا عمدہ پاؤں دکھلائیگا تو پھر بھی دغابازوں میں ہوگا ایکدفعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک گندم فروش کی دکان کے پاس گزرے آپ نے گندم کے انبار کے اندر ہاتھ ڈالا تو وہ اندر سے تر تھا۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے۔ اس نے عرض کیا حضور بھیگے ہوئے گیہوں ہیں۔ آپ نے فرمایا تو تو نے ان کو باہر کیوں نہ نکالا مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا یعنی جو دغابازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے ایک شخص نے ایک اونٹ تین سو درہم کو فروخت کیا اسکے یعنی اونٹ کے پاؤں میں کچھ نقص تھا۔ واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو صحابہ کبار میں سے تھے۔ پاس ہی کھڑے تھے پہلے تو آپکو معلوم

نہ ہوا جب آپکو اونٹ کا یہ نقص معلوم ہوا تو آپ خریدار کے پیچھے دوڑے۔ اور اسے اونٹ کے عیب سے آگاہ کیا اور واپس آگیا اور اپنے تین سو درم فروخت کرنیوالے سے لے لئے۔ بائع نے کہا تم نے میرے اس معاملہ کو کیوں خراب کیا۔ انہوں نے جواب دیا اسلئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ کسی شخص کیلئے یہ امر حلال نہیں ہے کہ وہ کوئی شے فروخت کرے اور اس کا عیب بیان نہ کرے۔ یعنی اسکے نقص کو پوشیدہ رکھے۔ اور دوسرے شخص کیلئے یہ بھی حلال نہیں ہے۔ کہ وہ جانتا ہو اور خاموش رہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس امر کی بیعت لی ہے کہ ہم مسلمانوں کو نصیحت کریں اور ان پر شفقت کریں۔ اور نصیحت کو ان سے پوشیدہ نہ رکھیں۔ اور جاننا چاہئے کہ اس قسم سے معاملہ کرنا دشوار ہے اور مجاہدات بزرگ میں سے ہے لیکن دو چیزوں سے آسانی ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ باعیب مال نہ خریدیں اور اگر خرید کریں تو اس کے عیوب ظاہر کرنیکا دل میں ارادہ رکھیں۔ اور اگر کسی نے اس سے فریب کیا ہے تو یہ سمجھ لے کہ میرا نقصان ہو گیا ہے لیکن اوروں کو نقصان پہنچانیکا ارادہ نہ کرے جبکہ وہ خود مکار اور دغاباز پر لعنت بھیجتا ہے تو خود دوسروں کیلئے لعنت کا موجب نہ بنے۔ دراصل تو یہ ہے کہ اس امر پر یقین رکھے کہ دغابازی سے روزی میں ترقی نہیں ہوتی۔ بلکہ مال سے برکت جاتی رہتی ہے اور اسکا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اور جو کچھ چالاکی سے حاصل کرتا ہے۔ کوئی واقعہ ایسا درپیش آجاتا ہے وہ سب ضائع ہو جاتا ہے اور مظلمہ باقی رہجاتا ہے۔ اور اسکا انجام اس مرد کا سا ہے جو دودھ میں پانی ملایا کرتا تھا۔ ایک روز سیلاب آیا اور گائے کو بہا لے گیا۔ اس آدمی کے بیٹے نے کہا کہ یہ وہ پانی تھا جو ہم دودھ میں ملایا کرتے تھے وہ ایکبار جمع ہو کر آگیا اور گائے کو بہا کر لیگیا۔ جناب سرور عالم فرماتے ہیں کہ جب معاملہ میں خیانت کا دخل ہوتا ہے برکت جاتی رہتی ہے۔ برکت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ کسی کے پاس مال تو قلیل ہو لیکن اس سے بہرہ مندی کثیر ہو اور بہت لوگوں کو اس سے آرام پہنچے۔ اور بہت سی خیر اس سے ظاہر ہو اور کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ اسکے پاس مال کثیر ہوتا ہے اور وہ مال ہی اس کی دینی و دنیوی تباہی کا باعث بنجاتا ہے۔ اور کوئی بھی اس سے بہرہ مند نہیں ہوتا پس برکت طلب کرنی چاہیئے اور زیادتی کا خواہاں نہ ہونا چاہئے اور برکت ایمانداری میں ہوتی ہے بلکہ زیادتی بھی ایمانداری میں مضمر ہے جو شخص امانتدار مشہور ہوتا ہے تمام لوگ معاملہ کیلئے اس کیطرف رغبت کرتے ہیں۔ اور اسکو فائدہ بہت ہوتا ہے۔ اور جو شخص خیانت میں مشہور ہوتا ہے۔ تمام لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ اس کی عمر سو سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور اور آخرت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ وہ کسطرح اس امر کو روا رکھے گا کہ عمر ابدی کو نقصان پہنچائے محض چند روزہ سونے چاندی کیلئے۔ آدمی کو ہمیشہ اس امر کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ چالاکی اور خیانت اس کے دل میں جگہ حاصل نہ کرے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غصہ سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی پناہ میں ہیں اور جس وقت بعض لوگ دنیا کو دین مقدم رکھتے ہیں اور پھر جب یہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اسوقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ اور ایسا کہنے میں سچے نہیں ہو۔ اور جسطرح کہ تمام بیع میں دغابازی کرنا حرام ہے۔ اسی طرح تمام پیشوں میں دغابازی کرنا حرام ہے اور کھوٹا کام بھی کرنا حرام ہے اور اگر کرے تو پوشیدہ رکھے کسی نے حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے

رفو کرنے کے متعلق پوچھا آپنے فرمایا کہ صرف اسی شخص کیلیے درست ہے جو اپنے پہننے کیلیۓ کرے فروخت کرنیکے لیے درست نہیں۔ اور جو شخص دھوکا دینے کے لیۓ رفو کرتا ہے وہ گنہگار ہے اور اسکی مزدوری حرام ہے سوم مقدار اور تول میں مکاری نہ کرے اور نہایت درست وزن کرے حق تعالی فرماتا ہے وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ یعنے افسوس ہے ان لوگوں کے لیے جو دیتے وقت کم تولتے ہیں اور جب لیتے ہیں تو زیادہ لیتے ہیں۔ اسلاف کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی شے لیتے تو نصف حبہ کم لیتے۔ اور جب کوئی شے دیتے تو نصف حبہ زیادہ دیتے۔ اور کہتے کہ یہ نصف حبہ ہمارے اور دوزخ کے درمیان حجاب ہے اور اس بات سے خوف کھاتے کہ صحیح نہ تول سکینگے۔ اور فرماتے کہ بیوقوف وہ ہے کہ جو بہشت کو جس کی چوڑائی سات آسمان و زمین جتنی ہے نصف حبہ کے بدلہ میں فروخت کرے۔ اور بیوقوف وہ شخص ہے جو نصف حبہ کے بدلے بھلائی کو برائی سے بدل ڈالے اور جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز خرید فرماتے تو فرماتے کہ قیمت کے مطابق تول اور ذرا جھکتا تول۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا وہ کسی کو دینے کیلیۓ دینار تولتا ہے اور ان کے نقش کے اندر جو میل ہے اسے صاف کرتا ہے آپنے فرمایا اے بیٹا تیرا فعل دو حج اور دو عمروں سے زیادہ افضل ہے اور سلف نے کہا ہے کہ وہ شخص جسکے دو ترازو ہیں یعنے ایک سے لیتا اور ایک سے دیتا ہے وہ تمام فاسقوں سے زیادہ بدتر ہے اور جو بزاز کپڑا خریدتے وقت ذرا ڈھیلا ناپتا ہے اور دیتے وقت کس کر ناپتا ہے۔ وہ بھی اسی قسم کے لوگوں میں سے ہے اور وہ قصاب بھی انہی کے زمرہ میں شامل ہے جو اس ہڈی کو گوشت کیساتھ تولتا ہے جسکا رواج نہیں۔ اور جو شخص غلہ بیچے اور معمول سے زیادہ اس میں مٹی ہو تو وہ بھی اسی گروہ میں شامل ہے۔ یہ تمام باتیں حرام ہیں۔ اور لوگوں کے ساتھ انصاف واجب ہے۔ اور اگر کوئی کسی کو ایسی بات کہے جس کے سننے کیلیۓ وہ خود تیار نہ ہو تو اس نے بھی لینے دینے میں فرق کیا۔ اور اس بات سے اسطرح چھوٹ سکتا ہے کہ اپنے آپکو کسی حیثیت سے بھی اپنے دوسرے مسلمان بھائی پر فوقیت نہ دے اور یہ نہایت مشکل بات ہے اس لیۓ خدا تعالے نے فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا یعنی کوئی شخص ایسا نہیں جسکا دوزخ پر سے گزر نہ ہوگا۔ لیکن وہ شخص جو تقوی سے نزدیک تر ہے جلد رہائی پائیگا۔ چہارم۔ مال کے نرخ میں مکاری و فریب نہ کرے اور نرخ کو نہ چھپائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر سے منع کیا ہے کہ لوگ قافلہ کے شہر میں پہنچنے سے پہلے اس کے پاس جائیں اور شہر کا نرخ ان سے اس لیۓ پوشیدہ رکھیں کہ ان سے سستا مال خرید کریں اور جب لوگ ایسا کریں تو صاحب مال کا اختیار ہے کہ بیع فسخ کر دے اور اس امر سے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی مسافر شہر میں اپنا مال لائے اور وہ سستا ہو اور کوئی شخص اسے یہ کہے کہ میرے پاس چھوڑ جا تاکہ میں اسکے نرخ سے گراں فروخت کروں۔ ایسا کرنا بھی ناجائز ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ظاہری طریق پر اس لیۓ کسی مال گراں قیمت پر خرید کرے کہ دوسرے لوگ اسے سچا جان کر زیادہ قیمت دیکر خرید کریں۔ اور جس کسی نے صاحب مال سے ایسی

بات بنائی ہو اور اسکے بعد یہ بھید کھل جائے تو خریدار کو بیع فسخ کرنیکا اختیار ہے - اور بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ اپنا مال بازار میں رکھتے ہیں ۔ اور چند آدمی جو در حقیقت خریدار نہیں ہوتے اس مال کا مول بڑھا دیتے ہیں یہ امر شریعت میں حرام ہے اور اسی طرح کوئی بھولا آدمی اپنا مال سستا فروخت کرے اور اپنے مال کا بھاؤ بھی نہ جانتا ہو ۔ اس سے مال خرید کرتا ناجائز ہے اور کوئی سلیم دل شخص مال مول لیتا ہے وہ مال کے نرخ سے گراں خرید کرتا ہے ۔ تو اس کے ہاتھ گراں قیمت پر مال کو فروخت کرنا درست نہیں ۔ اگرچہ علما ظاہر یہ فتویٰ دیدینگے ۔ کہ بیع درست ہے چونکہ حقیقت حال اس سے پوشیدہ ہے - اس لئے فروخت کرنیوالا گنہگار ہوگا ۔ ایک سوداگر بصرہ میں تھا ۔ اسکے غلام نے شہریوں سے اسکی جانب لکھا کہ اس سال شکر گراں ہوگی ۔ قبل اس کے کہ لوگ اس امر سے واقف ہوں بہت شکر خرید کر لیجیے ۔ اس سوداگر نے بہت سی شکر خرید کر لی اور گرانی کے وقت فروخت کر دی تیس ہزار درہم نفع ہوا ۔ پھر اس نے خیال کیا کہ میں نے ایک مسلمان سے دھوکا کیا ۔ اور شکر گراں ہونیکو اس سے پوشیدہ رکھا ۔ اور یہ کسطرح جائز ہو سکتا ہے ۔ اسوقت تیس ہزار درہم لئے اور شکر جس سے خریدی تھی اس کے پاس گیا اور کہا کہ یہ تمہارا مال ہے ۔ اس نے کہا کیوں اور کسطرح ؟ اس نے تمام قصہ بیان کیا اس نے کہا میں نے اب تجھے بحل کیا جب گھر تورات کے وقت خیال کیا ۔ شاید اس نے مجھے شرم کی وجہ سے بحل کر دیا ہو ۔ اور میں تو نے اس کے ساتھ عذر کیا ۔ دوسرے دن پھر اس کے پاس وہ تیس ہزار درہم لیگیا اور اس سے نہایت اصرار کیا ۔ آخر اس نے مجبور ہو کر لے لئے ۔ پس جاننا چاہیئے کہ جو شخص مال کی قیمت درست بتائے اور سچ بتائے اور مکاری بالکل نہ کرے اور اگر مال میں کسی قسم کا نقص ہو گیا تو بھی خریدار کو بتا دے ۔ اور اگر اس نے گراں خرید کیا ہوا ہے ۔ اور اس میں سہل انگاری برتی ہے ۔ کیونکہ فروخت کرنیوالا اسکا عزیز تھا ۔ تو یہ امر بھی کہدے ۔ اگر کسی چیز کی قیمت دس دینا بتلا کر مال کے عوض دے اور وہ اس قیمت پر نہیں بکتی تو خرید کر کے اس کی قیمت دس دینار نہیں کہنی چاہیے ۔ اگر کوئی پہلا مال سستا مول لیا ہو اور اب بازار کا بھاؤ بڑھ گیا ہو تو پہلے قیمت کو ظاہر کر دینا چاہیئے ۔ اس کی تفصیل طویل ہے ۔ بازاری لوگ عموماً اس بارہ خائن ہیں ۔ اور اپنے اس فعل کو خیانت تصور نہیں کرتے اور اصل یہ ہے کہ جو بات آدمی اپنے لئے پسند نہ کرے اسے دوسرے کیلئے بھی پسند نہ کرنا چاہیئے ۔ اس امر کو اپنا معیار بنا لینا چاہیئے کہ جو شخص اصل قیمت سمجھ کر خریدتا ہے تو وہ یہ سمجھ کر خریدتا ہے کہ میں نے خوب اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہے ۔ اور وہ اچھی قیمت کی ہے اور اگر اسبات میں فریب ہوگا ۔ تو وہ خریدار خوش نہ ہوگا ۔ اور یہ امر دغابازی میں داخل ہوگا ۔

باب چہارم معاملہ میں احسان اور نیکی کرو

جاننا چاہیئے کہ جسطرح اللہ تعالیٰ نے عدل کیلئے فرمایا ہے ۔ اسیطرح احسان کرنیکے لئے کہا ہے اور ارشاد کیا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ یعنے تحقیق اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور یہ گذشتہ باب تمام عدل کے بارہ میں تھا تاکہ کوئی ظلم سے محفوظ

تیسرا درجہ یہ باب احسان کے بارہ میں ہے اور حقتعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ یعنے اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے جس شخص نے صرف عدل پر قناعت کی اس نے دین کا سرمایہ بچا لیا لیکن فائدہ احسان میں ہے اور اور عقلمند وہی ہے جو آخرت کے فائدہ کو کسی معاملہ میں بھی نظر انداز نہ کرے اور احسان ایک بھلائی ہے جو معاملہ کرنے والے کیلئے فائدہ مند ہے اور وہ تجھ پر واجب نہیں اور درجہ احسان چھ وجہوں سے حاصل ہوتا ہے اول یہ کہ زیادہ نفع لینا اچھا نہ سمجھے۔ اگرچہ خریدار اپنی ضرورت کی وجہ سے زیادہ دینے پر راضی بھی ہو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ دکان کیا کرتے تھے۔ اور پانچ روپیہ سینکڑہ سے زیادہ نفع نہ لیتے۔ ایکبار آپنے ساٹھ درہم کے بادام خریدے۔ اور بادام کی قیمت زیادہ ہو گئی۔ ایک دلال نے آپ سے طلب کئے آپ نے فرمایا کہ تریسٹھ دینار پر فروخت کرنا۔ دلال نے کہا آجکل تو انکی قیمت نوے درہم ہے۔ آپنے فرمایا کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ پانچ روپیہ فی سینکڑہ سے زیادہ نفع نہ لونگا۔ اب میں اپنے اس عہد کو توڑنا نہیں چاہتا۔ دلال نے کہا کہ میں بھی آپکے مال کو کم قیمت پر فروخت کرنا نہیں چاہتا۔ نہ تو اس دلال نے فروخت کئے اور نہ ہی حضرت سری سقطی زیادہ لینے پر رضامند ہوئے احسان کا درجہ ایسا ہوتا ہے۔ محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ لوگوں میں سے تھے۔ اور دکان کیا کرتے تھے۔ آپکے پاس چند تھان کپڑے کے تھے۔ بعض کی قیمت پانچ دینار تھی۔ اور بعض کی دس دینار۔ ایکدفعہ آپکے ایک شاگرد نے آپکی غیر حاضری میں ایک تھان پانچ درہم قیمت والا ایک اعرابی کے پاس دس درہم پر فروخت کیا۔ جب آپ واپس تشریف لائے اور آپ کو معلوم ہوا تو آپ تمام دن اعرابی کی تلاش کرتے رہے جب اسکو پایا تو کہا کہ وہ تھان پانچ دینار سے زیادہ کا نہیں ہے۔ اس نے کہا میں نے رضامندی سے خریدا ہے آپ نے فرمایا جو شے میں اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ دوسرے مسلمان کیلئے بھی پسند نہیں کرتا۔ یا تو بیع کو فسخ کر دیا مجھ سے پانچ دینار لے لو یا میرے ساتھ آؤ میں اس سے بہتر تھان دوں۔ اعرابی نے پانچ دینار واپس لیلئے۔ آپکے جانیکے بعد پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا محمد بن المنکدر۔ اعرابی نے کہا۔ سبحان اللہ یہ مرد وہ ہے کہ جب بارش نہ برسے اور ہم میدان میں دعا کو نکلنے لئے جائیں تو اس شخص کا نام لینے سے مینہ برس پڑے۔ اور سلف کی یہ عادت تھی کہ معاملہ بہت کرتے تھے۔ اور نفع کم لیتے تھے۔ اور اس امر کو زیادہ نفع لینے کا انتظار کرنے سے بہتر جانتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کے بازار میں پھرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے لوگو! تھوڑے منافع کو واپس نہ کرو کیونکہ زیادہ نفع سے محروم رہو گے۔ لوگوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی امیری کا باعث کیا ہے۔ آپنے فرمایا کہ میں نے کبھی تھوڑے نفع کو رد نہیں کیا اور جس شخص نے مجھ سے ایک جانور بھی طلب کیا میں نے اسے نہ رکھا اور فروخت کر دیا۔ اور ایک روز میں نے ہزار اونٹ اصل قیمت پر فروخت کر ڈالے اور ہزار رسیوں کے سوا کچھ نفع نہیں اٹھایا۔ اور ایک ایک رسی ایک ایک درم کو فروخت ہوئی اور ایک ہزار درم انکے چارہ کی قیمت میرے ذمہ سے ہٹ گئی اور دو ہزار درم مجھکو نفع ہوئے۔ دوم یہ کہ درویشوں کے ہاتھ سے اسباب کو گراں قیمت پر خریدے تاکہ وہ خوش ہوں جیسے بیوہ عورتوں کے ہاتھ سے سوت خریدنا اور بچوں سے میوہ خریدنا جو واپس بیچ آیا

ہو اس واسطے بہ تجاہل عارفانہ قصداً قیمت بڑھا دینا صدقہ دینے سے زیادہ افضل ہے۔ جو شخص اس پر عمل کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اسکو پہنچتی ہے۔ آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰہُ اِمْرَأً اَسْمَحَ الْبَیْعِ وَسَمْحَ الشِّرٰی یعنے اللہ تعالے اس شخص پر رحم کرتا ہے جو آسان کرتا ہے فروخت کو آسان کر دیتا ہے خریدار کو اور امیر سے مال زیادہ قیمت پر خریدنا تو ثواب میں داخل ہے اور نہ ہی تنگی میں مال کا ضائع کرنا ہے بلکہ اس سے بالا امر ارزاں سستا خریدنا افضل ہے جناب حسن و حسین رضی اللہ عنہما اس امر کی کوشش کرتے کہ جو کچھ خرید کرتے سستا خرید کرتے اور بہت جانچتے۔ لوگوں نے آپ سے کہا آپ کئی ہزار درہم ایک دن میں خیرات کر دیتے ہو اور اس تھوڑی سی مقدار پر کیوں تکرار کرتے ہو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جو ہم دیتے ہیں خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور اسکی راہ میں جسقدر دیں وہ کم ہے لیکن بیع میں دھوکا کھانا نقصان عقل و مال کا باعث ہے سوم قیمت لینے میں اور اسمیں تین قسم کا احسان ہوتا ہے ایک کچھ کم کرنے سے دوم ٹوٹے اور کھوٹے روپے لینے سے سوم مہلت دینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کی رحمت اس شخص پر ہوتی ہے جو لینے دینے میں آسانی کرتا ہے تو اللہ تعالے کاموں کو اس پر آسان کر دیتا ہے اور درویشوں کو مہلت دینے سے زیادہ کوئی احسان نہیں ہے اگر قیمت نہیں رکھتا تو مہلت دینا واجب ہے اور یہ احسان میں داخل نہیں بلکہ منجملہ عدل ہے لیکن اگر خریدار نادار نہ ہو لیکن اس کی یہ حالت ہو کہ جب وہ کوئی اپنی چیز نقصان کے ساتھ فروخت نہ کرنے سے نہ خرید سکے تو ایسے آدمی کو مہلت دینا احسان میں داخل ہے اور عظیم القدر صدقہ ہے حضور سرور دوجہاں نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو پیش کریں گے کہ اس نے دین کے بارہ میں اپنی جان پر ظلم کیا ہوگا۔ اور اسکے نامۂ اعمال میں ایک نیکی نہ ہوگی۔ اس سے کہا جائیگا کہ تو نے ایک نیکی نہیں کی۔ وہ کہے گا ہاں میں نے کوئی نیکی نہیں کی۔ مگر یہ کہ میں نے اپنے شاگردوں سے کہدیا تھا۔ کہ جو میرا قرضدار تنگدست اور غریب ہو اسے تنگ نہ کرو اور مہلت دیدو حق تعالیٰ کہے گا کہ آج تو تنگدست اور قرضدار ہے مجھے بھی تیرے ساتھ آسانی کرنا زیبا ہے اور اس کو بخش دے گا۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ جو شخص کسی کو قرض حسنہ دیتا ہے۔ پس اس مہلت میں جو دن بھی گزرتا ہے اسے صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور جب وہ مہلت گذر جاتی ہے اور اس کے بعد جو مہلت وہ دیتا ہے۔

اس کا اس قدر ثواب ہوتا ہے کہ گویا اس نے وہ تمام صدقہ میں دیا ہوا ہے۔ اسلاف میں ایک بزرگ تھے وہ اس امر کو پسند نہ فرماتے تھے کہ قرضدار ان کا قرض ادا کرے۔ اس لئے کہ ہر روز اسکے لئے صدقہ کا ثواب لکھا جاتا ہے حضور نے فرمایا کہ میں نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا ہر ایک درہم دس دس درہم کے برابر ہے اور قرض حسنہ کا ایک ایک درہم اٹھارہ درہم کے برابر ہے اسکا باعث یہ ہے کہ قرض وہی شخص لیتا ہے جو حاجتمند ہوتا ہے اور صدقہ تو شاید محتاج کے ہاتھ نہ لگے چہارم قرض کا ادا کرنا اور اس میں یہ احسان ہے کہ تقاضا کی حاجت نہ پڑے اور جلد ادا کر دے اور روپیہ پیسہ کھرا دے اور اپنے ہاتھ سے ادا کرے اور قرضخواہ کے گھر پر پہنچا دے اسے نہ بلائے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ تم میں بہتر وہی ہے جو قرض کو اچھی طرح ادا کرے اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ جو شخص قرض لیتا ہے اور دل میں اسکے اچھی طرح ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو حق تعالیٰ چند فرشتے اس پر موکل کر دیتا ہے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے قرض ادا کرنے کی دعا کرتے ہیں۔ اگر قرضدار قرضہ ادا کر سکے۔ اور صاحب مال کی بلا رضامندی ایک ساعت بھی دیر کرے تو وہ ظالم اور عاصی ہوتا ہے اگرچہ وہ روزہ بھی ہو

خواہ نماز میں ہو یا خواب میں ہو۔ بہر حال وہ خدا کی لعنت میں گرفتار رہیگا۔ اور یہ ایسا گناہ ہے کہ حالت خواب میں بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ اور شرط قدرت یہ نہیں ہے۔ کہ اس کے پاس نقد موجود ہو۔ اور وہ کسی شے کے فروخت کرنے سے قرض ادا کر سکتا ہو اور نہ کرے۔ تب بھی گنہگار ہو جاتا ہے اگر قرضخواہ کو بُرا روپیہ پیسہ دے جس کے لینے میں اسے کراہت ہو تب بھی گنہگاری لازم آئے گی۔ اور جبتک اسکی رضامندی حاصل نہ کریگا مظلمہ سے نجات نہ پائیگا۔ اور یہ بات گناہ کبیرہ میں سے ہے لوگ اسے معمولی سمجھتے ہیں۔ پنجم یہ کہ اگر کسی سے معاملہ کرے اور وہ اس معاملہ سے پشیمان ہو تو بیع فسخ کرے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص بیع فسخ کرے اور سمجھے کہ میں نے بیع کی ہی نہیں تھی تو خدا تعالےٰ بھی اسکے گناہوں کو ناکردہ سمجھیگا گویا اس نے کبھی گناہ کئے ہی نہیں اگرچہ یہ امر واجب نہیں لیکن اس کا ثواب بہت ہے اور امور احسان میں داخل ہے ششم یہ کہ اگرچہ چیز کی مقدار تھوڑی سی ہو لیکن محتاجوں کے پاس اس نیت سے فروخت کرے کہ جبتک وہ قیمت دینے کی توفیق نہ پائینگے میں ان سے طلب نہ کرونگا اور اگر وہ محتاجی میں ہی فوت ہو جائینگے تو انہیں معاف کر دونگا۔ پہلے زمانہ میں اس قسم کے لوگ تھے جو اپنی یادداشت کی دو فہرستیں مرتب کرتے۔ ایک میں مجہولی نام ہوتے جس سے مراد فقیر لوگ تھے اور بعض بزرگ ایسے تھے جو نام یادداشت کے طور پر بھی نہ لکھتے تھے۔ تاکہ انکے مرنیکے بعد کوئی ان سے (یعنی فقیروں سے) بازپرس نہ کرے۔ اور پہلے لوگ بہترین تھے جو بالکل کسی کے نام کی یادداشت ہی نہ رکھتے تھے۔ ہاں البتہ اگر کوئی انہیں دیدیتا تو لے لیتے ورنہ انہیں ان سے لینے کی طمع نہ تھی۔ اہل دین معاملات میں بھی اس قسم کے تھے اور دراصل مردان دین کا درجہ دنیا کے معاملات ہی میں ظاہر ہوتا ہے اور جس شخص نے شے کے اکیڈرم پر بھی لات ماری وہ بھی مردان دین میں سے ہے۔

باب پنجم معاملات دنیا میں دین پر شفقت

جاننا چاہئے کہ جو شخص تجارتِ آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی سوداگری کیطرف رجوع کرتا ہے وہ بدبخت ہے اور اس شخص کی کیا حالت ہوتی ہے جو سونے کے کوزہ کو مٹی کے کوزہ سے تبدیل کرتا ہے اور دنیا کی مثال مٹی کے کوزہ کیطرح ہے جو بُرا ہے اور جلد ٹوٹنے والا ہے۔ اور آخرت کی مثال کوزہ زریں کیطرح ہے جو خوبصورت اور دیرپا بلکہ غیر فانی ہے اور دنیا کی تجارت زادِ آخرت کیلئے زیبا نہیں ہے۔ بلکہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ راہِ دوزخ سے نجات حاصل ہو اور آدمی کیلئے دین اور آخرت ہی اس کا سرمایہ ہے اور اس سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ اور یہ نہ چاہئے کہ دین پر شفقت نہ کرے اور ہمہ تن تجارت و زراعت میں مشغول ہو۔ اور دین پر شفقت سات احتیاطوں سے ہو سکتی ہے اوّل یہ کہ ہر صبح اپنے دل میں اچھی اور نیک نیتوں کو تازہ کرے اور یہ نیت کرے کہ بازار میں اس لئے جاتا ہوں تاکہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے روزی کماؤں۔ تاکہ خلق سے بے نیاز ہو جاؤں اور لوگوں سے کسی قسم کا طمع نہ رکھوں۔ اور اس قدر روزی و فراغت حاصل ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں۔

اور راہ آخرت اختیار کروں اور اس امر کی نیت کرے کہ اس روز شفقت نصیحت اور امانتداری لوگوں کے ساتھ بجا لاؤنگا اور
امر معروف اور نہی عن المنکر کی نیت کرے۔ اور جو شخص کسی امر بیجا کا مرتکب ہو تو اس پر خفا ہو اور اس میں اپنی رضا نہ دے۔
جب اس قسم کی نیت کریگا تو وہ سب امور آخرت میں داخل ہوں گے۔ اور دین کا فائدہ ہوگا۔ اور اگر دنیا کی کوئی شے حاصل کریگا۔ تو
نقصان میں رہیگا۔ دوم یہ جانے کہ وہ ایک روز بھی اپنی زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اگر کم از کم ایک ہزار آدمی اسکے کام میں مشغول
نہ ہوں۔ مثلاً نانبائی۔ کسان، جولاہا۔ لوہار۔ ندّاف اور دوسرے پیشہ ور اسکے کام میں منہمک ہیں۔ کیونکہ اسے ان سب کی حاجت
ہے اور یہ امر مناسب نہیں کہ سب لوگ تو اسکے کام میں مشغول ہوں۔ اور اسے ہر ایک سے نفع حاصل ہو۔ لیکن کسی کو اس سے نفع نہ
ہو۔ تمام لوگ اس دنیا میں مسافر ہیں۔ اور مسافروں کو چاہئے۔ کہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں نیز۔ اس
امر کی نیت کرے کہ میں بازار کو اسلئے جاتا ہوں کہ وہاں کوئی ایسا کام کروں جس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ جیسے کہ دوسرے
مسلمان مجھے فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ تمام پیشے فرضِ کفایہ ہیں۔ وہ اس امر کی نیت کرے کہ ان تمام فرائض میں سے ایک فرض
کو پورا کرے اور اسکی نیت کی درستی کا یہ نشان ہے۔ کہ کسی ایسے کام میں مشغول ہو جسکی لوگوں کو حاجت ہو۔ اور اگر وہ کام نہ ہو
تو لوگوں کو اس سے نقصان ہو۔ اور یہ کام زرگری گچکاری نقاشی وغیرہ کی طرح نہ ہو۔ کیونکہ یہ سب دنیا کی آرائش کا باعث
ہیں۔ اور ان کی کوئی حاجت نہیں اور انکا نہ کرنا بہتر ہے۔ اگرچہ مباح ہیں۔ لیکن اولیٰ یہی ہے۔ کہ ایسے کام نہ کئے جائیں۔ لیکن
مردوں کیلئے لباس اطلسی بنانا اور سونے کا زیور بنانا حرام ہے۔ اور نہ وہ پیشے جنکو اسلاف نے مکروہ جانا ہے۔ وہ اناج بیچنا اور کفن
بیچنا اور قصائی کا کام کرنا اور صرافی کرنا ہے۔ کیونکہ اسمیں آدمی بمشکل اپنے آپکو سود سے بچا سکتا ہے۔ اور جرّاحی کیونکہ اس میں بھی اس
امید پر جسم کا علاج کیا جاتا ہے۔ کہ شائد فائدہ دے یا نہ دے اور خاکروبی اور چمڑہ رنگنا بھی مذموم کاموں سے ہے کیونکہ اسمیں کپڑوں
کا پاک رکھنا دشوار ہے۔ اور کم ہمتی کی دلیل ہے۔ اور ساربانی اور سائیسی بھی اسی قسم میں داخل ہے۔ اور دلالی کے لئے بھی یہی حکم
ہے۔ کیونکہ اسمیں آدمی کم و بیش کہنے سے حذر نہیں کرسکتا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ سب سے بہتر تجارت بزازی ہے اور سب سے
بہترین پیشہ خرازی ہے یعنی مشکیزہ و چھاگل وغیرہ سینا۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ اگر جنت میں تجارت ہوتی۔ تو وہ
بزازی ہوتی اور اگر دوزخ میں ہوتی تو وہ صرافی ہوتی۔ اور چار پیشوں کو لوگوں نے حقیر خیال کیا ہے جولاہگی و نان فروشی۔
سوت کاتنا اور معلمی۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں معاملہ عورتوں اور لڑکوں کے ساتھ پڑتا ہے اور جسکی صحبت کم عقل لوگوں سے
ہوگی وہ بھی کم عقل ہوگا۔ سوم یہ کہ بازارِ دنیا اسے آخرت کے بازار سے باز نہ رکھے۔ اور بازار آخرت مساجد ہیں اور حق تعالیٰ
فرماتا ہے لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ خبردار کہ شغل تجارت تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے باز نہ رکھے۔ کیونکہ
اس صورت میں تم نقصان میں رہوگے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے سوداگرو دنیا کا پہلا حصہ آخرت کے لئے رکھو۔
اور بعد کا دنیا کے کاموں کے لئے۔ اور سلف کی یہ عادت رہی ہے۔ کہ وہ صبح سے شام تک آخرت کے کاموں میں رہتے یا مسجد میں ذکر
الٰہی اور اوراد میں مشغول ہوتے یا مجالسِ علمیہ میں جاتے۔ ہریسہ اور بھونی ہوئی سریاں تمام ذمی لوگ اور لڑکے فروخت

کرتے۔ جب کہ یہ لوگ مسجدوں میں ہوتے۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ جب فرشتے آدمی کے نامۂ عمل کو آسمان کی جانب لے جاتے ہیں اور اگر اس نے دن کے پہلے اور آخری حصہ میں نیکیاں کی ہیں تو اللہ تعالیٰ درمیان روز کے تمام گناہ بخشدیتا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ صبح و شام کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ تو حقتعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا۔ وہ عرض کرتے ہیں۔ کہ جب ہم نے چھوڑا تب بھی نماز پڑھتے تھے۔ اور جب پہنچے تب بھی نماز پڑھتے تھے پھر حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تمہیں گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے ان کو بخشدیا۔ اور چاہیئے کہ جب اذان کو نماز کی اذان سنے تو پھر نہ ٹھہرے اور جس کام میں بھی مشغول ہو اسے چھوڑ دے اور مسجد کیطرف جائے۔ اور اس آیت کی تفسیر میں لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ آیا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ کہ ان میں سے جو لوہار ہوتا اگر وہ ہتھوڑا اٹھاتا تو پھر اذان سن کر اسے نیچے نہ لاتا اور وہیں چھوڑ دیتا اور اگر چمڑا سینے والا ہوتا تو وہ سوئی کو چمڑے میں سینے کیلئے ڈالتا۔ تو پھر اذان سن کر اسے وہیں چھوڑ دیتا۔ اور خود مسجد کیجانب روانہ ہوتا۔

چہارم یہ کہ بازار میں بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح سے غافل نہ رہے۔ اور جہانتک ہو سکے زبان و دل کو بیکار نہ رکھے۔ اور جانے کہ جو فائدہ اسکی وجہ سے فوت ہوتا ہے۔ تمام جہان اسکے مقابلہ میں کچھ نہیں اور جو ذکر غافلوں کے درمیان کیا جائے اس کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنیوالا غافلوں کے درمیان میں ایسا ہے۔ جیسے سبز درخت خشک درختوں میں ہوتا ہے اور جیسے زندہ مردوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ یا جیسے بھاگنے والوں میں غازی ہوتا ہے اور فرمایا کہ جو کوئی بازار کو جائے اور پڑھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اسکے نامۂ اعمال میں دو دفعہ ہزار ہزار نیکیاں لکھتے ہیں اور ایک دن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بازار میں بہت سے لوگ اسبات کا حق رکھتے ہیں کہ صوفیوں کو کان سے پکڑ کر انکی جگہ سے اٹھا دیں اور خود وہاں بیٹھ جائیں۔ اور فرمایا کہ بازار میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں جو ہر روز تین سو رکعت نماز اور تیس ہزار تسبیح خدا کے نام کی پڑھتا ہے۔ اور علماء نے کہا ہے۔ کہ انہوں نے اسبات سے اپنی ذات کو پایا ہے۔ حاصل کلام کہ جو شخص بازار میں اسلئے جاتا ہے۔ کہ روزی کمائے اور اس سے فراغت دین حاصل کرے وہ ایسا ہی ہے اور اصل مقصود کو نہیں چھوڑتا ہے۔ اور جو شخص بازار میں دنیا کی زیادتی کیلئے جاتا ہے۔ یہ بات اس سے ناممکن ہے وہ اگر مسجد میں نماز بھی پڑھتا ہے تو اسکا دل دکان کے حساب میں الجھا رہتا ہے پنجم یہ کہ بازار میں زیادہ ٹھہرنیکی حرص نہ کرے۔ جیسے کہ سب سے اول جانا اور سب سے آخر آنا یا دور دراز سفر کا اختیار کرنا۔ یہ تمام امور غلبہ حرص کی نشانی ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابلیس کا ایک بیٹا ہے اور اسکا نام زلنبور ہے اور وہ اپنے باپ ابلیس کی نیابت کیلئے بازاروں میں رہتا ہے اور ابلیس سے سکھاتا ہے۔ کہ بازار میں جاؤ اور لوگوں کو جھوٹ مکر حیلہ خیانت قسم وغیرہ پر آمادہ کرو۔ اور اس شخص کے ساتھ رہو جو اول بازار میں آتا ہے اور آخر جاتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ سب سے بدترین جگہ بازار ہے۔ اور سب سے بدترین وہ ہے جو پہلے آتا ہے اور سب سے آخر جاتا ہے پس دوکاندار کیلئے واجب ہے۔ کہ جبتک وہ مجلس علم اور اوراد صبح و نماز چاشت سے فارغ نہ ہولے بازار نہ جائے اور جب اسقدر نفع

حاصل کرے کہ وہ اس دن کے لئے کافی ہو تو بازار سے واپس ہو جائے اور مسجد میں جائے اور عمر آخرت کی روزی حاصل کرے۔ کیونکہ وہ عمر نہایت طویل ہے اور اس کی حاجت بہت زیادہ ہے اور آدمی اس توشہ سے نہایت مفلس ہے۔ حماد بن سلمہ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے اور بر قع فروخت کیا کرتے تھے۔ جب دو حبہ نفع حاصل ہو جاتا تو گٹھڑی باندھ لیتے اور واپس چلے جاتے۔ ابراہیم بن یشار رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آج میں مٹی کے کام کے لئے جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے ابن یشار تم تو روزی تلاش کرتے ہو لیکن موت تم کو تلاش کر رہی ہے۔ اور جو تم کو تلاش کرتی ہے تم اس سے نہ چھوٹو گے۔ اور جو کچھ تم تلاش کرتے ہو وہ تم سے نہ چھوٹے گی۔ شاید تم نے کبھی حریص کو محروم اور کاہل کو مرزوق نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ میری ملکیت میں اور کچھ نہیں صرف ایک درم بقال کے ذمہ ہے۔ ابراہیم بن ادھم نے کہا کہ تیری سلامتی پر افسوس ہے۔ ایک دانگ تیرے پاس ہو اور تو مٹی کا کام کرے۔ اگلے بزرگوں میں سے بعض لوگ اس قسم کے تھے کہ ہفتہ میں دو روز سے زیادہ بازار کو نہ جاتے اور بعض ہر روز جاتے لیکن نماز ظہر کے وقت واپس آ جاتے اور بعض عصر تک ہال رہتے اور دوسرے جب نہیں روز کی روزی مل جاتی تو مسجد کی طرف آ جاتے ششم یہ کہ شبہات سے پرہیز کرے اور اگر مال حرام کے درپے ہوگا تو فاسق و گنہگار ہوگا اور جس چیز سے اس کے دل میں کراہت پیدا ہو اسے نہ خریدے۔ اور ظالموں اور انکے تعلقداروں سے معاملہ نہ کرے اور کسی ظالم کے پاس ادھار فروخت نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ مر گیا تو غمگین ہوگا۔ اور ظالم کی مرگ پر اندوہگین نہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ ہی اس کی تونگری پر خوش ہوں اور کوئی ایسی شے ظالم کے پاس فروخت نہ کرے جس سے اسکے ظلم میں مدد پہنچے۔ ورنہ فروخت کرنے والا بھی اسکا شریک ہوگا۔ مثلاً اگر کاغذ ظالم اور مستوفیوں کے ہاتھ فروخت کریگا۔ تو اس میں ماخوذ ہوگا۔ حاصل کلام ہر شخص سے معاملہ نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جو شخص معاملہ کے لائق ہو۔ اس سے معاملہ کرے۔ کہا گیا ہے کہ ایک ایسا زمانہ تھا۔ کہ جو شخص بازار کو جاتا وہ کہتا کہ کس سے معاملہ کروں، کہتے جس سے چاہے معاملہ کر سب اہل احتیاط ہیں اور اس کے بعد ایسا زمانہ آیا کہ لوگ کہتے۔ سب کے ساتھ معاملہ کرو لیکن فلاں فلاں شخص کیساتھ نہ کرو۔ اس کے بعد پھر ایک زمانہ کے لوگ کہتے کہ سب کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔ لیکن فلاں فلاں کے ساتھ کرو۔ اور اس امر کا خطرہ ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئیگا۔ کہ کسی شخص سے بھی معاملہ نہ کیا جا سکے گا۔ اور یہ ہمارے زمانہ سے پہلے جو ہوئے ہیں ان کا قول تھا۔ اور شاید ہمارے زمانہ میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کہ معاملہ میں لوگوں نے فرق کرنا اٹھا دیا ہے اور لوگ اس بات پر دلیر ہو گئے ہیں۔ ناقص دین اور ناقص علم لوگوں سے سنا ہے کہ دنیا کا تمام مال ایک رنگ کا ہو گیا ہے اور سب حرام ہے اور احتیاط ناممکن ہے اور یہ ایک زبردست غلطی ہے اور ایسا نہیں ہے جو لوگوں نے کہا ہے اور اس کی شرح حرام و حلال کے باب میں بیان کیجائیگی هفتم یہ کہ جس کے ساتھ معاملہ کرے اس کے ساتھ قول و عمل اور لینے دینے میں اپنا حساب درست رکھے۔ اور اس بات پر اعتقاد رکھے کہ قیامت کے دن ان سب کے ساتھ کھڑا کر کے حساب لیا جائے گا۔ اور حساب کریں گے۔ ایک بزرگ نے ایک تاجر کو خواب میں دیکھا۔ اس سے پوچھا کہ حق تعالے نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ اس نے کہا۔ کہ

پچاس ہزار صحیفے میرے سامنے رکھے گئے ہیں نے کہا کہ اے خداوندا! یہ تمام صحائف کس کے ہیں۔ حقتعالی نے کہا کہ تو نے پچاس ہزار آدمی کے ساتھ معاملہ کیا تھا اور یہ ہر ایک کا ایک صحیفہ ہے (اب وہ شخص اس بزرگ سے کہتا ہے) کہ میں نے ہر ایک صحیفہ میں اپنا معاملہ اول سے لے کر آخر تک دیکھا۔ حاصل کلام دھوکہ سے اگر کسی کا نقصان کیا ہو گا یا اس کا ایک دام بھی اس کے ذمہ ہو گا تو وہ اس کے مواخذہ میں گرفتار کیا جائے گا۔ اور جبتک اس سے عہدہ برآنہ ہو گا اسے کوئی چیز فائدہ نہ دیگی۔ معاملہ کرنے میں اسلاف کی یہ عادت تھی (راہ شریعت میں جو بیان کی گئی ہے اب یہ سنت اٹھ گئی ہے ایسا معاملہ اور اس کا یہ علم اس زمانہ میں لوگوں نے فراموش کر دیا ہے پس جو شخص اس میں سے ایک سنت بھی بجالائیگا اُسے عظیم الشان ثواب ملیگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا۔ کہ وہ احتیاط جو تم کرتے ہو۔ اگر کوئی اسکا دسواں حصہ بھی کریگا تو اس کے لئے کافی ہو گا۔ صحابہ نے کہا کیوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا اسلئے کہ تم خیرات (یعنی نیک امور) کیلئے مددگار رکھتے ہو۔ اور اس وجہ سے تم پر آسان ہے۔ اور وہ غافلوں میں سے غریب بیکس ہوں گے اور یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ جو کوئی سُنے وہ نا اُمید نہ ہو۔ اور یہ نہ کہے کہ یہ سب کچھ کس طرح بجالایا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں جس قدر بھی کوئی ان امور کا خیال رکھے وہ بہت ہے۔ بلکہ جو شخص اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے یہ سب کچھ بجالا سکتا ہے کیونکہ ان احتیاطوں سے سوائے درویشی کے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اور ہر وہ درویشی جو ابدی بادشاہی کا سبب ہو برداشت کیجا سکتی ہے۔ کیونکہ آدمی دنیا میں ملک و مال کے حاصل کرنیکی غرض سے بہت کچھ رنج و مصیبت برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر موت آجائے تو یہ سب ضائع ہو جائے اور کوئی شخص آخرت کی بادشاہی کے بارے میں جو بات اپنے لئے پسند نہ کرے تو وہ دوسروں کیلئے بھی اسے پسند نہ کرے تو بڑی بات ہے

اصل چہارم حلال و حرام کی پہچان کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ یعنی تمام مسلمانوں کیلئے طلب حلال فرض ہے تو طلب حلال نہ کر سکیگا جبتک یہ نہ جانیگا کہ حلال کیا ہے اور فرمایا کہ حلال ظاہر ہے۔ اور حرام ظاہر ہے۔ اور دونوں میں نہایت مشکل شبہات پوشیدہ ہیں۔ اور جو شخص انکے درپے ہوتا ہے۔ وہ حرام میں مبتلا ہوتا ہے جان کہ یہ علم طویل ہے۔ اور کتاب احیاء العلوم میں ہم نے اس کی مفصل شرح کی ہے جو کسی دوسری کتاب میں نہ ملیگی۔ اور اس کتاب میں صرف اسقدر بیان کیا جاتا ہے جسے عوام سمجھ سکیں اور اس کو میں چار باب میں بیان کرونگا انشاء اللہ تعالی:۔

باب اول طلب حلال کی فضیلت و ثواب میں باب دوم حلال و حرام میں پرہیزگاری کے مدارج باب سوم حرام و حلال کو جدا کرنا اور دریافت کرنا باب چہارم بادشاہ سے روزینہ لینا اور انکو سلام کرنا۔ اور انکے مال میں سے مال حلال کو لینا۔

باب اوّل طلب حلال کی فضیلت و ثواب میں

جاننا چاہیئے کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے یَآ اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ یعنے اے رسولو! حلال و پاک کھاؤ اور نیک عمل کرو اور اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طلب حلال تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص روز متواتر روزی حلال جس میں حرام کی آمیزش نہ ہو کھاتا ہے۔ حقتعالےٰ اس کے دل کو پُر نور کردیتا ہے۔ اور حکمت کے چشمے اسکے دل سے جاری کرتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دنیا کی دوستی اس کے دل سے جاتی رہتی ہے اور حضرت سعدؓ نے جو صحابہ کرام میں سے تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ میرے حق میں دعا فرمائیے کہ جو دعائیں کروں وہ قبول ہو جایا کریں۔ آپ نے فرمایا حلال کی روزی کھاؤ تاکہ تمہاری دعا قبول ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ کہ جن کا طعام و لباس حرام ہے۔ اور وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ ایسی دعائیں بھلا کب قبول ہونگی۔ اور فرمایا کہ بیت المقدس میں اللہ تعالےٰ کا ایک فرشتہ ہے۔ جو ہر رات منادی کرتا ہے۔ کہ جو شخص حرام خور ہے۔ حق تعالیٰ نہ اسکی سنتیں قبول کرتا ہے۔ نہ فرائض۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص دس درہم کے عوض ایک جامہ خرید کرتا ہے اور ایکدرم اس میں حرام کا ہے۔ تو جبتک وہ جامہ اس کے بدن پر رہیگا۔ اسکی نماز قبول نہ ہوگی۔ اور فرمایا کہ بدن کا گوشت جو حرام سے پیدا ہوا اسکا آگ میں جلنا بہتر ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص اس بات کا ڈر نہیں رکھتا ہے۔ کہ مال کہاں سے مہیا کرتا ہے تو حقتعالےٰ بھی پروا نہ کریگا۔ کہ اسکو کس جگہ دوزخ میں ڈالے اور فرمایا کہ عبادت کے دس حصہ ہیں۔ جس میں سے نو حصے طلبِ حلال ہے اور فرمایا کہ جو شخص طلبِ حلال سے تھک کر رات کو گھر جاتا ہے۔ وہ جب سوتا ہے تو اسکے گناہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جب صبح کیوقت اٹھتا ہے۔ تو حقتعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے۔ جو لوگ حرام سے پرہیز کرتے ہیں۔ مجھے شرم ہے کہ ان سے حساب لوں۔ اور فرمایا کہ سود کا ایک درم مسلمانوں کی حالت میں تیس بار زنا کرنے سے زیادہ بُرا ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص حرام کا مال کھاتا ہے۔ اگر وہ صدقہ دے تو قبول نہیں ہوگا۔ اور اگر اسے رکھے تو وہ دوزخ تک اس کا زادِ راہ ہوگا۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک غلام کے ہاتھ سے دودھ کا شربت پیا۔ اور پھر آپکو معلوم ہوا۔ کہ یہ وجہ حلال سے نہیں ہے۔ آپنے انگلی حلق میں ڈال کر قے کردی۔ اور قے اسقدر سخت کی کہ جسم اطہر سے رُوح کے جدا ہونے کا ڈر تھا۔ اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس قدر شربت کے لئے جو باقی میری رگوں میں رہ گیا ہے۔ اور باہر نہیں آیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ تھا۔ جبکہ لوگوں نے غلطی سے آپکو صدقہ کا دودھ پلادیا تھا۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ تو یہاں تک نماز پڑھے کہ پیٹھ ٹیڑھی ہو جائے۔ اور اسقدر روزے رکھے کہ بال کی طرح باریک ہو جائے۔ ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ یہ

قبول ہونگے. جبتک کہ حرام سے پرہیز نہ کرے. سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں. کہ جو شخص مال حرام سے صدقہ دیتا ہے اور خیرات کرتا ہے. وہ اس شخص کیطرح ہے جو ناپاک کپڑے کو پیشاب سے دھوتا ہے جو کہ اور بھی پلید تر ہو جاتا ہے یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں. کہ اطاعت خزانۂ خدا ہے. اور اسکی چابی دعا ہے اور اس کے دندانے لقمہ حلال ہے. حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص بھی ایمان کی حقیقت کو نہیں پاتا. مگر چار چیزوں سے اول یہ کہ تمام فرائض شرائط سنت کیساتھ ادا کرے. دوئم. یہ کہ روٹی حلال شرط زہد کے ساتھ کھائے. سوئم. یہ کہ ظاہر و باطن کی تمام برائیونکو چھوڑ دے. چہارم. یہ کہ مرتے دم تک بھی ان باتوں پر صبر کرے. بزرگوں نے کہا ہے. کہ جو شخص چالیس دن تک شبہ کا مال کھاتا ہے اسکا دل سیاہ ہو جاتا ہے. اور اسے زنگار لگ جاتا ہے. ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں. کہ ایکدرم شبہ کا مالک کو واپس کر دینے کو لاکھ درہم صدقہ دینے سے زیادہ پسند کرتا ہوں. حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں. کہ جو شخص حرام کھاتا ہے. اسکے ساتھ عضو گناہوں میں پڑتے ہیں خواہ وہ چاہے خواہ نہ چاہے. اور جو شخص حلال کھاتا ہے. اس کے تمام اعضا طاعت میں رہتے ہیں اور توفیق خیر ہمیشہ اسکے ساتھ رہتی ہے. اس بارہ میں بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں. اور یہی سبب ہے کہ اہل ورع نے اس کی نہایت احتیاط کی ہے. اور ایک ان بزرگوں میں سے وہب بن الورد ہوئے ہیں. کہ وہ کبھی کوئی چیز نہ کھاتے جب تک کہ یہ نہ جان لیتے کہ یہ کہاں سے آئی ہے ایکدن انکی والدہ نے دودھ کا پیالہ انہیں دیا. آپنے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا. ہے. اور اسکی قیمت کہاں سے دی ہے. اور کس سے خرید کیا ہے. جب سب کچھ جان چکے تو فرمایا کہ اس بکری نے کہاں سے چارہ وغیرہ کھایا ہے. اور وہ بکری ایک ایسی جگہ پر چری تھی کہ اسمیں مسلمانوں کا کچھ حق تھا. آپنے دودھ نہ پیا. آپکی ماں نے کہا کہ پی لے. اللہ تجھ پر رحمت کرے. آپنے کہا. اگرچہ وہ رحمت کرے لیکن میں اسے نہیں پیتا اگر پیئوں تو اس کے گناہ کے ساتھ اسکی رحمت کو حاصل کرونگا. اور میں یہ پسند نہیں کرتا. لوگوں نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا. کہ کہاں سے کھانا کھاتے ہو. اور وہ احتیاط بہت کم کرتے تھے. آپنے جواب دیا. وہاں سے جہاں سے اور لوگ کھاتے ہیں. لیکن ان لوگوں میں فرق ہوتا ہے. جو کھاتے ہیں. اور روتے ہیں. اور ہنستے ہیں. اور فرمایا اس سے کچھ کم نہیں ہو جاتا. اگر لقمہ چھوٹا ہو اور ہاتھ بہت ہی کوتاہ ہو.

باب دوم حلال میں پرہیزگاری کے مدارج

جاننا چاہیئے. کہ حلال و حرام کے درجات ہیں. اور سب ایک قسم سے نہیں ہیں. بعض حلال ہیں. اور بعض حلال و پاک اور بعض پاک ترین. اور اسیطرح حرام ہے. بعض صعب و پلید تر ہیں. اور بعض کمتر. جیسے بیمار کیلئے گرمی نقصان دہ ہوتی ہے اور جو شئے زیادہ گرم ہو وہ زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے. اور گرمی کے مختلف مدارج ہیں. جیسے کہ شہد گرمی میں شکر کیطرح نہیں ہے. اور اسیطرح حرام کے مختلف درجات ہیں. اور حرام سے پرہیز کرنے میں مسلمانوں کے پانچ درجے ہیں درجہ اول پرہیز عدول ہے. وہ پرہیز تمام مسلمانوں کیلئے یکساں ہے کہ جو شئے ظاہر شریعت کی رو سے حرام ہو. اس سے دور رہیں.

اور یہ کمتر درجہ سے اور جو اس پرہیز کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسکی عدالت بھی باطل ہوتی ہے۔ اور وہ اسکو فاسق اور عاصی کہتے ہیں
اور اسلئے بھی مدارج ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال عقد فاسد سے اسکی رضامندی سے حاصل کریگا وہ حرام ہے اور جو
شخص غاصبانہ طریق پر لیتا ہے۔ وہ حرام تر ہے۔ اور اگر کسی درویش کا یا یتیم کا مال لیتا ہے۔ تو اس کی حرمت نہایت عظیم ہے اور جو
عقد فاسد سود کیوجہ سے ہوتا ہے۔ اسکی حرمت اور سب سے زیادہ ہے۔ اگرچہ حرام کے لفظ کا اطلاق سب پر ہوتا ہے۔ لیکن جو چیز
حرام تر ہے۔ اسکا خطرہ عاقبت کیلئے زیادہ ہے۔ اور مہر عضو ضعیف ہے۔ جسطرح کہ بیمار شہد کھاتا ہے۔ تو اسکا ضرر مصری اور شکر
سے زیادہ ہے۔ اور جب زیادہ کھاتا ہے۔ تو اسکا خطرہ بھی کم کھانیکی نسبت اور بڑھ جاتا ہے۔ اور اس امر کی تفصیل کہ حرام کونسا
ہے۔ اور حلال کونسا ہے۔ وہی شخص جانتا ہے۔ جو تمام فقہ پڑھے اور تمام لوگوں پر سب فقہ کا پڑھنا واجب نہیں کیونکہ وہ شخص
جسکی روزی نہ مال غنیمت سے اور نہ اہل ذمہ کے جزیہ سے اسکو کتاب غنیمہ یا اور جزیہ کے پڑھنے کی ضرورت نہیں لیکن ہر شخص
پر اتنا واجب ہے جسے اسکی حاجت ہو۔ جیسے کسی شخص کو بیع کی آمدنی ہے۔ تو علم بیع کا جاننا اسپر واجب ہے اور اگر
مزدوروں میں سے ہے تو علم اجارت کا پڑھنا اس کیلئے ضروری ہے۔ ہر پیشہ کیلئے علم ہے اور جو پیشہ ہو اسکا علم جاننا واجب
ہے درجہ دوم نیک لوگوں کا پرہیز ہے کہ جنکو صلحاء کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جسکو مفتی حرام نہ کہے لیکن شبہ سے خالی نہ ہو
تو اس سے بھی پرہیز کریں۔ اور شبہ کی تین اقسام ہیں بعض تو وہ ہیں۔ جن سے حذر کرنا واجب ہے بعض وہ ہیں۔
جن سے حذر کرنا واجب۔ تو نہیں ہے لیکن مستحب ہے۔ اور واجب سے حذر کرنا درجہ اوّل پر ہے اور مستحب سے حذر
کرنا درجہ دوم پر ہے۔ اور سوم وہ ہے۔ کہ جس سے حذر کرنا درست ہے۔ اور یہ لاحاصل ہے۔ جیسے کوئی شکار کا گوشت اسلئے
نہ کھائے کہ شائد یہ جانور کسی کی ملکیت ہو۔ اور اس سے بھاگ نکلا ہو۔ یا کسی نے اسکو گھر میں عاریۃً رکھا ہو۔ اور وہاں سے نکل
آیا ہو۔ اور یا شائد اسکا مالک مرگیا ہو۔ اور اس کے وارث کا اس پر حق ہو۔ بغیر کسی نشان اور دلیل کے۔ یہ وسوسہ ہے اور کسی
کام کا نہیں ہے درجہ سوم پرہیزگاروں کا پرہیز ہے انہیں متقی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ کہ نہ حرام ہو اور نہ شبہ ہو بلکہ حلال
مطلق ہو۔ لیکن اس امر کا خوف ہو کہ اسکی وجہ سے شبہ میں مبتلا یا حرام میں۔ اس چیز سے بھی پرہیز کرے کیونکہ جناب سرور کائنات
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ اسوقت متقی کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ جب تک کہ وہ اس چیز کو اس خوف سے
نہیں چھوڑ دیتا کہ وہ اسکی وجہ سے حرام میں مبتلا ہوگا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ ہم نے حلال کے دس
حصوں میں سے نو کو اس لئے چھوڑ دیا کہ شائد کہیں حرام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی شخص کے اگر کسی پر سو درہم
قرض ہوتے تو وہ ننانوے سے زیادہ اس اس خوف سے نہ لیتا کہ کہیں زیادہ نہ ہو جائیں۔ علی بن معبد کہتے ہیں۔ کہ میں نے ایک
مکان کرایہ پر لیا۔ اور وہاں میں نے ایک خط لکھا۔ اور اسکو دیوار کی مٹی سے خشک کرنا چاہا۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ دیوار میری
ملکیت نہیں ہے سیاہی اس سے خشک نہ کروں۔ پھر میں نے کہا۔ کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور تھوڑی سی خاک اٹھا کر خط پر ڈال دی۔ میں نے
خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے کہہ رہا ہے۔ کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ خاک دیوار کی کیا قدر ہے۔ انکو کل قیامت

کے دن معلوم ہو جائے گا پس وہ لوگ جو اس درجہ میں ہوتے ہیں وہ تھوڑی اور آسان شے سے بھی پرہیز کرتے ہیں کہ شاید کہیں اس سے زیادہ کی عادت نہ پڑ جائے اور قیامت کے دن متقیوں کے درجے سے گر نہ پڑیں اور یہی وجہ تھی کہ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن کی حالت میں ایک خرما صدقہ کا منہ میں ڈال لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کخ کخ القہا یعنے پھینک دے خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے مالِ غنیمت میں سے مشک پیش کی گئی آپ نے ناک بند کر لی اور کہا کہ اسکی بو اسکی منفعت میں داخل ہے اور یہ تمام مسلمانوں کا حق ہے ایک شخص بزرگوں میں سے ایک رات ایک بیمار کے سرہانے بیٹھے تھے وہ جب مر گیا تو آپ نے چراغ گل کر دیا اور کہا کہ یہ تیل اب اسکے وارث کا حق ہے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غنیمت کا مشک گھر میں رکھا تا کہ آپکی بیوی اسے مسلمانوں کیلئے فروخت کرے ایک دن جب آپ گھر میں آئے تو آپکو اسکی چادر سے بوئے مشک آئی آپ نے فرمایا یہ کیا ہے اس نے کہا مشک تولتی تھی کہ ہاتھوں کو خوشبو لگ گئی تھی وہ میں نے چادر پر مل لی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اسکے سر سے اتار لی اور اس کو دھوتے تھے اور مٹی ملتے تھے اور سونگھتے تھے حتیٰ کہ اس میں سے خوشبو جاتی رہی۔ تب وہ چادر بیوی کے حوالے کی اگرچہ یہ مقدار معاف تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دروازہ کو بند کرنا چاہا تا کہ کسی دوسری شے کی جانب نہ لیجائے اور حرام کے خوف سے حلال چھوڑتا ہے اور متقیوں کا ثواب حاصل ہو۔ لوگوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہوا ہو اور لوگ بادشاہ کے مال سے خوشبو جلائیں آپ نے فرمایا باہر آجانا چاہئے تا کہ اسکی خوشبو نہ سونگھے کیونکہ یہ خود حرام کے نزدیک ہے جو خوشبو اسے پہنچے گی اور اس کے کپڑوں میں بسے گی وہی مقصود ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ حلِ مسامحت نہ ہو اور لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کوئی شخص حدیث کا ایک ورق پائے تو کیا مالک کی بلا اجازت اسکا نقل کرنا درست ہوگا۔ آپ نے جواب دیا نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی تھی جو آپکو بہت عزیز تھی جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ نے اسے طلاق دیدیا اس خوف سے کہ شاید وہ کسی کام میں سفارش کرے اور آپ سے اس کی سفارش رد نہ ہو سکے اور جاننا چاہئے کہ جس مباح کی بازگشت دنیا کی زینت کی طرف ہے اس کیلئے بھی یہی حکم ہے کیونکہ جب آدمی اس میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اسکو دوسرے کاموں میں ڈالدیتا ہے بلکہ جو شخص حلال کا کھانا سیر ہو کر کھاتا ہے۔ وہ متقیوں کے درجہ سے محروم رہتا ہے کیونکہ جب آدمی حلال سیر ہو کر کھائے تو وہ شہوت میں حرکت پیدا کرتا ہے اور اس امر کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں ناشائستہ خیال دل میں نہ پیدا ہوں اور یہ خطرہ بھی ہوتا ہے کہ مستی ظاہر ہو اور اہل دنیا کے باغات اور مکانات کیطرف دیکھنا بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ یہ بھی حرصِ دنیا کو حرکت دیتا ہے اور آدمی کو اسکی طلب میں مبتلا کرتا ہے اور حرام کی طرف لیجاتا ہے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کا سر ہے اور اس سے حضور کا اشارہ دنیائے مباح کی طرف تھا کیونکہ دنیائے مباح کو دوست رکھنا دل کو اس کے حوالہ کر دیتا ہے اور یہ دل کو زیادہ دنیا طلبی میں مبتلا کرتا ہے اور بغیر گناہ کے چھٹکارہ نہیں ہوتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھی دل میں پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ

تمام شقاوتوں کا سر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دل پر غفلت غلبہ پاتی ہے اور یہی سبب تھا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک امیر آدمی کی دکان کے دروازہ پر سے گزرے تو ایک آپکا ہمراہی اسے دیکھنے لگا آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ اگر تم لوگ اس طرح نہ دیکھو تو یہ کبھی بھی اسراف نہ کریں، پس تم بھی اس اسراف کے مظلمہ میں شریک ہو حضرت امام احمد حنبلؒ سے لوگوں نے مکان اور مسجد کی دیواروں کے گچ کرنے کے بارہ میں پوچھا آپ نے فرمایا زمین کو گچ کرنا درست ہے کہ اس سے خاک نہ اٹھے اور میرے نزدیک دیوار کو گچ کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے آرائش ہوتی ہے بزرگانِ سلف کا قول ہے کہ جس شخص کے کپڑے باریک اور تنگ ہوتے ہیں اس کا دین بھی تنگ ہوتا ہے اور حاصل کلام اس باب کا یہ ہے کہ اگر حرام میں میں مبتلا ہونیکا اندیشہ ہو تو حلال پاک کو بھی چھوڑ دے درجہ چہارم صدیقوں کا پرہیز ہے اور وہ ایسی چیزوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں کہ جو حلال ہو اور حرام کی جانب بھی رجوع نہ کرے لیکن اسکے حاصل ہونیکے اسباب میں کوئی معصیت ہو گئی ہو۔

اسکی مثال یہ ہے کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ کی بنوائی ہوئی نہر سے پانی نہ پیتے تھے اور بزرگوں کا ایک گروہ راہِ حج میں بادشاہوں کے حوضوں سے پانی نہ پیتا تھا اور ایک گروہ اس باغ کا انگور نہ کھاتا تھا جس میں بادشاہ کی نہر سے پانی آتا تھا اور حضرت امام احمد حنبلؒ مسجد میں خیاطی کرنیکو مکروہ جانتے اور مسجد میں کسب کو اچھا نہ سمجھتے لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ قبرستان کے گنبد میں رسن ساز یا (رشتہ ساز) کا بیٹھنا کیسا ہے آپ نے مکروہ جانا اور کہا قبرستان آخرت کیلئے ہے ایک غلام نے بادشاہ کے گھر سے چراغ جلایا اس کے مالک نے چراغ کو بجھا دیا ایکدن ایک بزرگ کی نعلین کا تسمہ ٹوٹ گیا لوگ اس وقت بادشاہ کی مشعلیں لئے جاتے تھے آپ نے انکی روشنی میں تسمہ درست کرنا اچھا نہ جانا اور پرہیز کیا۔

ایک عورت سوت کاتتی تھی بادشاہ کا مشعل روشنی کئے گزرا۔ اس نے ہاتھ روک لیا تاکہ اس کی روشنائی میں نہ کاتا جائے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ قید ہو گئے اور چند دن بھوکے رہے ایک پارسا جو آپکی مرید تھی اس نے اپنے حلال تاگے کی محنت سے آپکو طعام بھیجا۔ آپ نے نہ کھایا وہ عورت آپ پر خفا ہوئی اور کہا آپنے سمجھا ناکہ جو کھانا میں نے آپ کو بھیجا تھا حلال تھا آپ بھوکے تھے آپ نے کیوں نہ کھایا۔ آپ نے کہا کہ جب وہ میرے سامنے آیا تو ایک ظالم کے طباق میں تھا اور وہ طباق محافظ جیل کے ہاتھ میں تھا اور اس سے اس لئے حذر کیا کہ مجھ تک پہنچنے کا سبب ایک ظالم کے ہاتھ کی قوت تھی اور وہ حرام سے حاصل کی ہوئی ہوگی اور اس باب میں یہ زہد کا ایک عظیم ترین درجہ ہے اور جو شخص اسکی حقیقت کو نہ جانے شاید وہ وسوسہ میں مبتلا ہو یہانتک کہ کسی فاسق کے ہاتھ کا کھانا نہ کھائے اور یہ امر ایسا نہیں ہے بلکہ اس ظالم کیلئے مخصوص ہے جو حرام کھاتا ہے اور اس کی قوت حرام سے ہے لیکن وہ شخص جو زنا کرتا ہے اس کی قوت زنا سے نہ ہوگی پس اگر وہ کسی کے سامنے طعام پیش کرے تو اس کھانا پہنچانے کا سبب وہ قوت ہوگی جو حرام سے حاصل ہوئی ہو

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دن ایک صحرا سے گزر ہوا۔ فرماتے ہیں میں نے پانی کے کنارے ایک سبزی کو دیکھا میں نے چاہا کہ اگر روزی حلال کھانا چاہتا ہوں تو اسے کھالوں لیکن ہاتف نے آواز دی کہ جس قوت نے تجھے یہاں تک

پہنچایا وہ کہاں سے آئی ہیں پشیمان ہو گیا اور استغفار کی اور صدیقوں کا درجہ ایسا تھا کہ یہ لوگ ایسی احتیاطوں میں باریک خیالات کرتے تھے اب لوگ اسکے بدلے میں کپڑا دھونے کیلئے پاک پانی ڈھونڈنے میں احتیاط کرتے ہیں اور وہ ایسی باتوں کو نہایت آسان جانتے تھے وہ ننگے پاؤں چلے اور جو پانی کہ دستیاب ہوتا اس سے طہارت کر لیتے لیکن یہ ظاہر کی طہارت باہر کی آرائش ہے اور خلق کی نظارہ گاہ ہے اور اس میں نفس کو لالچ ہوتا ہے اور مکرو فریب سے مسلمان کو اسکی جانب مشغول رکھتا ہے اور یہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے وہ باطن کی آرائش ہے اور حق تعالیٰ کی نظر گاہ ہے اور وہ ظاہری آرائش سے دشوار ہے درجۂ پنجم مقربوں اور موحدوں کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کھانا پینا سونا بولنا حق تعالیٰ کیلئے نہ ہو اسے اپنے لئے حرام جانتے ہیں اور یہ وہ گروہ ہوتا ہے جس کے لوگ ایک ہی ہمت اور ایک ہی صفت کے ہوتے ہیں اور کمال درجہ کے موحد ہی ہوتے ہیں یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکایت ہے کہ انہوں نے دوا پی تھی انکی بیوی نے کہا کہ گھر میں چند قدم ٹہلئے انہوں نے کہا اس طرح چلنے کی کوئی ضرورت نہیں جانتا ہوں اور تیس سال ہوئے ہیں کہ میں اپنے حساب کو نگاہ رکھتا ہوں تاکہ سوائے دین کے کوئی حرکت نہ کروں پس یہ لوگ جبتک کوئی دینی نیت نہ ہو حرکت نہیں کرتے اگر کھاتے ہیں تو اتنی مقدار میں کھاتے ہیں جس سے عقل و حیات قوتِ عبادت کیلئے قائم رہے اور اگر بولتے ہیں تو وہی کہتے ہیں جو انکے دین کی راہ ہوتی ہے اور جو کچھ اس کے سوا ہوتا ہے وہ سب اپنے لئے حرام جانتے ہیں اور یہ ہی مدارج پرہیزگاری اور اس سے کم نہیں انکو تو سُن اور جان تاکہ اپنے آپکو اور اپنے نفس کو جانے اور اگر تو چاہتا ہے کہ درجہ اول جو زہد و عدولِ مسلمانان ہے اسے نگاہ رکھے تاکہ تجھ پر فسق کا اطلاق نہ ہو۔ تو تو اس سے بھی عاجز آجاتا ہے اور جب باتیں کرتا ہے تو بڑا اسا منہ پھیلاتا ہے اور تمام عالم ملکوت کی باتیں کرتا ہے اور شریعت کی ظاہری باتوں سے ننگ و عار رکھتا ہے بلکہ چاہتا ہے کہ تمام بیہودہ اور دور از کار باتیں کہے اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلق میں بدترین لوگ وہ ہیں۔ جن کا جسم نعمتوں سے بنا رہتا ہے اور طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں اور قسم قسم کے لباس پہنتے ہیں اور پھر مُنہ کو کھولتے ہیں اور اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ اللّٰہم کو ان آفات سے محفوظ رکھے۔

باب سوم حلال کو حرام سے جدا کرنا اور اُسے تلاش کرنا

جاننا چاہئے کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ دنیا کا تمام مال حرام ہے یا اسکا زیادہ حصہ حرام پر مشتمل ہے یہانتک اس گروہ کے تین حصے ہو گئے ہیں وہ گروہ جن پر احتیاطِ زہد غالب تھی کہتا ہے کہ ہم سوائے گھاس صحرائی اور گوشت ماہی وغیرہ کے اور کچھ نہیں کھاتے۔ دوسرا گروہ جس پر شہوت و بطالت کا غلبہ ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ کوئی تمیز نہیں کرنی چاہئے۔ تیسرا گروہ جو اعتدال کے نزدیک ہوا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ سب کچھ کھا لینا چاہئے لیکن مقدار ضرورت کے مطابق اور یہ تینوں مذہب قطعاً غلطی پر ہیں بلکہ درست یہ ہے کہ حلال ہمیشہ روشن ہے اور حرام ظاہر ہے اور شبہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص سمجھتا ہے کہ مال دنیا زیادہ تر حرام غلط کہتا ہے کہ وہ حرام زیادہ ہے لیکن بیشتر حرام نہیں ہے اور بہت اور بیشتر میں فرق ہے جیسے بیمار اور مسافر میں فرق ہے۔ لشکری بہت ہیں لیکن بیشتر نہیں ہیں ظالم بہت ہیں لیکن مظلوم بیشتر ہیں اور اس کے غلط ہونیکی وجہ ہم نے کتاب احیاء العلوم میں تفصیل و دلیل کے ساتھ لکھی ہے اور اصل تو یہ ہے کہ تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس چیز کے کھانے کا حکم نہیں دیا گیا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں حلال ہو۔ کیونکہ یہ امر جاننے کی کسی میں طاقت نہیں ہے بلکہ حکم ہے کہ اس چیز کو کھائیں جسے جانیں کہ حلال ہے جبکا حرام ہونا معلوم نہ ہو اور یہ بات ہمیشہ آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے اور اس امر کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے برتن سے طہارت کی اور اگر وہ پیاسے ہوتے تو پانی بھی پی لیتے اور پلید چیز کا کھانا حلال نہیں ہے اور یہ امر غالب ہے کہ عموماً مشرک اور یہودی کا ہاتھ پلید ہوتا ہے کیونکہ یہ شراب پیتے ہیں اور مردار کھاتے ہیں لیکن وہ انکی پلیدی نہ جانتے تھے اسلئے پاک سمجھتے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جس شہر میں پہنچتے طعام خریدتے معاملہ کرتے۔ باوجود اس بات کے کہ انکے زمانہ میں سود خور شراب نوش شراب فروش سب قسم کے لوگ موجود تھے اور انھوں نے مال دنیا سے ہاتھ نہ کھینچا اور سب کو برابر بھی نہ جانا اور بقدر ضرورت پر اکتفا کیا پس تجھے جاننا چاہیئے کہ لوگ تیرے حق میں چھ قسم کے ہیں قسم اوّل وہ تجھ سے مجہول ہو کہ تو نہ اسکی صلاح کو جانتا ہو اور نہ فساد کو یعنی نہ تو اسکا صالح ہونا جانے اور نہ ہی برائی سے آگاہ ہو جیسا تو کسی غیر شہر میں جائے تو تیرے لئے جس شخص سے چاہے معاملہ کرنا اور روٹی خریدنا جائز ہے کیونکہ جو کچھ اسکے ہاتھ میں ہے ظاہر ہے کہ اسکی ملکیت ہے اور یہ دلیل کافی ہے اور بغیر کسی ایسی علامت کے جو اسکے حرام ہونے پر دلالت ہو باطل نہیں ہوتی اگر کوئی شخص اس میں توقف کرے اور کسی ایسے شخص کو تلاش کرے جو اسکے صالح ہونے سے واقف ہو تو منجملہ ورع کے ہے لیکن واجب نہیں ہے قسم دوم یہ کہ اس کے صالح ہونیسے تو واقف ہو اس کا مال کھانا روا ہے اور اس میں توقف کرنا ورع میں داخل نہیں ہے بلکہ وسوسہ ہے اگر وہ شخص تیرے توقف کرنے سے رنجیدہ ہو تو یہ امر تیرے لئے معصیت ہے اور اہل صلاح پر گمان کرنا گناہ ہے قسم سوم وہ ہے کہ تو جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے جیسے ترک لوگ یا بادشاہی عہدہ دار یا تو جانتا ہو کہ اسکا تمام مال یا مال کا بیشتر حصہ حرام کا ہے تو ایسے شخص کے مال سے حذر کرنا واجب ہے لیکن جب تجھے معلوم ہو کہ اس نے حلال کی جگہ سے حاصل کیا ہے اور اسکے حلال ہونیکے دلائل موجود ہیں کہ اس نے کسی کے مال کو غصب نہیں کیا تو پھر روا ہے قسم چہارم یہ کہ تو جانے کہ اسکا مال بیشتر حلال ہے لیکن قطعاً حرام سے بھی خالی نہیں۔ جیسے کوئی شخص دہقان ہو۔ لیکن بادشاہ کی طرف سے عامل بھی ہو یا سوداگر ہو اور بادشاہی علاقہ داروں کے ساتھ بھی معاملہ کرتا ہو اس کا مال حلال ہے اور جائز ہے کہ اس سے اکثر لیا جائے۔ کیونکہ حلال ہے لیکن اہل ورع کو اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وکیل نے آپ کی طرف بصرہ سے لکھا کہ میں ایسے لوگوں سے معاملہ کرتا ہوں جو بادشاہوں کے علاقہ داروں سے معاملہ کرتے ہیں آپ نے لکھا کہ اگر وہ سوائے بادشاہی

تعلقہ داروں سے اور کسی سے معاملہ نہیں کرتے تو ان سے معاملہ نہ کرو۔ اور اگر دوسروں سے بھی معاملہ کرتے ہیں تو ان سے معاملہ کرنا روا ہے۔ قسم پنجم۔ یہ ہے کہ اس کے ظلم کو نہ جانے اور اس کے مال کے متعلق خبر نہ رکھے۔ لیکن ظلم کی علامت اس کے ساتھ نہ دیکھتا ہو۔ جیسے وہ قبا و کلاہ پہنے ہو اور لشکریوں کی صورت بنائی ہوئی ہو یہ بات بھی ظاہری علامت ہے اور ان کے معاملہ سے بھی حذر کرنا چاہیئے۔ تاوقتیکہ تو جانے کہ یہ وہ مال جو تجھے دیتا ہے کہاں سے لاتا ہے قسم ششم یہ کہ اس کے ساتھ ظلم کی کوئی علامت نہ دیکھے لیکن فسق کی علامت دیکھے۔ جیسے کہ ریشمی لباس پہنے ہوئے یا طلائی زیور پہنتا ہو یا تو جانتا ہو کہ شراب پیتا ہے اور نامحرم عورتوں کو دیکھتا ہے درست یہ ہے کہ اس کے مال سے حذر کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ان افعال سے مال حرام نہیں ہو جاتا اور اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتے کہ جب یہ مال حلال رکھتا ہے تو شاید حرام کے مال سے بھی پرہیز نہ کرتا ہو۔ لیکن اس بنا پر اس کے مال کو حرام نہیں کہا جا سکتا کیونکہ کوئی شخص بھی گناہ سے معصوم نہیں ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ظلم و ستم سے حذر کرتے ہیں اگرچہ معصیت سے حذر نہیں کرتے اور یہ قاعدہ حرام کی تمیز میں نگاہ رکھنا چاہیئے اور جب اس کو نگاہ رکھے گا اور نادانستہ کوئی حرام چیز کھائے گا تو ماخوذ نہ ہوگا جیسے کہ نماز نجاست کے ساتھ جائز نہیں اور اگر کوئی ایسی نجاست ہو جسے وہ نہ جانتا ہو تو اس کی نماز جائز ہو جاتی ہے اور اگر نماز کے بعد نجاست کا اس کو پتہ چل جائے تو ایک قول کی بنا پر اس پر قضا واجب نہیں ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عین نماز کے درمیان نعلین اتار ڈالی اور نماز کو اول سے شروع نہ کیا اور فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ یہ نجس ہے اور جاننا چاہیئے کہ جس جگہ ہم نے یہ کہا ہے کہ اہل تقویٰ کو اس سے پرہیز ضروری ہے۔ اگرچہ واجب نہیں وہاں پوچھ لینا چاہیئے کہ مال کہاں سے ہے بشرطیکہ ایسا پوچھنے سے دوسرے کا دل رنجیدہ نہ ہو اور اگر وہ شخص اس کے یہ پوچھنے پر رنجیدہ ہوگا تو وہاں ایسا سوال کرنا حرام ہوگا۔ کیونکہ ورع احتیاط ہے اور کسی کو رنجیدہ کرنا حرام ہے بلکہ چاہیئے کہ مہربانی کرے اور بہانہ کر دے اور نہ کھائے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو کھائے تاکہ وہ شخص رنجیدہ نہ ہو۔ اور اگر کسی دوسرے سے دریافت کرے اور اس کا سن لینا ممکن ہو تو بھی حرام ہے کیونکہ یہ تجسس اور غیبت اور گمان میں داخل ہے یہ تینوں حرام ہیں اور یہ فعل حرام احتیاط کے لئے مباح نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ مہمان ہوتے تو نہ پوچھتے اور ہدیہ لیتے تو تب بھی دریافت نہ فرماتے۔ لیکن اس جگہ پر جہاں شبہ ظاہر ہوتا او جب اول آپ مدینہ گئے جو شخص آپ کے پاس کچھ لاتا آپ دریافت فرماتے کہ یہ ہبہ ہے یا صدقہ اس لئے کہ وہ شک کی جگہ تھی اور اس لئے کوئی شخص بھی رنجیدہ نہ ہوتا اور جاننا چاہیئے کہ اگر بازاری بادشاہ کا مال لگائیں اور اگر جان لے کہ اس بازار میں بیشتر مال حرام کا ہے تو نہ خرید کرے۔ یہاں تک کہ سوال کرے کہ یہ کہاں سے آیا ہے اور اگر بیشتر حصہ مال کا حرام نہ ہو تو بلا سوال خرید لینا جائز ہے۔ لیکن ورع و پرہیزگاری کی رو سے دریافت کرنا ضروری ہے۔

باب چہارم بادشاہوں سے روزینہ لینا اور انکو سلام کرنا اور اُن کے مال میں سے مال حلال لینا

جاننا چاہیئے کہ زمانہ کے بادشاہوں کے پاس جو مال مسلمانوں سے خراج لے کر یا جرمانہ کر کے یا بطریق رشوت وغیرہ کے ہے وہ سب حرام ہے اور ان کے پاس تین قسم کا مال حلال ہے ایک وہ مال جو بطور مال غنیمت کے لیا جائے یا جرمانہ کے طور پر بشرائط شریعت جو مال ذمی لوگوں سے لیا جائے یا کسی ایسے متوفی کی میراث کا جس کا کوئی وارث نہ ہو کیونکہ یہ تمام مال مسلمانوں کا حق ہے اور چونکہ زمانہ ایسا آگیا ہے۔ کہ حلال کا مال کمیاب ہے اور خراج کا زیادہ تر حصہ جو جرمانوں پر مشتمل ہوتا ہے تو بادشاہوں سے بلا تحقیق مال کو نہ لینا چاہیئے اور اس امر سے واقف ہونا چاہیئے کہ یہ مال وجہ حلال سے ہے یا غنیمت کا مال ہے یا جزیہ ہے یا لاوارث لوگوں کے مال میں سے ہے اور بادشاہ کے لئے یہ امر جائز ہے کہ وہ زمین کو زراعت سے آباد کرے اور اس سے محصول لے اور اگر بادشاہ نے بیگار کے مزدوروں سے کام لیا ہو گا تو پھر اس میں شبہ کو دخل ہوگا اگرچہ حرام نہ ہوگا۔ اگر ذمی لوگوں کے ملک میں زمین مزروعہ خرید لے گا تو وہ بھی اس کی ملکیت ہوگی لیکن اگر اس کی قیمت مال حرام سے دے گا تو اس میں شبہ کو دخل ہوگا پس ہر وہ شخص جو بادشاہ سے روزینہ حاصل کرتا ہے اگر وہ روزینہ خاص بادشاہ کی ملکیت سے ہو تو وہ درست اور جائز ہے اور اگر وہ روزینہ ترکات اور مال مصالح سے ہے تو حلال نہیں ہے تا وقتیکہ روزینہ لینے والا ایسا شخص نہ ہو کہ مسلمانوں کی مصالحت اس سے وابستہ ہو جیسے قاضی مفتی متولیؔ اوقاف و طبیب یعنے وہ لوگ جو ایسے امور پر مامور ہوں کہ ان کا نفع عام لوگوں کے لئے ہو اور طلبائے علم دین بھی اس میں شامل ہیں اور وہ شخص جو روزی کمانے سے عاجز ہے یا درویش ہے اس کا بھی اس مال میں حق ہے لیکن اہل علم اور دوسرے لوگوں کو اس شرط سے درست ہے کہ وہ بادشاہ کے عہدہ داروں اور بادشاہ کے دین کے معاملہ میں رعایت نہ کریں اور باطل کاموں میں ان کی موافقت نہ کریں اور ان کو ظلم پر آمادہ نہ کریں۔ بلکہ ان کے قریب تک نہ جائیں اور اگر جائیں تو شریعت کی شرائط کے مطابق جائیں جیسے کہ اس کا بیان کیا جاتا ہے۔

فصل جاننا چاہیئے کہ علما اور غیر علماء کی بادشاہوں اور عاملوں کے ساتھ تین حالتیں ہیں اوّل یہ کہ ان کے یعنی بادشاہوں کے نزدیک نہ جائیں اور یہ لوگ یعنی بادشاہ ان کے پاس آئیں کیونکہ دین کی سلامتی اس میں ہے دوم یہ کہ بادشاہوں کے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں یہ امر شریعت میں مذموم ہے مگر بشرط ضرورت روا ہے جناب جناب سرور کائناتؐ ظالم امراء کی علامات بیان فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ جو شخص ان سے دور رہے گا وہی نجات پائے گا۔ اور جو شخص ان کے ساتھ دنیا میں مبتلا ہوا وہ انہی میں سے ہوگا اور فرمایا میرے بعد ظالم بادشاہ ہوں گے۔ جو شخص ان کے

دروغ اور ظلم سے پرہیز نہ کریگا۔ وہ میری امت سے نہیں ہے اور اسکے لیئے قیامت کے دن حوض کوثر کی راہ مسدود ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دشمن ترین وہ علماء ہیں۔ جو امراء کے پاس جاتے ہیں اور بہترین امراء وہ ہیں جو علماء کے پاس جاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ علماء پیغمبروں کے امانتدار ہیں تاوقتیکہ بادشاہوں سے مخالطت نہ کریں جبکہ وہ امانت میں خیانت کریں تو ان سے دور رہو۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمہؓ سے کہا کہ بادشاہ کی درگاہ سے دور رہو۔ کیونکہ انکی دنیا سے جو کچھ تمہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ دین میں نقصان ہوتا ہے اور کہا کہ دوزخ میں ایک وادی ہے۔ اس میں کوئی شخص نہ جائیگا سوائے ان علماء کے جو بادشاہوں کی زیارت کے لیئے جاتے ہیں۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علماء اور پارسا لوگوں کا امراء کے ساتھ دوستی رکھنا اس کے نفاق کی دلیل ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی درست دین کے ساتھ بادشاہ کے پاس جاتا ہے اور بیدین ہوکر واپس آتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیونکر۔ فرمایا کہ بادشاہ کی رضا اس امر میں چاہتا ہے جس میں حق تعالیٰ کی ناخوشی ہے فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عالم جسقدر بادشاہ کے نزدیک ہوتا ہے۔ اسیقدر خدا سے دور ہوجاتا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ وہ علماء جو بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں انکا ضرر مسلمانوں کے لیئے جواریوں کے ضرر سے زیادہ ہے محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مکھی نجاست پر بیٹھی ہوئی بہتر ہے۔ اس عالم سے جو بادشاہ کی درگاہ پر بیٹھا ہو۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ اس شدت کا سبب یہ ہے۔ کہ جو شخص بادشاہ کے پاس جاتا ہے وہ معصیت کے خطرہ میں ہوتا ہے۔ بلحاظ فعل کے یا گفتار کے یا خاموشی یا اعتقاد کے فعل کے رو سے معصیت یہ ہوتی ہے کہ اغلباً بادشاہوں کا گھر مغصوب ہوتا ہے اور وہاں نہ جانا چاہیئے۔ اور اگر وہ صحرا و دشت میں ہوں تو انکا خیمہ و فرش حرام ہے۔ وہاں بھی نہ جانا چاہیئے اسپر پاؤں نہ رکھنا چاہیئے۔ اور اگر زمین مباح پر بلا خیمہ و فرش کے ہوں تو وہاں پر انکے سامنے سر جھکانا اور خوشامد کرنا ایک ظالم کے سامنے فروتنی و عاجزی کا اظہار کرنا ہوگا اور یہ ناجائز ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی توانگر کے سامنے اس کی توانگری کیوجہ سے عاجزی کرتا ہے تو اسکے دین کا ایک حصہ ضائع ہوجاتا ہے۔ اگرچہ وہ توانگر ظالم نہ ہو۔ سلام کے سوا ہے اور کچھ درست نہیں۔ مگر سلطان عادل عالم باعمل یا کسی ایسے شخص کے سوا جو دینی لحاظ سے مستحق تواضع ہو کسی اور کے ہاتھ کو چومنا یا پیٹھ کو خم کرنا یا سر جھکانا درست نہیں۔ اور بعض نے اسلاف میں سے اس امر میں مبالغہ کیا ہے۔ اور ظالموں کے سلام تک کا جواب نہیں دیا ہے۔ تاکہ ظلم کیوجہ سے ان کی عزت ہو معصیت گفتار یہ ہوگی کہ بادشاہ ظالم کے حق میں دعا کرے اور مثلاً اسطرح کہے کہ حق تعالیٰ تجھے زندگی دے۔ اور اسطرح کہنا درست نہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص ظالم کیلیئے درازی عمر کی دعا کرتا ہے۔ وہ اسبات کو دوست رکھتا ہے کہ زمین پر ہمیشہ ایسا شخص رہے جو خدا کی نافرمانی کرے پس کوئی دعا بھی درست نہ ہوگی مگر یہ کہے اَصْلَحَكَ اللّٰہُ وَ وَفَّقَكَ اللّٰہُ لِلْخَیْرَاتِ۔ یا طَوَّلَ اللّٰہُ عُمْرَكَ فِیْ طَاعَتِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ تجھے صلاحیت دے اور خیر کی توفیق دے اور

اپنی اطاعت میں تیری عمر دراز کرے جب آدمی دعا سے فارغ ہوتا ہے تو غالباً اپنا اشتیاق ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہمیشہ خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں اور اگر یہ اشتیاق اس کے دل میں نہ ہو تو جھوٹ بولا اور بے ضرورت نفاق کیا اور اگر درحقیقت اسکے دل میں اشتیاق ہے تو پس ہر وہ دل جو ظالموں کے دیدار کا مشتاق ہوتا ہے۔ وہ یقیناً نورِ مسلمانی سے خالی ہوگا۔ بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس سے اسطرح نفرت رکھے جیسے اپنے مخالف سے نفرت رکھتا ہے اور جب یہ کہنے سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے عدل و انصاف و کرم کی تعریف کرتا ہے اور یہ بھی دروغ و نفاق سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اقل درجہ یہ ہے کہ ایسی باتوں سے ایک ظالم کا دل خوش کیا اور یہ ناجائز ہے۔ اور جب اس سے فارغ ہوتا تو اغلباً وہ ظالم کوئی محال بات کہتا ہے تو اسے اس پر سر ہلانا پڑتا ہے۔ اور اسکی تصدیق کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ معصیت میں داخل ہے۔ اور معصیت خاموشی یہ ہوتی ہے کہ اس مکان میں فرش ریشمی دیکھتا ہے اور دیواروں پر تصاویر ملاحظہ کرتا ہے۔ اور اس کے بدن پر ریشمی پوشاک اور انگلی میں سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے برتن دیکھتا ہے اور شاید اسکی زبان سے جھوٹ اور فحش بھی سنتا ہے۔ ان تمام باتوں میں اس پر احتساب لازم ہے اور خاموشی ناجائز ہے۔ لیکن چونکہ احتساب کرنے سے ڈرتا ہے۔ اور معذور ہوتا ہے لیکن وہاں بلا ضرورت جانے میں معذور نہیں ہوتا۔ اور یہ بالکل ناجائز ہے کہ بلا ضرورت ایسی جگہ پر جائے جہاں خلافِ شریعت باتیں دیکھے اور احتساب نہ کر سکے۔ دل اور اعتقاد کے رو سے معصیت اسطرح پر ہوتی ہے کہ اس کی جانب رغبت کرتا ہے اور اسکو دوست رکھتا ہے۔ اور اسکی تواضع کا اعتقاد کرتا ہے اور اسکی دولت کو دیکھتا ہے اور دنیا کی رغبت اس میں پیدا ہوتی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا معشر المہاجرین! دنیا داروں کے نزدیک نہ جاؤ۔ کیونکہ جو روزی حق تعالیٰ نے تمہیں دی ہے اس پر غصہ کروگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اہل دنیا کے مال کیطرف نہ دیکھو۔ کیونکہ انکی دنیا کی روشنی ایمان کی شیرینی کو تمہارے دل سے دور کر دیگی۔ پس ان تمام باتوں سے جاننا چاہیئے کہ سوائے دو علامات کے کسی ظالم کے پاس جانے کی اجازت نہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہ کا حکم ہو اور اس امر کا خوف ہو کہ اگر تو اسے نہ مانیگا تو وہ تجھے نقصان پہنچائیگا۔ یا حشمت سلطنت حاصل ہوجائیگی اور رعیت دلیر ہوجائیگی۔ یا اپنی داد طلبی یا کسی مسلمان کی سفارش کے لئے جائے ان دو باتوں کیلئے جائز ہے بشرطیکہ جھوٹ نہ کہے اور تعریف نہ کرے۔ اور سختی کے ساتھ نصیحت کرنیکو ترک نہ کرے اور اگر ڈرے تو نرمی کیساتھ کرے۔ اور اگر جانے کہ قبول نہ ہوگی بارے جھوٹ بولنے سے اور تعریف کرنے سے حذر کرے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ حیلہ کرتا ہے کہ میں سفارش کیلئے جاتا ہوں۔ اور اگر وہ کام کسی دوسرے کی سفارش سے بر آئے۔ یا کسی دوسرے کو بادشاہ کا تقرب حاصل ہوگا تو وہ غمگین ہوتا ہے۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ضرورت کیوجہ سے نہیں جاتا بلکہ طلب جاہ کیلئے جاتا ہے حالت سوم یہ ہے کہ خود بادشاہوں کے پاس نہ جائے بلکہ بادشاہ اس کے پاس آئیں اور اس کی شرط یہ ہے کہ جب وہ سلام کریں تو جواب دے اور اگر تعظیم کیلئے کھڑا ہو تو روا ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ کا اس کے پاس آنا علم کی عزت کرتا ہے

اور اس کی نیکی کی وجہ سے عزت کا مستحق ہے۔ جسطرح ظلم کے باعث اہانت کا مستحق ہوتا ہے لیکن اگر نہ اُٹھے اور دنیا کی حقارت ظاہر کرے تو اولیٰ ہے بشرطیکہ اسے تکلیف پہنچنے کا یا بادشاہ کی عزت کا رعیت کے دلوں سے باطل ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور جب بیٹھے تو تین قسم کی نصیحت اس پر واجب ہے **اوّل** یہ کہ بادشاہ کوئی ایسا فعل کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ حرام ہے تو عالم کو چاہیئے بادشاہ پر اس کا حرام ہونا ظاہر کرے۔ **دوم**۔ بادشاہ کوئی ایسا فعل کرتا ہے جسے جانتا ہے کہ حرام ہے جیسے ظلم فسق وغیرہ تو بادشاہ کو نصیحت کرے اور اسے ڈرائے اور کہے کہ لذتِ دنیا کی یہ قدر و قیمت نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے مملکت آخرت میں نقصان اٹھائے **سوم**۔ یہ کہ کوئی بات ایسی ہے جس میں عام خلقِ خدا کی بہتری و بہبودی مضمر ہے۔ اور بادشاہ اس سے غافل ہے۔ اگر اسے امید ہو کہ بادشاہ اسے قبول کریگا۔ تو بادشاہ کو اس سے خبردار کردے۔ اور یہی تینوں باتیں اس شخص پر بھی واجب ہیں جو بادشاہ بن جائے بشرطیکہ قبولیت کی امید ہو اور عالم جب باعمل وبے پروا ہوگا تو اسکی بات ضرور قبول ہوگی اور اگر دنیا کی طمع رکھتا ہے تو اسکا خاموش رہنا بہتر ہے کیونکہ سوائے اسکے کہ لوگ خندہ کریں اور کچھ حاصل نہ ہوگا مقاتل بن صالح فرماتے ہیں کہ میں حضرت حماد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا ان کے تمام گھر میں سوائے ایک بوریئے اور ایک چمڑے اور ایک قرآن شریف اور ایک لوٹے کے اور کچھ نہ تھا کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا پوچھا کون ہے جواب آیا محمد بن سلیمان خلیفہ وقت ہے خلیفہ اندر داخل ہوا اور بیٹھ گیا خلیفہ نے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جس وقت بھی میں آپ کو دیکھتا ہوں میرے تمام جسم میں ایک خوف اور ہیبت پیدا ہو جاتی ہے حماد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ عالم جس کا مقصود علم سے صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں اور جب اس کا مقصد دنیا ہوتی ہے تو وہ سب سے ڈرتا ہے خلیفہ نے چار ہزار درہم آپ کے سامنے رکھے اور کہا کہ انہیں کسی کام میں صرف کیجئے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور انکے مالک کو دیدے خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں نے میراث حلال سے حاصل کئے ہیں آپ نے فرمایا مجھے ان کی ضرورت نہیں خلیفہ نے کہا مستحقوں میں تقسیم فرما دیجئے۔ آپ نے کہا شاید میں انصاف سے تقسیم کردوں اور کوئی یہ کہدے کہ انصاف سے کام نہیں لیا اور گنہگار ہو جاؤں میں یہ بھی پسند نہیں کرتا۔ اور آپ نے وہ درہم نہ لئے علمائے سلف کی بادشاہوں کے ساتھ یہ حالت تھی۔ اور جب وہ بادشاہوں کے پاس جاتے تو اس طرح جاتے جسطرح حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ ہشام بن عبدالملک کے سامنے گئے جب خلیفہ ہشام مدینہ منورہ پہنچا تو اس نے کہا صحابہ میں سے کسی کو میرے سامنے لاؤ لوگوں نے کہا سب وفات پاچکے ہیں۔ پھر کہا تابعین میں سے کسی کو میرے سامنے لاؤ۔ لوگ حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسکے پاس لیگئے طاؤس جب اندر پہنچے تو انھوں نے جوتا اتار ڈالا اور کہا السلام علیک یا ہشام کیسے ہوے ہشام ہشام اس بات سے خفا ہوا اور آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں اور اکابر علما میں سے ہیں یہ ارادہ نہ کر پھر کہا اے طاؤس تم نے یہ کیا گستاخی کی۔ آپ نے جواب دیا میں نے کیا کیا اسپر اسکا غصہ اور زیادہ ہو گیا خلیفہ نے کہا تو آپ نے چار آداب کو ترک کیا اوّل یہ کہ تو نے جوتا میرے فرش کے کنارے پر اتار ڈالا اور یہ طریق اسکے نزدیک برا تھا بلکہ جوتا

(موزہ سمیت اس کے سامنے بیٹھنا چاہیئے۔ تو اور اب بھی خلفائے گھروں میں یہی رسم ہے) دوم یہ کہ تو نے مجھے امیر المومنین نہیں کہا۔ سوم۔ یہ کہ میرا نام بلایا اور کنیت نہ کہی (اور یہ طرز عرب کے نزدیک بری تھی) چہارم یہ کہ تو میری بلا اجازت بیٹھ گیا اور میرے ہاتھ کو بوسہ نہ دیا۔ طاوس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ میں نے تیرے سامنے جوتا اتارا تو کیا ہوا جبکہ رب العزت کے سامنے جو سب کا خدا ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ جوتا اتارتا ہوں اور وہ مجھ پر خفا نہیں ہوتا اور دوسرے یہ کہ میں نے تجھے امیر المومنین نہیں کہا اسکی وجہ یہ تھی کہ تمام لوگ تیری امیری سے راضی نہیں ہیں اس لئے ڈرا کہ جھوٹ کیسے کہوں سوم یہ کہ میں نے تیرا نام بلایا اور کنیت نہ کہی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ حق تعالی نے اپنے دوستوں کو ان کے نام سے یاد کیا ہے اور فرمایا ہے یا داود یا یحیی یا عیسی اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے بلایا ہے اور فرمایا ہے تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ چہارم یہ کہ میں نے تیرے ہاتھ کو بوسہ نہیں دیا۔ یہ اس لئے تھا کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا آپ فرماتے تھے کسی کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز نہیں سوائے عورت کے ہاتھ کے عالم شہوت میں اور بیٹے کے ہاتھ کو محبت سے۔ اور یہ کہ میں تیرے سامنے بیٹھ گیا اسکی وجہ یہ تھی کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا تھا اگر تم اہل دوزخ میں سے کسی شخص کو دیکھنا چاہتے ہو تو ایسے شخص کو دیکھو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ اسکے سامنے کھڑے ہوں ہشام کو یہ باتیں پسند آئیں کہا مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا تھا آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں سانپ ہیں جو پہاڑوں کی طرح ہیں اور بچھو ہیں۔ جو اونٹوں کے برابر ہیں اور ایسے امیر کا انتظار کر رہے ہیں جو اپنی رعیت کے ساتھ عدل نہیں کرتا آپ نے یہ کہا اور اٹھے اور چلے گئے۔

سلیمان بن عبد الملک اپنے عہد خلافت میں مدینہ منورہ آیا۔ ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے عالم تھے انکو بلایا اور پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم موت سے ناخوش ہوتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس لئے کہ تم نے دنیا کو آباد کیا ہے اور آخرت کو برباد کیا ہے اور جو شخص آبادی سے ویرانے کی طرف جاتا ہے اسے رنج ہوتا ہے پھر خلیفہ سلیمان نے پوچھا لوگ جب حق تعالی کے سامنے جائیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ نیک لوگ تو اسطرح جائیں گے جیسے کوئی شخص سفر سے واپس آتا ہے اور اپنے عزیزوں سے ملتا ہے اور بدکار بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہوں گے جسے زبردستی پکڑا جائے اور اس کے مالک کے سامنے پیش کیا جائے۔ خلیفہ نے کہا کاش! میں جانتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ قرآن شریف میں دیکھ تاکہ تجھے معلوم ہو اللہ تعالی فرماتا ہے۔ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ترجمہ آیتہ نیکوکار لوگ بہشت میں ہوں گے اور گنہگار لوگ دوزخ میں ہوں گے پھر خلیفہ نے کہا کہ خدا تعالی کی رحمت کہاں ہوگی۔ آپ نے کہا۔ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ یعنی نیک کام کرنیوالوں کے قریب علمائے دین کی باتیں بادشاہ کے ساتھ اس قسم کی تھیں اور علمائے دنیا کی باتیں انکے ساتھ صرف دعا و ثنا کہنا ہے اور ایسے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی ایسی بات کہیں جو انہیں پسند خاطر ہو اور حیلہ شرعی تلاش کرتے ہیں تاکہ بادشاہ اپنی مرادیں کامیاب ہوں اور اگر نصیحت کہتے ہیں تو انکا مقصد اپنی جاہ طلبی ہوتی ہے۔ اور اسکی نشانی یہ ہے کہ وہی نصیحت اگر کوئی دوسرا کرتا ہے تو انہیں اس پر حسد آتا ہے۔ بہر حال ظالموں کا دیکھنا اولی ہے اور ان کے ساتھ دوستی نہ کرنا چاہیئے اور جو لوگ انکے دوست ہوں ان کے ساتھ بھی دوستی نہ کرنا چاہیئے

اور اگر کوئی شخص اس بات پر قادر نہ ہو کہ ان سے دوستی ترک کر سکے۔ تاوقتیکہ گوشہ نشین نہ ہو جائے اور دوسروں سے بھی تعلقات منقطع نہ کرے تو اسے چاہئے کہ گوشہ نشین ہو جائے اور سب لوگوں سے تعلقات منقطع کرے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمایت میں رہے گی جبتک کہ علماء اللہ تعالیٰ کے اوامر کی موافقت کرینگے حاصل کلام رعیت کی خرابی امیروں اور بادشاہوں کی خرابی سے ہوتی ہے اور بادشاہوں کی خرابی علماء کی خرابی سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ علماء ان کی اصلاح نہیں کرتے ہیں اور اُن سے انکار نہیں رکھتے۔

فصل

اگر بادشاہ کسی عالم کے پاس مال خیرات کرنے کیلئے بھیجے، اگر وہ جانتا ہے کہ اس مال کا کوئی مالک ہے تو اس مال کو تقسیم نہ کرے بلکہ بادشاہ سے کہے کہ اسے واپس مالک کے پاس پہنچا دیا جائے اور اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو۔ تو علماء کے ایک گروہ نے ایسے مال کے لینے سے اور تقسیم کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ان سے یعنی بادشاہوں سے لے اور خیرات کے طور پر تقسیم کر دے تاکہ ان کی دسترس سے باہر ہو جائے اور انکے ظلم و فسق کا آلہ نہ بنے اور درویشوں کو راحت نصیب ہو اس مال کا یہی حکم ہے کہ درویشوں کو پہنچا دے لیکن تین شرائط کو ملحوظ رکھے، اول یہ کہ بادشاہ اسکے لینے سے یہ خیال نہ کرے کہ اسکا مال حلال ہے کیونکہ اگر حلال نہ ہوتا تو وہ یعنی عالم نہ لیتا کیونکہ ایسا خیال کرنے سے بادشاہ مال حرام لینے پر دلیر ہو جائے گا اور اسکی برائی خیرات تقسیم کرنے سے زیادہ ہے۔ دوم یہ کہ عالم اس حالت میں نہ ہو کہ دوسرے لوگ اسکی طرح مال لینے میں اقتدا کریں۔ لیکن مال تقسیم کرنے سے غافل رہیں۔ جیسے کہ ایک گروہ نے حجت تراشی ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ خلفاء کا مال لے لیتے تھے، اور اس بات کی خبر نہیں کہ وہ تمام مال تقسیم کر دیتے تھے۔

حضرت وہب بن منبہ اور حضرت طاؤس رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کے بھائی کے پاس گئے حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ اسے نصیحت کرتے تھے۔ صبح کا وقت تھا اور سردی بہت تھی۔ اس نے حکم دیا کہ حضرت طاؤس کے کاندھوں پر چادر ڈالدی جائے۔ اور اسکے ملازموں نے حضرت طاؤس پر چادر ڈال دی اور آپ باتیں کرتے اور ہل رہے تھے یہاں تک کہ چادر آپکے کاندھوں سے گر پڑی حجاج کے بھائی نے جب دیکھا تو خفا ہوا۔ جب آپ باہر تشریف لائے۔ تو حضرت وہب نے کہا اگر یہ چادر لے لیتے اور کسی درویش کو دیدیتے تو بہتر ہوتا اس بات سے اس کو غصہ نہ آتا۔ حضرت طاؤس نے کہا میں اس بات سے بے غم نہ تھا کہ کوئی میری اقتدا کرے۔ اور امراء کا مال لے لیکن اس بات سے بے خبر رہے کہ میں نے درویش کو دیدیا۔ سوم یہ کہ ظالم کی دوستی اس کے دل میں اس وجہ سے پیدا نہ ہو جائے کہ اس نے مال تقسیم کرنے کیلئے اسکے پاس بھیجا کیونکہ ظالموں کی دوستی بہت گناہوں کا باعث ہوتی ہے اور خوشامد سکھاتی ہے اور اس امر کا موجب ہوتی ہے کہ ظالم کے عزل و مرگ سے غمگین ہوتا ہے اور اسکی حشمت و حکومت کی ترقی سے خوش ہوتا ہے اور اسلئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے خداوند کسی ظالم کو اس بات کی توفیق نہ دے کہ وہ میرے ساتھ نیکی کرے کیونکہ اس سبب سے میرے دل میں اسکی جانب رغبت پیدا ہو گی اور یہ اس لئے فرمایا کہ دل ضرور اپنے محسن کی بہتری کیطرف رجوع کرتا ہے اور حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔ یعنی ان لوگوں کی طرف رغبت نہ کرو

جو ظلم کرتے ہیں کسی خلیفہ نے دس ہزار درہم حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تقسیم کرنے کیلئے بھیجے۔ آپ نے سب تقسیم کر دیئے اور ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھا اور کہا کہ سچ کہئے کہ اس دس ہزار درہم کے بھیجنے سے خلیفہ کی محبت آپ کے دل میں زیادہ ہوئی ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہوتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ مجھے بھی اس بات کا ڈر تھا آخر اس مال کی شومی نے تمہارے ساتھ اپنا کام کیا۔ بصرہ کے ایک بزرگ نے بادشاہ سے مال لیا اور تقسیم کر دیا۔ لوگوں نے کہا کیا تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اس کی دوستی تیرے دل میں پیدا ہو آپ نے جواب دیا اگر کوئی میرا ہاتھ پکڑے اور بہشت میں لیجائے اور پھر گناہ کرے تو میں اس کو بھی دشمن سمجھوں گا اور اس شخص کیلئے بھی دشمن جانونگا کہ جس نے اس کو میرا ہاتھ پکڑنے کیلئے مسخر کیا تاکہ مجھے بہشت میں لیجائے جب کسی کو یہ طاقت حاصل ہو تو اسکے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے کہ وہ بادشاہوں کا مال لے اور تقسیم کر دے۔ واللہ اعلم۔

اصل پنجم خلق کیساتھ حق صحبت ادا کرنا اور عزیزوں و ہمسایوں

اور غلاموں اور درویشوں کے حق کا خدا کے لئے خیال رکھنا

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کی ایک منزل ہے۔ اور سب اس منزل میں مسافر ہیں اور جبکہ تمام مسافروں کا مقصد سفر ایک ہے تو یہ سب بھی ایک ہوئے پس چاہیئے کہ ان کے درمیان الفت و اتحاد قائم رہے اور یہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور ہم ان حقوق کی شرح تین بابوں میں کرتے ہیں باب اوّل اس دوستی و برادری کی شرائط کے بیان میں جو خدا کے لئے ہو۔ باب دوم دوستوں کے حقوق میں اور بابِ سوم مسلمانوں کے حقوق اور عزیزوں اور غلاموں پر رحم کرنے کے بارے میں۔

باب اوّل اس دوستی و برادری کے بارہ میں جو خدا کے لئے ہو

جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ کیلئے دوستی و برادری کرنا بزرگ ترین عبادات میں اور مقامات میں داخل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حق تعالیٰ جس کسی کی بہتری چاہتا ہے اسے دوست عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اگر خدا تعالیٰ کو فراموش کر دے تو اس کو یاد دلائے اور اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد ہو تو وہ اس کا مددگار رہے اور فرمایا کہ کوئی دو مومن آپس میں نہیں ملتے مگر انہیں ایک دوسرے سے دین کا فائدہ نہ ہو اور فرمایا کہ جو شخص خدا کے لئے کسی کو بھائی بناتا ہے اس کو بہشت میں ایک ایسا رفیع درجہ دیں گے جو اور کسی عمل سے نصیب نہ ہو۔ حضرت ابو ادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں تجھے خدا کیلئے دوست رکھتا ہوں انہوں نے جواب دیا تجھے خوشخبری ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سنا کہ قیامت کے دن عرش عظیم کے گرداگرد کرسیاں بچھائیں گے اور لوگوں کا ایک گروہ ان پر بیٹھے گا۔ اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے اور تمام مخلوق اس وقت ہراس میں ہو گی۔ وہ امن میں ہونگے اور سب لوگ خوف میں ہونگے لیکن یہ مطمئن ہونگے اور یہ حق تعالیٰ کے دوست ہوں گے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ صحابہ نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کیلئے دوست بناتے ہیں اور فرمایا حضور فخر دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو دو دوست باہم اللہ تعالیٰ کے لئے دوستی کرتے ہیں ان میں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا وہ ہوتا ہے۔ جو دوسرے کو زیادہ چاہتا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میری دوستی ان لوگوں کا حق ہے جو ایک دوسرے کی زیارت کیلئے آتے ہیں اور ایک دوسرے سے دوستی میرے لئے کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کے مال سے آسانی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور فرمایا سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا۔ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے ایک دوسرے سے میرے لئے دوستی کی۔ آج جبکہ خلق کی پناہ کے لئے کوئی سایہ نہیں ہیں اپنی رحمت کے سایہ میں انہیں جگہ دوں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن جب کسی کے لئے کوئی سایہ نہ ہوگا۔ تو سات آدمی اللہ تعالیٰ کے سایہ میں ہوں گے (۱) امام عادل (۲) وہ شخص جس نے جوانی میں عبادت کی ہو گی (۳) جو شخص خود تو مسجد سے باہر آئے لیکن اس کا دل مسجد میں رہے جبتک پھر مسجد میں نہ جائے (۴) دو وہ شخص جو آپس میں حق تعالیٰ کے لئے دوستی رکھیں اور اسی کیلئے اکٹھے ہوں اور اسی کیلئے علیحدہ ہوں (۵) جو شخص خلوت میں جناب باری کو یاد کرے اور روئے (۶) وہ مرد جسے ایک نہایت ہی حسین و جمیل عورت خود بخود بلائے اور وہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (۷) وہ آدمی جو دائیں ہاتھ سے صدقہ دے اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص بھائی کی زیارت خدا کے لئے کرتا ہے ایک فرشتہ اس کے پیچھے منادی کرتا ہے۔ کہ تجھے حق تعالیٰ کی بہشت مبارک ہو۔ اور فرمایا کہ ایک شخص اپنے دوست کی ملاقات کیلئے جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ اسے راہ میں ملا۔ اس نے پوچھا کہاں جاتا ہے اس نے جواب دیا۔ فلاں بھائی کی ملاقات کے لئے جاتا ہوں۔ اس نے کہا کیا تجھے اس سے کچھ حاجت ہے اس نے کہا کوئی حاجت نہیں پھر فرشتہ نے کہا تیری اس سے کچھ قرابت ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ فرشتہ نے کہا پھر کیوں جاتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ کے لئے جاتا ہوں۔ اور حق تعالیٰ کیلئے اسے دوست رکھتا ہوں۔ پھر اسی فرشتہ نے کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ تجھے خوشخبری دوں کہ حق تعالیٰ تجھے دوست رکھتا ہے۔ بہ سبب اس دوستی کے جو تجھے اس کے ساتھ ہے اور تجھے بہشت دینا اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان میں سب سے زیادہ مضبوط رشتہ اور بندہ وہ دوستی و دشمنی ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ اللہ جل شانہ نے کسی نبی پر وحی نازل کی کہ جو زہد تم نے اختیار کیا ہے تم نے اس سے راحت حاصل کرنے میں جلدی کی ہے کہ دنیا و رنج دنیا سے نجات حاصل کی اور یہ جو میری عبادت میں مشغول ہوا اس سے تو اپنی عزت حاصل کی ہے لیکن غور کر میرے لئے میرے دوستوں سے بھی دوستی کی ہے اور میرے دشمنوں سے دشمنی کی ہے۔ اللہ

نیک دوستوں کی تعریف میں فرمایا

تعالیٰ علیٰ عیسےٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اگر تو تمام زمین و آسمان کی عبادتیں کرے اور اس میں میرے لئے دوستی و دشمنی نہ ہو تو وہ سب بے فائدہ ہیں۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ گنہگاروں کے ساتھ دشمنی رکھنے سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا دوست بنا اور ان سے دور رہ کر اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے نزدیک کر اور ان پر غلبہ کرنے سے حق تعالیٰ کی رضا حاصل کر۔ لوگوں نے کہا یا روح اللہ کن لوگوں کے ساتھ بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا کرو جو اللہ تعالیٰ کا دیدار تمہیں یاد دلائیں۔ اور ان کی باتوں سے تمہارا علم زیادہ ہو اور ان کے افعال تمہیں آخرت کی جانب راغب کریں۔ حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد! تم لوگوں سے کیوں بھاگے ہو اور تنہا بیٹھے ہو۔ آپ نے کہا بار خدایا تیری دوستی نے مخلوق کی یاد کو میرے دل سے محو کر دیا ہے اور مجھے سب سے نفرت ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد ہوشیار ہو اور اپنے لئے بھائی پیدا کر اور جو شخص دین کے راستہ میں تیرا مددگار نہ ہو اس سے دور رہ۔ کیونکہ وہ دل کو سیاہ کرتا ہے اور مجھ سے دور کرتا ہے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے کہ اس کا آدھا جسم آگ کا ہے اور آدھا برف کا ہے اور وہ کہتا ہے کہ بار خدایا جس طرح تو نے آگ و برف کے درمیان الفت پیدا کر دی ہے اس طرح اپنے نیک بندوں کے دل میں الفت ڈال دے۔ اور فرمایا کہ جو شخص حق تعالیٰ کیلئے دوستی رکھتے ہیں ان کیلئے یاقوت سرخ سے ستون بنائیں گے۔ اور ان کے سر پر ستر ہزار دریچے ہوں گے اور وہ اس جگہ سے اہل بہشت کو دیکھیں گے۔ اور ان کے چہروں کا نور اہل بہشت پر پڑیگا جس طرح آفتاب کا دنیا پر پڑتا ہے۔ اہل بہشت کہیں گے آؤ ان کے دیکھنے کو چلیں۔ یہ لوگ سندس کا سبز لباس پہنے ہوئے ہوں گے۔ اور ان کی پیشانیوں پر یہ لکھا ہوا ہوگا۔ اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ یعنے یہ خدا کے لئے دوستی کرنے والے ہیں۔ ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ موت کے وقت کہتے تھے۔ بار خدایا تو جانتا ہے کہ میں جس وقت گناہ کرتا تھا تو تیرے فرمانبرداروں کو دوست رکھتا تھا۔ میرے اس کام کو میرے گناہوں کا کفارہ کر دے۔ یہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب خدا کی راہ میں دوستی کرنے والے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے ہیں تو ان کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں کونسی دوستی ہے اس کی حقیقت کا بیان

جاننا چاہئے کہ جو دوستی مدرسہ یا سفر میں یا دفتر میں یا ایک محلہ میں رہنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں ہے اور اگر تو کسی کو اس لئے دوست رکھتا ہے کہ وہ خوبصورت ہے یا اچھی اچھی باتیں کرتا ہے جو دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں تو یہ دوستی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے اور اگر کسی کو اس لئے دوست بناتا ہے کہ تجھے اس سے عزت حاصل ہو یا مال یا کوئی اور غرض اس سے وابستہ ہو تو دوستی بھی اس قبیل سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی دوستیاں انہی لوگوں سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جو خدا اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوستی ہے وہ بلا ایمان کے حاصل نہیں ہوتی اور اس کے دو درجے ہیں۔ درجہ اوّل یہ ہے کہ کسی شخص کو اس لئے دوست رکھے کہ اس سے کوئی دینی غرض وابستہ

ہو۔ اور محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جیسا استاد کو دوست رکھنا کیونکہ وہ تجھے علم سکھاتا ہے۔ بشرطیکہ تیرا مقصد علم سے آخرت ہو جاہ و مال نہ ہو تو یہ دوستی خدا کی راہ میں ہے اور اگر تیرا مقصد علم سے دنیا حاصل کرنا ہے تو دوستی بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ ہوگی اور اگر تو شاگرد کو اس لئے دوست رکھتا ہے کہ وہ تجھ سے علم سیکھے اور تیری تعلیم سے اسے حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو تو یہ دوستی بھی خدا کی راہ میں ہے اور اگر شاگرد کو جاہ و حشمت کے لئے دوست رکھتا ہے تو یہ دوستی بھی حق تعالیٰ کی راہ میں دوستی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص صدقہ دے اور ایسے شخص کو دوست رکھے جو شرائط کے موافق درویشوں کو صدقہ پہنچا دیتا ہے اور درویشوں کی مہمانی کرتا ہے اور اچھے اچھے کھانے پکاتا ہے تو یہ دوستی خدا کی راہ میں ہوگی اور اگر کسی ایسے شخص کو دوست رکھتا ہے جو اسے روٹی کپڑا دیتا ہے اور فراغت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو تو یہ دوستی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوگی بشرطیکہ اس سے فراغت عبادت مدِ نظر ہو اور بہت سے علماء اور عابد لوگ اس غرض کیلئے تونگروں سے دوستی رکھتے ہیں اور دونوں اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے ہیں بلکہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو اس لئے دوست رکھتا ہے کہ اسے برائی سے بچاتی ہے یا اولاد پیدا کرنے کا سبب ہوتی ہے جو اس کے حق میں دعائے خیر کرے تو یہ دوستی بھی پسند ہے اور جو نفقہ اس کو دے گا وہ صدقہ کی طرح ہوگا اگر شاگرد کو دو وجہ سے دوست رکھتا ہو۔ ایک یہ کہ اس کی خدمت کرتا ہے اور دوسرے اس کو عبادت کیلئے فراغت دیتا ہے اور جس قدر دوستی فراغتِ عبادت ہوگی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں داخل ہے اور اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے **درجۂ دوم** یہ درجہ پہلے سے بلند تر ہے اور یہ ہے کہ کسی شخص سے دوستی رکھے اور کوئی غرض اس کے متعلق نہ ہو۔ نہ اُسے کچھ سکھانا ہو نہ اس سے کچھ سیکھنا ہو اور نہ اس سے فراغت دینی مطلوب ہو اور دوستی محض اس لئے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے اور اس کا محب ہے اور اسے دوست رکھتا ہے بلکہ یہ سبب ہو کہ وہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کا بندہ ہے یہ دوستی خدا کی راہ میں ہوگی اور اس کا بڑا بلند درجہ ہے بلکہ ایسی دوستی اللہ تعالیٰ کی محبت سے پیدا ہوتی ہے جو عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ جیسے کہ عاشق معشوق کے گلی کوچے محلہ مکان در و دیوار کو دوست رکھتا ہے بلکہ معشوق کی گلی کے کتے کو دوسرے کتوں سے افضل جانتا ہے اور اس سے محبت رکھتا ہے اور معشوق کے محب اور محبوب کو اور اس کے لازم و غلام رفتہ وار دل کو بھی دوست جانتا ہے اور جس کسی کو معشوق کے ساتھ نسبت ہوتی ہے اس کی دوستی اس کے دل میں سرایت کرتی ہے اور جس قدر عشق زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کی تاثیر و سرایت دوسروں کے ساتھ جو معشوق کے تابع ہوتے ہیں جو اس سے تعلق رکھتے ہیں زیادہ ہوتی ہے پس جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی دوستی غالب ہوتی ہے اور عشق کے درجہ تک پہنچی ہوتی ہے وہ اس کے تمام بندوں کو دوست رکھتا ہے خصوصاً اس کے دوستوں کو اور اس کی تمام صنعتوں کو دوست رکھتا ہے کیونکہ جو شے عالمِ وجود میں ہے وہ سب اس کے محبوب کی صنعت و قدرت کی نشانی ہے اور عاشق معشوق کے خط کو اس کی صنعت کو دوست رکھتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی نیا میوہ لاتے آپ اس کی بہت عزت فرماتے اور آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے کہ اس کا زمانہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے

اللہ تعالیٰ کی دوستی دو قسم پر ہے ایک ان میں سے دنیاوی آخرت کی نعمتوں کے لئے ہے۔ اور دوسری صرف حق تعالیٰ کیلئے ہے جس میں کسی چیز کا دخل نہیں ہے اور یہ نہایت عظیم الشان شئے ہے اور اس کی شرح اس کتاب کے رکن چہارم کی اصل صحبت میں بیان کی جائے گی حاصل کلام حق تعالیٰ کی محبت قوت ایمان کے مطابق ہوتی ہے جس قدر ایمان زیادہ ہو اسی قدر حق تعالیٰ کی محبت زیادہ ہوتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے مقبولوں اور دوستوں میں سرایت کرتی ہے اور اگر دوستی سوائے فائدہ کے خالی نہ ہوتی تو جو انبیاء اور اولیاء علماء فوت ہو چکے ہیں ان کی محبت موجود نہ ہوتی۔ حالانکہ ان سب کی دوستی مومن کے دل میں موجود ہے پس جو کوئی دانشمندوں، علویوں، صوفیوں، پارساؤں اور ان کے دوستوں اور خدمتگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ کیلئے دوست رکھتا ہوگا لیکن دوستی کی مقدار جاہ و مال کے فدا کرنے سے ظاہر ہوتی ہے کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ اس کا ایمان اور دوستی اس قدر مضبوط ہوتی ہے کہ وہ تمام مال خدا کی راہ میں یکبار دیدیتا ہے جیسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوئی ایسا ہوتا ہے کہ نصف دیتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوئی ایسا ہوتا ہے کہ سوائے تھوڑے مال کے زیادہ نہیں دے سکتا اور کسی مومن کا دل اس دوستی کی اصل سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ ضعیف ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنی کا بیان!

جاننا چاہیئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اطاعت گذاروں کو اللہ تعالیٰ کیلئے دوست رکھتا ہے اور کافروں ظالموں عاصیوں فاسقوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے دشمن جانتا ہے اور اس شخص کو دوست رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے اور اس کو دشمن جانتا ہے جو اسکا دشمن ہے پس اگر کوئی مسلمان فاسق ہو تو اسے مسلمان ہونیکی خاطر دوست رکھے اور فسق کے باعث اس سے ناراض ہو اور دوستی و دشمنی کو جمع کرے جیسے کوئی شخص کسی کے ایک بیٹے کو خلعت دے اور دوسرے بیٹے پر جفا کرے تو وہ ایک وجہ سے اسکو دوست رکھتا ہے اور ایک وجہ سے دشمن اور یہ امر محال نہیں۔ اگر ایک شخص تین بیٹے رکھتا ہے ایک زیرک فرمانبردار ایک بیوقوف و نافرمانبردار ایک بیوقوف و فرمانبردار۔ تو وہ ایک کو دوست رکھتا ہے۔ اور اس کا اثر معاملہ میں ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کی عزت کرتا ہے اور دوسرے کی اہانت کرتا ہے اور تیسرے کی کچھ عزت کرتا ہے اور کچھ اہانت کرتا ہے حاصل کلام یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے تو اسے ایسے سمجھنا چاہیئے جیسا کہ وہ تیری نافرمانی کرتا ہے اور تو اسے حسب مقدار مخالفت دشمن سمجھتا ہے اور حسب مقدار موافقت اسے دوست جانتا ہے اور چاہیئے کہ اسکا اثر معاملت اور مخالفت میں اور باتیں کرنے میں ظاہر ہو۔ حتیٰ کہ عاصی سے کنارہ کرے اور سخت کلامی کرے۔ اور جس کا حق زیادہ ہو اس سے نیک وہ کھچا رہے اور جب اس کا فسق حد سے بڑھ جائے تو اس سے بات کرنی چھوڑ دے اور منہ پھیر لے۔ اور فاسق سے زیادہ ظالم کیساتھ تشدد کرنا چاہیئے مگر جو شخص خاص تجھ پر ظلم کرے تو پھر اسکو عفو کرنا اور برداشت کرنا اولیٰ ہے اور سلف کا عمل اس بارہ میں مختلف رہا ہے بعض نے صلابت دین اور سیاست شرعیہ کی وجہ سے سختی میں بہت مبالغہ کیا ہے اور جناب احمد بن حنبل رح اس گروہ سے ہوئے ہیں کہ آپ حارث محاسبی سے خفا ہو گئے کیونکہ اس نے ایک کتاب علم کلام کی تصنیف کی تھی اور معتزلہ

فرقہ کا رد تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے تو نے اس کتاب میں معتزلہ کے شبہات بیان کئے ہیں پھر اسکے بعد ان کا جواب دیا ہے ممکن ہے کہ کوئی شخص ان شبہات کو پڑھے اور اس کے دل میں جاگزین ہو جائیں یحییٰ بن معین نے آپ سے کہا کہ میں کسی سے کوئی چیز نہیں چاہتا لیکن اگر بادشاہ مجھے کوئی چیز دے تو میں لے لوں۔ آپ اس پر خفا ہوئے اور اس سے گفتگو بند کر دی حتےٰ کہ اس نے معذرت کی اور کہا کہ میں ہنسی مذاق کرتا تھا آپ نے فرمایا حلال روزی کا کھانا دین میں داخل ہے لیکن دین سے مذاق نہ کریں اور بعض ہوئے ہیں کہ انہوں نے سب کو محبت کی نظروں سے دیکھا ہے اور اندیشہ بہت ہوتا ہے کیونکہ جس کی نظر توحید پر ہوتی ہے وہ سب کو اللہ تعالیٰ کے قہر کے قبضہ میں مقہور دیکھتا ہے اور ان پر مہربانی کرتا ہے اور یہ بہت بڑا درجہ ہے لیکن اس میں احمقوں کے دھوکا کھا جانے کا خطرہ ہے کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں سہل گیری ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ توحید ہے اور توحید کا نشان یہ ہے کہ اگر اس کو ماریں اور اس کے مال کو لے لیں اور اہانت کریں اور اس پر لعن طعن کریں لیکن وہ غصہ میں نہ آئے اور سب کو توحید کی وجہ سے شفقت کی نظروں سے دیکھے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک کافروں نے شہید کر دیا۔ آپ کا چہرہ خون سے بھر گیا لیکن آپ فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ - یعنی اے اللہ تعالیٰ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نادان ہیں لیکن جب کوئی شخص اپنے حق کے لیے خفا ہو اور خدا تعالیٰ کے حق میں خاموش رہے تو یہ مداہنت و نفاق اور حماقت ہے۔ توحید ہمیں بس جس پر توحید ایسی غالب نہ ہو۔ اور فاسق کے فسق کو اپنے دل میں دشمن نہ جانے۔ تو یہ امر اس کے ایمان کے ضعیف ہونے اور فاسق کی دوستی کی دلیل ہے جیسے کہ کوئی شخص تیرے دوست کو برا کہے اور تجھے غصہ نہ آئے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تجھے اس کے ساتھ اصل دوستی نہیں۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے مخالفین کے مختلف مدارج ہیں اور غصہ و سختی جو ان کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ وہ بھی مختلف قسم کی ہے۔ **درجہ اوّل** یہ کافر ہیں اگر اہل عرب ہوں تو ان کے ساتھ دشمنی رکھنا فرض ہے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیں یا قید کر لیں۔ **درجہ دوم** یہ ذمی لوگ ہیں اور ان کے ساتھ بھی دشمنی رکھنا فرض ہے اور ان کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ ان کو حقیر جانیں۔ اور ان کی عزت نہ کریں اور چلنے میں اُن کی راہ تنگ کریں۔ اور ان کے ساتھ دوستی رکھنا از حد مکروہ ہے اور شاید حرمت کے درجہ کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی جو لوگ خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی نہ کریں گے اور ان پر اعتماد کرنا اور ان کو عامل و حاکم بنا کر مسلمانوں کے سر پر حاکم بنانا مسلمانی کی تذلیل کرنا ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔ **درجہ سوم** بدعتیوں کا ہے جو لوگوں کو بدعت کی طرف بلاتے ہیں اسکے ساتھ بھی دشمنی کا اظہار کرنا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو ان سے نفرت ہو اور بہتر یہی ہے کہ ان کو سلام نہ کریں اور ان کے ساتھ بات نہ کریں اور ان کے سلام کا جواب نہ دیں کیونکہ جب وہ بلائے گا تو اس کا شر و فساد پھیل جائے گا لیکن اگر عامی ہو اور لوگوں کو نہ بلائے تو اسکا کام آسان ہو گا **درجہ چہارم** اس گناہ کا ہے کہ لوگوں کیلئے باعث رنج ہو جیسے ظلم و جھوٹی گواہی اور طرفداری سے حکم کرنا اور اشعار میں کسی کی ہجو کرنا اور لوگوں میں فساد ڈلوانا۔ بس ایسے لوگوں

سے پرہیز کرنا۔ اور ان کے ساتھ سختی کرنا بہت اچھی بات ہے اور ان کے ساتھ دوستی کرنا سخت مکروہ ہے اور ظاہر شریعت کے فتوے کی رو سے حرام نہیں ہے کیونکہ شریعت نے ایسا درجہ نہیں دیا۔ درجہ پنجم ایسے آدمیوں کو جو شراب پیتے ہیں اور فسق کرتے ہیں لیکن ان سے کسی کو رنج نہیں پہنچتا انکا کام آسان ہے ان کیساتھ نرمی کرنا نہیں نصیحت کرنا بہتر ہے۔ بشرطیکہ قبول ہونے کی امید ہو۔ ورنہ اعراض کرنا ہی بہتر ہے لیکن ایسے آدمیوں کو سلام کا جواب دینا چاہیئے۔ اور ان پر لعنت نہ کرنا چاہیئے۔ ایک شخص نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ کے زمانہ میں چند بار شراب پی۔ صحابہؓ میں سے ایک نے اس پر لعنت کی اور کہا کہ اس کا فساد کب تک رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع کیا۔ اور کہا کہ اس کےلیے شیطان کی دشمنی کافی ہے۔ تو اس کےلیے شیطان کا مددگار نہ بن

باب دوم صحبت کے حقوق و شرائط

جاننا چاہیئے کہ ہر شخص دوستی اور صحبت کے قابل نہیں ہے بلکہ اس شخص سے صحبت رکھے جس میں تین خصلتیں ہوں۔ **اوّل** یہ کہ عاقل ہو کیونکہ احمق کی صحبت سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ آخر میں اس کا نتیجہ وحشت ہوتی ہے کیونکہ احمق جب تیرے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو شاید حماقت کی وجہ سے کوئی ایسا کام کر بیٹھے کہ جس میں تیرا نقصان ہو۔ اور بزرگوں نے کہا ہے کہ احمق سے دور رہنا ثواب ہے اور احمق کے چہرہ پر نظر ڈالنا گناہ ہے اور احمق وہ ہے جو کاموں کی حقیقت کو نہ جانے اور جب اس کو بتلائیں تو نہ سمجھے۔ **دوم** یہ کہ نیک خلق ہو کیونکہ بدخلق سے نیکی کی کوئی امید نہیں ہوتی کیونکہ جب اس کی بدخلقی حرکت کرے گی تو وہ تیرے حق کو پامال کر دیگا۔ خوف نہ کرے گا۔ **سوم** یہ کہ صلاحیت رکھتا ہو۔ کیونکہ جو شخص معصیت یعنی گناہ پر مصر ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے۔ وہ قابل اعتماد نہیں ہے اور حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ یعنی ایسے شخص کی اطاعت نہ کر کہ جس کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور اپنی خواہشات کی متابعت کرتا ہے، اگر بدعتی ہو تو اس سے دور رہنا چاہیئے کیونکہ اس کی بدعت دوسرے میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کی شامت کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے اور کوئی بدعت اس بدعت سے زیادہ نہیں ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئی ہے کیونکہ بعض بدعتی کہتے ہیں۔ کہ لوگوں کو نصیحت نہ کرنی چاہیئے اور کسی فسق و گناہ سے نہیں روکنا چاہیئے کیونکہ ہمیں خلق خدا سے دشمنی نہیں ہے اور نہ ہم ان پر حاکم ہیں۔ اور یہ بات تخم اباحت اور زندقہ کی اصل ہے۔ اور نہایت زبردست بدعت ہے اور ایسے لوگوں سے تعلقات نہ رکھنے چاہئیں کیونکہ یہ امر نہ سختی ہے نہ موافقت ہے اور شیطان اس کی مدد سے اس عقیدہ کو دل میں آراستہ کر دیگا اور بہت جلد صریح اباحتی بن جائے گا۔ جناب امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پانچ قسم کے لوگوں سے حذر کرو۔ ایک جھوٹے آدمی سے کیونکہ ہمیشہ اس کے ساتھ دھوکا میں رہے گا۔ دوسرے احمق سے کیونکہ جس وقت وہ تیرا فائدہ چاہے گا تو بیوقوفی سے نقصان کر ڈالے گا۔ تیسرے بخیل سے کہ عین وقت پر تجھ سے علیحدہ ہو جائے گا۔ چوتھے بزدل سے کہ ضرورت کے وقت تجھے

چھوڑ دے گا۔ پانچویں فاسق سے کیونکہ وہ تجھے ایک لقمہ یا اس سے کم کے عوض میں فروخت کر ڈالے گا۔ لوگوں نے پوچھا لقمہ سے کمتر کیا ہوتا ہے۔ فرمایا حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نیک خو فاسق کی صحبت کو قاری بد خو کی صحبت سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اور جاننا چاہئے کہ یہ تمام خصائل کمتر جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن صحبت کی غرض سے پہچاننا چاہئے۔ اگر مقصود انس ہے تو نیک اخلاق ڈھونڈنا چاہئے اگر مقصود دین ہے تو علم و پرہیزگاری تلاش کرے۔ اور اگر مقصود دنیا ہے تو سخاوت اور کرم کی جستجو کرے اور ہر ایک کے لیے ایک ایک شرط ہے۔ جاننا چاہئے کہ لوگوں کی تین اقسام ہیں بعض تو غذا کی طرح ہیں کہ ان سے پرہیز نہیں ہو سکتا۔ اور بعض دوا کی طرح ہیں۔ کہ بعض حالتوں میں ان کی ضرورت پڑتی ہے اور بعض علت کی طرح ہیں کہ کسی وقت بھی ان کی ضرورت نہیں۔ لیکن لوگ ان کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں اور ان سے رہائی حاصل کرنے کا علاج کرنا چاہئے حاصل کلام صحبت ایسے اشخاص سے چاہئے کہ ان کو تجھ سے دینی فائدہ پہنچے یا تجھ کو ان سے دینی فائدہ پہنچے۔

صحبتِ دوستی کے حقوق

جاننا چاہئے کہ جب برادری دوستی کا عقد بندھ گیا تو وہ عقد نکاح کی طرح ہے اور اس کے حقوق ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کی طرح ہے جو ایک دوسرے کو دھوتے ہیں اور ان حقوق کی دو اقسام ہیں پہلی قسم مال میں ہے اور بزرگ ترین درجہ یہ ہے کہ اس کے حق کو مقدم رکھے اور ایثار کرے جیسا کہ انصار کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی وہ اپنی ذاتوں پر اختیار کرتے ہیں۔ اگرچہ انہیں احتیاج ہو۔ دوسری یہ کہ اسے اپنی طرح سمجھے اور اپنے مال میں اسے شریک جانے سب سے آخری درجہ یہ ہے کہ اسے اپنے غلام و خادم کی طرح رکھے اور جو چیز اپنی حاجت سے زیادہ ہو بے طلب اس کے حوالہ کرے جب اس نے مانگا اور نوبت سوال کہنے پر پہنچی تو درجہ دوستی سے نکل گیا۔ کیونکہ اس کے دل میں بھائی یا دوست کی غمخواری اور خیال نہ رہا اور یہ ایک عادتی حمیت ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ عتبہ بن غلام کا ایک دوست تھا کہا مجھے چار ہزار درہم کی ضرورت ہے اس نے کہا آ اور دو ہزار لے اس نے منہ پھیر لیا اور کہا تجھے شرم نہیں آتی کہ دوستی للّٰہی کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اور پھر دنیا کو اس پر ترجیح دیتا ہے۔ ایک خلیفہ سے لوگوں نے صوفیوں کے ایک گروہ کی غیبت کی۔ شمشیر کھینچی گئی تاکہ سب کو قتل کر دیں حضرت ابو الحسن نوری رح بھی ان صوفیوں میں تھے سب سے آگے بڑھے تاکہ پہلے ان کو قتل کریں خلیفہ نے کہا تو نے اس طرح کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے دینی برادر ہیں۔ میں نے چاہا کہ ایک ساعت کے لیے جان ان پر ایثار کروں خلیفہ نے کہا جو لوگ ایسے بامروت ہوں ان کو قتل نہیں کر سکتا سب کو رہا کر دیا۔ فتح موصلی اپنے ایک دوست کے مکان پر گئے۔ لیکن وہ مکان پر موجود نہ تھا اس کی کنیز کو کہا کہ اس کا صندوقچہ لائے۔ اس نے صندوقچہ پیش کیا۔ جو کچھ ضرورت تھی اس میں سے لے لیا۔ جب وہ دوست گھر آیا اور سنا خوشی سے کنیز کو آزاد کر دیا۔ ایک شخص ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اس نے کہا میں چاہتا ہوں۔ کہ تمہارے

ساتھ بھائی چارہ کروں آپ نے کہا جانتا ہے کہ برادری کے حقوق کیا ہیں۔ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا حق یہ ہے کہ تو اپنے سونے چاندی میں مجھ سے برتر نہ ہوگا۔ یعنے تیرے مال میں میرا مساوی حق ہوگا۔ اس نے کہا میں ابھی اس درجہ کو نہیں پہنچا ہوں آپنے فرمایا جا یہ تیرا کام نہیں ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک صحابی کو کسی نے بھونی ہوئی سری بھیجی صحابی نے کہا میرا فلاں بھائی زیادہ حاجتمند ہے۔ بہتر ہوگا اگر اس کو بھیج دی جائے۔ اس نے آگے اپنے دوسرے بھائی کو بھیج دی۔ اور اسی طرح کئی ہاتھوں میں پھری۔ یہاں تک کہ پھر پہلے کے پاس پہنچی مسروق و خیثمہ دونوں آپس میں دوست تھے اور دونوں مقروض تھے اس نے اس کا قرض ادا کر دیا۔ اور اسے خبر نہ ہوئی۔ اور اس نے اسکا قرض ادا کر دیا کہ اسے خبر نہ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بیس درہم جو اپنے دوست کے لیے صرف کروں زیادہ بہتر ہیں ان سو درہموں سے جو درویشوں کو دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگل سے دو مسواکیں کاٹیں ایک ان میں سے سیدھی تھی اور ایک ٹیڑھی تھی۔ آپ کے ہمراہ ایک صحابی تھے۔ آپ نے سیدھی انہیں دیدی اور ٹیڑھی اپنے پاس رکھی انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ بہتر ہے اور آپ کے لیے اچھی ہے آپ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی سے ایک ساعت بھی صحبت رکھتا ہے۔ تو اس سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ اس نے حقِ صحبت کا خیال رکھا یا اس کو ضائع کیا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حقِ صحبت ایثار ہے اور فرمایا کہ جب دو شخص باہم صحبت رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عزیز ہوتا ہے۔ جو زیادہ رفیق ہوتا ہے۔

دوسری قسم تمام حاجتوں میں دوست کی مدد کرنا ہے قبل اس کے کہ وہ سوال کرے اور نہایت کشادہ پیشانی اور مسرت قلبی سے دوست کی خدمتگذاری کرے اور اسلاف کی یہ عادت رہی ہے کہ ہر روز دوستوں کے گھر جاتے اور ان کے گھر والوں سے دریافت کرتے کہ کیا کام اور کیا شغل ہے اور پوچھتے کہ لکڑی روٹی نمک و روغن ہے اور علاوہ ازیں دیگر ضروریات کی چیزیں موجود ہیں۔ اور ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں کی طرح اہم سمجھتے۔ اور جب کام کرتے تو خود مشکور ہوتے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست مجھے اپنی بیوی بچوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ کیونکہ مجھے دین کی یاد دلاتے ہیں اور بیوی بچے مجھے دنیا کی یاد دلاتے ہیں حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین دن کے بعد دوستوں کی خبر لیا کرو اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت کرو۔ اور اگر کسی کام میں مشغول ہوں تو ان کی مدد کرو اگر بھول گئے ہوں تو انہیں یاد دلاؤ جعفر بن محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں دشمن کی حاجت روائی میں جلدی کرتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے بے نیاز ہو جائے۔ اور میں اپنے دوست کے حق میں کیا کروں۔ اسلاف میں سے ایک بزرگ تھے جنہوں نے اپنے دوست کی وفات کے بعد اس کے اہل وعیال کی چالیس سال تک خبرگیری کی۔ اور حقِ محبت کو نگاہ رکھا **جنس سوم** زبان کے متعلق ہے۔ کہ اپنے بھائیوں کے حق میں ہمیشہ اچھے کلمات کہے اور ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے اور اگر کوئی شخص ان کی عدم موجودگی میں ان کی غیبت کرے تو اسکا جواب دے اور خیال کرے جیسے وہ دیوار کے پیچھے سن رہا ہے۔ جیسے خود چاہتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے رہے اس طرح خود بھی اس کی عدم موجودگی میں رہے۔ اور چرب زبانی سے کام نہ لے اور جب وہ کوئی بات کرے تو سنے اور اس کے برخلاف نہ ہو۔

اور نہ اس سے مناظرہ کرے۔ اور اس کا کوئی راز ظاہر نہ کرے۔ اگرچہ اس سے تعلقات منقطع ہو چکے ہوں۔ کیونکہ یہ امر بدطینتی میں داخل ہے اور اس کے اہل وعیال کی غیبت میں زبان درازی نہ کرے اور اگر کوئی شخص اس کی شکایت کرے تو وہ بھی اس سے نہ کہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اسکو رنج پہنچائیگا۔ اور اگر کوئی اس کی نیکی بیان کرے تو اس سے پوشیدہ نہ رکھے۔ کیونکہ یہ امر حسد میں داخل ہے اور اگر وہ کچھ تقصیر کرے تو اس کے حق میں گلہ نہ کرے اور اسکو معذور سمجھے اور اپنی تقصیر کو یاد کرے جو خود اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صادر ہوتی ہے تاکہ اس امر سے متعجب نہ ہو۔ کہ کوئی شخص اس امر کے حق میں تقصیر کرتا ہے اور یہ جانے کہ اگر کسی ایسے شخص کی تلاش کریگا۔ جو بے تقصیر و بے گناہ ہو تو ایسا آدمی اسے ہرگز نہ ملیگا اور لوگوں کی صحبت ترک کردیگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن ہمیشہ عذر خواہی کرتا ہے اور منافق ہمیشہ عیب جوئی کرتا ہے اور ایک نیکی کے عوض دس تقاصیر کی پردہ پوشی کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس دوست سے پناہ مانگو جو برائی دیکھے تو ظاہر کردے اور بھلائی دیکھے تو اسے پوشیدہ رکھے۔ اور چاہئیے کہ جو تقصیر قابل معذرت ہو اور دوسرا عذر کرے تو اس پر نیک گمان کرے اور بدگمانی سے باز رہے۔ کیونکہ بدگمانی حرام ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی چار چیزیں دوسرے مومن پر حرام کی ہیں۔ مال۔ خون۔ غیبت۔ بدگمانی عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جو اپنے بھائی کو سوتا دیکھے اور اسکی شرمگاہ سے کپڑا اٹھائے تاکہ وہ برہنہ ہو جائے۔ لوگوں نے کہا۔ یا روح اللہ کون شخص اس امر کو روا رکھ سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو اپنے بھائی کا عیب دیکھتے ہو اور اسے ظاہر کرتے ہو۔ اور کہتے ہو تاکہ دوسرے جانیں۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے دوستی کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کو غصہ میں لائے اور پھر کسی کو پوشیدہ طور پر بھیجے تاکہ وہ اس سے تیری باتیں کرے اور اگر وہ اس سے تیرا راز فاش نہ کرے تو جان لے کہ یہ شخص دوستی کے لائق ہے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دوستی اس شخص سے کر جو تیرے حال سے اتنا واقف ہو جتنا کہ خدا واقف ہے۔ اور جیسے کہ خدا نے تیرے رازوں کو چھپایا ہے وہ بھی چھپائے۔ ایک شخص نے ایک دوست سے ایک راز کہا۔ پھر اس نے پوچھا کہ تجھے یاد ہے۔ اس نے کہا نہیں میں نے بھلا دیا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص تجھ سے ان چار اوقات میں پھر جائے وہ دوستی کے لائق نہیں ہے ایک خوشی کے وقت میں دوسرے غصہ کی حالت میں تیسرے طمع کے وقت۔ چوتھے ہوس و خواہش کے وقت' بلکہ چاہئیے کہ ان اوقات میں تیرے حقوق کو بالائے طاق نہ رکھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجھے اپنا مقرب کیا ہے۔ اور عمر رسیدہ اشخاص پر ترجیح دی ہے۔ خبردار پانچ چیزوں سے غافل نہ رہنا۔ ایک انکا کوئی راز ظاہر نہ کرنا۔ دوسرے انکے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا تیسرے انکے سامنے کبھی جھوٹ نہ بولنا چوتھے کبھی انکے حکم کے خلاف نہ کرنا۔ پانچویں کبھی کسی بات میں خیانت نہ کرنا اور جہان میں کوئی چیز دوستی کو ایسا تباہ نہیں کرتی۔ جیسے دوست کے ساتھ باتوں میں اختلاف کرنا اور مناظرہ کرنا اور دوست کی بات کو رد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جیسے تو نے اسکو احمق وجاہل کہا ہو۔ اور اپنے آپ کو فاضل و عاقل سمجھا ہو۔ اور اس کے سامنے غرور کیا ہو۔ اور اس کو چشم حقارت سے دیکھا ہو

اور یہ تمام باتیں دشمنی کے نزدیک ہیں نہ کہ دوستی کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے دوست کے ساتھ جو کچھ وہ کہے اختلاف نہ کرو اور اس سے مخول نہ کرو اور جو کچھ اس سے وعدہ کرو۔ اسے وفا کرو اور بزرگوں نے کہا ہے جب تو اپنے دوست سے کہے اُٹھ چل۔ اور وہ کہے کہ کہاں تو ایسا شخص دوستی کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ چاہئے کہ اٹھ بیٹھے اور سوال نہ کرے ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا۔ جو کچھ میں اس سے طلب کرتا تھا دیدیتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ مجھے فلاں شے کی حاجت ہے۔ اس نے کہا کسقدر چاہئے۔ اس کے یہ کہنے سے دوستی کی حلاوت میرے دل سے جاتی رہی اور جاننا چاہئے کہ محبت کا قیام محض موافقت سے ہے جس میں موافقت کریں جنس چہارم یہ ہے کہ زبان سے محبت اور دوستی کا اظہار کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِذَا اَحَبَّ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُخْبِرْہُ یعنی جس کسی کو دوست رکھو اسے مطلع کردو۔ اور یہ اس لئے فرمایا تاکہ اس کے دل میں بھی دوستی پیدا ہو جائے اور پھر دوسری جانب سے بھی دگنی محبت ہو اور چاہئے کہ دوست کے تمام حالات زبان سے پوچھے اور رنج و راحت میں اس امر کو ظاہر کرے کہ وہ اسکے ساتھ شریک ہے اور اسکے رنج و راحت کو اپنا رنج و راحت تصور کرے اور جب اسے بلائے تو اچھے نام سے مخاطب کرے اور اگر اسکا کوئی خطاب ہو تو اس سے مخاطب کرے۔ جسے کہ وہ پسند کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دوستی تین چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ دوست کو اچھے نام سے بلائے اور دوسرے سلام میں ابتدا کرے تیسرے بیٹھنے میں اسے مقدم رکھے اور منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ اسکی عدم موجودگی میں اسکی تعریف کرے۔ جسے وہ پسند کرتا ہو اور اسی طرح اس کے اہل و عیال اور اس کے متعلق کی بھی تعریف کرے۔ کیونکہ دوستی میں اسکا اثر نہایت عظیم ہے اور ہر نیکی جو وہ تجھ سے کرے۔ چاہئے کہ اس کا شکر ادا کرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے دوست کی نیک نیتی پر شکر نہیں کرتا۔ وہ نیک کام پر بھی شکر نہ کرے گا۔ اور چاہئے کہ دوست کی عدم موجودگی میں اس کی مدد کرے۔ اور اگر کوئی شخص اس پر کوئی طعن وغیرہ کرے تو اسے رد کردے۔ اور اس کو اپنی طرح جانے اور یہ ایک نہایت زبردست جفا ہے کہ کسی کے سامنے اس کے دوست کا ذکر برائی کے ساتھ کریں اور وہ خاموش ہو رہے اور یہ ایسا ہے جیسے اس کے دوست کو کوئی مار رہا ہے اور وہ اس کی مدد نہیں کرتا اور خاموش ہے بلکہ بات کا زخم نہایت گہرا ہوتا ہے کسی کا قول ہے، کہ کسی شخص نے میرے دوست کی عدم موجودگی میں کوئی بات نہیں کہی کہ میں نے فرض کر لیا کہ وہ موجود ہے اور سنتا ہے، اور یہانتک کہ میں نے وہی کچھ جواب میں کہا جو میں نے چاہا کہ وہ سُنے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بیلوں کو دیکھا جو زمین پر بندھے ہوئے تھے۔ جب ایک اٹھا تو دوسرا بھی اٹھ بیٹھا۔ آپ روئے اور کہا کہ برادرانِ دین کو بھی اس طرح ہونا چاہئے کہ کھڑے ہونے اور چلنے میں ایک دوسرے کی موافقت کریں جنس پنجم یہ ہے کہ علم دین میں سے جس کی اسے ضرورت ہو وہ اسے تعلیم کرے کیونکہ دوست کو رنج کی بہ نسبت اس دوزخ سے بچانا زیادہ افضل ہے اور اگر وہ اسکو سکھائے اور دوست اس پر عمل نہ کرے تو اسے نصیحت کرنا چاہئے اور خدا سے ڈرانا چاہئے اور چاہئے کہ یہ نصیحت خلوت میں کرے کیونکہ خلوت میں نصیحت کرنا

شفقت میں داخل ہے - اور برملا کچھ کہنا دوست کی فضیحتی کرنا ہے - اور جو کچھ کہے نہایت نرمی سے کہے سختی نہ کرے - کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے - اسلئے کہ ایک دوسرے کے عیوب کو ایک دوسرے کی معرفت پہچانے - اگر تیرا دوست خلوت میں تجھے تیرے عیوب سے آگاہ کرے تو چاہیئے کہ اس کا احسان مانے اور غصّہ نہ کرے - کیونکہ یہ ایسا ہے - جیسے کوئی شخص تجھے آگاہ کرے کہ تیرے کپڑوں میں سانپ ہے یا عقرب ہے تو تُو اسکی بات پر غصّہ نہ ہوگا اور اسکا مشکور ہوگا - اور تمام عیوب و صفات بد آدمی میں سانپ اور بچھو ہیں لیکن انکے زخم قبر میں ظاہر ہونگے اور انکے زخم روح پر ہوتے ہیں اور وہ اس جہان کے سانپ اور بچھوؤں سے زیادہ سخت ہیں - کیونکہ انکا زخم تو بدن پر ہوتا ہے اور انکا زخم روح پر - اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جو میرے عیوب میرے لئے ہدیہ لائے - جب حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپکے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے سلمانؓ سچ کہو جو کچھ تم نے میری نسبت بُرائی دیکھی اور سنی اور جو تمہیں بُری معلوم ہوئی - حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس بات سے معاف رکھیئے - آپ نے کہا نہیں ضرور کہیئے جب آپ نے الحاح کیا تو حضرت سلمانؓ نے کہا میں نے سنا ہے کہ ایک وقت آپکے دسترخوان پر دو قسم کا طعام ہوتا ہے اور آپکے دو پیرہن ہیں - ایک آپ دن کو پہنتے ہیں اور ایک رات کو - آپ نے فرمایا یہ دونوں باتیں غلط ہیں کچھ اور بھی سنا ہے سلمانؓ نے کہا نہیں - حضرت حذیفہ مرعش رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت یوسف اسباط کو خط لکھا کہ میں نے سنا کہ تو نے اپنے دین کو دو حبّوں کے عوض فروخت کر ڈالا - ایک چیز تو نے بازار سے خریدی اس چیز کے مالک نے ایک وانگ قیمت طلب کی تو نے اس سے تین طسوج پر مانگی اس نے تجھے دیدی - کیونکہ وہ تجھے جانتا تھا - اور اس نے یہ رعایت اور نرمی تیرے دین و تقویٰ کے لحاظ سے کی - غفلت کا پردہ سر سے اتار اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جانا چاہیئے کہ جس شخص نے علم و قرآن حاصل کیا - اور پھر وہ دنیا کی رغبت کرے - مجھے ڈر ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی آیات سے دل لگی کرتا ہے - پس دین کی رغبت کا نشان یہ ہے کہ اگر کوئی نصیحت کرے تو اس کا رہینِ احسان ہو - اللہ تعالیٰ نے دروغ گوؤں کی شان میں فرمایا ہے وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (یعنی وہ نصیحت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتے) اور جو شخص ناصح کو دوست نہیں رکھتا - اسکی یہ وجہ ہے کہ رعونت و کبر کا اس کے دین و عقل پر غلبہ ہے - اور یہ بات اس جگہ ہوتی ہے - جہاں کوئی اپنے عیوب کو نہ جانے اور جب جانے تو اسکو نصیحت کرنی چاہیئے اور نصیحت اعلانیہ نہ کرے بلکہ تنہائی میں کرے - اگر عیب یہ ہو کہ اس نے تیرے بارہ میں کچھ تقصیر کی ہو - اسکو پوشیدہ رکھنا اور انجان بن جانا بہتر ہے - بشرطیکہ دوستی کے بارہ میں دل میں کسی قسم کا تغیّر پیدا نہ ہو اگر دل میں تغیّر پیدا ہو جائے تو دوستی منقطع کرنے سے یہ بہتر ہے کہ دوست پر خلوت میں عتاب کرے اور جھگڑے اور زبان درازی سے دوستی کا قطع کرلینا بہتر ہے اور چاہیئے کہ دوست کی صحبت سے تیرا مقصد اپنے اخلاق کو مہذّب بنانا ہو اور تحمّل و برداشت کا خوگر ہونا ہو اور اس سے کسی بھلائی کی توقع نہ رکھنی چاہیئے - حضرت ابوبکر کتانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرا ہم صحبت تھا اور میرے دل پر وہ گراں گزرتا تھا - میں نے اس نیّت سے اسے ایک چیز دی کہ وہ گرانباری میرے دل سے جاتی رہے لیکن میرے دل سے

گرانی نہ گئی۔آخر میں نے اسکا ہاتھ پکڑا اور اس کو گھر لے گیا۔تاکہ وہ اپنے پاؤں میرے چہرے پر رکھے۔اس نے کہا ایسا ہرگز نہ ہوگا میں نے کہا ایسا ضرور کرنا چاہئے حتیٰ کہ اس نے کیا اور اپنے تلوؤں کو میرے چہرہ پر رکھا۔اور وہ گرانی میرے دل سے جاتی رہی۔حضرت ابو علی رباطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ میں عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر کو گیا۔انہوں نے مجھے کہا راستہ میں میں تمہارا امیر ہوں یا تم میرے امیر بنتے ہو۔میں نے کہا تم امیر ہو۔پھر انہوں نے کہا جو کچھ میں کہوں تمہیں اسکی پیروی کرنی ہوگی۔میں نے کہا سر آنکھوں پر۔انہوں نے توبرہ طلب کیا میں نے حاضر کیا۔زاد راہ اور کپڑے اور جو کچھ میرے پاس تھا اس میں رکھ لئے اور اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور روانہ ہوئے۔میں نے ہر چند کہا کہ مجھے دیدیجئے تاکہ آپ تھک نہ جائیں۔آپنے کہا امیر پر حکم کرنیکا حق نہیں۔فرمانبردار رہو۔ایک رات بارش ہوئی۔تمام رات میرے سر پر کمبل تانے کھڑے رہے تاکہ مجھ پر بارش نہ پڑے اور جب میں بات کرتا تو فرماتے کہ میں امیر ہوں تو میری اطاعت کر۔میں اپنے دل میں کہتا۔کاش کہ میں نے انہیں امیر نہ بنایا ہوتا۔جنس ششم۔تقصیر و ذلت کے عفو کرنے میں ہے۔بزرگوں کا قول ہے کہ اگر دوست تیرے حق میں کوئی تقصیر کرے تو ستر طرح کی عذر خواہی اپنے آپ کر۔اور اگر نفس اسبات کو قبول نہ کرے تو اپنے آپکو کہ تو بدخصلت و بدگو ہے کہ تیرے دوست نے تجھ سے ستر عذر کئے اور تو نہ مانا۔اور اگر تقصیر اس قسم کی ہو کہ اس سے اس پر معصیت لازم آتی ہو تو اسکو نہایت نرمی سے سمجھائے تاکہ وہ اس سے باز رہے اور اگر وہ اس پر اصرار نہ کرے تو خود نادان و انجان بن جائے۔اور اگر وہ اصرار کرے تو اسے نصیحت کرے۔اگرچہ فائدہ نہ کرے۔صحابہؓ کا اس معاملہ میں اختلاف ہے پھر کیا کرنا چاہئے۔حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ وہ جب نصیحت کو نہ مانے تو اس سے دوستی منقطع کرنی چاہئے۔آپ فرماتے ہیں کہ جب تو نے اللہ تعالیٰ کیلئے اسے اپنا دوست بنایا تھا اب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے اس کو اپنا دشمن سمجھ۔حضرت ابو درداؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ دوستی کو منقطع نہ کرنا چاہئے۔کیونکہ اس کے گناہ سے باز آنے کی امید ہوتی ہے لیکن ابتدا میں ایسے شخصوں سے دوستی نہ کرنی چاہئے اور جب ہوگئی تو پھر اسے قطع نہ کرے۔حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ اگر تیرا ایک دوست گناہ کرے تو اس سے علیحدہ نہ ہو ممکن ہے کہ وہ آج تو گناہ کرے لیکن کل اس کو چھوڑ دے۔حدیث شریف میں ہے کہ عالم کی خطا سے درگزر کرو۔اور اس سے تعلقات منقطع نہ کرو ۔امید ہے کہ وہ بہت جلد اس گناہ سے باز آجائے گا۔بندگان دین میں سے دو دوست تھے۔ایک اپنے دل کی خواہش کے مطابق ایک آدمی پر مبتلا ہوگیا۔اور اس نے اپنے دوست سے کہا کہ میرا دل بیمار ہوگیا ہے اگر تو چاہتا ہے کہ مجھ سے دوستی قطع کرے تو کرلے۔اس نے جواب دیا کہ معاذ اللہ میں ایک گناہ کی بنا پر تم سے تعلق منقطع کرلوں اور اپنے دل سے ارادہ کرلیا۔کہ وہ بالکل روٹی پانی نہ کھائیگا۔جب تک کہ حق تعالیٰ اسکے دوست کو اس بلا سے نجات نہ دے۔چالیس روز تک اس نے کچھ نہ کھایا۔اس کے بعد اپنے دوست سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہے۔اس نے جواب دیا ویسا ہی ہے۔وہ بھی اسی طرح صبر کرتا تھا اور بھوک کی وجہ سے گداز ہو رہا تھا۔یہاں تک کہ اس کا دوست آیا اور اس نے کہا کہ حق تعالیٰ نے مجھ پر عنایت کی اور میرے دل کو عشق سے

نجات دی۔ پھر اس نے طعام کھایا۔ ایک شخص سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تیرا بھائی دین کی راہ سے منحرف ہو گیا ہے۔ اور گناہ میں مبتلا ہے۔ تو اس سے کیوں تعلقات منقطع نہیں کرتا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ اسے آجکل دوست کی بہت ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کا کام تباہ ہو گیا ہے۔ بھلا اب میں کس طرح اس سے علیحدہ ہو جاؤں۔ بلکہ مجھے چاہئے کہ میں اس کی مدد کروں اور نرمی سے اسکو سمجھا کر دوزخ سے نجات دلاؤں۔ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے اور ایک پہاڑ میں عبادت کیا کرتے۔ ایک شہر میں کسی چیز کے خریدنے کو آیا۔ اسکی نظر ایک خرابانی عورت پر پڑی اور عاشق ہو گیا اور وہیں رہ پڑا۔ اور اسکے پاس بیٹھا جب چند دن گزر گئے تو دوسرا اسکی تلاش میں آیا۔ اور اسکا حال سُنا اور اسکے پاس گیا اس نے شرم کے مارے کہا میں تجھے نہیں جانتا۔ اس نے کہا۔ اے بھائی اندیشہ نہ کر کہ مجھے جو آج تجھ سے محبت ہے۔ وہ کبھی پہلے نہ تھی۔ پھر ہاتھ اسکے گلے میں ڈال دیئے اور اسکو بوسہ دیا۔ جب اس نے یہ مہربانی دیکھی تو خیال کیا میں بھی اسکی آنکھوں سے نہیں گرا ہوں۔ اٹھ بیٹھا اور توبہ کی۔ اور اس کے ساتھ چلا گیا پس ابو ذر رحمۃ اللہ علیہ کا طریق سلامتی یہی ہے۔ اور حضرت ابو الدرداء کا طریق لطیف تر اور فقیہانہ ہے۔ اسواسطے کہ یہ مہربانی توبہ کا موجب ہوتی ہے۔ اور درماندگی کے دنوں میں برادرانِ دینی کی مصاحبت پڑتی ہے بھلا کیونکر چھوڑ دیں۔ فقہ کی دلیل یہ ہے کہ دوستی کا جب عقد باندھا گیا تو وہ ایک قسم کی قرابتداری ہے۔ اسلئے گناہ کی وجہ سے قطع رحم نہ کرنا چاہئے۔ اور اسی لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی اگر تمہاری قرابت والے عاصی ہو جائیں تو کہو ہم تمہارے عمل سے بیزار ہیں یہ نہ کہو کہ تم سے بیزار ہیں۔ لوگوں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارے بھائی نے گناہ کیا۔ کیوں اس کو دشمن نہیں سمجھتے۔ آپ نے کہا میں اس کے گناہ کو دشمن سمجھتا ہوں۔ وہ تو میرا بھائی ہے۔ لیکن ابتدا میں ایسے آدمی سے دوستانہ نہ کرنا چاہئے۔ لیکن دوستی نہ کرنا خیانت نہیں ہے لیکن دوستی کر کے پھر اسکا منقطع کرنا خیانت ہے اور اس پہلے حق کو چھوڑ دینا ہے۔ جو پہلے دوستی کرنے میں لازم آچکا ہے۔ اس بارہ میں سب کا اتفاق ہے۔ اگر وہ تیرے حق میں تقصیر کرے تو معاف کرنا اولیٰ تر ہے۔ اگر وہ معذرت کرے اور تو جانے کہ وہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔ لیکن قبول کرنا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسکا دوست اس سے معذرت چاہے اور وہ قبول نہ کرے تو اسکا گناہ اس شخص کی طرح ہے کہ جو راستہ میں مسلمانوں سے خراج لے اور فرمایا مومن جلدی غصہ ہو جاتا ہے اور جلدی خوش ہو جاتا ہے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید سے کہا کہ جب تو کسی دوست سے جفا دیکھے تو اس پر خفا نہ ہو شاید خفگی میں تو کوئی ایسی بات سُنے جو اس سے بھی زیادہ بُری ہو۔ مرید نے کہا جب میں نے اس بات کو آزمایا تو ویسا ہی پایا جیسا کہ اس نے کہا تھا۔

جنس ہفتم یہ ہے کہ اپنے دوست کو دعائے خیر سے یاد کرے۔ اس کی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ اور اسی طرح اس کے اہل و عیال کیلئے بھی دعائے خیر کرے جیسے اپنے لئے کیا کرتا ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہ دعا بھی اپنے حق میں کرنی ہو گی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے دوست کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے بھی یہ بات حاصل ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں پہلے تیرے لئے اس دعا کو قبول کرونگا۔ اور فرمایا

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ جو دعا دوستوں کی عدم موجودگی میں کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ردّ نہیں کرتا۔ ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ستّر دوستوں کے نام لیتا ہوں اور ہر ایک کیلئے علیحدہ علیحدہ دعا کرتا ہوں۔ اور فرمایا کہ دوست وہ ہوتا ہے۔ کہ تیری موت کے بعد جب تیرے وارث وراثت کی تقسیم میں مشغول ہوں تو وہ تیرے حق میں دعا کرے۔ اور تیرے ہی حال کے خیال میں ہو۔ اور اس کے دل میں یہی خدشہ ہو کہ حق تعالیٰ تیرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں مردہ کی مثال قبر میں اس شخص کی ہے جو ڈوبتا ہے اور بچنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اسی طرح مردہ اپنے اہل وعیال اور دوستوں کا منتظر ہوتا ہے اور زندہ لوگوں کی دعا کو وہ نور بن کر مردہ لوگوں کی قبر میں پہنچتی ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ دعا کو طباق نورانی میں رکھ کر مردہ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کی طرف سے ہدیہ ہے۔ اور مردہ اس طرح خوش ہوتا ہے۔ جیسے زندہ لوگ ہدیہ سے خوش ہوتے ہیں جنس ہشتم وفا اور دوستی کے اور وفاداری کے معانی میں سے ایک یہ ہے کہ دوست کی مرگ کے بعد اس کے اہل وعیال و تعلقہ داروں سے غافل نہ ہوں۔ ایک بڑھیا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئی۔ آپ نے اس کی تعظیم وتکریم کی صحابہ رضی اللہ عنہم اس امر سے نہایت متعجب ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں آیا کرتی تھی اور دوستی کا نباہنا ایمان میں داخل ہے۔ اور دوسری وفا یہ ہوتی ہے کہ جس کسی کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے۔ اس کے فرزند غلام شاگرد سب کے ساتھ بہ شفقت پیش آئے اور جو اس پر شفقت کرے۔ اسکا زیادہ اثر اپنے دل پر محسوس کرے اور اگر عزت وحشمت وولایت مل جائے تو اس پہلی عاجزی کو نگاہ رکھے۔ اور دوستوں کے ساتھ متکبر نہ رہے۔ اور وفا یہ ہے کہ دوستی کا ہمیشہ کیلئے خیال رکھے اور کسی وجہ سے بھی دوستی کو منقطع نہ کرے۔ اور شیطان کے نزدیک کوئی کام اس سے زیادہ اہم نہیں ہے۔ کہ وہ دو دوستوں کو وحشت میں ڈالے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ یعنی شیطان بیشک ان میں فتنہ ڈالتا ہے) اور یوسف علیہ السّلام نے فرمایا ہے مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ یعنی اس کے بعد شیطان نے فساد ڈالا مجھ میں اور میرے بھائیوں میں) اور وفا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوست سے بدظن کرے تو بدظن نہ ہو۔ اور کہنے والے کو جھوٹا جانے اور وفا یہ ہے کہ دوست کے دشمن کے ساتھ دوستی رکھتا ہے تو اس کی دوستی ضعیف ہوتی ہے جنسِ نہم دوست سے تکلف نہ کرے اور دوست کیساتھ ایسا رہے جیسے خود تنہائی میں ہوتا ہے۔ اور اگر ایک دوسرے سے تکلف کریں گے تو وہ دوستی بھی ناقص ہوگی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ بدترین دوست وہ ہے جس کے ساتھ تجھے معذرت کرنے اور تکلّف کرنیکی ضرورت ہو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے دوست دیکھے لیکن میں نے دو دوست ایسے نہیں دیکھے کہ ایک ان میں سے تکلّف کے باعث دوسرے کی وحشت کا باعث ہوا۔ مگر یہ کہ اس میں کچھ عیب ہو۔ بزرگوں نے کہا ہے اہل دنیا کے ساتھ زندگی مؤدبانہ طرق پر بسر کرو۔ اور اہل آخرت کے ساتھ علم سے اور اہل معرفت کے ساتھ جس طرح تیرا دل چاہے۔ چند صوفی ایک دوسرے کے ساتھ اس شرط پر ہم مجلس تھے کہ اگر ایک ان میں سے ہمیشہ روزہ رکھے یا ہمیشہ طعام کھائے یا تمام رات سوتا رہے یا تمام رات نماز پڑھتا رہے تو دوسرا نہ پوچھے کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ حاصل کلام خدا کی راہ میں دوستی کے معنیٰ یگانگی ہے اور یگانگی میں

تکلف نہیں ہوتا جنس دھم یہ ہے کہ اپنے آپ کو تمام دوستوں سے حقیر خیال کرے۔اور ان سے کسی چیز کی توقع نہ رکھے۔اور کوئی رعایت پوشیدہ نہ رکھے اور تمام حقوق کا خیال رکھے۔ایک شخص نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ دوست اس زمانہ میں نایاب ہیں اور چند بار یہی کہا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ تو ایسے شخص کو چاہتا ہے کہ وہ تیری خدمت کرے اور غمخواری کرے تو وہ بیشک نادرالوجود ہے۔اور اگر کسی ایسے شخص کو چاہتا ہے کہ تو اس کی خدمت کرے اور غمخواری اٹھائے تو میرے نزدیک ایسے دوست بہت ہیں۔بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے آپکو دوستوں پر فوقیت دیتا ہے۔وہ گنہگار ہوتا ہے اور وہ بھی اس کے حق میں گنہ گار ہوتے ہیں۔اور اگر اپنے آپ کو ان سے کمتر جانتا ہے تو وہ بھی راحت میں رہیگا اور دوست بھی آرام سے رہینگے۔ابو معاویۃ الاسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے تمام دوست مجھ سے بہتر ہیں ؏

باب سوم مسلمانوں رشتہ داروں ہمسایوں لونڈی غلاموں کے حقوق

جاننا چاہئے کہ ہر ایک کا حق بقدر مراتب قربت کے ہوتا ہے اور قرابت کے مختلف مدارج ہیں۔اور حقوق ان مدارج کے مطابق ہیں۔اور بہت زیادہ مضبوط رابطہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوستی کا ہے اور اس کے حقوق بیان کئے جا چکے ہیں۔لیکن جس کسی کے ساتھ دوستی ہو فقط دینی تعلق ہو۔اس کے بھی حقوق ہیں۔حق اول یہ ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند نہ کرے۔اسے کسی مسلمان کے لئے پسند نہ کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی ہے۔اگر ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو تمام اعضا متاثر ہوتے اور انہیں تکلیف ہوتی ہے۔اور فرمایا کہ جو شخص دوزخ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اسے موت جب پائے تو کلمہ شہادت پر پائے اور جو امر اپنے حق میں پسند نہ کرے کسی دوسرے مسلمان کیلئے بھی پسند نہ کرے۔موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جلشانہٗ سے پوچھا کہ تیرے بندوں میں کون عادل تر ہے۔اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا جو اپنی ذات سے انصاف کرے حق دوم یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ جانتے ہو مسلمان کون ہوتا ہے۔صحابہ نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔آپ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں صحابہؓ نے عرض کیا حضور مومن کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا جس سے مسلمانوں کے جان و مال امن میں ہوں۔پھر صحابہؓ نے عرض کیا حضور مہاجر کون ہوتا ہے۔آپ نے فرمایا جو برے کاموں سے علٰحدہ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ آنکھ سے ایسا اشارہ کرے جس سے مسلمان کو رنج پہنچے اور یہ بھی حلال نہیں کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے کسی مسلمان کے دل میں خوف پیدا ہو حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان دوزخ کو خارش میں مبتلا کرے گا۔یہاں تک کھجلاتے کھجلاتے ان کی ہڈیاں نکل آئینگی پس منادی کرنے والا منادی کریگا۔کہ یہ سزا اس لئے ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں تکلیف دیتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ جو بہشت میں جس طرح

چاہتا تھا پھرتا تھا۔ جان کہ اس نے ایک درخت کو شاہراہ سے کاٹا تھا۔ تاکہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ حق سوم یہ ہے۔ کہ کسی کے ساتھ متکبرانہ رویہ نہ رکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو دشمن جانتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی نازل کی کہ عاجزی و انکساری کر تاکہ کوئی شخص کسی سے تکبر نہ کرے اور یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکین و بیوہ عورتوں کے پاس جاتے اور انکی حاجات کو پورا کرتے۔ اور کسی شخص کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہئے شاید وہ اللہ کا دوست ہی ہو اور وہ نہ جانتا ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ تاکہ ان کی طرف کوئی راہ نہ پائے۔ حق چوتھا یہ ہے کہ چغلخوری کی باتیں کسی مسلمان کے حق میں نہ سُنے۔ باتیں کسی نیک مرد کی سُننی چاہئیں اور چغلخور فاسق ہوتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ کوئی نمّاز یعنی چغلخور بہشت میں نہ جائیگا۔ جاننا چاہئے کہ جو شخص تیرے سامنے کسی کی برائی بیان کرے گا۔ وہ تیری برائی بھی کسی دوسرے کے ساتھ کریگا ایسے شخص سے بچنا چاہئے اور اسے جھوٹا سمجھنا چاہئے۔ حق پانچواں یہ ہے کہ کسی دوست سے تین دن سے زیادہ ترکِ گفتگو نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک کلام کرنا حلال نہیں۔ بہترین آدمی وہی ہے جو سلام سے ابتدا کرے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ میں نے تیرے نام اور درجہ کو اس لئے بلند کیا کہ تو نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کا قصور معاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے عزت و بزرگی دی جاتی ہے۔ حق چھٹا یہ ہے کہ جس کا دوست ہو اس کے ساتھ نیکی کرے۔ اور دوست کو چاہئے نیک ہو یا بد ہو۔ اس امر کا فرق نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کسی کے ساتھ ہو سکے نیکی کرو۔ اگر وہ اس امر کا اہل نہیں ہے۔ لیکن تو تو ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اصل عقل ایمان کے بعد دوستی کرنا ہے اور لوگوں سے بھلائی کرنا ہے۔ چاہے وہ پارسا ہو یا نہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص باتیں کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑتا۔ آپ ہرگز ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑتا۔ اور جو شخص آپ سے ہم کلام ہوتا۔ تو آپ بکمال توجہ اس کی جانب مخاطب ہوتے اور اس کی اختتام گفتگو تک صبر فرماتے۔ حق ساتواں یہ ہے کہ عمر رسیدہ لوگوں کی عزت کرے اور لڑکوں پر رحم کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بزرگوں کا ادب نہیں کرتا اور لڑکوں پر رحم نہیں کرتا۔ وہ مجھ سے نہیں ہے اور فرمایا سفید بالوں کی تعظیم کرنا خدا کی تکریم کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جو جوان کسی ضعیف کی عزت کرتا ہے جب وہ بوڑھا ہوگا۔ حق تعالیٰ جوانوں سے اس کی تعظیم کرائیگا اور یہ درازئ عمر کی بشارت ہے۔ جو شخص بڈھوں کی تعظیم کی توفیق پائے گا۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے گا۔ اور وہ اس کا بدلہ دیکھے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تو لوگ لڑکوں کو آپ کے سامنے لے جاتے اور حضور لڑکوں کو سواری کے آگے پیچھے بٹھاتے۔ اور لڑکے آپس میں فخر کرتے کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بٹھلایا ہے اور تم کو پیچھے بٹھلایا ہے۔ ایک دفعہ ایک چھوٹے بچے کو حضور کے سامنے لے گئے تاکہ حضور اسکا نام رکھیں۔ آپ نے اسے گود میں لے لیا عنقریب تھا کہ لڑکا پیشاب کرے۔ لوگوں نے آواز دی اور قصد کیا کہ حضور سے واپس لے لیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ رہنے دو تاکہ اچھی طرح پیشاب کرلے۔ اسکا پیشاب نہ روکو۔ اور پھر اس کے باپ کے سامنے نہ دھوتے۔ کہ کہیں رنجیدہ نہ ہو۔ جب وہ لوگ باہر چلے جاتے تو دھوتے۔ اور جو لڑکا چھوٹا ہوتا تو آپ کپڑے پر پانی چھڑک لیتے اور نہ دھوتے حق اٹھواں یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ اور سب کے سامنے خوش رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ کشادہ رُو اور آسان گیر کو دوست رکھتا ہے اور فرمایا کہ جو نیک کام مغفرت کا موجب ہے وہ آسانی کشادہ پیشانی اور شیریں زبانی ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غریب عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ اور کہا مجھے آپکے ساتھ کام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس گلی میں جس جگہ تیرا دل چاہے بیٹھ جا۔ تاکہ تیرے پاس بیٹھوں پھر آپ اس کیلئے گلی میں بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی تمام باتیں کہیں۔ حق نواں یہ ہے کہ کسی مسلمان سے وعدہ خلافی نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں وہ منافق ہوتا ہے اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے ایک یہ کہ جھوٹی باتیں کرے۔ دوسرے وعدہ خلافی کرے تیسرے امانت میں خیانت کرے۔ حق دسواں یہ ہے کہ ہر شخص کی عزت اس کے درجہ کے مطابق کرے۔ اور جو شخص لوگوں کی نظروں میں عزیز ہو اس کو عزیز تر جانے۔ اور جس شخص کو اچھے کپڑے پہنے ہوئے دیکھے اور وہ سواری اسپ اور تجمل رکھتا ہو۔ جانے کہ وہ عزت دار آدمی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں تھیں۔ جب دستر خوان بچھایا گیا تو ایک فقیر آیا۔ آپنے فرمایا وہ باریک روٹی اسے دیدو۔ اتنے میں ایک سوار بھی آنکلا۔ آپ نے فرمایا اسے بلاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپنے درویش کو چھوڑ دیا اور امیر کو طلب کیا۔ آپ نے فرمایا۔ حق تعالےٰ نے جس شخص کو درجہ عطا کیا ہے۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ کے اس دیئے ہوئے درجہ کی عزت کرنی چاہیئے۔ درویش تو ایک روٹی سے خوش ہوتا ہے اور امیروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا بُرا ہے۔ اسکے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جس سے وہ خوش ہو۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی قوم کا عزت دار آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔ ایک شخص تھا کہ حضورؐ نے اپنی چادر بچھادی تاکہ وہ اس پر بیٹھے۔ ایک بڑھیا عورت جس نے حضورؐ کو دودھ پلایا تھا۔ آپکے پاس آئی۔ آپ نے اسے اپنی چادر پر بٹھایا۔ آپ نے فرمایا اے مادرِ مہربان جو تیرا جی چاہے طلب کرتا کہ میں تجھے دوں۔ وہ حصہ جو آپکو مال غنیمت سے ملا تھا۔ آپ نے اسے دیدیا۔ اور اس نے اس مال کو ایک لاکھ درہم کے عوض حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس فروخت کر دیا۔ حق گیارھواں یہ ہے کہ جو دو مسلمان ایک دوسرے سے ناراض ہوں ان دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ کونسی چیزیں نماز، روزہ اور صدقہ سے فاضل تر ہیں صحابہؓ نے عرض کیا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا دو مسلمانوں میں صلح کرانا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ ہنسے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ہنسی کا کیا سبب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دو آدمی میری اُمت میں سے اللہ تعالےٰ کے حضور میں زانوؤں کے بل گر پڑیں گے۔ ایک ان میں سے کہیگا بار خدایا میرا انصاف اس شخص سے لے کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ حق تعالیٰ دوسرے سے فرمائیگا۔ کہ اس کا حق دے۔ وہ عرض کریگا۔ بار خدایا میری تمام نیکیاں تو مدعی لیگئے اد

میرے پاس اب کچھ بھی نہیں۔حق تعالیٰ دادخواہ سے فرمائیگا۔کہ اب تو کیا کریگا کیونکہ اس کے پاس تو ایک نیکی بھی نہیں وہ کہیگا بارِ خدایا میرے گناہ اس کے حوالہ کردے۔پھر اس کے گناہ اس کے حوالے کردیئے جائینگے۔لیکن مظلمہ تب بھی باقی رہیگا۔یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم روئے اور فرمایا کہ بہت بڑا دن ہے کہ ہر شخص اس بات کا حاجتمند ہوگا۔کہ گناہ کا بوجھ اس سے لے لیں۔اس وقت حق تعالیٰ دادخواہ سے کہیگا کہ دیکھ تجھے کیا دکھائی دیتا ہے۔وہ کہے گا یا رب میں شہر دیکھتا ہوں اور اس میں سونے چاندی کے محلات دیکھتا ہوں جو موتی اور جواہرات سے جڑے ہوئے ہیں۔پھر وہ عرض کریگا یا باری تعالیٰ یہ کس پیغمبر یا شہید یا صدیق کے لئے ہیں حق تعالیٰ فرمائیگا کہ یہ اس شخص کیلئے ہیں جو اس کی قیمت دے۔وہ عرض کریگا یا باری تعالیٰ اس کی قیمت کون دے سکتا ہے حق تعالیٰ فرمائیگا۔تو دے سکتا ہے' وہ عرض کریگا۔بارِ خدایا میں کس طرح دے سکتا ہوں۔حق تعالیٰ فرمائیگا کہ اپنے اس بھائی کو معاف کردینے سے' وہ کہیگا بارِ خدایا! میں نے اسے معاف کیا۔پھر اللہ تعالیٰ کہے گا اٹھ اور اس کا ہاتھ پکڑ اور دونوں جنت میں جاؤ۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور لوگوں سے صلح کرو۔کیونکہ حق تعالیٰ قیامت کے روز مسلمانوں میں صلح کرادیگا۔حق چادھواں یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام عیوب اور پوشیدہ برائیوں کو چھپائے۔حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس جہان میں مسلمانوں کی پردہ داری کرتا ہے۔قیامت کے دن حق تعالیٰ اسکے گناہوں کو چھپائے گا۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔کہ میں جس شخص کو پکڑتا ہوں چاہے چور ہو' شرابی ہو میں یہی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو چھپائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے لوگو زبان سے ایمان لائے ہو۔ابھی ایمان تمہارے دلوں نے قبول نہیں کیا۔لوگوں کی غیبت نہ کیا کرو۔اور ان کے عیوب کا تجسس نہ کیا کرو۔کہ جو شخص کسی مسلمان کا عیب لوگوں پر ظاہر کرتا ہے تاکہ اسے بدنام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو فاش کرتا ہے۔تاکہ وہ رسوا ہو۔اگرچہ گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب پہلے پہل ایک شخص کو جس نے چوری کی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔تاکہ اس کا ہاتھ کاٹیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا رنگ مبدل ہوگیا۔صحابہؓ نے پوچھا۔یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضورؐ کو اس فعل سے کراہت آئی'آپ نے فرمایا کیوں نہ آئے میں کیوں۔اس کے ساتھ شیطان کا مددگار ہوکر اپنے مسلمان بھائیوں سے دشمنی کروں۔اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور پوشیدہ رکھے اور بخشدے تو تم بھی لوگوں کے گناہوں کو پوشیدہ رکھو۔کیونکہ جب بادشاہ کے سامنے جاؤ گے تو حدِ شرعی قائم کرنے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات گشت کیلئے نکلے۔ایک گھر سے سرود کی آواز سنی۔آپ چھت پر چڑھ گئے۔جب گھر میں پہنچے۔ایک آدمی کو دیکھا کہ ایک عورت کے ساتھ شراب پیتا تھا۔آپ نے فرمایا اے دشمنِ خدا تو نے خیال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تیرے ایسے گناہوں کو پوشیدہ رکھے۔اس نے کہا یا امیر المومنین جلدی نہ کیجئے۔اگر میں نے ایک گناہ کیا تو آپ نے بھی تین گناہ کئے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَجَسَّسُوْا یعنی تجسس نہ کرو لیکن آپ نے تجسس کیا اور فرمایا وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا یعنی گھر میں دروازہ کی طرف سے داخل ہو لیکن آپ چھت پر سے آئے۔اور فرمایا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا اپنے گھر کے

سوا دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہو - اور گھر کے رہنے والوں پر سلام کرو لیکن آپ بلا اجازت آگئے اور سلام بھی نہ کیا - حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں تجھے معاف کر دوں تو توبہ کرے گا - اس نے کہا ہاں توبہ کر لوں گا اور پھر اس کام کے نزدیک نہ جاؤں گا - آپ نے اسے معاف کر دیا اور اس نے توبہ کی - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ان باتوں کی طرف کان لگائے جو لوگ اس سے پوشیدہ طور پر کریں - تو قیامت کے دن ایسے شخص کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائیگا - حق تیرھواں یہ ہے کہ کسی پر تہمت نہ لگائے تاکہ مسلمان گمانِ بد سے اور انکی زبان غیبت سے محفوظ رہے - کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کے گناہ کا سبب ہوتا ہے، وہ بھی اس گناہ میں شریک ہوتا ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا - وہ شخص کیسا ہے - جو اپنے ماں باپ کو گالی دے - صحابہؓ نے عرض کیا - یا حضورؐ ایسا کون کرتا ہے - آپؐ نے فرمایا جو شخص کسی کے ماں باپ کو گالی دیکر اپنے ماں باپ کو گالی دلواتا ہے وہ گویا اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تہمت کی جگہ پر بیٹھے تو اسے اس شخص کو ملامت نہیں کرنی چاہئے - جو اس سے بدگمان ہو - حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان کے آخر میں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرتے تھے - دو آدمی آپکے پاس سے گزرے - آپ نے انکو بلایا اور کہا کہ یہ میری عورت ہے (حضرت صفیہؓ کی طرف اشارہ کر کے) حضرت صفیہؓ نے کہا یا رسول اللہ اگرچہ لوگ بدگمانی کرتے ہیں، لیکن حضورؐ پر کوئی نہیں کر سکتا آپؐ نے فرمایا شیطان آدمی کی عروق میں خون کی طرح رواں ہے - حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ راہ میں ایک عورت سے باتیں کرتا تھا - آپ نے اُسے دِرہ لگایا - اس نے کہا یا عمرؓ یہ میری عورت ہے - آپ نے فرمایا کہ ایسی جگہ پر باتیں کیوں نہیں کرتا کہ لوگ نہ دیکھیں - حق چودھواں یہ ہے - کہ اگر مقدور ہو تو کسی مسلمان کی شفاعت کرنے میں دریغ نہ کرے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ مجھ سے حاجت چاہو - میرے دل میں ہے کہ میں حاجت روائی کروں اور تاخیر اس لئے کرتا ہوں تاکہ تم میں سے کوئی شفاعت کرے - اور اسے بھی اجر ملے شفاعت کرو تاکہ ثواب پاؤ - اور آپؐ نے فرمایا - کوئی صدقہ - صدقہ زبان سے افضل تر نہیں ہے صحابہؓ نے عرض کیا وہ کس طرح - فرمایا وہ کوشش جس سے کسی کی جان بچے یا کسی کو فائدہ پہنچے - یا کسی تکلیف سے محفوظ رکھے - حق پندرھواں یہ ہے کہ جب سنے کہ جو شخص کسی مسلمان کے حق میں زبان درازی کرتا ہے - اس کا یا اس کے مال کا قصد کرتا ہے اور وہ غیر حاضر ہے تو اس کا نائب بن جائے اور اس کی طرف سے جواب دے اور اس ظلم سے اس کو بچائے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے - جو مسلمان اس جگہ پر کسی مسلمان کی مدد کرے کہ جہاں اس کے حق میں بری باتیں کی جا رہی ہوں اور اس کی بے عزتی کی جا رہی ہو - تو حق تعالیٰ اس مدد کرنیوالے مسلمان کی کسی ایسی جگہ پر مدد کریگا جہاں وہ مدد کا محتاج ہوگا - اور جو مسلمان کسی ایسی جگہ پر مسلمان کی مدد نہ کریگا جہاں کسی مسلمان کی بے حرمتی کی جا رہی ہو - تو حق تعالیٰ ایسے مسلمان کو ضائع اور ذلیل کریگا - حق سولھواں یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی بُری صحبت میں مبتلا ہو جائے تو جبتک وہ رہائی نہ پائے - اس سے معاملہ و مدارا کرے اور بالمشافہ سختی نہ کرے - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - کہ اس آیت کریمہ کا یوں ترجمہ کرو وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ یعنی برائی کا مقابلہ سلام اور مدارا سے کرو - حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہونیکی اجازت چاہی۔ آپ نے حکم دیا۔ کہ اجازت دیدو۔ کیونکہ یہ اپنی قوم میں سب سے بُرا آدمی ہے۔ جب وہ اندر آیا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسکی اسقدر مراعات فرمائی۔ کہ میں نے سمجھا کہ حضورؐ کے نزدیک اس کی بڑی حرمت ہے جب وہ باہر چلا گیا۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے فرمایا۔ کہ بُرا آدمی ہے۔ اور آپ نے اس کی مراعات کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عائشہ بدترین آدمی حق تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ ہے کہ جس کے شر کے خوف سے لوگ اس کے ساتھ مراعات کرتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ بدگویوں کی زبان سے جس کے سبب سے تو اپنے آپکو بچائے وہ چیز صدقہ ہے۔ ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ ہم انکے سامنے تو ہنستے ہیں۔ لیکن ہمارا دل انکو لعنت کرتا ہے۔ حق سترھواں یہ ہے کہ نشست و برخاست اور دوستی درویشوں کے ساتھ رکھے۔ اور امیروں کی مجلس سے پرہیز کرے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں مُردوں کے ساتھ محبّت نہ رکھو۔ صحابہؓ نے عرض کیا وہ کون ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ امیر لوگ۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام اپنی مملکت میں جس جگہ کسی مسکین کو دیکھتے تو اس کے پاس بیٹھتے اور فرماتے مسکین مسکین کے پاس بیٹھا ہے اور عیسیٰ علیہ السّلام کوئی نام اس نام سے زیادہ پسند نہ کرتے۔ کہ لوگ آپ کو مسکین کے نام سے بلائیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ بارِ خدایا۔ جب تک مجھے زندہ رکھے مسکین رکھ اور جب موت دے تو مسکینی کی موت دے اور جب میرا حشر کرے تو مسکینوں کے ساتھ کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا۔ بار خدایا میں تجھے کہاں سے طلب کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شکستہ دلوں کے پاس حق اٹھارھواں یہ ہے کہ مسلمان کے دل کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔ اور مسلمانوں کی حاجت روائی کرے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی حاجت روائی کرے وہ ایسا ہے۔ جیسے اس نے تمام عمر حق تعالیٰ کی خدمت کی ہو۔ اور فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی آنکھ روشن کرتا ہے۔ حق تعالیٰ قیامت کے دن اسکی آنکھیں روشن کریگا اور فرمایا جو شخص دن یا رات میں سے ایک ساعت کسی مسلمان کی حاجت روائی کو جائے۔ اگرچہ حاجت بر آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ لیکن اسکا یہ فعل مسجد میں دو مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور فرمایا جو شخص کسی مغموم کو خوش کرے یا کسی مغموم کو رہائی دلائے۔ حق تعالیٰ اس کو بہتر مغفرتیں کرامت کرتا ہے۔ اور فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم صحابہؓ نے عرض کیا۔ اگر ظالم ہو تو اس کی کیسے مدد کریں۔ آپؐ نے فرمایا اسکو ظلم سے باز رکھنا اس کی مدد کرنا ہے۔ اور فرمایا حق تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کے دل خوش کرنے سے زیادہ اور کوئی عبادت نہیں اور فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ دوسرے لوگوں کو ستانا۔ اور فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی نیکی ان کے برابر نہیں۔ ایک ایمان لانا۔ دوسرے لوگوں کو آرام پہنچانا۔ اور فرمایا جس شخص کو مسلمان کا غم نہیں ہے وہ میری امت سے نہیں۔ لوگوں نے حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ آپ کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں ان بیچارہ مسلمانوں کیلئے رو رہا ہوں کہ جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے کہ کل قیامت کے دن ان سے پوچھا جائیگا۔ کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ ان کے پاس کوئی عذر و حجت نہ ہوگی اور وہ رسوا نہ ہوں گے۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص ہر روز تین بار یہ پڑھیگا اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس کا نام ابدالوں میں لکھا جائیگا۔ حق اکیسواں یہ ہے کہ جس کسی کے پاس جائے تو بات کرنے سے پہلے اسکو سلام کرے اور اس سے مصافحہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سلام سے پہلے باتیں کرے۔ اسکی باتوں کا جواب نہ دو۔ جبتک کہ وہ پہلے سلام نہ کرلے۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور اس نے سلام نہ کیا۔ آپ نے فرمایا باہر نکل جا اور پھر آ اور سلام کر۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مجھے آٹھ برس ہوگئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے انس طہارت پوری کر تاکہ تیری عمر دراز ہو اور جس شخص کے پاس جائے۔ اس کو سلام کر تاکہ تیری نیکیاں زیادہ ہوں۔ اور جب اپنے گھر جائے تو گھروالوں کو سلام کر تاکہ تیرے گھر میں خیر زیادہ ہو۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور اس نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اسکے اعمالنامہ میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور پھر دوسرا آدمی آیا۔ اور اس نے بھی سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہا۔ آپ نے فرمایا۔ اسکے حق میں بیس نیکیاں لکھی جائیں گی پھر تیسرا آیا اس نے کہا سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ آپ نے فرمایا اسکے حق میں تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اپنے گھر میں جاؤ تب بھی سلام کرو اور جب گھر سے باہر آؤ تو تب بھی سلام کرو۔ اور پہلا سلام پچھلے سلام سے افضل نہیں ہے۔ اور فرمایا جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں۔ تو ستر رحمتیں ان میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اور ان میں سے انہتر اس کا حصہ ہوتی ہیں جو زیادہ خندہ پیشانی اور خوشی سے ملتا ہے اور فرمایا جب دو علماء آپس میں ملتے ہیں۔ اور ایکدوسرے کو سلام کہتے ہیں تو سو رحمتیں ان میں تقسیم کی جاتی ہیں اور ننانوے اسکے حصہ میں آتی ہیں جو سلام میں ابتدا کرے اور دس اسکو ملتی ہیں جو سلام کا جواب دے اور بزرگانِ دین کے ہاتھ کو بوسہ دینا سنت ہے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا تھا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہم ایکدوسرے کے سامنے جائیں تو پشت کو خم کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے کہا۔ ہاتھ کو بوسہ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے کہا مصافحہ کریں آپ نے فرمایا ہاں۔ لیکن جب سفر سے واپس آئے تو اسکے منہ پر بوسہ دینا اور معانقہ کرنا سنت ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سروقد کھڑا ہونے سے خوش نہ ہوتے تھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عزیز نہ جانتے تھے۔ اور آپکے لئے بھی سروقد کھڑے نہ ہوتے۔ کیونکہ ہم جانتے تھے کہ حضور اس بات کو پسند نہیں فرماتے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کی تکریم کیلئے کھڑا ہو تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ جہاں عادت ہوگئی ہو لیکن کسی کے سامنے کھڑا رہنا گناہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں اور وہ خود بیٹھا رہے۔ اسے کہدو کہ اس کی جہنم میں جگہ ہے۔ حق بائیسواں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو چھینک آئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہنا چاہیئے۔ اور جب وہ یہ کہے تو جو سنے اسے یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہنا چاہیے اور جب وہ یہ سنے تو کہے یَغْفِرُ اللّٰہُ لِیْ وَلَکُمْ اور جو کوئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نہ کہے وہ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کا مستحق نہیں ہے

له خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو نیک کر۔ اے خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر رحم کر۔ اے خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خوش حال کر۔

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھینک آتی تو آپ آواز پست کر لیتے اور منہ پر ہاتھ رکھ لیتے۔ اور اگر کسی کو قضائے حاجت کی حالت میں چھینک آئے تو وہ دل میں الحمد للہ کہے اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے بھی کہے تو کوئی حرج نہیں حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ کہ یا رب تو نزدیک ہے تو سخن آہستگی سے کروں اگر دور ہے تو آواز سے کہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص مجھے یاد کرے میں اسکے ساتھ ہوں۔ پھر عرض کیا۔ یارب میرے لئے مختلف حالتیں ہیں جیسے جنابت اور قضائے حاجت وغیرہ تو ایسی حالتوں میں تجھ کو یاد کرنا گستاخی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جس حال میں بھی ہو مجھے یاد کر اور اندیشہ نہ کر حق اکیسواں یہ ہے کہ آشناؤں کی بھی بیمار پرسی کرے۔ اگرچہ وہ دوست نہ ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیمار کی عیادت کریگا۔ وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اور جب وہ بیمار پرسی کر کے واپس آتا ہے تو ستر ہزار فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں اور وہ رات تک درود پڑھتے ہیں۔ اور سنت یہ ہے کہ جب کسی کی عیادت کو جائے اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھے یا پیشانی پر ہاتھ رکھے اور پوچھے کہ کیا حال ہے۔ اور پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اُعِیْذُکَ بِاللّٰہِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ مِنْ شَرِّ مَا تَجِدُ[1] عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں بیمار تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چند بار یہ کہا۔ اور بیمار کیلئے سنت یہ ہے یہ کہے اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ[2] اور جب کوئی پوچھے کیا حال ہے تو گلہ نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتے اس پر مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ دیکھتے رہیں کہ جب کوئی شخص اس بیمار کی عیادت کو جاتا ہے۔ تو وہ بیمار شکر کرتا ہے یا شکایت کرتا ہے۔ اور اگر شکر کرتا ہے اور کہتا ہے الحمد للہ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ مجھ پر واجب ہے کہ اگر میں اس کو لیجاؤں تو اپنی رحمت سے لیجاؤں اور بہشت میں داخل کروں۔ اگر اسے صحت دوں تو اس بیماری کے عوض میں اسکے گناہوں کو بخش دوں۔ اور بہ نسبت پہلے کے اچھا خون اور گوشت اسے عنایت کروں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ جس کسی کو پیٹ میں درد ہوتا ہو اپنی بیوی کے حق مہر میں سے کچھ لے کر اسکا شہد خرید کرے۔ اور بارش کے پانی میں ملا کر پیئے تو شفا حاصل ہو گی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے بارش کو مبارک کہا ہے اور شہد کو شفا فرمایا ہے اور عورتوں کے مہر کو اگر وہ بخشدیں خوشگوار و سازگار کہا ہے۔ اور جب یہ تینوں ملجائیں تو ناچار صحت حاصل ہو گی۔ حاصل کلام بیمار کے لئے یہ آداب ہیں کہ گلہ نہ کرے اور فریاد نہ کرے اور اس امر کی امید رکھے کہ بیماری اسکے گناہوں کا کفارہ ہو گی۔ اور جب دوا کھائے تو پیدا کرنیوالے پر توکل کرے دوا پر بھروسہ نہ رکھے۔ اور عیادت کے آداب یہ ہیں کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے اور بہت نہ پوچھے اور اس کی صحت کیلئے دعا کرے اور اپنے آپکو اسکی بیماری کی وجہ سے غمگین بنائے اور مکان کے اندر کی دیواروں وغیرہ کی طرف نہ دیکھے۔ اور جب بیمار کے مکان کے دروازہ پر جائے تو اجازت طلب کرے اور دروازہ کے سامنے نہ کھڑا رہے بلکہ ایک جانب کھڑا ہو اور دروازہ کو نرمی سے کھٹکھٹائے اور یہ نہ پکارے غلام۔ اور جب پوچھیں کہ کون ہے۔ تو یہ نہ کہے کہ

[1] پناہ مانگتا ہوں میں تیرے لئے ساتھ خداوند اکیلے بے نیاز کے نہ اس سے کوئی جنا ہے۔ اور نہ وہ کسی سے جنا گیا پیدا ہوا اور نہ ہی کوئی اسکی برابری کرنیوالا ہے

[2] خدا سے پناہ مانگتا ہوں میں عزت اور قدرت سے اس بدی کے دور کرنے کی جو میں پاتا ہوں

میں ہوں۔ اور بجائے یا غلام کے سبحان اللہ والحمد للہ کہے۔ اور جو شخص دروازہ کھٹکھٹائے اسے یہی کہنا چاہیئے حق بائیسواں[۲۲] یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے۔ اسکے لیئے ایک قیراط ثواب ہے اور اگر دفن کرنے تک کھڑا رہے تو اس کو دو قیراط اجر ملتا ہے۔ اور ہر قیراط کوہ احد کے برابر ہوگا جنازے کیساتھ جانیکے آداب یہ ہیں کہ خاموش رہے اور ہنسی نہ کرے اور عبرت حاصل کرنے میں مشغول رہے اور اپنی موت کا خیال کرے حضرت اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جنازہ کے ساتھ جاتے۔ تو یہ نہ جانتے کہ کس کے ساتھ تعزیت کریں کیونکہ ہم میں سے ہر کوئی ایکدوسرے سے زیادہ غمگین ہوتا تھا۔ کچھ لوگ ایک مردہ کا غم کر رہے تھے۔ ایک بزرگ شخص نے کہا کہ اپنا غم کھاؤ کیونکہ اس نے تو تین غموں سے نجات پائی (۱) ملک الموت کا منہ دیکھا (۲) اور موت کی تلخی چکھی اور (۳) خاتمہ کے خوف سے رہا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں مردہ کے پیچھے جاتی ہیں۔ اہل۔ مال۔ عمل۔ اہل اور مال تو واپس آجاتے ہیں لیکن عمل اسکے ساتھ رہتے ہیں حق تیئیسواں یہ ہے کہ قبروں کی زیارت کو جائے۔ اور انکے حق میں دعا کرے اور ان سے عبرت حاصل کرے۔ اور جانے کہ وہ پہلے چلے آئے۔ اور وہ بھی جلدی انکو ہے اور اسکی جگہ بھی ان جیسی ہوگی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قبر کو یاد کرتا ہے۔ اسکی قبر بہشت کے باغ کیطرح ایک باغ ہوگی اور جو شخص قبر کو بھلا دیتا ہے۔ وہ اپنی قبر کو دوزخ کی غاروں میں ایک غار کی طرح پائیگا۔ ربیع بن خثیم کہ جن کی تربیت طوس میں ہے۔ تابعین میں سے ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی۔ جب کبھی بھی وہ اپنے دل میں غفلت دیکھتے تو قبر میں سوتے اور ایک ساعت کے بعد کہتے۔ یارب مجھے پھر دنیا میں بھیج۔ تاکہ اپنی تقصیر کا تدارک کر دوں پھر اسوقت اٹھ بیٹھتے اور کہتے کہ اے ربیع تجھکو دوبارہ دنیا میں بھیجا گیا اس سے پہلے کوشش کر۔ ایکدفعہ ایسی ہوگی کہ پھر تجھکو دنیا میں نہ بھیجیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایکدفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں گئے اور ایک قبر کے سرہانے بیٹھ گئے اور بہت روئے۔ اور میں آپکے پاس ہی کھڑا تھا۔ پوچھا کہ یارسول اللہ آپ کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ میری ماں کی قبر ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی تاکہ اسکی زیارت کروں اور اسکی بخشش چاہوں زیارت کی تو اجازت دیدی۔ لیکن دعا کی اجازت نہ دی محبت فرزندی نے میرے دل میں جوش کیا اور میں اس کیلئے رو دیا۔ یہ تمام مسلمانوں کے حقوق کی تفصیل ہے جسکا خیال رکھنا چاہیئے واللہ اعلم

لیکن ہمسایوں کے حقوق انکے علاوہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ وہ ہمسایہ جسکا ایک حق ہے وہ ہمسایہ کافر ہے اور وہ ہمسایہ جس کے دو حق ہیں وہ مسلمان ہمسایہ ہے۔ اور وہ ہمسایہ جسکے تین حق ہیں وہ قرابتدار ہمسایہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حق ہمسایہ کے متعلق مجھے اسقدر وصیت کی کہ میں نے خیال کیا کہ شاید اسے میری وراثت میں بھی حق ہوگا اور فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے کہدو کہ ہمسایہ کی عزت کرے۔ اور فرمایا وہ شخص مومن نہیں ہے جسکے ہمسایہ کو اس سے تکلیف پہنچے اور فرمایا جو متخاصم سب سے اول قیامت میں پیش ہونگے وہ دو ہمسایہ ہونگے۔ اور فرمایا کہ جس نے ہمسایہ کے کتا کو پتھر مارا۔ اس نے ہمسایہ کو دکھ دیا۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ فلاں عورت ہر روز روزہ رکھتی ہے

اور رات کو نماز پڑھتی ہے۔ لیکن ہمسایہ کو تکلیف دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسکی جگہ دوزخ میں ہے۔ اور فرمایا چالیس گھر تک لوگ ہمسایہ میں داخل ہیں۔ اور زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ چالیس گھر آگے چالیس گھر پیچھے چالیس گھر بائیں تک کے لوگ ہمسایہ ہیں۔ اور فرمایا حق ہمسایہ صرف یہی نہیں ہے کہ تو اس کو نہ ستائے۔ بلکہ تجھے اسکے ساتھ نیکی کرنی چاہیئے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے روز درویش ہمسایہ امیر ہمسایہ کے ساتھ جھگڑا کریگا۔ اور کہیگا۔ کہ اے بار خدایا۔ اس سے پوچھ کہ اس نے کیوں میرے ساتھ بھلائی نہیں کی۔ اور مجھے کیوں اپنے گھر میں نہ آنے دیا۔ ایک بزرگ تھے اور انہیں چوہوں کی وجہ سے تکلیف تھی لوگوں کہا حضرت بلی کیوں نہیں رکھتے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ میں بلی اسلیئے نہیں رکھتا کہ چوہے اس سے ڈر کر ہمسایہ کے گھر میں جائینگے۔ تو گویا میں نے اپنے ہمسایہ کیلیئے وہ بات چاہی جسے میں اپنے لیئے پسند نہیں کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہمسایہ کا حق ہے۔ فرمایا کہ اگر وہ تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ تو اسکی مدد کرو اگر کچھ قرض طلب کرے تو اسے قرض دو اور اگر محتاج ہو تو اسکی خدمت بجالاؤ۔ بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کرو۔ اور اگر مر جائے تو اسکے جنازہ کے ہمراہ جاؤ۔ اسکی خوشی میں خوشی بجالاؤ۔ اور اسکے غم میں شریک غم ہو اور اپنے مکان کی دیوار بلند نہ کرو۔ تاکہ ہمسایہ کو ہوا کی رکاوٹ ہو۔ اور اگر میوہ خرید کرو۔ تو اس میں سے اسے بھی کچھ بھیجو اور اگر نہ بھیج سکو تو پوشیدہ رکھو۔ اور اپنے بچوں کو لیکر باہر نہ نکلنے دو۔ تاکہ اسکے لڑکے رنجیدہ نہ ہوں اور اپنے باورچی خانے کے دھوئیں سے اسے رنج نہ دو۔ مگر یہ کہ اسے بھی کھانا وغیرہ بھیجو۔ اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہمسایہ کا کیا حق ہے مجھے خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ حق ہمسایہ اس شخص سے ہی ادا ہو سکتا ہے۔ اللہ کی رحمت جسکے شامل حال ہو اور حقوق ہمسایہ میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اپنے مکان سے اسکے گھر میں نہ جھانکے۔ اور اگر وہ تیری دیوار پر دھنی رکھے۔ تو اسے منع نہ کر اور اسکے پرنالہ کو بند نہ کر اور اگر وہ تیرے گھر کے دروازہ کے ساتھ مٹی ڈالے تو اسے منع نہ کر۔ اور اسکے عیوب کی پردہ پوشی کر اور اسکے دل کو دکھانیوالی کوئی بات نہ کر اسکی عورتوں سے اپنی انکھوں کو بچا۔ اور اسکی لونڈیوں کی جانب زیادہ نہ دیکھ۔ یہ باتیں مسلمان کے حقوق کے علاوہ ہیں۔ انہیں یاد رکھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے میرے دوست حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی۔ کہ اگر تو کچھ پکائے۔ تو شوربا ذرا زیادہ کر لے اور ہمسایہ کو اس میں سے بھیج۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضؓ سے پوچھا۔ کہ میرا ہمسایہ میرے غلام کی شکایت کرتا ہے اگر اس کو بلا دلیل ماروں تو گنہگار ہوتا ہوں۔ اور اگر نہ ماروں تو ہمسایہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا صبر کرتا غلام کوئی قصور کرے کہ تہدید کے قابل ہو جائے اور تہدید کرنے میں ذرا صبر کرے یہانتک کہ ہمسایہ پھر اسکی شکایت کرے۔ اور اسوقت تو اسے سزا دے تاکہ دونوں کے حقوق ادا ہو جائیں۔

خویش واقارب کے حقوق

جاننا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ میں رحمان ہوں اور قرابت رحم ہے اور میں نے اپنے نام سے اسکا نام نکالا ہے جو تعلقات قرابت قائم رکھتا ہے میں اسکے ساتھ رہتا ہوں اور جو قطع کر لیتا ہے میں بھی

اس سے علیحدہ ہو جاتا ہوں اور فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسکی عمر دراز ہو اور رزق میں کشائش ہو اسے کہدو کہ قرابتداروں کے ساتھ نیکی کرے اور فرمایا صلہ رحم سے بڑھ کر کسی عبادت کا ثواب نہیں ہے اور بعض لوگ ہوتے ہیں جو فسق و فجور کرتے ہیں لیکن جب وہ صلہ رحم کرتا ہے تو اسکی برکت کے باعث اسکے مال و اولاد میں برکت ہوتی ہے۔ اور فرمایا کہ کوئی صدقہ اس سے بہتر نہیں۔ جو چیز تو اپنے ایسے قرابتداروں کو دے جو تجھ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اور فرمایا کہ صلہ رحم کی حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر تیرے رشتہ دار تجھ سے قطع تعلق کر لیں لیکن تو ان کو ملے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام فضیلتوں سے بڑھ کر اس امر کی فضیلت ہے۔ کہ جو شخص تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے تعلقات قائم کرے۔ اور جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کرے۔ اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگزر کرے۔

والدین کے حقوق

جاننا چاہیئے۔ کہ ماں باپ کے حقوق نہایت عظیم الشان ہیں کیونکہ ان سے قرابت زیادہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ کوئی شخص ماں باپ کے حقوق کو ادا نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ انکو غلام دیکھے اور خرید کر آزاد کر دے۔ اور فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا نماز روزہ حج وغیرہ وغیرہ سے فاضلتر ہے۔ اور فرمایا لوگ بہشت کی خوشبو پانصد سال کی راہ سے سونگھیں گے لیکن ماں باپ کا عاق اور قطع رحم کرنیوالا نہ سونگھے گا۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ کہ جو شخص ماں باپ کے احکام کی تکمیل نہیں کرتا اور میرے احکام کی تکمیل کرتا ہے۔ میں اسے نافرمانوں میں لکھتا ہوں۔ اور جو شخص ماں باپ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور میرے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کرتا ہے اُسے فرمانبرداروں میں لکھتا ہوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس شخص کا کیا نقصان ہے جو ماں باپ کے نام پر صدقہ دے تاکہ ان کو ثواب ملے۔ اور اسکے ثواب میں سے بھی کچھ کم نہ ہو ایک اور آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ حضور میرے ماں باپ وفات پا چکے ہیں۔ ان کا مجھ پر کیا حق رہ گیا ہے۔ تاکہ اسے ادا کروں آپ نے فرمایا کہ ان کیلئے نماز ادا کرے اور بخشش طلب کرے۔ اور ان کے عہد و وصیت کو بجا لائے۔ اور ان کے دوستوں کی عزت کرے۔ اور ان کے قرابتداروں سے بھلائی کرے۔ اور فرمایا کہ ماں کا حق باپ کے حق سے دگنا ہے۔

حقوق اولاد

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نیکوئی کس کے ساتھ کروں۔ آپ نے فرمایا اپنے ماں باپ کیساتھ اس نے عرض کیا وہ تو مر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر اولاد کے ساتھ نیکی کر۔ کیونکہ جسطرح ماں باپ کے حقوق ہیں اسی طرح اولاد کے حقوق ہیں اور ایک حق اولاد کا یہ ہے۔ کہ اسے بدخوئی کی وجہ سے عاق نہ کرے۔ اور فرمایا حق تعالیٰ ایسے باپ پر رحمت کرے جو اپنے بیٹے کو نافرمانی پر نہ لائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ

جب بیٹا سات روز کا ہو جائے تو اس کا عقیقہ کرو۔ اور نام رکھو۔ اور پاک کرو۔ اور جب چھ سال کا ہو جائے تو اسکو ادب سکھلاؤ۔ اور جب نو سال کا ہو جائے تو اس کا بستر علیحدہ کر دو۔ اور جب تیرہ سال کا ہو جائے تو اسے نماز مار کر پڑھاؤ۔ اور جب سولہ برس کا ہو جائے تو اسکی شادی کر دو۔ اور اسکا ہاتھ پکڑ کر کہو کہ میں نے تجھے ادب سکھلایا اور شادی کی۔ اب میں دنیا میں تیرے فتنہ سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور آخرت میں تیرے عذاب سے اور فرزندوں کے حقوق میں یہ بھی ہے۔ کہ ان میں داد و دہش اور پیار کو مساوی رکھے۔ اور چھوٹے بچہ کو پیار کرنا اور بوسہ دینا سنّت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیتے تھے۔ قرع بن حابس نے عرض کیا میرے دس فرزند ہیں نے کسی کو کبھی بھی بوسہ نہیں دیا حضورؐ نے فرمایا جو ان پر رحم نہیں کرتا۔ ان پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ ایکدفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف تشریف رکھتے تھے حضرت حسنؓ منہ کے بل گر پڑے۔ آپ اسی وقت منبر سے اتر آئے اور اسکو اٹھا لیا۔ اور یہ آیت پڑھی اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمہاری اولاد اور مال تمہارے لیئے فتنہ ہیں۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے جب آپ سجدہ میں گئے۔ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا پاؤں آپ کی گردن پر رکھدیا۔ حضور نے حالت سجدہ میں اسقدر توقف کیا کہ صحابہؓ نے خیال کیا کہ شاید وحی آگئی ہے جو سجدہ اتنا لمبا ہو گیا ہے۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو صحابہؓ نے عرض کیا۔ کہ حضور وحی آئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حسینؓ نے مجھے اونٹ بنا لیا تھا۔ میں نے پسند نہ کیا اسے جدا کروں۔ غرضیکہ ماں باپ کا حق اولاد کے حق سے زیادہ موکد ہے کیونکہ اولاد پر ماں باپ کی تعظیم فرض ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اسے اپنی تعظیم سے تعبیر کیا ہے۔ اور فرمایا۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یعنی فرمایا تیرے رب نے نہ عبادت کرو کسی کی مگر اپنے پروردگار کی۔ اور والدین کے ساتھ احسان کریں اور ان کے حق عظیم کی وجہ سے دو چیزیں واجب ہیں۔ ایک یہ کہ علماء کا کثیر گروہ اس بات پر ہے۔ کہ اگر کوئی طعام مشتبہ ہو اور حرام محض نہ ہو۔ اور اگر ماں باپ کھانے کا حکم کریں تو کھا لینا چاہیئے اور ان کی اطاعت کرنی چاہیئے کیونکہ ان کی خوشنودی نہایت ضروری ہے۔ بہ نسبت شبہ عذر کرنے کے۔ اور بلا والدین کے حکم کے سفر کو نہیں جانا چاہیئے سوائے اس سفر کے جو فرض ہو مثلاً نماز روزہ کے متعلق علم سیکھنے کیلیئے سفر کرے۔ بشرطیکہ اس جگہ فقیہہ موجود نہ ہو۔ اور یہ صحیح ہے۔ کہ والدین کی اجازت کے بغیر حج کو نہ جائے کیونکہ اس میں تاخیر کرنا مباح ہے۔ گو دراصل وہ فریضہ ہے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شامل ہونیکی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا تیری والدہ ہے اس نے عرض کیا۔ ہاں ہے۔ آپ نے فرمایا اسکی خدمت میں رہ کیونکہ تیری بہشت اسکے قدموں میں ہے۔ ایک شخص یمن سے آیا۔ اور اس نے جہاد میں شامل ہونیکی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا تیرے ماں باپ ہیں۔ عرض کی کہ ہیں آپ نے فرمایا۔ کہ واپس جا اور پہلے ان سے اجازت حاصل کر اور اگر وہ نہ دیں تو ان کے حکم کی تعمیل کر۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے نزدیک توحید کے بعد کوئی عبادت و قربت اس سے زیادہ نہیں ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ بڑے بھائی کا حق باپ کے حق کے نزدیک ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائی پر اسطرح ہے جیسے باپ کا حق بیٹے پر ہے۔

لونڈی غلاموں کے حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ لونڈی غلاموں اور زیر دستوں کے حقوق میں حق تعالیٰ سے ڈرو۔ اور انکو وہی طعام دو جو خود کھاتے ہو۔ اور وہی لباس پہناؤ۔ جو خود پہنتے ہو۔ اس بات کا حکم کرو جس کی انہیں طاقت ہو۔ اور اگر رکھنے کے قابل ہوں تو انہیں رکھو۔ ورنہ فروخت کر دو۔ اور مخلوق خدا پر عذاب نہ ڈالو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو تمہارا غلام اور زیر دست بنایا ہے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنے غلاموں کو کتنی بار دن میں معاف کیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ ستر بار۔ احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ کہ آپ نے بُردباری کس سے سیکھی ہے۔ آپ نے کہا۔ قیس بن عاصم سے۔ کہ اُن کی کنیزک بکری کا بچہ بُھنا ہوا لوہے کی سیخ میں لگائے ہوئے لا رہی تھی۔ کہ اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر انکے بچہ پر گر پڑا۔ اور وہ مر گیا۔ کنیزک خوف کے مارے بیہوش ہو گئی۔ آپ نے کہا۔ سنبھل جا۔ تیرا کچھ قصور نہیں۔ اور میں نے تجھے خدا کی راہ میں آزاد کیا۔ عون بن اسد رحمۃ اللہ علیہ کا غلام جب کبھی نافرمانی کرتا تو آپ اس سے کہتے کہ تو نے بھی اپنے آقا کی عادت اختیار کر لی ہے۔ جیسا کہ تیرا آقا اپنے مولیٰ کے حق میں گنہگار ہے۔ تو بھی اسی طرح کرتا ہے۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک غلام کو مارتے تھے۔ ایک آواز سنی کہ کسی نے کہا یا ابا مسعود آپ نے اس طرف دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا۔ آپ نے فرمایا کہ جسقدر تجھے اس غلام پر قدرت حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کو اس سے کہیں زیادہ تجھ پر قدرت حاصل ہے۔ لونڈی و غلام کا حق یہ ہے کہ انہیں روٹی سالن اور پارچات سے محروم نہ رکھے اور تکبر کی نظروں سے ان کی طرف نہ دیکھے۔ اور سمجھے کہ وہ بھی میری طرح انسان ہیں اور اگر وہ خطا کریں تو اپنی خطاؤں پر نظر کرے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حق میں اس سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور ان پر غصہ کرے تو حق تعالیٰ کو جو قدرت و طاقت اس پر حاصل ہے۔ اس کا خیال کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ اگر کوئی زبردست اس کے لئے طعام تیار کرے اس کے پکانے کی تکلیف برداشت کرے تو چاہیئے۔ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر ایسا نہ کرے تو ایک لقمہ اٹھائے۔ اور اسے روغن میں تر کرے۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں ڈالے۔ اور زبان سے کہے کہ اسے کھا۔

اصل ششم آداب گوشہ نشینی

جاننا چاہیئے۔ کہ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔ کہ گوشہ نشینی بہتر ہے یا لوگوں سے مل جل کر زندگی بسر کرنا اچھا ہے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ۔ ابراہیم ادھمؒ۔ داؤد طائیؒ۔ فضیل عیاضؒ۔ ابراہیم خواصؒ۔ یوسف اسباطؒ۔ حذیفہ رحؒ بشر حافیؒ اور بہت سے بزرگوں اور متقی لوگوں کا یہ مذہب ہے۔ کہ لوگوں سے مل جل کر رہنے سے گوشہ نشینی بہتر ہے۔ اور ایک گروہ علمائے ظاہر کا اس بات پر متفق ہے کہ لوگوں سے مل جل کر رہنا افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ گوشہ نشینی میں سے اپنے حصہ کا خیال رکھو۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ گوشہ نشینی میں عبادت ہے۔ ایک شخص نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا۔ کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے روزہ رکھ اور موت کے وقت افطار کر۔ اور لوگوں سے اسطرح بھاگ۔ جیسے لوگ شیر سے بھاگتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب آدمی نے قناعت کر لی تو بے نیاز ہو گیا۔ اور جب لوگوں سے گوشہ نشینی اختیار کر لی تو سلامتی پالی۔ اور جب خواہش کو مغلوب کر لیا تو آزاد ہو گیا۔ اور جب حسد سے بچا تو اسکی مروت ظاہر ہو گئی۔ اور جب اس نے چند دن تک صبر کیا۔ تو ہمیشہ کیلئے بامراد ہو گیا۔ وہب ابن الوردؒ فرماتے ہیں کہ حکمتیں دس ہیں نو خاموشی ہیں اور دسویں گوشہ نشینی میں۔ اور ربیع بن خثیم رح اور ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا ہے کہ علم سیکھ اور لوگوں سے گوشہ نشینی اختیار کر حضرت مالک بن انسؒ دوستوں کی ملاقات اور بیمار کی عیادت اور جنازوں کے ہمراہ جایا کرتے پھر ایک ایک امر سے دستبردار ہو کر گوشہ نشینی ہو گئے۔ حضرت فضیلؒ نے فرمایا کہ میں اس شخص کا بہت ممنون ہوتا ہوں جو میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو سلام نہ کرے اور جب بیمار ہو جاؤں تو عیادت کو نہ آئے۔ سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ جو صحابہ کبار میں سے تھے۔ اور مدینہ منورہ کے نزدیک عقیق نامی جگہ پر رہتے تھے۔ اور کسی کام کیلئے بھی لوگوں کے پاس نہ آتے تھے۔ یہانتک کہ اُسی جگہ انتقال فرما گئے۔ ایک امیر نے حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ کہ کوئی حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ہے۔ اس نے کہا کیا۔ آپ نے فرمایا یہ کہ میں تجھے نہ دیکھوں۔ اور نہ تو مجھے دیکھے۔ ایک شخص نے حضرت سہل تستریؒ سے پوچھا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی صحبت میں رہا کروں آپ نے فرمایا کہ جب ایک ہم میں سے مر جائیگا۔ تو دوسرا پھر کس کے ساتھ صحبت رکھیگا۔ اور جاننا چاہیئے کہ اس بارہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے جیسا کہ نکاح کے بارہ میں کہ نکاح کرنا افضل ہے یا نہ کرنا افضل ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ احوال پر موقوف ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں۔ کہ انکے لئے گوشہ نشینی بہتر ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے لئے لوگوں سے مل جل کر رہنا افضل ہے اور یہ معلوم نہ ہوگا۔ جبتک کہ گوشہ نشینی کے فوائد و نقصانات کو بیان نہ کیا جائے۔

فوائد گوشہ نشینی

جاننا چاہیئے کہ گوشہ نشینی میں چھ فائدے ہیں۔ اوّل ذکر و فکر میں فراغت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ بزرگ ترین عبادت ذکر و فکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عجائب و غرائب صنعتوں پر غور کرنا اور زمین و آسمان کی حکمتوں کو خیال میں لانا دنیا و آخرت میں حق تعالیٰ کے اسرار کا پہچاننا۔ بلکہ سب سے بہتر یہ ہے۔ کہ ہمہ تن ذکرِ حق تعالیٰ میں مشغول رہے۔ تاکہ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو جائے۔ یہاں تک کہ سوائے حق تعالیٰ کے اور کچھ نہ رہے اور یہ باتیں سوائے خلوت و گوشہ نشینی کے اچھی طرح حاصل نہیں ہوتیں۔ کیونکہ جو چیز حق تعالیٰ کے سوا ہے، وہ اس سے غافل کرنیوالی ہے تو اس شخص کیلئے گوشہ نشینی خاص طور پر ضروری ہے، جو لوگوں میں رہ کر حق تعالیٰ کیطرف مشغول ہونے کی قوت نہ رکھتا ہو، جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ طاقت حاصل تھی۔ کہ وہ لوگوں میں رہتے ہوئے حق تعالیٰ کیطرف مشغول رہیں، اور یہی وجہ تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبوّت سے پہلے غارِ حرا میں گوشہ نشین ہوئے اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کی۔ یہاں تک کہ نورِ نبوّت مضبوط ہو گیا، اور آپ اس درجہ پر پہنچ گئے، کہ بدن سے تو لوگوں کے ساتھ مشغول تھے لیکن دل حق تعالیٰ کی طرف لگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو دوست بناتا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن حق تعالیٰ کی دوستی نے اور کسی کی دوستی کے لئے جگہ نہیں چھوڑی حالانکہ لوگ جانتے تھے۔ کہ آپ کو ہر ایک کے ساتھ محبّت ہے اور تعجب نہیں ہے کہ اگر اولیاء کو بھی اس درجہ سے کچھ حصہ ملے حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ تیس سال ہو نیکو آئے ہیں کہ میں حق تعالیٰ سے ہمکلام ہوں لیکن لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مخلوق سے باتیں کرتا ہوں اور یہ امر محالات میں سے نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے، جیسے کسی آدمی کا عشق اس حد تک ہو جاتا ہے، کہ وہ باوجود لوگوں میں ہونیکے کسی کی بات نہیں سنتا۔ اور ہمہ تن اپنے محبوب کیطرف اسکا قلب منہمک ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کو اس پر مغرور نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں، کہ لوگوں میں رہنے کے باعث اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے مردود ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص نے کسی ادیب سے کہا۔ کہ تنہائی میں صابر رہنا بڑا عظیم الشان کام ہے اس نے کہا کہ میں تنہا نہیں ہوں کیونکہ میں حق تعالیٰ کا ہم نشین ہوں، جب میں اس کے ساتھ راز کی باتیں کرنا چاہتا ہوں، تو نماز پڑھتا ہوں، اور جب میری یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ میرے ساتھ بات کرے، تو توریت پڑھتا ہوں۔ لوگوں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ ان گوشہ گیر لوگوں نے گوشہ نشینی سے کیا فائدہ حاصل کیا ہے، اس نے جواب میں کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس حاصل کیا ہے، لوگوں نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے ذکر کیا۔ کہ یہاں ایک آدمی ہے جو ہمیشہ ستون کے پیچھے بیٹھا رہتا ہے آپ نے فرمایا۔ کہ جب وہ آئے تو مجھے خبر دینا، لوگوں نے آپکو خبر دی، آپ اُسکے پاس گئے، اور فرمایا۔ کہ تو ہمیشہ تنہا بیٹھتا ہے کیوں تو لوگوں کے ساتھ ملتا جلتا نہیں، اس نے کہا مجھے ایک ایسا کام آپڑا ہے جس نے مجھے لوگوں سے جُدا کر دیا ہے آپنے فرمایا تو حسن کے پاس کیوں نہیں بیٹھتا اور اسکی باتیں کیوں نہیں سنتا۔ اس نے کہا۔ اس کام نے مجھے حسن اور لوگوں سے

بازرکھا ہے، آپ نے فرمایا، وہ کونسا کام ہے، اس نے جواب دیا، کہ کوئی وقت ایسا نہیں جس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر انعام نہ ہوتا ہو۔ اور میری طرف سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوتا ہو، اس نعمت کا تو میں شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اس گناہ سے استغفار کرتا ہوں۔ اور نہ میں ایسی حالت میں حسن کے ساتھ مشغول ہو سکتا ہوں۔ اور نہ لوگوں کے ساتھ، حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا۔ کہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہ۔ کہ تو حسن سے زیادہ فقیہ ہے۔ حضرت ہرم بن حیانؒ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے۔ حضرت اویس نے فرمایا، کس کام کے لئے آیا ہے، اس نے کہا اس لئے آیا ہوں کہ تم سے آسائش حاصل کرسکوں۔ آپنے جواب دیا، کہ میں نے کبھی ایسا نہیں سمجھا تھا۔ کہ کوئی ایسا شخص بھی ہوگا۔ کہ جو حق تعالیٰ کو چھوڑے، اور دوسرے سے آسائش طلب کرے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب رات کی تاریکی آتی ہے، تو میرے دل کو خوشی ہوتی ہے، دل میں کہتا ہوں کہ صبح تک حق تعالیٰ کے ساتھ خلوت میں بیٹھوں گا۔ اور جب دن کی روشنی ظاہر ہوتی ہے، تو میرے دل میں رنج و غم پیدا ہوتا ہے، اور میں کہتا ہوں۔ کہ اب لوگ مجھے حق تعالیٰ سے باز رکھیں گے۔ حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے، کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں باتیں کرتا ہے، بہ نسبت لوگوں سے باتیں کرنے کے پسند نہیں کرتا، اس کا علم تھوڑا ہے، اور اس کا دل اندھا ہے، اور اسکی عمر رائیگاں ہے، ایک حکیم کا قول ہے۔ کہ جس شخص کو یہ خواہش ہو کہ وہ کسی کو دیکھے اور اس کے ساتھ بیٹھے، تو یہ امر اس شخص کے لئے باعث نقصان ہے کیونکہ اس کا دل جو چاہیئے، اس سے خالی ہے۔ اور باہر سے مدد چاہتا ہے، بزرگوں کا قول ہے۔ کہ جس شخص کو لوگوں سے انس ہے، وہ مفلس ہے پس ان تمام باتوں سے جاننا چاہیئے، کہ جس شخص کو اس بات کی طاقت ہے۔ کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ انس حاصل کرے، یا ہمیشہ ذات باری کے جلال و جمال کی معرفت میں ڈوبا ہے اس کا یہ فعل ان تمام عبادات سے جو مخلوق کیسا تھ تعلق رکھتی ہے، افضل ترین ہے کیونکہ تمام سعادتوں کی غایت یہ ہے، کہ جب کوئی اس جہان میں جائے، تو حق تعالیٰ کی انس و محبت اس کے دل پر غالب ہو، اور انس حق تعالیٰ کے ذکر سے کامل ہوتا ہے، اور محبت و معرفت کا ثمرہ ہے اور معرفت ثمرۂ ذکر ہے اور یہ تمام باتیں گوشہ نشینی سے حاصل ہوتی ہیں۔ **فائدہ دوم** یہ ہے کہ بسبب گوشہ نشینی کے انسان کئی گناہوں سے نجات پاتا ہے، اور چار گناہ ایسے ہیں۔ کہ ایکدوسرے سے میل جول رکھنے میں ان سے کوئی بچ نہیں سکتا (۱) ایک غیبت کرنا اور غیبت کا سننا ہے اور وہ دین کے لئے ہلاکت کا موجب ہے (۲) دوسرے امر معروف اور نہی عن المنکر۔ اگر خاموش رہے، تو فاسق و عاصی ہوگا اور اگر انکار کرے تو وحشت و خصومت ہوتی ہے (۳) ریا و نفاق ہے، کہ میل جول میں وہ لازمی ہے کیونکہ اگر لوگوں کے ساتھ مدارانہ کرے، تو تکلیف میں مبتلا ہوگا۔ اور اگر مدارا کرے تو ریا میں پڑے گا۔ کیونکہ ریا و نفاق کو مدارا سے علٰحدہ کرنا بہت مشکل ہے، اور اگر دو دشمنوں کے ساتھ باتیں کرے اور ہر ایک سے موافقت کرے تو یہ بات دوزخی میں داخل ہے اور اگر موافقت نہ کرے تو ان کی دشمنی سے نجات نہ پائے گا اور سب سے کمتر بات یہ ہوگی۔ کہ جس کسی کو دیکھے گا۔ اس سے کہے گا۔ کہ میں ہمیشہ تمہارا آرزومند رہتا ہوں اور غالب یہی ہے کہ جھوٹ کہے گا۔ اور یہ نہ کہے گا، تو لوگ اس سے متوحش ہونگے اور کہینگا تو یہ

نفاق اور جھوٹ ہوگا، اور ادنیٰ بات یہ ہے۔ کہ ہر ایک سے پوچھنا پڑتا ہے۔ کہ تمہارا کیا حال ہے اور تمہارے خویش و اقارب کیسے ہیں، اور حالانکہ باطن میں انکے غم و فکر سے فارغ ہوتا ہے، کہ وہ کیسے ہیں اور یہ محض نفاق ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے جسکو کسی شخص کے ساتھ کوئی کام ہوتا ہے، وہ نفاق کی راہ سے اس کی بہت سی تعریف و توصیف کرتا ہے، اور حق تعالیٰ کو خفا کر کے دین کو اسکے سر پر چھوڑ کر ناکام واپس آتا ہے۔ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر میرا دوست بھائی میرے پاس آئے اور میں اپنی ڈاڑھی کو سیدھی کرنے کی غرض سے ہاتھ پھیروں تو مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہیں میرا نام منافقوں کی فہرست میں نہ لکھ لیں۔ حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ ایک جگہ پر تشریف فرما تھے، ایک شخص آپکے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کس غرض کے لئے آیا ہے، اس نے کہا آپ کے دیدار سے آسائش اور موانست حاصل کرنیکی غرض سے۔ آپ نے فرمایا۔ بخدا یہ بات وحشت کے بہت نزدیک ہے، تو نہیں آیا۔ مگر اس غرض سے۔ کہ میری جھوٹی تعریف کرے، اور میں تجھ سے اور تو مجھ سے جھوٹ بولے، اور یا تو یہاں سے منافق ہو کر جائے یا میں یہاں سے منافق ہو کر اٹھوں پس جو شخص ایسی باتوں سے پرہیز کرتا ہے وہ اگر لوگوں سے میل جول رکھے تو چنداں نقصان نہیں۔ اور اسلاف جب ایک دوسرے کو دیکھتے تھے، تو دنیا کی نسبت نہ پوچھتے تھے، دین کے متعلق باتیں کرتے تھے، حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ نے حامد لفاف سے پوچھا کیسے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، سلامت ہوں اور بعافیت ہوں۔ حضرت حاتم نے کہا۔ کہ سلامتی اسوقت ہے۔ جو تو پل صراط سے گزرے اور عافیت اس وقت ہے، جب تو بہشت میں داخل ہو جائے، جب لوگ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے پوچھتے کہ کیا حال ہے۔ آپ فرماتے۔ کہ جس چیز میں میرا فائدہ ہے، وہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور جس چیز میں میرا نقصان ہے میں اسکے دفع کرنے پر قادر نہیں ہوں، اور میں اپنے کام کے گرد ہوں۔ اور میرا کام دوسرے کے ہاتھ میں ہے پس کوئی درویش مجھ سے زیادہ درویش نہیں اور مجھ سے زیادہ عاجز نہیں۔ اور جب لوگ حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ سے پوچھتے کہ آپ کیسے ہیں، تو جواب دیتے کہ ضعیف و گنہگار ہوں اور اپنی روزی کھاتا ہوں اور اپنی موت کا منتظر ہوں، لوگ ابو داود رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھتے کہ کیا حال ہے، آپ فرماتے بخیر ہے، اگر میں دوزخ سے رہائی حاصل کروں۔ اور جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتے کہ کیسے ہو؟ آپ فرماتے اس شخص کا کیا حال ہوگا۔ جو صبح کو نہ جانے کہ شام تک زندہ رہوں گا یا نہ اور شام کو نہ جانے کہ صبح تک زندہ رہونگا یا نہ۔ حضرت مالک دینار رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا۔ کہ آپ کیسے ہیں۔ آپ نے جوابدیا اسکا کیا حال ہے جسکی عمر گھٹتی ہے اور گناہ بڑھتے ہیں، ایک حکیم سے لوگوں نے پوچھا۔ کیا حال ہے۔ اس نے کہا ایسا ہو۔ کہ خدا کی روزی کھاتا ہوں اور اس کے دشمن ابلیس کا کہا مانتا ہوں، محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ آپ کیسے ہو۔ آپ نے جوابدیا۔ وہ شخص کیسا ہوگا۔ جس کی منزل آخرت پر ہر روز نزدیک چلی جاتی ہو۔ حامد لفاف رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ کیسے ہو۔ آپ نے جواب دیا اس آرزو میں ہوں کہ ایک دن خیریت سے رہوں۔ لوگوں نے کہا۔ کیا آپ عافیت سے نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا، عافیت سے وہ ہوگا۔ جو گناہ نہ کرتا ہو۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے موت کے وقت پوچھا۔ کہ کیا حال ہے آپنے فرمایا۔ اس شخص کا کیا

حال ہے، جو ایک لمبے سفر کو جاتا ہو۔ اور زادِ راہ بھی پاس نہ ہو۔ اور تاریک قبر میں جانا ہو۔ جہاں کوئی مونس و غم خوار نہیں، اور بادشاہ عادل کے حضور میں بلا حجت دلیل کے حاضر ہو حسان بن سنان رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کیسے ہو، آپ نے فرمایا کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا، جس کے لئے مرنا ضروری ہو اور پھر اسے اٹھایا جائے اور اس سے حساب لیا جائے۔ حضرت سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سے پوچھا۔ کہ کیا حال ہے، اس نے کہا اسکا کیا حال ہوگا جسکے ذمہ پانصد درم قرضہ ہو، اور وہ عیال دار ہو۔ اور کچھ بھی اس کے پاس نہ ہو۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر گھر کو گئے، اور ایک ہزار درم لاتے اور اس کو دیئے۔ اور کہا۔ کہ پانصد درہم عیال کے نفقہ میں خرچ کر۔ اور کہا۔ کہ اب میں نے عہد کیا ہے۔ کہ کسی سے دریافت نہ کرونگا۔ کہ کیسا ہے۔ اور حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اس لئے کہا۔ کہ اگر پوچھنے کے بعد تیمارداری نہ کرے گا، تو منافق ہوگا۔ بزرگوں نے کہا۔ کہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے، جو ایکدوسرے کو سلام نہ کرتے تھے، اگر ایکدوسرے پر حکم کرتا تو جو موجود ہوتا اس سے انکار نہ کرتے لیکن اب اس قسم کے لوگ ہیں۔ کہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور گھر کی مرغی تک کے احوال پوچھتے ہیں، اور ایکدوسرے سے ایک درہم طلب کرتے ہیں، تو سوائے انکار کے اور کچھ نظر نہ آتے، اور یہ باتیں صرف نفاق سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جبکہ لوگ اس صفت کے ہوگئے پس جو شخص ان سے میل جول کرتا ہے، اور ان سے موافقت رکھتا ہے، وہ اس نفاق اور دروغ میں ان کا شریک حال ہوتا ہے۔ اور اگر مخالفت کرتا ہے، تو وہ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اور سب اسکی غیبت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا دین ان کیوجہ سے خراب ہوتا ہے اور ان کا دین اس کی وجہ سے خراب ہوتا ہے دلم، ایک دوسرے کے میل جول سے یہ بات لازم آتی ہے کہ جسکے ساتھ تو بیٹھے، اسکی صفات تجھ میں سرایت کریں، اور ایسے طریق پر کہ تجھے مطلق خبر نہ ہو اور تیری طبیعت اسکی طبیعت سے اس طرح خو چرائے گی، کہ تجھے بالکل معلوم نہ ہوگا۔ اور اگر تیری نشست اہلِ غفلت کیساتھ ہوگی، تو وہ بہت سی برائیوں کا تخم بن جائے گی، کیونکہ جو شخص اہل دنیا کو دیکھتا ہے، اور اس کو دنیا کے حق میں حریص پاتا ہے، وہ خود بھی ان کی صحبت سے ویسا ہی ہو جاتا ہے اور جو شخص اہل فسق کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کا منکر ہوتا ہے لیکن جب اس کی آنکھیں فسق کو بکثرت دیکھتی ہیں، تو وہ اسے معمولی چیز معلوم ہونے لگتا ہے، اور لوگ جس گناہ کو زیادہ دیکھتے ہیں، تو ان کے قلوب سے اس گناہ کا انکار جاتا لگتا ہے، اور یہی سبب ہے۔ کہ لوگ جب کسی عالم کو ریشمی لباس میں دیکھتے ہیں، تو سب لوگوں کے دل اس سے انکار کرتے ہیں اگر یہ عالم تمام دن غیبت میں مشغول رہے، تو کسی کے دل میں بھی انکار پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ غیبت کرنا ریشم پہننے سے بدتر ہے بلکہ زنا کرنے سے بھی سخت تر ہے لیکن اسوجہ سے کہ لوگ اسے کثرت سے دیکھتے ہیں۔ اور سنتے ہیں۔ اس لئے اسکی برائی دلوں سے اٹھ چکی ہے، بلکہ اہل غفلت کے حالات کو سننا نقصان دہ ہے۔ جیسے کہ صحابہ اور بزرگان دین کے حالات سننے میں فائدہ ہے، اور ان کے حالات بیان کرتے وقت رحمت الٰہی برستی ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ یعنی نیک لوگوں کا ذکر کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اور نزولِ رحمت کا یہ سبب ہوتا ہے۔ کہ دل میں دین کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور اسطرح اہل غفلت کا ذکر کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے، کیونکہ غفلت اور دنیا کی

رغبت لعنت کا باعث ہے۔ اور ان کا ذکر اسکا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے اہل غفلت کا دیکھنا اس سے بدرجہا بدتر ہوگا اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ بدآدمی کے ساتھ بیٹھنے والے کی مثال آہنگر کیطرح ہے، کہ اسکی دکان پر بیٹھنے سے اگر کپڑے نہ جلیں گے تو دھواں تو ضرور لگے گا، اور نیک آدمی کے پاس بیٹھنے والے کی مثال عطار کیطرح ہے۔ کہ تجھ کو مشک نہ دیگا، تو خوشبو تو تجھ کو آہی جائے گی اسپر جاننا چاہیئے۔ کہ بُرے ساتھی سے گوشہ نشینی بہتر ہے، اور نیک ساتھی سے گوشہ نشینی بہتر نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، کہ جس شخص کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی رغبت کم ہو۔ اور حق تعالیٰ کی طرف رغبت زیادہ ہو تو ایسے شخص کے پاس بیٹھنا بہت غنیمت ہے، اور تجھے ایسے آدمی کا ملازم ہونا چاہیئے، اور جس شخص کا حال اس کے خلاف ہو اس سے اجتناب کر اور خاص کر ایسے عالم سے جو دنیا پر حریص ہو۔ اس کا قول فعل کے مطابق نہ ہو، کیونکہ ایسا عالم زہر قاتل ہے۔ اور حرمت مسلمانی کو صاف دل سے نکال ڈالتا ہے اور پھر آدمی اپنے دل سے کہتا ہے۔ کہ اگر مسلمانی کی کوئی اصل ہوتی، تو وہ یعنی عالم اس کیلئے اولیٰ تر ہوتا۔ اگر کوئی شخص بادام کی مٹھائی کا طباق اپنے سامنے رکھے ہوتے ہے اور حریص ہو کر کھاتے اور شور مچاتے۔ کہ اے مسلمانو! اس سے بچو۔ کہ یہ سب زہر ہے، تو کوئی شخص اسکو باور نہ کرے گا۔ اور کھانے میں اس کا دلیری کرنا اس امر کی دلیل ہوگا۔ کہ اس میں زہر نہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ کہ جو حرام کھانے اور گناہ پر آمادہ ہونے پر دلیری نہیں کرتے لیکن جب سنتے ہیں کہ ایک عالم ایسا کرتا ہے تو دلیر ہو جاتے ہیں، اور یہی وجہ ہے۔ کہ عالم کی ذلت بیان کرنا حرام ہے، اور اسکے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ وجہ ہے۔ کہ یہ غیبت ہے اور دوسرے یہ کہ آدمی دلیر ہو جاتے ہیں اور عالم کے فعل کو حجت خیال کرتے ہیں۔ اور اسکی پیروی کرتے ہیں، اور شیطان ان کی مدد پر اُٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ آخر تو اس فلانے عالم سے زیادہ محتشم اور پرہیز گار نہ ہوگا۔ اور عام لوگوں کیلئے یہ شرط ہے کہ جب عالم سے کوئی تقصیر دیکھیں تو دو چیزوں پر غور کریں۔ ایک تو جانیں۔ کہ اگر عالم کوئی تقصیر کریگا، تو شاید اس کا علم اسکا کفارہ ہو جائے کیونکہ علم بھی ایک عظیم الشان شفیع ہے اور عام آدمی جن کو علم نہیں ہے اور وہ نہ عمل کریں تو انہیں کس شے پر بھروسہ ہوگا۔ اور دوسرے یہ جانے کہ عالم کا اس بات کو جاننا۔ کہ شراب و زنا نہ چاہیئے۔ اور اس باب میں۔ کہ شراب و زنا درست نہیں ہر شخص عالم ہے اور کسی عام آدمی کا شراب پینا اس بارہ میں کوئی دلیل نہیں ہو سکتا۔ کہ اسے دیکھ کر دوسرا بھی پینے لگے۔ اور عالم کا حرام کھانا بھی اسی قبیل سے ہوگا۔ اور اکثر حرام خوری پر وہی لوگ دلیری کرتے ہیں، جو کہ محض نام کے عالم ہوں اور علم کی حقیقت سے بے خبر ہوں اور یا وہ عالم جو ایسے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں، ایسی تاویلیں اور عذر جانتے ہیں۔ کہ جنہیں عام لوگ نہ سمجھ سکیں، تو عوام پر لازم ہے کہ عالم کی خطا کو اس نظر سے دیکھیں، تاکہ ہلاکت سے بچیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ کہ خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام نے انکار کیا، قرآن شریف میں اسی سبب سے مذکور ہوا ہے، غرضیکہ زمانہ ایسا ہے۔ کہ اکثر لوگوں کی صحبت سے نقصان ہوتا ہے، اس لئے زیادہ تر لوگوں کیلئے گوشہ نشینی اختیار کرنا بہتر ہے فائدہ سوجبکہ کوئی شہر بھی فتنہ و خصومت اور تعصب سے خالی نہیں، اس لئے جس شخص نے گوشہ نشینی اختیار کی وہ فتنہ سے محفوظ رہ گیا، اور اگر لوگوں سے ملنا جلنا اختیار کیا تو اس کا دین خطرہ میں پڑ گیا، عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب لوگوں کو تو اسطرح پر دیکھے کہ ایک دوسرے کے

ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر باہر نکلتے ہیں، تو گھر کے اندر بیٹھا رہنا اختیار کر۔ اور زبان کا خیال رکھ، اور جو کچھ تو جانے اس پر عمل کر اور جو کچھ تو نہ جانے اسے چھوڑ دے، اور خاص اپنے کام میں مشغول ہو۔ اور عام لوگوں سے مطلب نہ رکھ۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا۔ کہ آدمی کا دین محفوظ نہ رہے مگر یہ کہ جگہ جگہ بھاگتا پھرے۔ اور ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ میں اپنے آپ کو بھگاتا پھرے جیسا کہ ایک لومڑی اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتی پھرتی ہے اصحابؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا زمانہ کب آئے گا۔ آپ نے فرمایا جب روزی بغیر گناہ کے نہ ملے گی، اور اس وقت لوگوں سے دور رہنا حلال ہوگا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہوگا۔ آپ نے تو ہمیں نکاح کا حکم فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اسوقت آدمی کی ہلاکت ماں باپ کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور اگر ماں باپ مر چکے ہونگے۔ تو فرزند و عورت کے ہاتھوں سے ہلاک ہوگا، اور اگر وہ بھی نہ ہوں گے تو خویش و اقربا کے ہاتھوں سے ہلاک ہوگا صحابہؓ نے عرض کیا۔ کہ وہ کس طرح یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا اسکو درویشی و تنگ دستی پر ملامت کریں گے، اور ایسی اشیاء اس سے طلب کریں گے جسکی اسے طاقت نہ ہوگی، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے گا، اگرچہ یہ حدیث لوگوں سے دور رہنے کے بارہ میں ہے لیکن گوشہ گیری بھی اس سے پائی جاتی ہے اور یہ زمانہ جسکی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، ہمارے زمانہ سے بہت پہلے آچکا ہے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں فرماتے تھے وَاللهِ لَقَدْ حَلَّتِ الْعُزُوبَةُ یعنی بخدا اب لوگوں سے علیحدہ رہنا حلال ہو گیا **فائدہ چہارم** گوشہ نشینی کا یہ ہے، کہ لوگوں کے شر سے خلاصی پاتا ہے اور آسودہ رہتا ہے، جب تک لوگوں میں رہتا ہے ان کی بدگمانی اور غیبت سے خالی نہیں ہوتا۔ اور طمع محال سے خلاصی نہیں پاتا۔ اور اسباب سے بھی خالی نہیں رہتا۔ لوگ اس سے کوئی کام دیکھیں جس تک ان کی عقل نہ پہنچے، تو وہ اس پر زبان درازی کرتے ہیں، اور اگر چاہے کہ تمام لوگوں کے حقوق مثلاً تعزیت و تہنیت و مہمانی وغیرہ ادا کرے، تو اس کا تمام وقت اس میں گزر جاتا ہے اور اپنے ضروری کام میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بعض لوگوں کی تخصیص کرتا ہے، تو دوسرے خفا ہو جاتے ہیں اور تکلیف پہنچاتے ہیں، اور جب آدمی گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے، تو ان سب سے رہائی پاتا ہے اور سب خوش رہتے ہیں، ایک بزرگ تھے، وہ ہمیشہ یا تو کتاب دیکھا کرتے یا قبرستان چلے جاتے اور تنہا بیٹھتے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں ایسا کرتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا، کہ میں نے کوئی سلامتی تنہائی سے زیادہ نہیں دیکھی، اور قبر سے زیادہ کوئی وعظ نہیں دیکھا۔ اور کوئی مونس کتاب سے زیادہ نہیں پایا۔ ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ میں سے تھے، آپ نے حسن بصریؓ کو خط لکھا۔ کہ میں نے سنا ہے کہ آپ حج کو جا رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ میں آپکی صحبت میں چلوں حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا، معاف فرمایئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے شہر میں زندگانی بسر کروں ممکن ہے کہ جب ہم اکٹھے ہوں، تو ایک دوسرے سے کوئی ایسی چیز دیکھیں۔ کہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں اور یہ بھی گوشہ نشینی کا ایک فائدہ ہے کہ دوستی کا پردہ برقرار رہے اور باطن کا راز افشا نہ ہو، ممکن ہے کہ جو بات ہم نے نہ دیکھی ہو اور نہ سنی ہو، وہ ظاہر ہو جائے، **پانچواں فائدہ** گوشہ نشینی کا یہ ہے کہ لوگوں کی طمع اس سے اور اس کی

طمع لوگوں سے منقطع ہوجاتی ہے، اور ان دونوں طمعوں سے بہت سے گناہ اور رنج پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ جب اہل دنیا اس کو دیکھتا ہے، تو دنیا کی حرص اس میں ظاہر ہوتی ہے اور طمع حرص کے تابع ہے اور خواری طمع کی تابع ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ الآیہ یعنی ان لوگوں کی آنکھیں آراستہ دنیا کیطرف ہیں، کہ وہ ان کے حق میں فتنہ ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص بلحاظ دنیا کے تم سے زیادہ ہے، اسکی جانب نگاہ نہ کرو، کیونکہ اس سے خدا کی نعمت تمہاری نظروں میں حقیر ہوجائے گی، اور جو امیر لوگوں کی دولت کیطرف دیکھتا ہے اور اس کی طلب و تلاش میں سرگرداں رہتا ہے، وہ اسے حاصل تو نہیں کرسکتا، لیکن آخرت کا نقصان اٹھاتا ہے اور اگر اس کی طلب نہ کرے تو مجاہدہ اور صبر میں پڑتا ہے اور یہ بھی مشکل امر ہے **چھٹا فائدہ** گوشہ نشینی کا یہ ہے، کہ کاہلوں، احمقوں اور ایسے لوگوں کے دیکھنے سے جنکا دیکھنا مکروہ معلوم ہوتا ہے، رہائی پاتا ہے حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا، کہ آپکی آنکھ میں خلل کیوں پیدا ہوا، تو آپ نے فرمایا، کہ کاہل آدمیوں کے دیکھنے سے، جالینوس کا قول ہے، کہ جس طرح بدن کے لئے تپ ہے اسی طرح جان کیلئے بھی تپ ہے اور وہ کاہل آدمیوں کا دیکھنا ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ جب میں کسی کاہل آدمی کے پاس بیٹھا تو میرے بدن کا وہ حصہ جو اس کی جانب تھا، بھاری ہوگیا، اگرچہ یہ فائدہ دنیاوی ہے لیکن دین کیساتھ بھی ملا ہوا ہے کیونکہ جب ایسے آدمی کو کوئی دیکھتا ہے، کہ جس کا دیکھنا ناگوار ہوتا ہے، تو دل سے یا زبان سے اس کی غیبت کرتا ہے، اور گوشہ نشینی میں ان تمام باتوں سے سلامتی پاتا ہے، یہ ہیں گوشہ نشینی کے فوائد جو بیان کئے جاچکے ہیں

گوشہ گیری کے نقصانات

جاننا چاہیئے کہ بعض مقاصد دینی دنیوی ایسے ہیں، جو بغیر ایک دوسرے کے ملے جلے حاصل نہیں ہوتے اور ان کا حاصل نہ ہونا گوشہ گیری کے نقصانات میں سے ہے اور وہ چھ ہیں **پہلا نقصان** یہ ہے، کہ آدمی جو علم حاصل کرنے سے اور دوسروں کو علم سکھلانے سے محروم رہتا ہے اور وہ علم جسکا جاننا فرائض میں سے ہے، اگر نہ جانے تو اس کیلئے گوشہ گیری حرام ہے، اور اگر اس نے اس علم کو جو اس پر فرض ہے سیکھ لیا، اور دوسرے علوم کے سیکھنے کی اس میں طاقت نہیں ہے اور نہ ان کو سمجھ سکتا ہے اور وہ عبادت کی غرض سے لوگوں سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہے، تو اس کیلئے گوشہ گیر ہونا روا ہے اور اگر وہ تمام علوم سیکھنے کی قدرت رکھتا ہے، تو اسکے لئے گوشہ نشینی زبردست نقصان کا باعث ہے، کیونکہ جو شخص علم حاصل کرنے سے پہلے گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے، وہ اپنے اوقات کا بہت حصّہ خواب و بیکاری اور پراگندہ افکار میں ضائع کردیتا ہے، اگرچہ آدمی تمام دن عبادت میں بسر کرے لیکن جب علم نہ مضبوط کیا ہوا ہوگا، تو وہ عبادات میں غرور اور تکبّر سے خالی نہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی شان میں اسے ایسے ایسے خطرات کا سامنا ہوگا، کہ ممکن ہے وہ کفر یا بدعت ہوں اور وہ نہ جانے گا

حاصل کلام گوشہ نشینی وخلوت گزینی علماء کے لئے زیبا ہے، نہ کہ عوام کیلئے، کیونکہ عوام کی مثال بیمار کیطرح ہے، اور بیمار کو طبیب سے نہ بھاگنا چاہیئے۔ اگر آپ اپنا علاج کریگا، تو جلدی ہلاک ہو جائے گا۔ لوگوں کو تعلیم دینے کا بہت بڑا درجہ ہے حضرت عیسٰے علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ جو شخص علم جانے اور اس پر عمل کرے اور دوسروں کو سکھائے، تو آسمان کے فرشتے اُسے بڑا شخص کہتے ہیں، اور علم گوشہ نشینی سے حاصل نہیں ہوتا اور وہ گوشہ نشینی سے اولیٰ تر ہوتا ہے بشرطیکہ سیکھنے اور سکھانے والے کی نیت دین کا حاصل کرنا ہو، طلب جاہ و مال نہ ہو معلم کو چاہیئے، کہ ایسا علم سکھلائے جو دین میں نافع ہو اور جو ضروری ہو۔ اس کو مقدم رکھے مثلاً جب علم طہارت سے ابتدا کرے، تو کہدے کہ بدن اور کپڑوں کی طہارت مختصر ہے، اور اس سے مراد دوسری طہارت ہے اور وہ آنکھ، کان، زبان ہاتھ اور تمام اعضاء کی گناہوں سے طہارت مقصود ہے اور اسکی تفصیل بیان کرے اور اس پر عمل کرنے کا شاگردوں کو حکم دے اور اگر وہ اس پر عمل نہ کریں اور دوسرا علم سیکھنے کی خواہش کرے تو سمجھ لے کہ اس کا مقصد عزو جاہ کا طالب ہونا ہے اور جب اس طہارت سے فارغ ہو جائے، تو یہ کہدے۔ کہ اس سے دوسری طہارت مراد ہے اور وہ دنیا اور ما سوائے اللہ کی محبت کو دل سے دور کرنا ہے، اور یہی طہارت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود نہ جانے اور جو شخص اپنی خواہشات میں گرفتار ہے فَقَدِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ یعنی اس نے اپنی خواہشات کو خدا بنا لیا۔ اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی حقیقت سے محروم ہے اور جو کچھ ہم نے مہلکات و منجیات میں بیان کیا ہے، جب تک کہ اس کو نہ پڑھے گا، خواہشات سے رہا ہونے کا طریقہ نہ جاننے لگا، اور اس طریقہ کا جاننا ہر شخص کا عین فرض ہے اور اگر شاگرد اس علم سے فارغ ہونے سے پیشتر علم حیض، طلاق، خراج، فتویٰ کا علم طلب کرے یا علم خلافِ مذہب یا علم الکلام۔ جدل و مناظرہ طلب کرے یا کرامیہ اور معتزلہ سے جھگڑنے کا علم طلب کرے تو جاننا چاہیئے، کہ وہ جاہ جلال کا خواہشمند ہے نہ کہ دین کا، ایسے شخص سے دور رہنا چاہیئے، کیونکہ ایسے آدمی کا شر بہت بڑا ہوتا ہے، اور جب کہ شیطان سے کہ جو اسے ہلاکت کیطرف بلاتا ہے مناظرہ نہیں کرتا۔ اور اپنے نفس سے جو اس کا سب سے زیادہ دشمن ہے خصومت نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ ابو حنیفہؒ اور شافعی رحمتہ علیہما یا معتزلہ کے ساتھ خصومت کرے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شیطان نے اسے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور اس پر خندہ زنی کرتا تھا، اور وہ صفات جو مثلاً حسد، کبر و ریا، عجب دوستیٔ دنیا شر۔ مال و جاہ وغیرہ اس کے دل میں ہیں یہ سب پلیدیاں ہیں، جو اسکی ہلاکت کا باعث ہیں اور اگر آدمی اپنے دل کو ان سے پاک نہ کرے اور اس میں مشغول ہو جائے، کہ فتاوی میں کونسا نکاح، طلاق، سلم اجارت وغیرہ درست ہے، تو یہ خیال اسکی ہلاکت کا موجب ہوگا اور اگر کسی نے ان مسائل میں غلطی کی تو اس کا نقصان اس سے زیادہ نہ ہوگا۔ کہ بجائے دو اجر کے اسے ایک ہی اجر ملے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اجتہاد کیا۔ ثواب پر اس کیلئے دو اجر ہیں۔ اور اگر اس نے خطا کی تو اس کے لئے ایک اجر ہے چاہے آدمی امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب اختیار کرے چاہے امام شافعیؒ کا۔ اس سے زیادہ فائدہ نہ ہوگا۔ اور اگر ان بری صفات کو اپنے سے دور نہ کرے گا، تو اسکا دین ہلاکت میں ہوگا۔ اور زمانہ ایسا آگیا ہے۔ کہ کسی بڑے شہر

ہیں ایک دو آدمیوں سے زیادہ نہ ہوں گے جو دین کی تعلیم میں راغب ہوں۔ اسوجہ کی بناء پر مدرس کیلئے بھی گوشہ نشینی اولیٰ تر ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو تعلیم دے، جس کا مقصد اس سے دنیا کی طلب تو اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ ایسے شخص کے پاس شمشیر فروخت کر دی جائے۔ کہ جس کا مقصد راہزنی ہو، اور اگر یہ خیال کرے، کہ شاید کسی دن وہ دین کا قصد کرے تو اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ شاید راہزن کسی دن توبہ کرے اور جہاد کو جائے۔ اور اگر یہ کہے کہ تلوار اسے توبہ کی طرف نہیں بلاتی اور علم اس کو حق تعالیٰ کیطرف اور توبہ کیطرف بلاتا ہے، تو یہ بھی غلط ہے، کہ علم فتاویٰ و خصومات و معاملات و علم کلام و نحو و لغت کسی شخص کو بھی خدا کیطرف نہیں بلاتا، کیونکہ ان میں دین کے متعلق تحریص و ترغیب نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک ان میں سے تخم حسد و مباہات، کبر و تعصب دل میں بوتا ہے، لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ یعنی سننا دیکھنے کے برابر نہیں ہے، خیال کرنا چاہیئے، کہ جو لوگ ان علوم میں مشغول ہوتے، وہ کیسے ہے اور کیسے مرے اور وہ علم جو آخرت کی طرف بلاتا ہے اور دنیا سے چھڑاتا ہے وہ حدیث و تفسیر کا علم ہے اور ان علوم کی نسبت ہم نے منجیات و مہلکات میں بیان کیا ہے پس عالم کے لئے لازمی ہے کہ ان علوم کی تعلیم دے جو ہر ایک دل پر اثر کرتے ہیں، سوائے ان اشخاص کے جو نہایت ہی سنگ دل ہوں لیکن یہ شرط جو بیان کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ طلب علم کرے۔ اور اس سے کنارہ کشی گناہ کبیرہ ہے پس اگر کوئی شخص علم حدیث و تفسیر اور وہ جو ضروری ہے پڑھتا ہے، اور طلب جاہ و عزت دنیوی بھی اس پر غالب ہے پس ایسے شخص کی تعلیم سے بھاگنا چاہیئے اگرچہ دوسروں کے لئے اسکی تعلیم میں کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو لیکن اس کے لئے یہ ہلاکت کا موجب ہے اور وہ دوسروں پر تصدیق ہو جائے گی اور یہ وہی بات ہو گی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے، کہ حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد ایسے لوگوں سے کرواتا ہے، کہ انہیں خود ان میں سے کچھ نصیب نہیں ہوتا، اور ان کی مثال شمع کی مانند ہے، کہ مکان تو اس سے روشن اور منور ہوتا ہے لیکن وہ خود جلتی اور گلتی ہے اور یہی وجہ تھی، کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کے ستر کُتب خانے جو بزرگان دین سے سنے تھے زیر خاک کر دیئے اور حدیث کو روایت نہ کیا اور فرمایا، کہ اس لئے روایت نہیں کرتا ہوں کہ روایت کرنے کی خواہش اپنے دل میں رکھتا ہوں، اگر خاموشی کی خواہش اپنے میں پاتا تو روایت کرتا اور بزرگوں کا قول ہے کہ حدثنا دنیا کا ایک باب ہے اور جو شخص حدثنا کہتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ لوگ مجھے مسند پر بٹھائیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ایک شخص کے پاس سے گزرے جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا یہ شخص کہتا ہے کہ اَعْرِفُوْنِیْ۔ یعنی مجھے پہچانو، ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت چاہی، کہ وہ صبح کے وقت لوگوں کو وعظ کہا کرے، آپ نے اجازت نہ دی، اس نے کہا کہ یا امیر المومنین مجھے نصیحت دینے سے منع کرتے ہو، آپ نے فرمایا ہاں ڈرتا ہوں۔ کہ غرور کی ہوا تیرے دماغ کو آسمان پر نہ پہنچا دے، رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، کہ اگر تم دنیا کو دوست نہ رکھتے، تو خوب آدمی ہوتے، آپ نے پوچھا میں دنیا کو کیسے دوست رکھتا ہوں، انہوں نے جواب دیا، حدیث روایت کرنے کو دوست رکھتے ہو، حضرت ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص

تم سے محبت رکھنی چاہیے اور علم سیکھنا چاہیے، تو اس سے پرہیز کرو اور اس سے دور رہو، انکے پاس نہ جمال ہے نہ مال ہے، ظاہر وہ دوست ہوتے ہیں، لیکن باطن میں دشمن ہوتے ہیں منہ پر تو تعریف کرتے ہیں، لیکن غیبت میں برائی بیان کرتے ہیں اور یہ سب اہل نفاق اور سخن چین مکّار و فریبی ہوتے ہیں، اور انکی غرض یہ ہوتی ہے، کہ اپنے فاسد اغراض کے واسطے تجھے سیڑھی بنائیں اور تجھے گدھا بناتے ہیں، تاکہ انکی خواہش تجھ سے باہر نکلے، اور اپنے آپ سے تجھ پر احسان جتلاتے ہیں اور چاہتے ہیں، کہ تو اس کے عوض اپنی جان و مال و آبرو ان پر نثار کرے کہ وہ تیرے پاس آتے ہیں اور چاہتے ہیں، کہ تم ان کے تعلقہ داروں کے حقوق پورے کرتے رہو، اور وہ تجھے اللہ بنا رکھیں اور ان کے دشمنوں کے ساتھ رعایت کرے اور اگر تو ان کی خلاف مرضی ایک بات بھی کرے، تو پھر تو دیکھے، کہ وہ کس طرح تجھ پر اور تیرے علم پر دشمنی سے پیش آتے ہیں. اور حقیقت یہ ہے. کہ اب کوئی شاگرد استاد کو رائیگاں قبول نہیں کرتا، اول تو یہ چاہتا ہے، کہ اس سے اسکی آمدنی جاری رہے اور مدرس بیچارے کی یہ طاقت نہیں ہوتی، کہ شاگردوں سے کنارہ کشی اختیار کرے کیونکہ اس سے لوگوں میں اس کی سبکی ہوتی ہے، اور نہ اسے یہ طاقت و قدرت ہوتی ہے، کہ وہ ظالموں کے پاس جاتے اور ریا ان کی خوشامد کئے شاگردوں کا روزینہ جاری رکھ سکے. تو ان کے لئے اپنا ایمان برباد کرتا ہے اور ان سے کچھ منفعت نہیں ہوتی. اور اگر عالم ان تمام نقصانات سے بچ سکتا ہے، تو اس کے لئے سلسلہ درس و تدریس گوشہ نشینی سے بہتر ہے. اب عام لوگوں کے لئے بھی بہتر ہے، کہ جب وہ کسی استاد کو شاگردوں کو پڑھاتے دیکھے تو اس کے حق میں بدگمانی سے کام نہ لے کہ اس کا مقصد اس سے روپیہ کمانا ہے اور عزت حاصل کرنا ہے، بلکہ یہ خیال کرنا چاہیئے. کہ خدا کیلئے علم پڑھاتا ہے، اور یہ خیال کرنا اس کا فرض ہے. کہ جس آدمی کا باطن ناپاک ہوتا ہے، اس میں کسی شخص کے لئے نیک گمان کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی، ہر شخص دوسرے کو اپنے ہی طرح خیال کرتا ہے، اس بیان کا مقصد محض یہ ہے کہ عالم اپنی شرائط سے آگاہ ہوں، اور عوام محض اس بہانہ کی بنا پر علماء کی تعظیم میں کسی طرح قاصر نہ رہیں، کیونکہ یہ بدگمانی ان کی اپنی تباہی کا باعث ہے **دوسرا نقصان** گوشہ نشینی سے یہ ہوتا ہے، کہ کسی کو نفع پہنچانے اور نفع حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے اور منفعت حاصل کرنا کسب ہے بغیر میل جول کے حاصل نہیں اور جو شخص اہل و عیال رکھتا ہے اور کسب میں مشغول نہیں ہوتا اور گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے، تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، کیونکہ عیال کو ضائع کرنا گناہِ عظیم ہے اور اگر اس کے پاس اس قدر ہے، کہ ان کی کفالت کر سکے، یا عیال وغیرہ نہیں رکھتا، تو اس کیلئے گوشہ نشینی اولیٰ تر ہے، لیکن کسی کو منفعت پہنچانا صدقہ دینے کے برابر ہے اور اگر گوشہ نشینی سے مقصود عبادتِ ظاہری کے سوا کچھ نہیں، تو ایسی حالت میں کسبِ حلال اور صدقہ دینا گوشہ نشینی سے افضل ہے اور اگر اس کا باطن حق تعالیٰ کی راہ میں کشادہ ہو گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مناجات کے ساتھ اس کو انس ہے تو یہ تمام صدقات سے افضل تر ہے، کیونکہ تمام عبادات کا مقصد یہی ہے **تیسرا نقصان** گوشہ نشینی کا یہ ہے، کہ وہ مجاہدہ اور ریاضت جو لوگوں کے اخلاقِ ذمیمہ پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے

اس سے محروم رہے گا اور جو شخص ریاضت میں ابھی کامل نہ ہو تو اس کیلئے محروم نہ رہنے میں بڑا فائدہ ہے، کیونکہ نیک خصلت ہونا تمام عبادات کی جڑ ہے اور یہ بالا میل جول کے حاصل نہیں ہوتی اور نیاب خو یہ ہوتی ہے، کہ لوگوں کی محال طلبی پر صابر رہے اور صوفیائے کرام کے خدام عوام سے اس لئے محبت رکھتے ہیں، تاکہ عوام سے سوال کرنے سے رعونت و تکبر ٹوٹ جاتے، اور صوفیہ کی خدمت کرنے سے بخل کو توڑیں اور اس کے متحمل ہونے سے بدخوئی کو اپنے دل سے دور کر دیں، اور ان کی خدمت گذاری سے ہمت اور دعا کی برکت حاصل کریں، پہلے زمانہ میں صوفیائے کرام کی خدمت سے یہی غرض مد نظر ہوتی تھی، اگرچہ اب نہیں ہے اور لوگوں کے خیالات بدل گئے ہیں، اور بعض لوگوں کی غرض اس سے جاہ و مال کا حاصل کرنا ہو گیا ہے، پس جو شخص ریاضت کی منازل طے کر چکا ہے، اس کیلئے گوشہ نشینی بہتر ہے، کیونکہ ریاضت سے مقصود ہمیشہ رنج و مصیبت کا برداشت کرنا نہیں ہے، جیسا کہ دوا کے استعمال سے تلخی مراد نہیں ہے۔ بلکہ مرض کا دفعیہ مد نظر ہوتا ہے پس دفع مرض کے بعد دوا کی تلخی کو برداشت کرنا شرط نہیں ہے، اسی طرح ریاضت سے بھی مقصود کچھ اور ہی ہے اور وہ حق کا انس حاصل کرنا ہے، اور ریاضت سے مراد محض ان رکاوٹوں کا دور کرنا ہوتا ہے، جو ذکر الٰہی میں مانع ہوتی ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو سکے اور جاننا چاہیئے، کہ جس طرح خود ریاضت کرنا ضروری ہے، اسی طرح دوسروں کو ریاضت کی تعلیم دینا اور مودب بنانا، ارکانِ دین میں داخل ہے اور یہ بات گوشہ نشینی سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ پیر کو کو سوائے مریدوں کے میل جول رکھنے کے اور کوئی چارہ نہیں، اور ان سے کنارہ کشی کرنا لازم نہیں، لیکن جس طرح علماء کے لئے جاہ طلبی اور ریاکاری سے حذر کرنا ضروری ہے، اسی طرح پیروں کو ان سے حذر کرنا چاہیئے۔ اور اگر مرشد مریدوں سے حسب شرائط کے ملے تو گوشہ نشینی سے افضل ہے چوتھا نقصان یہ ہے کہ گوشہ نشینی میں وسواس کا پیدا ہو جانا، اور دل کا ذکر الٰہی سے اچاٹ ہو جانا ممکن ہے، اور یہ بات لوگوں کے میل جول سے جاتی رہتی ہے حضرات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، کہ اگر مجھے وسواس کا ڈر نہ ہوتا، تو میں لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرتا، یعنی گوشہ نشینی اختیار کرتا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں، کہ دل کی راحت میں خلل انداز نہ ہونا چاہیئے کیونکہ دل پر جبر کرنے سے دل کا اندھا ہو جانا ممکن ہے، اس لئے آدمی کو ہر روز گھڑی بھر کے لئے کسی دوست کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے تاکہ دل کو راحت نصیب ہو، اور اس کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہو، اور یہ دوست ایسا ہونا چاہیئے، جس سے تمام باتیں دین ہی کے متعلق کی جائیں، اور لوگ دین کے متعلق ان سے جو جو کچھ قصور ہوا ہو، اس کی تدابیر پوچھیں، لیکن اہل غفلت کے پاس بیٹھنا۔ اگرچہ وہ ایک ساعت کیلئے ہی کیوں نہ ہو نہایت مضر ہے اور وہ صفائی جو قلب کو تمام دن میں حاصل ہوتی ہے، وہ اس سے سیاہی میں بدل جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ یہ شخص اپنے دوست کی صفت پر ہو جاتا ہے، تو اسے اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے، کہ وہ دوستی کس قسم کے آدمی کے ساتھ کر رہا ہے

پانچواں نقصان گوشہ نشینی کا یہ ہے، کہ ثواب عیادت اور جنازہ کے ہمراہ جانے اور دعوت

میں شامل ہونے اور لوگوں سے تہنیت اور تعزیت کرنے کا ضائع ہوجاتا ہے، اور ان کاموں میں بھی بہت سی آفات ہیں، اور رسم تکلف و نفاق کا اس میں دخل ہے، اور کوئی شخص ایسا ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو ان آفات سے محفوظ نہیں رکھ سکتا، ایسے شخص کے لئے گوشہ نشینی بہتر ہے، اسلاف سے بہت سے لوگوں نے ایسا کیاہے اور ان امور کو ترک کردیا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی ہے چھٹا نقصان یہ ہے، کہ باہمی میل جول سے لوگوں کے حقوق کا ادا کرنا تواضع میں داخل ہے، اور گوشہ نشینی میں ایک قسم کا تکبر پایا جاتا ہے، اور ممکن ہے، کہ گوشہ نشینی میں اس امر کی خواہش پیدا ہو کہ وہ لوگوں کے ملنے کو نہ جائے، اور لوگ اسے ملنے کے لئے آئیں حکایت بنی اسرائیل میں ایک حکیم تھا حکمت میں تین سو ساٹھ کتب اس کی تصنیف تھیں۔ یہاں تک کہ اس نے خیال کیا۔ کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ ہے پس اس زمانہ کے پیغمبر کیطرف وحی آئی۔ کہ اس حکیم کو کہہ دو، کہ تم نے اپنی شہرت اور نام کی دھاک تمام جہان پر بٹھالی ہے لیکن مجھے تیری یہ شہرت قبول نہیں پس وہ ڈر گیا۔ اور اس امر سے باز رہا۔ اور کنج تنہائی میں جا بیٹھا۔ اور کہا۔ کہ اب خدائے تعالیٰ مجھ سے خوش ہوگا، وحی ہوئی کہ میں اس سے خوش نہیں ہوں پس وہ گوشہ خلوت سے نکل آیا۔ اور بازار جاکر لوگوں سے ملنا جلنا اختیار کیا۔ اور ان کے پاس اُٹھتا بیٹھتا تھا، اور طعام کھاتا تھا۔ اور بازار میں جاتا تھا، وحی آئی۔ کہ اب تو نے میری خوشنودی حاصل کی ہے پس جاننا چاہیئے، کہ بعض لوگ تکبر کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ محفلوں اور مجلسوں میں ان کی عزت نہ ہوگی۔ یا علم و عمل میں جو نقائص ہیں، لوگ ان سے واقف ہوجائیں گے پس وہ گوشہ نشینی کو اپنے نقائص کا پردہ بناتے ہیں، اور ہمیشہ یہی چاہتے ہیں۔ کہ لوگ ان کے ملنے کے لئے آئیں اور ان سے برکت حاصل کریں۔ اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیں۔ اور یہ گوشہ نشینی عین نفاق ہوتی ہے۔ اور خدا کیلئے گوشہ نشینی کی علامتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ خلوت میں کبھی بھی بیکار نہ رہے۔ یا ذکر و فکر میں مشغول رہے یا علم و عبادت میں، دوسرے اس امر کو پسند نہ کرے، کہ لوگ اسکی زیارت کو آئیں سوائے اس شخص کے جس سے دینی فائدہ ہو ابو الحسن حاتمی رحمۃ اللہ علیہ جو خواجگان طوس میں سے تھے، حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو گئے اور معذرت کی کہ یہ میری غلطی ہے، کہ کم آتا ہوں آپ نے فرمایا۔ اے خواجہ! عذر خواہی نہ کیجئے کیونکہ لوگ جس قدر کسی کے آنے سے احسان مند ہوتے ہیں۔ میں نہ آنے سے اتنا ہی ممنون ہوتا ہوں، کیونکہ مجھے ملک الموت کے آنے کے خیال سے کسی دوسرے کی پروا نہیں ہے۔ ایک امیر آدمی حضرت حاتم اصمؒ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ کو کس چیز کی حاجت ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی حاجت ہے، کہ تو دوبارہ میرے پاس نہ آئے اور جاننا چاہیئے، کہ ایسے خیال سے خلوت نشین ہونا سخت جہالت ہے کہ لوگ اس کی تعظیم کریں، کیونکہ گوشہ نشینی کا ادنےٰ درجہ یہ ہے، کہ اس بات پر یقین رکھے۔ کہ اس کی کوئی ضرورت خلق کے متعلق نہیں ہے اور یہ جانے کہ اگر پہاڑ پر بھی جائے گا، تو عیب جو آدمی یہی کہے گا۔ کہ نفاق کرتا ہے، اور اگر شراب خانہ

میں جائے گا، توجو کوئی اس کا مرید یا دوست ہوگا، وہ یہ کہے گا، کہ ملامت کیلئے آیا ہے، تاکہ اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں حقیر بنائے اور جس حالت میں بھی ہوگا اس کے حق میں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے پس دل کو دین کیطرف راغب کرنا چاہیئے، نہ کہ لوگوں میں حضرت سہل تستریؒ نے ایک مرید کو ایک کام کے لئے کہا، اس نے جواب میں کہا، کہ لوگوں کی ملامت کے خوف سے میں نہیں کر سکتا، حضرت سہلؒ اپنے دوستوں کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا، کہ کوئی شخص بھی اس کام کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک دو صفات میں سے ایک حاصل نہ کرے، یا تو لوگ اس کی نظروں میں گر جائیں کہ وہ سوائے خالق کے اور کسی کو نہ دیکھے، یا اس کا نفس اسکی نظروں سے گر جائے، کہ جس حالت میں بھی لوگ اسے دیکھیں پروا نہ کرے، لوگوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، کہ بعض لوگ آپکی مجلس میں آتے ہیں، اور کچھ باتیں یاد کرتے ہیں، کہ ان پر اعتراض کریں اور ان کے نقائص تلاش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کہ میں اپنے نفس کو دیکھتا ہوں، کہ وہ بہشت کی اور حق تعالیٰ کی مجاورت کی طمع کرتا ہے، اور نہ لوگوں سے سلامت رہنے کی طمع نہیں کرتا، کیونکہ ان کا خالق بھی ان کی زبانوں سے محفوظ نہیں رہا، پس ان تمام باتوں سے تو نے گوشہ نشینی کے فوائد اور نقصان کو جان لیا، پس ہر شخص کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہیئے، اور اپنی حالت کو فوائد و نقصانات کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے تاکہ اسے پتہ چل جائے کہ اس کے لئے کونسی چیز بہتر ہے

گوشہ نشینی کے آداب

پس جو شخص گوشہ نشینی اختیار کرے اُسے یہ نیت کرنی چاہیئے، کہ وہ گوشہ نشینی سے لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھتا ہے، اور لوگوں کے شر سے اپنے لئے سلامتی طلب کرتا ہے، اور حق تعالیٰ کی عبادت کے لئے فراغت چاہتا ہے اور کسی وقت بھی بیکار نہ رہے، بلکہ حق تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول رہے اور لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دے اور شہر کی خبریں کسی سے بھی دریافت نہ کرے، کیونکہ جو چیز آدمی سنتا ہے وہ بیج کیطرح سینے میں اترتی ہے اور پھر خلوت میں سینہ میں سے سر اٹھاتی ہے، اور خلوت میں سب سے زیادہ اہم بات نفس کی باتوں سے قطع کرنا ہے۔ تاکہ ذکر صافی نصیب ہو اور لوگوں کی خبریں نفس کی باتوں کے لئے بمنزلہ بیج کے ہیں اور لباس اور خوراک کی قلت پر صبر کرنا چاہیئے، ورنہ وہ لوگوں کے میل جول سے مستغنی نہ ہوگا اور ہمسایوں کی ایذا پر صبر کرے اور اگر اس کو برا بھلا کہیں، تو اس کی پروا نہ کرے اور دل کو اس میں مشغول نہ ہونے دے، اور اگر لوگ اس کو گوشہ نشینی کی حالت میں منافق و ریاکار کہیں، یا مخلص و متواضع کہیں، یا متکبر و مکار کہیں، تو ان باتوں کی طرف دھیان نہ کرے، کیونکہ یہ تمام باتیں وقت کو ضائع کرتی ہیں، اور گوشہ نشینی سے مقصود کارِ آخرت میں مشغول و مستغرق ہونا ہے ؂

اصل ہفتم آدابِ سفر میں

جاننا چاہیئے، کہ سفر کی دو اقسام ہیں۔ ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ملکوت آسمان و زمین اور حق تعالیٰ کی عجائب و غرائب صنعتوں میں اور راہِ دین کی منازل میں دل کا سفر کرنا ہے۔ اور مردان خدا کا یہی سفر ہے، کہ تن تو گھر میں ہو، اور دل بہشت میں جس کا عرض سات آسمان و سات زمین کے برابر بلکہ ان سے بھی زیادہ جولان کرتے ہیں، اس لئے کہ عالمِ ملکوت عارفوں کی بہشت ہے، اور کسی طرح کی مخالفت اور مزاحمت کو اس میں دخل نہیں۔ جو حق تعالیٰ لوگوں کو اس سفر کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ط کیا تم زمین و آسمان کی مملکت میں نظر نہیں کرتے، اور پھر اس چیز میں جو خدا تعالیٰ نے اس میں پیدا کی ہے، اور جو شخص اس سفر سے عاجز ہوا۔ اسے چاہیئے کہ ظاہری سفر کرے، اور بدن کو جگہ بہ جگہ لے جا کر فائدہ حاصل کرے اور اس کی مثال اس شخص کی ہے، جو کعبہ شریف کو جائے، اس غرض سے کہ کعبہ کا ظاہر دیکھے اور دوسرے شخص یعنی اول الذکر کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے، اور کعبہ اس کے پاس آتا ہے، اور اس کے گرد طواف کرتا ہے اور اپنے اسرار اس سے بیان کرتا ہے، اور اس میں اور اس میں بہت فرق ہے اور یہی وجہ تھی۔ کہ حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ کہ نامردوں کے پاؤں پر آبلے ہوتے ہیں۔ اور مردوں کے جوتوں پر سفر ظاہر کے آداب اس کتاب میں دو باب میں تقسیم کر کے بیان کئے جاتے ہیں، کیونکہ باطن کی شرح نہایت دقیق ہے، لیکن اس میں گنجائش نہیں ؀

باب اول - نیت سفر اور اس کے اقسام و آداب۔ **باب دوم** - اس علم کے بارہ میں جو مسافر کو سفر سے پہلے سیکھنا چاہیئے

؀

باب اول نیتِ سفر اور اس کے اقسام و آداب

فصل اول - اقسامِ سفر - جاننا چاہیئے، کہ سفر کی پانچ قسمیں ہیں قسم اول۔ طلب علم کے لئے سفر کرنا ہے، اور یہ سفر فرض ہے، جیسے کہ تعلیم علم فرض ہے اور سنت ہے اور علم کے لئے سفر کرنا تین اقسام پر ہے۔ ایک یہ کہ علمِ شرع سیکھے، حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص طلب علم کے

لئے گھر سے باہر نکلتا ہے، وہ واپس آنے تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوتا ہے، اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پروں کو بچھائے رکھتے ہیں، اسلاف میں ایک بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے ایک حدیث کے حصول کے لئے ایک طویل سفر کیا تھا، شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص شام سے یمن تک محض ایک کلمہ کے سننے کیلئے سفر کرے، جو راہ دین میں سودمند ہو تو اس کا سفر ضائع نہ ہوگا، لیکن سفر ایسے علم کے لئے کرنا چاہیئے جو زادِ آخرت ہو، اور ہر وہ علم جو اُسے دنیا سے آخرت کی طرف نہ بلائے، اور حرص سے قناعت کی طرف نہ بلائے اور ریا سے نکال کر اخلاص پر نہ پہنچائے، اور لوگوں کے ڈر سے نکال کر خدا کے خوف کیطرف نہ لائے، وہ علم اس کے نقصان کا باعث ہوتا ہے قسم دوسری۔ اس غرض کے لئے سفر کرے۔ کہ اپنے آپکو اور اپنے اخلاق کو پہچانے تاکہ جو بری صفات اس میں ہیں۔ ان کا علاج کرے۔ اور یہ امر بھی مہمات میں سے ہے کیونکہ آدمی جب تک گھر میں رہتا ہے اور کام اس کے حسب منشا انجام پذیر ہوتے ہیں، اور وہ اپنے آپ پر نیکی کا گمان کرتا ہے، اور اپنے اخلاق کو پسندیدہ خیال کرتا ہے، لیکن سفر میں اس کے اخلاق باطنی کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں۔ کہ اپنے ضعف و بدخوئی اور عجز کو پہچان لیتا ہے، اور جب اپنے آپکو علت میں گرفتار دیکھتا ہے، تو اسکا علاج کرتا ہے، اور جس شخص نے سفر نہ کیا ہوا ہو، وہ کاموں میں مردانگی نہیں دکھاتا، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اے گروہ علماء سفر کرو، تاکہ پاک ہو۔ کیونکہ وہ پانی جو ایک جگہ پر رہتا ہے، وہ گندہ ہو جاتا ہے قسم تیسری۔ اس غرض سے سفر کرے۔ کہ عجائب صنع حق تعالیٰ جو خشکی و تری میں اور جنگلوں اور بیابانوں اور مختلف شہروں میں ہیں، ان کو دیکھے اور مختلف اقسام کی مخلوقات حیوانات و نباتات وغیرہ کو جہان میں دیکھے اور جانے کہ تمام اپنے پیدا کرنیوالے کی تسبیح ہی میں مشغول ہیں اور اسکی وحدانیت پر گواہی دیتے ہیں، اور جب کسی کی آنکھیں اس طرح کھل جائیں۔ کہ جمادات کی باتیں جو نہ حرف ہیں، اور نہ صورت سن سکے، اور خط الہی کو جو تمام موجودات کے چہرہ پر لکھا ہوا ہے جس کے نہ حرف ہیں اور نہ رقوم پڑھ سکے، اور اسرار مملکت کو ان سے پہچان سکے، تو پھر اسے اسباب کی ضرورت نہیں رہتی۔ کہ وہ زمین کے گرد طواف کرے بلکہ وہ ملکوت السموات کو دیکھتا ہے، اور وہ دن رات اس کے گرد طواف کرتے ہیں۔ اور اپنے عجائب و اسرار کو اس سے بیان کرتے ہیں اور منادی کرتے ہیں۔ کہ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یعنی بہت سی نشانیاں ہیں زمین میں اور وہ گزرتے ہیں ان پر درآنحالیکہ ان سے اعراض کرتے ہیں) بلکہ اگر کوئی شخص اپنی پیدائش اور اپنے اعضاء و صفات کے عجائبات پر نظر کرے، تو تمام عمر اپنے آپ کو ایک نظارہ گاہ خیال کرے بلکہ اپنے عجائبات کو اس وقت ملاحظہ کریگا جب ظاہر کی آنکھیں بند کرے اور دل کی آنکھیں کھولے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں آنکھیں کھولو، تاکہ عجائباتِ قدرت دیکھو، لیکن میں کہتا ہوں کہ آنکھیں بند کرو اور عجائباتِ فطرت دیکھو اور یہ دونوں باتیں درست ہیں، کیونکہ پہلی منزل یہ ہے، کہ ظاہر کی آنکھیں کھولے اور عجائبات ظاہریہ کو دیکھے، اور اس کے بعد دوسری منزل پر پہنچے۔ تو

عجائبات باطنیہ کو دیکھے اور عجائبات ظاہریہ کیلئے نہایت ہے، کیونکہ ان کا تعلق عالم اجسام سے ہے، اور وہ متناہی ہیں، اور عجائبات باطنی کی نہایت نہیں ہے، کیونکہ ان کا تعلق ارواح وحقائق کے ساتھ ہے اور حقائق کیلئے نہایت نہیں، ہے اور ہر صورت کیلئے ایک حقیقت اور روح ہے، اور صورت چشم ظاہر کے نصیب ہے اور حقیقت چشم باطن کے نصیب ہے اور صورت نہایت مختصر ہے اور اس کی مثال ہے، جیسے کوئی شخص زبان کو دیکھے اور کہے، کہ یہ ایک پارۂ گوشت ہے، اور دل کو دیکھے تو کہے، خیال کرو، کہ یہ ایک پارۂ خون سیاہ ہے، اب یہاں غور کرنا چاہیئے، کہ ظاہری صورت جسے ظاہری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے، زبان و دل کی حقیقت کے سامنے اس کے اس دیکھنے کی کیا قدر وقیمت ہے تمام اجزائے عالم و ذرات عالم کا یہی حال ہے اور جس شخص کو چشم کے سوا اور کچھ نصیب نہیں، اسکا درجہ جانوروں کے درجہ کے قریب ہے اور بہت سی اشیاء ایسی ہیں جن کیلئے چشم ظاہر بمنزلہ کلید چشم باطن کے ہے پس اس غرض سے عجائبات قدرت کے دیکھنے کیلئے سفر کرنا فائدہ سے خالی نہیں قسم دوم عبادت کی غرض سے سفر کرنا ہے، جیسے حج وغزوہ اور اولیاء اللہ و انبیاء علیہم السلام وصحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات کی زیارت کیلئے جانا۔ بلکہ علماء وبزرگان دین کی ملاقات کرنا اور ان کے چہرہ کی جانب دیکھنا عبادات میں داخل ہے، اور ان کی دعا کی برکات بہت عظیم ہوتی ہیں۔ اور ایک ان کے دیکھنے کی یہ برکت ہوتی ہے، کہ ان کی مطابعت کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے پس ان کا دیدار بھی عبادت میں داخل ہے اور بہت سی عبادات کیلئے بمنزلہ بیج کے ہوتا ہے اور جب انکی باتیں اور کلام اسکے یاد ہوں گے، تو فوائد بھی دو گنے ہوجائیں گے، بزرگوں کے مشہد اور قبور کی زیارت کرنا قصداً روا ہے، اور یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَاتُشَدُّ الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثِ مَسَاجِدَ۔ یعنی تم اپنی سواریوں کو نہ کسو، مگر تین مساجد کی زیارت کیلئے، یعنی مکہ مسجد، مدینہ منورہ بیت المقدس یعنی سوائے ان تین مساجد کے اور کہیں سے برکت نہ لو کہ سب برابر ہیں جس طرح کہ زندہ علماء کی زیارت اس حدیث کے تحت میں نہیں آتی۔ اور اگر وہ مردہ ہوں، تو تب بھی اس کی ذیل سے خارج ہیں پس انبیاء علیہم السلام اور اور اولیاء کرام کی قبور کی زیارت کو اس نیت سے جانا روا ہے، قسم سوم، وہ سفر جس کے اسباب سے بھاگنا مقصود ہو، جو دین کے لئے باعث تشویش ہوں، جیسے کہ جاہ، مال، ولایت وشغل دنیا وغیرہ اور یہ سفر فرض ہے اس شخص کیلئے جو دنیا کے شغلوں کے ہوتے ہوئے دین کی راہ نہیں چل سکتا، کیونکہ دین کے رستہ پر آدمی فراغت کیوجہ سے چل سکتا ہے، اور آدمی اپنی حاجتوں اور ضرورتوں سے کلیتہً فراغت حاصل نہیں کرسکتا لیکن سبکسار ہوسکتا ہے و قَدْ نَجَا الْمُخِفُّوْنَ یعنی سبک لوگوں نے رہائی حاصل کی۔ اور یہ بالکل بے بوجھ نہیں ہوتے، اور جس کسی کو کچھ شناسائی اور حشمت حاصل ہوتی ہے، اغلباً یہی ہوتا ہے، کہ وہ حق تعالیٰ سے کچھ غافل ہوجاتا ہے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ زمانہ ایسا برا ہے، کہ جاہل ومجہول کے لئے بھی خطرہ ہے، تو جو شخص معروف ہے اس کا کیا حال ہوگا۔ اور زمانہ ایسا آگیا۔ کہ جس جگہ لوگ تجھے پہچان لیں، وہاں سے بھاگ جانا چاہیئے، اور ایسی جگہ جانا چاہیئے جہاں لوگ تجھے نہ

جائیں۔ لوگوں نے ایک شخص کو دیکھا پیٹھ پر اسباب لادے چلا جاتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہاں جاتا ہے۔ اس نے جواب دیا فلاں گاؤں میں۔ کیونکہ وہاں طعام سستا ہے۔ لوگوں نے کہا کیا تمہارے نزدیک یہ امر روا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جس جگہ معیشت فراخ ہوتی ہے۔ وہاں دین سلامت رہتا ہے۔ اور دل فارغ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ چالیس دن سے زیادہ ایک شہر میں مقام نہ کرتے تھے۔ **قسم چہارم** وہ سفر ہے جو تجارت کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اور طلب دنیا کی خواہش ہوتی ہے۔ اور یہ سفر مباح ہے۔ اور اگر یہ سفر اس نیت سے ہو کہ اپنے آپکو اور اپنے عیال کو لوگوں سے بے نیاز کرے تو یہ سفر عبادت میں داخل ہے۔ اور اگر اس سفر سے مراد دنیوی شان وتجمل کا حاصل کرنا ہو تو یہ سفر شیطان کی راہ میں ہے۔ اور اغلباً یہی ہوتا ہے کہ اس قسم کا آدمی تمام عمر رنج سفر میں رہتا ہے۔ کیونکہ قدر کفایت سے جو زیادہ ہے۔ اس کی نہایت نہیں۔ اور آخر کار دفعتہً اس سے مال چھین لیا جائیگا یا مسافرت میں کہیں مر جائیگا۔ اور بادشاہ اس کے مال کا مالک بن جائیگا۔ اور بہتر یہی ہے کہ وارث قابض ہو جائے۔ اور اپنی خواہشات وطمع میں خرچ کرے اور اس کو کبھی بھی یاد نہ کرے۔ اور اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس پر عمل نہ کرے۔ اور اگر اس پر قرض ہو تو ادا نہ کرے گا اور وبال آخرت اس کی گردن پر ہوگا۔ اور کوئی غبن اس سے زیادہ نہ ہوگا اس مال کے جمع کرنیکی تو مصیبت وہ اٹھائے اور وبال بھی اس کی گردن پر رہے۔ لیکن راحت دوسرے کے نصیب ہو **قسم پنجم** سفر کی یہ ہے کہ اس سے سیر وتفریح مراد ہوتی ہے اور یہ مباح ہے۔ بشرطیکہ کبھی کبھی ہو اور تھوڑا تھوڑا ہو۔ اور اگر کسی شخص کی شہروں میں پھرنے کی عادت ہو جائے اور سوائے اس کے کوئی کام نہ ہو کہ وہ نئے نئے شہر اور آدمیوں کو دیکھے تو ایسے سفر کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ بیفائدہ اپنے آپ کو رنج دینا ہے۔ اور یہ نہ چاہیئے۔ لیکن ہمارے نزدیک درست یہ ہے کہ حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ تماشا بھی ایک غرض ہے۔ اگرچہ خسیس ہے۔ اور اس شخص کے لئے مباح ہے۔ جو اس کے قابل ہو۔ اور ایسے لوگ خسیس طبع بھی ہوں گے۔ اور یہ غرض انہیں کے لائق ہوگی۔ اور گدڑی پوش جنہوں نے شہر شہر پھرنے اور جگہ جگہ جانے کی عادت ڈال رکھی ہے بلا اس غرض کے کسی پیر کی خدمت کریں اور مقصود اس کا محض تماشا کرنا ہو۔ کیونکہ وہ عبادت پر مواظبت کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ان کے باطن کی راہ کشادہ نہیں ہوتی۔ اور سستی اور بیکاری کے باعث اس بات کی طاقت نہیں رکھتے۔ کہ وہ پیر کے حکم سے ایک جگہ بیٹھ رہیں۔ اور شہروں میں دربدر پھرتے ہیں۔ اور جہاں کہیں کھانا اچھا ملتا ہے۔ زیادہ ٹھہرتے ہیں۔ اور جہاں کہیں کھانا اچھا نہ ملے تو خادم پر زبان درازی کرتے ہیں۔ اور اس کو تکلیف دیتے ہیں۔ اور جہاں کہیں اچھا کھانا ملنے کا پتہ چلے۔ اس جگہ جاتے ہیں۔ اور کسی زیارت کا بہانہ کرتے ہیں اور اسس سے ہمارا مقصود یہ ہے۔ اچھا کھانا مقصود نہیں ہے۔ اگرچہ یہ سفر حرام نہیں مکروہ ہے۔ اور اسس قسم کے لوگ اگرچہ عاصی وفاسق تو نہیں ہوتے۔ لیکن بدعادت ہیں۔ اور جو شخص صوفیا کی روٹی کھائے اور پھر سوال کرے۔ اور اپنے آپ کو صوفیوں کی صورت میں ظاہر کرے۔ وہ فاسق وعاصی ہوتا ہے اور جو کچھ لوگوں سے لیتا ہے۔ وہ حرام ہوتا ہے۔

اور ہر وہ شخص جو گوڈری پہنے اور پانچ وقت نماز پڑھے وہ صوفی نہیں ہوتا۔ بلکہ صوفی وہ ہوتا ہے جو خدا کی طلب رکھتا ہے۔ اور اس کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یا اپنے مقصد کو پہنچ گیا ہوتا ہے۔ یا اس کی کوشش کرتا ہے۔ اور بعد ضرورت اس میں تقصیر نہیں کرتا۔ یا وہ ہوتا ہے جو اس قوم کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور سوائے ان تین گروہ کے صوفیہ کی روٹی کھانا اور کسی کے لئے حلال نہیں۔ لیکن وہ شخص جو عادی ہو۔ اور اسکا باطن طلبِ مجاہدہ سے خالی ہو۔ اور صوفیہ کی خدمت میں مشغول نہ ہو۔ وہ صرف صوفیہ کی گوڈری پہننے سے صوفی نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جو چیزیں لوگوں نے گروکٹ اور اہلوں پر وقف کر رکھی ہوں۔ ایسے شخص کو ان اشیاء کا لینا مباح ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو صوفیہ کی شکل میں نمودار کرنا۔ اور ان کی صفات سے عاری رہنا محض ایک اوباشانہ اور اچکاپن ہے۔ ایسے لوگوں میں سے سب سے زیادہ بُرا وہ شخص ہے جو صوفیہ کے چند اقوال یاد کرلے اور بیہودہ بکا کرے اور یہ خیال کرے کہ مجھے اوّل و آخر کا سب علم حاصل ہو گیا ہے۔ کہ میں ایسی باتیں کرسکتا ہوں۔ اور ممکن ہے کہ ان الفاظ کی بدبختی اس کو ایسی جگہ پر پہنچا دے کہ وہ علم و علما کو حقارت کی نظروں سے دیکھے۔ اور شاید شریعت بھی اس کی نگاہوں میں ایک معمولی شے محسوس ہونے لگے اور یہ کہے شریعت ضعیفوں کے لئے ہے اور جو لوگ راہ طریقت میں قوی ہو گئے ہیں۔ شریعت انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور ان کا دین اس پانی والے حوض میں پہنچ گیا ہے۔ جس جگہ اسے کوئی نجاست نہیں پہنچ سکتی۔ اور جب گڈری پوش اپنے آپ کو ایسا خیال کرنے لگے اور اس درجہ پر پہنچ جائے تو ایسے گڈری پوش کو قتل کرنا روم و ہند میں ہزار کافر قتل کرنے سے بہتر ہے۔ آدمی اپنے آپ کو کافر سے بچاتے ہیں۔ لیکن یہ ملعون مسلمان کہلا کر اسلام کو باطل کرتا ہے۔ اور شیطان نے اس زمانہ میں اس سے زیادہ اور کوئی مضبوط دام نہیں بچھایا ہے۔ اور اکثر لوگ اس دام میں گر کر تباہ ہوتے ہیں۔

مسافر کے آدابِ ظاہریہ

ابتدائے سفر سے لے کر اختتام سفر تک آٹھ ہیں پہلا ادب یہ ہے۔ کہ مظالم کو چھوڑ دے اور امانت مالکان امانت کو پہنچائے۔ اور جس کسی کا نفقہ اس پہ واجب ہے۔ اس کو نفقہ دے۔ اور زادِ حلال حاصل کرے۔ اور اس قدر لے کہ ساتھیوں کے ساتھ سلوک کرسکے۔ کیونکہ طعام دینا اور اچھی باتیں کرنا اور کرایہ کی سواری کے مالکوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا منجملہ مکارم اخلاق کے ہے **دوسرا ادب** یہ ہے کہ رفیق نیک حاصل کرے۔ جو دین کے راستہ میں مددگار ہو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر مسافروں کی جماعت تین اشخاص پر مشتمل ہو تو ایک کو اپنا امیر بنالے۔ کیونکہ سفر میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں۔ اور مختلف رائیں ہوتی ہیں اور جو کام ایک شخص کے متعلق نہ کیا جائیگا وہ تباہ ہو جائیگا اگر جہاں کا انتظام دو خداؤں کے سپرد ہوتا تو یقیناً تباہ ہو جاتا

اور ایسے شخص کو امیر بنایا جائے۔ جس کے اخلاق نہایت اچھے ہوں۔ اور اس نے بہت سے سفر کیئے ہوئے ہوں **تیسرا ادب** یہ کہ جب اپنے رفقا اور ساتھیوں کو رخصت کرے تو یہ دعا پڑھے۔ اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِکَ یعنی میں تیرا دین تیری امانت اور تیرا انجام خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اور جب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے سفر کو جاتا۔ تو آپ فرماتے زَوَّدَکَ اللّٰہُ التَّقْوٰی وَغَفَرَ ذَنْبَکَ وَوَجَّہَ لَکَ الْخَیْرَ حَیْثُ مَا تَوَجَّھْتَ یعنی اللہ تعالیٰ تجھے پرہیز گاری کی قوت دے۔ اور تیرے گناہ کو بخشدے اور جس جانب تو منہ کرے تیری نیکی تیری جانب توجہ کرے۔ اور یہ دعا اس شخص کے لئے ہے جو مقیم ہو۔ اور اسے مسافر کے حق میں یہی دعا کرنی چاہیئے اور جب وداع کرے تو سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے **حکایت** جناب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز خیرات تقسیم کرتے تھے۔ ایک شخص ایک لڑکے کے ہمراہ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ سبحان اللہ کہ میں نے کسی لڑکے کو باپ سے اتنا مشابہ نہیں دیکھا۔ جتنا یہ لڑکا تیرے مشابہ ہے۔ اس نے کہا یا امیر المومنین رضؓ میں اس لڑکے کے عجیب وغریب قصے سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں۔ جب اس کی ماں حاملہ تھی تو مجھے سفر میں جانا پڑا۔ اس نے مجھے کہا۔ کہ کیا تو مجھے اس حالت میں چھوڑے جاتا ہے تو میں نے کہا اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ مَا فِیْ بَطْنِکِ یعنی جو کچھ تیرے پیٹ میں ہے میں اسے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ جب میں واپس آیا۔ اس کی ماں کو مردہ پایا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہا تھا کہ مجھے کچھ آگ دور سے دکھائی دی۔ میں نے کہا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا تیری اہلیہ کی قبر ہے۔ اور ہر روز ہم اسے ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا وہ تو نماز گذار اور روزہ دار تھی۔ یہ امر کیونکر ہوگا۔ غرضیکہ میں گیا۔ اور اس کی قبر کو کھولا تاکہ دیکھوں کہ کیا ہے۔ میں نے وہاں ایک چراغ رکھا دیکھا۔ اور یہ لڑکا کھیل رہا تھا۔ میں نے آواز سنی۔ جیسے کوئی کہہ رہا تھا۔ کہ اس لڑکے کو تو نے ہمارے سپرد کیا۔ اور ہم نے تجھے عطا کیا۔ اور اگر اس کی ماں کو بھی سپرد کرتا۔ تو وہ بھی ہم تیرے حوالے کرتے **چوتھا ادب** یہ ہے کہ دو نمازیں ادا کرے۔ ایک نماز استخارہ سفر سے پہلے اور وہ نماز و دعا مشہور و معروف ہے اور وہ دوسری نماز باہر نکلتے وقت چار رکعت نماز پڑھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ عرض کیا کہ میں سفر کا خیال رکھتا ہوں۔ اور میں نے ایک وصیت لکھی ہے۔ باپ کو دوں یا بیٹے کو یا بھائی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سفر کو گیا۔ وہ حق تعالیٰ کے نزدیک اُن چار رکعت نماز کے سوا کوئی اچھا خلیفہ نہیں چھوڑتا۔ جو اس نے اسباب باندھتے وقت پڑھی ہوں۔ اور ان میں سورۂ فاتحہ اور قل ہو اللہ پڑھے۔ اور دعا مانگے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَقَرَّبُ بِھِنَّ اِلَیْکَ فَاخْلُفْنِیْ بِھِنَّ فِیْ اَھْلِیْ وَمَالِیْ وَھِیَ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ وَدَارِہٖ حَوْلَ دَارِہٖ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلٰی اَھْلِہٖ۔ یعنی اے اللہ ان رکعتوں کے ذریعہ سے میں تیری نزدیکی ڈھونڈتا ہوں۔ پس انہیں میرے اہل ومال میں میرا خلیفہ بنا۔ اور وہ خلیفہ ہیں اس کے اہل ومال میں اور گھومتی ہیں اس کے گھر کے گرداگرد اس کے واپس آنے تک۔ **پانچواں ادب**۔ جب گھر سے باہر نکلے تو یہ کہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ

وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْاَظْلِمَ اَوْاُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ اور جب سواری پر بیٹھے تو یہ دعا پڑھے :۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ یعنی پاک وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا۔ جس پر کہ ہم قادر نہ تھے۔ بیشک ہم اپنے پروردگار کیطرف رجوع کریں گے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ اس امر کی کوشش کرے کہ سفر جمعرات کی صبح کو شروع ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی ابتدا جمعرات کے دن کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص سفر کرنا چاہے یا دعا مانگے صبح کا وقت اس کے لئے بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ السَّبْتِ اور فرمایا اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ الْخَمِیْسِ پس سفر کے لئے ہفتہ اور جمعرات کی صبح مبارک ہے۔

ساتواں ادب یہ کہ جانور پہ بوجھ کم ڈالے۔ اور اس کی پیٹھ پہ کھڑا نہ ہو۔ سوئے بھی نہیں۔ اور جانور کے منہ پہ لاٹھی بھی نہ مارے۔ اور صبح و شام ایک ساعت کے لئے اُترا کرے۔ تاکہ پاؤں ہلکے ہوں اور جانور بھی آرام پائے۔ اور سواری کے مالک کا بھی دل خوش ہو۔ اسلاف میں سے بعض جب کبھی جانور کو کرایہ پر لیتے تو یہ عہد کر لیتے کہ اس پر سے نیچے نہ اتریں گے۔ لیکن پھر بھی اتر آتے تاکہ وہ اترنا جانور پر سے صدقہ ہو جائے۔ اور جس جانور کو بلا سبب مارا جائیگا۔ اور معمول سے زیادہ بوجھ لادا جائیگا۔ وہ قیامت کے دن جھگڑا کرے گا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اونٹ مر گیا۔ آپ نے کہا اے اونٹ خبردار! میرا گلہ اللہ تعالیٰ سے نہ کرنا۔ کیونکہ تو جانتا ہے کہ میں تیری طاقت کے مطابق تجھ پر بوجھ لادتا تھا۔ اور جسقدر سواری پر بوجھ لادنا منظور ہو وہ سواری کے مالک کو کہدے۔ اور اس سے شرط کرلے۔ تاکہ اس کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ اور شرط و اقرار سے زائد بوجھ نہ لادے۔ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک اونٹ پہ سوار ہوئے۔ کسی شخص نے ایک خط انہیں کسی دوسرے شخص کے نام دیا تاکہ آپ لے پہنچا دیں۔ لیکن آپ نے اس خط کے لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں نے مالک سواری سے یہ شرط نہیں کی۔ اور آپ نے فقہا کی بات پر کچھ عمل نہ کیا کہ اتنی چیز کا کچھ وزن نہیں۔ بلکہ تقویٰ کی بنا پہ ایسا نہ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بھی سفر کو جاتے۔ تو اپنے ساتھ کنگھی۔ آئینہ۔ مسواک۔ سرمہ دانی لے جاتے۔ اور ایک روایت میں ناخن گیرہ نہرنی اور شیشہ بھی ہے۔ اور صوفیہ نے ڈول و رسی کو بھی اس میں زیادہ کیا ہے۔ اور اسلاف کی یہ عادت نہ تھی۔ کہ جہاں کہیں جاتے تیمم کرتے۔ اور استنجا میں صرف پتھر پر ہی اختصار کرتے۔ بلکہ ہر وہ پانی جس میں نجاست نہ دیکھتے اس سے وضو کرتے۔ اگرچہ ان کی یہ عادت نہ تھی۔ لیکن ان لوگوں کے حق میں یہی بہتر ہے۔ کیونکہ ان کا سفر ایسا نہیں ہے۔ کہ اس قسم کی احتیاطوں میں مشغول نہ ہوں۔ اور احتیاط کرنا بہتر ہے۔ اسلاف کا سفر اکثر غزوہ، جہاد اور دوسرے بڑے بڑے کاموں کے لئے ہوتا تھا۔ اور وہ ایسی احتیاطوں میں مشغول نہ ہوتے تھے۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس آتے۔ اور جب آپ کی نظر مدینہ منورہ پر پڑتی۔ تو آپ یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِھَا قَرَارًا وَّرِزْقًا حَسَنًا

پھر آپ پہلے کسی شخص کو اطلاع کے لئے بھیج دیتے تھے۔ اور ناگہانی طور پر گھر میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے دو آدمیوں نے اس کے خلاف کیا۔ اور دونوں نے اپنے گھروں میں برائی دیکھی اور اس سے رنجیدہ ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے۔ اور جب گھر میں داخل ہوتے تو کہتے توبًا توبًا لربنا اوبًا لا یغادر علینا حوبًا یعنی توبہ توبہ کرتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف ایسی حالت میں جبکہ سفر سے واپس آیا اور ایسی توبہ جس سے کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ اور اہل خانہ کے لئے تحائف لانا سنتِ مؤکدہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ اگر کوئی چیز نہ ہو تو ایک پتھر ہی اپنے توبرہ میں رکھ لے۔ اور یہ مثال ہے۔ صرف اسی سنت کی تاکید ہے۔ یہ تھے آداب سفر ظاہر جو بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اب آدابِ سفر باطنی بیان کئے جاتے ہیں۔

سفر میں خواص کے آداب باطنی

یہ ہیں۔ کہ اس وقت تک سفر نہ کریں۔ جبتک کہ یہ جانیں۔ کہ ان کے دین کی زیادتی سفر میں ہے۔ اور جب راستہ میں اپنے دل میں کسی قسم کا نقصان دیکھیں تو واپس آجائیں۔ اور نیت کریں کہ جس شہر میں جائینگے۔ بزرگوں کی قبور کی زیارت کریں گے۔ اور پیروں کی تلاش کریں گے۔ اور ہر ایک سے فائدہ حاصل کریں گے۔ اور یہ نیت نہ کریں کہ مشائخ کے دیکھنے کے بعد لوگوں کے سامنے باتیں بنائیں گے۔ کہ ہم نے مشائخ کو دیکھا ہے۔ بلکہ ان کی متابعت کریں۔ اور کسی شہر میں دس دن تک زیادہ قیام نہ کریں۔ سوائے اس امر کے مرشد کی حضوری مقصود ہو۔ اگر کسی بھائی کی زیارت کو جائے تو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے۔ کیونکہ مہمانی کی حد یہی ہے۔ مگر ایسی حالت میں ٹھہر جائے۔ جبکہ میزبان رہنے کے لئے کہے۔ اور جب مرشد کے پاس جائے۔ اور صرف زیارت ہی مقصود ہو تو ایک رات دن سے زیادہ قیام نہ کرے اور جب کسی کے سلام کو جائے۔ تو مکان کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اس کے باہر آنے تک صبر کرے۔ اور اس کی زیارت سے پہلے کسی کام کی ابتدا نہ کرے۔ اور جبتک وہ نہ پوچھے اس سے کوئی بات نہ کرے۔ اور جب وہ کوئی سوال کرے تو اس قدر جواب دے جو مناسب ہو۔ اور اگر خود پوچھنا چاہے تو پہلے اس سے اجازت طلب کرے۔ اور اس شہر میں عشرت میں مشغول نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس سے ملاقات کا خلوص جاتا رہے گا۔ اور راہ میں ذکر و تسبیح میں مشغول ہو۔ اور آہستہ آہستہ قرآن شریف پڑھے۔ اس طرح کہ دوسرا کوئی نہ سُنے۔ اور اگر کوئی شخص اس سے بات کرے۔ تو اس کا جواب ضرور دے۔ اور اگر گھر میں کسی شغل میں مصروف ہے۔ اور وہ اسے میسّر ہے تو سفر نہ کرے۔ کیونکہ یہ کفرانِ نعمت ہے۔

باب دوم اس علم کے بیان میں جو مسافر کو سفر سے پہلے سیکھنا چاہیئے

مسافر کیلئے واجب ہے۔ کہ اُن اشیا کا علم حاصل کرے۔ جس کی شارع علیہ السلام نے اجازت دی ہے اگرچہ اس کا ارادہ رخصت پر کاربند ہونیکا نہ ہو لیکن ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت اس کا محتاج ہو۔ اور علم قبلہ اور اوقات نماز کو بھی سیکھے۔ اور سفر کی حالت میں طہارت کے لئے دو اجازتیں ہیں (۱) مسح موزہ (۲) تیمم۔ اور نماز میں بھی دو اجازتیں ہیں ایک قصر۔ دوسرے دو فرضوں کا ایک وقت میں جمع کرنا۔ اور نماز سنت کو جانور پر اور پیادہ پا چلنے کی حالت میں بھی پڑھنا جائز ہے۔ اور روزہ میں ایک رخصت (اجازت) ہے۔ اور وہ افطار ہے۔ اور یہ سات رخصتیں ہیں۔ پہلی رخصت موزہ کا مسح ہے۔ جس شخص نے پوری طہارت کے بعد موزے پہنے ہوئے ہیں اور پھر اسے حدث ہو جائے تو مسح کر لینے لیکر تین شبانہ روز کے بعد موزہ پر مسح کرتا ہے اور اگر مقیم ہو۔ تو ایک رات دن کے بعد مسح کرے۔ موزہ پر مسح کرنیکی پانچ شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مکمل طور پر طہارت کرنے کے بعد موزہ پہنے۔ اور اگر دوسرا پاؤں دھونے سے قبل ایک پاؤں موزہ میں ڈالدے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پھر اسے مسح نہ کرنا چاہیئے۔ اور دوسرا پاؤں دھوکر موزہ پہنے۔ تو پہلے پاؤں میں موزہ اتار ڈالے۔ اور اسے پھر دوبارہ پہنے۔ دوسری شرط یہ ہے۔ کہ موزہ ایسا ہو کہ جسے پہن کر تھوڑی دور چلنے کی عادت ہو۔ اگر موزہ چمڑے کا بنا ہوا نہ ہو۔ تو مسح درست نہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ موزہ ٹخنے تک درست اور ثابت ہو۔ اور جسقدر پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ اگر اس کے مقابل موزہ میں کوئی سوراخ ہو یا کسی قدر پاؤں نظر آتا ہو۔ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے موزہ پر مسح نہ کرنا چاہیئے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ موزہ پھٹا ہوا ہو لیکن اُسے پہن کر چلا جا سکتا ہے۔ تو ایسے موزہ پر مسح درست ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا متذکرہ بالا قول پرانا ہے۔ ہمارے نزدیک امام مالک کا قول اعلیٰ ہے۔ کیونکہ سفر میں موزہ اکثر اوقات پھٹتا ہے۔ ہر وقت اس کا سینا ممکن نہیں۔ چوتھی یہ کہ مسح کرنے کے بعد موزہ کو نہ اتارنا چاہیئے اور اگر اتار دے تو پھر نئے سرے سے طہارت کرے۔ اور اگر صرف پاؤں دھونے پر ہی اختصار کرے گا۔ تو یہی درست ہے۔ پانچویں شرط یہ کہ پنڈلی پر مسح نہ کرے۔ بلکہ پاؤں کے مقابلہ پر کرے اور پاؤں کی پشت پر مسح کرنا اولیٰ ہے۔ اور ایک انگلی سے مسح کرے تو تب بھی کافی ہے۔ لیکن تین انگلیوں سے مسح کرنا اولیٰ ہے۔ اور ایک بار سے زیادہ مسح نہ کرے اگر سفر میں چلنے سے پیشتر مسح کرے تو ایک رات دن اقتصار کرے۔ اور سنت یہ ہے کہ جو شخص پہلے موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اسے پہلے جھٹکا دے لے۔ کیونکہ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک موزہ

پاؤں میں پہن لیا۔ اور دوسرے موزہ کو اٹھا کر ہوا میں پھینکا۔ تو اس میں سے ایک سانپ برآمد ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جو شخص خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اس سے کہدو کہ موزہ کو جبتک جھٹک نہ لے۔ پاؤں میں نہ پہنے دوسری رخصت تیمم ہے اور اس کی تفصیل طہارت کے باب میں ہم نے بیان کر دی ہے۔ دوبارہ خوفِ طوالت سے اسے نظر انداز کیا جاتا ہے **تیسری رخصت** یہ ہے کہ نماز ذلیفہ کو قصر کر کے دوگانہ پڑھے۔ لیکن اس کے لئے چار شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ وقت پر ادا کرے۔ دوسری یہ کہ اگر وقت پر ادا نہ کرے اور قضا کر کے پڑھے تو پھر صحیح یہی ہے۔ کہ قصر نہ کرے۔ اور تمام ادا کرے۔ دوسری نیت قصر کی کرے۔ اگر پوری نماز کی نیت کرے یا شک میں پڑے میں نے نماز کی پوری نیت کی ہے یا نہیں۔ تو پھر پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔ **تیسری شرط** یہ ہے کہ ایسے آدمی کی اقتدا نہ کرے۔ جو تمام نماز پڑھے۔ اگر اس کی اقتدا کرے تو پوری نماز پڑھے۔ اگر گمان کرے کہ امام مقیم ہے اور پوری نماز پڑھے گا تو حالت شک کی ہوگی۔ اور اسی حالت میں پوری پڑھنی لازم ہوگی۔ کیونکہ مسافر کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ اور جب سمجھ جائے کہ مسافر ہے اور اُسے شک ہو جائے کہ امام قصر کریگا۔ تو اس کے لئے بھی قصر کرنا روا ہے۔ اگرچہ امام قصر نہ کرے۔ کیونکہ نیت پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کا جاننا شرط نہیں کیا جا سکتا۔ **چوتھی شرط** یہ کہ سفر دراز ہو اور مباح ہو۔ بھاگے ہوئے غلام کا سفر اور اس شخص کا سفر جو راہزنی کیلئے جائے۔ اور وہ شخص جو طلب حرام کیلئے جائے۔ اور وہ جو ماں باپ کی اجازت کے بغیر جائے۔ یہ سب حرام ہیں اور ان میں رخصت جائز نہیں۔ اسیطرح وہ سفر بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے قرضخواہ کی وجہ سے بھاگے۔ اور حالانکہ قرض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور تمام وہ سفر حرام ہیں۔ جن کی غرض کسی غرض حرام کے حاصل کرنے کے لئے ہو۔ اور سفر دراز وہ ہے جو سولہ فرسخ ہو۔ اور اس سے کم سفر کے لئے نماز کو قصر کرنا لازم نہیں۔ اور ہر فرسخ بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے۔ سفر کی ابتدا یہ ہے کہ آدمی شہر سے باہر نکلے۔ اگرچہ شہر کے خرابہ اور باغوں سے نہ نکلا ہو اور انتہا سفر یہ ہے کہ اپنے وطن کی آبادی میں پہنچ جائے یا کسی دوسرے شہر میں پہنچے۔ جہاں داخل ہونے اور نکلنے کے علاوہ تین دن قیام کا قصد کرے۔ یا اس سے زیادہ قیام کرنے کا قصد کرے۔ اور کاروبار میں مشغول ہو اور یہ نہ جانے کہ کب فارغ ہوگا اور ہر روز کام سے فارغ ہونیکی اُمید رکھے اور اس امید میں تین روز سے زیادہ عرصہ لگ جائے تو ایک قول کی بنا پر جو قیاس کے نزدیک ہے نماز میں قصر کرنا درست ہے۔ کیونکہ اس کی مثل مسافر کی ہے۔ کہ وہ دل سے مقیم نہیں ہے۔ اور نہ اقامت کا ارادہ رکھتا ہے۔ **چوتھی رخصت** سفر دراز اور مباح میں دو نمازوں کا اکٹھا کرنا جائز ہے۔ یہ درست ہے۔ کہ نماز ظہر تاخیر کر کے نماز عصر کے ساتھ ملا کر پڑھے۔ یا عصر کی نماز میں تقدیم کرے اور ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھے۔ اور مغرب و عشاء کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ اور جب نماز ظہر کو نماز عصر کے ساتھ ملائے تو پہلے نماز ظہر کو پڑھے۔ پھر اس کے بعد نماز عصر۔ اور اولیٰ تو یہ ہے۔ کہ سنتیں بھی ادا کرے۔ تاکہ انکی فضیلت فوت نہ ہو۔ کیونکہ اس سے سفر کا کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور اگر چاہے تو سنتیں جانور کی پشت پر ادا کرے۔ یا چلنے میں پڑھ لے۔

اور اس ترتیب سے پڑھے۔ یعنی پہلے اُن چار رکعت کو ادا کرے جو نمازِ ظہر سے پہلے سنت ہیں۔ اور پھر وہ چار رکعت پڑھے۔ جو نمازِ ظہر سے پہلے ہیں۔ پھر اذان و تکبیر کہے اور ظہر کی نماز فریضہ ادا کرے۔ پھر عصر کی تکبیر کہہ لے۔ اگر تیمم کیا ہوا ہو۔ تو پھر تیمم کا اعادہ کرے۔ اور نمازِ عصر کا فریضہ ادا کرے۔ اور دونوں نمازوں میں تیمم اور تکبیر سے زیادہ دیر نہ کرے۔ پھر دو رکعت جو نمازِ ظہر کے بعد سنت ہیں۔ ان کو نمازِ عصر کے بعد ادا کرے۔ جب ظہر کی تاخیر عصر تک کرے۔ تو پھر اسی ترتیب سے عمل کرے۔ اگر عصر پڑھ چکنے کے بعد سورج کے قریب ہونے سے پہلے شہر میں پہنچ جائے۔ تو پھر عصر کی نماز دوبارہ ادا نہ کرے۔ مغرب اور عشاء کی نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ اور ایک قول کے مطابق چھوٹے سفر میں بھی دو نمازیں ملا کر پڑھنا جائز ہے۔ **پانچویں رخصت** یہ ہے کہ نمازِ سنت جانور کی پیٹھ پر بھی پڑھنا روا ہے۔ اور یہ واجب نہیں کہ رُو قبلہ کی طرف کرے بلکہ راہ ہی قبلہ کا بدل ہے۔ اور اگر قصداً جانور کو قبلہ سے غیر راہ کی طرف پھیریگا تو نماز درست نہ ہوگی۔ اگر سہواً پھر جائے یا جانور چرنے میں مشغول ہو تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اور رکوع و سجود اشارہ سے ادا کرے رکوع کے واسطے پیٹھ کم جھکائے اور سجدہ کیلئے اس سے زیادہ جھکائے۔ اور اسقدر جھکانا شرط نہیں جس سے گر پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر خوابگاہ میں ہو تو رکوع و سجود پورے طریق پر ادا کرے **چھٹی رخصت** یہ ہے کہ نمازِ سنت کو چلنے میں ادا کرے۔ اور جب پہلی تکبیر کہے تو منہ قبلہ کی طرف کرے۔ یہ امر اس کیلئے آسان ہے۔ اور سوار کیلئے قبلہ رو ہونا مشکل ہے۔ رکوع و سجود اشارے سے ادا کرے۔ اور تشہد کے وقت چلتے ہوئے التحیات پڑھتا ہوا چلا جائے اور اس امر کا خیال رکھے کہ پاؤں نجاست پر نہ پڑے۔ اگر نجاست راستہ میں پڑی ہے۔ تو یہ واجب نہیں۔ کہ وہ نجاست کی وجہ سے راستہ کو چھوڑ دے۔ اور اپنے لئے راہ کو تنگ کرے۔ اور جو شخص دشمن کے خوف سے بھاگے یا جنگ کی صف میں ہو۔ یا سیلاب کے ڈر سے یا بھیڑیئے کے ڈر سے بھاگے تو اس کیلئے جائز ہے کہ نماز فریضہ کو سواری کی پیٹھ پر ادا کرے۔ اگر پیدل ہو تو چلنے میں پڑھے۔ جیسا کہ سنت کے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ اور قضا واجب نہ ہوگی **ساتویں رخصت** روزہ کھولنے کے متعلق ہے۔ جس مسافر نے روزہ کی نیت کر لی ہو۔ اُسے کھول ڈالنا درست ہے۔ اگر صبح ہونے کے بعد کسی شہر سے باہر نکلا ہو تو کھولنا درست نہیں۔ اور اگر روزہ کھولنے کے بعد کسی شہر میں پہنچے۔ تو اس کے لئے دن کے وقت طعام کا کھانا جائز ہے۔ اور اگر روزہ نہ کھولا ہوا ہو اور کسی شہر میں پہنچے تو پھر کھولنا جائز نہیں ہے۔ اور پوری نماز ادا کرنے کی نسبت قصر کرنا بہتر ہے۔ تاکہ اختلاف کے شبہ میں مبتلا نہ ہو۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک پوری نماز پڑھنا درست ہے۔ اور روزہ نہ رکھنے کی نسبت روزہ رکھنا بہتر ہے۔ تاکہ روزہ کے قضا کرنے کے خطرہ میں نہ پڑے۔ اور اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو۔ تو افطار ہی بہتر ہے۔ اور ان سات رخصتوں میں سے تین تو لمبے سفر کیلئے ہیں۔ قصر نماز، افطار اور تین شبانہ روز موزہ پر مسح کرنا اور تین رخصتیں چھوٹے سفر میں بھی درست ہیں (۱) حیوان کی پیٹھ پر یا پیادہ چلتے ہوئے سنت پڑھنا

(۲) جمعہ نہ پڑھنا (۳) بعد قضا نماز تیمم کرنا۔ لیکن جمع یعنے دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے میں اختلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے۔ کہ چھوٹے سفر میں دو نمازوں کو اکٹھا نہ کرے۔ اور یہ علم مسافر کو سفر سے پہلے سیکھنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ سفر میں کوئی ایسا آدمی نہ مل سکے۔ جو اسے وقت پر سکھا دے۔ اور علم دلائلِ قبلہ اور وقتِ نماز کو بھی سیکھ لینا چاہئے اور جب کہ راہ میں ایسے مواضعات نہ ہوں کہ جہاں آفتاب پوشیدہ نہ رہے۔ اور اس قدر ضرور جان لینا چاہئے کہ آفتاب نماز ظہر کے وقت کہاں ہوگا۔ اور طلوع و غروب کے وقت کس طرف ہوگا۔ اور قطب کدھر آئے گا۔ اور اگر راہ میں کہیں پہاڑ ہو تو جانے اقلہ دائیں جانب ہوگا۔ مسافر کو سوائے ان باتوں کے جاننے کے چارہ نہیں ؛

اصل ہشتم آدابِ وجد وسماع وحکم سماع

اسے ہم دو باب میں بیان کریں گے

پہلا باب:۔ مباح ہونا اور اس میں حلال وحرام کا ذکر

دوسرا باب:۔ آثار وآداب سماع میں

باب اوّل۔ جاننا چاہئے کہ آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے۔ جیسے آگ لوہے اور پتھر میں جیسے کہ لوہا پتھر پر مارنے سے آگ ظاہر ہوتی ہے اور صحرا میں لگ جاتی ہے۔ اسی طرح خوش نما وموزون آواز کا سننا آدمی کے دل میں جنبش پیدا کر دیتا ہے اور بے اختیار اس میں ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس مناسبت کا سبب جو گوہر آدمی کو عالم علوی سے ہے کہ جسے عالم ارواح بھی کہتے ہیں اور عالم علوی عالم حسن وجمال ہے۔ اور حسن وجمال کی اصل جو ہے تو وہ تناسب ہے۔ اور جو چیز متناسب ہے وہ اس عالم کے جمال کی نمود کا رہے۔ اور جمال وحسن وتناسب جو اس عالم میں محسوس ہوتا ہے۔ وہ سب اس عالم کے حسن وجمال کا ثمرہ ہے۔ پس خوش وموزوں آواز بھی اس عالم کے عجائبات سے مشابہت رکھتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دل میں آگاہی پیدا ہوتی ہے۔ اور حرکت وشوق کو ظاہر کرتی ہے۔ ممکن ہے۔ کہ آدمی خود نہ جانے کہ وہ کیا ہے۔ اور یہ بات ایسے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ جو سادہ ہو۔ اور عشق وشوق جو اس راہ کی راہنمائی کرتا ہے۔ اس سے خالی ہو۔ اور اگر وہ خالی نہ ہو۔ اور کسی شے سے مشغول ہو اور جس چیز کے ساتھ مشغول ہو۔ وہ اس سے حرکت میں آتی ہے۔ جیسے آگ پھونک مارنے سے زیادہ ہوتی ہے

اور جس کے دل میں حق تعالیٰ کے عشق کی آگ ہو۔ تو سماع اس کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ اس کے دل میں تیز ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے دل میں جھوٹی محبت ہے سماع اس کے لئے زہر قاتل ہے اور حرام ہے۔ اور سماع کے حلال و حرام ہونے میں علما کا اختلاف ہے۔ اور جس گروہ نے اسے حرام کیا ہے۔ اہلِ ظاہر ہیں۔ کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ آدمی صرف اپنی جنس ہی کو دوست رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کو جو اس کی جنس سے نہیں ہے۔ اور کوئی چیز بھی اس کے مثل نہیں ہے۔ کس طرح اس کو دوست رکھ سکتا ہے پس اس کے نزدیک دل میں سوائے عشق مخلوق کے دوسرا عشق ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر عشقِ خالق پیدا بھی ہو تو وہ خیالی تشبیہ کی بنا پر ہے جو باطل ہے پس اس وجہ سے یہ گروہ کہتا ہے کہ سماع کھیل ہے یا عشق مخلوق سے ہے۔ اور یہ دونوں باتیں دین میں مذموم ہیں اور جب اس گروہ سے پوچھا جاتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ کی دوستی جو خلق پر واجب ہے اس کے کیا معنے ہیں تو وہ گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا اور اطاعت کرنا اور یہ ایک نہایت عظیم الشان غلطی ہے۔ جس میں اس گروہ نے ٹھوکر کھائی ہے اور ہم کتاب محبت کے رکن منجیات میں۔ اس کی حقیقت ظاہر کریں گے۔ ہم اس جگہ پر کہتے ہیں کہ سماع کا حکم دل سے لینا چاہیئے۔ کیونکہ جو چیز دل میں نہ ہو سماع اس سے پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ صرف اس چیز کو جنبش میں لاتا ہے جو دل میں موجود ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے دل میں ایسی شے ہو جو شریعت میں محبوب ہے اور وہ اس کو مضبوط بنانا چاہتا ہے اور جب سماع سے اس کو زیادتی دے گا تو اسے ثواب حاصل ہوگا۔ اور جس شخص کا دل ان دونوں سے خالی ہے۔ وہ بطریق کھیل کے اسے سنتا ہے اور طبیعت کے تقاضا سے اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے سماع مباح ہے۔ پس سماع کی تین قسم ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ غفلت سے سنے اور بطریق کھیل کے جانے۔ تو یہ طریق اہل غفلت کا ہوگا۔ اور تمام دنیا لہو بازی ہے اور یہ بھی اسی میں شامل ہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ سماع اس باعث سے حرام ہے کہ خوش اور اچھا معلوم دیتا ہے کیونکہ تمام خوشیاں حرام نہیں ہیں اور جو چیزیں خوشی میں سے حرام ہیں وہ اس وجہ سے حرام نہیں۔ کہ خوش ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے حرام ہیں۔ کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرر و فساد ہوگا۔ پرندوں کی آواز خوش اور بھلی معلوم دیتی ہے۔ لیکن حرام نہیں ہے بلکہ سبزہ و آب رواں اور گل و شگوفہ کا نظارہ کرنا سب خوش معلوم دیتا ہے لیکن حرام نہیں ہے پس اسی طرح اچھی آواز کانوں کے حق میں ایسی ہے۔ جیسے آنکھوں کے حق میں سبزہ و آب رواں وغیرہ یا جیسے بوئے مشک ناک کے لئے ہے اور جیسے کہ لذیذ کھانا منہ کے لئے ہیں اور جیسے اچھی اچھی حکمتیں عقل کے حق ہیں۔ اور ان تمام حواس کے لئے ایک نہ ایک طرح کی لذت ہے تو منجملہ ان کے سماع کیوں حرام ہوگا۔ خوشبو کا سونگھنا۔ کھیل اور سبزہ زار کی سیر حرام نہیں ہے اور اس پر دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ حبشی عید کے دن مسجد میں کھیل اور بازی کرتے تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا۔ کہ کیا تم دیکھنا چاہتی

ہو میں نے کہا ہاں۔ چاہتی ہوں۔ آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اور آپ نے ہاتھ بڑھایا حتے کہ میں نے اپنی ٹھوڑی آپ کے دست مبارک پر رکھی۔ اور یہاں تک سیر و نظارہ کیا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بس نہ کرو گی۔ میں نے کہا نہیں۔ اور جب یہ حدیث صحیح ہے اور ہم نے پہلے بھی اسے اس کتاب میں بیان کیا ہے اور اس حدیث سے پانچ رخصتیں معلوم ہوتی ہیں (ناظرین کتاب ھذا کو یاد رہے کہ جس وقت کا ذکر ہے اس وقت غیر محرم کو دیکھنا حرام نہ تھا اور آیت کریمہ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ابھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ مترجم) ایک یہ کہ کھیل اور لہو اگر کبھی کبھی ہو تو اس کا نظارہ کرنا حرام نہیں۔ اور حبشیوں کے کھیل میں رقص و سرود تھا۔ دوسرے یہ کہ مسجد میں کرتے تھے۔ تیسرے یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھیل دیکھنے کو بلایا تو فرمایا دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ یعنی کھیل میں مشغول ہو۔ اور یہ حکم ہے۔ پس اگر حرام ہوتا۔ تو آپ کیوں فرماتے۔ چوتھے یہ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ دیکھنا چاہتی ہے۔ اور یہ تقاضا ہے اور ایسا نہیں ہے کہ آپ دیکھتی ہوتیں۔ اور آپ چپ رہتے تو یہ جائز ہوتا۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رنجیدہ نہ کرنا چاہا۔ کیونکہ رنجیدہ کرنا بدخوئی میں داخل ہے پانچواں یہ کہ حضورؐ خود حضرت عائشہؓ کے ساتھ دیر تک کھڑے رہے۔ باوجود اس بات کے کہ نظارہ بازی کرنا۔ آپ کا کام نہ تھا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی موافقت اور بچوں کا دل خوش کرنے کے لئے ایسے کام کرنا خلق نیک میں سے ہے۔ اپنے آپ کو کھینچے رکھنے اور پارسائی ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں۔ کہ میں خورد سال (لڑکی) تھی اور لڑکیوں کی عادت مطابق گڑیاں کو سنوارا کرتی تھی۔ اور چند ایک لڑکیاں بھی میرے پاس تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان کو واپس میرے پاس بھیج دیتے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی سے پوچھا۔ کہ یہ گڑیاں کیا ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ یہ میری بیٹیاں ہیں آپ نے فرمایا۔ یہ ان کے درمیان میں کیا بندھا ہوا ہے کہا کہ یہ ان کا گھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ اس گھوڑے کے اوپر کیا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ یہ اس کے پروبال ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ گھوڑے کے پروبال کہاں سے آئے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ نے نہیں سنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا تھا۔ اور اس کے پروبال تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے سارے دانت نظر پڑے۔ اور میں اس روایت کو اس لئے نقل کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ پرہیزگاری جتانا اور اپنے آپ کو ایسے کاموں سے علیحدہ جتانا دین میں سے نہیں ہے۔ خاص کر لڑکوں سے اور اس سے جو اپنے لائق کام کرے۔ اور وہ کام اس کے لئے برا نہ ہو۔ اور حدیث اس امر کی دلیل نہیں ہے۔ کہ تصویر بنانا روا ہے۔ کیونکہ لڑکوں کے کھلونے

لکڑی و کپڑے وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ اور ان کی صورت ناتمام ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ گھوڑے کے بال کپڑے کے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی روایت ہے۔ کہ عید کے دن دو کنیزیں میرے سامنے دف بجاتی تھیں اور گاتی تھیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور منہ دوسری طرف کرکے کپڑے پر سو گئے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ تو آپ نے کنیزوں کو تنبیہ کی کہ مزمارِ شیطان رسولِ خدا کے گھر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں سنیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکرؓ۔ ان سے تعرض نہ کرو۔ کیونکہ آج روزِ عید ہے۔ پس اس حدیث شریف سے معلوم ہوا۔ کہ دف بجانا اور گانا مباح ہے۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچتا تھا پس حضور کا سننا اور حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کے انکار سے منع کرنا۔ اس کے مباح ہونے کی صریح دلیل ہے۔

دوسری قسم:۔ یہ کہ دل میں کوئی مذموم صفت ہو۔ جیسے کہ کسی عورت یا لونڈے کی محبت ہو۔ اس کے سامنے سماع میں مشغول ہو۔ تاکہ باعثِ ازدیادِ لذت ہو یا اس کی غیر حاضری میں اس کے وصال کے شوق میں سماع میں مشغول ہو۔ تاکہ اس سے عشق اور بڑھے۔ یا ایسا سرود سنے جس میں زلف و خال و جمال کی باتیں ہوں۔ اور سننے والا عورت یا کسی لونڈے کا تصور باندھے۔ تو ایسا سماع بھی حرام ہے۔ اور اکثر جوان لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ عشقِ باطل کی آگ کو تیز کرتا ہے۔ بھلا جس آگ کا بجھانا فرض ہے۔ اس کا جلانا کیونکر روا ہوگا۔ اور اگر یہ عشق اس کو اپنی عورت یا کنیز کے ساتھ ہو تو یہ منجملہ تمتعات دنیوی کے ہوگا۔ اس وقت تک کہ عورت اس کے نکاح میں رہے۔ اور کنیز کو فروخت نہ کرے۔ لیکن ان دونوں حالتوں کے بعد حرام ہو جائے گا۔ **تیسری قسم**:۔ یہ ہے کہ دل میں کوئی نیک صفت ہو جسے سماع قوت دے اور اس کی چار اقسام ہیں۔ پہلی قسم حاجیوں کے اشعار و سرود جو کعبہ کی صفت میں ہوں۔ جس سے خانۂ خدا کی آتش عشق تحرکت میں آئے۔ پس جو شخص حج کو جاتا ہے۔ اس کے لئے اس سماع کا اجر و ثواب ہے۔ لیکن اس شخص کے لئے یہ سماع بھی جائز نہیں جس کو ماں باپ حج کی اجازت نہ دیں۔ یا اس پر فریضۂ حج عائد نہ ہوتا ہو۔ لیکن اسی حالت میں جائز ہے کہ اگر اس کے سننے سے اس کے دل میں حج کا شوق پیدا ہو تو وہ اس کے روکنے پر قادر رہ سکے۔ اور نہ جائے اور اپنی حالت پر قائم رہے۔ اور غازیوں اور مجاہدوں کا سرود بھی اس کے قریب قریب ہے کہ خدا کے بندوں کو دشمنانِ خدا کے ساتھ جہاد کرنے اور حق تعالیٰ کی دوستی میں جان ہتھیلی پر رکھنے کا آرزومند کریں۔ اور اس کے لئے بھی اجر و ثواب ہے اور اسی طرح ان اشعار کے سننے میں بھی ثواب ہے جو میدان جنگ میں کہیں۔ تاکہ آدمی دلیر ہو کر جنگ کرے اور دلیری میں اضافہ ہو۔ اس میں بھی ثواب و اجر ہے۔ بشرطیکہ جنگ کافروں کے ساتھ ہو۔ اور اگر اہلِ حق کے ساتھ ہو تو حرام مطلق ہے۔ دوسری قسم سرود نوحہ ہے جو رونا لاتا ہے۔ اور غم کو دل میں بڑھاتا ہے۔ اور اگر اپنے گناہوں پر نوحہ کرے۔ تو اس میں بھی ثواب و اجر ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد

علیہ السلام کا نوحہ ہے۔ اگر دل میں غم کرنا حرام ہے تو۔ اگر کوئی عزیز و خویش مر جائے تو اس پر بھی نوحہ کرنا حرام ہے اس واسطے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ۔ یعنی جو گذر گیا۔ اس پر رنج نہ کرو۔ اور اگر کوئی شخص حق تعالیٰ کی قضا سے کراہیت کرے۔ اور اس کے سبب سے اندوہ گین ہو۔ اور نوحہ کرے تاکہ وہ رنج و غم زیادہ ہو۔ تو یہ حرام ہے اور اس وجہ سے نوحہ گر کی اجرت حرام ہے اور وہ گنہگار ہے اور جو شخص اس کو سنے۔ وہ بھی گنہگار ہوتا ہے تیسری قسم یہ ہے کہ دل میں خوشی ہو اور اسے سماع سے زیادہ کرنا چاہئے۔ تو یہ بھی مباح ہے۔ بشرطیکہ وہ خوشی کسی ایسی چیز سے ہو۔ جس سے خوش ہونا جائز ہو۔ جیسے کہ عروس و ولیمہ و عقیقہ اور لڑکا پیدا ہونے کی خوشی اور ختنہ کرنا۔ اور سفر سے واپس آنے کی خوشی جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ پہنچے تو لوگ حضور کے آگے آگے دف بجاتے اور خوشی کرتے تھے۔ اور یہ شعر پڑھتے تھے طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ ۞ وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ[1] اسی طرح عید کے دن خوشی کرنا جائز ہے۔ اور سماع بھی اس لحاظ سے درست ہے۔ اور اسیطرح جب دو موافق دوست اکٹھے بیٹھیں۔ اور کھانا کھائیں اور ایکدوسرے کے وقت کو خوش کرنا چاہیں تو سماع کرنا اور ایکدوسرے کی موافقت میں خوشی کرنا روا ہے۔ چوتھی قسم۔ اور یہی اصل ہے کہ جس کسی کے دل پر حق تعالیٰ کی دوستی غالب ہو چکی ہو اور عشق کی حد تک پہنچی ہوئی ہو۔ تو اس کے لئے سماع ضروری ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ اس کا اثر بہت سی رسمی نیکیوں سے زیادہ ہو اور ہر وہ شے جس سے حق تعالیٰ کی دوستی زیادہ ہو۔ اور اس کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور صوفیائے کرام کا سماع درحقیقت اسی وجہ سے تھا۔ اگرچہ آجکل سماع رسمی ہو گیا ہے۔ ان لوگوں کی وجہ سے جن کا ظاہر تو صوفیا کا سا ہے۔ لیکن باطن میں وہ انکی حقیقت سے مفلس ہیں۔ اور سماع عشق الٰہی بھڑکانے میں ایک عظیم الشان اثر رکھتا ہے۔ اور صوفیا میں بعض بزرگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں حالتِ سماع میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ اور لطف ایسے حاصل ہوتے ہیں۔ کہ وہ سوائے سماع کے نصیب نہیں ہو سکتے۔ اور وہ حالتِ لطیف جو عالم غیب سے صوفیہ پر مستولی ہوتی ہے اُسے وجد کہتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ انکا دل سماع سے اسطرح پاک ہو جائے جیسے چاندی آگ میں ڈالنے سے صاف و مصفا نکل آتی ہے۔ اور سماع بھی دل کو آگ لگاتا ہے۔ جو تمام کدورتوں کو دل سے باہر نکالدیتا ہے اور ممکن ہے کہ بہت سی ریاضت کرنے سے بھی وہ بات حاصل نہ ہو جو سماع سے حاصل ہوتی ہے۔ روح انسانی کو جو سری مناسبت عالم ارواح سے ہے۔ سماع اس کو حرکت میں لاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ روح بالکل اس عالم سے بے خبر ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ صوفی کو اس جہان کی مطلقاً خبر نہیں رہتی۔ اور کبھی تو یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ صوفی کے اعضاء کی قوت ساقط ہو جاتی ہے اور وہ بیہوش ہو جاتا ہے۔ اور جس شخص کی اصل حالت اس کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کا بڑا درجہ ہے۔ اور وہ شخص جو اس مجلس میں ہوتا ہے اور اس حالت پر یقین و ایمان

---

[1] یعنی چودھویں رات کے چاند نے ہم پر طلوع کیا سلامتی کی راہ سے۔ واجب ہوا شکر ہم پر جبکہ دعا مانگیں اللہ سے دعا مانگنے والے ۔

رکھتا ہے۔ تو وہ بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتا۔ لیکن اس کے جانچنے میں بھی بہت سی غلطیاں ہوجاتی ہیں اور بہت سے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے حق و باطل کی پہچان ان پیروں کو ہوتی ہے جو نہایت واقفکار ہوتے ہیں۔ مرید کو اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے سماع سننے میں مشغول ہو۔ باوجودیکہ اس کے دل میں اس کی خواہش پیدا ہو۔ علی حلاج شیخ ابوالقاسم گرگانی کے مریدوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ سے سماع کی اجازت چاہی شیخ نے کہا تین دن تک بھوکا رہ۔ اور پھر لوگ تیرے لئے عمدہ عمدہ کھانے پکائیں اور تو انہیں چھوڑ کر سماع میں مشغول ہو۔ تو تیری یہ خواہش برحق ہوگی۔ اور پھر تجھے سننے کا اختیار ہوگا لیکن وہ مرید جس کا احوالِ دل ابھی نہ کھلا ہو۔ اور وہ معاملہ کے سوا کسی چیز سے واقف نہ ہو۔ اور اگر اس کے دل پر کیفیاتِ قلبی کا ظہور تو ہو لیکن خواہشات کا بت مکمل طور پر نہ ٹوٹا ہوا ہو۔ تو پیر کے لئے واجب ہے۔ کہ ایسے مرید کو بھی سماع سے منع کرے۔ کیونکہ اس میں مرید کیلئے نفع سے نقصان زیادہ ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ جو شخص صوفیاء کے سماع و وجد و احوال وغیرہ کا انکار کرتا ہے۔ وہ ایسا اپنی کم ظرفی کی وجہ سے کوتا رہتا ہے۔ اور انکار کرنے کیلئے معذور ہوتا ہے۔ کیونکہ جو چیز خود اس کے دل میں نہ ہو۔ اس پر ایمان لانا اس کے لئے مشکل ہے۔ اور ایسے شخص کی مثال مخنث کی طرح ہے۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتا۔ کہ مباشرت میں بھی لذت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس لذت کا احساس قوتِ شہوت سے کرسکتا ہے۔ اور جب اس میں شہوت ہی نہیں تو وہ کس طرح اس لذت کا احساس کرسکتا ہے۔ اور اندھا آدمی سبزہ و آبِ رواں کے فرحت خیز نظارہ کا انکار کردے۔ تو کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ قدرت نے اس کو آنکھیں نہیں دی ہیں کہ وہ اس لذت کو جان سکے۔ اگر بچہ لذتِ ریاست و سلطنت و فرماں دہی اور بادشاہی کا انکار کردے تو چنداں جائے تعجب نہیں۔ کیونکہ اُسے تو کھیل کود کی نسبت معلوم ہے۔ وہ بادشاہی کی لذت کو کیا جانے۔ اور جاننا چاہیئے کہ لوگ کیا خاص و کیا عام۔ کیا عقلمند کیا بیوقوف صوفیا کے حالات جاننے میں بچہ کی مانند ہیں۔ کہ جس چیز یا مرتبہ کو وہ خود نہیں پہنچے ہوتے اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور وہ شخص جو تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہے۔ اور اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے یہ حال حاصل نہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ کہ صوفیاء کو ہے۔ بارے وہ اس حال پر ایمان تو رکھتا ہے۔ اور حالت کے وقوع کو روا جانتا ہے۔ لیکن جو شخص ایسا ہو۔ کہ جو چیز اسے حاصل نہیں۔ اسے دوسروں کو حاصل ہوتے کو بھی محال جانے۔ تو وہ حد درجہ کا احمق اور بیوقوف ہے۔ اور اُس گروہ میں سے ہے۔ جس کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِیْمٌ

فصل جاننا چاہیئے کہ جس جگہ پر ہم نے سماع کو مباح کہا ہے۔ وہاں بھی پانچ وجوہات سے حرام ہوجاتا ہے

ف ۱ یعنے اس کی جانب راہ نہ پائی تو کہتے ہیں۔ کہ یہ تو قدیم جھوٹ ہے۔

توان سے بھی حذر کرنا چاہیئے۔ (۱) ایک تو یہ کہ کسی عورت سے سنے یا ایسے لونڈے سے جو محلِ شہوت ہو۔ اور یہ حرام ہے اگرچہ کسی شخص کا دِل حق تعالےٰ کے ساتھ مستغرق ہو۔ لیکن چونکہ شہوت انسان کی فطرت میں ہے۔ اور اچھی صورت آنکھوں کو بھلی معلوم دیتی ہے۔ تو شیطان اس کی مدد سے اُٹھ کھڑا ہوگا۔ اور یہ سماع شہوت کا محکوم ہو جائیگا۔ اور ایسے لڑکے سے سماع سننا جو محلِ شہوت نہ ہو۔ جائز ہے۔ اور اگر بدصورت عورت سے بھی سُنے تو مباح نہیں ہے۔ کیونکہ ہر قسم کی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے۔ اگر عورت سے پردہ کے پیچھے سے سُنے اور فتنۂ عشق و زنا کا ڈر ہو۔ تو تب حرام ہے۔ اور اگر اس امر کا خطرہ نہ ہو تو پردہ کے پیچھے سننا مباح ہے۔ اور اس کے لئے یہ دلیل ہے کہ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دو کنیزیں گاتی تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سنتے تھے۔ تو عورتوں کی آواز عورت نہیں ہے۔ اسی طرح لونڈے کا چہرہ عورت نہیں یعنی جس طرح لونڈوں پر یہ فرض نہیں کہ وہ اپنا چہرہ چھپائیں۔ اسیطرح عورتوں پر یہ فرض نہیں کہ وہ اپنی آواز بند رکھیں۔ اور مردوں کے لئے نہ لونڈوں کا چہرہ دیکھنا حرام ہے۔ اور نہ عورتوں کی آواز سننا حرام ہے البتہ اگر لونڈوں کو شہوت کی نظر سے دیکھا جائے اور خوف لواطت ہو تو حرام ہے۔ اور اس طرح جہاں عورتوں کی آواز سننے سے فتنۂ عشق اور زنا کا خوف ہو تو حرام ہے۔ اور اس حکم میں بتقاضائے حالت تبدیلی ہوتی رہتی ہے کیونکہ کوئی شخص اپنی حالت پر امین ہوتا ہے اور مطمئن رہتا ہے۔ اور کسی کو ڈر اور خوف ہوتا ہے۔ اور یہ بات اس قسم کی ہے جیسے روزہ کی حالت میں۔ اس شخص کے لئے اپنی جورو کا بوسہ لینا حلال ہے۔ جو فتنۂ شہوت سے امن میں ہو۔ اور اس شخص کے لئے حرام ہے جسکو اس سے مباشرت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔ یا اس امر کا خطرہ ہو۔ کہ وہ بوسہ لینے سے ہی منزل ہو جائیگا (۲) دوسرا سبب یہ ہے۔ کہ سرود کے ساتھ رباب چنگ۔ بربط۔ رود یا نے عراقی میں سے کچھ ہو۔ کیونکہ رود کی ممانعت ہے۔ اس سبب سے نہیں۔ کہ یہ ساز خوش آتا ہے۔ بلکہ ناموزوں و ناخوش ساز بجانا بھی حرام ہے۔ اسو جہ سے کہ یہ شراب خوروں کی عادت ہے۔ اور جو چیز شراب خوروں کیلئے مخصوص ہے۔ اس کو شراب کی تبعیت میں حرام کر دیا ہے۔ اس بنا پر کہ اس سے شراب کی یاد پیدا ہوتی ہے اور اس کی آواز کو حرکت میں لاتی ہے۔ لیکن طبل۔ شاہین اور دف اگرچہ اس میں جلاجل بھی ہو۔ حرام نہیں کیونکہ ان کے بارہ میں کوئی حکم نہیں آیا۔ اور یہ رود کی طرح نہیں ہے۔ اور نہ یہ شراب خوروں کا شعار ہے۔ تو ان کو رود پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ دف خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بجائے بجائی گئی ہے۔ اور حضور نے شادی عروس کے موقعہ پر دف بجانے کو فرمایا ہے۔ تو دف جلاجل بڑھ جانے سے حرام نہیں ہو جاتی اور حاجیوں اور نمازیوں کا طبل بجانا خود رسم میں داخل ہے۔ لیکن مخنثوں کا طبل بجانا حرام ہے کیونکہ یہ ان کا شعار ہے۔ اور یہ طبل لمبا ہوتا ہے۔ اور درمیان سے پتلا اور سروں سے موٹا ہوتا ہے۔ لیکن اگر شاہین اگرچہ کسی قسم کا

ہو حرام نہیں ہے۔ کیونکہ گگہ بانوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اس کو بجاتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شاہین کے حلال ہونے کی دلیل یہ ہے۔ کہ اس کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں آئی۔ آپ نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا۔ کہ اچھی طرح غور سے سنو جب اس کی آواز آنی بند ہو جائے تو مجھے خبر دو پس حضرت ابن عمرؓ کو سننے کے لئے اجازت دینا اس امر کی دلیل ہے کہ مباح ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کانوں میں انگلیاں دے لینا اس وجہ سے ہوگا۔ کہ اس وقت کوئی عظیم الشان حالت آپ پر واقع ہوگی۔ اور آپ نے خیال فرمایا ہوگا۔ کہ شاید شاہین کی آواز اس میں خلل انداز ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذوق کو حرکت دینے میں سماع کو بہت بڑا اثر ہے۔ اور جو شخص سبحانہٗ تعالیٰ سے دور ہو اسے نزدیک کرتا ہے۔ اور یہ امر ان لوگوں کے حق میں ایک بہت بڑی بات ہے جن پہ یہ حالت نہ ہو۔ لیکن جو شخص عین کام میں ہو۔ یعنے حالت استغراق میں ہو۔ ممکن ہے کہ سماع اس کے لئے مانع ہو یعنے رکاوٹ پیدا کرنے کا موجب ہو۔ اور نقصان کا باعث ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہین کی آواز کو نہ سننا اس کی حرمت کی دلیل نہیں۔ کیونکہ بہت سی ایسی مباح چیزیں ہیں جنہیں لوگ نہیں کرتے۔ بلکہ حضورؐ کا اس کے سننے کیلئے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمانا اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کی اور کوئی وجہ نہیں (۳) تیسرا سبب یہ ہے کہ سرود میں فحش ہو یا اہل دین کی ہجو یا طعن وغیرہ ہو جیسے فرقہ رافض کے اشعار جو انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں کہے ہیں۔ یا کسی مشہور و معروف عورت کی تعریف کی ہو۔ کیونکہ عورتوں کی صفت مردوں کے سامنے زیبا نہیں۔ ایسے تمام اشعار کا کہنا اور سننا حرام ہے۔ لیکن وہ شعر جس میں زلف و خال۔ جمال صورت اور فراق وصال کا ذکر ہو۔ جیسے کہ عشاق کی عادت ہے تو ایسے شعر کا کہنا اور سننا حرام نہیں ہے۔ لیکن ایسے اشعار بھی اس وقت حرام ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے سننے سے کسی عورت یا لونڈے کا خیال کرے۔ لیکن اگر اپنی منکوحہ یا لونڈی کا خیال کرے تو حرام نہیں ہے۔ لیکن صوفیائے کرام اور وہ لوگ جو حق تعالیٰ کی دوستی میں مستغرق ہوں۔ ایسے اشعار پر سماع کریں۔ تو ان کے لئے یہ نقصان دہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان میں سے ہر شخص ان اشعار سے ایسی حالت کا قیاس کرتا ہے۔ وہ قابل ہو۔ اور یہ ممکن ہے۔ کہ وہ زلف سے ظلمت کفر کا خیال کریں۔ اور نورِ ایمان کا قیاس کریں اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ زلف سے سلسلہ اشکال حضرت آلہیت کا تصور کریں۔ جیسے کہ شاعر کہتا ہے۔ گفتم بشمارم سرِ یک حلقۂ زلفش ؎ تا بو کہ بہ تفصیل سرِ جملہ برآرم ؎ خندید بمن بر سرِ زلفین کہ مشکین ؎ یک پیچ بہ پیچید و غلط کرد شمارم ؎ ممکن ہے کہ حضرات صوفیائے کرام زلف سے سلسلۂ اشکال سمجھیں۔ اگر کوئی چاہے۔ کہ تصرف عقل سے اس مرتبہ پر پہنچ جائے کہ عجائبات آلہی سے ایک ایک مو پہچانے۔ تو ایک پیچ جو اس میں پڑ جائیگا۔ اس سے تمام شمار غلط ہو جائیگا اور تمام عقلیں مدہوش ہو جائینگی۔ اور جب شعر میں ظاہر شراب و مستی کی باتیں ہوں۔ تو وہ اس سے ظاہر معنے مراد نہ

لیں گے۔ جیسے کہ کہتے ہیں سہ گرمی دو ہزار رطل بر پیمائی ٭ تا مے نخوری نباشد شیدائی ٭ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ دین کا کام حدیث و تعلیم سے درست نہیں ہوتا۔ بلکہ ذوق سے درست ہوتا ہے۔ اگر تو بہت سی باتیں محبّت و عشق کی زہد و توکّل کی اور دوسرے کے معانی کی کہے۔ اور ان کے متعلق بہت سی کتب بھی تصنیف کرے۔ اور بہت سے کاغذ ان کے بارہ میں سیاہ کرے۔ تو وہ ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ جب تک کہ تو اس صفت پر نہ ہو جائے۔ اور جو اشعار خرابات کے متعلق پڑھے جائیں۔ اُسے بھی صوفیائے کرام کسی اَور ڈھنگ پر خیال کرتے ہیں۔ مثلاً جب یہ شعر پڑھا جائے سہ ہر کہ بخرابات نشد بیدین است ٭ زیرا کہ خرابات اصولِ دین است۔ صوفی اس قسم کے اشعار سے صفات بشریت کی خرابی خیال کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ دین کا اصول یہ ہے۔ یہ جو آباد ان کی صفت ہے۔ وہ خراب ہو۔ تاکہ وہ جو ناپیدا ہے آدمی کے گوہر میں پیدا ہو جائے۔ اور ان بزرگان کے فہم کی شرح نہایت طویل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا فہم اس کی نظر کے مطابق ہوتا ہے۔ اور دوسرے کے فہم سے جدا ہوتا ہے۔ اور اس کے بیان کہنے کا سبب یہ ہے۔ کہ بیوقوف اور بدعقلیوں کا گروہ ایسے نفوسِ قدسیہ پر طعنہ زنی کرتا ہے۔ کہ یہ زلف و صنم اور خال و مستی اَور خرابات کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ اور یہ حرام ہے۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ ایک بڑی حجّت اور طعن ہے۔ اور حالانکہ یہ منکرین ان بزرگوں کے حال سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو یعنی صوفیاء کو خود بخود وجد ہوتا ہے۔ اشعار کے معنیٰ پر نہیں ہوتا۔ فقط آواز پر ہوتا ہے۔ شاہین کی آواز اگرچہ بے معنی ہے لیکن وجد کا سبب ہو جاتی ہے۔ بعض موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ عربی اشعار پر وجد کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ عربی نہیں جانتے ہوتے۔ اور بیوقوف لوگ اس پر مذاق کرتے ہیں۔ اور ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ عربی نہیں جانتے۔ بھلا وجد کیوں کرتے ہیں۔ لیکن یہ احمق اتنا خیال نہیں کرتے۔ کہ اُونٹ جو محض حیوان ہے۔ عربی زبان نہیں جانتا ہوتا۔ لیکن حدائی عرب کی آواز پر وجد کی خوشی اور قوت کے باعث بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے اس قدر چلتا ہے۔ کہ جب منزل پر پہنچتا ہے۔ اور وجد کے موقوف ہوتے ہی فوراً گر پڑتا ہے۔ اور بعض موقعوں پر تو فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔ اِن بیوقوف لوگوں کو چاہیئے کہ اُونٹ سے جنگ و مناظرہ کریں۔ کہ بلا عربی زبان جاننے کے وہ خوشی کیا ہے۔ جو اس میں پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ہوتا ہے۔ کہ صوفیائے کرام سے عربی اشعار سے وہ مطلب و مفہوم مراد لیتے ہیں۔ جو درحقیقت ان کے معانی نہیں ہوتے۔ جیسے کہ ایک شخص نے پڑھا مَا زَارَنِیْ فِی النَّوْمِ اِلَّا خَیَالُکُمْ یعنی تمہارے خیال کے سوا کسی نے میری خواب میں زیارت نہیں کی۔ ایک صوفی کو حالت ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا۔ کہ تم نے یہ وجد کیوں کیا۔ درآنحالیکہ تو نہیں جانتا۔ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ صوفی نے جواب دیا۔ بھلا میں کیوں نہیں جانتا۔ وہ کہتا ہے۔ "مازاریم" ہم زار و ناچار ہیں" اور سچ کہتا ہے۔ کہ واقعی ہم سب زار و ناچار ہیں۔ اور درماندے ہیں۔ اور خطرہ میں ہیں۔ تو ان حضرات کا وجد اس قسم کا ہوتا ہے۔ اور جس کسی کے دل پر جو بات غالب

ہوتی ہے - وہ جو کچھ بھی سُنے اسے وہی سنائی دیتی ہے - اور جو کچھ دیکھتا ہے - اسے سب وہی دکھائی دیتا ہے جو شخص عشقِ حقیقی یا مجازی کی آگ میں نہ جلا ہو - اُسے ہرگز اس حقیقت کا پتہ نہ لگے گا - چوتھا سبب یہ ہے - کہ سننے والا جوان ہو - اور شہوات کا اس پر غلبہ ہو - اور خدا کی محبّت کو وہ نہ جانے کہ کیا چیز ہے - تو غالب یہی خیال ہے - کہ جب وہ زلف و خال اور اچھّی صورت کے متعلق سنے گا - تو شیطان اس کی گردن پر سوار ہو جائے گا - اور اس کی شہوت کو حرکت میں لائے گا - اور خوبصورتوں کا عشق اس کے دل میں پیدا کرے گا - اور عاشقوں کا وہ حال جو سنتا ہے - اس کو اچھّا معلوم دے گا - اور وہ یہ تمنّا اس کی تلاش میں مستعد ہوگا - حتیٰ کہ طریق عشق کو اختیار کرے گا - بہت سے آدمی اور عورتیں ایسی ہیں - جنہوں نے صوفیوں کا سا لباس پہنا ہُوا ہے - اور اس کام میں مشغول ہو گئے - اور پھر بیہودہ اور فضول باتوں سے یہ عذر پیش کرتے ہیں - اور کہتے ہیں - کہ فلاں آدمی کو شور اور سودا ہو گیا ہے - اور وہ کسی کے عشق میں گرفتار ہو گیا ہے - اور کہتے ہیں - کہ یہ عشق خدا کا پھندا ہے - اور خدا نے اسے اپنی محبّت میں کھینچ لیا ہے - اور کہتے ہیں کہ اس کے دل کو نگاہ رکھنا اور اس بات کی کوشش کرنا کہ وہ اپنے معشوق کو دیکھے بڑی بات ہے - اور ہرزہ گوئی و خرافات اور قرمساقی کا نام ظریفی و نیکخوئی رکھتے ہیں - اور فسق و لواطت کو شور و سودا کہتے ہیں - اور یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا عذر اس طرح بیان کرتے ہیں - کہ فلاں پیر کی فلاں لونڈے سے محبّت تھی - اور ایسی باتیں ہمیشہ بزرگوں کو پیش آتی ہیں - اور یہ لواطت نہیں - یہ تو شاہد بازی ہے - اور معشوق کو دیکھنا غذائے روح ہے - اور اس قسم کی بیہودہ باتیں کرتے ہیں - تاکہ اپنی فضیحت کو اس بیہودگی سے چھپائیں - اور جو شخص اس امر کا اعتقاد نہ رکھے - یہ باتیں حرام اور فسق ہیں - اباحتی ہے - اور اس کا خون حلال ہے - اور وہ جو پیروں کے متعلق حکایت کرتے ہیں - کہ وہ لونڈوں کی طرف نظر کرتے تھے - اول تو یہ جھوٹ ہوگا - جو وہ اپنے عذر کے لئے بیان کرتے ہیں - اور اگر انہوں نے دیکھا بھی ہوگا تو وہ شہوت کی نظروں سے نہ ہوگا - بلکہ اس نظر سے دیکھا ہوگا - جیسے کوئی شخص سرخ سیب یا شگوفہ کی جانب نظر کرتا ہے - یا ممکن ہے - کہ پیر سے بھی خطا سرزد ہوئی ہو - کیونکہ تمام پیر معصوم نہیں ہیں - اگر کوئی پیر گناہ کرے تو پیر کے کرنے سے وہ گناہ مباح نہیں ہو جاتا - اللہ تبارک و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کا قصہ اس لئے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے - تاکہ تجھے یہ خیال نہ ہو - کہ کوئی شخص ان صغائر سے ایمن ہے - وہ بزرگ ہی کیوں نہ ہو - اور حضرت داؤد علیہ السلام کا توبہ کرنا بھی حق تعالیٰ نے اسی لئے بیان فرمایا ہے - تاکہ تو اس کو اپنے لئے دلیل تصور کرے - اور اپنے آپ کو گناہ سے بچائے - علاوہ ازیں ایک حصہ اور بھی ہے - لیکن وہ کچھ ایسا نادر نہیں - یعنی بعض لوگ ایسے ہیں - کہ ان کو ان حالتوں میں جو صوفیائے کرام پر ہوتی ہیں - کچھ اشیاء دکھائی دیتی ہیں - اور یہ ممکن ہے - کہ جواہرِ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیّبہ ایسی مثال میں ظاہر ہوں - اور یہ بھی ہو سکتا ہے - کہ وہ کشف آدمی کے حسن و جمال کی صورت میں نمایاں ہو - کیونکہ مثال کے لئے ضروری ہے - کہ وہ حقیقتِ معنیٰ کے موافق ہو - اس لئے

کہ معانی جو ہیں۔ تو وہ عالمِ ارواح ہیں۔ کیونکہ یہ معانی بھی کمال درجہ تک ہوتے ہیں۔ تو اس عالمِ صورت میں بھی اس کی مثال غایت کمال پر ہوتی ہے۔ عرب میں کوئی شخص بھی حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ خوبصورت و وجیہہ نہ تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام کے جمال کو ان کی صورت میں ملاحظہ فرماتے۔ پھر یہ ممکن ہے کہ کوئی شے امرد حسین کی صورت پر کشف ہو۔ اور وہ صورت اس چیز کی مثال ہو۔ اور صوفی کو اس سے لذّت حاصل ہو۔ اور جب وہ حالت صوفی پر نہ رہے۔ اور وہ حقیقت پھر اس سے حجاب میں ہو جائے۔ اور وہ پھر کسی ایسی صورت کو تلاش کرے۔ جو اس کی مثل ہو۔ اور جس کے دیکھنے سے پھر وہی حالتِ سابقہ اس پر طاری ہو۔ پس اس حالت کے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کسی حسین صورت کا دیکھنا ہوگا۔ اور جو شخص اس حقیقت سے خبردار ہوگا۔ وہ کسی بزرگ کو دیکھ کر اپنی حالت کو اس پر قیاس کرے گا۔ حالانکہ وہ اس دوسری صفت سے بالکل ناواقف ہوگا۔

حاصل کلام صوفیائے کرام کی راہ نہایت مشکل و پُرخطر ہے۔ اور نہایت پوشیدہ ہے۔ اور کسی شے میں اس قدر غلط فہمیاں اور اندیشہ نہیں۔ جتنا اس راہ میں ہے۔ اور یہ جو اس قدر بطریقِ اشارہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ محض اس لئے ہے کہ لوگ ان مقدس نفس انسانوں کو مظلوم خیال کریں۔ کیونکہ بعض لوگ انہیں بھی موجودہ ریاکار صوفیوں کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اور درحقیقت وہ شخص بھی مظلوم ہے۔ جو ان مقدس نفوس کے بارے میں ایسا خیال کرے۔ انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ اور ان نفوسِ قدسیہ کو دوسروں پر قیاس کیا ہے۔ پانچواں سبب یہ ہے۔ کہ عام لوگ جو سماع کو بطور عیش و عشرت کے سنتے ہیں۔ وہ مباح تو ہے۔ لیکن اسی شرط سے کہ اُسے پیشہ ہی نہ بنا لیا جائے۔ اور نہ ہی اس پر مداومت کریں۔ کیونکہ جس طرح بعض گناہ صغیرہ کثرت و تواتر سے کبیرہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض اشیاء ایسی ہیں۔ جو کبھی کبھی اور کم کم ہوں۔ تو مباح ہے۔ ورنہ حرام بن جاتی ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ زنگیوں نے مسجد میں کھیل کھیلا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا۔ اگر وہ مسجد کو بازی گاہ بنا لیتے۔ تو حضورؐ منع فرما دیتے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھنے سے منع نہ کیا۔ اگر کوئی شخص ہمیشہ ان کے ساتھ پھرا کرے۔ اور اسے اپنا پیشہ قرار دے لے۔ تو جائز نہ ہوگا۔ کبھی کبھی مزاح کرنا درست ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اسے عادت بنا لے۔ تو وہ مسخرہ ہو جائے گا۔ اور یہ درست نہیں۔

بابِ دوم سماع کے آثار و آداب

جاننا چاہئے کہ سماع کے تین مقام ہیں۔ اوّل اس کا سمجھنا۔ دوم وجد کرنا۔ سوم حرکت کرنا۔ اور پھر ہر ایک

میں کلام ہے۔ پہلا مقام سمجھنے کے متعلق ہے۔ جو شخص طبع یا غفلت یا کسی مخلوق کے خیال سے سماع سنے۔ وہ اس قدر خسیس ہے۔ کہ اس قابل نہیں کہ اس کے فہم و حال کے متعلق کچھ بات کہیں۔ اور جس شخص پر حق تعالےٰ اور دین کی محبت غالب ہو۔ اور اس کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ مرید کے لئے ہے۔ کیونکہ راہ سلوک میں تنگی و کشادگی۔ آسانی و دشواری اور دیگر مختلف حالات پیش آتے ہیں۔ اور اس لئے وہ مرید دل گرفتہ رہتا ہے اور جب وہ کوئی ایسی بات سنتا ہے جس میں عتاب و قبول۔ ہجر و وصل۔ قرب و بُعد۔ اُمید و یاس۔ خوف و رضا اور وفائے وعدہ اور عہد شادی و وصال و غم و فراق وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ یا اور قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔ تو وہ انہیں اپنی حالت پر قیاس کر لیتا ہے۔ اور جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے۔ وہ بھڑک اٹھتا ہے۔ اور اس کے باطن میں مختلف حالات کا ظہور ہوتا ہے اور مختلف خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کا قاعدہ علم اور اعتقاد درست و مضبوط نہ ہوگا۔ تو ممکن ہے۔ وہ سماع سے کسی ایسی حالت میں جا پڑے۔ جو کفر ہو۔ جیسے راگ سُن کر حق تعالےٰ کی نسبت کسی ایسی صفت کا خیال کرنا جو محال ہو مثلاً یہ شعر ؎ زاوّل بمنت میل بداں میل کجاست ٭ و امروز ملول گشتن از بہر چراست ٭ جس مرید کی اوّل نیز حالت رہی ہو۔ اور پھر ضعیف ہو گئی ہو۔ وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ کو اس کے ساتھ میل تھا۔ عنایت تھی۔ اور اب وہ عنایت نہیں۔ حق تعالیٰ کی شان میں ایسے تغیرات کا خیال کرنا کفر میں داخل ہے۔ بلکہ یہ جانے کہ حق تعالیٰ کی ذات بالکل تغیرات سے پاک ہے۔ کیونکہ وہ مغیّر ہے۔ متغیّر نہیں۔ بلکہ اس کو تو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ خود اس کی اپنی حالت بدل گئی ہے۔ اور جو اُمور اس پر ظاہر ہوئے تھے۔ وہ بہ سبب اس کے اپنے تغیّر حال کے تبدیل ہو گئے ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے حجاب و ملال نہیں۔ بلکہ اس کی راہ کشادہ ہے۔ اور اس کی درگاہ آفتاب کی طرح روشن ہے۔ لیکن وہ شخص جو دیوار کے پیچھے کھڑا ہوگا۔ وہ ضرور نورِ آفتاب سے محروم رہے گا۔ اور یہ خود اس کی اپنی ذات میں تغیّر ہوگا۔ نہ کہ آفتاب میں پس اسے یہ کہنا چاہیے ؎ خورشید بر آمدلے نگاریں دیر است ٭ بر بندہ اگر نہ تابد از ادبیر است ٭ چاہئے کہ حجاب کو اپنی ذات کے ساتھ نسبت دے۔ نہ کہ حق تعالیٰ کے ساتھ۔ اور اس مثال سے یہ غرض ہے۔ کہ جو نقص اور تغیرات ہوں۔ انہیں اپنی ذات کا نقص اور تغیر خیال کرے۔ اور جو کچھ جلال و جمالِ وجود کے متعلق ہے۔ اسے حق تعالیٰ سے نسبت دے۔ اگر تجھے یہ سرمایہ بہم نہ پہنچے گا۔ تو تو کفر میں مبتلا ہوگا۔ اور نہ سمجھے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کی دوستی میں سماع کے خطرات بہت ہیں۔

دوسری حالت وہ ہے۔ جو مریدوں کے درجہ سے گزر چکا ہو۔ اور احوال و مقامات کو عقب میں چھوڑ گیا ہو اور فنا کے درجہ پر پہنچ گیا ہو۔ جسے ماسوائے اللہ کے ساتھ نسبت دیں۔ تو نیستی کہتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے ساتھ نسبت دیں۔ تو یگانگی و وحدت کہتے ہیں۔ اور ایسے شخص کے لئے سماع بر سبیل فہم معنی کے نہیں ہوتا۔ بلکہ جب وہ سماع میں شریک ہوتا ہے۔ تو اس پر نیستی و یگانگت کی حالت تازہ ہوتی ہے۔ اور وہ کلّی طور پر اپنے سے غائب ہو جاتا

ہے۔ اور اس جہان سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو آگ میں بھی ڈال دیں۔ تو اسے خبر نہیں ہوتی جیسے کہ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ حالتِ وجد میں گنے کٹے ہوئے کھیت میں دوڑتے تھے۔ اور اس کی کھونٹیوں سے آپ کے پاؤں کٹ گئے۔ لیکن آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔ اس قسم کا سماع تکمیل سماع ہوتا ہے۔ لیکن مریدوں کا سماع صفاتِ بشریت سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اُسے بالکل اپنے آپ سے بے خبر کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ مصری عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے آپ کو فراموش کر ڈالا۔ اور حالت ذوق میں اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اس نیستی کا انکار نہ کرنا چاہئے۔ اور یہ نہ کہنا چاہئے۔ کہ میں تو اُسے دیکھتا ہوں۔ اور وہ نیست کیونکر ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ وُہ نہیں ہے۔ جسے تو دیکھتا ہے۔ کیونکہ یہ تو شخص ہے۔ جب وہ مر جاتا ہے۔ تب بھی وہ دیکھتا ہے۔ اور وہ نیست ہوتا ہے۔ پس اس کی حقیقت تو وہ معانی لطیف ہیں۔ جو محلِ معرفت میں ہے۔ جب تمام اشیا کی معرفت اس سے غائب ہو گئی۔ تو وہ تمام اس کے حق میں نیست ہو گئی۔ اور جب وہ اپنے سے بے خبر ہو گیا۔ تو اپنے حق میں نیست ہو گیا۔ اور جب سوائے حق تعالیٰ اور ذکرِ حق تعالیٰ کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ اور جو کچھ فانی تھا۔ وہ جاتا رہا۔ تو جس کو بقا تھی وہ رہ گیا۔ پس یگانگی کے یہ معنی ہیں۔ کہ سوائے حق تعالیٰ کے اور کسی شے کو نہ دیکھے۔ اور کہے کہ جو کچھ ہے وہی ہے میں نہیں ہوں۔ یا یہ کہے کہ میں خود ہی ہوں لیکن اس گروہ نے یہاں غلطی کی ہے۔ اور اس کو حلول کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور ایک گروہ نے ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ یہ امر ایسا ہے۔ کہ جیسے کسی شخص نے کبھی آئینہ نہ دیکھا ہو اور جب اس میں اپنی صورت دیکھے۔ تو یہ خیال کرے کہ وہ آئینہ میں نازل ہو گیا ہے۔ یا یہ خیال کرے۔ کہ وہ صورت ہی خود آئینہ ہے۔ کیونکہ آئینہ کی صفت یہ ہے۔ کہ وہ سرخ و سفید ہووے۔ اور اگر یہ خیال کرے۔ کہ وہ آئینہ میں آ گیا ہے۔ تو یہ بھی حلول میں داخل ہے۔ اور اگر یہ خیال کرے۔ کہ آئینہ خود اس کی صورت ہے۔ تو یہ اتحاد ہے۔ اور یہ دونوں گروہ غلطی پر ہوں گے۔ بلکہ ہرگز آئینہ اس کی صورت پر نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ آئینہ کی صورت پر ہوتا ہے۔ اور ایسی باتوں پر اس شخص کا اعتقاد ہوتا ہے۔ جو حقیقتِ کار سے بالکل ناواقف ہوتا ہے۔ اور اس امر میں بحث کرنا اس مختصر سی کتاب میں نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ ایک طویل بحث ہے۔ اس کی شرح ہم نے احیاء العلوم میں کر دی ہے۔ **مقامِ دوم**۔ جب فہم سے فارغ ہو گیا۔ تو حالت حال ظہور میں آتی ہے۔ جسے وجد کہتے ہیں۔ اور **وجد کے معنی** کسی بات کا پانا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ کسی ایسی حالت کا حاصل کرنا۔ جو اس سے پہلے حاصل نہ ہوئی ہو۔ اور اس حالت کے متعلق بہت سی بحث طلب باتیں ہیں۔ کہ اس حالت کی حقیقت کیا ہے۔ لیکن درست یہ ہے۔ کہ اس حالت کی ایک قسم نہیں۔ بلکہ یہ کئی اقسام پر منقسم ہے۔ اور دو جنس سے خالی نہیں۔ ایک حالتِ احوال اور دوسری مکاشفہ۔ احوال یہ ہوتا ہے۔ کہ ایک صفت اس پر غالب ہو جاتی ہے۔ اور اس کو مست بنا دیتی ہے۔ اور وہ صفت کبھی تو شوق کی صورت میں ظہور کرتی ہے۔ اور کبھی خوف کی شکل میں۔ اور کبھی آتش عشق کی صورت میں۔ اور

کبھی طلب اور کبھی اندوہ اور کبھی حسرت کی صورت میں ظہور کرتی ہے۔ اور اس کی بہت سی اقسام ہیں۔ جب یہ آتش غالب ہوتی ہے۔ تو اس کا دھوآں دماغ میں پہنچتا ہے۔ اور اس کے حواس پر غلبہ کر لیتا ہے۔ اور پھر وہ نہ دیکھتا ہے۔ نہ سنتا ہے۔ اور اگر دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ تو وہ اس سے مطلقاً غائب و غافل رہتا ہے۔ اور اس کی حالت ایک مست کی سی ہوتی ہے۔ **دوسری قسم** مکاشفات ہے۔ جس میں صوفیائے کی طرح بعض حقیقتیں نظر آنے لگتی ہیں بعض تو کسوت مثال میں ہوتی ہیں۔ اور بعض صاف و صریح۔ اور ایسی حالت میں سماع کا اثر اس لئے ہوتا ہے۔ کہ وہ دل کو صاف کرتا ہے۔ اور جیسے گرد آلود آئینہ کی گرد صاف کرنے سے چہرہ نظر آنے لگتا ہے۔ اس سماع سے دل کی صفائی ہو جاتی ہے۔ اور اس حقیقت کے متعلق جو کچھ عبارت میں بیان کیا جائیگا۔ وہ محض علم و قیاس ہوگا۔ اور اس حقیقت سے وہی آگاہ ہوگا۔ جو اس مقام تک پہنچا ہُوا ہوگا۔ اور ہر شخص اپنے مقام اور مرتبہ سے واقف ہوتا ہے۔ اگر دوسرے میں کچھ تصرف سے کام لیتا ہے تو اپنے مقام کی حیثیت کے مطابق کرتا ہے۔ اور جو کچھ قیاس سے ہے وہ علم سے ہے نہ کہ ذوق سے۔ وہ اس کو مان لیں انکار نہ کریں۔ کیونکہ انکار کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ وہ آدمی نہایت بیوقوف ہے۔ اگر وہ یہ خیال کرے۔ کہ جو چیز اس کے پاس ہی ہے۔ وہ بادشاہوں کے خزانہ میں بھی نہیں ہے۔ اور اس سے زیادہ وہ احمق ہے۔ کہ جو ایک تھوڑی سی پونجی کا مالک ہو کر اپنے آپ کو بادشاہ خیال کرے۔ اور اپنے آپ کو تمام مراتب میں پہنچا ہُوا سمجھے۔ اور یہ خیال کرے۔ کہ جو شے میرے قبضہ میں نہیں۔ سرے سے اس کا وجود ہی نہیں۔ اور اس قسم کے تمام انکاران دو اقسام کی حماقت سے پیدا ہوتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ بعض لوگ تکلّف سے وجد کرتے ہیں۔ اور وہ عین نفاق ہے۔ مگر وجد کے اسباب کو اپنے دل میں لانا چاہیئے شاید حقیقت وجد دل پر آشکارا ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ قرآن شریف سُن کر روؤ۔ اور اگر رونا نہ آئے۔ تو رونے کے لئے تکلّف کرو۔ اور اس کا یہی مطلب ہے۔ کہ تکلّف کر کے رنج و غم کے اسباب اپنے دل کے لئے مہیا کرو۔ شاید تکلف سے صفتِ غم ظہور میں آجائے۔ **سوال**۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے۔ کہ جب صوفیوں کا سماع حق و جائز ہے۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ وہ مجلسوں میں قرآن شریف پڑھنے والوں کو بلاتے اور ان سے قرآن شریف سنتے۔ نہ کہ قوالوں سے گانے سنیں۔ قرآن شریف حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اس کا سننا اَولیٰ تر ہے۔ **جواب** یہ ہے۔ کہ قرآن شریف کی آیتوں پر بہت سماع ہوتا ہے۔ اور بہت وجد پیدا ہوتا ہے۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو قرآن شریف سننے سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں۔ جنہوں نے قرآن شریف سنا اور جان دے دی۔ ان کی حکایات کا ذکر کرنا طول کلام ہے۔ احیاء العلوم میں مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔ صوفیا جو قرآن شریف کے عوض گانا سنتے ہیں۔ اس کے پانچ وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف کی تمام آیات عاشقوں کے حالات سے تعلق نہیں رکھتیں۔ کیونکہ قرآن شریف

میں کفّار کے قصے اور اکثر معاملاتِ دنیا کا ذکر ہے۔ اور دوسرے قرآن شریف تمام اقسامِ مخلوق کے لئے مشق ہے اور جب میراث کی آیتوں کو سنے گا۔ یا پڑھے گا۔ کہ ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ اور بہن کا نصف۔ اور یا یہ کہ جس عورت کا خاوند مر جائے۔ اُسے چار مہینہ دس دن عدت میں بیٹھنا چاہئے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ تو ان آیاتِ قرآنی سے ہر ایک کے عشق کی آگ تیز نہ ہوگی۔ اور ایسا عاشق نایاب کیمیاب ہے۔ جسے ہر شے پر وجد ہوتا ہو۔ اور ایک کیفیت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ لوگ عام طور پر قرآن شریف جانتے ہیں۔ اور پڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کو اکثر سنا ہوا ہو۔ دل کو کچھ اس سے آگاہی حاصل نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ جس کے ایک دفعہ سننے سے جو کیفیت اور حال پیدا ہوتا ہے۔ دوسری بار کے سننے سے وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اسی لئے قرآن شریف نیا نہیں ہوتا۔ اور گانا البتہ نو بہ نو ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب عرب تازہ تازہ نازل شدہ قرآن شریف سنتے۔ تو نہایت روتے۔ اور ان پر ایک کیفیتِ حال و وجد طاری ہو جاتی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یعنی ہماری حالت بھی تمہاری جیسی تھی۔ لیکن اب ہم خوگر ہو گئے ہیں۔ اور ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ جو شے نئی ہوتی ہے۔ اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاجیوں کو جلد اپنے اپنے شہروں میں واپس جانے کا حکم فرماتے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ زیادہ رہنے سے کعبہ کی عظمت ان کے دلوں میں کم ہو جائے گی۔ تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ بعض دل ایسے ہوتے ہیں۔ کہ وہ سوائے خوش آوازی اور الحانی کے حرکت میں نہیں آتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر بات پر وجد نہیں آتا بلکہ آواز پر حالتِ وجد پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں گانے کا الحان و آواز کچھ اور ہی اثر رکھتا ہے۔ اور قرآن شریف میں گانا اور الحان اور تصرف کرنا درست نہیں۔ اور قرآن شریف بلا الحان کے مجرد کلام رہ جائے گا۔ عشق کی آگ اگر زوروں پر ہوگی۔ تو اس سے بھڑک اُٹھے گی۔ چوتھی وجہ یہ ہے۔ کہ الحان کو اور آوازوں سے مدد پہنچانی چاہئے۔ جیسے نے۔ دف۔ طبل۔ شاہیں وغیرہ۔ اور یہ تمام اشیا ہزل میں داخل ہیں۔ اور قرآن شریف ہزل کا مقابل اور ضد ہے۔ اسے اس امر سے محفوظ رہنا چاہئے۔ اور ان ہزلیات کے ساتھ اُسے نہ پڑھنا چاہئے۔ جیسے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ربیع بنت معوذ کے گھر تشریف لے گئے ان کی کنیزیں دف بجا بجا کر گانے میں مشغول تھیں۔ جب انہوں نے حضور کو دیکھا۔ تو آپ کی تعریف میں اشعار دف کے ساتھ گانے لگیں۔ آپ نے انہیں منع فرمایا۔ اور فرمایا وہی گاؤ۔ جو پہلے گاتی تھیں۔ کیونکہ آپ کی ذات گرامی تھی۔ اور ہزلیات کے ساتھ آپ کی تعریف درست نہ تھی۔ پانچویں وجہ یہ ہے۔ کہ ہر شخص اپنی حالت کے مطابق اشعار پر خوش ہوتا ہے۔ اگر اس کی حالت کے خلاف ہوں۔ تو وہ ان سے نفرت کرتا ہے

اور بعض اوقات یہ بھی کہہ دیتا ہے۔ کہ یہ نہ کہو۔ یہ کہو۔ اور قرآن شریف کو ایسے محل و موقع پر نہ پڑھنا چاہئے کہ اس سے دوسرے کراہیت و نفرت کا اظہار کریں۔ اور ممکن ہے۔ کہ تمام آیات ہر ایک کے موافق نہ ہوں۔ اگر شعر اس کے حسب حال نہیں ہوتا۔ تو وہ اس کے معانی کو اپنی حالت کے مطابق کر لیتا ہے۔ اور شاعر کے خیال کا پابند نہیں رہتا۔ اور قرآن شریف کے لئے یہ امر جائز نہیں۔ مشائخین عظام نے جو قوالی کو اختیار کیا ہے۔ تو اس کی یہی وجوہات ہیں۔ اور ان تمام معنوں کا ماحصل دو اموری کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ایک سامع کے ضعف و نقص کی طرف۔ دوسری عظمتِ قرآن کی طرف۔ تاکہ خیال کو اس میں تصرف نہ ہو۔ تیسرا امفادِ سماع میں حرکت کرنا۔ اور کپڑے پھاڑنا ہے۔ جس شخص سے بلاقصد یہ باتیں ظہور میں آتی ہیں۔ وہ ماخوذ نہ ہوگا۔ اور جو قصداً کرے گا۔ کہ لوگ اسے صاحب حال خیال کرینگے۔ تو اس کا ایسا کرنا حرام میں داخل ہوگا۔ اور یہ عین نفاق ہے۔ حضرت ابو القاسم نصیر آبادی فرماتے ہیں۔ کہ سماع میں مشغول ہونا غیبت سے بہتر ہے۔ حضرت ابو عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ تیس سال غیبت کرنا بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ سماع میں مکر و فریب سے کام لے۔ وہ صوفی کامل ہوتا ہے۔ جو گانا سن کر ساکن رہتا ہے۔ اور اس کی حالت میں تغیر نہیں ہوتا۔ اس میں اپنے بچانے کی قوت ہوتی ہے۔ کیونکہ حرکت و آواز ضعفِ حالت کی دلیل ہے۔ لیکن یہ قوت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ممکن ہے اس کی یہی حقیقت ہو۔ اور اس کے یہی معنی ہوں۔ اور ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئے۔ کہ وہ اپنی حالت پر قابو رکھے۔ اور ظاہر نہ ہونے دے۔ ایک جوان حضرت جنید کی مجلس میں رہتا تھا۔ جب وہ گانا سنتا تو چیخ مارتا۔ آپ نے اُسے منع کیا۔ اور فرمایا۔ اگر تم نے ایسا ہی کرنا ہے۔ تو اس مجلس سے چلے جاؤ۔ آخر اس جوان نے صبر کرنا اختیار کیا۔ لیکن پھر بھی ایک دن اپنی حالت پر قبضہ نہ رکھ سکا۔ اور اس نے ایک چیخ لگائی۔ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور جان بحق ہو گیا۔ لیکن اگر کوئی شخص قصداً حالت ظاہر کرے۔ اور رقص کرنے لگے۔ یا تکلف سے اپنے آپ کو رونے کی طرف لائے۔ تو درست ہے۔ کیونکہ رقص مباح ہے۔ اس لئے کہ حبشی مسجد میں رقص کرتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں دیکھنے کے لئے تشریف لے گئیں۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ کہ میں تم سے ہوں۔ اور تم مجھ سے ہو۔ تو حضرت علیؓ نے رقص کیا۔ اور کئی بار عرب کی عادت کے مطابق پاؤں زمین پر مارا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ کہ تم صورت و سیرت میں میری طرح ہو۔ تو انہوں نے بھی خوشی سے رقص کیا۔ جو رقص کو حرام کہتا ہے۔ وہ غلطی پر ہے۔ بلکہ غایت درجہ اس کا بازی ہے۔ اور بازی بھی حرام نہیں۔ اور جو شخص اپنے دل کی حالت کو مضبوط کرنے کے لئے رقص کرتا ہے۔ تو یہ رقص نہایت بہتر و محمود ہے۔ لیکن کپڑوں کو قصداً نہ پھاڑنا چاہئے

کیونکہ یہ حال کے ضائع کرنے میں داخل ہے۔ ہاں اگر حالتِ غلبہ میں ہو۔ تو درست ہے۔

آدابِ سماع

سماع میں تین چیزوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ایک وقت کا۔ دوسرے مکان کا۔ تیسرے حاضرینِ مجلسِ سماع کا۔ کیونکہ نماز یا کھانے کے وقت میں یا کسی اور مشغولیت میں سماع بے فائدہ ہوگا۔ مکان کسی گزرگاہ میں ہو۔ یا کسی ظالم کا مکان ہو۔ تو ان سب صورتوں سے بھی سماع میں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ پریشانی لاحق ہوگی۔ اور اگر حاضرین سماع متکبر۔ دنیادار یا منکرانِ سماع ہوں۔ یا تکلف سے رقص کرنے والے یا غافل لوگ ہوں۔ یا خیالاتِ باطلہ کی بنا پر سماع سننے کے شائق ہوں۔ یا محفل کی عزت و عظمت نہ کرتے ہوں۔ یا عورتیں بھی اس سماع میں موجود ہوں۔ تو ایسا سماع بھی بالکل بے فائدہ ہوگا۔ اور حضرت جنیدؒ کا یہی مطلب تھا۔ کہ سماع میں زمان و مکان و اخوان شرط ہیں۔ اور ایسی جگہ حرام ہے۔ جہاں عورتیں بھی دیکھنے آئیں۔ اور حاضرین مجلس جوان اور اہل غفلت ہوں۔ کیونکہ ایسی حالت میں سماع آتش شہوت کو تیز کرے گا۔ اور کئی ایک قسم کے فسق و فجور کا باعث بنے گا۔ پس وہ لوگ جو سماع کی محفل میں بیٹھیں۔ انہیں چاہیئے۔ کہ مؤدبانہ طریق پر گردن جھکا کر بیٹھیں۔ اور ایک دوسرے کی جانب نہ دیکھیں۔ اور باتیں نہ کریں۔ اور تکلف سے کوئی حرکت عمل میں نہ لائیں بلکہ تشہد کی طرح ادب سے بیٹھیں۔ اور اپنے دل کو حق تعالیٰ کی طرف مشغول کریں۔ اور اپنے دل پر کسی حالت کے منکشف ہونے کے منتظر رہیں۔ اور اپنی جانب نگراں رہیں۔ تاکہ اپنی مرضی سے کھڑے نہ ہو جائیں۔ اور اگر ایک کی پگڑی گر پڑے۔ تو سب اپنی اپنی پگڑیاں اتار لیں۔ اور اگر ایک شخص کھڑا ہو جائے۔ تو سب اس کے لئے کھڑے ہو جائیں اگرچہ یہ تمام امور بدعت ہیں۔ اور صحابہ و تابعین سے منقول نہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر امر بدعت کو نہ کیا جائے۔ کیونکہ بہت سی بدعات نیک ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ نماز تراویح میں جماعت حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ اور یہ نیک بدعت ہے۔ وہ بدعت مذموم ہوتی ہے۔ جو شریعت و سنت کے خلاف ہو۔ لوگوں کے دلوں کو خوش کرنا شروع میں نیک اور احسن ہے۔ اور ہر ایک قوم کے لئے ایک نہ ایک عادت ہے اور اس کے اخلاق کی مخالفت بدخوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ ہر شخص کے ساتھ اس کی عادت اور خو کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اور جو لوگ موافقت سے خوش ہوتے ہیں۔ اور عدم موافقت سے ناخوش ہوتے ہیں۔ ان کی موافقت سنت ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور کی تعظیم کے لئے نہ اٹھتے کیونکہ حضورؐ کو اس سے کراہیت ہوتی تھی۔ لیکن جہاں کھڑے ہونے سے کسی کا دل خوش ہوتا ہو۔ وہاں اٹھ کر کھڑا

ہو جانا بہتر ہے۔ کیونکہ عرب وعجم کی عادات متفاوت ہیں۔

نویں اصل۔ امر معروف و نہی عن المنکر

امر معروف ونہی عن المنکر دین کے اصولوں میں سے ہے۔ اور تمام انبیا علیہم السلام اس اصل کی تقویت کے لئے مبعوث ہوئے۔ اس کے اٹھ جانے سے شریعت کے تمام احکام باطل ہو جائیں۔ اسے ہم تین ابواب میں ذکر کریں گے۔ باب اول۔ اس کے وجوب میں ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ امر معروف ونہی عن المنکر واجب ہے۔ اور اس کا تارک شرعی نکتہ خیال سے عاصی ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ تم میں سے ایک گروہ کا یہ کام ہونا چاہیئے۔ کہ وہ لوگوں کو خیر کی جانب بلائیں۔ اور اچھے کاموں کا حکم دیں۔ اور برے کاموں سے منع کریں۔ اس آیت سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن فرض کفایہ ہے۔ اور کچھ لوگ اس کے مستعد کار ہو جائیں۔ تو یہی کافی ہے۔ اور اگر کوئی بھی نہ ہو۔ تو تمام خلق عاصی ہے۔ حق تعالیٰ نے امر معروف ونہی عن المنکر کو نماز و زکوٰۃ کے احکام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کے ساتھ دینداروں کی تعریف کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ امر معروف کیا کرو۔ ورنہ تم سے بدتر مخلوق تم پر حاکم بنا دی جائے گی۔ اور اس زمانہ میں تم میں سے بہتر اشخاص کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔ جناب صدیقؓ فرماتے ہیں۔ کہ جس قوم میں گناہ سرزد ہوتا ہے۔ اور لوگ باز نہیں آتے۔ تو حق تعالیٰ تمام قوم کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ فرمایا جہاد کے مقابلہ میں تمہارے نیک کام دریا کے مقابلہ میں قطرہ کی مانند ہیں حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کسی شخص کے سامنے گناہ کیا جائے۔ اور وہ اس سے خفا ہو۔ تو وہ ایسا ہے جیسے اس کے سامنے گناہ ہوا ہی نہیں۔ اور اگر وہ اس گناہ سے راضی ہے۔ تو وہ ایسا ہے۔ جیسے خود اس میں شامل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابہؓ تھے۔ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل فرما تھے۔ اور جو لوگ ان کے بعد پیدا ہوئے۔ وہ منبروں پر تو اچھی باتیں کرتے تھے۔ لیکن تنہائی میں اُن کے اعمال برے تھے۔ ہر مسلمان کو ایسے لوگوں سے جہاد کرنا چاہیئے۔ اگر ہاتھ سے نہ کر سکیں۔ تو زبان ہی سے کریں۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل ہی سے کریں۔ کیونکہ اس سے کم میں ایمانداری نہیں۔ حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حکم دیا۔ کہ فلاں بستی کو الٹ دے۔ اس نے عرض کیا۔ کہ وہاں ایک ایسا آدمی ہے۔ جس نے کبھی ایک لمحہ میں بھی گناہ نہیں کیا حق تعالیٰ نے فرمایا۔ جلد الٹ دے۔ کیونکہ وہ لوگوں کے گناہ دیکھ کر کبھی ترش رو نہیں ہوا۔ حضرت عائشہؓ سے مروی

ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے ایک ایسی بستی پر عذاب نازل کیا۔ جہاں اٹھارہ ہزار آدمی ایسے بستے تھے۔ جن کے اعمال پیغمبروں کی طرح تھے۔ لوگوں نے پوچھا حق تعالیٰ نے اس پر کیوں عذاب کیا فرمایا کہ اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کے لئے دوسروں سے بازپرس نہ کرتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ تمام شہیدوں میں سے کون افضل ہے فرمایا وہ جو بادشاہ سے احتساب کرے۔ اور اس میں مارا جائے۔ حدیث شریف میں ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔ کہ میں تیری قوم سے ایک لاکھ آدمی ہلاک کروں گا۔ جن میں ساٹھ ہزار نیک اور چالیس ہزار بُرے ہوں گے۔ عرض کیا۔ کہ حق تعالیٰ نیکوں کو کیوں ہلاک کرے گا۔ فرمایا کہ اس لئے کہ انہوں نے بُروں سے بازپُرس نہ کی۔ اور ان سے پرہیز نہ کیا۔

دوسرا باب شرائطِ احتساب

جاننا چاہئے کہ احتساب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس لئے احتساب کے شرائط اور اس کے علم کا جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ جس فرض کی شرائط معلوم نہ ہوں۔ اس کا بجالانا ناممکن ہے۔ احتساب کے چار ارکان ہیں۔ رکن اول محتسب ہے۔ دوسرا رکن وہ ہے۔ جس پر احتساب ہو۔ تیسرا رکن وہ امر ہے۔ جس میں احتساب ہو۔ چوتھا رکن کشفِ احتساب ہے۔

رکن اوّل محتسب اس کی شرط یہ ہے۔ کہ مسلمان مکلّف ہو۔ کیونکہ احتساب کرنا دین کا حق ادا کرنا ہے پس دیندار محتسب ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس امر میں علما کا اختلاف ہے۔ کہ محتسب کے لئے عدالت اور بادشاہ کی اجازت شرط ہے۔ میرے نزدیک شرط نہیں۔ کہ عدالت و پارسائی کس طرح شرط ہوگی۔ کیونکہ اگر وہی شخص احتساب کرے۔ جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ تو احتساب ہرگز ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ بے گناہ شخص کوئی نہیں۔ حضرت سعیدؓ بن جبیر فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہم احتساب اس صورت میں کریں جبکہ گناہ کیا ہی نہ ہو۔ تو ہم کو احتساب کی شکل بھی نظر نہ آئے۔ حضرت حسنؓ بصری فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا ہے۔ کہ آدمی اس وقت تک احتساب نہ کرے۔ جب تک کہ اپنے آپ کو پاک نہ کرے۔ آپ نے فرمایا۔ شیطان نے اس کو گمراہ کیا ہے۔ کہ احتساب کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ تحقیق یہ ہے۔ کہ احتساب دو طریق پر ہے ایک تو نصیحت و وعظ کے طریق پر۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص خود کوئی کام کرے۔ اور دوسرے کو نصیحت کرے

اور یہ سوائے مزاح کے کچھ بھی نہیں - اور بالکل بے اثر ہے - بلکہ اس سے گنہگاری لازم آئے گی - کیونکہ ایسے آدمی کے احتساب سے وعظ کی رونق اور شرع کی بزرگی لوگوں کے دلوں میں کم ہو جائے گی - اس لئے ایسے لوگوں کا وعظ جو ظاہر میں فسق کرتے ہیں - نقصان دہ ہوتا ہے - اور وہ عالم عاصی ہوتے ہیں - حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات ایک گروہ کو دیکھا جس کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے تھے - آپ فرماتے ہیں - میں نے دریافت کیا - یہ کون لوگ ہیں ؟ تو جواب ملا - یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو کسی نیکی کے لئے کہتے تھے - اور خود عمل نہ کرتے تھے - حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حق تعالیٰ نے وحی کی - کہ اے ابن مریم ! پہلے اپنے آپ کو نصیحت کر - اگر خود اس پر عامل ہو - تو دوسروں کو نصیحت کر - ورنہ مجھ سے شرم کر - دوسرا طریق احتساب کا یہ ہے - کہ طاقت اور زور سے کیا جائے - جیسے شراب کو دیکھے تو بہا دے - اور چنگ و رباب کو دیکھے - تو توڑ ڈالے - اگر کوئی فساد کی نیت کرے - تو طاقت سے اُسے روک دے - اور ایسا احتساب فاسق کے لئے جائز بلکہ واجب ہے - کیونکہ ہر شخص کے لئے دو امر واجب ہیں - ایک تو یہ کہ خود بُرے کام سے بچے - دوسرے کسی اور کو بھی نہ کرنے دے - اور اگر ایک بات پر عمل کرنے سے قاصر رہا - تو دوسرے پر عمل کرنے سے قاصر رہنا کس طرح جائز ہے ؟ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے - کہ ایک شخص خود تو ریشمی لباس پہنے اور شراب نوش کرے اور بعدہٗ دوسرے کو منع کرنے کا کیا حق رکھتا ہے ؟ جواب اس کا یہ ہے - کہ بُرا کام اور ہے - اور باطل کام اور ہے - اور یہ امر اس لئے بُرا ہے - کہ اس نے ضروری کام کو ترک کیا - کچھ اس لئے بُرا نہیں - کہ یہ امر فی نفسہٖ نہ کرنا چاہیئے - جیسے اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور نماز نہ پڑھے - تو یہ فعل اس لئے بُرا خیال کیا گیا - کہ اس نے ایک ضروری فعل کو ترک کر دیا - نہ اس لئے کہ روزہ رکھنا فعل باطل ہے - لیکن نماز ایک اہم شے ہے - اور اسی طرح خود عمل بھی دوسرے کو حکم کرنے سے اہم اور ضروری ہے - لیکن دونوں واجب ہیں - ایک دوسرے سے مشروط نہیں - اگر شرط ہوتی - تو یہ مضمون پیدا ہو جاتا - کہ کسی کو شراب سے منع کرنا اس ایسے پر واجب ہے - کہ جب آدمی خود شرابی نہ ہو - اگر اس نے خود شراب پی لی - تو یہ وجوب ساقط ہو گیا - اور یہ امر محال ہے - دوسری شرط - بادشاہ کا اجازت دینا یا احتساب کے لئے فرمان لکھ دینا شرط نہیں - کیونکہ اگلے بادشاہوں پر بھی احتساب کرنے سے باز نہ رہتے تھے - اگر اس کے متعلق لکھا جائے تو ایک داستان طویل بن جائے - اور اس مسئلہ کی حقیقت احتساب کے مدارج معلوم ہونے سے ہو سکتی ہے - اور اس کے چار درجے ہیں - پہلا درجہ نصیحت کرنا - اور حق تعالیٰ سے ڈرانا ہے - اور یہ ہر مسلمان کے لئے واجب ہے - اس میں فرمان کی حاجت نہیں بلکہ زبردست عبادت ہے - بادشاہ کو خدا سے ڈراتا اور اس سے احتساب کرنا نہایت کارِ ثواب ہے - دوسرا درجہ بد زبانی ہے جیسے یہ کہنا کہ اے ظالم اے فاسق - اے احمق - اے جاہل - کیا تجھے خوف خدا نہیں - جو تو ایسے کام کرتا ہے -

یہ باتیں فاسق کے حق میں جائز ہیں۔ اور جائز باتوں میں فرمان کی کیا ضرورت ہے۔ تیسرا درجہ شراب پھینک دینا اور رباب توڑ ڈالنا ہے۔ اور ریشمی پگڑی کسی کے سر سے اتار ڈالنی۔ اور یہ کام عبادت کی طرح واجب ہے اور جو پہلے باب میں ہم لکھ چکے ہیں۔ کہ شرع نے ہر مسلمان کو بلا اجازت بادشاہ ان امور کا اختیار دے رکھا ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ تنبیہ اور مارپیٹ سے کام لے۔ اور اس سے ممکن ہے۔ کہ فاسق مقابلہ کا ارادہ کرے۔ اس صورت میں اسے بھی مدد کی ضرورت ہو گی۔ اگر بادشاہ نے اجازت نہ دی ہو گی۔ تو اس احتساب سے نہایت شر وفتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس قسم کا احتساب بادشاہ کی اجازت کے بغیر نہ ہونا چاہیئے۔ اور احتساب کے مدارج بدلنے پر متعجب نہ ہونا چاہیئے۔ لڑکے کو چاہیئے۔ اگر اپنے باپ سے احتساب کرے تو نہایت نرمی سے کرے۔ احمق و جاہل وغیرہ کہکر باپ کا دل آزردہ کرنا درست نہیں۔ اور اگرچہ وہ کافر ہو۔ اس کا مارنا تب بھی درست نہیں۔ اور اگر بیٹا جلاد ہو۔ تو تب بھی اس کے لئے باپ پر حدِّ شرع جاری کرنا جائز نہیں۔ اگر ہو سکے تو اولی یہ ہے۔ کہ شراب وغیرہ پھینک دے۔ اور اس سے ریشمی کپڑے چھین لے۔ اور ان چیزوں کو تباہ کر ڈالے۔ جو اس نے حرام سے پیدا کی ہوں۔ یا ان کے اصل مالک کو پہنچا دے۔ اور چاندی کے کوزہ کو توڑ ڈالے۔ اور اگر دیوار پر کوئی شکل بنائی ہو۔ تو اس کو مٹا دے۔ اور علی ہذا القیاس اس قسم کی چیزوں کو ضائع کر ڈالے۔ اور واجب یہی ہے کہ ان تمام اشیا کو ضائع کر دے۔ اگرچہ باپ خفا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا جائز و واجب ہے۔ اور باپ کا غصہ باطل ہے۔ اور گالیاں دینا۔ یا مارنا نفسِ پدر میں تصرف کرنا نہیں۔ اور یہ ممکن ہے۔ کہ کوئی شخص کہے۔ کہ اگر باپ بہت خفا ہو۔ تو ایسا نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب باپ خفا ہو۔ تو خاموش ہو جائے اور وعظ کرنا بند کر دے۔ اور جاننا چاہیئے۔ کہ غلام کو مالک اور عورت کو شوہر اور رعیت کو بادشاہ پر احتساب کرنا درست ہے۔ جیسے کہ بیٹے کو باپ پر احتساب واجب ہے۔ کیونکہ ان تمام کے حقوق مؤکد ہیں۔ اور شاگردوں کا محاسبہ استاد کے لئے نہایت آسان ہے۔ کیونکہ یہ حرمت دین کی رُو سے ہے۔ بلکہ شاگردوں کے لئے اس علم پر عمل کرنا محال نہ ہو۔ جو انہوں نے استاد سے سیکھا ہے۔ اور جو عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا۔ وہ اپنی حرمت کو گھٹاتا ہے۔

رکن دوم وہ شے ہے۔ جس میں احتساب ہو پس جو کام بُرا ہو۔ اور موجود ہو۔ اور محتسب بلا تلاش اس کو پالے اور اس کی بُرائیاں یقیناً اس کو معلوم ہوں۔ تو اس کے لئے جائز ہے۔ کہ وہ اس میں محاسبہ کرے۔ اور اس کی چار شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے۔ کہ وہ کام بُرا ہو تو گناہ نہ ہو۔ یا گناہ صغیرہ ہو مثلاً کسی دیوانے کو یا کسی لڑکے کو کسی جانور کے ساتھ مجامعت کرتے ہوئے دیکھے۔ تو منع کرے۔ حالانکہ یہ گناہ نہیں۔ کیونکہ دونوں مکلف نہیں۔ لیکن یہ فعل فی نفسہٖ شرعی نکتۂ خیال سے بد ہے۔ یا کسی دیوانے کو شراب نوشی کرتے ہوئے دیکھے۔ اور اگر کسی لڑکے کو کسی کا مال

ضائع کرتے ہوئے دیکھے - تو منع کر دے - اور جو کام گناہ ہو - اگرچہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو - اس میں احتساب کرنا واجب ہے - مثلاً حمام میں شرمگاہ کھولنا - اور عورتوں کو دکھانا - اور خلوت میں اُن کے ساتھ کھڑے ہونا - یا سونے کی انگوٹھی اور ریشمی کپڑے پہننا - یا چاندی کے برتن میں پانی پینا - ایسے تمام گناہ صغیرہ میں احتساب لازم ہے - دوسری شرط یہ ہے کہ گناہ موجود ہو - اگر کوئی شخص شراب پی چکا ہو - تو اس کے بعد وعظ و نصیحت سے اسے دکھ دینا درست نہیں - اور شرعی حد لگانا شاہِ اسلام یا حاکم اسلام کا کام ہے - اور اسی طرح اگر کوئی شخص شراب پینے کا ارادہ کرے - تو اُسے ستائے نہیں - بلکہ نصیحت کرے - شاید وہ باز رہے - اور اگر وہ باز رہنے کا وعدہ کرے - تو اس پر بدگمانی نہ کرے - اگر کوئی شخص کسی عورت کے پاس تنہائی میں بیٹھا ہو - تو جمیت سے پیشتر احتساب کرنا درست ہے - کیونکہ ایسی خلوت معصیت ہے - اگر کوئی شخص حمام کے دروازہ پر کھڑا ہو کر عورتوں کو دیکھے - تو اس پر احتساب کرنا درست ہے - کیونکہ اس طرح کھڑے ہونا گناہ ہے - اگر کوئی فاسق کسی شے کو ڈھانپ کرے جا رہا ہو اور وہ حقیقت میں شراب ہی کیوں نہ ہو - تو اسے یہ کہنا کہ کپڑا اٹھاؤ - کہ میں دیکھوں - درست نہیں - کیونکہ یہ تجسّس ہے - ہاں اگر اسے شراب کی بُو آ رہی ہو - تو اسے پھینک دینا اس پر واجب ہے - اگر کوئی شخص بربط لیئے جا رہا ہو - اور وہ کپڑے میں پوشیدہ ہو - لیکن کپڑا باریک ہو - اور وہ نظر آ رہا ہو - تو اس بربط کا توڑ ڈالنا درست ہے - اور اگر یہ سمجھ سکے کہ یہ کوئی اور شے ہے - تو انجان بن جائے - حضرت فاروق اعظمؓ کا مشہور قصہ ہے - کہ آپ سانہ کی آواز سن کر ایک کوٹھے میں اُتر آئے - دیکھا کہ ایک آدمی عورت کے ساتھ بیٹھا شراب خوری کر رہا ہے - ہم نے اس قصہ کو حقوق صحبت میں درج کیا ہے - جناب فاروقؓ نے منبر پر بیٹھ کر مشورہ کیا - کہ ایسے شخص کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو - جسے حاکم بچشم خود بُرائی کرتے ہوئے دیکھے کہ آیا اُس کو حد لگانا درست ہے کہ نہیں - بعض نے کہا درست ہے - جناب علی مرتضیٰؓ نے فرمایا - کہ حق تعالیٰ نے حد لگانے کو دو گواہانِ عادل پر موقوف کیا ہے - ایک شخص کا دیکھنا کافی نہیں - تو گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دانست میں حاکم کا علم عمل درست نہیں - بلکہ اُسے چھپانا واجب ہے - چوتھی شرط یہ ہے - کہ حقیقت میں اس کام کا بُرا ہونا معلوم ہو - گمان و اجتہاد کا دخل نہ ہو - پس اگر حنفی بلا ولی نکاح کر دے یا اس کا نفقہ[1] لے لے - یا اس قسم کے اور اعمال پر عمل کرے تو شافعی المذہب کے لئے جائز نہیں - کہ اس پر اعتراض کرے اگر شافعی المذہب بلا ولی نکاح کر دے - یا نبیذ (شیرہ) خرما کا پیئے - تو اسے منع کرنا درست ہے - کیونکہ امام کی مخالفت کسی کے نزدیک درست نہیں - بعض کے نزدیک احتساب انہی امور میں جائز ہے - جن کی حرمت بالاتفاق ثابت ہو - اجتہاد کے باعث سے نہ ہو - یہ کہنا درست نہیں - کیونکہ اس امر پر بھی متفق ہیں - کہ جو کوئی اجتہاد یا امام کے خلاف کام کرے گا - وہ عاصی ہوگا - تو درحقیقت یہ حرام ہے - اور جو شخص قبلہ کے بارہ میں اجتہاد کرے کہ اس جانب ہے اور اس طرف پشت کرکے نماز پڑھے - وہ عاصی ہوگا - اگرچہ دوسرا آدمی اسے کارِ راہِ صواب ہی پر کیوں نہ خیال کرے

[1] فارسی نسخہ میں شفعہ لکھا ہے - نامی

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ جس امام کا چاہے مذہب اختیار کرے۔ یہ لغو اور بیہودہ بات ہے۔ بلکہ ہر شخص کو اپنے ظن کے مطابق کام کرنا چاہئے۔ اگر اس کا ظن ہے کہ حضرت امام شافعیؒ افضل ہیں۔ تو سوائے خواہش نفسانی کے ان کی مخالفت کا اور کوئی عذر نہ ہوگا۔ لیکن مبتدع جو حق تعالیٰ کے جسم کا قائل ہے۔ اور قرآن شریف کو مخلوق مانتا ہے اور حق تعالیٰ کے دیدار کا منکر ہے۔ اور اس قسم کی بیہودہ باتیں کرتا ہے۔ اس پر احتساب کرنا لازم ہے۔ اگرچہ مالکی وحنفی پر احتساب نہ کریں لیکن بدعتی یقیناً خطا پر ہے۔ اور مسائل فقہ میں خطا نفسی نہیں لیکن بدعتی پر ایسے مقام میں احتساب کریں۔ جہاں ان کی تعداد کم ہو۔ اور اہل سنت کی زیادہ ہو۔ اور اگر ایسی حالت ہو کہ تم ان پر احتساب کرو تو وہ تم پر احتساب کریں۔ اور ایک فتنہ کی صورت بن جائے۔ تو ایسا احتساب بلا اجازت بادشاہ کے نہ کرنا چاہیے۔

تیسرا رکن وہ شخص ہے جس پر احتساب کیا جائے۔ اس کی شرط یہ ہے۔ کہ اس کا فعل مکلف ہو۔ تاکہ اسے گناہ کہا جا سکے۔ اور اس کی عزت و بزرگی احتساب کی مانع ہو۔ جیسے کہ باپ کی بزرگی مانع ہے۔ کہ بیٹا اس کو تنبیہ و تادیب کرے۔ لیکن محتسب دیوانے اور لڑکے کو منع کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس منع کرنے کو احتساب نہ کہیں گے۔ اگر کسی جانور کو کسی مسلمان کا اناج کھاتے دیکھیں۔ تو اسے مسلمان کے مال کی حفاظت کی غرض سے ہنکاریں گے۔ لیکن یہ واجب نہیں ہے۔ اس لئے اگر منع کرنے میں کوئی نقصان نہ ہو۔ تو اسلامی رشتہ خیال اور حقوق کی رُو سے یہ واجب ہے۔ جیسے کسی مسلمان کا مال ضائع ہو رہا ہو۔ اور وہ اس کا گواہ ہے۔ اور راستہ بعید نہیں۔ تو حق مسلمانی کی خاطر اس کی گواہی دینا واجب ہے۔ اگر کوئی ذی ہوش و عاقل کسی کا مال ضائع کرے۔ تو یہ ظلم اور گناہ ہے۔ اگرچہ اس میں تکلیف ہے لیکن احتساب واجب ہے۔ کیونکہ فسق سے باز آنا یا کسی کو گناہ سے منع کرنا بلا تکلیف ممکن نہیں۔ اگر کوئی ایسی تکلیف ہو۔ جسے برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو۔ اور احتساب سے غرض شعارِ اسلام کا ظاہر کرنا ہو تو اس میں رنج و تکلیف کا برداشت کرنا واجب ہے مثلاً اگر کہیں اس کثرت سے شراب ہے کہ اُسے پھینکتے پھینکتے تھک جائے گا۔ تو اسے پھینکنا واجب ہے۔ اور اگر کسی کے اناج کو بہت سی بکریاں کھا رہی ہوں۔ اور ان کے ہانکنے میں ماندہ ہو جانے کا یا وقت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی محنت کرنا واجب نہیں۔ اور اسے دوسروں کے حق کی حفاظت اپنے حق کی طرح کرنی چاہئے جیسے اوروں کا حفاظت اور وقت اس کا حق ہے۔ تو کسی کے مال کے بدلہ میں اس کا ضائع کر دینا واجب نہیں لیکن دین کی خاطر وقت ضائع کرنا اور گناہ سے روکنا واجب ہے۔ اور احتساب کے لئے سب قسم کی تکلیف اٹھانا واجب نہیں بلکہ اس کی بھی کچھ تفصیل ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اگر عاجز ہے۔ تو معذور ہے۔ فقط دل سے انکار کر دینا واجب ہے۔ اور اگر عاجز نہیں۔ اور جانتا ہے کہ مجھ کو ماریں گے۔ اور میرے کہنے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تو اس کی چار صورتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ وہ ماریں گے اور گناہ سے محترز نہ رہیں گے۔ تو ایسی صورت میں احتساب واجب نہیں۔ بلکہ مباح ہے

اگر مار دھاڑ پر صابر رہے گا۔ تو ثواب پائیگا۔ حدیث شریف میں ہے۔ اس سے افضل کوئی شہید نہیں۔ جو بادشاہ کو اختساب کرتا ہُوا مارا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ احتساب کرنے میں کسی قسم کا خوف و خطر نہ ہو۔ تو ایسی حالت میں اگر احتساب نہ کرے گا۔ تو گنہگار ہوگا۔ تیسری صورت یہ کہ لوگ گناہ بھی نہیں چھوڑتے۔ اور اسے بھی نہیں مار سکتے۔ تو ایسی حالت میں زبان سے احتساب کرنا شرعاً واجب ہے۔ چوتھی یہ ہے کہ گناہ کو مٹا سکتا ہو۔ لیکن اسے مارتے پیٹتے ہوں۔ ایسی حالت میں احتساب واجب نہیں۔ مگر احتساب کرنے میں اگر ظلم و ستم برداشت کرے۔ تو افضل ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔" اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو"۔ تو حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ کے راستہ میں مال صرف کریں۔ تاکہ ہلاک نہ ہوں۔ حضرت براء بن العازب فرماتے ہیں۔ کہ ہلاکت میں ڈالنا یہ ہے۔ کہ آدمی گناہ کرے۔ اور یہ کہے کہ حق تعالیٰ میری توبہ نہ قبول کرے گا۔ حضرت ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ گناہ کے بعد نیکی نہ کرے۔ تو یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے۔ غرضیکہ ایک مسلمان اکیلا کافروں کی صف پر حملہ آور ہو۔ اور یہاں تک ان سے لڑے کہ مارا جائے تو اگرچہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے لیکن خالی از فائدہ نہیں ممکن ہے۔ وہ بھی کسی کو مار سکے۔ اور اس کے اس فعل سے کافر شکستہ دل ہو جائیں۔ اور ہر مسلمان کو ایسا ہی بہادر اور جری خیال کرنے لگیں۔ تو یہ امر بھی ثواب میں داخل ہے۔ لیکن اندھے اور اپاہج کے لئے کافروں کی صف پر حملہ کرنا درست نہیں۔ اور اگر احتساب کرنے سے جان جانے کا خطرہ ہو۔ اور کسی فائدہ کے مترتب ہونے کی امید نہ ہو۔ تو ایسی حالت میں احتساب نہ کرنا چاہئے کیونکہ بے فائدہ نقصان اُٹھانے سے کچھ حاصل نہیں۔ اور اس بارہ میں دو اشکال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا یہ فعل بدگمانی و بزدلی سے ہو۔ دوسرے یہ کہ مار سے خوف نہ کھاتا ہو۔ لیکن خویش و اقارب کے رنج سے ڈرتا ہو۔ اگر مار ظن غالب ہے۔ تو معذور ہے۔ اگر فقط احتمال ہے۔ تو معذور نہ ہوگا۔ کیونکہ احتمال ہمیشہ رہا کرتا ہے۔ اگر شک ہی ہو۔ تو یقیناً احتساب واجب ہے۔ اور شک سے وجوب نہ جاتا رہے گا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ جہاں سلامتی کا ظن غالب ہو۔ وہاں پر احتساب واجب ہے۔ دوسری اشکال کا بیان یہ ہے۔ کہ احتساب کرنے میں محتسب کے عزیزوں یا مال و جان یا شاگردوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ تو اس کی بہت سی اقسام ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے علیحدہ احکام ہیں۔ اگر اپنے حق کے لئے ڈرتا ہے۔ تو اس کی دو اقسام ہیں۔ ایک تو یہ ہے۔ کہ آئندہ کسی چیز کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً اُستاد پر احتساب کرے گا۔ تو وہ تعلیم نہ دے گا۔ یا طبیب علاج میں بے پروائی کریگا یا اگر کوئی کام ہوگا تو مدد نہ کرے گا۔ ایسی تمام باتیں احتساب سے باز نہیں رکھ سکتیں۔ کیونکہ ان میں کچھ اندیشۂ نقصان نہیں۔ صرف آئندہ کے فائدوں کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن اگر بالفعل مدد کا محتاج ہے۔ ایسے آپ تو خود بیمار ہے اور طبیب نے دشمنی کا لباس پہن رکھا ہے۔ اگر احتساب کرتا ہے۔ تو وہ اس کی خبر نہیں لے گا۔ یا کوئی شخص اس کے

نفقہ کا کفیل ہے۔ اور احتساب کرنے سے نفقہ کے موقوف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو یہ ایسی حالتیں ہیں۔ کہ اس معذوری کو مدنظر رکھ کر ہم اجازت دیں۔ کیونکہ یہ اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان نقصانات کی مقدار احوال سے مختلف ہوگی۔ اور اس بات کا تعلق اسی کے اجتہاد سے ہے۔ چاہیئے کہ دین کا خیال کرتے ہوئے بلا مجبوری احتساب سے باز نہ رہے۔ دوسری قسم یہ ہے۔ کہ حصولہ چیز کے جاتے رہنے کا خطرہ ہو۔ جیسے مال حاصل شدہ چھن جائے گا۔ یا مکان گرا دیں گے۔ یا جسم کو تکلیف دیں گے۔ اسے بے عزت کریں گے۔ تو وہ ان تمام باتوں میں معذور سمجھا جائیگا۔ لیکن اگر کسی بات کا خوف ہے۔ جو مروّت میں خلل انداز نہ ہو۔ لیکن شان وشوکت کو نقصان پہنچائے۔ تو ایسے امور میں معذرت قابل پذیرائی نہ ہوگی۔ کیونکہ شرع میں ایسے امور کی مروت نازیبا ہے۔ صرف حفظ مروّت شرع میں مطلوب ہے۔ اور اگر غیبت کرنے یا گالی دینے یا عداوت رکھنے کا خوف ہو۔ تو یہ باتیں ہرگز ہرگز عذر نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ یہ امر ہر محتسب کے لئے لابدی ہے۔ اور اگر یہ اندیشہ ہو۔ کہ غیبت بھی کریں گے۔ اور گناہوں میں بھی ترقی ہوگی۔ تو ایسی باتوں سے احتساب کو موقوف رکھنا درست نہیں۔ اور اگر احتساب کرنے میں اپنی تکلیف نہ ہو۔ لیکن رشتہ داروں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو۔ تو احتساب درست نہیں۔ کیونکہ اپنے حق میں صبر کرنا اور ہے اوروں کے حق میں صبر کرنا جائز نہیں۔

چوتھا رکن کیفیت احتساب

جاننا چاہیئے۔ کہ احتساب کے آٹھ مدارج ہیں۔ پہلے[۱] حالت کا جاننا۔ اور اس شخص کو برائی پہنچوانا۔ پھر نصیحت[۳] کرنا۔ پھر سخت[۴] کلامی کرنا۔ پھر ہاتھ سے بُرے امور[۵] سے روکنا۔ پھر زخمی کرنے[۶] کی دھمکی دینا۔ پھر[۷] مارنا۔ پھر ہتھیار[۸] چلانے کی دھمکی دینا۔ اور مددگاروں کو بلانا۔

پہلا درجہ احوال کو جاننا ہے محتسب کو پہلے حقیقت سے خبردار ہونا چاہیئے۔ محتسب کے لئے تجسّس کرنا درست نہیں۔ اور چھپ کر کسی کے عیوب کو ٹٹولنا یا ہمسایوں سے دریافت کرنا روا نہیں۔ اگر کسی شخص نے دامن میں کسی بُری شے کو چھپا لیا ہو۔ تو ہاتھ سے ٹٹولنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر بلا تجسّس ساز کی آوازوں سنے یا شراب کی بُو سونگھے۔ تو احتساب واجب ہے۔ اگر دو گواہ خبر دیں۔ تو مان لے۔ اور دو عادل آدمیوں کے کہنے سے حقِ ملکیت کا ابطال نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں۔ کہ لقمان علیہ السّلام کی انگوٹھی پر یہ کھدا ہوا تھا۔ کہ ظاہری برائی کا پوشیدہ کرنا گمان کی ہوئی بات کے رسوا کرنے سے افضل ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے۔ کہ اس کام کی برائی بیان کرے۔ کہ شاید کوئی شخص ایسا کام کرتا ہو۔ جس کی برائی سے وہ بے خبر ہے۔ جیسے کوئی گنوار نماز پڑھتا ہے لیکن رکوع وسجود پورے طور پر ادا نہیں کرتا۔ یا اس کے جوتا میں نجاست لگی ہے۔ اگر وہ ایسی نجاست کو جانتا۔ تو اس طرح نماز نہ پڑھتا۔ اور سکھانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ نہایت

نرمی سے تعلیم دے۔ تاکہ وہ بُرا نہ منائے۔ کیونکہ کسی مسلمان کو بلاوجہ خفا نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جب تو کسی کو کچھ سکھاتا ہے۔ تو درحقیقت اسے نادان بناتا ہے۔ اور یہ زخم بلامرہم نہیں سہا جا سکتا۔ اور مرہم یہ ہے۔ کہ تو عذر کرے اور کہے کہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے سیکھ کر پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو شخص نہیں جانتا۔ اس کے ماں باپ اور استاد کی غلطی ہے۔ شاید تمہارے ہمسایہ میں کوئی عالم نہیں۔ جو تمہیں سکھائے۔ غرضیکہ اس قسم کی باتوں سے اسے خوش کرے۔ تیسرا درجہ یہ ہے۔ کہ پندونصیحت نرمی سے کرنی چاہیئے۔ کیونکہ کرنے والے کو خود اس کے حرام ہونے کا پتہ ہے۔ بیان کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ نرمی یہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص غیبت کرے۔ تو ایسا کہے کہ ایسا کون شخص ہے۔ جو عیوب سے پاک ہے۔ تو اپنے عیوب پر نظر کرنا اَولیٰ ہے۔ یا غیبت کی سزائے اخروی کا بیان پڑھ کر سنائے۔ اور اس مقام پر ایک نہایت زبردست آفت ہے جس سے بچنا ممکن نہیں۔ مگر جسے حق تعالیٰ توفیق دے۔ اس لئے کہ نصیحت کرنے میں نفس کی دو بزرگیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک اس میں اپنے علم و بزرگی کا اظہار ہے۔ دوسرے حکومت و فوقیت کا ظاہر کرنا ہے۔ اور یہ دونو باتیں محبت جاہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور آدمی کا مقتضائے طبیعت یہی ہے۔ کہ وہ اکثر سمجھتا ہے۔ کہ میں شریعت کا تابع ہوں لیکن حقیقت میں وہ محبت و جاہ کا بندہ ہے۔ اور یہ گناہ اس دوسرے شخص کے بڑے فعل سے بھی بدتر ہے۔ تو ایسی صورت میں اپنے دل میں خیال کرے۔ کہ اگر خودبخود یا دوسرے کی نصیحت کے سبب سے اس شخص کے تائب ہونے کو اپنی نصیحت کی بدولت توبہ کرنے سے زیادہ دوست رکھے۔ اور نصیحت کرنے سے کراہیت رکھے۔ تو ایسے شخص کے لئے نصیحت کرنا زیبا ہے۔ اور اگر اس بات کو پسند کرتا ہے۔ کہ وہ میرے نصیحت کرنے سے توبہ کرے۔ تو اسے خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اس نصیحت سے اس کو اپنی جانب بلاتا ہے۔ خدا کی جانب نہیں بلاتا۔ حضرت داؤد طائیؒ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ آپ اس شخص کے حق میں کیا کہتے ہیں۔ جو بادشاہ کے پاس جا کر احتساب کرے آپ نے فرمایا۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ اُسے کوڑے لگائے جائیں۔ اگر اس کو کوڑے کھانے کی طاقت ہے۔ تو مجھے ڈر ہے۔ کہ اسے قتل کر ڈالیں۔ اور اگر جان دینے کی بھی قوت اس میں موجود ہے۔ تو مجھے ڈر ہے۔ کہ وہ ایک زبردست بلا میں گرفتار نہ ہو جائے۔ اور وہ خود پسندی ہے۔ چوتھا درجہ سختی سے احتساب کرنا ہے۔ اور اس میں دو ادب ہیں۔ ایک یہ کہ جب تک نرمی سے کام نکلتا ہو۔ سختی نہ کرے۔ دوسرا ادب یہ ہے۔ کہ زبان کو فحش سے بچائے۔ اور جو کچھ کہے سچ کہے۔ مثلاً ظالم۔ فاسق۔ جاہل۔ احمق وغیرہ سے زیادہ الفاظ استعمال نہ کرے کیونکہ گناہ کرنے والا شخص احمق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ دانا وہ ہے جو اپنا احتساب کرے اور موت کی راہ دیکھے۔ اور احمق وہ ہے۔ جو خواہشات نفس کی پیروی کرے۔ اور اس پر مغرور ہو۔ اور خیال کرے۔ کہ حق تعالیٰ مجھ سے درگزر کرے گا۔ اور سخت گوئی اس وقت مفید ہے۔ جبکہ اس کے مفید ہونے کا خیال ہو

اور جب نہ ہو۔ تو ترش رُو ہو کر اس کی جانب سے منہ پھیر لے۔ اور حقارت کی نظر سے دیکھے۔ پانچواں درجہ ہاتھ سے بُرے کام کو بدل دینا۔ اور اس میں دو ادب ہیں۔ ایک تو حتی الامکان اسے بدل دینے کو کہے یعنی ریشمی لباس بدل ڈال۔ اور غیر کی زمین سے باہر نکل جا۔ اور شراب کو پھینک دے۔ اور جنابت کی حالت میں مسجد کے نزدیک نہ جا۔ دوسرا ادب یہ ہے۔ کہ اگر زبان سے کفایت نہ کرے۔ تو ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکال دے۔ اور اس میں ادب یہ ہے۔ کہ تھوڑے کام ہی پر اکتفا کرے یعنی اگر ہاتھ سے پکڑ کر نکال سکتا ہے۔ تو داڑھی نہ پکڑے۔ اور ٹانگ سے پکڑ کر نہ گھسیٹے۔ اور اگر ساز کو توڑنا چاہتا ہے۔ تو اسے ریزہ ریزہ نہ کرے۔ اور ریشمی کپڑے کو آہستگی سے اتارے تاکہ پھٹنے نہ پائے۔ اور شراب پھینک سکتا ہے۔ تو برتن کو نہ توڑے۔ اگر اس کے قبضہ میں نہیں ہے تو پتھر مار کر توڑ ڈالنا درست ہے۔ اور اس کا تاوان لازم نہ ہوگا۔ اگر قرابہ کا منہ تنگ ہے۔ اور جب تک وہ اس میں سے شراب کو نکال کر ضائع کرے۔ وہ اسے ماریں گے۔ تو اسے فوراً توڑ کر چلا آئے۔ ابتدا میں جب شراب حرام ہوئی تو ان تمام برتنوں کو بھی توڑ ڈالنے کا حکم ہوا جن میں شراب رکھی جاتی تھی۔ بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ بعض علما کے نزدیک وہ برتن خاص شراب کے لئے تھے۔ اب بلا عذر توڑ ڈالنا درست نہیں۔ اگر کوئی شخص بلا عذر توڑے گا تو اس پر تاوان لازم ہوگا۔

چھٹا درجہ تہدید اور ڈرانا ہے۔ اگر آہستگی سے کام نہ نکلے۔ تو یہ کہنا درست ہے۔ کہ اگر تم شراب نہ پھینکو گے تو تمہارا سر توڑ دیا جائے گا۔ یا تم ذلیل کئے جاؤ گے۔ اور ایسا کہنے کے لئے بھی دو ادب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی ایسی شے کی تہدید نہ کرے۔ جو درست نہیں۔ مثلاً کپڑے پھاڑنے کو نہ کہے۔ اور یہ بھی نہ کہے کہ تیرا گھر کھود ڈالا جائے گا۔ یا تیرے اہل وعیال کو ستایا جائے گا۔ دوسرا ادب یہ ہے۔ کہ تہدید میں وہی بات کہے۔ جس پر عمل ممکن ہے۔ گردن مارنا۔ یا سولی وغیرہ دینے کو نہ کہے۔ اور اگر مبالغہ سے غرض اس کے دل پر خوف پیدا کرنا ہو۔ تو درست ہے۔ ساتواں درجہ لکڑی اور ہاتھوں سے مارنا ہے۔ اور یہ بوقت حاجت بقدر حاجت درست ہے۔ اور حاجت سے مراد یہ ہے۔ کہ آدمی بعد مار کھانے گناہ سے باز نہ رہے۔ لیکن اگر گناہ کو چھوڑ دے۔ تو مارنا درست نہیں۔ کیونکہ گناہ کی تعزیر اور سزا دینے کو حدّ اور تعزیر کہتے ہیں۔ اور یہ حق بادشاہ کو حاصل ہے۔ اور اس میں ادب یہ ہے۔ کہ جب تک ہاتھ سے مارنا کفایت کرے۔ تو لکڑی سے نہ مارے۔ اور منہ پر مارنا درست نہیں۔ یہ کافی نہ ہو تو تلوار کھینچ کر ڈرائے۔ اگر کسی شخص نے کسی عورت کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہوں۔ اور وہ بلا تلوار نکالے باز نہ آئے۔ تو ایسی حالت میں تلوار سے ڈرانا درست ہے۔ اگر محتسب اور اس شخص کے درمیان ندی بہتی ہو۔ تو کمان میں تیر جوڑ کر کہے۔ کہ اگر تو باز نہ آئے گا۔ تو تجھ پر تیر چھوڑوں گا۔ اور اگر باز نہ آئے۔ تو تیر مار دے۔ لیکن ران اور پنڈلی پہ لگائے۔ نازک جگہ پر نہ لگائے۔ آٹھواں درجہ۔ اگر محتسب اکیلا کافی نہ ہو۔ تو لوگوں

کو اکٹھا کرے - اور لڑے - اور فاسق بھی لوگوں کو جمع کرے - اور مقابلہ کی نوبت آجائے - تو بلا اجازت بادشاہ ہنگامہ آرائی نہ کرے - کیونکہ اس سے فتنہ و فساد پیدا ہوگا - بعض عالموں کے نزدیک جس طرح بلا اجازتِ بادشاہ کافروں سے جہاد کرنا درست ہے - فاسقوں کے ساتھ بھی جنگ جائز ہے - کیونکہ اگر محتسب مارا جائے گا - تو درجۂ شہادت پر فائز المرام ہوگا -

آداب محتسب

جاننا چاہیئے - کہ محتسب کے لیے تین خصلتیں ضروری ہیں - علم زہد اور حُسنِ خلق - کیونکہ بلا علم بُرے بھلے کام میں تمیز نہ کر سکے گا - اگر زہد نہ ہوگا - تو اس کا ہر کام خواہش نفسانی کی بنا پر ہوگا - اور اگر حُسن خلق نہ ہوگا - تو جب اسے ایذا پہنچے گی - غصہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کو بھول جائے گا - اور حد سے قدم بڑھائے گا - اور ہر بات نفسانیت کی بنا پر کریگا - اور ایسی حالت میں احتساب معصیت کا سبب ہوگا - ایک دفعہ کا ذکر ہے - کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ نے ایک کافر کو دے مارا - تاکہ اسے قتل کرے - اس کافر نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا - آپ نے اسے چھوڑ دیا - اور فرمایا - کہ میں ڈر گیا کہ اب میرا اس کو قتل کرنا حق تعالیٰ کے لیے نہ ہوگا - بلکہ نفسانیت کی بنا پر ہوگا - حضرت فاروقِ اعظمؓ ایک دفعہ ایک کافر کو درّے لگا رہے تھے - اس نے آپ کو گالی دی - آپ نے درّے لگانے موقوف کر دیئے - لوگوں نے چھوڑ دینے کی وجہ پوچھی - آپ نے فرمایا - اب تک تو میں اسے حق تعالیٰ کے لیے مار رہا تھا - اور اگر اب ماروں گا - تو یہ غصہ کی وجہ سے ہوگا -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں - کہ محتسب کے لئے ضروری ہے - کہ وہ جس بارہ میں احتساب کرے - اس میں پورا پورا عالم ہو - اور اس میں حلیمی اور نرمی بھی ہو - حضرت حسن بصری فرماتے ہیں - کہ جب تک خود عمل نہ کرو - لوگوں کو نہ کہو - لیکن یہ امر ادب میں داخل ہے شرط نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ جب تک ہم خود عمل نہ کر لیں - کیا دوسروں کو امر معروف اور نہی عن المنکر بھی نہ کریں - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - کہ ایسا نہیں - اگرچہ تم پورے طور پر عمل نہ کر سکو - لیکن احتساب ترک نہ کرو -

آداب احتساب میں محتسب کا صابر رہنا بھی آیا ہے - کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے - کہ جو شخص رنج و مصیبت میں صبر نہ کرے گا - وہ احتساب بھی نہ کر سکے گا - اور آداب میں سے ایک ضروری بات یہ بھی ہے - کہ محتسب کم علائق و کم طمع ہو - کیونکہ طمع سے احتساب باطل ہوگا - ایک شیخ تھے - وہ قصاب سے بلی کیلئے چھیچھڑے لیا کرتے تھے - ایک دن انہوں نے قصاب کی ایک بری حرکت دیکھی - سب سے پہلے گھر آکر بلی کو نکال دیا - اور بعد میں اس قصاب پر احتساب کیا - قصاب نے کہا - دیکھیں کیا آپ مجھ سے چھیچھڑے نہ لو گے - آپ نے کہا - میں

پہلے بلی کو نکال کر احتساب کرنے لگا ہوں۔ جو شخص لوگوں کو راضی رکھنا چاہے۔ وہ احتساب نہیں کر سکتا۔ حضرت کعب الاحبارؓ نے حضرت ابو مسلم خراسانی سے دریافت کیا۔ کہ تمہاری قوم میں تمہاری کیا حالت ہے۔ کہا اچھا حال ہے۔ انہوں نے کہا۔ توریت میں لکھا ہے۔ جو شخص محتسب ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم میں ذلیل و خوار رہتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ توریت نے سچ کہا ہے۔ اور ابو مسلم جھوٹ کہتا ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ احتساب کی اصل یہ ہے۔ کہ محتسب گناہ گار کے ساتھ دلسوزی رکھے۔ اور اسے بہ نظر شفقت دیکھے۔ اور اپنے فرزندوں کی طرح اسے منع کرے۔ ایک محتسب نے خلیفہ ماموں سے سختی کے ساتھ احتساب کیا۔ خلیفہ ماموں نے کہا۔ اے جوانمرد حق تعالیٰ نے تجھ سے زیادہ بہتر آدمی کو مجھ سے بدتر آدمی کے پاس بھیج کر حکم دیا ہے کہ اس سے بملاطفت پیش آوے یعنی حضرت موسیٰ و ہارون کو فرعون کے پاس بھیجا۔ اور کہا فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا یعنی فرعون کو نرمی سے بات کہنا۔ شاید وہ مان لے۔ بلکہ اس امر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہیئے ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت ہو صحابہ اس کی گستاخی پر جھلائے اور اسے مارنے کو دوڑے۔ حضورؐ نے منع فرمایا۔ اور فرمایا۔ کہ اسے ذرا بیٹھنے دو۔ حضورؐ نے اس کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور فرمایا۔ اے جوان کیا تو یہ پسند کرتا ہے۔ کہ کوئی شخص تیری ماں کے ساتھ ایسا فعل شنیع کرے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اور لوگ بھی اس بات کو اچھا نہیں جانتے۔ پھر آپ نے پوچھا۔ کیا تو پسند کرتا ہے۔ کہ کوئی تیری بیٹی کے ساتھ یہ فعل کرے۔ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اور لوگ بھی اس امر کو پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کیا تو اچھا سمجھتا ہے۔ کہ کوئی شخص تیری بہن کے ساتھ ایسا فعل کرے۔ اس نے کہا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اور لوگ بھی اسے جائز نہیں سمجھتے۔ پھر آپ نے اسی طرح پھوپھی اور خالہ کے بارہ میں سوال کیا۔ اس نے اسی طرح انکار کیا۔ پھر حضرت رحمۃ للعٰلمین نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ اور کہا۔ کہ اے بار خدایا۔ اس کے سینہ اور دل کو پاک کر دے۔ اور اس کی شرمگاہ کو بچا۔ اور اس کا گناہ بخش دے۔ آخر وہ جوان آپ کی خدمت سے رخصت ہوا۔ اور تمام عمر اس نے زنا سے زیادہ کسی دوسری شے کو برا نہ جانا۔

لوگوں نے حضرت فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ سفیان عیینہ بادشاہ سے خلعت لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان کا حق بیت المال میں زیادہ ہے۔ پھر حضرت فضیلؒ نے تنہائی میں ان پر غصہ کیا۔ اور ملامت فرمائی سفیان نے عرض کیا۔ اگرچہ میں صالح نہیں ہوں لیکن مجھے صالحین سے الفت ضرور ہے۔

ایک شخص نے ایک عورت کو پکڑا ہوا تھا۔ اور چھری نکالی ہوئی تھی۔ کسی شخص کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ کہ اس کے نزدیک جائے۔ اور وہ عورت اس جوان کے تشدد سے چلا رہی تھی۔ جناب حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اس کے قریب کھڑے ہو گئے۔ اور کندھے سے کندھا ملا دیا۔ وہ بے ہوش کر گر پڑا۔ اور اس کے بدن سے پسینہ جاری ہو گیا

اورعورت اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔جب اُسے ہوش آیا۔تو لوگوں نے اس سے کیفیت پوچھی۔اس نے کہا مجھے اس قدر معلوم ہے۔کہ ایک شخص نے میرے پاس آکر اپنا بدن میرے بدن سے ملاکر کہا۔کہ حق تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے۔اور کہاں ہے۔اس کے اس کہنے سے میرے دل پر ایک ایسی ہیبت چھاگئی۔کہ میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔لوگوں نے کہا۔وہ تو جناب بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔اس نے کہا۔اب اس ندامت کے ہوتے ہوئے ان کی زیارت کیسے کروں۔اسی وقت اس شخص کو بخار چڑھ گیا۔اور ہفتہ میں مر گیا۔

تیسرا باب اُن منکرات کے بارہ میں جو عادتاً غالب ہیں

جاننا چاہیئے کہ جہان منکرات سے بھرا ہوا ہے۔لوگ اس کی اصلاح سے نا اُمید ہو چکے ہیں۔اس لئے کہ وہ سب پر قادر نہیں۔اور جن باتوں پر قادر ہیں۔ان کی طرف بھی راغب نہیں۔یہ تو دینداروں کی حالت ہے۔اور جو اہل غفلت ہیں۔وہ خود ایسی باتوں سے راضی ہیں۔اور جس چیز پر تم قادر ہو۔اس میں خاموش رہنا درست نہیں۔اور ہم ان منکرات کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔کیونکہ علیحدہ علیحدہ ان کا ذکر کرنا ممکن نہیں اور یہ منکرات بعض تو مسجدوں میں ہیں۔بعض بازاروں میں۔اور راستوں حماموں اور گھروں میں۔

منکراتِ مساجد یہ ہیں

کوئی شخص نماز پڑھے اور رکوع وسجود اچھی طرح نہ کرے۔یا قرآن پڑھنے میں راگ جیسی آواز بنائے یا مؤذن لوگ اذان کو الحان سے زیادہ بڑھا دیں۔کیونکہ اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔اور حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہتے وقت قبلہ کی طرف سے اپنے تمام بدن کو پھیر لیں۔اور یہ کہ خطیب نے سیاہ ریشمی لباس پہنا ہوا ہو اور سنہری تلوار لٹکائے ہوئے ہو۔کیونکہ یہ افعال حرام ہیں۔اور یہ کہ لوگ مسجد میں ہنگامہ آرائی کریں یا قصہ گوئی کریں اور شعر پڑھیں یا تعویذ وغیرہ فروخت کریں۔یا لڑکوں اور دیوانوں کا مسجد میں داخل ہونا اور شور کرنا اور اہل مسجد کا ان سے تکلیف اٹھانا۔لیکن وہ لڑکا جو خاموش ہو اور دیوانہ جو نقصان نہ پہنچائے اور مسجد کو آلودہ نہ کرے۔اس کو مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت نہیں۔اگر کوئی لڑکا مسجد میں گاہ گاہ کھیلے۔تو اسے منع کرنا واجب نہیں۔کیونکہ زنگی مدینہ منورہ کی مسجد میں گتکہ بازی کرتے تھے۔اور جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تماشا دیکھا۔لیکن مسجد کو بازی گاہ ٹھہرانے سے منع کرنا چاہیئے۔اگر کوئی شخص خیاطی یا کتابت کرے۔اور اس سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔تو جائز ہے۔لیکن ہمیشہ کے لیے مسجد کو دکان بنانا مکروہ ہے۔اور جس کام سے غلبہ ظاہر ہو۔تو مسجد میں نہ کرے یعنی مسجد میں حکمرانی کرنی۔اور قبالہ نویسی نہ کرے۔لیکن گاہ گاہ ہو تو کچھ حرج نہیں

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی مسجد میں حکمرانی فرمائی ہے۔ لیکن حکمرانی کے لئے جلوس نہ فرماتے تھے۔ اور دھوبی کو مسجد میں کپڑے دھونا اور رنگریز کو کپڑے رنگنے منع ہیں۔ اور جو لوگ مسجد میں قصہ خوانی کریں۔ انہیں نکال دینا چاہیئے۔ کیونکہ سلف کا عمل ایسا ہی رہا ہے۔ اور مسجد میں اپنے آپ کو بنانا سنوارنا۔ اور مسجع عبادت بولنا یا گانا وغیرہ منع ہے۔ گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ مسجد کے باہر بھی ان افعال سے باز رہنا چاہیئے۔ اور واعظ بھی ایسا ہونا چاہیئے۔ جس کا ظاہر صلاحیت سے آراستہ ہو۔ اور دینداروں کا لباس پہنے ہو۔ اور جوان عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر بیٹھنا کسی حالت میں درست نہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا۔ حالانکہ حضور کے عہد میں عورتیں مسجد میں آیا کرتی تھیں۔ جناب عائشہ نے فرمایا۔ اگر حضورؐ اس زمانہ کا حال دیکھ لیتے۔ تو عورتوں کو کبھی بھی مسجد میں نہ آنے دیتے۔ اور منجملہ ان کے مسجد میں کچہری لگانا۔ یا حساب کتاب چکانا وغیرہ بھی منکرات میں داخل ہے۔ اور مسجد کی حرمت و عزت کے خلاف ہے۔

منکراتِ بازار

یہ ہیں۔ کہ خریدار سے جھوٹ کہے۔ اور مال کا عیب پوشیدہ رکھے۔ اور باٹ ترازو و گز وغیرہ کو درست نہ رکھیں۔ اور مال میں لوگوں سے فریب کریں۔ یا عید کے دن راگ کے ساز اور لڑکوں کے لیے حیوانات کی تصویریں فروخت کریں۔ یا لکڑی کی تلوار و ڈھال بیچیں۔ یا رفو کیا ہوا اور دھویا ہوا پرانا کپڑا نیا کر کے فروخت کریں۔ اور اسی طرح دوسری چیزیں جن میں دھوکا کیا جائے ممنوع ہے۔ یا سونے چاندی کی انگیٹھی یا کوزہ و دوات وغیرہ فروخت کریں۔ ان میں سے بعض اشیا حرام ہیں۔ اور بعض مکروہ۔ لیکن حیوانات کی صورت بنانا وغیرہ حرام ہے اور جو چیزیں نوروز کے دن مثلاً لکڑی کی تلوار اور ڈھال وغیرہ فروخت کی جاتی ہیں۔ یہ فی نفسہ حرام نہیں لیکن چونکہ آتش پرستوں کے شعار کا اظہار ہے۔ اس لئے حرام ہے۔ اور اس لئے کہ وہ شریعت کے خلاف ہیں۔ اور جو چیز ان دنوں کے لئے بنائی جائے۔ وہ درست نہیں۔ بلکہ نوروز کے لئے بازار کی آرائش اور مٹھائی وغیرہ بنانا اور تکلفات اچھا نہیں۔ کیونکہ نوروز اور سدہ کو مٹانا چاہیئے۔ تاکہ کوئی ان کا نام نہ لے۔ بعض علمائے متقدمین کے نزدیک اس دن مسلمانوں کو روزہ رکھنا چاہیئے۔ تاکہ وہ مٹھائی وغیرہ نہ کھا سکے۔ اور سدہ کی رات کو چراغ بھی نہ جلانا چاہیئے۔ تاکہ اصلاً آگ نہ دیکھے۔ بعض محققین نے کہا ہے۔ کہ اس دن روزہ رکھنا بھی اسی دن کو یاد کرنا ہے۔ بلکہ اس دن کو اور دنوں کی طرح بھلا دینا چاہیئے۔ علی ہذا القیاس۔ سدہ[۱] کی رات بھی۔ تاکہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

۱؎ سدہ بہمن کے دسویں دن کا نام ہے۔ اس روز پارسی لوگ عید کرتے ہیں۔ اور یکم فروردین کو عید نوروز (مترجم ناظمی)

منکراتِ شاہراہ

یہ ہیں۔ کہ راستہ میں ستون گاڑدیں۔ اور دُکان بنائیں۔ چنانچہ راستہ تنگ ہوجائے۔ اور درخت لگائیں۔ اور عمارت کا چھجا نکالیں۔ اور جو سوار وہاں سے گزرے۔ اس کو ٹکر لگے۔ یا جانور باندھیں۔ اور اس کی وجہ سے راستہ بند ہوجائے۔ یہ سب باتیں درست نہیں۔ مگر حاجت اور ضرورت کے مطابق درست ہیں۔ جیسے کہ بوجھ اتار کر فوراً گھر رکھوادیں۔ اور کانٹوں سے لدے ہوئے گدھے تنگ گلی کوچوں میں نہ لائیں۔ مگر ایسی میں جب کہ ایک راستہ کے سوا دوسرا راستہ نہ ہو۔ اس وقت حاجت کی وجہ سے درست ہے۔ اور جانور کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ لادنا چاہیئے۔ اور قصاب کو چاہیئے کہ وہ راستہ میں بکرا ذبح نہ کرے۔ تاکہ لوگوں کے کپڑے خراب نہ ہوں اور بازار میں خربزہ کے چھلکے پھینکنا۔ یا اس قدر پانی پھینکنا جس سے کیچڑ ہوجائے۔ اور لوگ پھسل جائیں۔ درست نہیں۔ اور جو شخص راہ میں برف پھینکے۔ یا اس کے مکان کا پانی راہ میں گرے۔ تو اسے راستہ کو صاف کروانا چاہیئے۔ اور جہاں سب لوگوں کی موریاں بہتی ہوں۔ وہاں سب کو اُن کی طرف خیال کرنا چاہیئے۔ اور حاکم کو چاہیئے کہ لوگوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرے۔ اور اگر کسی کے مکان کے دروازہ پر ایسا کُتا ہو۔ جس سے لوگوں کو خوف و خطرہ ہو۔ تو بھی نہ چاہیئے۔ اور اگر کُتے سے سوائے راستہ کے نجس کرنے کے اور کوئی تکلیف نہ ہو۔ تو منع نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے بچاؤ ناممکن ہے۔ اور اگر کُتا راستہ میں سوجائے اور اس کی وجہ سے راستہ تنگ ہوجائے۔ تو یہ امر بھی نہ چاہیئے۔ اور کُتے کے مالک کو بھی کُتا لے کر سرراہ بیٹھنا یا سونا نہ چاہیئے۔

منکراتِ حمام

یہ ہیں۔ کہ ستر عورت کو ناف سے زانو تک پوشیدہ نہ رکھے۔ یا ان کو کسی آدمی کی موجودگی میں مالش کی غرض سے برہنہ کرے۔ بلکہ لنگی کے اندر ہاتھ ڈال کر بھی ان کو پکڑنا منع ہے۔ کیونکہ چھونا دیکھنے کے برابر ہوتا ہے۔ حیوانات کی تصویر دروازہ حمام پر بنانا منع ہے۔ اور ان کو مٹانا یا خود وہاں سے باہر نکل آنا واجب ہے۔ امام شافعیؒ کے مذہب میں نجس ہاتھ اور ناپاک برتن کو تھوڑے سے پانی میں ڈالنا منکرات میں داخل ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک درست ہے۔ مالکی مذہب پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔ اور زیادہ پانی بہانا بھی منکرات میں شامل ہے جس کا ذکر طہارت کے بیان میں کردیا گیا ہے۔

منکراتِ مہمانی

ریشمی فرش اور چاندی کی انگیٹھی اور چاندی کے گلاب پاش و عطردان وغیرہ اور تصویردار پردے - یہ سب منکرات مہمانی ہیں۔ تکیہ وغیرہ پر تصویر ہو - تو کچھ ڈر نہیں - انگیٹھی جس کی شکل جانور وغیرہ کی ہو - وہ بھی ہے جوان عورتوں کا گانا جہاں مرد و عورتیں اکٹھے ہوں - قابل محاسبہ ہے - کیونکہ اس سے بہت فساد پیدا ہوتا ہے اگر منع کرنے کی توفیق نہ ہو - تو خود وہاں سے باہر چلا آئے - حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ایک دفعہ ایک محفل میں چاندی کی سرمہ دانی دیکھی - تو واپس تشریف لے گئے - جس محفل میں کوئی ریشمی کپڑے یا چاندی وغیرہ کی انگوٹھی پہنے ہو - تو وہاں نہ بیٹھنا چاہیئے - جس طرح مسلمانوں پر شراب حرام ہے - اسی طرح یہ زیور بھی حرام ہے - اور خرابی یہ ہے - کہ اگر عادت ہو جائے گی - تو جوانی کے بعد بھی یہی عالم رہے گا - اگر نادان و نابالغ لڑکا ریشمی لباس پہنے ہوئے ہو - اور اس کی حرمت سے ناواقف ہو - تو مکروہ ہے - جس محفل میں کوئی مسخرہ ہو جو جھوٹ بول بول کر لوگوں کو ہنساتا ہو - تو اس محفل میں بھی نہ بیٹھنا چاہیئے - منکرات کی تفصیل طویل ہے - جب اس قدر معلوم ہو جائے - تو مدرسہ خانقاہ اور محکمہ و دربار شاہی وغیرہ منکرات کو بھی انہیں پر قیاس کرنا چاہیئے - واللہ اعلم بالصواب

اصل دہم - رعیّت کی نگہبانی و حکمرانی

جاننا چاہیئے کہ بادشاہی ایک نہایت زبردست کام ہے - اور زمین پر حق تعالٰی کی خلافت ہے - اور جب یہ عدل و انصاف سے خالی ہو جائے - تو پھر یہ شیطان کی خلافت ہے - کیونکہ والیٔ ملک کے ظلم سے بڑھ کر اور کسی فساد کا دنیا میں اثر نہیں - اور حکمرانی کی اصل علم و عمل ہے - اور حکمرانی کا علم دراز ہے - لیکن ان علوم کا عنوان یہ ہے - کہ حکمران کو یہ جاننا چاہیئے - کہ حق تعالٰی نے اسے دنیا میں کیوں بھیجا ہے - اور کس لئے بھیجا ہے اور اس کی قرارگاہ کونسی ہے - دنیا تو اس کی منزل گاہ ہے - نہ کہ قرارگاہ - اور وہ ایک مسافر کی حیثیت سے ہے اس کی منزل کی ابتداء رحمِ مادر ہے - اور انتہائی منزل اس کی قبر ہے - اور وطن اس کے علاوہ ہے - اور جو سال مہینہ، دن جو اس کی عمر میں گزرتا ہے - وہ منزل کی طرح ہے - اس کی وجہ سے وہ اپنی قرارگاہ کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے جو شخص پل سے عبور کرے - اور پل کی عمارت میں اپنا وقت صرف کرے - وہ نہایت احمق ہے - عقلمند وہ ہے جو دنیا کی منزل میں سوائے زادِ آخرت کے اور کسی چیز کا خواہاں نہ بنے - اور دنیا میں بحسب ضرورت قناعت

کرے - اور جو حاجت سے زیادہ ہوگا - وہ زہر قاتل ہے - موت کے وقت اس کی خواہش ہوگی - کہ کاش! میرے خزانوں میں سوائے سونے چاندی کے خاک بھری ہوتی جس قدر بھی جمع کرے گا - لیکن اسے اس میں سے بقدرِ کفایت نصیب ہوگا - باقی سب حسرت و اندوہ کا باعث ہوگا - اور حالتِ نزع میں تکلیف اٹھائے گا - اور یہ حسرت بھی مال کے حلال ہونے کی صورت میں ہوگی - اگر حرام ہوگا - تو عذاب آخرت اس حسرت سے کہیں بڑھ کر ہوگا - دنیوی خواہشات سے دستبردار ہونا ناممکن ہے - مگر آدمی کا ایمان تو اس بات پر ہونا چاہیئے - کہ لذّتِ دنیا فانی اور سراپا کدورت ہے - اور اس کی وجہ سے لذّت آخرت جو لازوال سلطنت ہے - ضائع ہو جائے گی - لہٰذا چند دن تک صبر کر لینا نہایت سہل ہے - اس کی مثال یہ ہے - جیسے کوئی آدمی کسی پر عاشق ہے - اُسے کہا جائے - کہ اگر تو آج کی رات صبر سے کام لے گا - تو آئندہ معشوق بلاد غدغہ رقیب ہزاروں راتوں کے واسطے تیرے حوالے کر دیا جائے گا - اگرچہ اس کا عشق کتنا ہی بے قرار کرنے والا کیوں نہ ہو - لیکن وہ ہزار شب وصال کی امید پر ایک رات صبر کرنا اس کے لئے نہایت آسان ہوگا - دنیا کی مدّت آخرت کی مدت کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہے - بلکہ اس کی اس سے کچھ نسبت ہی نہیں - اور ابد کی درازی آدمی کے وہم وخیال سے بھی بلند تر ہے - اگر زمین و آسمان کو کاکُن[1] کے دانوں سے بھرا ہوا فرض کر لیں - اور ہزار برس کے بعد ایک چڑیا اس میں سے ایک ایک دانہ چگے - اور سب تمام ہو جائیں - لیکن مدت میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا - اگرچہ آدمی سو برس کی عمر حاصل کرلے - اور مشرق سے مغرب تک اس کے زیر اقتدار ہو - تو بھی آخرت کی سلطنت کے مقابلہ میں اس کی قدر و قیمت کچھ نہیں - پھر جس شخص کو دنیا میں سے تھوڑا حصہ ہی نصیب ہو - اور وہ بھی صاف نہ ہو - تو پھر سلطنت جاوید آخرت کو اس حقیر شے کے بدلہ میں کیوں فروخت کیا جائے - اور جو حاکم ومحکوم ہوں - ان کو چاہیئے - کہ ہمیشہ اپنے دل پر ان امور کو تازہ کیا کریں - تاکہ چند روزہ خواہشات پر صبر کرنا اور رعیت سے بعدل پیش آنا - اور حق تعالیٰ کی خلافت کو بجالانا اس کے لئے آسان ہو جائیں - آدمی جب یہ جان لے - تو فرمانروائی میں اس طرح مشغول ہو - جس طرح حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے - اور اس طرح مشغول نہ ہو - جو صلاح دنیا ہو - کیونکہ حق تعالیٰ کے نزدیک عدل سے زیادہ اچھی اور کوئی عبادت نہیں - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے - کہ بادشاہ کا ایک دن عدل کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے - اور یہ جو حدیث شریف میں وارد ہے - کہ روز قیامت سات آدمی حق تعالیٰ کے سایہ میں ہوں گے - تو ان سب میں جو پہلا شخص ہے - وہ بادشاہِ عادل ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے - کہ بادشاہِ عادل حق تعالیٰ کا نہایت مقرب اور دوست ہوتا ہے اور بادشاہ ظالم نہایت دشمن ومعذب ہوتا ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں - جتنی تمام مخلوق

[1] کاکُن - کادرس - چینہ

نیک عمل کرتی ہے - اُسی قدر بادشاہ عادل کے اعمال آسمان پر لے جاتے جاتے ہیں - اور سلطانِ عادل کی نماز ستر ہزار نمازوں کے برابر ہوتی ہے - اس سے بڑھ کر اور کیا لوٹ ہوگی - کہ حق تعالیٰ جسے منصب سلطنت عطا کرے - اس کی ایک ساعت تمام لوگوں کی تمام عمر کے برابر ہو - اگر کوئی شخص حق تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کرے اور ظلم و خواہشاتِ نفسانی میں مشغول ہو - تو وہ نہایت ہی شدید عذاب کا مستحق ہوگا - اور عدل جب ہی ہوسکتا ہے - کہ بادشاہ دس اصولوں کو پیش نظر رکھے - **پہلا اصول یہ ہے** - کہ اس کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہو - تو اپنے آپ کو رعیت خیال کرے - اور بادشاہ کسی اور کو سمجھے - اور جو بات اپنی ذات کے لیے پسند نہ کرے - وہ دوسروں کے لیے بھی نہ چاہے - اگر چاہے - تو یہ بادشاہی میں دغا اور خیانت ہوگی - جنگ بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں تشریف رکھتے تھے - اور صحابہ دھوپ میں - اتنے میں جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور گلہ کیا - حضورؐ فرماتے ہیں - کہ جو شخص اپنی عاقبت بخیر چاہتا ہے - وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہوا مرے - اور جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے - وہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے لیے بھی نہ چاہیئے - فرمایا جو شخص صبح اُٹھے - اور اس کا دل سوائے خدا کے کسی اور جانب متوجہ ہو - تو وہ مردِ خدا نہیں - اگر مسلمان کے کام اور خدمت سے بے پروا ہے - تو مسلمان نہیں -

دوسرا اُصول یہ ہے - کہ اپنے دروازہ پر زیادہ حاجتمندوں کا اجتماع حقیر نہ جانے - اور جب تک کسی مسلمان کی حاجت باقی رہے - اس کے خطرے سے حذر کرتا رہے - اور کسی نفل و عبادت میں مشغول نہ ہو - کیونکہ مسلمان کی حاجت روائی کرنا نماز نفلی سے بہتر ہے - ایک روز حضرت خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ وقت ظہر تک لوگوں کے کام میں مشغول رہے - اور جب تھک گئے - تو گھر میں آرام لینے کی غرض سے آئے - آپ کے بیٹے نے کہا - آپ کیوں مطمئن ہیں - اگر اس وقت موت آجائے - اور آپ کے دروازہ پر کوئی حاجت مند رہ جائے - تو پھر آپ کیا کریں - آپ یہ سن کر اٹھے اور باہر نکل آئے -

تیسرا اُصول یہ ہے کہ اچھا پہننے اور کھانے کی عادت نہ ڈالے - اور ہر بات میں قناعت کرے - کیونکہ قناعت کے بغیر عدل ممکن نہیں - حضرت عمرؓ نے سلمانؓ سے پوچھا - کہ جو میری بات تمہارے ناپسند ہو - وہ تم نے کیا سنی ہے - انہوں نے کہا میں نے سُنا ہے - ایک بار دو طرح کا سالن آپ کے دسترخوان پر ہوتا ہے - اور آپ کے دو پیراہن ہیں - ایک رات کا اور ایک دن کا - فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ سنا ہے - کہا نہیں فرمایا یہ دونوں غلط ہیں -

چوتھا اُصول یہ ہے - کہ ہر کام میں نرمی کرے - سختی سے کام نہ لے - اور جو سختی کرے - اس کے ساتھ بھی بملاطفت پیش آئے - فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حاکم حکومت کا حق بجالائے - اس کے لیے حکومت

اچھی شے ہے۔ اور جو بجا نہ لاسکے۔ اس کے حق میں بُری ہے۔ خلیفہ ہشام نے ابو حازم سے پوچھا حکومت میں نجات حاصل کرنے کی کیا تدبیر ہے۔ فرمایا دام اس جگہ سے لو۔ جہاں سے لینا حلال ہے۔ اور ایسی جگہ خرچ کرو۔ جہاں خرچ کرنا مناسب ہو۔ خلیفہ نے کہا یہ کون کرسکتا ہے۔ فرمایا۔ وہ شخص جو عذاب قبر سے ڈرتا ہو۔ اور بہشت کو عزیز رکھتا ہو۔

پانچواں اصول یہ ہے۔ کہ حاکم کوشش کرے۔ کہ شرع کی موافقت اور مطابقت کے ساتھ رعایا اُس سے خوش رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ سب حاکموں سے بہتر وہ حکام ہیں۔ جنہیں تم دوست رکھو اور وہ تمہیں دوست رکھیں۔ اور بدترین حکام وہ ہیں جنہیں تم بھی دشمن رکھو۔ اور وہ تمہیں دشمن رکھیں۔ اور تم اُن پر لعنت کرو۔ اور وہ تم پر لعنت کریں۔ حاکم کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کی تعریف سے خوش نہ ہو۔ اور یہ نہ سمجھے کہ اس سے خوش ہیں ممکن ہے۔ کہ وہ سب خوف کے مارے تعریف کرتے ہو۔ بلکہ نہایت معتمد لوگ مقرر کرنا چاہئیں۔ تاکہ اصل کیفیت کی تحقیق کریں۔ اور لوگوں سے اس کا حال دریافت کریں۔ کیونکہ آدمی کو اپنے عیوب لوگوں کی زبانی معلوم ہو سکتے ہیں۔

چھٹا اصول یہ ہے۔ کہ حاکم خلافِ شریعت کسی کی رضامندی نہ چاہے۔ کیونکہ جو شخص شرع کی مخالفت سے خوش ہوتا ہے۔ اس کی ناخوشی کچھ اثر نہیں رکھتی۔ اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جناب فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں جب دن کو اٹھتا ہوں۔ تو بعض لوگ مجھ سے خفا ہوتے ہیں۔ اور یہ ضروری ہے۔ کہ ظالم کو جب سزا دی جائے گی۔ تو وہ ناخوش ہوگا۔ اور فریقین کو خوش رکھنا محال ہے۔ وہ شخص نہایت نادان ہے۔ جو مخلوق کی رضامندی کے لئے حق تعالیٰ کی رضامندی چھوڑتا ہے۔ جناب معاویہؓ نے اُم المومنین صدیقہؓ کو خط لکھا۔ کہ مجھے کوئی چھوٹی سی نصیحت کیجئے۔ جنابہ صدیقہ نے بجواب لکھا۔ میں نے حضورؐ محترم سے سنا کہ جو شخص خلائق کی نارضامندی میں حق تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے۔ اس سے حق تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اور لوگوں کو اس سے راضی کرتا ہے اور جو شخص حق تعالیٰ کی ناخوشی میں خلائق کی خوشی چاہتا ہے۔ تو حق تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اور مخلوق کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے۔

ساتواں اصول یہ ہے۔ کہ حاکم حکومت کو خطرناک کام تصور کرتا رہے۔ اور خلائق کی حکومت کا کفیل ہونا آسان کام نہیں۔ جو شخص اس کے حق ادا کرتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ سے سعادت ابدی حاصل کرتا ہے۔ اور جو حق ادا نہیں کرتا۔ تو وہ اس شقاوت میں مبتلا ہوتا ہے جس سے بڑھ کر دوسری نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ ایک دن قریش کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ تشریف لائے۔ آپ نے غلافِ کعبہ کو پکڑ کر فرمایا۔ کہ جب تک قریش میں تین باتیں رہیں گی۔ حکومت قریش ہی میں رہے گی۔ اور وہ تین باتیں یہ ہیں

کہ جب لوگ ان سے مہربانی چاہیں۔ تو وہ مہربانی کریں۔ اگر حکم چاہیں تو عدل سے کام لیں۔ اور جو وعدہ کریں۔ پورا کریں۔ اور جو شخص ایسا نہیں کرتا۔ حق تعالیٰ کی لعنت اس پر ہوتی ہے۔ اور اس کے فرض بھی قبول نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی سنت کو۔ تو غور کیجئے کہ یہ کس قدر عظیم الشان گناہ ہے جس کے باعث حق تعالیٰ عبادت بھی قبول نہیں فرماتا۔ حضور فرماتے ہیں۔ جو شخص دو آدمیوں کے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور عدل سے کام نہیں لیتا۔ حق تعالیٰ اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ فرمایا تین اشخاص پر حق تعالیٰ قیامت کے دن بھی نظر نہ کرے گا۔ ایک بادشاہ دروغ گو۔ دوسرے ضعیف العمر بڈھا زناکار۔ تیسرے متکبر گداگر اور لاف زن۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم عنقریب مشرق و مغرب کے ممالک فتح کرو گے۔ اور وہاں کے حاکم دوزخ میں جائیں گے بسوائے ان اشخاص کے جو متقی ہوں اور حق تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں۔ اور امانتدار ہوں۔ فرمایا جس شخص کو حق تعالیٰ حاکم بنائے۔ اور رعیت اس کے حوالہ کرے۔ اگر وہ عدل نہ کریگا۔ اور شفقت سے کام نہ لے گا۔ تو حق تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ فرمایا۔ کہ جس شخص کو حق تعالیٰ سرداری عنایت کرے۔ اور وہ محکوم لوگوں پر اپنے گھر والوں کی طرح نگہبان نہ رہے۔ تو اس سے کہدو۔ کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں کر لے۔ فرمایا میری اُمت سے دو آدمی میری شفاعت سے محروم رہیں گے ایک ظالم بادشاہ۔ دوسرے دین میں فساد کرنے والا بدعتی۔ فرمایا ظالم بادشاہ کو قیامت کے دن نہایت سخت عذاب دیا جائے گا۔ فرمایا حق تعالیٰ پانچ آدمیوں سے نہایت ناراض ہے۔ اگر چاہے۔ تو دنیا میں ہی انہیں عذاب میں مبتلا کر دے۔ ورنہ آخرت کا عذاب تو ان کے لئے لابدی ہے۔ ایک ان میں سے امیر قوم ہے جو اپنا حق تو لے لے۔ اور ان کا انصاف نہ کرے۔ دوسرے وہ رئیس لوگ جن کی اطاعت کرتے ہوں اور وہ طاقتور اور کمزور کو یکساں خیال نہ کرتا ہو۔ تیسرے وہ جو مزدور کو بعد کام کر چکنے کے اس کی اُجرت اس کو پوری نہ دے۔ چوتھے وہ جو اپنے اہل و عیال کو حق تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم نہ دے۔ اور امور دینی سے انہیں غافل رکھے۔ اور ان کی خوراک وغیرہ کا فکر نہ کرے۔ پانچواں وہ جو حق مہر کے بارہ میں اپنی اہلیہ پر ظلم کرے۔ جناب فاروق رضؓ نے ایک دن ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھانی چاہی۔ اتنے میں ایک شخص نے بڑھ کر نماز پڑھا دی۔ اور دفن کرنے کے بعد قبر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔ بار خدایا۔ اگر تو اس مردہ کو عذاب کرے۔ تو سزاوار ہے۔ اگر رحمت کرے۔ تو تیری رحمت کا محتاج ہے۔ اے مردے نہ تو کبھی امیر تھا۔ نہ نقیب۔ نہ مددگار۔ نہ کاتب نہ تحصیلدار۔ تو ٹھنڈا رہ۔ یہ کہا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے تلاش کرنے کو فرمایا لیکن نہ پایا۔ فرمایا یہ خضر علیہ السلام تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ امیروں۔ نقیبوں۔ امینوں پر افسوس ہے۔ وہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے قیامت کے روز اپنے گیسوؤں سے لٹکتے ہوں گے۔ فرمایا جس شخص نے دس پر بھی حکومت کی ہوگی۔ اُسے بھی قیامت کے دن پا بزنجیر لایا جائے گا۔ اگر وہ نیکوکار ہوگا۔ تو

تو اُسے چھوڑ دیں گے۔ ورنہ ایک زنجیر اور بڑھا دیں گے۔ امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں۔ زمین کے حاکم پر افسوس ہے۔ آسمان کے حاکم سے اس دن جب اس کے سامنے حاضر ہوگا۔ ایسی حالت میں جب کہ اس نے داد نہ دی ہوگی۔ اور حق ادا نہ کیا ہوگا۔ اور طمع کی خواہش کے مطابق عمل کیا ہوگا۔ اور قرابت داروں کا حمایتی بنا ہوگا یا کسی ڈر اور لالچ کی وجہ سے حکم تبدیل کیا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن تمام حکام احکم الحاکمین کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ ارشاد ہوگا۔ کہ تم میرے بکروں پر گڈریے تھے۔ اور میری مملکتِ ارضی کے خزانہ دار تھے۔ میرے حکم سے بڑھ کر تم نے کیوں کسی کو سزا دی۔ اور حد لگائی۔ وہ عرض کریں گے۔ اے احکم الحاکمین اُسی غصہ کی وجہ سے۔ جو انہوں نے تیرے حکم کے خلاف عمل کیا۔ ارشاد ہوگا۔ کیا تمہارا غصہ میرے غصہ سے بڑھ کر تھا۔ اور پھر دوسرے حکام سے دریافت کرے گا۔ کہ تم نے میرے حکم سے کم سزا کیوں دی۔ وہ عرض کریں گے۔ حق تعالیٰ ہم نے ان پر رحم سے کام لیا تھا۔ ارشاد ہوگا۔ کیا تم مجھ سے زیادہ رحیم تھے۔ بعدہٗ ان افراط و تفریط کرنے والوں کو پکڑ لیں گے۔ اور دوزخ کے گوشوں کو ان سے بھر دیا جائے گا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں کسی حاکم کی تعریف نہیں کرتا۔ چاہے وہ نیک ہو۔ یا بد ہو۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی۔ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے۔ کہ قیامت کے دن سب حکام عادل ہوں یا ظالم ہوں۔ پیش کئے جائیں گے۔ اور پھر ان سب کو صراط پر کھڑا کیا جائے گا۔ پھر صراط کو حکم ہوگا۔ کہ ان سب کو جھٹک دے۔ اس کے جھٹکے سے جنہوں نے ظلم کیا ہوگا۔ یا رشوت ستانی کی ہوگی۔ وہ دوزخ میں گر پڑیں گے۔ اور ستر برس کا عرصہ ان کے گرنے میں لگے گا۔ حتیٰ کہ اپنی جگہ پر پہنچ جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ داؤد علیہ السلام تبدیل لباس کر کے نکلتے۔ اور لوگوں سے دریافت فرماتے۔ کہ داؤد کی عادات کیسی ہیں۔ ایک دن جبریل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل میں آئے۔ آپ نے اُن سے بھی وہی پوچھا۔ انہوں نے فرمایا۔ اگر داؤد کسب سے کھاتا ہے۔ اور بیت المال سے نہیں کھاتا۔ تو نہایت نیک مرد ہے۔ آپ اسی وقت مسجد میں گئے۔ اور رو رو کر حق تعالیٰ سے مناجات کی۔ کہ اے حق تعالیٰ۔ مجھے کوئی کسب سکھا دے۔ تاکہ میں اپنی روزی کما کر کھاؤں۔ حق تعالےٰ نے آپ کو زرہ بنانا سکھا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بھیس بدل کر راتوں کو چکر لگاتے تھے۔ اور رعیّت کے حالات مطالعہ فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر ایک خارش زدہ بکری کو بلا روغن ملے۔ لوگ فرات کے کنارہ پر چھوڑ دیں۔ تو مجھے خوف ہے۔ کہ قیامت کے دن اس کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائے۔ اور باوجود اس کے آپ کی احتیاط اور آپ کا درجہ کمال پر تھا۔ کہ وہاں تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ جب آپ انتقال فرما گئے۔ تو بارہ برس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ کہ

آپ اس طرح تشریف لاتے ہیں۔ جیسے کوئی غسل کرنے بعد لنگی باندھے آتا ہے۔ پوچھا کہ یا امیر المؤمنینؓ حق تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا۔ امیر المؤمنینؓ نے پوچھا مجھے تم لوگوں سے جدا ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہوگا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا۔ کہ امیر المؤمنین بارہ برس ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں اب تک حساب میں تھا۔ اگر حق تعالیٰ رحم نہ فرماتا۔ تو مجھے تباہ ہو جانے کا خوف تھا۔ باوجود اس بات کے کہ سوائے ایک درّہ کے اسباب حکومت میں سے اور کچھ بھی آپ کے پاس نہ تھا۔ حکیم بزرجمہر نے ایک قاصد جناب کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ وہ آپ کی صورت وسیرت کو ملاحظہ کرے۔ جب وہ مدینہ پہنچا۔ تو اس نے لوگوں سے کہا۔ اَیْنَ الْمَلِکُ۔ تمہارا بادشاہ کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا۔ ہمارا بادشاہ نہیں ہے۔ ہمارا امیر ہے۔ اور وہ ابھی دروازہ کے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ وہ قاصد باہر نکلا۔ اور آپ کو تلاش کیا۔ دیکھا کہ آپ دھوپ میں محو آرام ہیں۔ درّہ سر کے نیچے رکھا ہے۔ نورانی پیشانی سے اتنا پسینہ بہا ہے۔ کہ زمین تر ہو رہی ہے۔ جب اس نے یہ حالت دیکھی۔ تو کانپ گیا۔ اور کہا کہ تمام دنیا کے بادشاہ جس کی ہیبت سے کانپ رہے ہوں۔ وہ اس حال میں ہے۔ پھر اس نے جناب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ حضور آپ اس لئے بے کھٹکا سوتے ہیں۔ کہ عادل ہیں۔ ہمارا بادشاہ ظالم ہے۔ اور وہ اس لئے ہر وقت ہراساں رہتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ آپ کا دین سچا ہے۔ اگر میں ایلچی کی حیثیت سے نہ آیا ہوتا۔ تو فوراً مسلمان ہو جاتا۔ انشاء اللہ پھر حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوں گا۔

حاصل کلام حکومت کے بڑے بڑے خطرے ہیں۔ اور ایک نہایت زبردست علم ہے۔ حاکم کی سلامتی ہمیشہ دیندار صالحوں کی صحبت میں ہے۔ تاکہ وہ اسے عدل و انصاف کا راستہ بتائیں۔ اور وہ دغاباز لوگوں سے بچے کیونکہ وہ شیطان ہیں۔

آٹھواں اصول یہ ہے۔ کہ ہمیشہ دیندار علما سے ملنے کا شوق رکھے۔ اور ان کی نصیحت کو دل سے سنے اور دنیا کے لالچی علما سے بچے۔ کیونکہ وہ اسے فریب دیں گے۔ اس کی تعریف کرتے رہیں گے۔ اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کریں گے۔ دیندار عالم وہ ہے جسے حاکم کی پروا نہ ہو۔ اور انصاف کو ہاتھ سے نہ دے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہارون الرشید کے ہاں تشریف لے گئے۔ خلیفہ نے کہا۔ اے شقیق کیا تم زاہد ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں شفیق ہوں۔ زہد سے مجھے کیا تعلق۔ خلیفہ نے کہا مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ نے تم کو جناب صدیقؓ کی جگہ پر بٹھایا ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ ان سے حق کا طلبگار تھا۔ اسی طرح تم سے صدق چاہتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے تمہیں جناب فاروقؓ کی جگہ پر متمکن کیا ہے۔ جس طرح اُن سے حق و باطل میں فرق چاہتا تھا۔ اُسی طرح تم سے بھی چاہتا ہے۔ اس نے تم کو جناب عثمانؓ کی جگہ پر بٹھلایا ہے۔ جس طرح اس نے اُن سے شرم و بخشش چاہی تھی۔ اسی طرح تم سے بھی چاہتا ہے۔ اس نے نہیں

جناب علی کرم اللہ وجہہٗ کی جگہ پر بٹھلایا ہے۔ جس طرح وہ ان سے علم و عدل چاہتا تھا۔ اسی طرح تم سے بھی چاہتا ہے۔ خلیفہ ہارون نے اور نصیحت چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ نے ایک مکان بنایا ہے۔ اور اس کا نام دوزخ رکھا ہے۔ اور تجھے اس مکان کا دربان بنا کر تین چیزیں تیرے سپرد کی ہے۔ بیت المال کا مال۔ تلوار۔ تازیانہ اور حکم دیا ہے۔ کہ تم ان چیزوں سے لوگوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ اور جو محتاج تمہارے پاس آئے۔ اُسے مایوس نہ کرو۔ اور جو حق تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ اُسے تازیانہ لگاؤ۔ اور جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے۔ اسے اس کے ولی کی اجازت سے تلوار سے قتل کرو۔ اگر تم ان امور پر عمل نہ کرو گے۔ تو سب سے پہلے دوزخ میں جاؤ گے۔ اور باقی لوگ تمہارے بعد دوزخ میں داخل ہوں گے۔ ہارون الرشید نے اور وصیت چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ تمہاری مثال چشمہ کی طرح ہے۔ اور تمہارے اعمال دنیا میں نہروں کی مانند ہیں۔ اگر چشمہ خود روشن ہے۔ تو نہروں کی تیرگی کچھ نقصان دہ نہیں لیکن اگر چشمہ تاریک ہے۔ تو نہروں کی صفائی کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ خلیفہ ہارون الرشید اپنے مصاحبوں سے ایک شخص عباس کے ہمراہ حضرت فضیل عیاضؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ان کے مکان کے دروازہ پر پہنچا تو آپ قرآن شریف کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝ خلیفہ ہارون نے کہا۔ اگر ہم نصیحت لینا چاہیں۔ تو یہ آیت ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں۔ "آیا وہ لوگ سمجھتے ہیں جنہوں نے برے کام کئے ہیں۔ کہ ہم انہیں ایمانداروں کے ساتھ برابر رکھیں گے جنہوں نے اعمالِ حسنہ کئے۔ ان کی موت اور زندگی برابر ہے۔ اور جو انہوں نے کیا۔ وہ بُرا حکم تھا" پھر خلیفہ ہارون نے عباس مصاحب سے کہا۔ کہ دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ عباس نے دروازہ پر دستک دی۔ اور کہا امیر المومنین تشریف لائے ہیں۔ حضرت فضیلؒ نے جواب دیا۔ میرے ساتھ ان کا کیا کام ہے۔ مصاحب نے کہا۔ امیر المومنین کی اطاعت کرو۔ تب حضرت عیاض نے دروازہ کھولا۔ رات کا وقت تھا۔ دیا بجھا دیا۔ خلیفہ نے اندھیرے میں ہاتھ ادھر ادھر مارا جب ہاتھ سے ہاتھ ملا۔ تو حضرت فضیل نے فرمایا۔ کہ ایسا نرم و نازک ہاتھ اگر دوزخ سے نہ بچے۔ تو کیسا افسوس ہے۔ پھر حضرت فضیل نے فرمایا۔ اے امیر المؤمنین قیامت کے دن کی جوابدہی کے لئے تیار رہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ تجھ کو ہر مسلمان کے ساتھ بٹھا کر ہر ایک کا انصاف تجھ سے طلب کرے گا۔ خلیفہ ہارون الرشید یہ سن کر رونے لگا۔ اور مصاحب عباس نے کہا۔ اے فضیل خاموش رہو۔ تم نے تو امیر المؤمنین کو مار ہی ڈالا۔ حضرت فضیلؒ نے کہا۔ اے ہامان تیرے ساتھیوں نے اور تو نے اسے ہلاک کر دیا۔ اور مجھ سے کہتے ہو۔ کہ تم نے مار دیا۔ ہارون الرشید نے مصاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ تجھے اس لئے ہامان کہا ہے۔ کہ شاید مجھے فرعون کہنے کا ارادہ ہے۔ پھر خلیفہ نے ایک ہزار دینار جناب فضیل کی خدمت میں پیش کئے۔ اور کہا۔ حضرت یہ مال حلال ہے۔ اور میری ماں کے مہر سے ہے۔ حضرت

فضیل نے کہا۔ میں تجھ سے کہتا ہوں۔ کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے۔ اس سے ہاتھ کھینچ لو۔ اور جو اس کے مالک ہیں انہیں واپس کر دو۔ اور تو مجھے دے رہا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ آپ کی خدمت سے اُٹھ کر باہر آ گیا۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ نے محمد ابن کعب القرظی سے کہا کہ مجھ سے عدل کی تعریف بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ عدل یہ ہے۔ کہ جو مسلمان تم سے چھوٹا ہو۔ اس کے حق میں باپ کی طرح رہو۔ اور جو مسلمان تم سے بڑا ہو۔ اس کے حق میں بیٹا بن کر سلوک کرو۔ اور جو تمہارے جتنا ہو۔ اسے بھائی خیال کرو۔ اور ہر ایک ملزم کو اس کے جرم کے مطابق سزا دیا کرو۔ اور غصہ سے کسی کو تازیانہ نہ لگاؤ۔ ورنہ یاد رکھو۔ دوزخ میں جگہ ہو گی۔ ایک زاہد کسی خلیفہ وقت کے ہاں تشریف لائے۔ خلیفہ نے کہا۔ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں شہر چین میں تھا وہاں کا بادشاہ بہرا ہو گیا تھا۔ اور وہ نہایت روتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ میں اپنے بہرے پن پر نہیں روتا۔ بلکہ اس لئے روتا ہوں۔ کہ اگر کوئی مظلوم میرے دروازہ پر آیا۔ تو وہ محروم واپس جائے گا۔ اور میں اس کی فریاد نہ سن سکوں گا۔ ہاں ابھی میری بصارت قائم ہے۔ منادی کر دو۔ کہ جو شخص داد چاہے۔ وہ سرخ لباس پہن لے۔ پھر وہ ہاتھی پر سوار ہو تا۔ اور تمام شہر میں چکر لگاتا جس شخص نے سرخ لباس پہنا ہوتا۔ اسے بلا کر اس کی داد دیتا۔ اس زاہد نے کہا۔ اے امیر المومنین یہ ایک کافر بادشاہ تھا۔ تو تو مسلمان ہے۔ اور آل رسولؐ میں سے ہے۔ غور کر کہ تجھے کس قسم کی مہربانی کرنا چاہیے۔ ابو قلابہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے پاس تشریف لائے۔ خلیفہ نے کہا۔ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ انہوں نے کہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر آج تک کوئی خلیفہ سوائے تیرے باقی نہیں رہا۔ کہا اور کچھ فرمایئے فرمایا۔ جو مرے گا۔ وہ تو یہی ہو گا۔ عرض کیا اور ارشاد کیجئے۔ فرمایا۔ اگر حق تعالیٰ تیرے ساتھ ہے تو تجھے کس کا ڈر ہے اور وہ تیرے ساتھ نہ ہو۔ تو پھر کس کی پناہ لے گا۔ خلیفہ نے کہا۔ جو آپ نے فرمایا ہے۔ وہ میرے لئے کافی ہے۔ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک سریر آرائے خلافت تھا۔ جب اس نے اپنی دنیوی عیش کا خیال کیا۔ تو خیال آخرت کا دل سے اٹھا۔ وقت کے زاہد و عالم ابی حازم تھے کسی شخص کو بھیجا۔ اور کہا۔ کہ جس شے سے آپ روزہ افطار کرتے ہیں۔ وہ مجھے بھیج دیجئے۔ انہوں نے تھوڑی سی گیہوں کی بھوسی بھون کر بھیج دی خلیفہ اسے دیکھ کر بہت رویا۔ اور اس کے دل پر نہایت اثر ہوا۔ تین روزے پے در پے رکھے۔ اور تیسرے دن شام کو اسی بھوسی سے افطار کیا کہتے ہیں۔ کہ اسی خلیفہ سلیمان نے اپنی زوجہ سے صحبت کی۔ اور اس سے عبد العزیز پیدا ہوئے۔ اور حضرت عمر ابن عبد العزیز اسی عبد العزیز کے لڑکے تھے۔ جو عدل و انصاف میں حضرت عمر فاروقؓ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ بزرگوں کا قول ہے۔ کہ یہ اسی بھوسی کی برکت تھی۔ جس سے عمر بن عبد العزیز جیسا خدا رسیدہ خلیفہ پیدا ہوا۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز سے لوگوں نے ان کی توبہ کی وجہ پوچھی۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں ایک روز اپنے غلام کو مارتا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ کہ اس رات کو یاد کیجئے جس کی صبح حشر ہو گی۔ اس کا کہنا میرے دل پر اثر کر گیا

کسی باخدا نے خلیفہ ہارون کو میدان عرفات میں ننگے پاؤں ننگے سر گرم پتھروں اور بالو پر کھڑے ہوئے دیکھا - کہ ہاتھ اٹھائے ہوئے پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا - کہ اے ارحم الراحمین تو تو ہی ہے - اور میں میں ہی ہوں - میرا کام یہ ہے - کہ میں ہر لمحہ گناہ کروں - اور تیرا کام ہے - کہ تو ہر آن عفو و بخشش سے کام لے - میرے حال زار پر رحم فرما - اس بزرگ نے دیکھ کر کہا دیکھو! جبار زمین جبار آسمان کے سامنے کس طرح زاری کر رہا ہے -

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حضرت حازم سے نصیحت چاہی - انہوں نے فرمایا - زمین پر سویا کرو - اور یقین رکھو کہ موت ہر لمحہ موجود ہے - اور جو چیز تیرے نزدیک دور ہے - اس کا خیال کر - اور جو چیز تو روا نہیں رکھتا - اس سے دور رہ - کیونکہ موت کا نزدیک ہونا ممکن ہے پس حاکم کو ان حکایتوں کی طرف خیال رکھنا چاہیئے - اور ان سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے - اور جس عالم کو پائے - اس سے نصیحت طلب کرے - اور جو عالم دیکھے اس کو یہ نصیحتیں کریں - کہ وہ حق معاملہ میں پردہ پوشی نہ کرے - اور اگر ان کو مغرور بنائے گا - اور حق بات نہ کہے گا - تو دنیا میں جو بھی مظالم ہیں - وہ اس میں شریک رہے گا -

نواں اصول یہ ہے - کہ حاکم کو صرف اسی پر قناعت نہ کرنا چاہیئے - کہ خود ظلم نہ کرے - بلکہ اپنے غلاموں نوکروں اور نائبوں کو بھی مہذب بنائے - اور ان کے ظلم پر خفگی ظاہر کرے - کیونکہ اس سے ان کے ظلم کے بارہ میں بھی پوچھا جائے گا - امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو جو عامل تھے - ایک فرمان بھیجا - اور لکھا - کہ وہ عملدار نہایت ہی نیک بخت ہے جس سے رعیت نیک بخت ہو - اور نہایت بدبخت عملدار وہ ہے - جس سے رعایا بدبخت ہو - خبردار فراخ روی سے کام نہ لینا - ورنہ تمہارے عمال بھی ایسا ہی کریں گے - اور اس وقت تمہاری مثل اس چارپایہ کی ہوگی - جو گھاس اس غرض سے کھائے - کہ فربہ ہو - اور وہ فربہی اس کی ہلاکت کا موجب ہو یعنی لوگ اسے کھانے کے لئے کھائیں - توریت میں تحریر ہے - کہ کسی بادشاہ کے عامل سے کوئی ظلم سرزد ہو - اور وہ بادشاہ خاموش رہے - تو گویا وہ ظلم خود اسی بادشاہ سے سرزد ہوا - اور بادشاہ کو اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی - حاکم کو معلوم ہونا چاہیئے - کہ کوئی شخص اس سے زیادہ نادان نہیں - جو اپنی آخرت اور دین کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالے - تمام عامل و نوکر محض دنیا طلبی کی غرض سے خدمت کرتے ہیں - اور والئے ملک کی نگاہوں میں ظلم کو نہایت آراستگی سے دکھاتے ہیں تا کہ اپنا مطلب حاصل کریں - اور ان شخص سے اور کوئی بھی بڑھ کر تمہارا دشمن نہ ہوگا - جو چند داموں کے عوض تمہاری تباہی میں کوشاں ہو - غرضیکہ جو حاکم اپنی جورو لڑکوں - نوکروں - عاملوں کو عدل کرنے کے قابل نہ بنا سکے گا - وہ خود عمل نہ کر سکے گا - اور یہ کام اس سے ہو سکتا ہے - جو سب سے پہلے اپنے بدن کے اندر عدل کا خیال رکھتا ہے - اور یہ عدل سب سے زیادہ ہے کہ آدمی اپنی خواہشات اور غصہ کو اپنی عقل پر غالب نہ ہونے دے - اور ان کو عقل و دین کی متابعت میں لائے - عقل و

دین کو ان کا مطیع نہ کرے۔ اکثر لوگ عقل و دین کو غضب و خواہش کا خدمتگار بنا دیتے ہیں۔ اور غضب و خواہش کو اپنی حد تک پہنچانے کے لئے حیلہ کے متلاشی رہتے ہیں۔ اور اس وقت کہتے ہیں۔ کہ یہی عقل کی بات ہے اور حاشا کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ عقل تو ملائکہ کے جوہر میں سے ہے۔ اور حق تعالیٰ کے لشکروں سے اس کا تعلق ہے۔ اور خواہش و غصہ تو ابلیس کے لشکر ہیں۔ تو معاذاللہ جو شخص حق تعالیٰ کے لشکروں کو شیطان کے لشکروں کا اسیر بنائے گا۔ وہ اوروں پر کیا عدل و انصاف کرے گا۔ تو اول آفتاب عدالت کا طلوع اپنے شعبہ سے ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کی نورانی شعاعیں گھر والوں پر پڑتی ہیں۔ اور اس کے بعد خواص پر۔ اور پھر عام رعایا اس نور سے منور ہوتی ہے پس جو شخص بلا آفتاب امید شعاع کریگا۔ وہ ایک محال کا طالب ہوگا۔ جاننا چاہئے۔ کہ عدل کمال عقل ہے۔ اور کمال عقل یہ ہے۔ کہ آدمی چیزوں کو ان کی اصلیت کے مطابق دیکھے۔ اور کاموں کی حقیقت اور ان کے باطن کو ملاحظہ کرے۔ اور ان کے ظاہر پر فریفتہ نہ ہو مثلاً آدمی دنیا میں عدل سے باز رہے گا۔ تو وہ محض دنیا ہی کیلئے رہے گا۔ تو غور کرنا چاہئے۔ کہ دنیا سے اسے کیا مقصود ہے۔ اگر کھانا اچھا کھانا مقصود ہے۔ تو اپنے آپ کو چارپایہ بصورت انسان خیال کرے۔ کیونکہ کھانے کی حرص چارپایوں کا شیوہ ہے۔ اگر اچھے لباس کی خواہش ہے۔ تو عورت بصورت مرد ہے۔ کیونکہ آرائش طلبی عورتوں کا کام ہے۔ اگر دشمنوں پر غصہ مدنظر ہے تو درندہ بشکل انسان ہے۔ کیونکہ غصہ کرنا اور آدمی کے پیچھے پڑنا درندوں کا کام ہے۔ اگر لوگوں سے خدمت کرانے کا خواہشمند ہے۔ تو جاہل بصورت عاقل ہے۔ کیونکہ اگر عقلمند ہوتا تو سمجھ لیتا۔ کہ سب اپنے پیٹ۔ خود خواہش فرج کی خدمت کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایک دن ان کی مزدوری نہ دے۔ تو وہ نزدیک تک نہ آئیں۔ تو وہ جو اس کی خدمت کرتے ہیں۔ تو یہ انہوں نے اپنی خواہش کا ایک پھندا بنا رکھا ہے۔ جو وہ بندگی کرتے ہیں۔ تو وہ محض اپنی ہی کرتے ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ وہ اس بات کی افواہ بھی سن لیتے ہیں۔ کہ اب حکومت کسی دوسرے کو ملنے والی ہے۔ تو وہ اس سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس دوسرے سے تقرب چاہتے ہیں۔ اور جس جگہ سے انہیں کچھ حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔ وہاں سربسجود ہو جاتے ہیں۔ اور اسی جگہ خدمت کرتے ہیں۔ اور درحقیقت یہ خدمت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ہنسی اور ٹھٹھا ہے۔ اور عقلمند وہ ہے۔ جو کاموں کی حقیقت اور روح کو دیکھے۔ نہ اس کی ظاہری شکل و صورت پر بھول جائے۔ اور ان کاموں کی حقیقت وہی ہے۔ جو بیان کر دی گئی ہے اور جو ان کو اس طرح پر جانتا ہے یعنی ان کی ظاہریت پر بھول بیٹھتا ہے۔ وہ عاقل نہیں ہے۔ اور جو عاقل نہیں ہے۔ وہ عادل نہیں ہے۔ اور اس کا مقام دوزخ ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تمام سعادتوں کا سر عقل ہے

دسواں اصول یہ ہے۔ کہ والی پر تکبر غالب نہ ہو۔ کیونکہ تکبر سے غصہ غالب ہوتا ہے۔ اور اس کو انتقام پر آمادہ کرتا ہے۔ اور غصہ عقل کے لئے غول ہے۔ اور ہم نے اس کی آفتوں کو اور اسکے علاج کو رکن مہلکات

کی کتاب غضب میں ذکر کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ غالب ہو لیکن کوشش کرنی چاہئے۔ کہ تمام کاموں میں رغبت عفو ہی کی جانب ہو۔ اور بردباری کو اپنا پیشہ بنائے۔ اور جان لے۔ کہ جن لوگوں نے اس کو اپنا پیشہ بنایا۔ وہ انبیا علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی مانند ہوئے اور جس نے غصہ اور انتقام کو اپنا پیشہ ٹھہرالیا۔ تو وہ ترکوں اور کردوں اور دوسرے بیوقوف درندہ صفت انسانوں کی طرح ہوا۔ حکایت کرتے ہیں۔ کہ ابو جعفر خلیفہ تھے۔ اور ایک ملزم کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ مبارک بن فضالہ موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔ اے امیر المومنین اس کے قتل کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے کوئی چیز سن لو۔ خلیفہ نے کہا۔ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن جبکہ تمام مخلوق میدان قیامت میں جمع ہوگی۔ تو منادی کرنے والا ندا کرے گا۔ کہ جس کسی کو حق تعالیٰ کے سامنے اٹھنے کی طاقت ہو۔ اٹھے۔ اور صرف وہی لوگ اٹھیں گے۔ جنہوں نے عفو سے کام لیا ہوگا۔ خلیفہ نے حکم دیا۔ کہ اسے رہا کر دو میں نے اسے معاف کر دیا۔ اور عام طور پر بادشاہوں کا غصہ اس لئے ہوتا ہے۔ کہ بعض لوگ بعض لوگوں کی طرف سے بادشاہوں کو بدظن کر دیتے ہیں اور اس کے قتل کرانے میں کوشش کرتے ہیں۔ تو ایسے وقت میں اس بات کو یاد رکھنا چاہئے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائی۔ اور وہ یہ بات تھی۔ کہ اگر کوئی شخص تجھ سے کوئی سچی بات کہے۔ تو حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کر۔ اور اگر جھوٹ کہے تو اور زیادہ شکر کر۔ کہ اس نے بلا تیری محنت کے تیرے دفتر اعمال میں نیکیوں کو بڑھا دیا یعنی اس کی عبادت تیرے دفتر اعمال میں لکھی گئی۔ صحابہ نے ایک شخص کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تعریف کی۔ کہ وہ نہایت طاقتور اور قوی جوانمرد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ کس طرح۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کہ جس کسی کے ساتھ کشتی لڑتا ہے۔ اسے گرا دیتا ہے۔ اور ہر ایک کشتی میں بر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قوی و مردانہ وہ شخص ہے۔ جو اپنے غصہ کے ساتھ بر آئے۔ نہ کہ لوگوں کو گرائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس شخص کو تین چیزیں حاصل ہوں۔ اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔ جب اسے غصہ آئے۔ تو کسی باطل شے کا ارادہ نہ کرے۔ اور جب خوش ہو۔ تو خدا تعالیٰ کو فراموش نہ کرے۔ اور جب قادر ہو تو اپنے حق سے زیادہ نہ لے۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ کسی شخص کے خلق پر اعتماد نہ کر۔ جب تک کہ تو اسے غصہ کی حالت میں نہ دیکھ لے۔ اور کسی کے دین پر اعتماد نہ کرو جب تک کہ اسے طمع کے وقت نہ دیکھ لو۔ (نہ آزمالو) جناب علی ابن حسین رضی اللہ عنہما ایک بار مسجد کو تشریف لے جاتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کو گالی دی۔ آپ کے غلاموں نے اسے سرزنش کرنی چاہی۔ آپ نے منع فرما دیا۔ اور کہا۔ کہ جو تو کہتا ہے۔ میں اس سے بھی زیادہ برا ہوں کیا کوئی تیری حاجت ہے جو میں پوری کر سکوں۔ وہ آدمی شرمندہ ہو گیا۔ آپ نے اپنا جامہ اسے دے دیا۔ اور ایک ہزار درہم بھی عنایت کیا۔ وہ شخص جاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ یہ فرزند پیغمبرؐ ہے۔ حکایت ہے

کہ ایک بار آپ نے غلام کو دو مرتبہ آواز دی۔ اس نے جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو نے نہیں سنا۔ اس نے جواب دیا۔ ہاں میں نے سنا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر جواب کیوں نہ دیا۔ اس نے کہا۔ کہ مجھے آپ کے خُلق اور نیکی پر بھروسہ تھا کہ آپ مجھے تکلیف نہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اے حق تعالیٰ شکر ہے کہ میرا غلام مجھ سے امن میں ہے۔ آپ کا ایک غلام تھا۔ اس نے آپ کی بکری کا ایک پاؤں توڑ ڈالا۔ آپ نے فرمایا۔ تو نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے کہا۔ میں نے قصداً کیا ہے۔ تاکہ آپ کو غصہ میں لاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ اب میں اس شخص کو غصہ میں لاتا ہوں جس نے تجھے یہ سکھایا (یعنی شیطان) اور آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ ایک شخص نے آپ کو گالی دی۔ آپ نے فرمایا۔ اے جوانمرد میرے اور دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے۔ اگر میں اس گھاٹی کو طے کر لوں۔ تو جو تو کہتا ہے۔ مجھے اس کا ڈر نہیں۔ اور اگر میں اس سے نہ گزر سکوں۔ تو جو تو کہتا ہے۔ میں اس سے بھی بدتر ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے۔ جو عفو کی وجہ سے صائم و قائم کا درجہ پاتا ہے۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس کا نام جبّاروں کے دفتر میں لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ سوائے گھر والوں کے اس کی حکومت اور کسی پر نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ دوزخ کا ایک ایسا دروازہ ہے۔ کہ اس دروازہ میں اس شخص کو دھکیلا جاتا ہے۔ جو اپنے غصہ کو خلاف حکم شریعت استعمال کرتا ہے۔ روایت ہے۔ کہ ابلیس جناب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا۔ اور کہا۔ کہ میں آپ کو تین چیزوں کی تعلیم دیتا ہوں۔ تاکہ آپ حق تعالیٰ سے میری مراد مانگ دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ تین اشیا کونسی ہیں۔ اس نے کہا۔ تیزی سے حذر کرو۔ جو تیز اور سبک ہوتا ہے میں اس سے اس طرح کھیلتا ہوں جیسے بچہ گیند سے۔ دوسرے عورتوں سے حذر کرو۔ کہ میں نے مخلوق کو پھانسنے کے لیے اس سے زیادہ مضبوط اور کوئی دام نہیں بچھایا۔ تیسرے بخل سے حذر کیجئے۔ کیونکہ جو شخص بخیل ہوتا ہے۔ میں اس کے دین و دنیا دونوں کو تباہ کر دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ کہ جو شخص عاجزی و انکساری کی وجہ سے قیمتی لباس نہیں پہنتا۔ حق تعالیٰ اسے اپنی کرامت کا لباس پہناتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اس شخص پر افسوس ہے۔ جو کسی پر غصہ نکالے۔ اور حق تعالیٰ کے غصہ کو اپنے حق میں فراموش کر دے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ مجھے ایسی بات کی تعلیم کیجئے جس کی وجہ سے میں جنت میں جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ غصہ نہ ہو۔ تو بہشت تیرے لئے ہے۔ اس نے عرض کیا۔ کچھ اور بھی فرمائیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تو کسی سے کچھ چیز نہ چاہے۔ تو تب بھی بہشت تیرے لئے ہے۔ اس نے عرض کیا۔ کچھ اور بھی ارشاد کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عصر کی نماز کے بعد ستّر بار استغفار کیا کر۔ تاکہ تیرے ستر سال کے گناہ معاف کر دیں۔ اس نے کہا میرے

ستر سالہ گناہ نہیں ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ تیری ماں کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس نے کہا۔ میری ماں کے بھی اس قدر گناہ نہیں ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ تو تیرے باپ کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اس نے کہا میرے باپ کے بھی اس قدر گناہ نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو تیرے بھائیوں کے بھی گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مال تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا۔ یہ وہ تقسیم ہے۔ جو خدا کے لئے کی جا رہی ہے۔ (یعنی انصاف سے دُور ہے) ابن مسعود نے حضور کی خدمت میں اس بات کو عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ کہ حق تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم کرے۔ کہ لوگوں نے ان کو اس سے زیادہ رنج دیا۔ لیکن انھوں صبر کیا۔

یہ تمام اخبار و حکایات اہل ولایت کی نصیحت کے لئے کافی ہوں گی۔ اگر ایمان کی اصل باقی رہی ہوگی تو یہ ضرور مؤثر ہوں گی۔ اگر اثر نہ کریں۔ تو سمجھ لو۔ کہ دل ایمان سے خالی ہے۔ اور زبان سے صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ایمان کی بات جو دل میں ہوتی ہے۔ وہ اور ہے۔ اور ایمان اور شے ہے۔ میں نہیں خیال کرتا۔ کہ اس حال کے دل میں حقیقت ایمان کس طرح ہوگی۔ جو اتنی مدت لوگوں سے اتنے ہزار دینار حرام حاصل کرے۔ اور دوسروں کو دے۔ تاکہ وہ سب اس کی ضمانت میں رہے۔ اور قیامت میں اس سے لئے جائیں۔ حالانکہ اس کا نفع دوسروں کو پہنچا ہے۔ اور یہ نہایت غفلت اور نامسلمانی ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

نصف اوّل کتاب کیمیائے سعادت کا حق تعالیٰ کی مدد
اور اس کی حسن توفیق سے ختم ہوا

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رُکنِ سوم

عقبات راہِ دین جنہیں مہلکات کہتے ہیں۔ اُن کے ذکر میں۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اور کس قدر ہیں۔ اور ان کا علاج کیا ہے۔ یہ رکن دس اصلوں پر منقسم ہے

۱۔ پہلی اصل۔ ریاضت نفس اور خوئے بد کے علاج اور خوئے نیک کی تدبیریں۔
۲۔ دوسری اصل۔ شہوت فرج وشکم اور ان دونوں کے شر سے بچنے کی تدبیریں۔
۳۔ تیسری اصل۔ مفاسد سخن کے علاج میں۔ اور زبان کی آفتوں کے ذکر میں۔
۴۔ چوتھی اصل۔ غصہ اور حسد کے علاج اور اس کی آفتوں کے ذکر میں۔
۵۔ پانچویں اصل۔ دوستی دنیا کے علاج میں۔ اور اس بارہ میں۔ کہ دنیا کی دوستی تمام گناہوں کی اصل ہے۔
۶۔ چھٹی اصل۔ دوستی مال کے علاج اور بخل کی آفتوں کے بیان میں۔
۷۔ ساتویں اصل۔ جاہ وحشمت کی دوستی کے علاج اور اس کی آفتوں کے بارہ میں۔
۸۔ آٹھویں اصل۔ عبادات میں ریا ونفاق کرنے کے علاج اور اپنے آپ کو پارسا ظاہر کرنے کے ذکر میں۔
۹۔ نویں اصل۔ کبر وعجز کے بیان میں۔
۱۰۔ دسویں اصل۔ غرور وغفلت کے بیان میں۔

یہ تمام باتیں صفات مذمومہ کی جڑیں ہیں۔ اور تمام شاخیں ان ہی دس اصلوں سے نکلتی ہیں۔ جس شخص نے ان دس گھاٹیوں کو طے کر لیا۔ اس کو بُرے اخلاق سے نجات حاصل ہو گئی۔ اور اس کا باطن اطہر و مطہر ہو گیا۔ اور اس کا دل اس قابل ہو گیا۔ کہ وہ خلائق ایمان مثلاً معرفت۔ محبت۔ توحید۔ توکل وغیرہ سے اسے آراستہ و پیراستہ کرے۔

پہلی اصل ریاضت نفس اور اخلاق بد سے طہارت کے ذکر میں

ہم اس اصل میں پہلے خوئے نیک کی فضیلت بیان کریں گے۔ اور پھر اس کی حقیقت کا ذکر کریں گے کہ کیا ہے۔ پھر ہم اس امر پر بحث کریں گے۔ کہ آیا ریاضت سے اخلاق فاضلہ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ پھر اس کا طریقہ بیان کریں گے۔ کہ وہ کیا ہے۔ پھر اپنے عیوب پہچاننے کی تدبیر کا ذکر کریں گے۔ پھر اخلاق فاضلہ کی علامات کا ذکر کریں گے۔ اور پھر اطفال کی پرورش اور ان کو مودب بنانے کا طریقہ بیان کریں گے پھر اسی ریاضت کا ذکر کریں گے۔ جو ابتدائے کار میں مرید کے لئے ہوتی ہے۔

اخلاق فاضلہ کی فضیلت اور ثواب

جاننا چاہیئے۔ کہ حق تعالیٰ نے نیک خُلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرمائی ہے انک لعلیٰ خُلقٍ عظیمٍ۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ کہ مجھے محاسن اخلاق کے اتمام کے لئے مبعوث کیا ہے۔ فرمایا بہتر وہ شے جو ترازو میں ڈالی جائے گی۔ وہ نیک خلق ہے۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پوچھا۔ کہ دین کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نیک خلق۔ وہ دائیں بائیں سے آکر عرض کرتا۔ اور یہی سوال کرتا۔ اور آپ اس کو یہی جواب دیتے۔ آخر آپ نے فرمایا۔ کہ تو نہیں جانتا۔ کہ دین یہی ہے۔ کہ تو غصہ میں نہ آئے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نیک خُلق۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ تو جہاں کہیں بھی ہو۔ حق تعالیٰ سے ڈرا کر۔ اس نے عرض کی کچھ اور۔ فرمایا۔ ہر بدی کے بعد نیکی کیا کر۔ تاکہ اسے محو کر دے۔ اس نے عرض کیا۔ کچھ اور۔ فرمایا۔ لوگوں سے خوش خلقی سے ملا کر۔ اور فرمایا۔ جس شخص کو حق تعالیٰ اخلاق حسنہ عطا کرتا ہے۔ اُسے آگ میں نہیں ڈالتا۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی ہے۔ اور رات کو نماز پڑھتی ہے۔ لیکن بدخو ہے

اور ہمسایوں کو اپنی بدخوئی سے رنجیدہ کرتی ہے حضورؐ نے فرمایا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ فرمایا اخلاقِ بد اطاعت کو اس طرح تباہ کرتے ہیں۔ جیسے سرکہ شہد کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے کہ حق تعالیٰ تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے میری سیرت بھی اچھی کر دے اور کہا کرتے بارِ خدایا! تندرستی وعافیت اور نیک خو عطا فرما۔ لوگوں نے حضورؐ سے عرض کیا۔ کہ سب سے اچھی شے کونسی ہے جو حق تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا کرے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اخلاق حسنہ اور فرمایا۔ اخلاقِ حسنہ گناہوں کو اس طرح فنا کرتے ہیں۔ جیسے برف کو آفتاب پگھلا دیتا ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے بھی ایک عجیب واقعہ دیکھا۔ اور وہ یہ کہ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو زانووں کے بل پڑا ہوا پایا۔ اور اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب تھا۔ جب اس میں نیک اخلاق پیدا ہوئے۔ تو وہ حجاب اٹھا گیا۔ اور اخلاق حسنہ نے اس کو خدا تک پہنچا دیا۔ فرمایا۔ نیک اخلاق والا انسان اگرچہ ضعیف العبادت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ حبؐ کا خلق سب سے بلند تھا۔ ایک روز کچھ عورتیں آپ کے سامنے شور کر رہی تھیں اور کھیل رہی تھیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ تو سب بھاگ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اے اپنی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو۔ اور حضورؐ سے نہیں ڈرتی ہو۔ انہوں نے کہا۔ آپ حضورؐ کی بہ نسبت زیادہ تند اور ترش ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابن خطاب اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ کہ شیطان تجھے کسی راہ میں دیکھے اور بھاگ کر دوسرا راستہ نہ اختیار کرلے۔ حضرت فضیل عیاضؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں فاسق اچھے اخلاق والے کی صحبت کو پسند کرتا ہوں بہ نسبت بدخو عالم کی صحبت کے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اثنائے راہ میں ابن مبارک کو ایک بدخلق کے ساتھ چلنے کا اتفاق ہوا۔ جب وہ آپ سے جدا ہو گیا۔ تو آپ رو پڑے لوگوں نے پوچھا۔ آپ کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس لئے روتا ہوں۔ کہ وہ تو میرے پاس سے چلا گیا۔ لیکن اس کی بدخلقی اس کے ساتھ اسی طرح رہ گئی۔ اور اس سے علیحدہ نہ ہوئی۔ کتانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ صوفی پن نیکخوئی ہے اور جو شخص تجھ سے زیادہ با اخلاق ہے وہ تجھ سے زیادہ صوفی ہے۔ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ بدخلقی ایک ایسا گناہ ہے کہ کسی عبادت سے اس کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور نیک خلقی ایک ایسی عبادت ہے کہ کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بھی اس شخص کا درجہ پاتا ہے۔ جو دن رات روزہ دار اور عبادت گذار ہو۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم

اخلاقِ فاضلہ کی حقیقت

اخلاق کے بارہ میں علمائے اخلاق نے بہت کچھ لکھا ہے اور ہر شخص نے اپنے تجربہ سے کام لیا ہے لیکن پوری حقیقت کسی نے بھی بیان نہیں کی۔ ایک کہتا ہے کہ خلق نیک کی حقیقت کشادہ روئی ہے اور ایک کہتا ہے کہ لوگوں کے رنج وظلم کو برداشت کرنا ہے اور ایک کہتا ہے کہ بدلہ نہ لینا حقیقتِ اخلاق ہے اور اسی قسم کے صدہا فتوے ہیں جو مختلف علماء نے بیان کئے ہیں اور یہ سب کچھ علماء نے لکھا ہے یہ خلق کی حقیقت نہیں ہے بلکہ اس کی بعض شاخیں ہیں۔ ہم اس کی تمام ماہیت و حقیقت کا ذکر کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ آدمی دو چیزوں سے پیدا کیا ہے ایک جسم جس کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ دوسرے وہ جسے سوائے عقل کی آنکھ کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور ان دونوں کے لئے برائی اور بھلائی دونوں چیزیں ہیں ایک کو حسن خلق اور دوسرے کو حسن خُلق کہتے ہیں جسطرح حُسن خَلق صورت ظاہری مراد ہے۔ اسی طرح حسن خُلق صورت باطنی سے مراد ہے اور جسطرح کہ حسن صورت ظاہری صرف آنکھ اور دہن کے اچھا ہونے سے اچھا نہیں کہلا سکتا۔ جبتک کہ آنکھ دہن۔ ناک وغیرہ سب اچھے نہ ہوں اسی طرح صورت باطن بھی خوبصورت نہیں کہلاتی۔ جبتک کہ باطن میں چار قوتیں اچھی نہ ہوں ایک قوتِ علم دوسری قوتِ خشم تیسری قوتِ شہوت۔ چوتھی قوتِ عدل۔ ان چاروں قوتوں میں اعتدال رکھنے کی قوت۔ قوتِ علم جس سے ہم دانائی مراد لیتے ہیں اس کا اچھا پن اس طریق پر ہوتا کہ وہ گفتار میں جھوٹ و سچ کی تمیز کر سکے اور افعال میں نیکی و بدی کو پہچان سکے اور اعتقادات میں حق و باطل میں فرق کر سکے جب یہ کمال حاصل ہو گیا تو آدمی کے دل میں پھر اس سے حکمت پیدا ہوتی ہے جو تمام سعادتوں کی اصل ہے جیساکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا اور قوت غضب کی نیکی یہ ہے کہ وہ حکمت اور شریعت کے فرمان میں ہو اور اس کی منشاء کے مطابق اٹھے بیٹھے۔ اور قوت غضب کی نیکی یہ ہے کہ وہ سرکشی نہ کرے اور عقل و شرع کا مطیع ہو۔ اور وہ اس طرح کہ اطاعتِ شریعت و عقل اسپر آسان ہو اور قوتِ عدلیہ کی نیکی یہ ہے کہ وہ غضب و شہوت کو قبضہ میں رکھے۔ اور دین و عقل کا مطیع بنائے غضب کی مثال شکاری کتے کی طرح ہے۔ اور شہوت کی مثال گھوڑے کی طرح ہے اور عقل کی مثال سوار کی ہے اور یہ گھوڑے کی خاصیت ہے کہ وہ کبھی سرکش ہو جاتا ہے اور کبھی فرمانبردار اور کتا کبھی فرمانبرداری کرتا ہے کبھی بگڑ کر سرکش ہو جاتا ہے اور جبتک گھوڑا شائستہ نہ ہو اور کتا ہلا ہوا نہ ہو۔ شکاری کو شکار ہاتھ میں لانیکی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔ بلکہ اس

بات کا خطرہ ہے کہ کہیں خود ہلاک نہ ہو جائے۔ اور وہ اسطرح کہ کتا کہیں لپٹ نہ جائے۔ اور گھوڑا کہیں گرا نہ دے۔ اور عدل کے یہ معنے ہیں۔ کہ ان دونوں کو عقل و دین کی اطاعت میں رکھے۔ اور کبھی شہوت کو غصہ پر مسلط کر دے تاکہ اس کی سرکشی کو توڑ ڈالے۔ اور کبھی غصہ کو شہوت پر قابض ہونے دے تاکہ اسکی حرص کو توڑ دے۔ اور جب یہ چاروں اس صفت پر ہونگے تو یہ نیکخوئی مطلق ہوگی۔ اور جاننا چاہیئے کہ اگر بعض ان میں سے نیک ہونگے تو یہ نیکخوئی مطلق نہ ہوگی۔ اور وہ اسطرح کہ اگر کسی کی آنکھ اچھی ہو اور ناک بُری ہو تو اسے مطلق خوبصورت نہ کہیں گے۔ اور جاننا چاہیئے کہ جو ان میں سے بُری ہوگی اس سے بُرے افعال پیدا ہونگے۔ اور ہر ایک کی برائی دو درجہ سے ہوتی ہے ایک تو یہ کہ ایسی زیادتی کرے کہ حد سے بڑھ جائے۔ اور ایک ایسی جو کمی کی وجہ سے ناقص رہے اور جب قوت علم حد سے زیادہ ہو جائے اور اس کو بُرے افعال میں لگایا جائے۔ تو اس سے مکاری اور لبیار دانی پیدا ہوگی اور اگر ناقص ہوگی تو اس سے بیوقوفی و حماقت پیدا ہوگی۔ اور اگر معتدل ہوگی تو اس سے نیک تدابیر اور درست آرائی ظاہر ہوگی۔ اور فکر صائب اور فراست پیدا ہو جائے گی۔ اور جب قوت خشم بڑھ جائیگی۔ تو اسے تہور کہینگے اور جب اس میں کمی واقع ہوگی۔ تو اسے بزدلی کہا جائیگا۔ اور جب اعتدال پر ہوگی تو اسے شجاعت کہیں گے۔ اور شجاعت سے کرم و بزرگ ہمتی۔ عفو۔ دلیری حلم بردباری وغیرہ خصائل ظاہر ہوں گے اور تہور سے کبر و عجب لاف زنی و پہلوانی پیدا ہوتی ہے اور اپنے آپکو خطرات میں ڈالنا بھی اسی تہور ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور بزدلی سے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرنا۔ بیچارگی خوشامد۔ مذلت وغیرہ افعال کا ظہور ہوگا اور اگر قوت شہوت کی افراط ہوگی۔ تو اسے حرص کہا جائیگا اور اس سے شوخی۔ پلیدی۔ بے مروتی۔ ناپاکی و حسد وغیرہ خصائل پیدا ہوں گے اور اگر یہ قوت رو بہ انحطاط ہوگی۔ تو اس سے سستی نامردی۔ بیقراری وغیرہ وغیرہ افعال کا ظہور ہوگا۔ اور اگر یہ قوت شہوت اعتدال پر ہو۔ تو اسے عفت کہیں گے اور اس سے شرم۔ قناعت۔ سہل گیری۔ صبر۔ ظرافت۔ موافقت وغیرہ افعال ظاہر ہوں گے۔ حاصل کلام ان تمام قوتوں کے دو کنارے ہیں۔ جو بُرے اور ناپسندیدہ ہیں۔ اور انکا وسط نیک اور پسندیدہ ہے اور یہی وسط جو ان دونوں کے درمیان میں ہے وہ بال سے زیادہ باریک ہے اور صراط مستقیم ہے اور اسکی باریکی صراط آخرت کی طرح ہے اور جو شخص اس صراط پر سیدھا چلیگا وہ کل قیامت کے دن اس صراط پر بھی امن سے گزرے گا۔ اور یہ اس لئے کہ حقتعالیٰ نے ہر خلق میں وسط کا حکم فرمایا ہے اور دونوں اطراف سے منع کیا ہے۔ ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔ اِن لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو نفقہ میں اسراف نہیں کرتے اور نہ ہی تنگی سے کام لیتے ہیں بلکہ وسط پر ایستادہ

ہیں۔حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ اسقدر ہاتھ بند کرو۔کہ کچھ نہ دو۔اور نہ اسقدر ہاتھ کو کشادہ کرو کہ سب دے دو۔اور خود محتاج ہو جاؤ۔

پس جاننا چاہیئے کہ نیکخوئی یہ ہے۔کہ تمام قوتیں اپنے اعتدال پر ہوں۔جسطرح خوبصورت وہی ہوتا ہے۔جس کے تمام اعضاء سڈول وخوبصورت ہوں اور لوگ اس لحاظ سے چار گروہ پر منقسم ہیں ایک تو وہ گروہ ہے جس کو یہ تمام صفات بکمال حاصل ہوں۔اور یہ گروہ نیکخوئی میں کمال پر ہوگا۔اور تمام مخلوق کو اس گروہ کی اطاعت کرنی چاہیئے۔اور یہ درجہ سوائے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے اور کسی کو حاصل نہیں۔جسطرح کہ یوسف علیہ السلام اپنے زمانہ میں خوبصورت مطلق تھے۔ان سے بڑھ کر حسن سیرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خُلقِ مجسّم تھے۔دوسرا گروہ وہ ہے جس میں یہ تمام بُری صفات بدرجہ کمال ہوں اور وہ بدخوئی مطلق ہے۔اور اس گروہ کو یا کسی ایک ایسے آدمی کو لوگوں کے درمیان میں سے نکال دینا چاہیئے کیونکہ شیطان کی صورت کے قریب قریب ہوتا ہے۔اور شیطان نہایت زشت رُو ہے۔اور شیطان کی زشتی (بُرائی) یہی ہے۔کہ اس کا باطن اور اسکی صفات واخلاق سب بُرے ہیں اور تیسرا وہ ہے جو اُن دونوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔لیکن نیکی کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔اور چوتھا وہ ہے جو درمیان میں ہو۔لیکن بُرائی کے زیادہ قریب ہو۔جیسے کہ حُسن ظاہر میں کمال خوبی اور کمال زشتی کمتر ہوتی ہے اور اکثر وسط کا درجہ ہوتا ہے۔اسی طرح نیک خصلتی و نیک خلقی کا حال ہے۔پس ہر شخص کو کوشش کرنا چاہیئے کہ اگر وہ درجہ کمال کو نہ پہنچے۔تو کم از کم درجہ کمال کے نزدیک تو ہو جائے۔اور اگر اس کے تمام اخلاق نیک نہ ہوں۔بعض یا زیادہ نیک ہوں۔جس طرح کہ خوبروئی اور زشت روئی میں فرق کی نہایت نہیں اسی طرح مخلوقات کے دلونکا حال ہے۔خُلقِ نیک کے پورے پورے معانی یہ ہیں۔اور یہ نہ ایک شے ہے اور نہ دس اور نہ سو بلکہ لامتناہی ہے لیکن اسکی اصل (جڑ) قوّت علمی۔قوت غضبی۔قوت شہوی اور قوت عدلی ہے۔باقی تمام انکی شاخیں ہیں۔

فصل اس بارہ میں کہ آیا اخلاقِ حسنہ پیدا کرنا ممکن ہے

جاننا چاہیئے۔کہ بعض علماء کا مقولہ ہے۔کہ جیسے لوگ اپنی ظاہری شکل وصورت کو جس طرح کہ وہ پیدا کی جا چکی ہے تبدیل نہیں کر سکتے۔جیسے کہ کوتاہ آدمی لمبا نہیں ہوتا۔اور لمبا آدمی کوتاہ نہیں ہوتا اور بُری شکل اچھی نہیں بن سکتی۔اور اچھی بری نہیں ہو سکتی۔اس طرح اخلاقِ جو شکل باطن میں ہیں نہیں بدل سکتے

اور یہ گروہ غلطی پر ہے اگر ایسا ہی ہوتا تو تادیب ریاضت۔ نصیحت سب کچھ باطل اور رائیگان ٹھہرتا۔ اور حضور کا ارشاد ہے۔ حَسِّنُوْا اَخْلَاقَکُمْ۔ اپنے اخلاق کو نیک بناؤ۔ اور یہ کس طرح محال ہوگا۔ جبکہ محنت و ریاضت سے جانور کو بھی سرکشی سے باز رکھا جاسکتا ہے۔ اور وحشی جانوروں کو اپنے ساتھ ہلایا جاسکتا ہے لیکن یہ قیاس خلقت ظاہری پر باطل ہے۔ کیونکہ کاروبار دو قسم پر ہے۔ ایک تو وہ کہ آدمی کے اختیارات کو اس میں دخل نہیں۔ جیسے کہ چھوہارے کی گٹھلی سے سیب کا درخت پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس ترتیب ونگہداشت سے چھوہارے کا درخت لگایا جاسکتا ہے۔ اسطرح غصہ اور شہوت کی جڑ کو آدمی کی فطرت سے باہر نکال دینا ممکن نہیں۔ لیکن ریاضت سے اسکو حدِ اعتدال پر لانا ممکن ہے اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے لیکن بعض آدمیوں کے حق میں ایسا کرنا بھی سخت دشوار ہوتا ہے۔ اور اس دشواری کی دو وجہیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ غصہ وشہوت کی جڑ فطرتاً زیادہ مضبوط ہو۔ دوسرے یہ کہ آدمی نے ایک عرصہ تک انکی اطاعت کی ہو۔ اور وہ اس سے قوی ہوگئی ہوں۔ اور مخلوق اس بارہ میں چار درجوں پر منقسم ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی سادہ دل ہو۔ اور نیک و بد کو نہ پہچانتا ہو۔ اور کسی نیک و بد خصلت سے مانوس نہ ہو اور اپنی پہلی ہی فطرت پر ہو تو ایسا آدمی نقش پذیر ہوتا ہے۔ اور جلد صلاحیت قبول کرلیتا ہے لیکن اسکو اس بات کی حاجت ہوتی ہے کہ کوئی شخص اسکو تعلیم دے اور بُرے اخلاق کی آفتیں اس سے بیان کرے اور اس کو راستہ بتائے۔ اور بچے ابتدائے فطرت میں اسطرح پر ہوتے ہیں لیکن ان کے ماں باپ کچھ اسطرح پر انکی پرورش کرتے ہیں کہ انہیں دنیا کا لالچی بنادیتے ہیں۔ اور انکو انکی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ وہ جس طرح چاہیں۔ زندگی گذاردیں۔ حالانکہ انکے دین کی حفاظت کا بوجھ ماں باپ کے کندھوں پر ہے۔ اور اس لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا۔ یعنی اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ ابھی آدمی نے کسی بُری شے کا اعتقاد نہ کیا ہو۔ لیکن مدت سے قوت غضب و شہوت کی متابعت کرنیکا عادی ہوگیا ہو۔ لیکن یہ بھی جانتا ہو کہ یہ ناکردنی ہے ایسے آدمی کی اصلاح نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ ایسے آدمی کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ برائی کی عادت اس سے چھڑادیں۔ دوسرے نیکی کا تخم اس کی طبیعت میں بوئیں۔ لیکن اگر خود اس میں جدّ وجہد کا مادہ پیدا ہوجائے تو وہ جلد اصلاح پذیر ہوگا۔ اور عادتِ بد کو ترک کردیگا۔

تیسرا درجہ یہ ہے۔ کہ آدمی بُرائی کے ساتھ انس پکڑ گیا ہو۔ یعنی برائی کا خوگر ہوگیا ہو۔ لیکن اس بات سے بےخبر ہو کہ یہ کام بُرا ہے۔ بلکہ اسکی آنکھوں میں وہ بُرائی بھلائی ہو۔ ایسا آدمی بہت کم اصلاح پذیر ہوتا ہے

چوتھا درجہ یہ ہے کہ آدمی برائی پر فخر کرے۔ اور باوجود اس کے وہ جانتا ہے کہ یہ بُرا کام ہے۔ جیسے کہ بعض لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اسقدر آدمیوں کو مارا۔ یا ہم نے اس قدر شراب پی۔ سوائے سعادت آسمانی اور تائید ایزدی کے ایسا آدمی بھی اصلاح پذیر نہیں ہوتا۔

طریق علاج

جاننا چاہیئے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ کسی بُرے خلق کو ترک کر دے تو اسکے لئے ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ خُلق اسے جس بات پر آمادہ کرے۔ اسکے خلاف عمل کرے۔ کیونکہ شہوت کو سوائے مخالفت کے دوسری کوئی شے نہیں توڑ سکتی۔ اور ہر شے کو اس کی ضد توڑ سکتی ہے۔ جسطرح کہ جو علّت گرمی سے پیدا ہوئی ہو، اسے سرد اشیاء سے دفع کیا جاسکتا ہے۔ پس جو علّت غصّہ سے پیدا ہو۔ اسکا علاج بردباری ہے اور جو علت تکبّر سے پیدا ہو۔ اسکا علاج انکساری ہے۔ اور جو علّت بخل سے پیدا ہو۔ اس کا علاج سخاوت میں ہے۔ اور تمام چیزیں اسی قبیل پر ہیں۔ پس جو شخص نیک کاموں کی عادت ڈالتا ہے۔ اس میں نیک اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ اور شریعت نے جو نیک امور کا حکم فرمایا۔ اسکا بھید اور علت یہی ہے کہ دل نیک صفات کی جانب پھریں۔ اور بُری صفات کو ترک کر دیں۔ اور آدمی جو عادت تکلّف سے پیدا کرتا ہے وہ اسکی طبیعت ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ بچہ پہلے مدرسہ سے اور تعلیم سے بھاگتا ہے۔ اور جب اس کو الٹا اماں مدرسہ بھیجتے رہتے ہیں تو پھر مدرسہ میں جانا اور پڑھنا اسکی طبیعت کا جوہر ہو جاتا ہے اور جب بڑا ہوتا ہے تو اسکی تمام لذّتیں محض علم میں ہی ہوتی ہیں۔ اور اس کو بلا تعلیم کے مزا نہیں آسکتا۔ اور اسی طرح وہ اشخاص جو کبوتر بازی۔ شطرنج۔ جُوا بازی وغیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں تو آہستہ آہستہ یہ تمام چیزیں انکی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور پھر اسکی تمام دنیوی لذّت اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے۔ سب اسی میں صرف کر ڈالتا ہے اور اس کو نہیں چھوڑتا۔ بلکہ وہ چیزیں جو خلافِ طبیعت ہوتی ہیں۔ کثرت استعمال سے عادتِ طبع بن جاتی ہیں۔ یہانتک کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو چوری کرنے میں بید کھاتے اور ہاتھ کٹوانے پر صبر کرنے میں فخر کرتے ہیں۔ اور مخنّث باوجودیکہ ایک ذلیل ہستی ہیں۔ لیکن وہ اس میں اپنے ہیجڑے ہونے پر نازاں ہوتے ہیں بلکہ اگر حجاموں اور خاکروبوں کو دیکھا جائے تو وہ بھی علماء اور سلاطین کی طرح اپنے پیشہ پر فخر کرتے ہیں۔ اور یہ سب عادت کا ثمرہ ہے بلکہ اگر کوئی شخص مٹی کھانے کی عادت کر لیتا ہے۔ تو اُسکو بغیر مٹی کھانے کے صبر نہیں آتا۔ اور اس کیوجہ سے بیماری و خطرہ وہلاکت پر صبر کرتا ہے تو جو چیز خلاف طبع ہوتی ہے وہ عادت سے موافق طبیعت بن جاتی ہے تو جو چیز موافق طبع ہے اور دل کیلئے ایسی ہے۔

جیسے بدن کے لئے کھانا پینا تو وہ بطریق اولیٰ عادت سے حاصل ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی معرفت اور اسکی اطاعت اور غضب وشہوت کو مطیع بنانا مقتضائے طبع آدمی ہے اسلئے کہ آدمی فرشتوں کی اصل سے ہے۔ اور اسکی غذا یہی ہے۔ اور وہ جو خلاف اشیاء کی جانب راغب ہے۔ تو وہ اس لئے ہے کہ بیمار ہو گیا ہے یا اسکی غذا اسکے نزدیک بُری ہو گئی ہے۔ اور وہ بیمار ہوتا ہے جو طعام کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اور جو چیزیں اس کیلئے سرمایہ زیان ہوتی ہیں۔ انکی جانب راغب ہوتا ہے۔ پس جو شخص کسی دوسری شے کو سوائے معرفت حق تعالیٰ اور اطاعت شریعت کے پسند کرتا ہے۔ اسکا دل بیمار ہے جیساکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ اور فرمایا اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ جسطرح کہ بیمار جسم کو اس جہان میں ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اسطرح بیمار دل کو اس جہان میں ہلاکت کا خطرہ ہے اور جسطرح کہ بیمار کو امید سلامتی سوائے خلافِ نفس اشیاء کو بموجب ہدایت طبیب کے کھانے سے نہیں ہوتی اسی طرح بیماریٔ دل کا علاج سوائے مخالفت ہوائے نفس کے اور صاحبِ شریعت کے احکام پر عمل کرنے کے نہیں ہو سکتا۔ جو مخلوق کے دلوں کا طبیب ہے الغرض طبِ تن اور طبِ دل کا ایک ہی راستہ ہے۔ جسطرح سردی کے لئے گرمی اور گرمی کیلئے سردی موافق ہوتی ہے۔ اسی طرح جس شخص پر تکبر غالب ہو گیا ہو۔ وہ بہ تکلف عاجزی کرکے اپنے شفا حاصل کریگا اور اگر تواضع یعنے عاجزی اس حد تک پہنچ گئی ہے۔ کہ ذلت کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ تو بہ تکلف غرور کرنے سے شفا حاصل کر سکتا ہے۔

پس جاننا چاہیئے۔ کہ اخلاقِ حسنہ کے تین سبب ہوتے ہیں۔ ایک تو اصل فطرت میں اخلاق نیک ہیں اور وہ محض عطاء وفضلِ حق تعالیٰ ہے کہ اس نے کسی کو اصل نیک فطرت میں پیدا کر دیا ہے مثلاً سخی و متواضع بنا دیا۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ تکلف کے ساتھ نیک کام کرنے کی کوشش کرے اور عادت ڈالے۔ تاکہ اسے نیک کام کرنے کی عادت ہو جائے۔ تیسرے یہ کہ اگر کچھ لوگوں کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھے تو ان سے صحبت رکھے۔ تو خواہ مخواہ طبیعت ان کے صفات کو اختیار کریگی۔ اگرچہ وہ اس سے بیخبر ہی کیوں نہ رہے۔ پس جس کو یہ تینوں سعادتیں نصیب ہوں۔ یعنی اصل فطرت میں بھی نیک ہو اور نیک لوگوں کی صحبت میں رہے اور نیک کاموں کی عادت ڈالے۔ وہ شخص سعید ہے اور سعادت میں درجہ کمال پر فائز ہے اور جو شخص ان تینوں باتوں سے محروم ہو۔ یعنی اصل فطرت میں بھی ناقص ہو اور شریر لوگوں کی صحبت میں رہے اور بُرے افعال کا عادی ہو تو وہ شقی ہوتا ہے۔ اور شقاوت کے درجہ کمال پر پہنچ جاتا ہے اور ان درجات کے درمیان اور بھی بہت سے مدارج ہیں جو بعض لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کو حاصل نہیں ہوتے اور ہر شخص کی سعادت وشقاوت انہی مدارج کے مقدار پر ہوتی ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ۔

فصل جاننا چاہیئے کہ اگرچہ اعمال اعضائے ظاہر کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لیکن ان سے مراد گردش دلی ہے۔ کیونکہ دل ہی ہے جو اس عالم کی جانب سفر کریگا۔ اس لیئے دل کو نہایت صاحب جلال و کمال ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ حضرت الٰہی کے قابل ہو سکے۔ اور آئینہ کی طرح صاف اور رسیدھا ہو تاکہ اس میں صورت ملکوت دکھائی دے۔ اور ایسا جمال دیکھے کہ وہ بہشت جسکی اس نے تعریف سنی ہے اس کے مقابلہ میں حقیر نظر آئے اگرچہ اس عالم میں بدن کا بھی حصہ ہے لیکن اصل جو ہے تو وہ دل ہے اور تن اس کی متابعت میں ہے اور جاننا چاہیئے کہ تن اور شے ہے اور دل اور شے ہے دل عالم ملکوت سے ہے اور تن عالم شہادت سے ہے۔ اور یہ بات عنوان کتاب میں پہچان لی گئی ہے لیکن اگرچہ تن دل سے علیحدہ ہے لیکن دل اس کے ساتھ متعلق ہے اور جو نیک معاملہ تن سے ہوتا ہے۔ اسکا نور دل میں پیدا ہوتا ہے اور بدن سے برا فعل صادر ہوتا ہے اسکی ظلمت دل کو پہنچتی ہے اور اول الذکر نور تخم سعادت بنتا ہے اور آخر الذکر تخم شقاوت اور اسی علاقہ کی بنا پر آدمی کو اس جہان میں لایا گیا ہے۔ تاکہ وہ اس بدن کو دام اور آلہ بنا کر صفات کمال کو حاصل کرے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ کتابت دل کی صفت ہے لیکن اسکا فعل انگلیوں سے ہے اگر کوئی شخص خوشنویس بننا چاہے تو اسے تکلف کے ساتھ خوشخطی کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ تاکہ لکھتے لکھتے خط اسکے دل میں نقش ہو جائے۔ اور پھر اسکی انگلیاں دل کے اشارہ پر لکھا کریں۔ اسی طرح نیک افعال سے دل نیک کاموں کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کا دل نیک خلق کی عادت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اسکے افعال بھی اس خلق کی صفات پر ظہور کرتے ہیں۔ پس بہ تکلف نیک افعال کرنا تمام سعادتوں کی ابتدا ہے اور اس کا ثمر یہ ہے کہ دل نیک صفات حاصل کر لیتا ہے اور پھر اسکا نور باہر ظہور کرتا ہے اور وہ نیک افعال جو پہلے تکلف سے اور طوعاً و کرہاً کئے جاتے تھے پھر طبیعت رغبت سے انکو سر انجام دیتی ہے اور اسکا راز وہ تعلق ہے جو دل اور تن کے درمیان ہے۔ اور جس کے باعث وہ اسکے لئے مؤثر ہے اور یہ اسکے لئے مؤثر ہے اور اسلئے جو فعل غفلت سے کیا جاتا ہے وہ بالکل حقیر و ناچیز ہوتا ہے۔ چونکہ دل اس سے غافل ہوتا ہے۔

فصل جاننا چاہیئے۔ کہ جس شخص کو کوئی بیماری سردی کیوجہ سے ہو جائے تو اسے زیادہ گرم شے استعمال نہ کرنی چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ گرمی سے بھی کوئی نہ کوئی علت پیدا ہو جائے۔ بلکہ اس کے لئے ایک ترازو ہے اور معیار ہے۔ جسکا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور جاننا چاہیئے کہ مزاج کو اعتدال پر لانا مقصود ہے۔ نہ کہ گرمی اور سردی میں مبتلا کرنا۔ جب مزاج معتدل ہو جائے تو علاج چھوڑ دے اور مزاج کو اعتدال پر

رکھنے کی کوشش کرے اور معتدل اشیاء کا استعمال کرے۔ اسی طرح اخلاق کی بھی دو طرفیں ہیں۔ ایک تو مذموم ہے اور ایک محمود، اور وسط میں اعتدال ہے۔ مثلاً بخیل کو ہم سخاوت کرنے کے لئے کہیں، لیکن یہاں تک کہ مال دینا اس پر آسان ہو۔ نہ اس قدر کہ اسراف کی حد تک پہنچ جائے، کیونکہ یہ مذموم ہے جسطرح علاج جسم کی ترازو علم طب ہے۔ اسی طرح علاج دل کی ترازو شریعت ہے پس اسطرح ہونا چاہیئے کہ شرع ہو کچھ دینے کو کہے وہ دینا اس کے لئے آسان ہو۔ اور اسکو نگاہ رکھنا اور بخل سے کام لینا نہ ہو اور جس چیز کو شریعت چھوڑنے کا حکم دے۔ طبیعت میں اس کے دینے کا تقاضا نہ ہو۔ تاکہ اعتدال مدِ نظر رہے، اگر اس میں تعمیلِ حکمِ شریعت کی خواہش و رغبت نہیں ہے تو سمجھ لے کہ وہ ابھی بیمار ہے۔ اور دوا کا استعمال بہ تکلف کرتا ہے، کیونکہ یہ تکلف ہی اس کی سرشت بن جانے کا راستہ ہے۔ اسلئے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری خوشی سے کرو اور اگر نہ کرسکو تو طوعاً و کرہاً بجا لاؤ۔ کیونکہ اس اکراہ میں بہت سی خیر ہے، جاننا چاہیئے کہ جو تکلف سے مال تقسیم کرتا ہے وہ سخی نہیں ہے۔ بلکہ سخی وہ ہے جس پر دینا آسان ہو اور جو شخص مال کو تکلف سے نگاہ رکھتا ہے۔ وہ بخیل نہیں ہے۔ بلکہ بخیل وہ ہے جسکی طبیعت میں مال کا نگاہ رکھنا موجود ہو، پس تمام اخلاق کو بالطبع پسندیدہ ہونا چاہیئے تاکہ تکلف کا کوئی واسطہ نہ رہے، بلکہ کمال خلق یہ ہے کہ اپنی باگ شریعت کے ہاتھ میں دیدے۔ اور متابعت شریعت اس پر آسان ہو اور اس کے باطن میں کوئی منازعت نہ رہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ اے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کا ایمان اسوقت مکمل ہوگا جب وہ اپنے تنازعوں میں تمہیں اپنا حاکم قرار دیں اور ان کے دلوں میں کسی قسم کی تنگی و گرانی نہ ہو۔ اس میں ایک راز ہے، اگرچہ اس کتاب میں یہ راز بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم کچھ نہ کچھ اشارتاً بیان ہوتا ہے جاننا چاہیئے کہ آدمی کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ ملائکہ صفت ہو جائے، کیونکہ وہ انہی کے گوہر میں سے ہے اور اس جہان میں ایک مسافر ہے اور اس کا معدن عالمِ ملکوت ہے اور ہر وہ اجنبی صفت جو وہ یہاں سے لے جائیگا، وہ اسے انکی موافقت سے دور کریگی پس چاہیئے کہ جب اُس جگہ جائے تو بالکل انہی کی صفت پر ہو۔ اور یہاں سے کوئی غیر صفت اپنے ساتھ نہ لے جائے جس شخص کو مال جمع کرنے کی حرص ہے، وہ مال کے جمع کرنے میں مشغول ہے اور جس شخص کو خرچ کرنے کی عادت ہے وہ خرچ کرنے میں مشغول ہے۔ اور جو شخص تکبر پر حریص ہے وہ لوگوں کے ساتھ مشغول ہے۔ اور جو شخص عجز کا خوگر ہے، وہ بھی خلق کے ساتھ مشغول ہے اور ملائکہ نہ مال کے ساتھ مشغول ہیں، اور نہ مخلوق کے ساتھ۔ بلکہ سوائے عشق حضرتِ الٰہیت کے کسی اور جانب التفات نہیں پس چاہیئے کہ آدمی کے دل کا تعلق مال کے ساتھ نہ رہے۔ اور مخلوق کے ساتھ

بھی اسے کچھ واسطہ نہ رہے۔ تاکہ ان تمام چیزوں سے پاک ہو۔ اور جس صفت سے آدمی کا عاری ہونا ممکن نہیں تو اسے اُس کے وسط میں ٹھہرنا چاہئیے۔ تاکہ من وجہٍ دونوں اطراف سے خالی رہے جسطرح کہ پانی سردی و گرمی سے خالی نہیں لیکن جب وہ معتدل اور تازہ ہو تو گویا دونوں اطراف سے خالی ہے۔ تو یہ صفت جس میں وسط و اعتدال کا جو حکم ہے وہ اسی بھید کیلئے ہے، پس دل کی جانب خیال رکھنا چاہئیے۔ کہ وہ سب چیزوں سے ٹوٹ کر حق تعالیٰ کے ساتھ متفق رہے جیسا کہ ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا تو اس سے معلوم ہوا کہ تمام ریاضات کی نہایت اور تمام اشکال کی غایت یہ ہے، کہ آدمی مرتبہ توحید پر پہنچ جائے بس اسی کو دیکھے اور اسی کو پکارے اور اسی کی بندگی کرے، اور سوائے اس کے دل میں کسی کی خواہش باقی نہ رہے، پس جب ایسا ہو جائے تو سمجھ لے کہ اخلاقِ حسنہ حاصل ہو گئے۔

فصل

جاننا چاہئیے، کہ ریاضت ایک نہایت ہی مشکل کام ہے بلکہ جان کندن کا معاملہ ہے، لیکن اگر طبیب کامل ہو اور اسے اچھی دوا یاد ہو تو ریاضت کی تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں، اور طبیب کا پہلا لطف یہ ہے کہ مرید کو پہلے ہی حقیقتِ حق کے درجہ کی طرف نہ بلائے کیونکہ اس کو برداشت نہ کر سکے گا۔ اسواسطے کہ اگر لڑکے کو مدرسہ جانے کو کہا جائے اور کہا جائے کہ اگر تو مدرسہ جائے گا۔ تو ہم تجھے گیند ڈنڈا کھیلنے کو دیں گے یا تجھے کھیلنے کیلئے چڑیا دیں گے۔ تاکہ لڑکا اس لالچ سے مدرسہ جائے اور جب لڑکا بڑا ہو جائے تو اسے اچھے لباس اور زیبائش کی ترغیب دینی چاہئیے، تاکہ وہ کھیل کود سے باز آئے اور جب اور بڑا ہو تو پھر اسے سرداری اور ریاست کی حرص دیں اور کہیں کہ ریشمی لباس پہننا عورتوں کا شیوہ ہے، اور جب وہ اور بڑا ہو تو اس سے کہے کہ سرداری اور ریاست ایک فانی شے ہے۔ جو مرنے کے بعد جاتی رہے گی تب اسے شاہیٔ جاوید کی طرف بلائے۔ ابتداء میں مرید اخلاص تمام پر قادر نہیں ہوتا تو اسے اجازت دیدے، کہ وہ اس غرض سے عبادت کرے تاکہ لوگ اسے اچھا خیال کریں اور تاکہ ریا کی آرزو میں پیٹ اور مال کا لالچ اس سے چھوٹ جائے اور جب وہ اس سے فارغ ہو جائے اور اس میں کچھ رعونت پیدا ہونے لگے تو پھر رعونت کا لالچ اس سے اسطرح چھڑائے کہ اسے بازار میں گدائی کرنے کو کہے اور جب اسے گدائی میں بھی درجۂ قبولیت حاصل نہ ہو، تو پھر اسے اس سے بھی روک دے اور ذلیل کاموں میں مشغول کرے۔ جیسے پاخانہ وغیرہ صاف کروانا علیٰ ہٰذا القیاس جو صفت اس میں پیدا ہوتی جائے، بتدریج اس کا علاج کرتا چلا جائے اور ایک ہی بار سب حکم نہ دے۔ کیونکہ وہ اس کا متحمل نہ ہو سکے گا اور وہ نیک نامی و ریا کی آرزو میں تمام مصیبتوں کو برداشت کریگا۔ کیونکہ ان تمام صفات کی مثال سانپ و بچھوؤں کی ہے اور ریا کی مثال اژدہا کی ہے، کہ وہ ان سب کو نگل لیتا ہے اور سب سے آخری صفت جو صدیقوں سے ظہور پذیر ہوتی

ہے، وہ بھی بلائے ریا ہے۔

عیوبِ نفس اور دل کی بیماری کو پہچاننا

جاننا چاہئے کہ جس طرح جسم، ہاتھ، پاؤں، آنکھ کی درستی اس میں ہے، کہ جن افعال کے سرانجام دینے کو انہیں پیدا کیا گیا ہے، انہیں آسانی کے ساتھ انجام دیں، جیسے کہ آنکھ اچھی طرح دیکھے، اور پاؤں اچھی طرح حرکت کریں۔ اسی طرح دل کی درستی اس میں ہے کہ جس فرض کی سرانجام دہی کیلئے اسے پیدا کیا گیا ہے، اسے آسانی کے ساتھ سرانجام دے سکے اور اصل فطرت میں جو اس کی طبیعت ہو، اس کے ساتھ مانوس ہو اور یہ بات دو باتوں سے حاصل ہوتی ہے، ایک ارادت سے اور ایک قدرت سے۔ ارادت یہ ہے کہ کسی چیز کو سوائے حق تعالیٰ کے دوست نہ رکھے، کیونکہ حق تعالیٰ کی معرفت غذائے دل ہے جس طرح کہ طعام غذائے بدن ہے اور جس بدن کو خواہشِ طعام نہ ہو وہ یا تو کمزور ہوتا ہے۔ یا بیمار رہتا ہے اسی طرح جس دل میں حق تعالیٰ کی الفت و محبت نہ ہو، وہ دل یا تو ضعیف ہے یا کمزور ہے اس لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ اِنْ كَانَ آبَاءُكُمْ وَاَبْنَاءُكُمْ الآیۃ یعنی اگر ماؤں کو اور باپوں کو، بیٹوں کو اور مال تجارت کو عشیرت قرابت کو اور جو کچھ بھی کہ رکھتے ہو اسے حق تعالیٰ اور اس کے رسول سے اور اسکے راہ میں لڑنے سے زیادہ عزیز جانتے ہو تو ذرا ٹھہرو، یہانتک کہ خدا تعالیٰ کا حکم آپہنچے، اور تم دیکھ لو، اور قدرت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری اس پر آسان ہو گئی ہو اور اسے اپنے اوپر جبر کرکے اس کے ساتھ مشغول ہونے کی حاجت نہ رہ گئی ہو، بلکہ اس کے لئے سرمایۂ لذت ہو۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ یعنی میری دونوں آنکھوں کی روشنی نماز میں ہے، اگر کوئی یہ بات اپنے دل میں نہ پائے، تو سمجھ لے کہ میرا دل بیمار ہے کیونکہ علالت دل کی علامت ہے اور ایسے بیمار کو علاج کی طرف مشغول ہونا چاہئے اور ممکن ہے کہ وہ اپنے اس عیب کو پہچانے یا نہ پہچانے، کیونکہ آدمی اپنے عیوب کے دیکھنے میں اندھا ہوتا ہے اور اپنے عیوب چار طریقوں سے پہچانے جا سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ کسی مرشد کامل کی صحبت میں جا بیٹھے تاکہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو اور اس کے عیب اسکو بتائے اور یہ بات اس زمانہ میں نادر الوقوع ہے۔ دوسری یہ کہ کسی مشفق دوست کو اپنا نگہبان بنائے جو خوشامد سے اس کے عیوب کو پوشیدہ نہ رکھے، اور نہ ہی حسد کی راہ سے زیادہ کرکے بتلائے اور یہ بات بھی اس زمانہ میں بہت کم ہے، لوگوں نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، کہ آپ لوگوں میں کیوں نہیں بیٹھتے، آپ نے فرمایا، میں ایسے لوگوں کی صحبت میں کیوں بیٹھوں جو میرے عیوب مجھ سے پوشیدہ رکھیں تیسرے یہ کہ اپنے حق میں دشمن کی بات کو سنے۔ کیونکہ عموماً

دشمن کی نگاہ عیوب پر ہی پڑتی ہے۔ اگرچہ وہ دشمنی کی وجہ سے مبالغہ کریگا لیکن پھر بھی اس کا کلام سچائی سے خالی نہ ہوگا، چوتھے یہ کہ لوگوں کے عیوب کو دیکھ کر اپنے آپ کو ان عیوب سے محفوظ رکھے اور اپنے حق میں بھی انہیں جیسا ہونے کا گمان کرے۔ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا ہے۔ آپ نے فرمایا، کسی نے بھی نہیں، لیکن میں نے جو برائی دوسروں میں دیکھی اپنے آپ کو اس سے بچایا۔

جاننا چاہئے، کہ وہ شخص نہایت ہی بیوقوف ہوتا ہے، جو اپنے حق میں نیکی کا گمان رکھتا ہے، اور وہ شخص نہایت ہی دانا ہے۔ جو اپنے حق میں برائی کا خیال رکھتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کا راز تم سے بیان فرمایا ہے، تو مجھ میں تم آثارِ نفاق سے کیا دیکھتے ہو، الغرض ہر شخص کو اپنے عیوب کو متلاشی رہنا چاہئے، کیونکہ جب تک علت نہ جانے گا۔ علاج نہیں کر سکتا، اور تمام علاج خواہش کی مخالفت سے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ سے واپس تشریف لائے، تو آپ نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ وہ کس طرح حضورؐ نے فرمایا۔ جہادِ نفس بڑا جہاد ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے، اپنے رنج کو اپنے نفس سے الگ رکھو اور اس کی خواہش کے مطابق خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔ کیونکہ یہ کل قیامت کو تمہارے ساتھ دشمنی کرے گا، اور تم پر لعنت کرے گا۔ یہانتک کہ تمہارے تمام اعضاء ایک دوسرے پر لعنت کریں گے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نفس سے زیادہ کوئی جانور سخت لگام کے قابل نہیں۔ حضرت سقطیؒ فرماتے ہیں۔ کہ چالیس سال سے میرا نفس چاہتا ہے کہ اخروٹ شہد میں ڈبو کر کھاؤں لیکن میں نے ابھی تک نہیں کھائے۔ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں، کہ میں ایک دفعہ کوہ لکالہ میں ایک کام کی غرض سے گیا۔ میں نے وہاں بہت سے انار دیکھے۔ میرے دل میں انار کھانے کی آرزو پیدا ہوئی، ایک کو میں نے توڑا، لیکن وہ ترش تھا، اسلئے اسے پھینک دیا۔ اور اپنی راہ لی۔ اثنائے راہ میں میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ زمین پر پڑا ہوا ہے۔ اور اس کے گرد زنبور جمع ہو ہو کر اسے کاٹ رہے ہیں، میں نے اس سے السلام علیکم کہا۔ آپ نے جواب دیا، وعلیکم السلام یا ابراہیم میں نے کہا تم نے مجھے کسطرح پہچان لیا۔ اس نے جواب دیا۔ جو شخص حق تعالیٰ کو پہچان لیگا۔ اس پر کوئی شئے پوشیدہ نہ ہوگی، میں نے کہا، اے شخص میں دیکھ رہا ہوں، کہ تو حق تعالیٰ کے ساتھ کمال نسبت رکھتا ہے لیکن تو اس بات کی آرزو کیوں نہیں کرتا۔ کہ وہ ان زنبوروں کو تجھ سے دور رکھے، اس نے جواب دیا کہ تم بھی تو حق تعالیٰ کے ساتھ نسبت رکھتے ہو، کیوں نہیں چاہتے کہ وہ تم سے انار کی خواہش کو دور رکھے، کیونکہ

انار کی خواہش کا زخم اُس جہان میں ہوگا۔ اور زنبور کا زخم اِس جہان میں۔

جاننا چاہیئے، کہ اگرچہ انار حلال ہے لیکن اہل حزم (احتیاط) کے نزدیک حلال وحرام کی خواہش ایک ہی درجہ رکھتی ہے، اگر حلال کا دروازہ بقدر ضرورت کے سوا بند نہ کیا جائے، تو پھر طلب حرام ہوتی ہے، پس اسی خیال سے مباح چیز دل کی خواہش کو بھی ترک کر دیا ہے تاکہ حرام اشیاء کی خواہش سے نجات حاصل ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر مرتبہ حلال اشیاء کو اس لئے ترک کیا۔ کہ کہیں ان کی وجہ سے حرام میں مبتلا نہ ہو جاؤں، دوسرے جب نفس دنیوی نعمتوں کا خوگر ہو جاتا ہے تو پھر وہ مباحات میں دنیا کو دوست رکھنے لگ جاتا ہے، اور دل کو اس مبتلا کر دیتا ہے۔ اور پھر دنیا اس کے لئے بہشت بن جاتی ہے، اور موت اس کے لئے دشوار ہو جاتی ہے اور سرگشتگی و غفلت دل میں پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر اگر وہ ذکر و مناجات کرتا ہے، تو دل کو لذت حاصل نہیں ہوتی، اور پھر جب مباح اشیاء کی خواہش کو اس سے دور کر لیا جائے تو پھر شکستہ و رنجور ہو جاتا ہے، اور دنیا سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اور نعیم آخرت کا شوق اسکے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور حزن و شکستگی کی حالت میں ایک تسبیح اس طرح اثر کرتی ہے کہ حالت شادی و تنعم میں سو تسبیح ایسا اثر نہیں رکھتی۔ اور نفس کی مثال باز جانور کی سی ہے۔ باز کی تادیب اس طرح کی جاتی ہے کہ اسے گھر میں لاتے ہیں اور اس کی آنکھوں کو سی ڈالتے ہیں۔ تاکہ جو کچھ گھر میں ہے اس کا خوگر نہ ہو جائے پھر اس کو تھوڑا تھوڑا گوشت دیتے ہیں تاکہ وہ بازدار کے ساتھ الفت کرے اور اس کا مطیع ہو جائے۔ اور اسی طرح نفس کو حق تعالیٰ کے ساتھ انس پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی تمام عادات کو دور نہ کیا جائے اور اس کی آنکھیں، کان اور زبان وغیرہ بند نہ کر دیے جائیں، اور گوشۂ تنہائی اور بھوک اور خاموشی اور بیخوابی سے اس کو محنت نہ دی جائے اور ابتدا میں یہ اس پر دشوار ہوتا ہے۔ جیسے کہ بچے کو دودھ چھڑانا دشوار ہوتا ہے لیکن اگر چھڑانے کے بعد اس کو دیں، تو اس کے لئے پینا دشوار ہوتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ہر شخص کی ریاضت یہ ہے کہ جس چیز سے وہ خوش ہوتا ہے، اسے چھوڑ دے اور جو شئے اس پر غالب ہے، اس کی مخالفت کرے تو جس شخص کی خوشی جاہ و حشمت میں ہو، وہ اسے ترک کر دے اور جس شخص کی خوشی مال جمع کرنے سے ہو وہ مال خرچ کر دے اور جو شئے حق تعالیٰ کی محبت کے سوا محل آسائش ہو اسے جبراً اپنے سے جدا کر دے اور اس کا ملازم بن جائے کہ ہمیشہ جس کا ملازم رہیگا۔ اور جس چیز کو موت کی وجہ سے چھوڑے گا۔ اس کو خود اپنے اختیار سے چھوڑ دے اور ہمیشہ اس کے ساتھ حق تعالیٰ ہی رہیگا۔ جس نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل کی تھی۔ کہ اے داؤد میں ہی تیرا ساتھی ہوں، تو میرا رفیق رہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے میرے باطن میں یہ آواز پھونکی کہ اَحْبِبْ مَا

اَحْبَبْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ یعنی دنیا کی جس چیز کو تیرا جی چاہے دوست رکھ، یہ سب تجھ سے علیحدہ ہو جائینگی۔

علاماتِ اخلاقِ حسنہ

جاننا چاہیئے۔ کہ خوئے نیک کی علامت یہ ہے۔ جو حق تعالیٰ نے مومنوں کی صفت قرآن شریف میں بیان فرمائی ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ تا آخر، اور اس آیت میں اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ اور جو ارشاد کیا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا یہ مومنوں کی صفات ہیں، اور جو کچھ منافقوں کے حالات میں بیان فرمایا ہے وہ خوئے بد کی علامات ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کی نماز و روزہ عبادت ہوتی ہے اور منافق کی ہمت جانوروں کی طرح کھانا پینا ہے۔ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن فکر و عبرت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور منافق حرص و آرزو میں۔ اور مومن تمام باتوں سے امان میں ہوتا ہے سوائے حق تعالیٰ کے۔ اور منافق تمام لوگوں سے ڈرتا ہے سوائے حق تعالیٰ کے۔ مومن تمام لوگوں سے ناامید ہوتا ہے۔ سوائے حق تعالیٰ کے۔ اور منافق سب لوگوں سے امید رکھتا ہے سوائے حق تعالیٰ کے، اور مومن مال کو دین کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور منافق دین کو مال کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ مومن اطاعت کرتا ہے اور روتا ہے اور منافق گناہ کرتا ہے اور ہنستا ہے اور مومن تنہائی و خلوت کو پسند کرتا ہے۔ اور منافق اژدحام اور لوگوں کی صحبت کو۔ مومن بوتا ہے اور ڈرتا ہے کہ شاید نہ کاٹ سکے۔ منافق نہیں بوتا اور کاٹنے کا طمع رکھتا ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مومن وہ ہے، جو شرمگین، کم گو، کم رنج، راست گو، صلاح جو، بہت اطاعت کرنیوالا، کم چوکنے والا، فضول کام کم کرنے والا، سب کا خیرخواہ اور سب کے حق میں نیک کردار، باوقار، مشفق، دھیما، قانع، شاکر، بُردبار، نرم دل، رفیق، کم طمع، بُرا بھلا نہ کہنے والا اور نہ لعنت کرنیوالا، نہ سخن چین نہ غیبت کرنے والا، نہ فحش کلام کرنے والا۔ نہ جلد باز، نہ حاسد، نہ کینہ ور، کشادہ پیشانی، شیریں زبان وغیرہ وغیرہ عادات حسنہ کا مالک ہو۔ مومن کی خوشنودی صرف حق تعالیٰ ہی کے واسطے ہوتی ہے اور بس۔

جاننا چاہیئے، کہ خوئے نیک حلم، بُردباری سے ظاہر ہوتی ہے، جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں نے بہت رنج دیا۔ اور یہانتک کہ آپکا دندان مبارک شہید کر دیا۔ لیکن حضور نے فرمایا، تو کیا فرمایا، حق تعالیٰ ان پر اپنا رحم کرے کہ وہ نہیں جانتے ہیں، حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ صحرا میں جا رہے تھے، کہ راستہ میں ایک لشکری ملا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا تو بندہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں میں بندہ ہوں۔ اس نے کہا۔ آبادی (شہر) کہاں ہے۔ آپ نے گورستان کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس نے کہا، میں تو شہر کی آبادی کا پتہ پوچھتا ہوں، آپ نے فرمایا۔ آبادی یہی ہے اور شہر اسی کا نام ہے اس لشکری نے لاٹھی اٹھا کر آپ کو

ماری۔ آپ کا سر پھٹ گیا۔ اور وہ آپکو پکڑ کر شہر میں لے آیا جب آپ کے مریدوں نے دیکھا۔ تو اس لشکری سے کہا کہ اے احمق یہ زاہدِ زمانہ ہیں۔ اور ان کا نام ابراہیم ادھم ہے وہ لشکری گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اور آپ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کہا۔ کہ میں بندہ ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اس لئے کہ میں حق تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس نے کہا۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا جس وقت تو نے میرے سر کو پھوڑا تھا۔ میں نے اسی وقت تیرے حق میں دعا کی تھی۔ لوگوں نے پوچھا۔ حضرت وہ کیوں۔ آپ نے فرمایا اس خیال سے کہ مجھے اس کے سبب سے ثواب ہوگا اور میں نے نہ چاہا کہ مجھے تو اس کے سبب سے ثواب نصیب ہو اور اسے برائی۔ حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شخص نے دعوت کی تاکہ آپ کو آزمائے جب آپ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچے۔ تو اس نے اندر داخل ہونے سے منع کر دیا۔ اور کہا۔ کہ اب کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ آپ واپس تشریف لے گئے۔ جب کچھ دور گئے تو وہ آپ کے عقب میں گیا۔ اور پھر بلا لیا جب آپ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچے تو پھر اندر نہ جانے دیا۔ اور وہی کہا۔ کہ اب کچھ نہیں رہا۔ اور چند بار اس نے آپکے ساتھ یہی سلوک کیا۔ وہ جب بھی آپ کو بلاتا تھا۔ آپ چلے آتے تھے۔ اور جب وہ آپ کو واپس کرتا۔ تو آپ واپس چلے جاتے تھے۔ آخر کو اس نے کہا کہ اے شیخ حرم میں تو تمہاری آزمائش کر رہا تھا۔ آپ خوش اخلاق مرد ہیں۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تم نے مجھ سے دیکھا ہے۔ یہ تو کتے کا خُلق ہے۔ کہ جب اس کو بلاتے ہیں آجاتا ہے۔ اور جب اس کو نکال دیتے ہیں نکل جاتا ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے راکھ کا بھرا ہوا طشت چھت پر سے آپ پر ڈال دیا۔ آپ نے کپڑے جھاڑے اور حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ لوگوں نے کہا۔ آپ نے کیوں شکریہ ادا کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص آگ کا مستحق ہو۔ اگر اس پر راکھ ڈالیں تو شکر کا مقام ہے حضرت امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ اور آپ کے مکان کے دروازہ پر نیشاپور میں ایک حمام تھا۔ جب آپ حمام میں جاتے تو لوگ اسے خالی کر دیتے ایک دن لوگوں نے حمام خالی کر دیا۔ اور آپ اس میں تشریف لے گئے۔ حمامی نے کچھ غفلت کی جس کی وجہ سے ایک دہقانی حمام میں گھس آیا۔ اور آپکو وہاں دیکھ کر حمام کے غلاموں میں سے ایک غلام خیال کیا۔ اس نے آپ کو مخاطب کر کے کہا اٹھ پانی لا۔ آپ پانی لے آئے۔ پھر کہا اٹھ اور مٹی لا۔ وہ آپکو اسی طرح کام بتاتا جاتا تھا۔ اور آپ کرتے جاتے تھے۔ جب حمامی آیا۔ تو اس نے ایک دہقان کو آپ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ڈرا اور بھاگ گیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو لوگوں نے کہا۔ کہ حمامی اس واقعہ کے خوف سے بھاگ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے کہدو۔ کہ مت بھاگے۔ یہ تو اسکا جرم ہے جس نے تخمِ فرزند سیاہ کنیز کے رحم میں ڈالا۔ عبداللہ درزی بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ ایک گبر آپ سے کپڑے سلوایا کرتا۔ اور ہر بار کھوٹے دام

دیتا۔ آپ لے لیتے۔ ایک دفعہ آپ موجود نہ تھے۔ آپ کے شاگرد نے کھوٹا درم نہ لیا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے شاگرد سے کہا تو نے کیوں ایسا کیا۔ کئی سال سے وہ میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ کر رہا ہے اور اور میں نے اس پر ظاہر نہیں کیا ہے۔ اور اس سے لیتا رہا ہوں۔ تاکہ کسی دوسرے مسلمان کو دھوکا نہ دے۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جاتے اور لوگ ان پر پتھر پھینکتے۔ آپ ان سے کہتے۔ کہ بڑے بڑے پتھر نہ مارو تاکہ میری پنڈلی شکستہ نہ ہو جائے۔ ورنہ میں نماز کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکونگا۔ احنف بن قیس رح کو ایک شخص گالیاں دیتا تھا۔ اور آپ کے ہمراہ گالیاں دیتا ہوا چلا جاتا تھا۔ جب آپ ایسے مقام کے قریب پہنچے۔ جہاں آپ کے خویش و اقارب رہتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اگر کچھ باقی رہ گئی ہوں۔ تو یہیں دے لے۔ اگر انھوں نے تمہاری گالیاں سن لیں تو وہ تجھے ستائیں گے۔ ایک عورت نے حضرت دینار رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ اے ریاکار! آپ نے فرمایا۔ اہل بصرہ نے میرا نام گم کر دیا تھا۔ تو نے ڈھونڈ نکالا۔ کمال حسن خلق کا یہ نشان ہے جو ان لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی صفت ہے۔ جو اپنے آپ کو صفات بشریہ سے بالکل پاک کر چکے ہوں۔ اور سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو نہ دیکھیں۔ وہ جو کچھ دیکھتے ہیں اسی سے دیکھتے ہیں جو شخص ان باتوں کو اپنے میں نہ دیکھے۔ بلکہ ان کا کچھ تھوڑا سا نشان بھی اپنے میں نہ پائے۔ اسے اپنی نسبت نیکی کا گمان اور غرور نہ کرنا چاہیئے۔

لڑکوں کا پرورش کرنا

جاننا چاہیئے کہ فرزند ماں باپ کے ہاتھ میں ایک امانت ہے۔ اور اس کا دل گوہر نفیس کی طرح پاک ہے اور تمام نقوش سے خالی ہے۔ اور موم کی طرح نقش پذیر ہے۔ اور پاک و خالص زمین کی طرح ہے۔ جس میں جو تخم چاہو پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر سعادت کا بیج بوؤ گے تو دین و دنیا میں سعادت پر سرفراز ہوگا۔ اور ماں باپ۔ استاد اس کے ثواب میں شریک ہونگے۔ اور اگر اس کے خلاف ہوگا۔ تو بد بخت ہوگا۔ اور پھر جو کچھ بھی اس پر گذرے گا۔ وہ اس میں شریک ہونگے۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ اور یہ نسبت دنیا کی آگ کے نار دوزخ سے فرزند کو بچانا ضروری ہے۔ اور یہ اسطرح ہو سکتا ہے۔ کہ اس کو مودب بنائیں اور نیک اخلاق سے آراستہ کریں۔ اور بری صحبت سے بچائیں۔ کیونکہ تمام برائیوں کی جڑ صحبت بد ہے۔ اور اس کو آرام اور اچھے کپڑے پہننے کا خوگر نہ ہونے دیں کیونکہ پھر وہ ان کے بغیر صبر نہ کر سکیگا اور تمام عمر اپنی کے تلاش میں ضائع کر دیگا اور یہ کوشش ابتدا ہی میں کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ جو عورت اس کو دودھ پلائے وہ صالحہ۔ نیک اور حلال خور ہو۔ کیونکہ خوئے بد دایہ سے بھی سرایت کر آتی ہے۔ اور جو دودھ حرام

سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ پلید ہے۔ اور جب بچے کا گوشت و پوست اس سے نشو و نما پاتا ہے۔ تو اس کی طبع بھی اس کی نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو بلوغت کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ اور جب بچہ کی زبان باتیں کرنا سیکھے۔ تو سب سے پہلا لفظ جو اسکی زبان سے نکلے وہ لفظ اللہ ہونا چاہیئے اور سب سے پہلے اسے اللہ کا نام ہی سکھانا چاہیئے۔ اور جب ایسا ہو کہ وہ بعض اشیاء سے شرم کرنے لگے۔ تو یہ اسبات کی بشارت اور دلیل ہے۔ کہ اس پر نورِ عقل نے شعاعیں ڈالی ہیں۔ اور عقل اس پر شحنۂ شرم مقرر کرتی ہے۔ تاکہ بُرے امور پر اسکو شرمندہ کرے اور جو چیز سب سے پہلے بچہ میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ طعام کی خواہش ہے۔ تو اسلئے اس کو کھانے کے آداب سکھانے چاہئیں۔ تاکہ سیدھے ہاتھ سے کھائے اور شروع کرتے وقت بسم اللہ کہے۔ اور جلدی جلدی نہ کھائے اور خوب چبائے۔ اور دوسروں کے لقمہ پر نظر نہ ڈالے۔ اور اپنے آگے سے لقمہ اٹھائے اور جب تک ایک لقمہ نگل نہ لے۔ دوسرا لقمہ نہ اٹھائے۔ اور ہاتھ اور کپڑوں کو آلودہ نہ رکھے۔ اور کبھی کبھی سوکھی روٹی بھی دے تاکہ اسے ہمیشہ سالن کے ساتھ کھانے کی عادت نہ پڑ جائے۔ اور زیادہ کھانا اسکی نظر میں بُرا ٹھہرائے۔ اور اسے بتا دے۔ کہ زیادہ کھانا احمقوں اور حیوانوں کا کام ہے۔ اور بیوقوف اور زیادہ کھانیوالے بچوں کی ہمیشہ اسکے سامنے برائی بیان کرے۔ اور مؤدب لڑکوں کی تعریف کرے۔ تاکہ اسے بھی اپنی تعریف کرانیکا شوق پیدا ہو۔ سفید اور سادہ کپڑوں کو اس کی نگاہ میں اچھا ٹھہرائے۔ اور ابریشمی اور رنگین کپڑوں کو اسکی نگاہ میں ذلیل ٹھہرائے اور کہے کہ یہ کپڑے پہننے عورتوں اور رنڈیوں کا کام ہے۔ اور اپنے آپکی آرائش کرنا مخنثوں کا شیوہ ہے۔ مردوں کا کام نہیں۔ اور لڑکے کو ریشمی کپڑے پہننے والے اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنیوالوں کی صحبت میں نہ بیٹھنے دے۔ ورنہ وہ انکو دیکھ کر خود بھی اسی قسم کی آرزو کریگا۔ اور صحبت بد سے بھی لڑکے کو بچائے۔ کیونکہ جس لڑکے کو بُری صحبت سے بچایا نہیں جاتا۔ وہ شوخ۔ بیحیا۔ چور۔ جھوٹا۔ گستاخ۔ بے باک ہو جاتا ہے۔ اور ایک مدّت تک ان عادات کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور جب اسکو مدرسہ میں داخل کرے۔ تو پہلے قرآن شریف پڑھوائے۔ اور پھر نیک لوگوں کی حکایات اور سیرت صحابہؓ میں مشغول کرے اور اسبات کا موقع نہ دے۔ کہ وہ عشق و محبت کی دل آویز باتیں کرے۔ اور اشعار اور عورتوں کے قصہ جات کیطرف مشغول ہو۔ اور ایسے معلّم و ادیب سے اسکو بچانا چاہیئے۔ جو یہ کہے کہ اس قسم کے اشعار سے طبیعت میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔ ایسا شخص ادیب نہیں ہے۔ بلکہ شیطان ہے۔ جو برائی کا تخم اسکے دل پر بوتا ہے۔ جب لڑکا نیک افعال ہو۔ اور نیک عادات ہو تو اس کی تعریف کرے اور جس شے سے وہ خوش ہوتا ہے اسے دے۔ اور لوگوں کے روبرو اس کی توصیف و تعریف کرے۔ اور اگر وہ ایک دو بار خطا کرے تو دیدہ دانستہ انجان بن جائے۔ تاکہ وہ گالیاں کھانے اور خفگی برداشت کرنیکا عادی نہ بن جائے خصوصاً جبکہ وہ خطا پوشیدہ طور

پر کرے۔ کیونکہ اگر اسے زیادہ کہا جائیگا تو وہ اس خطا پر دلیر ہو جائے گا۔ اور کھلم کھلا خطا کرنے لگے گا۔ اور اگر وہ بار بار خطا کرے تو اسے پوشیدہ طور پر کچھ سزا دیدے اور کہے کہ خبردار آئندہ ایسا نہ کرنا تاکہ لوگ تیری خطا سے خبردار نہ ہو جائیں۔ اور لوگوں میں تیری بے عزّتی نہ ہو۔ باپ کو چاہیئے کہ اپنی عزّت و عظمت کا اسکے ساتھ خیال کرے اور ماں کو چاہیئے۔ کہ وہ اسے باپ سے ڈراتی رہے۔ دن کے وقت اسے سونے کی عادت نہ ڈالے تاکہ وہ کاہل نہ بن جائے اور رات کو اسے نرم اور گدگدے بستر پر نہ سونے دے تاکہ اسکے قوائے مضبوط اور جفاکش ہو جائیں۔ اور گھڑی بھر اسے کھیلنے کی بھی رخصت دے تاکہ ذرا چست ہو جائے اداس اور زنگ دل نہ رہے۔ کیونکہ اس سے خوئے بد پیدا ہوتی ہے۔ اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور اسے ہر ایک سے بفروتنی پیش آنا سکھائے۔ تاکہ لڑکوں پر فخر و مباہات نہ جتائے۔ اور لڑکوں سے کچھ نہ لیا کرے بلکہ انہیں کچھ دیدیا کرے۔ لڑکے کو یہ بات تعلیم کر دینی چاہیئے۔ کہ دوسروں سے لینا بے ہمت اور فقیر لوگونکا شیوہ ہے اور کسی سے نقد و جنس لینے کی اُسے ہرگز ہرگز اجازت نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے اسکی عادات بگڑ جائیں گی۔ اور وہ بُرے افعال میں مبتلا ہوگا۔ اور یہ بھی اسے سکھائے کہ لوگوں کے سامنے نہ تھوکا کرے اور نہ ہی ناک سِنکے ۔ اور لوگوں کی جانب پیٹھ کرکے نہ بیٹھے۔ اور ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے۔ کیونکہ کاہل الوجودوں کا نشان ہے۔ اور بہت باتیں نہ کیا کرے نہ ہی قسم کھایا کرے۔ اور جبتک کوئی دریافت نہ کرے اپنے آپ بات نہ کرے۔ اور جو اپنے سے بڑا ہو۔ اسکا ادب ملحوظ رکھے اور اسکے آگے آگے نہ چلے۔ اور فحش کلمات سے اپنی زبان کو بچائے۔ اور اس سے کہدینا چاہیئے کہ جب استاد سزا دے تو فریاد و شور نہ کرے اور نہ ہی کسی کو سفارش کے طور پر لے جائے۔ کیونکہ صبر و تحمّل خاصہ مردانگی ہے۔ اور لونڈیوں اور عورتوں کا کام جزع و فزع کرنا ہے۔ اور لڑکے کی عمر سات برس کی ہو جائے تو اسے نہایت نرمی سے طہارت کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دے اور جب دس برس کا ہو جائے اور کچھ قصور کرے تو اسے مارے تادیب دے اور چوری و دروغگوئی کو اس کی نظروں میں بُرا ثابت کرے۔ اور جب لڑکے کو اس طریق پر پرورش کیا جائے۔ تو جس گھڑی وہ جوان ہو۔ تو ان آداب کے بھید اس سے ذکر کرے۔ اور پھر اسے بتائے کہ کھانا کھانے کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ بندہ کو حق تعالیٰ کی عبادت کرنے کی طاقت و قوّت پیدا ہو۔ اور دنیا سے صرف زادِ آخرت مقصود ہے کیونکہ دنیا ہمیشہ کسی کے ساتھ نہیں رہتی۔ موت اچانک اور ناگہانی طور پر آجاتی ہے۔ اور عقلمند وہی ہے جو دنیا سے زاد آخرت اکٹھا کرے تاکہ بہشت میں جائے۔ اور حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔ پھر دوزخ کا حال اس سے بیان کرے۔ اور کاموں کا ثواب و عذاب اس سے بیان کرے۔ اور جب ابتدا میں اس کی پرورش اس اصول پر ہوگی تو یہ امور اسکے دل پر پتھر کی لکیر بن جائیں گے۔ اور اگر ابتدا ہی میں اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ تو یہ تمام باتیں اس

ہونگی۔ جیسے دیوار سے خاک جھڑتی ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری عمر تین برس کی تھی جبکہ میں اپنے ماموں محمد بن سوار کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ایکدفعہ انہوں نے مجھ سے کہا۔ بیٹا جس خدا نے تجھے پیدا کیا ہے تو کیوں اسے یاد نہیں کرتا میں نے کہا ماموں جان میں اسے کیونکر یاد کروں۔ انہوں نے کہا۔ بیٹا۔ جب رات کو تو بچھونے پر سویا کرے۔ تو تین بار زبان سے نہیں بلکہ دل سے کہہ لیا کرو۔ کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ میری جانب دیکھتا ہے اور مجھے دیکھتا ہے۔ میں نے کئی شب ایسا ہی کیا۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ ہر شب سات بار کہا کرو۔ پھر گیارہ مرتبہ کہنے کا حکم دیا۔ میں کہا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ میرے دل میں ایک حلاوت پیدا ہو گئی جب ایک سال کا عرصہ ہونے کو آیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے۔ اسے تمام عمر یاد رکھنا۔ حتیٰ کہ تمہیں قبر میں اتاریں۔ کیونکہ یہ شغل دونوں جہان میں تیری دستگیری کریگا۔ میں کئی برس تک ایسا ہی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اسکی حلاوت میرے دماغ میں پیدا ہو گئی۔ پھر ایک دن ماموں نے مجھے کہا۔ خدا جس شخص کے ساتھ رہتا ہو اور جسکی جانب نگران ہو اور جسکو دیکھتا ہو وہ شخص خدا کا گناہ نہیں کرتا۔ خبردار گناہ ہرگز نہ کرنا کیونکہ وہ تمہیں دیکھتا ہے۔ پھر مجھے معلم کے پاس بھیجا۔ میرا دل گھبرانے لگا۔ میں نے کہا۔ مجھے گھڑی بھر کیلئے روزانہ بھیجدیا کرو۔ زیادہ نہیں۔ حتیٰ کہ میں نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف پڑھ لیا۔ جب میں دس برس کا ہوا۔ تو متواتر روزے رکھنے لگا۔ اور جَو کی روٹی کھایا کرتا۔ حتیٰ کہ بارہ برس کا ہو گیا۔ تیرھویں برس میرے دل میں ایک مسئلہ پیدا ہوا میں نے اجازت مانگی۔ کہ مجھے بصرہ میں بھیجدو تاکہ وہاں جاکر دریافت کروں۔ غرضیکہ وہاں گیا۔ تمام عالموں کے پاس پھرا۔ کسی نے اسے حل نہ کیا۔ پھر لوگوں نے مجھے ایک عابد کا پتہ بتایا میں وہاں گیا۔ انہوں نے اس مسئلہ کو حل کر دیا پھر میں ایک مدّت تک انکی خدمت میں رہا۔ اور پھر تستر واپس چلا آیا۔ میں ایک درم کے جَو مول لیا کرتا۔ اور اسکی سوکھی روٹی سے روزہ افطار کرتا۔ یہاں تک کہ میں اس پر قادر ہو گیا پھر میں نے اسے پانچ دن تک پہنچادیا۔ اور پھر سات دن تک اور پھر وہاں سے پچیس تک۔ اور میں پچیس دن تک کچھ نہ کھایا کرتا اور میں نے بیس برس اسی حالت میں بسر کئے۔ میں صائم رہا۔ اور راتوں کو جاگا کرتا۔ یہ حکایت اسلئے نقل کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر بڑے کام کا تخم اوائل عمر ہی میں ڈالنا چاہیئے۔

ابتدائے مجاہدہ میں مُرید کے شرائط اور ریاضت سے راہ دین میں چلنے کی کیفیت

جاننا چاہیئے۔ کہ جو شخص حق تعالیٰ تک نہ پہنچا وہ اسلئے نہ پہنچا کہ وہ حق تعالیٰ کی راہ پر نہ چلا۔ اور جو راہ پہ نہ چلا وہ اسلئے کہ اس نے طلب نہ کیا اور جس نے طلب نہ کیا۔ وہ اس سبب سے نہ کیا۔ کہ اس نے نہ جانا۔ اور جس نے نہ جانا اسکا ایمان مکمّل نہ ہوا اور جو شخص جانتا ہے۔ کہ دنیا منغّص ہے اور چند روزہ ہے۔ اور آخرت باقی و جاوید ہے اسکے

دل میں زادِ آخرت کی ایمادت اور طلب پیدا ہو گئی۔ اور اسکے لئے یہ امر دشوار نہ ہوا۔ کہ اسنے ایک حقیر چیز کو ایک نفیس چیز کے بدلہ میں دیدیا۔ کیونکہ آج ایک مٹی کے کوزہ کو اس امید پر چھوڑ دینا کہ کل سونے کا کوزہ ملیگا کچھ دشوار نہیں ہوتا جو ضعف ایمان ان تمام باتونکی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور ضعف ایمان کا سبب راہبر و نکا نہ ہونا ہے۔ کیونکہ دین کے معاملہ میں دلیل علمائے پرہیزگار ہی ہیں۔ اور یہ بات اس زمانہ میں نایاب ہے۔ اور جب راہبر اور دلیل نہیں تو رستہ خالی رہ گیا ہے۔ اور لوگ اپنی سعادتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور علماء میں سے جو گروہ موجود ہے اسپر دنیا کی دوستی غالب ہے اور جب یہ علماء دنیا طلب ہونگے۔ تو لوگوں کو بھلا کسطرح آخرت کی جانب بلائینگے۔ اور راہِ دنیا راہِ آخرت سے خلاف ہے۔ کیونکہ دنیا و آخرت مشرق و مغرب کیطرح ہیں۔ اگر آدمی ایک سے قریب ہوتا ہے تو دوسری سے بعید ہو جاتا ہے پس جسکی کو ارادت حق پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ منجملہ اسکے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ تو اس امر کو جاننا چاہیئے کہ یہ کس نے کہا اور سعی اور سعیہا سے کیا مراد ہے جاننا چاہیئے کہ سعی سے مراد راہ پر چلنا ہے۔ اور چلنے والے کیلئے ابتداءمیں چند شرائط ہیں جنہیں بجا لانا چاہیئے۔ پھر ایک دستاویز ہے جس سے اعتصام کرنا چاہیئے۔ پھر ایک قلعہ و حصار ہے جس سے پناہ لینا چاہیئے۔

شرطِ اوّل یہ ہے کہ اپنے اور حق کے درمیان میں سے حجاب اٹھادے۔ تاکہ اس قوم میں سے نہ ہو جس کے بارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا۔ اور حجاب چار قسم کے ہیں۔ حجابِ[1] مال۔ حجابِ[2] جاہ۔ حجابِ[3] تقلید۔ حجابِ[4] معصیت۔ مال اسلئے حجاب ہے۔ کہ اسکی وجہ سے دل مشغول رہتا ہے۔ اور جب تک دل فارغ نہ ہو راہ نہیں چل سکتا۔ پس چاہیئے کہ بقدر حاجت کے باقی تمام مال کو اپنے پاس سے دور کر دے۔ کیونکہ مال بقدرِ حاجت میں مشغلہ نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ اور اس کی تیمارداری دوسرا کرتا ہے۔ تو ایسا شخص جلد راستہ پالے گا۔ لیکن حجابِ جاہ و حشمت اس طریقہ سے اٹھتا ہے۔ کہ کہیں بھاگ جائے۔ اور کسی ایسی جگہ جائے۔ جہاں لوگ اس کو نہ پہچانیں۔ کیونکہ جبتک نامدار رہیگا۔ تب تک لذت اقبال و عظمت خلق میں مشغول رہیگا۔ اور جب شخص خلق سے لذت یاب ہوتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ سے لذت نہ پائیگا۔ اور تقلید اسلئے حجاب ہے کہ جب کسی کے مذہب کا اعتقاد کر لیگا تو اس نے بہ سبیل جدل ایک بات سن لی۔ اور پھر کسی دوسری بات کی اسکے دل میں گنجائش نہ رہیگی۔ چاہیئے۔ کہ ان سب امور کو فراموش کر دے۔ بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی حقیقت پر ایمان لائے۔ اور اس کی تحقیق اپنی ذات سے تلاش کرے۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے۔ کہ سوائے حق تعالیٰ کے اور کوئی معبود اسکی عبادت کے لائق نہ رہے۔ اور جس شخص پر ہوا و حرص غالب ہوتی ہے۔ تو ہوا و ہوس ہی اسکا معبود ہوتی ہے اور جب یہ مضمون اسکے لئے حقیقت بنجائے۔ تو پھر کار ہائے کشف کی تلاش مجاہدات سے کرے۔ جدل و مباحثات سے نہ

ڈھونڈھے۔ اور معصیت تو ایک نہایت زبردست حجاب ہے۔ جو شخص گناہ کرنے پر مُصِر ہوتا ہے اسکا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ تو حق کیسے اس پر منکشف ہو۔ اور خاصکر حرام کی روزی تو نہایت تباہ کرتی ہے اور حلال کی روزی سے جو نور دل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ کسی اور شے سے نہیں ہو سکتا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ آدمی حرام کی روزی سے بچے۔ اور سوائے حلال کی روزی کے نہ کھائے۔ اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ دین وشریعت کے اسرار اسپر کھلیں۔ قبل اسکے کہ وہ شریعت ظواہر کے اصول بجالائے۔ اس کی مثال ایسے شخص کی ہے۔ جو قبل اسکے کہ عربی زبان سیکھے۔ قرآن شریف کی تفسیر پڑھنا چاہیئے۔ اور جب اس سے یہ حجاب اٹھادے تو ایسے شخص کیطرح ہو گیا جو طہارت کر کے نماز پڑھنے کے قابل ہو گیا ہو۔ اب اس کو امام کی حاجت ہو گی۔ جسکی وہ اقتدا کرے اور وہ پیر ہے۔ کیونکہ بلا پیر کے راہ چلنا ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ راستہ جو ہے تو وہ پوشیدہ ہے اور شیطان کی راہ حق تعالی کی راہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور حق تعالی کی راہ ایک ہے اور شیطان کی راہیں ہزاروں ہیں۔ تو بھلا ایسی حالت میں بلا پیر کے کیسے راہ چل سکتا ہے۔ جب پیر دستیاب ہو جائے۔ تو اپنے تمام کام اس کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اور اپنا تصرف کچھ بھی باقی نہ رکھے۔ اور اس بات کو جان لے کہ اپنی رائے صائب کی بہ نسبت پیر کی خطا میں زیادہ فوائد ہیں۔ اور اگر پیر سے کوئی ایسی بات عمل میں آئے جسکی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد کرے۔ کیونکہ وہ حکایت پیر اور مرید ہی کے واسطے ہے کیونکہ مشائخین رحمۃ اللہ علیہم ایسی ایسی باتیں جانتے ہیں کہ عقل انکی حقیقت کو نہیں جان سکتی حکایت ہے کہ جالینوس کے زمانہ میں ایک شخص کی داہنی انگلی میں کچھ درد سا ہو گیا۔ ناقص حکیموں نے اس انگلی پر دوائیں باندھیں۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا جالینوس نے اس شخص کے بائیں شانے پر دوا باندھی۔ دوسرے حکیموں نے کہا یہ کیا بیوقوفی ہے کہ درد تو اس جگہ ہے اور دوا اس جگہ باندھی ہے۔ اسکا کیا فائدہ ہے۔ انگلی اچھی ہو گئی۔ سبب یہ تھا کہ جالینوس نے جان لیا تھا کہ پٹھے میں خلل ہو گیا ہے۔ اور یہ وہ جانتا تھا کہ اعصاب دماغ اور پشت سے آتے ہیں۔ اور جو اعصاب بائیں طرف سے آتے ہیں۔ وہ داہنی طرف کو جاتے ہیں۔ اور جو داہنی طرف سے آتے ہیں وہ بائیں طرف کو جاتے ہیں۔ اس مثال کا یہ مقصد ہے۔ تاکہ جان لے کہ مرید کو اپنے باطن میں تصرف سے کام نہ لینا چاہیئے۔ میں نے خواجہ ابو علی فارمدی سے سُنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار شیخ ابو القاسم گورگانی سے ایک خواب بیان کیا۔ انہوں نے مجھ پر غصہ کیا۔ اور ایک مہینہ تک مجھ سے کلام نہ کیا۔ میں اسکا کوئی مطلب نہ سمجھ سکا۔ یہانتک کہ ایک دن آپ نے فرمایا۔ کہ تو نے خواب بیان کرنے میں یہ کہا تھا۔ کہ تم شیخ ہو تم نے مجھ سے خواب میں ایک بات کہی۔ اور میں نے جواب میں کہا کہ کیوں۔ اگر تمہارے باطن میں کیوں کی گنجائش نہ ہوتی تو حالتِ خواب میں زبان پر یہ لفظ نہ آتا۔ تو پیر مرید کو پہلے حصار میں لے لیتا ہے تاکہ مرید آفات

سے محفوظ رہے۔ اور اس حصار کی چار دیواریں ہیں۔ ایک خلوت۔ ایک خاموشی۔ ایک گرسنگی۔ ایک بے خوابی۔ گرسنگی سے شیطان کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اور بے خوابی سے قلب منوّر ہوتا ہے۔ اور خاموشی پراگندگی سے محفوظ رکھتی ہے۔ اور خلوت ظلمتِ خلائق کو دور کرتی ہے۔ اور آنکھوں اور کانوں کی راہ کو بند کرتی ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ابدال جو ابدال ہوئے۔ تو وہ محض عزلت۔ گرسنگی۔ خاموشی۔ بیخوابی سے ہوئے۔ اور جب راستہ سے تمام اشغال رفع ہو گئے۔ تو پھر راہ چلنا اختیار کرے۔ اور راہ چلنے کی ابتدا یہ ہے کہ پہلے تمام راستہ کی گھاٹیوں کو برابر کر دے۔ اور راستہ کی گھاٹیاں صفاتِ مذمومہ ہیں۔ جو دل میں ہوتے ہیں اور جن کاموں سے بھاگنا چاہیئے۔ یعنے دور رہنا چاہیئے۔ یہ ان کی جڑیں ہیں۔ جیسے مال وجاہ کی حرص۔ اچھا کھانے اور پہننے کی حرص۔ تکبر وریا وغیرہ۔ تاکہ مادہ اشتغال باطن سے قطع ہو جائے اور دل خالی ہو جائے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ان تمام افعال و عاداتِ ذمیمہ سے تو خالی ہوتا ہے۔ لیکن ایک صفت ذمیمہ میں آلودہ ہوتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ جس طرح پیر کہے اس کے حکم کی متابعت میں اس کو ترک کرے۔ کیونکہ یہ بات احوال کیساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اور جب زمین خالی ہو جائے تو تخم ریزی شروع کرے۔ اور تخم صبر ہے تو وہ حق تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور جب ماسوائے اللہ سے خالی ہو جائے تو زاویۂ خمول میں بیٹھ کر ہمیشہ دل وزبان سے اللہ اللہ کہے یہانتک کہ پھر یہ حالت ہو جائے کہ زبان خاموش ہو جائے۔ اور دل سے اللہ اللہ کہے۔ یہانتک کہ دل بھی کہتے کہتے ٹھہر جائے اور اس کلمے کا مقصود اور معنے غالب ہو جائے۔ جو بے حرف ہے نہ عربی ہے نہ فارسی ہے۔ کیونکہ دل سے کہنا بھی بات ہے اور بات اس تخم (اللہ) کیلئے غلاف اور چھلکا ہے تخم نہیں ہے۔ پھر وہ معنے دلمیں اسطرح مستولی و متمکن ہو جائے۔ کہ دلکو اسکے ساتھ وابستہ رکھنے میں تکلف نہ کرنا پڑے۔ بلکہ ایسا عاشق ہو جائے کہ دل کو بہ تکلف بھی اس سے باز نہ رکھ سکے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید سے تاکید کر کے فرمایا۔ کہ اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تو میرے پاس آئے۔ تو اس دوران میں سوائے حق تعالیٰ کے اگر کوئی اور بات تیرے دل پر گذرے تو تجھے میرے پاس آنا حرام ہے۔ اور جب دل وسواس دنیوی سے خالی ہو چکا۔ اور یہ تخم اس میں بویا جا چکا۔ تو کوئی شے باقی نہ رہی جو اختیار سے متعلق ہو۔ اس کے بعد حالات کا انتظار کرے کہ کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور غالب یہ ہے کہ یہ تخم ضائع نہیں ہوتا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ۔ یعنے جو شخص کارِ آخرت میں ہوتا ہے۔ اور تخم ریزی کرتا ہے۔ میں اس میں زیادتی کرتا ہوں۔ اور اس جگہ پر مریدوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس کو کلمہ کے معنی میں اشکال پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور خیالات باطلہ درپیش آتے ہیں۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو اس سے تو نجات حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جواہر ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام اس کو اچھی اچھی صورتوں میں نظر آنے لگتے ہیں۔ عام طور پر جیسے کہ خواب میں ہوتا ہے یا

آنکھیں کھول کر بھی دیکھتا ہے۔ تو وہی حالت اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد اور حالات پیش آتے ہیں۔ جن کی شرح دراز ہے۔ اور ان کے بیان کرنے میں کچھ فائدہ نہیں۔ کیونکہ یہ راستہ چلنے کے قابل ہے نہ کہ کہنے کے قابل۔ اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ حالات پیش آتے ہیں۔ اور جو شخص اس راہ پر چلے گا۔ اس کے لئے اولیٰ تو یہ ہے کہ اس نے وہ چیز سنی ہوئی نہ ہو۔ کہ اس کا انتظار اس کے دل کو مشغول رکھے اور حجاب کا باعث بنے۔ اور جس مقدار تک علم کی رسائی ہے وہ یہیں تک ہے۔ اور یہ بیان کرنے سے مقصد صرف یہ ہے کہ اس بات کا ایمان پیدا ہو جائے۔ کیونکہ بہت سے علماء اس کے منکر ہیں۔ اور جو چیز ان کے علم کے سوائے ہے۔ اسے یقین نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

اصل دوسری

پیٹ و فرج کی شہوت کے علاج میں اور دونوں کی حرص دور کرنے کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ معدہ بدن کے لئے حوض ہے۔ اور رگیں جو نکل کر سات اندام کو گئی ہیں۔ وہ سات نہریں ہیں۔ اور تمام خواہشات کا منبع بھی معدہ ہی ہے۔ اور آدمی پر ایک غالب ترین شہوت (خواہش) ہے۔ اور آدم جو بہشت سے نکلا۔ تو اسی شہوت (خواہش) کی وجہ سے نکلا۔ اور یہ شہوت باقی تمام دوسری شہوات (خواہشات) کی اصل (جڑ) ہے۔ کیونکہ جب شکم بھرا ہوا ہوتا ہے۔ تو نکاح کی خواہش ظہور کرتی ہے۔ اور آدمی شکم و فرج کی شہوت پر قیام نہیں کر سکتا۔ سوائے مال کے۔ تو اسی سبب سے مال کی حرص پیدا ہوتی ہے۔ اور مال سوائے جاہ و حشمت کے حاصل نہیں ہوتا۔ پھر یہاں سے جاہ و حشمت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور جاہ و حشمت سوائے خصومتِ خلق کے حاصل نہیں ہوتی۔ تو یہاں سے حسد، تعصب، عداوت، کبر و ریا، کینہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ تو معدہ کو اس کی اصلی حالت پر چھوڑ دینا تمام گناہوں کی اصل ہے۔ اور معدہ کو زیر دست کرنا، اور بھوک کی عادت ڈالنا تمام نیکیوں کی اصل ہے۔ اور ہم اس اصل میں بھوک کی فضیلت میں بیان کریں گے۔ پھر اس کے فوائد بیان کریں گے۔ پھر تھوڑا کھانے میں ریاضت کے طریق بتائیں گے۔ پھر اس کے بعد لوگوں کے مختلف حالات بیان کریں گے۔ اور پھر شہوتِ فرج کی آفت اور جو شخص اس سے اپنے آپ کو بچائے اس کے ثواب کا ذکر کریں گے۔

بھوک کی فضیلت

یہ جاننا چاہیئے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ساتھ بھوک اور پیاس سے جہاد کرو۔ اس کا ثواب کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے برابر ہے۔ اور حق تعالیٰ کے نزدیک کوئی فعل بھوک اور پیاس سے زیادہ مقبول نہیں۔ اور فرمایا کہ جس شخص کا پیٹ بھرا ہُوا ہوتا ہے! سے ملکوت آسمانی کی طرف کوئی راستہ نہیں ملتا۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ لوگوں میں فاضل ترین آدمی کونسا ہے۔ فرمایا کہ جو تھوڑا کھاتا ہے۔ اور تھوڑا ہنستا ہے۔ اور ستر عورت کی قدر کپڑے پر قناعت کرتا ہے۔ فرمایا تمام افعال کی سردار بھوک ہے۔ فرمایا پرانا کپڑا پہننا اور آدھا پیٹ بھر کھانا اور پہننا نبوت کا ایک جز ہے فرمایا تفکر نصف عبادت ہے۔ اور کم کھانا پوری عبادت ہے۔ فرمایا۔ خدا کے نزدیک تم میں سے تفکر کرنے والا افضل ہے۔ اور تم میں سے وہ شخص حق تعالیٰ کا دشمن ہے۔ جو زیادہ کھائے۔ پیئے اور زیادہ سوئے۔ فرمایا کم کھانیوالے شخص پر حق تعالیٰ فرشتوں میں فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تو اسے خواہشِ طعام میں مبتلا کیا۔ اور اس نے میرے لئے کھانا چھوڑ دیا۔ اے فرشتو۔ اس بات کے گواہ رہو۔ کہ اسے جتنے لقمہ کم کھائے۔ میں اسے اتنے ہی درجے بہشت میں اور عطا کرونگا۔ فرمایا زیادہ کھانے پینے سے دلونکو مردہ نہ بناؤ کیونکہ دل کھیت کیطرح ہے جب پانی زیادہ ہوتا ہے۔ تو کھیت پژمردہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا آدمی کے پُر کرنیکے لئے پیٹ سے زیادہ کوئی شے بدتر نہیں۔ اور چند لقمے آدمی کیلئے کافی ہیں۔ جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں۔ اگر چارہ نہ ہو۔ تو پیٹ کا ایک تیسرا حصہ کھانیکے لئے ہے۔ اور ایک تہائی پانی پینے کیلئے اور ایک تہائی سانس کے لئے اور ایک روایت ہے کہ ایک تہائی ذکر کیلئے ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اپنے آپکو بھوکا اور ننگا رکھو۔ تاکہ تمہارا دِل حق تعالیٰ کو دیکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ شیطان آدمی کی رگوں میں خون کیطرح دوڑتا ہے۔ بھوک اور پیاس سے اس کا راستہ تنگ کرو۔ فرمایا مومن ایک انتڑی میں اور منافق سات انتڑیوں میں کھاتا ہے۔ یعنی منافق مسلمانوں سے سات گنا زیادہ خوراک لیتا ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کا دروازہ لگاتار کھٹکھٹاتے رہا کرو۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے لئے کھولدیا جائے۔ عرض کی یارسول اللہ! کس چیز سے کھٹکھٹائیں۔ فرمایا بھوک اور پیاس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت جحیفہ کو ڈکار آئی آپ نے فرمایا اس ڈکار کو دور رکھو۔ جو شخص اس جہان میں سیر تر ہے۔ وہ اس جہان میں زیادہ بھوکا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی سیر ہوکر نہ کھایا۔ اور کبھی تو ایسا ہوتا۔ کہ مجھے آپکی بھوک پر رحم آ جاتا اور میں آپکے شکم مبارک پر ہاتھ پھیرتی اور عرض کرتی کہ میرا تن آپ پر فدا ہو۔ اگر آپ اس قدر کھانا نوش فرمالیا کریں۔ کہ بھوکے نہ رہیں تو کیا ہوگا آپ فرماتے کہ اسے عائشہؓ

مجھ سے پہلے جو اولوالعزم پیغمبر ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے حق تعالیٰ کی جناب سے بڑے بڑے مراتب حاصل کئے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں تن پروری کروں تو میرا درجہ ان سے کم ہو جائے۔ میں چند روز کے صبر کو پسند کرتا ہوں۔ بہ نسبت اس کے کہ آخرت میں میرا حصہ گھٹ جائے۔ اور اس شے سے زیادہ مجھے کوئی شے پسند نہیں کہ میں اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ جاؤں جناب ام المومنین صدیقہ رضی فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم یہ فرمانے کے بعد آپ ایک ہفتہ سے زیادہ زندہ نہ رہے۔ جنابہ فاطمہ رضی ہاتھ میں ایک روٹی کا ٹکڑا لئے ہوئے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائیں حضور نے فرمایا یہ کیا ہے جنابہ سیدہ رضی نے عرض کیا۔ کہ میں نے ایک روٹی پکائی تھی۔ لیکن میں نے پسند نہ کیا۔ کہ بلا حضور کے کھاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ تین روز کے بعد یہ پہلا کھانا ہے جو تمہارے باپ کے منہ میں جائیگا۔ جناب ابوہریرہ رضی فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تین دن متواتر گندم کی روٹی کسی نے نہیں کھائی۔ ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ کہ میں رات بھر نماز پڑھنے سے ایک رات کے کھانے میں سے ایک لقمہ کم کھانیکو زیادہ پسند کرتا ہوں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ اپنے دل سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تو بھوکا رہنے سے کیوں ڈرتا ہے ہیہات ہیہات حق تعالیٰ نے بھوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ کو دی تھی۔ کیا تجھ جیسوں سے دریغ کریگا۔ حضرت کہمش رحم نے جناب احدیت میں عرض کی۔ کہ بار خدا تو مجھے بھوکا اور ننگا رکھتا ہے۔ اور رات کو اپنے ساتھ خلوت میں۔ میں نے یہ مرتبہ تیرے نزدیک کس شے پایا۔ یہ معاملہ تو تو اپنے اولیاء کے ساتھ کیا کرتا ہے حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ٹھنڈک ہے اس شخص کے واسطے جس کے پاس غلہ بقدر کفایت ہے۔ اور وہ خلق سے بے پروا ہے۔ حضرت محمد بن واسع علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ نہیں۔ بلکہ اس شخص کے واسطے ٹھنڈک ہے جو صبح و شام بھوکا رہ کر بھی حق تعالیٰ سے خوش رہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ بزرگوں اور عقلمندوں نے غور کرنے کے بعد بھوک سے زیادہ کسی شے کو فائدہ مند نہ پایا۔ اور آخرت کیلئے سیری سے زیادہ کسی شے کو مضر نہ دیکھا۔ حضرت عبدالواحد بن زید رحم فرماتے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ سوائے بھوک کے کسی کو اپنا دوست نہیں بناتا۔ اور کوئی شخص پانی پر نہیں چل سکا مگر بھوکا رہنے کی دولت اور کسی شخص نے زمین کو طے نہیں کیا۔ مگر بھوکا رہنے سے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جن چالیس دنوں میں حق تعالیٰ نے موسیٰؑ سے گفتگو فرمائی۔ آپ نے کچھ نہ کھایا تھا۔

بھوکا رہنے کے فوائد اور سیر ہو کر کھانے کی آفات

جاننا چاہیئے کہ بھوک کی فضیلت اس لئے نہیں ہے۔ کہ اس میں تکلیف ہے۔ جیسے کہ دوا کی فضیلت اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ تلخ ہوتی ہے۔ اور بھوک کے دس فوائد ہیں پہلا فائدہ یہ ہے کہ دل کو صاف کرتی ہے اور روشن بناتی ہے۔ سیر ہو کر کھانا آدمی کو اندھا دل اور کند ذہن بنا دیتا ہے۔ اور سیر ہو کر کھانے سے ایک بخار دماغ کو

جاتا ہے۔ جو آدمیوں کو نادان اور ان کے خیالات کو پراگندہ اور شوریدہ بنا دیتا ہے۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے دلوں کو تھوڑا کھانے سے زندہ رکھو۔ اور بھوک سے صاف و پاک کرو تاکہ صاف اور رقیق ہو جائے فرمایا۔ جو شخص اپنے آپ کو بھوکا رکھتا ہے۔ اسکا دل ہوشیار و دانا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی قوت فکریہ بلند پرواز ہو جاتی ہے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جسدن بھی خدا کیلئے بھوکا بیٹھا میرے دل میں حکمت و عبرت پیدا ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سیر ہو کر نہ کھاؤ۔ تاکہ نور معرفت تمہارے دل میں مر نہ جائے۔ پس جب معرفت راہ بہشت ہے اور بھوک درگاہ معرفت ہے تو بھوکا رہنا بہشت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ اَدِیْمُوْا قَرْعَ بَابِ الْجَنَّۃِ بِالْجُوْعِ۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بھوک سے دل ایسا رقیق ہو جاتا ہے۔ کہ ذکر و مناجات کی لذت حاصل کرنے لگتا ہے۔ اور سیر ہو کر کھانے سے سخت دلی پیدا ہوتی ہے۔ اور جو ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ صرف نوک زبان ہی ہوتا ہے دل کے اندر اثر نہیں کرتا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے اور حق تعالیٰ کے درمیان میں طعام کا توبرہ رکھ کر چاہے کہ لذت مناجات پائے وہ ہرگز ہرگز نہ پائیگا۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ غفلت کرنا اور اترانا دوزخ کا دروازہ ہے اور شکستگی و بیچارگی و عجز درگاہ بہشت ہے۔ اور سیری غفلت و غرور پیدا کرتی ہے۔ اور بھوک عجز و شکستگی لاتی ہے اور جبتک بندہ اپنے اپکو اس عاجزی کی نظر سے نہ دیکھے کہ ایک لقمہ کے نہ ملنے سے تمام جہاں اس پر تنگ و تاریک ہو جاتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ کی عزت و قدرت کو نہ جانیگا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں ڈالدیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نہیں چاہتا۔ بلکہ ایک دن کا بھوکا رہنا اور ایک دن سیر ہونا مجھے زیادہ عزیز ہے جب بھوکا ہوتا ہوں تو صبر کرتا ہوں اور جب سیر ہوتا ہوں تو شکر کرتا ہوں چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اگر آدمی سیر ہوگا تو بھوکوں کو بھلا دیگا۔ اور خلق خدا پر شفقت نہ کریگا۔ اور عذاب آخرت کو فراموش کردیگا۔ اور جب بھوکا ہوگا تو اہل دوزخ کی بھوک کو دیا کریگا۔ اور جب پیاسا ہوگا۔ تو اہل قیامت کی پیاس کو یاد رکھیگا۔ اور آخرت کا خوف اور خلقت پر شفقت کرنا بہشت کے دروازوں میں سے ہے۔ اور اسیوجہ سے تھا۔ کہ لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے پاس روئے زمین کے خزانے موجود ہیں پھر کیوں بھوکے رہتے ہو آپ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ اگر سیر ہونگا تو بھوکے دردمندوں کو بھول جاؤنگا۔ پانچواں فائدہ یہ ہے۔ کہ تمام سعادتوں کی سردار یہ بات ہے۔ کہ آدمی اپنے نفس کو اپنا مطیع بنائے۔ اور شقاوت یہ ہے۔ کہ اپنے آپکو نفس کا مطیع بنادے۔ اور جسطرح کہ سرکش حیوان کو بلا بھوکا رکھنے کے رام نہیں کیا جاسکتا نفس انسانی اسیطرح ہے اور اس سے صرف ایک ہی فائدہ ہے۔ بلکہ یہ امر کیمیائے فوائد ہے۔ کیونکہ تمام گناہ شہوت و خواہش اسے پیدا ہوتے ہیں اور تمام شہوات سیری سے پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جب کبھی بھی سیر ہو

کر کھایا گناہ کیا۔ یا گناہ کا ارادہ کیا حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ پہلی بدعت جو حضور کے بعد پیدا ہوئی وہ سیری تھی کیونکہ جب قوم نے سیر ہو کر کھایا تو ان کے نفوس نے سرکشی دکھائی۔ اگر بھوک کا کچھ اور فائدہ نہ ہو لیکن شہوتِ فرج تو کمزور ہو جائیگی۔ اور بات کرنے کی خواہش بھی کم ہوگی۔ حاصل کلام جو شخص سیر ہو کر کھاتا ہے۔ وہ فضول گوئی اور عیب میں مشغول ہوتا ہے۔ اور شہوتِ فرج بھی غالب ہو جاتی ہے۔ اگر فرج کو نگاہ رکھیگا تو آنکھ کو کیسے بچائیگا اگر آنکھ کو محفوظ رکھیگا تو دل کو کیسے نگاہ رکھیگا۔ اور گرسنگی تمام چیزوں کو کفایت کرتی ہے اور بزرگوں نے اس لئے کہا ہے کہ گرسنگی حق تعالیٰ کے خزانہ میں ایک جوہر ہے۔ جو ہر کسی کو نہیں دیا جاتا۔ بلکہ یہ اسکو دیا جاتا ہے جو اسکو دوست رکھتا ہے۔ ایک حکیم کا مقولہ ہے۔ کہ جو مرید ایک سال تک سوکھی روٹی کھائے۔ اور جسقدر کھانے کی اسے عادت ہے اس سے آدھی کھائے تو حق تعالیٰ اس کے دل سے عورتوں کا خیال بالکل دور فرمادیگا۔ چھٹا فائدہ۔ یہ ہے۔ کہ بھوکا آدمی کم سوتا ہے۔ اور کم سونا تمام مناجات و عبادات اور ذکر و فکر کی اصل ہے۔ اور خاصکر رات کو جو شخص سیر ہو کر کھاتا ہے نیند اسپر غالب آجاتی ہے اور وہ مردہ کی طرح پڑا رہتا ہے اور اس کی عمر ضائع ہو جاتی ہے۔ پیروں میں سے ایک پیر ہر رات دستر خوان پر منادی کیا کرتے کہ اے مریدو بہت روٹی نہ کھاؤ کیونکہ اگر زیادہ کھاؤ گے تو پانی زیادہ پیو گے۔ اور اگر پانی زیادہ پیو گے۔ تو زیادہ سوؤ گے اور زیادہ سونے پر قیامت کے دن حسرت کرو گے ستر صدیق اس امر پر متفق ہیں کہ پانی زیادہ پینا زیادہ نیند کا باعث ہے اور چونکہ آدمی کا سرمایہ عمر ہے اور ہر نفس ایک گوہر ہے۔ جس سے سعادتِ آخرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور سونا عمر کو کم کرتا ہے اور ضائع کرتا ہے۔ تو جو شئے نیند کو دور کرے اس سے زیادہ اچھی شئے اور کیا ہوگی۔ جو شخص باوجود سیری کے تہجد ادا کریگا۔ وہ مناجات میں لذت نہ پائیگا۔ اور نیند اسپر غلبہ کریگی اور ممکن ہے۔ کہ احتلام ہو جائے اور رات کو غسل نہ کر سکے۔ اور اسی طرح حالتِ پلیدی میں رہے اور عبادت سے محروم رہے۔ اور غسل کی تکلیف میں مبتلا ہو۔ اور حمام جانیکے لئے ممکن ہے اس کے پاس پیسہ نہ ہو۔ اور شاید حمام جاکر عورتوں پر اس کی نظر پڑے۔ اور اس کے سبب سے بہت سی آفات اٹھ کھڑی ہوں حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتلام بھی ایک عذاب ہے اور یہ سیری کے سبب سے ہوتا ہے ساتواں فائدہ یہ ہے کہ بھوکا رہنے کی وجہ سے آدمی پر زمانہ فراخ ہو جاتا ہے۔ اور علم و عمل میں مشغول ہونیکے لئے مہلت و فراغت پا لیتا ہے۔ کیونکہ آدمی کو کھانیکے لئے کھانے۔ سونے خریدنے۔ سامان بنانے کے انتظار کیلئے وقت چاہیئے اور پھر پائخانے جانا۔ اور طہارت بھی کرنا لازمی ہوگا۔ اور وقت انہیں فضول کاموں میں گذر جائیگا۔ اور ہر ایک سانس ایک گوہر ہے۔ اور آدمی کا سرمایہ ہے جسکا بلا ضرورت ضائع کر دینا بیوقوفی ہے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ کہ جو کے ستو کھا رہے تھے۔ میں نے کہا روٹی کیوں نہیں کھاتے فرمایا اسکے درمیان اور روٹی کھانیکے درمیان ستر تسبیح کا فرق ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ میں نے چالیس سال سے روٹی

نہیں کھائی مناسب نہیں کہ روٹی چبانے میں میرا یہ فائدہ ضائع ہو جائے۔ اور شک نہیں کہ جس کی عادت بھوکا رہنے کی ہوتی ہے روزہ رکھنا اسپر آسان ہوجاتا ہے۔ اور وہ مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے۔ اور ہمیشہ باوضو رہ سکتا ہے اور جو لوگ آخرت کے سوداگر ہیں انکے نزدیک یہ فوائد کمترین ہیں۔ ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ جو شخص سیر ہو کر کھاتا ہے سات چیزیں اس میں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ حلاوتِ عبادت نہیں پاتا۔ دوسرے حکمت وغیرہ کے یاد رکھنے میں اسکی یادداشت دشوار ہوجاتی ہے۔ تیسرے لوگوں پر شفقت کرنے سے محروم ہوجاتا ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ تمام جہان سیر ہے چوتھے عبادت اسپر گراں ہوجاتی ہے۔ پانچویں اس کی خواہشات بڑھ جاتی ہیں چھٹے و ساتویں تمام مسلمان تو مسجد کے گرد گھومتے ہیں اور وہ مزبلہ و پاخانہ کے گرد پھرتا ہے آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ جو شخص تھوڑا کھاتا ہے۔ وہ تندرست رہتا ہے اور بیماری کی تکلیف اور اخراجات دوا اور نازبرداری طبیب اور رنجِ رگ زن و حجام اور کڑوی دوا کھانے سے محفوظ رہتا ہے تمام حکیم اور طبیب اس بات پر متفق ہیں کوئی شے سوائے کم کھانے کے ایسی نہیں جس میں سراسر فائدہ ہی ہو نقصان بالکل نہ ہو۔ ایک حکیم کا مقولہ ہے۔ کہ تمام چیزوں میں جو آدمی کھاتا ہے بہترین چیز انار ہے اور سب سے بدتر خشک گوشت تھوڑا خشک گوشت کھانیکی بہ نسبت زیادہ انار کھانا نافع تر ہے۔ حدیث شریف میں ہے روزہ رکھو تاکہ تندرست رہو نواں فائدہ یہ ہے۔ کہ جو شخص کم کھاتا ہے۔ اسکا خرچ کم ہوتا ہے اور زیادہ مال کا محتاج وہ نہیں ہوتا۔ اور تمام آفات و گناہ اور اشتغالِ دل مالی کی حاجت سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ جب ہر روز اچھی اچھی چیزیں کھانا چاہیگا۔ اور زیادہ کھانا چاہےگا۔ تو تمام دن اسی کے فکر میں رہیگا۔ کہ کسطرح حاصل کرے اور ممکن ہے۔ کہ شبہ اور طمع اور حرام میں مبتلا ہو۔ ایک حکیم کا مقولہ ہے۔ کہ میں اکثر اپنی حاجتوں کو اس بات سے پورا کرتا ہوں۔ کہ انہیں ترک کردوں۔ اور یہ میرے لئے زیادہ آسان ہوتا ہے ایک دوسرے حکیم کا مقولہ ہے کہ میں جب کسی سے قرض لینا چاہتا ہوں تو اپنے پیٹ ہی سے لیتا ہوں اور خواہش کے چھوڑ دینے کو کہتا ہوں حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ اشیا کا نرخ دریافت فرماتے تھے۔ لوگوں نے کہا گراں ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ ارخصوہا بالترک۔ ان کو ترک کر کے سستا کر دو دسواں فائدہ یہ ہے۔ کہ آدمی جب اپنے شکم پر قادر ہوگیا۔ تو وہ صدقہ دینے۔ ایثار کرنے۔ اور کرم کرنے پر بھی قادر ہوگیا کیونکہ جو شے شکم میں جاتی ہے۔ وہ کثیف ہو جاتی ہے۔ اور جو چیز صدقہ میں دی جاتی ہے اس کی جگہ حق تعالیٰ کی رحمت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کی جانب دیکھا۔ جسکا شکم موٹا تھا۔ فرمایا یہ جو کچھ کہ تو نے اس میں ڈالا ہے۔ اگر دوسری جگہ ڈالتا تو بہتر ہوتا یعنی حق تعالیٰ کی راہ میں اور صدقہ میں) واللہ اعلم

مرید کے آداب کم کھانے میں اور کھانیکے وقت میں

جاننا چاہیئے کہ حلال کا کھانا ہونے کے بعد مرید کیلئے تین احتیاطوں کا مدنظر رکھنا فرض ہے۔ پہلی احتیاط تو کم کھانیکے متعلق ہے اور یہ کرے کہ یک لخت زیادہ کھاتے کھاتے کم کھانے لگے۔ کیونکہ اس کی برداشت نہ ہو سکے گی اور نقصان ہوگا۔ لیکن بتدریج کم کھانا چاہیئے۔ مثلاً اگر ایک روٹی کم کھانا چاہتا ہے تو اسے ایک دن میں ایک لقمہ کم کرنا چاہیئے۔ دوسرے روز دو لقمہ تیسرے روز تین لقمہ یہانتک کہ ایک مہینہ کے عرصہ میں ایک روٹی کم کر دے۔ جب ایسا کریگا تو اس کے لئے آسان ہوگا۔ اور اس سے نقصان نہ پائیگا اور طبیعت بھی اس پر نہایت درستی سے قرار پکڑے گی۔ پھر جس مقدار پر قرار پکڑیگی اس کے چار مراتب ہیں سب سے بڑا درجہ جو صدیقوں کا ہے وہ یہ ہے۔ کہ قدر ضرورت پر قناعت کرے سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس درجہ کو اختیار کیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ عبادت زندگی اور عقل دقوف سے ہے جبتک قوت میں نقصان نہ ہو طعام نہ کھا کیونکہ جو شخص بھوک سے کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اس کی نماز سیر شدہ آدمی کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے جب اس بات کا خطرہ ہو کہ بھوک سے حیات یا عقل کو نقصان پہنچیگا۔ اس وقت ضرور کھائے کیونکہ بلا عقل عبادت نہیں کی جاسکتی۔ اور جان تو خود اصل ہے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا آپ کس طرح کھایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ سال میں تین درم میرا خرچ رہا ہے۔ ایک درم کا آٹا اور چاول اور ایک درم کا شہد اور ایک درم کا روغن خرید لیا کرتا تھا۔ اور ان سب کی تین سو ساٹھ پنڈیاں بنا لیا کرتا تھا۔ اور ہر رات ایک سے روزہ افطار کرتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا۔ اب کسطرح کھاتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ جیسا اتفاق ہوتا ہے۔ راہبوں میں ایسے راہب ہیں جو دن بھر میں ایک دام طعام سے زیادہ نہیں کھاتے۔ اور انہوں نے بتدریج اپنے آپکو اس بات کا خوگر بنایا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدھے مُد پر اقتصار کرے اور وہ اس روٹی کی جو چار من کی ہوتی ہے ایک روٹی پوری اور ایک تہائی ہوتی ہے اور اس سے شاید ایک تہائی پیٹ بھرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَثُلُثٌ لِلذِّکْرِ ایک روایت میں ہے ثُلُثٌ لِلنَّفَسِ اور یہ اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ آدمی کو چند لقمہ کفایت کرتے ہیں۔ اور روٹی دس لقموں سے کم ہوتی ہے حضرت عمرؓ سات یا نو لقموں سے زیادہ نہ کھاتے تھے تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک مُد پر اقتصار کرے۔ اور وہ قریباً تین گردوں کے ہوگا۔ شاید اکثر لوگوں کے حق میں تہائی پیٹ سے بڑھ کر نصف پیٹ کی حد تک پہنچ جائے چوتھا درجہ یہ ہے کہ ایک (سیر) پورا ہو جائے۔ اور ممکن ہے۔ کہ جو کچھ مُد سے زیادہ ہو وہ اسراف میں داخل ہو اور یہ آیت جو قرآن شریف میں آئی ہے اسکی تحت میں آئی وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ

لیکن یہ امر جسم اور کام کرنے کی حالت میں بدلتا رہتا ہے اور یہ چاہیئے کہ جب طعام سے ہاتھ اٹھائے اسوقت بھی بھوک کا ہو۔ ایک گروہ نے مقدار مقرر نہیں کی لیکن اس بات کی کوشش کی ہے کہ جبتک بھوک نہ لگے۔ طعام نہ کھائیں اور ہنوز بھوکے ہی ہوں تو طعام سے ہاتھ اٹھائیں۔ اور بھوک کا نشان یہ ہے۔ کہ آدمی بغیر سالن کے بھی روٹی کی حرص کرے۔ اور نانِ جو و نان یا جرہ بھی حرص کے ساتھ کھا سکے۔ اور جب سالن تلاش کرے تو وہ بھوک صادق نہ ہو گی۔ اور اکثر صحابہ نصف مد سے آگے نہیں گئے ہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہوئی ہے۔ کہ اسکا کھانا ایک ہفتہ بھر میں ایک صاع کے وزن کا ہوتا تھا۔ اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ اگر خرما کھاتے تو ڈیڑھ صاع کھاتے کیونکہ اس میں سے گٹھلی نکل جاتی ہے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ کہ میرا طعام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک جمعہ سے لیکر دوسرے جمعہ تک ایک صاع جو ہوتا تھا اور خدا کی قسم اسوقت تک ان سے نہ بڑھونگا۔ کہ ان تک پہنچ جاؤں حضرت ابوذرؓ بعض لوگوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ کہ تم اس سے بڑھ گئے ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ میرا دوست وقریبی وہ شخص ہوگا۔ کہ جو جس اندازہ پر آج ہے اسی پر مرے پھر حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تم اس سے بڑھ گئے ہو۔ اور جو کا آٹا چھاننے لگے ہو اور پتلی پتلی روٹیاں پکاتے ہو۔ اور دو طرح کا سالن کھاتے ہو۔ اور رات کے پیراہن کو دن کے پیراہن سے علیحدہ کرتے ہو۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا نہ تھا۔ اور اہل صفہ میں سے دو آدمیوں کی غذا ایک مد خرما ہوتے تھے۔ اور ان میں سے بھی گٹھلیاں نکل جاتی تھیں حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر تمام دنیا خون ہو جائے تو تب بھی میری غذا اس میں سے حلال ہی ہو گی۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ آدمی ضرورت سے زیادہ نہ کھائے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں ہے جو اباحتی لوگ کہتے ہیں۔ کہ جب کسی شخص کو حرام شے ملتی ہے تو حلال ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ کا ایک خرما ملا اور وہ حلال نہ ہوا دوسری احتیاط۔ کھانے کے وقت ہے اور اسکے تین درجہ ہیں۔ سب سے بزرگ درجہ یہ ہے۔ کہ تین دن سے زیادہ تک کچھ نہ کھائے۔ اور بعض بزرگ ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے ہفتہ ہفتہ بھر اور دس دس اور بارہ بارہ روز تک کچھ نہیں کھایا۔ اور تابعین میں سے ایک بزرگ نے اپنے آپ کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا تھا۔ کہ چالیس روز تک کچھ نہ کھاتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ دفعہ تو چھ روز تک کچھ نہ کھاتے۔ اور حضرت ابراہیم ادھمؒ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ تین تین روز تک کچھ نہ کھاتے۔ مروی ہے۔ کہ جو شخص چالیس دن تک کچھ نہیں کھاتا۔ ملکوتِ آسمان میں سے کچھ نہ کچھ اس پر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ ایک صوفی نے ایک راہب سے مناظرہ کیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں ایمان نہیں لائے۔ اس نے کہا اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس روز تک کچھ نہ کھایا تھا اور یہ سوائے صادق پیغمبر کے کوئی نہیں کر سکتا۔ اور تمہارے پیغمبر نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ انہوں نے کہا میں انکا ایک امتی ہوں۔ اگر چالیس روز تک کچھ نہ کھاؤں تو ایمان لے آئیگا۔ اس نے کہا ہاں لے

آؤنگا۔ وہ صوفی پچاس دن تک بیٹھے رہے اور کہا کہ اور زیادہ صبر کردں اس راہب نے کہا۔ ہاں کر انہوں نے ساٹھ روز تک کیا۔ اور کچھ نہ کھایا۔ وہ راہب ایمان لے آیا اور یہ ایک نہایت عظیم الشان درجہ ہے۔ اور کوئی شخص بھی تکلف سے اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتا سوائے اس شخص کے کہ اس پر اس عالم سے باہر کی حقیقتیں ظاہر ہوئی ہوں۔ کیونکہ وہ اس کی قوت کو نگاہ رکھتی ہیں۔ اور اسے مشغول رکھتی ہیں کہ اسے اس جہاں کی خبر ہی نہیں ہوتی دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو دو تین تین روز تک کچھ نہ کھائے اور ایسے لوگ بہت ہوتے ہیں تیسرا درجہ ہے۔ کہ ہر روز ایک بار کھائے۔ اور یہ سب درجوں سے کمتر ہے اور جب دو بار کھانے کا اتفاق ہوا تو اسراف کی حد تک پہنچ گیا۔ اور کسی وقت بھی بھوکا نہ ہوا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اگر صبح کو لیتے۔ تو پھر رات کو نہ کھاتے۔ اور جب رات کو کھا لیتے تو پھر صبح کو نہ کھاتے۔ اور حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ دن میں دو بار کھاتے سے خبردار اسراف نہ کرنا اور دن میں دو بار کھانا اسراف ہے اور جب ایک ہی بار کھائے تو بہتر ہے۔ کہ صبح ہی کو کھالے۔ تاکہ رات کو نماز میں سبک اور صاف دل رہے اور اگر یہ حالت ہے کہ رات کو روٹی کی طرف التفات کریگا۔ تو ایک روٹی بوقتِ افطار اور ایک روٹی بوقتِ سحر کھالے۔

تیسری احتیاط۔ جنس طعام میں ہے۔ گیہوں چھانا ہوا آٹا اعلیٰ جنس سے ہے۔ اور جو کا بے چھانا آٹا جنس کمتر سے ہے اور جو کا چھانا ہوا آٹا متوسط جنس سے ہے۔ اور سب سے اعلیٰ سالن گوشت اور مٹھائی اور کمترین سرکہ و نمک اور متوسط چپڑی ہوئی روٹی ہے۔ وہ لوگ جو راہِ آخرت پر چلے ہیں۔ انہوں نے سالن سے پرہیز کیا ہے۔ اور جس چیز کی خواہش اپنے نفس میں دیکھی ہے اسکی مخالفت کی ہے اور یہ اُنکا مقولہ ہے کہ جب نفس کی خواہش پوری ہو جاتی ہے۔ تو اس میں غرور و غفلت و ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دنیا میں رہنے کو پسند کرتا ہے اور موت کو دشمن سمجھتا ہے۔ اور چاہیئے یہ کہ دنیا کو اپنے لئے تنگ کر دے۔ تاکہ وہ اس کیلئے قید خانہ بن جائے اور موت اس کیلئے رہائی ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔ شِرَارُ اُمَّتِیَ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ مُخَّ الْحِنْطَةِ یعنی میری امت سے بدترین لوگ وہ ہیں جو بھوسا نکال کر گندم کھائیں۔ لیکن یہ یاد رہے۔ کہ بھوسا نکالنا حرام نہیں ہے۔ اگر کبھی کبھی اس قسم کا صاف شدہ گندم کھائے تو روا ہے۔ لیکن اس پر مداومت کریگا۔ تو طبیعت پر تنعم غالب ہو جائیگا۔ اور اس سے غفلت کے پیدا ہونیکا اندیشہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ میری اُمت میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے تن کو تنعم کا خوگر بنا لیا ہے۔ اور انکی تمام ہمت کھانے اور پہننے میں مصروف ہو اور وہ طرح طرح کی باتیں بنائیں روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰؑ جان لے کہ تیری قرارگاہ قبر ہے اپنے تن کو شہوت کی زیادتی سے بچانا جس شخص کی اسباب تنعم نے مساعدت کی ہو۔ اور انکی ہر آرزو پوری ہو۔ بزرگوں نے ان لوگوں کو اچھا خیال نہیں کیا ہے

حضرت ابن منبہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ چوتھے آسمان پر دو فرشتے آپس میں ملے ایک فرشتہ نے کہا میں جا رہا ہوں تاکہ فلاں مچھلی کو صیاد کے دام میں پھنساؤں۔ کیونکہ فلاں یہودی نے اسکی تمنا کی ہے۔ دوسرے نے کہا میں اس لئے جاتا ہوں کہ فلاں عابد کی آرزو کے مطابق لوگ جو پیالہ لائے ہیں میں اُسے گرا دوں۔ لوگوں نے ٹھنڈے پانی کے ایک کٹورہ میں شہد گھول کر جناب فاروق رضی اللہ عنہ کو پینے کیلئے دیا۔ آپ نے فرمایا اسے مجھ سے دور رکھو اور اس کے حساب سے محفوظ رہنے دو۔ ابن عمرؓ بیمار تھے۔ انکا دل چاہا کہ بھنی ہوئی مچھلی کھائیں حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مچھلی دستیاب نہ ہوتی تھی۔ میں نے نہایت تلاش سے ڈیڑھ دام کو ایک مچھلی مول لی اور بھون کر آپکی خدمت میں لیگیا۔ اتنے میں ایک فقیر بھی آپہنچا۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ اس فقیر کو دیدو۔ میں نے کہا میں تو نہایت تلاش کے بعد آپکی خواہش کو مدنظر رکھ کر لایا ہوں۔ آپ نے کہا یہ اس فقیر کو دیدو۔ آخر میں اصرار نہ کر سکا میں نے اس فقیر کو دیدی اور اس کے پیچھے پیچھے جاکر اسکو قیمت دیکر پھر لے آیا۔ اور کہا کہ میں نے اسکی قیمت دیدی ہے۔ آپنے کہا۔ اس سے قیمت بھی واپس نہ لو۔ اور یہ مچھلی بھی اس کو دیدو۔ کیونکہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے۔ کہ جو شخص کسی کھانے کی خواہش سے دستبردار ہوگا۔ حق تعالیٰ اسے بخشدیگا۔ عتبۃ العلام خمیر کو دھوپ میں خشک کر کے کھایا کرتے اور اس خیال سے نہ پکاتے کہ اس سے لذت یاب نہ ہوں اور پانی کو دھوپ میں رہنے دیتے اور اسیطرح گرم گرم پی لیتے حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ کو دودھ کی آرزو ہوئی۔ چالیس سال تک نہ پیا۔ ایک شخص آپکے پاس کھجوریں لے گیا آپنے دیر تک انکو ہاتھ میں اٹھائے رکھا اور پھر اسی شخص سے کہا۔ کہ تم کھالو۔ میں نے چالیس سال سے انکو ترک کیا ہوا ہے۔ احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابو سلمان دارانیؒ کے مرید تھے۔ روایت کرتے ہیں کہ ابو سلمانؒ کو ایک روز نمک کیساتھ گرم روٹی کھانے کی خواہش ہوئی۔ میں آپکی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے ایک لقمہ اٹھایا اور پھر اسے رکھدیا۔ اور رونے لگے۔ اور کہا اے بار خدایا! تو نے میری آرزو کی چیز کو میرے سامنے لا رکھا۔ مگر یہ میری عقوبت ہے میں نے توبہ کی۔ مجھے بخشدے۔ مالک بن ضیغمؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک روز بصرہ کے بازار میں جاتا تھا۔ میں نے بازار میں ترہ دیکھی۔ اس کی خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی۔ میں نے قسم کھائی کہ نہ کھاؤنگا۔ اور چالیس سال تک صبر کیا۔ مالک دینارؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے پچاس سال سے دنیا کو طلاق دی ہے اور دودھ کے ایک گھونٹ کی خواہش میں ہوں۔ نہ تو میں نے کھایا ہے۔ نہ کھاؤں گا۔ یہانتک کہ حق تعالیٰ کی جناب میں پہنچ جاؤں۔ حماد بن ابی حنیفہ فرماتے ہیں۔ کہ میں حضرت داؤد طائیؒ کے مکان کے دروازہ پر پہنچا۔ تو میں نے آواز سنی کہ آپ فرما رہے تھے۔ کہ تو نے ایک بار گاجر کی آرزو کی۔ تو میں نے وہ تجھ کو دے دی۔ اب خرما کی آرزو کرتا ہے۔ یہ ہرگز نہ پائیگا۔ اور نہ کھائیگا۔ جب میں اندر داخل ہوا۔ تو آپکے پاس کوئی بھی نہ تھا اور اپنے آپ سے باتیں کر رہے تھے حضرت عتبۃ الغلامؒ نے حضرت عبدالواحد بن زید سے کہا۔ کہ فلاں شخص اپنے دل کی ایک حالت بیان کرتا ہے

وُہ مجھے حاصل نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سوکھی روٹی کھاتا ہے۔ اور تم نان و خرما کھاتے ہو۔ میں نے کہا۔ اگر میں اسے ترک کر دوں۔ تو اس درجہ کو پہنچ جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں پہنچ جائے گا۔ غرضیکہ انہوں نے خرما کو ترک کر دیا۔ اور روئے۔ لوگوں نے کہا خرما کے لئے روتے ہو۔ حضرت عبدالواحدؒ نے فرمایا۔ ان کا نفس خرما کو دوست رکھتا ہے اور ان کے صدق وعزم کو جانتا ہوں۔ کہ وہ نہ کھائیں گے۔ اس لئے روتا ہے۔ ابوبکر جلاؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک رگ کو جانتا ہوں۔ ان کے نفس کو ایک شے کی خواہش ہے (نفس سے مخاطب ہو کر) اور وہ کہتا ہے کہ میں دس روز تک صبر کروں گا اور کوئی شے نہ کھاؤں گا لیکن میری آرزو پوری کر دو لیکن وہ بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میں نہیں چاہتا کہ دس روز تک کچھ نہ کھائے لیکن اس آرزو کو ترک کر دے۔

یہ ہے بزرگوں اور سالکوں کا راستہ۔ اگر کوئی شخص اس درجہ کو نہ پہنچے۔ لیکن اس قدر تو ہو۔ کہ اپنی خواہشات سے دستبردار ہو جائے اور اپنی خواہش کی چیز کسی دوسرے کو دیدے اور گوشت کھانے پر مداومت نہ کرے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس روز متواتر گوشت کھاتا ہے۔ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ اور جو چالیس روز متواتر نہیں کھاتا وہ بدخو ہو جاتا ہے۔ معتدل یہ ہے جو حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔ کہ ایک بار گوشت اور ایک بار سرکہ اور ایک بار سوکھی روٹی کھایا کرو اور مستحب یہ ہے۔ کہ سیری کی حالت میں نہ سوئے۔ ورنہ دو غفلتوں کو اکٹھا کرے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ کھانے کو نماز و ذکر کیلئے چھوڑ دو۔ اور سویا نہ کرو کیونکہ سونے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور مروی ہے کہ طعام کے بعد چار رکعت اور سو بار تسبیح پڑھا کرو۔ یا ایک جزو قرآن تلاوت کیا کرو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی بھی سیر ہو کر کھاتے تو تمام رات بیدار رہتے اور فرماتے کہ حیوان کو پیٹ بھرانے کے بعد سخت کام میں لگانا چاہیئے۔ ایک بزرگ نے اپنے مریدوں سے کہا۔ کہ خواہش کی شے نہ کھایا کرو۔ اگر کھاؤ تو تلاش نہ کیا کرو۔ اور اگر تلاش کرو تو پھر اسے دوست نہ رکھا کرو۔

بھوک کی ریاضت کا راز اور اس میں پیر و مرید کے لئے مختلف احکام

جاننا چاہیئے۔ کہ بھوک سے مقصد نفس کی شکستگی ہے۔ تاکہ وہ زیردست اور مؤدب بن جائے جب وہ راست یعنی درست ہو جاتا ہے۔ تو ان قیود سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے۔ کہ پیر مرید کو ان سب ریاضت کا حکم دیتا ہے۔ لیکن خود نہیں کرتا۔ کیونکہ اس سے مقصود صرف بھوک نہیں ہے۔ بلکہ اس قدر کھائے کہ معدہ گراں نہ ہو اور بھوک بھی معلوم نہ ہو۔ کیونکہ یہ دونوں امر شاغل ہیں۔ اور عبادات سے باز رکھتے ہیں اور کمال اس بات میں ہے کہ ملائکہ کی صفات پر ہو جائے۔ اور ان کو نہ تو بھوک کی تکلیف ہوتی ہے اور نہ ہی گرانی کی لیکن نفس اعتدال حاصل نہیں کرتا جب تک کہ ابتداء میں اس پر جبر نہ کریں اور بعض بزرگ ہمیشہ اپنے سے بدگمان رہے ہیں۔ اور احتیاط کی

راہ کو اختیار کیا ہے۔ اور نفس کی نگہداشت کی ہے اور جو کامل تر ہوئے ہیں۔ انہوں نے حد اعتدال پر قیام کیا ہے۔ اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حضور کبھی روزہ رکھتے اور اس قدر روزے رکھتے کہ شاید آپ افطاری نہ فرمائینگے۔ اور کبھی افطار فرماتے تو لوگ کہتے کہ اب یہ کبھی نہ رکھیں گے جب آپ کوئی چیز گھر سے طلب فرماتے۔ ہوتی تو کھا لیتے اور اگر نہ ہوتی تو فرماتے کہ میں روزے رکھوں گا۔ شہد اور گوشت کو دوست رکھتے۔ حضرت معروف کرخیؒ کے پاس لوگ اچھے اچھے طعام لے جاتے تو آپ کھا لیتے۔ اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نہ کھاتے۔ لوگوں نے اس بارہ میں حضرت معروف کرخیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرے بھائی نے زہد و ورع کو اختیار کیا ہے اور مجھکو معرفت نے کشادہ کر دیا ہے۔ اور میں نے اپنے مولا کے گھر میں مہمان ہوں۔ جو کچھ بھی دیتا ہے کھا لیتا ہوں اور جب نہیں دیتا تو صبر کر لیتا ہوں مجھے کچھ انکار و اختیار نہیں رہا۔ اور احمق لوگ اس مقام پر غرور کرتے ہیں۔ اور جو شخص نفس کی مخالفت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ کہتا ہے کہ میں حضرت معروف کرخیؒ کی طرح کا عارف ہوں۔ سوائے دو آدمیوں کے اور کوئی شخص ریاضت سے دستبردار نہیں ہوتا۔ ایک تو صدیق جس نے اپنا کام صحیح صحیح بنا لیا ہو۔ اور دوسرے احمق جو سمجھتا ہے۔ کہ میں نے اپنا کام درست کر لیا ہے حضرت معروف کرخیؒ کو اپنی ذات میں کچھ تصرف نہ تھا۔ اگر لوگ آپ کے ساتھ گستاخی کرتے تو آپ کبھی بھی غصہ میں نہ آتے۔ بلکہ سمجھتے کہ یہ امر حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اور یہ باتیں صرف اسی آدمی کے لئے زیبا ہیں جو آپ کی مثل ہو اور جب حضرت بشر حافیؒ اور سری سقطیؒ و مالک دینار اور اسی طرح کے بزرگ اپنے اپنے نفس سے ایمن نہ رہے ہوں اور مجاہدت سے باز نہ رہے ہوں۔ تو اوروں کے لئے اپنی نسبت ایسا گمان کرنا محال ہے۔

خواہشات کو ترک کر دینے کی آفت

جاننا چاہیے۔ کہ اس سے دو آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدمی خواہشات کے ترک کر دینے پر قادر نہیں ہوتا اور اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کے راز سے آگاہ ہوں۔ اس لئے وہ خلوت میں کھاتا ہے۔ لوگوں کے سامنے نہیں کھاتا۔ اور یہ عین نفاق ہے اور ممکن ہے۔ کہ شیطان اس کو مغرور بنا دے کہ یہ امر مسلمانوں کے فائدہ کی بات ہے تاکہ وہ میری تقلید کریں۔ اور یہ سراسر فریب ہے اور غرور محض ہے اور کوئی آدمی اس قسم کا ہوتا ہے کہ جو اپنی خواہش کی چیز کو لوگوں کے سامنے مول لیتا ہے۔ لیکن گھر جا کر اسے درویشوں پر تقسیم کر دیتا ہے۔ یہ نہایت صدق ہے۔ اور صدیقوں کا کام ہے اور سخت دشوار ہے۔ لیکن اخلاص کی شرط یہ ہے کہ یہ معاملہ آسان ہو جائے اگر دشوار ہوگا۔ تو ابھی دل میں کچھ نہ کچھ ریا کی مقدار ضرور ہوگی۔ اور جو اطاعت ریا پر مبنی ہوگی۔ حق کے لئے نہ ہوگی۔ اور جو شخص طعام کی خواہش سے رسائی حاصل کر کے ریا کی خواہش میں مبتلا ہوتا ہے اس کی مثال ایسے شخص کی ہے۔ جو بارش

سے تو حذر کرے۔ لیکن پرنالہ کے نیچے پناوے۔ اور جب نفس میں یہ حالتِ ریا پیدا ہو جائے۔ تو پھر آدمی کو چاہیئے کہ لوگوں کے سامنے اس خواہش کے مطابق تھوڑا سا کھائے۔ تمام نہ کھائے۔ تاکہ خواہش اور ریا دونوں شکستہ ہو جائیں۔

خواہشاتِ فرج کی آفات

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے خواہشِ جماع کو آدمی پر اس لئے مسلط کیا ہے۔ تاکہ وہ تخم ریزی کرے اور نسل منقطع نہ ہو جائے۔ نیز یہ بہشت کی لذت کا نمونہ بھی ہے۔ اور اس خواہش کی آفات نہایت عظیم ہیں۔ ابلیس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ کہ تنہائی میں کسی عورت کے ساتھ نہ بیٹھا کیجئے۔ کیونکہ جو شخص بھی کسی عورت کے ساتھ خلوت میں بیٹھتا ہے۔ میں ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ تاکہ اسے آفت میں مبتلا کر دوں۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ نے جس پیغمبر کو دنیا میں بھیجا ابلیس عورتوں کے بارہ میں اس سے ناامید رہا۔ اور میں اپنے لئے جتنا اس بات سے ڈرتا ہوں۔ اتنا اور کسی فتنے سے نہیں ڈرتا۔ اسی وجہ سے سوائے اپنے گھر اور اپنی بیٹی کے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔

جاننا چاہیئے کہ اس خواہش میں بھی افراط و تفریط و توسط وغیرہ ہے۔ افراط یہ ہے کہ اس کی یہ حالت ہو جائے کہ خواہشات سے شرم نہ کرے اور اپنا تمام من تن اسی میں مبتلا کر دے اور تفریط یہ ہے کہ بالکل خواہش ہی نہ ہو۔ اور یہ امر بھی نقصان کا موجب ہے اور اعتدال یہ ہے نہ خواہش ہو۔ لیکن مطیع ہو۔ اور کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ شہوت بڑھانے کے لئے چیزیں کھاتا ہے اور یہ امر بھی جہالت کا موجب ہے۔ اور اس کی مثال اس شخص کی ہے جو آشیانہ زنبور کو چھیڑے۔ تاکہ وہ اس کے پیچھے پڑ جائیں۔ مگر جس شخص نے نکاح لئے ہوئے ہوں اور جو روؤں کا حق ادا کر کے ان کی حفاظت کرنا مقصود ہو۔ تو مضائقہ نہیں۔ کیونکہ مرد عورتوں کے حصار ہیں۔ اور غرائب اخبار میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ کہ میں نے اپنے آپ میں ضعفِ شہوت دیکھا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے مجھے ہریسہ کھانے کو کہا۔ اور اس کا سبب یہ تھا۔ کہ حضور کی نو عورتیں تھیں۔ اور وہ تمام عالم پر حرام ہو چکی تھیں اور ان کی امید تمام جہان سے منقطع ہو چکی تھی۔ اور اس شہوت کی آفتوں میں سے ایک آفت عشق ہے۔ اور وہ بہت سے گناہوں کا باعث بنتا ہے اور اگر ابتدا میں احتیاط نہ کریں۔ تو معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اس میں احتیاط یہ ہے۔ کہ آنکھ کو محفوظ رکھے اگر اتفاقاً کسی پر آنکھ پڑ جائے گی۔ تو دوسری بار روکنا آسان ہوگا۔ اور اگر آنکھ کو آزاد چھوڑ دے گا۔ تو پھر اس کا ٹھہرنا محال ہوگا۔ اور اس معاملہ میں نفس کی مثال ایک حیوان کی سی ہے کہ اگر وہ ابتدا میں کسی جگہ جانے کا قصد کرے۔ نہایت آسانی سے اس کی باگ پھیری جا سکتی ہے اور جب مطلق العنان ہو گیا۔ تو پھر اس کی دم کھینچنا دشوار ہوتا ہے۔ پس اصل بات آنکھ کو محفوظ رکھنا ہے حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام محض

آنکھ ہی کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی۔ کہ شیر اور چیتے کے عقب میں جانا۔ لیکن عورتوں کے پیچھے نہ جانا۔ لوگوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ زنا کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا آنکھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر سے بجھا ہوا تیر ہے جو شخص حق تعالیٰ کے خوف سے اپنی آنکھ کو بچاتا ہے۔ حق تعالیٰ اسے ایمان مرحمت فرماتا ہے کہ جس کی حلاوت کو وہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی وفات کے بعد اپنی امت کے لئے عورتوں سے زیادہ کوئی اور فتنہ نہیں چھوڑا۔ فرمایا۔ آنکھ فرج کی طرح زنا کرتی ہے۔ دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔ جو شخص آنکھ نہ بچا سکے۔ اس پر واجب ہے کہ شہوت کے لئے ریاضت اختیار کرے۔ اور اس شہوت کا علاج روزہ رکھنا ہے اور اگر نہ کر سکے تو نکاح کرے۔ اور اگر آنکھ کو خوبصورت لونڈوں سے نہ بچا سکے تو یہ نہایت ہی عظیم الشان آفت ہے۔ کیونکہ اس کو آدمی حلال کر ہی نہیں سکتا۔ اور اگر کسی شخص میں شہوت حرکت کرے تاکہ وہ لونڈے کی طرف دیکھے اور اس سے راحت پائے۔ تو ایسے شخص کے لئے لونڈے کی جانب دیکھنا حرام ہے۔ لیکن اگر اس قسم کی راحت حاصل ہو جیسے سبزہ و شگوفہ اور اچھے اچھے نقش و نگار کے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس بات کا نشان یہ ہے کہ دیکھنے والے کے دل میں لونڈے کی قربت اور بوس و کنار کی خواہش نہ ہو۔ اگر یہ بات ہے تو یہ نشانِ شہوت ہے۔ اور لواطت کا پہلا قدم۔ ایک شیخ فرماتے ہیں کہ اگر مرید پر خشمگین شیر جھپٹے تو میں اتنا نہیں ڈرتا جتنا غلام امرد کے ملنے سے ڈرتا ہوں۔ ایک شیخ نے اپنے مریدوں سے کہا کہ ایک بار مجھ پر شہوت ایسی غالب ہوگئی۔ کہ مجھ میں ضبط کی طاقت نہ رہی۔ میں نے نہایت زاری کی اور حق تعالیٰ سے دعا مانگی۔ خواب میں میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تجھے کیا ہوا ہے۔ میں نے اسے سب حال کہا۔ اس نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیر دیا۔ جب میں بیدار ہوا۔ تو کچھ کفایت محسوس ہوئی۔ جب ایک سال گزر گیا۔ تو پھر شہوت پیدا ہوئی۔ میں نے پھر زاری کی اور بہت سی دعا مانگی۔ اور پھر اسی شخص کو خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے شہوت خلاصی حاصل ہو میں نے کہا۔ ہاں چاہتا ہوں۔ اس نے کہا۔ گردن کو جھکا دے۔ میں نے گردن جھکا دی۔ اس نے تلوار اٹھائی۔ اور میری گردن میں لگائی۔ جب میں بیدار ہوا۔ تو میں نے کفایت پائی۔ جب پھر ایک سال گزر گیا۔ تو شہوت نے پھر زور دکھایا۔ میں نے پھر زاری کی اور دعا کی۔ اسی شخص کو پھر خواب میں دیکھا فرمایا۔ کہ کب تک اس چیز کا دفعیہ حق تعالیٰ سے چاہے گا۔ جس کے دفعیہ کو وہ دوست نہیں رکھتا پھر میں بیدار ہوا۔ تو ایک عورت سے نکاح کیا۔ اور شہوت سے خلاصی پائی؛؛

اُس شخص کا ثواب جو فرج کی خواہش کے خلاف عمل کرے

جاننا چاہیے کہ جس قدر شہوت غالب ہو گی۔ اسی قدر ثواب اسکی مخالفت کرنے میں زیادہ ہو گا۔ اور کوئی خواہش اس شہوت سے بڑھ کر غالب نہیں لیکن مطلوب اس شہوت کا بُرا ہے اور بعض سے لوگ جو اس شہوت کو نہیں بجھاتے۔ وہ یا تو عجز کی وجہ سے نہیں بجھا سکتے۔ یا ہراس اور شرم کی وجہ سے یا خوف اور ڈر کے خیال سے کہ کہیں ظاہر نہ ہو جائے! اور وہ بدنام نہ ہوں اور جو شخص ان اسباب کی بنا پر حذر کرتا ہے اس کے لئے کوئی ثواب نہیں کیونکہ اس اطاعت سے غرض دنیا ہے نہ کہ اطاعتِ شرع۔ لیکن عجز سعادت کا باعث ہے کسی وجہ سے ہو آدمی عقوبت و گناہ سے تو محفوظ رہتا ہے اگر کوئی شخص حرام کاری پر قادر ہو اور اس کے لئے کوئی امر مانع نہ ہو۔ اور وہ خدا کے لئے اس کو چھوڑ دے تو اس کے لئے عظیم الشان ثواب ہے اور وہ ان سات آدمیوں میں سے ہے جو قیامت کے روز حق تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے۔ اور اس معنی میں اس کا درجہ حضرت یوسف علیہ السلام کے درجہ کے برابر ہو گا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اس گھاٹی کے عبور کرنے میں امام ہیں سلیمان بن یسار نہایت حسین و جمیل تھے۔ ایک عورت نے اپنے آپ کو ان کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ بھاگ گئے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس شب یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یوسف علیہ السلام ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں۔ میں وُہی یوسف ہوں جس نے قصد کیا۔ اور وہ سلیمان ہے جس نے قصد بھی نہ کیا۔ اور یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا الآیۃ۔ اور یہی سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کو جا رہا تھا جب میں مدینہ سے باہر نکلا۔ تو ابوا نامی جگہ میں ٹھہرا۔ میرا ساتھی اسباب کی خرید کے لئے گیا۔ اور میں وہیں پر ٹھہرا رہا۔ ایک عربی عورت آئی جس کی صورت چاند کی طرح تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ میں یہ سمجھا کہ روٹی طلب کرتی ہے۔ میں نے دستر خوان طلب کیا۔ اس نے کہا میں یہ نہیں چاہتی۔ بلکہ میں وہ چاہتی ہوں۔ جو عورتیں مردوں سے چاہتی ہیں۔ میں نے سر جھکا لیا۔ اور اس قدر رویا۔ کہ وُہ عورت واپس چلی گئی۔ جب میرا ساتھی واپس آیا۔ تو اس نے مجھ میں رونے کا اثر دیکھا۔ کہا۔ کیا معاملہ ہے میں نے کہا۔ لڑکوں کا خیال میرے دل میں آیا اور میں اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ تو اس خیال سے فارغ تھے۔ ضرور کوئی نہ کوئی سانحہ پیش آیا ہے۔ مجھ سے بیان کیجیے۔ جب اس نے نہایت منت و سماجت کی۔ تو میں نے اس سے بیان کیا وہ بھی رویا۔ میں نے پوچھا تو کیوں روتا ہے اس نے کہا میں اس لئے روتا ہوں کہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو کبھی ایسا نہ کر سکتا یعنی محفوظ نہ رہتا پھر جب ہم مکہ معظمہ پہنچے اور طواف و سعی سے فارغ ہوئے۔ اور ایک حجرہ میں بیٹھے۔ تو میں سو گیا خواب میں میں نے ایک نہایت ہی جمیل و حسین شخص کو دیکھا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں یوسف ہوں (علیہ السلام) میں نے کہا۔ یوسف صدیق (علیہ السلام)

انہوں نے کہا۔ہاں۔میں نے کہا عزیز کی عورت کے ساتھ آپ کا قصہ نہایت عجیب ہے۔ انہوں نے جواب دیا تمہارا قصہ ننان اعرابی کے ساتھ عجیب تر ہے۔ ابن عمر رضہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگلے زمانہ میں تین آدمی سفر کو گئے جب رات ہوئی۔ تو ایک غار میں ہو بیٹھے۔ تاکہ امن سے رات گذار دیں۔ اتفاقاً رات کو پہاڑ سے ایک عظیم الشان پتھر لڑھک کر غار میں آگرا۔ اور اتنا زبردست تھا۔ کہ کوئی اس کو نہیں اٹھا۔ اور باہر نکلنے کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ اب زندگی کی کوئی امید نہیں۔ سوائے اس کے کہ حق تعالےٰ کی جناب میں دعا کریں۔ اور اپنے اچھے اچھے اعمال کو شفیع لائیں۔ شاید حق تعالےٰ اس بلائے عظیمہ سے نجات دے۔ ان تینوں میں سے ایک نے کہا۔ کہ اے خدا تو جانتا ہے۔ کہ میرے ماں باپ تھے میں ان سے پہلے نہ تو خود کھانا کھاتا تھا۔ اور نہ ہی اپنے اہل وعیال کو دیتا تھا۔ ایک دن میں کسی کام میں مشغول رہنے کی وجہ سے رات کو ذرا دیر سے گھر پہنچا۔ اور وہ میرے آنے سے پہلے سو چکے تھے۔ اور میں جو دودھ کا پیالہ لایا تھا۔ وہ میں ان کی بیداری کے انتظار میں لئے کھڑا رہا۔ ہر چند میرے بچے واویلا کرتے تھے۔ لیکن میں یہی کہتا رہا۔ کہ جب تک بیدار ہو کر پہلے یہ نہ کھالیں۔ میں تمہیں ہرگز ہرگز نہ دوں گا۔ حتیٰ کہ وہ صبح تک بیدار نہ ہوئے۔ اور بچے بھوکے رہے۔ اور میں صبح تک وہ لئے کھڑا رہا اور تو جانتا ہے کہ اس سے سوائے تیری رضا کے اور کچھ مدّ نظر نہ تھا۔ مجھے رہائی دے۔ جب اس نے یہ کہا تو پتھر میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور اس ایک سوراخ ہو گیا۔ لیکن اس سے باہر نہیں نکلا جا سکتا تھا۔ پھر دوسرے نے کہا۔ بار خدایا تو جانتا ہے کہ میرے چچا کی ایک بیٹی تھی۔ اور میں اس پر عاشق تھا۔ وہ میرا کہا نہ مانتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک سال زبردست قحط پڑا۔ اور وہ عاجز ہو گئی۔ اور میرے ساتھ کچھ کھل کھیلی۔ میں ایک سو بیس دینار اُسے اس غرض سے دیئے۔ کہ وہ میرا کہا مان لے۔ غرضیکہ جب میں اس کے ساتھ اس کام کی غرض سے نزدیک ہوا۔ تو اس نے کہا۔ تجھے ڈر نہیں لگتا کہ تو حق تعالیٰ کی مہر بلا اس کے حکم سے توڑتا ہے۔ میں نے تجھ سے ڈر کر اسے چھوڑ دیا۔ اور پھر اس کا ارادہ نہ کیا۔ حالانکہ میں اس شے سے زیادہ اور کسی چیز کا حریص نہ تھا۔ بار خدایا تو جانتا ہے کہ میں نے یہ امر محض تیری رضا کی خاطر کیا تھا۔ تو ہماری مشکل آسان کر۔ جب وہ یہ کہہ چکا۔ تو پتھر میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ اور وہ کچھ اور کھل گیا۔ لیکن ابھی اس سے باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔ پھر تیسرے نے کہا۔ بار خدایا تو جانتا ہے کہ میں نے ایک بار کام کرنے کی غرض سے مزدور لگائے تھے۔ اور میں نے سب کی مزدوری ادا کر دی تھی۔ لیکن ان میں سے ایک چلا گیا۔ اور اپنی مزدوری چھوڑ گیا تھا۔ میں نے اس مزدوری سے ایک بکری خرید لی۔ اور اس میں تجارت کی یہاں تک کہ بہت مال ہو گیا۔ ایک دن وہ مزدور مزدوری لینے کو آیا۔ تو میں نے اس سے کہا۔ کہ یہ سب گلے۔ اونٹ، بھیڑ، بکریاں، لونڈی، غلام سب تیری مزدوری ہے اُس نے کہا۔ میرے سے مذاق کرتے ہو۔ میں نے کہا نہیں یہ سب تیری مزدوری سے پیدا ہوا ہے۔ میں نے سب کچھ اس کے سپرد کر دیا۔ اور

کوئی شے اپنے لئے نہ رکھی۔ بارخدایا۔ تو جانتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ محض تیری ہی رضا کے لئے تھا۔ تو ہمیں کشائش عطا کر۔ جب وہ یہ کہہ چکا۔ تو پتھر کو جنبش ہوئی۔ اور راستہ کھل گیا۔ اور وہ سب باہر نکل آئے۔

حضرت بکر بن عبداللہ المزنی رح فرماتے ہیں۔ کہ ایک قصاب تھا۔ اور اپنے ہمسایہ کی کنیز پر عاشق تھا۔ ایک دفعہ وہ لونڈی کسی کام کی غرض سے دہقانی کے ہاں جارہی تھی۔ کہ وہ بھی اس کے پیچھے کھیت میں گیا۔ اور جا کر اس سے لپٹ گیا۔ اس کنیز نے کہا۔ کہ میں تجھکو نہایت پسند کرتی ہوں۔ اور تم سے بڑھ کر تمہاری محبت رکھتی ہوں لیکن حق تعالیٰ سے ڈرتی ہوں۔ اس نے کہا۔ جب تو خدا سے ڈرتی ہے تو میں کیوں نہ ڈروں۔ اس قصاب نے توبہ کی اور واپس آگیا۔ راہ میں اس پر پیاس اس قدر غالب ہوئی۔ کہ اسے ہلاک ہو جانے کا خطرہ تھا کہ ایک شخص جو پیغمبر وقت کا قاصد تھا۔ اور کسی کام کو جارہا تھا۔ اثنائے راہ میں اسی قصاب سے ملا اور پوچھا کہ تجھ پر آفت آئی ہے قصاب نے جواب دیا۔ پیاس سے بیتاب ہوا جاتا ہوں۔ اس قاصد نے کہا۔ کہ آؤ میں اور تم دعا کریں کہ جبتک ہم شہر میں پہنچیں۔ ابر ہم پر سایہ کئے رہے۔ قصاب نے کہا۔ میں تو عابد نہیں ہوں کہ میری دعا قبول ہو البتہ تم دعا کرو۔ میں آمین کہتا جاؤں گا۔ **الغرض** اس قاصد نے دعا کہنی شروع کی۔ اور قصاب آمین کہنے لگا۔ دعا مانگتے ہی بادل آگیا۔ اور ان کے سروں پر سایہ کیا۔ اور یہ اس کے سایہ میں چلنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ پہنچے۔ جہاں ان دونوں نے آپس میں جدا ہونا تھا۔ بادل قصاب کے ساتھ چلنے لگا۔ اور وہ قاصد آفتاب کی تمازت میں مبتلا ہوا۔ اس نے قصاب سے کہا۔ کہ اے جوان تو تو کہتا تھا کہ میں عابد نہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ بادل تیرے ہی لئے تھا اپنا حال مجھ سے بیان کر۔ قصاب نے کہا کہ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ سوائے اس کے کہ جو توبہ میں نے ابھی کی ہے۔ اور وہ بھی اسی لونڈی کے کہنے سے۔ اس قاصد پیغمبر نے کہا کہ بیشک ایسا ہی ہے۔ حق تعالےٰ کے نزدیک جو مقبولیت تائب کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔

عورتوں کو دیکھنے کی آفت اور نظر حرام

جاننا چاہئے۔ کہ یہ امر نہایت نادر ہے۔ کہ کوئی شخص جس بات پر قادر ہو۔ اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے۔ اولیٰ یہ ہے کہ آدمی ابتدائے کار میں احتیاط سے کام لے۔ اور ابتدائے کار جو ہے تو وہ آنکھ ہے۔ حضرت علا بن زیادؒ فرماتے ہیں۔ کہ کسی عورت کی چادر پر نظر نہ ڈال۔ کیونکہ اس سے دل میں شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اور درحقیقت عورتوں کے کپڑوں پر نظر نہ ڈالنا چاہئے۔ اور نہ ہی ان کی خوشبو سونگھنی چاہئے۔ اور نہ ہی ان کی آواز بلکہ پیغام رسائی وغیرہ سے بھی عذر کرنا چاہئے۔ اور اس طرح سے بھی نہ گزرنا چاہئے۔ جہاں عورتوں کے لئے تمہارا دیکھنا ممکن ہو سکے۔ اگرچہ تم انہیں نہ دیکھ سکو۔ اس لئے کہ جس جگہ جمال ہوتا ہے۔ وہاں ہر بات دل میں تخم شہوت اور خیال بد بو دیتی ہے

اور عورت کو بھی خوبصورت مرد سے اسی طرح عذر کرنا لازم ہے۔ جو نظر قصداً ڈالی جائے وہ حرام ہے۔ اگر بے اختیار پڑے تو حرام نہیں۔ مگر دوسری بار نظر ڈالنا حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص کسی پر عاشق ہو۔ اور اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ اور عشق کو پوشیدہ رکھے۔ اور دردِ عشق ہی میں جان دیدے۔ وہ شہید ہے۔ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی نظر جو اتفاقاً پڑگئی ہو۔ پھر دوسری نظر کو بچائے۔ یعنی پھر نہ دیکھے۔ اور نہ ہی تلاش کرے اور عشق کو اس میں پوشیدہ رکھے۔

جاننا چاہیئے کہ مجالس اور دعوات وغیرہ میں عورتوں کا مردوں کے ہمراہ بے حجاب بیٹھنا اور نظارہ بازی کرنے سے بڑھ کر اور کوئی تخم فساد نہیں۔ عورتیں جو چادر و نقاب اوڑھتی ہیں یہ کافی نہیں۔ بلکہ جب سفید چادر اوڑھ لیتی ہیں۔ اور پرتکلف نقاب ڈالتی ہیں۔ تو اس سے اور بھی شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات اس زینت زینت سے یہ مراد ہوتی ہے۔ کہ بہ نسبت کھلے چہرہ ہونے کے ذرا زیادہ اچھی معلوم ہوں۔ تو اس خیال سے عورتوں کے لئے سفید چادر اور پرتکلف نقاب حرام ہے۔ اور جو عورت ایسا کرے۔ وہ گنہ گار ہے اور باپ بھائی شوہر۔ برادر جو اس امر کی اجازت دیں۔ وہ بھی اس گناہ میں شامل ہوں گے۔ اور کسی مرد کے لئے یہ امر جائز نہیں کہ وہ شہوت کے خیال سے عورتوں کا پہنا ہوا لباس پہنے۔ یا بو سونگھنے کی غرض سے اس پر ہاتھ پھیرے یا کہ کوئی ہار وغیرہ یا ایسی شے جس سے عورتوں کے ساتھ ملاطفت کرتے ہیں عورتوں کو دے یا ان سے لے یا ان سے نرم و خوش باتیں کرے۔ اور عورتوں کے لئے یہ امر جائز نہیں۔ کہ وہ غیر محرم مردوں سے باتیں کرے۔ اگر اتفاق ہو تو نہایت سختی سے کریں۔ جیسا کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ حضور کے ازواج مطہرات کو ارشاد ہوتا ہے کہ اچھی اور نرم آواز سے مردوں کے ساتھ باتیں مت کرو۔ کیونکہ جس کے دل میں بیماری ہوگی۔ وہ طمع کرے گا۔ قول معروف کہا کرو۔ جس برتن سے کسی عورت نے پانی پیا ہو۔ اور جس جگہ پر عورت کا دہن لگا ہو۔ وہاں سے ارادۃً پانی پینا۔ اور جو میوہ عورت نے دانت سے کاٹ کر چھوڑ دیا ہو۔ اسے کھانا منع ہے۔ حکیمؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ایوب انصاری اور ان کے صاحبزادے جو برتن حضورؐ کے سامنے سے اٹھا کر لایا جاتا۔ اور اس میں حضورؐ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے۔ اور جہاں حضورؐ کا دہن مبارک لگا ہوتا۔ وہ تبرک کے طور پر اپنی انگلیاں لگاتے جب اس بات میں ثواب ہوا۔ تو اگر لذت اور خوشی کی نسبت سے غیر محرم عورت کا جھوٹا کھائے۔ تو یہ امر نہایت گناہ و عذاب کا موجب ہوگا۔ اور جو چیزیں عورتوں سے متعلق ہیں۔ ان سے زیادہ اور کسی شے سے حذر کرنا ضروری نہیں۔

جاننا چاہیئے کہ جو عورت و لڑکا راہ میں سامنے آتا ہے۔ شیطان اس پر نظر ڈالنے کے لئے تقاضا کرتا ہے۔ کہ دیکھ یہ کیسا ہے تو ایسی حالت میں شیطان کے ساتھ مناظرہ کرے۔ اور کہے کہ کیا دیکھوں۔ اگر بری صورت ہوگی۔

تو رنجور ہوگا اور گنہگار بھی۔ کیونکہ میں نے تو اس قصد سے دیکھا ہوگا کہ خوبصورت ہے۔ اگر خوبصورت بھی ہوگا تو تب بھی دیکھنا حلال نہیں گناہ ہے۔ اور اس سے رنج و حسرت پیدا ہوگی۔ اور اگر اس کے پیچھے جاؤں تو اپنے دین و عمر کو اسکی نذر کر دوں۔ اور ممکن ہے کہ مطلب کو نہ پہنچوں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اتفاقاً ایکدن اثنائے راہ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آنکھ ایک خوبصورت عورت پر پڑ گئی۔ آپ وہیں سے واپس گھر تشریف لے آئے اور اپنی بی بی کیساتھ ہم صحبت ہوئے۔ اُسی وقت غسل فرمایا۔ اور باہر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جس شخص کے سامنے کوئی عورت آجائے۔ اور شیطان اسکی شہوت کو حرکت دے تو وہ گھر جائے۔ اور اپنی بی بی سے صحبت کرے کیونکہ جو چیز غیر محرم عورت کے پاس ہے وہی تمہاری بی بی کے پاس ہے۔ واللہ اعلم

اصل سوم آفتِ زبان اور باتیں کرنیکی حرص کا علاج

جاننا چاہیئے کہ زبان حق تعالیٰ کی عجیب و غریب مصنوعات میں سے ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں تو وہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے لیکن حقیقت میں دنیا کی ہر شے پر اسی کا تصرف ہے بلکہ جو کچھ عدم میں ہے اس پر بھی اس کو تصرف حاصل ہے۔ کیونکہ یہ عدم و وجود دنیا کے متعلق بیان کرتی ہے۔ بلکہ عقل کی نائب ہے۔ اور کوئی شے احاطۂ عقل سے باہر نہیں۔ اور جو چیز عقل و خیال میں آتی ہے۔ زبان ہی اسکو الفاظ کا جامہ پہناتی ہے اور دوسرے اعضا کی یہ حالت نہیں۔ جیسے کہ سوائے الوان اور اشکال کے ولایت آنکھ میں اور کچھ بھی نہیں ہے اور سوائے آوازوں کے اور کوئی شے کان کی ولایت میں نہیں۔ اور تمام اعضا کی ولایت و حکومت ایک ایک گوشۂ جسم ہے لیکن زبان کی حکومت دل کی حکومت کی طرح تمام مملکت پر چھائی ہوئی ہے اور جسطرح وہ دل کے مقابلہ میں ہے۔ کہ دل سے صورتیں لے کر عبارت میں لاتی ہے۔ اسی طرح صورتیں دل کو پہنچاتی بھی ہے۔ اور جو کچھ بیان کرتی ہے۔ دل اس سے ایک صفت حاصل کرتا ہے۔ مثلاً جب زبان سے تضرع و زاری کی جاتی ہے اور نوحہ گری کے الفاظ کہے جاتے ہیں تو دل میں اس سے رقت و سوز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور دل کی آگ کے بخارات دماغ کا قصد کرتے ہیں اور پھر آنسوؤں کی شکل میں آنکھ سے باہر آتے ہیں اور جب زبان سے طرب و مسرت کے کلمات ادا کئے جاتے ہیں۔ تو دل میں نشاط و خوشی کی حرکات پیدا ہوتی ہیں اور شہوت حرکت میں آتی ہے۔ اسیطرح جو بات اس سے نکلتی ہے۔ اسکے موافق ایک صفت دل میں پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر بُری باتیں کرتا ہے تو اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور جب حق باتیں کہی جاتی ہیں تو دل روشن ہو جاتا ہے۔ اور جب جھوٹی اور ٹیڑھی باتیں کی جاتی ہیں تو تب بھی دل سیاہ ہوتا ہے۔ اور آئینہ کیطرح ناہموار ہو جاتا ہے یہانتک کہ اشیاء کی صورت بھی

سیدھی نہیں دیکھتا۔ اسیوجہ سے شاعر اور جھوٹے کا خواب کبھی سچا نہیں نکلتا۔ اس لئے کہ جھوٹی باتوں سے اس کا دل ناہموار ہوگیا ہوتا ہے۔ اور جو شخص سچ بولنے کی عادت ڈالتا ہے اسکا خواب درست ہوتا ہے اور سچا ہوتا ہے اور جس طرح جھوٹا شخص خواب سچا نہیں دیکھتا۔ اسی طرح جب وہ اس جہان میں جاتا ہے تو درگاہِ آلٰہی کی زیارت جو سب لذت کی غایت ہے۔ وہ بھی ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ اور درست وصحیح طور پر نہیں دیکھتا۔ اور اس سعادت کی لذت سے محروم رہتا ہے۔ بلکہ جسطرح ناہموار آئینہ سے چہرہ بُرا نظر آتا ہے اور جسطرح تلوار کے طول وعرض میں اگر آدمی اپنی صورت دیکھے۔ تو اسکا حسن وجمال باطل ہوجاتا ہے تو دل کے ٹیڑھا ہونے کیوجہ سے اُس جہان کی حقیقت اور کار ہائے آلٰہی اس کو اچھی طرح معلوم نہیں ہوتے پس دل کی راستی اور ٹیڑھا پن زبان کی راستی اور ٹیڑھا پن پر موقوف ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جبتک دل درست نہ ہو ایمان مستقیم وراست نہیں ہوتا۔ اور دل اسوقت راست ہوتا ہے جب زبان راست ہوتی ہے پس زبانکی آفات اور شر سے حذر کرنا مہمات دین میں سے ہے۔ اور ہم اول اس اصل میں خاموشی کی فضیلت بیان کریں گے اور پھر زیادہ باتیں کرنیکی اور فضول باتیں کرنے کی آفت بیان کرینگے۔ پھر اسکے بعد جھوٹ۔ غیبت۔ نکتہ چینی۔ دوروئی اور ہجو ومدح وغیرہ اور ان کے متعلقات کی آفات بیان کرینگے۔

ثواب خاموشی

جاننا چاہیئے کہ جب زبان کی آفات بہت ہیں۔ اور اپنے آپکو اس سے محفوظ رکھنا دشوار ہے۔ تو ایسی حالت میں خاموشی سے زیادہ بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے جسقدر ہوسکے آدمی خاموش رہنے کی کوشش کرے اور ضرورت سے زیادہ بات نہ کرے۔ اور بزرگوں نے کہا ہے کہ ابدال وہ ہیں جو ضرورت سے زیادہ نہ کہیں نہ کھائیں نہ سوئیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ۔ یعنی پوشیدہ طور پر بھی باتیں کرنا اچھا نہیں۔ سوائے صدقہ کا فرمان دینے کے یا کسی خیر وصلح کے حکم کرنیکے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔ فرمایا حق تعالیٰ نے جس شخص کو شکم وفرج اور زبان کے شر سے بچایا وہ سب گناہوں سے محفوظ رہا۔ حضرت معاذؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ تمام اعمال میں کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے زبان دہن مبارک سے باہر نکالی اور اس پر انگلی رکھکر اشارہ سے بتایا۔ کہ خاموشی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا کہ آپ نے زبان انگلی سے پکڑی ہوئی تھی۔ اور کھینچ رہے تھے اور مل رہے تھے میں نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا کرتے ہو آپ

نے فرمایا۔ اس نے مجھے بہت سے کاموں میں مبتلا کیا ہے اور حضورؐ کا ارشاد ہے۔ کہ آدمی کی اکثر خطائیں اسکی زبان میں ہیں۔ اور فرمایا سب سے زیادہ آسان نیکی خاموشی اور نیکخوئی ہے۔ اور فرمایا جو شخص حق تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اس سے کہدو کہ اچھی باتیں کہے یا خاموش رہے لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ ہمیں کوئی ایسی بات سکھاؤ جسکی وجہ سے ہم بہشت میں پہنچ جائیں آپ نے فرمایا۔ ہرگز باتیں نہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم یہ تو نہیں کر سکتے پھر سوائے نیک باتوں کے نہ کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جب کسی باوقار اور خاموش مومن کو دیکھو تو اسکے نزدیک جاؤ کیونکہ وہ بے حکمت نہ ہوگا۔ عیلےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ عبادات دس ہیں۔ نو خاموشی میں ہیں اور ایک لوگوں سے بھاگنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص باتیں بہت کرتا ہے وہ اکثر غلط گو ہوتا ہے اور جو شخص زیادہ غلط گو ہوتا ہے۔ وہ زیادہ گناہگار ہوتا ہے۔ اور جو زیادہ گناہگار ہو۔ اسکے لئے دوزخ کی آگ زیادہ بہتر ہے۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ جناب صدیقؓ منہ میں پتھر لئے رہتے تاکہ بات نہ کر سکیں۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ قید میں رہنے کیلئے زبان سے زیادہ اور کوئی شے بہتر نہیں حضرت یونس بن علیدؒ فرماتے ہیں۔ میں نے جس شخص کو خاموش دیکھا۔ اس کے کاموں میں نیکیاں پیدا ہوئیں۔ لوگ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں باتیں کرتے تھے اور حضرت احنفؓ خاموش بیٹھے تھے۔ آپ نے کہا۔ آپ کیوں باتیں نہیں کرتے۔ انہوں نے جوابدیا اگر جھوٹ بات کہوں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔ اور اگر سچ کہوں تو آپ سے ڈرتا ہوں۔ ربیع بن خثیمؒ نے بیس سال تک دنیا کی باتیں نہ کیں۔ جب آپ صبح اُٹھتے تو قلم دوات اپنے پاس رکھ لیتے اور جو بات کہتے لکھ لیتے۔ اور رات کو اس کا حساب اپنے سے کرتے۔

جاننا چاہیئے کہ خاموشی کے یہ تمام فضائل اس لئے ہیں کہ زبان کی آفتیں بہت ہیں۔ اور ہمیشہ زبان کی نوک سے بیہودہ باتیں ہی نکلتی ہیں۔ اور انکا کہنا تو آسان و خوش معلوم دیتا ہے لیکن بُری اور بھلی بات میں تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے۔ اور خاموشی اس وبال سے محفوظ رکھتی ہے۔ اور دل و ہمت جمع رکھتی ہے اور آدمی ذکر و فکر میں مشغول ہوتا ہے

جاننا چاہیئے کہ باتیں چار اقسام پر کی جاتی ہیں ایک تو وہ کہ جنکا کہنا سراسر نقصان ہی ہو۔ دوسری وہ جن کا کہنا نافع بھی ہو اور نقصان دِہ بھی اور تیسرے وہ جن میں نہ نفع ہو اور نہ ہی نقصان ہو اور یہ محض فضول ہوتی ہیں۔ چوتھے وہ ہیں جن میں سراسر فائدہ ہی ہوتا ہے۔ پس تین حصہ باتیں تو نہ کرنیکے قابل ہیں۔ اور ایک حصہ کرنیکے قابل اور یہ وہی بات ہے جو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِلَّامَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ الآیۃ۔ اور اس بات کی حقیقت (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ کہ جس نے خاموشی اختیار کی۔ اس نے سلامتی پائی) اُسوقت تک نہ جانیگا۔ جبتک کہ زبان کی آفتوں سے آگاہ نہ ہوگا۔ اور ہم انشاءاللہ اس کی شرح کریں گے۔ اور ایک ایک کر کے بتائیں گے۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ؛

پہلی آفت یہ ہے کہ تو ایسی بات کہے۔ کہ جسکی کچھ حاجت نہ ہو۔ اگر تو نہ کہے تو اس سے دین و دنیا میں کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر تو اس قسم کی بات کریگا۔ تو اس سے حسن اسلام سے باہر نکل آئیگا کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ۔ یعنی جو بات ضروری نہ ہو۔ اسکا ترک کر دینا حسن اسلام میں داخل ہے۔ اور اس بیفائدہ بات کی مثال یہ ہے۔ کہ تو چند لوگوں میں بیٹھے اور اپنے سفر کی حکایت بیان کرے اور ان تمام پہاڑوں۔ باغوں نہروں کا حوالہ دے جو تجھے درپیش آئے ہوں۔ اور تو یہ اسطرح بیان کرے کہ تیرے بیان میں کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ تو تب تیرا یہ بیان بیفائدہ ہوگا جسکی کچھ ضرورت نہیں۔ اور اگر تو نہ کہے تو کچھ نقصان نہیں۔ اسی طرح اگر تو کسی شخص کو دیکھے۔ اور اس سے کوئی ایسی بات پوچھے جسکے پوچھنے سے تجھے کچھ فائدہ نہ ہو۔ اور یہ اسی وقت ہے کہ جب پوچھنے میں بھی کوئی آفت نہ ہو۔ جیسے کہ اگر تم پوچھو کہ روزہ دار ہو۔ اگر جواب دینے والے نے سچ کہا تو اظہار عبادت کیا۔ اگر جھوٹ کہا تو گنہگار ہوا۔ اور یہ سب تیری ہی وجہ سے ہوا۔ اور یہ بالکل ناشائستہ بات ہے اور علیٰ ہذا القیاس۔ اگر تو پوچھے۔ کہ کہاں سے آئے ہو اور کیا کرتے ہو تو شاید مخاطب اسکا اظہار نہ کر سکے اور جھوٹ میں مبتلا ہو جائے۔ اور جھوٹ خود باطل ہے اور افضل سخن وہ ہے جسمیں کچھ باطل کی آمیزش نہ ہو۔ حکایت ہے کہ لقمان ایک سال تک متواتر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں جاتے رہے۔ اور حضرت داؤدؑ زرہ بناتے رہے۔ لقمان نے چاہا کہ وہ جانیں کہ یہ کیا شے ہے لیکن نہ پوچھا۔ حتّٰی کہ انہوں نے زرہ کو تمام کر لیا۔ اور پہنا اور کہا کہ یہ لڑائی کیلئے اچھا لباس ہے۔ لقمان نے پہچان لیا اور کہا کہ خاموشی حکمت ہے مگر کسی کو اسکی رغبت نہیں۔ اور اس قسم کے سوالات کا سبب یہ ہوتا ہے۔ کہ آدمی لوگوں کے حالات دریافت کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ راہ سخن کشادہ ہو۔ یا کسی کے ساتھ اظہار خوشی کا موقع ملے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ جانے کہ موت درپیش ہے اور نزدیک ہے۔ اور ہر تسبیح و ذکر جو اس نے کیا ہوگا۔ وہ ایک خزانہ ہوگا۔ اور اگر اسکو ضائع کریگا تو اس نے اپنا نقصان کیا ہوگا۔ یہ علمی علاج ہے مگر عملی علاج یہ ہے۔ کہ عزلت اختیار کرے یا منہ میں پتھر رکھ لے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک جوان جنگ اُحد کے دن شہید ہوا۔ لوگوں نے دیکھا۔ تو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھا۔ اسکی ماں نے اسکے چہرہ سے خاک جھاڑی اور کہا۔ ھَنِیْئًا لَکَ الْجَنَّۃُ یعنی تجھے جنت مبارک ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے کیا خبر۔ ممکن ہے کہ اس نے کسی ایسی چیز میں بخیلی کی ہو جو اس کے کام کی نہ ہو۔ یا کوئی ایسی بات کی ہو۔ جس سے اسے کچھ تعلق نہ ہو۔ اسکے معنی یہ ہیں۔ کہ اس سے ان باتوں کا حساب لیا جائیگا۔ اور خوش وہی آدمی وہ ہوگا جسے کچھ رنج حساب نہ ہو۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اسوقت دروازہ میں سے ایک اہل بہشت آدمی آرہا ہے حضرت عبداللہ بن سلامؓ تشریف لائے۔ لوگوں نے حضورؐ کے کلمات کی انکو خبر دی۔ اور پوچھا کہ تمہارا عمل کونسا ہے۔ انہوں نے کہا میرا عمل ایک نہایت مختصر ہے اور وہ یہ ہے کہ جس چیز سے مجھے کام نہ ہو میں اس کے درپے نہیں ہوتا۔ اور لوگوں کی

بدخواہی نہیں کرتا۔

جاننا چاہیئے کہ جو چیز ایک ہی کلمہ میں کہی جاسکتی ہو۔ اگر تو اسے لمبا کریگا۔ اور دو کلموں میں کہیگا تو وہ دوسرا کلمہ فضول ہوگا۔ اور تیرے لئے وبال کا باعث ہوگا۔ صحابہؓ میں سے ایک فرماتے ہیں۔ کہ کوئی شخص ہوتا ہے جو مجھ سے ایک ایسی بات کہتا ہے۔ کہ جس کا جواب دینا میرے لئے ایسا خوشگوار ہوتا ہے۔ جیسے کسی پیاسے کیلئے ٹھنڈا پانی لیکن میں اس خیال سے جواب نہیں دیتا کہ فضول ہوتا ہے مطرف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالی کا جلال تیرے دل میں اس بات سے زیادہ ہو کہ تم اسکا نام ہر بات میں لو۔ جیسا کہ چار پایہ اور بلی کو کہہ بیٹھتے ہو کہ خدا تجھے ایسا ایسا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ نیکبخت وہ شخص ہے جس نے زیادہ بات کو رکھ چھوڑا اور زیادہ مال کو دے ڈالا یعنی تھیلی کا بند کھول کر زبان پر لگا دیا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ کہ آدمی کیلئے زبان درازی سے زیادہ بُری اور کوئی شے نہیں جاننا چاہیئے کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ لکھا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ فرشتے فضول باتیں نہ لکھتے۔ اور لکھنے کی وقت اُجرت طلب کرتے تو اسکے خوف سے بجائے دس باتوں کے ایک بات لکھنے اور زمانہ کے ضائع کرنیکا نقصان زیادہ کرنے میں اُجرت نسخ کے نقصان سے زیادہ ہے۔

دوسری آفت۔ باطل اور معصیت میں بات کہنا ہے سخن باطل یہ ہے۔ کہ آدمی بدعات میں باتیں کرے اور معصیت یہ ہے کہ اپنے فسق و فساد کے متعلق بات کہے۔ اور دوسرونکے فسق و فساد کے متعلق بھی ذکر کرے۔ اور مجالسِ شراب و فساد کا ذکر کرے۔ یا کسی ایسے مناظرہ کا ذکر کرے جس میں دو آدمیوں کے درمیان فحش کلامی ہوئی ہو۔ یا اس قسم کی فحش حکایات بیان کرے۔ جنکو سُن کر ہنسی آئے۔ یہ سب باتیں آفتِ اول کی طرح معصیت و گناہ ہیں۔ اور اس سے درجہ کم ہوتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے۔ کہ ایک بات کرتا ہے اور اسکے کہنے میں باک نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ بات اسے قعرِ دوزخ تک لیجاتی ہے۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے۔ کہ بات کہتا ہے اور نہایت بیباکی سے کہتا ہے اور وہ اس کو بہشت تک پہنچاتی ہے۔

تیسری آفت۔ بات میں جھگڑنا اور خلاف کرنا ہے۔ اور کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ اسکی یہ عادت ہوجاتی ہے کہ جو بات بھی اسے کہیں رد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہے اور اسکے معنے یہ ہیں کہ تو احمق اور نادان ہے اور جھوٹا ہے۔ اور میں زیرک و عاقل اور راست گو ہوں۔ اور وہ اس ایک حکم سے دو مہلک صفات کو قوی کرتا ہے ایک تکبر اور دوسرے سبعیت (درندگی) اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بات چیت میں خلاف و خصومت سے بچے اور سخن باطل نہ کہے۔ اسکے لئے بہشت میں ایک گھر بناتے ہیں اور اگر احتیاطاً حق بات بھی نہیں کہتا ہے۔ اس کیلئے فردوس اعلٰی میں ایک گھر بناتے ہیں اور اسکا ثواب اس لئے زیادہ ہے کہ محال و جھوٹ بات پر صبر کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ فرمایا۔ لوگوں کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جبتک کہ وہ خلاف باتوں سے

ہاتھ نہ اٹھائیں۔ اگرچہ حق پر ہی کیوں نہ ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ خلاف سب کا سب مذہب ہی میں نہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انار شیریں ہے اور تو یہ کہے کہ ترش ہے۔ یا یہ کہے کہ فلاں جگہ ایک فرسنگ ہے اور تو کہے کہ نہیں دو فرسنگ ہیں۔ یہ سب باتیں مذموم ہیں۔ اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو جھگڑا تو کسی کے ساتھ کرے۔ اسکا کفارہ دو رکعت نماز ہے۔ اور منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بات کرے۔ تو اس کی خطا نکالے۔ تو اسکا نقص و خلل ظاہر کرے۔ یہ سب حرام ہے کیونکہ اس سے دوسرے کو رنج پہنچتا ہے اور کسی مسلمان کو بلا ضرورت رنج نہ پہنچانا چاہیئے۔ اور ان معاملات میں کسی کی خطا کو ظاہر کرنا فریضہ نہیں۔ بلکہ خاموش رہنا کمال ایمان میں سے ہے۔

اگر مذاہب میں خلاف ہو تو اسے جدل کہتے ہیں۔ اور یہ بھی مذموم ہے۔ ہاں البتہ نصیحت کے طور پر خلوت میں امرِ حق کا اظہار کیا جائے اور یہ بھی اس شرط سے کہ دوسرے کے مان لینے کی امید ہو۔ تو کوئی حرج نہیں۔ ورنہ چپ رہنا بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی قوم گمراہ نہ ہوئی مگر جدل سے یعنی ان پر جدل غالب ہو گیا۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی۔ علماء سے جدل نہ کرنا ورنہ وہ تیرے دشمن ہو جائیں گے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ محال اور باطل بات پر چپ رہنا غایت صبر کی دلیل ہے۔ اور یہ امر فضائل مجاہدات ہی سے ہے حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ عزلت نشین ہوئے۔ تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ باہر کیوں نہیں تشریف لاتے۔ آپ نے جواب دیا۔ میں مجاہدہ کر کے اپنے آپکو جدل سے بچاتا ہوں۔ اور فرمایا مناظرہ کی مجلس میں آؤ سنو لیکن کچھ نہ کہو۔ فرماتے ہیں۔ میں نے ایسا کیا۔ تو اس سے زیادہ سخت اور کوئی امر نہ دیکھا۔ اور نہ فی الحقیقت اس سے زیادہ کوئی آفت نہیں۔ اور کسی شہر میں مذہبی تعصب ہو۔ اور وہ لوگ جو جاہ و عزت کے طالب ہوں کہیں کہ جدل کرنا دین میں سے ہے۔ اور درندگی و تکبر کی صفت خود اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ اور آدمی نے جب یہ جان لیا کہ جدل دین میں سے ہے۔ تو اس کے دل میں حرص اسقدر غالب ہوتی ہے۔ کہ وہ اس سے صبر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نفس کو اس میں سے کئی طرح کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن انسؓ سے مروی ہے کہ جدل دین سے تعلق نہیں رکھتا اور تمام بزرگان و اسلاف نے جدل کی مخالفت کی ہے۔ اگر کوئی شخص مبتدع ہوا ہے تو انہوں نے اسکو آیات قرآن اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کہی ہیں۔ اور فضول کلامی سے اعراض کیا ہے

چوتھی آفت۔ مال کے متعلق جھگڑا کرنا ہے۔ جو قاضی کی عدالت میں ہو یا کسی دوسری عدالت میں اور یہ بھی عظیم الشان آفت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو بے علم شخص کسی سے جھگڑا کرتا ہے۔ جب تک وہ خاموش نہیں ہو جاتا حق تعالیٰ اس سے ناراض رہتا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ مال کے متعلق جھگڑا جسطرح دل کو پراگندہ کرتا ہے اور لذتِ عیش کو ضائع کرتا ہے۔ اور مروتِ دین کو کم کرتا ہے۔ دوسری کوئی شے ایسا نہیں کرتی اور مروی

ہے کہ کسی متورع شخص نے مال کے متعلق جھگڑا نہیں کیا کیونکہ یہ جھگڑا سوائے طول کلامی کے ختم نہیں ہوتا۔ اور متورع لوگ زیادہ گوئی نہیں کرتے۔ اگرچہ اور کچھ بھی نہ ہو لیکن جھگڑے کی حالت میں آدمی فریقِ مقابل کو اچھی بات تو نہ کہیگا اور اچھی بات کہنے کی فضیلت بہت ہے پس جس شخص کو کسی سے کچھ خصومت ہو۔ اور اس سے ہاتھ اٹھانا مشکل ہو تو اسے چاہیئے کہ سوائے سچائی کے اور کچھ نہ کہے۔ اور دوسرے کو رنج پہنچانیکا ارادہ نہ کرے۔ اور سخت کلامی اور زیادہ بدگوئی نہ کرے کیونکہ یہ سب باتیں ہلاکتِ دین کا باعث ہیں۔

پانچویں آفت فحش کلامی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فحش کلامی کرنیوالے پر بہشت حرام ہے اور فرمایا کہ دوزخ میں کچھ لوگ جائیں گے۔ کہ جن کے دہن سے پلیدی نکلے گی۔ اور اُسکی گندگی سے تمام اہلِ دوزخ فریاد کرینگے۔ اور کہیں گے کہ یہ کون ہیں تو کہا جائیگا۔ کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جس جگہ فحش کلامی کی جاتی تھی یہ اسکو دوست رکھتے تھے اور خود بھی فحش کلامی کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم بن میسرہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص فحش کلامی کریگا۔ قیامت کیدن کتے کی شکل میں ہوگا۔ اور جاننا چاہیئے کہ فحش کلامی زیادہ تر اس شخص میں ہوتی ہے۔ کہ جو مباشرت کے بارہ میں نہایت زشت و مکروہ گفتگو کرتے ہیں۔ جیسے کہ اہل فساد کی عادت ہوتی ہے۔ اور گالی یہ ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ نسبت دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دوسروں کے ماں باپ کو گالی دے تاکہ وہ اس کے ماں باپ کو گالی دیں تو یہ گالی گویا خود اسی نے دی۔ جاننا چاہیئے کہ جماع کے متعلق اشارتاً وکنایتہً گفتگو کرنی چاہیئے۔ تاکہ فحش نہ ہو جائے اور اگر کوئی بُری سی بات بھی ہو۔ تو اسے بھی اشارتاً وکنایتہً ہی بیان کرنا چاہیئے۔ صاف اور کھلے طور پر نہ کہنا چاہیئے اور عورتوں کا نام صاف و صریح طور پر نہ لینا چاہیئے۔ بلکہ مستورات کے نام سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ اور کسی کو کوئی بُرا مرض ہو۔ جیسے بواسیر و برص وغیرہ تو اسے محض بیماری کہنا چاہیئے۔ اور ایسے الفاظ میں بھی ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا فحش ہے۔

چھٹی آفت۔ لعنت کرنا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ لعنت کرنا نہایت مذموم ہے۔ چاہے آدمی ہو یا کیڑا ہو یا جانور ہو۔ غرضیکہ ہر شے پر لعنت کرنا نہایت بُرا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ مومن لعنت نہیں کرتا ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھی۔ اس نے ایک اونٹ پر لعنت کی حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس اونٹ کو ننگا کر کے قافلہ سے باہر نکال دو۔ کیونکہ یہ ملعون ہے ایک عرصہ تک وہ اونٹ ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ اور کوئی شخص اس کے نزدیک تک نہ گیا۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی زمین یا کسی اور شے کو لعنت کرتا ہے تو وہ شے کہتی ہے۔ کہ لعنت اس پر جو ہم میں سے حق تعالیٰ کے حضور میں زیادہ گناہگار ہے۔ ایک روز جناب صدیقؓ نے ایک شے پر لعنت کی حضورؐ نے سُنا تو ارشاد کیا۔ یَا اَبَابَکْرٍ صِدِّیْقٌ وَلَعَنْتَ لَا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ صِدِّیْقٌ وَلَعَنْتَ لَا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ[1] حضورؐ نے یہ کلمات تین بار کہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے توبہ کی۔ اور ایک غلام کفارہ میں آزاد کیا۔ جاننا چاہیئے۔ کہ

[1] اے ابوبکرؓ تو صدیق ہے اور تو نے لعنت کی۔ تجھے یہ سزاوار نہیں قسم ہے پروردگارِ کعبہ کی تو صدیق ہے۔ تو لعنت کی تجھے یہ سزاوار نہیں قسم ہے ربِّ کعبہ کی تو صدیق ہے۔

آدمیوں پر لعنت نہ کرنی چاہیئے۔ سوائے ان لوگوں کے جو مذموم ہیں جیسا کہ تو یہ کہے کہ لعنت ہو ظالموں پر کافروں پر فاسقوں پر اور بدعتیوں پر لیکن یہ کہنا کہ معتزلی و کرامی پر لعنت ہو۔ اس میں خطرہ ہوگا۔ اور فساد پیدا ہوگا۔ اس سے حذر کرنا چاہیئے۔ سوائے اُنکے کہ جن پر شریعت نے لعنت کی ہو۔ اور اُن پر لعنت کرنا حدیث کی رُو سے درست ہے لیکن کسی کو یہ کہنا کہ تجھ پر یا فلانے آدمی پر لعنت ہو۔ تو ایسا کہنا اس شخص کے حق میں درست ہوگا جو کافر مرا ہوگا جیسے فرعون اور ابوجہل وغیرہ۔ حضورؐ نے چند کافروں کا نام لیکر لعنت کی تھی کیونکہ حضورؐ نے سمجھ لیا تھا کہ یہ اسلام قبول نہ کریں گے لیکن یہودی پر لعنت بھیجنا ٹھیک نہیں ممکن ہے وہ موت سے پہلے مسلمان ہوجائے اور اس لعنت بھیجنے والے سے بہتر ہو جائے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ہم مسلمان کو کہتے ہیں۔ کہ اس پر خدا کی رحمت ہو۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ وہ مرتد ہوجائے۔ اور مرتد ہی مرے لیکن ہم تو موجودہ حالت کو دیکھ کر کہتے ہیں۔ اور اسی طرح کافر پر بھی اسی حال میں لعنت بھیجتے ہیں۔ جبکہ وہ کفر کی حالت میں ہے لیکن یہ خیال کرنا اور یہ دلیل دینا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ رحمت کے یہ معنے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ اسے اسلام پر قائم رکھے کہ یہ امر سبب رحمت ہے۔ اور یہ تو نہیں کہنا چاہیئے کہ حقتعالیٰ تجھے کفر پر قائم رکھے پس لعین پر لعنت نہ کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یزید پر لعنت روا ہے۔ تو ہم یہ کہیں گے۔ صرف اتنا کہنا روا ہوگا۔ کہ حسین علیہ السلام کے قاتل پر لعنت ہو۔ اگر وہ توبہ کرنے سے پہلے مرگیا ہو۔ کیونکہ قتل کرنا کفر سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور جب توبہ کرے تو اس پر لعنت نہ کرنا چاہیئے۔ جیسے وحشی نے حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کیا اور پھر مسلمان ہوگیا۔ اور اس سے لعنت ساقط ہوگئی۔ حالانکہ یزید کی نسبت تو یہ بھی تحقیق نہیں ہُوا کہ اس نے جناب امام علیہ السلام کو قتل کیا ہو۔ ایک گروہ کہتا ہے اس نے حکم دیا تھا۔ ایک گروہ کہتا ہے۔ اس نے حکم نہیں دیا تھا لیکن راضی تھا۔ اور یہ امر کسی طرح بھی جائز نہیں کہ کسی شخص کو تہمت کی بنا پر گناہ کے ساتھ منسوب کریں کیونکہ ایسا کرنا خود گناہ ہوگا اس زمانہ میں بھی کئی لوگوں نے قتل کر ڈالا۔ لیکن کوئی شخص حقیقت و اصلیت سے آگاہ نہ ہُوا کہ کس نے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ تو اب چار سو سال (اب تو چودہ سو سال ہو سکو آیا ہے) کے بعد امام حسینؑ کے واقعہ کی حقیقت کو کسطرح سے سمجھیں۔ حق تعالیٰ نے ہم کو ان فضولیات و خطرہ سے مستغنی کر دیا ہے یعنی اگر کوئی شخص تمام عمر ابلیس پر لعنت نہ کرے تو قیامت میں اس سے یہ سوال نہ کرینگے کہ تو نے کیوں اس پر لعنت نہ کی۔ اور اگر کسی نے کسی پر لعنت کی تو اس میں پرسش کا خطرہ ہوگا۔ کہ کیوں کی اور کس لئے کی ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز میرے اعمالنامہ میں یا تو کلمہ لاالٰہ الااللہ نکلیگا یا کسی پر لعنت نکلیگی لیکن میں اس بات کو پسند رکھتا ہوں کہ کلمہ لاالٰہ الااللہ نکلے۔ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ حضورؐ نے فرمایا لعنت نہ کر۔ اور مروی ہے کہ مومن پر لعنت کرنا اسکے قتل کر نیکے مترادف ہوگا۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ نماز کے بعد تسبیح میں مشغول ہونا ابلیس پر لعنت کرنے سے بہتر ہے جب یہ حالت ہو تو اور کسی پر لعنت کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے پس جو شخص کسی پر لعنت کرے

اور پھر اپنے آپ سے کہے کہ یہ دین کی مضبوطی کا باعث ہے۔ تو یہ محض شیطانی غرور اور دھوکا ہوگا۔ اور عام طور پر یہ لعنت وغیرہ کرنا دشمنی و تعصب کی بنا پر ہوتا ہے۔

ساتویں آفت۔ اشعار میں ہے۔ اور اسے ہم نے سماع کے باب میں بیان کر دیا ہے۔ کہ یہ حرام نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اشعار پڑھے گئے ہیں حضورؐ نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ وہ کافروں کی ہجو کریں اور جواب دیں لیکن جو اشعار سراسر جھوٹ پر مبنی ہوں یا اس میں کسی مسلمان کی ہجو کی گئی ہو یا اس میں مبالغہ اور جھوٹ سے کام لیا گیا ہو تو یہ درست نہیں لیکن جو شعر بہ سبیل تشبیہہ ہو۔ کیوں تشبیہات سے کام لینا شعرا کی صفت ہے اگرچہ وہ ظاہری صورت میں دروغ ہو لیکن حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے یہ مقصد نہ ہوگا کہ لوگ اسکی ظاہریت پر اعتقاد کرلیں۔ کیونکہ اس قسم کے عربی اشعار حضورؐ کے سامنے پڑھے گئے ہیں۔

آٹھویں آفت۔ مزاح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو مزاح کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن کبھی کبھی تھوڑا تھوڑا مباح ہے اور نیکخوئی میں داخل ہے بشرطیکہ اسکا عادی نہ ہو جائے اور اسکو پیشہ نہ بنالے اور سوائے حق کے نہ کہے۔ کیونکہ مزاح بہت سا وقت ضایع کرتا ہے اور بہت ہنسی لاتا ہے اور زیادہ ہنسنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس سے وحشت یعنی لگاڑ پیدا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں مزاح کرتا ہوں لیکن سوائے حق کے نہیں کہتا ہوں۔ فرمایا کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ اسلئے بات کہتا ہے کہ لوگ ہنسیں لیکن وہ اپنے درجہ سے گر جاتا ہے اور جو شخص زیادہ ہنستا ہے وہ مذموم ہے اور مسکراہٹ سے زیادہ ہنسی نہ چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانو تو تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔ ایک بزرگ نے دوسرے سے کہا۔ کہ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ ضرور بالضرور دوزخ پر گزر ہوگا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ اس نے کہا میں جانتا ہوں۔ اس نے کہا پھر جانتا ہے کہ اس سے باہر نکلیں گے اس نے جواب دیا نہیں۔ اس نے کہا پھر ہنسی کیا ہے اور ہنسی کا کونسا مقام ہے۔ حضرت عطائی سلمیؒ چالیس سال تک نہ ہنسے۔ وہب ابن الورد نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ وہ عید رمضان کیدن ہنستے تھے۔ فرمایا اگر اس گروہ کو حق تعالیٰ بخشدے اور انکا روزہ قبول کرے تو تب بھی یہ شاکروں کا فعل نہیں ہے اور اگر قبول نہ کرے تو یہ خائفوں کا فعل نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اور ہنستا ہے اسکی جگہ دوزخ ہے اور وہ روئیگا۔ محمد بن واسع نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص بہشت میں روئیگا تو تعجب ہوگا۔ لوگوں نے کہا۔ ہاں تعجب تو ہوگا۔ پھر فرمایا۔ جو شخص دنیا میں ہنستا ہے اور اسے یہ معلوم نہیں کہ اسکا ٹھکانا دوزخ میں ہے یا جنت میں۔ تو یہ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات ہے حدیث شریف میں ہے کہ ایک اعرابی اونٹ پر سوار تھا اس نے ارادہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اتر کر حضور سے کچھ پوچھے۔ ہر چند وہ اترنے کا قصد کرتا تھا

لیکن اونٹ پیچھے ہی کی جانب بیٹھتا تھا۔ اور حضورؐ کے صحابہ ہنستے تھے یہانتک کہ اونٹ نے اسکو الگ پھینکدیا اور وہ مر گیا۔ صحابہؓ نے حضورؐ سے اسکے مرنے کی اطلاع کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ اسکے خون سے تمہارا دامن پُر ہے یعنی کہ تم اس پر ہنستے ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ سے ڈرو۔ اور مزاح مت کرو کیونکہ اس سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بڑے بڑے کام اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب تم آپس میں بیٹھو۔ تو قرآن کے بارہ میں گفتگو کرو۔ اور اگر یہ نہ کر سکو۔ تو اچھی باتیں اچھے لوگوں کی بیان کرو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی سے مزاح کرتا ہے وہ اسکی آنکھوں میں خوار و بے ہیبت ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے تمام عمر میں صرف دو تین بار مزاح کیا۔ ایک تو آپ نے ایک بڑھیا عورت سے کہا کہ بوڑھی عورت بہشت میں نہ جائیگی۔ وہ بوڑھی رونے لگی۔ اور کہا۔ اے بڑھیا دل کو مایوس نہ کر۔ کہ پہلے تجھے جوانی دیں گے اور پھر بہشت میں لے جائینگے ایک عورت نے حضورؐ سے کہا کہ میرا خاوند آپ کو بلاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تیرا خاوند وہ ہے۔ جس کی آنکھ میں سفیدی ہے اس نے کہا میرے خاوند کی آنکھ سفید نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسکی آنکھ میں سفیدی نہ ہو۔ ایک عورت نے حضورؐ سے عرض کی کہ مجھے اونٹ پر بٹھا لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں اونٹ کے بچہ پر بٹھاؤنگا اس نے کہا نہیں وہ مجھے گرا دیگا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کوئی شتر ایسا نہیں جو شتر کا بچہ نہ ہو۔ حضرت ابو طلحہؓ کا ایک بیٹا ابو عمیر نامی تھا۔ اس کے پاس (گرگریا) کا ایک بچہ تھا۔ اتفاقاً وہ بچہ مر گیا۔ اور وہ روتا تھا۔ حضورؐ نے جو اسکو دیکھا تو پوچھا۔ اے ابو عمیر نغیر کا کیا حال ہوا (نغیر گرگریا کے بچہ کو کہتے ہیں)، اور اکثر آپ اس قسم کا مذاق بچوں اور عورتوں کا دل خوش کرنے کیلئے کیا کرتے تھے۔ تاکہ وہ ذرا خوش ہوں۔ اور آپکی ہیبت سے نفرت نہ کریں اور آپکی طبیعت اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اس قسم کی تھی۔ تاکہ ان کی طبیعت کو خوش کریں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے پاس تشریف لائیں۔ اور میں نے دودھ سے ایک شے پکائی ہوئی تھی میں نے کہا۔ کھا لیجئے۔ انہوں نے کہا میں نہیں کھاتی۔ میں نے کہا۔ اگر آپ نہ کھاؤ گی تو میں تمہارے منہ پر ملونگی انہوں نے کہا میں ہرگز نہ کھاؤں گی۔ پھر میں نے ذرا ہاتھ بڑھا کر کچھ تھوڑی سی انکے منہ پر ملدی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے زانوئے مبارک ہٹا لیا۔ تاکہ وہ مجھ سے بدلہ لے لیں پھر انہوں نے بھی میرے منہ پر ملدی۔ اور حضورؐ ہنسنے لگے۔ ضحاک بن سفیان نہایت بُری شکل کا آدمی تھا۔ اور وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری دو عورتیں ہیں۔ اور وہ عائشہؓ سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں اگر آپ پسند فرمائیں۔ تو ایک کو طلاق دیدوں۔ اور آپ اسکے ساتھ نکاح کر لیں اور وہ یہ دل لگی سے کہہ رہا تھا۔ اور اس طریق سے کہہ رہا تھا۔ کہ حضرت عائشہؓ بھی سُن رہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ اچھا یہ تو بتا کہ تو خوبصورت ہے یا وہ تجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس نے جواب دیا میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہ رضؓ کے اس سوال پر ہنس پڑے۔ کیونکہ وہ نہایت بدصورت تھا۔ اور یہ اسوقت کا قصہ ہے۔ جبکہ ابھی پردہ کی آیت نازل نہ ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خرما کھا رہا ہے۔ حالانکہ تیری آنکھ درد کرتی ہے۔ حضرت صہیب رضؓ نے جواب دیا۔ کہ میں دوسری جانب کی ڈاڑھ سے چبا رہا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خوات بن جبیر رضؓ کو عورت کے ساتھ بہت رغبت تھی۔ اور وہ ایک روز مکہ کی راہ میں کچھ عورتوں کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے۔ تو وہ حضورؐ کو دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا کرتے ہو؟ بجواب عرض کیا کہ میرا اونٹ نہایت سرکش ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان عورتوں سے اس اونٹ کے لئے رسّی تیار کرواؤں۔ حضورؐ وہاں سے تشریف لے گئے۔ خوات بن جبیر رضؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضورؐ نے مجھے دیکھا۔ تو فرمایا۔ اے جبیر رضؓ! کیا وہ اونٹ سرکشی سے باز آیا ہے یا نہیں میں شرمندہ ہو کر چپ ہو گیا۔ اور اس کے بعد بھی حضورؐ جب کبھی مجھے دیکھتے تو یہی کہتے۔ ایک دن حضورؐ گدھے پر سوار ایک طرف دونوں پاؤں لٹکائے تشریف لائے۔ فرمایا۔ اے جبیر۔ تمہارے اس سرکش اونٹ کی کیا خبر ہے میں نے کہا۔ خدا کی قسم جس نے آپکو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں۔ اس نے سرکشی نہیں کی فرمایا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اھْدِ اَبَا عَبْدَ اللّٰہِ۔ نعمان انصاری رضؓ بہت شراب پیا کرتے تھے۔ اور بہت مزاح کیا کرتے تھے اور جب کبھی بھی انکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا جاتا تھا تو انہیں جوتیاں لگائی جاتی تھیں۔ ایک بار صحابہ رضؓ نے کہا۔ لعنت اللہ کب تک کھائیگا۔ فرمایا۔ لعنت مت کرو کہ یہ خدا اور اسکے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور ان کی یہ عادت ہوتی تھی۔ کہ جب کبھی مدینہ منورہ میں نیا پھل لایا جاتا۔ تو یہ حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر لاتے اور اس کے بعد جب کوئی ان سے پھل کی قیمت مانگتا۔ تو اسے حضورؐ کے پاس لے آتے اور کہتے کہ انہوں نے کھایا ہے اپنی ان سے قیمت لے لو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنسدیتے۔ اور قیمت ادا کر دیتے حضورؐ فرماتے۔ تم کیوں لاتے ہو جبکہ قیمت ادا نہیں کرتے۔ وہ جواب دیتے کہ میرے پاس قیمت نہیں ہوتی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا سوائے آپ کے کھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر میں جو مزاح کیا ہے۔ وہی ہے اس میں باطل کا ذرہ بھر لگاؤ نہیں۔ اور ناممکن ہے۔ کہ اس مزاح سے کسی کو رنج پہنچے۔ اور نہ ہی اس سے ہیبت اور وقار کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس قسم کا مزاح کبھی کبھی سنت ہے۔ لیکن عادی ہونا درست نہیں۔

نویں آفت۔ استہزء ہے۔ اور کسی کی باتوں پر ہنسنا اور اسکے افعال و اقوال کی نقل اتارنا ہے۔ اسطرح سے کہ دوسرے ان حرکات کو دیکھ کر ہنسیں۔ اور اگر اس سے کوئی شخص رنجیدہ ہو تو یہ بھی حرام۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ۔ یعنی کسی کی ہنسی نہ اڑاؤ۔ اور نہ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھو شاید وہ تم سے بہتر ہی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کی غیبت ایسے گناہ

کے متعلق کرے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو۔ تو غیبت کرنیوالا اس گناہ میں مبتلا ہو کر مرتا ہے۔ اور حضورؐ نے منع فرمایا ہے کہ کسی شخص کے گوز چھوڑنے پر بھی مت ہنسو۔ اور فرمایا جس فعل کا آدمی خود بھی مرتکب ہوتا ہے اگر وہ دوسرے سے صادر ہو تو بھلا اسکی ہنسی کیوں اڑائے۔ فرمایا۔ جو لوگ استہزا کرتے ہیں اور لوگوں کی ہنسی اڑاتے ہیں قیامت کے دن بہشت کا دروازہ کھولا جائیگا۔ اور انہیں داخل ہونے کو کہا جائیگا اور جب وہ دروازہ میں داخل ہونا چاہیں گے تو انہیں داخل ہونے سے روکدیا جائیگا۔ اور جب وہ وہاں سے واپس پھرینگے تو پھر بہشت کا ایک دوسرا دروازہ کھول کر انکو بلائیں گے۔ لیکن جب وہ نزدیک جائیں گے تو پھر اس دروازہ کو بھی بند کر لینگے۔ اور وہ اس حالت رنج والم میں طمع کرتے رہیں گے۔ لیکن ان کو داخل نہ ہونے دیا جائیگا پھر انکی یہ حالت ہو جائیگی کہ انہیں ہر چند بلایا جائے گا لیکن وہ نہ آئیں گے۔ کیونکہ وہ جان لینگے۔ کہ انکی ہنسی اور حقارت کرتے ہیں جاننا چاہیئے کہ مسخرہ پر ہنسنا اور اس شخص پر جو برا نہ منائے۔ حرام نہیں۔ اور یہ ایک قسم کے مزاح ہی میں داخل ہوگا حرام اسوقت ہوگا جب کوئی برا منائے اور رنج اٹھائے۔

دسویں آفت۔ جھوٹا وعدہ کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ تین چیزوں میں سے جس کسی میں ایک بھی ہوگی۔ وہ منافق ہے اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے۔ ایک تو یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ کہے۔ اور جب وعدہ کرے تو اسکے خلاف کرے اور جب اس کے حوالہ امانت کی جائے۔ تو اس میں خیانت کرے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ وعدہ ایک قسم کا قرض ہوتا ہے۔ اسکے خلاف نہ کرنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ثناء کی اور فرمایا اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ۔ روایت ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے کسی مقام پر کسی شخص سے وعدہ فرمایا۔ اور اس وعدہ کی وفا کیلئے بیس روز تک وہیں اسکا انتظار کرتے رہے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔ اور وعدہ کیا کہ میں فلاں جگہ آؤنگا لیکن اسے وعدہ بھول گیا۔ اور وہ تیسرے روز جائے موعود پر گیا۔ اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں موجود پایا حضورؐ نے اس سے کہا! اے فلاں میں تین روز سے تیرا انتظار کر رہا ہوں۔ حضورؐ نے ایک شخص سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو جب اور جسوقت بھی آئیگا۔ اور جو بھی مجھ سے طلب کریگا میں تجھے دونگا اسوقت جبکہ حضورؐ خیبر کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ وہ شخص آگیا اور کہا۔ حضورؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مانگ جو کچھ مانگتا ہے اس نے اسّی بکریاں طلب کیں۔ حضورؐ نے مرحمت فرما دیں۔ اور فرمایا تو نے بہت ہی تھوڑی چیز مانگی فرمایا تو نے اس عورت سے بھی کم طلب کیا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی قبر مبارک بتلانے پر وعدہ لیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت سے کہا۔ مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے کہا میں یہ مانگتی ہوں کہ ایک تو میری جوانی مجھے واپس ملجائے دوسرے بہشت میں آپکے ہمراہ ہوں اور یہ شخص عرب میں ضرب المثل ہو گیا تھا

لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ فلاں شخص تو انشی بکری والے سے بھی زیادہ آسان گیر ہے جاننا چاہیئے کہ حتے المقدور حتمی وعدہ نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ کہ شاید میں یہ کرسکوں اور اگر تو وعدہ کرے تو پھر جہاں تک ہو سکے اس کے خلاف نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن بضرورت مضایقہ نہیں۔ علما کا قول ہے کہ اگر تم کسی سے کسی جگہ کا وعدہ کرو تو ہر حال میں وہاں ہونا چاہیئے۔ اگرچہ نماز کا وقت ہی کیوں نہ ہو جائے جاننا چاہیئے۔ کہ کسی شخص کو کوئی شے دیکر واپس لینا وعدہ خلافی سے بھی زیادہ بدتر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو کتے سے نسبت دی ہے۔ کہ جو قے کر کے دوبارہ کھا جائے۔

گیارھویں آفت۔ جھوٹی باتیں اور جھوٹی قسم کھانا ہے۔ اور یہ نہایت زبردست گناہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جھوٹ نفاق کا ایک باب ہے۔ اور فرمایا کہ بندہ ایک ایک کر کے جھوٹ بولتا ہے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اسکا نام جھوٹوں کی فہرست میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اور فرمایا جھوٹ رزق کو گھٹاتا ہے فرمایا۔ تجار فجار ہیں۔ یعنی سوداگر لوگ نابکار ہیں صحابہ نے پوچھا۔ وہ کسطرح یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا بیع حلال نہیں۔ فرمایا۔ اس لئے کہ قسم کھاتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں۔ اور بات کرتے ہیں تو جھوٹ کہتے ہیں فرمایا افسوس ہے۔ اس شخص پر جو اس غرض سے جھوٹ بولے کہ لوگ اس کے جھوٹ پر ہنسیں۔ اسپر افسوس ہے افسوس ہے اور فرمایا۔ میں نے ایسا دیکھا۔ کہ ایک آدمی نے مجھکو اٹھنے کو کہا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور میں نے دو آدمیوں کو دیکھا ایک بیٹھا ہوا تھا۔ اور ایک کھڑا تھا۔ اور جو کھڑا تھا وہ بیٹھے ہوئے کے منہ میں ایک لوہے کا ٹیڑھا سا بنا ہوا ہتھیار ڈالتا تھا۔ اور اسکے گلے کو کھینچتا تھا۔ یہانتک کہ وہ اس کے کلوں تک پہنچ جاتا تھا۔ پھر اسیطرح دوسری جانب سے کھینچتا تھا۔ اور پہلا کلہ پھر اپنی جگہ پر آجاتا تھا۔ اور وہ مرد اسی طرح سے کرتا جاتا تھا میں نے سوال کیا کہ یہ کیا ہے مجھے کہا گیا کہ یہ جھوٹ بولنے والا ہے اسکو عذاب دے رہے ہیں۔ اور قیامت تک اسکو اسیطرح عذاب دیا جائیگا۔ عبداللہ جرادؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ کیا مومن بھی زنا کرتا ہے فرمایا۔ شاید کر بیٹھے عرض کیا کیا جھوٹ بھی بولتا ہے۔ فرمایا نہیں اور یہ آیت پڑھی اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنے جھوٹ بولنا انہی لوگوں کو شیوہ ہے۔ جو ایماندار نہیں ہیں۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا لڑکا کھیلنے کیلئے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ کہ آ میں تجھے کچھ شے دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت گھر تشریف رکھتے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا کیا دو گے؟ میں نے کہا خرما۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر نہ دیتے تو تمہارے نامۂ اعمال میں جھوٹ لکھا جاتا۔ اور فرمایا کہ میں تجھے آگاہ کرونگا کہ گناہوں میں سے کونسا گناہ بہت بڑا ہے۔ وہ شرک ہے اور ماں باپ کے حقوق کا ادا نہ کرنا ہے۔ آپ جب یہ فرما رہے تھے تو اسوقت آپ نے تکیہ لگایا ہوا تھا لیکن آپ یہ فرما کر سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا۔ اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ۔ یعنی آگاہ ہو جاؤ میں کہتا ہوں کہ جھوٹ بولنا زبردست گناہ ہے فرمایا جو شخص جھوٹ

بولتا ہے۔ فرشتہ اسکی بدبو کے سبب سے اس سے ایک میل دور ہٹ جاتا ہے اس لئے لوگوں نے کہا ہے کہ اگر بات کرتے ہوئے چھینک آجائے تو سچائی پر دلیل ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ چھینک فرشتہ سے اور جمائی لینا شیطان سے ہے۔ اگر وہ جھوٹ ہوتی تو فرشتہ حاضر نہ ہوتا اور چھینک بھی نہ آتی فرمایا اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا جھوٹ بیان کرتا ہے تو یہ بیان کرنا بھی جھوٹ بولنے میں شامل ہے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم کھاکر کسی کا مال لے لیتا ہے حق تعالیٰ قیامت کے دن اس پر خفا ہوگا۔ فرمایا مسلمان میں سوائے جھوٹ اور خیانت کے باقی تمام فضائل ممکن ہیں میمون ابن شبیب رضی فرماتے ہیں کہ میں خط لکھ رہا تھا۔ کہ مجھے ایک ایسا حکم یاد آگیا۔ اگر میں اسے لکھدیتا تو خط نہایت آراستہ ہوجاتا۔ مگر چونکہ وہ جھوٹ تھا میں نے جب اسکے نہ لکھنے کا ارادہ کیا تو یہ آواز سنی يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۔ حضرت ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے جھوٹ نہ بولنے پر بڑا اجر نصیب ہوگا۔ کیونکہ میں جھوٹ اس لئے نہیں بولتا۔ کہ مجھے اس سے نفرت ہے۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ جھوٹ بولنا اس لئے حرام ہے کہ دل میں اثر کرتا ہے اور دل کی شکل کو ٹیڑھا کر دیتا ہے اور سیاہ بنا دیتا ہے۔ اگر جھوٹ کسی مصلحت کی بنا پر بولا جائے تو دل میں اسے مکروہ ہی جانے تو جھوٹ بولنا حرام نہیں۔ کیونکہ جب اس سے کراہت کریگا۔ تو وہ دل کیلئے مؤثر نہ ہوگا اور دل خراب نہ ہوگا۔ اور اگر خیر و فلاح کی غرض سے جھوٹ بولیگا۔ تو اس سے دل سیاہ نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی ظالم کے ظلم سے تنگ آکر بھاگ جائے۔ تو ایسی حالت میں سچ نہ بولنا چاہیئے۔ کہ فلاں آدمی فلاں مقام پر ہے بلکہ ایسی حالت میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حالتوں میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے ایک تو لڑائی کی حالت میں کہ آدمی دشمن کو اپنے ارادہ کی نسبت درست خبر نہ دے اور دوسرے جب دو مسلمانوں میں صلح کرے تو ایک کو دوسرے کی جانب سے حتی المقدور نیک بات کہے۔ اگرچہ اس نے نہ کہی ہو تیسرے جس شخص کی دو عورتیں ہوں وہ ہر ایک سے یہی کہے کہ میں زیادہ تجھی کو چاہتا ہوں۔ جاننا چاہیئے کہ اگر کوئی ظالم کسی کے مال یا راز کی نسبت کچھ پوچھے تو اسے نہ بتانا چاہیئے اگر اس کا گناہ پوچھے۔ تو تب بھی نہ بتائے کیونکہ شریعت نے برے کاموں کے چھپانیکا حکم دیا ہے۔ اگر اہلیہ بلا کسی وعدہ کرنے کے اطاعت نہ کرے تو خاوند کیلئے درست ہے کہ اس سے وعدہ کرے اگرچہ وہ جانتا ہو کہ وہ اسکے پورا کرنے پر قادر نہیں۔ اس قسم کی تمام صورتوں میں جھوٹ بولنا درست ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جھوٹ ناگفتنی ہے اگر سچ کہنے سے بھی کسی ایسی بات کے پیدا ہونیکا احتمال ہو جو مانع ہے تو اسے عدل و انصاف کے ترازو میں وزن کرنا چاہیئے۔ کہ اگر شریعت میں اس چیز کا نہ ہونا جھوٹ بولنے سے زیادہ بہتر ہے تو کوئی نقصان نہیں مثلاً لوگوں میں لڑائی۔ میاں بیوی میں بگاڑ۔ مال کا ضائع ہونا یا گناہ کے سبب سے راز کا کھل جانا وغیرہ وغیرہ تو گویا ایسی باتوں کے مقابلہ میں جھوٹ بولنا مباح ہے۔ کیونکہ اگر سچ بولنے سے ایسی باتیں پیدا ہوں

تو انکا شر جھوٹ کے شر سے بہت زیادہ ہے۔ یہ بعینہٖ ایسا ہی معاملہ ہے۔ جیسے جان کی حفاظت کیلئے مردار شے بھی حلال ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شرعی نکتہ نگاہ سے جان بچانا مردار نہ کھانیسے زیادہ ضروری ہے لیکن اگر معاملہ اس قسم کا نہ ہو تو جھوٹ بولنا درست نہیں اور مال وجاہ کی زیادتی یا خود ستائی یا اپنا مرتبہ بیان کرنے میں جھوٹ بولنا مطلقاً حرام ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ جو مراعات میرا خاوند مجھ سے نہیں کرتا۔ اگر میں انکو سوت کے جلانیکی غرض سے اپنی جانب سے نقل کروں تو کیا درست ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص کوئی ایسی بات اپنے پر باندھتا ہے کہ وہ درحقیقت نہ ہو۔ تو وہ اس شخص کی مثل ہے جو فریب و دغا کے دو کپڑے پہنے۔ یعنی خود بھی جھوٹ بولا۔ اور دوسرے کو بھی غلطی میں مبتلا کیا۔ اور اگر کسی سے نقل بھی کرے تو جھوٹا ہوا۔

جاننا چاہیئے۔ کہ لڑکے سے اس غرض کو مدنظر رکھکر جھوٹا وعدہ کہہ لینا جائز ہے۔ تاکہ وہ اس وعدہ پر مدرسہ جائے حدیث شریف میں ہے کہ جھوٹ کو لکھ لیتے ہیں۔ اگر مباح ہو تب بھی لکھ لیتے ہیں تاکہ اس سے پوچھیں کہ تو نے کیوں کہا تاکہ وہ صحیح غرض بتائے جس کے سبب سے جھوٹ مباح ہوتا ہے اگر کسی شخص سے کوئی مسئلہ یا روایت دریافت کریں اور وہ کوئی ایسا جواب دے جو حقیقت میں نہ ہو۔ تو یہ بھی حرام ہوگا۔ کیونکہ لوگ بعض اوقات ایسی باتیں اسلئے کہہ دیتے ہیں۔ کہ ان کی عزت وحشمت میں نقصان نہ واقع ہو بعض علماء کا قول ہے کہ آدمی کو خیرات پر ابھارنے کیلئے اسکا ثواب بیان کرنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے جھوٹی حدیث بنا کر بیان کرنا درست ہے حالانکہ مطلقاً حرام ہے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مجھ پر جھوٹ نہ باندھو جو شخص مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا ڈھونڈھ لے۔ اور بلا کسی ایسی غرض درست کے جو شرع میں مقصود ہو۔ جھوٹ بولنا درست نہیں اور اگر یہ گمان ہی گمان ہے یقین نہیں تو اولیٰ یہی ہے۔ کہ سوائے یقین کامل اور ضرورت شدید کے جھوٹ نہ بولے۔

فصل جاننا چاہیئے کہ اگر بزرگوں کو جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش آئی ہے تو انہوں نے حیلہ سے کام لیا ہے۔ اور بات کو ایسا سچا بیان کیا ہے کہ جھوٹ بلوانیوالا وہ سمجھے جو قائل کا مقصد ہی نہ ہوا سے معاریض کہا گیا ہے۔ جیساکہ مطرف رحمتہ اللہ علیہ ایک امیر کے ہاں گئے۔ اس نے کہا آپ کیوں کم آتے ہیں انہوں نے جواب دیا۔ جب سے میں امیر کے ہاں سے گیا ہوں۔ زمین سے پہلو نہیں اٹھایا۔ مگر اسی حالت میں کہ حق تعالیٰ نے مجھے قوت وطاقت عنایت فرمائی۔ امیر نے یہ خیال کیا۔ کہ آپ بیمار ہونگے لیکن آپ بیمار نہ تھے انکی بات صحیح وسچی تھی، حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ کو جب کوئی شخص بلاتا۔ تو آپ کنیز سے فرماتے کہ دروازہ میں ایک دائرہ کھینچکر اس میں انگلی رکھکر کہدے کہ یہاں نہیں ہیں۔ یا کہدے کہ مسجد میں تلاش کرو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنی عاملی سے واپس تشریف لائے تو آپکی بیوی نے کہا۔ کہ اتنی دیر آپ نے حضرت عمر کیطرف سے عاملی کی میرے لئے

کیا لائے ہو۔ آپ نے کہا میرے ساتھ ایک نگہبان تھا۔ اس لئے میں کچھ نہ لاسکا۔ نگہبان سے آپکا اشارہ حقتعالی کی جانب تھا لیکن آپ کی اہلیہ نے سمجھا۔ کہ حضرت عمرؓ نے آپکے ساتھ کوئی مُشرف بھیجدیا ہوگا۔ آپکی اہلیہ حضرت عمرؓ کے ہاں تشریف لے گئیں۔ اور امیرالمومنین فاروقؓ سے کہا کہ معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک امین تھے۔ آپ نے انکے ساتھ مشرف کیوں بھیجا۔ حضرت فاروقؓ نے حضرت معاذؓ کو طلب کیا اور تمام قصہ دریافت فرمایا۔ آپ نے جب بیان کیا۔ تو فاروق اعظمؓ ہنس پڑے اور کچھ چیز آپکو عنایت کی تاکہ وہ اپنی اہلیہ کو دیں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ بات بھی اسوقت کیلئے جائز ہے جبکہ کوئی ضرورت درپیش ہو۔ اور جب ضرورت نہ ہو۔ تو لوگوں کو دھوکا میں ڈالنا درست نہیں۔ گو الفاظ درست اور سچے کیوں نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عقبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنے باپ کے ہمراہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب میں باہر نکلا تو کپڑے ذرا اچھے تھے۔ لوگوں نے کہا۔ کیا امیرالمومنینؓ نے خلعت عنایت کیا ہے میں نے کہا حق تعالی امیرالمومنین کو جزائے خیر دے۔ میرے باپ نے مجھ سے کہا۔ بیٹا جھوٹ ہرگز نہ بولو۔ اور جس بات میں جھوٹ کی مشابہت ہو وہ بھی نہ کہو۔ یعنی یہ بات بھی جھوٹ کی مانند ہے لیکن تھوڑی غرض سے یہ مباح ہو جاتا ہے جیسے خوش طبعی کرنا یا کسی کے دل کا راضی کرنا۔ جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا۔ بڑھیا بہشت میں نہ جائیگی تجھے اونٹ کے بچہ پر سوار کرودنگا۔ تیرے شوہر کی آنکھ میں سپیدی ہے لیکن اگر ایسی باتوں میں بھی کسی ضرر کا اندیشہ ہو تو درست نہیں جیسے کسی شخص کو ایسی بات کیطرف رغبت دنیا کہ فلاں عورت تیری طرف راغب ہے۔ تو وہ شخص اپنا دل اس عورت کی طرف مائل کرے اور اسی قسم کی باتیں بشرطیکہ کسی کا ضرر نہ ہو۔ اگر مزاح کے طور پر کچھ جھوٹ بولے۔ تو گناہ کے درجہ تک نہ پہنچیگا۔ لیکن ایمان کے درجۂ کمال سے ضرور گر جائیگا۔ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ کہ اسوقت تک کسی شخص کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جبتک کہ وہ دوسرے کیلئے بھی وہ بات پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ اور یہ مقولہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کا دل خوش کرنے کی غرض سے یہ کہے کہ میں سَو بار تمہارے گھر آیا اور تمہیں تلاش کیا یہ حرام کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اس سے مراد کسی تعداد کا مقرر کرنا نہیں ہے بلکہ یہ اکثرت کے لحاظ سے بولا جاتا ہے۔ اگر اس نے بہت دفعہ تلاش نہیں کیا ہے تو یہ جھوٹ ہوگا۔ اور لوگوں میں ایک یہ بھی عادت ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے کہتا ہے۔ کہ کھالے۔ تو وہ کہدیتا ہے۔ کہ مجھے نہیں چاہیئے تو ایسا کہنا بھی درست نہیں اگر اس چیز کی خواہش ہو تو یہ نہ کہنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شب عروسی کو ایک پیالہ بھر دودھ عورتوں کو دیا۔ انہوں نے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جھوٹ اور بھوک کو ایک ساتھ جمع نہ کرو۔ انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا اسقدر بھی جھوٹ ہے آپ نے فرمایا ہاں

یہ بھی جھوٹ میں لکھا جائیگا۔ اور جھوٹے جھوٹ کے ساتھ یہ لکھدیتے ہیں۔ کہ یہ جھوٹا جھوٹ ہے۔ حضرت مسیّب رضؓ کی آنکھ درد کرتی تھی۔ آپکی آنکھ کے کونہ میں کوئی چیز پڑ گئی تھی۔ لوگوں نے کہا اگر آپ اسے صاف کریں تو کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا میں نے حکیم کو کہہ دیا ہے۔ آنکھ کو ہاتھ نہ لگاؤنگا۔ اگر پاک کروں تو یہ میں نے جھوٹ کہا ہوگا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک گناہ کبیرہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ کو کسی جھوٹ معاملہ میں گواہ بنائیں اور کہیں کہ خدا جانتا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص جھوٹی خواب بیان کریگا تو قیامت کے دن اسے حکم دیا جائیگا کہ وہ جو کے دانہ میں گرہ لگائے۔

بارھویں آفت۔ غیبت ہے۔ اور یہ بھی زبان غالب ہے۔ اور کوئی شخص اِلّا ماشاء اللہ اس سے خالی نہیں اور یہ ایک نہایت ہی عظیم وبال ہے۔ اور حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں اسکی اس سے مثال دی ہے جیسے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غیبت سے دور رہو۔ کیونکہ یہ زنا سے بھی بدتر ہے۔ زنا سے توبہ قبول ہوجاتی ہے لیکن غیبت کرنیوالے کی توبہ قبول نہیں مگر اس صورت میں کہ جسکی غیبت کرے وہ معاف کردے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں معراج کی رات ایک ایسے گروہ پر گذرا کہ جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہرہ کا گوشت نکالتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ جواب ملا۔ کہ یہ وہ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں حضرت سلیمان رضؓ بن جابر سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کچھ چیز سکھلایئے جو میری دستگیری کرے۔ آپ نے فرمایا کار خیر کو حقیر نہ خیال کرو۔ اگرچہ وہ اتنا ہی کیوں نہ ہو کہ اپنے ڈول سے ایک کاسہ بھر پانی کسی دوسرے کو دو۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں سے کشادہ پیشانی سے ملو۔ اور جب وہ تمہارے سامنے سے اٹھ جائیں۔ تو پھر انکی غیبت نہ کرو حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔ کہ جو شخص غیبت سے توبہ کرکے مریگا وہ سب سے آخر بہشت میں جائیگا۔ اور اگر توبہ نہ کرنے کی حالت میں مریگا۔ تو سب سے پہلے دوزخ میں جائیگا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں حضورؐ کے ہمراہ سفر میں تھا۔ دو قبروں پر سے حضورؐ گزرے حضورؐ نے فرمایا۔ یہ دونوں عذاب میں گرفتار ہیں۔ ایک غیبت کیوجہ سے اور دوسرا اس لئے کہ وہ اپنے کپڑوں کو پیشاب سے نہ بچاتا تھا۔ پھر حضورؐ نے ایک ہری ٹہنی کے دو ٹکڑے کرکے انکی قبروں پر گاڑ دئے اور فرمایا جبتک یہ خشک نہ ہونگے ان پر عذاب کی تخفیف رہیگی۔ جب ایک شخص نے زنا کا اقرار کیا۔ اور حضورؐ نے اسے سنگسار کرنیکا حکم دیا۔ تو صحابہ میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ کہ اسے اسطرح بٹھایا ہے جیسے کتے کو بٹھاتے ہیں پھر حضورؐ ایک مردار پر سے گزرے۔ آپ نے فرمایا۔ اس مردار کا گوشت کھاؤ۔ انہوں نے کہا مردار کا گوشت کسطرح کھائیں حضورؐ نے فرمایا وہ جو تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت گندہ ہے۔ اور حضورؐ نے غیبت کرنیوالے اور غیبت سننے والے دونوں کو گرفت فرمائی کیونکہ غیبت کرنیوالے کیطرح غیبت سننے والا بھی گناہ میں شریک ہوتا ہے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے صحابہ ایکدوسریکو کشادہ پیشانی سے دیکھتے تھے اور ایک دوسریکی غیبت نہ کرتے تھے اور اسکو فاضل ترین عبادات میں سے جانتے تھے اور اسکے خلاف عمل کرنا نفاق سمجھتے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر کی تین اقسام ہیں۔ ایک ثلث غیبت کرنے سے اور ایک ثلث نکتہ چینی کرنے سے اور ایک ثلث کپڑونکو پیشاب سے نہ بچانیکی وجہ سے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام اپنے حواریوں کے ہمراہ ایک مردہ کتے پر سے گذرے ساتھیوں نے کہا۔ یہ کس شے کی بدبو ہے۔ حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا۔ اسکے دانتوں کی سفیدی نہایت اچھی ہے تو اس بات سے اپنے ساتھیوں کو یہ تعلیم دی۔ کہ جس چیز کو دیکھیں۔ اس کی اچھائی کا خیال کریں۔ یا وہ بات کہیں جو اس میں اچھی ہو جناب عیسٰی علیہ السلام کے سامنے ایک خوک گذرا۔ آپ نے فرمایا۔ سلامتی سے جا۔ لوگوں نے کہا۔ اے خدا کے رسول خوک کے حق میں اسطرح فرماتے ہو۔ آپ نے فرمایا میں اپنی زبان کو اچھی بات کہنے کی عادت ڈالتا ہوں۔ علی ابن حسینؓ نے ایک شخص کو غیبت کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے فرمایا خاموش رہ۔ کہ یہ دوزخ کے کتوں کی غذا ہے۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ غیبت وہ ہے جو کوئی بات کسی شخص کی عدم موجودگی میں کہی جائے۔ اور وہ بات ایسی ہو۔ کہ اگر اسکی موجودگی میں کرتے تو اسے ضرور اس سے کراہیت پیدا ہوتی۔ اگرچہ وہ سچ ہی کیوں نہ ہو۔ یا اگر جھوٹ کہا ہو تو ...... اسے زور و بہتان کہتے ہیں۔ جس بات کا نتیجہ کسی کے عیب کیطرف ہو اسے غیبت کہتے ہیں۔ اگرچہ تو ایسی بات اسکی نسبت۔ لباس۔ جانور۔ گھر۔ کردار جسم گفتار ہی کے بارہ میں کہے۔ بدن کے بارہ میں تو یہ کہنا ہے۔ کہ مثلاً تو یہ کہے کہ فلاں آدمی لمبا کالا۔ یا زرد وغیرہ ہے اور نسب کے بارہ میں یہ کہنا ہے کہ تو یہ کہے کہ وہ غلام بچہ یا حجامی کا بیٹا ہے۔ اور خلق کے بارہ میں یہ کہنا ہے۔ کہ تو یہ کہے کہ فلاں بدزبان یا متکبر ہے یا بزدل و عاجز ہے اور افعال وغیرہ کے بارہ میں یہ کہے۔ کہ فلاں خائن و بے نماز ہے۔ یا نماز میں رکوع و سجود وغیرہ اچھی طرح ادا نہیں کرتا اور قرآن غلط پڑھتا ہے اور کپڑے مصفا نہیں رکھتا۔ اور زکوۃ نہیں دیتا اور حرام کھاتا ہے اور زبان کو نگاہ نہیں رکھتا۔ اور بہت کھاتا ہے اور بہت سوتا ہے اور اپنے مرتبہ کے مطابق نہیں بیٹھتا۔ فراخ آستین اور دراز دامن ہے غرضیکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہر وہ بات غیبت میں داخل ہے جو اگر اس شخص کے سامنے کہی جاتی۔ یا کہی جاتی تو وہ اس سے کراہیت کرتا۔ اگرچہ وہ سچ ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کو کہا کہ یہ کوتاہ قد ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تو نے غیبت کی منہ میں پانی ڈالو اور تھوکو میں نے منہ میں پانی ڈالا اور تھوک کر دیکھا تو واقعی ایک لہو کا سیاہ ٹکڑا تھا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کرے اور لوگ اسکا گناہ نقل کریں تو غیبت میں داخل نہیں۔ بلکہ یہ مذمت دین میں سے ہے۔ علماء کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ یہ بھی سوائے عذر کے نہ کہنا چاہیئے۔ کہ فلاں فاسق ہے۔ شرابی ہے۔ بے نماز ہے اور ان عذرات کا بیان آگے

آئیگا۔ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ کہ غیبت وہ ہے جس سے کراہت پیدا ہو۔ توان سب باتوں سے کراہیت پیدا ہوتی ہے اور جب کہنے میں کچھ فائدہ نہیں تو نہ کہنا چاہیئے۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ غیبت صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی۔ بلکہ آنکھ سے۔ ہاتھ سے۔ اشاروں سے۔ لکھنے سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ سب حرام ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے ایک عورت کے بارہ میں اشارہ سے کہا کہ وہ کوتاہ قد ہے حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے غیبت کی۔ اور اسیطرح کسی کا احوال معلوم کرنیکے لئے لنگڑا کر چلنا۔ یا کن انکھیوں سے دیکھنا سب کچھ غیبت میں داخل ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی کا نام نہ لے اور کہے کہ کسی شخص نے ایسا کیا۔ یہ غیبت میں داخل نہ ہوگا۔ اگر حاضرین سمجھ جائیں کہ کسی شخص کو کہہ رہا ہے تو یہ بھی حرام ہوگا۔ کیونکہ مقصود صرف تفہیم سے ہے۔ اور وہ کسیطرح سے ہی کیوں نہ ہو۔ بعض پڑھے لکھے اور پرہیزگار آدمی غیبت کرنے لگتے ہیں لیکن وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ غیبت نہیں ہے مثلاً انکے سامنے کسی شخص کا ذکر آئے تو وہ کہتے ہیں الحمد للہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس سے محفوظ رکھا۔ تو اس سے بات ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ کہ لوگ سمجھ لیں کہ فلاں آدمی نے ایسا فعل کیا ہے۔ یا بعض وقت اسطرح کہدیتے ہیں کہ فلاں شخص نہایت نیک احوال ہے لیکن وہ خلق میں اسطرح مبتلا ہے جسطرح ہم مبتلا ہیں۔ دیکھیں اس آفت و غیبت سے کب نجات پائے۔ اور بعض لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں جس سے اپنی مذمت علاوہ دوسرے کی مذمت بھی پائی جائے۔ اور اکثر ایسا بھی کرتے ہیں۔ کہ اگر انکے سامنے کوئی کسی کی غیبت کرے تو کہتے ہیں سبحان اللہ کیا عجب بات ہے اور ایسا کہنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ ذرا خوش ہو جائے یا دوسرے لوگ جنہوں نے نہیں سُنا۔ وہ بھی سُن لیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مجھے نہایت افسوس ہے کہ فلاں آدمی پر یہ واقعہ گذرا ہے۔ حق تعالیٰ کفایت کرے اور ایسا کہنے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے اس واقعہ کو جان جائیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کوئی شخص کسی کی نسبت کچھ بیان کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ خدا ہمیں تو یہ نصیب کرے اور غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ دوسرے جان لیں کہ اس نے گناہ کیا ہے اور یہ تمام باتیں غیبت میں داخل ہیں اور جب اسی طریق سے غیبت ہوتی ہے تو پھر ساتھ ہی منافق بھی ہوتا ہے کیونکہ ان باتوں سے وہ دوسروں پر اپنی پرہیزگاری جتاتے ہیں۔ اور یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ہم غیبت نہیں کرتے۔ حالانکہ اس میں دو گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے تو غیبت کی ہی نہیں۔ اگر کوئی شخص کسیکے سامنے کسی کی غیبت کرے اور وہ اسے کہے کہ خاموش غیبت نہ کر لیکن دل میں اسکی کراہیت موجود نہ ہو تو وہ منافق ہوگا اور اس غیبت کرنیوالے کیساتھ غیبت میں شامل ہوگا۔ پس غیبت سننے والا اگر غیبت سننے سے کراہیت نہ کرے تو وہ بھی غیبت میں شامل ہے ایکدن کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ اکٹھے کہیں جا رہے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ فلاں شخص بہت سوتا ہے اور پھر اسکے بعد حضورؐ سے نان خورش طلب کیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم نے تو نان خورش کھالیا ہے انہوں نے

کہا ہمیں تو معلوم نہیں کہ ہم نے کیا کھایا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے اور حضورؐ نے دونوں کو گرفت کی۔ ایک نے کہا تھا۔ اور دوسرے نے اسکو سُنا تھا۔ اگر دل میں کراہیت رکھتا ہو اور آنکھ اور ہاتھ سے چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہو تو یہ بھی تغیر ہوگا۔ کیونکہ صاف اور صریح طور پر کہنا چاہیئے تاکہ غائب کے حق میں قاصر نہ رہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ اگر کسی مسلمان بھائی کی غیبت کریں اور وہ نفرت نہ کرے اور فرو گذاشت کر دے تو حق تعالیٰ اسکو ایسے وقت میں فرو گذاشت کریگا۔ جبکہ اسکو اسکی حاجت ہوگی۔

فصل جاننا چاہیئے کہ غیبت کرنا جسطرح زبان سے حرام ہے۔ اسی طرح دل سے بھی حرام ہے جسطرح کسی دوسرے کا عیب بیان نہ کرنا چاہیئے۔ اور دل کی غیبت یہ ہوتی ہے کہ بلا کسی کا عیب دیکھنے و سننے کے بدگمانی کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مسلمان کا خون، مسلمان کا مال اور مسلمان کے حق میں بدگمانی کرنا تینوں چیزوں کو حرام کیا ہے۔ اور جو کچھ دل میں کسی کی بدگمانی کا خیال آئے اور وہ یقین و قول وعدل سے بعید ہو۔ تو یہ شیطان نے دل میں پیدا کیا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا یعنی فاسق کی بات کا یقین نہ کرو۔ اور شیطان جیسا کوئی بھی فاسق نہیں۔ اور حرام یہ بات ہے کہ تو اپنے دل کو اس پر قرار دے لے (تسلیم کرے) لیکن جو خطرہ دل میں بلا ارادہ پیدا ہو۔ اور تو اس سے کراہیت کرے تو اس میں ماخوذ ہوگا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ مومن بھی بدگمانی سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن وہ اس لئے سلامت رہتا ہے کہ وہ اپنے دل میں تحقیق نہیں کرتا۔ جبتک کہ اس میں احتمال کی گنجائش رہے۔ تب تک نیک توجیہ پر اس کو خیال کرتا ہے اور جس نے تحقیق کی ہو۔ اسکا نشان یہ ہے کہ جس شخص کی نسبت بدگمانی پیدا ہوتی ہے وہ دل پر کچھ گرانبار سا معلوم ہونے لگتا ہے اور اسکی مراعات میں کچھ قصور کرنے لگتا ہے مگر جب دل و زبان اور معاملہ میں اسکے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ تو یہ اسبات کی علامت ہے۔ کہ اس نے تحقیق نہیں کیا۔ اور اگر کسی مرد عادل سے سُنے تو توقف کرے اور اس عادل کو جھوٹا نہ جانے کیونکہ اس عادل پر بدگمان ہونا جائز نہیں۔ اور فاسق کے حق میں بھی بدگمانی درست نہیں۔ لیکن کہے۔ کہ اس شخص کا حال بھی مجھ سے اسیطرح پوشیدہ تھا جسطرح اس مرد کا حال مجھ سے اب پوشیدہ ہے۔ پس اگر جانے کہ اُن کے درمیان میں حسد و عداوت ہے تو توقف اولیٰ تر ہے اور اگر اس مرد کو عادل تر جانے تو اس کی جانب زیادہ راغب ہونا چاہیئے۔ اور جس شخص کی نسبت دل میں بدگمانی پیدا ہو۔ تو بہتر یہی ہے کہ اس سے زیادہ تقرب کرے۔ تاکہ شیطان کو اس سے غصہ آئے اور وہ گمان کم ہو جائے اور جب یقینی طور پر جان لے تو غیبت نہ کرے لیکن خلوت میں نصیحت کرے اور نصیحت میں اسکو ذلیل و خوار نہ کرے بلکہ خود اندوھگین ہو کر اسے نصیحت کرے۔ اور دونوں باتوں کا ثواب حاصل کرے (۱) کسی مسلمان کو نصیحت کرنیکا۔ (۲) کسی مسلمان کے لئے اندوھگین ہونے کا۔

فصل جاننا چاہیئے۔ کہ غیبت کی حرص کرنا آدمی کے دل کی ایک بیماری ہے اور اسکا علاج واجب ہے اور اسکی دو اقسام ہیں۔ اوّل علاج علمی ہے اور وہ دو چیزیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان احادیث پر غور و فکر کرے جو غیبت کے بارہ میں آئی ہیں اور جان لے کہ ہر غیبت جو وہ کریگا۔ تو اسکی تمام نیکیاں اسکے فرد اعمال میں لکھدی جائیں گی جس شخص کی اس نے غیبت کی ہوگی۔ یہانتک کہ اسکے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی باقی نہ رہ جائے گی حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ غیبت آدمی کی نیکیوں کو اسطرح برباد کردیتی ہے جیسے آگ خشک لکڑیوں کو اور ممکن ہے کہ اسکے گناہوں سے اسکی ایک ہی نیکی زیادہ ہو۔ اور غیبت کرنے سے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوجائے اور محض غیبت کیوجہ سے دوزخ میں جائے۔ دوسرے یہ کہ اپنے حق میں بھی ذرا غیبت کرے اور اپنے میں بھی عیب دیکھے تو خیال کرے کہ دوسرا بھی عیب کیلئے مجبور ہے۔ اگر اپنے میں اسے کوئی عیب دکھائی نہ دے۔ تو یہ خیال کرے کہ اپنے عیوب کا نہ جاننا بھی بڑا عیب ہے پس اگر سچ کہتا ہے تو مردار کا گوشت کھانے سے بڑھکر اور کوئی عیب نہیں خود بے عیب ہوکر محض غیبت کی وجہ سے اپنے آپکو عیب دار نہ کرے اور حق تعالیٰ کے شکر میں مشغول ہو اور جانے کہ اگر وہ گناہ کرتا ہے تو کوئی بندہ گناہ سے خالی نہیں۔ اور جب آپ خود شرع کی حد پر درستگی کے ساتھ قائم نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ گناہ صغیرہ ہی میں مبتلا ہو۔ اور اپنے ساتھ پورا نہیں اترتا۔ تو دوسروں کے ساتھ کیا تعجب ہے اگر وہ عیب اس کی فطرت میں ہے تو جانے صانع کی عیب گیری کرتا ہوں۔ اور یہ اسکے اختیار میں نہیں تو پھر کسطرح اسکو یہ ملامت پہنچ سکتی ہے لیکن بتفصیل اسکا علاج یہ ہے کہ غور کرے کسوجہ سے غیبت کرتا ہے اور یہ آٹھ وجوہات سے باہر نہیں ہے۔ ایک تو یہ وجہ ہوتی ہے کہ کسی وجہ سے اسپر غصہ ہوا۔ اور جاننا چاہیئے کہ کسی کے غصہ کی وجہ سے اپنے آپکو دوزخ میں ڈالنا حماقت ہے۔ کیونکہ یہ اپنے سے جنگ کرنا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے غصہ سے درگزر کیا ہوگا۔ اسکو حق تعالیٰ قیامت کے دن برملا بلائیگا۔ اور اس سے فرمائیگا۔ کہ بہشت کی حوروں میں سے جسکو چاہے اختیار کر۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ دوسروں کی موافقت چاہتا ہے تاکہ انکی رضا حاصل کرے اسکا علاج یہ ہے کہ جانے کہ دوسروں کی رضامندی سے حق تعالیٰ کی ناراضگی چاہنا نادانی اور حماقت ہے بلکہ حقتعالیٰ کی رضامندی لوگوں پر غصہ اور انکار سے ڈھونڈھے تیسری وجہ یہ ہے کہ اسکو کسی خطا کے عوض میں پکڑ لیتے ہیں۔ اور وہ اپنی خلاص کیلئے دوسروں پر الزام رکھتا ہے تاکہ اپنے آپکو خلاصی دے پس جانے کہ حق تعالیٰ کے غصہ کی بلا یقیناً آئیگی۔ اور جس بلا سے وہ نجات طلب کرتا ہے وہ مشکوک ہے پس اسے اپنے سے اسکو دور کرنا چاہیئے۔ نہ کہ دوسروں کے حوالہ کردے اور اکثر ایسا بھی کہتا ہے کہ اگر میں مال حرام کھاتا ہوں یا بادشاہ کا مال لیتا ہوں تو فلاں آدمی بھی تو لیتا ہے اور اسطرح کہنا سراسر حماقت ہے اسواسطے کہ اگر ایک شخص گناہ کرتا ہے اسکی پیروی نہ کرنا چاہیئے اور یہ بات کہنا ہی بیفائدہ ہے کیونکہ اگر ایک شخص آگ میں گرتا ہے تو تو اسکے پیچھے آگ میں نہ گریگا پس گناہ میں بھی

موافقت کرنا ایسا ہی ہے۔ کیونکہ اس قسم کا عذر باطل ہے تو کیوں یہ دوسرا گناہ کرتا ہے اور غیبت کرتا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کوئی شخص چاہتا ہے کہ اپنی تعریف کرے۔ اور اگر نہیں کر سکتا تو دوسرونکے عیوب بیان کرنا شروع کر دیتا ہے تاکہ اس سے اپنی فضیلت بزرگی و پاکی ظاہر کرے مثلاً اسطرح کہے کہ فلاں آدمی کچھ نہیں جانتا۔ اور فلاں ریا کیوجہ سے حذر نہیں کرتا۔ (یعنی میں کرتا ہوں) پس جاننا چاہیئے کہ جو شخص عقلمند ہوتا ہے۔ وہ تو ایسی باتوں سے اسکو فاسق و جاہل خیال کرتا ہے۔ اسکی فضیلت و پارسائی کا اعتقاد نہیں کرتا۔ اور بے عقل کے معتقد ہونے سے کیا فائدہ بلکہ اس بات سے کیا فائدہ ہوگا۔ کہ اپنے آپکو حق تعالیٰ کے نزدیک تو ناقص کر لیا۔ اور ایک عاجز اور بیچارہ انسان جسکے اختیار میں کچھ نہیں اسکے نزدیک اپنے آپکو بڑھا لیا۔ پانچویں وجہ حسد ہوتا ہے کہ کوئی شخص صاحب جاہ و علم و مال ہوتا ہے۔ اور لوگ اسکی نسبت اچھے خیالات رکھتے ہیں تو وہ دیکھ نہیں سکتا۔ اور اسکے عیوب تلاش کرتا ہے۔ تاکہ اسکے ساتھ جھگڑا کرے۔ اور نہیں جانتا کہ حقیقت میں وہ اپنے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔ کہ وہ اس جہان میں حسد کے رنج و عذاب میں ہوتا ہے۔ اور چاہتا کہ اس جہان میں بھی غیبت کے رنج و عذاب میں مبتلا ہو۔ تاکہ دونوں جہان کی نعمتوں سے محروم رہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ جس کسی کی قسمت میں حشمت و جاہ ہو۔ حسد اس کے مرتبہ کو اور بڑھاتا ہے چھٹی وجہ استہزا ہوتا ہے۔ تاکہ ہنسی و مذاق سے کسی کی فضیحتی کرے اور یہ نہیں جانتا۔ کہ حقتعالیٰ کے نزدیک اپنی زیادہ فضیحتی کرتا ہے۔ بہ نسبت اس فضیحتی کے جو کسیکی لوگونکے سامنے کرے۔ اگر تو غور کرے۔ کہ وہ قیامت کے دن اپنے گناہ تیری گردن پر لادے اور تجھے گدھے کی طرح دوزخ کی طرف ہانکیں تو تجھے معلوم ہو جائے۔ کہ تو اس سے اولیٰ تر ہے۔ کہ لوگ تجھ پر ہنسیں۔ اور سمجھے کہ جسکا یہ حال ہوگا۔ اگر وہ عاقل ہے تو وہ ہنسی و مذاق میں مشغول نہ ہوگا ساتویں وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب ہو۔ اور یہ دینداروں کی عادت کے مطابق اس کیلئے غمناک ہو اس غم کے بارہ میں تو وہ سچ کہتا ہے لیکن اس گناہ کا ذکر کرنے میں وہ اس شخص کا نام لیتا ہے جس نے وہ گناہ کیا ہے اور اسبات سے غافل رہتا ہے کہ یہ بھی غیبت میں داخل ہے۔ اور نہیں جانتا کہ ابلیس نے اس سے حسد کیا ہے کہ اسکو غم سے ثواب ہوگا۔ اسلئے اس نے اسکا نام اسکی زبان سے نکلوایا۔ تاکہ غیبت کے گناہ کیوجہ سے اسکا ثواب ضایع ہو جائے۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ اسے کسی کے گناہ کرنے پر غصہ آئے۔ یا اس سے گناہ کے صادر ہونے پر متعجب ہو۔ اور اسی غصہ و تعجب کی حالت میں اس گناہ کرنیوالے کا نام لے تاکہ دوسرے لوگ جانیں۔ تو یہ امر بھی اسکے ثواب کو ضایع کر دیگا۔ بلکہ صرف غصہ و تعجب ظاہر کرے اسکا نام نہ لے۔

عذرات کی وجہ سے غیبت کرنیکی اجازت کے بارہ میں

جاننا چاہیئے کہ غیبت جھوٹ کی طرح مطلقاً حرام ہے اور سوائے ضرورت کے مباح نہیں۔ اور وہ صرف

چھ قسم کے عذرات ہیں۔ پہلا عذر تظلم ہے یعنی وہ فریاد جو قاضی یا بادشاہ کے روبرو ہو۔ اور یہ درست ہے۔ یا کسی ایسے شخص کے سامنے جس سے مدد چاہیئے لیکن مظلوم کیلئے یہ امر جائز نہیں۔ کہ جس شخص سے فائدہ نہ ہو۔ اس کے سامنے ظالم کے ظلم کو بیان کرے۔ ایک شخص نے حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حجاج کا ظلم بیان کیا فرمایا حقتعالی جسطرح لوگوں کا انتقام حجاج سے لیگا۔ اسیطرح حجاج کا انتقام بھی ان لوگوں سے لیگا۔ جو اسکی غیبت کرتے ہیں۔ دوسرا عذر یہ ہے۔ کہ کسی جگہ فساد اور برائی ہو۔ اور محتسب سے کہکر اس فسادی کو فساد سے باز رکھے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمانؓ یا حضرت طلحہؓ کے پاس سے گزرے۔ اور سلام کیا۔ انہوں نے جواب نہ دیا آپ نے اس امر کی شکایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کی حتیٰ کہ انہوں نے جواب نہ دینے والوں سے گفتگو فرمائی۔ اور اس گلہ کو غیبت نہ ٹھہرایا۔ تیسرا عذر فتوے پوچھنا ہے۔ کہ عورت یا باپ یا فلاں آدمی مجھ سے یہ کرتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس طرح پوچھے۔ کہ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو تم اس بارہ میں کیا کہتے ہو لیکن اگر وہ نام بھی لیلے تو اجازت ہے۔ شاید مفتی کو پوری واقفیت سے فتوی دینے میں سہولت ہو۔ اور کوئی امر اور اس کے دل میں آئے ہند حضورؐ کی خدمت میں آئی۔ اور عرض کیا کہ ابوسفیان بخیل مرد ہے۔ میرے اور میرے بچوں کیلئے پورا خرچ نہیں دیتا اگر میں اسکی لاعلمی میں کوئی شے لے لوں۔ تو یہ روا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا انصاف کیساتھ جسقدر کافی ہو لیلو۔ اپنے بخیلی اور فرزندوں پر ظلم وغیرہ بیان کرنا یہ غیبت میں داخل ہے لیکن حضورؐ نے فتوے کے عذر سے روا رکھا۔ چوتھا عذر یہ ہے کہ اسکے شر سے عذر کرنا چاہتا ہو۔ اور یہ اسی طرح ہے۔ کہ کوئی شخص بدعتی ہے یا چور ہے۔ اگر کوئی شخص اسپر اعتماد کریگا۔ یا اس سے عورت چاہیگا۔ یا اس سے غلام خریدیگا۔ تو اگر یہ اس سے اس چور یا بدعتی کا عیب بیان نہ کریگا۔ تو اسے یعنے خریدار کو نقصان پہنچ جائیگا۔ تو یہ عیب بیان کر دینا اولی ہوگا۔ اور پوشیدہ رکھنے میں مسلمانوں پر مہربانی کرنے میں کھوٹا پن ہوگا۔ اور امراء کی گواہی کے باب میں طعن کرنا روا ہوگا۔ اور اسیطرح جسکے ساتھ وہ مشورہ کرے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ فاسق میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ بیان کردو۔ تاکہ لوگ حذر کریں اور یہ اس جگہ درست ہے جہاں کسی آفت کا اندیشہ ہو لیکن بلا عذر کہنا روا نہ ہوگا۔ کہا گیا ہے۔ کہ تین آدمیوں کی شکایت کرنا غیبت میں داخل نہیں ایک تو ظالم بادشاہ دوسرے بدعتی تیسرے وہ جو ظاہرا طور پر فسق کرے اور یہ بھی اسیوجہ سے ہے۔ کہ یہ لوگ خود اپنے عیوب کو نہیں چھپاتے۔ اور نہ ہی کسی کے کہنے سے رنجیدہ ہوتے ہیں پانچواں عذر یہ ہے۔ کہ کوئی شخص کسی ایسے نام سے مشہور ہو کہ وہ نام معیوب ہو۔ جیسے اعمش (شبکور) و اعرج (لنگڑا) وغیرہ وغیرہ کیونکہ جس حالت میں ایسے ناموں سے مشہور ہو تو وہ ایسے ناموں سے مخاطب کرنے میں رنج نہیں کرتا۔ لیکن اولی یہ ہے کہ اسکو کسی دوسرے نام سے بلائیں جیسے کہ نابینا کو چشم پوشیدہ و بصیر کہیں وغیرہ وغیرہ۔ چھٹا عذر یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے عیوب ظاہر کئے جائیں جو فسق و فجور کو عیب خیال نہ کریں۔ مثلاً مخنث و شرابی وغیرہ وغیرہ۔

کفّارۂ غیبت

جاننا چاہیئے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے۔ کہ توبہ کرے اور پشیمان ہو۔ تاکہ حق تعالیٰ کے مظلمہ سے نجات حاصل کرے اور جسکی غیبت کی ہو اس سے معافی طلب کرے تاکہ اسکے مظلمہ سے بھی نجات پائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جو کوئی مظلم ہے۔ مال میں یا عرض میں اسکو معافی مانگ لینی چاہیئے قبل اسکے کہ وہ دن آئے کہ نہ تو دام کام آئیں گے نہ دینار۔ سوائے اسکے کہ اسکی نیکیاں مظلوم کو دیں۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو اسکی برائیاں اس کے ذمہ ڈالدیں حضرت عائشہ رضؓ نے ایک عورت کے بارہ میں کہا کہ زباندراز ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تونے غیبت کی اس عورت سے معافی مانگ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کسی کی غیبت کی ہو حق تعالیٰ سے اس کیلئے بخشش طلب کرے ایک گروہ نے یہی سمجھ لیا ہے کہ یہ کافی ہے معافی نہ مانگنی چاہیئے لیکن ایسا خیال کرنا دوسری احادیث کی بناء پر خطا ہے اور استغفار اس جگہ پر کرنا چاہیئے۔ جہاں وہ شخص جسکی غیبت کی گئی ہو زندہ نہ ہو اور معافی مانگنا اسطرح پر ہوتا ہے کہ نہایت عجز۔ اور پشیمانی سے اسکے سامنے جائے اور کہے کہ میں نے غلطی کی اور جھوٹ کہا۔ مجھے معاف کردے اگر وہ معاف نہ کرے تو اسکی تعریف کرے اور اس سے مراعات کرے تاکہ اسکا دل خوش ہو جائے اور وہ معاف کر دے اگر پھر بھی نہ کرے۔ تو اسکا حق ہے لیکن ان مراعات کو منجملہ حسنات کے لکھیں گے اور ممکن ہے کہ قیامت میں اسکو عوض دیدیں لیکن اَولیٰ عفو کر دینا ہی ہوتا ہے۔ اسلاف میں بعض بزرگ ایسے بھی ہوئے ہیں کہ انہوں نے معاف نہیں کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے دفتر اعمال میں اس سے بہتر اور نیکیاں نہیں ہیں لیکن درست یہی ہے کہ عفو کر دینا احسن ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شخص نے غیبت کی آپ نے ایک طبق خرمائے تر کا اسکو بھیجدیا اور کہلا بھیجا کہ میں نے سُنا ہے تونے اپنی عبادت ہدیہ کے طور پر مجھ کو دیدی ہے میں نے بھی چاہا۔ کہ اسکا بدلہ ادا کروں لیکن میں معذرت کرتا ہوں کہ میں پوری طرح بدلہ ادا نہیں کرسکا۔ جاننا چاہیئے کہ معافی اسوقت ہوتی ہے کہ کہدے کیا کہا ہے کیونکہ مجہول بات سے بیزار ہونا درست نہیں۔

تیرھویں آفت۔ چغلخوری و غمازی کرنا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ھَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ اور اشارہ ہے وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ اور فرمایا ہے حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ان تمام آیات میں غمازی و چغلخوری کا ذکر ہے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ غماز بہشت میں نہ جائیگا۔ اور فرمایا میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ تم میں سے بدترین کون شخص ہے اور وہ ہے جو غمازی کرتا ہے اور جھوٹی سچی باتیں ملا کر بیان کرتا ہے اور لوگوں کو ایکدوسرے سے بدظن اور رنجیدہ کرتا ہے اور فرمایا جب حق تعالیٰ نے بہشت پیدا کیا۔ تو فرمایا۔ کہ بول۔ بہشت نے کہا۔ نیکبخت وہ ہے جو مجھ میں داخل ہو۔ حق تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی بزرگی و عزت کی قسم ہے کہ میں آٹھ شخصوں کو تیری جانب راہ نہ دونگا۔ شرابی۔ زانی وہ جو زنا پر قیام کرے و غماز و دیوث

و عوان۔ دشمنشؔ و قاطع رحمؔ۔ وہ شخصؔ جو یہ کہے کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ایسا کرونگا پھر نہ کرے حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بار قحط پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی بار دعائے باران کیلئے نکلے لیکن بارش نہ ہوئی۔ وحی ہوئی کہ تمہاری دعا قبول نہ کرونگا۔ کیونکہ تم میں ایک چغلخور ہے۔ آپ نے کہا وہ کون ہے تاکہ اسے باہر نکال دوں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تو غمازی کو بُرا جانتا ہوں اور کیا خود غمازی کروں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب کو توبہ کرنیکا حکم دیا۔ سب نے غمازی سے توبہ کی تو بارش برسی۔ مروی ہے کہ ایک شخص نے سات سو کوس چل کر ایک حکیم کو اس غرض سے تلاش کیا۔ تاکہ اس سے دریافت کرے کہ آسمان سے زیادہ فراخ اور کونسی شے ہے۔ اور زمین سے بھاری کونسی شے ہے اور پتھر سے زیادہ سخت کونسی شے ہے اور وہ کونسی شے ہے جو آگ سے زیادہ گرم ہے۔ جو زمہریر سے زیادہ سرد ہے اور وہ کون سی شے ہے جو دریا سے زیادہ تونگر ہے اور وہ کونسی شے ہے جو یتیم سے زیادہ خوار ہے اس حکیم نے جوابدیا۔ کہ حق آسمان سے فراخ تر ہے۔ اور بیگناہ پر بہتان لگانا زمین سے زیادہ گراں ہے اور قانع کا دل دریا سے زیادہ تونگر ہے اور حسد آگ سے زیادہ گرم ہے اور کافر کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے۔ اور جو شخص عزیز و اقارب کی حاجت روائی نہ کرے وہ زمہریر سے زیادہ سرد ہے اور جس چغلخور کو لوگ جانتے ہوں۔ وہ یتیم سے زیادہ خوار ہے۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ غمازی اور چغلخوری صرف یہی نہیں کہ آدمی ایک کی بات دوسرے سے کہے بلکہ ہر وہ کام جس کے کرنے سے دوسرے کو رنج پہنچے۔ غمازی میں داخل ہے خواہ وہ بات سے خواہ فعل سے خواہ قول سے آشکار کرے یا اشارہ سے یا لکھنے سے۔ بلکہ کسی ایسی بات کو ظاہر نہ کرنا چاہیئے جسکے ظاہر کرنے سے کسی کو رنج پہنچے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی کے مال میں خیانت کرے تو اسکا ظاہر کر دینا واجب ہے اور اسیطرح ہر اس بات کو ظاہر کر دینا جائز ہے۔ جسکے پوشیدہ رکھنے سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچتا ہو اور جس آدمی سے لوگ یہ کہیں کہ فلاں شخص نے تجھ کو یہ کہا ہے۔ یا تیرے حق میں ایسا کام کرتا ہے۔ تو سننے والے کو چھ چیزوں پر عمل کرنا چاہیئے ایک تو یہ کہ انکے کہنے پر یقین نہ کرے۔ اسلئے کہ غماز اور چغلخور فاسق ہے۔ اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فاسق کی بات نہ سنو۔ دوسری یہ کہ جو شخص یہ کہے اسکو نصیحت کرے اور اس کو گناہ سے روکے کیونکہ نہی عن المنکر واجب ہے تیسری یہ کہ اسے حق تعالیٰ کیلئے دشمن خیال کرے کیونکہ چغلخور سے دشمنی واجب ہے چوتھی یہ کہ کسی پر بدگمانی نہ کرے کیونکہ بدگمانی حرام ہے۔ پانچویں یہ ہے کہ تجسس سے کام نہ لے کیونکہ حق تعالیٰ نے تجسس سے منع فرمایا ہے چھٹی یہ کہ جو بات اپنے حق میں پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کیلئے بھی پسند نہ کرے اور اسکی غمازی کا حال دوسرے سے بیان نہ کرے اور یہ چھیوں امور واجب ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں ایک شخص نے کسی کی غمازی کی آپ نے فرمایا میں غور کرتا ہوں کہ اگر تو نے جھوٹ کہا ہے۔ تو اس آیت کے اہل میں سے ہے اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ اور اگر تو

نے سچ بولا ہے۔ تو اس آیت کے اہل میں سے ہے۔ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ اگر تو چاہے تو توبہ کر۔ میں تجھے معاف کر دونگا اس نے کہا یا امیر المومنین۔ میں نے توبہ کی۔ ایک شخص نے ایک حکیم سے کہا کہ فلاں شخص نے تجھ کو یہ کہا ہے حکیم نے جواب دیا۔ تو بہت دیر کے بعد میری ملاقات کو آیا۔ لیکن تو نے تین خیانتیں کیں۔ ایک تو یہ کہ ایک بھائی کو میرے دل میں بُرا ٹھہرایا۔ دوسرے میرے فارغ دل کو مشغول کیا۔ اور تیسرے اپنے آپکو میرے سامنے فاسق و مفتری ظاہر کیا۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ایک شخص سے کہا کہ کیا تو نے مجھے کچھ کہا ہے اس نے کہا۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔ خلیفہ نے کہا ایک عادل اور معتمد نے بیان کیا ہے امام زہری رحؒ تشریف رکھتے تھے۔ فرمایا۔ یا امیر المومنین غماز عادل نہیں ہوتا۔ خلیفہ نے کہا۔ آپ نے سچ کہا۔ اور اس مرد سے سلامتی کے ساتھ جانیکو کہا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو لوگوں کی باتیں تیرے سامنے بیان کرتا ہے۔ وہ تیری باتیں بھی دوسروں کے سامنے بیان کریگا۔ ایسے آدمی سے حذر کرنا چاہیئے اور حقیقت میں اسکو دشمن سمجھنا چاہیئے کیونکہ اسکا فعل غیبت ہے اور غدر ہے اور خیانت ہے اور غِل ہے و حسد ہے اور تخلیط و نفاق ہے اور فریب دینا ہے اور یہ سب کچھ خیانت میں داخل ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ہر شخص کی راستی و سچائی پسندیدہ ہوتی ہے لیکن چغلخور کی راستی بھی پسندیدہ نہیں ہوتی۔ اور حضرت مصعبؓ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک چغلی کرنے سے چغلی کا سننا زیادہ بُرا ہے۔ کیونکہ چغلخوری سے غرض بھڑکانا ہوتا ہے۔ اور چغلی سننے والا اسکو قبول کرتا ہے اور اسکو چغلی کھانیکی اجازت دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چغلخور حلال زادہ نہیں ہے اور جاننا چاہیئے کہ مفسد اور غماز کا شر بہت ہوتا ہے اور بعض اوقات تو انکی وجہ سے خونریزی ہو جاتی ہے ایک شخص ایک غلام کو فروخت کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ اس میں سوائے اس کے کوئی عیب نہیں ہے کہ یہ غماز اور فسادی ہے ایک شخص نے خرید لیا اور کہا کوئی ڈر نہیں۔ ایک دن اس غلام نے اپنے مالک کی اہلیہ سے کہا۔ کہ خواجہ تجھ کو نہیں چاہتا۔ اب وہ ایک کنیز خریدنیوالا ہے۔ جب وہ سو جائے تو اس کے حلق کے نیچے سے استرے کے ساتھ چند بال اتار لے میں تجھے ایسا جادو کر کے دونگا کہ وہ تیرا عاشق ہو جائے گا۔ اور خواجہ سے کہا کہ تیری عورت کسی اور پر عاشق ہے اور وہ تجھے قتل کرنا چاہتی ہے تو اپنے آپکو سویا ہوا بنا لے تجھے سب قصہ معلوم ہو جائیگا۔ اس مرد نے اپنے آپکو سویا ہوا بنایا عورت استرہ لئے ہوئے آئی۔ اور بال تراشنے کیلئے خاوند کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا۔ اس نے یقیناً جان لیا۔ کہ یہ اب مجھے ضرور قتل کر دیگی۔ اٹھ بیٹھا۔ اور عورت کو قتل کر دیا۔ عورت کے رشتہ داروں نے اسکو مار ڈالا اور بہت سی خونریزی ہوئی۔

چودھویں آفت۔ دو دوستوں کے درمیان دو روئی کرنا ہے یعنی ہر ایک کے سامنے ایسی بات کہے کہ اسے اچھی معلوم ہو۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُسکی بات اِس سے کہے اور اسکی بات اُس سے۔ اور ہر ایک سے یہ ظاہر کرے کہ میں تیرا ہی دوست ہوں اور یہ امر چغلخوری سے بھی بدتر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس

جہان میں دو رُوہے۔ وہ اس جہان میں دو زبان ہوگا۔ اور فرمایا۔ سب سے بدترین انسان وہ ہے جو دو رُخہ ہو۔ جاننا چاہیئے کہ جو شخص دو دشمنوں کیساتھ مخالطت رکھے۔ وہ جو کچھ بھی سُنے خاموش رہے۔ اور اگر کہے تو وہ بات کہے جو حق ہو۔ اور درست ہو۔ تاکہ منافق نہ بنے۔ ایک کی ہرگز ہرگز دوسرے سے ذکر نہ کرے۔ اور نہ ہی ہر ایک سے کہے کہ میں تیرا دوست ہوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا۔ کہ ہم جب امیروں کے پاس جاتے ہیں تو ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں۔ جو باہر آکر نہیں کہہ سکتے۔ فرمایا۔ ہم ایسی باتوں کو حضورؐ کے زمانہ میں نفاق سمجھے تھے۔ اور جو شخص بلا ضرورت بادشاہوں یا امیروں کے پاس جائے اور انکے سامنے ایسی باتیں کہے۔ جو انکے پیچھے زبان پر نہ لاسکے تو وہ منافق اور دو رُوہے۔ مگر ضرورت ہو تو جائز ہوگا۔

پندرھویں آفت۔ لوگوں کی تعریف کرنا۔ اور انکی فضیلت بیان کرنا اور اس میں مبالغہ سے کام لینا ہے اور اس میں چھ آفات ہیں۔ کہ چار کہنے والے کیلئے اور دو سُننے والے کیلئے۔ جو ممدوح ہو۔ تعریف کرنیوالے کیلئے پہلی آفت یہ ہوگی کہ تعریف حد سے زیادہ کرے۔ اور جھوٹ کہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ جو شخص لوگوں کی تعریف حد سے بڑھا کر کریگا۔ قیامت کے دن اسکی زبان اتنی لمبی ہوگی۔ کہ اسکو گھسیٹیگا۔ اور جب چلیگا۔ تو اسپر پاؤں رکھیگا۔ اور گریگا۔ دوسری آفت یہ ہے کہ تعریف کرنے میں نفاق سے کام لے۔ یعنی تعریف میں کہے کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ لیکن دل سے اسکو دوست نہ رکھے۔ تیسری آفت یہ ہے کہ کوئی ایسی بات کہے۔ جسکو اچھی طرح نہ جانتا ہو یعنی یہ کہے کہ وہ نہایت پارسا اور عالم ہے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے تو نے اسکی گردن ماردی۔ اگر کسی کی تعریف کرنا ضروری ہو۔ تو یہ کہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ ایسا ہے لیکن خدا کے نزدیک اسکو عیب سے بری نہیں کرتا۔ اگر اپنی سمجھ میں سچا ہے تو اسکا حساب حق تعالےٰ کے ساتھ ہے۔ چوتھی آفت یہ ہے۔ کہ جسکی مدح کرے وہ ظالم ہو۔ اور اسکی باتوں سے خوش ہو دے۔ اور ظالم کو خوش نہ کرنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص ظالم کی مدح کرتا ہے حق تعالیٰ کو اسپر غصہ آتا ہے۔ اور ممدوح کیلئے تو دو وجہ سے نقصان ہے۔ ایک یہ کہ تعریف سننے سے اسکے دلمیں کبر و عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ ایک دن درّہ لئے بیٹھے تھے۔ جارود[1] نامی ایک شخص حاضر ہُوا اور ایک شخص نے اس مجلس میں کہا۔ کہ یہ قبیلہ ربیعہ کا سردار ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسکو درّہ سے مارنا شروع کیا اس نے کہا۔ اے امیرالمومنین میری کیا خطا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو نے سُنا کہ اس شخص نے کیا کہا ہے اس نے کہا اے امیرالمومنین سن لیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے خطرہ ہُوا۔ کہ کہیں اس سے تیرے دل میں غرور نہ پیدا ہو جائے اسلیئے میں نے چاہا کہ تیرا کبر توڑ دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب اس کے علم و صلاح کی تعریف کی جائیگی تو وہ اس سے کاہل جائیگا اور خیال کریگا۔ کہ میں کمال کو پہنچ گیا ہوں اور یہ اس لئے تھا۔ کہ جب حضورؐ کے سامنے لوگوں نے ایک شخص

[1] ایک نسخے میں یہ نام جارودت لکھا ہے اور دوسرے میں جارود ہے۔ نالی

کی تعریف کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تو نے اسکی گردن مار دی۔ اگر وہ سن لیگا۔ تو آئندہ کوشش سے باز رہیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے سامنے تیز چھری لے کر جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اسکی تعریف اسکے سامنے کی جائے۔ حضرت زیاد بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص اپنی تعریف سنتا ہے۔ شیطان اس کے روبرو آتا ہے۔ اور اسکو جگہ سے اٹھا دیتا ہے لیکن مومن اپنے آپکو پہچانتا ہے اسلئے عاجزی کرتا ہے جس جگہ یہ چھ آفات نہ ہوں وہاں اگر تعریف کی جائے تو درست ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی تعریف فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ کہ اگر حق تعالیٰ مجھے پیغمبر بنا کر نہ بھیجتا تو تمہیں بھیجتا۔ اور فرمایا اگر تمام عالم کا ایمان حضرت ابوبکرؓ کے ایمان کے مقابلہ میں لائیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایمان زیادہ نکلے۔ آپؐ نے اس قسم کی تعریفیں کی ہیں۔ آپ جانتے تھے کہ اس سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ مگر اپنی تعریف کرنا مذموم ہے حق تعالیٰ نے اسکی ممانعت کی ہے اور ارشاد کیا ہے وَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ لیکن اگر کوئی مخلوق کا راہبر ہو۔ اور وہ محض لوگوں کو پیروی کرنے کیلئے اپنا حال بتلائے تو درست ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ یعنی میں اس سیادت پر فخر نہیں کرتا۔ میں اسپر فخر کرتا ہوں جس نے مجھے یہ مرتبہ عنایت فرمایا۔ اور آپؐ نے یہ اس لئے فرمایا تاکہ لوگ آپکی متابعت کریں اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ

فصل لوگ جس شخص کی تعریف کریں اسے چاہیئے کہ وہ لوگوں کے تعریف کرنے سے غرور اور عجب نہ کرنے لگے اور خاتمہ کے خطر کا خیال کرے۔ کیونکہ اسکی نسبت کسی کو معلوم نہیں۔ جو شخص دوزخ سے بچیگا کتا اور سؤر اس سے فاضل ہیں اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ میں دوزخ سے بچونگا۔ اور اسبات کا خیال کرے کہ اگر تعریف کرنیوالا میرے پوشیدہ حال سے آگاہ ہو جائے۔ تو کسی حالت میں بھی میری تعریف نہ کرے اور اس معاملہ میں حق تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرے کہ اس نے میرے باطنی نقائص کو اس سے چھپایا۔ اور جب تعریف کریں تو چاہیئے کہ تعریف کو کبھی بھی پسند نہ کرے۔ بلکہ اس سے اپنی کراہیت کا اظہار کرے اور دل میں بھی اسے مکروہ سمجھے لوگوں نے ایک شخص کی تعریف کی تو اس نے کہا۔ کہ بارخدایا! یہ لوگ میری حالت سے ناواقف ہیں۔ صرف تو ہی میری حالت کا جاننے والا ہے۔ اور یہ لوگ اس شے کیوجہ سے میری تعریف کرتے ہیں جسے میں برا سمجھتا ہوں اور میں تجھے اس معاملہ میں گواہ کرتا ہوں۔ کہ میں اسکی دشمنی کی وجہ سے تیرا تقرب اور نزدیکی چاہتا ہوں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف کی۔ آپؓ نے فرمایا۔ بارخدایا! اس بات میں جو لوگ مجھے کہہ رہے ہیں مجھے مواخذہ نہ کرنا۔ اور یہ لوگ جو باتیں سے ناواقف ہیں انہیں بخشدے اور مجھ کو میری موجودہ حالت سے بہتر کر دے ایک شخص جناب علی کرم اللہ وجہہ کو دوست نہ رکھتا تھا۔ اور منافقانہ طریق پر آپکی تعریف کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا اے شخص جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے اس سے میں نہایت کم ہوں۔ اور جو بات تیرے دل میں ہے۔ اس سے میں بہت زیادہ ہوں

اصل چہارم غصہ حسد حقد کپٹ کے بیان میں

جاننا چاہیئے۔ کہ غصہ کا غالب ہوجانا نہایت مذموم صفت ہے اور غصہ کی اصل جو ہے۔ تو وہ آگ سے ہے۔ اور اسکا صدمہ دل پر محسوس ہوتا ہے۔ اور آگ شیطان کے ساتھ منسوب ہے۔ جیسے کہ اس نے خود کہا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ یعنی تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے۔ آگ کا کام حرکت اور بے قراری ہے۔ اور مٹی کا کام سکون ہے جس شخص پر غصہ غالب ہوجاتا ہے اسکی جتنی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ اس سے زیادہ شیطان کے ساتھ ہے۔ اور اسوجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور فخر دو عالم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کونسی چیز ہے۔ جو مجھے حق تعالیٰ کے غصہ سے محفوظ رکھے۔ حضور نے فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ تو غصہ میں نہ آیا کرے۔ پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ مجھے کوئی ایسا مختصر سا کام ارشاد کیجیئے جس سے مجھے نیک انجامی کی امید ہو۔ فرمایا قصداً خشمگین نہ ہوا کر۔ ہر چند عرض کیا۔ حضور نے یہی فرمایا۔ اور حضور نے ارشاد فرمایا کہ غصہ ایمان کو اسطرح خراب کرتا ہے۔ جیسے ایلوا شہد کو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ خشمگین نہ ہوا کر۔ کہا۔ یہ تو ناممکن ہے کیونکہ میں بشر ہوں۔ فرمایا مال جمع کرنا چھوڑ دے۔

اے عزیز جاننا چاہیئے کہ آدمی کیلئے یہ ناممکن ہے۔ کہ وہ بالکل غصہ سے خالی ہوجائے لیکن غصہ کو برداشت کرنا ضروری ہے۔ حق سبحانہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ یعنی ان لوگوں کی تعریف کی ہے۔ جو غصہ کو برداشت کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ جو شخص غصہ کو برداشت کرتا ہے حق تعالیٰ اسپر اپنا فضل کرتا ہے۔ اور عذاب سے بچا لیتا ہے اور اسکی تقصیرات کو معاف کر دیتا ہے اور جو شخص زبان کی حفاظت کرتا ہے حق تعالیٰ اسکی شرم محفوظ رکھتا ہے۔ فرمایا۔ دوزخ کا ایک ایسا دروازہ ہے کہ اسمیں وہی شخص داخل ہوگا جس نے اپنے غصہ کو خلاف شرع پورا کیا ہوگا۔ اور فرمایا آدمی جو گھونٹ بھی پیتا ہے۔ حق تعالیٰ کے نزدیک غصہ کے گھونٹ کے سوا اور کوئی گھونٹ زیادہ مقبول نہیں۔ جو شخص غصہ کو برداشت کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے دل کو ایمان سے پُر کر دیتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بزرگوں کی ایک جماعت نے اس امر پر اتفاق کیا ہے۔ کہ غصہ کے وقت بُردباری اور طمع کے وقت صبر سے کام لینے سے بڑھکر اور کوئی عمل افضل نہیں۔ ایک شخص نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے سخت سست بات کہی۔ انہوں نے اپنا سر جھکا لیا۔ اور فرمایا۔ تو نے چاہا تھا کہ مجھے غصہ میں مبتلا کرے اور شیطان سلطنت کے غرور کیوجہ سے مجھے آپے سے باہر کر دے۔ تاکہ آج تو میں تجھ پر غصہ کروں۔ اور کل قیامت کے روز تو مجھ سے اسکا بدلہ لے

ہیں ایسا ہر گز نہ ہونے دونگا۔ اور بالکل خاموش رہے۔ ایک نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کوئی شخص ایسا ہے جو مجھ سے قبول کرے اور اس بات کی کفالت کرے کہ وہ خشمگین نہ ہوگا۔ اور میرے بعد میرا خلیفہ بنے اور بہشت میں میرے برابر رہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اسے قبول کرتا ہوں اور کفالت کرتا ہوں۔ انہوں نے دوبارہ کہا اس نے عرض کیا۔ کہ میں قبول کرتا ہوں۔ اور نبی سے وفا کا عہد کر کے انکا قائم مقام ہوا۔ اور لوگوں نے انکو ذوالکفل کے نام سے پکارا۔ اس سبب سے کہ انہوں نے کفالت کی تھی۔

فصل

اے عزیز! تجھے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حق تعالیٰ نے غصہ کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ آدمی کا ہتھیار بنے اور جو چیز اس کیلئے نقصان دہ ہو۔ اس سے بچائے جسطرح کہ خواہش کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ جو شے آدمی کیلئے مفید ہو۔ اسے اپنی طرف کھینچے۔ آدمی کو سوائے ان دونوں چیزوں یعنی غصہ اور خواہش کے چارہ نہیں۔ لیکن جب یہ افراط سے ہونگی تو نقصان دینگی اور اس آگ کیطرح ہو جائیگی۔ جو دل میں لگ جائے اور اسکا دھواں دماغ میں بھر جائے۔ اور عقل و فکر کی جگہ کو تاریک بنا دے۔ تاکہ آدمی دور اندیش نہ ہو سکے اور حالت اس غار کی سی ہو جائے۔ جو دھوئیں سے بھری ہوتی ہے اور اسکی کوئی جگہ نہ دکھائی دیتی ہو اور یہ نہایت ہی مذموم امر ہے اور یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے غصہ کا نام غولِ عقل رکھا ہے اور اگر یہ غصہ کمزور ہو تو تب بھی مذموم ہے کیونکہ اس سے دین کی اور ناموس کی حمیت پیدا ہوتی ہے حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اور صحابہ کی تعریف فرمائی اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ یہ سب باتیں غصہ ہی کا ثمر ہے تو چاہیئے کہ غصہ نہ تو زیادہ شدید ہو اور نہ ہی زیادہ کمزور ہو۔ بلکہ معتدل ہو۔ اور دین و عقل کے اشارہ کے مطابق کام کرے بعض لوگ ریاضت سے غصہ کی جڑ اکھیڑنا چاہتے ہیں لیکن ایسا خیال کرنا غلطی ہے کیونکہ غصہ ایک ہتھیار ہے اور سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں۔ اور جبتک انسان زندہ ہے غصہ کا معدوم ہونا ناممکن ہے جسطرح کہ شہوت کی جڑ کا باطل ہونا ممکن نہیں۔ مگر یہ بات ممکن ہے کہ بعض وقت غصہ بالکل پوشیدہ رہے اور لوگ غصہ کے نابود ہونیکا خیال کرنے لگیں۔ اس کی تفصیل یہ ہوگی کہ غصہ اس لئے آتا ہے کہ جس چیز کی اسے ضرورت ہو کوئی اسے چھین لینے کی کوشش کرے۔ اور جن چیزوں کی حاجت نہ ہو انکے چھن جانے سے غصہ نہیں آتا اور جس شخص کی حاجت زیادہ ہوگی۔ اسے غصہ بھی زیادہ ہوگا اور وہ بہت بیچارہ اور درماندہ ہوگا۔ کیونکہ آزادی بے حاجتی میں ہے۔ جسقدر حاجت زیادہ ہوتی ہے۔ آدمی اسیقدر قید سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ اور یہ ممکن ہے کوئی شخص کثرت ریاضت سے اپنے آپکو ایسا بنا دے کہ بقدرِ حاجت ہی پر اکتفا کرے۔ اور دنیا کی فضول اشیاء اور مال و جاہ کی حاجت جاتی رہے۔ تو ایسی حالت میں جو غصہ ان حاجات کا تابع ہے وہ بھی جاتا رہیگا۔ اسلئے کہ جس شخص کو جاہ کی حاجت نہیں۔ اگر کسی محفل یا مجلس میں کوئی شخص اس سے اچھے مقام پر بیٹھے تو اسے غصہ پیدا نہ ہوگا اور

اسباب میں لوگوں میں بڑی تفاوت ہے اس لئے کہ اکثر غصے مال وجاہ کی زیادتی کی بنا پر ہوتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ ادنیٰ چیزوں پر فخر کرتے ہیں۔ جیسے شطرنج، چوسر، کبوتر بازی وغیرہ اور شراب خوری۔ اگر کوئی شخص یہ طعنہ دے کہ تو چوسر یا شطرنج اچھی نہیں کھیلتا۔ یا شراب زیادہ نہیں پیتا۔ تو اسے غصہ آتا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اس قسم کا غصہ ریاضت کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ لیکن ضروریات کے متعلق جو غصہ ہوتا ہے وہ باطل نہیں ہوتا اور اسے باطل ہونا چاہیئے بھی نہیں کیونکہ اسکا باطل ہونا مفید نہیں لیکن غصہ ایسا بھی نہ ہو۔ جو آدمی کو بالکل بے قابو کر دے اور شریعت وعقل کے خلاف اسپر غلبہ کر لے۔ ریاضت کرتے کرتے آدمی غصہ کو شریعت کے حلقہ میں مقید کر سکتا ہے۔ مگر اسکی جڑ کا جانا اچھا نہیں اور اسکی دلیل یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی غصہ سے خالی نہ تھے اور حضورؐ نے فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں۔ اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ یعنی جسطرح آدمی غصہ کرتے ہیں اسطرح میں بھی غصہ کرتا ہوں جس کسیکو میں لعنت کروں یا غصہ میں سخت کلام کہوں یا بد دعا دوں تو بار خدایا اسے تو میری طرف سے اسپر رحمت کا موجب کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ آپ جو ارشاد فرمایا کرتے ہیں۔ میں لکھ لیتا ہوں۔ کیا غصہ کی حالت میں بھی جو آپ فرمایا کریں اسے بھی لکھ لیا کروں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں لکھ لیا کرو۔ مجھے قسم ہے خدا کی جس نے رسول برحق بنا کر بھیجا ہے غصہ کی حالت میں بھی کوئی شے خلافِ شریعت میرے منہ سے نہیں نکلتی۔ آپؐ نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے غصہ نہیں ہے بلکہ یہ فرمایا کہ غصہ مجھے حق وانصاف سے خارج نہیں کرتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن غصہ میں آ گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ شیطان آ گیا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا۔ کیا آپکا شیطان نہیں۔ فرمایا کہ ہے لیکن حق تعالیٰ نے مجھے اسپر فتحمند کیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ میرے ماتحت ہو گیا ہے۔ اور سوائے نیک بات کے کسی اور بات کا حکم نہیں کرتا۔ حضورؐ نے یہ نہ فرمایا۔ کہ مجھے غصہ کا شیطان نہیں ہے۔

فصل اے عزیز! جاننا چاہیئے کہ اگرچہ غصہ کی جڑ بالکل نہیں جا سکتی۔ لیکن ممکن ہے کہ کسی شخص پر توحید غالب ہو جائے۔ اور اسے جو کچھ نظر آئے حق تعالیٰ کیطرف سے نظر آئے لیکن توحید کے اس درجہ کے حاصل ہونے سے غصہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اس شخص میں غصہ پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ لوگ اسے پتھر ہی کیوں نہ ماریں لیکن اسکے باطن میں غصہ کی جڑ قائم رہتی ہے اس لئے کہ وہ پتھر کی خطا نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس شخص کی خطا سمجھتا ہے۔ جو پتھر پھینکتا ہے اور اگر کوئی ظالم بادشاہ حکم لکھے کہ فلاں شخص کو قتل کر دیا جائے تو وہ قلم پر غصہ نہیں کرتا۔ اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ قلم تو مسخر ہے۔ اگرچہ حرکت اس میں ہے لیکن اس سے نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس جس شخص پر توحید غالب ہو جاتی ہے۔ تو وہ جو کام بھی خلق سے سرزد ہوتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ خلق کا اس میں کچھ اختیار نہیں۔ اگرچہ حرکت قدرت کی قید میں ہوتی ہے لیکن قدرت ارادہ اور خواہش کی قید ہے اور ارادت آدمی

کے اختیار میں نہیں لیکن خواہش کو اس پر مسلّط کر دیا ہے چاہے یا نہ چاہے۔ اور جب خواہش کو بھیجا اور قوت بھی عنایت کی تو ضرور فعل قادر ہوگا۔ اگر اس موحد کی روزی بکری کے ذریعہ تھی۔ اور وہ بکری مر گئی۔ تو وہ رنجیدہ تو ضرور ہوگا لیکن خشمگین نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس امر کو کسی آدمی کی طرف سے نہیں سمجھتا۔ اس سبب سے اُسے غصہ کا رنج پیدا نہیں ہوتا

حضرت سلمان رضؓ کو کسی شخص نے گالی دی۔ انہوں نے فرمایا۔ اگر قیامت کے دن میرے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔ تو تُو جو کچھ بھی کہتا ہے میں اس سے بھی بدتر ہوں۔ اور اگر گناہوں کا پلڑا ہلکا ہوا۔ تو مجھے تیری بات کا کیا خوف ہے کسی شخص نے ربیع ابن غثیم کو گالی دی۔ آپ نے فرمایا میرے اور جنت کے درمیان ایک گھاٹی ہے میں اسکے طے کرنے میں مشغول ہوں۔ اگر میں نے اسے طے کر لیا۔ تو مجھے تیری بات کا کچھ خوف نہیں۔ اگر طے نہ کر سکا تو جو کچھ تو کہہ رہا ہے میں اس سے کہیں بڑھ کر برا ہوں۔ یہ بزرگ غمِ آخرت میں اسقدر محو تھے۔ کہ گالی دینے سے بھی ان پر غصہ طاری نہ ہوا

حضرت مالک دینارؒ کو ایک عورت نے ریاکار کہہ کر بلایا۔ آپ نے فرمایا۔ اے نیکبخت تو نے مجھے خوب پہچانا۔

حضرت شعبیؒ کو ایک شخص نے کوئی بات کہی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تیری بات سچی ہے تو مجھے خدا بخشدے۔ اور اگر تم نے جھوٹ کہا ہے تو تجھے بخشے۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ ان حالتوں میں غصہ کا مغلوب و مقہور ہونا ممکن ہے اور یہ بھی ہے کہ جو شخص غصہ کو ضبط کرے حقتعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے اور جب کوئی وجہ غصہ کی ہو تو حق تعالیٰ کی محبت غصہ پر غالب ہو کر اس کو چھپا لیتی ہے جیسا کہ عشق کے غلبہ میں عاشق ہر قسم کے رنج و غم برداشت کر لیتا ہے اور غصہ نہیں کرتا۔ آدمی کو چاہیئے کہ ان سببوں میں سے کسی ایک سبب سے ایسا ہو جائے کہ اپنے غصہ کو ہلاک کردے اگر یہ نہ کر سکے تو اسکی طاقت توڑ ڈالے تاکہ غصہ سرکشی نہ کر سکے۔ اور عقل و شریعت کے خلاف حرکت نہ کرے۔

فصل

اے عزیز! تجھے جاننا چاہیئے کہ غصہ کی ریاضت اور اسکا علاج آدمی پر فرض ہے کیونکہ عام طور پر غصہ ہی انسان کو دوزخ میں لیجانے کا موجب ہے اور غصہ ہی سے تمام فسادات رونما ہوتے ہیں اور اسکا علاج دو طریق پر کیا جاتا ہے ایک تو مسہل کی مانند ہے کہ غصہ کی جڑ اور مادے کو باہر نکال دے اور ایک کی سکنجبین کی سی ہے۔ کہ تسکین عطا کردے۔ جڑ اور مادہ کو نہ نکالے مسہل تو یہ ہے کہ آدمی اسباب کو تلاش کرے کہ باطن میں غصہ کا کیا سبب ہے۔ اس سبب کی جڑ کو نکال ڈالے اور اسکے پانچ سبب ہیں۔ پہلا سبب کبر ہے۔ کیونکہ متکبر انسان ذرا سی بات اور معاملہ پر آگ بھبوکا بن جاتا ہے۔ اور تکبر کا علاج یہ ہے کہ اسکو عاجزی سے توڑ ڈالے اور یہ خیال کرے کہ میں بھی اور بندوں ہی کی جنس سے پیدا ہوا ہوں۔ اور بندگی کا شمار نیک اخلاق میں ہوتا ہے اور تکبر بد اخلاق میں گنا جاتا ہے اور سوائے عاجزی کے اور کسی شے سے زائل نہیں ہوتا۔ دوسرا سبب عُجب ہے یعنی اپنی شان میں کچھ اعتقاد رکھے اسکا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو پہچانے۔ کبر اور عُجب کا تمام علاج اپنے اپنے مقام پر کیا جائیگا۔ تیسرا سبب مزاح ہے کیونکہ عام طور پر اسکا نتیجہ غصہ ہوتا ہے انسان کو چاہیئے کہ مزاح کو ترک کردے اور آخرت کے کاموں کے حصول کیلئے

جد و جہد کرے۔ علی ہذا القیاس ہنسنا اور مسخراپن بھی غصہ کا موجب ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ اپنے آپکو اس سے محفوظ رکھے
چوتھا سبب کسی کو ملامت کرنا ہے۔ اور کسی کی عیب جوئی کرنا ہے اور یہ امر بھی غصہ کا موجب ہے اسکا علاج یہ ہے
کہ جو شخص خود بے عیب ہو وہ دوسرے کا عیب بیان کرے۔ اور بے عیب سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی
دوسرا نہیں ہے پانچواں سبب مال و جاہ کی حرص کرنا ہے اور مال و جاہ کی عام طور پر حاجت ہوتی ہے اگر کسی بخیل سے
ایک حبہ لے لیا جائے تو وہ غصہ میں آجاتا ہے۔ اور طامع شخص ایک نوالہ کے چھن جانے سے خشمگین ہوجاتا ہے اور یہ تمام
باتیں بد اخلاقی میں شامل ہیں اور غصہ کی اصل ہیں۔ اور انکا ایک علاج علمی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی اسکی برائی کو اچھی
طرح جانے کہ دنیا میں یہ شے کسقدر نقصان دہ اور ضرر رساں ہے اسکے بعد علاج عمل میں مشغول ہونا چاہیئے اور
عملی علاج یہ ہے۔ کہ ان تمام امور کی مخالفت کرے اور یہ بد اخلاقی کا علاج ہے جیسا کہ ہم نے ریاضت نفس میں
بیان کیا ہے اور غصہ اور بد اخلاقی کا پیدا ہونا ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا ہے جن پر غصہ غالب ہو اور وہ اسکا نام
صلابت اور شجاعت رکھیں اور اسپر فخر کریں اور اس قسم کی حکایت کریں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو مار ڈالا۔ اور اسکے جان
و مال کو ویران کر دیا اور کسی شخص میں یہ طاقت نہ ہوئی کہ اسکو روکتا۔ کیونکہ وہ مرد شجاع تھا۔ اور یہی مردوں کی صفت ہے
اور حلم و بردباری جو پیغمبروں کا خلق ہے اسکا نام نالائقی رکھتے۔ اور شیطان ایسے شخص کو اپنے فریب و مکر میں مبتلا کرکے نیک
اخلاق سے باز رکھتا ہے اور اچھے اچھے الفاظ سے برے اخلاق کیطرف بلاتا ہے اور عقلمند جانتا ہے اور اگر اس قسم ہی کا
غصہ مردمی کی علامت ہے تو عورتوں اور لڑکوں اور ضعیف نفس بوڑھوں اور بیماروں کو غصہ سے دور رہنا چاہیئے تھا
کیونکہ یہ لوگ تو بہت جلد غصہ میں آجاتے ہیں۔ سب سے بڑی مردانگی ہے کہ آدمی اپنے غصہ سے بر آئے اور یہ صفت انبیا
و اولیاء علیہم السلام کی ہے اور وہ دوسری صفت پہلوانوں ترکوں اور ان لوگوں کی ہے جو درندوں سے بہت نزدیک ہیں اے عزیز!
تجھے غور کرنا چاہیئے کہ تیری بزرگی اس بات میں ہے کہ تو انبیاء و اولیاء کی صفت اختیار کرلے اس امر میں نہیں ہے کہ تو نالائقوں جاہلوں کی مثل ہوجائے

فصل

اے عزیز! تجھ پر روشن ہو کہ یہ جتنی باتیں اوپر کے حصہ میں بیان کی جا چکی ہیں۔ سبب غصہ کے مادہ کو دفع
کرنے کیلئے مسہل کا حکم رکھتی ہیں۔ جو شخص اسے دفع نہ کر سکے اسے چاہیئے کہ وہ اسے تسکین تو ضرور دے
اور تسکین اس سکنجبین سے حاصل ہوتی ہے جو علم کی شیرینی اور صبر کی تلخی سے حاصل ہوتی ہے اور علم و عمل کی معجون سب
اخلاق ہی کا علاج ہے۔ علم یہ ہے کہ ان آیات و احادیث پر غور کریں جو غصہ کو ضبط کرنیکی فضیلت میں اور محض غصہ
کی برائی میں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ اسکا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ اور اپنے دل سے کہے۔ جتنی قدرت تو دوسرے پر رکھتا
ہے۔ اس سے زیادہ قدرت حق تعالیٰ تجھ پر رکھتا ہے اور تیری مخالفت حق تعالیٰ سے بہت بری ہے اگر تو کسی پر غصہ
ہوگا۔ تو قیامت کے دن حق تعالیٰ کے غصہ سے کیونکر نجات حاصل کریگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو کسی کام
کو بھیجا اور وہ دیر کے بعد آیا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر قیامت کا انتقام نہ ہوتا تو میں تجھے مارتا۔ اور انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے دل

سے یہ کہے کہ تیرا کام اسیطرح ہوا جسطرح خدا کو منظور تھا۔ اور یہ خیال کرنا کہ چاہنے کے موافق نہ ہوا۔ ربوبیت سے جھگڑا کرنا ہے اگر غصہ اسباب آخرت سے ڈر کر نہ ٹھہرے تو دنیا کی اغراض اسکے سامنے پیش کرے اور کہے اگر تو غصہ پر آمادہ ہوگا تو طرف ثانی بھی مقابلہ کریگی۔ اور بدلا لیگی۔ اور اپنے دشمن کو حقیر و ناچیز خیال نہ کرنا چاہیئے مثلاً اگر لونڈی غلام ہو جو خدمت میں قصور کرتا ہے اور بھاگ بھاگ جاتا ہے۔ شاید ان پر غصہ کیا جائے۔ تو وہ کچھ مکر و فریب سے کام لے اور غصہ میں جو شکل بری بنجاتی ہے اسکو بھی یاد کرے کہ ظاہر کیا بُرا اور متغیر ہو جاتا ہے اور بعینہ وہی شکل ہوتی ہے جیسی کہ کسی بھیڑیئے کی جو کسی کتے کے پیچھے پڑا ہوا ہو۔ اور باطن میں بالکل آگ چمک اٹھتی ہے اور حالت ایسی ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ بھوکا کتا ہوتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ جب غصہ کو ضبط کیا جائے تو شیطان کہتا ہے۔ کہ یہ تیری عاجزی اور ذلت کی دلیل ہے اور تیری حشمت کیلئے یہ امر نقصان دہ ہے۔ اور لوگوں کی نگاہ میں حقارت کا باعث ہے تو ایسی حالت میں شیطان کو جواب دینا چاہیئے کہ یہ امر سب عزتوں سے بڑھکر ہے۔ کہ آدمی انبیاء علیہم السلام کی سیرت کو اختیار کرے۔ اور حق تعالیٰ کی خوشنودی کا طالب ہو۔ اگر لوگ مجھے غصہ کے ضبط کرنے سے ذلیل و خوار جانیں۔ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کل قیامت کے روز میں ذلیل و خوار کیا جاؤں۔ یہ اور اس کی مثل اور باتیں علمی علاج ہے۔ اور عملی علاج یہ ہے کہ زبان سے کہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اور یہ سُنت ہے کہ آدمی غصہ کے وقت اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غصہ آگ کی جنس سے ہے اور پانی سے ٹھنڈا ہو جاتا ہے ایک روایت میں ہے کہ سجدہ کرے اور منہ کو خاک پر رکھدے تاکہ اس بات سے واقف ہو جائے کہ میں خاک سے ہوں اور بندہ ہوں مجھے غصہ کرنا زیبا نہیں۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آگئے۔ آپ نے ناک میں ڈالنے کیلئے پانی مانگا۔ اور فرمایا کہ غصہ شیطان سے ہے۔ اور ناک میں پانی ڈالنے سے جاتا رہتا ہے حضرت ابوذرؓ نے ایکدن کسی سے لڑائی کی۔ اور کہا یا ابن الحمرا یعنی اسکی ماں کا عیب بیان کیا (اس کا رنگ سُرخ ہے) یعنی کنیز ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ اے ابوذرؓ میں نے سُنا ہے کہ آج تونے کسی کا عیب ماں کے سبب سے بیان کیا ہے۔ اور یہ فرمایا کہ اے ابوذر تو کسی سُرخ و سیاہ سے افضل نہیں مگر یہ کہ تقوے اور پرہیزگاری میں اس سے زیادہ ہو۔ حضرت ابوذرؓ اس شخص کے پاس معذرت کیلئے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غصہ آتا۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکی بینی پکڑ لیتے اور فرماتے۔ اے عائشہ کہو۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَ اَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ[1] یہ کہنا بھی سنت میں داخل ہے۔

فصل

اے عزیز! جاننا چاہیئے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی پر ظلم کرے۔ یا سختی سے پیش آئے تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ خاموش ہو رہے اور جواب نہ دے۔ مگر بالکل چپ رہنا بھی واجب نہیں۔ اور ہر بات کا جواب دینا بھی درست نہیں گالی کے بدلہ میں گالی نہ دینا چاہیئے۔ غیبت کے بدلہ میں غیبت نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ان امور سے تعزیر شرعی واجب ہوجاتی ہے

[1] اے نبی محمدؐ کے رب میرا گناہ بخش دے اور میرے دل کا غصہ دور کر اور فتنوں کی گمراہیوں سے مجھ کو بچا

لیکن اگر کوئی شخص سخت بات کہے جس میں جھوٹ نہ ہو تو اسکی اجازت ہے۔ کیونکہ اسکی مثل قصاص کی سی ہے حضورؐ نے فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص تیرا عیب بیان کرے تو تو اُس کے بدلہ میں اسکا عیب بیان کر یہ طریق احتساب ہے اور نہ کہنا واجب نہیں بشرطیکہ اس میں زنا اور گالی کی نسبت نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِیْ حَتّٰی یَعْتَدِیَ الْمَظْلُوْمُ۔ یعنی جب دو آدمی ایکدوسرے کو برا کہیں۔ تو وہ جو کچھ کہیں گے۔ وہ سب اسی پر ہے جس نے ابتداء کی۔ حتیٰ کہ مظلوم حد سے بھی متجاوز ہو جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ حضورؐ کے ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کرو۔ کہ وہ ہم میں اور حضرت عائشہ میں انصاف کا خیال رکھا کریں۔ آپ انہیں بہت چاہتے ہیں اور آپکی رغبت انکی جانب زیادہ ہے حضورؐ خواب میں تھے کہ حضرت بی بی فاطمہ رضؓ نے پیغام پہنچا دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے فاطمہ رضؓ جسے میں دوست رکھتا ہوں۔ کیا اسے تو دوست نہیں رکھتی۔ عرض کیا میں بھی اسے دوست رکھتی ہوں فرمایا تجھے چاہیئے کہ تو بھی عائشہ کو بہت دوست رکھے۔ کیونکہ میں اسے بہت دوست رکھتا ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات کے پاس واپس تشریف لے گئیں۔ اور یہ سب ماجرا بیان کر دیا۔ انہوں نے جواب دیا اس بات سے ہمیں سیری حاصل نہیں ہوئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو ازواج مطہرات سے تھیں۔ انکو بھیجا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مجھ سے برابری کی دعویدار تھیں۔ وہ آئیں اور کہنے لگیں کہ ابوبکر رضؓ کی بیٹی ایسی ہیں اور ویسی ہیں۔ یعنی وہ برا کہہ رہی تھیں اور میں خاموش تھی۔ اسلئے کہ حضورؐ مجھے جوابدینے کی اجازت دیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ تو میں نے بھی جوابدینا شروع کیا۔ یہانتک کہ میرا گلا خشک ہو گیا۔ یہانتک کہ حضرت زینب رضؓ عاجز آگئیں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے زینب رضؓ۔ یہ ابوبکر رضؓ کی بیٹی ہے بات تو میں اسکے برابر نہ اتر سکو گی۔ تو یہ قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ جوابدینا منع نہیں۔ بشرطیکہ سچ ہو۔ جھوٹ شامل نہ ہو۔ جیسکہ یوں کہے اے احمق۔ اے جاہل۔ شرم کر چپ رہ۔ کیونکہ آدمی حماقت سے خالی نہیں ہے آدمی کو چاہیئے کہ اچھے الفاظ کی عادت ڈالے اور غصہ کیوقت وہی لفظ کہے تاکہ فحش کی عادت نہ رہے مثلاً بدبخت۔ ناکس۔ ناہموار۔ بے نوا اور اس قسم کے الفاظ استعمال کرے۔ غرضیکہ جب جواب دینے پر آجائے تو یہ مشکل ہے کہ حد سے تجاوز نہ کرے اس سبب سے جواب نہ دینا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا کہا۔ صدیق اکبر رضؓ کچھ دیر تو خاموش رہے۔ لیکن پھر جوابدینے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ جناب صدیق رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اب تک تو آپ تشریف رکھتے رہے۔ اب میں جواب دینے لگا تو اٹھ کھڑے ہوئے حضورؐ نے فرمایا۔ جبتک آپ خاموش تھے۔ فرشتہ آپکی طرف سے جوابدیتا تھا۔ جب آپ نے جوابدیا تو شیطان آ گیا۔ میں نے نہ چاہا۔ کہ شیطان کے پاس بیٹھوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ نے انسان کو مختلف اقسام پر پیدا کیا ہے

ایک تو اس قسم کا ہوتا ہے کہ اسکو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر ہی سے خوشنود بھی ہوتا ہے۔ اور ایک وہ ہوتا ہے جو غصہ میں بھی جلد آجاتا ہے اور راضی بھی جلدی ہو جاتا ہے یہ اس کے مقابلہ میں ہے۔ اور بہتر تم میں سے وہ ہے جو غصہ میں دیر سے آئے لیکن خوشنود جلدی ہو جائے اور تم میں بدتر وہ ہے جو غصہ میں جلد آجائے لیکن خوشنود دیر سے ہو

فصل

اے عزیز! جاننا چاہیئے کہ جو شخص اختیار اور دیانت سے غصہ پی جاتا ہے۔ وہ نیک ہے۔ لیکن جو شخص کمزوری اور عجز کی وجہ سے غصہ ضبط کرتا ہے تو غصہ اسکے باطن میں جمع ہو کر کبر اور کپٹ کا سرمایہ بنے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْمُؤْمِنُ لَيْسَ بِحَقُوْدٍ۔ یعنی مومن کینہ ور نہیں ہوتا۔ تو کینہ غصہ کا بیٹا ہے اور اسکے آٹھ پوتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک تباہی کا موجب ہے۔ پہلا تو حسد ہے کہ جسکے ساتھ کینہ ہوتا ہے آدمی اسکی خوشی پر رنجیدہ ہوتا ہے۔ اور اسکے رنج پر خوش ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ شماتت اختیار کرتا ہے۔ یعنی اگر اسپر بلا نازل ہو تو خوش ہوتا ہے۔ اور اسپر خوشی کا اظہار کرتا ہے تیسرا یہ کہ اس سے زبان کو روک لیتا ہے اور اسکے سلام کا جواب دینا پسند نہیں کرتا۔ چوتھا یہ کہ اسکو ذلت اور حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے پانچواں یہ کہ اسکے افشائے راز میں جھوٹ اور غیبت سے زبان کھولتا ہے۔ چھٹا یہ کہ اسکا تمسخر اڑاتا ہے ساتواں یہ کہ اس کا حق ادا کرنے میں قاصر رہتا ہے۔ آٹھواں یہ کہ موقعہ ملنے پر اسے نقصان پہنچاتا ہے اور مارتا ہے اور دوسروں کو بہکاتا ہے۔ تاکہ وہ بھی اسے ماریں۔ اگر کوئی شخص حد درجہ کا دیانتدار ہو۔ اور گناہ کا کوئی فعل نہ کرے تو بھی اس بات سے خالی نہیں تاکہ اس سے اپنا احسان واپس لے لے اور اسکے ساتھ نرمی سے پیش نہ آئے۔ اور اسکے کام میں حلم اختیار نہ کرے۔ اور خدا کا ذکر کرنے میں اسکی ہمراہی اختیار نہ کرے۔ اور اسکے حق میں دعا ثنا نہ کرے یہ تمام امور اس شخص کے درجہ کو کم کر دیتے ہیں۔ اور ان باتوں کا نقصان بہت ہے مسطح نام جو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عزیز قریبی تھا۔ جب اس نے حضرت عائشہؓ کے واقع افک میں جھوٹی قسم کھائی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے نفقہ دینا بند کر دیا اور قسم کھائی کہ آئندہ اسے نفقہ نہ دیں گے تو اسپر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ یہانتک کہ ارشاد ہوا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی تم اس قسم کی قسم نہ کھایا کرو۔ کہ جس نے جفا کی ہم اسکے ساتھ نیکی نہ کریں گے۔ کیا تم اسبات کو دوست نہیں رکھتے کہ حق تعالیٰ تمہیں بخشدے۔ امیر المومنین حضرت صدیق رضؓ نے کہا۔ واللہ میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں اور پھر اسے نفقہ دینا شروع کیا۔ تو جس شخص کے دل میں کسیکی جانب سے کینہ ہوتا ہے وہ تین حال سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو وہ اپنے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے۔ کہ اسکے ساتھ نیکی جاری رکھوں اور رعایت کو زیادہ کر دوں تو یہ درجہ صدیقین کا ہے یا اگر نیکی نہیں کرتا تو برائی بھی نہ کرے یہ پرہیزگاروں کا درجہ ہے۔ اگر برائی کرے تو یہ درجہ فاسقوں اور ظالموں کا ہے جو شخص تیرے ساتھ بدی کرے تو اسکے ساتھ نیکی کر کیونکہ حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنیکے لئے کوئی شے اس سے

بڑھ کر نہیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو معاف کر دے کیونکہ معاف کر دینے کی بڑی فضیلت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میں تین امور پر قسم کھاتا ہوں۔ (۱) صدقہ دینے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ تم صدقہ دیا کرو (۲) جو شخص کسی کا قصور معاف کر دیتا ہے۔ حق تعالیٰ قیامت کے دن اسکی عزت زیادہ کریگا (۳) جو شخص اپنے سے سوال اور گدائی کا دروازہ کھولتا ہے۔ حق تعالیٰ اسپر مفلسی کا دروازہ کھولدیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حق میں کسی شخص سے بدلا لیا ہو لیکن لوگ جب خدا تعالیٰ کے حقوق میں دست اندازی کرتے تو آپ کا غصہ انتہا سے زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ اور جن دو امور میں حضورؐ کو اختیار دیتا۔ ان میں سے جو آسان ہوتا۔ آپ خلق کیلئے اسی کو اختیار کرتے۔ لیکن جو گناہ ہوتا حضورؐ اسے کبھی بھی اختیار نہ فرماتے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور فرمایا میں تجھے اس بات سے آگاہ کروں کہ اہل دنیا و اہل آخرت کے اخلاق میں کونسی بات (خلق) افضل ہے حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص تجھ سے قطع تعلق کرے تو اسے مل۔ اور جو تجھے محروم رکھے تو اسے عطا کر اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا الٰہ العلمین تیرے بندوں میں سے کون بندہ بہتر ہے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ جس میں بدلہ لینے کی طاقت ہو اور وہ معاف کر دے حضورؐ کا ارشاد ہے جس نے ظالم کیلئے بددعا کی۔ اس نے گویا اپنا حق لے لیا۔ حضورؐ نے جب مکہ فتح کر لیا اور قریش پر قابو حاصل ہو گیا۔ تو چونکہ قریش آپ پر بہت ظلم کر چکے تھے اس لئے وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ہم سے انتقام نہ لیا جائے اور وہ اپنی زندگی سے مایوس تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کعبہ شریف کے دروازہ پر رکھ کر فرمایا خدا ایک ہی ہے اسکا کوئی شریک و ساجھی نہیں اس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور اپنے بندوں کو فتح دی اور اپنے دشمنوں کو شکست دی۔ تم لوگ کیا دیکھ رہے ہو اور کیا کہتے ہو۔ قریش نے عرض کیا یا رسول اللہ سوائے خیر کے ہم کیا عرض کرینگے۔ آپؐ کے کرم کے امیدوار ہیں۔ آج آپکو ہر طرح کی قوت و طاقت حاصل ہے آپ نے فرمایا۔ میں وہ کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر قابو پا کر کہا تھا۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اور سب کو امن دے دیا۔ اور فرمایا کسی شخص کو تم سے کچھ سروکار نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو منادی کرنیوالا ندا کریگا کہ جن جن کا اجر حق تعالیٰ پر ہے وہ اٹھیں کئی ہزار آدمی اٹھیں گے اور جنت میں بحساب داخل ہو جائیں گے کیونکہ یہ وہ لوگ ہونگے جو حق تعالیٰ کے بندوں کا قصور معاف کر دیا کرتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غصہ کی حالت میں صبر اختیار کرو تاکہ تمہیں بہت سی فرصت حاصل ہو اور جب فرصت حاصل ہو اور بدلہ لے سکتے ہو تو معاف کر دو۔ خلیفہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ ایک قصوروار کو لائے۔ وہ دلائل پیش کرنے لگا ہشام نے کہا۔ کیا تو میرے سامنے دلائل پیش کرتا ہے

اس نے کہا یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا۔ حق تعالیٰ کے سامنے تو بندے اپنا حق بیان کر سکتے ہیں تو میں تیرے سامنے بھلا کیوں حجت نہ کر سکوں۔ ہشامؒ نے کہا۔ اچھا کہہ کیا کہتا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کوئی شے چور لے گئے۔ لوگ چور پر لعنت کرنے لگے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بارخدایا اگر وہ چور کسی حاجت کی غرض سے لے گیا ہے۔ تو وہ چیز اسے مبارک ہو۔ اور وہ معصیت پر دلیر ہونیکی وجہ سے چرا کر لے گیا ہے تو یہ گناہ اسکا آخری گناہ ہو۔ یعنی اس گناہ کے بعد تو اسے اور گناہوں سے محفوظ رکھ۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو میں نے طواف میں دیکھا۔ کہ چوروں نے اسکا مال چرا لیا تھا اور وہ رو رہا تھا میں نے پوچھا اے شخص کیا تو مال کے لئے رو رہا ہے اس نے کہا نہیں میں مال کیلئے نہیں روتا۔ بلکہ اس خیال سے رو رہا ہوں۔ کہ میں نے فرض کیا کہ وہ چور کل قیامت کے روز میرے ساتھ کھڑا ہو اور اپنے اس گناہ کا کچھ عذر نہیں کرتا مجھے رحم آیا اور میں اس تصور سے رو رہا ہوں۔ کچھ قیدیوں کو مروان بن عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا وہاں ایک بزرگ بھی تشریف فرما تھے انہوں نے عبدالملک سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ جو امر تجھے مطلوب تھا وہ حاصل ہو گیا یعنی تجھے انپر فتحمندی حاصل ہو گئی۔ اب جو کچھ حق تعالیٰ چاہتا ہے تو اس پر عمل کر۔ یعنی انکو معاف کر دے۔ عبدالملک نے تمام قیدیوں کا قصور معاف کر دیا۔ انجیل میں ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ سے اپنے ظالم کیلئے بخشش چاہتا ہے شیطان اس سے بھاگتا ہے۔ تو آدمی کو چاہیئے کہ جب غصہ آئے تو معاف کر دے اور کاموں میں نرمی کرے تاکہ غصہ نہ آئے حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ اے عائشہؓ جسے حق تعالیٰ نے نرمی کی صفت سے بہرہ ور کیا۔ وہ دین میں کامیاب ہوا۔ اور جس کو نرمی کی صفت سے محروم رکھا وہ دین و دنیا کی نیکیوں سے محروم رہا اور فرمایا حق تعالیٰ رفیق ہے اور رفیق آدمی کو دوست رکھتا ہے اور جو کچھ رفق یعنی نرمی سے عنایت کرتا ہے وہ سختی کرنے سے عنایت نہیں کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ کہ ہر کام میں نرمی کا خیال رکھا کرو کیونکہ جس کام میں نرمی ہوتی ہے وہ ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور جس کام میں نرمی نہ ہو۔ وہ بگڑ جاتا ہے اور خراب ہو جاتا ہے

حسد اور اسکی آفتوں کے بیان میں

اے عزیز! تجھ پر روشن ہو کہ غصہ کینہ پیدا کرتا ہے اور کینہ حسد پیدا کرتا ہے اور حسد منجملہ مہلکات کے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حسد نیکیوں کو اسطرح ضائع کر دیتا ہے جسطرح آگ لکڑیوں کو اور فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جو تین باتوں سے خالی ہو۔ (۱) گمان بد (۲) حسد (۳) فال بد وغیرہ سے اور میں اسکا علاج بتلاتا ہوں جب تو بدگمانی کرے تو اپنے دل سے اسے تحقیق نہ کر۔ اور اس پر قائم نہ رہ اور جب کوئی فال بد دیکھے تو اسپر اعتماد نہ کر۔ اور جب حسد پیدا ہو تو زبان اور ہاتھوں کو اسپر عمل کرنے سے محفوظ رکھ اور فرمایا اے مسلمانو تم میں وہ چیز پیدا

ہو رہی ہے۔ جس نے تم سے پہلے کی بہت سی امتوں کو تباہ کر دیا۔ اور وہ چیز حسد اور عداوت ہے مجھے اس خدا کی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ کہ جبتک تم ایماندار نہ ہو گے بہشت میں نہ جاؤ گے اور بہشت میں اسوقت تک نہ جاؤ گے۔ جبتک تم ایک دوسرے کے دوست نہ ہو گے اور تم کو اس بات سے آگاہ کرتا ہوں جس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ علانیہ طور پر ایکدوسرے کو سلام کیا کرو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرد کو عرش عظیم کے سایہ کے نیچے دیکھا۔ اور آپ نے اس مرتبہ کی آرزو کی اور کہا حق تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا بڑا مرتبہ ہے۔ پوچھا۔ یہ کون شخص ہے اور اسکا نام کیا ہے حق تعالیٰ نے نام نہ بتایا۔ لیکن فرمایا کہ میں اسکے فعل سے تمہیں خبر دیتا ہوں۔ اس نے کبھی بھی حسد نہ کیا تھا۔ اور اپنے ماں باپ کا فرمانبردار تھا اور نہ ہی اس نے کبھی چغلخوری کی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حاسد میری نعمت کا دشمن ہے اور میرے حکم پر خشمگین ہوتا ہے اور جو تقسیم میں نے اپنے بندوں کے درمیان کی ہے اسے ناپسند کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چھ گروہ گناہوں کے عوض میں دوزخ میں جائیں گے بلا حساب کے (۱) امیر (حکام) لوگ ظلم کیوجہ سے (۲) غریب تعصب کی وجہ سے (۳) مالدار تکبر کیوجہ سے (۴) سوداگر خیانت کی وجہ سے (۵) گنوار نادانی کیوجہ سے (۶) علماء حسد کی وجہ سے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا حضورؐ نے فرمایا کہ اسوقت اہل بہشت میں سے کوئی شخص آتا ہے۔ اتنے میں ایک مرد انصار میں سے آ گیا ایسی حالت میں کہ جوتیاں اسکے دائیں ہاتھ میں تھیں اور وضو کا پانی ڈاڑھی سے ٹپک رہا تھا۔ دوسرے دن بھی حضورؐ نے یہی فرمایا۔ تب بھی وہی شخص حاضر حضورؐ ہوا۔ حتیٰ کہ تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاص نے چاہا۔ کہ وہ کونسا عمل کرتا ہے۔ اس کے نزدیک گئے۔ اور کہا میں اپنے باپ سے ناراض ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ تین راتیں تمہارے پاس بسر کروں۔ اس نے جواب دیا۔ بہت بہتر پہلی رات دیکھتے رہے لیکن کوئی عمل ایسا نہ دیکھا۔ سوائے اسکے کہ جب کبھی وہ خواب سے بیدار ہوتا۔ حق تعالیٰ کو یاد کرتا۔ پھر آپ نے اس سے کہدیا کہ میں باپ سے ناراض نہیں ہوں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے حق میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے اسلئے میری خواہش تھی۔ کہ میں بھی تمہارے عمل سے واقف ہو جاؤں۔ اس نے کہا ہاں یہی عمل تھا جو تم نے دیکھ لیا حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں سے چلا تو اس نے مجھ کو آواز دی اور کہا ایک بات اور ہے جو میں تمہیں بتلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے کبھی بھی کسی پر حسد نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا ہاں اسی سے تو تیرا یہ مرتبہ ہے۔ عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بادشاہ کو نصیحت کی اور کہا کہ کبر سے دور رہ کیونکہ پہلا گناہ جو حق تعالیٰ کے نزدیک کیا گیا۔ وہ کبر تھا۔ کیونکہ ابلیس نے جو سجدہ نہ کیا وہ کبر ہی کی وجہ سے تھا اور حرص سے بھی دور رہ کیونکہ حرص ہی نے آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا۔ اور حسد سے بھی بچ۔ کیونکہ سب سے پہلا خون جو بہایا گیا وہ

حسد ہی کی وجہ سے تھا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ اور جب صحابہؓ کے متعلق باتیں کیجائیں یا حق تعالیٰ کی صفات کا ذکر کیا جائے۔ یا نجوم کے متعلق گفتگو کی جائے تو خاموش رہ۔ اور اپنی زبان کو محفوظ رکھ۔ بکر بن عبداللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرد تھا جو ہر روز بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر کہتا کہ نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرو کیونکہ بدعمل کیلئے تو خود بدعملی ہی کافی ہے اسے اسکے کردار ہی پر چھوڑ دے۔ اور بادشاہ اس شخص کو اس وجہ سے عزیز سمجھتا تھا۔ ایک شخص نے اس مرد خدا کے اس مرتبہ پر حسد کیا۔ اور بادشاہ سے کہا۔ کہ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ کا دہن گندا ہے بادشاہ نے کہا۔ تیرے اس بیان کے سچا ہونیکی دلیل کیا ہے۔ اس نے کہا۔ جب تو اسکو اپنے پاس بلائیگا۔ تو دیکھے گا کہ اس نے اپنے ناک پر ہاتھ رکھا ہوگا۔ تاکہ بدبو سے محفوظ رہے پھر وہ حاسد شخص اس نیک مرد کے پاس گیا اور اسکو ایسا طعام کھلایا جسمیں لہسن ملا ہوا تھا۔ پھر جب بادشاہ نے اسکو اپنے پاس بلایا۔ تو اس نے اپنے دہن پر ہاتھ رکھ لیا تاکہ لہسن کی بدبو بادشاہ تک نہ پہنچے۔ بادشاہ نے اس حاسد کی بات پر یقین کر لیا۔ بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے قلم سے سوائے فرمان خلعت و انعام کے اور کوئی چیز نہ لکھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اپنے ایک غلام کو لکھا کہ حامل فرمان کا سر کاٹ لو۔ اور اسکی کھال میں بھس بھر کر میرے پاس بھیجدو۔ بادشاہ نے یہ حکم لکھ کر اسپر اپنی مہر کردی اور لفافہ بند کر دیا اور اس مرد خدا کے حوالہ کیا۔ جب وہ نیک مرد بادشاہ سے رخصت ہو کر باہر نکلا تو حاسد نے اسکو دیکھا اور کہا۔ کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ فرمان خلعت ہے۔ اس نے کہا۔ یہ مجھے دیدو۔ اس نے اس حاسد کو دیدیا۔ وہ حاسد اس فرمان کو لے کر عامل کے پاس آیا۔ عامل نے کہا اس میں تحریر ہے کہ میں تمہیں قتل کر دوں اور تمہاری کھال میں بھس بھر دوں۔ اس حاسد نے جواب دیا اللہ اللہ یہ حکم تو دوسرے کیلئے لکھا ہے تم بادشاہ سے پھر دریافت کر لو۔ اس غلام نے جواب دیا۔ بادشاہ کے فرمان کو دوبارہ نہیں پوچھا کرتے اور اس حاسد کو قتل کر دیا دوسرے دن وہ نیک مرد حسب معمول بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا اور وہی الفاظ کہے بادشاہ اسکے زندہ رہنے پر متعجب ہوا۔ اور کہا۔ وہ خط تو نے کیا کیا۔ اس نے جواب دیا فلاں شخص نے مجھ سے لے لیا ہے بادشاہ نے کہا۔ وہ کہتا تھا۔ تو میرے حق میں یہ کلمات کہتا ہے اس نے جواب دیا۔ میں نے ایسا نہیں کیا۔ بادشاہ نے کہا۔ بھلا پھر تم نے اپنے دہن اور ناک پر ہاتھ کیوں رکھا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ اس حاسد نے مجھکو لہسن کھلا دیا تھا۔ بادشاہ نے کہا تو ہر روز یہی کہتا ہے کہ بدکردار کیلئے اسکا عمل ہی کافی ہے تو اس بدکردار کو واقع میں اسکی بدکرداری کافی ہوگئی

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے بارہ میں میں نے کبھی بھی کسی پر حسد نہیں کیا۔ اگر وہ اہل بہشت میں سے ہے تو پھر دنیا کی قدر اسکی آنکھوں میں کیا ہو سکتی ہے اس نعمت کے مقابلہ میں جو اسے حاصل ہوگی۔ اور اگر وہ اہل دوزخ میں سے ہے تو پھر اسکو اس دنیا کی نعمتوں سے کیا فائدہ۔ جبکہ وہ آتش دوزخ میں جلایا جائیگا۔ ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا مومن بھی حسد کرتا ہے آپ نے فرمایا۔ کیا تجھے حضرت یعقوب علیہ السلام کے لڑکوں

کا قصہ یاد نہیں۔ اگر رنج سینہ میں ہو۔ اور اسپر عمل نہ کیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے۔ اسکو نہ حسد ہوتا ہے اور نہ ہی خوشی ہوتی ہے۔

حقیقتِ حسد

جاننا چاہیئے۔ کہ حسد یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کسی شخص کو کچھ نعمت دیوے اور تو اس پر بُرا منائے اور اسکی نعمت کا زوال چاہے۔ اور یہ حرام ہے اور حدیث کی رو سے بھی۔ اور اس دلیل سے بھی کہ یہ حق تعالیٰ کے احکام پر بُرا منانا ہے اور یہ خبثِ باطن کی دلیل ہے کہ جو نعمت تجھے حاصل نہ ہو۔ اور دوسرے کو ہے تو اسکی اس نعمت کا زوال چاہنا سوائے خبثِ باطن کے نہ ہوگا۔ اور اگر تو یہ چاہے کہ تجھے بھی اس جیسی نعمت حاصل ہو تو یہ منع نہیں اسکو غبطہ اور منافسہ کہتے ہیں اور اگر یہ آرزو دین کے معاملہ میں ہو تو نیک ہوگی۔ اور واجب بھی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یعنی تم اپنے آپکو ایک دوسرے سے آگے بڑھاؤ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حسد دو چیزوں میں ہوتا ہے ایک تو یہ کہ حق تعالیٰ کسی شخص کو مال اور علم دونوں عنایت فرمائے اور وہ اپنے مال کو علم کے مطابق صرف کرے اور دوسرا شخص کہ جس کے پاس صرف علم ہے۔ مال نہیں ہے وہ یہ کہے کہ اگر حق تعالیٰ مجھے بھی مال عطا کرتا تو میں بھی اسطرح صرف کرتا۔ تو یہ دونوں شخص ثواب میں ایکدوسرے کے برابر ہیں دوسری قسم یہ کہ کوئی شخص اپنے مال کو فسق و فجور میں صرف کرتا تو یہ دونوں شخص گناہ میں برابر ہیں۔ اور اس آفت کا نام بھی حسد ہے مگر اس میں دوسرے کی نعمت پر کراہیت نہیں ہوتی اور کراہیت کسیطرح بھی درست نہیں اگر کوئی نعمت کسی ظالم اور فاسق کو ملے اور وہ اسکے ظلم و فسق کا موجب ہو۔ تو اسکی نعمت کا زوال چاہنا درست ہے۔ اور یہ درحقیقت فسق و ظلم کا زوال چاہنا ہے نعمت کا زوال چاہنا نہیں ہے۔ اور اسکی علامت یہ ہے کہ جب وہ فاسق و ظالم شخص اپنے فسق و ظلم سے تائب ہو جائے تو زوال چاہنے والا پھر کراہیت نہ کرے۔ اور اس مقام پر ایک نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً حق تعالیٰ کسی شخص کو کچھ نعمت عطا کرے اور کوئی دوسرا بھی اسی قسم کی نعمت چاہے۔ چونکہ اسے میسر نہیں ہوئی۔ شاید یہ آدمی اس تفاوت کے سبب سے ناکارہ نہ رہے تو زوالِ نعمت کے سبب سے یہ تفاوت جاتا رہنا اس آدمی کے دل پر سکتر ہوگا۔ اسکے رہنے سے اور خوف یہ ہوتا ہے کہ طبیعت اس خواہش سے خالی نہ ہو۔ مگر جب اس سے کراہیت رکھیگا تو ایسا ہو جائے گا۔ کہ اگر اس آدمی کا کام اسکے قبضہ و قدرت میں ہو جائے۔ تو یہ اسکی نعمت چھین نہ لے گا پس طبیعت میں اس قدر رہنے سے ماخوذ نہ ہوگا۔

حسد کے علاج کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ حسد دل کی بڑی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے اور اسکا علاج علمی و عملی معجون سے کیا جاتا ہے معجون علمی یہ ہے کہ حاسد یہ جان لے کہ اسکا حسد کرنا اسکی اپنی ذات کیلیئے دین و دنیا میں نقصان کا موجب ہے اور محسود کیلیئے دنیا میں اور آخرت میں نفع ہی نفع ہے۔ حاسد کیلیئے دنیا میں نقصان یہ ہے۔ کہ وہ ہمیشہ غم و اندوہ و عذاب میں رہتا ہے اور کسی وقت بھی اس سے نجات نہیں ملتی۔ کیونکہ کوئی وقت بھی خالی نہیں رہتا کہ کسی نہ کسی کو نعمت نہ پہنچی ہو اور جو رنج و غم اپنے دشمن کیلیئے چاہتا ہے۔ آپ خود اس میں مبتلا رہتا ہے پس دنیا میں حسد کے غم سے زیادہ اور کوئی غم نہیں۔ اور یہ کیسی بے عقلی کی بات ہے۔ کہ وہ اپنے دشمن کے سبب سے اپنے آپکو تکلیف میں رکھتا ہے حالانکہ دشمن کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی تقدیر میں اس نعمت کیلیئے ایک مقررہ میعاد ہے اور اسمیں کسی قسم کی تبدیلی کا ہونا بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ تقدیر ازلی ہی تو اس نعمت کا موجب ہے۔ اور بعض لوگ اسے طالع سعد سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہرحال اس پر سب متفق ہیں کہ اس میں کسی قسم کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب ایک نبی علیہ السلام ایک عورت کی سلطنت کیوجہ سے درماندہ ہوئے اور حق تعالیٰ کی درگاہ میں شکایت کی تو وحی نازل ہوئی فِرَّ مِنْ قُدَّامِهَا حَتّٰی تَنْقَضِیَ اَیَّامُهَا یعنی اسکے روبرو سے بھاگ جا۔ یہانتک کہ اسکی مدت پوری ہو جائے۔ کیونکہ روز ازل میں جتنی میعاد مقرر ہو چکی ہے۔ اسمیں کمی نہیں ہو سکتی۔ پھر ایک نبی علیہ السلام ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے انہوں نے بہت گریہ و زاری کی۔ اور نہایت خشوع و خضوع سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی۔ حق تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ جس دن میں نے زمین و آسمان کا اندازہ مقرر کیا تھا تیری قسمت میں یہی آیا تھا۔ کیا اب تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے واسطے پھر نئے سرے سے قسمت کروں۔ اگر کوئی حاسد کسی کی نعمت کا زوال چاہے۔ تو وہ اس حسد سے اپنی نعمت کو ضائع کریگا اگر کوئی شخص کافروں کی نعمت پر حسد کریگا۔ تو وہ اپنے ایمان کی نعمت بھی کھو بیٹھے گا۔ جیسے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ۔ پس حاسد کیلیئے حسد ایک عذاب ہے۔ اور آخرت کیلیئے نقصان کا موجب ہے۔ کیونکہ حسد کرنے سے حق تعالیٰ کے احکام کیساتھ نارضامندی کا اظہار کرنا ہے اور اسکی قسمت سے کراہت اور انکار کرنا ہے۔ جو حق تعالیٰ نے اپنے کمال حکمت کیساتھ فرمائی ہے اور کسیکو اسکے بھید سے واقف نہیں کیا تو حسد میں اس سے زیادہ کیا جنایت ہو سکتی ہے۔ پھر اسمیں مسلمانوں پر نامہربان ہونا بھی پایا جاتا ہے کیونکہ وہ انکی بدخواہی میں ابلیس کا شریک ہوا۔ اور اس سے زیادہ اور کونسی شامت اعمال ہو سکتی ہے اور محسود کیلیئے اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے۔ کہ اسکا حاسد ہمیشہ رنج و عذاب میں رہے۔ اور حسد سے بڑھ کر اور کونسا عذاب ہو سکتا ہے کیونکہ حاسد کی طرح کوئی ظالم مظلوم جیسا نہیں ہو جاتا۔ اگر محسود کو حاسد کے آنے کی خبر آتی ہے تو وہ رنجیدہ ہوتا ہے کیونکہ

وہ چاہتا ہے۔ کہ میں نعمت کے لحاظ سے ہمیشہ محسود رہوں۔ اور حاسد ہمیشہ حسد کے رنج میں مبتلا ہے اور شاید حاسد زبان اور عمل سے بھی ظلم کرے اور اسوجہ سے اسکی نیکیاں محسود کے اعمالنامہ میں لکھدیں۔ اور محسود کے گناہ حاسد کے ذمہ لگا دیئے جائیں۔ پس حاسد کی غرض تو یہ تھی۔ کہ محسود دنیا کی نعمت سے محروم رہے حالانکہ آخرت کی نعمت بھی اسے دیدی گئی اور حاسد کو دنیا میں سوائے رنج اور عذاب کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہوا پس اس نے تو یہ خیال کیا تھا۔ کہ میں اپنا دوست اور محسود کا دشمن ہوں۔ لیکن اگر غور کرے تو حقیقت میں اپنا دشمن اور محسود کا دوست ہے اور اپنے آپکو مغموم اور غمگین رکھتا ہے۔ اور ابلیس جو انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اسکو خوش ہونے کا موقع دیتا ہے۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ حاسد علم و ورع اور جاہ و مال کی نعمت سے محروم ہے تو اس نے خیال کیا۔ کہ اگر یہ راضی رہیگا تو آخرت کا ثواب حاصل ہوگا۔ تو اس نے چاہا کہ وہ ثواب آخرت سے محروم رہے سو وہ حسد کرنے سے محروم ہوگیا۔ کیونکہ جو شخص علماء اور دیندار ونکو دوست رکھتا ہے اور انکی جاہ و حشمت سے راضی رہتا ہے۔ وہ قیامت کے دن اسی کی ہمراہی میں ہوگا۔ کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ ثواب اسے ہے جو عالم ہو یا متعلم یا انکا دوست ہو۔ اور حاسد ان تینوں ثوابوں سے محروم رہتا ہے۔ اور حاسد کی مثال اس شخص کی ہے جو اپنے دشمن کو مارنے کیلئے پتھر پھینکے اور وہ پتھر بجائے دشمن کو لگنے کے خود اسی کو لگے۔ اور اسکی داہنی آنکھ پھوٹ جائے اور اس پر اسے اور غصہ آئے۔ پھر ایک اور پتھر لگائے اور وہ بھی اسکی بائیں آنکھ پر لگے جس سے بائیں آنکھ بھی ضائع ہو جائے اور وہ پھر ایک اور پتھر مارے۔ جو اس کے اپنے ہی سر پر لگے۔ حتیٰ کہ اپنے آپکو مار کر تباہ کر ڈالے اور دشمن بالکل محفوظ رہے اور دوسرے دشمن اسکی حالت دیکھ دیکھ کر ہنسیں۔ بعینہٖ یہی حالت حاسد کی ہے شیطان اسکے ساتھ تمسخر کرتا ہے اور یہ سب حسد کی آفات ہیں۔ پھر اگر نوبت یہانتک پہنچ جائے کہ حاسد دست و زبان سے غیبت کرے اور جھوٹ بولے اور حق کا انکاری ہو جائے۔ تو اسکا ظلمہ اور بھی زیادہ ہو جائیگا پس جو شخص حسد کا زہر قاتل ہونا جان لے۔ اور عقل سے کام لے تو اس سے حسد سے چھوٹ جائیگا۔ اور عملی علاج یہ ہے کہ محنت اور مشقت سے حسد کے اسباب کی دل سے بیخکنی کرے۔ کیونکہ کبر، عجب، عداوت، جاہ و مال کی محبت وغیرہ حسد کا اسباب ہیں جیسا کہ غصہ کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ پھر ان جڑوں کا اپنے دل سے اکھیڑ ڈالنا ہی سہل ہے۔ تاکہ حسد خود نہ رہے پس جب حسد پیدا ہو۔ تو اسکو اسطرح روکے اور ٹھہرائے کہ جو کچھ حسد کہے اسکے خلاف عمل کرے۔ مثلاً اگر حسد کسیکی مذمت کرنا چاہتا ہے تو اس کی تعریف کرے اور جب حسد تکبر کرنیکو کہے تو عاجزی کو کام میں لائے۔ اور جب کسی کی نعمت کے زائل کرنیکا حکم دے تو اسکی مدد کرے اور اس سے زیادہ اچھا اور کوئی علاج نہیں کہ پس پشت اسکی تعریف کرے اور اسکے کام کو بالا کرے تاکہ سنکر اسکا دل خوش ہو۔ اور اسکا عکس خود اسکی اپنی طبیعت پر بھی پڑیگا۔ اور عداوت کا سلسلہ ختم ہو جائیگا جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔ پس اس مقام پر

شیطان اسطرح بھڑکاتا ہے۔ یعنی کہتا ہے کہ اگر تو اسکی تعریف کریگا تو لوگ تجھے کمزور خیال کرینگے پس اے عزیز تجھے اس معاملہ میں اختیار ہے۔ چاہے تو حق تعالیٰ کی تابعداری اختیار کر یا شیطان کی۔ اور اے عزیز! تو اس بات کو سمجھ لے کہ دوا نہایت تلخ ہے۔ آدمی اسپر صابر نہیں رہ سکتا۔ مگر علم کی قوت سے یہ طاقت حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ اسپر صبر کرلے اور یہ خیال کرے۔ کہ دین و دنیا میں میری نجات اسی پر منحصر ہے۔ اور حسد دین و دنیا میں میرے لئے تباہی کا موجب ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی دوا ایسی نہ ہو جس میں تکلیف اور تلخی کو برداشت نہ کرنا پڑے اسباب سے امید قطع کر لینی چاہیئے جب بیماری ہو تو شفا کی خاطر دوا کی تلخی اور تکلیف کو برداشت کرنا چاہیئے۔ ورنہ بیماری ہلاکت کا موجب ہوگی۔ اور تکلیف خواہ مخواہ بڑھ جائیگی۔

فصل

اے عزیز اگر تو مجاہدہ کی کثرت کام میں لائیگا۔ تو یہ امر غالب ہے کہ جس نے تم کو ستایا ہو۔ اور جو تیرا دوست ہو تو دل سے ان دونوں میں فرق کر سکے اور دونوں کی نعمت اور محنت کو تو برابر خیال نہ کرے بلکہ دشمن کی نعمت سے تو بالطبع کارہ ہو جائے اور اپنی طبیعت پھیرنے کیلئے تو مکلف نہیں۔ کیونکہ یہ امر تیرے اختیار سے باہر ہے تو دو چیزوں کا مکلف ہوسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ تو اس طبعی کراہیت کو قول و فعل سے ظاہر کرے دوسرے یہ کہ عقلاً کراہیت کرے۔ اور اسطرح سے اپنے دل میں انکار رکھے۔ اور اس بات کی خواہش رکھے کہ مجھ سے یہ صفت جاتی رہے جب تو ایسا کریگا تو حسد کے وبال سے نجات حاصل کرلیگا لیکن اگر قول و فعل سے ہرگز ظاہر نہ کرے اور یہ صفت جو تجھ میں موجود ہے۔ اس سے اپنے دل میں کراہیت بھی نہ کرے تو بعض علماء کے نزدیک اسوجہ سے تجھے ماخوذ نہ کیا جائیگا لیکن صحیح یہ ہے۔ کہ ماخوذ ہوگا۔ کیونکہ حسد کو حرام کہا گیا ہے۔ اور یہ دل کا کام ہے بدن کا کام نہیں اور جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کا خواہاں ہو اور اسکی خوشی سے وہ غمگین رہے تو اس قسم کا شخص ضرور ماخوذ ہوگا اور اگر تو اس صفت سے کراہیت رکھیگا تو حسد کے وبال سے نجات حاصل کریگا۔ اور حسد سے اسی شخص کو نجات حاصل ہوسکتی ہے جسپر توحید غالب ہو کسی شخص کو بھی دوست و دشمن خیال نہ کرے۔ ہر شخص کو خدا کا بندہ جانے اور تمام امور کو ایک ہی جگہ سے خیال کرے۔ اس قسم کی حالت نہایت کمیاب و نادر ہوتی ہے۔ صرف چمک دیجاتی ہے اور زیادہ دیر تک قیام نہیں کرتی

اصل پنجم | دنیا کی صحبت کے بیان میں اور اس امر کے اعلان میں کہ دنیا کی الفت تمام گناہوں کی سردار ہے

اے عزیز! اس بات کو سمجھ لے کہ دنیا تمام سرونکی سر ہے اور اسکی الفت و محبت تمام گناہونکی اصل ہے اور بھلا اس چیز سے زیادہ اور کونسی چیز شوم ہوسکتی ہے۔ جو حق تعالیٰ کی دشمن اور حق تعالیٰ کے دوستوں کی دشمن اور دشمنوں

کی دشمن ہو۔ خدا کی دشمن تو اسطرح ہوتی ہے۔ کہ حق تعالیٰ کی راہ میں بندونکی راہزن ہے۔ تاکہ بندے حق تعالیٰ تک نہ پہنچ سکیں۔ اور خدا کے دوستوں کے ساتھ اسطرح دشمنی کرتی ہے۔ کہ انکو اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ اور انکی آنکھوںمیں اپنے آپکو بناتی سنوارتی ہے۔ تاکہ وہ اس پر صبر کرنے میں تلخیاں اور مصیبتیں برداشت کریں۔ اور حق تعالیٰ کے دشمنوںکے ساتھ اسطرح پیش آتی ہے کہ حیلہ وفن سے انہیں اپنے دام میں کھینچتی ہے۔ اور جب وہ اس پر فریفتہ ہوجاتے ہیں تو پھر ان سے بھاگتی ہے اور انکے دشمنوں کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔ اور ایک آوارہ رنڈی کی طرح ایک مرد سے دوسرے مرد کی بغل میں جارہتی ہے۔ حتیٰ کہ آدمی کبھی اس دنیا میں اسکا رنج اور کبھی اسکے فراق کی حسرت برداشت کرتا ہے اور انجام کار حق تعالیٰ کا عذاب دیکھتا ہے۔ دنیا کے پھندے سے صرف وہی شخص نجات پاتا ہے۔ جو اسکی آفتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور اس سے پرہیز کرتا ہے۔ اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا سے بچو۔ کیونکہ اسکا جادو ہاروت اور ماروت کے جادو سے بھی زیادہ ہے۔ ہم نے دنیا کی حقیقت اور آفتوں کو کتاب کے شروع تیسرے عنوان میں ذکر کردیا ہے اب اس جگہ وہ احادیث بیان کی جاتی ہیں جو دنیا کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ اور قرآن کریم میں اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔ اور قرآن اور دیگر کتب سماوی کے نزول کا مقصد صرف یہی ہے۔ کہ مخلوق کو دنیا سے آخرت کی طرف بلایا جائے۔ اور لوگوں کو دنیا کی آفات اور بلاؤں سے آگاہ کردیا جائے تاکہ وہ اس سے پرہیز کریں۔

احادیث کی رُو سے دُنیا کی مذمّت

اے عزیز! جان کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک مُردہ بکری کے قریب سے گزرے فرمایا۔ دیکھو یہ مردار کس درجہ خوار و ذلیل ہے کہ کوئی اسکی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اور فرمایا قسم ہے اس خدا کی جسکے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ کہ حق تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہے۔ اگر دنیا کا درجہ حق تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر جیسا بھی ہوتا تو کوئی کافر ایک چلو پانی تک نہ پیتا۔ اور فرمایا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے سوائے اسکے جو حق تعالیٰ کیلئے ہو۔ اور فرمایا دنیا کی محبت تمام گناہوں کی سردار ہے۔ اور فرمایا جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہے وہ آخرت کا نقصان کرتا ہے۔ اور جو شخص آخرت کو دوست رکھتا ہے وہ دنیا کا نقصان برداشت کرتا ہے تو جو چیز باقی رہنے والی نہ ہو اسے چھوڑ کر اس شے کو اختیار کرو جو باقی رہنے والی ہو۔ یعنے دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کرو۔ حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ میں ایکدفعہ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تھا لوگ آپکے لئے پانی میں شہد گھولکر لائے آپ نے اپنے منہ کے پاس لیجا کر لوٹا دیا۔ اور اسقدر شدت سے روئے کہ ہم سب رونے لگے اور چپ ہو کر پھر رونے لگے۔ ہم میں سے کسیکو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وجہ پوچھ سکے۔ جب آپ نے آنکھیں پونچھ لیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا خلیفۂ

رسول اللہ یہ کیا واقعہ تھا۔ فرمایا میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ دیکھا کہ حضورؐ دست مبارک سے کوئی شے اپنے پاس سے دور فرماتے تھے۔ لیکن کوئی شے دکھائی نہ دیتی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دنیا اپنے آپکو مجھ پر پیش کرتی تھی۔ لیکن میں نے اُسے دور کیا۔ لیکن باوجود دور کرنیکے وہ پھر آئی اور کہنے لگی۔ اگر آپ مجھ سے بچ گئے تو بچگئے لیکن وہ لوگ جو آپکے بعد ہونگے وہ مجھ سے نہ بچ سکیں گے اب میں جو رو دیا تو اس خوف سے کہ اس نے مجھے پایا۔ اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے کوئی شے ایسی پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک دنیا سے زیادہ ذلیل اور دشمن ہو۔ حق تعالیٰ نے جب سے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اسکی طرف دیکھا تک نہیں اور فرمایا دنیا برباد شدہ لوگوں کا گھر مفلسوں کا مال ہے۔ اسے وہی جمع کرتا ہے جو بے عقل ہو اور اسکی طلب میں وہی شخص عداوت کرتا ہے جو علم سے بے بہرہ ہو۔ اور اسپر حسد وہ کرتا ہے جو فقہ سے ناواقف ہو اور فقہ کا طالب وہ ہوتا ہے جو بے یقین ہو اور فرمایا جو صبح کو اٹھے اور اس کی ہمت دنیا کی طرف ہو وہ حقتعالیٰ کے مردوں میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کیواسطے دوزخ ٹھکانا ہے اور اس کیلئے چار خصلتوں کا ہونا لازمی ہے ایک دائمی رنج دوسرے ایسا شغل جس سے اسے فراغت نہ ہو تیسرے دائمی فقیری چوتھے امید بے نہایت۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ کیا تو چاہتا ہے۔ کہ میں تجھے دنیا دکھادوں یہ فرماکر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک کوڑی پر لے گئے۔ جہاں کہ کچھ کھوپریاں اور لتّے اور لوگوں کی پلیدی وغیرہ پڑی تھی فرمایا اے ابوہریرہؓ تمہارے سروں کیطرح یہ سر بھی کبھی حرص و ہوا سے بھرے ہوئے تھے آج بلا پوست کے ہڈیاں ہیں اور جلدی خاک ہوجائیں گے اور یہ پلیدی وہ گوناگوں کھانے ہیں جنہیں بڑی محنت سے لایا گیا۔ اور اب اسطرح پھینکدیا ہے کہ تمام لوگ ان سے بھاگتے ہیں اور یہ لتّے جو ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ لباس فاخرہ ہیں اور یہ ہڈیاں انکے چارپایوں اور سواریوں کی ہیں کہ جنکی پیٹھ پر چڑھ کر وہ جہان کے گرد گھومتے تھے پس تمام دنیا یہی ہے جو میں تمہیں دکھا رہا ہوں پس جو شخص دنیا پر رونا چاہے۔ اسے کہدو کہ روئے کیونکہ یہ رونے ہی کا مقام ہے۔ چنانچہ جو شخص حاضر تھا وہ رونے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جب سے دنیا کو پیدا کیا ہے یہ زمین و آسمان کے درمیان لٹک رہی ہے حق تعالیٰ نے بالکل اس کیطرف توجہ نہیں کی دنیا قیامت کے روز حق تعالیٰ سے عرض کریگی یا الٰہ العلمین اپنے بندوں میں جو سب سے کمتر ہے مجھے اسکے حوالہ کردے حقتعالیٰ فرمائیگا۔ اے ناچیز چپ رہ۔ دنیا میں تو میں نے پسند نہ کیا کہ کوئی تجھے حاصل کرے بھلا آج کیسے پسند کرونگا اور فرمایا۔ قیامت میں کچھ لوگ ایسے بھی آئیں گے جنکے اعمال تہامہ کے پہاڑوں جتنے ہونگے اور ان لوگوں کو دوزخ میں بھیجدیا جائیگا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ لوگ نمازی ہونگے۔ فرمایا۔ ہاں نمازی ہونگے۔ روزہ دار ہونگے شب بیدار ہونگے لیکن دنیا پر مائل ہونگے حضورؐ ایک دن باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے کون ایسا شخص ہے۔ جو اندھا ہو

اور یہ چاہتا ہو کہ حق تعالیٰ مجھے بینا کر دے۔ تم یہ جان لو کہ جس شخص کو دنیا مرغوب ہوتی ہے وہ زیادہ امید رکھتا ہے حق تعالیٰ اسکے دل کو اسیقدر اندھا کر دیتا ہے۔ اور جو شخص دنیا میں نیک و زاہد ہوتا ہے اور تھوڑی امید رکھتا ہے حق تعالیٰ اسکو بلا اسکے کہ وہ کسی سے سیکھے بڑا علم عنایت کرتا ہے اور بلا کسی زاہد کی راہبری کے اسکی راہنمائی فرماتا ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ جناب سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بحرین سے کچھ مال روانہ کیا تھا۔ اور انصار نے یہ سن پایا تھا۔ اسلئے صبح کی نماز میں کافی ہجوم تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔ تو سب حضورؐ کے سامنے آموجود ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا شاید تم سب نے سنا ہوگا کہ مال آیا ہے انہوں نے عرض کیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا تم کو خوشخبری ہو۔ آئندہ ایسے کام ہونگے جو تمہارے لئے خوشی کا موجب ہونگے۔ مجھے تمہاری محتاجی کا خوف نہیں۔ بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں دنیا کا مال کثرت سے دے جیسکہ ان لوگوں کو عطا کیا جو تم سے پہلے تھے اور پھر تم حق تعالیٰ سے منافسہ کرو جیسے کہ پہلوں نے کیا۔ اور ہلاک ہو جاؤ۔ جیسکہ وہ ہلاک ہو گئے۔ اور فرمایا کہ دنیا کی یاد میں کسی طرح بھی مشغول نہ ہونا چاہیے حضورؐ نے دنیا کے ذکر سے منع فرمایا ہے بھلا دنیا کی محبت اور طلب کا کیا ذکر ہے۔ حضورؐ کے پاس ایک اونٹنی تھی اور اسے عضبا کہا کرتے تھے وہ تمام اونٹوں سے دوڑنے میں اچھی تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ ایک اعرابی ایک اونٹ لایا اور اس اونٹنی کے ساتھ دوڑایا۔ وہ اونٹ تیز دوڑا۔ اور آگے نکل گیا مسلمان اسپر غمناک ہوئے حضورؐ نے فرمایا حق تعالیٰ دنیا میں کسی ایسی چیز کو سرفراز نہیں کرتا کہ اسے خوار نہ کرے۔ اور فرمایا اسکے بعد دنیا تمہاری طرف اسطرح متوجہ ہو گی۔ کہ تمہارے دین کو تباہ کر دیگی۔ جیسے آگ سردی کو تباہ کر دیتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا کو خدا نہ بناؤ۔ تاکہ وہ تمہیں اپنا بندہ نہ بنائے۔ اور تمہارے پاس ایسا خزانہ ہونا چاہیئے جسکے تلف ہونیکا خطرہ نہ ہو۔ اور ایسے شخص کے پاس رکھو۔ جو اسے ضائع نہ ہونے دے کیونکہ دنیا کا خزانہ آفت سے خالی نہیں ہوتا اور جو خزانہ حق تعالیٰ کیلئے ہوگا۔ وہ محفوظ رہیگا۔ اور فرمایا۔ دنیا و آخرت ایکدوسرے کی ضد ہیں جسقدر ایک کو خوش کرو گے اسیقدر دوسری ناراض ہو گی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ میں نے تمہارے سامنے دنیا کو خاک میں ملا دیا ہے۔ تم پھر اسکو نہ لینا۔ کیونکہ دنیا کی ایک نجاست یہ ہے کہ اسمیں حق تعالیٰ کا گناہ ہوتا ہے اور ایک پلیدی یہ ہے۔ کہ جبتک اسے ترک نہ کرو گے۔ آخرت تک نہ پہنچو گے تم دنیا کے دائرہ سے نکل جاؤ اور اسکے آباد کرنے میں مشغول نہ ہو۔ اور اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ دنیا کی محبت اور خواہش کی زیادتی تمام گناہوں کی سردار ہے اور اسکا ثمرہ بہت بڑا رنج اور مصیبت ہے اور فرمایا۔ جسطرح آگ اور پانی ایک مقام پر نہیں ٹھہر سکتے اسیطرح دنیا اور آخرت کی محبت ایک دل میں جگہ حاصل نہیں کر سکتی۔ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر آپ ایک گھر بنالیں تو کیا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ لوگوں کے گھر میرے لئے کافی ہیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کو بارش، بجلی کی چمک اور بادل کی گرج نے گھیر لیا۔ آپ پناہ کیلئے دوڑتے پھرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے ایک خیمہ دیکھا۔ جب اسمیں داخل ہوئے تو وہاں ایک عورت کو بیٹھے پایا۔ وہاں سے بھاگ نکلے۔ اور ایک غار میں داخل ہوئے وہاں شیر دکھائی دیا۔ وہاں سے بھی باہر نکل آئے اور جناب باری میں عرض کیا۔ کہ بار خدایا تیری ہر مخلوق کیلئے ایک نہ ایک آرام کی جگہ ہے مگر میرے لئے نہیں۔ حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اور ارشاد کیا میری رحمت کا گھر تیرا مقام ہے یعنی بہشت تیرے لئے آرام کی جگہ ہے۔ بہشت میں سو حوریں تجھے عنایت کرونگا۔ انکو میں نے خاص اپنے دست کرم سے پیدا کیا ہے۔ چار ہزار برس تک تیری شادی کا جشن رہیگا۔ اور ہر دن دنیا کی کئی عمروں کے برابر ہوگا اور تمام دنیا کے زاہدوں کو تیری شادی میں شامل ہونیکی دعوت دونگا اور وہ سب حاضر ہونگے ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ ایک شہر میں سے گزرے راہ میں تمام لوگوں کو مردہ پایا۔ فرمایا اے لوگو۔ یہ سب حق تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوئے ہیں ورنہ قبروں میں ہوتے۔ حواریوں نے کہا کہ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کس سبب سے مرے ہیں اسی رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بلند ٹیلہ پر چڑھے اور بلند آواز سے پکارا کہ اے شہر والو ایک شخص نے جواب دیا لبیک روح اللہ! فرمایا تمہارا کیا معاملہ ہے اس نے عرض کی رات کو ہم اچھے بھلے تھے۔ صبح ہی کے وقت اپنے آپکو دوزخ میں پایا۔ فرمایا کیوں؟ عرض کی اسلئے کہ ہم دنیا کو نہایت پیار کرتے تھے اور گنہگاروں کے مطیع تھے فرمایا تم دنیا کو کیسے دوست رکھتے تھے۔ عرض کی جسطرح لڑکا اپنی ماں کو دوست رکھتا ہے جب دنیا ہمیں حاصل ہوتی تو ہم خوش ہوتے۔ جب حاصل نہ ہوتی ہم پر محزونی اور غمگینی چھا جاتی تھی۔ فرمایا اوروں نے کیوں جواب نہ دیا عرض کیا۔ ان میں سے ہر ایک کے منہ میں آگ کی لگام ہے فرمایا تو کس طرح جواب دے سکا۔ عرض کی میں اُن میں تو تھا لیکن اُن میں سے نہ تھا جب عذاب نازل ہوا تو میں بھی ان میں رہ گیا اور اب دوزخ کے کنارہ پر ہوں مجھے معلوم نہیں کہ نجات حاصل ہوگی یا دوزخ میں ڈالا جاؤنگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے حواریین دنیا و آخرت کی عافیت کے ساتھ جو کی روٹی اور کھاری نمک اور ٹاٹ کا لباس پہننا اور کوڑی پر سونا بہت اچھا ہوتا ہے فرمایا دین کی سلامتی کے ساتھ تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرلو جسطرح کہ اوروں نے دنیا کی سلامتی کے ساتھ تھوڑے سے دین پر قناعت کی ہے اور فرمایا کیلئے لوگ جو ثواب کی غرض سے دنیا کے طالب ہوتے ہیں۔ اگر دنیا سے دستبردار ہو جائیں تو بہت ثواب حاصل کریں ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر سوار چلے جا رہے تھے اور تمام جن و پری جانور اور انسان آپکے جلوس میں تھے آپ اثنائے راہ میں بنی اسرائیل کے ایک عابد کیطرف سے گزرے۔ اس نے عرض اے ابن داؤد علیہ السلام آپکو حق تعالیٰ نے بڑی سلطنت عطا فرمائی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا مسلمان کے نامۂ اعمال میں ایک تسبیح اس سلطنت سے کہیں زیادہ وقیع ہے جو مجھے حاصل ہوئی ہے حدیث شریف میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب گیہوں کھایا تو

رفع حاجت کیلئے بیتاب ہوئے۔ حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا۔ اس نے پوچھا۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے۔ اسے کہیں رکھوں۔ اس نے کہا۔ حق تعالیٰ نے جنت کے تمام کھانوں میں صرف گیہوں ہی میں یہ تاثیر رکھی ہے۔ اب آپ اسے کہاں رکھنا چاہتے ہیں۔ عرش پہ۔ کرسی پر بہشت کی نہروں میں۔ یا درختوں کے نیچے۔ دنیا میں تشریف لے جایئے ایسی نجاستوں کیلئے مقام موزوں وہی ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ باوجود اس طویل عمر کے آپ نے دنیا کو کیسے پایا فرمایا جیسے دو دروازوں کا گھر۔ ایک دروازہ سے داخل ہوا۔ اور دوسرے دروازہ سے باہر نکل آیا۔ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ ہمیں کوئی ایسی چیز بتایئے۔ جس سے حق تعالیٰ ہمیں دوست رکھے فرمایا دنیا کو دشمن سمجھو۔ تاکہ حق تعالیٰ تمہیں اپنا دوست بنائے۔ احادیث اسی قدر کافی ہیں۔ اب اس بارہ میں بزرگان دین کے اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں حق تعالیٰ کیطرف سے جو چیز تجھے عنایت ہوتی ہے وہ تجھ سے پہلے بھی لوگوں کو عنایت کی جا چکی ہوئی ہے۔ اور تیرے بعد بھی دوسروں کے لئے رہیگی۔ بھلا تو اس سے کیوں دلبستگی پیدا کرتا ہے دنیا میں تیرا حصہ سوائے صبح و شام کے کھانے کے اور کچھ نہیں۔ اتنی تھوڑی شے کیلئے اپنے آپ کو ہلاک نہ کر۔ اور دنیا سے روزہ رکھ۔ یہانتک کہ آخرت میں افطار کر۔ کیونکہ حرص و ہوس دنیا کا سرمایہ ہے اور اسکا فائدہ حصول دوزخ ہے ایک شخص نے حضرت ابوحازم رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے دنیا سے نہایت محبت ہے کیا کروں کہ یہ محبت میرے دل سے جاتی رہے فرمایا جو کچھ کما، حلال طریق سے کما اور بجا طور پر صرف کر پھر تجھے اسکی محبت سے کچھ نقصان نہ پہنچیگا۔ اور حقیقت میں یہ اسلئے کہا گیا کہ جب وہ ایسا کریگا تو خواہ مخواہ دنیا سے نافر ہو جائیگا حضرت یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے کہ دنیا شیطان کی دکان ہے اس سے کچھ نہ لے ورنہ شیطان خواہ مخواہ تیرے پیچھے ہو لیگا۔ حضرت ابوحازم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا سے بچو میں نے سنا ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھیگا۔ قیامت میں اسکو کھڑا کر کے اسکے سر پر منادی کرینگے۔ کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس نے اس شے کو بزرگ جانا جسے حق تعالیٰ نے حقیر جانا۔ لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا دنیا کو آخرت کے عوض فروخت کر ڈال اور دونو کا فائدہ حاصل کر۔ اور آخرت کو دنیا کے عوض فروخت نہ کرتا کہ دونوں کا نقصان برداشت نہ کرے حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ تمام دنیا مجھے بطریق حلال اور بے حساب عنایت فرمائے تو تم جسطرح مردار سے نفرت کرتے ہو میں اس سے نفرت رکھوں۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ جو شخص موت کو برحق سمجھتا ہے تعجب ہے کہ وہ کیونکر خوش ہوتا ہے۔ اور جو شخص دوزخ کو برحق خیال کرتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ وہ کیوں ہنستا ہے اور جو شخص دیکھتا ہے کہ دنیا کسی کے پاس بھی نہیں ٹھہرتی۔ اسپر تعجب ہے کہ پھر وہ کسطرح اس سے دل لگاتا ہے حضرت ابوحازم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ دنیا میں کوئی شے ایسی نہیں جس سے تو خوش ہو اور اسکی تہ میں ایسی شے نہ ہو جو تیری

غمگینی کا باعث ہو۔ خالص خوشی تو حق تعالیٰ نے دنیا میں پیدا ہی نہیں کی حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی دنیا سے جاتا ہے وہ تین حسرتیں ضرور ساتھ لیجاتا ہے ایک تو یہ کہ جو کچھ اس نے جمع کیا تھا۔ اچھی طرح سیر ہو کر نہ کھایا۔ اور جو اسکی امیدیں تھیں وہ پوری نہ ہوئیں اور آخرت کا کام جیسا چاہیئے تھا ویسا نہ کیا حضرت یحییٰ بن معاذ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ عقلمند وہ شخص ہے جو تین کام کرے ایک تو یہ کہ دنیا سے دستبردار ہو جائے قبل اسکے کہ دنیا اسکو چھوڑ دے۔ دوسرے قبر بنوا رکھے قبل اسکے کہ قبر میں داخل ہو تیسرے حق تعالیٰ کو خوش کرے۔ قبل اسکے کہ اسکا دیدار حاصل کرے۔ اور فرمایا کہ دنیا اسقدر شوم ہے کہ اسکی آرزو حق تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہے۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ دنیا چھ چیزوں سے عبارت ہے (۱) کھانا (۲) پینا (۳) پہننا (۴) سونگھنا (۵) سوار ہونا (۶) نکاح کرنا۔ کھانیکی تمام اشیاء میں شہد بہتر ہے اور وہ مکھی کے منہ سے نکلتا ہے پینے کی چیزوں میں پانی سب سے بہتر ہے اس میں سب مخلوق برابر ہے۔ پہننے کی چیزوں میں ریشم سب سے عمدہ ہے اور وہ کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے سونگھنے کی چیزوں میں سے مشک سب سے افضل ہے اور وہ ہرن کا خون ہے سواری کیلئے گھوڑا سب سے بہتر ہے اور مردونکو اسکی پشت پر قتل کیا جاتا ہے تمام خواہشات میں سے زبردست عورت (نکاح) کی خواہش ہے۔ اور اسکا حاصل یہ ہے کہ مرد کی شعشہ دانی عورت سے ملتی۔ اور عورت میں جو شے سب سے بہتر ہے۔ وہ اسے سنوارتی ہے اور جو سب سے بدتر ہے تو اُسی کا متلاشی ہے خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! حق تعالیٰ نے تمہیں ایک کام کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اگر تم اس پر ایمان نہ رکھوگے تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر ایمان رکھتے ہو اور اسے آسان سمجھتے ہو تو احمق ہو۔ حق تعالیٰ نے تم کو ہمیشہ کیلئے پیدا کیا ہے۔ مگر ایک سرائے سے دوسری میں لے جائیگا۔

دنیائے مذموم (بد) کی حقیقت

ہم اسکی ایک فصل معرفت دنیا کے عنوان کے تحت میں بیان کر چکے ہیں اب اس مقام پر صرف یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے (سوائے اس شے کے جو خدا کیلئے ہے) سب کا سب ملعون ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ کیا ہے جو خدا کیلئے ہے اور ملعون نہیں ہے۔ اور جو کچھ اسکے علاوہ ہے ملعون ہے اور اسکی دوستی تمام گناہوں کی جڑھ ہے بس جاننا چاہیئے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے۔ اس سب کی تین اقسام ہیں۔ ایک چیز تو وہ ہے کہ اسکا ظاہر و باطن سب دنیا ہی سے ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسی شے خدا کیواسطے ہو۔ اور وہ سب گناہ ہے نیت اور قصد سے خدا کیلئے نہیں ہو جاتی اور مباح اشیاء میں عیش و عشرت اسی سے ہے کیونکہ وہ محض دنیا ہے اور غفلت و تکبر کا تخم اور تمام گناہوں کا سرمایہ اور دوسری قسم وہ ہے کہ جو صورت

کی رو سے تو خدا کے لئے ہو لیکن ممکن ہے کہ نیت کرنے سے وہ بھی منجملہ دنیا کے ہو جائے اور یہ تین قسم پر ہے ایک فکر دوسرے ذکر تیسرے خواہشات کی مخالفت اگر یہ تینوں چیزیں حق تعالیٰ کی دوستی اور آخرت کیلئے ہوں تو باوجود دنیا میں سے ہونیکے حق تعالیٰ کیلئے ہیں اور اگر فکر سے غرض طلب علم ہو تاکہ اس سے قبولیت عامہ اور وجاہت حاصل کرے۔ اور ذکر سے یہ غرض ہو کہ لوگ اسے پارسا خیال کریں اور خواہشات کی ترک سے یہ مقصد ہو کہ لوگ اسے پارسا خیال کریں تو پھر ان سب کا شمار دنیائے مذموم میں سے ہوگا۔ اگرچہ انکی ظاہری صورت سے یہ روشن ہے کہ یہ خدا کیلئے ہیں۔ اور تیسری قسم وہ ہے کہ ظاہری شکل میں تو وہ حظِ نفس کیلئے ہے لیکن ممکن ہے کہ قصد اور نیت سے حق تعالیٰ کے لئے ہو جائے اور دنیا میں شمار نہ ہو۔ جیسے کہ طعام کھانا۔ اگر قصد عبادت کیلئے قوت حاصل کرنا ہو یا نکاح کرنا اگر نیت اس سے اولاد کا پیدا کرنا ہو۔ اور کچھ مال کا طلب کرنا۔ بشرطیکہ اطاعت کیلئے فراغت حاصل کرنا مقصود ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا کو لاف و تفاخر کیلئے طلب کرتا ہے وہ حق تعالیٰ کو اپنے پر غصہ میں دیکھیگا اور اگر اسلئے طلب کرتا ہے کہ لوگوں سے بے نیازی حاصل کرے تو قیامت کے دن اسکا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔ پس دنیا وہ ہے جس سے حظِ نفس مقصود ہو۔ اور آخرت کو اس سے کچھ حاجت نہیں اور جس شے سے آخرت کو حاجت ہے اور جب وہ آخرت کیلئے ہوگی تو وہ دنیا سے نہیں ہے جیسے کہ راستہ میں سواری کے جانور کا چارہ بھی منجملہ حج کے ہے اور کچھ دنیا سے ہے حق تعالیٰ نے اسکو لفظ ہویٰ (حرص) سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ایک دوسرے مقام پر تمام چیزوں کو پانچ چیزوں میں جمع کر دیا ہے۔ اور فرمایا اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ۔ یعنی سب پانچ چیزیں ہیں کھیل خواہشات کی خوشی۔ اپنے تئیں آراستہ کرنا۔ مال و دولت میں زیادتی چاہنا۔ دوسروں پر فخر کرنا اور جھگڑا اور ان اشیاء کو جن میں یہ پانچوں چیزیں موجود ہیں ایک اور آیت میں جمع فرما دیا ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ فرمایا خلق کے دلوں میں ان سب چیزوں کی محبت کو آراستہ کر دیا ہے عورت۔ اولاد سونا۔ چاندی۔ گھوڑا کھیتی۔ گاؤ۔ شتر بکری وغیرہ۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا پس دنیا کی متاع یہی ہے۔ پس ان سب میں سے جو شے آخرت کیلئے ہے وہ آخرت سے ہی ہے عیش و عشرت اور کفایت سے زیادہ کا شمار آخرت میں نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دنیا کے تین درجات ہیں ایک تو بقدر ضرورت کھانا پینا اور رہنا اور اس مقدار سے زیادہ کا شمار زینت میں ہے اور تجمل کی زیادتی ہے اور اسکا تعلق آخرت سے نہیں اور نہ ہی اسکی کوئی انتہا ہے جس نے بقدر ضرورت پر قناعت کر لی وہ جنتی ہے اور جو تجمل کے درجہ تک پہنچا اسکا مقام ہاویہ دوزخ ہے کہ اس کی کچھ انتہا ہی نہیں اور جس شخص نے حاجت پر اختصار کیا۔ وہ خطرہ سے خالی

نہیں، کیونکہ حاجت کی دو طرفیں ہیں ایک تو ضرورت کے نزدیک ہے اور دوسرا عیش و عشرت کے نزدیک اور انکے درمیان کا جو درجہ ہے وہ کمال اجتہاد کے ذریعہ سے پہچانا جاسکتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کسی شے جو کہ اسکی حاجت سے زیادہ ہو حاجت میں شمار کرکے حاصل کرے اور حساب کے خطرہ میں مبتلا ہو اور یہی وجہ تھی کہ بزرگان دین نے بقدرِ ضرورت پر قناعت کی اور اس سلسلہ میں سب کے امام حضرت اویس قرنی رح ہیں کہ جنہوں نے دنیا کو اپنے اوپر اسقدر تنگ کر لیا کہ لوگ آپکو دیوانہ خیال کرنے لگے اور ایسا ہوتا کہ لوگ سال سال دو دو سال آپکا چہرہ تک نہ دیکھتے آپ صبح کی نماز کیوقت باہر تشریف لیجاتے اور عشاء کی نماز کے بعد تشریف لاتے اور آپکی خوراک خرما کی گٹھلیاں تھیں جو آپ راستہ سے چن چن کر کھایا کرتے اگر کھانیکی قدر خرمے حاصل کرتے تو انکی گٹھلیاں خیرات میں دیدیتے۔ ورنہ خرما کی گٹھلیاں اسقدر خرید لیتے کہ ان سے وہ افطار کرسکیں اور کوڑی پر سے چیتھڑے چن چن کر دھوتے اور لباس بناتے اور لڑکے آپکو دیوانہ سمجھ کر پتھر مارتے اور یہ فرمایا کرتے کہ چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تاکہ میں طہارت اور وضو سے محروم نہ رہوں اور یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود آپکو نہ دیکھنے کے آپکی تعریف فرمائی تھی اور حضور نے حضرت اویس رض کے حق میں حضرت عمر رض کو وصیت فرمائی۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تھے اور اہل عراق آپکی خدمت میں جمع تھے آپنے فرمایا اے لوگو! تم میں سے جو عراقی ہے وہ کھڑا ہو جائے سب عراقی اٹھ کھڑے ہو گئے پھر آپنے فرمایا۔ جو اہل کوفہ نہیں وہ بیٹھ جائیں تمام کوفی بیٹھ گئے پھر فرمایا جو قرن کے رہنے والے نہ ہوں وہ بھی بیٹھ جائیں وہ بیٹھ گئے اور صرف ایک شخص کھڑا رہ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم قرن کے رہنے والے ہو اس نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا۔ کیا تم اویس قرنی رض کو جانتے ہو اس نے جواب دیا۔ ہاں جانتا ہوں وہ اس سے کہیں حقیر ہے کہ آپ اس سے بات کریں کیونکہ اس سے زیادہ دیوانہ۔ درویش۔ ناکس اور کوئی نہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سُنا۔ رونے لگے اور فرمایا کہ میں اسلئے اسکا متلاشی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبیلہ ربیعہ و مضر کی تعداد جتنے لوگ انکی شفاعت سے بہشت میں جائینگے اور یہ قبیلے اس کثرت سے تھے کہ انکی تعداد کا اندازہ نہ ہو سکتا تھا حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ سُنا تو میں کوفہ میں گیا اور حضرت اویس رض کو تلاش کیا حتیٰ کہ میں نے انکو نہر فرات کے کنارہ پر پایا آپ وضو کر رہے تھے اور کپڑے دھو رہے تھے میں نے انکی صفات سے انکو پہچان لیا میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا میں نے چاہا۔ کہ اُن سے مصافحہ کروں لیکن انہوں نے مجھ اپنا ہاتھ نہ دیا میں نے کہا۔ حق تعالیٰ تم پر رحم کرے اے اویس رح کیسے ہو اور میں انکی حالت اور تکلیف دیکھ کر رونے لگا۔ اور وہ بھی رونے لگے اور کہا یرحمک اللہ یا ہرم ابن حیان۔ کیا حال ہے اے میرے بھائی اور کس نے تم کو میرا راستہ بتایا میں نے کہا۔ آپنے میرا اور میرے باپ کا نام کسطرح دریافت کر لیا۔ اور مجھے کسطرح پہچان لیا حالانکہ مجھے اس سے پہلے آپنے کبھی بھی نہیں دیکھا۔ فرمایا مجھے علیم الخبیر نے خبر دی ہے جس کے علم سے کوئی شے باہر نہیں اور

میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا۔ کیونکہ مومنوں کی روحیں ایکدوسرے سے خبردار ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کی دوست ہوتی ہیں اگرچہ انہوں نے ایکدوسرے کو نہ دیکھا ہو۔ میں نے کہا کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیجئے فرمایا میری جان اور جسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں۔ میں نے آپکو نہیں دیکھا اور آپکی باتیں دوسروں سے سنی ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ باتوں کا سلسلہ اپنے آپ پر کھولوں اور میں نہیں چاہتا کہ محدث مفتی اور واعظ بنوں۔ میں ایک ایسے شغل میں ہوں کہ ان باتوں کیطرف متوجہ ہونیکی مجھے بالکل فرصت نہیں اور میں نے کہا مجھے قرآن شریف کی کوئی آیت سنائیے تاکہ میں آپکی زبان حقیقت ترجمان سے سن پاؤں میرے حق میں دعا کیجئے اور مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ کیونکہ میں آپکو نہایت دوست رکھتا ہوں پس فرات کے کنارہ پر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھ سے کہنے لگے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اور یہ پڑھ کر رونے لگے پھر ارشاد کیا میرا مالک مجھ سے یوں فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ مَا خَلَقْنٰھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ یہانتک پڑھا اور ایک ایسی چیخ ماری کہ مجھے انکے بیہوش ہونے کا گمان ہونے لگا۔ اور کہا۔ اے ابن حیان! تیرا باپ فوت ہو گیا۔ اور قریب ہے کہ تو بھی اس جہان سے کوچ کرے اور دوزخ یا بہشت میں جائے تیرے دادا حضرت آدم علیہ السلام انتقال فرما گئے۔ حضرت حوا علیہا السلام بھی مر گئیں نوحؑ مر گئے ابراہیم خلیل اللہ انتقال فرما گئے اور موسیٰ خدا کے ہمراز انتقال فرما گئے۔ اور داؤد خلیفہ خدا رحلت فرما گئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ فرما گئے اور آپکے خلیفہ ابوبکر صدیقؓ اور میرے دوست بھائی عمرؓ فوت ہو گئے واعمراہ واعمراہ میں نے کہا اے اویس رحؒ حق تعالیٰ تجھپر فضل کرے حضرت عمرؓ تو زندہ ہیں۔ کہا میرے مولا نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ فوت ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ میں اور تو بھی مردوں میں سے ہی ہیں پھر حضور علیہ السلام پر درود بھیجا اور کچھ دعا کی اور کہا نصیحت یہ ہے۔ کہ اللہ کی کتاب اور صالحین کی راہ اختیار کر اور موت کی یاد سے ایک لمحہ بھر کیلئے بھی غافل نہ ہو اور جب اپنی قوم کے پاس جائے تو اسے نصیحت کر اور خلق خدا کو نصیحت کرنا ترک نہ کر اور جماعت امت کی موافقت سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹنا ورنہ اسی وقت دین کھو بیٹھیگا اور تجھے معلوم بھی نہ ہوگا اور دوزخ میں ڈالا جائیگا اور فرمایا اے ہرم ابن حیان تو دوبارہ مجھے دیکھنے کا موقعہ نہ پائیگا اور نہ ہی میں تجھے دیکھ سکونگا مجھے دعا کے ساتھ یاد رکھنا تاکہ میں بھی تجھے دعا کے ساتھ یاد کروں تو اس طرف جا میں اس جانب جاتا ہوں میں نے خواہش کی کہ ایک ساعت کیلئے انکی ہمراہی اختیار کروں لیکن انہوں نے مجھے اجازت نہ دی اور خود بھی روئے اور مجھ کو بھی رلایا۔

میں انکے تعاقب میں دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ ایک گلی میں داخل ہو گئے اور پھر مجھے انکی نسبت کچھ پتہ نہ چلا پس اے بھائی اسبات کو یاد رکھ کہ جن لوگوں نے دنیا کی آفات کو جان لیا ہے انکی عادات اسی قسم کی ہوا کرتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کا یہی طریق ہے اور یہی وہ لوگ جو محتاط اور مآل اندیش ہیں اگر تجھے یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اس سے کم بھی تو نہ اور بقدر

حاجت پر اختصار کر اور عیش و عشرت کی راہ پہ نہ جا۔ تاکہ خطرِ عظیم میں نہ مبتلا ہو۔ اب اس مقام پر دنیا کا حال اسی قدر کافی ہے۔ باقی عنوان میں بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ علم ؛

اصل ششم ﴿ مال کی محبّت کا علاج اور بُخل و حرص کی آفات اور سخاوت کی تعریف

اے عزیز! اس امر سے آگاہ ہو کہ دنیا بہت سی شاخوں پر منقسم ہے۔ منجملہ ان سب کے ایک شاخ مال و نعمت کی ہے اور ایک شاخ جاہ و حشمت کی اور اسیطرح دوسری شاخیں ہیں لیکن مال کا جو فتنہ ہے وہ تمام فتنوں سے بڑھا ہوا ہے اور حق تعالیٰ نے اسے عقبہ کے نام سے یاد کیا ہے فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا الخ کیونکہ آدمی کو سوائے مال کے چارہ نہیں۔ کیونکہ یہ عیش و عشرت کا ذریعہ بھی ہے اور زادِ آخرت بھی ہے۔ اسلئے کہ آدمی کیلئے کھانا لباس رہائش ضروری اشیاء ہیں اور یہ سب چیزیں مال ہی سے میسر ہوتی ہیں اور ان کیلئے نہ ہونیکی صورت میں صبر نہیں ہو سکتا اور حصول میں سلامتی نہیں ہے اور اگر یہ نہ ہو تو محتاجی کا سامنا ہے اور کفر کا اندیشہ ہے اور اگر ملجائے تو آدمی تو انگر ہے اور اس میں غرور و تکبر کا خوف ہے فقیر کیلئے دو حالتیں ہیں ایک حرص دوسری قناعت۔ قناعت اچھی صفت ہے اور حرص کیلئے بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک لوگوں سے طمع کرنا۔ دوسری اپنے ہاتھ سے کسب کرنا اپنے ہاتھ سے کسب کر کے کھانا مستحسن ہے اور امیر کی بھی دو حالتیں ہیں ایک بخل و امساک دوسری سخاوت بخل کی حالت ایک نہایت ہی مذموم حالت ہے اور دینے والے کی بھی دو حالتیں ہیں ایک اسراف کی اور دوسری میانہ روی کی۔ ان دونوں حالتوں میں ایک نہایت ہی بُری ہے اور دوسری سے وابستہ ہے اور اسکی شناخت ہر شخص کیلئے ضروری ہے غرضیکہ مال کا فائدہ بھی ہے اور نقصان بھی اور ہر شخص پر ان باتوں کا پہچاننا ضروری ہے تاکہ اسکے نقصانات سے حذر کیا جائے اور فائدہ کے مطابق تلاش کریں۔

مال کی دوستی کی کراہیت

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یعنی جس شخص کو مال اور اولاد حق تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے وہ نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مال اور جاہ کی محبت انسان کے دل میں نفاق کو اسطرح اگاتی ہے جسطرح پانی سبزے کو اور فرمایا دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلہ میں ایسی تباہی پیدا نہیں کرتے جسطرح کہ جاہ و مال کی محبّت ایک مسلمان کے دل

میں پیدا کر دیتی ہے ۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ آپکی امت میں سب سے بد تر لوگ کون ہیں حضور نے فرمایا وہ لوگ جو مالدار ہیں اور فرمایا میرے بعد ایک قوم پیدا ہوگی جس کے افراد طرح طرح کے مزہ دار طعام کھائیں گے اور عمدہ عمدہ لباس پہنیں گے اور خوبصورت عورتیں رکھیں گے اور قیمتی گھوڑوں پر سوار ہونگے تھوڑے پر قناعت نہ کرینگے ۔ انکا ہر کام دنیا ہی کیلئے ہوگا میں جو محمد ہوں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اگر تمہاری اولاد میں کوئی شخص اس گروہ کو پائے تو انکو سلام نہ کرے نہ انکی بیمار پرسی کو جائے اور نہ ہی انکے جنازہ کو ہاتھ لگائے اور نہ ہی انکے بزرگوں کی حرمت و عزت کرے جو شخص ان باتوں پر عمل نہ کریگا وہ گویا اسلام کے تباہ کرنے میں انکا یار و مددگار ہوگا حضور نے فرمایا ۔ دنیا دنیا داروں ہی کیلئے چھوڑ دو ۔ کیونکہ جس نے کفایت سے زیادہ دنیا کو حاصل کیا وہ اسکی ہلاکت کا سبب ہوگی اور وہ جانیگا بھی نہیں اور فرمایا آدمی ہمیشہ یہ دعوٰے کرتا ہے کہ میرا مال میرا مال مگر غور کر کہ اسکے سوا اور تیرے لئے کیا ہے کہ تو کھائے اور نیست و نابود کر دے ۔ پہنے اور اسے ردی کر ڈالے صدقہ دے ۔ تاکہ ہمیشہ کیلئے قائم رہے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ میرے پاس سامان مرگ نہیں ۔ فرمایا کیا تیرے پاس مال ہے اس نے عرض کیا ہاں ہے فرمایا اسے اپنے سے پہلے بھیجدے یعنی خیرات کر دے کیونکہ آدمی کا دل مال کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اگر مال کو یہاں چھوڑتا ہے تو چاہتا ہے کہ خود بھی یہاں رہے اور اگر بھیجدیتا ہے تو چاہتا ہے خود بھی جائے فرمایا آدمی کے تین دوست ہیں ایک تو وہ جو مرتے دم تک اس سے وفاداری کرے ۔ دوسرے وہ جو لب گور تک اسکے ساتھ رہے اور ایک وہ جو قیامت تک اسکے ہمراہ ہو ۔ جو دوست مرتے دم تک وفا کرتا ہے وہ مال ہے اور جو لب گور تک آدمی کے ساتھ جاتا ہے وہ خویش و اقارب ہیں ۔ اور جو قیامت تک اسکے ساتھ رہتا ہے وہ اسکے اعمال ہیں اور فرمایا ۔ آدمی جب مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیا چھوڑ مرا ہے اور فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے پہلے سے کیا بھیجا ہوا ہے اور فرمایا ریاست اور دنیا داری حاصل نہ کرو ۔ ورنہ دنیا سے محبت کرنے لگو گے ۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے انکے حواریوں نے عرض کیا اسکی کیا وجہ ہے کہ آپ پانی پر چلتے ہیں اور ہم نہیں چل سکتے فرمایا کیا تمہارے دلوں میں سونے چاندی کی محبت نہیں ۔ انہوں نے عرض کیا ہاں ہے ۔ فرمایا میں اسے خاک کے برابر سمجھتا ہوں ۔ بزرگان دین کے اقوال یہ ہیں ایک شخص نے حضرت ابو الدرداء رض کو ستایا ۔ انہوں نے کہا ۔ بار خدایا اس شخص کو بڑی عمر اور بہت سا مال عنایت فرما اور آپ نے اس دعا کو تمام دعاؤں سے بد تر خیال کیا کیونکہ جب اسے یہ چیزیں حاصل ہونگی تو وہ خواہ نخواہ تکبر اور غفلت سے ہلاک اور تباہ ہو جائیگا حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے ایک درم کو ہاتھ پر رکھکر ارشاد فرمایا ۔ تو وہ شے ہے کہ جبتک میرے ہاتھ سے نکل نہ جائے مجھے فائدہ نہیں پہنچ سکتا ۔ حضرت حسن بصری رض فرماتے ہیں کہ مجھے خدا کی قسم جس شخص نے سونا چاندی کو پیار کیا حق تعالٰی اسے ذلیل و خوار کریگا ایک روایت میں ہے کہ جب درہم و دینار کو پہلے پہل بنایا گیا تو ابلیس انہیں اٹھا

کر لے گیا اور اپنی آنکھوں سے مل کر کہنے لگا کہ جو شخص تجھے اچھا جانیگا درحقیقت وہ میرا بندہ ہے حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ درہم و دینار بچھو کی مانند ہیں۔ جب تک انکا تریاق معلوم نہ کر لے انہیں ہاتھ نہ لگائے ورنہ انکی زہر سے ہلاک ہوئیگا۔ لوگوں نے پوچھا۔ اسکا تریاق کیا ہے فرمایا آمدنی حلال سے ہو اور خرچ مطابق شریعت ہو۔ سلمہ بن عبدالملک حضرت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی وفات کیوقت انکی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا امیرالمومنین آپنے ایسا کام کیا ہے جو کبھی بھی کسی نے نہیں کیا۔ آپکے تیرہ بیٹے ہیں آپ نے انکے لئے ایکدرم بھی نہیں چھوڑا۔ آپنے فرمایا۔ مجھے ذرا اٹھا کر بٹھا دو۔ لوگوں نے بٹھا دیا تو ارشاد کیا غور سے سنو میں نے نہ تو انکا مال غیروں کو دیا۔ اور نہ غیروں کا مال انکو دیا۔ میرا بیٹا یا تو قابل ہوگا اور حق تعالیٰ کا مطیع ہوگا۔ یا نالائق ہوگا جو لائق ہوگا۔ اس کیلئے تو حق تعالیٰ کافی ہے اور جو نالائق ہوگا۔ مجھے اسکی کچھ پروا نہیں چاہے وہ کسی حالت ہی میں مبتلا کیوں نہ ہو۔ حضرت یحییٰ ابن معاذ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مالدار آدمی کیلئے مرتے وقت دو مصیبتوں کا سامنا ہے جو اور کسی کو نہیں ایک تو یہ کہ سب مال اس سے چھین لیا جاتا ہے دوسرے یہ کہ تمام مال کا اس سے محاسبہ کیا جاتا ہے۔

فصل اے عزیز! جاننا چاہیئے کہ اگرچہ مال کو کئی وجہ سے برا کہا گیا ہے مگر ایک وجہ سے یہ اچھا بھی ہے کیونکہ مال خیر و شر دونوں کا حامل ہے اسلئے حق تعالیٰ نے اسے خیر بھی ارشاد فرمایا ہے اِنۡ تَرَكَ خَيۡرًا ۨالۡوَصِيَّةُ۔ الآیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اچھے آدمی کے لئے مال اچھی چیز ہے کَادَ الۡفَقۡرُ اَنۡ يَّكُوۡنَ كُفۡرًا یعنی افلاس کیلئے خوف ہے کہ کہیں کفر کا سبب نہ بنجائے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کو مال و دولت سے بہرہ اندوز دیکھتا ہے اور اپنے آپکو نان شبینہ کا محتاج پاتا ہے تو شیطان ایسے شخص کے گمراہ کرنے میں کوشش کرتا ہے اور اسکے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ فاسق کو تو اس قدر مال دیدیا کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کتنا مال ہے اور غریب بیچارہ کو بھوکا مارتا ہے اور ایک درم تک نہیں دیتا خدا اگر تیری حاجت اور ضرورت سے ناواقف ہے تو اسکے علم میں نقص ہے اور اگر واقف بھی ہے اور دینے پر بھی قادر ہے اور پھر نہیں دیتا تو اسکی بخشش اور رحمت میں کچھ فتور ہے اور اگر اس لئے عطا نہیں کرتا کہ آخرت میں ثواب عنایت فرمائیگا اور جبکہ وہ بغیر تکلیف دیئے بھی دے سکتا ہے تو پھر کیوں نہیں دیتا اگر دے نہیں سکتا تو اسکی قدرت کامل نہیں اور پھر ان تمام باتوں پر اعتقاد رکھنا کہ وہ رحیم ہے اور سخی اور کریم ہے اور پھر تمام عالم کو تکلیف میں رکھتا ہے حالانکہ اسکا خزانہ نعمتوں سے بھرپور ہے اور کسی مصلحت کی بنا پر نہیں دیتا سخت دشوار ہے اس مقام پر شیطان وسوسہ کی گنجائش پاکر قضا و قدر کا مسئلہ سوجھا دیتا ہے کہ جسکا بھید تمام لوگوں پر پوشیدہ ہے تاکہ وہ مضطرب اور معترض انسان غصہ میں آکر آسمان اور زمانے کو گالیاں دینے لگ جائے اور یہ کہے کہ آسمان بیوقوف ہوگیا ہے اور زمانہ الٹا ہے کہ جو لوگ مستحق نہیں انکو دیتا ہے اور تمام عالم کو تکلیف میں رکھتا ہے اور اگر ایسے شخص سے یہ کہیں کہ یہ آسمان

اور زمانہ حق تعالیٰ کی قدرت کا مسخر ہے اور وہ انکار کر بیٹھے تو اسپر کفر لازم آتا ہے اسیواسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "زمانہ کو بُرا نہ کہو۔ زمانہ خدا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جسپر اپنے کاموں کا بھروسہ کرتے ہو اور اسکو زمانہ کے نام سے تعبیر کرتے ہو وہ خدا کی ذات ہے تو مفلسی کفر کا باعث ہو جاتی ہے مگر اس شخص کی مفلسی کفر کا موجب نہیں بنتی جسکا ایمان مضبوط ہو۔ اور غالب ہو۔ اور جو افلاس میں بھی حق تعالیٰ سے رضامندی کا اظہار کرے اور مفلسی میں بھی اپنی بہتری خیال کرے لیکن عام طور پر لوگ اس مرتبہ کے نہیں ہوتے تو مال کا بقدر کفایت ہونا بہتر ہے تو اس لحاظ سے مال اچھی شے بھی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت کی سعادت تمام بزرگان دین کا مقصد یہی ہے اور وہ سعادت بغیر تین نعمتوں کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک تو اپنے نفس میں ہے جیسے علم اور حسن خلق۔ اور ایک بدن میں ہے جیسے صحت اور سلامتی۔ ایک بدن کے باہر خسیس اور ذلیل ہے اور وہ مال ہے اور مال میں سب سے بڑی شے سونا اور چاندی ہے اسمیں فی نفسہٖ کوئی فائدہ نہیں البتہ روٹی کپڑے کیلئے ہو سکتا ہے۔ اور روٹی کپڑا بدن کیلئے اور بدن حواس قائم رکھنے کیلئے اور حواس حیاء وعقل کا پھلا بننے کیلئے اور عقل اسلئے ہوتی ہے کہ وہ دل کا چراغ اور روشنی بنے تاکہ دل حضرت الٰہیت کو دیکھ سکے اور حق تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کرے اور حق تعالیٰ کی معرفت سعادت کا تخم ہے گویا تمام اشیاء کی غایت حقتعالیٰ ہے اول بھی وہی ہے اور آخر بھی وہی ہے اور ان تمام اشیاء کی ہستی اسی ایک ہستی سے قائم ہے جس نے اس نکتہ کو سمجھ لیا وہ دنیا کے مال میں سے اتنے ہی پر اکتفا کریگا۔ جو اس راہ میں کام آئے باقی کو زہر قاتل خیال کریگا۔ دنیا کا مال اچھے آدمی کیواسطے اچھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے پروردگار آل محمدؐ کو بقدر کفایت روزی عطا فرما۔ اسلئے کہ حضورؐ جانتے تھے کہ حاجت سے زائد میں ہلاکت اور گمراہی ہے اور بقدر حاجت میں نہیں اس میں کفر کی بُو پائی جاتی ہے اور یہ بھی ہلاکت کا سبب ہے تو جو شخص ان باتوں سے واقف ہو گیا وہ مال کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔ کیونکہ جو شخص کسی شے کو کسی غرض کیلئے طلب کرتا ہے وہ درحقیقت اس غرض کا طالب ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "درہم و دینار کا بندہ اندھا ہوتا ہے" اور جو شخص جس چیز کا پابند ہوتا ہے وہ اسکا بندہ ہوتا ہے اور جو جس چیز کی اطاعت میں ہوتا ہے وہ چیز اسکی خدا ہوتی ہے۔ اسیواسطے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بارخدایا مجھ کو اور میرے فرزند کو بُت پوجنے سے محفوظ رکھ بزرگوں نے یہاں بت سے مراد سونا چاندی لیا ہے کیونکہ تمام لوگ سونا چاندی ہی کی طرف متوجہ ہیں۔ اسلئے کہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے کہ انہیں بت پرستی کا خوف ہو۔

مال کے فوائد اور آفات (نقصانات) کے بیان میں

اے عزیز تجھے معلوم ہو کہ مال سانپ کیطرح ہے اس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی اور جبتک تریاق کو زہر سے علیحدہ نہ کر لیں گے تب تک اسکے اسرار ظاہر نہ ہونگے۔ اسیواسطے ہم مال کے تمام فوائد اور نقصانات ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں۔ مال کے فوائد کی دو اقسام ہیں ایک دنیوی دوسری دینی دنیوی کے بیان کرنیکی چنداں حاجت نہیں۔ کیونکہ تمام لوگ اس سے آگاہ ہیں۔ البتہ دینی بیان کرتے ہیں اور اسکی تین قسمیں ہیں پہلی قسم تو یہ ہے کہ آدمی مال کو اپنے لئے عبادت میں یا سامان عبادت میں خرچ کرے لیکن عبادت سے مراد جیسے حج اور جہاد ہے اس میں جو مال بھی صرف کریگا وہ عین عبادت میں صرف ہوگا۔ اور سامان عبادت میں صرف ہوتا ہے وہ وہ ہے جو روٹی کپڑے اور ضروری اشیاء میں بقدر کفایت صرف کیا جائے کیونکہ اس سے عبادت کیلئے فراغت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جس چیز کیوجہ سے آدمی عبادت کرنیکے قابل ہوتا ہے وہ چیز عین عبادت میں داخل ہے اور جو شخص بقدر کفایت مال نہ رکھتا ہوگا۔ وہ رات دن اسی کی طلب میں مشغول رہیگا اور عبادت جس کا خلاصہ ذکر و فکر ہے اس سے محروم رہیگا تو مال بقدرِ کفایت فراغتِ عبادت کیلئے ہو تو وہ عین عبادت ہے اور فوائد دین میں سے ہے منجملہ دنیا نہیں اور یہ بات نیت اور خیال سے تبدیل ہوتی رہتی ہے اگر مقصود راہ آخرت میں فراغت پانا ہے تو یہ مال جو بقدر کفایت ہے زادِ راہ بھی بن جاتا ہے اور خود الہی ہوتا ہے درحقیقت اس بھید سے وہی آگاہ ہوتا ہے جو مراقبہ دل میں مشغول ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ فراغت معاش راہِ دین میں کیا کچھ مدد کرتی ہے دوسری قسم یہ ہے کہ لوگوں کو دے اور اسکی چار اقسام ہیں پہلی قسم تو صدقہ ہے۔ اور دین و دنیا میں اسکا ثواب بہت بڑا ہے کیونکہ اس میں فقیروں کی دعا کی برکت اور ہمت کا اثر ہوتا ہے۔ جس کے پاس مال نہ ہوگا۔ وہ صدقہ نہ دے سکے گا۔ دوسری قسم مروّت ہے۔ یعنی مہربانی کرے اور دینی بھائیوں کے ساتھ نیکی کرے۔ ہدیہ دے اور انکی غمخواری کرے اور لوگوں کے حقوق ادا کرتا رہے اور رسوم بجا لائے یہ طریق اگر تونگروں کے ساتھ بھی مرعی رکھا جائے تو اچھا ہے اور سخاوت کی صفت اس سے حاصل ہوتی ہے اور سخاوت نہایت زبردست اخلاق کی علامت ہے چنانچہ اسکی تعریف بیان کی جائیگی تیسری قسم یہ ہے۔ کہ اس سے اپنی عزت محفوظ رکھے یعنی کسی شاعر یا طامع کو دے اگر نہ دے تو وہ اس کے حق میں زباندرازی کرے اور فحش بکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شے جس کے سبب آدمی اپنی عزت لوگوں کی زبان سے محفوظ رکھے۔ صدقہ ہے کیونکہ صدقہ سے بدگوئی اور غیبت کی راہ ان پر بند ہو جاتی ہے اور صدقہ دینے والا خود بھی تشویش سے محفوظ رہتا اور اگر ایسا نہ کرے تو ممکن ہے کہ بدلہ لینے کا ارادہ کر بیٹھے اور عداوت بڑھ جائے۔ یہ کام بلا مال کے نہیں ہو سکتا۔ چوتھی قسم یہ ہے مال ان لوگوں کو دے

جو اسکی خدمت کریں۔ کیونکہ جو شخص اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کریگا وہ محض اپنے وقت کو ضائع کریگا اور ہر ایک کے فرض عین کو دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ ذکر اور فکر فرض عین ہے جو کام اسکی طرف سے دوسرا شخص انجام دے سکتا ہے اس میں وقت صرف کرنے سے افسوس ہوگا۔ اسلئے کہ عمر کم ہے اور موت نزدیک ہے اور راہ آخرت طویل ہے اور اس کیلئے بہت سے توشہ کی ضرورت ہے ہر ایک سانس بہت غنیمت ہے جس کام سے آدمی بچ سکے اسمیں مشغول نہ ہونا چاہیئے اور بغیر مال کے بچاؤ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدمتگار جنکو مال دیگا تو وہ اسکی خدمت کریں گے اور اسے محنت سے محفوظ رکھیں گے اور نہ تمام کام کا اپنے ہاتھ ہی کرنا ثواب ہے لیکن یہ اسکے واسطے کیلئے ہے جو بدن سے عبادت کرے۔ دل سے نہیں لیکن جس شخص کا دل کامل ہے اور اسے ذکر و فکر کی لیاقت حاصل ہے اسکا کام کسی اور کو کرنا چاہیئے۔ تاکہ جو کام عبادت بدنی سے بہتر ہے اسمیں اُسے فراغت حاصل ہو تیسری قسم یہ ہے کہ کسی معین شخص کو نہ کرے لیکن خیرات عام کرے جیسے پل اور سرائے مسجد اور دارالشفا اور فقراء پر وقف وغیرہ کیونکہ یہ عام خیرات ہے اور اسے بہت دنوں تک قیام ہوتا ہے اور مرنیکے بعد بھی اسے ثواب پہنچتا رہتا ہے اور یہ خیرات بھی بلا مال کے نہیں ہو سکتی۔ دین میں مال کے بھی فوائد ہیں اور دنیوی کاموں میں جو مال کے فائدے ہوتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آدمی مال ہی کے سبب سے معزز اور مکرم ہوتا ہے اور لوگ اسکے حاجتمند ہوتے ہیں۔ اور وہ خلق سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اور بہت سے دینی بھائیوں کو اپنا دوست بنا سکتا ہے اور ہر ایک اسے محبوب سمجھتا ہے اور کوئی بھی حقارت کی نظر سے اسے نہیں دیکھتا اور اس قسم کے بہت سے فوائد ہیں ❊

آفاتِ مال کا بیان

ان میں سے بعض آفات دینی ہیں۔ اور بعض دنیوی ہیں۔ دینی آفات تین قسموں پر منقسم ہیں ایک تو یہ کہ مال کے ہونے سے آدمی فسق و فجور پر قادر ہو جاتا ہے اور آدمی کی خواہشات قلبی خود معصیت کی متقاضی ہوتی ہیں لیکن مفلسی عصمت و پارسائی کا سبب ہوتی ہے۔ جب مال کی بدولت گناہ پر قادر ہو گیا اور اسمیں مبتلا ہوا تو تباہی میں پڑیگا اور اگر صبر کریگا تو مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہوگا کیونکہ جب آدمی کسی امر کے کرنے پر قادر ہوتا ہے تو پھر اس سے صبر کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ دوسری آفت یہ ہے کہ دینی امور میں تو قوی ہے اور اپنے آپکو گناہوں سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے لیکن پھر بھی مباح اشیاء سے اور عیش و عشرت سے اپنے آپکو کیسے محفوظ رکھ سکتا ہے ایسا کون شخص ہے جو قدرت رکھے اور جَو کی روٹی اور پھٹے پرانے کپڑوں پر گذارہ کرے جیسا کہ حضرت سلیمانؑ باوجودیکہ بادشاہت کرتے تھے آدمی جب عیش و عشرت میں مبتلا ہوتا ہے تو بدن اس عیش و عشرت کا عادی

بن جاتا ہے حتٰی کہ پھر صبر نہیں کر سکتا۔ اور دنیا کو بہشت تصور کرنے لگتا ہے اور موت سے نفرت کرتا ہے اور یہ ناممکن ہے۔ کہ عیش و عشرت کا سامان ہمیشہ مال حلال سے حاصل ہوتا رہے تو آدمی شبہ کا مال حاصل کرنیکے لئے مجبور ہو جاتا ہے اور اس قسم کا مال بلا بادشاہوں کی مدد کے ہاتھ نہیں آسکتا اور آدمی خوشامد پسند ہو جاتا ہے اور جھوٹ بولنے اور نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جب بادشاہوں کا قرب حاصل ہو گیا تو پھر اسے خوف پیدا ہوتا ہے اور اس بات کا خیال لگا رہتا ہے کہ یہ ہم سے خوش رہیں اور جب اُسے تقرب حاصل ہو جاتا ہے تو لوگ حسد کرنے لگتے ہیں۔ اور اسکے دشمن ہو جاتے ہیں اور اسکے ستانے کے درپے ہو جاتے ہیں اور پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی بدلہ لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور انکے ساتھ دشمنی و حسد کرنے لگتا ہے اور یہ تمام عادات گناہوں کا موجب ہوتی ہیں کیونکہ انہی کے سبب سے جھوٹ غیبت۔ بدخواہی اور دل و زبان کے تمام گناہ ظہور پذیر ہوتے ہیں اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی سردار ہے اسکے یہی معنی ہیں کہ تمام شاخیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ صرف ایک آفت یا دو آفتیں یا دس یا سو نہیں۔ بلکہ بیشمار آفتیں ہیں اور درحقیقت یہ ایک ایسا غار ہے جسکی کوئی انتہا نہیں جیسے کہ دوزخ کا غار۔ تیسری آفت ایسی ہے جس سے کوئی بچ ہی نہیں سکتا۔ مگر جسے خدا بچائے اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ آدمی گناہ اور عیش و عشرت نہ کرے اور شبہات سے پرہیز کرے اور درحقیقت پارسا ہو اور حلال کا مال حاصل کرے اور خدا کی راہ میں دے مگر اس مال کا رکھنا دل کے تعلق کا سبب ہوگا اور یہ تعلق اسے حق تعالٰی کی عظمت و جلال میں غور و فکر کرنے سے باز رکھیگا حالانکہ تمام عبادات کا خلاصہ یہی ہے کہ آدمی کے دل پر حق تعالٰی کا ذکر غالب ہو جائے اور حق تعالٰی کے ساتھ کمال انس پیدا ہو جائے اور انس کے باعث ماسوی اللہ سے بے پروا ہو جائے۔ اور یہ بات ایسے دل کی تمنا ہے جو کسی اور کیطرف مشغول نہ ہو مثلاً اگر کوئی آدمی مالدار ہے اور اسکے پاس کچھ زمین ہے تو وہ عام طور پر اسکی آبادی شرکی خصومت اور مالیانہ دینے اور رعایا سے حساب لینے کے خیال میں لگا رہتا ہے اور اگر تجارت کرتا ہے تو شریکوں کی خصومت اور غلطیوں کی ٹوہ اور سفر کی تدابیر اور نفع والا معاملہ ڈھونڈنے میں مشغول رہتا ہے اور اگر کسی کے پاس گائے بکری ہے تو اسکا بھی یہی حال ہے اور اس سے زیادہ کسی مال میں بے شغل نہیں رہتا ہے کہ مثلاً خزانہ مدفون رکھتا ہے اور اس میں سے بقدر ضرورت لیکر خرچ ہو اور ہمیشہ اس کی نگہبانی میں رہتا ہو اور یہی خطرہ لگا رہے کہ مبادا کوئی اسے نکال کر لیجائے یا کوئی اس کا لالچ کرے اور اس سے واقف ہو جائے۔ دنیا داروں پر فکر کا میدان نہایت وسیع اور فسیح ہے جو شخص یہ چاہے کہ میں باوجود دنیا دار رہنے کے فارغ البال رہوں ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو یہ چاہے کہ پانی میں رہوں اور بھیگوں نہیں مال کی آفات اور فوائد یہی ہیں جو بیان کئے گئے ہیں عقلمندوں نے جب ان آفات پر غور کیا تو یہی سمجھا کہ مال بقدر ضرورت تریاق ہے اور زائد بمنزلہ زہر کے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اولاد

کے لئے بقدر ضرورت ہی طلب کیا۔ اور مختصر الفاظ میں فرمایا کہ جو شخص مال اپنی حاجت سے زیادہ لیتا ہے وہ اپنی ہلاکت اور تباہی کا سامان مہیا کرتا ہے اور مال کو ایک دم خرچ کر دینا کہ بقدر حاجت بھی باقی نہ رہے شریعت میں مکروہ سمجھا گیا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے۔ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا

طمع و حرص کی آفات اور قناعت کے فوائد کا بیان

اے عزیز! تجھ پر واضح ہو کہ طمع بھی بد اخلاقی میں شمار کیا گیا ہے اور اسمیں خواری اور ذلت ہے اور آخرت میں بھی شرمندگی اور بدنامی۔ جب طمع پوری نہیں ہوتی تو اس سے نہایت ہی برے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ جو شخص کسی سے طمع کرتا ہے تو اس سے بخوشامد پیش آتا ہے اور منافق و ریاکار ہو جاتا ہے عبادت میں بھی ریاکاری دکھاتا ہے اور اس کی حقارت پہ صابر رہتا ہے اور اسکی ناحق باتوں پر سہل انگاری دکھاتا ہے حق تعالیٰ نے آدمی کو لالچی پیدا کیا ہے۔ کہ جو کچھ اسکے پاس ہوتا ہے اس پر قناعت نہیں کرتا۔ اور بلا قانع ہو نیکے آدمی حرص وطمع سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر آدمی کو دو میدان سونے کے حاصل ہوں تو وہ پھر بھی تیسرے میدان کی خواہش کریگا۔ سوائے خاک کے اور کوئی شے آدمی کے دلکو سیر نہیں کر سکتی اور جو شخص توبہ کرتا ہے حق تعالیٰ اسکی توبہ قبول کر لیتا ہے اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کی تمام چیزیں بوڑھی ہو جاتی ہیں لیکن دو چیزیں جوان ہوتی جاتی ہیں ایک طویل زندگی کی اُمید اور دوسری مال کی محبت اور فرمایا حق تعالیٰ نے جس شخص کو اسلام کا راستہ دکھایا۔ اور مال بقدر کفایت عنایت فرمایا اور اس نے اسپر قناعت کر لی وہ شخص نیک بخت اور خوش قسمت ہے اور فرمایا میرے دل میں یہ بات روح القدس نے پھونکی ہے کہ آدمی جب بھی جہان سے جاتا ہے اسکی تمام روزی پوری ہو چکی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ سے ڈرو اور آہستگی کے ساتھ دنیا طلب کرو یعنی اس میں مبالغہ اور حد سے زیادہ حرص سے کام نہ لو۔ اور فرمایا مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرو تاکہ عابدوں میں ہو جاؤ اور جو حق تعالیٰ تجھے عنایت فرمائے اسپر قناعت کر تاکہ تیرا شمار شاکرین میں ہو۔ اور لوگوں کیلئے وہی بات پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرے۔ تاکہ تو مومن ہو جائے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آٹھ یا نو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے رسولوں سے بیعت کرو۔ ہم نے عرض کیا کیا ہم نے ایکبار بیعت نہیں کی آپ نے پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ کے رسولوں سے بیعت کرو ہم نے ہاتھ بڑھا دیئے اور عرض کیا کہ کس بات پر بیعت کریں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی پرستش کیا کرو اور پنجوقتہ نماز ادا کیا کرو اور حق تعالیٰ جو کچھ حکم دے اسے سنو اور اسپر عمل کرو اور ایک بات حضورؐ نے چپکے سے ارشاد کی اور وہ یہ کہ کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرو حضورؐ سے یہ سننے کے بعد ان لوگوں کی یہ حالت ہو گئی۔ کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر پڑتا

تو وہ کسی سے اٹھانے کیلئے نہ کہتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا۔ یا الٰہ العٰلمین تیرے بندوں میں سے سب سے زیادہ تونگر کون ہے۔ فرمایا جو شخص کہ اسے میں جو کچھ دوں وہ اسی پر قناعت کرے اور عرض کیا عادل کون ہے حکم ہوا جو اپنے سے انصاف کرے۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سوکھی روٹی بھگو بھگو کر کھاتے اور فرماتے جو اس پر قانع ہے وہ خلق سے بے پروا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر روز ایک فرشتہ منادی کرتا ہے۔ کہ اے فرزند آدم علیہ السلام جس تھوڑے مال سے تجھے کفایت حاصل ہو۔ وہ اس مال سے بہت بہتر ہے جس سے بہت غفلت اور شادمانی حاصل ہو۔ حضرت سمیط ابن عجلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیرا پیٹ ایک بالشت سے زائد نہیں۔ بھلا پھر تجھے یہ دوزخ میں کیوں لیجائے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے بندے اگر میں تجھے ساری دنیا دیدوں۔ تو پھر بھی تو اتنا ہی لے سکیگا جس سے تو اپنی بھوک رفع کر سکے اور اگر میں تجھے اس سے زیادہ نہ دوں اور دنیا کے حسابات کا جھگڑا دوسروں کے سپرد کر دوں تو اس سے زیادہ اور تجھ پر کیا احسان کروں۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ لالچی اور طامع سے زیادہ اور کوئی شخص رنج پر صبور نہیں ہوتا۔ اور قانع سے زیادہ عیش کرنیوالا کوئی نہیں ہوتا۔ اور حاسد سے زیادہ کوئی رنج برداشت نہیں کرتا اور تارک الدنیا سے زیادہ کوئی ہلکے بوجھ والا نہیں ہوتا۔ اور عالم بے عمل سے زیادہ کوئی پشیمان نہیں ہوتا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طمع تیرے گلے میں ایک رسی ہے اور تیرے پاؤں میں ایک پھندا ہے گلے کی رسی کاٹ تاکہ پاؤں کے پھندے سے نجات حاصل کرے۔

حرص اور طمع کا علاج

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ حرص اور طمع کا علاج معجون ہے جو صبر کی تلخی اور علم کی شیرینی اور عمل کی دشواری سے مرکب کی جاتی ہے اور دل کی تمام بیماریوں کی دوائیں انہی اجزاء سے تیار ہوتی ہیں اور یہ علاج پانچ اشیاء سے کیا جاتا ہے ایک تو عمل اور وہ یہ کہ آدمی اپنے اخراجات کو کم کرے موٹے کپڑے پہنے اور روکھی روٹی پر قناعت کرے اور گاہ گاہ دال وغیرہ کھالیا کرے کیونکہ اس قدر لباس اور خوراک نہایت آسانی سے میسر ہو سکتا ہے لیکن اگر شان و شوکت کریگا۔ اور خرچ کو زیادہ کریگا۔ تو قناعت نہ ہو سکے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میانہ روی سے خرچ کرے گا۔ وہ کبھی بھی کسی کا محتاج نہ ہوگا اور فرمایا۔ کہ آدمی کی نجات تین چیزوں میں ہے ایک تو یہ کہ علانیہ اور پوشیدہ حق تعالیٰ سے ڈرے دوسرے امیری و فقیری میں میانہ روی کیساتھ خرچ کرے تیسرے خوشی میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دے ایک شخص نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو چھوہارے کی گٹھلیاں چنتے ہوئے دیکھا۔ آپ فرماتے تھے کہ معیشت میں آسانی اور نرمی کا خیال رکھنا عقلمندی ہے اور علم کی بات ہے حضرت کا

ارشاد ہے کہ جو شخص میانہ روی سے خرچ کریگا۔ حق تعالیٰ اسے بے پروا رکھیگا اور جو شخص فضول خرچی کریگا وہ محتاج رہیگا۔ اور جو حق تعالیٰ کو یاد رکھیگا۔ حق تعالیٰ اسے دوست رکھیگا۔ اور فرمایا تدبیر سے اور آہستگی سے خرچ کرنا نصف معیشت ہے اور ایک بات یہ ہے کہ جب ایک دن کی معیشت ملجائے تو آئندہ کی فکر نہ کرے کیونکہ شیطان اسے کہتا ہے کہ شائد زندگی طویل ہو اور کل کیلئے کچھ نہ ملے آج طلب معاش میں کوشش کر اور جہاں سے ممکن ہو۔ حاصل کرے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ کل کی محتاجی کی فکر سے آج تجھے پریشان رکھے اور تجھے فقیری کی صورت میں دیکھ رہنے کہ شائد کل کا دن تجھے نصیب ہی نہ ہو اور اگر کل کا دن تجھے نصیب ہو گیا۔ تو سر دست جس رنج میں تو نے آج اپنے آپکو ڈال رکھا ہے اسکا رنج اس سے زائد نہ ہو گا۔ اور اس سے اسطرح پرہیز ہو سکتا ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ حرص کے باعث روزی نہیں ملتی۔ بلکہ روزی تو تقدیر میں لکھی ہے وہ خواہ نخواہ ملکر رہے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو غمگین دیکھا۔ تو فرمانے لگے۔ بہت رنج نہ کر۔ حق تعالیٰ نے جو کچھ مقدر میں لکھدیا ہے وہ ضرور ہو گا اور جو تیرا رزق ہے وہ ہر حال میں تجھے ملیگا۔ آدمی کا رزق اکثر ایسی جگہ سے پہنچتا ہے۔ کہ جہاں اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ پرہیزگار لوگوں کو وہاں سے روزی پہنچتی ہے جہاں سے حاصل ہونیکا انہیں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پرہیزگار ہو جا کیونکہ پرہیزگار کبھی بھوک سے نہیں مرتا کیونکہ حق تعالیٰ خلق کو اسپر اس قدر مہربان کر دیتا ہے کہ وہ خود بخود اس کے پاس مال لیجاتے ہیں حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہے وہ دو اقسام سے باہر نہیں ایک تو یہ کہ جو کچھ میرا روزی ہے وہ ہر حال میں مجھے ملیگی۔ اور جو اوروں کی روزی ہے وہ تمام اہل زمین کی کوشش سے بھی مجھے نہ ملیگی تو اسکی طلب میں میری بیقراری بالکل فضول اور رائگان ہے کہ اگر آدمی طمع نہ کریگا اور صبر سے کام لیگا تو صرف رنجیدہ رہیگا اور اگر طمع کریگا اور صبر نہ کریگا تو ذلیل بھی ہو گا اور رنجیدہ بھی ہو گا۔ طمع کے سبب لوگ بھی ملامت کرینگے اور عذاب آخرت کے خطرہ میں بھی مبتلا ہو گا۔ اور اگر صبر سے کام لیگا تو ثواب بھی حاصل کریگا اور لوگ بھی تعریف کریں گے تو آخر ثواب اور تعریف اور عزت کے ساتھ جو رنج ہو وہ اس رنج سے بہتر ہے جو ذلت اور مذمت اور عقوبت کے خوف کے ساتھ ہو۔ حضور کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان کی عزت اس میں ہے کہ وہ خلق سے بے پروا رہے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ تو جس شخص کا محتاج ہے۔ اسکا قیدی ہے اور جو تیرا محتاج ہے تو اسکا حاکم ہے اور جس شخص سے تو بے پروا ہے تو اسکی نظیر اور مثل ہے چوتھی چیز یہ ہے کہ اسبات کا خیال رکھے کہ یہ حرص اور طمع کس غرض کیلئے کرتا ہے اگر پیٹ بھرنے کی غرض سے ہے تو گدھا اور بیل وغیرہ اس سے زیادہ پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اگر شہوت فرج کیلئے کرتا ہے تو سور اور ریچھ اس سے زیادہ شہوت رکھتے ہیں اور

اگر شان و شوکت اور خوش پوشاکی کی غرض سے کرتا ہے تو اکثر یہود اور نصاریٰ اس سے زیادہ ہیں اور اگر طمع دور کرے اور تھوڑے پر قناعت کرے تو انبیاء اور اولیاء کے سوا کسیکو اپنی مثل نہ دیکھیگا تو ہر حال میں ان فرشتہ صورت آدمیوں کی مثل ہونا ان درندوں اور بہائم صورت انسانوں کی مانند ہونے سے بہتر ہے پانچویں چیز یہ ہے کہ مال کی آفت و مصیبت کا خیال کرے کہ جب دنیا میں بہت مال ہوگا۔ تو آفتوں کا خطرہ اور خیال بہت ہوگا۔ روز آخرت میں فقیروں سے پانچسو برس بعد جنت میں جائیگا۔ ہمیشہ ایسے آدمی کے حال پر نظر کرنا چاہیئے جو اپنے سے کمتر ہو تاکہ شکر کرے اور امیروں کو نہ دیکھے۔ تاکہ حق تعالیٰ نے جو نعم اسکو عطا کی ہیں وہ اسے حقیر نظر نہ آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس آدمی کے حال پر نظر کرو جو تم سے کمتر ہو اور ابلیس ہمیشہ یہی سبق دیتا ہے کہ فلاں فلاں آدمی تجھ سے دولت اور امیری میں زیادہ ہے تو بھلا کس لئے قناعت اختیار کرتا ہے اور جب تو پرہیز کو کام میں لاتا ہے تو ابلیس کہتا ہے کہ فلاں فلاں عالم تو پرہیز نہیں کرتے تو کس لئے پرہیز کرتا ہے اور دنیا کے امور میں ہمیشہ اس قسم کی باتیں تیرے پیش نظر رکھتا ہے اور ان آدمیوں کی مثالیں پیش کرتا ہے جو تجھ سے دنیوی امور میں پیش پیش ہوں اور دین کے باب میں جو تجھ سے کم ہوں اور دین کے معاملات میں ہمیشہ بزرگوں کے حالات کو دیکھنا چاہیئے۔ تاکہ آدمی اپنے تئیں جانے کہ میں دینی امورات میں ان سے بہت کم ہوں اور دنیا کے معاملات میں محتاجوں اور فقیروں کو دیکھنا چاہیئے۔ تاکہ اپنے آپکو توانگر خیال کرے۔

سخاوت کی فضیلت اور ثواب کے بیان میں

اے عزیز! تجھ پر روشن ہو کہ جس شخص کے پاس مال نہ ہو اُسے چاہیئے کہ قناعت اختیار کرے حرص سے بچے اور جس کے پاس مال ہو وہ سخاوت اختیار کرے بخل سے پرہیز کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے جسکی شاخیں دنیا میں لٹکتی ہیں جو کوئی سخی ہوتا ہے وہ اسکی ایک شاخ کو پکڑ لیتا ہے اور وہ شاخ اسے بہشت تک پہنچا دیتی ہے اور بخل دوزخ کا ایک درخت ہے جو اسکی شاخ کو پکڑ لیتا ہے وہ دوزخ میں پہنچ جاتا ہے اور فرمایا "دو خلق ایسے ہیں جنہیں حق تعالیٰ نہایت عزیز رکھتا ہے" ایک سخاوت دوسری نیک عادت" اور فرمایا دو خلق ایسے ہیں جنہیں حق تعالیٰ دشمن سمجھتا ہے" ایک بخل دوسری بدخوئی اور فرمایا حق تعالیٰ نے کوئی ولی پیدا نہیں کیا مگر سخی اور نیکخو۔ اور فرمایا سخی کے قصور معاف کر دینے چاہئیں کیونکہ جب اسے حسرت اور تکلیف ہوتی ہے تو حقتعالیٰ اسکی دستگیری کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں کچھ لوگوں کو قید کیا اور انکے قتل کا حکم دیا مگر ایک آدمی کو بچا لیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے سبکو قتل کر ڈالا۔ دین ایک گناہ ایک خدا ایک بھلا اس ایک آدمی کو کیوں قتل نہ کیا حضور نے فرمایا جبرائیل نے

مجھے خبر دیدی تھی ۔ کہ اس آدمی کو قتل نہ کیجئے کیونکہ یہ سخی ہے اور فرمایا سخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا کھانا بیماری ہے اور فرمایا سخی خدا سے اور بہشت سے اور لوگوں سے نزدیک ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل حق تعالیٰ سے دور بہشت سے دُور ۔ لوگوں سے دور اور دوزخ سے نزدیک ہے حق تعالیٰ کے نزدیک جاہل سخی بخیل عابد سے زیادہ عزیز ہے اور بخل تمام بیماریوں سے بدتر بیماری ہے اور فرمایا ۔ میری اُمت کے ابدال بہشت میں نماز روزہ کے سبب سے نہیں گئے ۔ بلکہ سخاوت کے سبب سے اور پاکدلی نصیحت اور شفقت کے سبب سے جو انہیں خلق سے تھی اور حدیث شریف میں ہے ۔ کہ حقتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی ۔ کہ سامری کو قتل نہ کیجئے کیونکہ وہ سخی ہے اس بارہ میں بزرگوں کے اقوال یہ ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب دنیا تیری طرف متوجہ ہو تو خرچ کر ۔ تاکہ تجھے پہنچتی جائے اور جب تیری طرف سے منہ پھیر لے تو تب بھی خرچ کرنا کہ باقی نہ رہے ایک شخص نے شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی حالت زار لکھکر پیش کی آپ نے وہ کاغذ لے لیا اور فرمایا تیری حاجت روا ہو گئی ۔ لوگوں نے عرض کیا آپ نے اس کاغذ کو کیوں نہ پڑھا ۔ آپ نے فرمایا میں ڈرا کہ اگر میں اسکو ذلت سے اپنے سامنے کھڑا رکھوں تو حقتعالیٰ مجھ سے اس بارہ میں سوال کریگا ۔ حضرت محمدؒ بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ام ذرہ خادمہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت فرماتے ہیں کہ ایکبار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے دو تھیلی بھر چاندی ۔ اور ایک لاکھ اسی ہزار درہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بطور نذر بھیجیں حضرت صدیقہ رضؓ نے طباق منگوا کر سب بانٹ دیا ۔ اور شام کو مجھ سے فرمایا کہ کھانا لا ۔ میں روزہ افطار کروں میں روٹی اور روغن زیتون لے گئی ۔ کیونکہ گوشت نہ تھا ۔ میں نے عرض کیا کہ بی بی آپ نے یہ سب مال خرچ کر ڈالا اگر ہم لونڈیوں کیلئے ایک درم کا گوشت منگا لیتیں تو کیا تھا ۔ آپ نے فرمایا ہاں اگر تو اس موقع پر یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضؓ سے کہا کہ سلام نہ کرنا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے گئے تو امام حسن رضؓ انکے پیچھے پیچھے گئے اور ان سے اپنی قرضداری کا حال بیان کیا ۔ ایک اونٹ پیچھے رہ گیا تھا ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اس پر کیا ہے لوگوں نے عرض کیا ۔ کہ مال ہے اس پر اسی ہزار دینار تھے فرمایا کہ حضرت امام حسن رضؓ کے حوالہ کر دو ۔ تاکہ وہ اپنا قرض ادا کر دیں حضرت ابو الحسن مدائنی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ۔ کہ ایکبار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و حضرت امام حسین رضؓ اور حضرت عبد اللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہما حج کو تشریف لے جا رہے تھے اثنائے راہ میں وہ اونٹ جس پر زادِ راہ تھا کہیں پیچھے رہ گیا ۔ ایک جگہ جب بھوک اور پیاس نے غلبہ کیا تو ایک بڑھیا کے پاس گئے اور فرمایا کچھ پینے کو ہے اس نے عرض کیا ہاں ہے ایک بکری اسکے پاس تھی اس نے اسکا دودھ دوہ کر پیش کیا سب صاحبان نے پی لیا پھر فرمایا کچھ کھانے کو ہے اس نے عرض کیا ہاں اسی بکری کو ذبح کر لو ۔ انہوں نے اس بکری کو ذبح کیا اور کھا لیا اور فرمایا کہ

ہم قوم قریش سے ہیں۔ جب اس سفر سے واپس لوٹیں تو ہمارے پاس آنا۔ ہم تیرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے یہ کہہ روانہ ہوگئے۔ جب اسکا خاوند آیا تو خفا ہوا۔ اور کہا کہ تو نے بکری ان لوگوں کو کھلا دی جنہیں تو جانتی بھی نہ تھی۔ قضارا کچھ دن بعد وہ جورو اور خاوند مفلس ہوگئے اور محنت مزدوری کرنے کیلئے مدینہ طیبہ کو گئے حضرت امام حسن رضؓ نے اس بڑھیا کو دیکھ کر پہچان لیا اور ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار اسکو مرحمت کیا اسیطرح حضرت امام حسین رضؓ نے بھی ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دیئے پھر اپنے غلام کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجدیا انہوں نے دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں اس بڑھیا کو مرحمت کیں اور فرمایا اگر تو پہلے میرے پاس آتی۔ تو میں تجھے اسقدر دیتا کہ یہ دونوں صاحب نہ دے سکتے وہ بڑھیا چار ہزار دینار اور چار ہزار بکریاں لے کر اپنے خاوند کے پاس گئی

حکایت حضرت ابوسعید خرگوشی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ مصر میں ایک شخص تھا جسکا نام محتسب تھا۔ اور وہ فقیروں کو جمع کر کے دیا کرتا تھا ایک شخص تھا اسکے گھر فرزند پیدا ہوا وہ کہتا ہے کہ میں محتسب کے پاس آگیا۔ اور محتسب میرے ساتھ آیا۔ اس نے ہر ایک سے سوال کیا لیکن کسی نے کچھ نہ دیا آخر مجھے ایک قبر پہ لے آگیا۔ اور وہاں بیٹھ کر اس صاحب قبر سے یوں مخاطب ہوا۔ اے مردے! حق تعالیٰ تجھ پر اپنی رحمت نازل کرے تو ایسا آدمی تھا کہ فقیروں کی تکلیف کو دور کیا کرتا تھا۔ اور جس چیز کی ان کو ضرورت ہوا کرتی تھی دیا کرتا تھا آج میں نے اس شخص کے لڑکے کیواسطے بہت کوشش کی لیکن کسی نے کچھ نہ دیا۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھ بیٹھا۔ اور اسکے پاس ایک دینار تھا۔ اسکے دو حصے کئے ایک مجھے دیا اور کہا کہ جبتک کچھ ملے میں تجھے یہ قرض دیتا ہوں یہ شخص جو حاجتمند تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے لے لیا۔ اور لڑکے کے کام میں صرف کیا محتسب نے آدھی رات کے وقت مردہ کو خواب میں دیکھا وہ کہتا ہے کہ جو کچھ تو نے مجھے کہا تھا۔ میں نے سُن لیا تھا لیکن جواب دینے کا ہمیں حکم نہیں اب تو میرے گھر جا اور میرے لڑکوں سے کہہ کہ چولھے کے پاس پانسو دینار دفن ہیں وہ کھود یں اور اس شخص کو جسکے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے دیدیں۔ محتسب اسکے گھر گیا۔ اور اسکے لڑکوں سے تمام خواب کا ماجرا بیان کیا انہوں نے جب اس جگہ کو کھودا تو وہاں سے واقعی پانسو دینار برآمد ہوئے محتسب نے اسکے لڑکے سے کہا کہ میرا خواب حکمی نہیں یہ دینار تمہاری ملک ہیں تم لے لو انہوں نے کہا۔ سبحان اللہ مردہ تو سخاوت کرے اور ہم زندہ ہو کر بخل سے کام لیں محتسب کہتا ہے کہ میں اسیطرح وہ دینار لے کر اس مرد کے پاس گیا اس نے ایک دینار لے کر اسکے دو حصے کئے ایک حصہ سے اسکا قرض ادا کیا اور کہا کہ باقی لیجا کر محتاجوں کو تقسیم کر دے مجھے اسی قدر حاجت تھی ابوسعید خرگوشی رحؒ فرماتے ہیں کہ نامعلوم اب اُن میں سے کون بڑا سخی اور بہتر ہے کہتے ہیں کہ میں جب مصر گیا تو اس مردے کا گھر تلاش کیا۔ اور اسکے لڑکوں کو دیکھا تو انکے چہرے سے خیر کے آثار نمایاں تھے اور مجھے یہ آیت یاد آئی وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ یعنے ان دونوں کا باپ صالح تھا۔ اے عزیز! سخاوت کے متعلق اسباب پر تعجب نہ کر کہ مرنیکے

بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اسواسطے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو مہمان رکھا کرتے تھے اور اب تک ان کے مرقد شریف پر وہ برکتیں باقی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ رو رہے تھے لوگوں نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ کیوں روتے ہیں آپ نے فرمایا۔ ایک ہفتہ ہونیکو آیا ہے کہ میرے گھر کوئی مہمان نہیں آیا ایک شخص نے اپنے کسی دوست سے بیان کیا۔ کہ میں چار سو درم کا قرضدار ہوں اس دوست نے اسے چار سو درہم دیئے اور خود رونے لگا۔ اسکی بیوی نے کہا۔ کہ رونا ہی تھا تو پھر دیئے کیوں تھے اس نے کہا۔ اری نادان میں اسوجہ سے روتا ہوں کہ میں اسکے حال سے غافل ہو گیا اور اسے مجھ سے مانگنے کی حاجت ہوئی

مذمت بخل کا بیان

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ یعنی جسکو حق تعالیٰ نے بخل سے محفوظ رکھا اسکی نجات ہو گئی۔ اور فرمایا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی اس بات کو کبھی بھی خیال میں نہ لانا کہ جو شخص حق تعالیٰ کی دی ہوئی دولت میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اچھا کرتے ہیں۔ بلکہ انکے واسطے نہایت برا ہے اور قریب ہے کہ جس چیز میں وہ بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اسکا طوق بنا کر انکے گلے میں ڈالدیا جائیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بخل سے دور رہو۔ کیونکہ تم سے پہلے جو قوم تھی وہ بخل کیوجہ سے ہلاک ہوئے اور بخل نے انکو خون پر آمادہ کر دیا۔ اور انہوں نے خون کئے اور حرام کو حلال ٹھہرایا۔ اور فرمایا تین چیزیں ہلاک کرنیوالی ہیں ایک بخل اگر تو اسکی مخالفت نہ کرے اور اسکا مطیع ہو جائے۔ دوسری وہ باطل خواہش جسکا تو پیچھا کرے تیسری خود پسندی حضرت ابو سعید خدری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے اور ایک اونٹ کی قیمت طلب کی۔ اور آپ نے عنایت کی جب وہ باہر گئے تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے شکریہ ادا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیفیت پوچھی اور عرض کیا کہ فلاں شخص اس سے زائد لے گیا اور شکریہ ادا نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص آئے اور الحاح کر کے طلب کرے تو وہ آگ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اگر آگ ہے تو آپ کیوں دیتے ہیں۔ فرمایا اسلئے کہ وہ الحاح کرتے ہیں اور حق تعالیٰ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ میں بخیل ہو جاؤں اور نہ دوں۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں طواف فرما رہے تھے اور ایک شخص کعبہ شریف کے حلقہ کو پکڑ کر کہہ رہا تھا۔ یا ارحم الراحمین میرا قصور معاف کر دے اور مقدس گھر کی برکت سے بخشدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ تیرا گناہ کونسا ہے اس نے عرض کیا۔ کہ میرا گناہ اتنا بڑا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا

سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تیرا گناہ بڑا ہے۔ یا زمین بڑی ہے اس نے عرض کیا میرا گناہ اس سے کہیں بڑا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ تیرا گناہ بڑا ہے۔ یا حق تعالیٰ کی ذات بڑی ہے اس نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ کی ذات تو سب سے بڑی ہے، حضورؐ نے فرمایا۔ بھلا اپنا گناہ تو بیان کر۔ اس نے عرض کیا۔ میں بہت مالدار ہوں لیکن جب کوئی محتاج دور سے نظر آتا ہے۔ تو میں یہ خیال کرتا ہوں۔ کہ آگ آتی ہے جس سے میں جل جاؤنگا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تو مجھ سے دور رہ کہ اپنی آگ میں کہیں مجھے بھی نہ جلادے قسم ہے مجھے اس خدا کی جس نے مجھے راہ راست پر مبعوث کیا۔ کہ اگر رکن اور مقام کے درمیان تو ہزار برس نماز پڑھے اور اتنا روئے کہ تیرے آنسوؤں سے نہریں جاری ہونے لگیں اور درخت پیدا ہو جائیں اور تو بخل میں مرے تو تیرا ٹھکانا سوائے دوزخ کے اور کہیں نہ ہوگا۔ تجھے خبردار رہنا چاہیئے کیونکہ بخل کفر سے ہے اور کفر آگ میں ہے۔ افسوس تو نے یہ نہیں سنا حق تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ اور وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر روز ہر شخص کیلئے دو فرشتے موکل مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور منادی کرتے ہیں کہ اے پروردگار! جو مال کو رکھ چھوڑے تو اسکے مال کو تلف کردے اور جو خرچ کرے۔ تو اسے اسکے عوض اور عطا فرما۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بخیل کو عادل نہ کہونگا۔ اور اسکی گواہی باور نہ کرونگا۔ کیونکہ بخل کی وجہ سے وہ زیادہ لینے میں تجسس کرتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے ابلیس کو دیکھا اور پوچھا۔ تو کسی شخص کو زیادہ دشمن سمجھتا ہے اور کس شخص کو زیادہ دوست رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں زاہد بخیل کو نہایت دوست رکھتا ہوں کیونکہ وہ محنت کرتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی عبادت بجا لاتا ہے اور بخل اسکی تمام عبادت کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور فاسق سخی کو میں دشمن سمجھتا ہوں کہ خوب مزے کرتا ہے۔ اور زندگی چین سے گذارتا ہے اور مجھے خوف ہے کہ کہیں حقتعالیٰ اسے سخاوت کیوجہ سے بخش ہی نہ دے اور اسے توبہ نصیب ہو۔

ایثار کے ثواب کے بیان میں

اے عزیز! تجھے معلوم ہو۔ کہ ایثار سخاوت سے کہیں بڑھ کر ہے اس لئے کہ سخی تو وہ شخص ہے جو ایسی چیز کسی کو دے جس کی اسے خود حاجت نہ ہو اور ایثار یہ ہے۔ کہ خود جس چیز کی حاجت ہو۔ اسے دوسرے کی حاجت کے پورا کرنے میں صرف کردے۔ جیسے سخاوت کا کمال یہ ہے کہ جس چیز کی خود حاجت ہو۔ وہ دوسرے کو دے۔ اسیطرح بخل کا کمال یہ ہے کہ جس چیز کی اپنی ذات کیلئے ضرورت ہو اسے استعمال نہ کرے حتیٰ کہ بیمار ہونے پر دوا بھی نہ کرے اور اسی امید میں رہے کہ کسی دوسرے سے لیکر حاجت پوری کرلوں ایثار کی بڑی فضیلت ہے حق تعالیٰ نے ایثار ہی کیوجہ سے انصار کی تعریف فرمائی يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس چیز کو جسکی اسے خود حاجت ہو دوسرے کو دیدے۔ حق تعالیٰ اسے بخشدیتا ہے
ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ کے گھر میں ہم نے کبھی تین دن بھی آسودہ ہو کر نہیں
کھایا۔ اور نہ کھا سکے لیکن ایثار کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا۔ اور ایک شخص انصار میں سے
اسکو اپنے گھر لے گیا۔ کھانا تھوڑا تھا۔ اس انصاری نے چراغ گل کر دیا اور آپ جھوٹ موٹ منہ ہلاتا رہا۔ تاکہ
مہمان یہ خیال کرے۔ کہ وہ بھی اس کے ساتھ کھانے میں مشغول ہے دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس سے فرمایا۔ کہ جو اخلاق اور ایثار تو نے اس مہمان کے ساتھ برتا۔ حق تعالیٰ بھی اس پر متعجب ہوا۔ اور یہ آیت
نازل ہوئی۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا۔ کہ اے پروردگار مجھے محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور عظمت دکھا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد کیا۔ اے موسیٰؑ تجھ میں یہ طاقت نہیں کہ تو
اس کو دیکھ سکے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجوں میں سے ایک درجہ تجھے دکھاتا ہوں جب دکھایا تو یہ خوف تھا
کہ حضرت موسیٰ کہیں اسکی عظمت اور نور سے مدہوش نہ ہو جائیں حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا۔ بار خدا! محمد صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ درجہ کس شے سے حاصل کیا۔ ارشاد ہوا کہ ایثار سے اور فرمایا اے موسیٰؑ جو شخص عمر بھر میں ایک بار
بھی ایثار کرتا ہے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس سے حساب لوں اسکی جگہ بہشت ہے جہاں چاہے رہے حضرت عبد اللہ
ابن جعفر رضی اللہ عنہ ایک بار سفر میں تھے خرمے کے ایک باغ میں پہنچے اس باغ کا غلام ایک سیاہ حبشی چوکیدار تھا اس
کیلئے تین روٹیاں لائیں گئیں اتنے میں ایک کتا آ گیا اس نے ایک روٹی اٹھا کر اس کتے کے آگے ڈالدی اس نے
کھالی۔ پھر دوسری بھی اس کے آگے ڈالدی۔ پھر تیسری بھی ڈالدی۔ کتے نے وہ بھی لے لی حضرت عبد اللہ رضی
اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ کہ تیری روزی ہر روز کتنی ہے اس نے کہا یہی تین روٹیاں۔ فرمایا تو نے یہ سب کتے کے آگے کیوں
ڈالدیں اس نے کہا یہ کتا اس جگہ نہیں رہتا۔ میں نے کہا۔ کہیں دور سے آیا ہے میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ یہ بھوکا جائے پھر
پوچھا بھلا آج تو کیا کھائیگا۔ اس نے کہا میں آج صبر سے کام لونگا فرمایا سبحان اللہ! لوگ تو سخاوت کے سبب سے مجھے
پسند کرتے ہیں لیکن یہ حبشی غلام سخاوت میں مجھ سے بھی بڑھ گیا۔ پھر آپ نے اس غلام کو خرید کر آزاد کر دیا اور باغ
بھی خرید کر اسے دیدیا۔ حضور رحمۃ للعلمین کافروں کو بھی ایذا دینے سے حذر کرتے تھے امیر المومنین حضرت علی کرم
اللہ وجہہ جناب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام استراحت پر سو رہے تھے تاکہ خدا نخواستہ اگر کفار قصد
کریں تو حضورؐ کی جگہ پر اپنی جان فدا کر دیں۔ حق تعالیٰ نے حضرت جبرائیل اور میکائیل سے فرمایا کہ میں نے تم کو ایک دوسرے
کا بھائی بنایا اور ایک کی عمر دوسرے سے بڑی کی ایسا کون ہے جو اپنی عمر دوسرے کو دیدے ان میں سے ہر ایک نے اپنی
عمر کی زیادتی چاہی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا تم نے بھی ایسا کیوں نہ کیا جیسا کہ حضرت علیؓ نے کیا میں نے اسکو محمدؐ کا بھائی
بنایا اور اس نے اپنی جان میرے حبیب و رسول پر ایثار اور فدا کی اور اپنے بھائی کی جگہ پر سو رہا اب تم دونوں جاؤ اور اس

کو دشمن سے بچاؤ۔ دونوں آئے حضرت جبرائیل سرہانے اور حضرت میکائیل پائینتی کھڑے ہوئے اور کہتے تھے واہ وا اے فرزند ابوطالب خوش رہ۔ حق تعالیٰ تیری ذات پر فرشتوں کے سامنے فخر و مباہات کرتا ہے اور یہ آیت نازل فرمائی وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ الآیۃ۔ حضرت حسن انطاکی رحمۃ اللہ علیہ نہایت بڑے مشائخین میں سے تھے تیس اور کچھ آدمی اور انکے دوستوں میں سے جمع ہوئے روٹیاں سب کیلئے کافی نہ تھیں۔ سب کے ٹکڑے کرکے دسترخوان پر رکھ دیئے اور چراغ وہاں سے اٹھا دیا۔ یہ سب لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے جب چراغ لایا گیا تو تمام ٹکڑے اسیطرح تھے کسی نے بھی ایثار کے خیال سے نہ کھائے تھے۔ ہر ایک کا یہی خیال تھا کہ ہمارا ساتھی کھالے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ تبوک[1] کے دن بہت سے لوگ شہید ہوئے ان میں سے میرا چچازاد بھائی بھی تھا میں پانی لیئے ہوئے اسے ڈھونڈھ رہا تھا جب اسے پایا تو وہ دم بھر کا مہمان تھا میں نے پوچھا بھائی پانی پیئے گا اس نے کہا ہاں پیونگا اتنے میں دوسرے زخمی نے آہ کی۔ میرے بھائی نے اشارہ کیا۔ پہلے اسکے پاس لیجاؤ۔ دیکھا تو وہ حضرت ہشام ابن العاص تھے قریب تھا کہ انکی روح قفس عنصری سے پرواز کرے میں نے پانی پینے کیلئے عرض کیا اتنے میں کسی اور نے آہ کی حضرت ہشام نے فرمایا پہلے اسکو پانی دو۔ میں جب اسکے قریب گیا تو مرچکا تھا پھر ہشام کے پاس آیا تو انہیں مردہ پایا جب اپنے چچازاد بھائی کے قریب پہنچا تو وہ بھی فوت ہوچکا تھا بزرگوں کا مقولہ ہے کہ کوئی شخص دنیا سے ایسا نہیں گیا جیسا کہ وہ آیا تھا۔ مگر حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ انکی جان کنی کے وقت ایک فقیر آیا اس نے کچھ طلب کیا۔ آپکے پاس سوائے ایک پیراہن کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ اتار دیا اور کسی سے کپڑا استعار لیکر پہنا اور انتقال فرمایا۔

سخاوت اور بُخل کی حد کے بیان میں تاکہ یہ معلوم ہو کہ سخی کون شخص ہے اور بخیل کون شخص ہے

اے عزیز! تجھے جاننا چاہیئے کہ ہر شخص اپنے آپکو سخی خیال کرتا ہے ممکن ہے اور شخص اسے بخیل تصور کرتے ہوں اسلئے اسکی حقیقت کو پہچاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ نہایت بُری بیماری ہے لوگوں کے لئے اسکا جاننا ضروری ہے تاکہ وہ اسکا علاج کریں اور ایسا کوئی شخص نہیں کہ لوگ جو کچھ اس سے مانگیں وہ دیدے اور اگر اس بات سے لوگ بخیل سمجھے جانے لگیں۔ تو سب لوگ بخیل ہی ہو جائیں اسبارہ میں بزرگوں کے بہت سے اقوال ہیں اکثر لوگوں کا مقولہ یہ ہے کہ جس شخص پر کوئی چیز شرعاً دینا واجب ہو اور وہ نہ دے تو اسے بخیل سمجھنا چاہیئے۔ لیکن یہ بات ٹھیک نہیں ہمارے نزدیک وہ شخص بخیل ہے جو نانبائی کو روٹی اور قصاب کو گوشت پھیر دے کہ یہ کچھ کم ہے وہ بخیل ہے اور جو شخص جورو اور لڑکوں کو مقررہ نفقہ سے ایک کچھ نہ دے وہ بھی بخیل ہے اور جو شخص روٹی کھانے بیٹھے اور اتنے میں کوئی فقیر آجائے

[1] میرے خیال میں یہ واقعہ جنگ یرموک کا ہے (نامی)

اور راس سے چھپائے۔ اسے نہ دے تو ایسا شخص بھی بخیل ہے کیونکہ شرع اسی مقدار پر اقتصار کرتی ہے اور جسکی طاقت بخیل لوگوں میں ہو جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ یَّسْئَلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ۔ تو یہ صحیح ہے کہ بخیل وہ شخص ہے جو دینے کی چیز نہ دے اور حقتعالیٰ نے مال کو حکمت کی غرض سے پیدا کیا ہے تو بمال کا نہ دینا بخل ہے اور دینے کی شے وہ ہے جسکے لئے شرع امر کرے اور مروت تقاضا کرے اور شرع کی رو سے جو دینا واجب ہے وہ معلوم ہے لیکن مروت کی رو سے جو دینا چاہیئے وہ مقدار مال اور لوگوں کے احوال کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا ہے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حسب عادت امیروں سے بُری معلوم ہوتی ہیں لیکن فقیروں سے بُری معلوم نہیں ہوتیں بعض ایسی ہیں جو اہل وعیال کیلئے بُری معلوم ہوتی ہیں لیکن دوسروں سے بُری معلوم نہیں ہوتیں اور بعض دوستوں کیساتھ بُری معلوم دیتی ہیں لیکن بیگانوں سے بُری معلوم نہیں ہوتیں اور بعض مہمانداری میں بُری معلوم ہوتی ہیں لیکن معاملات میں بُری نہیں ہوتیں بڈھوں سے بُری معلوم ہوتی ہیں جوانوں سے نہیں مردوں سے بُری معلوم ہوتی ہیں عورتوں سے نہیں اسکی حد یہ ہے کہ جب مال کا رکھ چھوڑنا مقصود ہو اور رکھ چھوڑنے سے زیادہ صرف کرنیکی ضرورت پیش آئے تو ایسی صورت میں صرف نہ کرنا بخل ہے اور جب رکھ چھوڑنا ضروری ہو تو صرف کرنا اسراف میں داخل ہے اور بخل اسراف دونوں بُرے ہیں اور جب کوئی مہمان آجائے تو مروت کا خیال کرنا مال کے خیال سے زیادہ اہم ہے اور اس عذر سے کہ اب میں زکوۃ دے چکا ہوں۔ مہمان کی مہمانداری نہ کرنا نہایت بُری بات ہے اور جب آدمی کے پاس زیادہ مال ہو اور ہمسایہ بھوکا ہو تو نہ دینا بخل ہے اور گو شریعت اور مروت کے واجبات ادا کر چکنے کے بعد بہت سا مال باقی رہے تو خیرات کرنے سے ثواب کا طالب ہونا ضروری ہے اور زمانہ کی مصیبتوں اور مشکلوں کا خیال کرتے ہوئے بھی مال کا رکھ چھوڑنا ضروری ہے لیکن اگر اسے غرض ثواب پر مقدم کیا جائے تو بزرگوں کے نزدیک بخل میں داخل ہے لیکن عوام کے نزدیک بخل نہیں کیونکہ عوام کی نظر اکثر دنیا ہی پر ہوتی ہے اور یہ بات ہر ایک کے حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے پس اگر کسی نے شریعت اور مروت کے واجبات پورے کر دیئے تو بخل سے وہ رہائی پا گیا لیکن سخاوت کا درجہ اسے جب ہی حاصل ہوگا کہ وہ اسپر مزید خرچ کرے اور جسقدر زیادہ خرچ کریگا اسی قدر سخاوت میں اسے زیادہ درجہ نصیب ہوگا اور ثواب بھی حاصل کریگا آدمی اُس وقت سخی ہوتا ہے جب دینا اسپر شاق نہ ہو اگر مشکل سے دیگا تو سخی نہ کہلائیگا اور اگر شکر و مکافات کا امیدوار ہے تو تب بھی سخی نہ ہوگا۔ اور حقیقت میں جواد اور سخی وہ شخص ہے جو بلاغرض دے اور یہ آدمی سے محال ہے بلکہ حق تعالیٰ ہی کی صفت ہے لیکن جو آدمی ثواب آخرت ہی پر اکتفا کرے تو ہم اسے مجازاً سخی کہہ سکیں گے کیونکہ وہ بالفعل کسی عوض کا طالب نہیں ہوتا دنیا میں سخاوت یہ ہے۔ اور دین میں سخاوت اسے کہتے ہیں کہ حقتعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے دریغ نہ کرے اور آخرت کے ثواب کی بھی تمنا نہ کرے بلکہ اس سے غرض اور اسکا مقصد اپنے آپکو حق تعالیٰ کی محبت میں فدا کرنا ہو۔ کیونکہ اگر کسی شے کی امید رکھیگا تو وہ اسکے لئے معاوضہ ہوگی اور پھر سخاوت باقی نہ رہیگی

بُخل کے علاج کے بیان میں

اے عزیز! تجھ پر واضح ہو کہ یہ علاج بھی علم و عمل سے ہی مرکب ہے علم تو یہ ہے کہ پہلے تو بخل کے سبب سے واقف ہو جائے کیونکہ جس بیماری کے سبب سے تو واقف نہ ہوگا۔ اسکا علاج نہ کر سکے گا۔ اسکا سبب خواہشات کی محبت ہے اس لئے کہ آدمی بغیر مال کے خواہشات تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسکے ساتھ طوالت عمر کی بھی امید ہوتی ہے کیونکہ اگر بخیل اسباب سے واقف ہو جائے کہ اسکی زندگی ایک ماہ یا ایک برس سے زائد نہیں تو اس کیلئے مال کا خرچ کرنا آسان ہو جائیگا مگر ایسی حالت میں جبکہ اسکا فرزند ہو۔ تو اسکا بخل اور مضبوط ہو جائے گا۔ اسلئے کہ وہ فرزند کی بقا کو اپنی بقا جانتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فرزند بخیلی اور بزدلی اور نادانی کا سبب ہوتا ہے اور بعض اوقات مال کی محبت بُری خواہشات پیدا ہونے کا موجب ہوتی ہے یا مال کی محبت نفس کی خواہش کیلئے نہیں ہوتی بلکہ نفسِ مال ہی اسکا معشوق ہوتا ہے اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی مال رکھ چھوڑتا ہے اور اس مال کی آمدنی ہی اسکے بال بچوں کیلئے کافی ہوتی ہے لیکن اگر آپ بیمار ہو جائے تو دوا تک نہیں کرتا اور نہ زکوٰۃ بھی نہیں دیتا اور مال کو زمین میں دفن کر رکھتا ہے حالانکہ اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ میں مر جاؤنگا اور میرے مال پر دشمن قابض ہو جائینگے لیکن بخل اسے خرچ کرنیکی اجازت نہیں دیتا۔ یہ بیماری نہایت بُری ہے اور اسکا علاج شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اب جبکہ تو اسکے سبب سے واقف ہو گیا تو قناعت کو کام میں لاکر اور ترک شہوت پر ذرا صبر کر کے خواہشات کی محبت کا علاج کر سکیگا۔ تاکہ مال کی پرواہ نہ رہے اور زندگی کی امید کا علاج آدمی کو اسطرح کرنا چاہیئے کہ موت کا بہت خیال رکھے اور اسباب کو سوچے کہ اسکے ہمجنس جو غافل تھے دفعتہً موت کا شکار ہو گئے اور اپنے ساتھ سوائے حسرت کے اور کچھ نہ لیگئے دشمنوں نے انکا مال افسوس کے چند کلمات ساتھ تقسیم کر لیا اور اولاد کی محتاجی کا علاج اسے یوں کرنا چاہیئے کہ اسبات پر بھروسہ رکھے کہ جس نے انکو پیدا کیا ہے وہ ان کے رزق کا بھی کفیل ہے اگر انکے نصیب میں محتاجی ہی لکھی ہے تو وہ اس کی بخیلی سے تو انگر نہ ہو سکیں گے اور وہ مال کو ضائع کر دیں گے اگر انکے نصیبوں میں تو انگری ہے تو انہیں اور کہیں سے مل ہی جائیگا۔ یہ امر مشاہدات میں سے ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے باپ سے کچھ میراث حاصل نہ کی اور وہ امیر ہو گئے اور بعض جنہوں نے کافی میراث حاصل کی فقیر ہو گئے اور اس بات پر یقین رکھے کہ اگر اولاد خدا کی فرمانبردار ہوگی تو خدا خود ہی انکی ضروریات کو پورا کریگا۔ ورنہ انکے لئے محتاجی ہی کا ہونا مصلحت ہے تاکہ مال کو گناہوں میں صرف نہ کریں اور جو احادیث سخاوت کی تعریف اور بخل کی مذمت میں ہیں ان پر غور و فکر سے کام لے اور سوچے کہ بخیل کا ٹھکانا سوائے دوزخ کے اور کہیں نہیں اگرچہ کتنا ہی عابد کیوں نہ ہو آدمی کو مال سے اور سوائے اسکے کیا فائدہ ہے کہ وہ اسکی معرفت دوزخ کی آگ اور حق تعالٰی کی ناخوشی سے بچے اور بخیلونکی حالت پر غور کرے کہ وہ لوگونکو کیسے بُرے معلوم ہوتے ہیں اور سب

انہیں اپنا دشمن تصور کرتے ہیں۔ اور انکی بُرائی کرتے ہیں۔ اور اس بات کو خوب یاد رکھے کہ اگر میں بخیل ہونگا تو لوگ مجھے بھی اسی طرح بُرا سمجھیں گے اور حقارت کی نظروں سے دیکھیں گے۔ یہ علمی علاج ہے۔ جب ان باتوں میں تفکر کرے تو اگر بیماری جاتی رہے۔ اور دل میں مال کے خرچ کرنیکی رغبت پیدا ہو تو عمل میں مشغول ہونا چاہیئے۔ جیسے ہی خیال آئے۔ فوراً خرچ کرنا شروع کردے حضرت ابوالحسن البوسنجہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید کو طہارت خانہ میں آواز دیکر کہا کہ میرا پیراہن اتارلے۔ اور فلاں فقیر کو دیدے مرید نے عرض کیا یا شیخ آپ نے باہر آنے تک صبر کیوں نہ کیا؟ فرمایا مجھے خوف پیدا ہوا۔ کہ مبادا کہیں دوسرا خیال پیدا ہو جائے اور مجھے اس کارِ خیر سے باز رکھے۔ اور ممکن نہیں کہ بلا خرچ کرنیکے بخل جاتا رہے۔ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ بلا سفر کرنے کے اور معشوق سے جدا ہونیکے عاشق غمِ عشق سے نجات حاصل کرے۔ اسیطرح مال سے علیحدگی اختیار کرنا عشقِ مال کا علاج ہے حقیقت میں اگر آدمی مال کی محبت سے نجات حاصل کرنیکے لئے اسے غرقِ دنیا کردے۔ تو بخیلی سے رکھ چھوڑنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ ایک پاکیزہ علاج اور نہایت ہی لطیف حیلہ یہ بھی ہے۔ کہ اپنے آپکو نیکنامی کا فریفتہ بنائے۔ اور اپنے دل سے کہے خرچ کرتا کہ لوگ تجھے سخی تصور کریں اور اچھائی سے یاد کریں۔ اور حرصِ جاہ کو حرصِ مال پر مسلط کردے۔ حتٰی کہ جب مال کی حرص ٹوٹ جائے تو ریا کا علاج کریں جسطرح کہ لڑکے کا دودھ چھڑاتے وقت اسے ایسی چیز کی چاٹ پر لگاتے ہیں۔ جو اسے مرغوب ہو۔ تاکہ اسکے شغل میں دودھ کو بھلا دے اخلاقِ خبیثہ کے علاج کا یہ نہایت ہی اچھا طریق ہے۔ کہ ایک صفت کو دوسری صفت پر مسلط کردیں تاکہ جس صفت کو مسلط کیا ہے اس کی طاقت سے پہلی صفت سے نجات مل جائے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسکہ جو خون کپڑے پر پانی کی طاقت سے نہیں چھوٹتا۔ اسے پیشاب سے دھوئیں تاکہ پیشاب اسے شوریت کیوجہ سے زائل کردے پھر پیشاب کو پانی سے صاف کر ڈالیں۔ تو اسی طرح جو شخص بخل کو ریا سے دھوئے۔ اس نے گویا نجاست کو نجاست سے دھویا لیکن ریا جب اس کے دل میں قیام نہ کرسکا تو اسے فائدہ نہوگا۔ اگرچہ بخل اور اپنی تعریف کی خواہش دونوں کو بشریت سے تعلق ہے لیکن بشریت میں گلشن بھی ہے اور گلخن بھی۔ بخل گلخن ہے اور سخاوت گلشن ہے اور ریا ونیکنامی کی غرض سے سخاوت کرنا حرام نہیں۔ کیونکہ ریا صرف عبادت ہی میں حرام ہے تو بخیل کیلئے اعتراض لازم نہیں کہ فلاں شخص ریاکاری سے خرچ کرتا ہے۔ اس لئے کہ ریا کے ساتھ خرچ کرنا بخل کے سبب نہ خرچ کرنیسے نہایت بہتر ہے۔ جیسا کہ گلشن میں ہونا گلخن میں ہونے سے کہیں بہتر ہے بخل کا علاج یہی ہے جیسے بیان کردیا گیا یعنے رنج و تکلیف کے ساتھ دینا تاکہ عادت پڑ جائے۔ اور بعض مشائخین نے اس طور سے مریدوں کا علاج کیا ہے ہر ایک مرید کیواسطے علیحدہ علیحدہ گوشے مقرر کردیئے ہیں۔ تاکہ اس گوشہ کے ساتھ اسکا دل لگ جائے جب دل لگ گیا تو اسے دوسرے گوشے میں بھیجدیتے ہیں۔ اور اس کا گوشہ دوسرے مرید کو دیدیتے ہیں اگر دیکھتے ہیں کہ ایک مرید نے اچھا جوتا پہنا ہے اور اسے وہ بھلا معلوم دیتا ہے تو اس دوسرے مرید کو دینے کیلئے حکم کردیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

دفعہ نعلین شریفین میں نیا تسمہ ڈالا۔ دوران نماز میں اس نئے تسمہ پر نظر پڑی تو آپ نے فرمایا وہی پرانا تسمہ لاؤ نیا کال کر حضورؐ نے وہی پرانا ڈال لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔ تو معلوم ہوا کہ مال کی محبت کے دور کرنیکا یہی طریق ہے کہ اسے اپنے پاس سے جدا کیا جائے۔ اسلئے کہ جبتک ہاتھ فارغ نہ ہوگا۔ دل بھی فراغت نہ پائیگا اسی سبب سے محتاج فراخدل ہوتا ہے اور جب وہ کچھ مال جمع کر لیتا ہے تو بخیل ہو جاتا ہے جو چیزیں آدمی کے پاس نہیں رہتیں۔ آدمی کا دل بھی ان سے بے پرواہ رہتا ہے ؛

حکایت: ۔ ایک شخص کسی بادشاہ کے پاس فیروزہ کا بنا ہوا ایک کاسہ ہدیہ لایا۔ وہ کاسہ نہایت لاجواب تھا اور اسکی نظیر مشکل تھی۔ بادشاہ کے دربار میں ایک حکیم حاضر تھا بادشاہ نے اس سے پوچھا۔ یہ کاسہ کیا ہے اس نے ابدیا مجھے یہ نظر آرہا ہے کہ اس کاسہ کا انجام یا تو مصیبت ہے یا محتاجی ہے۔ اور اس کے آنے سے پیشتر آپ ان دونوں باتوں سے مستغنی تھے۔ بادشاہ نے کہا بھلا وہ کیسے۔ اس نے عرض کیا۔ اگر ٹوٹ جائے تو ایک مصیبت ہے۔ کیونکہ بے نظیر ہے۔ اور اگر چرالے جائیں تو درویشی اور محتاجی کا موجب ہے۔ تاوقتیکہ اس جیسا پھر نہ مل جائے ناگاہ ایک روز ایسا اتفاق ہوا۔ کہ وہ کاسہ ٹوٹ گیا۔ بادشاہ نہایت غمگین ہوا۔ فرمایا حکیم سچا تھا اور اس نے سچ کہا تھا

زہرِ مال کے منتر کا بیان

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ مال کی مثال سانپ کی طرح ہے کہ اس میں زہر بھی ہے۔ اور تریاق بھی جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ جو شخص منتر جانے کے بغیر ہاتھ ڈالے گا۔ وہ اپنی ہلاکت کا موجب ہوگا۔ چونکہ مال بالکل برا ہی نہیں ہے اسلئے صحابہ کرامؓ میں سے بھی بہت سے لوگ مالدار تھے۔ جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ مالدار ہونا برا نہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جیسے ایک لڑکا کسی افسوں گر کو دیکھے کہ وہ سانپوں کو پکڑ کر پٹاری میں ڈال رہا ہے اور یہ خیال کرے۔ کہ یہ سانپوں کو نرم ہونیکی وجہ سے پکڑ رہا ہے۔ کیونکہ سانپ ہاتھ میں اچھے معلوم دیتے ہیں۔ اور وہ بھی سانپ پکڑنے کی جرأت کرے۔ اور ہلاک ہو جائے۔ مال کیلئے پانچ منتر ہیں۔ پہلا منتر تو یہ ہے۔ کہ وہ اس بات سے واقف ہو جائے کہ حق تعالیٰ نے مال کو کیوں پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ مال قوت۔ لباس اور مسکن کی غرض سے ہے۔ کیونکہ ان اشیاء کی ضرورت آدمی کے بدن کے لئے لابدی ہے اور بدن حواس کیلئے اور حواس عقل کے لئے اور عقل دل کے لئے کہ دل حق تعالیٰ کی معرفت کیلئے آراستہ ہو۔ آدمی جب اس بات سے واقف ہو جائے تو اپنی حاجت کے قدر مال سے دل لگائے۔ اور نیک مصارف میں اندازہ کیساتھ خرچ کرے دوسرا منتر یہ ہے۔ کہ مال کی آمد کا خیال رکھے۔ تاکہ مال حرام اور مشتبہ نہ ہو اور کسی ایسی وجہ سے نہ ہو جو مروت کے خلاف ہو جیسے رشوت اور گدائی۔ اور حمامی کی اجرت وغیرہ وغیرہ۔ تیسرا منتر یہ ہے کہ مال کی مقدار کا خیال رکھے۔ تاکہ حاجت سے

زیادہ جمع نہ ہونے پائے اور جو راہِ دین میں حاجت سے زیادہ ہو۔ اسے حاجتمند ونکا حق خیال کرے اور اگر کوئی محتاج آجائے تو جو حاجت سے زائد ہو۔ وہ اسے دیدے۔ بچا کر نہ رکھے۔ اگر ایثار کی طاقت نہ ہو۔ تو ضرورت کی جگہ پر ضرور صرف کر دے چوتھا منتر یہ ہے۔ کہ خرچ کا خیال رکھے۔ اور اسراف سے کام نہ لے۔ تھوڑے پر قناعت کرے۔ اور نیک امور میں صرف کرے کیونکہ بیجا صرف کرنا ناجائز طریق پر کمانے کے مترادف ہے پانچواں منتر یہ ہے کہ آمد اور خرچ اور جمع کرنے میں اپنی نیت کو درست اور نیک بنائے اور جو کچھ بھی پیدا کرے محض عبادت میں فراغت حاصل ہونے کی غرض سے کرے اور جس مال سے دست بردار ہو دے محض دنیا کے برا جاننے اور زر کے سبب سے دے۔ تاکہ اس کے خیال سے اپنے دل کو پاک اور محفوظ رکھ سکے۔ تاکہ حق تعالیٰ کی عبادت میں فراغت کیساتھ مشغول ہو۔ اور جو مال رکھے وہ صرف راہِ دین میں فراغت اور حاجت کے وقت کام آنیکی غرض سے رکھے اور خرچ کر چکے تو حاجت کا انتظار کرے آدمی جب ایسا کریگا۔ تو پھر مال اسے کچھ نقصان نہ دیگا۔ اور اسکے نصیبوں میں مال تریاق ہوگا زہر نہ ہوگا۔ اسلئے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کسی شخص کو تمام دنیا کا مال حاصل ہو جائے تو وہ زاہد ہے۔ اگرچہ تمام دنیا سے تونگر ہے اور اگر تمام دنیا کا تارک ہو جائے اور اسے للّٰہیت مدنظر نہ ہو تو وہ زاہد نہیں ہے۔ اور چاہیئے کہ دل خدا کی عبادت اور آخرت کی راہ کی طرف متوجہ رہے تاکہ اسکی حرکت عبادت میں داخل ہو۔ چاہے وہ کھانا کھاتا ہو یا رفع حاجت کیلئے جاتا ہو۔ اور ان تمام امور میں اسے ثواب ہوگا اس لئے کہ راہِ دین کی سب کو حاجت ہے لیکن نیت کی درستگی درکار ہے۔ اور چونکہ اکثر لوگ اس سے عاجز ہیں۔ اور ان منزلوں سے ناواقف ہیں۔ اور اگر واقف بھی ہیں۔ تو کام میں نہیں لا سکے۔ تو بہتر یہ ہے۔ کہ جہانتک ہو سکے مال سے بچے۔ کیونکہ اگر مال کی زیادتی غرور اور غفلت کا سبب نہ بھی ہو۔ تو تب بھی آخرت کے درجات کو کم کر دیگی۔ اور یہ نہایت ہی نقصان دہ بات ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب انتقال فرمایا۔ تو بہت سا مال چھوڑا۔ بعض صحابہ نے کہا۔ کہ بہت سا مال چھوڑنے کی وجہ سے ہمیں انکی جانب سے خوف ہے۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! تم خوف کیوں کھاتے ہو۔ انہوں نے حلال مال حاصل کیا اور نہایت صحیح طریق پر صرف کیا۔ اور جو مال حلال چھوڑا اسکی نسبت کچھ خوف نہ کرنا چاہیئے۔ جب یہ خبر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو نہایت غصہ کی حالت میں گھر سے باہر نکلے اور ہاتھ میں اونٹ کی ہڈی لئے تھے اور حضرت کعب الاحبار کو مارنے کیواسطے تلاش کر رہے تھے۔ وہ بھاگ گئے۔ اور حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ لی۔ حضرت ابوذرؓ بھی وہاں جا پہنچے۔ اور کہا کہ اے یہودی کے بچے کیا کہتا ہے۔ کہ عبدالرحمٰنؓ نے جو مال چھوڑا۔ وہ کچھ نقصان نہیں رکھتا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن احد کی طرف جا رہے تھے۔ اور میں ساتھ تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے ابوذر! میں نے جواب میں عرض کیا۔ لبیک یا رسول اللہ! فرمایا قیامت کے دن مالدار لوگ سب سے آخر اور کمتر ہونگے سوائے اس شخص

کے جو اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے مال پھینکتا ہے اور صرف کرتا ہے۔ اے ابوذرؓ! میں نہیں چاہتا۔ کہ میرے پاس کوئی کوہ اُحد کے قدر مال ہو۔ اور میں جب مروں تو مجھ سے دو قیراط بچ رہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں تو اے یہودی کے بچے تو جو کچھ کہتا ہے۔ بکتا ہے۔ اور جھوٹا ہے۔ کسی نے ابوذرؓ کی یہ باتیں سُن کر کچھ جواب نہ دیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ حضرت ابن عوف کے اونٹوں کا لشکر یمن کی تجارت سے واپس آیا۔ مدینہ میں ایک شور مچ گیا۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا۔ یہ کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے اونٹ ہیں۔ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ یہ خبر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کو پہنچی حضرت صدیقہؓ کی یہ بات سن کر متعجب ہو گئے۔ اور اسی وقت حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا ام المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ جنت میرے سامنے پیش کی گئی۔ میں نے اپنے محتاج اصحاب کو دیکھا۔ کہ وہ دوڑتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور کسی تونگر صحابی کو نہیں دیکھا سوائے عبدالرحمٰن بن عوف کے۔ کہ وہ گرتا پڑتا نہایت مشکل سے جنت کے دروازہ تک پہنچا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا۔ میں نے ان تمام اونٹوں اور غلاموں کو حق تعالیٰ کی راہ میں آزاد کیا۔ شاید مجھے بھی ان صحابہ کے ساتھ جانا نصیب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو فرمایا۔ کہ میری امت کے تمام امیروں سے پہلے تو جنت میں داخل ہوگا۔ مگر کوشش سے اندر جا سکے گا ایک بڑے صحابی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے۔ کہ میں نہیں چاہتا کہ ہر روز ہزار دینار حلال کے ذریعہ سے کماؤں۔ اور خدا کی راہ میں صرف کروں اور اس کے سبب سے جماعت کی نماز سے محروم رہوں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کیوں۔ فرمایا۔ اسلئے کہ حق تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہ کرے۔ کہ تو کہاں سے لایا تھا۔ اور تو نے کہاں صرف کیا کیونکہ مجھ میں حساب کتاب کی طاقت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائیگا۔ جس نے حرام کی راہ سے مال کمایا ہوگا۔ اور حرام ہی میں صرف کیا ہوگا۔ اُسے دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر دوسرے کو لائیں گے۔ اس نے حلال کے ذریعہ مال کمایا ہوگا اور حرام میں صرف کیا ہوگا۔ اسے بھی دوزخ میں بھیجدیں گے۔ پھر تیسرے کو لایا جائیگا۔ اس نے حرام سے مال پیدا کیا ہوگا اور حلال میں صرف کیا ہوگا۔ اسے بھی دوزخ میں روانہ کر دیں گے۔ پھر چوتھے آدمی کو لائیں گے اس نے حلال کے ذرائع سے مال پیدا کیا ہوگا۔ اور حلال ہی میں صرف کیا ہوگا حکم دیا جائیگا کہ اسے ٹھہراؤ۔ شاید اس نے طلب مال میں طہارت میں کچھ قصور کیا ہو۔ یا اسکے رکوع و سجود میں کچھ فتور ہو۔ یا پابندی اوقات کے ساتھ اس نے نماز ادا نہ کی ہو۔ وہ شخص عرض کریگا۔ بار یتعالیٰ میں نے حلال سے مال کمایا۔ اور بجا اور حق مصرف میں صرف کیا۔ اور کسی فرض کی بجاآوری میں قصور نہیں کیا۔ اور مال کی وجہ سے بھی بھی فخر نہیں کیا۔ شاید گھوڑا اور لباس پُر تکلف رکھا ہو۔ اور فخر و مباہات سے چلا ہو۔ وہ عرض کریگا۔ بار خدایا! میں نے اس مال کے سبب سے بھی کبھی تفاخر نہیں کیا اسے کہا جائیگا۔

شائد تو نے کسی یتیم یا ہمسایہ کے حق میں کوتاہی کی ہو۔ وہ عرض کریگا۔ بار خدایا! میں نے یہ مال حلال سے پیدا کیا اور راہِ حق میں صرف کیا۔ اور نہ ہی فرائض میں مجھ سے کچھ قصور واقع ہؤا۔ پھر بہت سے لوگ آئینگے اور اس آدمی کو گھیر لینگے اور کہینگے۔ بار خدایا۔ اس آدمی سے ہمارے حق میں سوال کر۔ پھر اس سے ایک ایک کے حق کی نسبت پوچھا جائیگا اگر اس سے کچھ بھی تقصیر نہ ہوئی ہوگی۔ تو حکم ہوگا۔ کہ کھڑا رہ۔ اور ان نعمتوں کا شکریہ بجا لا کہ جو ہم نے تجھ پر کیں۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگوں میں سے کوئی شخص بھی توانگری قبول کرنے پر راضی نہ ہؤا۔ مانا کہ اسے عذاب نہ ہوگا۔ لیکن ذرہ ذرہ سی بات کا حساب تو ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فقیری اسی لئے اختیار کی۔ کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ فقیری بہتر ہے۔ حضرت عمران حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی حاصل تھی۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فاطمہ رضؓ کی عیادت کیلئے چلنے کو کہا۔ جب سیدہ کے دروازہ پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آنیکی اجازت چاہی تو انہوں نے حضورؐ کو اندر آنے کی اجازت دی اور کہا یا رسول اللہؐ میرے تمام بدن پر سوائے ایک کملی کے اور کچھ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا وہی اپنے جسم پر لپیٹ لو۔ جنابہ سیدہؓ نے عرض کیا۔ تمام بدن تو میں نے لپیٹ لیا ہے لیکن سر کھلا ہے آپ نے پرانی چادر پھینکدی اور کہا۔ کہ اس سے سر لپیٹ لو۔ پھر حضورؐ اندر تشریف لے گئے اور پوچھا اے عزیزہ۔ کیا حال ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ نہایت بیمار ہوں اور بھوک کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہو رہی ہے میرے پاس کچھ نہیں۔ کہ کھاؤں۔ اب بھوک نے بیچین کر دیا ہے یہ سن کر حضور صلعم صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار رونے لگے اور فرمایا اے فاطمہ رضؓ بے صبر نہ ہو۔ خدا کی قسم میں نے بھی تین دن سے کچھ نہیں کھایا۔ اور حق تعالیٰ کے نزدیک میرا درجہ تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر میں کچھ طلب کرتا۔ تو وہ ضرور عنایت فرماتا لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک جنابہ سیدہؓ کے کاندھے پر رکھا۔ اور فرمایا تجھے خوشخبری ہو۔ خدا کی قسم! تو بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہے۔ جنابہ سیدہ نے عرض کیا۔ پھر آسیہ فرعون کی بی بی اور مریم علیہا السلام کی والدہ کیا ہیں فرمایا وہ اپنے اپنے عالم کی سردار ہیں۔ اور تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے۔ تم سب چاندی کے ایسے محلات میں رہو گی۔ جہاں کسی قسم کا غل غپاڑہ نہ ہوگا۔ پھر فرمایا۔ اے بیٹی! تو میرے چچازاد بھائی پر بس کر جو تیرا شوہر ہے۔ میں نے ایسے شخص کے ساتھ تجھ کو بیاہا ہے۔ جو دین و دنیا میں سردار ہے۔ ان تمام حکایات سے معلوم ہؤا۔ کہ آدمی اگرچہ استاد اور فسونگر ہو۔ لیکن اس کے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ وہ مال پر نظر نہ ڈالے۔ اور اس کے قریب تک نہ جائے۔ صرف بقدرِ حاجت کے لے لے۔ کیونکہ سانپ کے پکڑنے والا آخر سانپ ہی کے ہاتھ سے ہلاک ہوتا ہے ۞

اصل ہفتم | جاہ و حشمت کی دوستی کے علاج میں اور اسکی آفتوں کے بیان میں

اے عزیز! تجھے جاننا چاہیئے۔ کہ بہت سے لوگ نیک نامی وجاہ وحشمت اور ثنائے خلق کی طلب میں ہلاک ہوگئے ہیں اور اسی سبب سے عداوتوں جھگڑوں۔ اور گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور جب یہ خواہش غالب ہوگئی دین کی راہ سے علیحدہ ہوگئے اور دل نفاق اور برے اخلاق سے بھر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ مال و جاہ کی دوستی دل میں نفاق اسطرح اگاتی ہے جسطرح کہ پانی سبزے کو پیدا کرتا ہے۔ اور فرمایا۔ دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلہ میں ایسی تباہی پیدا نہیں کرتے کہ جو مال وجاہ کی دوستی مسلمان کے دل پر کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی سے فرمایا۔ کہ خلق کو دو چیزیں ہلاک کرتی ہیں۔ ایک تو خواہشات کے پیچھے جانا۔ اور دوسرے اپنی تعریف کو پسند کرنا اور ان آفات سے نجات وہی شخص حاصل کرتا ہے جو جاہ و مال کا طالب نہیں ہوتا۔ اور گمنامی پر قناعت کرتا ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔ یعنی آخرت کی سعادت ہم نے اس شخص کیلیئے مقرر کی ہے۔ جو دنیا میں بزرگی وجاہ کا طالب نہیں ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی وہ لوگ ہیں۔ جو خاک آلود ہیں۔ پریشان حال ہیں میلے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور کوئی شخص انکی عزت نہیں کرتا اگر امیروں کے گھر جائیں تو کوئی انہیں جانے نہ دے اور اگر وہ نکاح کرنا چاہیں۔ تو کوئی شخص انہیں اپنی لڑکی نہ دے اور اگر وہ بات کریں۔ تو کوئی انکی بات نہ سنے۔ اور ان کی آرزوئیں ہمیشہ ان کے سینوں میں موجزن رہتی ہیں اگر قیامت کے دن ان لوگوں کا نور تقسیم کریں۔ تو تمام مخلوق کو پہنچ جائے۔ اور فرمایا۔ بہت سے خاکسار پھٹے لباس والے ایسے ہیں۔ کہ اگر خدا کی قسم دے کہ بہشت طلب کریں تو حق تعالیٰ انہیں بہشت عنایت فرمادے اور اگر دنیا کی کوئی شے طلب کریں تو نہ پائیں۔ اور فرمایا بہت سے لوگ ایسے بھی میری امت میں ہیں۔ کہ اگر وہ تم سے ایک دینار یا حبہ مانگیں تم انہیں نہ دو۔ اور اگر حق تعالیٰ سے بہشت مانگیں تو حق تعالیٰ انہیں عنایت فرمادے اور اگر دنیا طلب کریں تو کچھ بھی نہ پائیں۔ اور دنیا نہ پانے کیوجہ یہ نہیں کہ وہ ذلیل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کو تشریف لیگئے آپ نے دیکھا۔ کہ حضرت معاذ رضی رو رہے تھے۔ فرمایا کیوں روتے ہو؟ فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے اور حقتعالیٰ پوشیدہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ کہ اگر وہ غائب ہوں تو کوئی انہیں تلاش نہ کرے اور اگر حاضر ہوں تو کوئی انہیں نہ پہچانے ان کے دل راہ راست کے چراغ ہوتے ہیں اور وہ تمام خواہشوں اور ظلمتوں سے آزاد ہوتے ہیں حضرت ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص شہرت اور

نیکنامی کو دوست رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کے دین میں صادق نہیں حضرت ایوّب علیہ السلام نے فرمایا کہ صدق کا نشان یہ ہے۔ کہ کوئی شخص اسباب کی خواہش نہ کرے کہ لوگ اسے شناخت کریں حضرت ابی ابن کعب کے پیچھے پیچھے لوگوں کا ایک گروہ جارہا تھا جو ان کے شاگرد تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں انہیں درّے مارنے شروع کئے انہوں نے کہا۔ یا امیر المومنین دیکھئے آپ کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ یہ امر پیچھے چلنے والے کیلئے باعث ذلت ہے اور آگے چلنے والے کیلئے باعث غرور و نخوت حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو احمق لوگوں کو اپنے پیچھے پیچھے چلتے دیکھتا ہے کسی حالت میں بھی اسکا دل اپنی جگہ پر قائم نہیں رہتا حضرت ایوّب علیہ السلام کہیں سفر کو جارہے تھے۔ کہ ایک گروہ آدمیوں کا انکے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ حق تعالیٰ اس سے واقف نہ ہوتا۔ کہ میں اس امر کو مکروہ جانتا ہوں۔ تو میں حق تعالیٰ سے ڈرتا حضرت ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف ایسے کپڑے کا پہننا مکروہ سمجھتے جو نئے یا پرانے ہونے کی وجہ سے لوگوں کے جلبِ توجہ کا باعث ہو نا بلکہ ایسا ہونا چاہیئے کہ کوئی اسکی نسبت بات تک نہ کرے۔ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ جو اس بات کو دوست رکھے کہ لوگ اسے پہچانیں۔ اور وہ رسوا نہ ہوا ہو۔ اور اسکا دین تباہ نہ ہو جائے۔

حقیقت جاہ

جاننا چاہیئے کہ جسطرح کہ تو انگری کے یہ معنے ہیں کہ مال و زر اسکی ملکیت میں ہو۔ اور اس کے قبضہ و تصرف میں اسی طرح محتشم اور صاحبِ جاہ کے یہ معنے ہیں۔ کہ لوگوں کے دل اسکے مسخر ہوں اور لوگوں کی جانوں پر اس کا تصرف ہو۔ جب دل کسی کا تابع ہو گیا۔ تو مال اور بدن بھی ہو جاتا ہے اور جب تک آدمی کسی کے حق میں نیک اعتقاد نہ ہو اسیوقت تک اسکا دل اسکے تابع نہیں ہوتا۔ اور جبتک کسی کے حق میں نیک اعتقاد نہ ہو۔ اسوقت اسکی عظمت دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ اور یہ کمال کی وجہ سے ہوتا ہے جو اس شخص میں موجود ہو۔ یا علم کیوجہ سے یا عبادت کیوجہ سے یا خلق نیک کیوجہ سے یا کسی ایسی چیز کیوجہ سے جسے لوگ کمال اور بزرگی جانتے ہوں جب آدمی نے یہ اعتقاد کر لیا دل مسخر ہو گیا۔ اور پھر رغبت اور خوشی کے ساتھ اسکی اطاعت کرنے لگتا ہے اور زبان اس کی مدح و ثنا میں کھولتا ہے۔ اور بدن کو اسکی خدمت میں لگاتا ہے اور مال قربان کرنے پر آمادہ ہوتا ہے جسطرح کہ غلام اپنے آقا کا مسخر ہوتا ہے۔ اسیطرح وہ صاحبِ جاہ کا مرید اور دوست ہو جاتا ہے بلکہ غلام تو زبردستی مسخر ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے پس مال سے چیز کی ملکیت مقصود ہے۔ اور جاہ سے دلوں کی ملکیت۔ اور تین وجوہات کی بنا پر اکثر لوگوں کے نزدیک جاہ مال سے زیادہ محبوب ہے۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ مال اسلئے مرغوب ہوتا ہے کہ آدمی اسکے ذریعے تمام حاجتیں

پوری کر سکتا ہے۔ اور جاہ بھی ایسی ہی ہے۔ بلکہ جس شخص کو حاصل ہے اسے مال حاصل کرنا نہایت آسان ہوتا ہے بلکہ اگر کوئی کمینہ شخص مال سے جاہ حاصل کرنا چاہے۔ تو یہ ایک نہایت دشوار امر ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ مال کیلئے زوال کا خطرہ ہے کہ مبادا چور لیجائیں۔ یا ضائع ہو جائے۔ اور جاہ ان خطرات سے محفوظ ہوتی ہے تیسرا سبب یہ ہے کہ مال بلا تجارتی اور زراعتی تکالیف کے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور جاہ سرایت کرتی ہے اور زیادہ ہوتی ہے کیونکہ جسکا دل تیرا شکار ہو گیا وہ جہان میں تیری تعریف کرتا ہی پھرتا ہے اور دوسرے لوگ بلا تیرے دیکھے تیرا شکار ہو جاتے ہیں اور جسقدر زیادہ مشہور ہوتا جاتا ہے۔ اسیقدر جاہ میں ترقی ہوتی ہے پس جاہ و مال دونوں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ تمام حالات کے بر آنے کا وسیلہ ہیں لیکن آدمی فطرۃً شہرت اور جاہ کا طلبگار رہتا ہے اور ان شہروں میں اپنی مشہوری چاہتا ہے جہاں وہ جانتا ہے۔ کہ کبھی بھی نہ پہنچ سکے گا اور اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تمام جہان اسکی ملکیت میں آجائے اگرچہ وہ جانتا ہے کہ اسکی اسے حاجت نہ ہوگی اور اسمیں ایک بہت بڑا بھید ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی فرشتوں کے گوہر سے ہے۔ اور منجملہ کارہائے خداوندی کے ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی پس اس مناسبت کیوجہ سے جو اسے حضرت ربوبیت سے ہے۔ ربوبیت کا طالب ہونا اسکی فطرت میں ہے اور یہ جو فرعون نے کہا تھا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی پس ہر شخص ربوبیت کو دوست رکھتا ہے اور ربوبیت کے معنی یہ ہیں کہ سب کچھ وہی ہو اور اسکے سوا کچھ نہ ہو۔ کیونکہ جب دوسری چیز ہوگی تو کمال نہ رہیگا۔ نقصان ہو جائیگا۔ آفتاب اسی لئے کامل ہے کہ ایک ہے اور ہر شے اس سے نور حاصل کرتی ہے اگر اسکے ساتھ کوئی دوسری شے ہوتی تو وہ ناقص ہوتا اور یہ کمال کہ سب کچھ وہی ہو۔ حق تعالیٰ کا خاصہ ہے کیونکہ حقیقت میں ہست وہی ہے پس اسکے سوا اور کچھ موجود نہیں اور جو کچھ ہے اُسیکی قدرت کا نور ہے تو اس کا تبع ہے۔ شریک اور ساتھی نہیں جسطرح کہ نورِ آفتاب تبعِ آفتاب ہے آفتاب کے مقابلہ میں نورِ آفتاب دوسرا موجود اور آفتاب کا شریک اور ساتھی نہیں کیونکہ اگر دوئی ظاہر ہو تو آفتاب کا نقصان ہے اور یہ بات آدمی کی طبیعت میں ہے کہ سب کچھ میں ہی ہوں لیکن جب اس بات سے عاجز ہے تو چاہتا ہے کہ سب کچھ میری ہی ملکیت میں ہو۔ یعنی اسکا مسخر رہے اور اسکے تصرف اور ارادہ میں ہو لیکن اس سے بھی عاجز ہے کیونکہ موجودات کی دو اقسام ہیں ایک تو وہ ہے کہ جس پر آدمی کا کسی قسم کا تصرف نہیں ہو سکتا۔ جیسے آسمان اور ستارے فرشتے اور شیاطین اور وہ چیزیں جو زمین کے نیچے ہیں اور دریاؤں کی تہ میں ہیں اور پہاڑوں کی عمق میں ہیں پس آدمی چاہتا ہے کہ علم کے ذریعہ سے ان سب پر قابض ہو جائے تاکہ سب اسکے تصرف اور علم میں آجائیں اگرچہ اس کی قدرت کے تصرف میں نہیں آتے اور یہی وجہ ہے جو چاہتا ہے کہ اسے آسمانوں کے ملکوت اور بر و بحر کے تمام عجائبات معلوم ہو جائیں جیسے کوئی شخص شطرنج کھیلنا نہ جانے لیکن وہ چاہتا ہے کہ اسے کھیلنا آجائے۔ کیونکہ یہ بھی قبضہ کی ایک قسم ہے لیکن دوسری قسم وہ ہے۔ جس پر آدمی کو تصرف حاصل ہو سکتا ہے اور وہ وہ اشیاء ہیں جو روئے زمین پر موجود ہیں جیسا کہ

نباتات۔حیوانات۔جمادات وغیرہ۔آدمی چاہتا ہے کہ یہ سب اشیاء اسکے قبضہ و تصرف میں آجائیں تاکہ اسے تمام چیزوں پر کمال درجہ کی قدرت اور درجہ حاصل ہوجائے۔ اور روئے زمین کی تمام اشیاء سے جو بڑھ کر اور نفیس شے ہے وہ آدمیوں کا دل ہے چاہتا ہے۔ کہ یہ بھی اسکے تصرف میں آجائے اور اسکا مسخر ہوجائے تاکہ ہمیشہ اسکے ذکر میں مشغول رہے۔ پس جاہ کے معنی یہی ہیں۔ جو بیان کئے گئے ہیں پس آدمی فطرۃً ربوبیت کو دوست رکھتا ہے کہ اسکی نسبت اس (خدا) کی طرف کھینچتا ہے۔ اور اسی درگاہ سے آتی ہے اور ربوبیت کے معنی یہ ہیں کہ سب کمال اسی کو حاصل ہو۔ اور کمال ہمیشہ استیلاء (غلبہ) میں ہوتا ہے اور استیلاء علم و قدرت سے حاصل ہوتا ہے اور قدرت مال و جاہ سے حاصل ہوتی ہے تو محبت مال و جاہ کا یہی باعث ہے۔

فصل اگر کوئی شخص کہے کہ جب کمالِ ربوبیت کی طلب آدمی کی فطرت میں ہے اور وہ علم و قدرت کے سوا حاصل نہیں ہوتی اور علم کی طلب اچھی بات ہے کیونکہ وہ طلبِ کمال ہے تو چاہیئے کہ مال و جاہ کا طلب کرنا بھی اچھی بات ہے۔ کیونکہ یہ بھی طلبِ قدرت ہے اور قدرت منجملہ کمال کے ہے اور حقتعالیٰ کی صفات سے ہے۔ جیساکہ علم۔ اور بندہ جسقدر قابل ہوگا۔ حق تعالیٰ کے نزدیک ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ علم اور قدرت دونوں کمال ہیں اور ربوبیت کے صفات میں سے ہیں۔ لیکن آدمی علم حقیقی حاصل کرسکتا ہے قدرت حقیقی حاصل نہیں کرسکتا اور علم ایک ایسا کمال ہے جو درحقیقت اسکے لئے ممکن ہے اور اسکے ساتھ رہیگا۔ لیکن قدرت حاصل نہیں ہوتی مگر آدمی سمجھ لیتا ہے کہ حاصل ہوگئی لیکن وہ اسکے ساتھ نہیں رہتی۔ کیونکہ قدرت مال اور مخلوق سے تعلق رکھتی ہے اور مرتے ہی آدمی سے منقطع ہوجاتی ہے اور جو چیز موت سے باطل ہوجائے۔ وہ باقیات الصالحات میں سے نہیں ہے اور اس کی طلب میں وقت ضائع کرنا جہالت ہے۔ پس قدرت میں سے اسی قدر کام آتا ہے جو تحصیل علم کا وسیلہ ہو اور علم کا قیام دل سے ہے۔ تن سے نہیں۔ اور دل ابدی ہے اور باقی ہے اور جب کوئی عالم اس جہان سے جاتا ہے تو علم اس کے سامنے رہتا ہے اور وہ علم نور ہوتا ہے کہ جس سے وہ حقتعالیٰ کی جناب کو دیکھتا ہے اور ایک ایسی لذت حاصل کرتا ہے کہ بہشت کی تمام لذات اسکے سامنے ہیچ ہوتی ہیں۔ اور علم کو کسی ایسی شے سے تعلق نہیں ہے جو موت کی وجہ سے زائل ہوجائے کیونکہ علم کو نہ مال سے تعلق ہے اور نہ لوگوں کے دلوں سے بلکہ حق تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہے اور منجملہ اس کی صفات کے ہے اور اسکی حکمت سے علاقہ ہے جو ملک اور ملکوت میں ہے اور عجائب معقولات سے جو جائزات اور واجبات اور محالات میں ہیں اور یہ چیزیں ابدی اور ازلی ہیں جو ہرگز نہیں بدلتیں کیونکہ واجب ہرگز محال نہیں ہوتا اور محال جائز نہیں۔ لیکن وہ علم جو پیدا شدہ اور فانی چیزوں سے تعلق رکھے وہ کسی شمار میں نہیں اور وہ ایسا ہے جیسے علم لغت کیونکہ لغت حادث اور فانی ہے اور اس کی قدر اسوجہ سے ہے۔ کہ کتاب و سنت کے سمجھنے کا وسیلہ ہے اور کتاب و سنت کا سمجھنا حق تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہے اور حق تعالیٰ کی راہ میں جو گھاٹیاں ہیں انہیں طے کرنیکا ذریعہ ہے پس جو چیز متغیر

اور فنا ہو جاتی ہے۔ اسکا علم خود مقصود نہیں بلکہ علمِ ازلیات کا تابع ہے اور علمِ ازلیات وہ ہے جو منجملہ باقیات صالحات کے ہے اور وہ حق تعالیٰ کی درگاہ ہے جو ازلی ہے اور ابدی ہے اور تغیر و انقلاب کو اس میں دخل نہیں پس جسقدر آدمی علم ازلی کا واقف ہوتا ہے۔ اسیقدر حق تعالیٰ کے نزدیک ہوتا ہے۔ پس آدمی کو علم حقیقی ہے قدرتِ حقیقی نہیں مگر ایک قسم کی قدرت بھی باقیات الصالحات میں سے ہے۔ وہ حُریت ہے یعنے خواہشات کے ہاتھوں سے آزاد ہو جانا کیونکہ جو آدمی خواہشات کا اسیر ہے وہ درحقیقت انکا غلام ہے اُسے جو حاجت ہوتی ہے وہ اسکے نقصان کا موجب ہے پس اس حاجت سے آزاد ہونا اور اپنی خواہشات پر قادر ہونا ایک ایسا کمال ہے جو صفاتِ حق تعالیٰ اور ملائکہ کے نزدیک ہے اور یہ اسوجہ سے ہے کہ اس سبب سے تغیر و گردش اور حاجت سے دور رہتا ہے۔ پس جسقدر تغیر گردش اور حاجت سے دور ہوگا۔ اسی قدر ملائکہ سے نزدیک ہوگا۔ پس کمال حقیقت میں علم و معرفت ہے اور دوسرے خواہشات کے ہاتھ سے آزاد ہونا۔ اور مال و جاہ کمال نہیں کہ دکھائی دیتا ہے مگر مرنے کے بعد باقی نہیں رہتا پس لوگ طلب کمال میں معذور ہیں۔ بلکہ اس کیلئے مامور ہیں مگر کمال حقیقی سے جاہل ہیں اور جو چیز کمال نہیں اسے کمال تصور کرتے ہیں اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جو کمال ہے اس سے غافل ہو جاتے ہیں۔ پس سب نقصان کی راہ پر چلتے ہیں۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے کہا ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔

فصل جاننا چاہیئے کہ جاہ بھی مال کی طرح ہے۔ اور جسطرح کہ سب کا سب مال مذموم نہیں بلکہ قدرِ کفایت زادِ آخرت ہے۔ اور جب اسکی کثرت میں مستغرق ہو جائے۔ تو راہِ آخرت کو منقطع کرنیوالا ہے۔ جاہ کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ آدمی کیلئے کسی رفیق مددگار اور خدمت کرنیوالے کی ضرورت ہے اور بادشاہ بھی درکار ہے جو اسے ظالموں کے شر سے بچائے۔ اور یہ ضروری ہے کہ ان لوگوں کے دل میں اسکی (بادشاہ) کی کچھ قدر و عظمت ہو پس لوگوں کے دلوں میں اسقدر جاہ کا چاہنا جس سے یہ مقصد حاصل ہو جائے درست ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ اسی طرح اگر استاد کے دل میں اسکی عزت نہ ہوگی وہ اسے تعلیم نہ دے گا اور اگر شاگرد کے دل میں استاد کی قدر و منزلت نہ ہوگی۔ وہ اس سے تعلیم حاصل نہ کریگا تو طلبِ جاہ بقدرِ کفایت مباح ہے جیسے طلبِ مال بقدرِ کفایت صحیح ہے لیکن آدمی طلبِ جاہ چار طریق سے کر سکتا ہے۔ دو طریق انمیں سے حرام ہیں اور دو مباح ہیں۔ پس وہ دو جو حرام ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ جو اظہار عبادت سے طلب کرے کیونکہ یہ حرام ہے اور ریا ہے اور عبادتِ خاص خدا کیلئے ہونی چاہیئے اگر عبادت کے ذریعہ سے جاہ طلب کریگا تو یہ حرام ہوگا۔ دوسرا حرام طریق یہ ہے۔ کہ مکر سے کام لے اور اپنے آپکو اسطرح ظاہر کرے جو درحقیقت نہ ہو مثلاً یہ کہے کہ میں علوی ہوں میرا نسب یہ ہے یا فلاں پیشہ جانتا ہوں اور حقیقت میں نہ جانتا ہو اور یہ ایسا ہے جیسے مال مکر و دغا سے طلب کرنا اور وہ دو جو مباح ہیں ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایسی چیز کے ذریعہ سے طلب کرے کہ جسمیں مکاری

کا دخل نہ ہو۔ اور عبادت میں سے نہ ہو۔ اور دوسرا مباح طریق یہ ہے کہ اپنے عیوب چھپائے کیونکہ فاسق اگر اپنے گناہ چھپائے تاکہ اسے بادشاہ کے نزدیک مرتبہ حاصل ہو اور اس میں اپنی پارسائی کا ظاہر کرنا مقصود نہ ہو تو یہ بھی مباح ہے

دوستی جاہ کے علاج کا بیان

جاننا چاہیئے کہ جب جاہ کی دوستی دل پر غالب ہو جائے۔ تو یہ دل کی بیماری ہے اور اس کے علاج کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مال کی محبت کی طرح نفاق ریا جھوٹ۔ مکاری۔ عداوت حسد جھگڑے گناہوں کی طرف کھینچتی ہے بلکہ مال کی محبت سے بدتر ہے۔ کیونکہ اس سے آدمی کی طبیعت پر غالب ہے۔ جو شخص مال و دولت اسقدر طلب کرے کہ اس سے اسکا دین سلامت رہے اور اس سے زیادہ کی طلب نہ کرے۔ تو ایسا آدمی بیمار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ درحقیقت مال و جاہ کو دوست نہیں رکھتا۔ بلکہ دین کے کاموں میں فراغت چاہتا ہے۔ لیکن کوئی آدمی ایسا بھی ہوتا ہے جو جاہ کو اسقدر دوست رکھتا ہے کہ اسکے تمام خیالات لوگوں ہی میں مستغرق ہوتے ہیں۔ کہ وہ اس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اسکے حق میں کیا کہتے ہیں اور اسکی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ کسی کام میں مشغول کیوں نہ ہو۔ لیکن اسکا دل اسی بات میں ہوتا ہے کہ لوگ کیا کہتے ہیں پس ایسے شخص کیلئے اس بیماری کا علاج فرض ہے اور یہ علاج علم و عمل سے مرکب ہے علاج علمی یہ ہے کہ جاہ کی آفتوں میں غور کرے جو اس کیوجہ سے دین و دنیا میں درپیش آتی ہیں۔ دنیوی آفات تو یہ ہیں۔ کہ طالب جاہ ہمیشہ رنج و ذلت اور لوگوں کی دل کی رعایات میں مشغول ہوتا ہے۔ اور اگر جاہ حاصل نہ ہو تو خود بخود ذلیل ہوتا ہے اور اگر ہو جائے تو لوگ اسپر حسد کرتے ہیں تکلیف پہنچانے کے درپے رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ لوگوں کی دشمنی کے رنج اور دشمنوں کے قصد کے دفعیہ میں مبتلا رہتا ہے اور انکے مکر و فریب سے امن میں نہیں رہتا اور جس کے درپے دشمنی ہو وہ اگر خصومت میں مغلوب ہو۔ تو ذلت میں ضرور رہتا ہے اور اگر غالب ہو تو اسے کچھ ثبات نہیں۔ کیونکہ جاہ کا تعلق ہمیشہ لوگوں کے دلوں سے ہوتا ہے اور لوگوں کے دل جلدی پھر جاتے ہیں۔ دریا کی موج کی مثل ہوتا ہے اور وہ عزت نہایت ہی ضعیف ہے جسکی بنا چند بدبختوں کے دل پر ہو۔ کہ دل میں ایک خیال کے پیدا ہونے سے وہ عزت بدلجائے خاصکر اس شخص کی جاہ جو حکومت اور سرداری کے سبب سے ہو کیونکہ اس میں معزولی کا خطرہ ہے اور حاکم کے دل میں ایک خطرہ کے آنیسے معزول ہو جاتا ہے اور ذلیل ہوتا ہے پس طالب جاہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تکلیف اٹھاتا ہے اور ضعیف العقل لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے ہاں اگر کسی شخص کو بصیرت نامہ حاصل ہو۔ وہ جانتا ہے کہ اگر تمام روئے زمین کی بادشاہی مغرب سے لیکر مشرق تک اسکو ملجائے اور تمام لوگ اسے سجدے کریں تو یہ امر خوشی کرنیکے قابل نہیں کیونکہ جب مریگا یہ سب ضائع ہو جائیگا اور تھوڑے دنوں میں وہ نہ رہیگا اور نہ ہی اسکو سجدہ کرنیوالے اور ان بادشاہوں کیطرح مردہ ہو جائیگا

جنہیں کوئی بھول کر بھی یاد نہیں کرتا۔ پس جو شخص جاہ سے دل لگاتا ہے وہ سلطنتِ ابدی کو اس چند روزہ لذت کے بدلہ میں کھو دیتا ہے اور جس شخص نے جاہ سے دل لگایا۔ حق تعالیٰ کی دوستی اسکے دل سے جاتی رہی اور جو شخص اس جہاں سے جائے اور حق تعالیٰ کی دوستی کے سوا اسکے دل پر کوئی دوسری چیز غالب ہو اسے نہایت طویل عذاب دیا جائیگا علاج علمی یہ ہے جو بیان ہو چکا ہے۔ لیکن عملی علاج دو ہیں ایک تو یہ کہ جس جگہ پر اسے جاہ حاصل ہو وہاں سے بھاگ کر کسی ایسی جگہ چلا جائے۔ جہاں اسے کوئی شخص نہ جانے۔ اور یہ کامل علاج ہے اور اگر اپنے شہر میں گوشہ نشینی اختیار کریگا۔ تو جب لوگ جانیں گے کہ اس نے ترک جاہ کیا ہے تو اسباب سے اسے شر پہنچیگا۔ اور اسکا نشان یہ کہ جب لوگ اسپر قدح کریں یا یہ کہیں کہ نفاق سے گوشہ گیر ہو گیا ہے تو اسکے دل میں رنج اور غم پیدا ہو اور اگر اسپر کسی جرم کا الزام لگائیں تو اسکی عذر داری کرے تاکہ لوگ اسکے حق میں بدعقیدہ نہ ہو جائیں اور یہ سب امور اسبات کی دلیل ہیں کہ ابھی اس کے دل میں جاہ کی محبت موجود ہے۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ ملامت کی راہ اختیار کرے اور وہ افعال کرے جن سے لوگوں کی نظروں میں گر جائے۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ حرام کھانے لگے جیسے کہ احمقوں کا گروہ فساد ڈال رہا ہے اور اپنا نام ملامتی رکھتا ہے بلکہ وہ کام کرے جو ایک زاہد نے کیا۔ اور وہ قصہ یوں ہے کہ ایک زاہد تھا جس کے سلام کیلئے شہر کا حاکم جایا کرتا تھا۔ تاکہ اس سے برکت حاصل کرے ایک دن جب زاہد نے اس امیر کو دور سے آتے ہوئے دیکھا۔ تو روٹی اور ترکاری مانگی اور جلدی جلدی کھانا شروع کی اور بڑے بڑے لقمے نگلنے شروع کر دیئے جب امیر نے یہ دیکھا تو اس حرص کے سبب سے اسکا اعتقاد جاتا رہا اور واپس چلا گیا ایک اور بزرگ تھا شہر میں اسکو نہایت قبولیت حاصل ہوئی اور لوگ اسکی طرف متوجہ ہوئے ایک دن جب بزرگ حمام سے باہر نکلا تو اپنے پھٹے پرانے کپڑے وہیں چھوڑ دیئے۔ اور کسی اور کے عمدہ اور نفیس کپڑے پہن لئے اور ایک جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ یہانتک کہ لوگوں نے اُسے پکڑ لیا۔ اور خوب مارا۔ کپڑے چھین لئے اور کہا یہ چور ہے ایک اور بزرگ تھا۔ وہ لوگوں کے سامنے شراب کے رنگ کا شربت پیالہ میں ڈال کر پیتا تھا۔ تاکہ لوگ اسے شرابی خیال کریں۔ حرص جاہ کے توڑنے کے یہ علاج ہیں:

لوگوں کی تعریف کی محبت اور مذمت سے کراہیت کا علاج

جاننا چاہیئے کہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسکی تعریف کریں اور ہمیشہ نیک نامی کا متلاشی رہتا ہے۔ اگرچہ وہ خلاف شریعت کاموں ہی میں کیوں نہ ہو اور اگر لوگ اسکی مذمت کریں تو اسے برا معلوم نہیں ہوتا اگرچہ وہ حق بات کے متعلق کیوں نہ ہو اور یہ امر بھی دل کی بیماری ہے اور اسکا علاج اسوقت تک معلوم نہیں ہوتا۔ جبتک کہ دل کی لذت اور رنج کا سبب مدح و مذمت میں جاننا چاہیئے کہ مدح کی لذت کے چار سبب

ہیں۔ اول یہ جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ آدمی اپنے کمال کو دوست رکھتا ہے اور اپنے نقصان کو بُرا خیال کرتا ہے اور تعریف کمال پر دلیل ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اسے اپنے کمال میں شک ہوتا ہے اور اسے پورے طور پر لذت حاصل نہ ہو۔ اور جب کسی سے اپنی تعریف سُنتا ہے۔ تو اسے اپنے کمال پر یقین ہو جاتا ہے اور اس تعریف کیطرف اسے رغبت ہوتی ہے اور اس سے آرام حاصل ہوتا ہے اور لذت پوری ہو جاتی ہے کیونکہ جب اپنے میں کمال کی بُو پائی تو ربوبیت کا نشان اپنے میں دیکھا۔ اور آدمی کو ربوبیت فطرۃً محبوب ہوتی ہے اور جب مذمت سنتا ہے تو اپنے نفس سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے غمناک ہوتا ہے پس اگر اپنی تعریف اور مذمت کسی ایسے شخص سے سُنتا ہے جو دانا ہو۔ اور بیہودہ گو نہ ہو۔ جیسے کہ استاد مصنف۔ عالم وغیرہ تو زیادہ رنجور یا مسرور رہتا ہے اور اگر کوئی بے بصیرت شخص تعریف یا مذمت کرتا ہے تو چنداں لذت یا علم حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسکے قول پر یقین نہیں ہوتا دوسرا سبب یہ ہے کہ تعریف اسبات کی دلیل ہے کہ تعریف کرنیوالے کا دل اسکا مسخر ہے اور تعریف کرنیوالیکے دل میں اسکی عزت اور جگہ ہے پس اگر تعریف کرنیوالا صاحب عزت ہے تو اسکے تعریف کرنیسے زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کا دل قبضہ میں آنا زیادتی قدرت کا موجب ہوتا ہے اور اگر مداح خسیس ہو تو کچھ لذت پیدا نہیں ہوتی۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ تعریف اسبات کی خوشخبری ہوتی ہے کہ دوسرونکے دل اسکے قبضہ میں آجائیں گے کیونکہ جب مداح اسکی تعریف کریگا۔ تو دوسرے بھی اسکے حق میں نیک اعتقاد رکھیں گے اور یہ تعریف دوسروں میں اثر کرتی ہے پس اگر تعریف برملا ہو اور مداح ایسا شخص ہو جسکی بات پر لوگ اختیار کریں تو اس تعریف کی لذت زیادہ ہوگی اور مذمت کی حالت اسکے برخلاف ہے چوتھا سبب یہ ہے کہ تعریف کرنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے۔ کہ مداح اسکی حشمت کا مقہور ہے اور حشمت آدمی کو محبوب ہے اگرچہ وہ قہری ہی کیوں نہ ہو اور اگرچہ اس بات کو جانے کہ وہ یعنی مداح جو کچھ کہتا ہے دل سے اسپر اعتقاد نہیں رکھتا لیکن حاجتمندی مداح کو اسکی مدح پر مجبور کرتی ہے۔ پس اس بات کو بھی وہ اپنی قدرت کا کمال خیال کرتا ہے پس اگر مداح ایسی تعریف کرے کہ ممدوح سمجھ جائے کہ یہ جھوٹ کہتا ہے اور ایسی تعریف کو کوئی بھی پسند نہ کریگا اور مداح دل سے تعریف نہیں کرتا اور نہ ہی خوف سے تعریف کرتا ہے بلکہ مسخرہ پن سے ایسا کرتا ہے تو اس میں کچھ لذت حاصل نہ ہوگی کیونکہ لذت کے اسباب نہ رہے پس اے عزیز! اب جبکہ تو اسباب سے واقف ہو گیا۔ علاج آسانی سے سمجھ لے گا اور اگر کوشش کریگا تو فائدہ اٹھائیگا پہلا سبب یہ ہے کہ مدح کرنیوالے کے کہنے سے تو اپنے کمال کا اعتقاد کرے پس تجھے چاہیئے کہ غور کرے کہ جو صفت اس مداح نے کی ہے۔ مثلاً ورع وعلم وغیرہ کیا یہ صحیح ہے پس تجھے اس صفت کی خوشی اس خدا کے سبب سے ہونی چاہیئے جس نے وہ صفت تجھ کو عطا فرمائی نہ کہ مداح کے کہنے سے کیونکہ کسی کے کہنے سے یہ صفت کم وبیش نہیں ہوسکتی۔ پس اگر وہ تیری تعریف تو انگری اور خواجگی کی وجہ سے کرتا ہے سبب خوشی نہیں اور اگر زیبا ہے تو

ان صفات کی وجہ سے خوش ہونا چاہیئے۔ نہ کہ اس کے تعریف کرنے سے بلکہ عالم بھی اگر اپنے علم و ورع کو جانے تو خاتمہ کے خوف سے خوش نہیں ہوتا کیونکہ اسکی نسبت معلوم نہیں کہ یہ کسطرح ہوگا۔ اور جبتک یہ معلوم نہ ہو سب ضائع ہے۔ پس جس شخص کی جگہ دوزخ میں ہو۔ اسکے لئے خوشی کیسے زیب دے سکتی ہے۔ پس اگر کسی ایسی صفت سے خوش ہوتا ہے جو درحقیقت اس میں نہیں۔ جیسے کہ علم و ورع وغیرہ تو اسکا خوش ہونا حماقت ہے اور اسکی مثل ایسی ہے جیسکہ کوئی یہ کہے کہ یہ خواجہ نہایت ہی عزت مند ہے اور اسکی انتڑیاں عطر و مشک سے بھرپور ہیں اور حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ گندگی سے بھری ہوئی ہیں۔ لیکن پھر بھی خوش ہوتا ہے اور یہ عین جنون ہے لیکن اور اسباب کا حاصل دوستی جاہ وحشمت ہے اور اسکا علاج بیان کردیا گیا ہے پس اگر کوئی تیری مذمت کرے تو اسپر ترا رنجور ہونا اور غصہ کرنا بھی جہالت کی دلیل ہے پس اگر مذمت کرنیوالا سچ کہتا ہے تو وہ فرشتہ ہے اور اگر جھوٹ کہتا ہے اور جانتا ہے کہ جھوٹ ہے تو شیطان ہے اور اگر وہ نہیں جانتا کہ جھوٹ کہہ رہا ہے تو یہ بیوقوفی اور گدھاپن ہے پس اگر حقتعالیٰ کسی کو مسخ کرکے گدھا اور بیوقوف بنادے تو تجھے رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے اور اسی طرح اگر شیطان یا فرشتہ بنادے تو تجھے رنجور ہونے کی ضرورت نہیں پس اگر مذمت کرنیوالا سچ کہتا ہے تو تجھے اس نقص پر رنجیدہ ہونا چاہیئے۔ جو تیری ذات میں موجود ہے اگر دین کا نقصان ہے تو اسکے کہنے سے نہیں اور اگر دنیوی نقصان ہے تو وہ اہل دین کے نزدیک نہ ہنر ہے اور نہ عیب اور دوسرا علاج یہ ہے کہ تو اسبات میں غور کرے کہ جو کچھ اس نے کہا۔ تین حال سے خالی نہیں اگر اس نے سچ کہا اور شفقت سے کہا تو اسکا مشکور ہونا چاہیئے جیسے اگر کوئی شخص تجھ کو اسبات سے آگاہ کرے کہ تیرے کپڑوں میں سانپ ہے اس سے بچ تو تو اسکا شکریہ ادا کریگا۔ پس جو عیب دین میں ہوتا ہے وہ سانپ سے بدتر ہے کیونکہ اسبات میں آخرت کی ہلاکی ہے اور اگر تو بادشاہ کے پاس جارہا ہے اور تجھے کوئی شخص یہ کہے اے ناپاک کپڑوں والے! پہلے کپڑوں کو تو پاک کرلے اور جب تو غور کرے تو واقعی لباس نجاست سے بھرا ہوا ہو۔ اور اگر تو ایسی حالت میں بادشاہ کے سامنے چلا جاتا تو تجھے سزا کا خطرہ ہوتا پس تجھے ایسے شخص کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ کہ تو نے اسکے سبب اس خطرہ سے نجات حاصل کی پس اس نے اگر غصہ کے طور پر بھی کہا تو تو نے تب بھی اپنا فائدہ حاصل کرلیا اور اسکی عیب جوئی اسکی بے دینی کی نشانی ہے جو اس نے اپنے دین پر کی پس تجھ کو فائدہ حاصل ہوا اور اسکو نقصان ایسی حالت میں غصہ شرط نہیں اور اگر اس نے جھوٹ کہا تو تجھے غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر تو اس عیب سے پاک ہے تو اور کئی قسم کے عیب تجھ میں موجود ہیں جو وہ نہیں جانتا پس اسبات کے شکریہ میں مشغول ہو کہ حقتعالیٰ نے دوسرے عیوب پر پردہ ڈالا اور اس شخص نے تیری برائی کرنے میں اپنی تمام نیکیاں تجھے ہدیہ کردیں اور اگر وہ تیری تعریف کرتا تو وہ تیرے قتل کرنیکے مترادف ہوتا بھلا تو کیوں اپنے قتل پر خوش ہوتا ہے اور ہدیہ سے رنجور ہوتا ہے اور ایسی باتیں وہ کرتا ہے کہ جو کاموں کی ظاہری صورت کو دیکھتا ہے

اور حقیقت ومدح سے بے خبر ہوتا ہے اور جو شخص عاقل ہوتا ہے اس میں اور بیوقوف میں یہی فرق ہے کہ عقلمند کاموں کی حقیقت کو دیکھتا ہے اور صورت وظاہریت کی پروا نہیں کرتا۔ اور حاصل کلام جبتک خلق سے طمع کی امید منقطع نہ کرے۔ یہ بیماری دل سے دُور نہیں ہوسکتی۔

مدح اور مذمّت میں لوگوں کے درجات کا فرق

جاننا چاہیئے کہ تعریف اور مذمت کے سننے میں لوگوں کے چار درجات ہیں پہلا درجہ ان تمام لوگوں کا ہے کہ جو تعریف سے خوش ہوتے ہیں اور مذمت سے غصہ میں آجاتے ہیں اور بدلہ لینے کے درپے ہوتے ہیں اور یہ سب درجوں سے بُرا درجہ ہے دوسرا درجہ پارسا لوگوں کا ہے کہ جو تعریف سے خوش ہوتے ہیں اور مذمت سے خشمگین ہوتے ہیں۔ لیکن معاملہ میں اسکا اظہار نہیں کرتے اور ظاہری طور پر دونوں کو برابر خیال کرتے ہیں لیکن دل میں مدح کو دوست رکھتے ہیں اور مذمت کو بُرا خیال کرتے ہیں تیسرا درجہ متقی لوگوں کا ہے کہ وہ مدح و مذمت دونو کو دل سے بھی اور زبان سے بھی برابر خیال کرتے ہیں اور مذمت سے کسی قسم کا غصہ نہیں کرتے اور تعریف کرنیوالے کو زیادہ اچھا نہیں سمجھتے کیونکہ انکا دل نہ تو مدح کی طرف راغب ہوتا ہے اور نہ ہی مذمت کی طرف اور یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے اور عابدوں کا ایک گروہ یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔ لیکن وہ غلطی کرتے ہیں اور اس درجہ کے حصول کا نشان یہ ہے کہ اگر بُرا کہنے والا اسکے سامنے بیٹھے تو تعریف کرنیوالے کی بہ نسبت دل پر گراں نہ گزرے اور اگر وہ اس سے کسی کام میں مدد چاہے تو یہ مداح کے مقابلہ میں اسکی مدد کرنے میں دریغ نہ کرے اور اگر وہ یعنی مذمت کرنیوالا اسکو ملنے کیلئے کم آئے تو اسے اسکی طلب ایسی ہو جیسی کہ مدح کرنیوالے کی ہوتی ہے اور اگر وہ مرجائے تو اسکے مرنے کا غم مداح کے غم سے کم نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص اسکو تکلیف دے تو یہ اسکی تکلیف کو ایسا ہی محسوس کرے جیسے کہ مداح کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے اور اگر مداح کوئی اسکی ذلت کرے تو یہ اسے ہلکی معلوم نہ ہو اور اس درجہ کا حاصل کرنا نہایت ہی دشوار ہے اور ممکن ہے کہ عابد معذور ہو کر یہ کہے کہ مجھے اس لئے اسپر غصہ آتا ہے کہ وہ اس مذمت کے کرنے سے گناہگار ہوگیا ہے اور اس خیال کا پیدا ہونا شیطان کا فریب دینا ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور دوسروں کی مذمت کرتے ہیں۔ جب ان سے ناخوش نہیں ہوتا۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غصہ نفس کا غصہ ہے دین کا غصہ نہیں چوتھا درجہ صدیقوں کا ہے جو مداح کو دشمن خیال کرتے ہیں اور مذمت کرنیوالے کو دشمن نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے اسے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس سے اپنے عیب سن لیئے دوسرے اس نے اپنی نیکیاں انکو دیدیں اور تیسرے اس نے انکو اس بات پر حریص کردیا کہ وہ اس عیب سے یا اس جیسے کسی دوسرے عیب سے پاک ہونے

کی کوشش کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ افسوس ہے اس شخص پر جو نماز پڑھتا ہے اور وہ جو روزہ دار ہے اور وہ جو صوف پوش ہے مگر یہ کہ اس شخص نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا ہے اور تعریف کو دشمنی اور مذمت کو دوست رکھتا ہو اور اگر یہ حدیث صحیح ہے تو کام نہایت ہی مشکل ہے کیونکہ ایسے درجہ پر پہنچنا ہی سخت مشکل ہے بلکہ درجہ دوم پر جسمیں ظاہری فرق نہ کرنا اگرچہ باطن میں فرق کرتا ہو پہنچنا بھی آسان نہیں کیونکہ عام طور پر یہی بات غالب ہوتی ہے کہ جب کوئی موقع آتا ہے تو آدمی مرید یا مداح ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس آخری درجہ پر تو وہی شخص پہنچتا ہے جو اپنے نفس کا بھی دشمن ہو گیا ہو۔ اور جب کسی سے اسکے (نفس کے) عیوب سنے تو خوش ہو۔ اور اس درجہ کا حاصل ہونا نہایت نادر ہے بلکہ تمام عمر کی کوشش کرنے پر آدمی اس درجہ پر پہنچتا ہے کہ مدح کرنیوالے اور مذمت کرنیوالے کو برابر خیال کرے اور تجھے معلوم ہے کہ اسمیں خطرہ یہ ہے کہ جب مدح اور مذمت میں فرق ظاہر ہوتا ہے تو طلب مدح اسپر غالب ہو جاتی ہے اور آدمی اسکے حیلے بنانے لگتا ہے اور ممکن ہے کہ عبادت میں بھی ریاکاری سے کام لینے لگے اور اگر گناہ سے اپنے مطلب کو حاصل کر سکے تو شاید گناہ ہی کر بیٹھے اور یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افسوس ہو روزہ دار پر اور نماز گذار پر۔ شاید اس خیال سے کہا ہو کہ جب اسکی (تعریف کی) جڑ دل سے نہ اکھڑ جائیگی جلد گناہ کی طرف مائل ہو گا لیکن مذمت پر کراہیت کرنا اور سچی تعریف کو دوست رکھنا فی نفسہ حرام نہیں بشرطیکہ اس سے اور کوئی برائی پیدا نہ ہو۔ اور یہ نہایت مشکل ہے کہ نہ پیدا ہو اور مخلوق کے اکثر گناہ مدح کی محبت اور مذمت کی دشمنی کی وجہ سے ہیں اور تمام لوگ عام طور پر اسی خیال میں ہیں۔ کہ جو کچھ بھی کریں لوگونکی رو داری کیلئے کریں اور جب یہ امر غالب ہو گیا تو ایسے کام کریگا جو ناشائستہ ہونگے ورنہ لوگونکی رواداری اگر اس میں ریا کو دخل نہ ہو تو حرام نہیں۔

اصل ہشتم

طاعات وعبادات میں جو ریا ہوتی ہے اس کا علاج

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی عبادات میں ریاکاری کرنا گناہ کبیرہ ہے اور شرک سے نزدیک ہے اور پارسا لوگونکے دل پر اس سے زیادہ اور کوئی بیماری غالب نہیں ہوتی۔ کہ جب وہ عبادت کرتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری عبادت کو جانیں اور انکی پارسائی کے معتقد ہوں اور جب عبادت سے مقصد لوگوں کا اعتقاد ہو تو یہ عبادت عبادت شمار نہیں ہوتی۔ بلکہ لوگوں کی پرستش ہوتی ہے اور اگر لوگونکا اعتقاد اور حق تعالیٰ کی پرستش دونوں مقصود ہوں تو شرک ہو گا۔ اور حق تعالیٰ کی عبادت میں دوسرے کو شامل کرنا ہو گا۔ حقتعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا یعنی جو شخص حق تعالیٰ کے دیدار کی امید رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ حقتعالیٰ کی عبادت میں شریک نہ کرے اور ارشاد ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔ یعنی ان لوگوں پر افسوس ہے جو سہو اور ریار کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ نجات کس میں ہے حضورؐ نے فرمایا اِس میں کہ تو خدا کی عبادت کرے اور وہ ریا سے پاک ہو اور فرمایا۔ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائیگا اور اس سے پوچھیں گے کہ تو نے کونسی عبادت کی وہ کہیگا کہ میں نے اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کیا اور کفار نے مجھ کو شہید کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیگا۔ تو جھوٹ کہتا ہے یہ تو نے اس لئے کیا ہے تاکہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں شخص مرد مردانہ ہے پھر حکم ہوگا۔ کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ پھر ایک دوسرے شخص کو لائیں گے اور سوال کریں گے۔ کہ تو نے کونسی اطاعت کی وہ کہیگا جو کچھ میرے پاس تھا میں نے صدقہ دیدیا۔ حق تعالیٰ فرمائیگا۔ تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو یہ عمل اس لئے کیا تاکہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں شخص بڑا سخی ہے حکم دیا جائیگا۔ کہ اسے دوزخ میں لیجاؤ۔ پھر ایک تیسرے شخص کو پیش کیا جائیگا۔ اس سے سوال کرینگے کہ تو نے دنیا میں کونسی اطاعت کی وہ جواب دیگا۔ کہ میں نے قرآن شریف کا علم پڑھا اور بہت سی تکالیف برداشت کیں حق تعالیٰ فرمائیگا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نے تو اس لئے سیکھا تھا۔ تاکہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں شخص عالم ہے حکم ہوگا اسے بھی دوزخ میں لیجاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کیلئے کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ چھوٹے شرک سے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ریا ہے قیامت کے دن حق تعالیٰ کہیگا۔ اے ریاکارو! ان لوگوں کے پاس جاؤ کہ جنکی خاطر تم نے عبادت کی اور انہی سے اپنا اجر مانگو حضورؐ نے فرمایا کہ جُبّ الحزن سے پناہ مانگو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے حضورؐ نے فرمایا وہ ایک وادی ہے جو ریاکاروں کیلئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص نے عبادت کی اور دوسرے کو میرا شریک ٹھہرایا ہیں چونکہ شریک سے بے نیاز ہوں میں نے سب عبادت اس شریک کو دیدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حق تعالیٰ اس عمل کو قبول نہیں فرماتا جس میں ایک ذرہ بھر بھی ریا ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رو رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ اے معاذؓ کیوں روتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے اور فرمایا۔ ریاکار کو قیامت کے دن ندا دینگے اور پکاریں گے اے ریاکار اے نابکار تیرے عمل ضائع ہو گئے اور تیرا اجر باطل ہو گیا۔ اور اجر اس شخص سے طلب کر کہ اس کے لئے تو نے عمل کیا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھا پوچھا یا رسول اللہ آپ کیوں روتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میری اُمت شرک کریگی اور وہ شرک آفتاب یا ماہتاب یا بت پرستی کیوجہ سے نہ ہوگا۔ بلکہ ان کی عبادت ریاکارانہ ہوگی۔ اور فرمایا۔ قیامت کے دن عرش کے سایہ کے

نیچے جبکہ اس سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایسا شخص کھڑا ہوگا کہ جس نے دائیں ہاتھ سے صدقہ دیا۔ اور چاہا کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ اور فرمایا جب حق تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا۔ تو وہ کانپی۔ پھر حق تعالیٰ نے اسپر پہاڑ کو قائم کیا۔ اور وہ ساکن ہو گئی۔ ملائکہ نے یہ دیکھ کر کہا۔ حق تعالیٰ نے پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور کسی شے کو پیدا نہیں کیا۔ حق تعالیٰ نے یہ سن کر لوہا پیدا کر دیا پھر فرشتوں نے کہا۔ لوہا سب سے مضبوط ہے حق تعالیٰ نے آگ پیدا کر دی اور اس نے لوہے کو گلا ڈالا۔ پھر حق تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا اور اس نے آگ کو بجھا دیا پھر ہوا کو حکم دیا۔ اس نے پانی کو اپنی جگہ پر قائم کر دیا۔ پس ملائکہ میں اختلاف پڑ گیا۔ انہوں نے کہا۔ ہم حق تعالیٰ سے پوچھتے ہیں انہوں نے عرض کیا۔ کہ یا باریتعالیٰ تیری مخلوق میں سب سے زیادہ قوی کونسی شے ہے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ صدقہ جو آدمی دائیں ہاتھ سے دے اور بائیں کو خبر نہ ہو اور میں نے اس سے زیادہ قوی کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حق تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے سات فرشتوں کو پیدا کیا۔ اور اسکے بعد آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک آسمان کا دربان اور موکل مقرر کیا۔ جب زمین کے فرشتے جو لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں اور جنکو حفظہ کہتے ہیں بندے کے اعمال جو اس نے صبح سے لیکر شام تک کئے ہوں۔ پہلے آسمان پر لیجاتے ہیں اور بندہ کی اطاعت کی بہت تعریف کرتے ہیں اور اگر اس بندہ نے اس قدر عبادت کی ہو کہ اس عبادت کا نور آفتاب کی روشنی کے برابر ہو تو وہ موکل فرشتہ کہتا ہے کہ اس عبادت کو اس بندہ ہی کے منہ پر دے مارو کیونکہ میں اہل غیبت کا نگہبان ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو شخص غیبت کرے اسکے اعمال یہاں سے نہ گزرنے دے پھر جس شخص نے غیبت نہ کی ہو۔ اسکے عمل دوسرے آسمان پر لے جاتے ہیں وہ فرشتہ بھی یہی کہتا ہے کہ واپس لے جاؤ۔ اور اس بندہ کے منہ پر دے مارو کہ اس نے یہ عمل دنیا کے لئے کئے اور مجالس میں لوگوں پر فخر کیا۔ پس مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ایسے اعمال کو رد کر دوں پھر وہ اور شخص کے اعمال کو پیش کرتے ہیں جس میں صدقہ بھی ہو اور نماز روزہ بھی اور حفظہ ان کے نور سے حیران ہوتے ہیں پس جب وہ تیسرے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ تو وہاں کا محافظ کہتا ہے کہ میں کبر پر موکل ہوں اور متکبر لوگوں کے اعمال کو روکتا ہوں کیونکہ انہوں نے لوگوں پر تکبر کیا پھر وہ اور شخص کے پیش کرتے ہیں جن میں تسبیح نماز حج وغیرہ ستارہ صبح کیطرح چمکتے ہیں لیکن چوتھے آسمان کا موکل کہتا ہے کہ ان اعمال کو واپس لیجاؤ اور عمل کرنیوالے کے منہ پر دے مارو میں عُجب کا موکل ہوں اور اسکے عمل بلا عجب نہ تھے میں اسبات کی اجازت نہیں دیتا کہ اسکے اعمال یہاں سے آگے جائیں پھر وہ اور اعمال بلند کرتے ہیں اور وہ اعمال حسن و جمال میں اس عروس کی طرح ہوتے ہیں جو خاوند کے حوالہ کیجائے گی لیکن پانچویں آسمان کا موکل کہتا ہے کہ ان اعمال کو واپس لیجاؤ۔ اور انکے کرنیوالے کی گردن پر رکھدو میں حسد کا موکل ہوں۔ جو شخص بھی علم و عمل میں اسکے برابر ہو جاتا وہ اسپر حسد کرتا۔ اور اسکے بارہ میں زبان درازی سے کام لیتا مجھے

حاسدوں کے اعمال روکنے کا حکم ہے۔ پھر وہ اور اعمال پیش کرتے ہیں کہ جن میں نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ شامل ہوتے ہیں اور ان اعمال کو چھٹے آسمان پر لے جاتے ہیں لیکن چھٹے آسمان کا فرشتہ کہتا ہے کہ یہ اعمال اسی بندے کے پاس لیجاؤ۔ اور اسکے منہ پر مارو۔ کیونکہ وہ شخص کسی شخص پر اگر مصیبت یا تکلیف آتی تو رحم نہ کرتا بلکہ خوش ہوتا تھا میں موکل رحم ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ بیرحم کے اعمال آگے نہ بڑھنے دوں پھر وہ کسی اور شخص کے اعمال پیش کرتے ہیں اور ساتویں آسمان پر لے جاتے ہیں اور ان اعمال میں نماز۔ روزہ۔ حج۔ جہاد۔ زکوٰۃ و ورع۔ نفقہ سب کچھ ہوتا ہے اور اسکا نور آفتاب کیطرح ہوتا ہے۔ اور ان اعمال کا غلغلہ رعد کی طرح تمام آسمانوں پر پڑ جاتا ہے اور تین ہزار فرشتے ان اعمال کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ اور کوئی فرشتہ انکو روک نہیں سکتا لیکن جب ساتویں آسمان پہنچتے ہیں تو موکل فرشتہ کہتا ہے کہ ان اعمال کو یہاں سے واپس لیجاؤ اور کرنیوالے کے منہ پر دے مارو اور اسکے دل پر قفل لگا دو۔ کیونکہ ان اعمال سے اسے خدا مقصود نہ تھا۔ بلکہ علماء کے نزدیک عزت اور شہرت مطلوب تھی مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں ان اعمال کو آگے نہ بڑھنے دوں کیونکہ جو عمل خاص خدا کے لئے نہ ہو۔ وہ ریا ہے اور خدا تعالیٰ ریا کار کے اعمال کو قبول نہیں کرتا پھر کسی اور کے اعمال کو بلند کیا جاتا ہے اور ساتویں آسمان سے بھی آگے گزر جاتے ہیں اور ان اعمال میں سراسر اخلاق نیک و ذکر و تسبیح اور طرح طرح کی عبادات شامل ہوتی ہیں اور تمام آسمانوں کے فرشتے ان اعمال کی گواہی دینے کیلئے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ اعمال حق تعالیٰ کی جناب میں پیش ہوتے ہیں اور تمام فرشتے ان اعمال کی پاکیزگی اور اخلاص کی گواہی دیتے ہیں اور حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم تو اسکے اعمال کے نگہبان ہو اور میں اسکے دل کا نگہبان ہوں یہ اعمال اس نے میرے لئے نہیں کئے بلکہ کسی دوسرے کیلئے کئے ہیں اس پر میری لعنت ہو پھر فرشتے کہتے ہیں۔ باری تعالیٰ اس پر تیری لعنت ہو اور ہماری لعنت بھی ہو پھر ساتویں آسمان اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب اس پر لعنت کرتے ہیں۔ ریا کے باب میں اس قسم کی بہت سی اخبار و احادیث موجود ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا۔ جس نے گردن جھکائی ہوئی تھی (یعنی میں پارسا ہوں) فرمایا اے ٹیڑھی گردن والے گردن سیدھی کر خشوع دل میں ہوتا ہے نہ کہ گردن میں حضرت ابو امامہ رضؓ نے ایک شخص کو مسجد میں سجدہ کی حالت میں روتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا۔ یہ جو تو مسجد میں کر رہا ہے اگر گھر میں کرتا تو کوئی تجھ سا نہ ہوتا حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں ریاکار کے تین نشان ہیں ایک تو یہ کہ جب وہ اکیلا ہوتا ہے سست ہوتا ہے دوسرا یہ کہ جب لوگوں کو دیکھتا ہے خوش ہوتا ہے تیسرا یہ کہ جب اسکی تعریف کریں تو زیادہ عمل کرے اور جب مذمت کریں تو عمل کم کرے۔ ایک شخص نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے کہا۔ کہ جو شخص حقتعالیٰ کیلئے اور لوگوں سے خراج تحسین وصول کرنیکے لئے مال دے۔ اسکے بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں فرمایا۔ کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ خدا اسے دشمن ٹھہرائے۔ کہا نہیں فرمایا پھر وہ جو کام بھی کرے حق تعالیٰ ہی کیلئے کرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

ایک شخص کو درّہ مارا اور فرمایا۔ بھائی تو مجھ سے اپنا قصاص لے لے۔ اس نے کہا میں نے آپکے لئے اور خدا کیلئے بخشدیا۔ فرمایا۔ یہ بخشا کام نہ آئیگا یا تو مجھے بخش تاکہ میں اپنا حق پہچانوں یا خدا کیلئے بلا شرکت بخش اس نے عرض کیا۔ میں نے خدا کے لئے بلا شرکت بخشدیا۔ حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ لوگ جو بھی کرتے تھے اس میں ریا کرتے تھے اور اب جو نہیں کرتے اس میں ریا کرتے ہیں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ ریا کرتا ہے تو حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ کس طرح مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔

ان کاموں کا بیان جن میں ریا کرتے ہیں

جاننا چاہیئے کہ ریا کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی پارسائی لوگوں پر ظاہر کرے۔ تاکہ انکے دلوں میں عزت حاصل کرے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ جو چیز بزرگی اور عزت کی دلیل ہوتی ہے وہ انکے سامنے ظاہر کرتا ہے اور اسکی پانچ قسمیں ہیں۔ پہلی قسم تو بدن کی ظاہری شکل کے متعلق ہے۔ جیسے کہ اپنے چہرے کو زرد کر لے تاکہ لوگ شب بیداری کا گمان کریں اور اپنے آپکو زار و نزار ظاہر کرے تاکہ وہ اس کے مجاہدات کا یقین کریں۔ اور اپنی صورت کو غمگین بنائے رکھے تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ دین کے غم میں اسکی یہ حالت ہو گئی ہے اور بالوں کو کنگھی نہ کرے۔ تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ دین کے کاموں سے اسے فرصت نہیں اور اپنے آپکو فراموش کر دیا ہے اور بات آہستگی سے کرے تاکہ لوگ یہ سمجھیں۔ کہ اسکے دل میں دین کا وقار ہے اور ہونٹوں کو خشک رکھے تاکہ لوگ اسکے روزہ دار ہونیکا گمان کریں چونکہ یہ سب امور لوگوں کے پندار کا موجب ہوتے ہیں اسلئے نفس کو اسکے اظہار میں لذت حاصل ہوتی ہے اور اسی واسطے حضرت عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص روزہ رکھے اسے چاہیئے کہ بالوں میں کنگھی کرے اور تیل لگائے اور لبوں کو روغن سے تر کرے اور آنکھوں میں سرمہ لگائے۔ تاکہ لوگ اس کے روزہ رکھنے سے واقف نہ ہوں دوسری قسم کپڑوں کے سبب سے ہے مثلاً صوف کے کپڑے پہنے یا پھٹے پرانے لباس کو زیب بر کرے تاکہ لوگ اسے زاہد سمجھیں یا نیلی گدڑی اور صوفیانہ جانماز رکھے تاکہ لوگ طہارت میں اسکی احتیاط کے مقر ہوں حالانکہ اسمیں صوفیوں والی کوئی صفت بھی نہ ہو یا ابریشمی کپڑے پہنے اور اعلیٰ چادر اوڑھے۔ تاکہ لوگ اسے دانشمند سمجھیں اور لباس کے لحاظ سے ریا کار دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو عوام میں قبولیت چاہتے ہیں اور ہمیشہ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں اگر ان سے لوگ تالبستانی قبا و جامہ پہننے کے لئے کہیں تو یہ امران پر موت سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ لوگ خیال کرنے لگیں گے کہ زاہد زہد سے باز آگیا ہے اور دوسرا گروہ عوام اور بادشاہ دونوں کے نزدیک قبولیت چاہتا ہے اس گروہ کے لوگ پرانا لباس نہیں پہنتے تاکہ

بادشاہ کی نظروں میں حقیر نہ ہوں اور اگر تجمل کریں تو لوگوں کی نظروں سے گر جانیکا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے وہ باریک صوف اور گل بوٹے دار لباس کے مہیا کرنے کی فکر میں رہتے جیسے کہ بعض صالحین اور زاہد و نکے کپڑے ہوتے ہیں تاکہ عوام دیکھیں اور اس لباس کی قیمت تونگروں کے لباس کی قیمت کے برابر ہوتی ہے تاکہ بادشاہ انہیں حقیر نہ سمجھے۔ اگر ان میں سے تو کسیکو کہے کہ خز یا توزی کا لباس پہن لے اگرچہ وہ ان کے لباس سے کم قیمت ہو تو اس کو موت کی سختی کے برابر خیال کریگا۔ حاصل کلام وہ اس قسم کا لباس نہ پہنے گا جس سے عوام یہ خیال کریں کہ زہد سے پشیمان ہو گیا ہے۔ اور یہ احمق جب یہ بات جانتا ہے کہ یہ لباس حلال ہے اور دیندار لوگوں نے اسے پہنا ہے تو وہ ایسے لباس کو بازار میں نہیں پہن سکتا۔ لیکن گھر میں پوشیدہ طور پر پہن لیتا ہے لیکن اس بات کو نہیں جانتا۔ کہ وہ اس فعل سے مخلوق کی پرستش کرتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ جانتا ہو لیکن کچھ خوف نہیں کھاتا۔ تیسری قسم گفتگو میں ریاکاری کرتا ہے اور اسطرح لبوں کو ہلاتا رہتا ہے کہ لوگ یہ خیال کریں۔ کہ کسی وقت بھی ذکر سے فارغ نہیں ہوتا۔ اور یہ ممکن ہے کہ وہ ذکر کرتا ہو۔ لیکن کیا اگر لبوں کو نہ ہلائے اور دل سے ذکر کرے تو نہیں کر سکتا لیکن اس میں یہ خدشہ ہے کہ لوگ اسکے ذکر کرنے سے واقف نہ ہونگے۔ اور جسطرح لوگوں کے سامنے محاسبہ کرتا ہے۔ خلوت میں نہیں کرتا اور صوفیوں کی باتیں سیکھ کر لوگوں کے سامنے اس طریق سے بیان کرتا ہے کہ لوگ اسکے علم تصوف میں ماہر ہونے کا خیال کریں اور لوگوں کے سامنے اسطرح گردن جھکا کر چلتا ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وجد میں آیا ہے یا آہیں بھرتا ہے اور مغموم دکھائی دیتا ہے تاکہ لوگ گمان کریں کہ دین اسلام کا غم کھا رہا ہے یا چند حکایات و احادیث سیکھ کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ اسکو بہت بڑا عالم سمجھیں۔ اور خیال کریں کہ اس نے بہت بزرگوں اور پیروں کو دیکھا ہے اور بہت کچھ سفر کیا ہے چوتھی قسم عبادات میں ریا کرنا ہے جیسے کہ جب کسی کو دور سے آتا دیکھے تو نماز اچھی طرح ادا کرے اور سر جھکا کر رکوع و سجود لمبے کرے اور ادھر ادھر نہ دیکھے یا لوگوں کے سامنے صدقہ دے اور اسی قسم کی حرکات کرے اور لوگوں کے سامنے گردن جھکا کر آہستہ آہستہ چلے اور جب اکیلا ہو تو جلدی جلدی قدم اٹھائے اور ادھر اُدھر دیکھے اور جب کسی کو دور سے آتا دیکھے تو رفتار کو سست کر دے پانچویں قسم یہ ہے کہ لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ میرے مرید اور شاگرد بہت ہیں اور بڑے بڑے امیر کبیر میرے سلام کو آتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں اور مشائخین میری عزت کرتے ہیں اور مجھے اچھا سمجھتے ہیں اور کبھی اس قسم کی باتیں اسکی زبان سے ظاہر ہوتی ہیں مثلاً اگر کسی سے لڑے تو یہ کہے کہ تو کون ہے، اور تیرا مرید کون ہے اور تیرا مرشد کونسا ہے میں نے اسقدر پیروں کو دیکھا ہے اور اتنے سال فلاں پیر کی خدمت میں رہا ہوں تو نے کسے دیکھا ہے اور اس قسم کی بہت سی مزخرفات بکتا ہے اور اس سبب سے نہایت تکلیف گوارا کرتا ہے اور کھانے پینے میں ریا نہایت آسان ہے ایک راہب تھا جس نے اپنی غذا گھٹاتے گھٹاتے ایک چنا مقرر کر لی تھی اس غرض سے کہ لوگ اسکی تعریف کرتے تھے اور یہ تمام باتیں

حرام ہیں۔ اگر ان سے اپنی پارسائی کا اظہار مقصود ہو اور اگر ایسی چیز وں کے ذریعہ سے جو عبادات میں داخل نہ ہوں جاہ و حشمت کا طالب ہو تو جائز ہے جیسے کہ اچھے کپڑے پہن کر باہر نکلے تو یہ مباح ہے بلکہ سنت ہے کیونکہ اس جمال سے اپنی مروت کا اظہار کرتا ہے نہ کہ پارسائی کا بلکہ اگر کوئی شخص علم لغت علم نحو۔ علم حساب۔ علم طب کے سبب سے اپنی فضیلت ظاہر کرے۔ یا ایسی چیز کے سبب سے جسکا تعلق علم دین سے نہ ہو اور نہ ہی عبادت سے ہو۔ تو اس قسم کی ریا مباح ہے کیونکہ ریا طلب جاہ کا نام ہے اور ہم نے یہ بیان کر دیا ہے اگر حد سے متجاوز بھی ہو جائے تو مباح ہے بشرطیکہ عبادات کے ساتھ تعلق نہ ہو ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جمع تھے اور حضورؐ باہر جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی گھڑے میں دیکھ کر اپنی ریش مبارک اور عمامہ کو درست کر لیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ کیا کر رہے ہیں فرمایا۔ ہاں حق تعالی اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائیوں سے ملنا چاہے تو تجمل کرے اور اپنے آپکو سنوارلے ہر چند یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصل دین تھا۔ کیونکہ آپ اس بات پر مامور تھے۔ کہ لوگوں کی نظر میں اپنا وقار پیدا کریں تاکہ لوگ آپکی طرف زیادہ متوجہ ہوں۔ اور اقتدا کریں۔ لیکن اگر کوئی اور شخص تجمل کیلئے کرے تو تب بھی جائز ہوگا۔ بلکہ سنت ہے اسکے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ اگر اپنے آپکا ردی لباس رکھیگا اور مروت کا خیال نہ کریگا تو لوگ اسکی غیبت کرینگے اور وہ خود ہی اس نفرت و غیبت کا باعث ہوگا۔ اگر ریا عبادت میں ہو۔ تو دو سبب سے حرام ہوگا۔ ایک تو یہ کہ اس نے اپنے مریدوں سے دغا کی اور ان پر یہ ظاہر کیا۔ کہ وہ دین اور عبادت میں مخلص ہے لیکن جب اسکا دل مخلوق کیساتھ مشغول ہے تو وہ مخلص نہیں اور اگر لوگ جانیں کہ یہ ہمارے لئے کرتا ہے۔ تو اسکو دشمن تصور کرنے لگیں دوسرا سبب یہ ہے۔ کہ نماز روزہ حق تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اگر مخلوق کیلئے کریگا تو اس نے گویا حق تعالیٰ سے مذاق کیا۔ اور ضعیف و عاجز بندوں کو اپنا مقصود بنایا۔ ایسے کام ہیں جس میں کہ حق تعالیٰ کی ذات مقصود و معبود ہے اور ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہوگی۔ کہ جو کسی بادشاہ کے سامنے خدمت کیلئے کھڑا ہو لیکن اسکی خواہش یہ ہو کہ کسی غلام یا کنیز کو دیکھے اور بادشاہ پر یہ امر ظاہر کرے کہ میں خدمت میں کھڑا ہوں لیکن درحقیقت مقصد کچھ اور ہو یہ بات بادشاہ کے ساتھ ایک قسم کا ٹھٹھا اور مخول ہوگا۔ کیونکہ دوسری غرض اسکے نزدیک بادشاہ کی خدمت سے زیادہ اہم ہوئی۔ اسیطرح وہ شخص جو ریا کارانہ نماز ادا کرتا ہے وہ حقیقت میں رکوع اور سجود کسی دوسرے کیلئے کرتا ہے۔ اور اگر یہ سجود آدمی کی تعظیم کی غرض سے ہو۔ تو لامحالہ شرک ظاہر ہوگا لیکن آدمی کی تعظیم اسوجہ سے ہے کہ اسکی قبولیت بھی مقصود ہے۔ حتیٰ کہ سجدہ تو خدا کو کرتا ہے۔ اور آدمی کی قبولیت بھی حاصل کرنی چاہتا ہے اور یہ ریا شرکِ جلی نہیں۔

ریا کے مدارج کا بیان

جاننا چاہیئے کہ ریا کے مختلف مدارج ہیں۔ اور بعض ان میں سے بہت بڑے ہیں۔ اور ان کا فرق تین اصلوں سے ظاہر ہوگا:۔

اصل اوّل یہ ہے کہ قصد ریا بلا قصدِ ریا کے ہو۔ جیسے کہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اگر اکیلا ہوتا تو نہ نماز پڑھتا اور نہ روزہ رکھتا۔ اس قسم کی ریا نہایت سخت ہے اور اس قسم کا عذاب بھی سخت ہوگا۔ لیکن اگر ثواب کا قصد رکھے اور اگر اکیلا ہوتا تو نہ کرتا۔ اس قسم کا ریا بھی پہلے ریاء کے نزدیک ہے اور اس قسم کا ضعیف قصد اسے حق تعالیٰ کے غصّہ سے نہ بچا سکے گا۔ اور اگر ثواب کا قصد غالب ہو مثلاً اگر اکیلا ہوتا تو تب بھی کرتا لیکن اگر دیکھ پائے تو خوشی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور نماز روزہ کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے ہمیں یہ اُمید ہے کہ اس سے ثواب باطل نہ ہوگا اور عبادت بھی ضائع نہ ہوگی لیکن جسقدر اس میں ریاء شامل ہوگا۔ اسکی سزا ضرور ملے گی۔ یا اسقدر ثواب کم نصیب ہوگا۔ لیکن اگر دونوں قصد برابر ہوں۔ اور ان میں سے ایک بھی ایک دوسرے پر غالب نہ ہو۔ تو یہ صورت شرکت کی ہے اور ظاہری احادیث کی رُو سے آدمی اس ریا سے صحیح و سلامت نہ بچیگا بلکہ عذاب اٹھائیگا

دوسری اصل اس چیز کا تفاوت ہے جس میں ریا کیا جاتا ہے اور وہ عبادت ہے اور اس کے تین مدارج ہیں پہلا یہ ہے کہ اصل ایمان میں ریا کرے اور یہ منافق کا ایمان ہے اور اس قسم کے ایمان والے کو سخت مشکل درپیش ہوگی اور کافر سے زیادہ اسکو عذاب ہوگا۔ کیونکہ ایسے شخص کا باطن بھی کافر ہوتا ہے اور ظاہری طور پر مکر و دغا سے کام لیتا ہے۔ اور اس قسم کے لوگ شروع اسلام میں بہت ہوئے ہیں۔ لیکن اب کم ہونگے مگر اباحتی اور ملحد موجود ہیں جو شریعت اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ظاہر میں اس کے خلاف عمل کرتے ہیں یہ لوگ بھی منجملہ منافقین کے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے دوسری قسم وہ ریا ہے جو اصل عبادت میں ہو جیسے یہ کہ کوئی شخص لوگوں کے سامنے بے وضو نماز ادا کرے اور روزہ رکھے لیکن تنہائی میں ایسا نہ کرے یہ ریا بھی نہایت زبردست ہے لیکن ویسی نہیں جیسی اصل ایمان میں اور کوئی آدمی لوگوں کے نزدیک اپنی منزلت بہ نسبت حقتعالیٰ کے زیادہ چاہے گا۔ اسکا ایمان خفیف ہوگا اگرچہ وہ کافر نہ ہوگا لیکن موت کے وقت اس کیلئے کفر کا خطرہ ہوگا اگر اس نے زندگی میں توبہ نہ کی تو اسکے ایمان کے ضائع ہونیکا خطرہ ہے تیسری قسم زیادہ ہے جو وہ اصل ایمان اور فرائض میں نہ کرے لیکن سنت میں کرے جیسے کہ رات کی نماز پڑھے صدقہ دے جماعت کیساتھ نماز ادا کرے اور عرفہ و عاشورہ و پنجشنبہ کے دن روزہ رکھے اور یہ سب کچھ اسلئے ہو کہ لوگ اسے ملامت نہ کریں یا اسکی تعریف کریں اور شائد ایسا آدمی یہ کہدے کہ میرا کرنا نہ کرنا برابر ہے اور یہ مجھ پر واجب نہیں اور میں ثواب کا طالب نہیں۔ اب چاہیئے کہ کچھ

عذاب بھی نہ ہو اور یہ ایسا نہیں ہے کیونکہ تمام عبادتیں حق تعالیٰ کے لئے ہیں اور مخلوق کا اسمیں کچھ نہیں اگر خلق کیلئے کریگا تو خلق کو خدا پر فضیلت دیگا ایسی چیز میں جو محض حق تعالیٰ کیلئے ہے اور یہ حق تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرنا ہوگا اور عذاب کا موجب ہوگا۔ اگرچہ اس شدت سے نہ ہو جو فرائض کے بارہ میں ہونا لازمی ہے اور جو سنتیں صفاتِ عبادت ہیں۔ ان میں ریا کاری بھی اسی کے برابر ہے مثلاً جب کسی کو دیکھے تو رکوع اچھی طرح کرے اور سجدہ بھی اچھی طرح ادا کرے اور کسی طرف متوجہ نہ ہو اور طویل قرائت پڑھے اور جماعت کا طالب ہو اور تنہا نماز ادا کرنے کو اچھا خیال نہ کرے اور پہلی صف میں کھڑا ہونے کا قصد کرے اور بہتر مال میں سے زکوٰۃ دے۔ اور روزہ کی حالت میں خلوت اختیار کرے اور خاموش رہے۔

تیسری اصل۔ ریاکار کے مقصود کا فرق۔ یہ ضروری ہے کہ ریاکار کو ریاکاری سے کچھ غرض مدنظر ہو اور اسکے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ اسکا مقصد جاہ طلبی ہو تاکہ اسکے ذریعہ سے فسق اور گناہ کو پہنچے جیسے کہ اپنے آپکو امین اور متقی ظاہر کرے اور مشتبہ مال سے حذر کرنیوالا ظاہر کرے تاکہ لوگ اسکے اوقاف و قصنا وصایا ودیعت و امانت اور یتیموں کا مال سپرد کریں۔ تاکہ وہ اس میں خیانت نہ کرے۔ یا اس کو اس غرض کیلئے زکوٰۃ وصدقہ دیا جائے کہ وہ مستحقین تک پہنچا دے یا حج کی راہ میں درویشوں کے نفقہ میں خرچ کرے صوفیوں کی خانقاہ میں تقسیم کرے یا پل و سرائے میں لگائے اور وہ یعنی ریاکار اس مال کو لوگوں کی بیخبری میں ہی ہضم کر جائے یا ریاکاری سے ایک مجلس قائم کرے اور اپنے آپکو نہایت نیک و متقی ظاہر کرے اور درحقیقت اسکا مقصد کسی عورت کو گھورنا ہو اور اسے اسبات کی تمنا ہو کہ وہ عورت اسکی طرف رغبت کرے تاکہ وہ اس کیساتھ ناجائز طریق سے بیٹھے یا یہ کہ مجلس میں جائے۔ اور وہاں اس کی غرض یہ ہو کہ کسی عورت یا لونڈے کو دیکھے اور اسی قسم کے اغراض اسکے مدنظر ہوں۔ اور حقتعالیٰ کی عبادت کو ان گناہوں تک پہنچنے کا وسیلہ بنائے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص پر کسی کے مال کے غضب کرنیکی تہمت ہو۔ یا کسی عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھنے کا الزام ہو اور وہ اپنی پارسائی جتانے کے لئے مال کو صدقہ میں خرچ کرے تاکہ اس طریق سے اس تہمت کو دور کرے اور لوگ یہ کہیں کہ جو شخص خود مال تقسیم کرتا ہے وہ بھلا دوسروں کا مال کیوں لینے لگا۔ اور اسے کیوں حلال سمجھنے لگا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کی غرض مباح امور کے متعلق ہو جیسے کوئی واعظ جو اپنے آپکو پارسا ظاہر کرے تاکہ لوگ اسے کچھ دیں یا کوئی عورت اسکے نکاح کی رغبت کرے اس قسم کا شخص بھی حقتعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں اگرچہ اسکی حالت ایسی صعب نہیں جیسی کہ پہلوں کی اس نے حق تعالیٰ کی عبادت کو متاعِ دنیا کا وسیلہ بنایا۔ حالانکہ عبادت حقتعالیٰ کا تقرب اور سعادت آخرت حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے جب اس نے عبادت کو حصولِ دنیا کا ذریعہ ٹھہرایا تو گویا خیانت کی تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی شے کی طلب اور خواہش نہ ہو لیکن حذر اسلئے کرے کہ لوگ اسے عزت کی

نظروں سے دیکھیں۔ جیسے کہ زاہدوں اور صالحین کو دیکھتے ہیں مثلاً جب کسی کے سامنے چلے تو آہستہ آہستہ چلے اور سر جھکا کر چلے۔ اور پیروں کی طرح رفتار ظاہر کرے۔ تاکہ لوگ اسے اہل غفلت خیال نہ کریں اور گمان کریں کہ راستہ میں بھی وہ دین کے کام میں مشغول ہے یا کہ ہنسی آتی ہو تو روک لے۔ تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اس پر ہزل غالب ہے یا اس خیال سے مزاح نہ کرے کہ لوگ اسے مسخرہ نہ سمجھیں۔ یا سرد آہیں بھر لے اور استغفار کر لے اور کہے سبحان اللہ آدمی کس غفلت میں مبتلا ہے۔ باوجود ان تمام منازل کے جو در پیش ہیں ہمارے لئے غفلت کا کونسا موقع ہے لیکن حق تعالیٰ ایسے شخص کے دلی حالات سے واقف ہیں کہ اگر تنہا ہوتا تو اس قسم کی باتیں نہ کرتا اور اسقدر افسوس ظاہر نہ ہونے دیتا۔ یا اگر اسکے سامنے کسی کی غیبت کریں تو وہ یہ کہے کہ لوگوں کیلئے اس غیبت کرنے سے زیادہ اہم کام ہیں اور اس فقرہ کے کہنے سے اسکا مقصد یہ ہو۔ کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اسے غیبت سے بہت نفرت ہے یا لوگوں کو دیکھے کہ وہ نماز تراویح میں مشغول ہیں۔ یا نماز تہجد پڑھ رہے ہیں یا شنبہ و پنجشنبہ کا روزہ رکھتے ہیں تو اس خیال سے انکی موافقت کرے کہ وہ اسے کاہل خیال نہ کریں یا عرفہ و عاشورہ کے روز پیاسا رہے اور پانی وغیرہ نہ پیئے۔ تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے یا یہ غرض ہو کہ وہ اسکے بے روزہ ہونے سے آگاہ نہ ہو جائیں۔ یا کوئی شخص اسے طعام کھانے کیلئے کہے۔ تو وہ اس عذر سے نہ کھائے کہ میں روزہ دار ہوں حالانکہ وہ حقیقت میں روزہ دار نہ ہو۔ اور اس قسم کا ریا کار اس فعل سے دو پلیدیاں جمع کر لیگا ایک نفاق کہ خود روزہ دار نہیں اور دوسرے یہ کہ میں یہ نہیں جتاتا۔ کہ روزہ دار ہوں اور یہ ریا کار چاہتا ہے کہ اپنے آپکو مخلص ثابت کرے اور شاید صبر نہ کر سکے اور پانی پیئے اور یہ کہے کہ میں کل بیمار تھا اسلئے آج روزہ نہ رکھ سکا۔ یا فلاں شخص نے مجھے روزہ نہ رکھنے دیا۔ اور شاید ایکدم نہ کہے تاکہ لوگ ریا خیال نہ کریں۔ بلکہ ذرا ٹھہر کر کہے اور ریا یہ کہے کہ ماں کا دل نہایت نازک ہوتا ہے اور اگر بیٹا روزہ رکھے تو ہلاک ہو جائے اور یہ کہے کہ میں ماں کی ہلاکت کے خوف سے روزہ نہیں رکھتا۔ یا یہ کہے کہ جب آدمی روزہ رکھتے ہیں تو رات کو نیند جلد آجاتی ہے اور وہ رات کی عبادت کیلئے بیدار نہیں ہو سکتے۔ یہ یا اور کسی قسم کی شیطانی باتیں ریا کی پلیدی کیوجہ سے کرتا ہے اور وہ اس بات سے غافل ہے کہ اپنی جڑ اکھاڑ رہا ہے اور اپنی عبادت کو ضایع کر رہا ہے اس ریاء کا جاننا نہایت آسان ہے بعض ریا اس قسم کا ہے کہ چیونٹی کی آواز سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جسکے دریافت کرنے سے بڑے بڑے دانا عالم عاجز ہیں بھلا کم عقل اور بے سمجھ عابد کیسے پہچان سکتے ہیں۔

اس ریا کے بیان میں جو چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض ریا ظاہر ہے جیسے کوئی شخص لوگوں میں رات کی نماز ادا کرے اور اگر اکیلا ہو تو نہ

پڑھے۔ اور اس سے زیادہ پوشیدہ وہ ریا ہے کہ ہر رات نماز پڑھنے کی عادت تو ہو لیکن جب لوگ موجود ہوں تو نماز خوشی سے پڑھے اور آسانی سے ادا کرے۔ یہ ریا بھی ظاہر ہے۔ چیونٹی کی رفتار جیسا نہیں کیونکہ اسے پہچانا جاسکتا ہے بلکہ اس سے بھی پوشیدہ ریا ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسرے کو دیکھنے سے تہجد میں خوشی بھی زیادہ نہ ہو اور نہ ہی آسانی معلوم ہو اور ہر شب حسب معمول نماز پڑھے ظاہری تغیر کی کوئی علامت موجود نہ ہو لیکن جسطرح لوہے میں آگ ہوتی ہے اسیطرح دل میں ریا ہو اور وہ اسوقت ظاہر ہوتی ہے جب آدمی یہ جانے کہ وہ ان صفات حسنہ کا مالک ہے اور وہ اس سے خوش ہو اور اپنے آپ میں فرحت محسوس کرے اور یہ خوشی اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ ریا اسکے باطن میں پوشیدہ ہے اور اگر اس خوشی کا مقابلہ نہ کریگا۔ اور اس کو کراہیت کی نظروں سے نہ دیکھیگا۔ تو اس بات کا خطرہ ہوگا۔ کہ مبادا یہ پوشیدہ رگ جنبش کرلے اور خفی طور پر اس بات کا تقاضا کرے کہ لوگ ان صفات سے آگاہ ہو جائیں اور اگر یہ حالت صاف طور پر پیدا نہ ہوگی تو اس قسم کے کنایات ضرور ظاہر ہوں گے اور اگر کنایات بھی ظاہر نہ ہوئے تو صورت سے یہ بات ترشح ہوگی اور اپنے آپکو شکستہ حالی میں دکھلائیگا تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ شب بیدار ہے اور کبھی ریا اس سے بھی زیادہ پوشیدہ طور پر ظہور پذیر ہوتی ہے کہ لوگوں کی اطلاع سے خوش بھی نہ ہو اور اسکی مسرت میں کسی قسم کی زیادتی واقع نہ ہو لیکن پھر بھی باطن ریا سے خالی نہ ہوگا۔ اور اسکا نشان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے پاس آئے اور وہ سلام کرنے میں ابتدا نہ کرے تو یہ اپنے دل میں اس امر پر متعجب ہو۔ یا کوئی شخص اسکی عزت و حرمت میں فرو گذاشت کرے یا خوشی خوشی اس کا کام نہ کرے یا خرید و فروخت میں اسکی رعایت نہ کرے یا اچھی جگہ پر اس کو نہ بٹھلائے۔ تو وہ ان امور پر اپنے دل میں حیران ہو اور اسکا نفس یہ کہے کہ اگر تو نے یہ عبادت پوشیدہ طور پر نہ کی ہوتی تو یہ معاملہ درپیش نہ آتا تو گویا اسکا نفس اس عبادت کے ذریعہ سے حرمت و عزت کا تقاضا کرتا ہے غرضیکہ جب تک عبادت کا ہونا نہ ہونا آدمی کے دل میں برابر نہ ہو جائے تب تک اسکا باطن ریائے خفی سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر وہ کسی کو ایک ہزار دینار دے تاکہ اس سے وہ چیز حاصل کرے جو سو ہزار دینار کی ہو تو وہ کسی پر احسان نہ کریگا اور اپنی عزت کا طلبگار نہ ہوگا۔ اور اس امر کا کرنا نہ کرنا اسکے نزدیک لوگوں کے حق میں برابر ہوگا۔ تو جب سعادت ابدی حاصل کرنے کیلئے حقتعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اسکے عوض کسی سے عزت و حرمت کا آرزومند کیوں ہوتا ہے تو اس قسم کا ریا تمام ریاؤں سے زیادہ خفی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حقتعالیٰ قاریوں سے کہیگا۔ کیا تمہارے ہاتھ لوگوں نے سستا سودا فروخت نہیں کیا۔ اور تمہارے کام کاج میں مستعد نہیں رہے اور سلام کرنے میں ابتدا نہیں کی یہ تمام باتیں تمہارے اعمال کی جزا تھی جو تم کو دے دی گئی تم نے اپنے اعمال کو خالص نہ رکھا ایک شخص جو لوگوں سے بھاگ کر عبادت میں مشغول تھا کہتا ہے کہ ہم فتنہ سے بھاگے ہیں اور ہمیں اس بات کا خوف ہے۔ کہ ہمارے

کام میں کہیں فتنہ پیدا نہ ہو جائے کیونکہ جب ہم کسی کو دیکھتے ہیں۔ تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہماری عزت کرے اور ہمارے حق کا خیال رکھے اور یہی وجہ ہے کہ مخلص لوگوں نے اس بات میں کوشش کی ہے کہ اپنی عبادت کو اسطرح پوشیدہ رکھیں جسطرح گناہوں کو اور فواحشات کو پوشیدہ رکھتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ سوائے خالص عبادت کے قیامت کے دن دوسری قبول نہ کیجائیگی۔ اور ایسے لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو حج کو جائے اور جانے کہ جنگل میں سوائے خالص سونے کے دوسرا قبول نہ کریں گے اور وہاں جان کا خطرہ ہوگا۔ اور وہ خالص سونا مہیا کرے اور جو کھوٹا ہو وہ پھینکدے اور حاجت کے دن کا خیال کرے اور قیامت کے دن سے زیادہ کسی دن مخلوق عاجز نہ ہوگی۔ اور جو آج نیک اعمال نہیں کرتا۔ وہ کل قیامت کے روز خراب ہوگا اور کوئی شخص اسکی مدد نہ کریگا۔ جبتک آدمی اس بات میں فرق کرتا ہے کہ میری عبادت چار پایہ دیکھتا ہے یا آدمی اسوقت تک ریا سے خالی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تھوڑی سی اور پوشیدہ ریا بھی شرک ہے یعنی حق تعالی کی عبادت میں دوسرے کو شریک کرنا ہے جب حقتعالی کے علم کے ساتھ اس نے کفایت نہ کی تب تو اور کے جاننے نے اسکی عبادت میں اثر کیا۔

فصل پس جو شخص اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اسکی عبادت سے آگاہ ہیں وہ ریا سے خالی نہیں اور جو خوشی حق اور جائز ہے وہ چار قسم کی ہے ایک تو یہ کہ اسبات سے خوش ہو کہ اس نے عبادت پوشیدہ رکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن حق تعالی نے بلا اس کے ارادہ کے اس کو ظاہر کر دیا اور جو گناہ کئے تھے انکو پوشیدہ رکھا اور یہ سمجھ کر خوش ہو کہ حق تعالی نے اسپر نہایت فضل کیا ہے کہ جو کچھ برائیاں تھیں وہ پوشیدہ کر دیں اور جو نیکیاں ہیں انکو ظاہر کرتا ہے تو حق تعالی کے لطف و کرم کی وجہ سے خوش ہو نہ کہ لوگوں کی تعریف اور قبولیت کی وجہ سے جیسا کہ حق تعالی کا ارشاد ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہدو کہ حق تعالی کے فضل اور رحمت سے خوش ہو۔ دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی خوش ہو اور اس بات کا اقرار کرے کہ حقتعالی نے دنیا میں میری برائیاں پوشیدہ رکھیں۔ اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ قیامت کے دن بھی اپنے فضل و کرم سے میری برائیوں کو پوشیدہ رکھیگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حقتعالی اس سے کہیں زیادہ کریم ہے کہ اس جہان میں تو گناہوں کو پوشیدہ رکھے اور قیامت میں رسوا کرے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اس بات سے خوش ہو کہ جب لوگ اسکی عبادت کو دیکھینگے۔ تو عبادت کرنے میں اسکی اقتدا کریں گے اور سعادت کو پوچھیں گے اور ایسے شخص کے واسطے پوشیدہ عبادت کا ثواب بھی لکھیں گے اور علانیہ کا بھی کیونکہ اسکا ارادہ ظاہر کرنیکا تھا۔ بلا ارادہ ظاہر ہو گئی۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ اسوجہ سے خوش ہو۔ کہ جس شخص نے اسکو دیکھا وہ اسکی تعریف کرتا ہے اور اس کے حق میں نیک اعتقادی سے کام لیتا ہے اور وہ اس تعریف اور اعتقاد سے حق تعالی کا مطیع ہوا اور

حق تعالیٰ کی عبادت کرنے سے خوش ہو۔ نہ کہ اپنی عزت سے اور اسبات کا نشان یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص کو حق تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوا پائے تو ویسا ہی خوش ہو۔

اس ریا کا بیان جس سے اعمال باطل ہوجاتے ہیں

اے عزیز! اس بات کو جان لے کہ ریا کا خطرہ عبادت کے قبل میں ہوتا ہے یا عبادت کے بعد یا عبادت کے درمیان۔ وہ ریا جو عبادت کے اوّل ہوتا ہے۔ وہ عبادت کو ضائع کر دیتا ہے۔ کیونکہ نیّت میں اخلاص کا ہونا شرط ہے اور اخلاص اس سے ضائع ہوجاتا ہے لیکن اگر اصل عبادت میں نہ ہو مثلاً ریا کے باعث اول وقت آدمی نماز کی جلدی کرے لیکن اگر اکیلا ہوتا تو نماز میں تقصیر نہ کرتا۔ تو ایسی حالت میں اول وقت کا ثواب جاتا رہیگا اور یہ درست ہے کہ اصل نماز میں اس کی نیت پاک ہے جیسے کہ اگر کوئی شخص کسی غصب شدہ عمارت میں نماز پڑھے فرض تو ادا ہو جائیگا لیکن گنہ گار ضرور ہوگا مگر نفس نماز کے لحاظ سے گنہ گار نہیں اسیطرح اس مقام پر نفس نماز کے لحاظ سے ریاکار نہیں بلکہ ریا صرف وقت میں ہے اور اگر اخلاص کے ساتھ نماز تمام کرے اور ادا کر چکنے کے بعد ریا کا خیال پیدا ہو۔ اور نماز کا اظہار کرے تو نماز ضائع نہ ہوگی لیکن ریا کے خیال کے سبب سے عذاب ضرور دیا جائیگا ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے یہ کہا کہ میں نے کل سورۂ بقر پڑھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ عبادت میں سے یہی اسکے حصہ میں تھا۔ جو اسکو ظاہر کر دیا ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ نہ تو روزہ دار ہے اور نہ روزہ خوار اسکے یہ معنے ہیں کہ جب تو نے اظہار کر دیا۔ تو ضائع ہوگیا لیکن ہمارے نزدیک ظاہری معنے یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسلئے فرمایا کہ وہ اس سے سمجھ گئے کہ یہ شخص عبادت کے وقت ریا سے خالی نہیں رہا۔ اگر خالی ہو تو وہ عبادت جو تمام ہوجائے بعد میں باطل نہیں ہوتی اور بعض لوگوں نے اس حدیث کے یہ معنیٰ بھی لئے ہیں کہ متواتر روزے رکھنے منع ہیں لیکن اگر ریا کا خیال عبادت کے درمیان میں آئے اور عبادت کی اصلی نیت کو مغلوب کر دے تو نماز باطل ہوجائے گی۔ یا مثلاً کوئی نظارہ بازی کی چیز سامنے آئے یا کوئی گمشدہ چیز یاد آجائے۔ تو اگر لوگ نہ ہوتے تو وہ نماز کو توڑ ڈالتا لیکن اب شرم کے مارے نماز تمام کی تو اس قسم کی نماز بھی باطل ہوگی کیونکہ عبادت کی نیت ہی قائم نہ رہی اور یہ کھڑا ہونا محض آدمیوں کیلئے ہے لیکن اگر اصل نیت برقرار ہے اور لوگوں کے دیکھنے سے نشاط پیدا ہوا اور نماز اچھی طرح گزارے تو ہمارے نزدیک درست یہ ہے کہ نماز باطل نہ ہوگی اگرچہ اس ریا کیوجہ سے گنہگار ہوگا لیکن اگر کوئی شخص اسکی عبادت کو دیکھتا ہو اور یہ اس کے سبب سے شاد ہوتا ہو تو حارث محاسبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ اسکی نماز باطل ہوگی یا جائز ہوگی اور فرماتے ہیں کہ مجھے اس معاملہ میں کچھ توقف تھا لیکن اب میرا ظن غالب

یہ ہے کہ نماز باطل ہو جائیگی پھر کہا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کسی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنے اعمال پوشیدہ رکھتا ہوں لیکن جب لوگ جان جاتے ہیں تو میں خوش ہوتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے دو اجر حاصل ہونگے۔ ایک اجر پوشیدہ کا اور ایک علانیہ کا اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اسکے اسناد متصل نہیں۔ اور شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مراد لی ہو۔ کہ عبادت سے فارغ ہونیکے بعد عبادت ظاہر ہو۔ اور عبادت کرنیوالا خوش ہو۔ یا یہ مراد لی ہو۔ کہ اپنی عبادت ظاہر ہو جانے سے حق تعالیٰ کے فضل وعنایت سے شاد ہو۔ جیساکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس دلیل سے یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ کوئی شخص یہ نہیں کہتا لوگوں کا عبادت سے واقف ہونا زیادتی اجر کا باعث ہوگا۔ اگرچہ گناہ کا سبب نہ ہو یہ حارث محاسبی کی تقریر ہے لیکن ہمارے نزدیک ظاہر تر معنے یہ ہیں۔ کہ جب اسقدر خوش ہونیسے عمل سے زیادتی نہیں ہو جاتی اور اصل نیت برقرار رہتی ہے۔ اور عمل اس نیت کے حکم سے کرتا ہے تو نماز باطل نہ ہوگی۔

دل کی بیماری کا علاج جو ریا سے پیدا ہوتی ہے

اے عزیز! اسباب کو سمجھ لے۔ کہ یہ نہایت ہی پرخطر بیماری ہے۔ اور اسکا علاج واجب ہے۔ اور بلا کوشش کامل کے یہ بیماری علاج پذیر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ ایک ایسی بیماری ہے۔ جو آدمی کے دل کی بیماری کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس میں راسخ ہو جاتی ہے اور مشکل سے رفع ہوتی ہے اور اس بیماری کی صعوبت کا سبب یہ ہے۔ کہ آدمی لڑکپن سے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ وہ ایکدوسرے سے ریاکارانہ ملتے جلتے ہیں اور اپنے آپکو ایک دوسرے کی آنکھوں میں آرائش دیتے ہیں۔ انکا اکثر یا بالعموم یہی شغل ہوتا ہے اور بچوں کی طبیعت میں دیکھ دیکھ کر جڑ پکڑ لیتا ہے۔ اور ہر روز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ عقل کے کامل ہونے کا زمانہ آجاتا ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ سراسر نقصان وہ چیز ہے اور اگر یہ عادت وریا غالب ہو گئی تو پھر اسکا رفع کرنا دشوار ہو جاتا ہے کوئی شخص بھی اس بیماری سے خالی نہیں ہوتا۔ اور یہ مجاہدت تمام لوگوں پر فرض عین ہے اور اسکے علاج میں دو مقام ہیں ایک تو طلب مسہل کہ جو اسکے مادہ کو باطن سے نکال ڈالے اور یہ مرکب ہے علم وعمل سے علمی یہ ہے کہ آدمی اسبات کو سمجھ لے۔ کہ آدمی جو کام بھی کرتا ہے وہ حصول لذت کی غرض سے کرتا ہے لیکن جب وہ اس بات سے واقف ہو جاتا ہے۔ کہ اسکا نقصان عاقبت میں ناقابل تلافی ہے اور اسکے برداشت کی طاقت بھی نہیں تو پھر اس لذت کا ترک کر دینا اسپر سہل ہو جاتا ہے جیسے کہ اگر کوئی شخص یہ جانے شہد میں زہر قاتل ملا ہوا ہے اگرچہ اسپر وہ کتنا ہی حریص کیوں نہ ہو لیکن اسے ترک کر دیگا۔ اگرچہ ریا کی جڑ جاہ ومنزلت کی دوستی سے اگتی ہے لیکن پھر اسکی تین جڑیں ہو جاتی ہیں ایک تو حمد وصفت کی محبت ہے۔ دوسری مذمت کا خوف تیسری لوگوں سے طمع رکھنا۔ اور یہ اسی لئے ایک

اعرابی نے حضور سرور دوجہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔ کہ کیا فرماتے ہیں حضورؐ اس شخص کے حق میں جو حمیت دین کیلئے جہاد کرے یا اس لئے کہ لوگ اسکی مردانگی سے واقف ہو جائیں۔ اور اسکا ذکر لوگوں سے کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کلمۂ توحید کے غلبہ کیلئے جہاد کرے وہ تو خدا کی راہ میں ہے اور یہ اسباب کیطرف اشارہ ہے کہ آدمی اپنی تعریف اور اپنے ذکر کا طالب نہ ہو اور مذمت سے خوف نہ کھائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اس لئے جہاد کرے کہ وہ اونٹ کا زانو بند حاصل کرے تو اس کیلئے سوائے اس چیز کے جسکی اس نے نیت کی اور کوئی اجر نہیں۔ تو یہی تین باتیں ریا کا سبب ہوتی ہیں۔ صفت و تعریف کی حرص اس خیال سے چھوڑے کہ قیامت کے دن برملا یہ منادی کی جائیگی۔ کہ اے ریاکار! اے فاجر! اے گمراہ! کیا تجھ کو اس بات سے شرم نہ آئی کہ تو نے لوگونکی باتوں پر حقتعالٰی کو فروخت کر دیا اور تو نے لوگوں کے دلوں کا خیال کیا۔ مگر حق تعالٰی کی رضا جوئی نہ چاہی اور لوگوں سے نزدیکی چاہنے کیلئے تو نے خالق سے دوری اختیار کی اور مخلوق کی قبولیت کو حق تعالٰی کی قبولیت پر ترجیح دی۔ اور خلق سے تعریف حاصل کرنیکی طمع میں حق تعالٰی کی مذمت کی۔ حق تعالٰی کے نزدیک تجھ سے زیادہ کوئی شخص ذلیل نہ تھا۔ کہ تو نے ان سب کی رضا چاہی اور اسکے غصہ کا خوف نہ کیا جب عقلمند ان تمام فضیحتوں میں غور کرتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ لوگونکی تعریف انکے برابر نہیں ہو سکتی خصوصاً جب یہ سمجھے کہ یہ عبادت جو وہ کرتا ہے نیکیوں کے پلہ کے بھاری ہونیکا سبب ہے۔ تو جب ریاکاری سے تباہ ہوگئی تو گناہوں کے پلے کے بھاری ہونیکا موجب ہو گی اور اگر یہ ریا نہ کریگا تو انبیاء علیہم السلام و اولیاء علیہم الرحمۃ کا ساتھی ہوگا۔ لیکن ریاکاری کی حالت میں دوزخ کے فرشتوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگا۔ اور محروموں کا رفیق ہوگا۔ اور یہ سب (ریاکاری) خلق کی رضا کیلئے ہے لیکن انکی بھی رضا حاصل نہ ہوگی اگر ایک خوش ہوا تو دوسرا ناخوش ہو جائیگا۔ اور اگر ایک نے تعریف کی تو دوسرا مذمت کریگا اور اگر سب لوگ بھی تعریف کرنے لگ جائیں۔ تو نہ اسکی روزی انکے ہاتھ میں ہے اور نہ ہی عمر پر انکا کچھ اختیار ہے اور نہ ہی سعادت دنیوی و اخروی انکے قبضہ میں ہے یہ جہالت ہوگی کہ فی الحال اپنا دل پریشان کیا جائے اور اس کمینی غرض کیلئے اپنے آپکو آخرت کے عذاب میں مبتلا کرے پس یہ باتیں یا اس قسم کی دوسری باتونکو اپنے دل پر تازہ رکھنا چاہئے اور طمع کا وہ علاج کرے جو دوستی مال کے باب میں بیان کیا گیا ہے اور یہ سمجھ لے کہ شاید یہ طمع وفا نہ کرے اور اگر وفا کی بھی تو منت اور ذلت کے ساتھ اور حق تعالٰی کی رضا فوت ہو جائیگی اور لوگونکے دل حق تعالٰی کے ارادہ کے سوا کبھی بھی مسخر نہیں ہو سکتے۔ جب حق تعالٰی کی رضا حاصل کریگا۔ تو وہ (خدا) خود بخود لوگونکے دل اسکے قبضہ میں کر دیگا۔ اور اگر رضائے الٰہی حاصل نہ کریگا۔ تو اسکی فضیحت ظاہر ہو جائیگی اور لوگوں کے دل بھی اس سے نفرت کرینگے اور لوگونکی مذمت کے خوف کا علاج اسطرح کرے۔ کہ اپنے آپکو مخاطب ہو کر کہے کہ اگر خدا کے نزدیک ستودہ ہوا تو مخلوق کی نکوہش کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی اور اگر حق تعالٰی کے نزدیک مذموم ٹھہرا تو لوگوں کی تعریف

کچھ اثر نہ کرے گی۔ اور اگر اخلاص کی راہ اختیار کریگا اور خلق کی پراگندگی سے دل پاک رکھیگا تو حق تعالیٰ تمام لوگوں کے دلوں کو اسکی دوستی سے آرائش دیگا۔ اور اگر نہ کرے گا۔ تو یہ بات دور نہیں کہ لوگ اسکے ریا اور نفاق سے واقف ہو جائیں۔ اور جس مذمت سے وہ ڈرتا ہے وہی اسے دیکھنی پڑے اور حق تعالیٰ کی رضامندی تو فوت ہو چکی ہوگی اور اگر اپنے دل کو حق تعالیٰ کی رضا جوئی میں حاضر کریگا۔ اور ایک ہمت اور ایک ہی خیال سے کام لے گا۔ تو مخلوق کے دل کی مراعات سے نجات حاصل کریگا۔ اور حق تعالیٰ کے انوار اس کے دل میں بھر جائیں گے اور حق تعالیٰ کے لطائف اور مدد و عنایت کا متواتر نزول ہوگا۔ اور اخلاق و لذت کی راہ اس کیلئے کھل جائیگی۔ علاج عملی یہ ہے کہ اپنی عبادت و اطاعت کو اسطرح پنہاں رکھے۔ جیسے کوئی اپنے گناہوں کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ تاکہ اسے قناعت کرنے کی عادت ہو جائے۔ اور اطاعت میں حق تعالیٰ کے علم پر قناعت کرنے لگے اگرچہ ابتدا میں یہ امر مشکل ہے لیکن کوشش کرنے سے آسان ہو جاتا ہے۔ اور مناجات و اخلاص کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور ایسا ہو جاتا ہے کہ اگر خلق دیکھے بھی تو وہ خود خلق سے غافل ہو جاتا ہے۔ دوسرا مقام تسکین ہے۔ یعنی جب ریا کا خیال آئے تو اسے دور کرنا۔ اگرچہ مجاہدہ سے یہ حالت ہو گئی ہو کہ لوگوں کی تعریف اور مال کا طمع دور ہو چکا ہو۔ اور تمام چیزیں اسکی نظروں میں حقیر ہوں۔ لیکن پھر بھی شیطان عبادت کے درمیان میں ریا کے خیالات پیدا کرتا ہے۔ پہلا خیال جو ہوتا ہے۔ وہ یہ ہوتا ہے۔ کہ شائد میری عبادت کی کسی کو خبر ہو گئی ہوگی۔ یا امید ہے کہ اطلاع ہو جائے۔ دوسرا خیال رغبت کا ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک اسکی عزت و منزلت ہو۔ تیسرا خیال اس رغبت کی قبولیت کا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کی تحقیق کرے۔ پس اسباب کی کوشش کرنی چاہیئے کہ پہلا خیال دور کرے اور یہ کہے کہ میں خلق کی اطلاع کو کیا کروں۔ جبکہ خود خالق تمام چیزوں کا جاننے والا ہے۔ بس اسی کا جاننا میرے لئے کافی ہے اور میرا کام مخلوق کے اختیار میں نہیں ہے اگر دوسرا خیال لوگوں کی قبولیت کی رغبت کے متعلق پیدا ہو تو جو کچھ پہلے فرض کیا تھا اسے یاد کرے اور خلق کی قبولیت حق تعالیٰ کے رد اور غصہ کے سامنے کیا سود مند ہوگی۔ تاکہ اس رغبت کے مقابلہ میں اس خیال سے کراہیت پیدا ہو۔ وہ خواہش تو اسے قبولیت خلق کی طرف بلاتی ہے۔ اور یہ کراہیت اس کو اس خیال سے روکتی ہے۔ پس ان دونوں میں سے جو قوی اور مضبوط ہو وہ نفس پر غالب ہو جاتی ہے پس ان تینوں خیالات کے مقابلہ میں تین کام اور کرے ایک تو اس بات کو جانے۔ کہ حق تعالیٰ کی لعنت اور غصہ میں مبتلا ہوگا۔ دوسرے وہ کراہت جو اس معرفت سے پیدا ہو تیسرے یہ کہ اس ریا کے خیال کو دور کرے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ریا کی خواہش اس قدر غلبہ کرے کہ دل میں جگہ ہی رہے اور معرفت اور کراہیت نزدیک تک نہ آئے۔ اگرچہ اس سے پہلے وہ بہت خیال کر چکا ہو۔ پس جب یہ حالت

ہو گی تو شیطان کا دوست ہوگا۔ اور اسکی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص ہو جو کہ اپنے آپکو حلم اور بردباری پر قائم رکھے اور غصہ کی آفتوں کو سمجھ جائے لیکن جب موقعہ آئے تو غصہ غالب ہو جائے اور سب کچھ بھول جائے اور ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ معرفت تو حاصل ہو اور یہ بھی جانے کہ یہ ریا ہے لیکن جب خواہش ہوگی تو کراہیت پیدا نہ ہوگی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کراہیت بھی پیدا ہو جائے لیکن اس خواہش کیساتھ پورے طور پر اترے اور اسے دفع نہ کر سکے اور لوگوں کی قبولیت کیطرف رغبت کرے۔ بہت سے عالم ہوتے ہیں۔ جو یہ جانتے ہیں کہ ریاکاری کی باتیں کر رہے ہیں۔ جو انکے لئے سراسر نقصان دہ ہے لیکن کیے جاتے ہیں اور توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں پس ریا کا دفع کرنا قوت کراہیت کے مطابق ہے اور قوت کراہیت قوت معرفت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ اور معرفت قوت ایمان کے مطابق ہوتی ہے اور ایمان کی مدد ملائکہ بھی کرتے ہیں اور ریا خواہش دنیا کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے اور شیطان اسکو مدد دیتا ہے۔ اور آدمی کا دل ان دو متضاد لشکروں کے درمیان ہوتا ہے اور انہیں دو لشکروں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے پس جسکی مناسبت زیادہ قوی ہوتی ہے اسی کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور اسکی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور یہ مناسبت اسے پہلے سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ نماز سے پہلے آدمی اپنے آپ کو ایسا کر لیتا ہے۔ کہ فرشتوں کے اخلاق اسپر غالب ہو جاتے ہیں یا یہ کہ شیطان کے اخلاق اسپر غالب ہو جاتے ہیں پس عبادت کے درمیان جو خیال پیدا ہو گیا۔ وہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور تقدیر ازلی اس کو ایسی جگہ پر لیجاتی ہے جو قسمت ازلی سے اسکے لئے مقرر ہو۔ چاہے وہ شیطان کی مشابہت کا غلبہ ہو۔ یا ملائکہ کی مشابہت کا۔

فصل

جب تو نے ریا کے متقاضی کے خلاف کیا۔ اور دل سے کراہیت کی تو اگر پھر بھی تیرے دل میں وسوسہ اور خواہش رہ جائے۔ تو اس کیلئے ماخوذ نہیں۔ کیونکہ یہ آدمی کی طبیعت میں داخل ہے اور تیرے لئے طبیعت کے باطل کرنے کا حکم نہیں۔ بلکہ اسے مغلوب و مقہور کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ تجھ کو دوزخ میں نہ لیجائے۔ جب تجھ کو طبیعت کے حکم سے سرتابی کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ تو نے اسکو مغلوب کر لیا اور یہ کافی ہے اور اس خواہش کی مخالفت کرنا ہی تیرے لئے اس کا کفارہ ہے۔ اور اسپر دلیل یہ ہے کہ ایکدن صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ہمیں بہت سے وساوس اور شبہات پیدا ہوتے ہیں اور اگر بجائے اسکے ہم کو آسمان سے پھینکدیا جائے تو بدرجہا بہتر ہے اور ہم ان شبہات سے کراہیت رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کیا واقعی تمہاری یہی حالت ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا۔ یہ صریح ایمان کی نشانی ہے اور وہ وساوس حق تعالیٰ کے حق میں گزرتے ہیں ان سے کراہیت رکھنا صریح ایمان ہے پس جب کراہیت ان وساوس کا کفارہ ہوگئی تو جو خلاق کے وساوس

سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ان سے بدرجہا اولیٰ محو ہو جائیں گے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص کو ان وساوس کی مخالفت کی قدرت حاصل ہو گئی۔ شیطان اس سے حسد رکھتا ہے اور اسکے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اس بارہ میں اسکی بھلائی شیطان کے ساتھ جھگڑا کرنے میں ہے اور ان وساوس میں مشغول مناجات کی لذت کو ضائع کر دیتا ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسی پر اقتصار کرے کہ اسکی تکذیب کرکے دفع کرے اور مناجات میں مشغول ہو۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ تکذیب اور دفعیہ میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ اس میں بھی وقت ضائع ہوگا اور اسکی طرف توجہ ہی نہ کرے اور مناجات میں مشغول رہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے۔ کہ اخلاص کی حرص اور کوشش کو زیادہ کرے۔ کیونکہ جاننا چاہیئے کہ شیطان کو اس بات سے غصہ آتا ہے اور اسکی طرف مطلقاً توجہ نہ دے اور سب سے کامل درجہ یہی ہے۔ کیونکہ شیطان کو جب اسکی یہ صفت معلوم ہوگی۔ تو اس سے ناامید ہو جائیگا اور اس کی مثال ان چار شخصوں کی سی ہے جو طلب علم کے لئے جائیں اور کوئی حاسد انکی راہ میں آکر کھڑا ہو جائے اور ایک شخص کو منع کرے لیکن وہ اسکی بات نہ مانے اور لڑنے کیلئے تیار ہو جائے۔ اور اپنا وقت ضائع کرے اور وہی حاسد دوسرے کو منع کرے۔ تو وہ اسے دفع کرے اور لڑنے پر آمادگی ظاہر نہ کرے اور تیسرا دفع کرنے میں مشغول نہ ہو۔ بلکہ توجہ ہی نہ کرے اور جسطرح جا رہا تھا۔ اسی طرح چلا جائے۔ تاکہ اس کا وقت ضائع نہ ہو اور چوتھا بالکل التفات ہی نہ کرے اور جلدی جلدی اپنا راستہ طے کرے۔ تو ایسی صورت میں اس حاسد نے ان دو سے تو کچھ اپنا مطلب حاصل کر لیا۔ اور تیسرے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور چوتھے سے بجائے کچھ حاصل کرنیکے اسی کا فائدہ کر دیا۔ اور اگر ان تینوں کے منع کرنے سے وہ حاسد پشیمانی ظاہر نہ کریگا تو اس چوتھے کے روکنے سے تو پشیمان ہوگا۔ اور کہیگا کہ کاش! میں اسے منع ہی نہ کرتا۔ تو سب سے بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ شیطان کے ساتھ جھگڑا کرنے میں بالکل مشغول ہی نہ ہو۔

اظہارِ اطاعت کی اجازت کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ اطاعت کے پوشیدہ رکھنے میں یہ فائدہ ہے کہ ریا سے خلاصی حاصل کرتا ہے لیکن اظہار میں جو سب سے بڑا فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اسکی اقتدا کرینگے اور لوگوں کیلئے عبادت کی تحریک کا موجب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے دونوں کی تعریف فرمائی اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یعنی اگر صدقہ ظاہر طور پر دو تو نہایت اچھا ہے اور اگر پوشیدہ دو تو اس سے بھی اچھا ہے ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال طلب فرمایا۔ ایک انصاری تھیلی لے آیا جب لوگوں نے اس کو لاتے دیکھا۔ تو انہوں نے بھی لانا شروع کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص نیک رسم ڈالے اور لوگ

اسکی متابعت کریں تو اسکو اپنا بھی ثواب ملیگا۔ اور دوسرونکی موافقت کا بھی۔ اسی طرح جو شخص حج کو جائے تو پہلے سے اسکا سامان کرے۔ اور باہر نکلے تاکہ لوگ بھی اس معاملہ میں حریص ہوں اور اسی طرح اگر رات کو نماز پڑھتا ہے اور اس نیت سے آواز بلند کرتا ہے تاکہ دوسرے بھی بیدار ہوں تو یہ امر ریا میں داخل نہیں بلکہ اسکا بہت سا ثواب اور اجر ہے پس حقیقت یہ ہے کہ اگر ریا سے ایمن ہے اور اسکا اظہار عبادت دوسرونکی رغبت کا باعث ہے یہ امر اولی ہے اور نہایت ثواب کا موجب ہے اور اگر اس میں ریا کی خواہش پیدا ہوگی۔ تو دوسرونکی رغبت اسے کچھ فائدہ نہ دیگی۔ پس ایسے شخص کیلئے پوشیدہ رکھنا بہتر ہے پس جو شخص عبادت کا اظہار کرے تو اسے چاہیئے کہ ایسی جگہ پر کرے جہاں وہ دوسروں کا اقتدا کرنا ممکن ہو۔ اس لئے کہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے۔ کہ اہل وعیال اس کی اقتدا کرتے ہیں۔ لیکن بازاری لوگ اقتدا نہیں کرتے اور ایک بات یہ ہے کہ اپنے دل پر نظر کرے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ریا کی خواہش اسکے باطن میں پوشیدہ ہوتی ہے اور اسکو دوسروں کی اقتدا کے بہانہ سے ظاہر کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ تاکہ وہ ہلاک ہوجائے اس قسم کے ضعیف اشخاص اس شخص جیسے ہیں کہ جو پیرنا نہ جانے اور غرق ہوجائے۔ اور دوسرے کا ہاتھ پکڑے تاکہ دونوں ہلاک ہوں اور جو شخص مضبوط ہوتا ہے۔ اسکی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو پیرنے میں استاد ہے اور خود بھی محفوظ رہے اور دوسرونکو بھی سلامت بچائے جائے۔ اور یہ درجہ انبیاء واولیاء کا ہے اور ہر شخص کو یہ چاہیئے کہ اسپر فخر کرے کہ جو عبادت کہ پوشیدہ رکھی جاسکتی ہو اسے پوشیدہ نہ رکھے اور اس معاملہ میں صدق کی علامت یہ ہے کہ فرض کرے۔ کہ اگر لوگ اسے کہیں کہ تو اپنی عبادت کو پوشیدہ رکھ تاکہ لوگ اس دوسرے عابد کی پیروی کریں اور تجھے وہی اجر ملے جو اظہار میں ہے۔ تو اگر اپنے میں اظہار کی خواہش دیکھے۔ تو اسکا یہ مطلب ہے، کہ وہ اپنی منزلت ڈھونڈتا ہے۔ ثواب آخرت کا متلاشی نہیں ہے اور ایک طریق ظاہر کرنے کا یہ بھی ہے کہ اطاعت سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کہے کہ میں نے کیا کیا۔ نفس کو اس بات سے بھی مزہ ملتا ہے اور حلاوت حاصل ہوتی ہے شاید کہ وہ زبانی حکایت کر بیٹھے۔ اسلئے زبان کو نگاہ رکھنا اور ظاہر نہ کرنا واجب ہے تا وقتیکہ لوگوں کا اسکی تعریف کرنا اور مذمت کرنا اسکے نزدیک برابر نہ ہوجائے۔ اور انکی رد وقبولیت یکساں نہ ہو اور پھر جب اسبات پر یقین کامل ہوجائے کہ اظہار سے خیر کی تحریک ہوتی ہے تو کہہ ڈالے جو لوگ صاحب تصرف تھے انہوں نے ایسا بہت کیا ہے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب سے میں دائرہ اسلام میں داخل ہؤا ہوں میں نے کوئی نماز ایسی ادا نہیں کی جس میں میرے دل نے اس معاملہ کے سوا اور کسی بات کو پسند کیا ہو کہ آخرت میں خدا مجھ سے یہ فرمائیگا۔ تو میں یہ جواب دونگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے جو کچھ بھی سنا اسے صحیح اور بیج جانا۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں صبح کے وقت جس حالت پر بیدار ہوتا ہوں تو میں مشکل

اور آسان کاموں میں سے یہ جان جاتا ہوں کہ خیر کس میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صبح کے وقت جس حالت پر بیدار ہوتا ہوں نہیں چاہتا کہ وہ تبدیل ہو جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے۔ نہ میں نے اپنی شرمگاہ کو داہنے ہاتھ سے چھوا اور نہ گایا اور نہ جھوٹ بولا۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت فرمایا۔ مجھے نہ روؤ میں جب سے اسلام لایا ہوں۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا حضرت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قضائے آلہی سے جو حادثہ مجھ پر پڑا۔ میں نے اسی پر صبر کیا اور جو کچھ حق تعالیٰ نے میری تقدیر میں لکھا تھا۔ اسی پہ قانع اور خوش رہا۔ یہ تمام اہل قوت کی باتیں ہیں ہر شخص کو اس پر غرہ نہ کرنا چاہیئے اور اے عزیز تجھے یہ بھی معلوم ہو کہ حق تعالیٰ نے کاموں میں ایسے کام رکھے ہیں۔ کہ کوئی شخص ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شر کے نیچے ایک خیر ہے۔ جسے ہم دریافت نہیں کر سکتے۔ ریا میں خلق کے لئے بہت سے خیر ہیں۔ اگرچہ ریا خیر کے لئے ہلاکت اور تباہی کا موجب ہے کیونکہ بہت سے لوگ ریاکاری کے ساتھ کام کرتے ہیں اور لوگ انہیں مخلص سمجھ کر ان کی پیروی کرتے ہیں۔

حکایت۔ کہتے ہیں کہ بصرہ میں یہ حالت تھی۔ کہ لوگ شہر کی گلیوں میں جسطرف بھی جاتے تھے قرآن و ذکر کی آواز سنتے تھے اور لوگ اسکی طرف راغب ہوتے تھے۔ ایک شخص نے دقائق ریا میں ایک کتاب لکھی۔ اُن لوگوں نے وہ ذکر کرنا اور قرآن شریف کی تلاوت کرنا ترک کر دیا اور اس کتاب کی وجہ سے رغبت میں فتور آگیا۔ لوگوں نے کہا۔ کاش یہ کتاب تصنیف نہ ہوتی۔ اگرچہ ریاکار خود تباہ ہو جاتا ہے لیکن دوسروں کے لئے نجات کی راہ بنا جاتا ہے۔

گناہ کے چھپانے کی اجازت کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ عبادت کا ظاہر کرنا ریاکاری ہے لیکن گناہ کا پوشیدہ رکھنا ہر وقت جائز ہے اور اسکے سات عذر ہیں۔ پہلا عذر تو یہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے فسق و فجور کے چھپانے کی تاکید کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے گناہ کیا۔ اسے چاہیے کہ اس پر حق تعالیٰ کا پردہ ڈالے۔ دوسرا عذر یہ ہے کہ اس جہان میں پوشیدہ رہیگا تو دوسرے جہان میں بھی اسکے پوشیدہ رہنے کی امید ہے۔ تیسرا عذر یہ ہے کہ لوگوں کی ملامت کے ڈر سے اسکا دل پریشان ہوگا اور عبادت کی مشغولیت میں خلل پڑ جائیگا اور دل پراگندہ ہوگا چوتھا عذر یہ ہے کہ دل ملامت اور مذمت سے رنجورہ ہوگا۔ اور یہ بات آدمی کی طبیعت میں داخل ہے اور ملامت سے رنجور ہونا اور اس سے حذر کرنا حرام نہیں۔ اور مدح و مذمت کو برابر خیال کرنا توحید پرستی کی انتہا ہے اور ہر شخص اس مرتبہ کو نہیں

پہنچتا۔ اور مذمت کے خوف سے طاعت کا چھپانا جائز نہیں اخلاص کا ہونا ضروری ہے اور ثنا و صفت کے نہ ہونے پر صبر کرنا آسان ہے لیکن مذمت پر صبر کرنا دشوار ہے پانچواں عذر یہ ہے کہ اگر اس بات کا خوف ہو کہ لوگ اسے اس گناہ کے سبب تکلیف دینگے تو شرع نے اس کو چھپانے کی اجازت دی ہے اگرچہ گناہ ایسا ہی کیوں نہ ہو کہ اسپر حد شرع لازم آتی ہو۔ پس چاہیئے کہ توبہ کرے اور دوسرے کے شر سے حذر کرنا جائز ہے چھٹا عذر یہ ہے کہ لوگوں سے شرم کرے اور شرم محمود ہے اور ایمان میں سے ہے اور شرم و ریا میں فرق ہے ساتواں عذر یہ ہے کہ اس خیال سے گناہ کو چھپاتا ہے۔ کہ لوگ اسے دیکھ کر فسق پر دلیر ہو جائینگے تو ایسی حالت میں گناہ چھپانے میں معذور ہوگا۔ اور اگر چھپانے سے یہ مقصد ہو کہ لوگ اسے پرہیزگار سمجھیں تو یہ ریا ہوگا اور حرام ہوگا۔ اور اگر اسکا ظاہر باطن یکساں ہو تو یہ مرتبہ صدیقوں کا ہے اور یہ درجہ اسطرح حاصل ہوتا ہے کہ آدمی پوشیدہ طور پر کوئی گناہ نہ کرے اور اگر گناہ کر کے کہتا ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ جانتا ہے۔ خلق بھی جانا کرے تو یہ جہالت ہے اور ایسا کرنا منع ہے بلکہ اپنے گناہ پر اور دوسروں کے گناہ پر پردہ ڈالنا ہے

اسبات کی اجازت کے بیان میں کہ ریا کے خوف سے نیکی کا کس جگہ ترک کرنا واجب ہے

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ اطاعت کے تین درجے ہیں ایک درجہ تو یہ ہے کہ وہ طاعت لوگوں سے تعلق نہ رکھتی ہو۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ اور دوسرا وہ ہے جسکا تعلق مخلوق سے ہو جیسے خلافت۔ قضا ولایت اور تیسرا درجہ وہ ہے جو لوگوں کے لئے بھی اثر ڈالنے والی ہو۔ اور عامل کیلئے بھی۔ جیسے وعظ تذکیر وغیرہ پہلی قسم کے متعلق یہ حکم ہے جیسے نماز روزہ حج وغیرہ کہ ریا کے خوف سے ہرگز انہیں ترک نہ کرے اور اگر ریا کا خیال ابتدائے عبادت یا درمیان عبادت پیدا بھی ہو تو اسکے رفع کرنے کی انتہائی کوشش کرے اور عبادت کی نیت کو تازہ کرے اور لوگوں کے دیکھنے سے نہ عبادت کو کم کرے اور نہ ہی زیادہ کرے لیکن جس جگہ پر عبادت کی کوئی نیت ہی نہ ہو اور سراسر ریاکاری ہو تو وہاں عبادت عبادت میں شمار نہ ہوگی لیکن جبتک اصل نیت قائم رہے اسوقت تک عبادت کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ریا یہ ہے کہ لوگوں کے دیکھنے کے خوف سے عبادت کو ترک کر دے اور جو لوگ خلق کیلئے عبادت کرتے ہیں وہ عبادت نہیں بلکہ شرک ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تو اطاعت نہ کرے اور جب وہ اس بات میں عاجز ہو جاتا ہے تو پھر تجھے یہ کہتا ہے کہ لوگ دیکھتے ہیں یہ ریا ہے۔ اطاعت نہیں ہے تاکہ اسکی مکاری تجھے عبادت سے باز رکھے اور اگر تو اس بات کیطرف التفات کریگا اور لوگوں سے بھاگ جائیگا اور زمین کے نیچے بھی چلا جائیگا تو وہ تجھ سے یہی کہیگا کہ لوگ اسبات کو جانتے ہیں کہ تو بھاگ گیا اور زاہد ہو گیا۔ یہ زہد نہیں بلکہ ریا ہے پس طریق یہ ہے کہ تو اس کے کہے

کہ لوگوں کے ساتھ دل مشغول رکھنا اور انکی وجہ سے ترک طاعت کرنا ریا ہے بلکہ لوگوں کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے جیسی مجھے عادت ہے میں کر رہا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ خلق نہیں دیکھتی۔ کیونکہ خلق کے خوف سے عبادت نہ کرنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے غلام کو گندم دے۔ تاکہ وہ صاف کرے اور وہ صاف نہ کرے اور یہ کہے کہ میں ڈرا کہ اگر صاف کرتا تو خوب صاف نہ کر سکتا۔ تو مالک اس سے کہیگا اے بیوقوف تو نے اصلاً کام ہی نہ کیا اور تیرے ایسا کرنے میں بھی تو گندم صاف نہیں ہو گئی۔ تو حق تعالیٰ نے بندوں کو اخلاص کا حکم دیا ہے پس جب عمل سے دستبردار ہو گئے تو اخلاص سے بھی دست بردار ہو چلے کیونکہ اخلاص عمل میں ہوتا ہے اور یہ جو حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قرآن شریف پڑھا کرتے اور جب کوئی شخص آجاتا تو آپ قرآن شریف کو لپیٹ دیتے اور فرماتے کہ میں اسبات کو پسند نہیں کرتا کہ مجھے ہر وقت ہی قرآن شریف پڑھتے ہوئے دیکھیں یہ بات اس لئے کہی ہوگی کہ وہ جانتے تھے کہ جب کوئی شخص آئے تو اس سے بات کرنا چاہئے اور قرآن کریم کی تلاوت چھوڑ دینی چاہیئے۔ پس انہوں نے تلاوت کو پوشیدہ رکھنا ہی بہتر جانا ہوگا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا جب اسے رونا آتا تو وہ اپنا منہ چھپا لیتا۔ تاکہ لوگ اسکے رونے سے واقف نہ ہو جائیں کیونکہ تنہائی میں رونا ظاہر کے رونے سے بہت افضل ہے اور یہ عبادت نہیں جس سے وہ شخص باز رہا۔ اور فرماتے ہیں۔ ایک شخص تھا۔ اس نے چاہا۔ کہ راستہ سے کوئی شے جو چلنے والوں کے لئے اذیت کا باعث تھی اٹھاوے لیکن اس نے اس خیال سے نہ اٹھائی۔ تاکہ لوگ اسے پارسا خیال نہ کریں لیکن یہ حال کسی ضعیف کا ہوگا جو اپنے آپ سے ڈرا۔ اور اس نے خیال کیا کہ لوگ اس کی پارسائی سے واقف ہو جائینگے اور دوسری عبادتیں اس کے لئے بے لطف ہو جائینگی۔ لیکن ریا کی خواہش کے خوف سے اس سے حذر کرنا اچھا نہیں بلکہ اسے کرنا چاہیئے اور ریا کا دفعیہ کرنا چاہیئے لیکن وہ شخص جو ضعیف ہو اور اپنی بہتری اسی میں جانے تو اس کیلئے یہ بات نقصان دہ ہوگی۔ دوسری قسم وہ ہے جسکا تعلق مخلوق سے ہو جیسے ولایت۔ قضا۔ خلافت اور یہ عبادتوں سے بھی بزرگ ہیں پس جو شخص اپنی ذات پر عدل کرنے کا متوقع نہ ہو۔ تو اسکے لئے ان مناجات کا قبول کرنا آفت ہے یہ نماز روزہ کی مثل نہیں ہے کیونکہ عین نماز روزہ لذت سے خالی ہے اور لذت اس میں ہوتی ہے کہ لوگ نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں لیکن حکومت کی لذت نہایت زبردست ہے اور نفس اس میں پرورش حاصل کرتا ہے اور یہ اس شخص کے شایان شان ہے جسے اپنی ذات پر بھروسہ ہو اگر اپنے آپکی آزمائش کر چکا ہو اور حکومت سے پہلے امانتدار رہ چکا ہو لیکن اس بات کا خطرہ ہو کہ جب حاکم ہوگا تو اسمیں تغیر واقع ہو جائیگا اور موقوف ہونیکے خوف سے خوشامد کریگا تو ایسی صورت میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ کی رائے ہے کہ حکومت قبول کرے کیونکہ یہ گمان ہی گمان ہے اور چونکہ اپنی آزمائش کر چکا ہے اسلئے اعتماد رکھے اور ہمارے نزدیک درست یہ ہے کہ قبول

نہ کرے۔ اس لئے کہ نفس جب انصاف کریگا۔۔۔۔ وعدہ کریگا۔ تو ممکن ہے کہ فریب ہو اور حکومت حاصل کرکے بدل جائے۔ پس جب پہلے ہی سے تردد کرتا ہے تو اسکے بدلجانے کا اندیشہ ہے اسلئے عذر بہتر ہے۔ اور حکومت کرنا سوائے اہل قوت کے دوسرے کا کام نہیں۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حکومت ہرگز قبول نہ کرنا۔ اگرچہ دو آدمیوں پر ہی کیوں نہ ہو اور جب جناب صدیق نے خلافت قبول فرمائی۔ تو حضرت رافعؓ نے کہا۔ کہ آپ تو مجھے منع فرماتے تھے فرمایا میں اب بھی تم کو منع کرتا ہوں حق تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو انصاف نہ کرے اور اس ضعیف اعتراض کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو دریا کے کنارے پر جانے سے روکے اور خود اسکے اندر اتر جائے کہ تیرنے سے واقف ہو اگر لڑکا دریا میں داخل ہوگا تو ہلاک ہو جائیگا۔ اور جب بادشاہ ظالم ہو اور قاضی قضا میں عدل سے کام نہ لے سکے اور خوشامد لازم نظر آئے۔ تو ایسی حالت میں عہدہ قضا اور کوئی حکومت قبول نہ کرنی چاہیئے اگر قبول کریگا۔ تو معزول ہو جانیکا خطرہ خوشامد کیواسطے عذر خیال نہ کیا جائیگا۔ بلکہ عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ تاکہ بادشاہ معزول کردے اگر حکومت حق تعالیٰ کیلئے کرتا ہے تو ایسی معزولی سے خوش ہونا چاہیے تیسری قسم وعظ اور فتوی کی ہے جس میں درس دینا اور حدیث روایت کرنا بھی شامل ہے اسمیں بڑی لذت ملتی ہے اور نماز روزے سے زیادہ اسمیں ریا کا دخل ہے یہ حکومت کے عین قریب ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وعظ و نصیحت جیسی سننے والے کو مفید ہے ویسی کہنے والے کو۔ اور دین کیطرف دعوت دیتی ہے اور ریاکاری سے بچاتی ہے اور حکومت میں یہ خاصیت نہیں ہے تو اگر ریا کسی کے درپیش ہو تو وعظ و نصیحت کے ترک کرنے میں بحث ہے بعض علماء اس سے گریز کرتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی فتوی پوچھتا تو وہ دوسرے کے حوالے کر دیتے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی بہت سی کتابوں کو زمین دفن کر ڈالا۔ اور فرمایا۔ مجھے اپنے میں محدثی کی خواہش نظر آتی ہے اگر نہ دیکھتا تو روایت کرتا اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ حَدَّثَنَا دنیا کے بابوں میں سے ایک باب ہے اور جو شخص حَدَّثَنَا کہتا ہے تو گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے صدر بناؤ اور مسند پر بٹھاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے لوگوں کو نصیحت کرنیکی اجازت مانگی۔ جناب فاروقؓ نے فرمایا۔ مجھے ڈر ہے کہ تیرے پیٹ میں اتنی ہوا بھر جائے کہ تو اڑ کر ثریا تک پہنچ جائے یعنی تیرا دماغ آسمان پر چلا جائے حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تو اپنے میں بات کرنیکی خواہش دیکھے تو چپ رہ اور چپ رہنے کی خواہش دیکھے تو باتیں کیا کر۔ تو ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں مختار امر یہ ہے کہ نصیحت کرنیوالا یا محدث اپنے دل کا محاسبہ کرے اگر نیت طاعت بھی ریا کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو دست بردار نہ ہو اور کہتا رہے اور اس نیت کی خوب اپنے دل میں پرورش کرتا کہ مضبوط

وقوی ہو جائے۔ اور اس وعظ و نصیحت کا حکم سنّت و نوافل کا سا ہے جبتک اپنے دل میں اصل نیت ملاحظہ کرے ریا کے خطرہ سے دست بردار نہ ہو جائے بخلاف حکومت کے کہ اس میں جب کوئی اندیشہ ہو تو بھاگنا بہتر ہے کیونکہ نیت باطلہ بہت جلد غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عہدہ قضاء سے دور بھاگے۔ حالانکہ امام ممدوح نے تعلیم کا سلسلہ ترک نہ کیا۔ اگر دل میں سراسر ریا کاری ہی ہو ایسی حالت میں وعظ و نصیحت کا ترک کرنا ہی واجب ہے اگر کوئی ہم سے مشورہ طلب کرے تو ہم کہیں گے کہ اگر اسکی بات لوگوں کیلئے مفید نہ ہو۔ یعنی اسکا بیان محض لغو گوئی اور لطیفے ہوں۔ یا ایسی باتیں ہو کہ وعدۂ رحمت حق پر لوگوں کو گناہ پر دلیر کرے یا جھگڑا اور اختلاف کی تعلیم دیتا ہو اور یہ باتیں دل میں فخر و مباہات کا تخم پیدا کریں تو ہم اس سے منع کرینگے اور اسے ایسے کام سے روکنا اسکے حق میں خیر اور بھلائی ہے اور اگر اسکا کہنا شریعت کے مطابق ہو اور لوگ اسے مخلص خیال کریں اور اسکی تعلیم علوم دینیہ میں مفید ہو تو ہم اسے ان باتوں سے دست بردار ہونیکی اجازت نہ دینگے۔ اس لئے کہ انکار کی حالت میں بہت لوگوں کا نقصان ہوگا۔ اور کہتے ہیں فقط اسی کیلئے موجب خسران ہے اسی لئے سو آدمیوں کی نجات کا خیال کرنا ایک آدمی کی نجات سے زیادہ اہم ہے ہم اسے ان پر سے تصدق کر دیں گے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حق تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں کے ہاتھوں سے کرائیگا جنکا دین میں کچھ حصہ نہ ہو۔ اس سے اسی قسم کے لوگ مراد ہیں تو ایسے شخصوں سے سوائے اسکے ہم اور کچھ نہ کہینگے کہ تو اس درس وعظ کو چھوڑ دے اور محنت کر کے ریا سے نجات حاصل کر اور نیت کو درست کر اور پہلے تو ہی نصیحت قبول کر۔ پہلے خود خدا سے ڈر اور لوگوں کو ڈرا۔ سوال۔ اگر کوئی شخص ہم سے یہ پوچھے کہ واعظ کی نیت کی پاکی اور درستگی کی کیا علامت ہے۔ **جواب** نیت کی پاکی اور درستگی یہ ہوتی ہے کہ واعظ کی نیت یہ ہو کہ لوگ حق تعالیٰ کا راستہ اختیار کریں اور اسکا یہ مقصد شفقت کے سبب سے ہو اور اگر کوئی دوسرا واعظ ہو جسکی بات کو لوگ اچھی طرح مانیں تو پہلے واعظ کو خوش ہونا چاہیئے۔ اور اگر دوسرے واعظ کو دیکھ کر حسد پیدا ہو جائے۔ تو پھر یہ سمجھ لو کہ اسکی نیت درست نہیں اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف بلائے اور دوسری علامت یہ ہے کہ اگر کوئی دنیا دار یا حاکم مسجد وعظ میں آجائے تو اپنی تقریر اور وعظ کو نہ بدلے۔ اور اپنی عادت کے مطابق وعظ جاری رکھے۔ اور یہ بھی علامت ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ہو۔ جس کی شریعت میں اصل نہ ہو لیکن لوگ اسے سن کر روئیں گے یا نعرہ ماریں گے تو ایسی بات کو چھوڑ دے بیان نہ کرے اور اگر کوئی ایسی بات ہو اور اس سے اس کے دل میں کراہیت پیدا نہ ہو تو سمجھ لے کہ ریا کار ہے اور اگر کوئی اور نیت ہو تو کوشش کرے کہ وہ غالب آئے نہ لب جا

فصل بعض اوقات اگر لوگ عبادت کرتے ہوئے دیکھیں تو طبیعت میں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تو ایسی خوشی درست ہے ریا کاری نہیں کیونکہ مسلمان کو ہمیشہ عبادت مرغوب ہوتی ہے اور شاید کوئی مانع

عبادت ہو۔ اور لوگوں کے باعث وہ مانع رفع ہوجائے اور وہ خوشی ظہور پذیر ہو۔ مثلاً کوئی شخص اپنے گھر میں بسے اور تہجد کی نماز اسپر دشوار ہو۔ یعنی اپنی جورو سے باتیں کرتا ہو۔ اور کسی کے گھر جانے سے یہ موانع جاتا رہے اور عبادت کی خوشی پیدا ہو۔ یا لوگوں کے دیکھنے کے باعث عبادت میں سرور حاصل ہوتا ہے اور کبھے کہ لاؤ میں بھی انکے ساتھ شامل ہوں کیونکہ ثواب کا محتاج ہوں یا ایسے مقام پر ہو۔ جہاں لوگ روزہ رکھیں یا کھانے کا سامان نہیں اور روزہ کی رغبت پیدا ہو یا لوگوں کو مسجد میں نماز تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر گھر میں جو سستی پیدا ہوتی ہے وہ جاتی رہے یا جمعہ کے روز سب لوگوں کو خدا کے ساتھ مشغول دیکھ کر وہ بھی نماز و تسبیح بکثرت پڑھنے لگے ان تمام صورتوں میں ممکن ہے کہ ریا نہ ہو اور شیطان یہ کہے کہ یہ شوق لوگوں کی وجہ سے* ہو اور شیطان یہ کہے کہ یہ عبادت کر۔ یہ رغبت تو تجھ میں موجود تھی اور جو مانع تھا وہ اب جاتا رہا تو ایسی حالت میں آدمی کو چاہیئے اس میں غور کرے اور ایکدوسرے کو شناخت کرکے جدا کرے اگر بالفرض عبادت کرتے ہوئے یہ لوگوں کو دیکھتا ہے اور وہ اسکو حالتِ عبادت میں نہیں دیکھتے اور یہ خوشی محسوس کرتا ہو تو یہ رغبت خیر کا موجب ہے اور اگر یہ خوشی برقرار نہ رہے تو ریا ہے دستبردار ہونیکی کوشش کرے اور اگر یہ دونوں موجود ہوں یعنی رغبت ثنا بھی اور رغبت خیر بھی تو پھر یہ دیکھے کہ غالب کونسی ہے اور جو غالب ہو۔ اسپر اعتماد کرے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کو قرآن شریف سنتے دیکھ کر روتا دیکھے تو خود بھی رونے لگے لیکن اگر تنہا ہوتا تو نہ روتا تو یہ بھی ریا نہیں کیونکہ لوگوں کا رونا دل کو نرم کر دیتا ہے جب لوگوں کو غمگین دیکھتا ہے تو اسے اپنی حالت یاد آجاتی ہے اور رونے لگتا ہے اور بعض اوقات اصل رونا رقتِ قلب کے سبب سے ہوتا ہے اور نعرہ مار کر رونا یا چلانا ریا کے سبب سے ہوتا ہے تاکہ اور لوگ سنیں اور بعض وقت یہ بھی ہوتا ہے کہ غم اندوہ کے سبب سے گر پڑے اور فوراً اٹھنے کی قدرت ہو لیکن نہ اٹھے اور ڈرے کہ لوگ خیال کریں گے کہ اسوجہ کی کچھ اصلیت نہ تھی۔ تو ایسی حالت میں در اصل تو ریا کار نہ تھا لیکن اب ریا کار ہو گیا اور شائد رقص میں ہو اور طاقت محسوس کرے لیکن کسی پر تکیہ لگائے اور آہستہ آہستہ چلے تاکہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ اس کا وجد جلدی جاتا رہا اور بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اعوذ اور استغفار کہے اور یہ اس سبب سے ہو کہ اسے کوئی گناہ یاد آیا ہو۔ اور لوگوں کو عبادت میں دیکھ کر اپنے گناہ کا خیال پیدا ہوا ہو لیکن یہ اعوذ درست ہے لیکن کبھی ریاکاری کے سبب سے بھی ہوتے ہیں تو ان خطرات کو ملاحظہ کرتے رہنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ریا کے ستر دروازے ہیں۔ اور چاہیئے کہ جب ریا کا خیال آئے تو اپنے دل میں اس بات پر غور کرے کہ حق تعالےٰ اس کی نجاست باطنی پر مطلع ہے۔ اور وہ اس کے قہر و غصہ میں ہے۔ جب تک کہ ریا کے خیال کو دور نہ کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ خُشُوْعِ النِّفَاقِ (یعنی پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے خشوعِ نفاق سے) یہ نفاق ہے

* سے پیدا ہوتا ہے اور ریا ہے اور بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ شرمت لوگوں کی وجہ سے ہو۔ رغبت خیر اور زوال مانع کے سبب سے

کہ بدن خشوع میں ہو اور دل اس کیفیت سے خالی ہو۔

فصل اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ جو کام عبادت ہے مثلاً نماز۔ روزہ اس میں اخلاص واجب ہے۔ اگر کسی مسلمان کی حاجت روائی کرنا چاہے تو اپنی نیت کو درست کرلے اور اس مسلمان سے کسی قسم کے شکریہ اور مکافات کی امید نہ رکھے اور اگر استاد شاگرد سے اپنے لئے مودبانہ چلنے کی خواہش کرے تو گویا اس نے عوض طلب کیا لہذا اسے ثواب حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اگر شاگرد خدمت کرے تو یہ بہتر ہے اور معلم کو چاہیئے کہ اسے قبول نہ کرے اگر قبول کر بھی لیگا تو اسکا ثواب تعلیم حبط نہ ہوگا۔ اور اگر شاگرد خدمت کرنے سے انکاری ہو تو معلم کو چاہیئے کہ اس پر تعجب کا اظہار نہ کرے لیکن محتاط لوگوں نے اس سے پرہیز رکھا ہے حتیٰ کہ ایک بزرگ کنوئیں میں گر پڑے نکالنے کیلئے لوگ رسی لائے انہوں نے قسم دلائی۔ کہ جس شخص نے مجھ سے حدیث اور قرآن شریف پڑھا ہو وہ رسی کو ہاتھ نہ لگائے۔ اس لئے کہ یہ بزرگ ڈرے کہ یہ بات ثواب تعلیم کو باطل کر دیگی حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص ہدیہ لیگیا۔ انہوں نے قبول نہ کیا اس نے عرض کیا میں نے ہرگز آپ سے حدیث نہیں سنی۔ فرمایا۔ تمہارے بھائی نے تو سنی ہے مجھے خوف ہے کہ میرا دل بہ نسبت دوسروں کے اس پر زیادہ مہربانی کرنے لگے۔ ایک شخص اشرفیوں کی دو تھیلیاں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کیا آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا باپ آپکا دوست تھا اور حلال کی روزی کھانیوالا تھا اب یہ میراث جو ہے تو یہ بالکل حلال ہے آپ اسے قبول فرمالیں آپ نے قبول فرمالیا اور وہ شخص رخصت ہوگیا تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اپنے بیٹے کو اسکے تعاقب میں بھیجا۔ اور اشرفیاں واپس کر دیں کیونکہ اسے یاد آگیا۔ کہ اسکے باپ کے ساتھ دوستی جو تھی تو وہ محض للہ تھی۔ آپکے بیٹے کہتے ہیں کہ میں جب واپس آیا تو مجھ میں صبر کی طاقت نہ تھی میں نے باپ سے عرض کیا۔ کہ شاید آپکا دل پتھر کا ہے۔ آپکو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں عیالدار ہوں اور میرے پاس ایک کوڑی تک نہیں۔ آپ ہم پر رحم نہیں کرتے فرمایا۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تو تو خوب کھائے اور مزے اڑائے۔ اور قیامت کے دن بازپرس مجھ سے ہو اور میں اسے برداشت نہیں کر سکتا اسی طرح شاگرد کیلئے بھی یہی امر زیبا ہے کہ وہ فقط رضائے الٰہی کا طالب رہے اور استاد سے کچھ امید نہ رکھے اور اس خیال سے معلم کی اطاعت کرنا کہ وہ تعلیم میں کوشش کرے ریا میں داخل ہے اور عین خطا ہے بلکہ معلم کی خدمت کرنے سے صرف حقتعالیٰ کی رضامندی مقصود ہونا چاہیئے معلم کے نزدیک عزت و احترام کا خواہاں نہ ہو۔ اسی طرح ماں باپ کی رضامندی محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لئے طلب کرے۔ اور اپنے آپکو اُن کے سامنے پارسا ظاہر نہ کرے اور انکو خوش کرنے کیواسطے پارسائی کا اظہار کرنا گناہ ہے حاصل کلام جس کام میں آدمی طالب ثواب ہو اسے اخلاص کے ساتھ سرانجام تک پہنچائے۔

اصل نہم ۔ کبر و عجب کے بیان میں

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ تکبر اور اپنے آپکو بڑا جاننا ایک نہایت ہی مذموم خصلت ہے اور درحقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کرنا ہے کبریائی اور عظمت اسی کیلئے زیبا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں جبار اور متکبر کی بہت مذمت کی گئی ہے جیسا کہ فرمایا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ اور فرمایا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ اور فرمایا۔ اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ بہشت میں نہ جائیگا اور فرمایا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو تکبر کو پیشہ بنا لیتے ہیں تمام جباروں کا عذاب اسکے نام لکھا جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام دیو۔ پری۔ پرندے اور انسانوں کو باہر نکلنے کا حکم دیا۔ کہتے ہیں کہ دو لاکھ آدمی اور دو لاکھ پری حاضر خدمت ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو آسمان پر لے گئے یہانتک کہ انہوں نے فرشتوں کی تسبیح کی آواز سنی۔ پھر وہاں سے اپنے آپکو زمین پر لائے حتیٰ کہ قعر دریا تک گئے پھر ایک آواز آسمان سے آئی۔ کہ اگر سلیمان علیہ السلام کے دل میں کبر کا ایک ذرہ بھی ہوتا تو آسمان پر لیجانے سے قبل اسے زمین کے اندر پہنچا دیا جاتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹی کی شکل میں ہوگا اور اس ندامت اور ذلت کے سبب جو انہیں حقتعالیٰ کے سامنے ہوگی لوگوں کے پاؤں کے نیچے پڑے ہونگے۔ اور فرمایا کہ دوزخ میں ایک غار ہے جسکا نام ہب ہب ہے متکبر اور گردن کش لوگ اس غار میں ڈالے جائینگے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کیلئے عبادت بھی سودمند نہیں ہوتی وہ کبر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص زمین پر تکبر اور فخر سے کپڑا لٹکاتا ہوا چلتا ہے حقتعالیٰ اسکی طرف نظر بھی نہیں کرتا۔ اور فرمایا ایک شخص ناز و انداز سے ٹہلتا تھا اور اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اپنے آپکو دیکھتا تھا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اسے زمین کے اندر دھنسا دیا اور وہ ابتک اسی صورت میں دھنستا ہوا چلا جا رہا ہے اور قیامت تک چلا جائیگا۔ اور فرمایا جو شخص ناز سے چلتا ہے اور اپنے آپکو بڑا جانتا ہے وہ حقتعالیٰ کو اپنے پر غصہ میں دیکھیگا۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو ناز سے چلتے ہوئے دیکھا آپنے آواز دی اور کہا کیا تجھے خبر ہے کہ تو کون ہے فرمایا: تیری ماں کو تیرے باپنے دو سو درہم میں خریدا تھا اور مسلمانوں میں تیرے باپ جیسے جتنے آدمی بھی کم ہوں بہتر ہے حضرت مطرف رح نے حضرت مہلب رح کو ناز سے چلتے ہوئے دیکھا کہا اے بندہ خدا تعالیٰ ایسی چال کو دشمن رکھتا ہے انہوں نے جواب دیا کم از کم تم مجھ کو جانتے ہو کہا اچھی طرح جانتا ہوں پہلے تو ایک ناپاک

پانی تھا۔ آخر کو مردار و رسوا ہوگا اور درمیانی عرصہ میں نجاستوں کا حامل ہے۔

فضیلتِ تواضع

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے عاجزی کی حق تعالیٰ نے اسکے مرتبہ کو بلند کر دیا اور فرمایا ہر شخص کے سر پر ایک لگام ہے اور وہ دو فرشتوں کے ہاتھ میں ہے جب کوئی شخص عاجزی کرتا ہے تو فرشتے اس لگام کو اوپر کی طرف کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں بارِ خدایا اسے سربلندی عطا کر اور جب تکبر کرتا ہے تو لگام کو نیچے کی طرف کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں حق تعالیٰ اسے سرنگونی دے اور فرمایا نیکبخت وہ ہے جو عاجز نہ ہو اور عاجزی کرے اور وہ مال حقتعالیٰ کی راہ میں تقسیم کرے جو گناہ سے جمع نہ کیا ہو اور عاجزوں پر رحم کرے اور حکیموں اور عالموں سے مخالطت رکھے حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایکدن حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں مہمان تھے اور آپ نے روزہ رکھا ہوا تھا حضور کی افطاری کیلئے میں نے دودھ کا ایک پیالہ حاضر کیا اور اس میں شہد ملا ہوا تھا۔ آپنے جب چکھا۔ تو وہ آپکو میٹھا معلوم ہوا۔ فرمایا کیا ہے میں نے عرض کیا اس میں شہد ملا ہوا ہے آپ نے ہاتھ سے رکھدیا اور نہ پیا اور فرمایا میں اسے حرام نہیں کہتا لیکن جو شخص حق تعالیٰ کیلئے عاجزی اختیار کرتا ہے حق تعالیٰ اسے سربلند کرتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے حق تعالیٰ اسے حقیر کرتا ہے اور جو شخص فضول خرچ نہیں ہوتا اسے بے نیاز رکھتا ہے۔ اور جو اسراف کرتا ہے اسے محتاج رکھتا ہے۔ اور جو حق تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے × دروازہ پر سوال کیا۔ اسوقت حضور کھانا کھا رہے تھے حضور نے اسے بلا لیا تمام لوگوں نے اپنے آپکو اس سے لپیٹا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی ران پر بٹھا لیا اور فرمایا۔ اہل قریش میں سے ایک شخص نے اسکو حقارت سے دیکھا اور وہ اسی بیماری سے مرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حقتعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے چاہے میں نبی اور بادشاہ ہوں چاہے میں نبی اور بندہ ہوں میں نے توقف کیا۔ ملائکہ میں سے میرے دوست جبرائیل تھے میں نے انکی طرف دیکھا انہوں نے کہا عاجزی کیجئے میں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ رسول اور بندہ ہوؤں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بزرگی کی تواضع کرے اور میرے بندوں کے ساتھ تکبر نہ کرے اور اپنے دل میں خوف رکھے اور تمام دن میری یاد میں گزارے اور میرے لئے اپنی خواہشوں سے باز رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرم تقویٰ میں ہے اور شرف عاجزی میں اور تونگری یقین میں اور فرمایا دنیا میں جو اہل تواضع ہیں وہ نیک بخت ہیں اور قیامت کے دن صاحب منبر ہونگے اور جو شخص دنیا میں لوگوں کے درمیان صلح کرائینگے انکو بہشت میں جگہ دی جائیگی اور نیک لوگ وہ ہیں جنکا دل دنیا سے پاک ہے اور حق تعالیٰ کا دیدار انکا ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے

× حق تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔ ایک روز ایک مجذوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

فرمایا کیا سبب ہے کہ مجھے تم میں ایمان کی حلاوت نظر نہیں آتی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایمان کی حلاوت کیا شے ہے فرمایا عاجزی ۔ اور فرمایا جب کسی عاجز کو دیکھو تو عاجزی کرو اور جب کسی متکبر کو دیکھو تو تکبر کرو تاکہ اسکی حقارت و ذلت ظاہر ہو تواضع کے باب میں بزرگوں کے اقوال یہ ہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں تم لوگ سب سے زیادہ افضل عبادت سے غافل ہو اور وہ تواضع ہے حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تواضع یہ ہے کہ تم حق بات کو قبول کر لو چاہے وہ کسی جاہل کی زبان سے ہو یا لڑکے کی زبان سے ۔ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے ۔ کہ جو شخص تجھ سے دنیا میں کم ہو تو اپنے آپکو اس سے بھی گھٹا کر رکھ تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ دنیا کے زیادہ ہونے کیوجہ سے تو اپنی قدر کچھ نہیں جانتا ۔ اور جو شخص دنیا میں تجھ سے زیادہ ہو ۔ تو اس سے اپنے آپکو بالاتر رکھے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ دنیا (دولت) کے لحاظ سے تیری آنکھوں میں اسکی کچھ قدر نہیں ۔ حضرت سماک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ہارون الرشید سے فرمایا ۔ یا امیر المومنین تیری عاجزی تیری بزرگی کیحالت میں تیری بزرگی سے زیادہ شریف ہے خلیفہ نے کہا ۔ آپ نے خوب بات کہی ۔ پھر کہنے لگے یا امیر المومنین جسے حق تعالیٰ مال ۔ جمال ۔ اور حشمت عطا کرے اگر وہ مال سے دوسروں کی غمخواری کرے اور حشمت میں تواضع کرے ۔ اور جمال میں پارسائی دکھائے تو حق تعالیٰ اسکا نام اپنے خاص بزرگوں کی فہرست میں لکھ لیتا ہے خلیفہ ہارون الرشید نے یہ کلمات لکھ کر اپنے پاس رکھ لئے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی مملکت میں صبح کیوقت توانگروں کیساتھ بیٹھتے ۔ پھر محتاجوں کے پاس تو فرماتے ایک مسکین مسکینوں کے ساتھ بیٹھا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ تواضع یہ ہے کہ تو باہر جائے اور جسے بھی دیکھے اسے اپنے سے افضل سمجھے ۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد کے دروازہ پر پکارے کہ اے لوگو! تم میں سے جو بدتر ہے ۔ وہ باہر نکلے تو میں سب سے پہلے باہر نکلوں ۔ اور کوئی شخص بھی میرے آگے خوشی سے نہ ہوگا ۔ جب حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سنی ۔ تو فرمایا ۔ مالک کی بزرگی اسیوجہ سے ہے ۔ ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا ۔ تو عرض کیا ۔ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے ۔ فرمایا کہ ثواب اخروی کے حصول کیلئے کسی امیر کا فقیر کے سامنے عاجزی کرنا کیا ہی اچھی بات ہے اور حق تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کر کے امیروں کے ساتھ فقیروں کا تکبر اس سے بھی زیادہ بہتر ہے حضرت یحییٰ ابن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ کہ جب کریم آدمی پارسا ہوتا ہے ۔ تو فروتن بن جاتا ہے اور جب کوئی کمینہ پارسا ہوتا ہے تو اس میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے ۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ جبتک کسی کو اپنے سے کمتر جانے ۔ اسوقت تک متکبر ہے ۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کی مجلس وعظ میں فرمایا ۔ اگر حدیث شریف میں یہ نہ آیا ہوتا کہ آخر زمانہ میں قوم کا سردار وہ شخص ہوگا جو ان سب میں

کمتر ہوگا۔ تو میں تمہارے سامنے وعظ نہ کہتا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل توحید کے نزدیک تواضع تکبر ہے یعنی تواضع یہ ہے کہ آدمی اپنے آپکو نیچے لائے اور اس کی حاجت جب ہوئی جب اُس نے اپنے آپ کو آدمی درجہ عالی پر پایا .... جب کبھی آندھی آتی یا بادل گرجتا تو حضرت عطاسی رحمۃ اللہ علیہ حاملہ عورت کیطرح اپنے پیٹ کو پکڑے پکڑے پھرتے اور فرماتے کہ یہ جو آفت خلق پر آنیوالی ہے سب میری شومی قسمت کا نتیجہ ہے کچھ لوگ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فخر کرنے لگے انہوں نے فرمایا میری ابتدا النطفہ سے ہوئی ہے اور انتہا مردار پھر ترازو کے پاس لیجائینگے اگر میری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا۔ تو میں بزرگ ہوں گا۔ ورنہ ذلیل اور کمتر ہوں۔

حقیقتِ تکبّر اور اس کی آفات کا بیان

اے عزیز! جاننا چاہیئے کہ تکبر ایک نہایت ہی بُرا خلق ہے اور تمام اخلاق دل کی صفت ہوتے ہیں لیکن انکا اثر ظاہر میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور تکبر کے یہ معنے ہیں کہ آدمی اپنے آپکو دوسروں سے بہتر جانے اور اس وجہ سے خوش ہوکر پھولا نہ سمائے تو جو شئے سے پھلاتی ہے اسے تکبر کہا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اے اللہ! میں کبر کی ہوا سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں" آدمی میں جب یہ ہوا پیدا ہوتی ہے تو وہ لوگونکو اپنے سے کم جانتا ہے اور انکی طرف جب نظر کرتا ہے تو انہیں اپنا خادم سمجھتا ہے بلکہ لبسا اوقات انہیں اپنی خدمت کے قابل بھی نہیں سمجھتا۔ اور کہتا ہے کہ تم بیچارے کیا ہو جو میری خدمت کے قابل ہو سکو جیسا کہ بادشاہ ہر کسی کیواسطے نہیں مانتے کہ انکی آستانہ بوسی کرے اور اپنے آپکو انکا بندہ لکھے۔ مگر بادشاہوں کیلئے مانتا ہے اور یہ حد درجہ کا تکبر ہے۔ اس میں خدا کی کبریائی سے بھی بڑھ گیا۔ کیونکہ وہ سب کو بندگی اور سجود کے ساتھ قبول کرتا ہے اگر تکبر میں اس درجہ تک نہیں پہنچا تو چلنے اور بیٹھنے میں پیشی تلاش کرتا ہے اور تعظیم کا امیدوار رہتا ہے اور اسکی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ اگر لوگ اسے نصیحت کریں تو قبول نہ کرے اور اگر خود نصیحت کرے تو سختی سے کہے اور اگر کوئی شئے تعلیم کی جائے تو غصہ میں آجائے اور اگر آدمیوں کو دیکھے تو ان پر اسطرح غصہ آئے جیسے بہائم پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ تکبر کیا شئے ہے فرمایا تکبر یہ ہے کہ آدمی حقتعالیٰ کے سامنے گردن نرم نہ کرے اور لوگونکو حقارت کی نظر سے دیکھے اور یہ دونوں خصائل حق تعالیٰ اور آدمی کے درمیان بردست آڑ ہیں اور انہی سے تمام اخلاقِ بد پیدا ہوتے ہیں اور آدمی حسن اخلاقی سے باز رہتا ہے کیونکہ جو شخص اپنی خواجگی اور عزت و بزرگی کے خیال سے مغلوب ہو چکا ہو۔ وہ جو چیز اپنی ذات کیلئے پسند کریگا وہ دوسرے مسلمانوں کیلئے ہرگز ہرگز نہ کرسکیگا اور یہ شرط ایمان نہیں ہے اور کسی کے ساتھ عاجزی نہ کرسکیگا۔ اور یہ متقیوں کی صفت نہیں ہے ایسا شخص کینہ

اور حسد کو اور غصہ کو نہ روک سکیگا۔ اور زبان کو غیبت سے محفوظ نہ رکھ سکیگا۔ اور دل کو میل اور غبار سے نہ بچا سکے گا۔ اسلئے کہ جو شخص اسکی تعظیم روا رکھیگا۔ اسکی طرف سے اپنے دل میں کچھ نہ کچھ ضرور خیال کریگا اور کم از کم یہ کہ تمام دن اپنی خود پرستی اور اپنی بات کے اونچا کرنے میں مشغول رہیگا۔ اور کسی حالت میں بھی اپنے فریب۔ نفاق جھوٹ سے نجات نہ پائیگا۔ کیونکہ وہ چاہیگا کہ لوگوں کی نظروں میں اپنے کام کو بلند کرے اور حقیقت یہ ہے کہ آدمی اسلام کی ذرہ بھر بو نہیں سونگھ سکتا۔ جبتک کہ اپنے آپکو فراموش نہ کر دے بلکہ دنیا کی راحت بھی حاصل نہ کرے ایک بزرگ کا مقولہ ہے۔ کہ اگر تو بہشت کی بو سونگھنا چاہتا ہے۔ تو اپنے آپکو تمام لوگوں سے کمتر جان تاکہ تو بہشت کی بو سونگھ سکے اگر حقتعالی کسی شخص کو بینائی عطا فرمائے تو وہ دیکھے گا کہ دو متکبر جو آپس میں ملتے ہیں ان کے دلوں میں وہ نجاست اور عفونت ہے جو کسی گنوار میں بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ ان متکبروں کا باطن کتوں کی شکل پر ہوتا ہے اور وہ اپنے ظاہر کو عورتوں کی طرح سنوارتے ہیں۔ جو انس مسلمانوں کو باہم پاس بیٹھنے سے ہوتا ہے وہ متکبروں کو نہیں ہوتا اے عزیز! تو راحت اسی صورت میں حاصل کریگا جبکہ تو اس شخص میں بالکل فنا ہو جائیگا اور سرتاپا اسی کی تعظیم بن جائے تاکہ دوئی دور ہو جائے اور یگانگت پیدا ہو جائے وہی رہ جائے تو باقی نہ رہے یا وہ تجھ میں سما جائے اور تو ہی تو باقی رہجائے۔ یا دونوں ذات باری میں فنا ہو جائیں اور کمال یہی ہے کہ تو اپنی طرف التفات ہی نہ کرے اور اس یگانگت سے کمال راحت حاصل ہوتی ہے۔ غرضیکہ جبتک دوئی کا وجود قائم رہیگا راحت حاصل نہ ہوگی کیونکہ راحت تو محض یگانگت اور خدمت سے پیدا ہوتی ہے اور کبر کی آفت در حقیقت یہی ہے۔ جو بیان بالا میں بیان کی جاچکی ہے۔

مدارج تکبر کے بیان میں

اے عزیز! تجھے معلوم ہو۔ کہ بعض تکبر نہایت قبیح و مذموم ہوتا ہے اور جس پر تکبر کیا جاتا ہے اسکے تفاوت کے مطابق تکبر میں بھی تفاوت پیدا ہوتا ہے۔ تکبر خدا پر کیا جاتا ہے یا رسول پر یا خدا کے بندوں پر تکبر کا پہلا درجہ وہ ہے جو نمرود و فرعون ابلیس اور دوسرے دعویداران خدائی نے کیا۔ اور عبادت کرنیکو ننگ جانا حق تعالی کا ارشاد ہے۔ لَن يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ یعنی نہ تو عیسٰی علیہ السلام کو بندگی سے عار ہے اور نہ ہی ملائکہ مقربین کو۔ دوسرا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تکبر کرنا ہے جیسے کہ کفار قریش نے کیا اور کہا ہم اپنے جیسے آدمی کے سامنے سر نہ جھکائیں گے بھلا کیوں فرشتہ ہمارے پاس نہ بھیجا ایک یتیم کو کیوں بھیجا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ اور ایسے لوگوں کے دو گروہ تھے ایک گروہ کا تکبر انکے لئے حجاب ہو گیا۔ کہ انہوں نے خود نہ سوچا اور نبوت کا انکار کیا جیسے کہ ارشاد ہے یُصرفُ عَن

اٰیٰاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ فرمایا ہم متکبروں کو حق تعالیٰ کی آیات کے دیکھنے کی راہ نہیں دیتے۔ دوسرے گروہ نے جانا۔ لیکن باوجود جاننے کے انکار کیا۔ تکبر کیوجہ سے ان میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ اقرار کرتے جیسا کہ ارشاد ہے وَجَحَدُوْا بِہَا وَاسْتَیْقَنَتْہَا اَنْفُسُہُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا تکبر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے بندوں پر تکبر کرے اور انکو حقارت کی نظروں سے دیکھے اور ان سے حق کو بھی قبول نہ کرے اور اپنے آپکو ان سے بہتر جانے۔ اور بزرگ خیال کرے اگرچہ یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے کم ہے لیکن پھر بھی نہایت بڑا درجہ ہے اور اسکے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ بزرگی حقتعالیٰ کیلئے زیبا ہے اور اسی کی صفت ہے پس ضعیف اور عاجز بندہ کیلئے کہ جس کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ کسطرح زیبا ہے کہ وہ اپنی بزرگی کا دعوےٰ کرے اور اپنے آپکو کچھ سمجھے پس اگر وہ اپنے آپکو بزرگ سمجھیگا۔ تو گویا اس نے حق تعالیٰ کی صفتِ بزرگی کی ہمسری کا دعویٰ کیا۔ اور اس متکبر کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی غلام بادشاہ کا تاج اپنے سر پر رکھ کر اسکے تخت پر بیٹھ جائے پس اے عزیز! تجھے یہ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ اس قسم کا غلام بادشاہ کے کیسے عذاب اور سزا کا مستحق ہوگا۔ اسیواسطے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (حدیث قدسی) اَلْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ وَالْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْہِمَا قَصَمْتُہٗ۔ یعنی عظمت و کبریائی خاص میری صفات ہیں پس جو شخص ان دونوں صفات میں میرے ساتھ منازعت کریگا۔ میں اسے ہلاک کر دونگا۔ پس جب بندوں پر تکبر کرنا کسی کیلئے زیبا نہیں سوائے پروردگار کے۔ پس پھر جو شخص بھی بندوں پر تکبر کریگا۔ گویا اس نے حق تعالیٰ کی ساتھ منازعت کی ہوگی۔ جیسے کوئی شخص بادشاہ کے غلاموں کو ایسے کام کے لئے کہے جو سوائے بادشاہ کے کسی دوسرے کیلئے زیبا نہ ہو۔ دوسرا سبب یہ بھی ہے۔ کہ کبر حق کے قبول کرنے میں مانع ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اس صفت سے ہوتے ہیں وہ دین کے مسائل میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اور جب کسی ایک کی زبان پر حق بات ظاہر ہوتی ہے۔ تو دوسرا کبر کی وجہ سے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اور یہ بات کافروں اور منافقوں کے اخلاق میں سے ہے جیسا کہ حقتعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَسْمَعُوْا لِہٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ اور جیسا کہ دوسری جگہ پر فرمایا۔ وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ۔ یعنی جب اسکو حق تعالیٰ سے ڈرنے کے لئے کہتے ہیں تو بزرگی و عزت یعنی اپنے آپکو بڑا جاننا اور عزتمند سمجھنا اسکو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ معصیت پر اصرار کرے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اگر کسی سے یہ کہیں کہ خدا سے ڈر۔ اور وہ یہ کہے کہ تجھے اپنے کام سے کام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا میں نہیں کھا سکتا۔ آپکو معلوم ہوگیا کہ تکبر کیوجہ سے کہتا ہے فرمایا کیا تو دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا پھر اسکا ہاتھ نہ ہل سکا۔ ابلیس کا قصہ جو تجھ سے بیان کیا گیا ہے وہ بطور افسانہ کے بیان نہیں کیا گیا وہ صرف اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے۔ کہ تکبر کی آفت یہانتک پہنچتی ہے کیونکہ اس نے کہا کہ

تکبر ہی کیوجہ سے کہا تھا کہ "میں آدم سے بہتر ہوں" کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اسکو مٹی سے پیدا کیا ہے اور تکبر نے اسکو یہانتک پہنچا دیا کہ اس نے حق تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی اور سجدہ نہ کیا اور ملعون ابدی ٹھہرا۔

اسباب کبر اور اس کے علاج کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ ہر وہ شخص جو تکبر کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ میں ایک ایسی صفت خیال کرتا ہے جو دوسروں میں نہیں ہوتی اور اسکے سات سبب ہیں۔ پہلا سبب علم میں تکبر ہے جب کوئی عالم اپنے آپکو زیور علم سے آراستہ دیکھتا ہے تو دوسروں کو اپنے مقابلہ میں بہائم خیال کرتا ہے اور یہ کبر اس پر غالب ہوجاتا ہے اور اسکا نشان یہ ہے کہ لوگوں سے اپنی تعظیم و تقدیم و رعایت کی امید رکھتا ہے اور اگر وہ نہ کریں تو تعجب کرتا ہے اور اگر لوگوں کی طرف دیکھتا ہے یا کسی کی دعوت قبول کرتا ہے تو اسپر اپنا احسان جتلاتا ہے اور اپنے علم کا احسان لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اور آخرت کے کاموں میں حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپکو ان سے بہتر جانتا ہے اور اپنی نجات کی قوی امید رکھتا ہے اور انکے لئے بہت سے اندیشہ کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر ایک کو میرے ارشاد اور میری دعا کی حاجت ہے اور میری وجہ سے دوزخ سے نجات حاصل کرینگے اور یہی وجہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اٰفَةُ الْعِلْمِ الْخُیَلَاءُ یعنی اپنے آپکو بزرگ جاننا علم کی آفت ہے اور درحقیقت ایسے شخص کو جاہل کہنا اولیٰ ہے کیونکہ حقیقت میں عالم وہ شخص ہے جو آخرت کے خطرہ کو معلوم کرے اور صراط کی باریکی کو پہچانے اور جس شخص نے اسکو جان لیا وہ ہمیشہ اپنے آپکو ایسی باتوں سے دور رکھیگا اور اپنی عاقبت کے خوف سے اور اس بات کے ڈر سے کہ علم اس کیلئے حجت ہوگا غرور و تکبر میں مشغول نہ ہوگا جیسا کہ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جسقدر علم زیادہ ہوتا جاتا ہے مصیبت بھی بڑھتی جاتی ہے لیکن علم حاصل کرنے سے لوگوں کا تکبر جو بڑھ جاتا ہے تو اسکے دو سبب ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ علم حقیقی جو علم دین ہے وہ نہیں سیکھتے اور یہ وہ علم ہے کہ اس سے انسان اپنے آپکو پہچانتا ہے اور راہِ حق اور راہِ دین کی گھاٹیوں اور حق تعالیٰ اور اسکے درمیان میں جو حجاب ہے اسکو جان جاتا ہے اور اس سے درد اور عجز زیادہ ہوتا ہے نہ کہ تکبر لیکن جب کوئی شخص علم طب۔ حساب نجوم لغت جدل و خلاف سیکھتا ہے تو اس سے سوائے کبر کے اور کوئی شے زیادہ نہیں ہوتی۔ قریب ترین علم علم فتاویٰ ہے اور یہ علم دنیا کی مخلوق کیلئے باعث اصلاح ہے پس یہ علم جو ہے تو دنیا کا علم ہے اگرچہ دین کو بھی اس سے حاجت ہے، اور اس سے خوف پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر اسپر اکتفا کرے اور دوسرے علوم کو ترک کردے تو دل تاریک ہوجاتا ہے اور کبر غالب آجاتا ہے (شنیدہ کے بود مانند دیدہ) اے عزیز! ان علمائے ظاہر کو دیکھ لو کہ انکا کیا حال ہے اور اسی طرح طامات واعظین کا علم اور انکی مسجع اور فضول باتیں ہیں اور وہ باتیں جنکے سبب سے لوگونکو نعرہ زنی پر آمادہ کرتے ہیں اور وہ نکات ہیں جن کیوجہ سے مذہب میں تعصب سے کام لیتے ہیں تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ یہ سب باتیں دین سے تعلق رکھتی ہیں یہ سب امور

دل میں کبر حسد۔ عداوت وغیرہ کا تخم بوتے ہیں اور ان سے عجز اور خلوص زیادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ فخر و غرور پیدا ہوتا ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ شاید کوئی شخص علم نافع پڑھے مثلاً تفسیر قرآن اخبار۔ و سیرت سلف اور اس قسم کے علوم کہ جو اس کتاب اور احیاء العلوم میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور ان کے پڑھنے سے مغرور ہو جائے اور اسکا سبب یہ ہے کہ در اصل انکا باطن ہی خبیث ہے اور بد اخلاق رکھتا ہے اور پڑھنے سے اسے محض بیان کرنا ہی مقصود ہوتا ہے تاکہ اس سے اپنی بڑائی ظاہر کرے اسے استعمال کرنا اور اسپر عمل کرنا مقصود نہیں ہوتا پس علم جب اسکے باطن میں داخل ہوتا ہے تو اس کے باطن ہی کی صفت پر ہو جاتا ہے یا جیسے کہ تنقیہ کے پہلے جو دوا معدہ میں داخل ہوتی ہے خلط معدہ کی صفت پر ہو جاتی ہے اور جیسے پانی جو آسمان سے ایک ہی صفت پر صاف و شفاف برستا ہے اور جس نبات پر پہنچتا ہے اسکی صفت کو زیادہ کرتا ہے اگر وہ کڑوی ہے۔ تو کڑواہٹ زیادہ ہو جاتی ہے اور اگر میٹھی ہے تو مٹھاس زیادہ ہو جاتی ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض لوگ ایسے ہیں جو قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف انکے حلق سے نیچے بھی نہیں اترتا اور وہ اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہماری طرح کون شخص ہے جو قرآن شریف پڑھے۔ اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ دوسرا کون جان سکتا ہے حضورؐ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد صحابہؓ کیطرف دیکھا۔ اور فرمایا۔ یہ لوگ تم ہی میں ہونگے یعنی میرے امتی ہیں اور سب کے سب دوزخی ہونگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم متکبر علماء میں سے نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ ایسی حالت میں تمہارا علم تمہارے جہل سے وفا نہ کریگا۔ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کا حکم دیا۔ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اور یہی وجہ تھی کہ صحابہؓ بھی کبر سے خوف کھاتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار امامت کی اور اسکے بعد کہا کہ کوئی اور دوسرا امام مقرر کر لیجئے۔ کیونکہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں تم سے بہتر ہوں جب اس قسم کے لوگوں نے کبر کے خیال سے رہائی حاصل نہ کی۔ تو بھلا دوسرے کسطرح نجات حاصل کرینگے اور ایسا عالم اس زمانہ میں کہاں پائیں گے بلکہ ایسے عالم کا وجود بھی نادر ہے جو اس صفت کو مذموم سمجھے اور کہے کہ اس سے حذر کرنا چاہیئے کیونکہ عام طور پر علماء اس سے غافل ہوتے ہیں اور اپنے تکبر پر فخر کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں شخص کو کسی قابل تصور نہیں کرتے اور اسکی کچھ حقیقت نہیں جانتے اور اس کیطرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور اس قسم کی بہت سی متکبرانہ باتیں کرتے ہیں اور جو عالم ان باتوں سے واقف ہو اور تکبر سے دور ہو وہ نہایت کمیاب ہے اور اسکی زیارت عبادت ہے اور اسکی خاطر سب کو چھوڑ دینا چاہیئے اور اگر حدیث شریف میں یہ نہ آیا ہوتا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اس زمانہ میں جو شخص تمہارے اعمال کا دسواں حصہ بھی کریگا نجات پائیگا تو ناامید ہو جانیکا خطرہ تھا لیکن اس زمانہ میں تھوڑا بھی بہت ہے کیونکہ دین میں کوئی مددومعاون نہ رہا اور دین کے حقائق مندرس ہو گئے اور جو شخص اس راستہ پر چلتا ہے بالعموم اکیلا ہی ہوتا ہے اور اسکا کوئی مددگار نہیں ہوتا اور اسکو دوگنی محنت کرنی پڑتی ہے اور وہ اسلئے تھوڑے ہی پر

قناعت کر لیتا ہے دوسرا سبب زہد و عبادت میں تکبر کرنا ہے۔ کیونکہ عابد۔ زاہد۔ صوفی و پارسا کبر سے خالی نہیں ہوتے اور یہانتک کہ دوسروں کے لئے اپنی زیارت بہتر خیال کرتے ہیں گویا کہ اپنی عبادت کے باعث دوسروں پر احسان کرتے ہیں اور دوسروں کو ہلاک ہونیوالوں میں شمار کرتے ہیں اور اپنے آپکو نجات یافتہ اور مغفور خیال کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص انہیں ستائے اور اتفاقاً اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے اسے اپنی کرامت خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں جو ہمارے ساتھ گستاخی کرے۔ اسکا یہی انجام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کہا کہ لوگ ہلاک ہوگئے وہ خود ہلاک ہوگا۔ یعنی اس نے لوگوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھا۔ اور فرمایا یہ بہت بڑا گناہ ہے اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے۔ حقیر جاننے والے میں اور اس شخص میں بڑا فرق ہے جو مسلمان بھائی سے برکت حاصل کرے اور اسے اپنے سے بہتر جانے اور خدا کیلئے اس کو اپنا دوست تصور کرے اور ممکن ہے کہ حق تعالیٰ زاہد کا درجہ ایسے شخص کو دیدے اور اس (عابد) کو عبادت کی برکت سے محروم کردے۔

حکایت: - بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا کہ اس جیسا عابد کوئی اور دوسرا نہ تھا اور ایک دوسرا شخص بھی تھا جس سے بڑھ کر کوئی فاسق نہ تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ عابد بیٹھا ہوا تھا اور بادل کا ایک ٹکڑا اس کے سر پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ فاسق نے خیال کیا۔ کہ میں جاؤں اور اسکے ساتھ بیٹھوں شاید حق تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم کردے جب وہ بیٹھا تو اس عابد نے کہا یہ کون ہے جو میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور اس سے زیادہ نابکار دنیا میں کوئی شخص نہیں اس عابد نے اس فاسق سے کہا کہ اٹھ جائے وہ اٹھ بیٹھا اور چلا گیا اور بادل کا ٹکڑا بھی اسی فاسق کے سر پر سایہ کئے جاتا رہا اس زمانہ کے رسول علیہ السلام پر حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ان دونوں یعنی فاسق اور عابد سے کہدو کہ وہ پھر نئے سرے سے اعمال شروع کریں۔ کیونکہ جو کچھ فاسق نے کیا تھا وہ ہم نے اسکے نیک ایمان کے باعث بخشدیا اور عابد کی عبادت کو تکبر کے سبب چھین لیا۔ ایک شخص نے ایک عابد کی گردن پر پاؤں رکھدیا۔ عابد نے کہا پاؤں اٹھالے ورنہ خدا کی قسم خدا تجھ پر رحمت نہ کریگا۔ اسوقت کے رسول علیہ السلام پر وحی آئی کہ اس سے کہدو کہ ایک قسم کھانیسے تو مجھ پر حکومت کرتا ہے کہ میں اسکو نہ بخشوں بلکہ میں تجھ کو نہ بخشونگا۔ اور عام طور پر یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عابد کو ستاتا ہے تو وہ عابد خیال کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس ستانیوالے پر اپنی رحمت نازل نہ کریگا۔ اور شاید یہانتک کہہ بیٹھے کہ یہ ستانیوالا بہت جلد اپنی گستاخی کی سزا پائیگا اور اگر اتفاقاً اسے کوئی گزند پہنچ جائے تو عابد کہتا ہے دیکھا اسپر کیا گزری یہ میری ہی کرامت کا نتیجہ ہے حالانکہ یہ احمق اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اکثر کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا۔ لیکن حق تعالیٰ نے ان سے انتقام نہ لیا۔ اور ان میں سے اکثر کو اسلام کی دولت نصیب فرمائی تو معاذاللہ کیا یہ احمق اپنے آپکو حضور فخر انبیاء سے بھی زیادہ بزرگ خیال کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اسکے سبب انتقام لیگا۔ جاہل عابد اسی قسم کے ہوتے ہیں اور جو دانا ہوتے ہیں مخلوق پر جو کچھ بھی آفت آتی ہے۔ اسے اپنی شومئی قسمت پر محمول ٹھہراتے

ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہماری ہی تقصیرات اور نفاق کا نتیجہ ہے جیسے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باوجود اس صدق و اخلاص کے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم کو مجھ میں نفاق کی کونسی علامت نظر آتی ہے تو مسلمان باوجود پرہیزگار ہونے کے بھی ڈرتا ہے اور خوف کھاتا ہے اور بیوقوف عابد ظاہر میں تو عمل کرتا ہے لیکن باطن میں دل کو تکبر اور پندار کی نجاستوں سے آلودہ رکھتا ہے اور اس سے خوف نہیں کھاتا۔ اور حقیقت میں جس شخص نے اپنے آپکو دوسرے سے بہتر خیال کیا اس نے اپنی عبادت کو اس نادانی کیوجہ سے ضائع کر ڈالا کیونکہ جہل سے زیادہ اور کوئی معصیت نہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایکدن کسی شخص کی طرف تعریف کر رہے تھے اتفاقاً وہ بھی وہاں آگیا صحابہ رضی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ جس شخص کی ہم تعریف کرتے تھے وہ یہی ہے حضور نے فرمایا مجھے اس میں نفاق کی علامت نظر آتی ہے سب متعجب ہوئے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اے شخص سچ کہہ۔ کیا تجھے کبھی یہ خیال آیا ہے کہ تو اس قوم میں سب سے بہتر ہے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ہاں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی روشنی میں اسکے خبث باطن کو دیکھ لیا اور اسے نفاق کہا عابدوں اور عالموں میں یہ نہایت زبردست آفت ہے اس معاملہ میں ان لوگوں کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ وہ شخص جو اپنے دلکو اس سے پاک نہ بنا سکے لیکن تکلیف اور کوشش سے فروتنی و عجز کا اظہار کرے اور اس شخص کے سے افعال کرے جو اپنے کو اوروں سے بہتر نہ جانتا ہو۔ حتےٰ کہ کسی طرح بھی اسکے اقوال و افعال سے تکبر ظاہر نہ ہو ایسا شخص تکبر کے درخت کو اپنے باطن سے نہیں اکھیڑ سکتا۔ لیکن اسکی شاخیں بالکل کاٹ ڈالے دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرے تاکہ تکبر کا اظہار نہ کرے اور کہے کہ میں اپنے آپکو سب سے کمتر جانتا ہوں۔ لیکن اسکے معاملہ اور فعل سے ایسی باتیں ظہور پذیر ہوں جو اسکے تکبر باطنی پر گواہ ہوں۔ مثلاً جہاں کہیں بھی جائے۔ مقام صدر کا متلاشی رہے اور آگے آگے چلے اور اگر عالم ہو تو اپنا سر ایک طرف رکھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ لوگوں سے ننگ و عار رکھتا ہے اور اگر عابد ہو تو تیوری چڑھائے رکھے گویا لوگوں پر غصہ میں ہے یہ دونوں احمق یہ نہیں سمجھتے کہ علم و عمل نہ تو سر پھیرنے میں ہے اور نہ بد مزاجی میں بلکہ اسکا تعلق دل سے ہے اور ظاہر میں تواضع شفقت اور کشادہ روئی سب اسکا نور ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ عالم اور متقی تھے۔ اور تمام دنیا سے کشادہ روئی اور فروتنی میں بڑھے ہوئے تھے آپ جس کسی کی طرف دیکھتے تو مسکراتے ہوئے ہوتے اور کشادہ پیشانی سے پیش آتے حق تعالیٰ نے آپ سے خطاب فرمایا۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اور فرمایا۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی رحمتوں میں سے تم پر ایک یہ بھی رحمت تھی کہ تم سبھوں کے ساتھ کشادہ رو مہربان اور نرم دل رہے کہ وہ تم سے نافر اور کنارہ کش نہ ہوئے تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے تکبر کا اظہار کرے اور اس فخر اور خود ستائی کرے اور صاحب حال و کرامت ہونیکا دعویدار بنے عابد تو یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص بیچارہ کیا ہے اور

اور اسکی عبادت کیا ہے میں صائم الدہر اور قائم اللیل ہوں ہر روز قرآن شریف ختم کرتا ہوں اور جو مجھے ستاتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے۔ فلاں شخص نے مجھے تکلیف دی تھی۔ اس کا مال اور اولاد سب ضائع ہو گئے۔ اور شاید ایسا شخص لڑائی جھگڑا بھی کرے۔ حتیٰ کہ اگر کچھ لوگ تہجد کی نماز پڑھیں۔ تو وہ ان سے زیادہ پڑھے تاکہ وہ عاجز ہو جائیں۔ اور اگر روزہ رکھتے ہوں تو مدت تک بھوکا بیٹھا رہے۔ اور اگر عالم ہو تو یہ کہے کہ میں اتنا علم جانتا ہوں کہ فلاں شخص میرے مقابلہ میں کیا شئے ہے۔ وہ تو وہ اس کا استاد بھی کچھ چیز نہ تھا۔ اور مناظرہ میں فریقِ مخالف کو شکست دینے میں کوشاں ہو۔ اگرچہ خود بالکل باطل پر ہو۔ اور رات دن اسی فکر میں رہے کہ کوئی نادر اور مسجع بات یاد کر کے محفلوں میں سنائے اور اس ذریعہ سے لوگوں پر فوقیت حاصل کرے اور کبھی عجیب و غریب لغت کے الفاظ یاد کرے اور احادیث کی عبارتیں حفظ کرے تاکہ دوسروں کے سامنے اپنے کمال اور دوسروں کی تنقیص کا اظہار کرے بھلا ایسا عالم اور عابد کونسا ہے جو ان باتوں سے خالی ہے یہ کم و بیش سب میں موجود ہیں جب کوئی اس بات سے واقف ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے دل میں ایک حبہ بھر بھی تکبر ہوگا۔ اس پر جنت حرام ہے تو اسے خوف اور درد پیدا ہوگا اور تکبر سے باز رہیگا اور یہ سمجھ لیگا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے بندے اگر تو اپنے نزدیک بے قدر ہے تو میرے نزدیک تیری بہت قدر و منزلت ہے اور اگر تو خود اپنی قدر جانتا ہے تو میرے نزدیک نہایت ذلیل ہے اور جو شخص دین کے حقائق میں سے اتنا بھی نہ سمجھے اسے بجائے عالم کے جاہل کہنا زیادہ انسب ہے۔ تیسرا درجہ وہ تکبر ہے جو نسب کے لحاظ سے کیا جائے حتیٰ کہ جو لوگ علوی ہیں اور خواجہ زادہ ہیں وہ دوسروں کو اپنا غلام خیال کرتے ہیں اگرچہ دوسرے پارسا اور عالم ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ وہ اس تکبر کو ظاہر نہ کریں۔ لیکن یہ تکبر ان کے باطن میں موجود رہتا ہے اور غصہ کی حالت میں بے قابو ہو جاتے ہیں اور انکا غصہ قول و فعل سے ظاہر ہوتا ہے دوسروں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تمہاری کیا حقیقت ہے کہ تم ہمارے ساتھ بات بھی کر سکو۔ کیا تم اپنی حالت کو نہیں پہچانتے اور اس قسم کی کئی ایک باتیں بناتے ہیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک دن ایک شخص سے جھگڑا کیا اور کہا یا ابن الاسود یعنی او حبشی کے بچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذرؓ اپنے سے باہر نہ ہو۔ کیونکہ گورے آدمی کے بچہ کو کالے آدمی کے بچہ پر کچھ فضیلت نہیں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں لیٹ گیا اور اس آدمی سے جس سے کہ میں نے جھگڑا کیا تھا۔ کہا کہ تو اپنا پاؤں میرے منہ پر رکھ اے عزیز! تجھے غور کرنا چاہیئے کہ جب انکو یہ علم ہوا کہ یہ کلمہ تکبر کا ہے تو انہوں نے کسقدر فروتنی کا اظہار کیا۔ تاکہ تکبر ٹوٹ جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں دو آدمی فخر کرتے تھے ایک نے کہا۔ کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں تو کون ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسیطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دو آدمیوں نے فخر کیا تھا ایک نے ان میں سے کہا تھا کہ میں فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں اور اپنے اسلاف کی پشتیں گن دی تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اس شخص سے کہدیجئے کہ وہ نو تو دوزخ میں ہیں اور تو انکا دسواں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو لوگ دوزخ میں جل کر کوئلہ ہو گئے ہیں ان پر فخر نہ کرو ورنہ حق تعالیٰ کے نزدیک کو ز نام جانور سے بھی بدتر ہو جاؤ گے کہ وہ آدمی کی نجاست سونگھتا ہے اور چکھتا ہے چوتھا سبب تکبر کرنے کا حسن و جمال ہے اور یہ عام طور پر عورتوں میں پایا جاتا ہے حضرت عائشہ رضؓ نے ایک عورت کی نسبت کہا کہ کوتاہ قد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے غیبت کی ۔ اور یہ اپنے قد پر تکبر کرنا ہے کیونکہ اگر انکا قد بھی کوتاہ ہوتا تو کبھی بھی ایسا حکم نہ فرماتیں پانچواں سبب تکبر کرنے کا تو انگری ہے آدمی دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ میرے پاس اتنا مال ہے اور یہ کچھ ہے تو تو گدا اور مفلس ہے میں اگر چاہوں تو تیرے جیسے کتنے غلام خرید لوں اور اس قسم کی باتیں کہتا ہے سورۂ کہف میں دو بھائیوں کا قصہ ہے ایک نے کہا تھا کہ میں باعتبار ذات کے تجھ سے بہت عزت دار ہوں اور بحیثیت مال تجھ سے بہت زیادہ ہوں وہ اسی قبیل سے ہے چھٹا سبب تکبر کا قوت ہے جو کمزور اور ضعیفوں پر کیا جاتا ہے ساتواں سبب تکبر کا شاگرد ۔ ملازم ۔ نوکر ۔ مرید اور غلام ہیں غرضیکہ جس شے کو آدمی نعمت خیال کرتا ہے اسکے سبب سے تکبر کرتا ہے اگرچہ وہ نعمت نہ ہو حتیٰ کہ مخنث بھی اسباب مخنثی کی بنا پہ دوسرے مخنثوں پر فخر کرتا ہے تکبر کے یہی اسباب ہیں اور تکبر کے ظاہر کرنے کا سبب عداوت اور حسد وغیرہ ہوتے ہیں کیونکہ آدمی جب کسیکو دشمن سمجھتا ہے تو چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسپر فخر اور تکبر کا اظہار کرے اور کبھی ریا بھی تکبر کا سبب ہوتا ہے تاکہ لوگ تکبر کیوجہ سے اس کی تعظیم کریں ۔ جیسے کوئی شخص کسی سے مناظرہ کرے اور جانے کہ طرفِ ثانی نہایت زبردست فاضل ہے اور اپنے دل میں فروتن رہے ۔ لیکن ظاہر میں تکبر کا اظہار کرے تاکہ لوگ طرفِ ثانی کو افضل خیال نہ کریں اے عزیز! اب جبکہ تو اسبابِ تکبر سے واقف ہو چکا تو اب تکبر کا علاج بھی جان ۔

تکبر کے علاج کا بیان

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ ہر وہ علت جو ایک حبہ بھر مقدار میں سعادت کی راہ اور بہشت کے راستہ کو مسدود کر دینے والی ہو اسکا علاج فرض عین ہے اور کوئی شخص بھی اس بیماری سے خالی نہیں اور اسکا علاج دو قسم پر ہے ایک تو مجمل اور ایک مفصل جو مجمل ہے وہ علم و عمل کی معجون سے مرکب ہے اور جو علمی ہے وہ یہ ہے ۔ کہ حق تعالیٰ کو جانے تاکہ اس بات سے واقف ہو جائے کہ کبریائی اور عظمت سوائے اس کے کسی دوسرے کیلئے زیبا نہیں اور اپنی حقیقت سے بھی واقف ہو تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس سے زیادہ ذلیل و حقیر اور ناکس کوئی دوسرا نہیں اور یہ مسہل ہے جو باطن سے تکبر کی جڑ اور مادہ کو دور کرتا ہے اور اگر کوئی شخص تمام مادہ سے واقف ہونا چاہے تو اس کے لئے قرآن شریف کی صرف ایک آیت کافی ہے اور وہ یہ ہے ۔ قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ۔ حق

تعالیٰ نے انسان سے اپنی قدرت پہچانوائی۔ اور اس سے اسکے اول آخر اور درمیان کا کام بیان کر دیا۔ اول کا کام تو یہ ہے کہ فرمایا مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ پس آدمی کو چاہیئے کہ اسباب کو جان لے کہ کوئی شے دنیا میں اس چیز سے ذلیل نہیں جو نیست ہو یعنی فنا ہو جانیوالی ہو یا جس کا کہ پہلے بھی کوئی نشان موجود نہ ہو جیسے کہ اس کا کوئی نام و نشان نہ تھا اور ازل سے پیدا ہونے کے وقت تک کتم کے پردہ میں پوشیدہ تھا جیسے کہ فرمایا۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا۔ پس حق تعالیٰ نے خاک کو پیدا کیا۔ کہ جس سے زیادہ ذلیل اور کوئی شے نہیں۔ اور پھر اس سے خون اور پانی سے نطفہ اور علقہ کو پیدا کیا اور اس سے زیادہ پلید اور کوئی شے نہیں اور پھر آدمی کو اس نیست سے ہست کیا۔ اور اسکی اصل ناچیز مٹی اور گندے پانی اور ناپاک خون سے بنائی اور اسکے بعد آدمی کی یہ حالت تھی۔ کہ ایک ٹکڑا گوشت تھا۔ نہ جس میں سماعت تھی۔ اور نہ بصارت اور نہ گویائی اور نہ حرکت کچھ بھی نہ تھا۔ بلکہ ایک جماد تھا کہ جسے اپنی بھی خبر نہ تھی بھلا اور چیز کا کیا ذکر پھر حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس پارہ گوشت کو سمع و بصر نطق۔ قوت۔ قدرت۔ ہاتھ پاؤں اور تمام دوسرے اعضاء عطا فرمائے۔ جیسا کہ دیکھتا ہے کہ ان تمام اشیاء میں سے کوئی شے بھی نہ تو خاک میں تھی نہ نطفہ میں نہ خون میں اور اس میں اتنی عجیب و غریب اشیاء پیدا فرمائیں کہ ان کی وساطت سے حق تعالیٰ کی بزرگی اور بڑائی پہچانے: تاکہ انکی وجہ سے تکبر کرے کیونکہ یہ سب چیزیں اس نے اپنی کوشش سے حاصل نہیں کیں۔ کہ ان پر تکبر کر سکے جیسا کہ حقتعالیٰ کا ارشاد ہے وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۔ آدمی کا پہلا کام تو یہ ہے اب غور کر اسکے لئے تکبر کا مقام ہے یا اپنے سے ننگ و عار کا۔ اور اسکے درمیان کا کام جو قدرت نے سرانجام دیا وہ یہ ہے کہ اس کو اس جہان میں لایا اور ایک عرصہ تک رکھا اور یہ اقوات و انعام اسے عنایت فرمائے اگر حقتعالیٰ انسان کے کام اسکے اختیار میں دیدیتا۔ تو ممکن تھا کہ وہ غلطی میں مبتلا ہو جاتا۔ اور خیال کرتا کہ میں کچھ چیز ہوں بلکہ بھوک پیاس بیماری سردی گرمی۔ درد و رنج اور لاکھوں مختلف بلائیں اسکے سر پر معلق کر دیں تاکہ وہ کسی لمحہ بھی اپنی طرف سے امین نہ ہو ممکن ہے کہ مرجائے یا اندھا ہو جائے بیمار ہو جائے یا دیوانہ ہو جائے یا بھوک اور پیاس سے ہلاک ہو جائے اور پھر اسکا علاج تلخ دواؤں میں مقرر کیا۔ تاکہ وہ اگر فائدہ اٹھانا چاہے تو ذرا تکلیف برداشت کرے اور اسکا نقصان اچھی چیزوں میں رکھا کہ اگر فی الحال وہ لذت اٹھائے تو اسکے بعد تکلیف برداشت کرے اور اسکے کاموں میں سے کوئی کام اسکے قبضہ و اختیار میں نہیں دیا۔ حتیٰ کہ جو کچھ وہ جاننا چاہتا ہے۔ نہیں جان سکتا اور جو وہ بھولنا چاہتا ہے اسے نہیں بھول سکتا اور جس چیز کا خیال وہ چاہتا ہے کہ نہ کرے وہ اسکے دل پر غالب آجاتی ہے اور جس چیز کو خیال میں لانا چاہتا ہے وہ اسکے خیال سے کوسوں دور بھاگتی ہے اور باوجود ان عجائب صنعتوں اور جمال کے جو اسکے لئے پیدا کیا۔ اسے ایسا عاجز بنا دیا کہ اس سے زیادہ بدبخت کمتر۔ عاجز اور کوئی شے نہیں اور اسکا آخری کام مرنا ہے نہ قوت

سماعت رہیگی۔ نہ بصارت نہ جمال نہ بدن نہ اعضا بلکہ ایسا گندہ مردار ہوگا۔ کہ تمام لوگ اسکی بدبو سے اپنی ناک بند کرینگے اور حشرات الارض کے پیٹ میں نجاست بنجائیگا اور پھر آخر کو دوبارہ خاک ہو کر ذلیل و خوار ہوگا اور اگر اسیطرح خاک ہی رہتا تو بھی فائدہ اٹھاتا۔ کہ چارپائیوں ہی کے برابر رہتا۔ تو یہ دولت بھی نصیب نہ ہوگی بلکہ اسکا حشر کیا جائے گا۔ اور اسے ہیبت کے مقام میں رکھیں گے حتیٰ کہ آسمانوں کو پھٹتا ہوا دیکھے گا اور ستاروں کو گرتے ہوئے اور آفتاب و ماہتاب کو بے نور اور پہاڑوں کو دھنکی ہوئی روئی کی طرح پریشان پراگندہ اور زمین کو تبدیل شدہ پائیگا۔ اور دیکھے گا کہ فرشتے کمندیں ڈال رہے ہیں اور دوزخ گرج رہی ہے اور ملائکہ ایک ایک کے ہاتھ میں اعمالنامے دے رہے ہیں حتیٰ کہ تمام عمر میں جو برائیاں کی ہونگی سب آدمی اسے دیکھیں گے اور ایک ایک اعمالنامہ پڑھا جائے گا۔ فرشتے اس سے کہیں گے کہ جوابدے کہ تو نے ایسا کیوں کیا کیوں بیٹھا اٹھا کیوں دیکھا کیوں خیال کیا معاذاللہ ان باتوں کا جواب نہ دے سکیگا تو فرشتے اسے دوزخ میں لیجائینگے اسوقت وہ بصد حسرت کہیگا کہ کاش میں سؤر ہوتا یا کتا ہوتا۔ تاکہ خاک تو ہو گیا ہوتا کیونکہ وہ اس عذاب سے نجات پائے ہوئے ہیں تو جس شخص کی حالت سؤر اور کتے سے بھی بُری ہو [illegible] ہے اسکے لئے تکبر کرنیکا کونسا موقع اور محل ہے کیونکہ آسمان و زمین کے اگر تمام ذرے اسکی مصیبت پر ماتم کریں اور اسکے رسوا نامہ کو پڑھیں تو نہ پڑھ سکیں اے عزیز! تو نے کبھی ایسے قیدی کو دیکھا ہے جسے بادشاہ نے جیلخانہ میں بند کیا ہو اور اس قیدی کیلئے یہ خطرہ ہو کہ اسے سولی دیا جائیگا اور باوجود ان باتوں کے وہ قیدی فخر اور تکبر میں مشغول ہو اسی طرح یہ تمام اس بادشاہ عالم کے قیدخانہ میں ہے اور اسکے بہت سے قصور اور گناہ ہیں اور یہ انجام کار سے ناواقف ہے تو ایسے مقام میں باوجود اس مصیبت اور درد کے فخر و تکبر کا کونسا موقع ہے تو جس شخص نے اپنی ہستی کو اس صفت کے ساتھ جانا تو اسکا یہ جاننا ہی اس کیلئے مسہل بن جائیگا اور اس کے باطن سے تکبر کی جڑ کو کاٹ ڈالیگا۔ حتیٰ کہ وہ کسی کو اپنے سے کمتر نہ دیکھیگا بلکہ اس بات کی تمنا کریگا کہ میں خاک ہوتا۔ جماد ہوتا یا چڑیا ہوتا تاکہ اس سخت خطرہ سے تو نجات حاصل کرتا اور عملی علاج یہ ہے کہ تمام احوال و اقوال میں منکسرین اور متواضع لوگوں کا راستہ اختیار کرے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو تکیہ نہ لگاتے۔ فرماتے کہ میں بندہ ہوں۔ مجھے بندوں کی طرح کھانا چاہیئے حضرت سلیمان علیہ السلام سے لوگوں نے عرض کیا۔ آپ نیا لباس کیوں نہیں پہنتے۔ فرمایا جب آزاد ہونگا تو آخرت میں نیا لباس پہنوں گا اے عزیز! تجھے جاننا چاہیئے کہ نماز کے اسرار میں سے ایک تواضع بھی ہے جو رکوع سجود سے حاصل ہوتی ہے اور چہرہ جو تمام اعضاء سے عزت دار ہے آدمی اسے خاک پر رکھتا ہے جو تمام اشیائے دنیوی سے زیادہ ذلیل ہے اسلئے عرب ایسے متکبر تھے کہ پیٹھ تک نہ جھکاتے تھے اور یہ سجدہ تو انکے لئے ایک مصیبت تھا پس آدمی کو چاہیئے کہ جو حکم دے رہا ہے اسکے خلاف کرے اور کبر صورت۔ لباس۔ زبان۔ آنکھ۔ نشست و برخاست اور تمام حرکات سکنات سے ظاہر ہوتا

ہے تو آدمی کو چاہیئے کہ تکلف کر کے بھی کبر کو نہ ہونے دے تاکہ تواضع اسکی سرشت میں داخل ہو جائے تکبر کے حالات بہت سے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جبتک کوئی آدمی ساتھ نہ ہو ایسا کہیں نہ جائے۔ تو اس امر سے حذر کرنا چاہیئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جتنے آدمی تیرے ساتھ ہوتے ہیں اتنا ہی تو حق تعالی سے دور رہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان رہا کرتے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ لوگوں کو آگے کر لیتے ایک علامت یہ ہے کہ متکبر چاہتا ہے کہ لوگ اسکے سامنے کھڑے رہیں اور سروقد اٹھ کر اسکی تعظیم کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس امر سے کراہیت رکھتے تھے کہ کوئی شخص اٹھ کر آپ کی تعظیم کرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے دوزخی کو دیکھنا ہو تو اس شخص کو دیکھ لے جو خود تو بیٹھا ہو اور لوگ اسکے سامنے کھڑے ہوں اور ایک علامت یہ ہے کہ متکبر کسی کی بلاقات کو نہیں جاتا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف پہنچے تو حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے بلایا۔ کہ یہاں آکر مجھ سے حدیث بیان کرو حضرت سفیانؒ حضرت ابراہیمؒ کے بلانے پر چلے آئے حضرت ابراہیمؒ نے کہا میری غرض آپ کی تواضع کی آزمائش تھی اور ایک علامت یہ ہے کہ متکبر یہ نہیں چاہتا کہ فقیر اسکے پاس بیٹھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی فقیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے۔ تو جبتک وہ خود نہ چھوڑتا۔ آپ اسیطرح رہتے اور جس بیمار سے لوگ حذر کرتے۔ آپ اس کیساتھ کھانا کھاتے اور ایک علامت یہ بھی ہے کہ متکبر اپنے گھر میں کوئی کام نہیں کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کام کیا کرتے تھے حضرت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات کسی شخص کو مہمان؎ نے عرض کیا یا امیر المومنین یہ کام آپ خود کیا کرتے ہیں فرمایا ہاں کام کرنے سے پہلے بھی میں عمر تھا اور کام کرنے کے بعد بھی میں عمر ہوں اور متکبر کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ بازار سے اپنے گھر کیلئے سودا سلف وغیرہ خرید کر نہیں لاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز بازار سے خریدی ایک شخص نے عرض کیا میں اٹھا کر لے چلوں فرمایا نہیں جسکی چیز ہے اسی لیئے اسکا اٹھانا بہتر ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لاد کر جاتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ اپنے امیر کو راستہ دو۔ اور یہ اسوقت کا ذکر ہے جب امیر تھے جناب فاروق رضی اللہ عنہ ایک ہاتھ میں گوشت اٹھائے اور ایک میں دُرّہ لئے ہوئے بازار جاتے اور متکبر کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ جبتک اچھے کپڑے نہ ہوں بازار میں نہ نکلے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ہاتھ میں دُرّہ لیئے اور چادر کو چودہ پیوند ہیں اور بعض ان میں چمڑے کے ہیں جناب علی کرم اللہ وجہہ ہمیشہ کوتاہ کپڑا پہنا کرتے اور فرماتے کہ اس سے دل خاشع رہتا ہے اور لوگ تقلید کرتے ہیں اور فقیروں کو خوشی ہوتی ہے حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں دُھلے ہوئے کپڑے پہنتا ہوں تو جبتک پھر وہ میلے نہ ہو جائیں میں اپنے دل کو نہیں پاتا۔ یعنی اس میں تکبر اور رعونت دیکھتا ہوں حضرت عیسٰی علیہ السلام سے لوگوں نے کہا۔ کیا ہے جو تم راہبوں کا لباس پہنتے ہو۔ اور باطن کو بھیڑیئے کی شکل بنا رکھا ہے۔ بادشاہوں کا لباس پہنو اور حق تعالی کے خوف سے

؎ مہمان رکھا چراغ گل ہونے لگا تو مہمان نے کہا میں اٹھکر گل بڑھا دوں فرمایا نہیں یہ ان سے بعید خلاف مروت ہے۔

دل کو نرم کرو۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کیلئے خلافت سے پہلے ایک ہزار دینار کا لباس خریدا تھا آپ فرمایا کرتے یہ اچھا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ نرم چاہیئے۔ لیکن جب تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کیلئے پانچدرم کا لباس مول لیا جاتا۔ اور فرماتے کہ خوب ہے لیکن اس سے زیادہ موٹا کپڑا چاہیئے لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا بات ہے فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے نفسِ لذت طلب ہے جب ایک شے کی حلاوت چکھ لیتا ہے تو پھر اسے طلب نہیں کرتا۔ اب خلافت کا مزہ چکھ چکا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی مزہ نہیں تو اب ابدی بادشاہی کیطرف دوڑتا ہے اور اسے تلاش کرتا ہے اے عزیز اس بات کا خیال نہ کر جتنے اچھے کپڑے ہیں سب تکبر ہی کیوجہ سے ہوتے ہیں کیونکہ آدمی ہر شے میں اچھائی کو پسند کرتا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ خلوت میں بھی اچھے لباس ہی کو دوست رکھتے اور بعض شخص پرانے کپڑے کیوجہ سے تکبر کرتے ہیں اور اپنے آپکو زاہد ظاہر کرتے ہیں پس جو شخص تواضع سیکھنا چاہے اسے چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرے اور اسکی پیروی کرے حضرت ابو سعید خدری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کو خود چارہ ڈالتے اونٹ کو باندھ لیتے۔ کپڑوں کو اپنے دستِ مبارک سے پیوند لگا لیا کرتے خادم کیساتھ کھانا کھا لیا کرتے جب خادم تھک جاتا تو چکی پیسنے میں اسکی مدد کرتے بازار سے چادر میں سودا سلف باندھ کر لے آتے۔ امیر فقیر چھوٹے بڑے سبکو پہلے خود سلام کرتے مصافحہ فرماتے غلام آزاد چھوٹے بڑے کے درمیان امور اتِ دینی میں کچھ فرق نہ کرتے دن رات کا ایک ہی لباس رکھتے اگر کوئی غریب مفلس آپکی دعوت کرتا تو آپ قبول فرما لیا کرتے اور جو کھانا بھی آپکے سامنے رکھدیا جاتا۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہوتا۔ آپ اسے حقارت سے نہ دیکھتے رات کا کھانا صبح کیلئے نہ رکھتے اور صبح کا رات کیلئے نہ رکھتے۔ حضورؐ نہایت ہی نیکخو تھے کریم الطبع تھے ملنسار اور شگفتہ رو تھے اور بلا قہقہہ لگائے مسکراتے۔ اور بلا تیوری چڑھائے اندوہگین ہوتے متواضع تھے بے مذلت باہیبت تھے بلا درشتی و شدت اور بلا اسراف سخی و کریم تھے آپکا دل نہایت نرم تھا۔ سب لوگوں پر رحیم تھے آپ سر جھکائے رہتے اور یہ شرم و حیا کیوجہ سے تھا۔ آپکو کسی سے کچھ طمع نہ تھی۔ جو شخص اپنی سعادت کا طالب ہو۔ وہ حضورؐ کی تقلید کرے اور یہی سبب تھا جو حق تعالیٰ نے آپکی تعریف فرمائی اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور مفصل علاج یہ ہے کہ تو جس شے کیوجہ سے تکبر کرتا ہے اس میں غور کرے اگر تو نسب کیوجہ سے تکبر کرتا ہے تو تجھے اپنے نسب میں غور کرنا چاہیئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۔ یعنی تیری اصل خاک سے پیدا کی گئی ہے اور فرع نطفہ سے تو نطفہ پدر ہوا۔ اور خاک جد اور ان دونوں چیزوں سے خوار و ذلیل کونسی شے ہے اور اگر تو یہ کہے کہ باپ بھی تو درمیان میں ہے تو تجھ میں اور تیرے باپ کے درمیان ہیں نطفہ اور علقہ اور مضغہ اور بہت سی ناپاکیاں ہیں تو ان پر کیوں غور نہیں کرتا۔ اور تعجب ہے کہ اگر تیرا باپ حجام یا خاکروب ہوتا تو کیا تو اس سے ننگ و عار رکھتا اور کہتا کہ

عجب ناپاک انسان ہے کہ خاک و خون میں ہاتھ بھرتا ہے مگر تو اسپر غور نہیں کرتا کہ تو بھی تو خاک اور خون سے بنا ہے پھر کیوں اسپر فخر کرتا ہے اور جب تو اس معاملہ سے واقف ہوگیا تو تیری مثال اس شخص کی سی ہوگی جو اپنے آپکو علوی خیال کرتے اور دو عادل گواہ گواہی دیں کہ یہ غلامزادہ ہے یا فلاں حجام کا بیٹا ہے اور وہ یہ ثابت کر دیں اور جب تجھے یہ معلوم ہو جائیگا تو پھر تو تکبر نہ کریگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص نسب کیوجہ سے تکبر کرتا ہے وہ درحقیقت دوسرے کی ذات پر فخر کرتا ہے اور بزرگی تو خود تجھ میں ہونی چاہیئے اس لئے کہ آدمی کے پیشاب سے جو کیڑا پیدا ہوتا ہے اسے اس کیڑے پر کچھ فضیلت نہیں جو گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہوتا ہے اور حسن و جمال کے سبب سے بھی تکبر ہوتا ہے لیکن انسان کو چاہیئے کہ اپنے باطن پر غور کرے تاکہ اسے اپنی برائیاں معلوم ہوں اور غور کرے کہ اس کے پیٹ مثانہ رگوں ناک کان۔ اعضا میں کیا کیا نجاستیں بھری ہوئی ہیں اور ہر روز دن میں دو بار اپنے ہاتھ سے اپنی ایسی چیز کو دھوتا ہے جسکی بو سونگھنا اور جسکی طرف دیکھنا بھی اسے ناگوار ہے اور ہمیشہ اسے اٹھائے پھرتا ہے پھر اسبات پر غور کرے کہ اسکی پیدائش خونِ حیض اور نطفہ سے ہے اور پیشاب کی دو راہگذروں میں سے جب گذرتا ہے تو پھر کہیں عالم وجود میں آتا ہے حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شخص کو خراماں دیکھا فرمایا یہ اس شخص کی چال نہیں ہو سکتی جو یہ جانتا ہو کہ میں اپنے پیٹ میں کیا بھرے ہوئے ہوں اگر آدمی ایک دن بھی اپنے آپکو پاک صاف نہ کرے تو تمام گھوڑے اور سنڈاس اس سے زیادہ پاک و صاف ہیں کیونکہ گھوڑوں اور سنڈاس میں اس سے زیادہ ناپاک شے اور کوئی نہیں ہوتی جسے وہ اپنے پیٹ میں لئے پھرتا ہے یا جو اسکے پیٹ سے نکلتی ہے پھر اسکا حسن و جمال کچھ اسکی اپنی ذات سے تھوڑا ہی ہے کہ اسکے سبب سے فخر کرے اور دوسروں کی بدصورتی کچھ انکے اپنے سبب سے نہیں ہے کہ انکے نقائص اور عیوب بیان کرے اور اسکا حسن و جمال قابل اعتماد نہیں کیونکہ ایک بیماری سے زائل ہو جاتا ہے اور چیچک تو تمام بیماریوں سے زیادہ اسے بدصورت بنا دیتی ہے غرضیکہ یہ تمام اشیاء تکبر کے قابل نہیں اور اگر اسکا تکبر طاقت کے سبب سے ہے تو یہ سمجھ لے کہ ایک رگ کا درد اسے ایسا پریشان کر دیتا ہے کہ اس سے زیادہ عاجز کوئی دوسرا نہیں ہوتا ایک مکھی کے ستانے سے عاجز ہوتا ہے اگر ایک بھنگا اسکے کان میں یا ایک چیونٹی اسکے کان میں گھس جائے تو وہ ہلاک اور عاجز ہو جاتا ہے اور ایک کانٹے کے پاؤں میں گڑ جانے سے جگہ سے نہیں ہل سکتا اگر طاقتور ہے تو ہاتھی اور گدھا اس سے زیادہ طاقتور ہیں تو ایسی شے کیوجہ سے فخر کرنا کہاں زیبا ہے جس میں حیوان اس سے فائق تر ہیں اور اگر تونگری مال و نوکر اور غلاموں پر فخر کرتا ہے یا حکومت اور سرداری کیوجہ سے متکبر ہے تو یہ تمام اشیاء اسکی ذات سے باہر ہیں کیونکہ اگر مال کو چور لے جائیں یا حکومت سے بادشاہ معزول کر دے تو پھر کیا اسکے قبضہ و اختیار میں رہیگا اور اگر مال رہ بھی جائے تو بہت سے یہودی ایسے ہیں جو مال و دولت میں اس سے بڑھ کر ہیں اور حکومت پر مضبوب ہے تو بہت سے ترک کرد اور اجلاف اسکی حکومت سے دس گنا زائد حکومت رکھتے ہیں غرضیکہ جو شے بھی تیری اپنی ذات سے نہ ہو۔ وہ تیری ملکیت

نہیں اور جو شے تیری ملکیت نہ ہو اسکی وجہ سے تکبر کرنا اور فخر کرنا نہایت لغو اور فضول ہے ان میں سے کوئی شے بھی تیری اپنی ذات سے نہیں اور منجملہ ان اسباب کے کہ جس سے تکبر کیا جاسکتا ہے علم اور عبادت بھی ہے اور اسکا علاج نہایت مشکل ہے کیونکہ یہ کمال ہے اور حق تعالیٰ علم کو عزیز جانتا ہے اور یہ بڑی شے ہے اور حق تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور عالم کیلئے اپنی طرف التفات نہ کرنا نہایت مشکل ہے اور یہ مشکل دو طرح سے آسان ہوتی ہے ایک تو یہ جان لے کہ علم کیوجہ سے زبردست گرفت ہوگی اور عالم بڑے خطرہ میں ہے کیونکہ جاہل کو بہت سے امور میں طرح دی جائیگی اور عالم کی تقصیر نہایت اہم خیال کیجائیگی اور جو احادیث علماء کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں ان میں نہایت غور و فکر کرنا چاہیئے کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس عالم کو جسکے افعال اسکے علم سے مطابق نہ ہوں گدھا قرار دیا ہے اسلئے کہ گدھے کے بوجھ جتنی کتب اٹھائے ہوئے ہے حقتعالیٰ ارشاد فرمایا ہے۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا یا كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث۔ یعنی خواہ جانے یا نہ جانے اپنی سرشت سے دستبردار نہیں ہوتا کتے اور گدھے سے زیادہ اور کونسی شے ہے جو خبیث ہوسکتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر آخرت میں عالم نجات حاصل نہ کرے تو کنکر اور پتھر اس سے زیادہ افضل ہونگے بھلا حیوانات کا کیا ذکر اور یہی وجہ تھی کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اس بات کی تمنا کرتے کہ کاش میں چڑیا ہوتا اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں بکرہ ہی ہوتا اور لوگ مجھے ذبح کرکے کھا لیتے اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے کہ کاش میں گھاس ہوتا پس جسکے دل میں آخرت کا خطرہ جم جاتا ہے وہ ہرگز تکبر نہیں کرتا اور اگر کسی کو اپنے سے جاہل دیکھتا ہے تو کہتا ہے نادان ہے گناہ میں معذور ہے اور ہر حال میں مجھ سے بہتر ہے۔ اور اگر کسی کو اپنے سے زیادہ عالم دیکھتا ہے کہ وہ ایسی چیز جانتا ہے جو مجھے معلوم نہیں اور اگر کسی بوڑھے کو دیکھتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ اس نے مجھ سے زیادہ حقتعالیٰ کی عبادت کی ہے یہ مجھ سے بہتر ہے بلکہ اگر کافر کو بھی دیکھ پاتا ہے تو تکبر نہیں کرتا اور خیال کرتا ہے کہ شائد یہ مسلمان ہو جائے اور اسکی عاقبت اچھی ہو اور مبادا میرا خاتمہ کفر پر ہو کیونکہ بہت مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے سے قبل دیکھا اور اپنے مسلمان ہونے پر تکبر کیا حق تعالیٰ کے علم میں وہ تکبر غلطی تھی تو جب آدمی کی بزرگی آخرت کی نجات پر منحصر ہے تو وہ کسیکو معلوم نہیں تو چاہیئے کہ ہر ایک اسکے خوف میں رہے تاکہ تکبر نہ کرے دوسری طرح یہ ہے کہ یہ سمجھ لے کہ کبر صرف ذات باری ہی کو زیبا ہے اور جو اس معاملہ میں حق تعالیٰ سے جھگڑا کرتا ہے حقتعالیٰ اسے دشمن سمجھتا ہے اور حق تعالیٰ نے ہر ایک کو حکم دیا ہے کہ میرے نزدیک تو اسوقت عزت حاصل کریگا جب اپنے آپکو کچھ نہ سمجھے گا اگر بالفرض آدمی اس بات سے واقف بھی ہو کہ اس کی عاقبت بخیر ہوگی تو بھی حقتعالیٰ کا حکم یاد رکھ کر تکبر نہ کرے اور انبیاء علیہم السلام اسی لئے متواضع اور عاجز ہوتے تھے کہ وہ اس بات سے واقف تھے کہ حقتعالیٰ تکبر کو دشمن رکھتا ہے اور عابد کو چاہیئے کہ عالم کیلئے عبادت پر تکبر نہ کرے اور کہے کہ شائد آخرت میں علم ہی اسکی شفاعت اور اسکی برائیوں کو مٹادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عالم کو عابد پر

ایسی فضیلت ہے جیسے مجھ کو اپنے صحابہ پر اگر کوئی عابد کسی جاہل کو دیکھے اور اسکا حال پوشیدہ ہو تو اپنے جی میں خیال کرے کہ شاید یہ جاہل مجھ سے زیادہ عابد ہو اور اس نے اپنے آپکو مشہور نہ کیا ہو اگر فاسق ہو تو خیال کرے کہ تمام وسواس اور خطرات ایسے گناہ ہیں جو دل ہی سے ہوتے ہیں اور فسق ظاہری سے زیادہ بڑے ہیں اور ممکن ہے کہ میرے باطن میں کوئی ایسا گناہ ہو جس سے غافل ہوں اور ظاہری اعمال اس کیوجہ سے ضائع ہو جائیں اور ممکن ہے اس دوسرے کے باطن میں کوئی ایسا نیک خلق ہو جس کیوجہ سے اسکے تمام ظاہری گناہ معاف کر دیئے جائیں اور شاید وہ تائب ہو جائے اور اسکا خاتمہ خیر ہو اور ممکن ہے مجھ سے کوئی ایسا گناہ ہو جسکی وجہ سے مرتے وقت میرا ایمان خطرہ میں ہو جائے غرضیکہ جب یہ ممکن ہے کہ اسکا نام حق تعالیٰ کے نزدیک اشقیاء میں لکھا جائے تو تکبر کرنا حماقت ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مشائخین ہمیشہ متواضع رہے ہے۔

خودپسندی اور اس کی آفات کا بیان

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ خودپسندی منجملہ بُرے اخلاق کے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین اشیاء نہایت مہلک ہیں بخل ۔حرص۔ خودپسندی فرمایا اگر تم گناہ سے مجتنب بھی رہو تو تب بھی مجھے تم سے ایک چیز کا خوف ہے جو گناہ سے بھی بدتر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آدمی بدکار کسوقت ہوتا ہے فرمایا جب اپنے آپکو نیکوکار تصور کرے اور ایسا تصور کرنا خودپسندی میں داخل ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہلاکت اور بربادی دو اشیاء میں ہے خودپسندی اور ناامیدی میں اسیوجہ سے بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ناامید آدمی طلب میں سست ہوتا ہے اور طلب سے بے نیاز رہنے کو تعجب سمجھتا ہے حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ صبح کو شکستہ حالی اور پریشانی میں اٹھوں۔ بجائے اسکے رات بھر نماز پڑھوں اور صبح اسپر خودپسندی کا اظہار کروں حضرت شبیر ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ ایکدن لمبی نماز میں مشغول تھے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ انکی نماز پر متعجب ہے جب سلام پھیرا تو کہا۔ تعجب کرنا نیکی کونسی بات ہے شیطان نے مدتوں عبادت کی اور اسکے خاتمہ سے تو واقف ہے کہ کیسا ہوا۔ اے عزیز تجھے معلوم ہو کہ خودپسندی بہت سی آفات کو پیدا کرتی ہے اور ان میں ایک تکبر بھی ہے کہ آدمی اپنے آپکو دوسروں سے بہتر جانتا ہے اور دوسری آفت یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو خیال میں نہیں لاتا اور انکا تدارک نہیں کرتا اور اپنے آپکو آفتوں سے محفوظ سمجھتا ہے اور اسکے دل سے خوف و ہراس دور رہتا ہے وہ حق تعالیٰ سے بیخوف رہتا ہے اور عبادت کو حق تعالیٰ پر اپنا حق سمجھتا ہے اپنی تعریف کرتا ہے اپنے آپکو پاک خیال کرتا ہے اور جب اپنے علم میں خودپسند ہو جاتا ہے تو کسی دوسرے سے کچھ نہیں پوچھتا۔ اور اگر اسکی رائے کے خلاف کوئی بات کریں تو اسے خیال تک میں نہیں لاتا۔ اور اسی طرح کسی کی نہیں سنتا اور ناقص رہتا ہے۔

خودپسندی اور ناز کی حقیقت کا بیان

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ جسے حق تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے جیسے علم اور توفیقِ عبادت اور اسکے زائل ہو جانے سے خوف کھائے اور ڈرے کہ مبادا اس سے یہ نعمت واپس لے لی جائے تو ایسا شخص خودپسند نہیں ہوتا اور اگر نہ ڈرے اور نعمت کے سبب سے یہ خیال کر کے خوش رہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے اور اسے اپنی صفت خیال نہ کرے تو ایسا شخص بھی خودپسند نہ ہوگا۔ اور اگر اسے اپنی صفت خیال کر کے خوش ہو تو پھر خودپسند ہے اور اگر اسکے ساتھ حق تعالیٰ پر اپنا حق جانے اور اس عبادت کو اپنے لئے خدمت پسندیدہ خیال کرے تو اسے دلال یعنی ناز کہتے ہیں کیونکہ خود اپنے آپکو نازاں خیال کرتا ہے اور اگر کسی کو کوئی چیز دیکر اسے بڑی بات خیال کرے تو خودپسند ہے اور اگر اسکے عوض میں کسی بدلہ کی اُمید رکھے تو نازاں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کی وجہ سے ناز کرتا ہے اس کی نماز اسکے سر سے متجاوز نہیں ہوتی اور فرمایا اگر تو ہنسے اور اپنی تقصیرات کا مقر ہے تو اس سے بہتر یہ ہے کہ روئے اور اسے بڑا کام تصور کرے۔

خودپسندی کا علاج

اے عزیز! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ خودپسندی ایک ایسی بیماری ہے جسکا سبب محض جہالت ہے اور اسکا علاج جب ہے تو معرفت ہے۔ پس جو شخص رات دن عبادت میں مشغول رہتا ہے ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ کیا عمل بلا تیری قدرت اور قوت کے تجھ پر گزرتا ہے یعنی کیا تجھ سے ظاہر ہوتا ہے اور تو اسکا مظہر ہے اور یا تو اس سبب سے خودپسند ہے کہ یہ عمل تیری اپنی ذات سے پیدا ہوتا ہے اور تیری ذاتی قوت سے حاصل ہوتا ہے پہلا سبب جو مظہر ہونیکی حیثیت ہے اسکی وجہ سے تو تیری خودپسندی زیبا نہیں کیونکہ تو تو مسخر ہے اور اگر تو اس بات کا مدعی ہے کہ یہ عمل میں خود کرتا ہوں اور میری قدرت و طاقت سے سرانجام پایا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کیا تو جانتا ہے کہ کس قوت اور قدرت اور اعضا اور ارادت سے یہ عمل ظہور پذیر ہوتا ہے تو اسے کہاں سے لاتا ہے اور اگر تو یہ کہے کہ یہ عمل میری خواہش سے ظاہر ہوتا ہے تو ہم تجھ سے پوچھیں گے کہ اس داعیہ اور خواہش کے پیدا کرنیوالا کون ہے اور کس نے تجھ کو یہ کرنیکے لئے مجبور کیا کیونکہ جس پر داعیہ اور خواہش کو مسلط کر دیا۔ گویا ایک موکل بھیجا گیا۔ کہ جسکے خلاف کر ہی نہیں سکتا۔ اور داعیہ تیرے خیال سے نہیں ہے کیونکہ تجھے زبردستی کام میں لگایا ہے تو یہ سب خدا ہی کی نعمت ہے اور تیری خودپسندی کا سبب محض تیری جہالت ہے کیونکہ تیری اپنی ذات سے کوئی شے وابستہ نہیں تو تجھے حق تعالیٰ کے فضل و کرم پر تعجب کرنا چاہیئے کہ اس نے بہت سی مخلوق کو غافل کر دیا اور انکے داعیہ کو بُرے کاموں میں لگایا۔ اور تجھ پر اپنی عنایت اور

فضل کیا اور اچھے امور کے داعیہ کو تجھ پر مسلط کر دیا اور قہر کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنی درگاہ میں لے گیا اگر کوئی بادشاہ کسی غلام کو بلا کسی خدمت کے خلعت عنایت کرے تو اس غلام کو اسپر متعجب ہونا چاہیئے کیونکہ بادشاہ نے بلا استحقاق خود بخود اپنی مہربانی سے اسے خلعت عطا کیا پس اگر یہ کہے کہ بادشاہ دانا ہے جبتک مجھ میں استحقاق کی صفات کو دیکھ نہیں لیا خلعتِ خاص سے سرفراز نہیں کیا تو ایسی حالت میں ہم اس غلام سے پوچھیں گے کہ تو نے یہ استحقاق کہاں سے حاصل کیا اور اگر یہ صفت استحقاق بھی بادشاہ کی پیدا کی ہوئی ہے تو تجھے خود پسندی کیلئے کوئی موقع حاصل نہیں اسکی مثال تو ایسی ہے جیسے بادشاہ تجھے گھوڑا عنایت فرمائے تو تو تعجب کا اظہار نہ کرے اور اگر بادشاہ تجھے غلام عنایت کرے تو تو یہ کہے کہ مجھے غلام اس لئے عنایت کیا کہ میرے پاس گھوڑا تھا دوسروں کے پاس نہ تھا تو چونکہ گھوڑا بھی اسی نے دیا ہے اس لئے تیرے لئے خود پسندی کا کوئی محل نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے یہ دونوں اشیاء تجھے ایک ہی بار مرحمت کر دیں اسی طرح اگر تو یہ کہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے عبادت کی طاقت اس لئے عطا کی کہ میں حق تعالیٰ کو دوست رکھتا تھا تو ہم جواب دیں گے کہ بھلا یہ دوستی تیرے دل میں کس نے پیدا کی اور اگر تو یہ کہے کہ میں نے اس لئے اسکو دوست رکھا کہ اسکی معرفت مجھے حاصل ہو گئی اور میں نے اسکے لازوال جمال کو دیکھا تو پھر ہم یہ جواب دینگے کہ تجھے یہ معرفت اور دیدار کس نے عنایت کیا۔ پس چونکہ تمام اشیاء اسکی عنایت کی ہوئی ہیں تو اسکی عنایت اور بخشش کے بھروسہ پر عُجب (خود پسندی) ہونا چاہیئے کیونکہ اس نے تجھ کو پیدا کیا ہے اور تجھ میں یہ صفات پیدا کی ہیں قدرت اور ارادہ پیدا کیا ہے تو تُو درمیان میں کچھ بھی نہیں اور نہ کوئی شے تیرے سبب سے ہے صرف اتنی بات ہے کہ تو اس کی قدرتوں کا مظہر اور راہگذر ہے **سوال**۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب میں کچھ کرتا ہی نہیں اور سب کچھ خدا ہی کرتا ہے تو پھر ثواب کی امید کہاں رکھی جائے اور ثواب تو ہمیں اپنے ہی عمل کیوجہ سے ہے۔ جو ہمارے اختیار سے ہو **جواب** حقیقی اور صحیح بات تو یہ ہے کہ تو حق تعالیٰ کی قدرتوں کا مظہر ہے اور اپنی ذات سے کچھ بھی نہیں وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ یعنی حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تم نے کیا وہ تم نے نہیں کیا بلکہ حق تعالیٰ نے ہی کیا لیکن چونکہ علم قدرت کے ارادہ کے بعد حرکت کو پیدا کیا تو تو خیال کرتا ہے کہ جو کچھ کیا وہ میں نے ہی کیا اے عزیز تجھے معلوم ہو کہ یہ ایک نہایت پوشیدہ راز ہے اور اس میں نہایت باریک راز ہیں تو اسے نہ سمجھ سکیگا اگر خدا نے چاہا تو اشارۃً توکل اور توحید کے باب میں بیان کریں گے مگر یہاں اپنے فہم کے مطابق کچھ سمجھ لے اور یہ فرض کر لے کہ عمل تیری اپنی ہی قدرت سے ہے لیکن تیرا عمل بلا قدرت ارادہ اور علم کے نہیں اور تیرے عمل کی جو کنجی ہے وہ تین صفات ہیں اور تینوں حق تعالیٰ کی عنایت فرمائی ہوئی ہیں پس ہم مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر ایک خزانہ نہایت ہی مضبوط ہو۔ اور اس میں بہت دولت اور نعمتیں ہوں اور تو انکے حاصل کرنے سے عاجز ہو اور اسکی کنجی تیرے قبضہ و قدرت میں نہ ہو اور خزانچی تجھے کنجی دیدے اور تو اس خزانہ تک پہنچ جائے اور دولت حاصل کرلے تو کیا تُو اس دولت کو اسکے

حوالہ کر دے گا جس نے تجھے کنجی دی یا اپنے ہاتھ کی طرف کہ تو نے ہاتھ سے دولت اٹھائی اور یہ تجھے معلوم ہے کہ جب اس نے تجھ کو کنجی دیدی تو پھر دولت کا اٹھا لینا کونسا مشکل کام تھا پس تیری قدرت جو اعمال کی کنجی ہے اسکے سب اسباب حق تعالیٰ ہی نے عنایت فرمائے ہیں تو تجھے اس کے فضل پر تعجب کرنا چاہیئے کہ اس نے عبادت کی کنجی تجھ کو مرحمت کی اور فاسقوں کو اس سے محروم رکھا اور گناہوں کی کنجی دوسروں کو دیکر ان کیلئے عبادت کے دروازہ کو بند کر دیا اور یہ ان کے قصور کی بنا پر بند نہیں کیا بلکہ بمقتضائے عقل کیا اور تجھ کو کسی خدمت کے عوض میں کنجی نہیں دی بلکہ محض اپنے فضل و کرم سے دی پس جو شخص حق تعالیٰ کی توحید کا واقف ہو جاتا ہے وہ ہرگز خود پسند نہیں ہوتا اور یہ امر بھی خود پسندی میں داخل ہے کہ مفلس عقلمند اس پر تعجب کرے کہ حق تعالیٰ نے جاہل کو مال عنایت کیا ہے اور مجھ عقلمند کو محروم رکھا ہے لیکن اسے یہ جاننا چاہیئے کہ عقل تمام نعمتوں سے بہتر ہے اور یہ بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور اگر عقل اور مال دونوں اسی کو عنایت فرماتا اور جاہل کو دونوں سے محروم کر دیتا تو بات عقل سے بعید ہوتی اور یہ شکایت کرنیوالا عاقل بھی اس بات کیلئے تیار نہ ہوگا کہ وہ عقل کے عوض مال خرید لے اور اگر کوئی خوبصورت عورت کسی بدصورت عورت کو لباس فاخرہ زیب تن کئے اور زیور پہنے دیکھ کر یہ کہے کہ یا الٰہی تو نے ایک بدصورت عورت کو جو دولت اور نعمت عطا فرمائی وہ اسے بالکل اچھی معلوم نہیں دیتی مگر یہ خوبصورت معترضہ یہ خیال نہیں کرتی کہ حقتعالیٰ جو مجھے دولت حسن عطا فرمائی ہے وہ اس زیور و دولت سے بدرجہا افضل ہے اگر حق تعالیٰ دونوں نعمتیں حسن و نعمت اسی کو عطا کر دیتا یہ امر عدل سے بالکل بعید تھا۔ اسکی مثل ایسی ہے جیسے بادشاہ ایک شخص کو گھوڑا عنایت کرے اور ایک غلام تو وہ گھوڑے والا یہ کہے کہ گھوڑا تو میرے پاس تھا۔ بھلا غلام اسکو کیوں دیا اور یہ کہنا سراسر نادانی ہے اور یہ اس سبب سے تھا کہ جب داؤد علیہ السلام نے حقتعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ کوئی رات ایسی نہیں آتی جس میں میری اولاد میں سے کوئی نہ کوئی صبح تک نماز نہ پڑھتا ہو اور کوئی دن ایسا نہیں آتا جبکہ میری اولاد میں سے ایک روزہ نہ رکھتا ہو وحی نازل ہوئی اے داؤد اگر انکو میں توفیق نہ دیتا تو وہ کیسے اس عمل کو بجا لا سکتے اب میں لحظہ بھر کیلئے تجھے تیری رائے پر چھوڑتا ہوں جب حقتعالیٰ نے انہیں انکی رائے پر چھوڑا۔ تو ان سے ایک ایسی غلطی ہو گئی کہ تمام عمر اسکی شرم اور ندامت میں رہے حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ العٰلمین تو نے جو بلا بھی مجھ پر ڈالی میں نے اسے برداشت کیا اور تیری رضا کو اختیار کیا اور ذرہ بھر بے صبری نہ دکھائی پس آواز سنی کہ اے ایوب! تجھے صبر کس نے عطا کیا حضرت ایوب علیہ السلام یہ سن کر متنبہ ہوئے اور سر پر خاک ڈال کر عرض کیا۔ بار خدایا یہ تیری ہی سب عنایت تھی کہ میں صابر رہا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر میرا فضل شامل حال نہ ہوتا تو کوئی شخص بھی نیک اعمال کیطرف راہ نہ پاتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص بھی اپنے اعمال کے وسیلہ سے نجات حاصل نہ کر سکیگا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھی نہ پا سکیں گے فرمایا ہاں میں بھی نہ پا سکونگا مگر حقتعالیٰ کے فضل و رحمت کی شمولیت سے اور یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے صحابہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہم خاک ہوتے

یا ہوتے ہی نہ پس جو شخص ان امور سے واقف ہے وہ خوف کے مارے غرور اور خود پسندی نہیں کرتا۔

فصل اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ بعض اشخاص ایسے ناداں ہوتے ہیں کہ ایسی چیز کے سبب سے خود پسندی کرتے ہیں جو ان کے سبب سے نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی طاقت و قدرت سے اسکا کچھ تعلق ہوتا ہے جیسے طاقت اور حسن و جمال اور نسب خود پسندی وغیرہ نادانی اور حماقت ہے اسلئے کہ اگر عالم اور عابد کہے کہ میں نے علم حاصل کیا اور میں نے عبادت کی تو اسکے خیال کیلئے ایک عمل ہے لیکن یہ تو محض سراسر حماقت ہی حماقت ہے اگر کوئی شخص ظاہر میں ان بادشاہوں کی حالت کو دوزخ میں دیکھ لیتا جنکی نسب پر وہ غرور بیجا کرتا ہے تو ان سے ننگ و عار رکھتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے زیادہ کوئی نسب شریف نہیں اسپر بھی اظہارِ غرور بیجا ہے اور بعض آدمی اسوجہ سے مغرور ہوتے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں گناہ کچھ نقصان نہ دیگا ایسے لوگوں کا جو جی چاہتا ہے کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے ہیں کہ باپ دادا کے خلاف عمل کرنے سے سلسلۂ نسب کا انقطاع ہو جاتا ہے انکے باپ دادا زہد و اتقا پر فخر کرتے تھے نہ کہ نسب پر کیونکہ انکے اسلاف میں ایسے لوگ بھی موجود ہونگے جو دوزخی ہونگے جضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب کے باعث فخر کرنیکو منع فرمایا ہے اور فرمایا ہم آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور وہ خاک سے بنے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تو قریش کہا کرتے اس حبشی غلام کو یہ باعزت عہدہ عطا کرنا کیسے درست ہے، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اور جب یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ تو حضور نے جنابہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ اے محمدؐ کی بیٹی! اپنا انتظام کرو کل قیامت کو میں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکونگا جنابہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے محمدؐ کی پھوپھی! اپنے اعمال میں مشغول ہو میں تیرا مددگار نہ ہونگا۔ اگر آپکے عزیزوں کو آپکی قرابت فائدہ پہنچا سکتی تھی تو چاہیئے تھا کہ جنابہ سیدہ رضؓ کو پرہیزگاری کے رنج اور تکلیف سے نجات دیدیتے تاکہ خوشی سے اور آرام سے زندگی گذارتیں اور انہیں دونوں جہان حاصل ہو جاتے بہرحال قرابت والوں کی شفاعت کی امید زیادہ ہے لیکن گناہ ایسے ہوں کہ شفاعت کے قابل نہ ہوں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی اور شفاعت پر بھروسہ رکھکر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنا اور پروا نہ کرنا ایسا ہے جیسے کوئی بیمار اس خیال سے پرہیز نہ کرے کہ میرا باپ طبیب ہے اس بیمار سے یہ کہدینا چاہیئے کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جنکا علاج نہیں ہو سکتا اور طبیب کا کامل ہونا کسی کام نہیں آتا مزاج ایسا ہو کہ طبیب کو اسکی مدد کرنے میں سہولت ہو اور نہ یہ بات ہے، کہ جو شخص بادشاہ کے نزدیک ہو وہ ہر حالت میں شفیع ہو سکے بلکہ بادشاہ جس شخص کو دشمن خیال کرتا ہے اسکے حق میں شفاعت قبول نہیں کرتا اور تمام گناہ حق تعالیٰ کی ناخوشی کا موجب ہوتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنی ناراضگی کو گناہ میں پوشیدہ رکھا ہوا ہے ممکن ہے جس گناہ کو معمولی خیال کرے وہ اسکی ناراضگی کا سبب ہو جائے جیسا کہ ارشاد ہے کہ تم جسے تھوڑی بات تصور کرتے ہو حق تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑی بات ہوتی ہے، سب مسلمان شفاعت کی امید رکھتے ہیں لیکن جو عقلمند

ہیں وہ اس امید پر بے خوف نہیں ہو جاتے اور یہ ناممکن ہے کہ خوف کے ساتھ غرور اور خود پسندی جمع ہو سکے

اصل دہم۔ غفلت۔ غرور اور گمراہی کا علاج

اے عزیز! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شخص آخرت کی سعادت سے محروم رہتا ہے وہ اس سبب سے محروم رہتا ہے کہ آخرت کی راہ اختیار ہی نہیں کرتا اور جس شخص نے یہ راہ اختیار نہ کی وہ اس سبب سے کہ راستہ سے واقف ہی نہ تھا یا اگر واقف تھا تو چل نہ سکا اور جو نہ چل سکا وہ اس لئے کہ خواہشات کا قیدی تھا اور ان سے عہدہ برآنہ ہو سکا۔ اور اس کیوجہ اسکی غفلت اور بیخبری تھی۔ یا یہ کہ وہ راہ بھول گیا یا الٹی سمجھ کے سبب سے راستہ کھو بیٹھا اور جو شقاوت راہ پر نہ چل سکنے کیوجہ سے نصیب ہوتی ہے اسے ہم مفصل طور پر ذکر کر چکے ہیں اور جو شقاوت نادانی کیوجہ سے حاصل ہوتی ہے ہم اسے اس مقام پر بیان کرتے ہیں جو لوگ راستہ پر نہ چل سکنے کیوجہ سے سعادت سے محروم ہوئے انکی مثال اس شخص کی سی ہے جیسے کوئی شخص راستہ چلنا چاہے مگر وہ راہ گھاٹیوں اور دشواریوں سے پُر ہے اور راہرو ضعیف اور کمزور ہے اور گھاٹیوں سے گزر نہیں سکتا اور راہِ دین میں جو گھاٹیاں ہیں تو وہ مال و جاہ کی خواہش شکم و فرج کی شہوتیں ہیں ان گھاٹیوں میں سے کوئی صرف ایک ہی گھاٹی طے کر کے رہ جاتا ہے کوئی دو طے کر لیتا ہے تیسری میں تھک جاتا ہے اسیطرح جبتک تمام گھاٹیوں کو طے کر کے پیچھے نہ چھوڑیگا منزل مقصود تک نہ پہنچیگا اور جو شقاوت نادانی کیوجہ سے ہے اسکی تین اقسام ہیں ایک تو غفلت اور بیخبری ہے اسے نادانی کہتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سر راہ پڑا رہے اور قافلہ روانہ ہو جائے اور اگر ایسے شخص کو کوئی نہ جگائیگا تو وہ ہلاک ہو جائیگا دوسری قسم ضلالت ہے اسے گمراہی کہا گیا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی منزل مقصود پورب کیطرف ہو اور وہ پچھم کیطرف منہ اٹھائے چلا جائے ایسی حالت میں وہ جتنی مسافت طے کریگا منزل سے دور ہو جائیگا اسکو ضلال یعنے بڑی گمراہی کے نام سے تعبیر کیا ہے تیسری قسم غرور ہے اسے سمجھ کا الٹ ہونا اور فریفتگی کہتے ہیں اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کو جانیوالا ہو اور اسے جنگل میں زر خالص کی ضرورت و حاجت ہو اور جو اسکے پاس ہو وہ اسے بیچکر نقدی کرے لیکن جو زر وہ خریدے وہ کھوٹا اور عیب دار ہو اور وہ اس بات سے واقف نہ ہو اور یہ خیال کرے کہ زادِ راہ حاصل کر رہا ہے اور منزل مقصود تک پہنچ جائیگا لیکن جب جنگل میں پہنچے اور زر نقد کسی کے دکھانے پیش کرے تو کوئی اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور وہ غریب حسرت زدہ اور متاسف ہو جائے ایسے لوگوں کے حق میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ) یعنی روزِ قیامت ان لوگوں کا بہت نقصان ہوگا جنہوں نے رنج و محنت اٹھائے ہوں اور سمجھے ہوں کہ ہم نے بہت اچھے کام کئے ہیں لیکن جب دیکھے تو سب کام خلاف ہوں اس قسم کے آدمی کو چاہیئے تھا کہ پہلے صرافی سیکھتا

پھر زرِ نقد کا طالب ہوتا اور کھرے کھوٹے کو پہچان جاتا۔ اور اگر خود اسے پہچاننا نہ آتا تھا۔ تو کسی دوسرے سے پہچان کرا لیتا۔ اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا تھا۔ تو کوئی کسوٹی بہم پہنچا لیتا۔ صراف۔ پیر اور استاد کی مثل ہوتا ہے۔ تو آدمی کو چاہیئے۔ کہ وہ یا تو خود پیروں کے مرتبہ کو پہنچا ہو یا کسی پیر کی خدمت میں خود رہے اور اپنے اغراض اسکے سامنے پیش کرے اور اگر یہ دونوں امور نہ کر سکے تو کم از کم کسوٹی ہی حاصل کر لے اور کسوٹی اسکی خواہش ہے جس کام کی طرف اسکی خواہش اور طبیعت راغب ہو تو یہ سمجھ لے کہ وہ کام باطل اور نامناسب ہے اور اس میں خطا بھی واقع ہو جاتی ہے لیکن اکثر یہ ہے کہ رائے صواب ہوتی ہے تو شقاوت میں نادانی اصل اول ہے اور اسکی تین اقسام ہیں اور تینوں کی تفاصیل کا جاننا اور انکے علاج سے واقف ہونا ہر ایک کا فرض ہے کیونکہ پہلی اصل راہ پہچاننا اور پھر راہ چلنا ہے اور اگر یہی دونوں اصلیں حاصل ہو جائیں تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا اسی سبب سے حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دعا میں اسی پر اقتصار کیا کرتے۔ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ یعنی اے خدا! مجھ کو حق دکھا اور اسکے اتباع کی توفیق دے اور یہ جو کچھ ذکر کیا جا چکا ہے اس میں راہ نہ چل سکنے کے علاج کا بیان ہے۔

غفلت اور نادانی کا علاج

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ اکثر لوگ جو حق تعالیٰ کی حضوری سے محروم ہیں تو وہ محض غفلت کیوجہ سے ہیں اور سو میں سے ننانوے آدمیوں کی یہی حالت ہے اور غفلت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی آخرت کے خطرہ سے بے فکر رہے اور اگر لوگ اس سے خبردار ہوتے تو گناہ نہ کرتے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے یہ چیز آدمی کی سرشت میں داخل فرمائی ہے کہ جس چیز میں یہ خطرہ دیکھتا ہے اس سے حذر کرتا ہے اگرچہ اس سے حذر کرنے کی صورت میں بہت سی تکلیف ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے اور آخرت کے خطرہ سے آدمی یا نورِ نبوت کی روشنی سے واقف ہو سکتا ہے یا منادِ نبوت سے سن کر اطلاع پا سکتا ہے اور یہ بات علماء سے حاصل ہو سکتی ہے جو انبیاء کے وارث ہیں اور جو شخص سرِ راہ سو رہا ہو اسکا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں کہ کوئی مہربان دوست جو خود بیدار ہو اسکو جگا دے اور یہ بیدار دوست و مہربان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور جو علمائے دین ہیں وہ اُنکے نائب ہیں اور حق تعالیٰ نے سب انبیاء کو اسو اسطے بھیجا ہے جیسا کہ خود اسکا ارشاد مبارک ہے (ترجمہ) یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپکو دنیا میں اس لئے مبعوث کیا ہے کہ آپ خلق کو خواب غفلت سے بیدار کر دیں اور سب لوگوں سے کہدو کہ ایمانداروں اور صالحین کے سوا تمام لوگ دوزخ کے کنارہ پر ہیں"۔ (ترجمہ دیگر) یعنی جو شخص دنیا کی طرف راغب ہوا اور ہوا و ہوس کا مقصد بنا وہ دوزخ میں جا پڑا کیونکہ ایسے شخص کی مثال اس پرانی چٹائی کی سی ہے جو دوزخ کی غار پر بچھی ہوتی ہے جو شخص ایسی چٹائی پر چلیگا وہ بالضرور غار میں گر لیگا اور جس شخص نے اپنی خواہشات کے خلاف عمل کیا وہ جنت میں داخل ہوا

خواہش کی مثال راہِ جنت میں جو گھاٹی ہو اسکی سی ہے جو شخص اس سے گزر جائیگا وہ ہر حالت میں بہشت میں داخل ہوگا اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "دوزخ خواہشات میں گھری ہوئی ہے اور جنت مکروہات میں" تو جو حق تعالیٰ کے بندے جنگلوں میں رہتے ہیں جیسے بدو اور کوہستانی وغیرہ ان لوگوں میں عالم نہیں ہوتے یہ لوگ خواب غفلت میں مبتلا رہتے ہیں انہیں کوئی بیدار نہیں کرتا اور آخرت کے خطرہ سے تو یہ خود ہی بے خبر ہیں اور یہی وجہ ہے جو حق تعالیٰ کی راہ پر نہیں چلتے اور جو لوگ مواضعات میں رہتے ہیں انکی بھی یہی حالت ہوتی ہے کیونکہ ان میں عالم بہت کم ہوتے ہیں اس لئے کہ گاؤں کی مثل ایک قبر کی سی ہے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَهْلُ الْكُفُوْرِ اَهْلُ الْقُبُوْرِ یعنی گاؤں کے رہنے والے قبروں کے رہنے والے ہیں اور اس شہر کی بھی وہی حالت ہوگی جو گاؤں کی ہے اگر شہر کے علماء دنیا میں مشغول ہیں اور دین کے کاموں کی طرف متوجہ نہیں اس قسم کے علماء غفلت میں مبتلا رہیں گے کیونکہ جو خود سوئے ہوئے ہوں وہ بھلا دوسروں کو کیا بیدار کریں گے اور اگر کوئی عالم شہر میں منبر پر ہے اور مجلس وعظ منعقد ہے اور وہ ناصحوں اور بیہودہ لوگوں کی طرح تقریر کرتا ہے یا خرافات باتیں اور لایعنی نکتے بیان کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت کے وعدوں سے لوگوں کو فریب دیتا ہے کیونکہ ایسے لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ چاہے ہم کسی سنت پر ہوں حق تعالیٰ کی رحمت ہمارا ساتھ دیگی تو ایسے لوگوں کا حال غافلوں سے بھی بدتر ہے اور انکی مثل اس شخص کی ہے جو سر راہ سو رہا ہو اور کوئی شخص اسے جگا کر ایسی شراب پلادے کہ اس سے متوالا ہو کر گر پڑے تو یہ کمبخت پہلے تو اس حالت میں تھا کہ ہر ایک کی آواز سنتا تھا اور آسانی سے اٹھ سکتا تھا لیکن اب اس حالت کو پہنچ گیا۔ کہ پچاس لاتیں بھی رسید کرنے پر ٹس سے مس نہ ہو اور جو جاہل ایسی مجالس میں جاتا ہے اسکی یہ صفت ہو جاتی ہے کہ آخرت کا خیال بھی اسکے دل میں نہیں آتا۔ اور اگر تم اسے کہو تو وہ یہ جواب دیگا کہ اے شخص حق تعالیٰ رحیم و کریم ہے میرے گناہ سے اسکا کیا نقصان ہوگا اور اسکی جنت ایسی وسیع ہے کہ میرے جیسے گنہگاروں کیوجہ سے تنگ نہ ہو جائیگی اور اس قسم کے بہت سے خام خیالات اسکے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ جاہل ہوتے ہیں اور اس قسم کے خیالات پیدا کرنیوالے واعظ و عالم لوگوں کے دین کو کھونے کی فکریں کرتے ہیں ایسے واعظوں کی مثال اس طبیب کی سی ہے جو اس بیمار کو جو حرارت کیوجہ سے موت سے ہم آغوش ہونا چاہتا ہے شہد پلادے یہ خیال کرکے کہ شہد میں شفا ہے یہ سچ ہے کہ شہد میں شفا ہے لیکن اس شخص کے لئے جس کی بیماری سردی کیوجہ سے ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کی آئتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جو حق تعالیٰ کی رحمت اور امید کے بارہ میں ہیں وہ شفا تو ہیں لیکن صرف دو بیماروں کے حق میں ایک تو اس مریضِ عصیان کیلئے کہ جس نے اسقدر گناہ کئے ہوں کہ رحمت سے بھی مایوس ہو گیا ہو اور ناامیدی کیوجہ سے تائب نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ حق تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کریگا تو یہ آیت اور احادیث اسکے حق میں شفا کا حکم رکھتی ہیں (ترجمہ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندوں کو مطلع کردو کہ تم ناامیدی کو اپنے دل میں جگہ نہ دو حق تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے

بشرطیکہ تم تائب ہوجاؤ اس کی طرف رجوع کرو اور حق تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو۔ دوسرا بیمار وہ ہے جس پر حق تعالیٰ کا خوف غالب ہوجائے اور عبادت سے آسودہ ہی نہ ہو اور اس بات کا ڈر ہو کہ وہ ریاضت کرتے کرتے ہی اپنے آپکو ہلاک کر ڈالیگا کیونکہ ایسے شخص نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی رحمت کی آیتیں اس کے زخمی دل کیلئے مرہم ہیں اور اگر ان احادیث اور آیات کو نڈر لوگوں کے سامنے پڑھے گا۔ تو گویا زخم پر نمک پاشی کی یعنی اس کی بیماری زیادہ ہوجائے گی۔ اور جسطرح وہ طبیب جو شہد سے حرارت کا علاج کرکے ناحق خون سے ہاتھ بھرتا ہے اسی طرح یہ عالم ہے یعنی لوگوں کے دین کے تباہ کرنے کی فکر میں ہے اور دجال کا ساتھی ہے اور ابلیس کا نہایت مہربان دوست ہے جس شہر میں اس قسم کا عالم ہو وہاں شیطان کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ خود اسکا مستقل نائب ہے اور اگر عالم بے عمل ہے تو اسکے وعظ سے بھی لوگوں کی غفلت دور نہ ہوگی کیونکہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے لوزینہ کا طبق سامنے رکھا ہوا ہو اور بڑے مزے سے پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ اے لوگو! اس کے نزدیک تک نہ آنا۔ اس میں زہر ملا ہوا ہے تو یہ بات سن کر لوگ لوزینہ کھانے پر زیادہ حریص ہونگے اور اپنے جی میں خیال کریں گے کہ شاید یہ شخص اسلئے منع کرتا ہے کہ سب خود ہی کھا جائے اور کوئی شخص اسکے نزدیک تک نہ جائے لیکن اگر اسکے اقوال و افعال موافق شرع ہیں اور وہ قولاً و فعلاً اسلاف کے قدم بہ قدم ہے تو وہ لوگ جو غافل ہیں اسکے وعظ سے بیدار ہوجائیں گے بشرطیکہ اسے لوگوں میں مقبولیت حاصل ہو اور اگر اسے مقبولیت حاصل نہیں تو بعض لوگ اسکی بات سُنیں گے اور بعض نہ سنیں گے تو واعظ کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے گھر پر جائے اور انہیں حق تعالیٰ کیطرف دعوت دے پس اس تمام تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ ہزار میں سے نوسو ننانوے آدمیوں پر غفلت کا حجاب ہے اور یہ ایسی بیماری ہے جسکا علاج بیمار کے اختیار میں نہیں کیونکہ جب غافل اپنی غفلت سے خبردار ہی نہ ہوگا تو علاج کیسے تلاش کرسکیگا تو غفلت کا علاج علماء ہی کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ معلم یا ماں باپ لڑکے کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں اسی طرح واعظ جوان اور بوڑھوں کو اپنے وعظ سے بیدار کرتا ہے چونکہ جہان میں اس قسم کے واعظ کمیاب ہیں اسلئے غفلت کا مرض زیادہ ہوگیا ہے اور اگر آخرت کے متعلق کچھ کہتے بھی ہیں تو ان کا دل اسکے خوف و خطر سے خالی ہوتا ہے اور ایسی حالت میں کچھ کہنا بالکل بیفائدہ ہوتا ہے۔

ضلالت گمراہی اور اس کا علاج

ضلالت۔ گمراہی اور اس کا علاج

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ بعض لوگ آخرت سے غافل تو نہیں لیکن اعتقادات باطلہ کیوجہ سے راہ راست سے دور ہوگئے ہیں اور یہی گمراہی انکے لئے حجاب بن گئی ہے ہم اسکے متعلق پانچ مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح پتہ چل جائے پہلی مثال یہ ہے کہ بعض لوگوں نے آخرت کا انکار کرکے یہ خیال کر لیا ہے کہ آدمی مرنیکے بعد بالکل نیست و

نابود ہو جاتا ہے جیسے بتی خشک ہو جاتی ہے اور چراغ گل ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے جو اس قسم کے لوگ تقویٰ کو چھوڑ کر عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے جو نصیحت فرمائی ہے وہ محض خلق کی اصلاح دنیوی کیواسطے یا اپنی جاہ اور مقلدین پیدا کرنے کیلئے ہے اور اکثر اس قسم کے لوگ دوزخ کو ایسا خیال کرتے ہیں جیسے کسی لڑکے سے کہا جائے کہ اگر تو سکول نہ جائیگا تو تجھے چوہوں کے بل میں ڈالدیں گے اگر اس اعتقاد والے لوگ اس مثال پر غور کریں تو انہیں صاف ثابت ہو جائیگا کہ مدرسہ نہ جانے کی حالت میں جو نتائج اسکی آئندہ زندگی میں پیدا ہوں گے وہ چوہوں کے بل میں جانے سے نہایت بُرے اور خوفناک ہیں جیسے کہ اہل بصیرت جان چکے ہیں کہ حقتعالیٰ کے دیدار سے محجوب رہنا دوزخ کی سزا سے بدتر ہے اور اسی قسم کی گفتگو اور اعتقاد نتیجہ ہے شہوت پرستی کا اور انکار طبیعت کے موافق ہے اور آخر زمانہ میں اسی قسم کا انکار بہت سے لوگوں کے دلوں پر غالب ہو جائے گا اگرچہ یہ لوگ زبان سے نہ کہیں مگر انکے افعال اور حالات اس انکار پر شاہد و دلیل ہیں اور انکی عقل کا یہ حال ہے کہ دنیا میں جو رنج پیش آنیوالا ہے اس کیلئے ابھی سے متفکر ہیں اگر آخرت و عاقبت کا اعتقاد رکھتے ہوتے تو اسے آسان تصور نہ کرتے بس اسکا علاج یہ ہے کہ اس قسم کے منکرین کو آخرت کی حقیقت معلوم ہو جائے اور یہ تین طریق سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ ہے کہ بہشت دوزخ اور پرہیزگاروں کی حالت انہیں مشاہدے سے معلوم ہو جائے اور یہ نظر صرف انبیاء و اولیاء کیلئے مخصوص ہے کیونکہ اگرچہ یہ لوگ اس دنیا میں ہوتے ہیں لیکن فنا و خود فراموشی کے عالم میں اس جہان کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کیونکہ حواس انسانی اور شہوت نفسانی کی تکمیل اس راہ میں حجاب اکبر ہیں کتاب ہذا کے عنوان میں اس مضمون کے متعلق اشارات کئے جا چکے ہیں اور اس قسم کا مشاہدہ نہایت نادر ہے اور جو شخص آخرت ہی پر ایمان نہ لائے بھلا وہ کسطرح اس پر ایمان لا سکتا ہے اور اسکی طلب کہاں سے حاصل کر سکتا ہے اگر طلب کرے بھی تو اس مرتبہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے دوسرا طریق یہ ہے کہ آدمی ان امور سے دلیل و برہان کے ذریعہ واقف ہو جائے کہ آدمی کی روح اور حقیقت کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ ایک ایسا جوہر ہے جو بالذات قایم ہے اور قالب سے مستغنی اور بے پروا ہے اور یہ قالب تو محض اسکی سواری اور آلہ ہے قوام نہیں قالب کے فنا ہونے سے روح اور حقیقت فنا نہیں ہو سکتی۔ اور اس سے آگاہی حاصل کرنیکا ایک طریقہ ہے لیکن وہ بھی نہایت نادر اور مشکل ہے اور جو علماء علم میں راسخ ہیں یہ طریقہ ان کی راہ ہے جسکا ذکر عنوان کتاب میں کیا جا چکا ہے تیسرا طریق جو عام لوگوں کا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء اور علمائے راسخ سے اس معرفت کا نور ان لوگوں تک پہنچ جائے جو انکی زیارت سے مستفیض ہوتے ہیں اور انکی صحبت سے سعادت حاصل کرتے ہیں اسے ایمان کہا گیا ہے اور جو شخص پیر کامل اور صالح عالم کی صحبت اور مدد سے محروم رہتا ہے وہ شقی ہے پیر اور عالم جسقدر بزرگ ہوتا ہے اسیقدر اسکے نور کی برکت سے آدمی کا ایمان قوی اور مضبوط ہوتا ہے اور یہی سبب تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور صحبت کی برکت سے قوی الایمان تھے

اور خوش بخت اور خوش نصیب تھے اور پھر صحابہؓ کی مجلس کی برکت سے تابعین نے فیض حاصل کیا اور بہتر ہوئے اور یہی وجہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”میرے زمانہ کے لوگ بہتر ہیں اور پھر انکے بعد وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں“ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسکہ کوئی لڑکا اپنے ماں باپ کو دیکھے کہ جس جگہ سانپ ہوتا ہے وہ وہاں سے بھاگ جاتا ہے بلکہ سانپ کیوجہ سے اپنا گھر بار تک چھوڑ دیتا ہے اگر لڑکے نے اس بات پر غور کیا ہو تو یقیناً وہ اس بات پر ایمان لے آئیگا کہ سانپ واقعی ایک ضرر رساں جانور ہے اور اس سے ہر حالت میں بھاگنا ہی بہتر ہے اور پھر یہ لڑکا جس جگہ بھی سانپ کو دیکھیگا۔ وہاں سے بھاگ جائیگا اور یہ ممکن ہے کہ اس نے فقط سانپ کا نام ہی سن رکھا ہو اور اسکے زہر کی حقیقت سے ناواقف ہو لیکن اس سے کمال درجہ کا خوف اسکے دل میں پیدا ہو جائیگا اور انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ ایسا ہوتا ہے جیسے لوگ کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ سانپ کے کاٹنے سے مر گیا اور پھر اور کسی کو کاٹا وہ بھی مر گیا اور اس مشاہدہ سے سانپ کا ضرر معلوم کریں اور یہ یقین کی انتہا ہے اور علمائے راسخین کی مثال ایسی ہے کہ کسی آدمی کا سانپ کے زہر سے مرجانا آنکھ سے تو نہ دیکھا ہو لیکن سانپ اور آدمی کا مزاج دیکھ کر انکی ضد کو پہچان لیا ہے تو اسطرح سے بھی یقین پیدا ہو جاتا لیکن ایسا پختہ نہیں ہوتا جیساکہ مشاہدہ سے علمائے راسخین کے سوا تمام مخلوق کا ایمان علماء و بزرگان دین کی صحبت کے اثر سے پیدا ہوتا ہے اور یہ علاج بیمار کے نہایت ہی قریب ہے دوسری مثال یہ ہے کہ بعض لوگ آخرت کے کلی طور پر منکر تو نہیں اور یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ آخرت کا وجود ہی نہیں مگر اس معاملہ میں حیران ضرور رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آخرت کی حقیقت کا انکشاف نہیں ہو سکتا پس شیطان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک دلیل پیش کر دیتا ہے حتٰی کہ یہ کہنے لگ جاتا ہے کہ دنیا تو یقینی ہے اور آخرت مشتبہ ہے اور یقینی کو مشتبہ سے کے عوض نہ کھونا چاہیئے ایسے لوگوں کا یہ کہنا باطل ہے کیونکہ ایماندار کے نزدیک آخرت یقینی ہے ایسے متحیر کا علاج یہ ہے کہ اگر لوگ یہ کہنے لگیں کہ دوا کی تلخی میں تو شک نہیں لیکن شفا مشکوک ہے اور دریا کے سفر کا خطرہ تو ایک امر واقعی ہے اور تجارت کا نفع مشکوک ہے اگر پیاس کی حالت میں کوئی شخص تجھ سے یہ بات کہتا ہے کہ یہ پانی مت پیو کیونکہ اس میں سانپ نے سر ڈالا تھا۔ تو پانی پینے کی لذت تو ایک امر یقینی ہے اور سانپ کا زہر ایک موہوم شے ہے بھلا پھر ایسی حالت میں وہ پانی پینے والا پانی کو کیوں ہاتھ سے رکھ دیتا ہے اگر تو یہ کہے کہ اس یقین کے جاتے رہنے سے چنداں نقصان نہیں اور اگر زہر کی بات سچ ہے تو اسکا نتیجہ موت ہے پیاس کی تکلیف کو برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن ہلاکت پر صبر نہیں کیا جاسکتا تو ہم کہتے ہیں کہ دنیا کی لذت بھی سو برس سے زیادہ نہیں جب گزر گئی تو ایک خواب تھی یا خیال تھا اور آخرت دائمی ہے دائمی تکلیف برداشت نہیں کی جاسکتی۔ اگر یہ بات جھوٹ ہے تو تو یہ خیال کر لے کہ میں دنیا میں موجود ہی نہ تھا جیساکہ ازل میں نہ تھا اور ابد میں نہ ہونگا اور اگر سچ ہے تو ہمیشہ کے عذاب سے نجات ملی اور یہی وجہ تھی جو جناب علی کرم اللہ وجہہ نے ایک ملحد سے کہا کہ جیسا

کہ تو کہتا ہے اگر ایسا ہی ہے۔ تو سبھوں کو نجات حاصل ہوگئی اور اگر نہیں تو ہم بچ گئے اور تو عذاب میں مبتلا ہوا تیسری مثال یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو آخرت پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت قرض اور نقدی قرض سے بہتر ہے لیکن اتنا نہیں سمجھتے کہ نقدی اس حالت میں بہتر ہے جبکہ قرض کے برابر ہو اور اگر قرض ہزار ہو اور نقد ایک ہو تو ایسی حالت میں قرض نقد سے بہتر ہے چنانچہ تمام مخلوقات کے معاملات کی بنا اسی بات پر ہے اور یہ بھی گمراہی اور ضلالت ہے چوتھی مثال کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ آخرت کا ایمان تو رکھتے ہیں لیکن چونکہ اس جہاں میں انہیں تمام نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہوتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ آخرت میں بھی ہمیں ہر ایک قسم کا آرام نصیب ہوگا اور جسطرح ہم یہاں ناز و نعمت میں ہیں آخرت میں بھی اسی طرح رہیں گے کیونکہ حق تعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں اس لیے عطا کی ہے کہ وہ ہمیں دوست رکھتا ہے اور کل قیامت کے روز بھی وہ ایسا ہی کریگا جیسے وہ بھائی جن کی حکایت سورۂ کہف میں ہے کہ اس ایک مالدار نے کہا وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا دوسرے نے کہا۔ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى اسکا علاج یہ ہے کہ یہ خیال کرے کہ جو شخص فرزند کو عزیز رکھتا ہے اور غلام کو ذلیل خیال کرتا ہے وہ فرزند کو تمام دن مدرسہ میں علم کے کوڑے کے نیچے رہنے دیتا ہے اور غلام کو اسکی حالت پر چھوڑ دیتا ہے وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور عیش و آرام سے زندگی بسر کرتا ہے کیونکہ اسے اسکی بدبختی کی کچھ پروا نہیں ہوتی اور اگر غلام اس بات کو اپنی دوستی پر محمول کرے اور یہ خیال کرے کہ مجھے اپنے فرزند سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے تو یہ بات اس غلام کی حماقت میں داخل ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ اپنے دوستوں کیواسطے دنیا عنایت کرنے سے دریغ رکھتا ہے اور اپنے دشمنوں کو دنیا بکثرت عنایت فرمایا ہے اور اسکی آسائش اور راحت کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کاہلی اور سستی کیوجہ سے کھیت نہ بوئے تو یقیناً ایسا شخص کچھ کاٹیگا بھی نہیں پانچویں مثال کچھ لوگ اس قسم کے ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا رحیم و کریم ہے وہ ہر شخص کو بہشت عنایت کریگا اور یہ بیوقوف یہ نہیں جانتا کہ اس سے زیادہ وہ اور کیا رحم کریگا کہ وہ تجھے اس کے اسباب مرحمت فرماتا ہے کہ تو ایک دانہ زمین میں بوئے اور اس کے بدلہ میں سات سو دانہ حاصل کرے اور تھوڑی سی عبادت کے عوض ابدی سلطنت کا مالک بنے اگر کرم اور رحم کا یہی مطلب ہے کہ تو بلا بوئے کاٹ لے تو زراعت اور تجارت اور طلب معاش کیوں کرتا ہے صبر سے کام لے اور کوئی کام نہ کر۔ کیونکہ خدا کریم اور قادر ہے جو کہ بلا جوتنے اور بونے کے گھاس پیدا کر دیتا ہے رزق کے معاملہ میں خود اسکا ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا باوجود ان تمام امور کے جب تجھے اسکے رحم اور کرم پر ایمان ہی نہیں اور آخرت کے باب میں وہ خود فرماتا ہے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى اور اگر باوجود اس کے اسکا یہی اعتقاد ہے تو یہ نہایت گمراہی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ احمق وہ شخص ہے جو نفس کی پیروی کرتا ہے اور حق تعالیٰ سے امید نیک رکھتا ہے" اور جسطرح کوئی شخص بلا نکاح کرنے اور جماع کرنے

یا جماع کر کے انزال سے بچتے ہوئے فرزند کی امید رکھتا ہے تو باوجود اسکے کہ خداوند کریم بلا صحبت اور نطفہ کے فرزند پیدا کرنے پر قادر ہے مگر اس قسم کی امید رکھنے والا سراسر احمق ہے اور جو شخص جماع کر کے امیدوار رہے کہ خدا تعالیٰ آفات سے محفوظ رکھے اور فرزند پیدا ہو تو وہ شخص عقلمند ہے علیٰ ہذا القیاس وہ شخص جو ایمان نہ لائے یا ایمان تو لائے مگر نیک عمل نہ کرے اور نجات کا امیدوار ہو۔ احمق ہے اور جو شخص ایمان بھی لائے اور اعمال بھی اچھے کرے اور حقتعالیٰ کے فضل کا امیدوار رہے کہ وہ موت کی آفتوں سے بچائے تاکہ ایمان سلامت رہے تو ایسا شخص عاقل ہے اور وہ مغرور لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس جہان میں اچھے حال پر رکھا ہے وہ اُس جہان میں بھی اچھے حال پر رکھیگا۔ کیونکہ وہ رحیم وکریم ہے تو ایسے لوگ خدا پر غرہ کرتے ہیں اور جو لوگ دنیا کو نقد اور یقینی خیال کرتے ہیں اور آخرت کو قرض اور مشکوک تصور کرتے ہیں وہ دنیا پر بھولے ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان دونوں باتوں سے حذر کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے" اے لوگو! میں نے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے۔ کیونکہ جس شخص کے اعمال نیک ہوں گے وہ نیک اجر حاصل کریگا اور جو بُرے کام کریگا اسے بُری سزا ملے گی اس وعدہ کو غور سے سُن لو اور دنیا پہ نہ بھولو اور اللہ حق تعالیٰ پر غرہ نہ کرو۔

پندار اور اس کا علاج

اے عزیز! تجھے معلوم ہو کہ وہ لوگ جو پندار میں ہیں وہ دھوکا کھائے ہوئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نسبت اور اپنے اعمال کی نسبت نیک گمان رکھتے ہیں اور ان کی آفات سے غافل ہیں اور کھوٹے کھرے میں اس لئے تمیز نہیں کر سکتے کہ انہوں نے صرافی کے علم کی تکمیل نہیں کی فقط ظاہری رنگ وصورت پر دھوکا کھائے ہوئے ہیں اور جو لوگ علم وعمل میں مشغول ہیں اور ضلالت وغفلت کے حجاب سے باہر نکل آئے ہوئے ہیں ان میں سے فیصدی ننانوے دھوکا میں ہیں اور یہی وجہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیگا کہ اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کو علیحدہ کر دو۔ وہ عرض کرینگے بار خدایا! کتنوں میں سے کتنوں کو علیحدہ کروں حق تعالیٰ ارشاد فرمائیگا کہ ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخی علیحدہ کر دو اگرچہ یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ کیلئے نہ رہیں گے لیکن یہ دوزخ میں ضرور جائینگے کیونکہ ان میں سے بعض اہل غفلت ہونگے بعض اہل ضلالت بعض اہل غرور بعض اہل عجز کہ اپنی خواہشات میں مبتلا رہے ہونگے اگرچہ اپنے آپکو مقصر خیال کرتے ہوں اور اہل پندار تو اس کثرت سے ہیں کہ انکی گنتی شمار میں نہیں آسکتی مگر تاہم چار طبقوں سے باہر نہیں علماء عباد۔ صوفی۔ مالدار۔ اہل پندار میں سے پہلا طبقہ علماء کا ہے اور بعض ان میں سے اپنی تمام عمر حصول علم میں صرف کرتے ہیں تاکہ بہت سا علم حاصل کریں لیکن عمل اور معاملہ میں قاصر رہتے ہیں اور ہاتھ۔ آنکھ۔ زبان۔ فرج کو گناہ سے نہیں بچاتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم علم میں اس مرتبہ پر

پہنچ گئے ہیں کہ ہمیں بالکل عذاب نہ ہوگا اور معاملہ میں باخوذ ہی نہ ہونگے اور تمام خلق کی نجات ہماری شفاعت ہی سے ہوگی اس قسم کے علماء کی مثال اس بیمار کی سی ہے جو اپنی بیماری کا علم پڑھے اور رات بھر بحث و تکرار کرے اچھا نسخہ لکھے۔ دوا اور بیماری سے اچھی طرح واقف ہوجائے اور دوا استعمال نہ کرے اور اسکی تلخی کو برداشت نہ کرسکے تو ایسے شخص کو دوا کی خاصیت کو بار بار پڑھنا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ حقتعالیٰ کا ارشاد ہے "نجات وہی حاصل کریگا جو پاک اور صاف ہو" نہ وہ جو صرف پاکی اور صفائی کا علم سیکھ لے اور فرمایا بہشت میں وہی جائیگا۔ جو اپنی خواہشات نفسانی کے خلاف عمل کریگا وہ شخص نہ جائیگا۔ جو صرف یہی جانتا ہے کہ خواہش کے خلاف کرنا چاہیئے اگر ایسے شخص کو پندار محض کج فہمی اور ان احادیث سے پیدا ہوئی ہے جو علم کی فضیلت میں وارد ہیں تو ان احادیث اور آیات پر کیوں غور نہیں کرتا جو علمائے بے عمل کے حق میں وارد ہوئی ہیں کیونکہ حقتعالیٰ نے اس قسم کے عالم کی مثال اس گدھے سے دی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوئی ہوں اور اس قسم کا عالم پتھر کی مثل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عالم بے عمل کو دوزخ میں اسطرح ڈالیں گے کہ اسکی گردن اور پیٹھ ٹوٹ جائیگی اور آگ سے ایسا گھمائے گی کہ جیسے گدھا چکی کو گھماتا ہے تمام دوزخی اسکے گرد جمع ہونگے اور اس سے پوچھیں گے کہ اے شخص تو کون ہے اور یہ کیا عذاب ہے وہ کہیگا کہ میں وہ ہوں جو دوسروں کو کہتا تھا اور خود عمل نہ کرتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عالم بے عمل سے بڑھ کر اور کسی کو عذاب نہ دیا جائیگا اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جاہل شخص پر ایک ہی بار افسوس ہے اور عالم بے عمل پر سات بار افسوس ہے یعنی علم اسپر دلیل اور حجت سمجھا جائیگا۔ اور اس سے کہا جائیگا۔ کہ تو نے دیدہ دانستہ گناہ کیا اور بعض علماء علم و عمل دونوں میں قصور نہیں کرتے۔ لیکن تمام ظاہری عمل کئے اور دل کی طہارت سے غافل رہا اور اپنے باطن کو برے اخلاق سے نہ بچایا جیسے تکبر، حسد، ریا، طلب جاہ لوگوں کی بدخواہی انکی مصیبت پر خوش ہونا راحت پر غمگین ہونا اور ان احادیث کا مطالعہ نہ کیا جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ذراسی ریا بھی شرک ہے اور جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا اور ایمان حسد سے ایسا تباہ ہوتا ہے جیسے لکڑی آگ سے اور اسبات پر غور نہیں کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ صورت کو نہیں دیکھتا۔ وہ تمہارے دلوں پر نظر کرتا ہے برے اخلاق برے کاموں کی جڑ ہوتے ہیں انہیں اکھاڑنا اور دور کرنا چاہیئے۔ بلکہ جس شخص کا ظاہر آراستہ ہو اور باطن پلید و گندہ جیسے سنڈاس جو باہر سے تو گچ کیا ہوتا ہے اور اندر سے بالکل گندہ ہے یا جیسے قبر کا ظاہر آراستہ ہے اور اسکے اندر مردار مردہ ہے یا جیسے کوئی اندھیرا مکان کہ جس کی دیوار کے پیچھے چراغاں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم بے عمل کی مثال چھلنی سے دی ہے کہ اس میں سے آٹا تو گر پڑتا ہے اور بھوسہ رہ جاتا ہے تم ہی علم اور حکمت کی باتیں کہہ ڈالتے ہو لیکن جو بری بات ہے وہ تم میں

رہ جاتی ہے۔ اور بعض علماء ان برُے اخلاق سے واقف ہو جاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان سے حذر کرنا چاہیئے اور دل کی پاکی ضروری ہے مگر ساتھ ہی خیال کرتے ہیں کہ ہمارا دل ان اخلاق سے پاک ہے اور اس قسم کے لوگ ان لوگوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں جن سے یہ برُے فعال سرزد ہوتے ہیں کیونکہ بہ نسبت دوسروں کے سب سے زیادہ اس برُائی سے واقف ہوتے ہیں لیکن ان میں جب تکبر کا اثر پیدا ہوتا ہے تو شیطان ان سے کہدیتا ہے کہ یہ تکبر نہیں دین کی عزت اور عظمت اسی میں ہے اگر تیری ہی عزت نہ ہوگی تو اسلام کیسے عزت حاصل کریگا اس قسم کا شخص اگر اچھا لباس زیب تن کرتا ہے اور گھوڑا اور ساز و سامان و تجمل رکھتا ہے تو شیطان ان سے کہتا ہے کہ یہ رعونت اور سرکشی نہیں بلکہ اس سے تو دشمنانِ دین کی شکست اور خفت مدنظر ہے کیونکہ صاحبانِ بدعت علماء کے باشان و شوکت ہونے سے مقہور و مغلوب ہوتے ہیں اور اس قسم کے علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کی سیرت کو غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ ان حضرات علیہم السلام کے افعال و اطوار معاذ اللہ اسلام کی ذلت اور خواری کا باعث تھے اب ہماری شان و شوکت سے اسلام کی رفعت و عزت ہوگی۔ اگر ان میں حسد پیدا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ دین کی سختی ہے اگر ریا پیدا ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خلق کے ساتھ نیکی ہے کہ وہ ہماری عبادت کو دیکھیں اور ہماری تقلید کریں اور جب بادشاہوں کے دربار میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ظالم کے ساتھ فروتنی نہیں جو۔۔۔۔ حرام ہے بلکہ۔۔۔۔۔۔ یہ تو دربارداری ہے اس سے مسلمانوں کی سفارش کا موقع پیدا ہوتا ہے اور جب حرام کا مال حاصل کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ مال لاوارث ہے ہم اسے حاصل کرکے دین کے کاموں میں صرف کرینگے اس قسم کے علماء اگر اپنے دل میں انصاف کریں اور حساب لگائیں تو جان جائیں کہ دین کے لئے اس سے بہتر اور کوئی امر نہیں کہ دنیا کے لوگوں سے منہ پھیرلیں اور جو لوگ انکی وجہ سے دنیا کی رغبت کرتے ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں۔ جو ان کی وجہ سے دنیا سے اعراض کرتے ہیں تو اسلام کے لئے یہ بہتر ہے کہ اس قسم کے علماء ہو جائیں۔ ایسے بد باطن علماء کی ضرورت اسلام کے لئے نہیں اس قسم کے غلط خیالات اور پندار بہت سے ہیں جن کا ذکر ہم نے پہلی فصلوں میں کردیا ہے مکرر ذکر کرنا فضول ہے اور بعض علماء نے تو نفس علم کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور جو علم بہت ضروری ہیں جیسے تفسیر۔ حدیث فقہ۔ تصوف علمِ اخلاق اور طریق ریاضت اور جو کچھ اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ اور علم راہ آخرت اور راہِ دین کی آفات اور دل کے مراقبہ کا طریقہ کیونکہ یہ سب فرض عین ہے انہیں حاصل نہ کیا اور جانتے بھی نہیں کہ یہ بھی منجملہ علوم کے ہیں اور ایسے علوم میں اپنی عمر کو ضایع کرتے ہیں جو جدل و مناظرہ یا تعصب مذہبی یا فتاوی خصومات خلق وغیرہ کے متعلق ہوں یا جو فضائحت اخلاص اور پرہیزگاری کی طرف دعوت نہ دیں اور ریا و غفلت میں مبتلا کریں۔ اور اس قسم کے لوگ اس شخص کو علم سے معذور سمجھتے ہیں۔ جو علوم باطنی

کی تحصیل میں مشغول ہوتے ہیں ان پندار کی تفصیل دراز ہے کتاب احیاء العلوم کے باب الغرور میں مفصل بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ کتاب زیادہ شرح کی متحمل نہیں ہو سکتی اور بعض علماء علم وعظ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کی تمام باتیں محض سجع اور نکات اور واہیات مضامین ہوتے ہیں اور اس قسم کی عبارات تلاش کر لیتے ہیں کہ جنکو سن کر لوگ نعرہ زنی کریں اور تعریف کریں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اصل نصیحت یہ ہے کہ دل میں ایسی آتش مصیبت پیدا ہو جائے جس سے وہ کار آخرت کے خطرات کو ملاحظہ کرے اور پھر اس مصیبت کی نوحہ گری میں مشغول ہو اور وعظ و نصیحت اس مصیبت کا نوحہ ہے اور جو نوحہ آتش مصیبت سے خالی ہوگا اور وہ ایسا ہوگا۔ جیسے کہ کوئی شے مستعار ہوتی ہے اور اس سے کسی کے دل میں کچھ اثر پیدا نہ ہوگا ایسے لوگوں میں بھی بہت سے لوگ مغرور ہوتے ہیں اور اس کی تفصیل نہایت طویل ہوتی ہے اور بعض بعض علماء فقہ ظاہری میں اپنا وقت صرف کر دیتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ فقہ کی تعریف اس سے زیادہ نہیں کہ وہ ایک قانون ہے جس سے بادشاہ خلق پر سیاست کرے اور جو آخرت کی راہ سے تعلق رکھتی ہے اسکا علم ہی اور ہے۔ فقیہ اس بات کو جانتا ہے کہ جو بات ظاہری فقہ میں درست ہے وہ آخرت میں مفید ہوگی۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص زکوٰۃ کا مال اخیر سال میں اپنی جورو کے ہاتھ فروخت کر کے اسکا مال خرید لے تو ظاہر فتویٰ یہی ہے کہ زکوٰۃ اسکے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی یعنی جو شخص بادشاہ کیطرف سے زکوٰۃ حاصل کرتا ہے اسے یہ اختیار نہیں کہ ایسے شخص سے زکوٰۃ طلب کرے کیونکہ اس کی نگاہ تو ظاہری مال پر ہوتی ہے اور یہ امر سال کے اختتام سے پہلے منقطع ہو گیا اور شائد فقیہ بھی اس کے انقطاع پر فتوے دیدے اور اس بات کو خیال میں بھی نہ لائے کہ جو شخص زکوٰۃ کے ساقط ہو جانے کیلئے ایسا کرتا ہے وہ حق تعالیٰ کے عذاب و غصہ میں گرفتار ہوگا اسی طرح حق تعالیٰ اس شخص پر خفا ہوگا جو بالکل زکوٰۃ نہ دے کیونکہ بخل ایک مہلک شے ہے اور زکوٰۃ دینے سے بخل کی پلیدی سے طہارت ہو جاتی ہے اور وہ بخل نہایت مہلک ہے جسکی اطاعت کی جائے اور اس قسم کا حیلہ کرنا بخل کی اطاعت کرنا ہے۔ اور پھر جب حیلہ کے سبب سے بخل کی اطاعت کی گئی تو ہلاکت پوری ہو چکی پھر بھلا اس قسم کا حیلہ باز نجات کیسے حاصل کریگا علی ہذہ القیاس جو شخص اپنی جورو کے ساتھ بدخوئی کرے اور اُسے دکھ دے حتیٰ کہ وہ خلع کر کے مہر واپس دے تو ظاہر فتویٰ کے مطابق یہ درست ہے کیونکہ دنیوی قاضی کو صرف زبان سے کام ہے دل کے راز سے وہ ناواقف محض ہے لیکن ایسا شخص آخرت میں پکڑا جائیگا کیونکہ ایسا خلع اکراہ میں داخل ہے اسی طرح اگر کوئی کسی شخص سے برملا طور پر کوئی شے طلب کرے اور وہ آدمی شرم کیوجہ سے دیدے تو ظاہری فتویٰ کی روسے یہ مباح ہے لیکن حقیقت میں یہ مصادرہ ہے یعنی زبردستی لینا ہے۔ اس لئے کہ ظاہرا طور پر لاٹھی مار کر لینا اور شرم کا کوڑا مار کر لینا برابر ہے اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں اور جو شخص ظاہری فقہ کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ اس

پندار میں مبتلا رہتا ہے اور بعض ایسے مغرور ہیں جو فضائل کے سبب سے فرائض سے دور رہتے ہیں جلیسکہ وہ شخص جسے طہارت میں شک رہتا ہے نماز بے وقت پڑھتا ہے اور ماں باپ رفیق کو کاہل کہتا ہے اور پانی کی نجاست کا گمان بعید اس کے نزدیک قریب کا درجہ رکھتا ہے اور جب کھانے پر بیٹھتا ہے تو تمام اشیاء کو حلال سمجھتا ہے اور شائد حرام محض سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔ اور بلا کفش زمین پر پاؤں نہیں رکھتا اور حرام محض کھا جاتا ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کو فراموش کر چکا ہے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے ستر حلال چھوڑ دئے اور باوجود اس احتیاط کے ایک ترسا عورت کے برتن سے طہارت فرمائی۔ پس جھوٹے عابد و زاہد جو ہوتے ہیں وہ بجائے اسکے کہ لقمہ میں احتیاط کریں طہارت میں احتیاط عمل میں لاتے ہیں اور جو شخص دھوبی کا دھویا ہوا کپڑا پہن لیتا ہے تو اسکے حق میں کہتے ہیں کہ اس نے بڑا ہی گناہ کیا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار جو کپڑے ہدیہ بھیجتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہن لیا کرتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کپڑا مال غنیمت میں حاصل کرتے بلا تکلف زیب تن فرما لیا کرتے تھے۔ کسی نے بھی اس بات کو روایت نہیں کیا کہ دھو کر پہنا کرتے تھے۔ بلکہ کافروں کے ہتھیار زیب کمر فرما کر نماز ادا کر لیا کرتے اور کوئی بھی یہ نہ کہتا۔ کہ جو آب ہتھیاروں کے لوہے کو دی ہوتی ہے یا جو لاکھ قبضہ وغیرہ میں بھری ہوئی ہوتی ہے یا چمڑا جو اس پر بندھا ہوا ہوتا ہے ناپاک ہے پس جو شخص پیٹ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں وغیرہ کے بارہ میں محتاط نہ ہو۔ اور احتیاط طہارت میں مبالغہ سے کام لے وہ شیطان کا مسخرہ ہے اور اگر آدمی تمام احتیاطیں بجا لائے۔ اور پانی صرف کرنے میں اسراف سے کام لے یا نماز اول وقت پر ادا نہ کرے تو بھی مغرور رہے اور اس احتیاط کی شرط ہم نے طہارت کے بیان میں ذکر کر دی ہے اور بعض عابد اس قسم کے ہیں جن پر نماز کی نیت میں وساوس غالب ہوتے ہیں حتیٰ کہ نیت کرتے وقت آواز نکالتے ہیں ہاتھ جھٹکتے ہیں اسوجہ سے شائد پہلی رکعت فوت ہو جاتی ہو۔ اسقدر نہیں سمجھتے کہ جیسے فرض ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کی نیت ہے ویسی ہی نماز کی بھی نیت ہے اور ان لوگوں میں سے نیت میں وسواس کے سبب سے نہ کوئی دوبارہ فرض ادا کرتا ہے اور نہ زکوٰۃ دیتا ہے اور بعض سورۂ فاتحہ کے حروف ادا کرنے میں وساوس کا شکار ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ حروف کو مخارج سے نکالتے ہیں اور حالت نماز میں انکا دل اسی طرف مشغول رہتا ہے کہ حروف مخرج سے نکلیں نمازی کو چاہئے کہ دل کو قرآن شریف کے معانی میں لگائے تاکہ الحمد کہتے وقت ہمہ تن بشکر ہو جائے اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۔ کہتے وقت بالکل توحید اور عجز ہو جائے اور اِهْدِنَا کہتے وقت عجز و نیاز و الحاح میں غرق ہو۔ اور جب وہ مخارج کی طرف متوجہ ہوا۔ تو یہ تمام باتیں کیا ہوئیں۔ اسکی مثال تو ایسی ہے۔ جیسے

کوئی شخص کسی بادشاہ کی خدمت میں اپنی حاجت عرض کرے اور کہے۔ یاایہاالامیر۔ اور بار بار یہی کہے اور پھر اس امر کی طرف متوجہ ہو کہ اَیُّہَا ٹھیک ٹھیک زبان سے ادا ہو اور لفظ امیر کا میم اچھی طرح سے کہے تو ایسا شخص ضروری ہے کہ عتاب سلطانی کا مورد ٹھہرے۔ اور بعض لوگ ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرتے ہیں اور نہایت سرعت اور تیزی سے پڑھتے ہیں اور انکا دل غافل رہتا ہے انکی تمامتر ہمت یہی ہوتی ہے کہ ایک ختم ان کے واسطے گنتی میں آجائے۔ تاکہ لوگوں سے کہتے پھریں کہ ہم نے اتنے قرآن شریف ختم کیے اور سات منزلوں میں سے آج اتنی منازل تلاوت کیں۔ ان جلد بازوں کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت ایک ایک نامہ ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بھیجا ہے اور اس میں امر نہی۔ وعدہ۔ وعید۔ مثل نصیحت خوف دلانا۔ ڈرانا۔ سبھی کچھ ہے قرآن شریف کی تلاوت کرنیوالے کو بھی چاہیئے۔ کہ وعید کے موقعہ پر ہمہ تن مخوف ہو جائے اور وعدہ کے مقام پر سراپا خوشی بن جائے اور مثل کے محل پر سراسر اعتبار ہو جائے اور وعظ کے مقام پر ہمہ تن گوش ہو جائے۔ اور خوف دلانے کے وقت خوف و ہراس میں غرق ہو جائے یہ کیفیات تمام دل سے متعلق ہیں پھر زبان کی نوک کو جنبش دینے سے کیا فائدہ۔ ایسے انسان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جسے بادشاہ فرمان بھیجے اور وہ فرمان کو ازبر کر لے اور مطالب و معانی پر فکر نہ کرے اور اسکی حقیقت سے غافل رہے بعض آدمی حج کو جاتے ہیں۔ اور وہاں مکہ معظمہ میں مجاور بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں لیکن دل اور زبان کی حفاظت نہیں کرتے اور نہ ہی پاس حرمت سے بیت اللہ شریف کا حق بجالاتے ہیں۔ اور نہ زادِ حلال کے متلاشی ہو کر راہ کا حق ادا کرتے ہیں اور انکا دل ہمیشہ مخلوق کے ساتھ وابستہ رہتا ہے اور اس بات کو پسند کرتے ہیں۔ کہ لوگ انہیں کعبہ کا مجاور خیال کریں اور اپنی زبان سے برملا کہتے ہیں کہ ہم اتنی دفعہ عرفات میں کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اتنے برس بیت اللہ کے مجاور رہے ہیں۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اپنے گھر میں کعبہ شریف کا شائق رہنا بدرجہا بہتر ہے۔ کہ آدمی کعبہ شریف میں رہ کر گھر کا شائق رہے اور اس بات کی تمنا کرے۔ کہ لوگ اسے مجاور خیال کریں۔ اور اس بات پر طامع رہے کہ لوگ اسے کچھ نہ کچھ دیں اس قسم کا شخص جو لقمہ بھی اٹھاتا ہے اس میں بخل پیدا ہوتا ہے کیونکہ اسے خوف ہوتا ہے کہ کوئی اس سے مانگ نہ لے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو زہد کا راستہ اختیار کر کے معمولی لباس پہنتے ہیں خوراک کم کر دیتے ہیں مگر انکی حالت یہ ہوتی ہے کہ مال میں تو زاہد بن جاتے ہیں۔ لیکن جاہ و قبول میں زاہد نہیں ہوتے لوگ ان سے برکت طلب کرتے ہیں اور یہ اس بات پر اظہار مسرت کرتے ہیں اور لوگوں کی نظروں میں اپنی حالت کو آراستہ رکھتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ مال سے زیادہ یہ جاہ نقصان دہ ہے۔ اور ترک جاہ نہایت دشوار ہے کیونکہ جاہ کی امید میں تمام قسم کے رنج برداشت کرنا آسان ہے۔ زاہد وہ ہے جو ترکِ جاہ کر سکے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اس کچے زاہد کو اگر کوئی شخص کچھ دیدے تو

نہیں لیتا۔ کہ مبادا لوگ اپنے جی میں یہ خیال کریں کہ یہ زاہد نہیں۔ اور اگر اس سے یہ کہیں کہ پوشیدہ طور پر یہ لے اور کسی مستحق فقیر کو دیدینا۔ تو یہ کہنا اس زاہد کیلئے پیام موت کا مترادف ہوتا ہے اگرچہ مال حلال ہو لیکن یہ نہیں لیتا کہ لوگ اس کے زہد سے انکار کردیں اور اسوجہ سے ایسا زاہد فقیروں کی بہ نسبت امیروں کی عزت وحرمت زیادہ کرتا ہے اور انکی رعایت ملحوظ رکھتا ہے اور یہ تمام امور غرور اور نادانی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور بعض آدمی ایسے ہیں جو تمام نیک اعمال بجالاتے ہیں مثلاً ہر روز ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے اور کئی ہزار تسبیح پڑھتے ہیں شب بیدار رہتے ہیں۔ ہر روز روزے رکھتے ہیں لیکن دل کی رعایت نہیں کرتے کہ اسے بھی بُرے اخلاق سے پاک وصاف کیا جائے۔ ان کا باطن حسد۔ ریا۔ کبر وغیرہ سے بھرپور رہتا ہے۔ عام طور پر بدمزاج اور ترشرو ہوتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ غصہ سے پیش آتے ہیں گویا ہر ایک سے روٹھے رہتے ہیں اور اتنا خیال نہیں کرتے۔ کہ بدخوئی تمام اسوۂ حسنہ کو ضائع کردیتی ہے اور نیک خُلقی تمام اعمال کی سردار ہے۔ یہ کمبخت گویا عبادت کرتے ہیں اور لوگوں پر احسان کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اپنے آپکو خلقِ خدا سے کھچا ہؤا رکھتے ہیں تاکہ کوئی ان سے چھو نہ جائے اور اتنا خیال نہیں کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود تمام عابدوں اور زاہدوں کے سردار ہونیکے تمام مخلوق سے زیادہ ہنس مکھ اور خلیق تھے اور جو شخص نہایت ہی میلے کچیلے حال میں ہوتا۔ اور سب لوگ نفرت کیوجہ سے اُسے اپنے پاس نہ بٹھاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے قریب جگہ دیتے۔ اور اپنا دست مبارک مصافحہ کیلئے اسکے ہاتھ میں دیدیتے اور وہ شخص نہایت ہی بیوقوف ہے جو اپنے استاد سے بھی اپنی دکان کو زیادہ بلند کرے۔ یعنی مرشد برحق سے بھی سبقت لے جانے کا ناپاک خیال اپنے دل میں پیدا کرے۔ یہ سیدھے سادھے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا پیرو کار ہونیکا دعوٰے تو کریں۔ لیکن آپکی عادات کے خلاف عمل کریں۔ تو اس سے زیادہ اور کونسی بیوقوفی ہوگی تیسرا طبقہ صوفیوں کا ہے۔ جتنا تکبر اور پندار ان لوگوں میں ہوتا ہے اتنا کسی دوسرے فرقہ میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ جسقدر راہ باریک اور مقصود عزیز ہوتا ہے۔ اسیقدر دھوکے اور شبہات زیادہ ہوتے ہیں تصوف کی راہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ سالک تین درجے حاصل کرلے۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے نفس کو مقہور اور مغلوب کرلے نہ اس میں خواہش باقی رہے اور نہ غصہ۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ غصہ اور خواہش بالکل نیست ونابود ہوجائے لیکن اس مغلوبیت کا یہ حال ہو کہ بلاحکم شریعت اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرسکے جسطرح ایک قلعہ فتح ہوجاتا ہے اور فاتح اسکے ساکنوں کو مار نہیں ڈالتے۔ بلکہ انکو اپنا مطیع کرلیتے ہیں۔ اسی طرح سالک کے سینہ کا قلعہ شریعت کے حاکم سے فتح ہوجانا چاہیئے۔ دوسرا۔ درجہ یہ ہے۔ کہ دونوں جہان سالک کے سامنے گم ہوجائیں اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ حس اور خیال کے عالم سے گزر گیا ہو۔ اس لئے کہ جو شے حس اور خیال میں ہوتی ہے اس میں بہائم بھی اسکے شریک

ہوتے ہیں اور وہ شے آنکھ۔ پیٹ فرج کی شہوت کا حصہ ہوتی ہے شہوت حس اور خیال کے دائرہ سے باہر نہیں اور خیال کو اسی شے سے سروکار ہوتا ہے جو جہت پذیر ہوتی ہے اور وہ اسکے نزدیک ایسی ہو جائے جیسی گھاس ہوتی ہے جس نے لوزینہ اور بھنا ہوا مرغ حاصل کیا ہو۔ کیونکہ سالک اس بات کو جانتا ہے کہ جو شے خیال میں آئے وہ بے حقیقت اور بے قدر ہوتی ہے اور بھولے نادانوں کو نصیب ہوگی وَاَکْثَرُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ الْبُلْہُ یعنی اکثر جنتی لوگ بھولے ہوتے ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ سالک بالکل جمال وجلال الٰہی میں گھر گیا ہو۔ اور جہت۔ مکان۔ حس خیال کو اس سے کچھ تعلق نہ رہا ہو۔ بلکہ حس اور خیال اور جو علم ان دونوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اسکا تعلق سالک کے ساتھ ایسا ہو جیسا آنکھ کو آواز کے ساتھ ہوتا ہے اور کان کا رنگوں کے ساتھ یعنی اس سے (حس اور خیال کے علم سے) بے خبر ہونا ضروری ہے جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو گویا کوچہ تصوف کے سرے پر آ گیا۔ علاوہ ان درجات کے سالک کو حق تعالیٰ کیساتھ اور بہت سے راز ہوتے ہیں۔ جو بیان سے بالاتر ہیں۔ حتّٰی کہ بعض نے اسکو یگانگت اور اتحاد کے نام سے تعبیر کیا ہے اور بعض نے اسکا نام حلول رکھا ہے اور جو شخص علم میں راسخ نہیں ہوتا۔ اور اس پر یہ کیفیت طاری ہو جائے تو وہ اسے بیان نہیں کر سکتا۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے۔ صریح کفر معلوم ہوتا ہے اور حالانکہ حقیقت میں حق ہوتا ہے مگر بیان کرنے والا بیان نہیں کر سکتا۔ مگر یہ مختصر سا بیان راہِ تصوف کا ایک شائبہ ہے۔

اے عزیز! اب تجھے غور کرنا چاہیئے کہ نام کے صوفی کس دھوکا اور فریب میں گرفتار ہے ان میں سے بعض نے سوائے سجادہ اور گڈری کے کچھ نہ دیکھا۔ اور اس صوفیانہ وضع کو اختیار کر کے صوفی بن بیٹھے اور صوفیان خالص کیطرح سجادہ پر بیٹھ کر گردن جھکانے لگے اور وساوس میں غرق ہو کر سر ہلانے لگے اور اسی کو انتہائے تصوف سمجھ لیا۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو ظاہری صوفیوں کا لباس بھی اختیار نہیں کر سکتے۔ بلکہ پاکیزہ پاکیزہ گڈریاں۔ باریک سرمئی رنگ کی لنگیاں زیب تن کر کے جانتے ہیں۔ کہ لباس کی رنگینی کر لینے سے تصوف تمام ہو گیا۔ اور یہ خیال نہیں کرتے۔ کہ صوفیائے عظام اس لئے لباس رنگین کر لیتے تھے کہ کہیں یہ جلد میلا نہ ہو جائے اور دھونے کی حاجت نہ پڑے۔ اور نیلا رنگ اس لئے اختیار کرتے تھے کہ دین کی مصیبت میں تھے۔ اور یہ رنگ عین انکے حال کے مطابق تھا۔ اور یہ نقلی صوفی جب ایسا مستغرق نہیں کہ کپڑے نہ دھو سکے اور اس پر ایسی مصیبت نہیں۔ کہ ماتمی لباس اختیار کرے اور ایسا عاجز نہیں کہ جہاں سے کپڑا پھٹ جائے وہاں پیوند لگائے تاکہ گڈری بن جائے۔ بلکہ یہ تو نئے کپڑوں کو ارادۃً پھاڑتا ہے تاکہ گڈری بنائے تو یہ بدبخت ظاہری حال میں بھی صوفیا کی موافقت نہ کر سکا۔ سب سے پہلے گڈری پوش سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کی گڈری میں دو پچھتر پیوند لگے ہوئے تھے اور بعض پیوند ان میں سے چمڑے کے تھے اور ان نقلی صوفیوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جس

طرح وہ چھوٹا اور پھٹا ہوا کپڑا پہننے کے متحمل نہیں۔ اسیطرح ادائے فرض اور معاصی کے ترک پر قادر نہیں ہوتے
اور اسپر طرہ یہ کہ اپنے عجز اور قصور کا اعتراف بھی نہیں کرتے کہ شیطان اور نفسانی خواہشات کے ہاتھ میں گرفتار ہیں
بلکہ ایسے لوگوں کا مقولہ یہ ہے کہ دل سے کام ہے ظاہری صورت کو کیا دیکھنا۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا دل ہمیشہ نماز
میں ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ عجز و نیاز میں ہے ہمیں ان ظاہری اعمال کی کیا حاجت ہے ان مشقتوں کا حکم تو صرف
ان لوگوں کیلئے ہے۔ جو اپنے نفس کے اسیر ہیں۔ ہمارا نفس تو مردہ ہو چکا ہے اور ہمارا دین لس تہ در نہ حوض کیطرح
ہے کہ ایسی چیز و نکے خراب ہونیکا امکان نہیں اور جب عابدوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ لوگ بیگاری ہیں اور
جب علماء کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ باتوں میں گرفتار ہیں اور حقیقت سے بہت دور ہیں اس قسم کے
صوفی واجب القتل ہیں۔ اور انکا خون بالاجماع مباح ہے اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ صوفیا کی خدمت پر مستعد ہوتے
ہیں۔ لیکن حق خدمت یہ ہے کہ آدمی اپنا جان و مال ان لوگوں پر قربان کر دے اور اپنے آپکو انکے عشق میں بالکل فراموش
کر دے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا ہو۔ جو انکے وسیلہ سے مال پیدا کرے اور انہیں اپنا مطیع کرے تاکہ خود خادم
مشہور ہو کر نام حاصل کرے اور لوگوں سے عزت و حرمت کرا دے اور حرام کا مال جہاں کہیں پائے لے آئے
اور انہیں دیدے تاکہ سر و باز اری نہ ہو۔ تو ایسا شخص مکار و فریب کار ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ریاضت
کرتے ہیں۔ اور ان تمام مراحل کو طے کر کے اپنی خواہشات کو مغلوب کر لیتے ہیں اور اپنے آپکو بالکل خدا کے سپرد
کر کے گوشہ نشین ہو جاتے ہیں اور انکو کشف ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ جس چیز کی چاہتے ہیں خبر پاتے ہیں اگر کوئی قصور
کریں۔ تو انہیں حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہو جاتی ہے اور ممکن ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو اچھی اچھی صورتوں میں
دیکھنے لگیں اور اپنے آپکو آسمان پر دیکھنے لگیں اور اس کی حقیقت اگر درست ہو تو یہ سچی خواب کیطرح ہے
لیکن خواب جو ہوتا ہے وہ سوتوں کے خیال میں آتا ہے اور یہ مشاہدہ بیماری میں ہوتا ہے اور اس قسم کا شخص مغرور
ہو کر کہنے لگتا ہے کہ جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے اور اسی کو اولیاء کا آخری کام
سمجھ لیتا ہے حالانکہ مخلوق میں حق تعالیٰ نے جو جو صفتیں رکھی ہیں ان میں سے ایک سے بھی واقف نہیں ہوتا اور
جانتا ہے کہ جو کچھ موجود ہے وہ سب یہی ہے جو میں نے دیکھ لیا اور جب یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے تو آدمی اپنے
آپکو کمال کے درجہ پر فائز المرام جانتا ہے اور اسباب کی خوشی میں ایسا مشغول ہوتا ہے کہ طلب سے قاصر رہ جاتا
ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ نفس جو مغلوب و مقہور ہو گیا تھا۔ پھر زور پکڑنے لگے اور یہ خیال کرے کہ میں ایسی چیز بہت
دیکھ چکا ہوں۔ اور پھر نفس سے مطمئن ہو جائے اور اپنے آپکو درجہ کمال پر سمجھے۔ یہ بہت بڑا دھوکا ہے اس پر کچھ
اعتماد نہیں۔ اعتماد اس بات پر ہونا چاہیئے کہ اس کی طبیعت بدل جائے اور خوشی سے شریعت کا ایسا مطیع ہو
کہ کسی طرح اس میں تصرف اور قصور باقی نہ رہے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانی پر چلنا اور ہوا میں اڑنا

غیب کی خبریں بیان کرنا کچھ کرامت نہیں۔ بلکہ کرامت یہ ہے کہ آدمی بالکل امر الٰہی بن جائے۔ یعنے جان و دل مال اور تن سے حکم شریعت کی تابعداری کرے اور احکام شریعت کے خلاف اس سے کوئی فعل نہ ہو اگر یہ حالت ہو تو قابل اطمینان ہے اور یہ ممکن ہے کہ پانی پر چلنا۔ ہوا میں اڑنا۔ شیطان کی طرف سے ہو کیونکہ شیطان بھی غیب دان ہے اور اکثر کاہن بھی غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ اور عجیب و غریب کام ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اعتماد اس حالت میں ہو سکتا ہے کہ تیری ہستی اور خواہش گم ہو جائے اور اسکی جگہ تو شریعت کا اتباع کرنے لگے پھر اگر تو شیر پر سوار نہ ہو سکے تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ جب تو نے غیظ و غضب کے کتّے کو مقہور و مغلوب کر لیا۔ تو بہت سے شیروں کی پشت پر سوار ہو چکا۔ اور اگر تو غیب کی خبر نہ دے سکے تو کچھ پرواہ نہ کر۔ کیونکہ نفس کی مکاری سے آگاہ ہو جانا ہی تیرے لئے غیب دانی ہے۔ اور اگر تو پانی پر نہ چل سکے اور ہوا میں نہ اڑ سکے تو کچھ پرواہ نہ رکھ کیونکہ جب تو حس و خیال کے دائرہ سے باہر ہو گیا۔ اور اس میں چل نکلا تو گویا یہ امر ہوا پر اڑنے اور پانی پر چلنے کے مترادف ہو گیا۔ اگر تو ایک رات میں جنگل و صحرا طے نہ کرے تو کچھ باک نہ کر اس لئے کہ جب تو دنیا کے جنگلوں اور میدانوں سے نجات پا گیا۔ اور اشغال دنیوی کو پیچھے چھوڑ چکا۔ تو گویا تو نے ایک بہت بڑا میدان اور جنگل طے کر لیا۔ اگر تو کسی بڑے پہاڑ پر نہ چڑھ سکے تو کچھ پروا نہ کر۔ کیونکہ تیرا ایک شبہ کے درم پر لات مارنا ایسا ہے جیسا تو نے ایک گھاٹی کو طے کر لیا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان مقامات کو ایک دشوار گذار گھاٹی اور مقام ارشاد فرمایا ہے۔ ان لوگوں کے دھوکوں اور غرور کے یہ چند مقامات ہیں جو بیان کر دیئے ہیں سب کا بیان کرنا طوالت کا موجب ہے۔

چوتھا طبقہ مالدار اور امیروں کا ہے۔ ان لوگوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ جو دھوکے اور فریب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسلئے کہ بعض مالدار لوگ ایسے مال سے مسجد اور سرائے بنواتے ہیں جو وجہ حرام سے حاصل کیا ہو حالانکہ انہیں چاہیئے تھا کہ اُسے واپس کر دیتے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے بڑے ثواب کا کام کیا حالانکہ گناہ اس فعل سے بڑھ گیا۔ اور بعض لوگ مال حلال صرف کرتے ہیں۔ مگر انکا مقصد محض دکھاوا ہوتا ہے اور ایک دینار خرچ کرنے سے یہ چاہنے لگتے ہیں کہ اپنا نام ایک پتھر پر کندہ کرا کر وہاں لگوا دیں اور اگر ان سے کہا جائے کہ اپنا نام مت لگاؤ۔ کسی اور کا لگاؤ۔ کیونکہ عالم الغیب تو اصل آدمی کے نام سے واقف ہے تو وہ اسبات کو کبھی بھی قبول نہیں کرتے اور اس ریا کی علامت یہ ہے۔ کہ اسکی پڑوس اور ہمسائگت میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو نان شبینہ کیلئے ترستے ہیں مگر یہ مال انکو نہیں دیتا۔ حالانکہ انکو دینا افضل اور ثواب کا موجب ہے اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ انکی پیشانی پر پتھر کھود کر تو وہ لگا نہیں سکتے اور بعض مالدار ایسے ہوتے ہیں۔ جو خلوص نیّت سے مال تو صرف کرتے ہیں۔ مگر مسجد کے نقش و نگار پر لگاتے ہیں اور اسے بہت بڑا نیک کام تصوّر کرتے ہیں حالانکہ اس سے دو برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ نماز کی حالت میں لوگوں کے دل ان نقش و نگار کی طرف مشغول رہتے ہیں دوسرا اسی قسم

کے نقش اپنے گھروں میں بنوانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور دنیا انکی نگاہوں میں نہایت آراستہ ہو جاتی ہے اور وہ اس کام کو ایک نہایت ہی اہم کام تصور کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اگر تم مسجدوں میں نقش و نگار کرو اور قرآن شریف پر سونا چڑھاؤ تو تم پر افسوس ہے۔ مسجد کی آبادی تو ان دلوں سے ہوتی ہے جو خشوع وخضوع سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اور دنیا کی نفرت سے پیراستہ ہوتے ہیں اور جو چیز لوگوں کے دلوں سے خضوع و خشوع کو دور کر کے اور دنیا کو آراستہ ظاہر کرے وہ مساجد کی ویرانی کا سبب ہوتی ہے اس کمبخت نے مسجد کو نقش و نگار سے آراستہ کر کے ویران کر دیا۔ اور جانتا ہے۔ کہ میں نے اچھا کام سرانجام دیا۔ اور بعض امیر اپنے دروازہ پر فقیروں و غیرہوں کے جمع کرنے کو درست خیال کرتے ہیں۔ تاکہ شہر میں ان کی شہرت ہو۔ یا ایسے فقیروں کو تقسیم کرتے ہیں جو لسان اور مشہور ہوں۔ یا جو قافلے حج کی غرض سے روانہ ہوتے ہیں۔ انکو دیتے ہیں یا ان لوگوں کو دیتے ہیں۔ جو خانقاہ نشین ہوں۔ تاکہ سب لوگوں کو پتہ چل جائے اور ممنون ہوں۔ اور اگر ان سے کہا جائے کہ یہ چھپا کر یتیموں کو دیدو۔ کہ راہ حج میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل و بہتر ہے۔ تو نہیں دے سکتے۔ کیونکہ لوگوں سے اپنی تعریف کروانے کا ان کو مزہ اور شوق ہوتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کا کام کر رہے ہیں ایک شخص نے حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میرے پاس دو ہزار درہم ہیں اور میں حج کو جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا تو تماشہ دیکھنے کا خواہاں ہے یا حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کا خواہاں ہوں۔ فرمایا۔ جا کہ دس محتاجوں کا قرضہ ادا کر دے۔ یا دس یتیموں پر تقسیم کر دے۔ یا کسی عیالدار کو دے کیونکہ جو راحت ایک مسلمان کے دل کو پہنچتی ہے فرض حج کے بعد سو حج سے زیادہ افضل ہے اس شخص نے عرض کیا کہ میں اپنے دل میں حج کی رغبت بہت زیادہ دیکھتا ہوں۔ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال تو نے بوجہ اور ناجائز طریق سے پیدا کیا ہے۔ جبتک تو اسے بے راہ خرچ نہ کرے گا تجھے چین نہ آئیگا۔ اور بعض مالدار ایسے ہوتے ہیں کہ زکوٰۃ کے سوا ایک حبہ بھی خرچ نہیں کرتے اور زکوٰۃ و عشر بھی ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو انکے کاروبار میں مشغول رہتے ہوں۔ جیسے معلم اور شاگرد وغیرہ۔ تاکہ ان لوگوں کے اجتماع سے امیرونکی جاہ و حشمت قائم رہے۔ جیسے وہ مدرس جو طالبعلموں کو زکوٰۃ دے اور اگر وہ پڑھنا چھوڑ دیں تو زکوٰۃ بھی انکو نہ دے۔ گویا یہ ایک قسم کی تنخواہ ہوئی۔ اور خود اسبات سے واقف ہوتا ہے کہ شاگردی کے بدلہ میں دیتا ہوں اور یہ جانتا ہے کہ زکوٰۃ دے رہا ہے اور کبھی ایسے لوگوں پر تقسیم کرتا ہے۔ جو عام طور پر بزرگوں کی خدمت میں رہتے ہیں اور انکی کوشش اور وساطت سے دوسرے لوگوں کو دیتا ہے تاکہ ان پر اپنا احسان جتائے اور اتنی سی زکوٰۃ کے بدلہ میں کئی ایک مطالب نکالنے چاہتا ہے۔ اور کبھی شکر و ثنا کی بھی امید رکھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے زکوٰۃ دی اور بعض مالدار ایسے ہوتے ہیں جو کبھی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ مال جمع کرتے ہیں اور پارسائی کے دعویدار بنتے ہیں اور ہمیشہ روزے رکھتے ہیں۔

اور شب بیدار رہتے ہیں۔ اس شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے سر میں درد ہوتا ہے! ور وہ ایڑی میں دوا لگائے۔ اور یہ بدبخت نہیں سمجھتا کہ اسے بخل کی بیماری ہے۔ اس کا علاج بہت کھانے سے نہیں۔ بلکہ زیادہ خرچ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ بھوک سے مرنا اس کی دوا نہیں۔ مالدار اس قسم کے بہت سے دھوکوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ کوئی آدمی ان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ مگر وہ شخص جس نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہو۔ تاکہ عبادت کی آفات اور نفس کے فریب اور شیطان کے مکر سے آگاہ ہو جائے پھر ایسے شخص پر خدا تعالیٰ کی محبت غالب ہو جاتی ہے۔ اور دنیا اس کے سامنے ناپید ہو جاتی ہے۔ مگر ضرورت کی مقدار رہ جاتی ہے۔ اور ہر وقت موت کا تصور باندھے رکھتا ہے اور ہر وقت مرنے پر تیار رہتا ہے اور تمام امر آسان ہو جاتے ہیں جس پر حق تعالیٰ آسان کرے :

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابُ

حق تعالیٰ کی عنایت سے کیمیائے سعادت کا تیسرا رکن ختم ہوا۔ یہ ربع مہلکات کا تھا۔ اور اس میں عقبات کا بیان تھا۔ اب چوتھے رکن کی ابتدا ہے۔ وہ رُبع منجیات ہے۔ اس میں نجات کے طریقوں کا ذکر ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رکن چہارم

رکن چہارم

منجیات کے بیان میں

اس کی بھی دس اصلیں ہیں پہلی اصل توبہ کے بیان میں دوسری اصل صبر و شکر کے بارہ میں تیسری اصل خوف و رجاء کے بیان میں چوتھی اصل فقر و زہد کے بیان میں پانچویں اصل نیت و اخلاص و صدق کے بیان میں چھٹی اصل محاسبہ و مراقبہ میں ساتویں اصل تفکر کے بیان میں آٹھویں اصل توحید و توکل میں نویں اصل محبت و شوق میں دسویں اصل مرگ و احوالِ آخرت میں۔

پہلی اصل توبہ کا بیان

جاننا چاہیئے کہ توبہ کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف پھرنا مریدوں کا پہلا قدم ہے اور سالکوں کی راہ کی ابتدا ہے۔ اور کسی آدمی کو بھی سوائے اس کے چارہ نہیں۔ کیونکہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آخر تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے اور ہمیشہ گناہوں میں مستغرق رہنا شیطان کا پیشہ ہے گناہوں کو چھوڑنا اور حق تعالیٰ کی طرف پھرنا اور تائب ہونا آدم اور آدمیوں کا کام ہے جس شخص نے اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کی اس نے اپنی نسبت حضرت آدم علیہ السلام سے درست کر لی۔ اور جس شخص نے اپنی تمام عمر گناہوں میں بسر کر دی۔ اس نے اپنی نسبت کو شیطان کے ساتھ مضبوط بنایا۔ لیکن تمام عمر عبادت میں رہنا آدمی کے لئے ناممکن ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے جب اسکو پیدا کیا۔ تو بے عقل اور ناقص پیدا کیا۔ اور سب سے پہلے خواہش کو جو شیطان کا آلہ ہے اسپر مسلط کیا۔ اور عقل جو خواہش کی دشمن ہے اور فرشتوں کے جوہر کا نور ہے اسے بعد میں پیدا کیا جبکہ خواہش کا غلبہ ہو چکا تھا۔ اور اس نے انسان کے سینہ کے قلعہ کو اچھی طرح فتح کر لیا تھا۔ اور نفس بھی اچھی طرح اسکے ساتھ

خوگر اور مانوس ہوچکا تھا۔ پس جب عقل پیدا ہوئی تو اس کے لئے یہ ضروری ہوا۔ کہ توبہ اور مجاہدہ کے ذریعہ سے اس قلعہ کو فتح کرے۔ اور شیطان و خواہش کے قبضہ سے آزاد کرائے۔ پس توبہ آدمی کیلئے ضروری اور سالکوں کا قدمِ اول ہے۔ اور اسکے بعد جب عقل و شریعت کے نور سے بیدار ہوجائے اور یہانتک کہ راہ بیراہی کی تمیز ہونے لگے۔ تو توبہ کے سوا اور کچھ فرض نہیں کیونکہ اس کے معنے بیراہی سے راہ کی طرف آنا ہے۔

فضیلت و ثواب توبہ۔ جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے تمام مخلوق کو توبہ کرنیکا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا ہے تُوبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی جو کوئی امید فلاح رکھتا ہے۔ اس کو توبہ کرنا چاہیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص مغرب کی طرف سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے توبہ کریگا اس کی توبہ قبول ہوگی۔ اور فرمایا پشیمانی بھی توبہ ہے اور فرمایا راستہ میں کہ جو لائق نہ ہو مت کھڑے ہو۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے جو وہاں کھڑا ہوتا ہے اور جو شخص وہاں سے گزرتا ہے اسپر ہنستا ہے اور جو عورت وہاں سے گزرتی ہے۔ اس سے بدکلامی کرتا ہے اور اسوقت تک وہاں سے نہیں اٹھتا۔ جبتک کہ اسپر دوزخ واجب نہ ہوجائے۔ مگر یہ کہ تائب ہوجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں ہر روز ستر بار توبہ و استغفار کرتا ہوں اور فرمایا جو شخص گناہوں سے توبہ و استغفار کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے گناہوں کو فراموش کردیتا ہے ان فرشتوں پر جنہوں نے اس کے گناہ لکھے تھے۔ اور اسکے ہاتھ پاؤں پر ان گناہوں کو بھلا دیتا ہے جن سے اس نے گناہ کئے تھے اور اس جگہ کو بھی بھلا دیتا ہے۔ جہاں اس سے گناہ سرزد ہوئے تھے تاکہ جب وہ حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہو تو اس کے گناہونکا کوئی گواہ نہ نکلے۔ اور فرمایا حق تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول کرلیتا ہے قبل اسکے کہ اسکی جان حلق تک پہنچے۔ اور فرمایا حق تعالیٰ نے اپنے دست کرم کو کھولا ہوا ہے۔ اس شخص کیلئے جس نے دن کو گناہ کیا ہو۔ تاکہ وہ رات کو توبہ کرے۔ اور وہ قبول کرے اور جس شخص نے رات کو گناہ کیا ہو۔ اس کیلئے بھی کہ وہ دن کو توبہ کرے۔ اور وہ قبول فرمائے اور حق تعالیٰ کا یہ دستِ کرم طلوع آفتاب سے مغرب تک اسیطرح کشادہ رہیگا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دن بھر میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو گنہ گار نہ ہو لیکن جو توبہ کرے وہ تمام گنہگاروں سے بہتر ہے اور فرمایا جو شخص گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ ایسا ہوجاتا ہے کہ جیسا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور فرمایا گناہ سے توبہ کرنے کے یہ معنی ہیں۔ کہ پھر اس گناہ کے نزدیک تک نہ جایا جائے اور فرمایا اے عائشہ حق تعالیٰ جو فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا۔ اس سے اہل بدعت مراد ہیں۔ حقتعالیٰ تمام گنہ گاروں کی توبہ قبول کرلیتا ہے مگر اہل بدعت کی توبہ قبول نہیں کرتا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں ان سے بیزار ہوں اور یہ مجھ سے بیزار ہیں۔ اور فرمایا جب حضرت ابراہیمؑ کو آسمان پر لیجایا گیا تو آپ نے ایک مرد کو ایک عورت کیساتھ زمین پر

زنا کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے انکے حق میں بد دعا کی۔ حتّٰی کہ وہ ہلاک ہو گئے پھر دوسرے کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا اس کے حق میں بھی بد دعا کی۔ حقتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اے ابراہیم میرے بندوں سے درگزر کر۔ ان تین اموریں سے کوئی ایک امر تو ہوگا۔ یا تو وہ توبہ کرینگے۔ اور میں قبول کرونگا۔ یا استغفار کرینگے اور میں معاف کر دونگا یا ان کے ہاں کوئی اولاد ہوگی جو میری بندگی کریگی۔ کیا تو نہیں جانتا کہ میرا نام صبور ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقتعالیٰ جس بندہ کو گناہوں پر پشیمان دیکھتا ہے اسے بخشش چاہنے سے پہلے ہی بخش دیتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مغرب کی جانب ایک دروازہ ہے۔ جس کی چوڑان ستر برس کا راستہ ہے۔ یا چالیس برس کا۔ جسدن سے زمین و آسمان پیدا ہوئے ہیں اسی دن سے وہ دروازہ توبہ کیلئے کھلا ہوا ہے اور مغرب کیطرف سے آفتاب طلوع ہونے تک کھلا رہیگا اور فرمایا ہر دوشنبہ اور جمعرات کے دن بندوں کے اعمال حق تعالیٰ کی جناب میں پیش کئے جاتے ہیں جس نے توبہ کی ہوتی ہے۔ اسکی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور جس نے بخشش چاہی ہوتی ہے اسکی مغفرت ہو جاتی ہے اور جن لوگوں کے دلوں میں کینہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ انکو اسی طرح گناہ گار رہنے دیتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حق تعالیٰ بندہ کی توبہ سے اس مرد اعرابی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے کہ جو کسی خونخوار جنگل میں اونگھ جائے اور سو جائے۔ اور اسکا ایک اونٹ بھی ہو۔ کہ جسپر زادِ راہ اور طعام لدا ہوا ہو۔ لیکن جب وہ بیدار ہو تو اونٹ کو نہ دیکھے اٹھے اور اسے اِدھر اُدھر تلاش کرے حتّٰی کہ اسے بھوک اور پیاس سے ہلاک ہو جانیکا بھی خطرہ ہو اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو جائے اور کہے کہ میں اپنی جگہ پر واپس جاؤں۔ اور مرنیکے لئے لیٹ جاؤں پھر وہ اعرابی اس جگہ پر واپس آئے اور مرنے کی امید پر بانہہ پر ہاتھ رکھ کر سو جائے۔ لیکن جب خواب سے بیدار ہو تو اپنے اونٹ گمشدہ کو اپنے پاس کھڑا دیکھے۔ اور اسے چاہیئے کہ حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے اور کہے کہ اے خدا تو میرا خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ لیکن خوشی کیوجہ سے اسکی زبان غلطی کرے اور وہ یہ کہدے۔ کہ اے خدا تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا ہوں۔ تو حق تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس مردِ اعرابی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے ورمرد اعرابی کی خوشی اونٹ اور خوراک وغیرہ کے پانیکی اسکے مقابلہ میں کچھ شے نہیں محض بے حقیقت ہے۔

توبہ کی حقیقت۔ جاننا چاہیئے کہ اول توبہ سے نورِ معرفت ایمان پیدا ہوتا ہے اور آدمی اُس نور کی روشنی سے دیکھتا ہے۔ کہ گناہ زہر قاتل ہے۔ اور جب دیکھتا ہے۔ کہ اس نے اس زہر کو بہت کھایا ہے اور اب ہلاکت کے نزدیک پہنچ گیا ہے۔ تو بالضرور اس میں پشیمانی اور خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ آدمی جس نے زہر کھایا ہو پشیمان ہوتا ہے۔ اور ڈرتا ہے اور اس پشیمانی کیوجہ سے حلق میں انگلی ڈالتا ہے تاکہ قے کر دے اور پھر اس ہراس کیوجہ سے دوا کی تدبیر کرتا ہے۔ تاکہ اس زہر کا جو اثر پیدا ہوا ہے وہ رفع ہو جائے اسی طرح آدمی جب دیکھتا

ہے۔ کہ میں نے شہوت پرستی کی۔ وہ زہر آلود شہد کیطرح تھی۔ کہ اسوقت تو شیریں معلوم ہوتا ہے لیکن آخر کو سانپ کی طرح کاٹتا ہے تو وہ گنہگار انسان اپنے گذشتہ گناہوں پر پشیمان ہوتا ہے۔ اور اسکی جان میں خوف کی آگ لگ جاتی ہے کہ وہ اپنے آپکو ہلاک و تباہ دیکھتا ہے۔ اور اس میں خواہش و گناہ کی حرص ہوتی ہے وہ اس آگ میں جل جاتی ہے۔ اور وہ خواہش حسرت سے مبدل ہوجاتی ہے اور وہ گذشتہ گناہوں کی تلافی کا قصد و ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آئندہ کبھی بھی گناہ کے نزدیک نہ جائیگا۔ اور وہ لباس جفا کو اتار ڈالتا ہے اور لباط وفا کو بچھاتا ہے۔ اور وہ اپنے تمام حرکات و سکنات کو بدل ڈالتا ہے۔ جیسیکہ پہلے وہ بالکل گھمنڈ خوشی اور غفلت تھا اسیطرح اب سراپا گریہ و حسرت و اندوہ بن جاتا ہے اور پہلے اہل غفلت کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ اب اہل معرفت کی صحبت میں بیٹھتا ہے پس توبہ حقیقت میں پشیمانی ہے اور اسکی اصل معرفت و ایمان کا نور ہے اور اسکی فرع حالات کا تبدیل کر دینا اور معصیت و مخالفت سے تمام اعضاء کو باز رکھ کر حقتعالیٰ کی موافقت و عبادت کرنا ہے

تمام لوگوں پر توبہ ہر وقت واجب ہے

توبہ کا ہر شخص پر واجب ہونا اس بات سے پہچان کہ جو شخص بالغ ہو۔ اور وہ کافر ہے تو اس کیلئے واجب ہے کہ وہ کفر سے توبہ کرے۔ اور اگر مسلمان ہے اور اسکی مسلمانی محض ماں باپ کی تقلید ہے اور نہ زبان سے کلمہ کہتا ہے۔ اور دل سے غافل ہے تو اسکے لئے اس غفلت سے توبہ کرنا واجب ہے اور توبہ اس طرح کرے کہ اسکا دل ایمان کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے اور اچھی طرح خبردار ہو جائے اور اس بات سے میرا یہ مطلب نہیں کہ علم کلام کی تمام دلیلیں سیکھے۔ کیونکہ یہ سب پر واجب نہیں۔ لیکن اس حالت میں جبکہ ایمان کا بادشاہ اسکے دل پر ظاہر و غالب ہو۔ حتیٰ کہ بالکل اسکی حکومت ہو جائے۔ اور اسکی حکومت اسوقت تسلیم ہوگی۔ کہ مملکتِ تن میں جو کچھ بھی ہے سب اسکے زیر فرمان ہو شیطان کے زیر حکومت نہ ہو۔ جب گناہ صادر ہوتا ہے تو ایمان کامل نہیں رہتا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص زنا اور چوری کرتا ہے وہ زنا اور چوری کے وقت مومن نہیں رہتا اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ اسوقت کافر ہو جاتا ہے لیکن ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں اور اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ یہ بھی ہے۔ کہ اس بات کو جان لے۔ کہ زہر قاتل ہے پس جو شخص جان لے کہ یہ زہر ہے وہ کبھی نہ کھائیگا۔ پس اسوقت سلطانِ شہوت نے اس کے اس ایمان و یقین کو جو زنا مہلک ہے شکست دیدی ہوگی یا اس کی غفلت سے ایمان ناپید ہو گیا ہوگا۔ یا اسکا نورِ ایمان شہوت کی ظلمت میں چھپ گیا ہوگا۔ پس تو نے جان لیا کہ اول توبہ کفر سے واجب ہے اور اگر کافر نہ ہو تو عادتی اور تقلیدی ایمان سے توبہ کرنی واجب ہے پس اگر اس سے بھی توبہ کر لی تو غالب یہی ہے کہ معصیت سے خالی نہ رہیگا۔ تو پھر گناہ سے توبہ واجب ہوگی پس اگر اس نے اپنے تمام ظاہر کو

گناہ سے پاک کر لیا۔ تو اسکا باطن گناہوں کے تخم سے خالی نہ ہوگا۔ جیسے طعام کی حرص سخن کی حرص مال وجاہ کی دوستی کی۔ اور حسد و کبر و ریا وغیرہ اور اس قسم کے دوسرے مہلکات۔ کیونکہ یہ سب خبائث اور گناہوں کی جڑیں ہیں اور ان سب سے توبہ واجب ہے، تاکہ ان میں سے ہر ایک حدِ اعتدال پر ہو جائے۔ اور ان تمام شہوات کو عقل کا مطیع کرنے اور یہ باتیں مجاہدۂ دراز سے حاصل ہوتی ہیں اور اگر ان باتوں سے بھی وہ پاک و صاف ہو گیا تو پھر وسواس اور نفس کی باتوں اور بیجا خیالات سے خالی نہ ہوگا۔ اور ان سب سے بھی توبہ واجب ہے اور تمام نقصانوں کی جڑ حق تعالیٰ کا فراموش کر دینا ہے اگرچہ یہ فراموشی ایک ہی لمحہ کیلئے کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی توبہ کرنا واجب ہے اور اگر اسکی یہ حالت ہو گئی ہو۔ کہ ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول ہے اور ذکر و فکر سے کسی وقت بھی خالی نہیں ہے تو اس کیلئے بھی مختلف مقامات ہیں اور ان میں سے ہر ایک درجہ اپنے اعلیٰ درجہ کی بہ نسبت نقصان میں ہے اور نقصان والے درجہ پر قناعت کرنا باوجودیکہ اس سے کامل تر حصول بھی ممکن ہو۔ یہ عین خسران ہے اور اس سے بھی توبہ واجب ہے اور یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں ہر روز ستر بار توبہ کرتا ہوں یہ اسلئے ہوگا۔ کیونکہ آپکا کام ہمیشہ ترقی پہ تھا تو جس قدم گاہ پر بھی حضورؐ پہنچتے وہاں ایسا کمال دیکھتے کہ اس سے پہلا قدم اسکے مقابلہ میں ناقص ہوتا۔ تو حضور اس پچھلے قدم سے توبہ و استغفار کرتے۔ جیسے کوئی شخص ایک ایسا کام کرے کہ اس سے ایک درم حاصل کر سکے لیکن جب وہ درم حاصل کر لیتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور اگر وہ جان لے کہ وہ ایک دینار حاصل کر سکتا تھا اور صرف درم پر قناعت کی تو وہ اس بات سے غمگین ہوتا ہے۔ حتّٰی کہ جب وہ دینار حاصل کر لیتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے لیکن جب اس کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ وہ ایک موتی حاصل کر سکتا تھا۔ کہ جس کی قیمت ایک ہزار درم تھی تو وہ پھر غمگین ہوتا ہے اور اپنی تقصیر پر پشیمانی کا اظہار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے اور یہ اسی لئے کہا گیا ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کیلئے بدیاں ہیں۔ کہ وہ اس سے توبہ کرتے ہیں **سوال** جب کوئی شخص کہے کہ جب کفر و معصیت سے توبہ کی۔ اور درجات بزرگ کے حاصل کرنے میں تقصیر و غفلت سے توبہ کرنا فضائل میں سے ہے فرائض میں سے نہیں تو تو نے یہ کیوں کہا کہ اس سے بھی توبہ کرنا واجب ہے۔ **جواب** عرض کرتا ہوں کہ واجب کی دو اقسام ہیں ایک وہ ہے جسے فتویٰ ظاہر میں درجہ عام خلق کے موافق اسقدر کہتے ہیں کہ اگر خلق اس میں مشغول ہو جائے تو عالم ویران نہ ہو اور لوگ معیشتِ دنیا میں مشغول رہیں اور یہ واجب وہ ہے جو لوگوں کو عذاب دوزخ سے بچائیگا۔ دوسرا واجب یہ ہے کہ عام لوگ اسکی طاقت نہ رکھیں اور جو شخص اس پر قائم نہ رہے وہ عذاب دوزخ سے تو بچا رہیگا۔ لیکن بلند مرتبہ حاصل کرنیکی حسرت سے نہ بچیگا۔ جب روز قیامت ایک گروہ کو اپنے سے ایسا بلند و برتر دیکھیگا جیسے کہ ستارہ کو دیکھتا ہے تو اس کیلئے وہ حسرت بھی عذاب ہوگی۔ جو ناقص رہ جانیکی وجہ سے وہ اپنے میں پائیگا۔ اس توبہ کو جو ہم نے واجب کیا تو محض اس حسرت کے عذاب سے رہائی پانیکی غرض سے کیا جیسا کہ ہم اس جہان میں دیکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اپنے

ہمسروں میں سے کوئی بلند درجہ پا جاتا ہے تو دوسرے پر جہان تنگ و تاریک ہو جاتا ہے اور غبن و حسرت سے اس کی جان میں آگ لگ جاتی ہے اگرچہ وہ لاٹھی سے مار کھانے اور ہاتھ کاٹنے۔ جرمانہ وغیرہ کے عذاب سے نجات پائے ہوتا ہے۔ اور اسی سبب سے روزِ قیامت کو روزِ تغابن کہتے ہیں کیونکہ کوئی شخص بھی اس غبن سے خالی نہ ہوگا کہ جس نے طاعت نہ کی۔ اس نے کیوں نہ کی اور جس نے کی۔ اس نے زیادہ نہ کی اور یہی وجہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہر ممکن عبادت سے باز نہیں رہے۔ تاکہ کل قیامت کے دن اپنی تقصیر کی حسرت نہ رہے معترض اس جگہ پر کیا کہیگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپکو قصداً بھوکا رکھتے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ روٹی کھانا حرام نہیں ہے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم پر ہاتھ پھیرا۔ اور میں فرطِ رحم سے رونے لگی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جان آپ پر فدا ہو۔ اگر آپ دنیا میں سیر ہو کر کھانا کھائیں تو کیا ہو حضور نے فرمایا اے عائشہ میرے اولوالعزم بھائی پہلے جا چکے ہیں اور بزرگیوں و سرافرازیوں کی خلقوں سے سرافراز ہو چکے ہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں دنیا سے کچھ حصہ پاؤں تو انکے مدارج سے میرا درجہ کم ہو جائے میں اپنے بھائیوں سے کم درجہ رہنے کی بہ نسبت اس جگہ کے چند روزہ صبر کو دوست رکھتا ہوں حضرت عیسٰی علیہ السلام سر کے نیچے پتھر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے ابلیس علیہ اللعنۃ نے کہا۔ آپ نے تو دنیا ترک کی ہوئی تھی آپ پچھتائے کہ میں نے کیا کیا کہ سر کے نیچے پتھر رکھ کر آرام کیا۔ آپ نے پتھر کو نکال کر پھینک دیا۔ اور فرمایا اے دنیا کے ساتھ یہ بھی میں نے تیرے لئے چھوڑ دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک میں نیا تسمہ لگا تھا وہ حضورؐ کی نگاہ میں کچھ خوشنما سا معلوم ہوا حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ وہی پرانا تسمہ لے آؤ۔ لوگوں نے حاضر کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بار دودھ نوش فرمایا پی چکنے کے بعد آپکو اس میں کچھ شبہ معلوم ہوا۔ آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر اس شدت سے قے کی کہ دودھ کیساتھ آپکی جان نکلنے کا خطرہ تھا۔ بھلا معترض یہاں کیا جواب دیگا۔ کیا آپکو معلوم نہ تھا کہ فتوی عام کے مطابق قے کرنا واجب نہیں عوام کا فتوےٰ اور ہے اور صدیقوں کے کام کا کھٹکا اور اسکو بھلا اس سے کیا تعلق خدا کی مخلوق میں بڑے خدا شناس اور سب کچھ جاننے والے اور راہ خدا کے خطرات کے واقف یہی حضرات تھے یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ ان لوگوں نے یہ محنتیں خواہ مخواہ برداشت کی تھیں پیشواؤں کی اقتدا کرو اور عوام کے فتووں میں نہ پڑو وہ کہانی اور ہی ہے۔ کیا ان تمام باتوں سے تم نے پہچان لیا کہ بندہ کسی حالت میں بھی توبہ سے مستغنی نہیں ہے اسی لئے حضرت ابو سلیمان دورانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بندہ کسی بات پر بھی گریہ نہ کرے اور فقط اس زمانہ پر روئے جو اس نے ضائع کیا ہے تو اسکے رونے کیلئے قیامت تک یہی کافی ہے پس اس شخص کی نسبت کیا پوچھنا جو اپنے گذشتہ زمانہ کے علاوہ آئیندہ زمانہ کو بھی ضائع کرتا ہے اور جاننا چاہیئے کہ جس شخص کے پاس بے بہا موتی ہوں اور وہ ضائع ہو جائیں تو اس کیلئے رونے کا مقام ہے اور اگر ضائع ہونے کیساتھ بلا اور عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی خطرہ ہو تو اس کا ڈرا رونا ہے عمر کا ہر سانس ایک موتی ہے کہ جس سے

سعادت ابدی کا شکار کیا جا سکتا ہے اگر کوئی شخص گناہ میں صرف کرے حتٰی کہ وہ اسکی ہلاکت کا سبب ہو جائے تو اس کی کیا حالت ہو گی۔ اگر وہ اس سے واقف ہو جائے لیکن یہ وہ معصیت ہے کہ اس سے اسوقت خبر ہوتی ہے کہ جب حسرت کوئی فائدہ نہیں دیتی اور جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ بزرگوں نے کہا ہے کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ بندہ موت کے وقت ملک الموت کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ کوچ کا وقت ہے اور اس کے دل میں نہایت حسرت پیدا ہوتی ہے اور وہ ملک الموت سے ایک دن کی رخصت مانگتا ہے تا کہ گناہوں کی عذر خواہی کرے لیکن ملک الموت مہلت نہیں دیتا۔ اور کہتا ہے کہ اے شخص تجھ کو بہت دنوں کی مہلت دی گئی تھی اب تیری زندگی کا کوئی دن باقی نہیں رہا۔ تیرا وقت موعود آ گیا ہے پھر وہ ایک ساعت کی مہلت طلب کرتا ہے۔ لیکن ملک الموت اسیطرح کہتا ہے کہ پہلے بہت سی ساعتیں گزر گئیں اب کوئی ساعت تیرے لئے باقی نہیں۔ جب بندہ نا امید ہو جاتا ہے تو اس کے اصل ایمان کو بھی اضطراب ہوتا ہے اگر معاذ اللہ ازل میں اسکی شقاوت کا حکم ہو چکا ہوتا ہے تو وہ شک اور اضطراب ہی کی حالت میں اس جہان سے کوچ کر جاتا ہے اور بدبخت ہوتا ہے اور اگر ازل میں اسکی سعادت کا حکم ہو تو اسکا اصل ایمان محفوظ رہتا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے ہر بندہ کے ساتھ دو راز ہیں۔ ایک تو اسوقت جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے بندے میں نے تجھ کو پاک و صاف و آراستہ پیدا کیا۔ اور تیری عمر امانت کے طور پر تیرے سپرد کی خبردار دیکھے موت کیوقت تو اس کو کیسے واپس دیتا ہے دوسرا راز موت کے وقت ہے حقتعالیٰ کہتا ہے اے میرے بندے تو نے میری اس امانت میں کیا کیا۔ اگر اس کی حفاظت اچھی طرح سے کی ہے تو اس کی جزا پائیگا۔ اگر تو نے اس کو ضائع کیا ہے۔ تو دوزخ تیرے انتظار میں ہے تو اس کیلئے مستعد رہ۔

توبہ کے قبول ہونے کا بیان

جاننا چاہئے کہ توبہ جب اپنے شرائط کے ساتھ کیجائے۔ تو ضرور قبول ہوتی ہے جب تو نے خلوص سے توبہ کی تو اسکی قبولیت میں شک نہ کر۔ البتہ شک اس میں کر کہ توبہ شرائط کے ساتھ ادا کی گئی ہے یا نہیں اور جس نے جان لیا کہ آدمی کے دل کی حقیقت کیا ہے اور اسکا بدن کے ساتھ کیا تعلق ہے اور حضرت الٰہی کے ساتھ اس کو کیا مناسبت ہے اور کسی شے کے باعث جناب الٰہی کا حجاب ہو جاتا ہے کہ اس بات میں تو اسے شک ہی نہیں رہتا کہ گناہ حجاب کا سبب ہے۔ اور توبہ رفع حجاب کا باعث ہے اور توبہ کا قبول ہونا اسی سے عبارت ہے کیونکہ آدمی کا دل اپنی اصل میں فرشتوں کے پاک گوہر کی جنس سے ہے اور ایسا آئینہ ہے کہ اگر اس جہان سے زنگار معصیت

سے پاک جائے تو اس میں حضرت الہیت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور آدمی جو گناہ کرتا ہے اسکے باعث ایک ظلمت اس آئینہ پر چھا جاتی ہے اور ہر عبادت کے سبب سے ایک نور دل میں پیدا ہوتا ہے اور گناہ کی ظلمت کو دور کر دیتا ہے اور آدمی جب تائب ہوتا ہے تو انوار کی طاقت اس اندھیرے و ظلمت کو دور کر دیتی ہے اور دل کو پھر اپنی فطرتی پاکی اور صفائی نصیب ہوتی ہے مگر یہ کہ آدمی نے گناہوں پر اسقدر اصرار کیا ہو۔ کہ اسکا زنگ دل کے جوہر تک پہنچ گیا ہو۔ اور ایسا پیوست ہو گیا ہو کہ علاج کے قابل نہ رہا ہو تو ایسا دل زنگ آلود آئینہ کی طرح توبہ کی صفائی کو قبول ہی نہیں کرتا۔ مگر آدمی زبان سے توبہ کا اقرار کرتا ہے جس طرح میلا کپڑا صابون کیساتھ دھونے سے مصفا ہو جاتا ہے اسی طرح دل بھی عبادت کے نور کے سبب سے گناہوں کی ظلمت سے پاک ہو جاتا ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تمہارے گناہ آسمان تک بھی پہنچ جائیں تو پھر بھی توبہ ہی کرو کیونکہ توبہ قبول ہو جاتی ہے حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا بھی ہوگا جو گناہ کے سبب سے بہشت میں جائیگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضورؐ کسطرح فرمایا وہ اس طرح کہ کوئی شخص گناہ کرے اور اس سے ایسا پشیمان ہو کہ پشیمانی بہشت تک اسکے پیش نظر رہے بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ابلیس توبہ کرنیوالے کے حق میں کہتا ہے کہ کاش! میں اسے ملوثِ گناہ نہ کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نیکیاں گناہوں کو اس طرح مٹاتی ہیں۔ جیسے پانی کپڑے کی میل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جناب باری نے ابلیس کو ملعون کیا۔ تو اس نے کہا اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم کہ جبتک آدمی کی جان بدن سے نہ نکلیگی میں بھی اس کے دل سے نہ نکلونگا۔ اسپر حق تعالی نے فرمایا۔ قسم ہے مجھ کو اپنی عزت کی میں بھی جبتک اس کے جسم میں جان باقی رہے گی۔ اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھونگا۔ ایک حبشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے بہت گناہ کئے ہیں کیا میری توبہ بھی قبول ہو گی۔ فرمایا۔ ہاں ہو گی وہ حبشی جب چلا تو تھوڑی دور جا کر پھر واپس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ۔ کیا جسوقت میں گناہ کرتا تھا۔ تو حق تعالی دیکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں دیکھتا تھا۔ یہ سنکر حبشی نے ایک نعرہ مارا اور زمین پر گر پڑا۔ اور اسکی روح اسکے جسم خاکی سے پرواز کر گئی حضرت فضیل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حقتعالی نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا۔ کہ گناہگاروں کو خوشخبری دیدے کہ اگر تم توبہ کرو گے تو میں قبول کر لوں گا۔ اور صدیقوں کو ڈرا دے۔ کہ اگر میں نے تم سب کے ساتھ انصاف سے معاملہ کیا تو عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ طلق ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ تعالی کے حقوق اس سے بڑھ کر ہیں کہ آدمی ان پر قائم رہ سکے لیکن صبح کو توبہ کیساتھ اٹھنا چاہئے اور رات کو توبہ کے ساتھ سونا چاہئے۔ حبیب ابن ثابت فرماتے ہیں کہ گناہوں کو بندہ کے سامنے پیش کیا جائیگا وہ ایک گناہ کو دیکھ کر کہیگا۔ کہ آہ میں تجھ سے ہمیشہ ڈرا کرتا تھا۔ حقتعالی اس ڈر کے سبب سے اس کو بخشدیگا۔

حکایت۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت ہی گنہ گار تھا اس نے توبہ کرنی چاہی لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ آیا توبہ قبول ہو گی۔ یا نہ لوگوں نے اسکو ایک نہایت ہی جلیل القدر عابد کا پتہ بتایا۔ اس شخص نے اس عابد سے

جا کر کہا۔ کہ میں نہایت ہی گنہ گار ہوں میں نے ننانوے آدمیوں کو بلا وجہ بے قصور قتل کر ڈالا ہے کیا میری توبہ قبول ہو گی۔ اس عابد نے جواب دیا نہیں اس شخص نے اس عابد کو بھی قتل کر ڈالا اور سو کی تعداد پوری کر لی پھر لوگوں نے اسے ایک نہایت ہی بڑے عالم کا پتہ بتایا۔ اس نے اس عالم سے جا کر دریافت کیا۔ کہ کیا میری توبہ قبول ہو گی۔ عالم نے کہا۔ ہاں مگر تو اپنی اس سرزمین سے نکل جا۔ کیونکہ یہ مقام فساد ہے اور تو فلاں جگہ پر چلا جا۔ وہاں صلحا لوگ رہتے ہیں وہ یہ سُن کر چلا اور راہ ہی میں مر گیا۔ عذاب اور رحمت کے فرشتوں میں اختلاف پڑ گیا۔ ہر ایک نے یہ دعوےٰ کیا کہ وہ ہماری ولایت میں ہے۔ حق تعالیٰ نے اس زمین کے ناپنے کا حکم دیا۔ جب زمین ناپی گئی تو وہ صلحا کی زمین کی طرف ایک بالشت بھر بڑھ چکا تھا۔ پس ملائکہ رحمت اس کی روح کو لے گئے۔ اس سے یہ معلوم ہوا۔ کہ نجات حاصل کرنیکے لئے یہ شرط نہیں کہ گناہ کا پلہ بالکل گناہوں سے خالی ہی ہو۔ بلکہ اتنا چاہیئے کہ نیکیوں کا پلہ بھاری رہے۔ اگر تھوڑا سا بھی جھک گیا۔ تو اس کے سبب سے نجات حاصل ہو جائیگی۔

گناہ صغیرہ و کبیرہ کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور گناہ جسقدر صغیرہ یعنے چھوٹا ہو۔ اُسقدر کام سہل ہو جاتا ہے بشرطیکہ اصرار نہ کرے اور حدیث شریف میں ہے کہ نماز فریضہ سوائے گناہ کبیرہ کے باقی تمام گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے اور جمعہ بھی دوسرے جمعہ تک تمام گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے سوائے کبائر کے حقتعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ یعنی اگر تم گناہ کبیرہ چھوڑ دو گے۔ تو صغیرہ میں معاف کر دونگا۔ پس یہ جاننا فرض ہے کہ گناہ کبیرہ کون کون سے ہیں۔ اور صحابہؓ کا اس میں اختلاف ہے بعض نے تو سات تعداد بتلائی اور بعض نے زیادہ اور بعض نے کم حضرت ابن عباسؓ نے سُنا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ گناہ کبیرہ سات ہیں انہوں نے کہا سات سے زیادہ ستر کے قریب ہیں حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب قوت القلوب میں صحابہؓ کے اقوال کے مطابق جمع کیا ہے سترہ گناہ کبیرہ ہیں چار تو دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک کفر اور دوسرا گناہ پر اصرار کرنیکا ارادہ کرنا۔ اگرچہ وہ صغیرہ ہو مثلاً کوئی شخص بُرا کام کرتا ہے اور اس سے توبہ کرنیکا دل میں ارادہ نہیں رکھتا تیسرا حق تعالیٰ کی رحمت سے نا امید ہو جانا۔ اور اس کو قنوط کہتے ہیں چوتھا حق تعالیٰ کے غصہ سے بےخوف رہنا جیسے تسلی رکھنا کہ میں بخشا ہوا ہوں۔ اور چار گناہ زبان سے متعلق ہیں ایک جھوٹی گواہی۔ کیونکہ اس سے دوسرے کا حق باطل ہوتا ہے دوسرے کسی کو زنا کی تہمت لگانا۔ کیونکہ اس سے حد شرع قائم ہو جاتی ہے تیسرا جھوٹی قسم کھانا کیونکہ اسکے سبب کسی کا مال یا حق چھن جاتا ہے۔ چوتھا جادو کیونکہ وہ بھی ایسے کلمات سے ہوتا ہے جو زبان سے ادا کئے جاتے ہیں اور تین گناہ کبیرہ ایسے ہیں جو پیٹ سے تعلق رکھتے ہیں ایک شراب نوشی کرنا اور جو چیز نشہ آور ہو۔ دوسرا یتیم کا مال کھانا

تیسرؔا سود کھانا اور دو گناہ کبیرہ ہیں جو فرج سے تعلق رکھتے ہیں ایکؔ زنا۔ دوسؔرا لواطت۔ اور دو گناہ کبیرہ ایسے ہیں جو ہاتھ سے سرزد ہوتے ہیں۔ ایکؔ قتل کرنا۔ دوسرا چوری کرنا۔ جس سے حدّ شرع واجب ہو جائے ایک گناہ کبیرہ پاؤں سے ہوتا ہے وہ کفّار کے مقابلہ میں صفِ جنگ سے بھاگ جانا ہے جبکہ ایک مسلمان دو کافروں سے بھاگ جائے۔ یا دس مسلمان بیس کافروں سے بھاگ جائیں اگر کافر دُگنے سے زاید ہوں تو بھاگنا درست ہے اور ایک گناہ کبیرہ ایسا ہے جو تمام جسم سے ہوتا ہے اور وہ ماں باپ کو رنج پہنچانا ہے جاننا چاہیئے کہ یہ تفصیل اس لئے معلوم ہوئی ہے کہ ان میں سے بعض گناہوں پر تو حدّ شرع واجب ہوتی ہے اور بعض پر قرآن پاک میں شدید تہدید آئی ہے اور اسکی تفصیل میں ایک پھیر ہے جو احیاء العلوم میں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس کی متحمل نہیں انکے جاننے سے مقصود یہ ہے کہ آدمی ان کبائر سے نہایت احتیاط رکھے اور جاننا چاہیئے کہ گناہ صغیرہ پر بھی اصرار کرنا کبیرہ ہے اگرچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ نمازِ فریضہ گناہ صغیرہ کا کفارہ ہو جاتی ہے مگر اس میں بھی اختلاف نہیں کہ اگر آدمی کی گردن پر ایک دانگ برابر بھی ظلم ہو تو فرائض اسکا کفارہ نہیں ہو سکتے۔ جبتک کہ اسے ادا نہ کریگا جو گناہ حق تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے وہ ان مظلوموں کی بہ نسبت بخشش کے قریب ہے جو خلق کے مظلوموں سے تعلق رکھتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ ہر آدمی کے تین اعمالنامے ہیں ایک میں تو وہ گناہ تحریر کئے جاتے ہیں جو ناقابل عفو ہونگے اور وہ گناہ شرک ہے اور ایک میں گناہ تحریر کئے جاتے ہیں جو حقتعالیٰ اور بندہ کے درمیان میں ہیں اور بخشدیئے جائینگے اور ایک میں وہ گناہ تحریر کئے جاتے ہیں جن سے خلاصی کی امید نہیں اور وہ بندگانِ خدا کے مظلوموں کا دفتر ہے اور جاننا چاہیئے۔ کہ جس جس امر سے کسی مسلمان کو رنج یا تکلیف ہو وہ بھی اسی قبیل سے ہے خواہ وہ مسلمان کی ذات سے متعلق ہو خواہ مال سے خواہ حشمت سے خواہ مروّت سے خواہ دین سے جیسے کوئی شخص کسی کو بدعت کی طرف دعوت دے تاکہ اسکا دین لے لے یا کوئی ایسی بات کہے جس سے لوگ گناہوں پر دلیر ہو جائیں۔

ان اسباب کا بیان جن سے گناہ صغیرہ کبیرہ بن جاتے ہیں

جاننا چاہیئے کہ گناہ صغیرہ میں اس بات کی امید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ اسے بخشش دیگا۔ لیکن بعض اسباب کی بنا پر صغیرہ کبیرہ بن جاتا ہے اور اسکا خطرہ بھی سخت ہو جاتا ہے اور وہ اسباب چھ ہیں۔ پہلاؔ یہ کہ آدمی گناہ صغیرہ پر اصرار کرتا رہے جیسے کہ ہمیشہ غیبت کرے یا ہمیشہ ریشمی کپڑا پہنے یا گانے کو لہو و لعب کے طور پر سنا کرے کیونکہ جو گناہ متواتر کیا جاتا ہے اس کو دل کے تاریک کرنے میں بڑا اثر ہوتا ہے اور اسوجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نیکی سب سے اچھی ہے جو ہمیشہ ہوتی رہے چاہے وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک قطرہ پانی کے پتھر پر متواتر گرنے سے پتھر میں سوراخ ہو جاتا ہے اور اگر وہ تمام پانی یکبارگی بہا دیا جائے تو اثر نہیں کرتا لیکن جو شخص گناہ کبیرہ صغیرہ میں

مبتلا ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ استغفار سے اسکا تدارک کرتا ہے اور پشیمان ہوتا ہے اور اس بات کا قصد کرتا ہے کہ پھر نہ کریگا۔ حتّٰی کہ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ گناہ کبیرہ استغفار سے صغیرہ ہو جاتا ہے اور صغیرہ گناہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر گناہ کو حقیر خیال کریگا اور چشمِ حقارت سے دیکھیگا تو گناہ صغیرہ اس سے کبیرہ ہو جائیگا اور جب گناہ کو بڑا خیال کریگا تو وہ کم ہو جائیگا۔ کیونکہ گناہ کو بڑا خیال کرنا خوف اور ایمان کیوجہ سے ہوتا ہے اور یہ امر ظلمت گناہ سے دل کی حمایت کرتا ہے کہ اسکا اثر نہیں ہونے پاتا۔ اور گناہ کو چھوٹا خیال کرنا غفلت کے سبب سے اور گناہ کے ساتھ محبت کے باعث ہوتا ہے اور یہ بات اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ گناہ نے دل کے ساتھ مناسبت پیدا کرلی ہے۔ بہر حال کام تو دل ہی سے رہتا ہے اور جو بات دل کیلیئے مؤثر ہو وہ بہت بڑی ہے حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان اپنے گناہوں کو اپنے اوپر ایک پہاڑ سمجھتا ہے اور ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے کہ مبادا کہیں میرے اوپر پھٹ پڑے اور منافق اپنے گناہوں کو مکھی خیال کرتا ہے کہ جو اس کی ناک پر بیٹھتی ہے اور اڑ جاتی ہے بزرگوں کا قول ہے کہ جو گناہ نہیں بخشا جاتا وہ یہ ہے کہ آدمی اس کو اپنے دل میں سہل اور خفیف خیال کرے اور کہے کہ کاش سب گناہ ایسے ہی ہوتے ایک پیغمبر علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ گناہ کی خُردی پر خیال نہ کر حق تعالیٰ کی بزرگی و عظمت کی طرف دھیان کر کہ تو نے اسکے حکم کی خلاف ورزی کی اور جسقدر بندہ حق تعالیٰ کے جلال کو زیادہ پہچانتا ہے اسیقدر چھوٹے گناہ کو بڑا جانتا ہے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے کام کرتے ہو کہ انکو بال کے برابر جانتے ہو اور ہم ہر ایک ان میں سے پہاڑ جتنا سمجھتے ہیں اور تمام گناہوں میں حق تعالیٰ کا غصہ پوشیدہ ہے اور ممکن ہے کہ اسی میں ہو جس کو تو سب سے آسان جانتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ یعنی تم اسے آسان جانتے ہو۔ حالانکہ وہ حق تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ گناہ کے سبب شاد ہو اور اسکو غنیمت و فتوح خیال کرے اور اسپر فخر جتائے اور ممکن ہے کہ فخر و مباہات کے طور پر کہے کہ میں نے فلاں کو فریب دیا اور خوب لتاڑا اور اسکا مال لوٹ لیا۔ گالیاں دیں۔ اور شرمندہ کیا اور مناظرہ میں اسکو رنج و غصہ دیا اور اس قسم کی باتیں کہے پس جو شخص اپنی ہلاکت پر خوش ہو اور اسپر فخر کرے تو یہ اسکا دل سیاہ ہونیکی دلیل ہے اور یہی امر اس کی ہلاکت کا سبب ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ اسکے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور وہ اسکو اپنے حق میں حق تعالیٰ کی عنایت خیال کرے اور نہ ڈرے کہ شاید حق تعالیٰ نے اسکو مہلت دی ہو تاکہ پورے طور پر ہلاک ہو جائے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ اپنے گناہ کو ظاہر کرے اور حق تعالیٰ کے پردہ کو اپنے سے اٹھا دے کہ شاید اور لوگ بھی اسکی وجہ سے اس گناہ کی طرف راغب ہوں تو ایسی حالت میں بھی دوسروں کے گناہ اور رغبت کا وبال بھی اسکی گردن پر ہوگا۔ اور اگر صاف طور پر کسی کو ترغیب دے۔ اور گناہ کے اسباب مہیا کرے یہانتک کہ وہ سیکھ جائے تو وبال مضاعف ہو جائیگا سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی قیامت نہیں کہ مسلمانو

کی نظر میں گناہ کو آسان کر دے چھٹا سبب یہ ہے کہ عالم و مقتدا ہو کر گناہ کرے اور اسکے افعال کو دیکھ کر دوسرے بھی دلیر ہو جائیں اور کہیں کہ اگر یہ بات ناکردنی ہوتی تو وہ عالم و مقتدا نہ کرتا مثلاً کوئی عالم ابریشمی لباس پہنے اور بادشاہوں کے سامنے جائے اور انکا مال لیا کرے اور مال و جاہ کی زیادتی پر فخر کرے اور مناظرہ میں سفاہت کی باتیں کرے اور اپنے ہمسروں کو طعنہ زنی کی باتیں کرے تو اسکے تمام شاگرد اسکی پیروی کرینگے اور وہ بھی اپنے استاد کی طرح ہو جائیں گے اور پھر انکے شاگرد ان کی متابعت کریں گے اور ہر ایک کے سبب سے ایک بستی کی بستی تباہ و برباد ہو جائیگی کیونکہ ہر ہر شہر کے لوگ ان میں سے ایک ایک کے معتقد ہونگے۔ تو ایسی صورت میں ناچار سب کے گناہ کا وبال مقتدا کے دفتر عمل میں ہوگا بزرگوں نے اسی لئے کہا ہے کہ اچھا ہے وہ آدمی جو مر جائے اور اسکے ساتھ اس کے گناہ بھی مر جائیں اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسکے گناہ اسکے بعد ہزار سال تک باقی رہتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ایک عالم نے توبہ کی اس زمانہ کے رسول پر حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اس سے کہدو کہ اگر تیرے گناہ میرے اور تیرے درمیان ہی ہوتے تو میں تجھ کو بخشدیتا۔ اب تو نے خود تو توبہ کر لی مگر وہ قوم جس کو تو نے تباہ کیا وہ تو اسی طرح رہی۔ اس کو کیا کریگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ علماء کیلئے بہت خطرہ ہے اور اسکا ایک گناہ ہزار گناہ کے برابر ہے اور انکی ایک عبادت ہزار عبادت کے برابر ہے کیونکہ جو شخص انکی عبادت کی متابعت کرتا ہے ان میں سے انکو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے اس لئے عالم پر گناہ نہ کرنا واجب ہے اور اگر گناہ کرے بھی تو چھپا کر کرے بلکہ اگر کوئی مباح کام بھی ہو۔ کہ لوگ جسکے سبب غفلت کیوجہ سے گناہ پر دلیر ہو جائیں تو اس سے حذر کرے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے ہنستے تھے اور کھیلتے تھے اب جبکہ ہم مقتدا ہو گئے تو ہمیں مسکرانا بھی روا نہیں۔ عالم کی چوک اور لغزش کا نقل کرنا بھی بڑا گناہ ہے کیونکہ اسکے سبب سے بہت لوگ صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتے ہیں اور گناہ پر دلیر ہو جاتے ہیں پس تمام خلق کی خطاؤں کا چھپانا واجب ہے اور علماء کی خطاؤں کا چھپانا واجب تر ہے:

سچّی توبہ کے شرائط اور علامت

جاننا چاہیئے کہ توبہ کی اصل پشیمانی ہے اور توبہ کا نتیجہ وہ ارادت ہے جو ظاہر ہو۔ پشیمانی کی علامت یہ ہے کہ تائب ہمیشہ اندوہ و حسرت میں رہے اور اسکا کام زاری تضرع ہو۔ کیونکہ جس نے اپنے آپکو مشرف بہ ہلاکت دیکھا وہ حسرت و اندوہ سے کسطرح خالی رہیگا۔ اگر کسی کا لڑکا بیمار ہو جائے اور کوئی طبیب ترسا یہ کہدے کہ یہ بیماری خطرناک ہے اور اس سے ہلاکت کا خطرہ ہے۔ تو یہ بات ظاہر ہے کہ اس بات سے باپ کے دل میں کسقدر رنج و غم کی آگ لگے گی اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ باپ کو اپنی جان فرزند سے زیادہ عزیز ہوتی ہے خدا اور اسکا رسول طبیب

ترساسے بھی زیادہ صادق ہیں اور آخرت میں ہلاکت کا خطرہ موت کے خطرہ سے بھی زیادہ عظیم ہے اور گناہ کی دلالت حق تعالیٰ کے غصہ پر زیادہ دلالت کرتی ہے بہ نسبت بیماری کی دلالت موت پر پس اگر اس سے آدمی کے دل میں خوف و حسرت پیدا نہ ہو تو اسکا سبب یہی ہوگا۔ ابھی گناہ کی آفت پر وہ ایمان نہیں لایا۔ اور یہ آگ جسقدر زیادہ تیز ہوتی ہے اسی قدر گناہوں کو خاک سیاہ کرنے میں اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ آدمی کے دل کو گناہ کے سبب جو زنگ لگجاتا ہے بسوائے حسرت و ندامت کی آگ کے اور کوئی شے اسے دور نہیں کرتی اور اس کی سوزش آدمی کے دل کو صاف اور رقیق بنا دیتی ہے حدیث شریف میں توبہ کرنیوالوں کے ساتھ بیٹھنے کا حکم ہے کیونکہ انکا دل نہائت رقیق ہوتا ہے اور دل جسقدر صاف ہو۔ اسیقدر گناہوں سے قاصر ہوتا ہے اور دل میں گناہ کی حلاوت تلخی سے متبدل ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر نے حق تعالیٰ کی جناب میں ایک شخص کی توبہ کی قبولیت کیلئے سفارش کی۔ حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ مجھے اپنی عزت کی قسم اگر تمام آسمانوں کے فرشتے بھی اسی کے حق میں سفارش کریں تو تب بھی اسکی توبہ قبول نہ کرونگا۔ جبتک کہ اسکے دل میں گناہوں کی حلاوت موجود رہیگی۔ جاننا چاہیئے کہ گناہ اگرچہ مرغوب الطبع ہوتا ہے لیکن تائب کے حق میں اس کی مثال زہر آلود شہد کی سی ہے جس نے ایک بار بھی اس شہد کو کھایا۔ اور وہ دوبارہ جب اسکے دیکھنے کا خیال بھی کریگا۔ تو اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائینگے اور اسکی خواہشِ حلاوت اسکے نقصان کے خوف میں دب جائیگی یہ صرف ایک گناہ ہی پر موقوف نہیں بلکہ یہ تلخی سب گناہوں میں معلوم ہوگی۔ کیونکہ وہ گناہ جو اس نے کیا تھا اس سبب سے زہر تھا کہ اس میں حق تعالیٰ کی رضامندی نہ تھی اور تمام گناہوں کی یہی حالت ہے اور اس پشیمانی کیوجہ سے جو ارادہ پیدا ہوتا ہے اسکا تعلق تین زمانوں سے ہے۔ حال۔ ماضی مستقبل بحال سے تو یہ تعلق کہ تمام گناہوں کو ترک کر دے اور فرائض میں مشغول رہے اور مستقبل سے یہ تعلق ہے کہ اسبات کا ارادہ کرے کہ تمام گناہوں سے صبر کرونگا۔ اور ظاہر و باطن سے حق تعالیٰ کیساتھ پکا عہد کرلے کہ اب گناہوں کے نزدیک نہ جاؤنگا اور فرائض کے بجالانے میں قاصر نہ رہونگا۔ جیسے جو بیمار نہ جانے کہ میوہ میرے لئے نقصان دہ ہے اور پہچان کر پختہ عہد کرلے کہ میں میوہ ہرگز ہرگز نہ کھاؤں گا۔ اور ارادہ کرتے وقت تردد اور سستی سے کام نہ لے اگرچہ خواہش کا پھر دوبارہ غصہ کرنا ممکن ہو۔ اور یہ ممکن نہیں کہ آدمی توبہ کو نباہ سکے بگر عزلت اور خاموشی اور لقمہ حلال سے جو پیدا کیہ لیا ہو یا اسکے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ جبتک آدمی شبہ کی چیز دل سے دستبردار نہیں ہوتا اسوقت تک اس کی توبہ کامل نہیں ہوتی اور جبتک خواہشات کو نہ چھوڑیگا۔ مشتبہ اشتہا کو ترک نہ کر سکے گا بزرگوں کا مقولہ ہے جس شخص پر کسی شے کی خواہش غالب ہو وہ تکلیف کے ساتھ سات بار اس سے ہاتھ روکے پھر اس کیلئے اسی کا ترک کر دینا آسان ہو جائیگا۔ اور زمانہ ماضی سے ارادہ کا تعلق اسطرح ہے کہ گذشتہ گناہوں کا تدارک کرے

اور غور کرے۔ کہ میں نے حق تعالیٰ اور بندوں کے کن کن حقوق میں قصور کیا۔ حق تعالیٰ کے حقوق دو طرح پر ہیں فریضہ ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا۔ فرائض کے بارہ میں آدمی کو چاہیئے کہ جسدن سے بالغ ہوا اسی دن سے ایک ایک دن کا خیال رکھے اگر نماز فوت ہوگئی ہو۔ یا کپڑا پاک نہ تھا۔ یا اسکی نیت درست نہ تھی یا لاعلم تھا یا اس کے اصل اعتقاد میں کچھ شک وخلل تھا تو جسقدر نمازیں درست نہیں ہوئیں ان سب کی قضا کرے اور جس تاریخ سے مالدار ہو۔ گو کہ لڑکا ہی رہا ہو اس تاریخ سے جسقدر زکوٰۃ ادا نہ کی ہو۔ یا ادا کی ہو تو مستحقین کے حوالہ کی ہو۔ یا چاندی سونے کے برتن اپنی ملکیت میں رکھ کر انکی زکوٰۃ نہ دی ہو۔ تو اسپر واجب ہے کہ سب کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔ یا اگر رمضان شریف کے روزوں میں قصور کیا ہو۔ یا نیت بھول گیا ہو یا انکی شرط ادا نہ کی ہو تو روزوں کی بھی قضا کرے ان میں سے تو جن کو یقیناً جانتا ہو۔ انکی تو قضا ادا کر دے اور جس میں شک ہو تو اس میں جس طرف ظن غالب ہو اسے اختیار کرے اور غور و تامل کے بعد جسقدر یقینی ہوں انہیں محسوب کر کے باقی کو قضا کرے اصل تو یہی ہے اور اگر جن میں ظن غالب ہے انہیں بھی محسوب کر لیگا تو بھی درست ہے۔ اور گناہوں کو بھی ابتدائے بلوغ سے دیکھے کہ آنکھ۔ کان۔ ہاتھ۔ زبان۔ معدہ سے کیا کیا گناہ سرزد ہوئے ہیں اور اگر گناہ کبیرہ ہوں جیسے زنا۔ لواطت۔ چوری۔ شرابخوری اور جس گناہ پر حق تعالیٰ نے حدِ مقرر فرمائی ہو اس سے توبہ کرے اور یہ واجب نہیں کہ حاکم کے سامنے جا کر اقرار کرے تاکہ وہ اسپر حد شرع جاری کرے بلکہ چاہیئے کہ اسے پوشیدہ رکھے اور کثرتِ عبادت اور توبہ کرنے سے اسکی تلافی کرے اور اگر صغائر ہوں تو تب بھی ایسا ہی کرے مثلاً کسی نا محرم کی طرف نظر کی ہے یا بلا وضو قرآن شریف کو چھوا ہے یا ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جا بیٹھا ہے یا سماع سرود سنا ہے تو جو کام ان گناہوں کے خلاف اور ضد ہوں انکے کرنیسے انکا کفارہ ادا کرتے کہ وہ کام ان گناہونکو مٹا دیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ لیکن جو کام اسکا ضد ہو اسکا اثر بھی بہتر ہو تو سماع سرود کا کفارہ قرآن شریف کے سننے اور مجلس علم میں شامل ہونیسے کرے اور مسجد میں ناپاکی کیحالت میں بیٹھنے کا کفارہ عبادت اور اعتکاف سے ادا کرے اور شرابخوری کا کفارہ اسطرح کرے جو پینے کی حلال چیز اسے بہت مرغوب ہو اسے نہ پیئے اور صدقہ میں دیتا کہ ان گناہوں سے جو ظلمت نصیب ہوئی ہو اسکے مقابل ان نیک اعمال سے نور حاصل ہو کر ان ظلمتوں کو دل سے دور کرے۔ بلکہ دنیا میں جو خوشی حاصل ہو ہر ایک خوشی کے مقابلہ میں ایک ایک رنج کھینچنے سے کفارہ ادا کرے کیونکہ دنیا کی خوشی اور راحت سے دل دنیا میں اٹک جاتا ہے اور رنج اٹھانیسے دل کو دنیا سے نفرت پیدا ہوتی ہے اسلئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان کو رنج پہنچتا ہے اگرچہ وہ کانٹا ہی کیوں نہ اسکے بدن میں چبھا ہو لیکن وہ بھی اسکے گناہونکا کفارہ ہو جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ سوائے رنج کے انکا کوئی کفارہ ہی نہیں ہوتا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس بندہ کے بہت گناہ ہوں

اور اسکی کوئی عبادت نہ ہو جو اس گناہ کا کفارہ ہو سکے تو حق تعالیٰ اس بندہ کے دل میں رنج پیدا کر دیتا ہے تاکہ وہ ان گناہوں کا کفارہ بنجائے اگر تم یہ کہو کہ اس اندوہ کا پیدا کر لینا آدمی کے بس کی بات نہیں ہے تو یہ امر ایسا نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ خود دنیوی کاموں سے اندوہگین ہو پھر اگر تم یہ کہو کہ یہ تو خود خطا ہے خطا کا کفارہ کیونکر ہوگا تو یہ بھی امر ایسا نہیں بلکہ جو شے تیرے دل میں دنیا کی طرف سے نفرت پیدا کرے وہ تیری بھلائی ہے اگرچہ وہ تیرے اختیار سے نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر اس اندوہ پر بدلہ میں مراد کے بر آنیکی خوشی میسر ہوتی تو پھر دنیا ہی کو اپنی جانتا حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ تو نے اس پیر اندوہگین کو کس حالت میں چھوڑا یعنے یعقوب علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ اتنے اندوہ میں چھوڑا جتنا رنج اس ماں کے دل میں ہو جسکے سو لڑکے مارے گئے ہوں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اسکے اس رنج و اندوہ کا کیا عوض ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا سو اماموں اور شہیدوں کا ثواب۔

بندوں کے مظالم کے باب میں بھی آدمی کو چاہیئے کہ سب کیساتھ اپنے معاملہ کا حساب کرے بلکہ پاس بیٹھنے اور بات کرنیکا بھی حساب کرے تاکہ اسپر جس کسی کا مالی حق ہو یا اس نے اس کو رنج دیا ہو یا اسکی غیبت کا مرتکب ہوا ہو تو اس سے عہدہ برآ ہو جائے جو کچھ اب پھیر دینیکے قابل ہو اسے پھیر دے اور جو معاف کرا لینے کے قابل ہو اسکی معافی کرائے اگر کسی کو قتل کیا ہوا ہو۔ تو آپکو اسکے ورثار کے حوالہ کر دے تاکہ وہ قصاص لے لیں یا معاف کر دیں اگر کسیکا دام یا درہم اسکے ذمہ بطور قرض کے ہو تو اسے تلاش کر کے ادا کر دے اگر اسے نہ پائے تو اسکے ورثار کو دیدے اور یہ امر سوداگروں اور عاملوں کیلئے نہایت مشکل ہے کیونکہ انکے معاملات زیادہ ہوتے ہیں اور خاص کر غیبت کے بارہ میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ کیونکہ جن جن کی غیبت کی ہے ان سبکو تلاش نہیں کر سکتے تاکہ ان سے معاف کرالیں جب اس بات سے آدمی متعذر ہو تو سوائے اس کے عہدہ برآئی کا اور کوئی طریق نہیں کہ عبادت بکثرت کرے حتیٰ کہ اسقدر عبادت ہو جائے کہ جب قیامت کے دن انکے حقوق کے عوض میں اسکی عبادت سے ادائیگی عمل میں لائی جائے تو کفایت کر سکے۔

فصل مداومتِ توبہ کا بیان

جس شخص سے گناہ سرزد ہو اُسے چاہیئے کہ جلدی اسکے تدارک و کفارت میں مشغول ہو جائے بزرگوں نے کہا ہے آٹھ کام ایسے ہیں اگر انکو گناہ کے بعد کیا جائے تو گناہ کا کفارہ ہو جاتے ہیں چار دل سے متعلق ہیں ایک تو یہ یا توبہ کا ارادہ دوسرے اسبات کی خواہش کہ پھر ایسا نہ کرونگا۔ تیسرے یہ خوف کہ اس گناہ کے سبب سے تجھ پر عذاب ہوگا چوتھے حق تعالیٰ سے عفو کی امید رکھنا اور چار کام بدن سے متعلق ہیں۔ ایک توبہ کی دو رکعت نماز ادا کرے اور اسکے بعد ستر بار استغفار

پڑھے اور سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ کہے اور صدقہ دے جسقدر ہوسکے ایکدن روزہ رکھے اور بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ اچھی طرح طہارت کرے اور مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرے حدیث شریف میں ہے کہ جب تو نے گناہ پوشیدہ طور پر کیا۔ تو حق تعالٰی کی عبادت بھی پوشیدہ طور پر کرتا کہ وہ اسکا کفارہ ہوجائے اور جب تو نے گناہ کو ظاہر ہوکر کیا تو حقتعالے کی عبادت بھی ظاہر ہوکر کر اور جاننا چاہیئے کہ زبانی استغفار کرنا جس میں دل کو تعلق نہ ہو مفید نہیں اور دل کی شرکت اس میں اسطرح ہوتی ہے کہ استغفار کرنے میں تضرع اور ہراس ہو اور طلب مغفرت تشویر اور خجلت سے خالی نہ ہو جب یہ حالت پیدا ہوجائے۔ تو اگرچہ توبہ کا عزم مصمم نہ کیا ہو لیکن تب بھی بخشش ہوجانیکی امید ہے بہرحال اگرچہ دل غافل ہی ہو لیکن زبانی استغفار بھی فائدہ سے خالی نہیں اور کچھ نہ سہی تو زبان ہی بیہودہ باتوں سے محفوظ رہیگی اور خاموش رہنے سے بھی بہتری ہوتی ہے کیونکہ جب زبان کو نیک عادت پڑگئی تو بہ نسبت بیہودہ گوئی کے استغفار کی طرف زیادہ راغب ہوگی۔ حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے آپکے مرید نے عرض کیا کہ بعض وقت میری زبان پر حق تعالٰی کا ذکر بدلی سے جاری ہوجاتا ہے فرمایا شکر کر حق تعالٰی نے تیرے ہر ایک عضو کو اپنے کام میں لانا چاہا ہے جاننا چاہیئے کہ اس امر میں شیطان نہایت فریب کاریاں دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ زبان کو بند کرلے۔ کیونکہ جب دل ہی حاضر نہیں تو محض زبانی ذکر گستاخی اور بے ادبی میں داخل ہے شیطان کی اسبات کا جواب دینے کیلئے لوگوں کے تین گروہ ہیں ایک گروہ سابق ہے جو کہتا ہے کہ تو نے سچ کہا۔ اچھا میں تیرے جلانے ہی کیلئے خواہ مخواہ دل کو حاضر کرتا ہوں اور یہ گروہ شیطان کے زخموں پر نمک چھڑکتا ہے دوسرا گروہ ظالم ہے وہ شیطان کو جواب دیتا ہے کہ تو نے سچ کہا۔ واقعی زبان ہلانا بے سود ہے اور خاموش ہوجاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں نے دانائی کی حالانکہ یہ امر شیطان کے ساتھ موافقت کرنا اور محبت کرنا ہے تیسرا گروہ مقتصد ہے یہ شیطان کے جواب میں کہتا ہے کہ اگرچہ میں دل کو حاضر نہیں کرتا لیکن زبان کو حق تعالٰی کے ذکر میں مشغول کرنا آخر خاموشی سے تو بہتر ہے جیسکہ بادشاہی صرافی سے اور صرافی خاکروبی سے افضل ہے یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بادشاہی سے عاجز ہو۔ وہ صرافی سے بھی ہاتھ اٹھالے اور خاکروبی کرنے لگے۔

علاجِ توبہ

جاننا چاہیئے کہ جو شخص توبہ نہیں کرتے انکا علاج یہ ہے کہ اسبات سے واقفیت حاصل کیجائے کہ وہ کسوجہ اور کس سبب کی بناء پر گناہ پر اصرار کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے وہ پانچ اسباب ہیں اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ علاج ہے اوّل سبب یہ ہے کہ آخرت پر ایمان نہ رکھے یا آخرت کے بارہ میں اسے شک ہو اسکا علاج ہم نے کتاب غرور جو آخر مہلکات میں تھا بیان کردیا ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ شہوت و خواہش اسپر اسقدر غلبہ پاچکی ہو کہ اسکے ترک کرنیکی

طاقت نہ رکھے اور لذات دنیوی اسقدر غالب آچکی ہوں کہ وہ کارِ آخرت کے خطرہ سے غافل ہو گیا اور بہت سے لوگوں کے لئے حجاب عام طور پر خواہشات ہی ہوتی ہیں۔ اسی سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقتعالے نے دوزخ کو پیدا کیا تو جبرئیل علیہ السلام سے دیکھنے کو کہا تو عرض کیا قسم ہے تیری ذات کی۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اسکی صفت کو سُنے اور پھر اس کی جانب آنیکی کوشش کرے پھر حق تعالیٰ نے خواہشات کو دوزخ کے گرد اگرد پیدا کیا اور پھر جبرئیل علیہ السلام سے دیکھنے کو کہا۔ جب اس نے دیکھا تو کہا کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو دوزخ میں نہ جائیگا پھر حق تعالیٰ نے بہشت کو پیدا کیا۔ اور جبرئیل سے دیکھنے کو کہا۔ جب اس نے دیکھا تو عرض کیا کہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اسکی صفت سنے اور پھر اسکی جانب نہ دوڑے پھر حق تعالیٰ نے مکروہات اور ان دشوار و تلخ کاموں کو جو بہشت کی راہ میں حائل ہیں بہشت کے آس پاس پیدا کیا۔ اور پھر جبرئیل علیہ السلام سے دیکھنے کو کہا۔ جب اس نے دیکھا تو عرض کیا تیری عزت کی قسم ہے کہ کوئی شخص بہشت میں نہ جائیگا۔ ان تکالیف کے خوف سے جو اسکی راہ میں حائل ہیں تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ آخرت کا وعدہ ہی وعدہ ہے اور دنیا نقد ہے اور آدمی کی طبیعت نقد مال کی طرف جلد مائل ہوتی ہے۔ کیونکہ جو ادھار ہوتا ہے وہ آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے اور جو شے آنکھ سے دور ہوتی ہے وہ دل سے بھی دور ہوتی ہے چوتھا سبب یہ ہے کہ جو مومن ہوتا ہے وہ ہر وقت توبہ کا ارادہ کرتا ہے لیکن تاخیر سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے۔ کل توبہ کر لوں گا اور جو خواہش پیش آتی ہے یہ کہتا ہے اسے تو کر لوں اور پھر کچھ نہ کچھ کرونگا۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ آدمی خیال کرتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ گناہ دوزخ میں لیجائے بلکہ عفو بھی ممکن ہے اور آدمی ہمیشہ اپنے نصیب کے حق میں نیک گمانی سے کام لیتا ہے اور جب کوئی خواہش غالب ہوتی ہے تو کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کر دیگا۔ اور رحمت کا امیدوار رہتا ہے پہلے سبب یعنی آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا علاج ہم بیان کر چکے ہیں لیکن جو شخص آخرت کو ادھار جانتا ہے اور دنیا جو نقد ہے اسے نہیں چھوڑتا۔ اور آخرت کو جو آنکھ سے دور ہے دل سے بھی دور رکھتا ہے اسکا علاج یہ ہے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ جو چیز یقیناً آنیوالی ہے وہ ابھی آئی ہوئی ہے۔ بات فقط اتنی ہے جب آنکھ بند کی اور مر گیا۔ آخرت نقد ہو گئی اور شاید یہ بات یعنی موت آج ہی واقع ہو جائے اور یہ ادھار اسی دم نقد ہو جائے اور وہ نقدی یعنی دنیا گئی گزری ہو اور خواب و خیال ہو جائے اور جو شخص ترک لذت کی تاب نہیں لاسکتا اسے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ آتش دوزخ کا متحمل کیونکر ہوگا اور بہشت کی لذتوں سے کسطرح صبر کریگا۔ آدمی کی بیماری کیحالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ اور کوئی شے اچھی معلوم نہیں دیتی لیکن جب کوئی یہودی طبیب اسے پانی کے نقصان سے آگاہ کرتا ہے تو وہ شفا کی امید پر پانی کو ترک کر دیتا ہے اور اپنی خواہش کے خلاف کرتا ہے اور حق تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کے قول کے مطابق بامید بادشاہی ابد بطریق اولیٰ ترک شہوات ہونا چاہیئے اور جو شخص تائب ہونے میں تاخیر سے کام لیتا ہے اس سے کہنا چاہیئے کہ تو کس بات پر بھولا ہوا ہے اور توبہ کرنے میں

کل تک کی کیا دیر لگا رکھی ہے ممکن ہے کل کا دن تجھے نصیب ہی نہ ہو اور تو آج ہی ہلاک ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔ کہ اہل دوزخ کی واویلا زیادہ تر تاخیر کے سبب سے ہوگی ایسے شخص سے یہ کہنا چاہیئے کہ تو توبہ کرنے میں کیوں دیر سے کام لیتا ہے اگر اس وجہ سے دیر کرتا ہے کہ آج شہوات کا ترک کرنا دشوار ہے اور کل آسان ہو جائیگا تو اس خیال محال کو اپنے دل سے نکال دے کیونکہ جیسا آج دشوار ہے ویسا ہی کل دشوار ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ نے کوئی ایسا دن پیدا نہیں فرمایا کہ جس میں ترک شہوات آسان ہو اور ایسے شخص سے کہنا چاہیئے کہ تیری مثال اس شخص کی سی ہے کہ جسکو حکم دیا جائے کہ درخت کو جڑ سے اکھاڑ ڈال اور وہ یہ کہے کہ درخت نہایت مضبوط ہے اور میں کمزور ہوں برس دن انتظار کر کے اگلے سال اسکو اکھاڑوں گا۔ تو ایسے شخص کو یہی جواب دیا جائیگا۔ کہ اے احمق اگلے سال تو درخت اور مضبوط ہو جائیگا اور تو اور بھی کمزور ہو جائیگا۔ اسی طرح خواہشات کا درخت بھی دن بدن مضبوط ہوتا جاتا ہے اس وجہ سے کہ تو انکی تعمیل کرتا ہے اور تو دن بدن ان کی مخالفت سے زیادہ عاجز ہوتا جاتا ہے تو جتنی جلدی اس درخت کو اکھاڑیگا۔ اتنا ہی اکھاڑنے میں تجھے سہولت ہوگی اور آسانی ہوگی اور وہ شخص جو اپنی مسلمانی پر بھروسہ رکھتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور حقتعالیٰ مسلمانونکو معاف کر دیگا۔ اس سے ہم کہیں گے کہ شاید حق تعالیٰ معاف نہ کرے اور تیری عبادت نہ کرنے سے شاید تیرے ایمان کا درخت کمزور ہو جائے اور موت کے وقت سکرات کی آندھی سے اکھڑ جائے کیونکہ ایمان ایک ایسا درخت ہے جو عبادت کے پانی سے نشو و نما پاتا ہے۔ اور مضبوط ہوتا ہے جب اسکو پانی نہ ملے تو اسکا خطرے میں ہونا ممکن ہے بلکہ جس شخص نے بہت گناہ کئے ہوں اور عبادت نہ کی ہو اسکے ایمان کی مثال اس بیمار کی سی ہے جس کی بیماری بڑھ گئی ہو اور ہر دم ہلاکت کا خطرہ ہو۔ پھر اگر ایسا شخص ایمان ساتھ بھی لیجائے تو دونوں امر ممکن ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے اسے بخشے یا نہ بخشے اور عذاب کرے تو بالکل اس امید پر بیٹھ رہنا بیوقوفی اور حماقت ہے اور ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو کچھ اسکے پاس ہو اسے ضائع کر ڈالے اور عیال کو بھوکا چھوڑ دے اور کہے کہ ممکن ہے کہ یہ کسی ویرانہ میں جائیں اور خزانہ حاصل کریں یا ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ وہ شہر میں رہائش رکھتا ہو اسے ظالم لوگ لوٹنے کیلئے آئیں اور وہ اپنا مال نہ چھپائے اور اسی طرح گھر میں چھوڑ کر بھاگ جائے اور کہے کہ ممکن ہے کہ جب یہ ظالم میرے گھر تک پہنچیں مر جائیں یا غافل ہو جائیں یا اندھے ہو جائیں اور میرے گھر کو نہ دیکھیں یہ سب ممکن تو ہے۔ ایسا ہی حق تعالیٰ سے بخشش کا امیدوار ہونا ممکن ہے لیکن اسپر اعتماد کرنا اور احتیاط کو ہاتھ سے دیدینا سراسر بیہودگی اور حماقت ہے

فصل

جاننا چاہیئے کہ اس بات میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہ اگر کوئی شخص سب گناہوں سے توبہ نہ کرے کسی ایک گناہ سے توبہ کرے تو یہ امر جائز ہے یا نہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ بات محال ہے کہ ایک شخص زنا سے تو توبہ کرے لیکن شراب سے نہ کرے اگر گناہ سمجھ کر زنا سے تائب ہوتا ہے تو شراب بھی گناہ ہے پس یہ ایسا

ہی محال ہے۔ جیسے آدمی ایک خُمِ شراب سے تو توبہ کرے لیکن ایک ساغر سے نہ کرے کیونکہ حرمت میں دونوں برابر ہیں تو گناہ کی بھی یہی حالت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ایسا امر نہیں اسلئے ممکن ہے کہ آدمی زنا کو شراب سے زیادہ بُرا جانے اور جو زیادہ بُرا ہو اس سے توبہ کرے یا یہ جانے کہ شراب زنا سے زیادہ بُری ہے کیونکہ وہ زنا میں مبتلا کرتی ہے اور دوسرے گناہوں میں بھی ڈالتی ہے اور ممکن ہے کہ غیبت سے توبہ کرے اور شراب سے توبہ نہ کرے اور کہے کہ اس کا تعلق مخلوق سے ہے اور شراب کا صرف میری ذات پر منتہی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ شرابخوری کی کثرت سے توبہ کرے اصل شرابخوری سے تائب نہ ہو۔ اور کہے کہ جسقدر میں زیادہ استعمال کرونگا اسیقدر گناہ زیادہ ہوگا اور میں بالکل شراب نوشی کو ترک نہیں کرسکتا البتہ زیادتی کو چھوڑ سکتا ہوں اور یہ ضروری نہیں کہ جب شیطان مجھ کو ایک کام میں عاجز کردے اور دوسرے کام میں کہ جس میں میں عاجز نہ ہوں اسکی موافقت کروں یہ سب باتیں ممکن ہیں اور یہ جو حدیث شریف میں وارد ہے اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ ظاہر تو یہی معاملہ ہے کہ درجہ محبت اسی کو حاصل ہوتا ہے کہ جو تمام گناہوں سے توبہ کرے اور وہ جو یہ کہتا ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا درست نہیں اسکا یہی مطلب ہے ورنہ ہر وہ گناہ صغیرہ جس سے آدمی توبہ کرتا ہے وہ توبہ اسکا کفارہ ہوجاتی ہے اور وہ گناہ مٹ جاتا ہے اور تمام گناہوں سے یکبارگی توبہ کرنا دشوار ہوتا ہے اور عام طور پر توبہ بتدریج کیجاتی ہے اور جسقدر توبہ میسر ہوتی ہے اسی قدر ثواب ہوتا ہے واللہ اعلم۔

اصل دوسری صبر وشکر کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ توبہ بلا صبر کے درست نہیں ہوتی بلکہ کسی فرض کا درستگی کے ساتھ ادا کرنا اور کسی گناہ کا چھوڑنا بلا صبر کے ممکن نہیں اور یہی وجہ تھی جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ ایمان کیا ہے تو حضورؐ نے فرمایا صبر اور دوسری حدیث میں ہے کہ صبر نصف ایمان ہے اور صبر کی بزرگی اور فضیلت کا سبب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ستر مقامات سے زیادہ پر صبر کو یاد فرمایا۔ اور جو درجہ بلند و برتر ہے اسکو صبر پر موقوف فرمایا ہے اور فرمایا وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا اور بیحساب اجر کو صبر کے حوالہ فرمایا ہے اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اور صابروں سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں وَاللّٰہُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ اور درود و رحمت اور ہدایت تینوں نعمتیں سوائے صابروں کے اکٹھی اور کسی کو مرحمت نہیں فرمائیں اور فرمایا اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ اور صبر کی ایک بزرگی اور فضیلت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اسے عزیز رکھتا ہے اور سوائے اپنے دوستوں کے اور کسی کو مرحمت نہیں فرماتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ اَقَلَّ مَا

او تیتم القین وعزیمۃ الصبر یعنی حق تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو سب سے کم عنایت کی ہیں وہ صبر اور یقین ہے اور جس کسی کو اس نے دونوں عنایت فرمائیں اس سے کہدو کہ کسی قسم کا خوف نہ کھائے گو نماز روزہ کم ہی رکھے اور اے میرے اصحاب آج جس بات پر تم قائم ہو۔ اگر اس سے پھر نہ جاؤ اور اسپر صبر کرو۔ تو میں اسے اس بات سے زیادہ دوست رکھتا ہوں کہ تم سب میں سے ہر ایک تم سب جتنی عبادت کرے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد دنیا کی راہ تمپر کھلجائے اور تم ایکدوسرے سے منکر ہو جاؤ اور اہل ایمان تم سے منکر ہو جائیں اور جو شخص صبر کرتا ہے اور ثواب کا امیدوار ہوتا ہے اس کو ثواب کامل ملیگا۔ تم صبر کرو کہ دنیا باقی نہ رہیگی اور حق تعالیٰ کا ثواب رہیگا۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اور حضور نے آخر تک اس آیت کو تلاوت فرمایا۔ اور حضور نے ارشاد فرمایا کہ صبر ایک خزانہ ہے بہشت کے خزانوں میں سے اور فرمایا اگر صبر مرد ہوتا تو ایک کریم مرد ہوتا اور فرمایا حقتعالےٰ صابرونکو دوست رکھتا ہے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اخلاق میں میری اقتدار کرا اور میرے اخلاق سے ایک یہ بھی ہے کہ میں صابر ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ تم چاہتے ہو ہرگز نہ پاؤگے جبتک کہ صبر نہ کروگے اس چیز پر جس کو تم چاہتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو دیکھا فرمایا کیا تم مومن ہو انہوں نے عرض کیا ہم مومن ہیں۔ حضور نے فرمایا نشان کیا ہے انہوں نے عرض کیا نعمت میں شکر کرتے ہیں اور تکلیف میں صبر کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی قضاء کیساتھ خوش رہتے ہیں فرمایا۔ خدا کی قسم تم پکے مسلمان ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبر ایمان کا سر ہے جیسیکہ بدن کا سر ہوتا ہے جسکا سر نہیں اسکا تن بھی نہیں اور جس کو صبر نہیں اس کو ایمان نہیں۔

صبر کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ صبر صرف آدمی ہی کی خاصیت ہے۔ بہائم کو صبر نہیں۔ اس لئے کہ وہ ناقص ہیں اور ملائکہ پر صبر کی حاجت نہیں اسلئے کہ وہ کامل ہیں اور خواہشات سے آزاد ہیں اور بہائم مسخر شہوات ہیں اور ان میں سوائے خواہش کے اور کوئی متقاضی نہیں اور ملائکہ عشق آلہی میں مستغرق ہیں اور ان کیلئے اس راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اسکے دفع کرنے میں صبر سے کام لیں۔ لیکن آدمی کو حق تعالیٰ نے پہلے تو بہائم کی صفت پر پیدا کیا ہے اور کھانے پہننے اور زیب و زینت اور لہو و لعب کی خواہش کو اسپر مسلط کر دیا۔ اور پھر بلوغت کے وقت انوار ملائکہ میں سے ایک نور اس میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ اس نور سے انجام کار کو دیکھتا ہے بلکہ حقتعالیٰ نے دو فرشتونکو اسپر مؤکل کیا ہے اور بہائم ان سے محروم ہیں ایک فرشتہ اس کو ہدایت کرتا ہے اور راہ دکھلاتا ہے بایں طور کہ اس فرشتہ کے انوار میں سے ایک نور آدمی میں سرایت کرجاتا ہے اور پھر اس نور سے آدمی انجام کار اور مصلحت کار کو پہچانتا ہے حتیٰ کہ اس

نور کی معرفت سے اپنے آپکو اور حق تعالیٰ کی ذات کو پہچانتا ہے اور یہ بات جان جاتا ہے کہ خواہشات کا انجام ہلاکت اور تباہی ہے اگرچہ وہ اسے اپنے وقت پر اچھی معلوم دیتی ہیں اور اس بات کو بھی جان جاتا ہے کہ خواہشات کی خوشی اور مسرت محض لمحی ہوتی ہے اور جھٹ پٹ گذر جاتی ہے اور اسکا رنج ایک عرصہ تک باقی رہتا ہے بہائم کیلئے یہ ہدایت نہیں ہوتی مگر آدمی کو یہ ہدایت کفایت نہیں کرتی۔ کیونکہ اگر وہ اسبات سے واقف ہو جائیگا کہ خواہشات اس کیلئے نقصاندہ ہیں اُنکے دفع کرنے کیلئے اسے قدرت نہیں تو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ کیونکہ بیمار اس بات سے تو واقف ہوتا ہے کہ بیماری اس کیلئے نقصان دہ ہے لیکن بیماری کے دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا پس حقتعالیٰ نے اس دوسرے فرشتے کو آدمی پر اس لئے مقرر فرمایا ہے کہ وہ اسبات کی قدرت و طاقت دے اور اسکی تائید کر کے سد باب کر دے حتیٰ کہ وہ آدمی جس شے کو اپنے حق میں باعثِ نقصان سمجھتا ہے اس لئے اس سے دستبردار ہو جائے پس آدمی میں شہوت پرستی کی جیسی قوت تھی ایسی ہی ایک اور قوت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تا کہ آدمی خواہشات کے خلاف عمل کر کے انکے آئندہ ضرر سے نجات حاصل کرے اور یہ مخالفت کی قوت فرشتوں کے لشکر میں سے ہے اسی شہوات کے مخالف قوت کو ہم باعثِ دینی کہتے اور اس شہوات کی طاقت کو باعثِ ہوا۔ پس ان ہر دو لشکر میں لڑائی اور جنگ رہتی ہے لشکر ملائکہ تو آدمی کو شہوت پرستی سے روکتا ہے اور لشکرِ شیطان اسکو شہوت پرستی پر آمادہ کرتا ہے اور وہ بیچارہ ان دونوں قوتوں کے درمیان میں حیران ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اگر باعث ہوا یعنی خواہش کیساتھ آدمی جنگ کرنے میں باعثِ دینی پر ثابتقدم رہے اور ایسی جگہ کو نہ چھوڑے تو اسکے اس ثبات کو صبر کہتے ہیں اور اگر ثابت قدمی سے باعث ہوا یعنی خواہشات کو مغلوب کر لے اور بھگا دے تو اسکی اس فتحمندی کو ظفر کہتے ہیں اور جبتک باعث ہوا (خواہشات) کیساتھ جنگ کرتا ہے اسے جہاد نفس کہتے ہیں پس باعث ہوا (خواہشات) کے مقابلہ میں باعثِ دین پر قائم رہنا ہی صبر کے معنے ہیں اور جس جگہ یہ دونوں مخالف لشکر نہیں ہوتے وہاں صبر بھی نہیں ہوتا اسی وجہ سے ملائکہ کو صبر کی حاجت نہیں اور بہائم اور بچوں کو بھی صبر کی قوت نہیں جاننا چاہیئے کہ یہی دو فرشتے جو ہم نے بیان کئے ہیں کراماً کاتبین کہلاتے ہیں اور جسپر حقتعالیٰ نے فکر و تامل اور استدلال کی راہ کشادہ کر دی ہے وہ جانتا ہے کہ ہر نئی پیدا ہونیوالی شے کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اور جب وہ مختلف اشیاء ہونگی تو ان کیلئے دو مختلف سبب ہونگے آدمی دیکھتا ہے کہ بہائم کو اور ابتداء میں بچوں کو نہ تو ہدایت ہوتی ہے اور نہ معرفت تا کہ ان کیوجہ سے انجامِ کار کو سوچیں۔ اور نہ ہی صبر کرنیکی طاقت ہوتی ہے جوانی کے قریب یہ دونوں چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں اور انکو دو سببوں کی حاجت ہوتی ہے تو یہ دونوں فرشتے انہی دونوں سببوں سے عبارت ہیں، اور آدمی یہ بھی جانتا ہے کہ ہدایت اصل ہے پہلے ہدایت ہی ہوتی ہے اور پھر اسپر عمل کرنیکی قدرت اور ارادہ ہوتا ہے پس جس فرشتہ کے سبب سے ہدایت ہوتی ہے وہ نہایت معزز اور افضل ہے تو صدر کے دائیں ہاتھ اسکا مقام ہے اور صدر سے مراد تیری اپنی ذات ہے کیونکہ یہ فرشتے تجھی پر موکل ہیں اور وہ داہنے ہاتھ کا فرشتہ جو تیری ہدایت کیلئے ہے اگر تو ہدایت

و معرفت حاصل کرنیکی غرض سے اس کیطرف کان لگائیگا. تو تیرا یہ کان لگانا اس پر احسان کرنا ہے. کیونکہ تونے اسے بیکار نہیں رکھا۔ اور یہ بات تیرے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھی جائیگی۔ اور اگر تو اس سے انکار کریگا. اور اسکو بیکار کردیگا تاکہ بہائم اور لڑکوں کی طرح انجام کار ہدایت سے محروم رہے. تو یہ ایک تقصیر ہے. جو تونے اسکے اور اپنے حق میں کی اور یہ تقصیر تیرے نام لکھی جائیگی. اسی طرح وہ قوت جو تونے اس فرشتہ سے حاصل کی ہے۔ اگر خواہشات کی مخالفت میں صرف کریگا. اور کوشش کرتا رہیگا تو یہ نیکی ہوگی ورنہ تقصیر ہوگی۔ اور یہ دونوں حالتیں تیرے دل کے اندر کے صحیفہ پر لکھی جائینگی لیکن دل سے بھی پوشیدہ رہینگی. یہ دونوں فرشتے اور انکی کتابیں عالم شہادت سے تعلق نہیں رکھتیں، اس لئے آدمی انکو آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا جب موت آجائیگی. اور یہ آنکھیں گذر جائینگی! اور دوسری آنکھیں جن سے عالم ملکوت کو دیکھ سکتا ہے کھلیں گی. تب ان دونوں کتابوں کو اپنے ساتھ پائیگا اور دیکھ سکیگا. اور قیامت صغریٰ سے واقفیت حاصل کریگا. لیکن اسکی تفصیل قیامت کبریٰ یعنی حشر کے روز دیکھیگا. قیامت صغریٰ تو موت ہی کے وقت ہو جاتی ہے. جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ. یعنی جو شخص مر گیا پس تحقیق اسکی قیامت بھی قائم ہوگئی. جو کچھ قیامت کبرےٰ میں ہے. اسکا شائبہ قیامت صغریٰ میں بھی ہوتا ہے اس کی تفصیل کتاب احیاء العلوم میں بیان کردی گئی. اس کتاب میں اس بیان کی گنجائش نہیں لیکن غرض یہ ہے کہ تو اس بات سے واقف ہو جائے کہ صبر کہاں ہوتا ہے. جہاں لڑائی ہوتی ہے اور لڑائی اس جگہ ہوتی ہے جہاں دو مخالف لشکر موجود ہوتے ہیں! اور ان دونوں لشکروں میں سے ایک لشکر تو ملائکہ کا ہے. اور ایک شیاطین کا. آدمی کے سینہ میں یہ دونوں لشکر جمع ہیں. تو اس لڑائی میں شمولیت کرنا راہ دین کا پہلا قدم ہے. اس لئے کہ بچپن سے میدان سینہ پر شیاطین کے لشکر کا قبضہ ہے. اور ملائکہ کا لشکر جوانی کے قریب پیدا ہوتا ہے. پس جبتک شہوات کے لشکروں کو شکست نہ دے لیگا. سعادت کو نہ پہنچیگا. اور جبتک جنگ نہ کریگا. اور جنگ میں صبر سے کام نہ لیگا. اس کو مغلوب نہ کرسکیگا. تو جو شخص اس جنگ میں مشغول نہیں. اس نے اپنے سینہ کی ولایت کو شیطان کے حوالہ کردیا ہے اور جس شخص نے اپنی خواہشات کو مغلوب کرلیا. وہ خود شرع کا مطیع ہوگیا! اور اس نے میدان مارلیا جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلٰی شَیْطَانِیْ فَاَسْلَمَ یعنی اللہ ہی نے شیطان کے مقابلہ میں میری مدد کی پس وہ مسلمان ہوا. اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جب اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے تو کبھی شکست پاتا ہے اور کبھی فتح حاصل کرتا ہے اور کبھی باعث شہوات نفسانی کا قبضہ ہوتا ہے اور کبھی باعث دین کا. لیکن بغیر صبر اور ثابت قدمی کے یہ قلعہ فتح نہیں ہوتا۔

اس بات کا بیان کہ صبر نصف ایمان اور روزہ نصف صبر کیوں ہے!

جاننا چاہیئے. کہ ایمان ایک چیز نہیں ہے بلکہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں. اور بہت سی قسمیں ہیں. چنانچہ حدیث

شریف میں مذکور ہے کہ ایمان کے بہتر باب ہیں۔ اور سب بابوں سے بزرگ باب لا الٰہ الا اللہ ہے اور سب سے کم راستہ سے تنکا اٹھا لینا ہے۔ اس خیال سے کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ ہر چند اگرچہ اس کے اقسام بہت ہیں۔ لیکن اس کے اصول تین جنسوں سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور وہ تین جنسیں معارف و احوال و اعمال ہیں۔ اور ایمان کا کوئی مقام بھی ان تین سے خالی نہیں مثلاً حقیقت توبہ کی پشیمانی ہے۔ اور یہ دل کی حالت ہے۔ اور اسکی اصل اسبات کی معرفت ہے کہ گناہ زہر قاتل ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی گناہ سے دستبردار ہو کر عبادت میں مصروف ہے پس یہ حالت اور معرفت اور عمل منجملہ ایمان کے ہے اور ایمان تینوں چیزوں سے عبارت ہے۔ اور کبھی اس کی تخصیص معرفت سے کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اصل ہے۔ اسلئے کہ معرفت ہی سے حالت پیدا ہوتی ہے۔ اور حالت سے عمل ظہور پذیر ہوتا ہے پس معارف (معرفتیں) بمنزلہ درخت کے ہیں اور دل کی حالت کا تغیر بسبب معرفت کے بمنزلہ شاخہائے درخت کے ہے۔ اور حالت کے تغیر سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں۔ وہ گویا پھل ہیں۔ پس تمام ایمان گویا دو چیزیں ہے۔ دیدار و کردار اور کردار بلا صبر ممکن نہیں۔ پس صبر نصف ایمان ہے۔ اور صبر دو چیزوں سے کرنا چاہیئے۔ ایک تو جنس شہوت سے اور دوسری جنس خشم سے۔ اور روزہ جنس شہوات سے صبر کرنا ہے۔ پس اس لئے وہ نصف صبر ہے دوسرا اس وجہ سے بھی صبر نصف ایمان ہے کہ تمام نظر کردار ہی پر ہے اور ایمان اس سے عبارت ہو تو رنج و محنت میں مسلمان کا کردار صبر ہے۔ اور ناز و نعمت میں شکر ہے اور اسی وجہ سے صبر نصف ایمان ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اگر تو اس بات کا خیال کرے کہ صبر نہایت مشکل اور دشوار ہے اور صبر ہی کو ایمان کی اصل ٹھہرائے اور صبر سے زیادہ کوئی مشکل امر نہیں اس لئے صبر ہی ایمان ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا شے ہے۔ تو حضور نے فرمایا۔ صبر یعنے ایمان میں صبر نہایت مشکل ہے۔ حضور کا یہ فرمانا ایسا ہی ہے۔ جیسے حضور نے فرمایا عرفہ حج ہے یعنی عرفہ کے سبب سے خطرہ ہے۔ یعنی اگر عرفہ فوت ہو جائے تو حج بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اور ارکان کے سبب سے حج فوت نہیں ہوتا۔

اس بات کا بیان کہ صبر کی ہر وقت حاجت ہے

جاننا چاہیے کہ بندہ کسی وقت بھی ایسی چیز سے خالی نہیں رہتا۔ وہ یا تو اس کی خواہش کے مخالف ہوتی ہے۔ یا موافق ہوتی ہے۔ اور ان دونوں حالتوں میں صبر کا محتاج ہوتا ہے اور جو چیز اسکی خواہش کے مطابق ہوتی ہے جیسے مال و نعمت جاہ و تندرستی۔ زن و فرزند وغیرہ۔ ایسی چیزوں میں صبر کرنا بہ نسبت اور چیزوں کے بہت ضروری ہے اور اگر اپنے آپکو نہ روکیگا اور ناز و نعمت میں مشغول ہوگا۔ دل کو پھنسا کر انکا ہیگا تو ول میں غرور و سرکشی پیدا ہو جائیگی بزرگو کا مقولہ ہے کہ رنج و محنت پر تو ہر ایک صبر کرتا ہے لیکن خیر و عافیت میں سوائے صدیقوں کے اور کوئی صبر نہیں کرتا

صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس جب زیادہ مال جمع ہوتا۔ اور نعمت بڑھ جاتی تو فرماتے۔ کہ ہم جبتک رنج و محنت میں تھے خوب صابر تھے۔ اب جبکہ نعمت و مقدرت حاصل ہے ویسا صبر نہیں کر سکتے۔ اسی سبب سے حق تعالے ارشاد فرماتا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ غرضیکہ حالتِ مقدرت میں صبر کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ سب سے بڑھکر پاکدامنی یہی ہے۔ کہ حقتعالی انعمت ہی نہ دے۔ نعمت پر اس طریق سے صبر ہوتا ہے کہ آدمی نعمتوں کیساتھ دل نہ لگائے۔ اور ان کے سبب سے خوشیاں نہ منائے۔ اور اسے مستعار خیال کرے۔ اور یہ سمجھے کہ یہ نعمت مجھ سے بہت جلد لیجائیگی۔ بلکہ اس کو نعمت ہی تصور نہ کرے کہ شائد روز قیامت اسکے درجات کے نقصان کا باعث ہو پس اسکے شکریہ میں مشغول ہو جائے۔ تاکہ مال تندرستی یا اور جو کچھ ہو اس میں سے حقتعالی کا حق ادا ہو جائے۔ اور ان میں سے ہر ایک کیلئے صبر کی حاجت ہو گی۔ اور وہ حال جو طبیعت کے موافق نہیں ہوتے وہ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو آدمی کے اختیار میں ہیں جیسے عبادت کرنا یا ترکِ گناہ۔ دوسرے وہ جو اس کے اختیار میں نہ ہوں۔ جیسے بلا و مصیبت وغیرہ تیسرے وہ جن کی اصل تو انکے اختیار میں نہ ہو لیکن انکا بدلہ لینا اور انکا دفع کرنا اسکے اختیار میں ہو جیسے لوگوں کا اسے رنج دینا پہلی قسم جو اسکے اختیار میں ہے جیسے عبادت کرنا اور اس میں صبر کی ضرورت ہے۔ اسواسطے کہ بعض عبادات کاہلی کیوجہ سے دشوار ہو جاتی ہیں۔ جیسے نماز حج وغیرہ۔ اور یہ عبادات بلا صبر کے ممکن نہیں۔ اور ہر عبادات کیلئے صبر کی ضرورت ہے۔ اول میں بھی۔ اور درمیان میں بھی۔ آخر میں بھی اور اول میں بھی اسطرح صبر کی ضرورت ہوتی ہے کہ نیت میں خلوص کامل پیدا کرے اور ریا کو دل سے خارج کرڈالے۔ اور یہ صبر نہایت مشکل ہے۔ اور درمیان میں اس طرح صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ وہ عبادات شرائط اور آداب کیساتھ ہوں۔ کسی خلاف بات سے ملوث نہ ہوں۔ مثلاً اگر نماز ہے تو اسکے ادا کرتے وقت اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ اور کسی چیز کا خیال نہ کرے۔ آخر میں صبر کی اسطرح ضرورت ہوتی ہے کہ عبادت کے ظاہر کرنے اور اسپر غرور کرنے سے صبر کرے۔ اور گناہ تو بلا صبر کے ترک ہو ہی نہیں سکتا جسقدر خواہش زیادہ اور گناہ آسان ہوتا ہے۔ اسی قدر اس سے صبر کرنا مشکل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زبان کے گناہوں سے صبر کرنا دشوار ہے اسلئے کہ زبان ہلا دینا ایک نہایت آسان بات ہے۔ جب کوئی بُری بات کہی جاتی ہے تو وہ عادت اور سرشت بن جاتی ہے۔ بری بات بھی شیطان کے لشکر میں سے ہے۔ اس سبب سے زبان جھوٹ اور اپنی تعریف اور دوسروں پر طعن و تشنیع وغیرہ میں براق ہوتی ہے اور جب کوئی ایسی بات زبان پر آتی ہے جس سے لوگ متعجب ہوں۔ یا جسے پسند کریں۔ تو کہنے والے کو بڑا رنج کھینچ کر اس بات سے صبر آتا ہے۔ اور عام طور پر لوگوں کی صحبت میں بیٹھکر تو اس سے صبر کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ مگر البتہ آدمی گوشہ نشینی کی بدولت اس سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ دوسری قسم جسمیں آدمی بے اختیار ہے جیسے لوگوں کا اسے ہاتھ اور زبان سے تکلیف پہنچانا۔ بلکہ بدلہ لینے میں اسے اختیار حاصل ہے اسمیں بھی صبر کامل کی ضرورت ہے تاکہ رنج دینے والے سے بدلہ نہ لے۔ یا بدلہ لینے کی صورت میں حد سے بڑھ جائے۔ ایک صحابی رضی اللہ

عنہ فرماتے ہیں کہ جبتک ایمان کے ساتھ لوگوں کے دیئے ہوئے رنج پر صبر کی طاقت نہ ہو۔ تب تک ہم ایمان کو نہیں سمجھتے اسی واسطے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے دَعْ اَذٰاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا کہ وہ لوگ جو تم کو ستاتے ہیں۔ تم ان سے درگذر کرو۔ اور خدا پر توکل رکھو۔ اور فرمایا وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو وہ لوگ جو تم کو کچھ کہتے ہیں۔ اسپر صبر کرو اور بھلائی کے ساتھ ان سے جدائی اختیار کرو۔ اور فرمایا ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جانتا ہوں کہ دشمنوں کی باتوں سے تم دلگیر اور تنگ ہوتے ہو۔ مگر تسبیح میں مشغول رہو۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا یہ تقسیم خدا کے لئے نہیں ہے یعنی معاذ اللہ آپ بے انصافی سے مال تقسیم کرتے ہیں یہ خبر حضور کو پہنچ گئی۔ حضور کا نورانی چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور آپ نے ملول ہو کر فرمایا کہ حقتعالی میرے بھائی موسےٰ پر اپنی رحمت کرے۔ کہ انکو لوگوں نے اس سے زیادہ رنج دیئے تھے۔ اور انہوں نے صبر کیا اور حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ یعنی اگر تم کو کچھ اذیت پہنچے۔ اور تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنی تمہیں اذیت پہنچی ہو۔ اگر صبر سے کام لو تو یہ نہایت ہی اچھی بات ہے۔ میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ جو انبیاء مجھ سے پہلے مبعوث ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ ہاتھ کے بدلہ میں ہاتھ کاٹو۔ آنکھ کے بدلہ میں آنکھ پھوڑ ڈالو۔ اور دانت کے بدلہ میں دانت۔ میں ان کے حکم کو منسوخ نہیں کرتا لیکن تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ بدی کے بدلہ میں بدی نہ کرو۔ بلکہ اگر کوئی شخص تمہارے داہنے گال پر تھپڑ لگائے۔ تو تم بایاں گال بھی اس کے آگے کر دو۔ کہ بھائی ادھر بھی طمانچہ مار لے۔ اگر کوئی شخص تمہاری پگڑی چھین لے تو تم اپنا پیراہن بھی اس کے آگے کر دو۔ اور اگر کوئی شخص تم کو ایک میل تک بیگار لیجائے تو تم دو میل تک اس کے ساتھ بیگار جاؤ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تم کو محروم رکھے تم اس کو عطیہ دو۔ اور جو شخص تم سے بدی کرے۔ تم اس سے نیکی کرو۔ اس قسم کا صبر صدیقین کا درجہ ہے۔ تیسری قسم جس کے اول و آخر کا اختیار سے تعلق نہیں۔ وہ مصیبت ہے جیسے فرزند کا مر جانا یا مال کا ضائع ہو جانا یا عضو کا بیکار ہو جانا۔ جیسے آنکھ۔ کان وغیرہ پھوٹ جائیں یا اور آسمانی بلائیں۔ اس مصیبت اور بلا پر صبر کرنے سے زیادہ کسی صبر میں ثواب اور فضیلت نہیں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں تین طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو عبادت میں صبر کرنا ہے اور اس کا ثواب تین سو درجہ ہے۔ دوسرا حرام چیز سے صبر کرنا ہے۔ اور اسکا ثواب چھ سو درجہ ہے تیسرا ابتدائے مصیبت میں صبر کرنا ہے اور اس کا ثواب نو سو درجہ ہے۔ جاننا چاہیئے کہ بلا پر صابر رہنا صدیقوں کا درجہ ہے۔ اسی سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالی کا ارشاد ہے۔ کہ جس بندہ کو میں بیمار کرتا ہوں۔ اور وہ صبر کرتا ہے۔ اور لوگوں سے اس بیماری کا گلہ و شکوہ نہیں کرتا۔ تو میں جب اسے صحت عطا کرتا ہوں تو اس صبر کے بدلہ میں اسکو بنسبت پہلے کے

بہتر گوشت و پوست عنایت کرتا ہوں اور اگر دنیا سے لیجاتا ہوں اپنی رحمت کیساتھ لیجاتا ہوں حضرت داؤد علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ بار خدایا جو شخص مصیبت میں خاص تیرے لئے صبر کرے اسکی کیا جزا ہے ارشاد ہوا کہ اس کی جزا یہ ہے کہ میں اسے خلعت ایمانی پہناؤنگا اور پھر ہرگز نہ پھیرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ صبر کیساتھ خوشحالی اور فراغت کا منتظر رہنا عبادت ہے اور فرمایا جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو اور کہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَعْقِبْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا یعنی بیشک ہم خدا ہی کیلئے ہیں۔ اور اسی کی طرف جانیوالے ہیں اے اللہ تو میری مصیبت میں اجر دے۔ اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عنایت فرما۔ حقتعالیٰ اسکی دعا کو قبول فرمالیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے حضرت جبرئیل سے ارشاد فرمایا۔ اے جبرئیل تو جانتا ہے۔ کہ میں جس کی بینائی لے لیتا ہوں اس کو کیا جزا دیتا ہوں۔ اسکی جزا یہ ہے کہ میں اسے اپنا دیدار عنایت کرونگا ایک بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک پرزہ کاغذ پر لکھ رکھا تھا وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔ جب کبھی بھی ان بزرگ کو کوئی رنج پہنچتا۔ تو اس کاغذ کو جیب سے نکال کر دیکھ لیتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت فتح موصلی رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ گر پڑیں اور انکا ناخن ٹوٹ گیا۔ آپ ہنسیں۔ کسی نے پوچھا کیا آپکا ناخن درد نہیں کرتا۔ انہوں نے فرمایا ثواب کی خوشی میں مجھے درد کی تکلیف بھول گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بزرگداشت میں سے ایک یہ ہے کہ تو بیماری میں شکوہ نہ کرے اور مصیبت کو پوشیدہ رکھے۔ ایک راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے سالم مولائی حضرت حذیفہؓ کو زخمی دیکھا۔ کہ میدان جنگ میں گرے پڑے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کیا آپکو پانی کی خواہش ہے انہوں نے فرمایا میرا پاؤں پکڑ کر گھسیٹ اور دشمن کے نزدیک کردے اور میری ڈھال میں پانی بھر دے۔ کیونکہ میں روزہ دار ہوں۔ اگر شام تک زندہ رہا تو پانی پی لونگا۔ اور جاننا چاہئیے کہ لوگ جو روتے ہیں یا غمگین ہوتے ہیں۔ تو اس سے صبر کا ثواب فوت نہیں ہوجاتا۔ بلکہ ثواب کپڑے پھاڑنے اور چیخیں مارنے سے فوت ہوتا ہے۔ اور زیادہ شکایت کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیمؓ نے جب انتقال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ نے تو رونے سے منع فرمایا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں یہ رونا تو رحمت ہے۔ جو رحیم ہوتا ہے حق تعالیٰ اسی پر رحمت کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ صبر جمیل یہ ہے کہ جب مصیبت پڑے لوگ اس میں اور دوسروں میں تمیز نہ کریں۔ یعنی اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگئی ہو۔ پس کپڑے پھاڑنا منہ پیٹنا اور چیخیں مارنا حرام ہے۔ بلکہ اپنی حالت کو بدلنا یا چادر سے منہ لپیٹ لینا یا پگڑی چھوٹی کردینا وغیرہ نہ کرنا چاہئیے۔ بلکہ تجھ کو یہ خیال کرنا چاہئیے کہ حق تعالےٰ نے بلا تیرے ایک بندہ پیدا کیا اور بلا تیرے لے لیا۔ جیسا کہ رمیضہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے کہا۔ کہ میرا شوہر کہیں گیا ہوا تھا۔ اسکی عدم موجودگی میں میرا بیٹا مر گیا۔ میں نے اس کے منہ پر کپڑا اڑھا دیا۔ جب میرا شوہر آیا تو اس نے دریافت کیا۔ کہ بیمار کی کیا حالت ہے۔ میں نے کہا آج تمام

راتوں سے اچھا ہے۔ پس پھر میں طعام لائی یہاں تک کہ میرے شوہر نے کھایا۔ اور میں نے بہ نسبت دوسری راتوں کے اپنے آپ کو زیادہ آراستہ کیا۔ حتیٰ کہ میرے شوہر نے مجھ سے اپنی حاجت روائی کی۔ پھر میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں نے ایک چیز فلاں ہمسایہ کو بطور استعارہ دی ہوئی تھی جب میں نے اس سے واپس طلب کی، تو اس نے رونا شروع کر دیا۔ میرے شوہر نے کہا۔ نہایت تعجب کی بات ہے۔ ایسا ہمسایہ نہایت احمق ہے۔ پھر میں نے اپنے شوہر سے کہا۔ کہ وہ تیرا چھوٹا بیٹا تیرے پاس حق تعالےٰ کا ایک ہدیہ تھا۔ اور تیرے پاس ایک مستعار شے تھا۔ اب حق تعالےٰ نے اس عاریت کو واپس لے لیا ہے۔ میرے شوہر نے سُنکر کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ اور صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس تمام ماجرا کو بیان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا حق تعالیٰ کل کی رات تجھ کو مبارک کرے کیا اچھی رات تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے رمیضہ ابو طلحہؓ کی اہلیہ کو بہشت میں دیکھا پس ان تمام باتوں سے تم نے جان لیا۔ کہ بندہ ہر حال میں بھی صبر سے بے نیاز نہیں۔ بلکہ آدمی اگر سب خواہشات سے رہائی پا جائے۔ اور عزلت اختیار کرے تو عزلت میں بھی ہزاروں وسوسے اور اندیشے اس کے دل میں پیدا ہونگے۔ اور اسے حق تعالےٰ کی یاد سے باز رکھیں گے۔ اگرچہ وہ خیال مباح اشیاء کے ہوں۔ مگر چونکہ اس کا وقت اور اس کی عمر کو جو اس کی پونجی ہے ضائع کیا۔ تو اس سے اس کو سخت نقصان پہنچا۔ تو اس سے بچنے کی یہ تدبیر ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اوراد میں مشغول رکھے۔ اور اگر نمازی نہ ہو۔ تو اس کی سخت کوشش کرے۔ اور ان وساوس اور خیالات سے تب ہی نجات حاصل کریگا۔ کہ کسی ایسے کام میں مشغول ہو۔ جو اس کے دل کو اپنی طرف لگائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بے فکرے جوان کو حق تعالیٰ دشمن سمجھتا ہے۔ اور یہ حضورؐ نے اس لئے فرمایا کہ جوان ظاہری فراغت میں بیٹھتا ہے۔ اور وساوس سے فارغ البال نہیں ہوتا۔ اور شیطان اس کے قریب رہتا ہے اور وساوس اس کے دل میں اپنا گھر کر لیتے ہیں۔ اگر حقتعالیٰ کی یاد سے بھی اسے دفع نہ کر سکے تاکہ کسی پیشہ یا ذرعت میں مشغول ہو تاکہ اس کے سبب سے اس وسوسہ سے نجات پائے۔ ایسے آدمی کو خلوت میں نہ بیٹھنا چاہیئے۔ بلکہ جو شخص دل کے کام سے قاصر ہو اسکو اپنا بدن کام میں لگانا چاہیئے۔

علاجِ صبر

جاننا چاہیئے۔ کہ صبر کا ایک باب نہیں ہے۔ صبر کے بہت سے باب ہیں۔ اور ہر ایک باب میں صبر کرنے میں ایک نئی مشکل اور دشواری ہوتی ہے۔ اور ہر ایک کا علاج بھی جدا جدا ہے۔ ہر چند علم و عمل کی معجون اسکا علاج ہے۔ اور جو کچھ ربع مہلکات میں ہم نے بیان کیا ہے۔ وہ سب صبر ہی کرنے کی دوا ہے۔ اور یہاں پر مثال کے طور پر ہم ایک کا ذکر کرتے ہیں۔ اور وہ نمونہ ہے۔ آدمی اسی پر اوروں کو قیاس کر کے دریافت کر لیا کرے۔ جاننا چاہیئے

که ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ باعثِ شہوت کے مقابلہ میں باعثِ دین کی ثابت قدمی کو صبر کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں باعثوں میں ایک قسم کی جنگ ہے۔ اور جو شخص دو آدمیوں کو جنگ میں مبتلا کر کے ایک کا ان میں سے غالب آنا چاہتا ہے۔ تو اس کی تدبیر یہ ہوتی ہے۔ کہ جس کا غلبہ اسے منظور ہوتا ہے۔ اس کو مدد دیتا ہے اور دوسرے کو کمزور کرتا ہے اور اس سے مدد کو منقطع کر لیتا ہے۔ اب اگر کسی کو شہوتِ جماع اس قدر غالب ہو گئی کہ وہ فرج کو نہیں بچا سکتا۔ تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ اگر ہو سکے تو آنکھ کو نظر سے اور دل کو خیال سے باز رکھے اور اگر باز نہیں رکھ سکتا اور صبر نہیں کر سکتا تو اسکی تدبیر یہ ہے کہ سب سے پہلے باعثِ شہوات کو کمزور کرے اور انکو تین طرح سے کمزور کیا جاتا ہے اول وہ یہ کہ اگر وہ یہ جان لیں کہ شہوت اچھی غذا و طعام سے پیدا ہوتی ہے تو بس اسکی مدد کو چھین لیں یعنی روزے رکھنے شروع کر دیں۔ اور رات کو تھوڑی سی رکھی روٹی کھا لیا کریں۔ گوشت اور مقوی غذا سے پرہیز کریں۔ دوسرے ان اسباب کا سدباب کریں جن سے شہوت بھڑکتی ہے۔ اگر اچھی صورت کے دیکھنے سے بھڑکے تو گوشہ نشینی اختیار کریں اور آنکھ کو نگاہ رکھیں۔ اور جہاں پرائی لونڈے آتے ہوں وہاں نہ ٹھہریں۔ تیسرے یہ کہ مباح فعل سے تسکین دیں۔ تاکہ اس کے سبب سے شہوت کو حرام سے رہائی حاصل ہو۔ اور یہ سکون شہوت کو نکاح سے حاصل ہوتا ہے اکثر لوگ بغیر نکاح کے شہوت حرام سے رہائی نہیں پاتے۔ نفس ایک سرکش چوپائے کی طرح ہے۔ اور اسے طرح دھرا کیا جاتا ہے۔ کہ یا تو اس کا چارہ دانہ موقوف کر دیں تاکہ وہ رام ہو جائے۔ یا یہ کہ دانہ چارہ اس کے سامنے سے دور کریں تاکہ وہ دیکھے ہی نہیں۔ یا جس قدر دانہ چارہ سے اس کو تسکین حاصل ہو اسی قدر اس کو دیں شہوت کے بھی یہی علاج ہیں اور باعثِ شہوت کا ضعیف و کمزور کرنا ہے۔ اور باعثِ دین کو دو طرح سے قوی کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسے شہوت کے ساتھ کشتی لڑنے کے فائدہ کا لالچ دے۔ یا ان حدیثوں میں غور و فکر کرے جن میں شہوت سے صبر کرنیوالوں کا ثواب ذکر کیا گیا ہے۔ جب ایمان اس بات پر مضبوط ہو جائیگا۔ اور شہوت کا مزہ محض دم بھر کا ہے۔ اور صبر کرنے کے عوض میں سلطنت ابد کی لذت نصیب ہوتی ہے تو باعثِ دین بھی اس ایمان کی قوت کے مطابق قوی ہو جائیگا۔ دوسرے یہ کہ باعثِ دین کو شہوات کی مخالفت پر بتدریج عادی بنائے حتی کہ وہ دلیر ہو جائے۔ جب کوئی شخص قوی ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ قوت آزمائی کرے اور قوی کام کرے اور ذرہ ذرہ بڑھاتا جائے۔ اور جو شخص کسی طاقتور آدمی کے ساتھ کشتی لڑنیکا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ پہلے کمزور آدمیوں سے کشتی لڑے اور قوت آزمائی کرے۔ کیونکہ اس تدبیر سے طاقت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سخت کام کرتے ہیں۔ ان کی قوت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ تو تمام کاموں میں صبر حاصل کرنے کی یہی تدبیر ہے ؛

شکر کی فضیلت اور حقیقت

جاننا چاہیئے کہ شکر ایک عزیز مقام ہے۔ اور اس کا درجہ نہایت بلند ہے اور ہر شخص اس درجہ پر نہیں پہنچتا اسی واسطے حقتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ یعنی میرے بندوں سے جو شکر کرتے ہیں وہ کم تعداد لوگ ہیں۔ اور ابلیس نے طعن کے طور پر کہا وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شَاکِرِیْنَ یعنی اکثر ان میں شاکر نہیں جاننا چاہیئے۔ کہ وہ صفات جن کو ہم نے منجیات کہا ہے وہ دو اقسام ہیں۔ ایک قسم تو راہِ دین کے مقدمات میں سے ہے فی نفسہ مقصود نہیں اس لئے کہ توبہ۔ صبر۔ خوف۔ زہد۔ فقر محاسبہ اور یہ تمام ایک بڑے کام کا وسیلہ ہیں جو ان سے علاوہ ہے۔ اور دوسری قسم مقاصد و نہایات ہیں جو فی نفسہ مقصود ہیں۔ اور دوسرے کام کا وسیلہ نہیں ہیں۔ جیسے محبت۔ شوق۔ رضا توحید۔ توکل۔ اور شکر بھی انہی میں شامل ہے۔ اور جو شے فی نفسہ مقصود ہو وہ آخرت میں بھی باقی رہنے والی ہے۔ اور شکر بھی اس میں داخل ہے۔ جیسا کہ حقتعالیٰ کا ارشاد ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور آخر دعا انکی یہ ہے۔ کہ سب تعریف حق تعالےٰ کیلئے ہے۔ جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ اگرچہ شکر کو آخر میں بیان کرنا واجب تھا۔ لیکن چونکہ اس کا تعلق صبر کے ساتھ تھا۔ اس لئے اس کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ اور شکر کا درجہ بزرگ ہونیکی یہ علامت ہے کہ حق تعالےٰ نے اسکو اپنے ذکر کیساتھ ملا کر ذکر کیا ہے اور ارشاد کیا ہے فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ یعنی تم میرا ذکر کرو اور میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور تم میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جو شخص کھانا کھائے اور حق تعالیٰ کا شکر بجا لائے تو اس کا درجہ روزہ دار صابر کے برابر ہے اور فرمایا جب قیامت کے دن یہ ندا کی جائیگی کہ لِیَقُمِ الْحَمَّادُوْنَ تو اس آواز پر سوائے اس شخص کے اور کوئی نہ اٹھیگا جس نے حق تعالےٰ کا شکر بہ ہر حال میں ادا کیا ہو۔ اور جب مال جمع کرنیکی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ پھر مال سے کیا جمع کریں۔ حضور نے فرمایا۔ دل شاکر اور زبان ذاکر اور عورت مومنہ یعنی دنیا میں ان تین چیزوں پر قناعت کر۔ کیونکہ عورت مومنہ ذکر و شکر میں یار و مددگار ہوتی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شکر نصف ایمان ہے حضرت عطا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب و غریب حالات سے کوئی شے بیان فرمایئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضور کی وہ کونسی حالت تھی۔ جو عجیب نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس شب خوابی کے لباس میں تشریف لائے۔ اور میرے ساتھ میرے بستر پر لیٹ گئے۔ اور جبکہ حضور کا نورانی جسم میرے عریانی جسم سے ملا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا اے عائشہ مجھے چھوڑ دے تاکہ میں جا کر اپنے حق تعالیٰ کی عبادت کروں۔ میں نے عرض کیا۔ اگرچہ میں چاہتی ہوں کہ حضور میرے پاس رہیں۔ لیکن بسم اللہ

تشریف لیجایئے۔ حضور اُٹھے اور مشکیزہ سے پانی لیکر وضو کیا اور تھوڑا سا پانی بہایا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہوئے اور روتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے۔ تاکہ حضور صبح کی نماز کیلئے تشریف لیجائیں میں نے حضور سے عرض کیا۔ یارسول اللہ جب حقتعالی آپکے تمام گناہ بخش چکا ہے تو آپ پھر کس لئے روتے ہیں حضور نے فرمایا میں بندہ شکر گذار ہوں۔ کیونکر نہ روؤں۔ حقتعالی نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ یعنی وہ لوگ عقلمند ہیں جو کھڑے بیٹھے لیٹے حقتعالی کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ اور زمین و آسمان کے ملکوت عجائبہ میں غور و فکر سے نظر کرتے ہیں۔ اور اس درجہ کے پانے کی خوشی میں روتے ہیں۔ خوف سے نہیں جیسا کہ روایت کرتے ہیں کہ ایک پیغمبر علیہ السلام ایک چھوٹے سے پتھر کے قریب سے گذرے اور اس میں سے بہت سا پانی بہ رہا تھا۔ یہ پیغمبر دیکھکر متعجب ہوئے۔ حق تعالی نے اس پتھر کو گفتگو کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔ پتھر نے عرض کیا جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ یعنی آدمی اور پتھر دوزخ کا ایندھن ہونگے۔ میں اس خوف سے روتا ہوں انہوں نے اس پتھر کے حق میں دعا کی۔ بارخدایا اس پتھر کا خوف دور کر دے۔ انکی دعا مقبول ہوگئی۔ دوسری بار پھر آپ جب ادھر سے تشریف لیگئے تو آپ نے اسی طرح پتھر سے پانی جاری دیکھا۔ آپ نے پوچھا اب کیوں روتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ پہلا رونا تو خوف کی وجہ سے تھا۔ اور یہ رونا شکر کیوجہ سے ہے۔ اور یہ آدمی کے دل کیلئے ہے کہ جو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ روئے کبھی غم کیوجہ سے روئے اور کبھی خوشی کیوجہ سے تاکہ اس کا دل نرم ہوجائے

حقیقت شکر

جاننا چاہئے کہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ دین کے تمام مدارج اور مقامات کی اصلیں تین ہیں۔ علم۔ حال۔ عمل۔ علم اصل الاصول ہے اور حال اس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر حال سے عمل پیدا ہوتا ہے اور اسیطرح نعمت کو خدا وند نعمت کیطرف سے سمجھنا شکر کا علم ہے اور اس نعمت کیوجہ سے دل کا خوش ہونا حال ہے اور نعمت کو خداوند نعمت کی مراد کے مطابق کام لانا عمل ہے اس عمل کا تعلق دل سے بھی ہے اور زبان سے بھی ہے۔ جب تک ان تمام باتوں سے واقفیت نہ ہوگی۔ شکر کی حقیقت معلوم نہ ہوگی۔ علم یہ ہے کہ تو اس کو پہچان لے کہ تجھ کو جو نعمت ملی ہے۔ وہ حقتعالی ہی نے عنایت فرمائی ہے اور اس نعمت کے عطا فرمانے میں اس کا کوئی شریک نہیں اور جبتک تیری نظر کسی درمیانی سبب کیطرف ہے اور تو یہ جانتا ہے کہ نعمت دینے میں اسے بھی کچھ دخل ہے۔ تب تک یہ شکر ناقص اور ناتمام ہے۔ اگر کوئی بادشاہ تجھ کو خلعت عطا کرے اور تو یہ خیال کرے کہ یہ وزیر کی عنایت سے ملا ہے تو تیرا مقام شکر تمام تر بادشاہ کیلئے نہ ہوگا۔ بلکہ اس میں سے کچھ حصہ وزیر کا بھی شامل ہوگا اور تیری خوشی پورے طور پر بادشاہ

کے لئے نہ ہوگی۔ اور اگر تو یہ جانیگا کہ خلعت تجھ کو بادشاہ کے حکم سے ملا ہے۔ اور حکم کاغذ و قلم کے ذریعہ سے ہوا تو ایسا جاننے میں شکر میں کچھ نقص واقع نہ ہوگا۔ اس لئے کہ تو یہ جانتا ہے کہ قلم اور کاغذ تو مسخر ہیں۔ انہیں خلعت عطا کرنے میں کچھ دخل نہیں۔ بلکہ اگر تو یہ جانیگا کہ خلعت پہنچانیکا سبب خزانچی ہے تو اسباب سے بھی شکر میں کچھ نقص واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ خزانچی بھی مسخر ہوتا ہے اور اس کو بھی اس میں کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ اور وہ بادشاہ کے حکم کے برخلاف نہیں کرسکتا اور بلا حکم کے وہ کچھ دے بھی نہیں سکتا۔ خزانچی بھی قلم کیطرح ہے۔ علیٰ ہذالقیاس اگر روئے زمین کی تمام نعمتوں کو تو مینہ کیوجہ سے دیکھے اور مینہ کو ابر کے باعث سے خیال کرے۔ اور کشتی میں نجات باد موافق کے سبب سے خیال کرے تو تو ٹھیک طرح اور درست طریق پر شکر ادا نہ کرسکیگا۔ لیکن اگر تو یہ سمجھیگا کہ ابر، مینہ، ہوا، آفتاب، ماہتاب، ستارے وغیرہ جو کچھ بھی ہے سب حقتعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں اسطرح مسخر ہے جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم۔ کیونکہ قلم خود بخود کچھ نہیں کرسکتا۔ تو یہ سمجھنا شکر میں کچھ نقصان پیدا نہیں کرتا۔ اگر تجھ کو کوئی نعمت آدمی کے ہاتھوں پہنچے تو اسے خداوند نعمت شمار کرنا بیوقوفی اور حماقت ہے اور شکر کے مرتبہ سے بعد اور حجاب کی علامت ہے۔ بلکہ تجھ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ حقتعالیٰ نے اس پر ایک مؤکل مقرر فرمایا ہے اور اس مؤکل نے زبردستی تجھ کو وہ نعمت دلوائی ہے اس نے تو ہرچند اس مؤکل کے خلاف کرنا چاہا۔ مگر نہ کرسکا۔ اس کے بس کی بات ہوتی تو وہ ایک حبہ تجھ کو نہ دیتا اور وہ مؤکل وہ ارادہ ہے جو حقتعالیٰ نے اس کے دل میں پیدا کیا اور یہ امر اس کے دل میں پیدا کرکے یہ امر اس کے پیش نظر کردیا کہ تیرے لئے سعادتِ دارین اسی میں ہے۔ کہ تو اسی نعمت کو اسے دیدے حتیٰ کہ اس نے اس طرح سے کہ وہ اسکی وجہ سے دنیا یا عقبےٰ کی مراد کو پہنچیگا وہ نعمت تجھ کو دیدی۔ اور حقیقت میں اس نے وہ نعمت اپنے آپ ہی کو دی۔ کیونکہ اسے اپنے حصولِ مراد کا وسیلہ بنایا اور تجھے حقتعالیٰ ہی نے وہ نعمت دی کہ اس پر ایسا مؤکل مقرر فرمایا اور اسے اس کے بدلہ میں کچھ بھی غرض نہیں۔ پس جب تجھ کو یہ معلوم ہوگیا کہ تمام خزانچی کی حیثیت رکھتے ہیں اور خزانچی کا درجہ اسباب درمیانی میں قلم کی مانند ہے اور کسی کے قبضۂ قدرت میں کچھ نہیں ہے بلکہ حقتعالیٰ ہی انہیں اسباب کا حکم فرماتا ہے تو اس حالت میں تو اسکا شکر ادا کرسکیگا۔ بلکہ یہ سمجھنا عین شکر ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات میں عرض کیا۔ بار خدایا تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور تو نے اس کے ساتھ یہ یہ احسان فرمایا اس نے تیرا شکر یہ کس طرح ادا کیا۔ حقتعالیٰ نے فرمایا۔ آدمؑ نے ان تمام نعمتوں کو میری طرف سے ہی جانا اور اس کا یہ جاننا ہی شکر تھا۔ اور جاننا چاہیئے کہ معرفت ایمان کے باب سے ہیں اور ان سب سے اول تقدیس ہے۔ کہ تو یہ جان لے کہ حقتعالیٰ تمام مخلوق کی صفات سے اور جو کچھ بھی وہم و خیال میں آسکتا ہے پاک و منزہ ہے اور اس کو سبحان اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے توحید ہے یعنی تو یہ جان لے کہ حقتعالیٰ اس پاکی کے ساتھ یگانہ ہے کہ کوئی اسکا شریک نہیں اور اسکو لا الٰہ الا اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ تیسری تحمید ہے یعنی تو یہ سمجھ لے کہ جو کچھ بھی ہے سب اسی کی

ذات سے ہے اور اسی کی نعمت اور اسکو الحمد للہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ ان دونوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ دونوں معرفتیں اس کے تحت میں ہیں۔ اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سبحان اللہ دس حسنات ہیں اور لا الہ بیس حسنات اور الحمد للہ تیس۔ اور یہ حسنات وہ کلمات نہیں ہیں جو زبان سے نکلتے ہیں۔ بلکہ معرفتیں ہیں جن سے یہ کلمات مراد نہیں۔ علم شکر کے یہی معنیٰ ہیں جو بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن حال شکر وہ فرحت ہے جو اس معرفت سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جو شخص کسی سے کچھ نعمت حاصل کرتا ہے اس سے خوش ہوتا ہے اور یہ خوشی تین وجہ سے ہوتی ہے ایک تو یہ نعمت پانیوالا اسوجہ سے خوش ہوکہ اسے اس نعمت کی حاجت تھی اور نعمت حاصل کرنیمیں اسے اعانت ملی۔ یہ بات شکر میں داخل نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ سفر کو جاتا ہے اور وہ اپنے کسی ملازم کو گھوڑا عنایت کرے تو یہ نوکر اس وجہ سے خوشی منائے کہ اسے گھوڑے کی ضرورت تھی تو یہ خوشی بادشاہ کے شکر میں نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ اس گھوڑا کو کسی صحرا میں پاتا تو تب بھی خوش ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اس خیال سے خوش ہوکہ بادشاہ نے گھوڑا دیکر مجھ پر اظہار عنایت کیا اور یہ سمجھ کر اور نعمتوں کا امیدوار رہے تو یہ گھوڑا کسی صحرا میں پاتا تو اسے یہ خوشی حاصل نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ خوشی منعم کی وجہ سے ہے منعم کیلئے نہیں ہے بلکہ انعام کی امید پر ہے یہ بات منجملہ شکر کے تو ہے۔ لیکن ناقص ہے تیسرے یہ کہ اس خیال سے خوشی ہوکہ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر بادشاہ کی خدمت میں جائیگا۔ تاکہ اس کی زیارت سے مستفیض ہو۔ اور اس کے سوا اس کی اور کوئی غرض نہ ہو تو ایسی خوشی بادشاہ کیلئے ہے اور یہ پورا شکر ہے۔ اسی طرح جس شخص کو حقتعالیٰ نے کوئی نعمت عطا فرمائی اور وہ نعمت کیلئے خوش ہو منعم کے سبب سے خوش نہ ہو تو یہ شکر نہ ہوگا۔ اور اگر منعم کے سبب سے خوش ہو۔ مگر اسلئے کہ اس کا یہ نعمت عطا فرمانا اس کی رضامندی کی دلیل ہے تو یہ شکر ہوگا مگر ناقص اور اگر اس نعمت کو فراغت دین کا سبب سمجھ کر خوش ہو۔ حتیٰ کہ علم و عبادت میں مشغول ہو اور منعم حقیقی کا قرب تلاش کرے تو یہ کمال شکر ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ دنیا کی ان تمام چیزوں سے اندوہگین ہو۔ جو اس کی عبادت میں رکاوٹ ہوں اور انکو نعمت ہی نہ سمجھے بلکہ ان چیزوں کے چھن جانیکو نعمت خیال کرے اور اسپر شکر کرے پس جو شے دین کی راہ میں اس کی معین و مددگار نہ ہو اسکی وجہ سے خوش نہ ہو۔ اسی لئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شکر کے یہ معنے ہیں۔ کہ تو نعمت کو دیکھے ہی نہیں فقط منعم ہی کو دیکھے۔ جو شخص سوائے محسوسات کے اور کسی شے میں مزہ حاصل نہ کرسکے جیسے آنکھ۔ فرج۔ پیٹ کی شہوت میں اسے مزہ حاصل ہو تو ایسے شخص سے شکر کا ادا ہونا ناممکن ہے پس دوسرے درجے سے تو کم نہ رہے اس لئے کہ پہلا درجہ تو شکر ہی نہیں اور عمل۔ شکر دل۔ زبان اور بدن سے ہوتا ہے اور دل سے اس طرح ہوتا ہے کہ سب کا بھلا چاہے۔ اور کسی کی نعمت کے خیال سے حسد نہ کرے۔ زبان سے یوں ہوتا ہے کہ بہرحال شکر کرے اور الحمد للہ کہے اور منعم کیوجہ سے اظہار مسرت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے پوچھا تیرا کیا حال ہے اس نے عرض کیا بخیریت ہوں الحمد للہ حضور نے فرمایا میں یہی بات ڈھونڈتا تھا۔

اگلے بزرگوں کا مزاج پرسی کرنے سے صرف یہی مطلب ہوتا تھا کہ جواب شکر کے ساتھ ہو تاکہ کہنے والا اور سننے والا دونوں ثواب حاصل کریں۔ اور جو شخص شکایت کریگا وہ گنہ گار ہوگا۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی بُری بات ہوگی۔ کہ ایک بندۂ ناچیز اپنے مولائے کریم کا شکوہ ایک دوسرے بندۂ ناچیز کے سامنے کرے کہ جسے ذرہ بھر بھی اختیار نہیں بلکہ مصیبت اور بلا پر بھی آدمی کو حقتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اسلیئے کہ شاید یہی بات اسکی سعادت کا سبب ہو۔ اگر شکر نہ کرے تو کم از کم صبر ہی سے کام لے۔ اور بدن سے یوں عمل ہوتا ہے کہ تمام اعضا کو حقتعالیٰ کی نعمت سمجھ کر انہیں اس کام میں مصروف رکھے جس کیواسطے حقتعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور حقتعالیٰ نے تمام اعضاء کو آخرت کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور حق تعالیٰ تجھ سے اس امر کو پسند کرتا ہے کہ تو آخرت کے کاموں میں مشغول رہے۔ جب تو نے اس نعمت کو حقتعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں صرف نہ کیا تو باوجود اسکے کہ اسکو اس کام میں کچھ حظ و مزہ نہیں کیونکہ وہ ایسے امور سے منزہ و پاک ہے۔ مگر تو نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی بادشاہ کو اپنے کسی غلام کے حال پر نظر عنایت ہو۔ اور وہ غلام بادشاہ سے دُور ہو اور بادشاہ اسکو اپنی حضوری میں حاضر ہونیکی غرض سے گھوڑا اور زادِ راہ بھیجے۔ تاکہ وہ بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوکر اور مقرب بارگاہ ہوکر عزت و حشمت حاصل کرے اور بلند مرتبہ پائے۔ اور بادشاہ کیلئے اس غلام کی دُوری اور نزدیکی یکساں ہو کیونکہ اسکی مملکت میں اس غلام کے آنیسے کچھ بڑھ نہ جائیگا اور نہ آنیسے کچھ کم نہ ہوجائیگا۔ اور بادشاہ اس بات کو صرف غلام ہی کی بھلائی کیلئے چاہتا ہے تاکہ اس کی بھلائی ہو۔ کیونکہ جب بادشاہ سخی اور کریم ہو تو اسے تمام خلق کی بھلائی مدنظر ہوتی ہے اور یہ بھلائی بہبودی چاہنا محض خلق کیلئے ہوتا ہے اپنے لئے نہیں۔ پس اگر وہ غلام گھوڑے پر سوار ہوکر بادشاہ کے در دولت کیطرف متوجہ ہوا اور زادِ راہ صرف کرے تو اس نے گھوڑا اور زادِ راہ کی نعمت کا شکریہ ادا کیا۔ اور اگر گھوڑے پر سوار ہوکر بادشاہ کے درِ دولت کیطرف پشت کرلے۔ یہانتک کہ درگاہ سے اور بھی دُور ہٹ جائے تو گویا اس نے کفران نعمت کیا اور اگر گھوڑے اور زادِ راہ کو بیکار کردے اور نہ ہی تو درِ دولت سے دُور ہوا اور نہ ہی نزدیک ہوا تو اس حالت میں بھی یہ کفران نعمت میں داخل ہوگا۔ مگر اسقدر نہ ہوگا۔ اسیطرح اگر مالک الملوک کی نعمتوں کو بندہ اس کی عبادت میں صرف کریگا تاکہ اس کے درجہ قرب سے سرفرازی حاصل کرے تو وہ شکرگذار ہوگا اور اگر گناہ میں صرف کرے گا تاکہ اس سے اور زیادہ دُور جا پڑے تو یہ بھی کفران نعمت ہوگا اور اگر مباح عیش و عشرت میں صرف کریگا۔ تاکہ اسے بیکار چھوڑ دے۔ تو تب بھی کفران نعمت ہوگا۔ اگرچہ اس حد تک نہ ہو۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہر نعمت کا شکر یہی ہے کہ بندہ اس نعمت کو حقتعالیٰ کے پسندیدہ امور میں صرف کرے۔ تو یہ امر کوئی نہیں کرسکتا۔ مگر وہ شخص جو خداتعالیٰ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں میں تمیز کرسکے۔ اور یہ علم نہایت باریک ہے اور جبتک آدمی ہر شے کی پیدائش کی حکمت سے واقف نہ ہوگا۔ تب تک اس سے واقف نہ ہوسکیگا ہم اس جگہ چند چھوٹی چھوٹی مثالوں میں اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اگر کسی کو زیادہ تفصیل کیساتھ دیکھنا

منظور ہو تو کتاب احیاء العلوم میں دیکھیے۔ کیونکہ یہ کتاب اس سے زائد کی متحمل نہیں۔

کفرانِ نعمت

جاننا چاہیئے کہ کفران نعمت یہ ہے کہ لوگ اس نعمت کو حکمت کی راہ سے پھیر کر اور جس غرض کیلیئے حقتعالی نے اسے پیدا کیا ہے اسے ہٹا کر کسی دوسرے کام میں اور دوسری غرض میں صرف کریں۔ جاننا چاہیئے کہ حقتعالی کی نعمت کو اسکے محبوب کاموں میں صرف کرنا شکر ہے اور مکروہ کاموں میں صرف کرنا کفران ہے اور آدمی سوائے شرع کے حق تعالی کے محبوب اور ناپسندیدہ کاموں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ تو یہ امر ضروری ہے کہ حقتعالی کی نعمت کو اس کی عبادت میں صرف کرے۔ جیسا کہ حقتعالی نے حکم دیا ہے اور جو لوگ صاحبان بصیرت ہیں ان کیواسطے ایک راہ ہے اور وہ اس راہ سے بطریق نظر و استدلال اور بسبیل الہام کاموں کی حکمت کو جان جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ جان لے کہ ابر کے پیدا کرنے میں حقتعالی کی یہ حکمت ہے کہ مینہ برسے اور مینہ برسنے میں یہ حکمت ہے کہ گھاس پیدا ہو اور گھاس کے پیدا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ وہ جانوروں کی غذا بنے۔ اور آفتاب کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ رات اور دن ظاہر ہوں، تاکہ رات سکون و آرام کیلیئے ہو اور دن معیشت اور دنیا کے کاروبار کیلیئے ہو۔ یہ باتیں اور اسی قسم کی دوسری باتوں کی حکمت ظاہر ہے جن سے ہر شخص واقف ہے مگر اسکے علاوہ آفتاب میں اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں کہ جن سے ہر شخص واقف نہیں اور آسمان پر بہت سے ایسے ستارے ہیں کہ جن کی پیدائش کی غرض سے عوام ناواقف ہیں۔ جیسا کہ ہر شخص یہ تو جانتا ہے کہ ہمارے اعضاء میں سے ہاتھ پکڑنے کیلیئے ہے اور پاؤں چلنے کیلیئے۔ اور آنکھ دیکھنے کیلیئے۔ اور ممکن ہے کہ اسبات سے ناواقف ہوں کہ جگر اور تلی کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ اور آنکھ میں دس پردے کس غرض کیلیئے رکھے ہیں۔ پس ان حکمتوں میں بعض باریک ہوتی ہیں اور بعض نہایت باریک کہ سوائے خواص کے اور کوئی بھی ان سے واقف نہیں ہوتا۔ اسکی تفصیل نہایت دراز ہے مگر اسقدر جاننا نہایت ضروری ہے کہ آدمی کو آخرت ہی کیلیئے پیدا کیا ہے۔ دنیا کیلیئے پیدا نہیں کیا۔ اور دنیا میں آدمی کا حصہ اس لیئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ اسکے لیئے راہ آخرت کا توشہ بنے اور یہ گمان ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ حقتعالی نے ہر شے کو آدمی کیلیئے ہی پیدا کیا ہے تاکہ جس شے میں اسے اپنا فائدہ نظر نہ آئے اسکے بارہ میں یہ نہ کہہ بیٹھے کہ حقتعالی نے اسے کیوں پیدا کیا ہے مثلاً یوں کہہ بیٹھے کہ حقتعالی نے مکھی اور چیونٹی کو کسلیئے پیدا کیا ہے۔ اور سانپ کو کیوں بنایا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اسطرح چیونٹی بھی تعجب کرتی ہے کہ حقتعالی نے انسان کو کیوں پیدا کیا ہے کہ بلاوجہ اسکو پاؤں کے تلے روند کر مار ڈالتا ہے۔ جیسے آدمی تعجب کرتا ہے۔ اسیطرح وہ بھی تعجب کرتی ہے بلکہ خدا تعالی کے فیض اتم کو لازم ہے۔ کہ جو جس چیز کا وجود میں آنا ممکن ہو اسکو بہترین شکل میں پیدا کرے۔ تمام اجناس و

انواع حیوانات۔ نباتات۔ معدنیات وغیرہ میں سے اور پھر ہر ایک کے درجہ کے لائق جو زیب و زینت ہو۔ اس کو بھی پیدا کرے۔ کیونکہ اس کی درگاہ میں منع اور بخل کی گنجائش نہیں۔ اور جو کمال اور زینت و جمال پیدا نہیں ہوتا وہ اسوجہ سے نہیں ہوتا کہ محل اس کے قابل نہیں ہوتا۔ اور وہ اس کے ضد اور خلاف کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔ اور شاید وہ ضد کسی اور کام کے واسطے مقصود ہو۔ کیونکہ آگ کیلئے پانی کی سردی اور لطافت کو قبول کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ گرم شئے سرد کو قبول نہیں کرتی۔ اس لئے کہ سردی گرمی کی ضد ہے اور گرم چیز کی گرمی بھی مقصود ہے کیونکہ اس کا زائل کر دینا بھی نقصان ہے۔ حقیقت میں جس رطوبت سے حق تعالیٰ نے مکھی کو پیدا کیا ہے۔ اسوجہ سے پیدا کیا ہے کہ مکھی اس رطوبت سے کامل تر ہے۔ اور جو رطوبت اس کمال کے قابل تھی۔ اسے اس کمال سے باز نہیں رکھا۔ کیونکہ باز رکھنا بھی منجملہ بخل کے ہوتا۔ مکھی رطوبت سے اس اسلئے کامل تر ہے کہ اسمیں حیات و قدرت اور حس و حرکت اور اشکال عجب اور اعضائے عزیب ہیں۔ اور اس رطوبت میں یہ کچھ نہ تھا۔ اور اس رطوبت سے آدمی کو اسلئے پیدا نہیں کیا کہ اس رطوبت میں آدمی کے پیدا کرنیکی گنجائش اور قابلیت نہ تھی۔ کیونکہ وہ رطوبت ایسی صفات سے مرکب تھی کہ جو ان کی صفات کی ضد ہیں۔ جو آدمی کی خلقت کیلئے ضروری ہیں۔ اور مکھی کو جن اشیاء کی ضرورت تھی۔ ان اشیاء سے اس کو باز نہیں رکھا۔ اور وہ اشیاء یہ ہیں۔ پر۔ بال۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ منہ۔ سر۔ پیٹ اور وہ جگہ جو غذا کا مقام ہو۔ اور وہ جگہ جہاں غذا ٹھہر کر ہضم ہو۔ اور وہ مقام جہاں سے غذا خارج ہو۔ اور جو کچھ تنگی لطافت۔ ہلکاپن اس کے بدن کیلئے ضروری تھا۔ وہ سب اسکو عنایت کیا۔ اور چونکہ اسے دیکھنے کی حاجت تھی اور اسکا سر چھوٹا تھا۔ پلکدار آنکھ کی گنجائش نہ تھی۔ تو دیکھنے کیلئے بے پلک اسے دو نگینے عطا فرمائے اور چونکہ پلک اسلئے ہوتی ہے کہ وہ آنکھ کی گرد کو صاف کرے اور آئینہ کی طرح صیقل رہے۔ اور مکھی کے پلک نہ تھی تو اسکے بدلہ میں اسکو دو ہاتھ زائد عطا کئے۔ تاکہ ہر وقت ان دونوں ہاتھوں سے ان نگینوں کو پاک و صاف کرے اور پھر دونوں ہاتھوں کو ملکر ان کی گرد جھاڑ ڈالے۔ یہ بیان کرنیسے مقصود یہ ہے کہ تم کو حق تعالیٰ کی عنایت و مہربانی کے متعلق معلوم ہو جائے کہ اسکی مہربانی عام ہے صرف انسان ہی کیساتھ مخصوص نہیں۔ اس نے ہر کیڑے مکوڑے کو جس جس چیز کی حاجت تھی۔ سب کچھ عنایت فرمایا۔ حتیٰ کہ بھنگے کی بھی وہی صورت بنائی جو ہاتھی کی ہے۔ اور ان کیڑوں مکوڑوں کو آدمی کیلئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک کو اسی کیلئے خلق فرمایا ہے جسطرح تم کو تمہارے ہی لئے پیدا کیا ہے۔ اس لئے کہ تمہاری خلقت سے پہلے تمہارے لئے کوئی ایسا وسیلہ نہ تھا کہ تم اس کے سبب سے پیدا ہونیکے مستحق ہوتے اسیطرح اور اشیاء بھی وسیلہ نہ رکھتی تھیں۔ حقتعالیٰ کی بخشش اور فیض کا دریا لامتناہی ہے اور اس میں تمام چیزیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک تو تم ہو اور ایک چیونٹی ہے اور ایک مکھی ہے اور ایک ہاتھی ہے۔ اور ایک مرغ ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس ان میں سے ناقص کو کامل پر فدا کیا ہے اور روئے زمین کی تمام مخلوقات میں سے انسان سب سے

زیادہ کامل ہے۔ تو خواہ نخواہ اکثر اشیاء اسی پر فدا ہیں۔ لیکن زمین کے نیچے اور قعرِ دریا میں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جن میں آدمی کا کچھ حصّہ نہیں، مگر انکے ساتھ بھی ظاہری و باطنی خلقت میں وہی مہربانی ہے، اور شاید انکے ظاہر و باطن میں اتنے نقش و نگار بنائے ہوں کہ آدمی ان سے عاجز آجائے، اور اسبابت کا جاننا ان علوم کے دریا سے متعلق ہے جن میں اکثر علماء بھی عاجز ہیں۔ اور ان کے بیان کرنے میں طوالت ہے۔ مقصود یہ ہے کہ تمہیں اپنے آپکو برگزیدگان الٰہی میں سے شمار نہ کرنا چاہیئے کہ تم سب کو اپنے ہی لئے ٹھہرالو۔ اور جس سے ہر شے سے تمہیں فائدہ نہ پہنچے۔ اسکے بارہ میں یہ کہنے لگو کہ اسے کسلئے پیدا کیا ہے۔ اسمیں تو کچھ بھی حکمت نہیں۔ جب تم نے یہ جان لیا کہ چیونٹی کو تمہارے واسطے پیدا نہیں کیا۔ اگرچہ تم کو ان میں سے بعض کے وجود سے فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسے کہ مکھی کو تمہارے واسطے پیدا نہیں کیا اگرچہ اس سے تمہیں فائدہ ہے۔ کیونکہ اسے اس بات پر مقرر کیا ہے۔ کہ جو چیز بدبودار ہو اور سڑنیوالی ہو اسے کھالے تاکہ بدبو کم ہو جائے۔ اسیطرح قصائی کو مکھیوں کیلئے پیدا نہیں کیا، اگرچہ قصائی سے مکھیوں کو فائدہ ہے۔ تم یہ خیال کرتے ہو کہ آفتاب روز محض ہمارے لئے طلوع ہوتا ہے اور یہ خیال کرنا ایسا ہے جیسے مکھی یہ گمان کرے کہ قصائی روز میرے ہی لئے دکان کرتا ہے کہ وہ اسکی دکان میں سے خون اور نجاست خوب اچھی طرح کھاتی ہے جسطرح قصائی دوسرے کام کی طرف لگا رہتا ہے اور مکھی کے کام کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا۔ اگرچہ قصائی کے کام کے فضلات مکھی کیلئے غذا اور حیات ہیں۔ اسیطرح آفتاب بھی اپنی گردش اور طواف میں بارگاہ الٰہی کی فرمانبرداری کیطرف متوجہ ہے اور تم کو یاد بھی نہیں کرتا۔ اگرچہ اسکے نور کے فضلات سے تمہاری آنکھیں نورانی ہو جاتی ہیں اور اسکی گرمی کے فضلات سے زمین کا مزاج معتدل ہو جاتا ہے۔ جس سے کہ روئیدگی جو تمہاری غذا ہے نشو و نما پاتی ہے تو جو چیز تم سے تعلق ہی نہیں رکھتی تو شکر کا معنے بیان کرنے میں اس کی خلقت کا بیان کرنا ہمارے لئے سود مند نہ ہوگا۔ اور جو چیزیں تم سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی بکثرت ہیں اور ہم ان سبکو بیان نہیں کر سکتے صرف چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہاری آنکھ کو دو کاموں کیلئے پیدا کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ تم اس سے اس جہان میں اپنی حاجات کی راہ سے واقف ہو جاؤ۔ دوسرے یہ کہ تم حقتعالیٰ کی عجیب و غریب مصنوعات کو دیکھو اور انکی معرفت اور اسکی عظمت سے واقف ہو جاؤ۔ جب تم کسی نامحرم کو دیکھو گے تو تمہارا یہ دیکھنا آنکھ کی نعمت کا کفران ہوگا، بلکہ آنکھ کی نعمت بلا آفتاب کے ناقص ہے کیونکہ تم بلا نور آفتاب نہیں دیکھتے اور زمین و آسمان بھی بلا آفتاب کے ممکن نہیں، کیونکہ رات دن کا ظہور محض آفتاب کے وجود سے ہے تو نامحرم کی طرف نظر کرنیسے آنکھ اور آفتاب کی نعمت کیا بلکہ زمین و آسمان کی نعمت کا کفران ہے۔ اسی سبب سے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے۔ زمین آسمان اسپر لعنت کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ نے ہاتھ تم کو اسواسطے عنایت کئے ہیں۔ تاکہ تو انکے ذریعہ سے اپنے کاموں کو راست و درست کرے کھانا کھائے طہارت وغیرہ بجالائے۔ جب ہاتھوں سے تم گناہ کرو گے تو یہ ہاتھ کی نعمت کا کفران نعمت ہوگا۔ بلکہ یہاں تک کہ اگر تم

داہنے ہاتھ سے استنجا کرو گے اور بائیں ہاتھ سے قرآن شریف پکڑو گے تو یہ بھی کفران نعمت ہوگا۔ اسواسطے کہ حقتعالیٰ کے محبوب و مرغوب کام سے تم باہر ہو گئے۔ اس لئے کہ حقتعالیٰ کو عدل پسند ہے اور عدل یہ ہے کہ شریف شریف کیواسطے اور حقیر حقیر کیلئے۔ اور دونوں ہاتھوں میں سے اکثر آدمیوں کا ایک ہاتھ مضبوط بنایا ہے اور وہی شریف ہے۔ اور تمہارے کام دو قسم کے ہیں بعض تو حقیر ہیں اور بعض شریف ہیں اور جو کام شریف ہے اسے داہنے ہاتھ سے کرنا چاہئے اور جو حقیر ہے اُسے بائیں ہاتھ سے۔ تاکہ عدل عمل میں آئے ورنہ بہائم کیطرح حکمت و عدل سے تم دُور جا پڑو گے۔ اگر تم قبلہ کیطرف منہ کر کے تھوکو گے تو قبلہ اور چاروں طرف کی نعمت کا کفران کرو گے کیونکہ چاروں سمت برابر نہیں ہیں حقتعالیٰ نے تمہاری ہی اصلاح کیواسطے ایک سمت کو بزرگ بنایا ہے تاکہ عبادت کیلئے تم اسکی طرف منہ کرو اور وہ تمہاری تسلی اور چین کا موجب ہو۔ اور اس بزرگ سمت میں جو گھر بنایا ہے اسے اپنے نام سے منسوب فرمایا ہے اور تمہارے لئے حقیر کام بھی ہیں۔ جیسے پائخانہ جانا۔ تھوکنا اور شریف کام بھی ہیں۔ جیسے وضو کرنا اور نماز پڑھنا۔ اگر تم سب کاموں کو برابر سمجھ کر کرو گے تو تمہاری زندگی بہائم کے برابر ہو گی۔ اور نعمت عدل جو عدل و حکمت کے ظاہر ہونیکی جگہ ہے اسکا حق اور نعمت قبلہ کا حق باطل ہو جائیگا۔ اگر مثلاً کسی درخت کی شاخ یا کلی بلا ضرورت کے توڑو گے تو وہ ہاتھ اور درخت کی نعمت کو باطل کرنا ہوگا۔ اسلئے کہ حقتعالیٰ نے اس شاخ کو پیدا کیا اور اس میں رگیں اور ریشے بنائے تاکہ وہ شاخ اپنی غذا حاصل کرے اور اس میں غذا کھانیکی قدرت اور دوسری قوتیں بھی اس کام کیلئے پیدا فرمائیں کہ جب وہ شاخ کمال کو پہنچے تو اپنا کام پورا کرلے۔ لیکن جب تم نے اسکی رہزنی کی تو گویا یہ ناشکر گزاری کی۔ لیکن جب تم کو کمال حاصل کرنیکے لئے اسکی حاجت ہو تو اسکا کمال تمہارے کمال پر صدقے ہے۔ اسلئے کہ ناقص کا کامل پر نثار ہو جانا بھی عدل ہے۔ اور اگر تم دوسرے کی ملکیت میں سے توڑ لو گے تو گو تمہیں حاجت بھی ہو۔ مگر تم نے کفران نعمت کیا۔ کیونکہ مالک کی حاجت تمہاری حاجت سے بہت مقدم اور اولیٰ ہے۔ ہر چند حقیقت میں کوئی چیز بھی بندہ کی ملکیت نہیں ہے، مگر دنیا کی مثال ایک بچھے ہوئے دسترخوان کیطرح ہے اور دنیا کی نعمتیں اسپر بمنزلہ کھانے کے ہیں اور خدا کے بندے اس دسترخوان پر مہمان کی حیثیت سے ہیں کہ ان میں سے کسی کی کچھ بھی ملکیت نہیں۔ لیکن چونکہ ہر ایک لقمہ سب کو کفایت نہیں کرتا تو اسلئے ایک مہمان نے جو کچھ اٹھا لیا یا منہ میں ڈال لیا تو دوسرے مہمان کا یہ حق نہیں کہ اس سے چھین لے۔ بندے بس صرف اتنی ہی شئے کے مالک ہیں اور جسطرح مہمانوں کو یہ اختیار نہیں کہ کھانا اٹھا کر ایسی جگہ پر رکھدیں جہاں کسی دوسرے کا ہاتھ نہ پہنچے اسیطرح یہ امر بھی کسی بندہ کیلئے زیبا نہیں کہ وہ مال دنیوی کو اپنی حاجت سے زیادہ چھوڑے اور خزانہ میں داخل کرے اور محتاجوں کو محروم بنائے۔ مگر ظاہری فتویٰ کی رُو سے یہ حکم نہیں۔ اسلئے کہ کسی شخص کی حاجت معلوم نہیں ہوتی اگر ہم اس راز کو افشا کر دیں تو ہر شخص دوسرے کا مال چھین لے اور کہے کہ اسکو اسکی حاجت نہیں تو اس حکم کی ضرورت کیوجہ سے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن خلاف حکمت ہے۔ اسلئے مال جمع کرنیکی ممانعت ہوتی ہے اور خصوصاً غلہ جمع کرنے میں کہ وہ مخلوق

کی غذا ہے۔ اور جو شخص اس نیت سے غلہ جمع کرے کہ گراں ہونے پر فروخت کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے تو ایسا شخص خدا تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار ہوگا۔ بلکہ جو شخص اس کی سوداگری کر کے غلہ کو غلہ کے بدلے سود کے طور پر فروخت کرے جیسے کہ ڈھیری وغیرہ لینے کا دستور ہے تو ایسا شخص بھی ملعون ہوگا۔ اس لئے کہ غلہ کو حق تعالیٰ نے خلق کی غذا بنایا ہے۔ اور جب اس کی تجارت کی جائیگی تو وہ قید میں پڑ جائے گا۔ اور محتاجوں کو جلدی نہ پہنچ سکے گا۔ سونے چاندی میں بھی یہ حرام امر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے سونا چاندی دو حکمتوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس سے مال کی قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ اسلئے کہ اس بات کو کوئی نہیں جانتا کہ ایک گھوڑا کتنے غلاموں کے عوض فروخت ہوگا۔ یا ایک غلام کس قدر کپڑوں کے عوض فروخت ہوگا۔ اور ان اشیاء کو ایک دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا ضروری ہے۔ تو بس ایسی چیز کی حاجت ہوئی کہ تمام اشیاء کو اس پر قیاس کر کے سمجھ لیں۔ اور اس غرض کے لئے سونا چاندی کو پیدا فرمایا تاکہ اس حاکم کی طرح ہو جو ہر شے کی مقدار کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اور جو شخص سونے چاندی کو رکھ چھوڑتا ہے وہ ایسا ہے گویا اس نے مسلمانوں کے حاکم کو قید کیا۔ اور جو شخص سونے چاندی کا کٹورا بناتا ہے وہ ایسا ہے گویا اس نے مسلمانوں کے حاکم کو ڈولی اٹھانے اور جلاہاپن کرنیکا حکم دیا۔ اس لئے لوٹا صرف اس لئے ہوتا ہے کہ پانی کو محفوظ رکھے۔ اور یہ کام مٹی اور تانبے سے بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ سونا چاندی دو ایسے نادر الوجود گوہر ہیں۔ کہ ان کے سبب سے ہر شے حاصل ہوتی ہے۔ اور تمام لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ کیونکہ جس شخص کے پاس سونا چاندی ہوتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے یہ ممکن ہے کہ کسی کے پاس کپڑا ہو اور اسے غلہ کی ضرورت ہو۔ یا غلہ ہو تو اسے کپڑے کی حاجت ہو۔ یا جس کے پاس غلہ ہو اسے کپڑے کی حاجت نہ ہو۔ یا تو کپڑے کے عوض غلہ فروخت نہ کرے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے سونا اور چاندی کو پیدا کیا ہے۔ اور اسے ہر دل عزیز بنایا ہے۔ تاکہ اس کی وجہ سے دنیا کے معاملات جاری رہیں اور سونا چاندی جو فی الحقیقت محتاج الیہا نہیں ہے اس سے حاجت کی تمام اشیاء حاصل ہوں۔ تو جب لوگ سونے کے بدلے چاندی اور چاندی کے بدلے سونا فروخت کریں گے تو دونوں ایک دوسرے سے الگ کر قید میں پڑ جائیںگے۔ اور کاربر آری کا وسیلہ نہ رہیں گے تو ہرگز ہرگز کبھی بدگمانی نہ کرنا چاہیئے کہ شرع میں کوئی شے بھی حکمت اور عدل کے خلاف نہیں بلکہ جو کچھ بھی ہے ایسا ہی ہے جیسا کہ چاہیئے لیکن بعض حکمتیں ایسی باریک ہیں کہ ان سے سوائے پیغمبروں کے اور کوئی بھی واقف نہیں اور بعض حکمتیں ایسی ہیں جن سے سوائے بڑے بڑے علماء کے اور کوئی بھی واقف نہیں ہوتا۔ اور جو عالم تقلیداً کام اختیار کرتا ہے وہ ناقص ہوتا ہے اور عوام الناس کے قریب قریب ہوتا ہے۔ عالم جب ان حکمتوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ تو جس چیز کو عوام مکروہ جانتے ہیں یہ حرام جانتا ہے حتیٰ کہ ایک بزرگ نے وضو کے وقت اپنا بایاں پاؤں جوتے میں پہلے ڈال دیا اور پھر جب معلوم ہوا۔ تو اس کے کفارہ میں گیہوں کے کئی گٹھے دیئے۔ اگر عوام میں سے کوئی شخص کسی درخت کی شاخ توڑ ڈالے یا قبلہ کی طرف تھوکے یا بائیں ہاتھ سے قرآن شریف پکڑے تو ہم اس پر اسقدر اعتراض نہ کریں گے جسقدر کہ خواص پر کرتے

ہیں عوام جو اس بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں تو اپنے ناقص ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں کیونکہ وہ بہائم کے قریب قریب ہوتے ہیں اور انہیں ان باتوں کی تمیز نہیں ہوتی۔ اسواسطے کہ ان کا حال حکمت سے اتنی دور ہوتا ہے کہ وہ ان دقائق کو نہیں سمجھ سکتے اگر جاہل آدمی جمعہ کی اذان کے وقت کسی آزاد کو فروخت کرے۔ تو اس پر اس بات سے عتاب نہ کریں گے کہ اسوقت بیع مکروہ ہے اسلیئے کہ آزاد کو فروخت کرنے کا گناہ اس کراہت کو چھپا لے گا۔ اگر معاذاللہ کوئی جاہل شخص مسجد کی محراب میں قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرے تو اسنے قبلہ کی طرف جو پشت کی تو اس سبب سے اس پر عتاب کرنے کا محل نہ رہا اس لئے کہ وہ گناہ بڑا ہے کہ یہ ذراسی خطا اس میں پوشیدہ رہے گی۔ اسلیئے عوام الناس کیساتھ سہل انگاری کیجاتی ہے اور ظاہری فتوی عوام ہی کے لئے ہے اور راہ آخرت کے سالک کو ظاہری فتوی کیطرف متوجہ نہ ہونا چاہیے آدمی کو ان دقائق کا لحاظ رکھنا چاہیئے تاکہ عدل و حکمت میں فرشتوں کے قریب ہو جائے۔ ورنہ عوام کی طرح فرو گذاشت کے لحاظ سے بہائم میں شمار ہوگا۔

حقیقتِ نعمت

جاننا چاہیئے کہ حق تعالی نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ آدمی کے حق میں چار قسم پر ہے پہلی قسم تو وہ ہے جو اس جہان میں بھی اور اُس جہان میں بھی مفید ہے جیسے علم اور نیک اخلاق اور درحقیقت اس جہان میں بھی یہی نعمت ہے دوسری قسم وہ ہے جو دونوں جہان میں باعثِ نقصان ہے جیسے بدخوئی و نادانی اور درحقیقت بلا یہی ہے تیسری قسم وہ ہے جو اس جہان میں باعث راحت ہے اور اس جہان میں باعث تکلیف ہے جیسے کہ نعمت دنیوی کی کثرت اور اس سے مزا اور یہ نعمت ہے بیوقوفوں کے نزدیک اور بلا ہے عقلمندوں اور عارفوں کے نزدیک۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی بھوکا آدمی شہد حاصل کرے اور وہ زہر آلود ہو۔ اور اگر احمق ہے تو وہ یہ نہیں جانے گا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے بلکہ نعمت خیال کریگا اور جو عاقل ہوگا وہ اُسے بلا تصور کرے گا چوتھی قسم وہ ہے جس سے اس جہان میں تو رنج اور مصیبت حاصل ہوتی ہے اور اس جہان میں عیش و مسرت اور وہ ریاضت ہے اور نفس کی مخالفت ہے اور یہ عارفوں کے نزدیک نعمت ہے جیسے بیمار عاقل کے نزدیک تلخ دوا اور بے وقوفوں کے نزدیک بلا ہے۔

فصل جاننا چاہیئے کہ دنیا کے اکثر اسباب ایکدوسرے سے ملے جلے ہوتے ہیں کہ ان میں خیر بھی ہوتی ہے اور شر بھی لیکن جس کا نفع بہ نسبت اس کے نقصان کے زیادہ ہے وہ نعمت ہے۔ اور یہ کیفیت لوگوں کے حال کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے اس لئے جو مال بقدر کفایت ہوتا ہے اس کا نفع اسکے نقصان سے زائد ہوتا ہے اور جو مال کفایت سے زائد ہوتا ہے اس کا نقصان اکثر لوگوں کے حق میں بہ نسبت نفع کے زائد ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسکے حق میں تھوڑا مال بھی نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ یہ اس پر غلبۂ حرص کا باعث ہو جاتا ہے اگر اس کے

پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو حرص و طمع سے محفوظ رہتا اور کوئی آدمی ایسا کامل ہوتا ہے کہ بہت سا مال بھی اسے نقصان نہیں پہنچاتا اور وہ محتاجوں کو ان کی حاجت کے وقت دیتا ہے ۔ پس اس سے تم نے جان لیا کہ یہ امر روا ہے کہ ایک چیز ایک شخص کے حق میں نعمت ہوتی ہے اور وہی چیز دوسرے کے حق میں بلا ہوتی ہے ۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ جس چیز کو لوگ خیر سمجھتے ہیں وہ تین حال سے خالی نہیں ہے ۔ یا تو وہ زمانہ حال میں خوش یا مستقبل میں فائدہ مند ہے یا فی نفسہ نیک ہے ۔ اور جس چیز کو لوگ شر کہتے ہیں ۔ وہ بھی تین حال سے خالی نہیں یا تو وہ حال میں ناخوش ہے یا مستقبل میں نقصان رساں ہے یا فی نفسہ بری ہے پس خیر تمام وہی ہے کہ جس میں تین اول الذکر صفات جمع ہوں ۔ یعنی وہ حال میں اور مستقبل میں خوش بھی ہو مفید بھی ہو اور فی نفسہ نیک بھی ہو سو اور وہ نہیں ہے مگر علم و حکمت اس کے مقابلہ میں ۔ اور شر بطریق کمال اس کے مقابلہ میں بری شے ہے ۔ کہ جو ناپسندیدہ بھی ہے مضر بھی ہے اور برا بھی ہے ۔ جاننا چاہیئے کہ علم سے کوئی شے زیادہ اچھی اور بہتر نہیں ۔ مگر اس شخص کے نزدیک جس کے دل کو کسی قسم کی بیماری نہ ہو ۔ اور جہل حال میں ایک دردناک و ناخوش شے ہے ۔ کیونکہ جو شخص ایک چیز سے ناواقف ہو اور وہ اس سے واقف ہونا چاہے تو وہ اسوقت اپنی جہالت کے درد دکھ سے نہایت بےچین ہو جاتا ہے ۔ جہل برائی ہی لیکن کھلی ہوئی برائی نہیں ہے یہ دل میں برائی کو پیدا کر دیتا ہے اسلئے کہ دل کی صورت کو خراب کر دیتا ہے ۔ اور یہ امر کھلی ہوئی برائی سے بھی بدتر ہے ۔ اور کوئی شے ایسی ہوتی ہے جو نافع ہو لیکن ناگوار معلوم ہوتی ہے جیسے کہ تمام ہاتھ کے کٹ جانے کے خوف سے صرف ایک انگلی کا کاٹنا ۔ اور کوئی شے ایسی ہوتی ہے جو ایک وجہ سے مفید ہوتی ہے ۔ اور ایک وجہ سے مضر ۔ جیسے کوئی شخص کشتی کے ڈوبنے کے وقت محض اپنی جان کی سلامتی کی خاطر مال نکال کر دریا میں پھینک دے ۔

فصل

لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو چیز اچھی خوش معلوم ہوتی ہے وہی نعمت ہے اور مسرتیں اور لذتیں تین درجوں پر ہیں ۔ ایک تو وہ لذت ہے جو نہایت خسیس ہے اور وہ شکم و فرج کی لذت ہے ۔ اکثر لوگ اس لذت کو جانتے ہیں اور اس میں مشغول رہتے ہیں ۔ اور جو کچھ طلب کرتے ہیں وہ محض اسی لذت کے لئے طلب کرتے ہیں ۔ اس لذت کے برا ہونیکی یہ دلیل ہے کہ یہ تمام بہائم اس میں برابر کے شریک ہیں اور اس بارہ میں انسان سے بڑھے ہوئے ہیں ۔ اسواسطے کہ حیوانات آدمی سے زیادہ کھاتے ہیں اور زیادہ مباشرت کرتے ہیں ۔ بلکہ مکھی چیونٹی کیڑے بھی اس لذت میں آدمی کے برابر کے شریک ہیں ۔ جو شخص اپنے آپ کو بالکل اس لذت کے حوالہ کر دیتا ہے تو اس نے گویا حشرات الارض کے درجہ پر کفایت کی ۔ دوسرا درجہ غلبہ و ریاست کی لذت ہے اور یہی غصہ و غضب کی قوت ہے ۔ اگرچہ یہ لذت شکم و فرج سے شریف تر ہے لیکن تاہم خسیس ہے ۔ کیونکہ بعض حیوانات اس میں آدمی کے شریک ہیں جیسے شیر چیتا ۔ کیوں کہ ان کو بھی غلبہ و حملہ کی حرص ہوتی ہے ۔ تیسرا درجہ علم و حکمت اور حقتعالےٰ کی معرفت اور اس کی عجیب عجیب صنعتوں کے جاننے کی لذت

ہے۔ اور یہ سب سے شریف تر ہے۔ کیونکہ یہ لذت بہائم میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں۔ بلکہ یہ ملائکہ کی صفت ہے۔ اور حق تعالیٰ کی صفات میں سے ہے جس شخص کو ان ہی چیزوں سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور سوائے اس کے اور کسی شئے سے لذت حاصل نہیں ہوتی وہ کامل ہے۔ اور جس شخص کو ان چیزوں سے کسی چیز میں لذت نہیں۔ وہ ناقص ہے۔ بلکہ بیمار ہے۔ اور ہلاک ہونے والا ہے۔ اور اکثر مسلمان انہی دو اقسام میں سے ہوتے ہیں بلکہ ان چیزوں کی بھی لذت پاتے ہیں اور دوسری چیزوں کی بھی۔ جیسے کہ لذتِ ریاضت اور لذتِ شہوت۔ لیکن جس شخص پر لذتِ معرفت غالب ہوتی ہے تو دوسری لذتیں اس لذت میں چھپ جاتی ہیں۔ اور مقہور ہو جاتی ہیں۔ اور ایسا شخص درجۂ کمال کے نزدیک ہوتا ہے۔ اور جس شخص پر دوسری لذات کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ لذت تکلف سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ایسا شخص اس لذت کے غالب ہونے کی کوشش نہ کرے تو وہ درجۂ نقصان کے قریب ہوتا ہے۔ اور نیکیوں کے پلڑے کے بھاری ہو جانے کا یہی مطلب ہے۔

نعمت کے اقسام و درجات

جاننا چاہیئے کہ نعمت حقیقی سعادت آخرت ہے جو فی نفسہ مطلوب ہے اپنے سوا کسی دوسری نعمت کا وسیلہ نہیں اور یہ چار اشیاء ہیں۔ ایک تو وہ بقا جس میں فنا کو دخل نہ ہو دوسرے وہ خوشی جس میں رنج و غم کی آمیزش نہ ہو تیسرے وہ علم و کشف کہ جو جہالت و ظلمت کی کدورت سے خالی ہو چوتھے وہ بے نیازی جس میں فقر و محتاجی کو دخل نہ ہو۔ اور ان چاروں کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ آدمی کو حضرت الہیت کے مشاہدہ کی لذت ہمیشہ اسی طرح حاصل ہو کہ اس میں ملال و زوال کی گنجائش نہ رہے۔ اور نعمت حقیقی یہ ہے۔ اور جس چیز کو دنیا میں نعمت خیال کرتے ہیں۔ تو اسی واسطے کرتے ہیں کہ وہ آخرت کی سعادت کا وسیلہ ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ اَلْعَیْشُ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ یعنی عیش آخرت ہی کا عیش ہے۔ ایک دفعہ حضور نے یہ کلمہ نہایت رنج و سختی کے وقت ارشاد فرمایا۔ تاکہ دنیا کے رنج سے اپنے آپ کو تسکین دیں۔ اور ایک دفعہ نہایت خوشی کے عالم میں حج وداع میں جبکہ دین اسلام کامل ہو چکا تھا۔ اور تمام لوگ آپ کی طرف متوجہ تھے اور آپ اونٹ پر سوار تھے اور لوگ آپ سے مسائل دریافت کر رہے تھے جب آپ نے دین کے اس کمال کو ملاحظہ فرمایا تو حضور کی زبان مبارک پر یہ کلمہ آیا تاکہ آپ کا حق منزل دل دنیا کی لذت کی طرف متوجہ نہ ہو۔ ایک شخص نے کہا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَمَامَ النِّعْمَۃِ یعنی اے اللہ میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں۔ حضور نے جب یہ سنا تو فرمایا اے شخص کیا تجھے معلوم ہے کہ پوری نعمت کیا ہے۔ اس نے عرض کیا نہیں! فرمایا پوری نعمت یہ ہے کہ تو بہشت میں داخل ہو اور جو نعائم دنیا میں ہیں اور ان سے جو آخرت کا وسیلہ نہیں وہ در حقیقت نعمت نہیں۔ اور جو آخرت کا وسیلہ ہیں۔ وہ سولہ چیزیں ہیں۔ چار تو دل میں ہیں۔ اور چار بدن کے اندر اور

چار بدن کے باہر اور چار ان بارہ کے جمع کرنے میں وہ چار جو دل میں ہیں۔ وہ علم مکاشفہ۔ علم معاملہ۔ عفت۔ عدل ہیں۔ علم مکاشفہ تو یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کو اور اس کی صفات کو اور اس کے فرشتوں اور رسولوں کو پہچانے۔ اور علم معاملہ یہ ہے کہ جو ہم اس کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ کہ دین کے راہ کی گھاٹیاں ہیں۔ جیسا کہ رکن مہلکات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور زاد راہ جیسا کہ رکن عبادات اور معاملات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اور منازل راہ جن کو ہم رکن منجیات میں بیان کر رہے ہیں۔ آدمی ان سب کو اچھی طرح جانے۔ اور عفت یہ ہے۔ کہ آدمی خواہش اور غصہ کی طاقت کو توڑ ڈالے اور پوری طرح حسن خلق پیدا کرے اور عدل یہ ہے کہ خواہش اور غصہ کو بالکل درمیان میں سے اٹھا بھی نہ دے۔ کیونکہ ایسا کرنا بھی نقصان اور خسران ہے۔ اور بالکل اپنے اوپر مسلط نہ کر لے۔ تاکہ حد سے نہ گذر جائیں۔ اس لئے کہ یہ طوفان و طغیان ہے۔ بلکہ راستی اور اعتدال کے ترازو میں تولتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ اور یہ چاروں تمام نہیں ہوتیں۔ مگر ان چیزوں سے کہ جو تن میں ہیں۔ اور وہ چار یہ ہیں: تندرستی۔ قوت۔ جمال۔ عمر دراز۔ سعادت آخرت کی حاجت تندرستی و قوت اور عمر دراز کے ساتھ کچھ پوشیدہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ علم و عمل اور خلق نیک اور وہ فضائل جو آدمی کے دل میں ہم نے بیان کئے ہیں بلا ان کے بہ طریق کمال ہاتھ نہیں آتے۔ لیکن جمال کی حاجت کم ہوتی ہے۔ لیکن جمیل آدمی کی حاجت بہت پوری ہوتی ہے۔ اور جمال بھی اس لحاظ سے جاہ و مال کی طرح ہوتا ہے۔ اور جو چیز دنیا کی حاجت اور ضرورت میں کام آتی ہے۔ وہ آخرت کی ضرورتوں میں کام آچکی ہوگی۔ اس واسطے کہ ضروریات دنیوی کا نکلتے رہنا امور آخرت کے لئے دلجمعی کا موجب ہوتا ہے۔ اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ظاہر کی خوبصورتی باطن کی نیک سیرتی کا عنوان ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک عنایتی نور ہوتا ہے۔ جو پیدا ہونے کے ساتھ ہی چمکنے لگتا ہے۔ اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ جب آدمی کا ظاہر آراستہ کر دیتا ہے۔ تو باطن بھی نیک اخلاق سے آراستہ کر دیتا ہے۔ اور اس سبب کی بنا پر بزرگوں کا قول ہے۔ کہ بر آدمی ایسا نہیں ہوتا کہ جو اپنی بری سیرت کی بہ نسبت خوبصورت ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ خوب صورت اور صاحب جمال لوگوں سے اپنی حاجت طلب کرو۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب کہیں کوئی ایلچی بھیجو تو اچھے نام والا اور اچھی شکل والا بھیجو۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے کہ جب نماز کی امامت کرنیوالے علم القرأت قرآنی اور صفات پرہیزگاری میں برابر ہوں تو ان میں سے جو زیادہ خوبصورت ہو۔ وہ امامت کیلئے اولیٰ تر ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اس خوبصورتی سے وہ خوبصورتی مراد نہیں جس سے شہوت بھڑک اٹھے۔ کیونکہ وہ عورتوں کی صفت ہے بلکہ آدمی ایسا کشیدہ قامت وجیہ متناسب الاعضاء ہو کہ لوگوں کے دل و دیدہ اس سے نافرنہ ہوں جو نعمتیں بدن کے باہر ہوتی ہیں۔ اور بدن کو ان کی حاجت لاحق ہوتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ مال و جاہ۔ زن و فرزند۔ شرافت نسب آخرۃ

کو اس لئے مال کی حاجت ہے کہ جو شخص مالدار نہ ہوگا وہ تمام دن روزی کی تلاش میں بسر کرے گا۔ اور علم و عمل میں کم مصروف ہوگا۔ پس مال کا بقدر کفایت دینی ہونا نعمت ہے۔ اور جاہ کی اس لئے ضرورت ہے کہ جو شخص جاہ و منزلت نہیں رکھتا وہ لوگوں کی نظروں میں ہمیشہ ذلیل و بے قدر رہتا ہے اور دشمنوں سے بھی امن میں نہیں رہتا۔ لیکن جاہ و مال کی زیادتی میں بہت سی آفات ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص صبح کو اٹھے اور وہ تندرست اور امین ہو اور اس دن کی قوت اس کے پاس ہو۔ تو وہ ایسا ہے کہ گویا تمام دنیا اس کو میسر ہے۔ اور یہ باتیں بلا جاہ و مال کے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰی تَقْوَی اللّٰہِ الْمَالُ یعنی مال پرہیزگاری میں کیسا اچھا مددگار و معاون ہے۔ اور زن و فرزند اس وجہ سے نعمت ہے کہ بیوی کئی اشغال سے فراغت کے حصول کا سبب ہوتی ہے۔ اور شہوت کے شر سے بھی بے خوف کر دیتی ہے۔ اس سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زنِ صالحہ امور دینیہ میں مرد کی بڑی معاون ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی نے جب عرض کیا کہ دنیا کے مال میں سے ہم کیا جمع کریں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زبانِ ذاکر اور قلبِ شاکر اور عورتِ مومنہ۔ فرزند کہ والدین کی فوتیدگی کے بعد دعائے خیر کا موجب ہوتا ہے۔ اور زندگی میں بھی مددگار و معاون رہتا ہے۔ نیک اولاد مرد کیلئے ہاتھ پاؤں پر و بال کی مانند ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے بہت سے کاروبار سر انجام پاتے ہیں۔ یہ بات بھی ایک گراں بہا نعمت ہے۔ بشرطیکہ آدمی ان کی آفات سے بچتا رہے۔ اور انکے سبب سے اپنی تمام ہمت دنیا ہی کی جانب مصروف نہ کر دے۔ شرافتِ نسب بھی ایک نعمت ہے۔ کیونکہ امامت نسبِ قریش کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تَخَیَّرُوْا لِنُطَفِکُمُ الْاَکْفَاءَ وَاِیَّاکُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ یعنی تخم شائستہ جگہ پر ڈالو۔ اور جو سبزہ مزبلہ پر ہو اس سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ سبزہ مزبلہ سے کیا مراد ہے۔ فرمایا بد اصل خوب صورت عورت۔ جاننا چاہیے کہ اس نسب سے مراد دنیا ہی کی سرداری نہیں بلکہ نسب دینی مقصود ہے۔ جو صالح اور عالم لوگوں سے ہوتا ہے۔ اسواسطے یہ بھی ایک نعمت ہے کیونکہ آدمی میں اکثر اخلاق و عادات آباؤ اجداد سے سرایت کرتے ہیں اور اصل کی صلاحیت فرع کی صلاحیت پر دلیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالی کا ارشاد ہے۔ وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا اور وہ چار نعائم جو ان بارہ نعائم کی جامع ہیں وہ یہ ہیں ہدایت۔ رشد۔ تائید۔ تسدید۔ اور ان سب کو توفیق کہتے ہیں۔ اور کوئی نعمت بلا نعمت توفیق کے نہیں ہے۔ اور توفیق کے معنی قضائے الٰہی اور ارادت بندہ میں موافقت کا ہونا ہے اور یہ بات خیر و شر دونوں میں ہوتی ہے۔ لیکن بتقاضائے عادت توفیق خاص اس بات سے عبارت ہے۔ کہ بندہ کا ارادہ قضائے الٰہی کے ساتھ کار خیر میں جمع ہو۔ اور تکمیل توفیق چار اشیاء سے ہوتی ہے۔ ایک ہدایت کہ کوئی شخص بھی اس سے مستغنی نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص سعادت آخرت کا طالب ہو اور اس کا راستہ نہ پائے اور بیراہی ہی کو راہ تصور کرے تو اس سے کیا فائدہ۔ پس بلا ہدایت کے اسباب کا پیدا کرنا کسی کام نہیں آتا۔ اسی واسطے حق تعالے نے

دونوں اشیاء کے سبب سے احسان جتایا ہے اور فرمایا ہی رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی یعنی ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو صورت بخشی اور پھر ہدایت دی اور فرمایا وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی یعنی خدا وہ ہی ہے جس نے اندازہ کیا اور پھر ہدایت کی۔ جاننا چاہیے کہ اس ہدایت کے تین مدارج ہیں پہلا درجہ تو یہ ہے کہ آدمی خیر و شر میں امتیاز کرے۔ اور یہ درجہ حق تعالیٰ نے تمام عقلاء کو عطا فرمایا ہے۔ بعض کو تو عقل کے سبب سے اور بعض کو پیغمبروں کی زبانی۔ اور یہ جو حق تعالےٰ نے فرمایا ہے وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ اس سے یہی مراد ہے۔ کہ ہم نے آدمی کو عقل ہی کے ذریعے سے خیر و شر کی راہ بتائی ہے۔ اور یہ جو حقتعالےٰ کا ارشاد ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی یعنی لیکن قوم ثمود پس راہ دکھلائی ہم نے ان کو پھر اختیار کیا انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر۔ اس سے وہ ہدایت مراد نہیں جو حق تعالےٰ نے پیغمبروں کی زبان سے فرمائی جو شخص اس ہدایت سے محروم ہے۔ وہ یا تو حسد اور تکبر کی وجہ سے محروم ہے یا اشغالِ دنیوی کے سبب سے۔ کہ وہ علماء اور انبیاء کی بات پر کان نہیں دھرتا۔ ورنہ کوئی عقل مند اس ہدایت کے پانے سے عاجز نہیں دوسرا درجہ ہدایت خاص کا ہے جو دین کے معاملہ میں اور مجاہدہ میں تھوڑی تھوڑی حاصل ہوتی ہے اور حکمت کی راہ کشادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ ہدایت مجاہدہ کا ثمرہ ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور وہ جنہوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا۔ البتہ ہم ان کو ہدایت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب وہ مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم اپنی راہ کی طرف انہیں ہدایت کرتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم خود بخود انکو ہدایت کرتے ہیں اور یہ جو فرمایا وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی یعنی وہ لوگ جو راہ یاب ہو گئے تو حقتعالےٰ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا۔ تیسرا درجہ خاص الخاص ہدایت ہے۔ اور یہ نور نبوت اور عالم ولایت میں پیدا ہوتا ہے اور یہ ہدایت حقتعالیٰ کی ذات کی طرف ہوتی ہے۔ اس کی راہ کی طرف نہیں ہوتی۔ اور یہ ایک ایسے طریق پر ہوتی ہے کہ عقل کو خود بخود اس تک پہنچنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ اور یہ جو فرمایا قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم ان سے کہدو کہ خدا کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ ہدایت مطلق یہی ہے اور حقتعالےٰ نے اسکو حیات کہا ہے۔ اور فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ یعنی جو کوئی مردہ تھا پس ہم نے زندہ کیا اس کو یعنی وہ کافر تھا ہم نے ہدایت کی اس کو اور پیدا کیا اس کے لئے ایک نور کہ وہ چلتا ہے اس کے سبب سے لوگوں میں لیکن رشد یہ ہوتا ہے کہ بندہ کو ہدایت سے جو راستہ معلوم ہوا ہے اس پر اس کو چلنے کی خواہش پیدا ہو۔ جیسا کہ حقتعالےٰ کا ارشاد ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ یعنی دیا ہم نے ابراہیم کو اس کا رشد پہلے سے۔ جو لڑکا جوان ہو جائے اگر وہ جانے کہ مال کی حفاظت اسطرح کرتے ہیں اور پھر نہ کرے اسے رشید نہیں کہتے وہ اگرچہ ہدایت یافتہ ہے۔ اور تسدید یہ ہے۔ کہ بندہ کی حرکات اور اعضا کو بھلائی کی جانب آسانی سے حرکت دے تاکہ وہ جلدی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ پس ہدایت کا ثمرہ معرفت میں اور رشد کا ثمرہ خواہش اور ارادہ میں

اور تسدید ہ کا ثمرہ قدرت اور آلات حرکت میں ہے ۔ اور تائید عبارت ہے مدد غیبی سے جو باطن میں تیری بصیرت سے اور ظاہر میں قوت و حرکت سے پہنچی ۔ جیسا کہ حق تعالٰے نے فرمایا ہے وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔ یعنی مدد دی ہم نے اس کو بواسطہ روح القدس کے ۔ اور عصمت بھی اس سے بہت نزدیک ہے ۔ عصمت یہ ہے ۔ کہ آدمی کے باطن میں اس کو گناہ اور شرک کی راہ سے بچانے والا پیدا ہو جائے ۔ اور وہ اس بچانے والے کو اچھی طرح جان لے کہ وہ کہاں سے آیا ۔ جیسا کہ حقتعالے کا ارشاد ہے ۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ دنیا کی یہ نعمتیں آخرت کی زادِ راہ ہیں ۔ ان نعمتوں اور سببوں کی اور ان اسباب کو اور اسباب کی کیا حاجت ہے ۔ حتےٰ کہ بندہ آخر کو اس تک پہنچ جاتا ہے جو متحیرین کا راہنما اور رب الارباب اور مسبب الاسباب ہے اور تمام حلقہائے سلاسل اسباب کی شرح بنہایت دراز ہے ۔ اور یہاں پر اسی قدر کفایت کرتا ہے ۔

شکر میں خلق کی تقصیر کا بیان

جاننا چاہیے کہ شکر میں تقصیر دو وجہ سے ہوتی ہے ایک تو حقتعالٰے کی نعمتوں کی کثرت سے بیخبر رہنے کے سبب سے ۔ کیونکہ حق تعالٰی کی نعمتوں کا شمار و اندازہ کسی کو معلوم نہیں ۔ جیسا کہ خود اس کا ارشاد ہے ۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا یعنی اگر تم حقتعالٰی کی نعمتوں کا شمار کرو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے ۔ اور ہم نے کتاب احیاء العلوم میں حقتعالٰی کی چندان نعمتوں کا ذکر کیا ہے ۔ جو طعام کھانے کے متعلق ہیں ۔ تاکہ ان کے قیاس سے ہم جانیں کہ حق تعالٰی کی تمام نعمتوں کا شناخت کرنا ناممکن ہے ۔ اور یہ کتاب اس تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتی ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی ہر اس نعمت کو جو عام ہے نعمت نہیں سمجھتا ۔ اور ہرگز اس کا شکر نہیں کرتا ۔ چنانچہ یہ لطیف ہوا جو کہ سانس لینے میں جس کو آدمی کھینچتا ہے ۔ یہ ہوا اس روح حیوانی کو مدد دیتی ہے جس کا معدن دل ہے ۔ اور دل کی گرمی کو اعتدال پر لاتی ہے ۔ اگر یہ ایک لمحہ کے لئے موقوف ہو جائے تو آدمی زندہ نہ رہے ۔ آدمی اسے نعمت ہی نہیں سمجھتا اور اسی قسم کی لاکھوں نعمتیں جن کو آدمی خیال میں نہیں لاتا ۔ اگر دم بھر کے لئے کسی کنوئیں کو بند کر دیں کیونکہ اس کی ہوا غلیظ ہوتی ہے ۔ یا دم بند کرے یا اسے حمام میں قید کر دیں کیونکہ وہاں کی ہوا گرم ہوتی ہے اور ذرا کچھ دیر کے لیے وہاں رہنے دیں تو اس کی قدر معلوم ہو بلکہ جب تک آدمی آشوب چشم میں مبتلا نہیں ہوتا ۔ یا اس کی آنکھ پھوٹ نہیں جاتی تب تک بھلی چنگی آنکھ کا شکریہ ادا نہیں کرتا ۔ ایسے بندہ کی مثال اس غلام کی سی ہے ۔ کہ جب تک اسے نہ ماریں وہ مارنے کی قدر نہ جانے اور اگر اس کو نہ ماریں تو اس میں سرکشی اور غفلت پیدا ہو جائے تو شکر کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی حق تعالٰی کی نعمتوں کو اپنے دل میں یاد کرتا رہے ۔ چنانچہ بعض نعمتوں کی تفصیل ہم نے احیاء العلوم میں بیان کر دی ہے یہ تدبیر انسان کامل کیلئے ہے ۔ اور جو ناقص و کم فہم ہو ۔ اس کو یہ تدبیر کرنا چاہیے کہ وہ ہر روز شاہی شفاخانہ اور

قید خانے اور قبرستان میں جایا کرے۔ تاکہ مصیبت و بلا دیکھ کر اسے اپنی صحت و سلامتی کی قدر معلوم ہو۔ اور شاید پھر شکر الٰہی میں مشغول ہو۔ جب آدمی قبرستان میں جائے تو یہ خیال کرے کہ یہ تمام مردے ایک دن کیواسطے دوبارہ زندگی حاصل کرنے کی آرزو کر رہے ہیں۔ تاکہ اپنے گناہوں کا تدارک کریں لیکن ان کو یہ مہلت نہیں ملتی۔ مگر یہ عجیب زندہ انسان ہے۔ کہ اس کی زندگی کے بہت سے دن باقی ہیں لیکن اسکو انکی مطلقاً قدر نہیں۔ اور جو نعمت حق تعالےٰ کی عام ہے۔ بندے اس کا شکر نہیں کرتے۔ جیسے ہوا۔ آفتاب۔ چشم بینا اور وہ مال ہی کو حق تعالےٰ کی تمام نعمت جانتا ہے۔ یا اس شے کو جو اس کیساتھ مخصوص ہو۔ اسے جاننا چاہیئے کہ یہ اسکی جہالت ہے۔ کیونکہ نعمت عام ہونیکی وجہ سے نعمت ہونے سے نہیں نکل جاتی۔ پھر اگر غور سے کام لے تو اور بہت سی نعمتیں اسے حاصل ہیں۔ اور کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو اپنی عقل کو دوسرے کی عقل سے بڑھ کر نہیں جانتا۔ اور اپنے سے زیادہ کسیکے خُلق کو نہیں جانتا۔ اور اسی وجہ سے دوسروں کو بدخواہ اور احمق خیال کرتا ہے اور اپنے آپکو ایسا نہیں سمجھتا تو چاہیئے۔ کہ یہ گمان کرکے اپنی عقلمندی اور خوش خلقی کا شکر کیا کرے۔ اور لوگوں کی عیب بینی میں مشغول نہ رہے۔ بلکہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جسمیں عیب نہ ہوں۔ اور ان عیوب کو وہی شخص جانتا ہے دوسرا انہیں جانتا۔ کیونکہ حق تعالےٰ نے ان عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ بلکہ آدمی کو جو خطرات اور خیالات آتے ہیں۔ اگر وہی اور لوگوں کو معلوم ہو جائیں۔ تو بڑی ندامت کا باعث ہوں اور یہ بات ہر شخص کے حق میں ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ چاہیئے کہ اس نعمت کا شکریہ ادا کرتا رہے اور ہمیشہ اس نعمت کا خیال نہ رکھے جس سے وہ محروم ہو۔ کیونکہ اس سے وہ شکر سے بھی محروم رہیگا۔ بلکہ ان نعمتوں کی طرف نظر کرے جو حق تعالیٰ نے اسکو بلا استحقاق عنایت کی ہیں۔ ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں گیا۔ اور اپنی مفلسی کی شکایت کی۔ ان بزرگ نے فرمایا۔ تو چاہتا ہے کہ تیری آنکھ پھوٹ جائے اور تجھے دس ہزار درہم مل جائیں۔ اس نے کہا۔ نہیں پھر فرمایا کیا کان۔ ہاتھ پاؤں کے عوض دس ہزار درہم ملیں۔ اس نے کہا حضرت نہیں۔ پھر فرمایا کیا تیری عقل سلب کر لیجائے اور تجھے دس ہزار درہم دیدیئے جائیں۔ اس نے عرض کیا۔ نہیں۔ پھر ارشاد کیا تیرے پاس پچاس ہزار درہم کا مال تو موجود ہے بھلا پھر تو اپنی مفلسی کی شکایت کیوں کرتا ہے۔ اگر تم دوسرے لوگوں کو کہو کہ اپنا مال فلاں آدمی سے بدل لو تو وہ ہرگز ایسا نہ کرینگے۔ تو جب حق تعالےٰ نے جو کچھ انکو عنایت کیا ہے اکثر لوگوں کو عنایت نہیں فرمایا تو شکر کرنے کا مقام ہے۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ بلا پر بھی شکر کرنا چاہیئے کیونکہ کفر و گناہ کے سوا اور کوئی ایسی بلا نہیں جسمیں کچھ نہ کچھ بھلائی نہ ہو اور تو اس کو نہیں جانتا۔ حق تعالےٰ تیری بھلائی سے اچھی طرح واقف ہے۔ بلکہ ہر بلا میں ان پانچ اقسام میں سے ایک نہ ایک شکر واجب ہے۔ پہلی قسم تو یہ ہے کہ اگر دنیا کے کام میں کوئی مصیبت واقع ہو تو یہ شکر کرنا چاہیئے کہ دین کے کام میں نہیں ہوئی۔ ایک شخص حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا

اور عرض کیا کہ چور میرے گھر میں گھس کر میرا تمام مال چوری کر کے لیگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر شیطان تیرے دل میں گھس کر تیرے ایمان کو اٹھا لیجاتا۔ تو تو کیا کرتا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی بلا اور بیماری ایسی نہیں جس سے بدتر بلا اور بیماری اور نہ ہو۔ تو شکر کرنا چاہیئے کہ اس سے سخت تر اور بدتر بلا سے پالا نہیں پڑا۔ جو شخص ہزار لاٹھیاں کھانیکے قابل ہو اگر اس کو سو لاٹھیاں لگائی جائیں تو شکر کا مقام ہے۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ کے سر پر کسی شخص نے غلطی سے ایک طشت راکھ سے بھرا ہوا ڈال دیا۔ انہوں نے شکر کیا اور کہا کہ میں آگ کے قابل تھا۔ اور میرے اوپر صرف راکھ ہی ڈالی گئی تو یہ کمال نعمت ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ دنیا کی کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ اگر اس کو آخرت پر اٹھا رکھتے تو اس سے بدتر اور بہت بڑا عذاب ہوتا۔ تو شکر کرنا چاہیئے۔ کہ دنیا ہی میں خلاصی ہو گئی۔ اور عذاب آخرت سے نجات کا باعث ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے جس شخص پر دنیا میں سختی کردی وہ آخرت میں سختی سے محفوظ رہیگا۔ کیونکہ بلا گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ جب آدمی بیگناہ ہو گیا تو پھر عذاب کہاں۔ پس اگر کوئی طبیب تجھے تلخ دوا پلائے اور تیری فصد کھلوائے۔ تو اگرچہ تجھے اس سے تکلیف ہوگی۔ مگر شکر کا مقام ہے کہ اس تھوڑے سے رنج برداشت کر لینے سے بیماری کے بہت بڑے رنج سے نجات ملی۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ یہ مصیبت تو تیرے لیئے لوح محفوظ میں تقدیر ہو چکی تھی۔ اور ضرور اس کا پیش آنا ضروری تھا۔ جب آچکی تو شکر کا مقام ہے۔ حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ گدھے پر سے گر پڑے۔ اور فرمایا الحمد للہ۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ آپنے کیوں کہا۔ آپ نے فرمایا گدھے پر سے گرنے کی مصیبت کو میں نے طے کر لیا۔ یعنی اس بلا کا مجھ پر آنا لازمی تھا۔ کیونکہ ازل میں یہ تقدیر ہو چکی تھی۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ مصیبت دنیوی کی وجہ سے آخرت میں دو وجہ سے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ثواب بندگی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام گناہوں کا سر دنیا سے محبت کرنا ہے۔ چنانچہ دنیا تیرے لیئے بہشت ہو جاتی ہے۔ اور جناب الٰہی میں تیری حاضری تجھے قید معلوم ہوتی ہے۔ اور جن اشخاص کو دنیا ہی میں بلاؤں میں مبتلا کر دیا تو انکا دل دنیا سے نافر ہو گیا۔ تو ایسے اشخاص کیلئے دنیا قید خانہ بنجاتی ہے۔ اور موت انکی خلاصی کا موجب ہوتی ہے اور کوئی بلا ایسی نہیں ہوتی جو حقتعالی کیطرف سے تنبیہ و تادیب کے طور پر نہ ہو۔ اگر لڑکے کو عقل ہوتی تو جب باپ اسکو ادب دیتا تو وہ شکر کرتا۔ کیونکہ اس کا فائدہ بہت ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ حق تعالےٰ بلا سے دوستوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ جیسے تم کسی بیمار کی خبر گیری طعام و شراب سے کرتے ہو۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ میرا مال چور لے گئے۔ آپنے فرمایا۔ اس شخص میں خیر نہیں جس کا مال چور نہ لیجائے اور تن بیمار نہ ہو۔ کیونکہ حقتعالی جب بندے کو دوست رکھتا ہے۔ تو بھی اس پر اپنی بلا نازل کرتا ہے۔ اور فرمایا جنت میں بہت سے ایسے درجے اور مراتب ہیں کہ آدمی وہاں اپنی کوشش سے نہیں پہنچ سکتا۔ اور حق تعالی اسکو کسی بلا میں گرفتار کر کے وہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کیطرف دیکھتے تھے اور ہنستے تھے اور فرماتے تھے کہ میں مومن

کے حق میں حق تعالیٰ کی قضا کے بارہ میں متعجب ہوں۔ اگر نعمت کا حکم فرماتا ہے تو آپ بھی راضی ہوتا ہے، اور اس کی بھلائی بھی اس میں ہوتی ہے۔ اگر بلا کا حکم دیتا ہے تو تب بھی راضی ہوتا ہے، اور اس کی بھلائی اسمیں ہوتی ہے، یعنی بندہ بلا میں صبر کرے اور نعمت میں شکر۔ دونوں میں اسکی بھلائی ہے اور فرمایا ہے۔ کہ اہل عافیت جب قیامت میں مصیبت زدہ لوگوں کے درجات کو دیکھیں گے تو چاہیں گے کہ ان کا گوشت دنیا میں قینچی سے کترا گیا ہوتا۔ ایک پیغمبر علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا۔ کہ بار خدایا تو اپنی نعمت کافروں کو دیتا ہے، اور بلا مومنوں پر نازل فرماتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ بندگان بلا و نعمت سب میری ملکیت ہیں۔ مومن کے گناہ ہوتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ وہ موت کیوقت مجھ کو گناہوں سے پاک و صاف ہو کر دیکھے اور اس کے گناہوں کو اس جہان یعنی دنیا میں بلا کا کفارہ کر دیتا ہوں، اور کافر کی نیکیاں ہوتی ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اسے دنیا کی نعمتیں دیکر ان نیکیوں کا بدلہ ادا کردوں۔ تاکہ جب میرے دربارہ میں حاضر ہو۔ تو اس کا کوئی حق باقی نہ ہو اور میں اسپر بخوبی عذاب کرسکوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "جو شخص بدی کریگا وہ اسکی جزا پائیگا" تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ہم کسطرح نجات حاصل کرسکیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیمار اور غمناک نہیں ہوتے مومن کے گناہ کی یہی جزا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک فرزند نے وفات پائی تو آپ نہایت غمگین ہوئے دو فرشتے متخاصمین کی صورت میں آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک نے عرض کیا کہ میں نے زمین میں بیج بویا تھا اس دوسرے نے اسے روندڈالا اور ضائع کردیا۔ دوسرے نے کہا کہ چونکہ تو نے شاہراہ میں بیج بویا تھا، اور اسکے دائیں بائیں راہ نہ تھی اسلئے میں نے اسے روند ڈالا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مدعی سے ارشاد کیا۔ کہ کیا تجھے معلوم نہ تھا۔ کہ راہ چلنے والوں سے راہ خالی نہیں رہتی۔ شاہراہ میں بھلا بیج کیوں بویا تھا۔ اس نے جواب دیا کیا آپ نے یہ نہ سمجھا کہ آدمی موت کی شاہراہ پر ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے کے مرنیکے غم میں ماتمی لباس کیوں پہنا ہے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے توبہ کی اور استغفار فرمائی۔ حضرت خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے بیمار بیٹے کو موت سے ہمکنار ہوتے دیکھا۔ تو فرمایا بیٹا اگر تو پہلے جائے تاکہ میرے ترازو میں ہو۔ تو میں اسبات کو زیادہ دوست رکھتا ہوں کہ میں تیرے ترازو میں ہوں۔ بیٹے نے عرض کیا۔ بابا جان میں بھی اسبات کو پسند کرتا ہوں جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو آپکی لڑکی کی وفات سے اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ستر ڈھانپ گئی اور خرچ گھٹ گیا۔ اور ثواب لقد حاصل ہوگیا۔ اور پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا فرمائی، اور فرمایا۔ حق تعالےٰ نے یونہی ارشاد فرمایا ہے اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ یعنی مدد مانگو ساتھ صبر کے اور نماز کے" اور میں نے یہ دونوں ادا کردیئے۔ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ حقتعالیٰ قیامت کے دن چار آدمیوں کو چار گروہ پر حجت ٹھہرائیگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تو انگروں پر۔ حضرت

یوسف علیہ السلام کو غلاموں پر حضرت عیسٰے علیہ السلام کو درویشوں پر اور حضرت ایوب علیہ السلام کو ان لوگوں پر جنہوں نے بلا پر صبر کیا۔ اس باب میں علم شکر کا اس قدر بیان کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اصلِ سوم تیسری خوف و رجا کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ خوف و رجا سالک کیلئے دو بازوؤں کیطرح ہے۔ کہ جن مقامات محمودہ پر یہ پہنچتا ہے۔ انہی دونوں بازوؤں کیوجہ سے پہنچتا ہے۔ عقبات جو جناب الٰہی کا حجاب ہیں نہایت بلند ہیں۔ اور جب تک امید صادق نہ ہو اور آنکھ جناب الٰہی کے جمال کی لذت پر نہ پڑے۔ تب تک ان عقبات (گھاٹیوں) کو طے نہیں کر سکتا۔ اور شہوات (خواہشات) جو دوزخ کی راہ پر ہیں۔ وہ بڑی غالب اور فریب دینے والی اور کوشش کرنیوالی ہیں۔ اور انکا جال پکڑنے والا۔ اور نہایت پیچ در پیچ ہے۔ اور جبتک خوف و ہراس دل پر غالب نہ ہو۔ آدمی اس سے بچ نہیں سکتا۔ اور یہی سبب ہے کہ خوف و رجا کی فضیلت نہایت عظیم ہے۔ اور رجا لگام کی مانند ہے۔ جو بندہ کو آگے کھینچتا ہے۔ اور خوف تازیانہ کیطرح ہے جو اس کو آگے بڑھاتا ہے۔ اور ہم پہلے رجا کو بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد خوف کو بیان کریں گے ؛

فضیلت رجا

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی عبادت جو اس کے فضل و کرم کی امید پر ہو۔ وہ اس عبادت سے بہت افضل ہے۔ جو عقوبت (عذاب) کے ہراس کیوجہ سے ہو۔ کیونکہ امید سے محبت ٹپکتی ہے۔ اور کوئی مقام محبت سے بالاتر نہیں اور خوف سے ڈر اور نفرت ٹپکتی ہے۔ اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَلَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ یعنی (تم کو چاہیئے کہ تم میں سے ہر ایک حق تعالیٰ کے ساتھ نیک ظن ہو کر مرے) اور فرمایا حقتعالے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ میں اس جگہ ہوں کہ جس جگہ میرا بندہ میرے ہونے کا گمان کرے۔ اور میرے بندوں سے کہدو کہ تم جو گمان چاہو میرے ساتھ رکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے اس کی جان کنی کیوقت پوچھا۔ تو اپنے آپکو کسطرح پاتا ہے۔ اس نے کہا میں اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں اور حق تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ ایسے وقت میں یہ دو باتیں اس شخص کے دل میں جمع ہوتی ہیں جس شخص کو حقتعالیٰ اس بات سے امین کر دیتا ہے۔ کہ جس سے وہ ڈرتا ہے۔ اور وہ چیز اسکو عطا فرماتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے۔ حق تعالےٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ کیا تو جانتا ہے کہ میں نے یوسف علیہ السلام کو کیوں تجھ سے جدا کیا۔ اس لیئے جدا

کیا کہ تو نے اپنے دوسرے بیٹوں کو کہا تھا وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُوْنَ. یعنی (میں اسبات سے ڈرتا ہوں کہ بھیڑیا اسکو کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو جاؤ) تو تو بھیڑیئے سے کیوں ڈرا اور مجھ سے امید نہ رکھی اس کے بھائیوں کی غفلت کا خیال کیا۔ اور میری حفاظت کا دھیان نہ رکھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو دیکھا۔ کہ وہ اپنے گناہوں کی کثرت سے ناامیدی کی حالت میں ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ناامید نہ ہو۔ اس کی رحمت تیرے گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حقتعالیٰ قیامت کے دن بندے سے کہیگا کہ تو نے لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا تو خود اجتناب کیوں نہ کیا۔ اگر حق تعالےٰ نے اس کی زبان کو توفیق دی۔ تو وہ یوں عرض کریگا اے اللہ! میں خلق سے ڈرا اور تیری رحمت کا امیدوار رہا۔ تو حق تعالیٰ اسپر رحم کریگا۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں۔ اگر تم جانو تو بہت روؤ اور تھوڑا ہنسو اور صحرا میں جا کر بخشوع عاجزی وزاری کیا کرو۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ آپ میرے بندوں کو کیوں ناامید کرتے ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کی خوب امیدیں دلائیں حق تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔ اے داؤد تو مجھے خود بھی دوست رکھ! اور لوگوں کے دلوں میں بھی مجھے دوست کردے حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ بار خدایا لوگوں کے دلوں میں تجھے کسطرح دوست کروں۔ حقتعالیٰ نے ارشاد کیا۔ کہ میرا فضل و کرم انکو یاد دلا۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے سوائے فضل و کرم کے اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔ لوگوں نے حضرت یحییٰ بن اکثم کو خواب میں دیکھا سوال کیا کہ حق تعالےٰ نے آپ سے کیا کیا۔ فرمایا خدا تعالےٰ نے مجھے موقف سوال میں ٹھہرایا! اور فرمایا اے شیخ تو نے یہ کیا اور یہ کیا۔ حتیٰ کہ مجھ پر ایک زبردست ہراس چھا گیا۔ پھر میں نے عرض کیا۔ بار خدایا مجھے تیری یہ خبر دی گئی تھی۔ حقتعالیٰ نے فرمایا کسطرح خبر تھی۔ میں نے عرض کیا۔ عبد الرزاق نے مجھ کو خبر دی تھی معمر سے اور معمر نے زہری سے اور زہری نے انس سے اور انس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضور نے جبرئیل علیہ السلام سے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تجھ سے۔ تو نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں بندے سے وہ سلوک کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے گمان کرتا ہے اور مجھ سے امید رکھتا ہے اور میں امید رکھتا تھا۔ کہ تو مجھ پر رحمت کریگا۔ حق تعالےٰ نے فرمایا۔ سچ کہا جبرئیل نے اور سچ کہا میرے رسول نے اور سچ کہا انس رضؓ نے اور سچ کہا زہری نے اور سچ کہا عبد الرزاق نے میں نے تجھ پر اپنی رحمت کی۔ پھر مجھ کو خلعت کرامت پہنایا۔ اور جنت کے لڑکے بطور خادموں کے میرے آگے چلتے پھرتے ہیں اور مجھے ایسی خوشی حاصل ہے جو میں نے کبھی کبھی نہ دیکھی تھی حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص لوگوں کو حق تعالیٰ کی رحمت سے ناامید کیا کرتا تھا۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اس سے فرمائیگا اسیطرح میں آج تجھے اپنی رحمت سے ناامید کرتا ہوں۔ حدیث شریف ہے کہ ایک شخص کو ہزار برس تک دوزخ میں رکھیں گے پھر وہ کہیگا یا حنان یا منان۔ تو حق تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ اس کو دوزخ سے باہر نکال لو۔ جب اسے حق تعالےٰ کے حضور میں پیش کیا جائیگا۔ تو حق تعالیٰ اس سے پوچھیگا کہ تو نے دوزخ میں اپنی جگہ کو کس طرح پایا۔ وہ

عرض کریگا۔ تمام جگہوں سے بڑی اور بدتر۔ حکم ہوگا کہ اسے پھر دوزخ میں لیجاؤ۔ جب اسے لے چلیں گے۔ تو وہ پھر پھر کر دیکھیگا۔ حق تعالےٰ ارشاد فرمائیگا۔ اے بندے تو کیا دیکھتا ہے، وہ کہیگا۔ میں نے گمان کیا تھا کہ جب تو مجھ کو دوزخ سے نکال لیگا۔ تو پھر نہ ڈالیگا۔ پھر حق تعالےٰ اسے بہشت میں لیجانیکا حکم دیگا۔ اور یہ نجات اس کو امید کے سبب سے حاصل ہوگی۔

حقیقت رجا

جاننا چاہیئے کہ جو شخص مستقبل (آئندہ) میں بھلائی کی امید رکھتا ہے۔ اس کے اس امید رکھنے کو رجا کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ اسے تمنّا کہتے ہیں، اور یہ بھی ہے کہ اسے غرور اور حماقت کہتے ہیں اور بیوقوف لوگ انمیں فرق نہیں کرتے، اور سمجھتے ہیں کہ یہ سب امید ہے۔ رجا محمود ضرور ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص اچھے بیج تلاش کرتا ہے اور نرم زمین میں بوتا ہے۔ اور اس زمین کو گھاس اور کانٹوں سے صاف کرتا ہے۔ اور وقت پر پانی دیتا ہے۔ اور اسبابکا امیدوار رہتا ہے کہ حقتعالیٰ اسے ارضی وسماوی آفتوں سے بچائیگا۔ تو میں جمع حاصل کرونگا۔ اس کی اس امید کو رجا وامید کہتے ہیں اور اگر کوئی شخص بُرا اور خراب بیج بوتا ہے یا کسی سخت زمین میں تخم ڈالتا ہے یا زمین کو گھاس اور کانٹوں سے پاک صاف نہیں کرتا۔ یا وقت پر پانی نہیں دیتا۔ اور بارش کے ہونیکی ایسی جگہ امید رکھتا ہے کہ جہاں اکثر بارش نہ ہوتی ہو لیکن بارش کا ہونا محال بھی نہیں ہے۔ تو اسکو آرزو اور تمنّا کہتے ہیں، اسی طرح جو شخص ایمان کا صحیح وسالم بیج صحرائے سینہ میں ڈالتا ہے اور سینہ کو برے اخلاق سے پاک کرتا ہے اور عبادت کی مواظبت سے ایمان کے درخت کو پانی دیتا ہے اور حقتعالیٰ کے فضل وکرم سے امید رکھتا ہے، کہ وہ اسے آفات سے بچائیگا۔ اور موت کے وقت تک اس حالت پر کردیتا ہے۔ اور اس جہان سے ایمان کو سلامتی کے ساتھ لیجاتا ہے تو اس کو امید کہتے ہیں۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ مستقبل میں جو نیکی ہوتی ہے اس میں تقصیر نہیں کرتا اور خبرگیری نہیں چھوڑتا۔ اسلئے کہ کھیت کی خبرگیری ترک کردینا نا امیدی کی علامت ہے۔ امید کی علامت نہیں ہے اور اگر ایمان کا بیج بوسیدہ ہو یعنی کہ یقینی درست نہ ہو۔ یا درست تو ہو لیکن سینہ اخلاق بد سے پاک نہ کرے اور طاعت سے ایمان کے درخت کو پانی نہ دے تو اس حالت میں حقتعالیٰ کی رحمت کی آس رکھنا حماقت ہے امید ورجا نہیں ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ یعنی وہ شخص احمق ہے جو اپنے نفس کی خواہش کے مطابق جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور پھر حق تعالیٰ سے رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُلَنَا یعنی حقتعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے، کہ انبیاء علیہم السّلام کے بعد جن تک علم پہنچا۔ اور وہ دنیا میں مشغول ہوگئے اور کہا کہ ہم حقتعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہم پر رحم کریگا۔ پس جس چیز کے اسباب بندہ کے اختیار کیساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور جب وہ ان تمام اسباب کو بطریق کمال مہیا کرے تو پھر اسکا امید رکھنا رجا ہے۔ اور جب اسباب

ویرانی اور بربادی کی حالت میں ہوں تو امید رکھنا حماقت ہے اور غرور ہے۔ اور اگر اسباب تو ویرانی کی حالت میں ہوں اور نہ آبادی کی حالت میں تو پھر اس چیز کی امید رکھنا آرزو ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَيْسَ الدِّيْنُ بِالتَّمَنِّی یعنی دین کا کام آرزو سے درست نہیں ہوتا۔ تو جو شخص توبہ کرتا ہے اسے قبول ہو جانے کی امید رکھنا چاہیئے۔ اور جس شخص نے توبہ نہ کی اور اپنے گناہوں کیوجہ سے ملول اور رنجیدہ رہا۔ اور پھر اسباب کا امیدوار رہے۔ کہ حق تعالے اسے توبہ نصیب کریگا تو یہ رجا ہے۔ کیونکہ اس کا ملول اور رنجیدہ رہنا توبہ کے نصیب ہونیکا سبب ہے۔ اور اگر ملول بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر توبہ کا امیدوار رہتا ہے تو یہ غرور اور حماقت ہے۔ علی ہذا القیاس اگر بلا توبہ کرنیکے مغفرت کا امیدوار ہے تو یہ بھی غرور اور حماقت ہے اگرچہ احمقوں نے اس کا نام بھی امید رکھا ہے حالانکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اپنی آرزو کو اپنے گھر اور اپنے شہر میں چھوڑا۔ اور غربت اختیار کی اور حق تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا انکے لئے ہماری رحمت کی امید رکھنا بجا ہے یحییٰ ابن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ اور کوئی حماقت نہیں کہ آدمی دوزخ کا بیج بوتا اور بہشت کا امیدوار رہے۔ اور نیکوں کا مقام تلاش کرے۔ اور گنہگاروں کے سے کام کرے اور بلا نیک عمل کرنے کے ثواب طلب کرے ایک شخص جس کو لوگ زاہد الجبل کہا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ میں آپ سے یہ دریافت کرنے آیا ہوں۔ کہ اس بات کی کیا علامت ہے کہ حقتعالیٰ کسی شخص کیساتھ بھلائی چاہتا ہے اور اس شخص کے ساتھ بھلائی نہیں چاہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جو سویرا اٹھتا ہے تو تیرا کیا حال ہوتا ہے اس نے عرض کیا کہ میرا یہ حال ہوتا ہے کہ میں نیک کاموں اور نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہوں۔ اگر کوئی نیک کام درپیش ہو تو جلدی سے کرلیتا ہوں۔ اور اسکے ثواب کو یقینی سمجھتا ہوں۔ اور اگر کوئی نیکی فوت ہو جائے تو غمناک ہوتا ہوں اور اس کا آرزومند رہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا یہی اس بات کی علامت ہے کہ حقتعالیٰ نے تیرے لئے بھلائی چاہی اگر برائی چاہتا تو تجھے اس میں مشغول رکھتا اور پھر اسبات کی پروا نہ کرتا کہ دوزخ کی وادیوں میں سے تجھے کس وادی میں ہلاک کرے۔

رجا کے حاصل کرنے کی تدبیر

جاننا چاہیئے کہ سوائے دو بیماروں کے اور کسی کو اس دوا کی حاجت نہیں۔ ایک تو وہ بیمار جو گناہوں کی کثرت کیوجہ سے ناامید ہو کر تائب نہیں ہوتا اور کہتا ہے۔ کہ میری توبہ قبول نہ کریں گے۔ دوسرا وہ جو کثرت ریاضت و عبادت سے اپنے آپکو ہلاک کرتا ہے۔ اور اپنی طاقت و قوت سے زیادہ رنج و محنت برداشت کرتا ہے۔ البتہ ان دونوں بیماروں کو اس دوا کی ضرورت ہے۔ غافلوں کیلئے یہ دوا نہیں بلکہ زہر قاتل ہے۔ اور امید دو وجہ سے غالب ہو جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ آدمی عبرت حاصل کرے اور دنیا کے عجائبات اور نباتات اور حیوانات اور گوناگوں نعمتوں کی خلقت میں غور و فکر کرے جیسا

کہ ہم نے شکر کے مقام بیان کیا ہے تاکہ اسے حق تعالیٰ کی ایسی ایسی رحمتیں اور عنایتیں نظر آئیں کہ اس سے بڑھکر اور ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اپنی ذات میں غور کرے کہ جس چیز کی اسے ضرورت تھی حق تعالیٰ نے اسے کس خوبصورتی اور کاریگری سے پیدا کیا جیسے سر اور دل یا فقط حاجت تھی ضرورت نہ تھی، جیسے کہ ہاتھ پاؤں، یا جن کی نہ ضرورت تھی اور نہ حاجت تھی فقط ان کے سبب سے آدمی کی زیب و زینت تھی، جیسے سرخی لب اور بھوؤں کی کجی اور آنکھوں کی سیاہی اور پلکوں کا سیدھا پن اور یہ چیزیں کیسی خوب اور عمدہ پیدا کیں، اور علاوہ ازیں تمام حیوانات پر رحمت فرمائی حتیٰ کہ مکھی کے بنانے میں بھی کیا پاکیزہ صنعت دکھائی، کیا خوب نقش بنائے، اور کیا مناسب صورت عطا کی اور پھر اسے اپنا گھر بنانے کی ترکیب بتائی، وہ کیا اچھا گھر بناتی ہے اور کس طریق سے اس میں شہد جمع کرتی ہے، اور اپنے بادشاہ کی کیسی اطاعت کرتی ہے اور بادشاہ انمیں کیسی خوبی سے سیاست کرتا ہے۔ جو شخص ایسے عجائبات میں جو اسکے ظاہر و باطن میں اور تمام مخلوقات میں ہیں غور و فکر سے کام لیتا ہے تو اسے صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت میں مایوسی اور غلبۂ خوف کی گنجائش ہی نہیں بلکہ خوف و رجا دونوں کو برابر ہونا چاہیئے۔ اگر رجا غالب ہو جائے تو بجا ہے، پھر حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت جو ہر وقت بندوں کے شامل حال ہے بے نہایت و بے شمار ہے حتیٰ کہ ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں آیت مداینات سے زیادہ اور کوئی آیت امید دلانیوالی نہیں۔ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ ایک بڑی آیت نازل فرمائی ہے کہ جب ہم کسیکو قرض دیں تو وہ ہمارا مال حفاظت سے رکھے ضائع نہ ہونے دے۔ پھر باوجود اس عنایت بے غایت کے ہم گنہگار و نکی بخشش میں کیا کمی کریگا۔ کہ ہم سب دوزخ میں جائیں۔ رجا کے حصول کیلئے یہ ایک بہت بڑا علاج ہے اور اس کا نفع بیشمار ہے مگر ہر شخص کو یہ درجہ نصیب نہیں ہوتا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ آدمی ان احادیث و روایات میں غور و فکر کرے جو رجا کے باب میں آئی ہیں۔ یہ آیتیں احادیث بیشمار ہیں جیساکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ یعنی کوئی شخص کبھی میری رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اور فرمایا فرشتے تمہاری بخشش چاہتے ہیں۔ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ اور فرمایا دوزخ اس لئے ہے کہ کفار کو اس میں ڈالے اور مسلمانوں کو اس سے ڈرائے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی بخشش طلب کرنے سے کبھی بھی آسودہ نہ ہوتے تھے حتیٰ کہ آیت نازل ہوئی وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔ کہ میں اسوقت تک راضی نہ ہونگا جب تک کہ میری امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہیگا۔ اور اسی طرح بہت سی آیات ہیں۔ اور احادیث یہ ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت مرحومہ ہے۔ اسکا عذاب دنیا ہی میں فتنوں اور زلزلوں کی شکل میں ہے۔ جب روز قیامت ہوگا۔ تو ہر مسلمان کے ہاتھ میں ایک کافر کو دیکر کہینگے۔ کہ دوزخ میں یہ تیرا فدیہ ہے اور فرمایا کہ تپ جو ہے تو دوزخ کی آنچ ہے۔ اور مسلمان کا دوزخ سے یہی حصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ بار خدایا۔ میری امت کا حساب میرے ساتھ فرما۔

تاکہ کوئی امت بھی اس کے برابر دکھائی نہ دے۔ حقتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے محمدؐ یہ لوگ تمہاری امت ہیں اور میرے بندے ہیں۔ میں ان پر سب سے زیادہ رحیم ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی امت بھی ان کے برابر نظر آئے۔ نہ تجھے اور نہ کسی اور کو حضورؐ نے فرمایا۔ میری زندگی تمہاری بھلائی ہے اور میری موت بھی تمہارے لئے خیر و بھلائی ہے، اگر میں زندہ ہوں تو تمہیں شریعت کی تعلیم دیتا ہوں، اور اگر مر جاؤں تو تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے، وہ جو نیک ہوں گے، ان کیلئے حق تعالیٰ کی حمد و شکر کرونگا، اور بُرے ہونگے۔ ان کیلئے حق تعالیٰ سے تمہاری بخشش چاہوں گا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَا کَرِیْمَ الْعَفْوِ۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا۔ حضور جانتے ہیں کہ اسکے کیا معنے ہیں۔ اسکے یہ معنے ہیں کہ حقتعالیٰ برائی کو عفو کرتا ہے اور نیکی کے ساتھ بدل ڈالتا ہے اور فرمایا جب بندہ گناہ کرتا ہے اور اس کے بعد استغفار کرتا ہے تو حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اے فرشتو دیکھو۔ میرے بندہ نے ایک گناہ کیا اور سمجھا کہ اسکا کوئی مالک ہے۔ جو گناہ کے سبب سے اسکو پکڑیگا اور بخشدیگا۔ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسکو بخشدیا اور فرمایا کہ میرا بندہ گناہ کرتا ہے اور وہ گناہ اتنا ہو کہ اس سے آسمان بھر جائے اور پھر وہ بندہ امیدوار ہو کر استغفار کر لے تو میں اس کے گناہ کو بخشدیتا ہوں، اگر بندہ زمین بھر گناہ کرتا ہے، تو میرے پاس بھی اسکی بخشش کیلئے زمین بھر رحمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ بندہ کے نام پر چھ ساعت کے گزر جانے تک گناہ نہیں لکھتا، اور اگر اس عرصہ میں بندہ توبہ و استغفار کر لے تو وہ گناہ لکھا ہی نہیں جاتا۔ اور اگر تائب نہ ہوا اور کوئی اطاعت کرے تو داہنے ہاتھ کا فرشتہ دوسرے فرشتہ سے کہتا ہے تو اس گناہ کو اسکے اعمالنامہ سے حذف کر دے۔ تاکہ میں بھی اس کے عوض ایک نیکی نہ لکھوں۔ اور ہر نیکی دہ چند ہوتی ہے اور نو حصہ نیکی اس گنہگار کے نامۂ اعمال میں باقی رہ جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ اسکے نام پر لکھ لیتے ہیں۔ ایک اعرابی نے عرض کیا اگر وہ استغفار کرے۔ فرمایا تو پھر وہ محو کر دیتے ہیں۔ عرض کیا، اگر وہ پھر گناہ کرے۔ فرمایا تو پھر لکھ لیتے ہیں۔ عرض کیا اگر وہ پھر استغفار کرے تو فرمایا پھر مٹا ڈالتے ہیں۔ عرض کیا یہ صورت کب تک ہوتی ہے۔ فرمایا جب تک بندہ استغفار کئے جاتا ہے۔ جب تک بندہ استغفار سے ملول نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ بخشش سے ملول نہیں ہوتا۔ اور فرمایا بندہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو قبل نیکی کرنے کے نیکی اس کے نام پر لکھ لیتے ہیں۔ اور اگر وہ نیکی کرتا ہے تو ایک کے عوض دس نیکیاں اس کے نام پر لکھتے ہیں۔ پھر ان کو سات سو تک بڑھا دیتا ہے۔ اور جب بندہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتہ نہیں لکھتا۔ اور جب گناہ کر لیتا ہے تو ایک ہی گناہ اسکے نام پر لکھا جاتا ہے۔ اور حقتعالیٰ کا عفو اس کے علاوہ ہے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں عرض کیا کہ میں رمضان کے روزے رکھتا ہوں اور پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہوں اور اس سے زائد عبادت نہیں کرتا اور بوجہ مالدار نہ ہونیکے حج مجھ پر فرض نہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن میں کہاں ہوں گا۔ حضورؐ نے ہنس کر فرمایا کہ تو میرے ساتھ ہوگا بشرطیکہ کپٹ و حسد سے تو اپنے

آنکھ کو بچائے رکھے۔ اور نامحرم کی طرف دیکھنے سے اپنی نگاہ کو بچائے اور خلقِ خدا کی طرف نظرِ حقارت سے نہ دیکھے۔ اور غیبت اور جھوٹ سے اپنی زبان کو محفوظ رکھے تو تُو میرے ساتھ بہشت میں داخل ہوگا اور میں تجھ کو اپنی اس ہتھیلی پر عزیز رکھوں گا۔ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کل قیامت کے دن مخلوق کا حساب کون لیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حقتعالیٰ۔ اس نے عرض کیا۔ حقتعالیٰ خود حساب کریگا۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں تو اعرابی ہنس پڑا حضور نے فرمایا تو ہنستا ہے اس نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس لئے ہنستا ہوں کہ کریم جب قابو پاتا ہے تو قصور معاف کر دیتا ہے اور جب حساب لیتا ہے تو آسانی کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اعرابی نے سچ کہا۔ حقتعالیٰ سے زیادہ کوئی کریم نہیں۔ پھر فرمایا۔ اعرابی فقیہ ہے۔ پھر فرمایا۔ حقتعالیٰ نے کعبہ کو شریف اور بزرگ کہا ہے۔ اگر بندہ اس کو ویران کر دے اور پتھر پتھر سے جُدا کر ڈالے اور جلا دے تو اسکا گناہ اسقدر نہیں ہے جتنا کہ حقتعالیٰ کے کسی ولی کی حقارت کرنیسے ہوتا ہے۔ پھر اعرابی نے کہا حقتعالیٰ کے ولی کون لوگ ہیں۔ فرمایا تمام مومن حقتعالیٰ کے ولی ہیں۔ اور اے اعرابی کیا تو نے نہیں سُنا کہ حقتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ اور فرمایا حقتعالیٰ نے کہ میں نے بندوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھ سے فائدہ اُٹھائیں۔ اس لئے پیدا نہیں کیا کہ میں ان سے فائدہ اٹھاؤں اور فرمایا۔ حق تعالیٰ نے خلق کو پیدا کرنیسے پہلے اپنے اوپر یہ لکھ لیا کہ میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے۔ اور فرمایا جس نے لاالہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جسکا آخری کلمہ یہ ہوگا۔ دوزخ کی آگ اس کی طرف دیکھے گی بھی نہیں۔ اور جو شخص اس جہان سے بلا شرک کئے جائیگا وہ ہرگز ہرگز دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ اور فرمایا اگر تم گناہ نہ کرو تو حق تعالیٰ اور مخلوق پیدا کرے جو گناہ کرے اور وہ بخشدے۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ اور فرمایا حق تعالےٰ اپنے بندوں پر مادرِ مشفق سے بھی بڑھ کر مہربان ہے اور فرمایا حقتعالیٰ قیامت کے دن اپنی اتنی رحمت ظاہر فرمائیگا کہ وہ کسی کے دل پر بھی نہ گزری ہوگی۔ یہانتک کہ ابلیس بھی اس کی رحمت کی امید میں گردن بلند کریگا۔ اور فرمایا حقتعالیٰ کی سَو رحمتیں ہیں۔ ایک رحمت کو اس جہان میں ظاہر کیا ہے۔ اور ننانوے قیامت کیلئے رکھ چھوڑی ہیں۔ اور وہ جو ایک رحمت اس جہان میں ظاہر ہوئی ہے۔ اسی ایک کی وجہ سے یہ سب دل رحیم ہیں۔ حتیٰ کہ ماں کی رحمت فرزند پر اور جانور کی شفقت اپنے بچہ پر اسی ایک رحمت کی وجہ سے ہے اور قیامت کے دن حقتعالیٰ اس ایک رحمت کو بھی ان ننانوے رحمتوں کیساتھ شامل کر کے اپنے بندوں پر پھیلائیگا۔ اور ہر ایک رحمت زمین و آسمان کے کئی کئی طبقات کے برابر ہوگی اور اسدن کوئی شخص بھی تباہ اور ہلاک نہ ہوگا سوائے اس شخص کے جو ازل میں تباہ اور ہلاک ہو چکا ہوگا۔ اور حضورؐ نے فرمایا ہے میں نے اپنی شفاعت اہل کبائر کیلئے رکھی ہوئی ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ پرہیزگاروں اور مطیعوں کیلئے ہے۔ ایسا نہیں بلکہ گنہگاروں اور بدکاروں کے لئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن منادی ندا کریگا۔ کہ اے محمدؐ میں نے اپنا حق تم کو بخش دیا

اب ایک دوسرے کے حقوق تم پر رہ گئے۔ اب تم ایکدوسرے کو بخشدو اور بہشت میں چلے جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا۔ کہ جس کے دل میں ایک مثقال بھر بھی خیر ہے۔ اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔ فرشتے بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اور عرض کرینگے کہ اس قسم کے لوگوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں باقی نہیں رہا۔ پھر حقتعالیٰ حکم دے گا۔ کہ جس کے دل میں نصف مثقال خیر ہے اسے بھی دوزخ سے نکال لاؤ فرشتے بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائینگے اور کہینگے کہ اس قسم اور کوئی آدمی دوزخ میں نہیں رہا۔ پھر حقتعالیٰ فرمائیگا کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ بھر خیر ہے اس کو بھی دوزخ سے نکال لاؤ۔ فرشتے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے۔ اور عرض کرینگے کہ اس قسم کا کوئی اور آدمی دوزخ میں نہیں رہا۔ اور پھر ارشاد ہوگا کہ پیغمبروں کی شفاعت مسلمانوں کی شفاعت۔ فرشتوں کی شفاعت سب ہو چکی اور مقبول بھی ہوئی۔ اب سوائے میری رحمت کاملہ کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ پھر حق تعالیٰ اپنا دست رحمت بڑھا کر مٹھی بھر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالیگا۔ جنہوں نے ہرگز ذرہ بھر بھی نیکی نہ کی ہوگی اور وہ سب کوئلے کیطرح جل کر سیاہ ہو گئے ہوں گے۔ پھر ان سب کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر میں ڈالیں گے جسے نہر الحیوٰۃ کہتے ہیں۔ پھر وہ اس نہر سے پاک وصاف ہو کر نکلیں گے۔ جسطرح سیلاب سے سبزہ نکلتا ہے اور چمکتے ہوئے موتیوں کے مالے ان کے گلے میں ہوں گے۔ اہالیان بہشت ان سب کو پہچان لینگے اور کہیں گے کہ یہ سب حقتعالیٰ کے آزاد کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کوئی نیکی نہیں کی تھی۔ پھر انکو بہشت میں جانے کا حکم دیا جائیگا اور کہا جائے گا کہ جو کچھ تم دیکھو وہ سب تمہارے ہی لئے ہے وہ عرض کرینگے اے باریتعالیٰ تو نے ہم کو وہ کچھ عنایت کیا جو کسی کو بھی نہیں کیا۔ ارشاد ہوگا۔ میرے خزانہ میں تو اس سے بڑھ بڑھ کر نعمتیں ہیں۔ وہ عرض کرینگے یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ ارشاد ہوگا وہ میری رضامندی۔ کہ میں تم سے ایسا خوش رہوں کہ پھر کبھی ناراض نہ ہوؤں۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم دونوں میں مسطور ہے۔ حضرت عمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک غائب رہے اور سوائے نماز فریضہ کے اور کسی وقت بھی باہر تشریف نہ لائے۔ چوتھے دن جب رونق افروز ہوئے تو فرمایا کہ حقتعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ میری امت کے ستر ہزار انسانوں کو بہشت میں بلا حساب داخل ہونیکی اجازت دے گا۔ میں ان تین دن میں حقتعالیٰ سے اور رعایت چاہتا تھا اور میں نے حقتعالیٰ کو نہایت کریم پایا۔ اس نے اپنے فضل عمیم سے ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کیساتھ ستر ستر ہزار بہشت میں جانے منظور فرمائے۔ میں نے عرض کیا۔ میری امت اتنی ہوگی۔ فرمایا اعرابیوں کو ساتھ ملا کر یہ تعداد پوری کر لینا۔ روایت ہے کہ ایک لڑکے کو کسی لڑائی میں اسیر کیا تھا۔ دھوپ نہایت شدت کی تھی۔ خیمے سے ایک عورت نے اس لڑکے کو دیکھا بے اختیار ہو کر اسکی طرف دوڑی۔ خیمے کے دوسرے لوگ بھی اس کے پیچھے دوڑے۔ حتی کہ اس عورت نے اس لڑکے کو اٹھا کر اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ اور لڑکے کو دھوپ کی حدت سے محفوظ رکھنے کیلئے اپنا سایہ اوپر ڈال دیا اور لوگوں سے کہا کہ

یہ میرا بیٹا ہے۔ لوگ یہ ماجرا دیکھ کر رونے لگے۔ اور اس عورت کی شفقت بے نہایت دیکھ کر حیران ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے وہاں تشریف فرما ہوئے۔ لوگوں نے اس قصہ کو حضورؐ کی خدمت میں گذارش کیا۔ آپنے اس عورت کی شفقت اور لوگوں کی گریہ وزاری پر اظہار مسرت فرمایا۔ اور فرمایا کیا تم لوگوں کو اس عورت کی شفقت و محبت پہ تعجب ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ حضورؐ نے فرمایا جسقدر یہ عورت اپنے بیٹے پر رحیم ہے۔ اس سے بڑھ کر حقتعالیٰ اپنے بندوں پر رحیم ہے۔ پس مسلمان خوشی خوشی وہاں سے منتشر ہو گئے۔ اور ایسی خوشی مسلمانوں کو کبھی بھی نہ ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں طواف کعبہ کیلئے تنہا رہ گیا۔ بارش بھی شروع ہوگئی۔ میں نے حقتعالیٰ کی جناب میں دعا کی کہ بار خدایا مجھے گناہ سے محفوظ رکھ تاکہ میں کوئی گناہ نہ کروں۔ اتنے میں میں نے خانہ کعبہ سے ایک آواز سنی کہ کہنے والے نے کہا۔ کہ کیا تو عصمت چاہتا ہے۔ اور میرے تمام بندے مجھ سے یہی چاہتے ہیں اگر میں تمام بندوں کو گناہوں سے بچاؤں تو اپنی رحمت اور فضل کس پر کروں۔ جاننا چاہیئے کہ اس قسم کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ اور جس پر خوف نے غلبہ کیا ہو۔ اسکے لئے یہ شفا ہیں۔ اور جس شخص پر غفلت نے غلبہ کیا ہو۔ اُسے یہ جاننا چاہیئے۔ کہ ان احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ بعض مسلمان دوزخ میں بھی جائیں گے۔ اور سب سے پچھلا مسلمان وہ ہوگا جو سات ہزار برس کے بعد دوزخ سے نکالا جائے گا۔ اور اگر بالفرض ایک ہی آدمی کا دوزخ میں جانا مان لیا جائے تو جب بھی ہر ایک کے حق میں یہ ممکن ہے کہ شائد دوزخی ہو۔ اسلئے ہر ایک کو پرہیز اور احتیاط کی راہ پر چلنا چاہیئے۔ اور ہر ایک ممکن نیکی میں کوشش کرے تاکہ دوزخی نہ ہو جائے۔ کیونکہ سات ہزار برس کی مدت نہایت طویل ہے۔ اور اگر آدمی دنیا کی تمام لذات صرف دوزخ میں ایک رات رہنے کے خوف سے ترک کر دے تو بجا ہے۔ غرضیکہ خوف و رجا برابر ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کل قیامت کے دن آواز دیں گے۔ کہ صرف ایک آدمی جنت میں نہ جائیگا۔ تو میں یہ خیال کروں گا کہ شائد میں ہی ہوں۔ اور اگر یہ ندا کریں گے کہ دوزخ میں صرف ایک آدمی ہی جائیگا۔ تو میں خوف کھاتا ہوں کہ کہیں وہ میں ہی نہ ہوں۔

خوف کی فضیلت و حقیقت و اقسام

جاننا چاہیئے کہ خوف ایک بزرگ مقام ہے اور اس کی فضیلت ان کے ثمرات اور اسباب کے موافق ہے۔ اور اسکا سبب علم و معرفت ہیں۔ جیسا کہ اس کے بعد شرح کی جائیگی۔ اور اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ یعنی خدا کے بندوں میں سے سوائے علماء کے اور کوئی خدا سے نہیں ڈرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رَأْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ تعالیٰ اور خوف کے ثمرات عفت۔ ورع و تقوےٰ ہیں۔ اور یہ سب سعادت کا بیج ہیں۔ کیونکہ بلا ترکِ شہوات اور صبر کرنے کے آخرت کی راہ پر چل نہیں سکتے۔ اور جس طرح خوف شہوات کو

جلاتا ہے اور کوئی چیز نہیں جلاتی اور یہی وجہ ہے۔ کہ حقتعالیٰ نے خائفوں کیلئے ہدایات و رحمت و علم و رضوان کو تین آیات میں جمع کیا ہے اور فرمایا ہے۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۔ اور اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۔ اور تقویٰ جو خوف کا ثمرہ ہے۔ اسے حق تعالےٰ نے اپنی طرف سے اضافہ فرمایا۔ وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس روز جب خلقت کو میدان قیامت میں جمع کریں گے۔ تو ایک منادی انکو اس طرح سے حکم کریگا۔ کہ سب دور و نزدیک کے لوگ سن لیں گے۔ اے لوگو! جس روز سے میں نے تم کو پیدا کیا اس روز سے لیکر آجتک میں نے تمہاری باتیں سنیں آج تم میری بات سنو۔ اور کان لگاکر سنو۔ آج میں تمہارے اعمال تمہارے سامنے رکھوں گا۔ اے لوگو! ایک نسب خود تم نے مقرر کیا اور ایک نسب میں نے مقرر کیا۔ تم نے اپنے نسب کو بلند کیا۔ اور میرے مقرر کئے ہوئے نسب کو پست کیا۔ میں نے کہا تھا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ یعنی تم میں سے سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو متقی ہے۔ اور تم نے کہا نہیں۔ بلکہ بزرگ تر وہ ہے جو فلاں ابن فلاں ہے۔ آج میں اپنے مقرر کردہ نسب کو بلند کرتا ہوں اور تمہارے نسب کو پست کرتا ہوں۔ اَيْنَ الْمُتَّقُوْنَ ۔ کہاں ہیں پرہیزگار لوگ۔ پھر ایک جھنڈا کھڑا کریں گے۔ اور اس کو آگے آگے لیجائیں گے۔ اور پرہیزگار لوگ اس جھنڈے کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ حتیٰ کہ تمام پرہیزگار بلا حساب بہشت میں داخل ہوں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خائفین کا ثواب دگنا ہے۔ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حقتعالیٰ نے ارشاد کیا۔ کہ میں دو خوف اور دو امن ایک بندہ میں جمع نہیں کرتا۔ اگر دنیا میں مجھ سے ڈرے گا تو میں قیامت کے دن کو امین رکھوں گا۔ اور اگر دنیا میں امین رہے گا تو قیامت کے دن خوف میں رکھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص حقتعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اس سے تمام دنیا ڈرتی ہے۔ اور جو شخص حق تعالےٰ سے نہیں ڈرتا۔ اسکو سب چیزیں ڈراتی ہیں۔ اور فرمایا۔ تم میں سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو زیادہ خدا سے ڈرتا ہے۔ اور فرمایا جس مسلمان کی آنکھوں سے آنسو بہیں۔ اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں۔ اور بہ کر اس کے منہ پر آجائیں تو اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ فرمایا جب بندے کے بدن کے رونگٹے خوف خدا سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو اس کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ فرمایا جو شخص حقتعالیٰ کے خوف سے رو یا وہ دوزخ میں جلایا نہ جائے گا۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا آپ کی امت میں کوئی شخص بلا حساب بھی جنت میں جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ وہ شخص جو اپنے گناہ کو یاد کرکے روئیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آنسو کا قطرہ یا خون کا قطرہ حق تعالیٰ کی راہ میں گرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی قطرہ حقتعالیٰ کو محبوب نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ سات آدمی حقتعالیٰ کے سایہ میں رہینگے۔ ایک تو وہ شخص ہے جو خلوت میں حقتعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ اور اس کی آنکھ سے آنسو کا قطرہ بہتا ہے حضرت

حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضورؐ اس وقت لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے۔ دلوں پر خوف جو غالب ہوا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر میں گھر آیا۔ میری زوجہ مجھ سے گفتگو کرنے لگی۔ میں دُنیا کی باتوں میں مشغول ہو گیا۔ مجھے حضورؐ کا کلام اور اپنا رونا یاد آیا تو میں باہر نکل آیا اور شور و فریاد کرنے لگا۔ کہ آہ حنظلہ منافق ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سامنے سے تشریف لا رہے تھے۔ فرمانے لگے۔ منافق نہیں ہوا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کَلَّا لَمْ یُنَافِقْ حَنْظَلَۃُ یعنی حنظلہ منافق نہیں ہوا۔ پھر میں نے تمام حال عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حنظلہ جس حال میں تم میرے سامنے ہوتے ہو۔ اگر اسی حالت پر رہو تو فرشتے راستوں اور گھروں سے نکل کر تم سے مصافحہ کیا کریں۔ اے حنظلہ وہ حالت تو تھوڑی دیر رہتی ہے۔

بزرگوں کے اقوال

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی دن مجھ پر ایسا نہیں گزرا کہ مجھ پر حقتعالیٰ کے خوف نے غلبہ نہ کیا ہو۔ اور اُسدن میرے دل پر حکمت اور عبرت کا دروازہ نہ کھلا ہو۔ حضرت یحیٰی معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوفِ عقوبت اور اُمیدِ رحمت کے درمیان مسلمان کا گناہ اسطرح ہوتا ہے۔ جسطرح دو شیروں کے درمیان ایک روباہ۔ اور اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آدمی دوزخ سے ایسا ڈرتا جیسا کہ مفلسی سے ڈرتا ہے تو جنتی ہوتا۔ حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ کل قیامت کے دن کون شخص زیادہ با امن ہوگا۔ فرمایا وہ جو آج حقتعالےٰ سے بہت ڈرتا ہے ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ ایسے لوگوں کی مجلس کے بارہ میں حضورؒ کی کیا رائے ہے۔ کہ جو ہم کو اس حد تک ڈراتے ہیں کہ ہمارے دل ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آج ایسے لوگوں کی صحبت میں رہا کرو۔ جو تم کو ڈرائیں اور کل قیامت کے دن بے خوف رہو۔ اور یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ آج ایسے لوگوں کیساتھ بیٹھو۔ جو تم کو بے خوف رکھیں۔ اور کل قیامت کے دن خوف میں مبتلا ہو جاؤ۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو دل خوف الٰہی سے خالی ہے وہ ویران ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ جو قرآن شریف میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ۔ یعنی کام کرتے ہیں۔ اور ڈرتے ہیں۔ کیا اس سے مراد چوری اور زنا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کام سے مراد نماز۔ روزہ و صدقہ ہے کہ کرتے ہیں۔ اور ڈرتے ہیں کہ مبادا قبول نہ ہو۔ حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ جب روتے تو آنسو چہرہ پر مل لیتے اور فرماتے میں نے سُنا ہے کہ جس جس مقام پر یہ آنسو پہنچتے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں نہ جلیں گے۔ حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ روؤ۔ اگر رونہ سکو تو تکلّف سے روؤ۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اسقدر

روؤں۔ کہ آنسو میرے چہرہ پر آجائیں۔ تو میں اس امر کو زیادہ اچھا سمجھتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ ہزار دینار صدقہ دوں۔

حقیقتِ خوف

جاننا چاہیئے کہ خوف ایک حالت دل کا نام ہے۔ اور وہ ایک آگ ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے اور اس کا سبب بھی ہے اور ثمر بھی۔ اس کا سبب علم و معرفت ہے کیونکہ آدمی جب کار آخرت کے خطرات کو دیکھتا ہے اور اپنی ہلاکت کے حاضر و غائب اسباب پر نظر ڈالتا ہے تو خواہ نخواہ یہ آگ اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہ دو معرفتوں کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ آدمی اپنے گناہوں کو اور عیوب کو اور اپنی عبادت کی آفات کو اور خباثت اخلاق کو حقیقی طور پر دیکھ لیتا ہے۔ اور پھر باوجود ان تمام تقاصیر کے حق تعالیٰ کی نعمتیں اپنے حق میں ملاحظہ کرتا ہے۔ اور اس کی مثل اس شخص کی سی ہے۔ کہ جس نے بادشاہ کی جناب سے بہت سی خلعت و انعام حاصل کئے ہوں۔ اور پھر اس کے حرم اور خزانہ وغیرہ میں خیانت کی ہو۔ اور پھر ناگہانی طور پر اسے معلوم ہو کہ بادشاہ اس کو خیانت کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ اور یہ بات بھی اسے معلوم ہو جائے کہ بادشاہ نہایت غیور اور منتقم اور بیباک ہے۔ اور بادشاہ کے نزدیک سفارش کرنے والا بھی اسکو کوئی نہ ملے۔ اور بادشاہ کے ساتھ اسے کسی قسم کی قرابت اور وسیلت بھی حاصل نہ ہو تو ایسی حالت میں ضروری ہے۔ کہ جب وہ اپنے کاموں کے خطرات کو دیکھیگا۔ تو اس کے دل میں خوف و درد کی آگ پیدا ہو جائیگی دوسری معرفت یہ ہے کہ اس شخص کو گناہ اور عیب کے سبب سے خوف پیدا نہ ہو۔ بلکہ اس کی قدرت و طاقت اور بیباکی کی وجہ سے پیدا ہو۔ جیسے کہ کوئی شخص شیر کے جنگل میں پھنس جائے اور اپنے گناہوں سے تو نہ ڈرے۔ لیکن اس بات سے ڈرے کہ شیر کی طبیعت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اس کو ہلاک کردے۔ اور اسکو اور اسکی کمزوری کی کچھ پروا نہ کرے تو اس قسم کا خوف تمام تر اور فاضلانہ ہوتا ہے۔ پس جس شخص نے حقتعالیٰ کی صفات کو پہچان لیا اور اسکے جلال و بزرگی اور توانائی و بیباکی سے واقف ہو گیا۔ کہ اگر وہ تمام عالم کو ہلاک کر ڈالے۔ اور ہمیشہ دوزخ میں رکھے تو ایک ذرہ بھی اس کی مملکت سے کم نہ ہوگا۔ اور جس شے کو رقت و شفقت کہتے ہیں۔ اسکی حقیقت سے اس کی ذات منزّہ ہے۔ جب آدمی کو یہ معلوم ہو جائے تو ڈرانے کا محل ہے۔ اور یہ ڈر انبیاء علیہم السلام کو بھی رہا ہے۔ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ ہم گناہ سے معصوم ہیں۔ اور جو شخص حقتعالیٰ کو زیادہ پہچانتا ہے وہ اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ عارف ہوں اور زیادہ خائف ہوں۔ اور اسی لئے حقتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اور جو زیادہ جاہل ہوتا ہے وہ زیادہ بیخوف ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد مجھ سے اسطرح ڈر جس طرح تو شیر خشمگین سے ڈرتا ہے۔ خوف کا سبب یہی ہے جو بیان کر دیا گیا۔ اور خوف کا ثمرہ دل اور بدن اور جوارح میں ہوتا ہے۔ دل میں تو یہ ہوتا ہے کہ دل کو دنیا کی خواہشات بری معلوم ہوتی ہیں اور خواہشات

کی کچھ پروا نہیں رہتی۔ جیسے کہ کسی شخص پر شہوت طعام یا نکاح غالب ہو۔ لیکن جب وہ کسی شیر کے جنگل میں پھنس جاتا ہے یا کسی قاہر بادشاہ کے قید خانہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو پھر اسے اس خواہش کی کچھ پروا نہیں رہتی۔ بلکہ دل کی حالت تو خوف میں تمامتر خضوع وخشوع وخواری ہوتی ہے۔ اور سراپا مراقبہ ومحاسبہ وعاقبت اندیش ہو جاتا ہے۔ نہ تو کبر باقی رہتا ہے اور نہ حسد اور نہ دُنیا کی حرص ولالچ اور نہ غفلت اور خوف کا ثمرہ بدن میں شکستگی ونزاری وزردی ہوتی ہے۔ اور جوارح میں خوف کا ثمرہ یہ ہے کہ ان کو گناہوں سے بچائے۔ اور عبادت میں مؤدب رکھے اور خوف کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔ خوف اگر شہوت سے باز رکھے تو اس کا نام عفّت ہوتا ہے۔ اور اگر حرام سے بچائے تو اسکا نام ورع ہے۔ اور اگر شبہات سے یا ایسے حلال سے جس میں حرام کی آمیزش ہو۔ شبہ ہو۔ باز رکھے تو پھر اسکا نام تقوےٰ ہوتا ہے۔ اور اگر سوائے زادِ راہ کے ہر شے سے باز رکھے تو اسکا نام صدق ہے۔ عفت اور ورع تقویٰ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام صدق کے نیچے ہیں۔ اور یہ حالت جس سے آنسو نکل آتے ہیں۔ اور پھر آدمی آنسو پونچھ کر لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہہ کر غفلت میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس حالت کا نام رقّت زنانی ہے۔ یہ خوف میں داخل نہیں۔ اسواسطے کہ جو شخص جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے بھاگتا ہے اور پرہیز کرتا ہے۔ جب کسی شخص کی آستین میں کوئی چیز ہو اور جب دیکھے تو وہ سانپ ہو۔ تو یہ ممکن نہیں کہ لاحول ولاقوۃ الّا باللہ کہہ کر خاموش ہو رہے۔ بلکہ وہ اسے اپنی آستین سے فی الفور گرا دے گا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ بندہ خائف کون ہے۔ فرمایا وہ جو اپنے آپکو اس بیمار کیطرح رکھے۔ جو موت کے ڈر سے تمام خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔ اور ان سے حذر کرتا ہے۔

درجاتِ خوف

جاننا چاہیئے۔ کہ خوف کے تین درجہ ہیں۔ ضعیف۔ قوی۔ معتدل اور ان سب سے بہتر معتدل ہے۔ اور ضعیف وہ ہے جو کام پر آمادہ نہ رکھے۔ جیسے عورتوں کی رقت۔ اور قوی وہ ہے جس سے ناامیدی۔ بیہوشی۔ بیماری اور موت کا ڈر ہو۔ اور یہ دونوں (یعنی ضعیف وقوی) مذموم ہیں۔ اسواسطے کہ خوف فی نفسہ کچھ کمال نہیں رکھتا اور نہ خوف توحید ومعرفت ومحبت کیطرح ہے۔ اس واسطے کہ خوف حق تعالیٰ کی صفات میں روا نہیں۔ بلکہ خوف بے جہل وبے عجز مگے نہیں ہوتا۔ اسواسطے کہ جبتک عاقبت مجہول نہ ہوگی۔ اور خطرات سے حذر کرنے میں عجز نہ ہوگا۔ تب تک خوف بھی نہ ہوگا۔ اور البتہ غافلوں کے حق میں خوف کمال ہے۔ کیونکہ خوف الٰہی تازیانہ کیطرح ہے جو لڑکوں کو پڑھنے پر آمادہ نہ کرے۔ اور جانور کو راستہ پر چلائے۔ لیکن جب تازیانہ اتنا کمزور ہو کہ اس سے چوٹ نہ لگے تو وہ لڑکے کو پڑھنے پر آمادہ نہ کریگا۔ اور نہ ہی جانور کو راہ پر چلائے گا۔ اور اگر تازیانہ ایسا سخت ہے کہ اس سے لڑکے یا جانور کا بدن پھٹ جائے منہ ہاتھ ٹوٹ جائے۔ تو ایسا تازیانہ بھی ناقص ہے۔ بلکہ خوف کو معتدل ہونا چاہیئے۔ تاکہ گناہوں سے بچائے اور

عبادت کی رغبت پیدا کرے جو شخص عالم ہوتا ہے اسکا خوف بھی اعتدال پر ہوتا ہے۔ اسیواسطے کہ اس کا خوف جب زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ اسبابِ رجا کا خیال کرتا ہے اور جب خوف کم ہو جاتا ہے تو کام کے خطرہ کا اندیشہ کرتا ہے اور جو شخص خائف نہ ہو اور اپنے عالم ہونے کا دعوے کرے وہ درحقیقت عالم نہیں اور اس نے جو کچھ بھی سیکھا ہے سب فضول اور بیہودہ ہے وہ علم نہیں ہے جیسے کہ بازاری فال گو اپنے آپ کو حکیم کہتے ہیں اور حکمت سے کچھ بھی خبر نہیں رکھتے تمام معرفتوں سے پہلے یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اور حق تعالیٰ کی ذات کو پہچانے۔ اور اپنے آپ کو سراپا عیب و تقصیر اور حقتعالیٰ کو پرجلال اور باعظمت سمجھے اور یہ بھی جانے کہ اسے اس جہان کے ہلاک کردینے میں کوئی باک نہیں اور ان دونوں معرفتوں سے سوائے خوف کے اور کوئی شے پیدا نہیں ہوتی اور اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلُ الْعِلْمِ مَعْرِفَۃُ الْجَبَّارِ وَآخِرُ الْاٰخِرِ تَفْوِیْضُ الْاَمْرِ اِلَیْہِ یعنی اول علم یہ ہے کہ حقتعالےٰ کو جبار وقہار جانے۔ اور آخر علم یہ ہے۔ کہ اپنے کام بندہ سب اسپر چھوڑدے اور یہ جان لے کہ میں کچھ شے نہیں ہوں اور نہ میری کوئی شے ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات جان لے اور پھر نہ ڈرے

انواعِ خوف

جاننا چاہیئے کہ خطرہ کی معرفت سے خوف پیدا ہوتا ہے اور ہر شخص کو علیحدہ علیحدہ خوف پیدا ہوتا ہے کوئی شخص راہ دوزخ میں سے کسی شے کے پیش آنیسے ڈرتا ہے مثلاً یہ کہ وہ توبے توبہ کئے مرجائے یا یہ کہ پھر گناہ میں مبتلا ہوجائے یا اسکا دل غافل اور سخت ہوجائے یا عادت سے مجبور ہو کر پھر گناہ کی طرف متوجہ ہوجائے یا نعمت کیوجہ سے اس پر غرور غالب ہوجائے یا روز محشر لوگوں کے مظلمہ میں گرفتار ہوجائے۔ یا اس کی فضیحتیں اور برائیاں آشکارا ہو جائیں اور وہ رسوا ہوجائے یا کسی ایسے خیال سے ڈرے جسکی نسبت یہ جانے کہ خدا اس کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور خدا کو یہ ناپسندیدہ ہے اور ہر شخص کا فائدہ اس میں ہے۔ کہ جس بات سے وہ ڈرتا ہے اس سے دور ہے۔ مثلاً اگر عادت کا ڈر ہے تو وہ اسے پھر گناہ کی طرف راغب کریگی تو اس عادت کو ترک کرے اور اگر ناپسندیدہ خیالات پر حق تعالیٰ کے واقف ہونیسے ڈرتا ہے۔ تو اپنے دل کو ایسے خیالات کو پاک وصاف رکھے۔ اور دوسرے اس قسم کے امور کو بھی اسی طرح پر قیاس کرلینا چاہیے۔ عام طور پر لوگ عاقبت اور خاتمہ کا خوف غالب ہونے سے ڈرتے ہیں کہ شاید ایمان سلامتی کے ساتھ نہ لیجا سکیں۔ ان سب سے سابق کا خوف کامل تر ہے۔ کہ آیا ازل میں ان کی سعادت یا شقاوت کے بارہ میں کیا حکم ہوگا کیونکہ خاتمہ تو سابق کی فرع رشاخ ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر فرمایا کہ حقتعالےٰ نے ایک کتاب لکھی ہے اور اہالیان بہشت کے نام اس میں درج ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ بلند کیا اور فرمایا کہ حقتعالیٰ نے ایک اور کتاب لکھی ہے اور اس

میں اہل دوزخ کے نام مع نسب و نشان کے درج ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بایاں ہاتھ بلند کیا۔ اور فرمایا نہ اس میں کچھ کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔ اور ممکن ہے کہ کوئی شخص اہل سعادت میں سے اہل شقاوت کے کام کرے۔ حتّٰے کہ سب لوگ اسے شقی خیال کرنے لگیں اور حق تعالیٰ اسے موت سے ایک ساعت قبل شقاوت سے سعادت کی طرف پھیر دے۔ درحقیقت سعید وہ ہی ہے جس کی سعادت کا حکم ازل میں ہو چکا ہے۔ اور شقی وہ ہے جس کی شقاوت کا حکم ازل سے ہو چکا ہے۔ اور کام تو خاتمہ پر منحصر ہے اور اہل بصیرت کا خوف اسی خیال کی بنا پر ہوتا ہے اور یہی خوف کامل تر ہے۔ جیسا کہ حقتعالیٰ کی صفت جلالیہ سے بندہ کا خوف بہ نسبت اس خوف کے جو کہ اپنے گناہوں کے سبب سے ہو کامل تر ہے۔ اس لئے کہ جلال الٰہی کے خیال سے تو خوف کبھی جاتا نہیں۔ اور جب آدمی کو صرف گناہ ہی کا خوف ہوگا۔ تو شاید توبہ کرکے مغرور ہو جائے۔ اور کہنے لگے کہ اب تو میں نے گناہوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اب بھلا میں کیوں خوف کھاؤں۔ غرضے کہ حضور کا مقام اعلیٰ علیین میں ہوگا۔ اور ابو جہل کا اسفل السافلین میں۔ حالانکہ پیدائش سے پہلے دونوں کا کوئی وسیلہ اور قصور نہ تھا۔ اور جب پیدا کیا تو حق تعالیٰ بغیر کسی سبب کے کہ وہ حضور کی طرف سے ہوتا حضور کو معرفت اور عبادت کا رستہ بتایا۔ اور حق تعالیٰ نے یہ امر حضور کیلئے لازم کر دیا۔ کیونکہ آپ کے داعیہ کو اسی امر میں صرف کیا۔ اور یہ ناممکن تھا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کیا۔ اور کشف فرمایا۔ آپ اس کو اپنی ذات پر پوشیدہ کر لیتے اور یہ بھی محال تھا۔ کہ جس شئے کو حضور زہر قاتل تصور کرتے۔ اس سے حذر نہ فرماتے۔ اور ابو جہل پر حق تعالیٰ نے بصیرت کی راہ کو مسدود کر دیا۔ اور اس میں یہ طاقت اور قدرت ہی نہ تھی کہ وہ اس کو دیکھ سکتا۔ اور جب دیکھا بھی تو بلا اس کے کہ خواہشات کی آفات کو پہچانے۔ خواہشات سے دستبردار نہ ہو سکا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل ازل میں دونوں مجبور محض تھے۔ جیسا حق تعالیٰ نے چاہا ویسا ہی کیا۔ ابو جہل کو بلا سبب شقاوت کا حکم دے کر دوزخ کی جانب راہی کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اپنے فضل و کرم سے سعادت کا حکم دے کر اعلےٰ علیین پر سرفراز فرمایا۔ وہ بے نیاز کچھ خیال نہیں کرتا۔ اور جیسا خود چاہتا ہے ویسا ہی حکم فرما دیتا ہے۔ اور کسی کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ تو ایسی بے پروا ذات سے ڈرنا ضروری ہے۔ اور یہ ہی سبب تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے داؤد مجھ سے اس طرح ڈر جس طرح شیر غراں سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ شیر کو ہلاک کر دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اور شیر کی یہ بے باکی تیری خطا کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے شیر ہونے کا غلبہ ہلاک کرنے میں بے باکی کا حکم رکھتا ہے۔ اور اگر شیر تجھ کو چھوڑتا ہے تو شفقت اور قرابت کے لحاظ سے نہیں چھوڑتا۔ بلکہ تجھ کو ناچیز اور بے حقیقت سمجھ کر چھوڑتا ہے۔ جس شخص نے حقتعالیٰ کو ان صفات کے ساتھ جان لیا۔ اس کا بے خوف رہنا ناممکن ہے۔

سوء خاتمہ کا بیان

جاننا چاہیئے کہ اکثر طور پر لوگ خاتمہ ہی سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ آدمی کا دل ایک پھر جانے والی شے ہے یعنی اس کو ایک حالت پر قیام نہیں۔ اور موت کا وقت ایک عظیم الشان وقت ہے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ مرتے کیوقت دل کا قیام کس حالت پر ہوگا۔ ایک عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کسی شخص کو میں پچاس سال تک موحد جانوں۔ اور اگر وہ مجھ سے صرف اسقدر غائب ہو کہ دیوار کی آڑ میں ہو جائے تو پھر میں اس کی توحید پر گواہی نہ دوں۔ کیونکہ دل کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ ایک دوسرے عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ مجھ سے پوچھیں کہ گھر کے دروازہ پر کسی کے ایمان کے ساتھ مرنے کی گواہی دینا تجھ کو مرغوب ہے یا حجرہ کے دروازہ پر تو میں یہ کہونگا کہ حجرہ کے دروازہ پر۔ اسواسطے کہ مجھے معلوم نہیں کہ گھر کے دروازہ تک ایمان رہے یا نہ رہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے۔ کہ موت کیوقت ایمان کے چھن جانے کے خوف سے کوئی شخص بےخوف نہیں ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق لوگ ہر وقت بُرے خاتمہ کے خیال سے خوف کھاتے ہیں۔ حضرت سلیمان ثوری رحمۃ اللہ علیہ وفات کیوقت نہایت بیقرار ہو کر روتے تھے۔ لوگوں نے کہا روو نہیں حقتعالے کی بخشش تمہارے گناہوں سے زیادہ ہے۔ آپ نے جواب دیا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں موحد مروں گا تو پھر مجھے کچھ ڈر نہ ہو اگرچہ میرے گناہ پہاڑوں کے برابر ہوں۔ ایک بزرگ نے وصیت فرمائی۔ اور آپ کے پاس جو کچھ مال تھا وہ ایک شخص کے حوالے کر کے فرمایا کہ میرے با ایمان مرنے کی یہ علامت ہے۔ اگر تم یہ علامت دیکھو تو اس مال سے شکر اور بادام خرید کر کے شہر کے لڑکوں کو بانٹ دینا اور کہدینا کہ یہ فلاں شخص کا عرس ہے۔ جس نے دنیا سے با ایمان کوچ کیا۔ اور اگر تم وہ علامت نہ دیکھو تو لوگوں کو مجھ پر نماز پڑھنے سے منع کرنا۔ تاکہ وہ مجھ سے دغا نہ کھائیں۔ تاکہ موت کے بعد تو ریاکار نہ بنوں۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کو گناہ میں پڑنے کا ڈر ہے۔ اور مرشد عارف کو کفر میں گرنے کا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں جب مسجد کو جاتا ہوں تو اپنی کمر میں ایک زنار دیکھتا ہوں اور اس واسطے میں ڈرتا ہوں کہ جب تک میں مسجد کو جاؤں کہیں مجھے کلیسا نہ لے جائیں اور ہر روز پانچوں وقت میری یہی حالت ہوتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم لوگ تو گناہوں سے ڈرتے ہو اور ہم پیغمبر کفر سے ڈرتے ہیں ایک پیغمبر علیہ السلام کئی برس تک ننگے سر بھوکے اور پریشان رہے۔ پھر حق تعالیٰ کی جناب میں گریہ وزاری کی۔ حقتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ میں تیرے دل کو کفر سے بچائے رکھتا ہوں اور کیا تو اس سے خوش نہیں ہے کہ دنیا چاہتا ہے۔ عرض کی کہ بار خدایا میں توبہ کرتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں۔ اور پھر اپنے اس سوال کی ندامت سے اپنے سر پر خاک ڈالی۔ نفاق بھی برا خاتمہ ہونے کی دلیلوں میں سے ایک

دلیل ہے اسیواسطے صحابہ رضوان اللہ علیہم ہمیشہ نفاق سے ڈرا کرتے تھے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ مجھ میں نفاق نہیں ہے تو میں اسبات کو تمام روئے زمین کی اشیاء سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور فرمایا ظاہر و باطن دل اور زبان کا اختلاف بھی نفاق ہے۔

فصل جاننا چاہیے کہ سوء خاتمہ جس سے تمام بزرگان دین نے خوف کھایا ہے وہ یہ ہے کہ مبادا موت کیوقت بندہ کا ایمان چھن جائے اور اس کے چھن جانے کے بہت سے اسباب ہیں اور انکا علم پوشیدہ ہے لیکن عام طور پر دو وجہ سے ایمان میں خلل پیدا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ کسی باطل بدعت کا اعتقاد کرے اور تمام عمر اس میں گذار دے اور اس عقیدہ کے غلط ہونیکا خیال نہ کرے اور موت کیوقت شاید حقتعالیٰ اس کی خطا اس پر ظاہر کردے اور اسوجہ سے اس کے اور اعتقادات میں بھی شک واقع ہوجائے اور ان عقاید کی مضبوطی جاتی رہے۔ اور اسی شک کی حالت میں مرجائے اور یہ خطرہ بدعتی کے لئے اور عالم علم الکلام کیلئے ہے جو عقاید میں بحث و دلیل کی راہ پر چلتا ہے اگرچہ وہ متورع اور پارسا ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن سیدھے سادے لوگ کہ جنکا ایمان قرآن وحدیث کے ظاہر کے مطابق ہے وہ اس خطرہ سے بیخوف ہیں اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَائِزِ وَاَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ یعنی تمہیں بوڑھیوں کا دین اختیار کرنا لازم ہے اور اکثر جنتی بھولے لوگ ہیں اور یہی وجہ تھی کہ سلف نے کلام و بحث اور کاموں کی حقیقت کی جستجو سے منع فرمایا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہر شخص میں اس کی طاقت نہیں۔ ضرور کسی نہ کسی بدعت میں مبتلا ہوجائیگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ در اصل ایمان ضعیف ہوتا ہے۔ اور دنیا کی دوستی غالب ہوتی ہے۔ اور موت کیوقت جب دیکھتا ہے کہ تمام خواہشات اس سے زبردستی چھین لیتے ہیں اور دنیا سے زبردستی اس کو ایک ایسے مقام پر لیجارہے ہیں جہاں رہنا وہ پسند نہیں کرتا تو اس سبب سے ایک کراہیت اس میں پیدا ہوجاتی ہے۔ اور وہ حقتعالیٰ کی ضعیف سی دوستی جو ہوتی ہے وہ بھی باطل ہوجاتی ہے مثلاً جیسے کوئی شخص اپنے فرزند کو دوست رکھتا ہے اور وہ فرزند اگر اس کی اسی چیز کو چھین لے جسے وہ معشوق سمجھتا ہے۔ اور فرزند سے زیادہ عزیز جانتا ہے تو اسوجہ سے وہ فرزند کو دشمن ٹھہرا لیتا ہے اور وہ ذرا سی محبت جو اسے فرزند کے ساتھ تھی وہ بھی جاتی رہتی ہے۔ اسی سبب سے شہادت کا بڑا مرتبہ ہے کیونکہ اسوقت دنیا کو سامنے سے ہٹا دیتے ہیں اور دل پر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ اور مرنے پر دل سے مستعد و آمادہ ہوجاتے ہیں۔ ایسے وقت میں موت کا آجانا نہایت غنیمت ہے کیونکہ یہ حالت بہت جلد جاتی رہتی ہے۔ اور دل اس صفت پر نہیں رہتا تو جس شخص کے دل میں حقتعالیٰ کی محبت سب چیزوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو حقتعالیٰ اس کو اس بات سے بچاتا ہے کہ وہ بالکل اپنے آپ کو دنیا کے حوالے کردے اور ایسا شخص اس قسم کے خطرہ سے امن میں ہوتا ہے اور جب موت کا وقت آجاتا ہے تو ایسا شخص جانتا ہے کہ دوست کے دیدار کا وقت آگیا ہے تو پھر موت سے

کراہیت نہیں کرتا اور حقتعالیٰ کی محبت اس کے دل پر غالب ہو جاتی ہے اور دنیا کی دوستی بالکل زائل اور معدوم ہو جاتی ہے۔ اور خاتمہ بالخیر ہونے کی یہی علامت ہے پس جو شخص اس خطرہ سے بچنا چاہے۔ اسے بدعت سے بہت دور رہنا چاہیئے۔ اور جو کچھ قرآن و حدیث میں مذکور ہے اسپر ایمان لانا چاہیئے اور جو کچھ جانے اسے قبول کرے اور جو کچھ نہ جانے اسے مان لے اور سب پر ایمان لے آئے اور حقتعالیٰ کی محبت کے غالب ہو جانیکی اور دنیا کی دوستی کے ضعیف ہو جانیکی کوشش کرتا رہے اور دنیا کی محبت حدود شرع کو نگاہ رکھنے سے ضعیف ہوتی ہے۔ تاکہ شریعت اسپر دنیا کو تنگ کر دے اور وہ دنیا سے نفرت کرنے لگے۔ اور حق تعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرنے سے حق تعالیٰ کی دوستی مضبوط و قوی ہو جاتی ہے۔ اور ہمیشہ حق تعالیٰ کے دوستوں کے ساتھ محبت رکھے دنیا کے دوستوں سے محبت نہ رکھے اگر دنیا کی دوستی غالب ہو تو ایمان خطرہ کے مقام میں ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ کہ اگر باپ بیٹا مال نعمت اور جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے۔ اسے تم حق تعالےٰ سے زیادہ عزیز رکھتے ہو تو آمادہ رہو کہ حکم خدا آ جائے۔ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ۔

خوف حاصل کرنے کی تدبیر

جاننا چاہیئے کہ مقامات دین میں پہلا مقام یقین و معرفت ہے۔ اور پھر معرفت سے خوف پیدا ہوتا ہے اور معرفت سے زہد و صبر و توبہ پیدا ہوتی ہے۔ اور زہد و توبہ سے صدق و اخلاص و ذکر و فکر پر ہمیشہ مواظبت پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر اس سے انس و محبت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور یہ مقامات کی نہایت ہے۔ اور تسلیم و رضا و شوق یہ سب خود تبع محبت ہیں۔ پس یقین و معرفت کے بعد خوف کیمیائے سعادت ہے۔ اور جو کچھ بھی اس کے بعد ہے وہ راست نہیں آتا۔ اور یہ یعنی خوف تین طریق سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک تو علم و معرفت کے ذریعہ سے کیونکہ جب اپنے آپ کو اور حق تعالیٰ کو پہچان لیا۔ تو پھر یہ ضروری ہے۔ کہ اس سے ڈرے گا۔ کیونکہ وہ شخص جو شیر کے چنگل میں پھنس گیا۔ اور وہ شیر کو جانتا ہے۔ تو اسے پھر اس سے ڈرانے کے لئے کسی علاج و حیلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود بخود ہمہ تن خوف بن جاتا ہے۔ اور اسی طرح جس شخص نے حق تعالیٰ کے جلال و کمال قدرت و طاقت اور خلق سے بے نیاز رہنے کو پہچان لیا۔ اور اپنی عاجزی اور بیچارگی کو جان لیا۔ اور اس نے حقیقت میں اپنے آپ کو شیر کے چنگل میں دیکھا بلکہ وہ شخص کہ جس نے حق تعالیٰ کے حکم کو پہچانا کہ جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ اس کے لئے وہ حکم کر چکا ہے اور بعض کو بلا وسیلہ حکم سعادت اور بعض کو بلا خطا حکم شقاوت فرما چکا ہے۔ اور جو کچھ اس نے چاہا کیا۔ اور اب وہ ہرگز تبدیل نہ ہوگا تو ایسا شخص خواہ مخواہ حق تعالےٰ سے ڈرے گا۔ اور خوف کھائے گا۔ اور اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر اعتراض کیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ

علیہ السلام پر دلیل لائے۔ حضرت موسیٰ نے کہا۔ اے آدم حق تعالیٰ نے تجھ کو بہشت میں اتارا۔ اور تیرے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا۔ بھلا پھر تم کیوں عاصی ہو گئے کہ اپنے آپ کو اور ہم کو مصیبت میں مبتلا کیا۔ حضرت آدم نے جواب دیا کہ آیا وہ گناہ میرے نصیبوں میں ازل سے لکھا ہوا تھا یا نہیں حضرت موسیٰ نے کہا۔ ہاں لکھا ہوا تھا حضرت آدم نے کہا پھر میں اس حکم کے خلاف کر سکتا تھا حضرت موسیٰ نے کہا نہیں پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کے اعتراض کو رفع کر دیا اور حضرت موسیٰ لاجواب ہو گئے اور وہ معرفت جس سے خوف پیدا ہوتا ہے اس کے بہت سے باب ہیں اور جو زیادہ عارف ہے وہ زیادہ ڈرتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و جبرائیل علیہ السلام دونوں روتے تھے۔ ان پر وحی نازل ہوئی کہ کیوں روتے ہو جبکہ میں نے تم کو امین کر دیا انہوں نے عرض کیا یا رب خدایا ہم تیرے حکم سے بے خوف نہیں ہیں ارشاد ہوا۔ اسی طرح سمجھتے رہو اور یہ انکا کمالِ معرفت تھا کہ انہوں نے کہا۔ کہ بیخوف نہ رہنا چاہیئے۔ اور خیال کیا۔ کہ یہ جو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ بے خوف رہو۔ مبادا یہ کہیں آزمائش ہی نہ ہو۔ اور اس میں بھی کوئی راز نہ ہو۔ کہ جس سے ہم شاید بے خبر ہوں جنگ بدر کے پہلے دن مسلمانوں کا لشکر کچھ کمزور پڑ گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈر کر فرمایا۔ کہ بار خدایا اگر یہ مسلمان ہلاک ہو گئے تو روئے زمین پر تیری بندگی و عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ حق تعالیٰ کو قسم دلاتے ہیں۔ وہ تو آپ کی قسم کا وعدہ فرما ہی چکا ہے۔ اور اس کا وعدہ ضرور سچا ہو گا۔ اسوقت جناب صدیق کا یہ مقام تھا۔ کہ انہیں وعدہ کریم پر اعتماد تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام تھا۔ کہ آپ کو خَيْرُ الْمَاكِرِين کے مکر سے خوف تھا۔ اور یہ مقام کامل تر ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتانا چاہا کہ خدا کے کاموں کے بھید اور تدبیر مملکت میں اس کی مصلحت اور اس کی مقرر کی ہوئی باتوں سے کوئی بندہ واقف نہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے۔ کہ آدمی اگر معرفت سے عاجز ہو۔ تو اہل خوف کی خدمت میں بیٹھے۔ تاکہ ان لوگوں کا خوف اس میں سرایت کرے۔ اور اہل غفلت سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اس طریق سے بھی خوف پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ تقلیدی ہو۔ اور ایسا ہی ہو۔ جیسے سانپ سے اس لڑکے کا خوف جس نے سانپ سے اپنے باپ کو بھاگتے ہوئے دیکھا ہو۔ اور باپ کی دیکھا دیکھی خود بھی ڈرتا ہو۔ اور بھاگتا ہو۔ اگرچہ سانپ کے موذی ہونے سے ناواقف ہو۔ لیکن جاننے والے کے خوف سے یہ ڈر نہایت کمزور اور ضعیف ہوتا ہے۔ اسواسطے کہ اگر لڑکا چند بار کسی سپیرے کو سانپ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے دیکھے گا۔ تو جس طرح تقلید کی وجہ سے ڈرتا تھا اسی طرح سپیرے کی تقلید سے بے خوف بھی ہو جائے گا۔ اور سانپ پر ہاتھ رکھے گا۔ اور جس شخص کو سانپ کا موذی پن معلوم ہے۔ وہ اس تقلید سے بے خوف ہے۔ یعنی وہ کبھی بھی سپیرے کی تقلید نہ کرے گا۔ تو اس لئے عقلاء کو بے فکر لوگوں اور غافلوں کی صحبت سے بچنا چاہیئے۔ اور خصوصًا اس غافل سے جو عالم کی صورت میں ہو۔ تیسرا طریق یہ ہے۔ کہ آدمی جب اہل خوف کو نہ پائے۔ یعنی اس کو ان کی صحبت میسر نہ ہو۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ لوگ کم ہیں تو پھر یہ کرے کہ انکے حالات

سنے۔ اوران کی کتابیں پڑھے۔ اسی سبب سے ہم بعض انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرحمۃ کے خوف کا ذکر کرتے ہیں تاکہ جس شخص کو ذرہ بھر بھی عقل ہو۔ وہ جان لے۔ کہ یہ بزرگ ہستیاں تمام مخلوق سے زیادہ عاقل اور عارف و متقی تھیں۔ جب یہ بزرگوار اس قدر ڈرتے تو لوگوں کو بہ طریق اولیٰ ڈرنا چاہیئے۔ اور خوف کھانا چاہیئے:۔

فرشتوں اور پیغمبروں کی حکایتیں

روایت ہے کہ ابلیس ملعون ہوگیا۔ تو حضرت جبرئیل اور میکائیل ہمیشہ رویا کرتے تھے۔ حقتعالیٰ نے ان پر وحی کی۔ کہ تم کیوں روتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔ ہم تیرے مکر سے امین نہیں ہیں۔ ارشاد ہوا۔ ہاں ایسا ہی چاہیئے امین نہ رہنا۔ محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حق تعالےٰ نے جب دوزخ کو پیدا کیا۔ تو تمام ملائکہ روتے تھے۔ جب حق تعالےٰ نے آدمیوں کو پیدا کیا تو وہ چپ ہوئے۔ کیونکہ پھر انہوں نے یہ جان لیا۔ کہ یہ دوزخ ہمارے لئے پیدا نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جبرائیل جب بھی میرے پاس آئے۔ تو خوفِ خدا سے کانپتے ہوئے اور ہراساں ہی آئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور نے جبرئیل سے پوچھا۔ کہ میں نے کبھی بھی میکائیل کو ہنستا ہوا نہیں دیکھا۔ جبرائیل نے جواب دیا۔ جب سے حق تعالےٰ نے آتش دوزخ کو پیدا کیا ہے۔ تب سے وہ نہیں ہنستے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز میں مشغول ہوتے۔ تو لوگ آپ کے دل کے جوش کو ایک میل تک سنتے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز تک سجدہ کی حالت میں روتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس پیدا ہوگئی۔ پھر آواز آئی کہ اے داؤد کیوں روتا ہے۔ اگر بھوکا ہے یا برہنہ ہے یا تشنہ ہے۔ تو کہو تاکہ تجھے روٹی پانی اور کپڑا بھیجوں۔ پھر آپ نے ایک نالۂ سوزاں کیا۔ کہ آپ کی سانس کی گرمی سے لکڑی میں آگ لگ گئی۔ پھر حقتعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور عرض کیا بار خدایا میرے گناہ میرے ہاتھ کی ہتھیلی پر لکھ دے۔ تاکہ میں انہیں فراموش نہ کروں۔ حق تعالیٰ نے آپ کی عرض قبول فرمائی۔ پھر جب کبھی بھی آپ کھانے پینے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو اپنی ہتھیلی پر نقش شدہ گناہوں کو دیکھ لیتے اور روتے اور کبھی اتنا روتے کہ پانی کا پیالہ جو آپ کو دیتے اور وہ بھرا ہوا نہ ہوتا۔ تو آپ کے آنسوؤں سے بھر جاتا۔ ایک روایت ہے۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس قدر روئے کہ آپ کی تمام طاقت ضائع ہوگئی۔ آپ نے درگاہِ رب العزت میں عرض کیا۔ کہ بار خدایا میرے رونے پر تو رحم نہیں فرماتا۔ وحی ہوئی کہ اے داؤد تو اپنے رونے کا تو ذکر کرتا ہے۔ اور گناہوں کو بھول گیا ہے۔ عرض کیا۔ بار خدایا۔ میں بھلا گناہوں کو کس طرح فراموش کروں گا۔ گناہ کرنے سے پہلے جب میں زبور پڑھا کرتا تھا تو نہر کا چلتا ہوا پانی اور چلتی ہوئی ہوا رک جاتی تھی۔ اور پرندے میرے سر پر جمع ہو جاتے تھے۔ اور صحرا کے وحشی جانور میرے محراب میں آجاتے تھے۔ اب

ان میں سے کوئی شے بھی باقی نہیں۔ بارِ خدایا یہ کیسی وحشت اور نفرت ہے۔ ارشادِ باری ہُوا۔ اے داؤد وہ اُنس طاعت تھا۔ اور یہ وحشت معصیت ہے اے داؤد آدم علیہ السلام میرا بندہ تھا۔ اور میں نے اسکو اپنے لطف کے ہاتھوں سے پیدا کیا تھا۔ اور اپنی روح اس کے جسم میں پھونکی تھی۔ اور فرشتوں کو اس کے تعیںُ سجدہ کرنیکا حکم دیا تھا اور خلعتِ عزت اس کے زیب بدن کیا تھا اور تاج وقار اس کے سر پر رکھا تھا۔ اور پھر جب اس نے اپنی تنہائی کی شکایت کی تو میں نے حوا کو پیدا کیا۔ اور پھر دونوں کو بہشت میں رہنے کی اجازت دی۔ اور پھر جب اس سے ایک گناہ سرزد ہُوا تو میں نے اس کو ننگا اور ذلیل کر کے اپنی درگاہ سے باہر کیا۔ اے داؤد تو سن اور حق جان کہ جب تو ہماری اطاعت کرتا تھا تو ہم تیری طاعت کرتے تھے۔ اور جو کچھ تو نے مانگا ہم نے عطا کیا۔ تو نے گناہ کیا۔ تو ہم نے مہلت دی اور اب بھی باوجود ان تمام باتوں کے اگر تو توبہ کر کے ہماری طرف رجوع کرے تو ہم قبول فرمالیں گے یحیٰی ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب اپنے گناہوں پر نوحہ کرنا چاہتے تو سات دن تک کچھ نہ کھاتے اور اپنی عورتوں کے پاس بھی نہ جاتے پھر صحرا کو آتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرماتے کہ ندا کرو وہ ندا کرتے اے مخلوق خدا جو بھی داؤد کا نوحہ سننا چاہتا ہے وہ آئے پس آدمی شہروں سے اور وحوش ودرندے پہاڑوں اور بیابانوں سے آتے۔ آپ پہلے حق تعالیٰ کی ثنا سے ابتدا کرتے تمام مخلوق آہ و فریاد کرتی۔ پھر آپ بہشت ودوزخ کا حال بیان فرماتے۔ اور پھر اپنے گناہوں پر نوحہ کرتے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ ہراس وخوف سے مرجاتے تب حضرت سلیمان علیہ السلام آپکے پاس آکر عرض کرتے کہ اے بابا جان اب بس کیجئے بہت سی مخلوق ہلاک ہوگئی ہے۔ اور ندا کرتے کہ اپنے اپنے مردے اٹھا کر لے جاؤ لوگ اٹھا کر لیجاتے حتیٰ کہ ایکدن اس مجلس کے چالیس ہزار آدمیوں سے تیس ہزار آدمی مرگئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی دو لونڈیاں تھیں وہ خوف کیوقت آپکو پکڑے رکھتیں۔ تاکہ کہیں آپ کے کانپتے ہوئے اعضا اکھڑ نہ جائیں۔ حضرت یحیٰی بن زکریا علیہ السلام عالم لڑکپن میں بیت المقدس میں عبادت کے لئے جایا کرتے تھے۔ جب دوسرے لڑکے آپ کو کھیلنے کے لئے بلاتے تو آپ فرماتے کہ حق تعالیٰ نے مجھے کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا جب آپکی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو آپ لوگوں کو چھوڑ کر صحرا میں چلے گئے۔ ایک دن حضرت زکریا علیہ السلام جو آپ کے والد تھے۔ آپ کے پیچھے پیچھے صحرا میں گئے۔ دیکھا کہ آپ پانی میں کھڑے ہیں۔ اور پیاس کے مارے وہ ہلاکت کے قریب ہیں۔ اور عرض کر رہے ہیں۔ کہ اے رب العزت مجھے قسم ہے تیری عزت کی۔ جب تک کہ میں یہ جان نہ لوں گا کہ تیری جناب میں میرا کیا رتبہ ہے۔ تب تک پانی نہ پیوں گا۔ اور اس قدر روئے تھے۔ کہ آپ کے چہرہ پر گوشت باقی نہ رہا تھا۔ اور آپ کے دانت نکلے ہوئے تھے۔ اور نمدے کے دو ٹکڑے آپ چہرہ پر رکھ لیتے تھے تاکہ لوگ شکل نہ دیکھیں۔

حکایاتِ صحابہ و سلف

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی پرندہ کو دیکھتے تو فرماتے ۔ کہ کاش میں تجھ سا ہی ہوتا ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۔ کہ کاش میں کوئی درخت ہی ہوتا ۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کاش میرا کوئی نام ونشان ہی نہ ہوتا ۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن شریف کی کوئی آیت سنتے تو بیہوش ہو جاتے اور کئی دن تک لوگ آپ کی عیادت کو جاتے رہتے اور آپکے چہرہ پر کثرت گریہ سے دو خط پڑ گئے تھے ۔ اور فرماتے کاش عمر اپنی ماں کے ہاں پیدا ہی نہ ہوتا ۔ ایک روز آپ ایک مکان کے دروازہ پر سے گذرے ۔ ایک شخص قرآن شریف تلاوت کر رہا تھا ۔ اور اس آیت پر پہنچا تھا ۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ یہ سنکر آپ اونٹ پر سے اتر پڑے ۔ اور اپنے آپ کو ایک دیوار پر ڈال دیا ۔ کمزوری کیوجہ سے لوگ آپکو اٹھا کر گھر لیگئے ۔ ایک مہینہ بھر آپ بیمار رہے ۔ اور کسی نے بھی آپ کی بیماری کا سبب نہ جانا ۔ علی بن الحسینؓ کا چہرہ وضو کرنے وقت زرد ہو جاتا ۔ لوگ عرض کرتے کہ کیا ہے ۔ آپ فرماتے تمہیں معلوم نہیں کہ میں کسی کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں ۔ حضرت مسور ابن مخرمہ میں قرآن شریف سننے کی طاقت نہ تھی ۔ ایک دن ایک اجنبی آدمی نے بیخبری میں یہ آیت پڑھ دی یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا یعنی جس دن اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمانوں کی طرح اور ہنکا دیں گے گنہگاروں کو جہنم کیطرف پیاسا ۔ آپ نے فرمایا میں گنہ گاروں میں سے ہوں نہ کہ متقیوں سے ۔ فرمایا ایکبار اور پڑھ اس نے ایک بار اور پڑھا آپ نے ایک چیخ ماری اور جان بحق تسلیم ہو گئے ۔ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اچھی جگہ کے سبب سے مغرور نہ ہو کیونکہ بہشت سے بہتر کوئی جگہ نہیں اور غور کر کہ آدمؑ نے وہاں کیا دیکھا ۔ اور نہ کثرتِ عبادت کیوجہ سے بھی مغرور نہ ہو ۔ کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ ابلیس نے کئی ہزار برس عبادت کی اور بہت علم کیوجہ سے بھی مغرور نہ ہو کیونکہ بلعم باعور اس مرتبہ تک پہنچ گیا تھا ۔ کہ حقتعالیٰ کے اسم اعظم سے بھی واقف ہو گیا تھا ۔ اور اس کے بارہ میں پھر یہ آیت نازل ہوئی فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ۔ یعنی اس کی مثل کتے کی مثل ہے اگر تو لادے اس کو تو ہانپے اور اگر چھوڑ دے تو تب بھی ہانپے ۔ اور نیک مردوں کے دیدار کی وجہ سے بھی مغرور نہ کر ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزوں کو باوجود آپکی محبت اور زیارت کے ایمان نصیب نہ ہوا ۔ حضرت عطا سلمی رحمۃ اللہ علیہ بھی خائفین میں سے تھے ۔ آپ چالیس برس تک نہ ہنسے ۔ اور نہ ہی آسمان کیطرف دیکھا ۔ اور جب ایکبار آسمان کی طرف دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے ۔ اور آپ رات دن میں کئی بار اپنے آپکو ٹٹولا کرتے ۔ کہ کہیں میں مسخ تو نہیں ہو گیا ۔ جب خلق پر کوئی بلا یا قحط وغیرہ نازل ہوتا ۔ تو فرمایا کرتے یہ سب میری نحوستِ قسمت کے سبب سے ہے ۔ اگر میں مرجاؤں ۔ تو لوگوں کو اس بلا سے نجات مل جائے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں ہر روز اپنی ناک پر نظر کر کے خیال کرتا ہوں کہ شائد میرا منہ کالا ہو گیا ہے۔ حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خوف کا ایک دروازہ کھل جانے کی دعا مانگی۔ میری دعا قبول ہو گئی۔ میں ڈرا کہ کہیں میری عقل ہی سلب نہ ہو جائے۔ پھر میں نے دعا کی کہ بارِ خدایا مجھے میری طاقت کے مطابق خوف عنایت فرما۔ اور پھر میرا دل ٹھہر گیا۔ ایک عابد روتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت کیوں روتے ہو۔ فرمایا کہ قیامت کی اس گھڑی کے خوف سے روتا ہوں۔ جبکہ منادی کرے گا۔ کہ خلق کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس شخص کا کیا حال ہوتا ہے۔ جو دریا میں ہو اور کشتی ٹوٹ جائے۔ اور ہر شخص ایک ایک تختہ پر رہ جائے۔ اس نے کہا۔ نہایت سخت فرمایا بس میرا حال ایسا ہی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کو دوزخ سے ہزار برس کے بعد نکالیں گے۔ یہ بیان کر کے کہا کہ کاش۔ وہ میں ہی ہوں۔ اور یہ آپ نے اس واسطے کہا۔ کہ آپ خاتمہ بخیر ہونے کے خوف کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہنے سے ڈرا کرتے تھے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کنیز تھی ایک دن سو کر جو اُٹھی تو عرض کرنے لگی۔ یا امیر المومنین رات میں نے ایک نہایت ہی عجیب خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا جلدی بیان کر۔ اس نے عرض کیا۔ میں نے دیکھا کہ دوزخ کو سلگایا گیا۔ اور اس پر پلصراط کو رکھا گیا اور فرشتے خلفاء کو لائے۔ سب سے پہلے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لایا گیا۔ اور پلصراط پر چلنے کا حکم دیا گیا۔ وہ تھوڑی ہی دُور چلا گیا کہ دھم سے دوزخ میں آ رہا۔ آپ نے فرمایا۔ جلدی کہو پھر کیا ہوا۔ اس نے عرض کیا۔ پھر اس کے بعد ولید بن عبدالملک کو لائے۔ وہ بھی اسی طرح دوزخ میں گر پڑا۔ آپ نے فرمایا۔ جلدی بیان کر پھر کیا دیکھا۔ اس نے عرض کیا۔ پھر سلیمان بن عبدالملک کو لائے۔ وہ بھی سابقین کی طرح دوزخ میں گر پڑا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر کیا ہوا جلدی بیان کر۔ اس نے عرض کیا۔ یا امیر المومنین پھر آپ کو لایا گیا۔ کنیز نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ آپ نے ایک نعرہ لگایا۔ اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ کنیز ک چلاتی تھی۔ کہ خدا کی قسم۔ میں نے دیکھا آپ سلامتی سے گذر گئے۔ وہ بہتیرا غُل مچاتی تھی۔ مگر آپ لوٹ رہے تھے اور ہاتھ پاؤں دے دے مارتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کئی سال تک نہ ہنسے۔ لوگوں نے ہمیشہ اسی کیفیت میں دیکھا جس میں کہ وہ قیدی ہوتا تھا۔ جس کو قتل کا حکم دیا جاتا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ آپ باوجود اس قدر ریاضت و عبادت کے کیوں روتے ہیں۔ آپ فرماتے مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ مبادا مجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو گیا ہو۔ کہ حقتعالیٰ نے مجھے دشمن سمجھ لیا ہو۔ اور فرمائے کہ جو تیرا جی چاہے۔ کر میں کبھی بھی تجھ پر رحمت نہ کروں گا۔ اور اس قسم کی بہت سی حکایات ہیں۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ یہ بزرگ کسقدر خوف کھاتے تھے اور ڈرتے تھے اور تو بالکل بیخوف ہے۔ ان کا خوف اور تیری بیخوفی یا تو اس وجہ سے ہے کہ وہ زیادہ گنہگار تھے اور تو بالکل بیگناہ ہے۔ یا اس سبب سے ہے کہ انہیں معرفت تھی اور تو محروم ہے۔

سچ تو یہ ہے۔ کہ تو باوجود گناہوں کی کثرت کے اپنی غفلت و حماقت کی وجہ سے بےخوف ہے۔ اور وہ لوگ باوجود کثرت طاعت و عبادت کے بصیرت معرفت کی وجہ سے خائف اور ہراساں تھے۔

فصل شاید کوئی شخص یہ کہے کہ خوف و رجا دونوں کی فضیلت کے بارہ میں بکثرت احادیث موجود ہیں۔ تو اب ان دونوں میں سے کون افضل ہے۔ کہ اسکا طالب ہونا چاہیئے۔ جاننا چاہیئے کہ خوف و رجا دونوں دوائیں ہیں۔ اور دوا کو افضل نہیں کہتے۔ بلکہ منفعت کہتے ہیں۔ اس لیئے کہ خوف و رجا صفات نقص سے متعلق ہیں۔ اور آدمی کا کمال یہ ہے۔ کہ حقتعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہو جائے اور حقتعالیٰ کی یاد اسے بالکل گھیر لے اور وہ اپنے آغاز و انجام کا خیال نہ کرے۔ بلکہ وقت کو دیکھے۔ اور وقت کو بھی نہ دیکھے۔ بلکہ خداوند وقت کو دیکھے کیونکہ جب خوف و رجا کی جانب ملتفت ہوگا۔ تو یہی التفات اس کے لیے حجاب کا باعث نہ بن جائے گا۔ لیکن ایسی حالت نادر ہی ہوتی ہے۔ پس جس شخص کا وقت موت نزدیک ہو۔ اس کو رجا غالب ہونا چاہیئے۔ کیونکہ رجا محبت کو بڑھاتا ہے۔ اور جو شخص اس جہان سے جائے۔ چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی محبت کے ساتھ جائے۔ تاکہ حق تعالیٰ کی ملاقات اس شخص کی سعادت ہو۔ کیونکہ محبوب ہی کی ملاقات میں مزہ آتا ہے لیکن جب دوسرے وقتوں میں آدمی اہل غفلت میں سے ہو۔ تو اسپر خوف غالب ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے لیئے غلبہ رجا زہر قاتل ہوگا۔ اور اگر وہ اہل تقوےٰ میں سے ہے اور اسکا حال مہذب ہے۔ تو پھر خوف و رجا معتدل رہنا چاہیئے۔ اگر آدمی طاعت و عبادت میں ہو۔ تو رجا غالب ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مناجات میں محبت سے ہی دل صاف ہوتا ہے۔ اور رجا محبت کا سبب ہے۔ اور گناہ کے وقت خوف کا غلبہ ہونا چاہیئے۔ اگر آدمی اہل عادت میں سے ہو۔ تو مباح کاموں میں بھی اسپر غلبہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ معصیت میں مبتلا ہوگا۔ تو بس یہ یعنی خوف و رجا ایسی دوا ہے۔ کہ اس کی منفعت اشخاص کے احوال کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اور اس سوال کا جواب مطلق نہ ہوگا۔

اصل چہارم چوتھی فقر و زہد کا بیان

جاننا چاہیئے کہ راہِ دین کا مدار ان چار اصلوں پر ہے۔ جن کو عنوان مسلمانی میں بیان کر چکے ہیں۔ یعنی نفس و دنیا و آخرت و حقتعالیٰ۔ ان چار میں سے دو طلب کرنے کے قابل ہیں۔ اور دو ترک کرنے کے لائق ہیں۔ حقتعالیٰ کیلئے اپنے نفس سے دستبردار ہونا چاہیئے۔ اور آخرت کیلئے دنیا کو ترک کر دینا چاہیئے۔ پس تجھے اپنی خودی سے منہ پھیر کر حقتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور دنیا سے منہ پھیر کر آخرت کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور خوف و صبر و توبہ۔ یہ سب مقدمات دین ہیں۔ اور دنیا کی دوستی باعث ہلاکت ہے۔ چنانچہ ہم اس کا علاج بیان کر چکے ہیں۔ اور دنیا

اور اس سے قطع تعلق کرنا باعثِ نجات ہے ۔ اور اب ہم اس کی شرح بیان کریں گے ۔ اور فقر و زہد اس سے عبارت ہے پس اول اس کی حقیقت اور فضیلت کو پہچاننا چاہیئے :-

حقیقتِ فقر و زہد

جاننا چاہیئے کہ فقیر وہ ہے ۔ کہ جس شے کی اسے حاجت ہو ۔ وہ اس کے پاس نہ ہو ۔ اور نہ ہی اس کے اختیار میں ہو ۔ آدمی کو سب سے پہلے اپنے وجود کی حاجت ہے ۔ اور پھر اس کے بعد اپنی بقا کی ۔ اور پھر اس کے بعد غذا اور مال کی اور علاوہ ازیں اور بہت سی چیزوں کی حاجت اور ضرورت ہے ۔ اور ان تمام چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اس کی قدرت اور اختیار میں نہیں اور یہ ان سب کا حاجتمند ہے ۔ اور غنی وہ ہوتا ہے ۔ جو اپنے غیر سے بے نیاز ہو ۔ اور وہ سوائے ایک کے اور دوسرا نہیں ۔ اور وہ حق جلّ جلالہ کی ذات مبارک ہے ۔ اور دوسرے جن چیزوں کی ہستی ہے ۔ جن و انس ۔ ملائکہ و شیاطین وغیرہ ۔ ان سب کی ہستی و بقا ان کی اپنی ذات سے نہیں ہے ۔ پس حقیقت میں سب فقیر ہیں ۔ اور اسی لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ۔ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ یعنی حق تعالیٰ بے نیاز ہے ۔ اور تم سب درویش ہو ۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقیر کی بھی تفسیر کی ہے ۔ اور فرمایا ہے کہ ۔ اَصْبَحْتُ مُرْتَهِنًا بِعَمَلِيْ وَالْعَمَلُ بِيَدِ غَيْرِيْ فَلَا فَقِيْرَ اَفْقَرُ مِنِّيْ یعنی میں اپنے کردار میں گرو ہوں ۔ اور میرے کردار کی کنجی دوسرے کے ہاتھ میں ہے پس مجھ سے زیادہ اور کون درویش ہے ۔ بلکہ حقتعالیٰ نے بھی یہی معنی بیان فرمائے ہیں ۔ اور فرمایا وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ یعنی غنی وہ ہے ۔ کہ اگر چاہے تو سب کو ہلاک کر ڈالے ۔ اور ایک دوسری قوم پیدا کرے ۔ پس تمام مخلوق فقیر ہے ۔ لیکن تصوف میں فقیر اس کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو اس صفت سے دیکھے اور یہ حالت اس پر غالب ہو اور جانے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے ۔ اور اس جہان میں اور کوئی شے میرے قبضہ و اختیار میں نہیں ہے ۔ نہ اصل آفرینش میں اور نہ دوام آفرینش میں اور یہ جو احمقوں کا ایک گروہ کہتا ہے ۔ کہ تو فقیر اسوقت ہوگا ۔ جبکہ تو کوئی عبادت نہ کرے ۔ اور جب تو عبادت کرے گا ۔ اور اس کا ثواب اپنے لئے رکھے گا ۔ تو تجھے ایک چیز حاصل ہوگی ۔ اور تو ایسی حالت میں فقیر نہ ہوگا ۔ اور یہ زندقہ اور اہل اباحت کا تخم ہے ۔ جو شیطان نے اس کے دل میں ڈالا ہے ۔ اور شیطان ان احمقوں کو جو دانائی اور عقلمندی کے دعوے دار ہیں ۔ اس طرح بے راہ کرتا ہے ۔ کہ نیک لفظ کو برے معنی پہنا دیتا ہے ۔ تاکہ احمق اس کے سبب سے دھوکا کھائیں اور سمجھیں کہ یہ خود دانائی ہے ۔ اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ جو شخص خدا رکھتا ہے ۔ وہ سب کچھ رکھتا ہے چاہیئے کہ خدا سے بیزار ہو تاکہ فقیر ہو جائے ۔ بلکہ فقیر تو وہ ہے ۔ جو کہ طاعت کرتا رہے ۔ چنانچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ۔ کہ طاعت میری ملکیت میں نہیں ہے ۔ اور میرے اختیار میں بھی نہیں ہے اور میں اس کا

مربوط ہوں ۔غرضیکہ صوفی لوگ جس کو فقر کہتے ہیں ۔ اس کا بیان یہاں مقصود نہیں ۔ اور نہ ہی تمام چیزوں میں آدمی کے فقر کا بیان کرنا مدنظر ہے ۔ بلکہ جو مال کی رو سے فقیر ہوتا ہے ہم اس کی نسبت یہاں بیان کریں گے ۔ اور لاکھ حاجتیں جو آدمی کو رہا کرتی ہیں ۔ وہ سب فقر ہیں اور مال بھی منجملہ ان کے ہے ۔ جاننا چاہیے ۔ کہ مال کا نہ ہونا اس سبب سے ہوتا ہے ۔ کہ یا تو مال ہی ہاتھ میں نہ آئے ۔ یا اس سے قصداً دستبردار ہو جائے ۔ جو شخص مال سے قصداً دستبردار ہو جائے اسے زاہد کہتے ہیں ۔ اور جس کے ہاتھ مال نہ آئے ۔ اسے فقیر کہتے ہیں ۔ اور فقیر کی تین حالتیں ہوتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اس کے پاس مال نہیں ہوتا لیکن جہاں تک ہو سکتا ہے اسے تلاش کرتا ہے ۔ ایسے شخص کو فقیر حریص کہتے ہیں دوسرے وہ ہے جو نہ مال کو طلب کرتا ہے ۔ اور نہ رد کرتا ہے ۔ اگر آپ اسے دیں تو لے لیتا ہے ۔ ورنہ خوش رہتا ہے ایسے شخص کو فقیر قانع کہتے ہیں ۔ تیسرا وہ ہے ۔ جو نہ تو مال کو طلب کرتا ہے ۔ اور اگر اسے دیں بھی تو لیتا نہیں اور اس سے کراہیت رکھتا ہے ۔ ایسے شخص کو زاہد کہتے ہیں ۔ ہم پہلے فقر کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور پھر زہد کی ۔ اس واسطے کہ اگرچہ آدمی مال کی حرص رکھتا ہو مگر مال کے نہ ہونے میں بھی فضیلت ہے ۔

فضیلت محتاجی

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ ہجرت پر درویشی محتاجی کو مقدم رکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ کہ جو درویش زیادہ عیالدار اور پارسا ہوتا ہے ۔ حق تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے اور فرمایا اے بلال تو کوشش کر ۔ کہ جب اس جہان سے کوچ کرے ۔ تو درویش ہو ۔ توانگر نہ ہو ۔ اور فرمایا میری امت کے درویش توانگروں سے پانچسو برس پہلے بہشت میں داخل ہوں گے ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فقیر امیروں سے چالیس برس پہلے بہشت میں داخل ہونگے ۔ اس فقیر سے فقیر حریص مقصود نہ ہوگا ۔ بلکہ اس فقیر سے وہ فقیر جو فقیری میں راضی ہو اور خوش ہو اور فرمایا میری امت میں فقیر لوگ سب سے افضل و بہتر ہیں ۔ اور فرمایا ضعیف لوگ سب سے پہلے بہشت میں پھرینگے ۔ اور فرمایا میرے دو پیشے ہیں ۔ جو کہ ان دونوں پیشوں کو دوست رکھتا ہے ۔ وہ مجھ کو دوست رکھتا ہے ۔ ایک درویشی دوسرا جہاد ۔ ایک روایت میں ہے ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرائیل حاضر ہوئے ۔ اور عرض کیا ۔ کہ حقتعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے ۔ کہ کیا تم چاہتے ہو ۔ کہ میں روئے زمین کے تمام پہاڑوں کو سونے کے بنا دوں ۔ تاکہ تم جس جگہ جاؤ ۔ وہاں حاضر ہوں حضور نے فرمایا ۔ اے جبرئیل ۔ میں یہ نہیں چاہتا یہ دنیا بے گھروں کا گھر ہے ۔ اور مال مفلسوں کا مال ہے ۔ اور دنیا میں مال کا جمع کرنا احمقوں کا کام ہے ۔ حضرت جبرائیل نے کہا ۔ یا محمد ثَبَّتَكَ اللّٰهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ یعنی حق تعالیٰ آپ کو قول ثابت پر ثابت رکھے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سوئے ہوئے آدمی کے پاس سے گزرے ۔ اور اس سے کہا اٹھ ۔ اور خدا کو یاد رکھ ۔ اس نے عرض کیا

اے عیسیٰؑ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میں نے دُنیا کو تو دنیا داروں کیلئے چھوڑ دیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا بھلا سوا اور خوب سو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے قریب سے گزرے۔ دیکھا۔ کہ وہ سر کے نیچے اینٹ رکھے ہوئے خاک پر سو رہا تھا۔ اور سوائے ایک کملی کے اس کے پاس اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جناب باری میں عرض کیا۔ بار خدایا کیا تیرا یہ بندہ ضائع ہے، کہ اس کے پاس کچھ چیز بھی نہیں۔ حضرت موسےؑ پر وحی نازل ہوئی کہ تو نہیں جانتا۔ کہ جس کی طرف میں اچھی طرح متوجہ ہوتا ہوں۔ اسے دُنیا سے باز رکھتا ہوں۔ حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مہمان آیا۔ اور اس وقت حضورؐ کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھا۔ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ فلاں یہودی کے پاس جاکر تھوڑا آٹا بطور قرض کے لے آ۔ میں اس یہودی کے پاس گیا۔ اس نے قسم کھا کر کہا۔ کہ میں نہ دُوں گا۔ میں نے حضورؐ سے آکر عرض کیا۔ حضورؐ نے فرمایا خدا کی قسم میں آسمان و زمین میں آمین ہوں۔ اگر وہ یہودی قرض دے دیتا تو میں ضرور ادا کر دیتا۔ اب میری یہ زرہ لے جا اور گرو ڈال دے۔ میں حضورؐ کی زرہ گرو ڈال کر لایا۔ تب حضورؐ کی خوشدلی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ الآیۃ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ چاہئیے کہ تم دُنیا اور دُنیا داروں کو گوشۂ چشم سے دیکھو۔ کیونکہ یہ سب اُن کے واسطے فتنہ ہے۔ اور چیز تمہارے لئے حق تعالیٰ کے پاس رکھی ہوئی ہے وہ دیرپا اور بہتر ہے۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حقتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر وحی نازل کی۔ کہ جب تم پر درویشی آئے تو کہو مرحبا اے شعارِ صالحین۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ مجھے دوزخ دکھائی گئی۔ تو میں نے اکثر اہل دوزخ کو تونگر دیکھا۔ اور مجھے بہشت دکھائی گئی۔ تو میں نے اکثر اس میں محتاجوں اور درویشوں کو پایا۔ اور فرمایا میں نے بہشت میں بہت کم عورتوں کو پایا۔ پوچھا کہاں ہے تو کہا گیا شَغَلَتْهُنَّ الْاَحْمَرَانِ الذَّهَبُ وَالزَّعْفَرَانِ۔ یعنی زیور اور رنگین کپڑوں نے انکو قید کیا ہوا ہے۔ روایت ہے کہ ایک پیغمبر علیہ السّلام دریا کے کنارہ پر سے گزرے تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر نے خدا کا نام لیکر جال کو دریا میں ڈالا تو ایک مچھلی بھی نہ پھنسی دوسرے ماہی گیر نے شیطان کا نام لیکر جال ڈالا تو اس کے جال میں بہت سی مچھلیاں پھنسیں۔ ان پیغمبر علیہ السّلام نے حق تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کیا کہ بار خدایا اس میں کیا بھید اور حکمت ہے۔ حقتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا۔ کہ اس پیغمبر کو بہشت دوزخ میں ان دونوں ماہی گیروں کے مقام دکھاؤ۔ جب جگہ دیکھی تو عرض کیا بار خدایا میں راضی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پیغمبروں میں تونگری کے سبب سے جو پیغمبر سب سے آخر بہشت میں جائیگا وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہونگے۔ اور میرے صحابہ میں جو سب سے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہونگے۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ تونگر نہایت مشکل اور دشواری سے جنت میں جائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حقتعالیٰ جب بندے کو دوست رکھتا ہے تو اسے آفتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اور اگر نہایت دوستی اور محبت کرتا ہے

تو افتنان کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ افتنان کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا نہ اسکا مال باقی چھوڑتا ہے اور نہ اہل۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ مخلوق میں کون لوگ ہیں جو تیرے دوست ہیں۔ تاکہ میں بھی دوست رکھوں۔ حقتعالیٰ نے فرمایا۔ درویش تمام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب درویش کو قیامت میں لایا جائیگا۔ تو جسطرح بندے ایک دوسرے سے عذر خواہی کریں گے۔ اسیطرح حق تعالیٰ درویشوں سے عذر خواہی کریگا اور ارشاد فرمائیگا کہ اے میرے بندے دنیا کو جو میں نے تجھ سے باز رکھا۔ تو یہ امر تمہاری ذلت و خواری کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اس لئے تھا کہ تم میری سرکار سے خلعت و بزرگی حاصل کرو۔ اب تم خلائق کی صفوں میں جاؤ۔ اور جن لوگوں نے میرے لئے تم کو کھانا کپڑا دیا تھا۔ ان کا ہاتھ پکڑ لو۔ کیونکہ میں نے انکو تمہارے سپرد کردیا ہے۔ اُسدن جبکہ مخلوق پسینہ میں غرق ہوگی۔ درویش صفوں میں گھس جائینگے۔ اور جنہوں نے دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کی ہوگی انکو ہاتھ پکڑکر نکال لائینگے اور حضورؐ نے فرمایا ہے۔ درویشوں کے ساتھ نیکی کرو۔ اور ان سے دوستی رکھو۔ کیونکہ دولت تو ان کے راہ میں ہے صحابہؓ نے عرض کیا۔ وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ جن لوگوں نے تم کو روٹی کا ٹکڑا اور پانی کا گھونٹ اور کپڑا وغیرہ دنیا میں دیا تھا۔ ان کے ہاتھ پکڑلو اور بہشت میں لے جاؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب خلق دُنیا کے جمع کرنے اور اس کی عمارت میں مشغول ہوگی۔ اور فقیروں کو دشمن سمجھیگی تو حقتعالیٰ اسے چار بلاؤں میں مبتلا کرے گا۔ قحط زمان میں وجور سلطان میں وخیانت قاضیان میں اور دشمنوں و کافروں کی شوکت میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ملعون ہے وہ شخص جو کسیکو درویشی کیوجہ سے خوار سمجھتا ہے۔ اور تونگری کیوجہ سے عزیز جانتا ہے۔ روایت کرتے ہیں۔ تونگر حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں نہایت ذلیل ہوتے۔ آپ ان کو آگے نہ آنے دیتے اور وہ سب سے آخری صف میں بیٹھتے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ کسی پھٹے ہوئے کپڑوں والے کو حقیر نہ سمجھ۔ کیونکہ تیرا خدا اور اسکا خدا ایک ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسکین آدمی اگر دوزخ سے اسطرح ڈرتا جیسا کہ درویش ڈرتا ہے تو دونوں سے امین رہتا۔ اگر دنیا کیطرح بہشت کی طلب کرتا تو دونوں سے بہرہ مند ہوتا۔ اگر ظاہر کیطرح باطن میں بھی خدا سے ڈرتا تو دونوں جہان میں نیکبخت ہوتا۔ ایک شخص حضرت ابراہیم ادہم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں دس ہزار درہم لایا۔ آپ نے نہ لئے۔ اس نے بہت منت وزاری کی۔ آپ نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ میں اتنے سے روپے کے عوض اپنا نام درویشوں کے دفتر سے کٹوا ڈالوں۔ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم قیامت کے دن میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔ تو درویشوں کی طرح زندگی بسر کرو۔ اور امیروں کی محبت سے حذر کرو۔ اور اس وقت تک کپڑا نہ اتارو جب تک اس میں پیوند نہ لگالو۔

فضیلت درویش خورسند (قانع)

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش قسمت ہے وہ آدمی جسے حق تعالیٰ نے اسلام کی راہ دکھائی اور مال بقدرِ کفایت عنایت کیا اور پھر اس نے اس پر قناعت کی اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اے درویشو سچے دل سے درویشی پر راضی رہو تاکہ فقر کا ثواب حاصل کرو۔ ورنہ ثواب حاصل نہ کرو گے اور یہ اشارہ ہے اس امر کیطرف کہ درویش حریص کو ثواب نہیں ہوتا لیکن دوسری صریح احادیث میں ہے کہ اس کیلئے بھی ثواب ہے فرمایا حضور رحمۃ للعالمین نے کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہے اور بہشت کی کنجی صابر درویشوں کی دوستی ہے کیونکہ قیامت کے دن یہ حقتعالیٰ کے ہمنشین ہونگے اور فرمایا کہ بندوں میں سے سب سے زیادہ حقتعالیٰ کے دوست درویش ہیں کیونکہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ اسی پر قانع رہتے ہیں اور جو روزی انہیں حقتعالیٰ عنایت فرماتا ہے وہ اس پر راضی رہتے ہیں اور فرمایا قیامت کے دن کوئی ایسا درویش اور تونگر نہو گا جو کہ اسباب کی آرزو نکریگا کہ کاش وہ دنیا میں اپنے قوت سے زیادہ نہ پاتا حقتعالیٰ نے حضرت اسماعیل پر وحی نازل فرمائی کہ مجھ کو شکستہ دلوں کے پاس تلاش کر عرض کیا وہ کون ہیں۔ فرمایا درویشان صابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ میرے خاص اور برگزیدہ بندے کہاں ہیں فرشتے عرض کریں گے وہ کون ہیں حقتعالیٰ فرمائے گا وہ مسلمان درویش جو میری عطا پر راضی تھے۔ ان سب کو بہشت میں لیجاؤ اور جسوقت تمام مخلوق حساب میں ہوگی وہ بہشت میں چلے جائیں گے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا کے زیادہ ہونے پر خوش ہوتا ہے اور عمر کے کم ہونے پر غمگین نہیں ہوتا۔ اس کی عقل نقصان میں ہے۔ سبحان اللہ اس بات میں کیا بہتری ہوگی۔ کہ دنیا تو زیادہ ہو اور عمر کم ہو۔ ایک شخص حضرت عامر بن قیس کے پاس سے گزرا۔ وہ روٹی اور ساگ کھا رہے تھے۔ اس شخص نے کہا اے عامر۔ کیا دنیا میں سے تم نے اسی قدر پر قناعت کی ہے انھوں نے کہا کہ میں ایسے اشخاص کو بھی جانتا ہوں۔ جنہوں نے اس سے بدتر اور بہت کم پر قناعت کی ہے۔ اس نے پوچھا کہ وہ کون ہیں انہوں نے کہا وہ وہ ہیں کہ جو دنیا کو آخرت کے بدلہ میں لے لیتے ہیں۔ اور انہوں نے اس سے کمتر پر بھی قناعت کی ہوگی۔ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کہ آپ کی اہلیہ آئی۔ اور کہا آپ تو اس جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور گھر میں غذا کی قسم کوئی شے باقی نہیں ہے آپ نے فرمایا اے عورت میرے درپیش ایک سخت گھاٹی ہے۔ اور وہاں سے وہی گذرے گا جو سبک تر ہوگا۔ یہ سن کر آپ کی اہلیہ خوش ہوگئی۔ اور گھر واپس چلی گئی۔

فصل جاننا چاہیئے کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ درویش صابر فاضل تر ہے یا تونگر شاکر۔ لیکن درست یہی ہے کہ درویش صابر فاضل تر ہے۔ اور یہ جس قدر روایات ہم نے ذکر کی ہیں۔ یہ تمام اس بات پر دلالت کرتی ہیں لیکن اگر تو اس کے راز سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ تو حقیقت حال یہ ہے۔ کہ جو چیز حق تعالیٰ کے ذکر و محبت سے

مانع ہو وہ مذموم ہے۔ اور کوئی شخص ایسا ہوتا ہے جس کو درویشی مانع ہوتی ہے۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے کہ اسکو تونگری مانع ہوتی ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ بقدر کفائت کا ہونا نہ ہونیسے بہتر ہے۔ کیونکہ اتنی مقدار دنیا میں حاصل نہیں اور زادِ راہ آخرت میں شامل ہے۔ اور یہی سبب تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی "یارب آلِ محمد کو بقدر کفائت قوت عطا فرما۔ لیکن جو شے اس سے زائد ہو۔ اسکا نہ ہونا بہتر ہے۔ اور یہ بات جب ہے۔ کہ حرص و قناعت میں دونوں کا مال برابر ہو۔ کیونکہ حریص فقیر اور حریص امیر دونوں مال میں لٹکے ہوئے ہیں۔ اور اسکی طرف مشغول ہیں۔ مگر فقیر کی صفات بشریہ ٹوٹ جاتی ہیں۔ کیونکہ جو رنج وہ دیکھتا ہے۔ تو اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اور مومن کو جسقدر دنیا کی دوستی کم ہوتی جاتی ہے۔ اتنی ہی حق تعالیٰ کی دوستی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب دنیا اس کا قید خانہ ہوتی ہے۔ تو اگرچہ وہ اس بات سے ناکارہ ہے مگر مرتے وقت اسکا دل دنیا کی طرف بہت کم التفات کرتا ہے۔ اور تونگر دنیا سے برخورداری حاصل کرتا ہے۔ اور اس سے اُنس اختیار کرلیتا ہے۔ اور دنیا کی جدائی اس پر شاق ہوجاتی ہے۔ اور موت کے وقت ان دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بلکہ عبادت و مناجات کیوقت بھی ایسا ہی فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ لذت جو درویش حاصل کرتا ہے۔ ہرگز تونگر کو نصیب نہیں ہوتی۔ اور تونگر کا ذکر تو محض نوک زبان پر ظاہر دل سے ہوتا ہے۔ اور جبتک دل زخمی اور شکستہ نہ ہو۔ اور رنج و اندوہ کی آگ میں جلا ہوا نہ ہو۔ تب تک حق تعالیٰ کے ذکر کی لذت اس کے باطن میں پیدا نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح اگر دونوں (درویش و تونگر) قناعت میں ہوں تو تب بھی درویش فاضل تر ہے لیکن اگر درویش حریص ہو اور تونگر شاکر و قانع ہو۔ اور اگر وہ مال اس سے جدا ہو جائے۔ تو وہ چنداں ملول نہ ہو۔ اور اسکے شکر میں قائم رہے۔ اور اسکا دل شکر و قناعت سے طہارت پائے۔ اور دنیا کی محبت و راحت سے آلودہ نہ ہو۔ اور فقیر حریص کا دل حرص میں آلودہ رہے۔ مگر صدمہ اور رنج و اندوہ کے سبب سے طہارت پائے تو یہ دونوں آپس میں قریب قریب ہیں۔ اور حقیقت میں خدا سے ہر ایک کی دوری و قربت دنیا سے نفرت اور محبت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ اس کے نزدیک مال کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اور اس کا دل اس سے فارغ ہو۔ اور جو کچھ وہ رکھے وہ محض حاجت خلق کیلئے ہو۔ جیساکہ جنابہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حال تھا۔ کہ ایک روز آپ نے ایک لاکھ دِرم راہِ خدا میں خرچ کئے۔ اور اپنے لئے ایک دِرم کا گوشت نہ خریدا۔ تاکہ اس سے روزہ افطار فرمائیں۔ یہ درجہ اس فقیر کے درجہ سے کہ جسکا اس صفت پر نہ ہو۔ بہت بلند ہے۔ مگر جب تو دونوں کی حالت برابر فرض کرے تو فقیر افضل ہے۔ اس واسطے کہ امیروں کا بہتر کام یہی ہے۔ کہ صدقہ دیں اور خیرات کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ فقیروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرضداشت بر سبیل شکایت پیش کی کہ دین و دنیا کی نیکی تو امیروں ہی نے حاصل کرلی۔ کہ وہ صدقہ اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور حج و جہاد کرتے ہیں۔ اور ہم سے یہ امور نہیں ہو سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیروں کے ایلچی کو سرفراز فرمایا اور ارشاد کیا مَرْحَبًا بِكَ وَبِمَنْ جِئْتَ عِنْدَهُمْ یعنی تو ایسے لوگوں کی طرف سے آیا ہے

جنہیں میں دوست رکھتا ہوں۔ تو ان سے جا کر کہہ کہ جس شخص نے خدا کیلئے فقیری پر صبر کیا۔ اس کیلئے تین ایسے درجے ہیں جو امیروں کیلئے نہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کیلئے بہشت میں ایسے کوشک ہیں کہ جنکو اہلِ بہشت اسطرح دیکھیں گے جسطرح اہلِ دُنیا ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ جگہ سوائے پیغمبر درویش اور یا مومن درویش یا شہید درویش کے اور کسی کو نصیب نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ فقیر امیروں سے پانچسو برس پیشتر بہشت میں جائیں گے تیسرے یہ کہ جب کوئی درویش ایکبار سُبحَانَ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَرُ کہتا ہے۔ اور امیر بھی کہتا ہے۔ تو امیر فقیر کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ اگرچہ اس کہنے کے ساتھ دس ہزار درہم بطور صدقہ بھی تقسیم کرے۔ حضورؐ کا پیغام جب فقیروں کو پہنچا۔ تو انہوں نے کہا رَضِینَا رَضِینَا یعنی ہم راضی و خوش ہوئے۔ اور یہ حضورؐ نے اسواسطے فرمایا۔ کہ ذکر ایک ایسا تخم ہے کہ جب یہ بندہ کا دل دُنیا سے فارغ اور اندوہگین و شکستہ پاتا ہے۔ تو اس میں ایک عظیم اثر پیدا کرتا ہے۔ اور امیر کا دل جو دُنیا سے خوش ہوتا ہے۔ اس سے اسطرح اچھل جاتا ہے۔ کہ جیسے سخت پتھر سے پانی کی بُوندیں اُچھل جاتی ہیں۔ پس جب ہر ایک درجہ حق تعالٰی کی قربت اور اس کے ذکر کی مشغولیت اور محبت کی مقدار کے لحاظ سے ہے۔ اور وہ مشغولیت اسی قدر ہوتی ہے۔ جس قدر اور چیز کی محبت سے دل فارغ ہوتا ہے۔ اور امیر کا دل دُنیا سے فراغت نہیں پاتا۔ تو بھلا پھر امیر و فقیر دونوں کسطرح برابر ہونگے۔ مگر شائد امیر اپنی طرف گمان کرے کہ میں مال کے درمیان میں ہوں۔ اور اسلیئے مال سے فارغ ہُوں۔ اگر اس قسم کا دھوکا ہو۔ تو اس گمان کے سچا ہونیکی علامت وہی ہے۔ جو ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بیان کی ہے۔ کہ آپ نے ایک لاکھ درم مٹی کے برابر سمجھ کر خرچ کر ڈالے۔ اور اگر یہ بات ممکن ہے کہ آدمی مال بھی جمع کرے اور دنیا سے بھی فارغ دل رہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اس قدر حذر کرتے اور دوسروں کو بھی حذر کرنیکا حکم فرماتے۔ حتّٰی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا نظر آئی۔ اور اس نے اپنے آپکو حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ میرے پاس سے دُور ہو جا۔ میرے پاس سے دُور ہو جا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ تم دُنیا داروں کے مال کی طرف نظر نہ کرو۔ کیونکہ اسکا پَرتو تمہارے ایمان کی حلاوت کو چھین لیتا ہے۔ یہ اسلیئے فرمایا کہ وہ حلاوت دلمیں پیدا ہوتی ہے۔ اور ذکر کی حلاوت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ کیونکہ دو حلاوتیں ایک دلمیں جمع نہیں ہوتیں۔ اور عالم وجود میں بھی دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک حق اور ایک غیر حق جسقدر غیر حق سے دل لگائیگا اسی قدر حق تعالٰی سے دل علیحدہ ہو جائیگا۔ اور جسقدر غیر حق سے دل علیحدہ ہوگا۔ اسی قدر حق کے ساتھ پیوست ہوگا حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر کسی ایسی شے کی آرزو میں جس سے وہ عاجز ہو۔ ایکدم سرد آہ جو بھرتا ہے۔ تو اسکا یہ فعل تو انگر کی ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ میرے حق میں دُعا فرمایئے۔ کہ میں عیالدار ہوں اور بالکل مُفلس ہُوں۔ آپ نے فرمایا۔ اسوقت جبکہ تیرا عیال تجھ سے کہے کہ روٹی نہیں ہے اور آٹا بھی نہیں ہے۔ اور تو اسکے مہیا کرنے سے عاجز ہو۔ اور اس بات کا درد تیرے

دل میں پیدا ہو۔ تو تم اس وقت میرے حق میں دُعا کرنا۔ کیونکہ اسوقت تیری دعا میری دعا سے افضل ہو گی ؛

درویشی (محتاجی) میں درویشی کے آداب

جاننا چاہیئے۔ کہ آدابِ درویشی باطن میں رضا ہے۔ اور ظاہر میں گلہ نہ کرنا ہے۔ اور درویش کیلئے باطن میں تین حالتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ درویشی سے شاد و خوش ہو اور شاکر ہو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ درویشی حق تعالیٰ کی سچی عنایت ہے۔ جو وہ اپنے دوستوں پر فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر خوش نہ ہو تو حق تعالیٰ کے اس فعل سے ناخوش بھی نہ ہو۔ اگرچہ درویشی اسے مکروہ معلوم ہوتی ہو جیسے کہ کوئی شخص پچھنے لگواتا ہے اور اسکا درد اُسے بُرا معلوم دیتا ہے لیکن وہ اسوجہ سے حجام سے نفرت نہیں کرتا۔ اور یہ بھی بزرگ اور بڑی بات ہے تیسرے یہ کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ سے ناراض ہو۔ اور یہ امر حرام ہے اور ثواب فقر کو باطل کر دیتا ہے۔ بلکہ واجب ہے کہ ہر وقت یہ اعتقاد رکھے کہ حق تعالیٰ وہی کرتا ہے کہ جو کچھ اسے کرنا چاہیئے۔ اور یہ حق کسی کو حاصل نہیں کہ حق تعالیٰ کے کسی فعل سے کراہیت اور انکار کرے۔ اور ظاہر میں بھی گلہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ صبر و تحمل سے کام لینا چاہیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ درویشی کبھی حق تعالیٰ کے عذاب کا سبب بھی ہوتی ہے۔ اور اسکی علامت قضاءِ الٰہی پر جھنجھلانا اور خفا ہونا ہے۔ اور کبھی درویشی سعادت کا سبب ہوتی ہے اسکی علامت نیک خوئی اور گلہ نہ کرنا اور شکر خدا تعالیٰ بجالانا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اپنی درویشی اور محتاجی کو چھپائے رکھنا ایک بھرپور خزانہ ہے۔ اور اسکے آداب یہ ہیں کہ تونگروں کے ساتھ مخالطت اور عاجزی نہ کرے اور انکی خوشامد نہ کرے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ فقیر جب کسی تونگر کے گرد رہے تو اسے ریاکار جاننا چاہیئے اور جب بادشاہ کے گرد رہے تو سمجھنا چاہیئے کہ چور ہے۔ اور دوسرا آداب یہ ہے کہ کسی کسی وقت جو کچھ ہو سکے خرچ کر کے صدقہ دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک درہم ایسا ہوتا ہے جو ایک لاکھ درہم کا مقابلہ کرتا ہے اور فضیلت رکھتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا وہ کس موقع پر ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ وہ یہ کہ جس شخص کے پاس دو درہم سے زیادہ نہ ہو۔ اور وہ اس میں ایک درہم حق تعالیٰ کی راہ میں دیدے۔ اور یہ اس سے فاضل تر ہے کہ بہت سے مال کا مالک ہو۔ اور ایک لاکھ درہم راہِ خدا میں صرف کرے ؛

عطا لینے کے آداب

یہ ہیں کہ جو شے مشتبہ ہو اُسے نہ لے۔ اور جو چیز حاجت سے زیادہ ہو اسے بھی نہ لے۔ مگر اس حالت میں جبکہ درویشوں کی خدمت میں مشغول ہو۔ اور اگر ظاہری طور پر لے اور پوشیدہ طور پر حق تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دے۔ تو یہ درجہ صدیقاں ہے۔ اور اگر اسبات کی طاقت نہ رکھے تو مال کے مالک سے نہ لے۔ تاکہ وہ خود ہی مستحقین تک پہنچا دے

مگر دینے والے کی نیت کو بھی ضرور دریافت کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ یا اس کی نیت مال دینے میں ہدیہ کی ہو گی۔ یا صدقہ کی یا ریا کی۔ جو چیز ہدیہ کے طور پر ہو۔ اسکا قبول کر لینا سنت ہے۔ بشرطیکہ احسان سے خالی ہو۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ تھوڑی شے میں احسان ہے۔ اور تھوڑی میں احسان نہیں ہے۔ تو جس شے میں احسان نہ ہو وہ لیلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں ایک شخص نے گھی پنیر اور ایک بکرا حاضر کیا۔ حضور نے بکرا پھیر دیا اور پنیر اور گھی رکھ لیا۔ حضرت فتح موصلی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص پچاس ہزار درہم لایا۔ آپ نے کہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کو بلا سوال کچھ دیں اور وہ رد کرے۔ تو گویا اس نے خدا پر رد کی۔ یہ کہکر آپ نے ایک درہم اٹھا لیا اور باقی واپس کر دیئے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی حدیث روایت فرمائی۔ مگر ایک دن ایک شخص سونا چاندی سے بھری ہوئی تھیلی اور بہت سے عمدہ عمدہ رنگین کپڑے آپکی خدمت میں لایا۔ آپ نے یہ سب کچھ قبول نہ فرمایا۔ اور کہا کہ جو شخص مجلس رکھتا ہے۔ اور لوگوں سے کچھ لیتا ہے۔ وہ قیامت کے دن حق تعالیٰ کو دیکھے گا۔ لیکن حق تعالیٰ کے پاس اسکا کچھ حصہ نہ ہو گا۔ اور اس نے اسلیئے قبول نہ کیا ہو گا۔ کہ مجلس سے اس کی نیت ثواب آخرت ہوئی ہو گی۔ اور جانا ہو گا۔ کہ اس کا یہ عطیہ مجلس کی وجہ سے ہے۔ یہ نہ چاہا کہ اخلاص باطل ہو جائیگا۔ ایک شخص نے اپنے ایک دوست کو کوئی چیز دی۔ اس نے کہا دیکھ اگر قبول کرنیسے میری قدر تیرے دل میں زیادہ ہو تو میں قبول کر لیتا ہوں۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کسی سے کچھ نہ لیا کرتے۔ اور فرماتے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ زبان پر نہ لائیگا۔ تو میں لے لیتا یعنی اگر میں لے لوں تو یہ احسان جتائیگا۔ ایک بزرگ تھے وہ اپنے خاص دوستوں سے لے لیا کرتے اور کسی دوسرے سے نہ لیتے اور تمام بزرگ احسان سے حذر کیا کرتے تھے۔ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوائے حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کے اور کسی سے کبھی سوال نہ کیا۔ کیونکہ مجھے انکا زہد معلوم تھا۔ کہ وہ اسبات سے خوش ہوتے ہیں کہ شے انکے ہاتھ سے نکل جائے اگر کوئی شخص ریا کی نیت سے دے تو نہ لینا چاہئے۔ کہ ایک بزرگ نے کوئی شے واپس کر دی۔ لوگ اسبات پر خفا ہوئے انہوں نے فرمایا میں نے دینے والوں پر مہربانی کی ہے۔ کیونکہ اگر میں لے لیتا تو وہ لوگوں سے بیان کرتے پھرتے اور ان کی اس حرکت سے انکا مال بھی جاتا اور ثواب بھی جاتا رہتا۔ اگر کوئی شخص صدقہ کے طور پر دے تو لینے والا اگر صدقہ لینے کا مستحق ہو تو واپس نہ کرے اور اگر مستحق نہ ہو تو نہ لے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کو لوگوں نے بغیر سوال کرنیکے کچھ دیا تو وہ حق تعالیٰ کیطرف سے بھیجا ہوا رزق ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس شخص کو لوگ کچھ دیں اور وہ نہ لے تو ایسا شخص بلا میں مبتلا ہو گا کہ پھر وہ چاہتا ہے کہ لوگ مجھے دیں اور وہ نہیں دیتے۔ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ کیلئے کچھ نہ کچھ بھیجا کرتے تھے تو وہ نہ لیا کرتے۔ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اے احمد رد کرنے کی آفت سے بچو۔ ایکبار جب حضرت سری سقطی نے فرمایا تو امام صاحب نے کہا۔ ذرا پھر تو کہو۔

حضرت سری سقطی نے پھر کہا کہ رد کرنیکی آفت سے بچو۔ امام صاحب نے سوچ کر جواب دیا۔ کہ اچھا اسے رکھ چھوڑو ابھی ایک مہینہ کا خرچ میرے پاس موجود ہے وہ ختم ہولے تو لے لوں گا۔

اس بیان میں کہ سوال بلا ضرورت حرام ہے

جاننا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوال فواحشات میں سے ہے اور فحش بلا ضرورت کے حلال نہیں ہوتا۔ اسکے منجملہ فواحش ہونیکا سبب یہ ہے کہ اس میں برائیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ درویشی کا ظاہر کرنا حقتعالی سے شکایت کرنا ہے۔ اسلئے کہ غلام اگر کسی سے کچھ مانگے تو اس نے گویا اپنے مالک پر طعن کیا۔ اور اسکا کفارہ یہ ہے۔ کہ بلا ضرورت اور بطریق شکایت کے نہ کہے۔ دوسری برائی یہ ہے کہ اسمیں اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے۔ اور مسلمان کیلئے لازم نہیں کہ سوائے حقتعالی کے اور کسی کے سامنے ذلیل ہو۔ اور ذلت سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ جہانتک ہوسکے سوال کسی اپنے ایسے دوست رشتہ دار اور فراخدل سے کرے جو اسکو نظر حقارت سے نہ دیکھے۔ اور یہ اس کے سامنے ذلیل نہ ہو۔ اور اگر یہ نہ ہوسکے تو اشد ضرورت کے حتی المقدور سوال نہ کرے۔ تیسری برائی یہ ہے۔ کہ اس سے دوسرے کو رنج دیتا ہے اور وہ اس صورت میں کہ شاید دینے والا ملامت کے خوف سے یا شرم کے خیال سے یار یا کے طور پر دے اور اگر اس نے اسطرح دیا تو وہ دینے سے ملول ہوگا اور دل سے نہ دیگا تو شرم و ملامت کے رنج میں گرفتار ہوگا۔ اور اس سے بچنے کیصورت صرف یہ ہے کہ سوال صراحۃً نہ کرے بلکہ کنایۃً کرے تاکہ اگر وہ تجاہل عارفانہ کرنا چاہے تو کرسکے اور اگر صریح طور پر سوال کرے تو ایک شخص کو معین کرکے نہ کہے۔ بلکہ سب لوگوں کو کہے اور اگر ایک ہی امیر آدمی وہاں موجود ہو اور سب اس سے امیدوار ہوں۔ اور اگر وہ نہ دیگا تو اسے ملامت کرینگے تو یہ بات بھی معین کرنے کی ہی مانند ہے۔ اور اگر کسی دوسرے مستحق زکوٰۃ کیواسطے سوال کرے اور اس شخص سے کہے جسپر زکوٰۃ واجب ہو تو درست ہے۔ اگرچہ اسے رنج پہنچے۔ اور اگر خود مستحق زکوٰۃ ہو تب بھی درست ہے اور اگر کوئی شخص خوف ملامت و شرم وغیرہ کے خیال سے دے تو اسکا لینا حرام ہے۔ کیونکہ یہ زبردستی لینے کیطرح ہے اور ظاہری فتویٰ دینے میں صرف زبان دیکھی جاتی ہے۔ اور یہ فتویٰ اس جہان میں کام آتا ہے کیونکہ یہ دنیا کے بادشاہوں کا قانون ہے اور اس جہان میں تو دل کے فتویٰ پر اعتماد کرینگے۔ جب دل اسبات کی گواہی دے کہ یہ شخص کراہیت کیساتھ دے رہا ہے تو اس سے لینا حرام ہے۔ پس ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ سوال حرام ہے مگر حاجت اور اشد ضرورت کیوقت جائز ہے لیکن زیادتی تجمل۔ یا اچھا کھانا کھانے کیلئے یا اچھا کپڑا حاصل کرنیکے لئے سوال نہ کرنا چاہیئے۔ اور سوال اس شخص کو کرنا چاہیئے جو عاجز ہو اور اس کے پاس کوئی شے نہ ہو۔ اور وہ کوئی کسب بھی نہ کرسکتا ہو یا اگر کسب کرسکتا ہو لیکن طلب علم میں مشغول ہو اور اسوجہ سے کسب کرنیسے باز رہے۔ اور اگر عبادت میں مشغول ہو تو سوال نہ کرنا چاہیئے بلکہ

ایسی حالت میں کسب کرنا واجب ہے۔ اور اگر قوت کا محتاج ہے لیکن گھر میں کوئی کتاب رکھتا ہے۔ کہ اس کی اسے ضرورت نہیں۔ یا جائے نماز یا گدڑی یا کمربند وغیرہ اپنی حاجت سے زائد اس کے پاس موجود ہے۔ تو ایسے شخص پر سوال کرنا حرام ہے۔ اسے چاہیئے کہ سب سے پہلے اسے خرچ کرے اور اگر سوال اسلئے کرتا ہے کہ اپنے آپکو اور اپنے عیال کو باشوکت رکھے تو یہ بھی حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص کچھ رکھتے ہوئے سوال کریگا تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئیگا کہ اسکے منہ پر صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں ہونگی۔ گوشت بالکل نہو گا۔ اور فرمایا جو شخص کچھ رکھتے ہوئے مانگتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی لیتا ہے سب دوزخ کی آگ ہے۔ خواہ بہت ہے خواہ کم۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ یا رسول اللہ کس قدر مال پاس ہو تو سوال کرنا نا جائز ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ صبح و شام کا کھانا رکھتا ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ پچاس درہم اسکے پاس ہوں۔ یہ جو حضور نے فرمایا کہ پچاس درہم اسکے پاس ہوں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی اپنے پاس چاندی کے پچاس درہم رکھتا ہو کیونکہ یہ سال بھر کے خرچ کے لئے کافی ہیں۔ اور آدمی کے پاس اگر اس قدر نہ ہوں۔ اور سال بھر میں فقط صدقہ و خیرات کا ایک ہی موسم ہو۔ اور اگر وہ اس وقت نہ مانگے تو سال بھر کے لئے محتاج ہوگا۔ تو اس قدر سوال کرنا جائز ہے۔ اور صبح و شام کا کھانا حضور نے اس شخص کے حق میں فرمایا ہوگا۔ جو شخص ہر روز سوال کرتا ہے تو اس کیلئے ہر روز ایسا ہے جیسا اس کے لئے سال۔ یہ حکم مدت کے لحاظ سے ہے لیکن جنس حاجت کی تین اصلیں ہوتی ہیں۔ روٹی۔ کپڑا مسکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ دنیا میں سوائے تین چیزوں کے آدمی کا اور کچھ حق نہیں۔ کھانا جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے۔ کپڑا جس سے ستر عورت ہو سکے۔ اور گرمی جاڑے سے محفوظ رہے مسکن جو اسے چھپائے رکھے اور ضروری اثاث البیت بھی اس میں شامل ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس نمدہ اور لحاف ہے تو اسے کمبل اور قنطرنجی کیلئے سوال نہ کرنا چاہیئے۔ اگر اسکے پاس مٹی کی بدھنی ہو تو آفتابہ کے لئے سوال نکرے۔ ضروریات متفاوت ہوتی ہیں۔ انکا اندازہ نہیں ہو سکتا اور جبتک کوئی بڑی حاجت درپیش نہ ہو سوال نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سوال کرنا بری بات ہے۔

فصل جاننا چاہیئے کہ درویشوں کے مختلف مدارج ہیں حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درویشوں کے تین درجے ہیں۔ ایک فقیر اس درجہ کے ہیں کہ نہ تو خود سوال کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کے دینے پر لیتے ہیں ایسے فقیر وںکا مقام روحانیوں کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہوگا۔ دوسرے اس درجہ کے فقیر ہیں جو خود تو طلب نکریں لیکن اگر کوئی شخص دے تو لے لیں۔ ایسے فقیروں کا مقام فردوس میں مقربین کے ساتھ ہوگا تیسرا درجہ ان فقیروںکا ہے جو مانگیں مگر بقدر ضرورت اور حاجت کے اس قسم کے فقیر اصحاب اس میں سے ہونگے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے شفیق سے پوچھا کہ تم نے اپنے شہر کے فقیروں کو کس حال میں چھوڑا جواب دیا نہایت اچھی حالت پر اگر پاتے ہیں تو شکر کرتے اگر نہیں پاتے تو صبر کرتے ہیں حضرت ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا۔ اسی حالت میں تو میں نے بلخ کے کتوں کو چھوڑا ہے شفیقؒ نے سوال

کیا آپکے نزدیک فقیر کس قسم کے ہوتے ہیں فرمایا اگر وہ نہیں پاتے تو شکر کرتے ہیں اور اگر پاتے ہیں تو خود خرچ کر کے اور لوگوں کو دیدیتے ہیں یہ سنکر شفیق نے آپکے سر کو بوسہ دیا اور کہا حقیقت یہی ہے۔ ایک شخص بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو ہاتھ پھیلائے ہوئے سوال کرتے ہوئے دیکھا مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا میں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا تو یہ مت سمجھ کہ انہوں نے خلق سے کچھ مانگنے کو ہاتھ پھیلایا ہوگا بلکہ انہوں نے خلق کے بارہ میں دعائے خیر و ثواب کیلئے ہاتھ پھیلایا ہوگا تاکہ خلق کی بھلائی ہو۔ اوران کو کچھ نقصان نہ پہنچے۔ اسکے بعد حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ترازو لاؤ میں ترازو لایا۔ آپ نے سو درہم تولے۔ اور ایک آبخورہ میں بھر دیئے اور پھر اسمیں اور بحساب ملا دیئے۔ اور مجھے حکم دیا کہ اسے نوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لیجاؤ مجھے اس بات پر تعجب ہوا کہ وزن تو مقدار معلوم کرنیکی غرض سے کیا جاتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے پھر اور کیوں ملا دیئے۔ خیر میں ان کو حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لیگیا۔ انہوں نے بھی ترازو منگایا اور سو درہم تول کر فرمایا کہ یہ حضرت جنیدؒ کو دیدو! و رباقی آپ نے خود لیلئے۔ اور فرمایا جنیدؒ مرد حکیم ہے چاہتا ہے۔ کہ دونوں طرف سے رسی بچائے رکھے میں یہ سن کر حیران رہگیا۔ اور واپس حضرت جنید رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ آپنے فرمایا۔ واللہ المستعان جو کچھ ان کیلئے تھے وہی انہوں نے لئے اور جو میرے لئے تھے وہ واپس کر دیئے۔ میں نے پوچھا حضرت یہ کیا معاملہ ہے فرمایا یہ سو درہم ثواب آخرت کیلئے تھے اور وہ جو زاید تھے وہ حق تعالیٰ کے لئے تھے۔ وہ جو حق تعالیٰ کیلئے تھے وہ تو انہوں نے قبول کر لیئے اور وہ جو میرے لئے تھے وہ واپس فرما دیئے۔ اس زمانہ میں اس قسم کے کامل درویش ہوئے ہیں اور لاجرم ان کے دل اسقدر صاف ہوتے تھے کہ بلا زبان کی ترجمانی کے ایکدوسرے کے دل کی باتوں سے واقف ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص اس صفت کا نہ ہو تو اس سے کم تو نہ ہو۔ کہ اس صفت کی آرزو میں رہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ان باتوں پر ایمان تو لائے:۔

حقیقتِ زہد اور اس کی فضیلت

جاننا چاہیئے کہ جو شخص گرمی کے موسم میں یخ (برف) رکھتا ہے۔ اور اس بات پر حریص ہوتا ہے کہ جب اسے پیاس لگیگی۔ تو پانی کو اس سے ٹھنڈا کر لیگا۔ اور کوئی شخص ایسا آتا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اس یخ کو سونا دیکر خرید لے تو جس شخص کے قبضہ میں یخ ہے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں آج گرم پانی پی کر صبر سے کام لوں اور یہ سونا میرے پاس رہے تو اس یخ کو رکھ چھوڑنے سے یہ بہتر ہوگا کیونکہ یخ تو ٹھہرنیوالی شئے نہیں۔ رات کو ضرور پگھل جائیگی۔ اور یہ سونا تمام عمر میرے پاس رہے گا۔ تو اس شخص کے سونا کے مقابلہ میں جو یخ سے بہتر ہے یخ کو چھوڑ دینے اور اسکی حرص کو ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں۔ دنیا کے باب میں عارف کی یہی حالت ہے کیوں کہ اس نے دیکھا کہ دنیا گذشتنی اور رفتنی ہے۔

اور ہمیشہ کم ہوتی رہتی ہے اور موت کیوقت تک تمام ہو جاتی ہے اور جب عاقبت کی طرف نظر ڈالتا ہے تو اسے صافی و باقی پاتا ہے کہ وہ ہرگز ختم ہی نہ ہوگی اور دنیا اس کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو جاتی ہے اور وہ اسے آخرت کے بدلہ میں ترک کر ڈالتا ہے اور ترک دنیا کرکے آخرت اختیار کر لیتا ہے۔کیونکہ دنیا سے آخرت بہتر ہے۔اس حالت کو زہد کہتے ہیں بشرطیکہ یہ زہد دنیا کی مباح اشیاء میں ہو۔کیونکہ محظورات (ممنوعات شرعی) سے پرہیز کرنا تو ہر شخص پر واجب ہے۔اور شرط یہ ہے کہ باوجود دنیا پر قادر ہونیکے دنیا کو ترک کرے کیونکہ جو شخص دنیا پر قدرت ہی نہیں رکھتا اس سے زہد ہو ہی نہیں سکتا یا یہ حالت ہو کہ اگر اس کو دنیا دیں تو وہ نہ لے۔اور اس کے لینے سے قطعی انکار کرے اور اس بات کی جبتک آزمائش نہ کریں معلوم نہیں ہو سکتا۔کیونکہ آدمی کو جب قدرت حاصل ہوتی ہے تو نفس اور ہی کیفیت پر ہوتا ہے اور یہ فریب جو اس نے دے رکھا تھا جاتا رہتا ہے۔اور دوسری شرط یہ ہے کہ مال کو خرچ کر دے اور اس کی حفاظت نہ کرے اور جاہ کی بھی پروا نہ کرے کیونکہ زاہد مطلق وہی ہوتا ہے جو دنیا کی تمام لذت کو ترک کر دیتا ہے اور لذت آخرت سے بدل لیتا ہے۔اور یہ ایک معاملہ و بیع ہے اور اس بیع میں کثیر منفعت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ حقتعالیٰ نے مسلمانوں کا جان و مال بہشت کے بدلہ میں مول لیا، پھر فرمایا فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ یعنی یہ بیع تم کو مبارک ہو اور تم خوش ہو کہ اس بیع سے تم کو بہت نفع ہو، اور جاننا چاہیئے کہ جو شخص اظہار سخاوت کیلئے دنیا ترک کرتا ہے یا طلب آخرۃ کے سوا کسی اور غرض کیلئے تارک الدنیا ہوتا ہے وہ زاہد نہیں ہے اور جاننا چاہیئے کہ دنیا کو آخرت کے بدلہ میں فروخت کرنا اہل معرفت کے نزدیک ضعیف زہد ہے۔بلکہ زاہد تو وہ ہے۔جو دنیا کی طرح آخرت سے بھی غافل دل رہے کیونکہ بہشت بھی آنکھ۔فرج پیٹ کی شہوت کا حصہ ہے۔بلکہ زاہد تو ان تمام اشیاء کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو ان اشیاء سے بلند تر رکھتا ہے۔اور جس چیز میں شہوت کی رو سے بہائم کا شریک ہے ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتا ہے بلکہ دنیا و آخرت سے سوائے حقتعالیٰ کے اور کچھ نہیں چاہتا۔اور سوائے اسکی معرفت اور مشاہدہ کے اور کسی چیز پر قناعت نہیں کرتا اور ذات باری کے سوا اور جو کچھ بھی ہے اس کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے اور اس قسم کا زہد عارفان ربانی کا ہوتا ہے اور اس قسم کے عارف کیلئے مال سے گریز نہ کرنا روا ہے۔بلکہ مال لیلے اور اس کو موقع و محل پر خرچ کرے اور مستحقین کو دے۔جیسا کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہ روئے زمین کا تمام مال آپ کے قبضہ میں تھا اور آپ اس سے فارغ تھے بلکہ جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک لاکھ درہم حق تعالیٰ کی راہ میں صرف کر ڈالا۔اور اپنے لئے ایک درہم کا گوشت نہ خریدا۔پس عارف کے ہاتھ میں اگر لاکھ درہم ہو تو تب بھی وہ زاہد ہی ہوتا ہے۔اور کسی دوسرے کے پاس ایک درہم بھی نہیں ہوتا اور وہ زاہد نہیں ہوتا بلکہ کمال اس بات میں ہے۔کہ دل دنیا سے ٹوٹا ہوا ہو۔نہ تو اس کی طلب میں مشغول ہو۔اور نہ اس سے بھاگے اور نہ اس سے جنگ رکھے نہ صلح اور نہ اس

کو دوست رکھے نہ دشمن۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز کو دشمن رکھتا ہے تو دوست رکھنے والے کیطرح وہ بھی اسکے ساتھ مشغول ہوتا ہے اور کمال تو اس میں ہے کہ ماسوی سے بالکل فارغ دل ہو اور دنیا کا مال اسکی نظر میں دریا کا پانی ہو اور اسکا ہاتھ حقتعالیٰ کے خزانہ کی طرح ہو۔ وہ زیادہ ہو یا کم۔ آتے یا جائے۔ وہ اس سے بالکل فارغ و مستغنی ہو۔ اور کمال بھی یہی ہے لیکن یہ مقام احمقوں کے غرور کرنیکا بھی ہے کیونکہ جو شخص مال کو ترک نہیں کر سکتا تو وہ اپنے آپکو یہ دھوکا دیتا ہے کہ میں مال سے فارغ ہوں۔ اگر کوئی مستحق اسکا مال لے یا دریا سے پانی لے یا کسی دوسرے کا مال لے اور وہ ان چیزوں میں فرق کرے تو وہ دھوکا میں ہے اور اسکے دل میں مال کی خواہش مستور ہے پس اصل یہ ہے کہ باوجود قدرت و قبضہ کے مال سے دستبردار ہو۔ اور بھاگے تاکہ اس کے جلوہ سے رہائی حاصل کرے ایک شخص نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا یا زاہد۔ فرمایا آپ نے زاہد تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں جنکے قبضہ میں دنیا کا مال ہے اور باوجود اسبات کے کہ اس مال پر قادر ہیں لیکن زاہد ہیں۔ اور میں جس کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں بھلا مجھ سے کب زہد درست ہو سکتا ہے ابن ابی لیلیٰ نے ابن شبرمہ سے کہا کہ تو دیکھتا ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جولاہے کا بیٹا ہے ہمارے فتویٰ کو رد کرتا ہے ابن شبرمہ کہتے ہیں میں نے جواب دیا میں نہیں جانتا کہ وہ جولاہے کا بیٹا ہے۔ یا کیا ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ دنیا نے اس کی طرف رُخ کیا ہے۔ اور وہ اس سے بھاگتا ہے۔ دنیا نے ہم سے منہ پھیرا ہوا ہے۔ اور ہم اس کی تلاش کر رہے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبتک یہ آیت نازل نہیں ہوئی مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (یعنی بعض تم میں سے دنیا چاہتے ہیں۔ اور بعض آخرت) میں بالکل نہ سمجھا تھا۔ کہ ہم میں سے بھی کوئی ایسا شخص ہے۔ جو دنیا کو دوست رکھتا ہے۔ اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم یہ جانتے ہوتے کہ حق تعالےٰ کی محبت کس چیز میں ہے تو ہم وہی کرتے۔ تو حقتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ (یعنی اگر ہم انکو اپنے تئیں مار ڈالنے کا حکم دیتے۔ اور گھروں سے باہر نکل جانیکا تو ان میں سے چند ایک کے سوا اسپر کوئی عمل نہ کرتا) جاننا چاہیئے کہ یخ سونے کے عوض فروخت کرنا کوئی بڑی نہیں کیونکہ ہر عقلمند ایسا کر سکتا ہے۔ اور دنیا کی نسبت تو آخرت کے ساتھ اس نسبت سے بھی نہایت ہی کم ہے جو یخ کو سونے کے ساتھ ہے لیکن لوگ بوجہ تین سببوں کے اس بات سے ناواقف ہیں۔ ایک تو ضعفِ ایمان کیوجہ سے دوسرے خواہشات کے غلبہ کیوجہ سے حال [illegible] ہے---

تیسرے سستی و تاخیر کے سبب سے اور اپنے آپکو اسبات کا وعدہ دینے کے سبب سے۔ کہ اس کے بعد کر لیں گے اور اکثر طور پر غلبہ شہوت ہی اسکا سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ آدمی اس سے سر دست بر نہیں آتا۔ نقد کو دیکھتا ہے اور اُدھار کو بھول جاتا ہے (نقد سے مراد دنیا اور اُدھار سے مراد آخرت ہے مترجم)

فضیلتِ زہد

جاننا چاہیئے کہ ہم نے جو کچھ دوستیِ دنیا کی مذمت میں بیان کیا ہے۔ وہ سب فضیلتِ زہد کی دلیل ہے لیکن دنیا کی دوستی منجملہ مہلکات کے ہے اور دشمنی منجملہ منجیات کے اور ہم اس جگہ ان احادیث اور آیات کو بیان کرتے ہیں جو دنیا کی دشمنی کے بارہ میں ہیں۔ اور زہد کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ حقتعالیٰ نے اسکو اہل علم کیساتھ نسبت دی ہے اور قرآن شریف میں ہے کہ قارون جب اپنے گھوڑے کو سج سجا کر باہر نکلا تو ہر شخص یہ کہتا تھا کہ کاش! یہ جاہ و دولت میرے نصیب ہوتی۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا اور وہ لوگ جو اہل علم تھے انہوں نے کہا ثواب آخرت ان سب سے بہتر ہے اور یہ اسی لئے کہا ہے کہ جو شخص چالیس دن بھی دنیا میں زاہد رہتا ہے۔ اسکے دل پر حکمت کے چشمے کشادہ ہو جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو چاہتا ہے کہ حقتعالیٰ تجھے دوست رکھے تو تو دنیا میں زاہد بن۔ جب حضرت حارثہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں حقیقی مومن ہوں حضورؐ نے فرمایا اسکی کیا دلیل ہے۔ اس نے عرض کیا۔ کہ میرا نفس دنیا سے اسطرح بھاگا ہے کہ سونا اور پتھر میرے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ اور گویا میں بہشت اور دوزخ کو دیکھ رہا ہوں حضورؐ نے فرمایا جو کچھ تو نے پانا تھا سو پا چکا۔ اب اسکی حفاظت کر پھر فرمایا عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ الآیۃ یہ بندہ ہے حقتعالیٰ نے اسکا دل نورانی کر دیا ہے۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ الآیۃ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ یہ شرح کیا ہے۔ فرمایا حضورؐ نے ایک نور ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور دل اس سے فراخی حاصل کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اسکا نشان بھی کیا ہے حضورؐ نے فرمایا۔ اسکا نشان یہ ہے۔ کہ دل اس سرائے غرور (دنیا) سے اچاٹ ہو کر سرائے جاوید (آخرت) کیساتھ مشغول ہو۔ اور موت کا سامان مرنے سے پہلے مہیا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقتعالیٰ سے شرم کرو۔ جیسا کہ شرم کرنیکا حق ہے صحابہؓ نے عرض کیا۔ کیا ہم شرم نہیں رکھتے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر رکھتے ہو۔ تو کیوں مال جمع کرتے ہو کہ جسکے کھانیکی نوبت بھی نہ آئے۔ اور کیوں ایسی جگہ بناتے ہو جہاں رہنا بھی نہ پاؤ گے۔ ایک روز حضورؐ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا جو شخص بلا کسی شے کی آمیزش کے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سلامتی سے لائے وہ جنتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ اسکی تفسیر کیجئے۔ وہ کونسی چیز ہے جس کیساتھ نہ ملانا چاہیئے حضورؐ نے فرمایا دنیا کی دوستی اور اسکی تلاش۔ کیونکہ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ جو انکی باتیں تو پیغمبروں کی سی ہوتی ہیں اور دل جباروں کے سے ہوتے ہیں۔ اور جو شخص لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لائیگا۔ اور یہ بات اسمیں نہ ملائیگا۔ تو اسکی جگہ بہشت میں ہوگی۔ اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں زاہد ہوتا ہے حقتعالیٰ اس کے دل پر حکمت کا دروازہ کشادہ کر دیتا ہے۔ اور پھر اسکی زبان حکمت کیساتھ گویا ہوتی ہے اور حقتعالیٰ اسے دنیا کی علت اور بیماری دار و اور درمان سے واقف کر دیتا ہے

اور دنیا سے اسکو سلامتی کیساتھ دار سلام کو لیجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اونٹوں کے گلہ کیطرف سے گزرے تمام شتر اچھے اور اونٹنیاں گابھن تھیں۔ اور یہ عرب کا نہایت ہی اچھا مال ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مال بھی ہوتا ہے اور دودھ بھی اور گوشت بھی اور پشم بھی۔ آپنے انکی جانب سے منہ پھیر لیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو نہایت اچھا مال ہے آپ کیوں اسکی جانب نہیں دیکھتے۔ حضورؐ نے فرمایا انکی جانب دیکھنے سے حقتعالیٰ نے مجھ کو منع فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ الآیۃ لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ سے عرض کیا اگر آپ اجازت دیں تو آپ کیلئے گھر بنائیں تاکہ آپ اسمیں عبادت کیا کریں۔ آپنے فرمایا۔ جاؤ اور پانی پر گھر بناؤ۔ انہوں نے عرض کیا۔ پانی پر گھر کسطرح بنا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا دنیا کی دوستی کیساتھ عبادت کسطرح کی جاسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ حقتعالیٰ تجھے دوست رکھے تو تو دنیا کو چھوڑ دے اور اگر تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ تجھ کو دوست رکھیں تو جو کچھ انکے پاس ہے اس سے ہاتھ کھینچے رہ۔ حضرت حفصہؓ نے اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ شہروں سے جب مال غنیمت آیا کرے تو آپ اسمیں سے نرم لباس لے کر پہنا کریں۔ اور اسمیں سے عمدہ کھانا پکوایا کریں اور اپنے رفیقوں کیساتھ بیٹھ کر کھایا کریں۔ آپنے فرمایا اے حفصہؓ شوہر کے مال سے جورو سے زیادہ اور کوئی واقف نہیں ہوتا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اچھی طرح جانتی ہو۔ تمہیں خدا کی قسم ہے ذرا بیان توکرو۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کئی سال نبوت میں گزر گئے کہ آپ اور آپکے اہل اگر صبح کو سیر ہو کر کھاتے تو رات کو بھوکے رہتے اور جب شام کو سیر ہو کر کھاتے تو صبح کو بھوکے رہتے اور تمہیں خدا کی قسم ہے کہ آپ نے فتح خیبر کے دن تک کئی سال سیر ہو کر خرمے نہ کھائے۔ تمہیں خدا کی قسم ہے کہ تم جانتی ہو کہ ایک روز حضورؐ کے سامنے طعام کو خوان میں لگا کر رکھا گیا۔ تو حضورؐ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ حتی کہ آپکے حکم کے مطابق کھانیکو زمین پر رکھدیا گیا۔ اور تمہیں خدا کی قسم ہے کہ تم اس بات سے واقف ہو۔ کہ حضورؐ شام کو جب سوتے تو کملی کی دو تہیں کرکے اس پر استراحت پذیر ہوتے۔ ایک دن حضورؐ نے کملی کو چارتہ کرکے بچھایا تو وہ زیادہ نرم ہو گئی۔ دوسرے دن حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اسکی نرمائش نے مجھ کو نماز شب سے محروم رکھا۔ پھر جس طرح حضورؐ بچھایا کرتے تھے اسی طرح بچھایا اور دو تہ سے زیادہ کو منع فرما دیا۔ اور تمہیں خدا کی قسم ہے۔ تم جانتی ہو کہ حضورؐ کپڑا دھوتے اور بلالؓ اذان کہہ دیتے۔ اور حضورؐ صلعم کپڑے خشک ہونے تک باہر نہ نکل سکتے۔ کیونکہ حضورؐ کے پاس دوسرا کپڑا نہ ہوتا تھا۔ اور تمہیں خدا کی قسم ہے تم جانتی ہو کہ قبیلہ بنی ظفر کی ایک عورت حضورؐ کیلئے تہ بند اور چادر بُنتی تھی۔ قبل اسکے کہ دونوں ختم ہوتے اس نے ایک حضورؐ کی خدمت میں بھیجدیا۔ حضورؐ اسکو پیٹھ پر ڈالے باہر تشریف لائے۔ اور آگے کیجانب حضورؐ نے گرہ لگائی ہوئی تھی اور سوائے اسی ایک کے حضورؐ کے پاس اور کچھ نہ تھا۔ حضرت حفصہؓ نے کہا۔ میں ان تمام باتوں سے واقف ہوں پھر حضرت حفصہؓ اور حضرت عمرؓ دونوں اتنا روئے کہ بیہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو کہا میرے دو یار مجھ سے پہلے چلے

گئے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر میں انکے راستہ میں چلونگا تو ان تک پہنچونگا ورنہ مجھ کو دوسرے راستہ پر لیجائیں گے مجھے بھی انکی طرح صعوبت کیساتھ زندگی بسر کرنا چاہیئے۔ تاکہ انکے ساتھ راحت جاوید حاصل کروں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پہلے طبقہ کے تابعین سے کہا کہ تمہاری عبادت صحابہؓ کی عبادت سے زیادہ ہے۔ لیکن وہ تم سے بہتر تھے۔ کیونکہ وہ بلحاظ دنیا تم سے زیادہ زاہد تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ زہد دنیا میں راحت دل بھی ہے اور راحت تن بھی۔ حضرت مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جو بلحاظ دنیا زاہد ہے اسکی دو رکعت نماز تمام مجتہدین کی عمر بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ تم عمل اسوقت اخلاص کیساتھ کر سکتے ہو۔ جبکہ چار چیزوں سے نہ ڈرو۔ گرسنگی۔ برہنگی۔ درویشی و خواری سے۔:

درجاتِ زہد

جاننا چاہیئے کہ زہد کے تین درجے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا سے دستبردار ہو جائے۔ لیکن دل سے اسکی طرف دیکھتا رہے۔ مگر مجاہدہ اور صبر سے کام لے۔ ایسے آدمی کو متزہد کہتے ہیں زاہد نہیں کہتے۔ مگر زاہد کی راہ اول یہی ہوتی ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے۔ کہ اسکا دل دنیا میں نہ لگا ہو لیکن اپنے زہد کا اسے خیال رہتا ہو۔ اور اپنے زہد کو بڑا کام جانتا ہو۔ اس قسم کا آدمی زاہد تو ہے مگر نقصان سے خالی نہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے زہد میں بھی زاہد ہو۔ یعنی اسے اپنے زہد کا بھی خیال نہ ہو اور اسے بڑا کام نہ جانتا ہو۔ ایسے زاہد کی مثال اس شخص کی سی ہے جو وزارت کا امیدوار ہو کر بادشاہ کے دروازہ پر جائے اور وہاں بادشاہ کے دروازے پر ایک کتّا ہو۔ جو اسے اندر داخل ہونے سے منع کرے۔ اور وہ شخص اس کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالدے تاکہ کتّا اسکی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اور پھر وہ شخص بادشاہ کی حضوری سے سرفراز ہو۔ اور عہدۂ وزارت حاصل کرے۔ تو ایسے شخص کی نگاہ میں اس ٹکڑا کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی۔ جو اس نے اس کتا کو ڈالا تھا۔ تو جاننا چاہیئے کہ تمام جہان ایک لقمہ ہے اور شیطان ایک کتّا ہے جو بادشاہ حقیقی کی درگاہ کی راہ میں جانیوالوں کو روکتا ہے لیکن جب تو اس لقمہ کو اسکے آگے ڈالدیگا۔ تو وہ پھر تیری مزاحمت نہ کریگا۔ اور یہ تمام دنیا آخرت کے مقابلے میں زیادہ کم حیثیت ہے جتنا کہ روٹی کا ٹکڑہ عہدۂ وزارت کے سامنے بے حقیقت و بے حیثیت ہے۔ کیونکہ دنیا کی تو نہایت ہے۔ لیکن آخرت بے نہایت ہے۔ اور بے نہایت شے کے مقابلہ میں نہایت والی شے کی کچھ حیثیت نہیں۔ اسی واسطے لوگوں نے جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ فلاں شخص زہد کی باتیں کرتا ہے۔ تو آپنے فرمایا وہ کس چیز میں زہد کرتا ہے عرض کیا دنیا میں زہد کرتا ہے۔ آپنے فرمایا دنیا بھی کوئی چیز ہے کہ آدمی اسمیں زہد کر سکے۔ پہلے تو کوئی چیز ہونا چاہیئے کہ آدمی اسمیں زہد کر سکے اور جس شخص کیواسطے زہد ہوتا ہے اسکے لحاظ سے تین درجے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدمی اسواسطے زاہد ہو کہ عذاب

آخرت سے نجات پائے۔ اور وہ اپنے مرنے پر راضی ہو۔ یہ تو زہد خائفاں ہے۔ ایک روز حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کل رات میں نے نہایت دلیری کی کہ حقتعالیٰ سے بہشت طلب کی۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ زہد ثوابِ آخرت کیلئے اختیار کرے اور یہ پورا زہد ہے کیونکہ زہد رجا و محبت کیوجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ راجیوں یعنے امیدواروں کا زہد ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ زاہد کے دلمیں نہ تو دوزخ کا خوف ہو نہ بہشت کی تمنا۔ بلکہ حقتعالیٰ کی محبت نے اسکے دل سے دنیا و آخرت دونوں کو بھلا دیا ہو۔ اور ماسوی اللہ کیطرف التفات کرنیسے اسے ننگ و عار ہوتا ہو۔ یہ درجہ کمال کا ہے۔ جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ قدس سرہا سے لوگوں نے بہشت کا ذکر کیا تو آپنے فرمایا صاحب خانہ خانہ سے بہتر ہے جس شخص کو خدا کی محبت ہو جاتی ہے اسے بہشت کی لذت ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے بادشاہی کی لذت کے مقابلہ میں لڑکوں کو چڑیا سے کھیلنے کی لذت۔ لڑکا ایک اسی کھیل کو بادشاہی سے زیادہ پسند کرتا ہے اسواسطے کہ بادشاہی کی لذت سے بیخبر ہوتا ہے اور بیخبر ہونیکی وجہ یہ ہے کہ لڑکے کی عقل ناقص ہوتی ہے اسیطرح جناب باری کے مشاہدہ کے سوا جس شخص کی اور کوئی خواہش ہے وہ اس لڑکے کیطرح ناقص العقل ہے جو بادشاہی کی لذت سے بوجہ اپنے ناقص العقل ہونیکے بیخبر ہے۔ اور جس چیز کو ترک کرکے زہد اختیار کرتے ہیں بلحاظ اسکے بھی زہد کے مختلف مدارج ہیں اسواسطے کہ کوئی شخص تو دنیا میں سے کچھ ترک کرتا ہے مگر کامل درجہ یہ ہے کہ جس چیز میں آدمی کے نفس کو حظ آتا ہو اور اسے اس چیز کی راہ دینی میں کچھ حاجت نہ ہو اُسے ترک کر دے۔ کیونکہ مال و جاہ۔ کھانے پہننے سونے اور لوگوں کے پاس بیٹھنے درس دینے مجلس لگانے حدیث روایت کرنیمیں جو حظ نفس کو حاصل ہوتا ہے دنیا اسی سے عبارت ہے۔ اور جو شرف بھی نفس کیلئے ہو وہ سب دنیا میں شامل ہے لیکن اگر درس دینے حدیث روایت کرنے مجلس لگانیسے فقط مخلوق خدا کی ہدایت مقصود ہو اور یہ مدنظر ہو کہ لوگ حقتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو پھر یہ امور دنیا میں داخل نہیں۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی تعریف میں میں نے بہت سے اقوال سُنے ہیں مگر ہمارے نزدیک زہد یہ ہے کہ جو چیز حقتعالیٰ سے دُور رکھے اسے ترک کر دے۔ اور فرمایا جو شخص نکاح کرنے سفر کرنے اور حدیث شریف لکھنے میں مشغول ہے وہ بھی دنیا کی طرف متوجہ ہے اور آپسے لوگوں نے دریافت کیا کہ حقتعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ تو قلب سلیم سے کونسا قلب مراد ہے۔ فرمایا قلب سلیم وہ ہے جسمیں سوائے حقتعالیٰ کے اور کوئی شے نہ ہو۔ حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام ٹاٹ پہنتے تھے تاکہ کپڑے کی نرمی سے آپکے بدن کو آرام نہ پہنچے۔ کیونکہ یہ بھی حظِ نفس ہے حتیٰ کہ ٹاٹ کی گرمی سے آپکے بدن مبارک میں سوراخ ہو گئے تھے آپکی والدہ ماجدہ نے شفقت مادری سے مجبور ہو کر کہا۔ کہ بیٹا پشمینہ کا کپڑا پہنو۔ آپنے پہن لیا۔ وحی نازل ہوئی اے یحییٰ تو نے ہمکو چھوڑ کر دنیا کو اختیار کیا۔ آپ اس بات سے بہت روئے اور پھر ٹاٹ پہن لیا جاننا چاہئیے کہ یہ نہایت درجہ کا زہد ہے۔ ہر شخص اس درجہ کو نہیں پہنچتا۔ مگر زہد میں ہر شخص کا درجہ اسی قدر ہوتا ہے جسقدر کہ اسنے ترک لذات کیا ہو جسطرح گناہوں سے توبہ کرنا درست ہے اسیطرح بعض حظوظِ نفس میں بھی زہد درست ہے۔

درست ہونیکے یہ معنی ہیں۔ کہ بلا ثواب اور بلا فائدہ کے نہ ہوگا۔ مگر آخرت میں جن مقامات کا وعدہ زاہد اور تائب کیلئے ہے اس سے وہ زاہد اور تائب مراد ہے جو سب لذات کو ترک کر چکا ہو۔ اور تمام گناہوں سے تائب ہو چکا ہو۔

ان چیزوں کا بیان جن پر دنیا میں زاہد کو قناعت کرنا چاہیئے

جاننا چاہیئے کہ خلق دنیا کے ہاویہ (دوزخ) میں پڑی ہوئی ہے۔ اور دنیا کی وادیوں کی کوئی نہایت نہیں۔ مگر دنیا میں چھ اشیاء ضروری اور اہم ہیں۔ کھانا و پہننا و مسکن و آثاث البیت و عورت و جاہ و جلال۔ پہلی مہم طعام ہے۔ اسکی قسم مقدار نان خورش وغیرہ مختلف ہوتی ہے جنس میں سب سے کمتر درجہ وہ شے ہے جو بدن کو غذا دے۔ اگرچہ وہ بھوسی ہی کیوں نہ ہو۔ اور درجہ متوسط جو اور باجرہ کا ہے۔ اور درجہ اعلےٰ بے چھانے ہوئے گیہوں کی روٹی کا ہے جب چھانے ہوئے آٹے کی روٹی استعمال کی تو زہد کی حد سے نکل گیا۔ اور تن پروروں میں ہو گیا۔ اور مقدار میں ادنےٰ درجہ دس سیر کا ہے۔ اور متوسط ربع نصف من کا اور درجہ نہایت ایک مد کا ہے شریعت نے درویش کیلئے بھی غذا کی ایک مقدار مقرر کر دی ہے۔ اگر اس سے زیادہ کھائیگا تو اسکے معدہ میں زہد باقی نہ رہیگا۔ اور آئندہ کیلئے طعام کو رکھ چھوڑنے میں اعلےٰ درجہ یہ ہے۔ کہ جو مقدار ایک وقت کی بھوک کیلئے کافی ہو اس سے زیادہ ہو۔ اس سے زیادہ نہ رکھے۔ اس کیلئے کہ کوتاہی امل زہد کی اصل ہے۔ اور امید کی طوالت حرص کی اصل ہے۔ اور متوسط درجہ یہ ہے۔ کہ ایک ماہ یا چالیس دن کی خوراک رکھ چھوڑے اور سب سے کمتر درجہ یہ ہے۔ کہ ایک سال کی خوراک رکھ چھوڑے۔ اگر ایک سال سے زیادہ کی خوراک جمع کریگا تو زہد کے درجے سے نکل جائیگا۔ اور زہد سے محروم رہیگا۔ کیونکہ جو بھی سال بھر سے زیادہ کی امید رکھتا ہے اس سے زہد درست نہیں آتا حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے عیال کیلئے ایک سال کا قوت رکھتے۔ کیونکہ وہ بھوک پر بھی صابر ہو سکتے تھے۔ لیکن حضورؐ خود اپنے لئے رات کے کھانیکو بھی کچھ نہ رکھتے۔ اور نان و خورش میں ادنیٰ درجہ ساگ اور سرکہ کا ہے اور درجہ متوسط روغن کا ہے اور جو کچھ روغن سے تیار کریں وہ بھی منجملہ روغن ہی کیلئے ہے۔ اور اعلےٰ درجہ گوشت کا ہے اگر آدمی ہمیشہ استعمال کرے تو زہد سے گیا گزرا۔ اگر ہفتہ بھر میں دو ایکبار سے زیادہ گوشت استعمال کریگا۔ تو بالکل زہد کے درجہ سے نکل جائیگا اور کھانیمیں یہ لحاظ رکھے کہ دن بھر میں ایکبار سے زیادہ نہ کھائے۔ اگر دو دن میں ایک بار کھائے تو یہ پورا زہد ہے اگر ایکدن میں دو مرتبہ کھائیگا تو یہ پورا زہد نہ ہوگا۔ جو شخص زہد سے واقف ہونا چاہے وہ حضورؐ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت پڑھے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چالیس چالیس روز تک چراغ نہ جلتا۔ اور سوائے خرما اور پانی کے اور کوئی غذا نہ ہوتی حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص جنت کا طالب ہے اسے چاہیئے کہ جو کی روٹی کھائے اور کتوں کے ساتھ گھورے پر سوئے۔ اور اپنے حواریوں سے فرمایا کہ جو کی روٹی اور ساگ کھایا کرو۔ کیونکہ تم اسکے شکر پر قائم نہ رہ سکوگے دوسری مہم لباس ہے

زاہد کو چاہیئے کہ ایک کپڑے سے زیادہ نہ رکھے۔ حتیٰ کہ جب اس کپڑے کو دھونیکی غرض سے اتارے تو ننگا ہو جس آدمی کے پاس دو کپڑے ہوں وہ زاہد نہیں۔ سب سے کمتر لباس ایک کرتا اور ٹوپی اور جوتا ہے۔ اور اکثر طور پر لباس میں ایک پگڑی اور ایک چادر بھی ہوتی ہے۔ اور جنس لباس میں ٹاٹ سب سے ادنیٰ شے ہے۔ اور موٹا پشمینہ متوسط درجہ کا لباس ہے اور روئی کا موٹا کپڑا اعلےٰ درجہ کا لباس ہے اگر باریک اور نرم لباس پہنیگا تو زاہد نہ ہوگا۔ حضورؐ کا جب وصال ہوا۔ تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ ایک کملی اور ایک موٹا تہبند لائیں اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بس یہی لباس تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ایسا لباس پہنے جسمیں دنیا کی شہرت ہو تو جبتک یہ لباس اس کے بدن پر رہتا ہے تب تک حقتعالیٰ اس بندہ سے خفا رہتا ہے۔ اگرچہ وہ اسکے نزدیک دوست ہی کیوں نہ ہو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں کپڑوں یعنی کملی اور تہبند کی قیمت صرف دس درہم تھی۔ اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس اسقدر میلا ہو جاتا کہ لوگونکو آپ پر روغن گر کا دھوکا ہوتا۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑا بطور ہدیہ کے آیا۔ اور اس پر کچھ بوٹے بنے ہوئے تھے آپنے پہنا اور پھر اتار دیا۔ اور فرمایا کہ اسکو ابو جہیم کے پاس لیجاؤ۔ اور اس کی کملی لے آؤ کیونکہ ان بوٹوں نے مجھ کو اپنی طرف مشغول کر لیا ہے۔ ایک دفعہ حضورؐ کی نعلین مبارک میں نیا پٹا لگایا حضورؐ نے فرمایا۔ کہ وہی پرانا ڈالدو۔ کیونکہ مجھے یہ ناپسند ہے۔ نماز میں میری نظر اس پر پڑی ہے۔ ایک دفعہ حضورؐ جبکہ منبر پر تھے حضورؐ نے اپنی مہر کرنیکی انگوٹھی انگلی سے نکالی۔ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر اس پر پڑی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک نظر اسپر پڑے اور ایک تمپر پڑے۔ ایک دفعہ حضورؐ کیلئے نئی نعلین لائے آپنے حقتعالیٰ کو سجدہ کیا اور باہر تشریف لائے۔ سب سے پہلے جو فقیر حضورؐ کو ملا حضورؐ نے وہ نعلین اس کو عنایت فرما دیں۔ اور فرمایا میری نظروں میں یہ اچھی معلوم ہوتی تھیں میں ڈرا کہ مبادا حقتعالیٰ مجھے اپنا دشمن ٹھہرا لے۔ اسی واسطے میں نے سجدہ کیا۔ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ کہ اگر قیامت کے دن مجھ سے ملاقاتی ہونا چاہتی ہو۔ تو دنیا میں زادِ آخرت کی مقدار پر قناعت کرو اور اسوقت تک پیراہن نہ اتارو جبتک کہ اسمیں پیوند نہ لگالو۔ لوگوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑے چودہ پیوند لگے ہوئے شمار کئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہدِ خلافت میں تین درہم کا پیراہن مول لیا۔ اور اسکی آستین ہاتھ سے جسقدر لمبی تھیں پھاڑ لیں۔ اور فرمایا اس بزرگ ذات کا شکر ہے جس نے یہ خلعت عنایت فرمایا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑے کی جوتی سمیت قیمت لگوائی تو وہ ایک درہم اور چار دانگ سے زیادہ نہ لگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اچھی پوشاک پہننے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور وہ عجز کی راہ سے حقتعالیٰ کیلئے اس لباس سے دستبردار ہو جائے تو حقتعالیٰ پر اسکا حق ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو حقتعالیٰ جنت کی پوشاک عجیب و غریب کشتیوں میں رکھ کر عنایت فرمائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حقتعالیٰ نے ائمہ ہدیٰ سے وعدہ لیا ہے کہ انکا لباس ادنیٰ آدمیوں کے لباس کیطرح ہو۔ تاکہ امیر لوگ انکی تقلید کریں

اور غریب شکستہ خاطر ہوں۔ فضالہ بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ مصر کے امیر تھے۔ لوگوں نے انکو مختصر سا لباس پہنے پاؤں ننگے پھرتے دیکھا تو کہا کہ آپ ایسا نہ کیا کریں کیونکہ آپ امیر شہر ہیں انہوں نے جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تنّعم سے منع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ تم کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی پھرا کرو۔ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ صوف کے کپڑے پہن کر قتیبہ بن مسلم کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا کہ تم نے صوف کیوں پہنا ہے۔ یہ خاموش ہو رہے۔ انہوں نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا اگر یہ کہتا ہوں کہ زہد کے سبب سے پہنا ہے تو اس میں میری اپنی تعریف ہے اور اگر اس کو مفلسی کیوجہ قرار دیتا ہوں تو حق تعالیٰ کی شکایت کا مرتکب ہوتا ہوں حضرت سلمان رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ اچھا لباس کیوں نہیں پہنتے فرمایا بھلا بندہ کو اچھے کپڑوں سے کیا واسطہ اگر کل آزاد ہو گیا تو اچھے کپڑوں سے محروم نہ رہونگا۔ خلیفہ عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ٹاٹ تھا۔ جب رات کو نماز پڑھتے تو اسے پہن لیتے۔ اور دن کو نہ پہنتے تاکہ لوگ نہ دیکھیں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقد سنجی سے کہا۔ یہ کمبل جو تم نے پہنا ہوا ہے۔ اسکی وجہ سے تم اپنے آپکو دوسروں سے بہتر خیال کرتے ہو گے۔ میں نے تو یہ سنا ہے کہ اکثر کمل پوش دوزخ میں جائیں گے۔ تیسری مہم مسکن ہے۔ اسکا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے لئے کوئی جگہ بھی مقرر نہ کرے۔ بلکہ کسی مسجد یا مسافر خانہ کے کونہ ہی پر قناعت کرے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی کوٹھڑی اپنی ملکیت میں رکھے۔ یا بطور کرایہ دار کے رہے اور وہ بھی حاجت کے مطابق ہو۔ نہ تو وہ بہت اونچی ہو اور نہ ہی اس پر نقش و نگار ہوں۔ اور حاجت سے زیادہ کشادہ نہ ہو۔ جب چھ گز سے زیادہ چھت بنائیگا تو پایۂ زہد سے گر جائیگا۔ مسکن سے صرف یہ مقصود ہے کہ آدمی سردی گرمی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور اس کے سوا کسی اور شے کا متلاشی نہ ہو۔ بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے جو طول امل دنیا میں پھیلا وہ یہی تھا کہ لوگوں نے گچ کئے ہوئے مکان بنانے شروع کئے اور کپڑوں پر متعدد چاک کمر کے سلے ہوئے پڑ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کپڑے میں ایک چاک سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک اونچا گھر بنوایا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے منہدم کر دیا گیا۔ حضور ایک دن کسی بلند گنبد کیطرف سے گزرے۔ دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یہ فلاں شخص کا مکان ہے۔ وہ شخص جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے اس کی جانب توجہ نہ کی اس نے خفگی کا سبب پوچھا تو لوگوں نے وجہ بیان کی تو اس نے اس گنبد کو گرا دیا پھر حضور اس سے راضی ہوئے اور اسکے حق میں دعائے خیر کی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر نہ تو اینٹ پر اینٹ رکھی اور نہ لکڑی پر لکڑی جمائی۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا کرتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ نرکل کا گھر بنا ہوا تھا۔ خراب ہو گیا ہے۔ اسے درست کر رہے ہیں حضور نے فرمایا کام اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ مہلت ہو (یعنی مرگ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص

حضور نے فرمایا کہ حق تعالے جس کی خرابی چاہتا ہے اس کے کا مال پانی اور مٹی میں برباد کرتا ہے۔

حاجت سے زیادہ مکان بنائیگا قیامت کے دن اسے حکم دیا جائیگا کہ اسے سر پر اٹھائے فرمایا آدمی جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے اُسے اسکا اجر ملیگا۔ مگر جو خاک اور پانی پر صرف کرتا ہے۔ اسکا اجر نہ ملیگا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے نرکل کا مکان بنایا۔ لوگوں نے کہا اگر آپ اینٹ کا گھر بنائیں تو کیا ہو۔ آپ نے جوابدیا جس شخص نے مرنا ہو اس کیلئے یہ بھی زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص عمارت بناتا ہے قیامت کے دن وہ اسپر وبال ہوگی۔ مگر وہ گھر اسپر وبال نہ ہوگا۔ جو بقدر سردی و گرمی سے بچنے کے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے راستہ میں ایک اونچی عمارت دیکھی۔ جو پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ میں نہ جانتا تھا کہ اس امت کے لوگ بھی ایسی ایسی عمارات بنائیں گے۔ جیسی ہامان نے فرعون کیلئے بنائی تھیں۔ کیونکہ پختہ اینٹوں کی خواہش فرعون نے کی تھی اور کہا تھا۔ اَوْقِدْلِیْ یَاھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ چھ گز سے زیادہ بلند مکان بناتا ہے تو فرشتہ آسمان سے منادی کرتا ہے کہ تمام فاسقوں سے زیادہ فاسق تو کہاں آرہا ہے یعنے تجھے تو زمین کے نیچے جانا چاہیئے تھا تو آسمان پر کیوں آرہا ہے۔ حسن روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام گھر کی چھتوں میں ہاتھ جا لگتا۔ حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات پر تعجب نہیں کہ آدمی گھر بناتا ہے اور چھوڑ جاتا ہے مجھے تو تعجب اسبات پہ ہے کہ دیکھتا ہے اور عبرت حاصل نہیں کرتا۔ چوتھی مہم گھر کا اثاثہ وغیرہ ہے اور اس بارہ میں سب سے اعلیٰ درجہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ سوائے کنگھی اور پیالہ کے آپکے ہاں اور کچھ بھی نہ تھا۔ اور جب آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ داڑھی کو انگلیوں سے سلجھاتا ہے تو آپ نے کنگھی بھی پھینک دی اور ایک شخص کو چلّو سے پانی پیتے ہوئے دیکھا تو پیالہ پھینکدیا۔ اور متوسط درجہ یہ ہے کہ اشیائے ضرور یہ ایک ایک رکھے اور وہ مٹی کی بنی ہوئی ہوں یا لکڑی کی۔ اگر تانبے یا پیتل کے برتن استعمال کریگا تو زاہد نہ رہے گا۔ اگلے بزرگ اسبات میں کوشش کرتے تھے۔ کہ ایک ایک چیز کو کئی کئی کاموں میں استعمال کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس درخت خرما کی چھال کا بھرا ہوا ایک تکیہ تھا۔ اور آپ کیلئے دوہری کی ہوئی کملی کا بچھونا بچھایا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں کھجور کی چٹائی کے نشان دیکھے تو رونے لگے۔ حضور نے فرمایا کیوں روتا ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ میں اس لئے روتا ہوں کہ قیصر و کسریٰ جو خدا کے دشمن ہیں وہ نعمتوں میں رہیں اور خدا کا رسول و دوست مصیبتیں و تکلیفیں برداشت کرے۔ حضور نے فرمایا اے عمرؓ کیا تجھے اسبات سے خوشی حاصل نہیں ہوئی کہ حقتعالیٰ نے انہیں دولت دنیا عطا کی اور ہمیں دولت آخرت۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میں خوش ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اے عمرؓ تو جان لے کہ جیسا میں نے کہا ہے دراصل ایسا ہی ہے۔ ایک شخص حضرت ابوذرؓ کے گھر گیا۔ انکے تمام گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے کہا اے ابوذر تمہارے گھر تو کچھ نہیں۔ انہوں نے جواب دیا جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اسے میں اپنے دوسرے گھر میں بھیجدیتا ہوں (یعنی دار آخرت میں) اس نے کہا جبتک اس گھر میں رہنا ہے تب تک تو کچھ

اثاث البیت ضروری ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا گھر کا مالک (خدا) مجھے یہاں نہ رکھے گا۔ حضرت عمیر بن احمد جو امیر حمص تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت فرمایا کہ متاع دنیوی سے تمہارے پاس کیا کیا ہے۔ عرض کیا ایک عصا ہے جس سے سہارا لیتا ہوں اور سانپ مارتا ہوں۔ اور ایک انبان ہے جس میں طعام رکھتا ہوں۔ اور ایک پیالہ ہے جس میں طعام کھاتا ہوں اور پھر اس سے سر اور کپڑے دھوتا ہوں اور ایک لوٹا ہے اس سے پانی پیتا ہوں۔ اور وضو کرتا ہوں یہ اشیاء تو اصل ہیں اور انکے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ انکی فرع ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے تو جنابہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لیگئے تو دروازہ پر پردہ پڑا ہوا دیکھا۔ اور جنابہ سیدہ کے ہاتھوں میں چاندی کے کڑے دیکھے یہ دیکھ کر حضور کو نہایت رنج ہوا۔ آپ واپس تشریف لیگئے۔ جنابہ سیدہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضور اس وجہ سے واپس تشریف لیگئے ہیں۔ تو جنابہ سیدہ نے ان دونوں کڑوں اور پردہ کو فروخت کر کے خدا کی راہ میں خیرات کر دیا۔ حضورؐ یہ دیکھ کر جنابہ سیدہ پر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا تم نے نہایت اچھا کام کیا۔ جنابہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک پردہ تھا حضور نے فرمایا جب یہ پردہ مجھے نظر آتا ہے تو مجھے دنیا یاد آتی ہے اسے لیجاؤ اور فلاں آدمی کو دیدو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دوہری کملی پر سویا کرتے تھے۔ ایک رات حضرت عائشہؓ نے نیا بچھونا بچھا دیا۔ حضورؐ اس پر تمام رات بےچین رہے دوسرے دن فرمایا کہ اس بستر نے میری نیند اچاٹ کر دی۔ جنابہ صدیقہؓ نے حضورؐ کی وہی کملی بچھا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بار کچھ مال لایا گیا۔ حضورؐ نے وہ سب تقسیم کر دیا۔ صرف چھ دینار باقی رہ گئے تھے۔ حضورؐ کو تمام رات نیند نہ آئی۔ حتیٰ کہ حضورؐ نے آخر شب میں وہ بھی کسیکو عنایت فرما دیئے اور تب آرام سے نیند فرمائی۔ حضورؐ نے فرمایا اگر میں مرجاتا اور یہ چھ دینار میرے پاس ہوتے تو میرا کیا حال ہوتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ کو دیکھا جنکے پاس سوائے اس کپڑے کے جو انہوں نے پہنا ہوا تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔ اور وہ اپنے بدن کو خاک سے نہ بچاتے تھے۔ بلکہ زمین پر پہلو رکھ کر سو جاتے تھے۔ اور اس کپڑے کو اوڑھ لیتے۔ پانچویں جہم نکاح ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان عیینہ اور علما کے ایک طبقہ نے کہا ہے۔ کہ نکاح میں زہد نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود تمام مخلوق سے زیادہ زاہد ہونیکے اپنی بیبیوں کو دوست رکھتے تھے۔ اور حضورؐ کے نو حرم تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ باوجود اس زہد کے چار منکوحہ عورتیں اور دس بارہ حرم رکھتے تھے جاننا چاہیئے کہ ان حضرات کا اس امر سے یہ مقصد ہوگا کہ لوگ جان لیں کہ زہد کیوجہ سے نکاح سے دستبردار ہونا درست نہیں۔ کیونکہ نکاح سے اولاد پیدا ہونیکی راہ کھلتی ہے۔ اور اسمیں سوائے بقائے نسل کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ نکاح سے باز رہنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے تاکہ لذت حاصل نہ ہو۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسا آدمی ہلاک ہو جائیگا۔ اور اسکی وجہ سے نسل کا بھی انقطاع ہو جائیگا۔ اگر کسی شخص کو نکاح خدا سے غافل

کر دے تو ایسے شخص کیلئے نکاح نہ کرنا اولیٰ ہے۔ اور اگر شہوت کا غلبہ ہو تو زاہد وہ ہے جو کسی حسینہ و جمیلہ عورت سے نکاح نہ کرے بلکہ ایسی عورت کیساتھ نکاح کرے جو شہوت بجھانیوالی ہو، شہوت بھڑکانے والی نہ ہو۔ لوگوں نے امام احمد حنبل رح کا نکاح ایک خوبصورت عورت کے ساتھ ٹھہرایا اور کہا کہ اس کی ایک بہن بھی ہے جو خوبصورت نہیں بلکہ کانی اور عقلمند ہے۔ آپ نے عقلمند کو قبول کیا اور خوبصورت کو جواب دیدیا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں اس امر کو نہایت پسند کرتا ہوں کہ مرید مبتدی اپنے دل کو تین چیزوں سے محفوظ رکھے۔ کسبؔ۔ نکاحؔ اور حدیثؔ لکھنے سے۔ اور ایک قول آپکا یہ بھی ہے کہ میں صوفی کے لکھنے پڑھنے کو دوست نہیں رکھتا۔ اسواسطے کہ لکھنے پڑھنے سے خیال تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور اطمینان نہیں ہوتا چھٹی مہم جاہ و مال ہے۔ ہم نے ربع مہلکات میں بیان کر دیا ہے۔ کہ یہ دونوں زہر ہیں۔ مگر اسمیں سے بقدر حاجت تریاق ہے۔ منجملہ دنیا کے نہیں۔ بلکہ راہ دین کی ضروری اشیاء میں سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کسی شخص سے قرض طلب کیا۔ حقتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اے خلیل جبکہ میں تیرا دوست صادق ہوں تو تو نے مجھ سے کیوں طلب نہ کیا۔ جناب خلیل نے عرض کیا کہ بار خدایا میں نے خیال کیا کہ دنیا کو تو دشمن سمجھتا ہے اور مجھ کو تجھ سے دنیا طلب کرتے ہوئے ڈر آیا۔ حقتعالیٰ نے فرمایا اے خلیل جو چیز منجملہ حاجات کے ہے وہ دنیا میں شامل نہیں غرضیکہ آدمی جب بقدر حاجت سے زائد اشیاء کو آخرت کے خیال سے چھوڑ دیتا ہے اور جاہ و مال سے بقدر ضرورت کے اکتفا کرتا ہے تو اس کا دل جاہ و مال سے علیحدہ رہتا ہے اور وہ دنیا کو دوست نہیں جانتا تو اس کا مقصد یہ ہے آدمی جب اس جہان میں جائیگا تو اس کا سر نیچے اور منہ پیچھے نہ ہوگا۔ یعنی وہ دنیا کیطرف لوٹ لوٹ کر نہ دیکھیگا۔ وہی شخص دنیا کو پھر پھر کر دیکھتا ہے۔ جو دنیا کو اپنے آرام و راحت کی جگہ سمجھتا ہے۔ اور جو شخص دُنیا کو پاخانہ کیطرح سمجھتا ہے یعنی سوائے حاجت کے اسکی طرف توجہ نہیں کرتا۔ وہ مرکر جب اس حاجت سے خلاصی پا گیا تو وہ پھر بھلا اس کیجانب کب متوجہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص دنیا سے دل لگاتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو کسی جگہ رہنے تو نہ پائے مگر اس جگہ اپنی گردن زنجیروں سے مضبوط کر کے باندھ لے یا اپنے سر کے بالوں سے وہاں مضبوط گرہ لگالے حتیٰ کہ جب اس کو وہاں سے لیجایا جائے تو وہ سر کے بالوں کیوجہ سے لٹکتا رہے اور جب تک اسکے سر کے تمام بال اکھڑ نہ جائیں تب تک اسجگہ سے رہائی نہ پائے اور جب اسجگہ سے اس کشمکش کیساتھ رہائی پائے تو سر کے بال اکھڑنے کی وجہ سے جو زخم اس کے سر میں ہو گیا تھا وہ اس کے ساتھ رہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک گروہ کو دیکھا جو بلا پر اتنا خوش ہوتے جتنا تم نعمت پر نہیں ہوتے۔ وہ اگر تم کو دیکھتے تو شیطان سمجھتے اور تم اگر ان کو دیکھتے تو دیوانے سمجھتے اور یہ لوگ دُنیا سے برخاستہ خاطر رہنے کے خیال سے بلا و مصیبت کی رغبت کرتے تھے۔ تاکہ موت کے وقت ان کا دل کسی شے کے ساتھ لٹکا ہوا نہ ہو۔ واللہ اعلم ✣

اصل پنجم (پانچویں) نیّت و صدق و اخلاص کا بیان

جاننا چاہیئے کہ یہ امر تمام اہل بصیرت پر روشن ہے کہ تمام خلق ہلاک ہے سوائے عابدوں کے اور تمام عابد بھی ہلاک ہیں سوائے علما کے اور تمام علما بھی ہلاک ہیں سوائے مخلصین کے اور مخلصین بھی بڑے خطرہ میں مبتلا ہیں پس بلا اخلاص کے تمام رنج وغیرہ ضائع ہے اور اخلاص و صدق سوائے نیت کے نہیں ہوتا اور جو شخص نیت ہی نہیں جانیگا وہ اسمیں اخلاص کا خیال کسطرح رکھیگا ہم ایک باب میں نیت کے معنے بیان کرتے ہیں اور دوسرے میں حقیقتِ اخلاص اور تیسرے باب میں حقیقتِ صدق۔

بابِ اوّل نیّت کے بیان میں

ہر شخص کی نیت کیلئے فضیلت کو جاننا ضروری ہے کیونکہ تمام اعمال کی روح نیت ہے اور نیت ہی پر حکم کا اطلاق ہوتا ہے اور حقتعالیٰ اعمال میں نیت ہی کو ملاحظہ کرتا ہے اور اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقتعالیٰ تمہارے اعمال وصورت کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دل اور کردار کو دیکھتا ہے اور دل کو اسلیئے دیکھتا ہے کہ محلِ نیت وہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کام نیت کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر شخص کو اپنی عبادت میں سے اسی کا ثواب ملیگا جسکی وہ نیت رکھتا ہے۔ جو شخص ہجرت کرتا ہے یعنی جنگ پر یا حج کیلئے خدا کی راہ میں جاتا ہے تو اسکی ہجرت خدا کیلئے ہے اور جو شخص مال حاصل کرنیکی غرض سے یا کسی عورت کو ہاتھ میں لانیکی غرض سے ہجرت کرتا ہے تو اسکی ہجرت خدا کیلئے نہیں ہوتی بلکہ اسکی ہجرت نیت کے مطابق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اُمت کے بہت سے شہید ایسے ہیں جو تکیہ اور بستر پر مرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ دو دو صفوں کے درمیان میں مارے جاتے ہیں کہ حقتعالیٰ اُنکی نیت سے خوب واقف ہے۔ اور فرمایا بندہ بہت سے ایسے نیک کام کرتا ہے کہ فرشتے انکو بلند و بالا کرتے ہیں لیکن حقتعالیٰ ان کاموں کو انکے نامۂ اعمال سے نکالدینے کا حکم دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ یہ کام اس نے میرے لئے نہیں کئے۔ فلاں فلاں عمل اسکے نام لکھو فرشتے عرض کرتے ہیں بار خدایا یہ عمل تو اس نے نہیں کئے ارشاد ہوتا ہے کہ ان اعمال کی اس نے نیت کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ چار طرح کے ہیں۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو مالدار ہے اور مال کو بمقتضائے علم خرچ کرتا ہے اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم یوں خرچ کرتے اور یہ دونوں گروہ اجر میں برابر ہیں۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو مال کو بیجا طور پر صرف نہیں کرتے اور چوتھا گروہ ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم اسے اسی بیجا طریق پر صرف کرتے یہ دونوں گروہ گناہ میں برابر ہیں یعنی اکیلی نیت بھی ویسی ہوتی ہے جیسی وہ نیت جسکے ساتھ عمل بھی ہوتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جنگ تبوک کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ مدینہ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو سفر کی بھوک اور رنج میں ہمارے برابر کے شریک ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کسطرح

ہمارے شریک ہیں وہ تو اس رنج سفر سے محروم ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ بوجہ عذر کے ہمارے ساتھ نہ آسکے ورنہ انکی نیت تو ہماری نیت جیسی ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ اسکا گزر بالو کے ٹیلہ پر ہُوا۔ وہ زمانہ قحط کا تھا۔ اس نے اپنے جی میں کہا کہ اگر مجھے اسقدر گیہوں میسر ہوتے تو میں انہیں خیرات کر دیتا اور فقیروں کو تقسیم کرتا۔ اسوقت کے جو رسول علیہ السلام تھے حقتعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی۔ کہ فلاں شخص سے کہدو کہ حقتعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کر لیا اور اگر تیرے پاس گیہوں ہوتے اور تو انہیں تقسیم کرتا تو تب بھی تجھے اتنا ہی ثواب ملتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص کی نیت اور ہمت دُنیا ہوگی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ فقر و افلاس پھرتا رہیگا۔ اور وہ عشق دُنیا میں مبتلا ہو جائیگا۔ اور جس شخص کی نیت وہمت آخرت ہوگی حقتعالیٰ اس کے دل کو مستغنی رکھیگا۔ اور وہ دُنیا سے زاہد ہو جائیگا۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب مُسلمان میدان جنگ میں کفار سے لڑنے کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو فرشتے ان کے نام لکھنے شروع کرتے ہیں۔ کہ فلاں مسلمان تعصب سے لڑتا ہے فلاں حمیت سے لڑتا ہے اور آخر کو کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مسلمان خدا کی راہ میں شہید ہُوا۔ جو مسلمان کلمۂ توحید بلند کرنے کیلئے لڑتا ہے وہ خدا کی راہ میں ہے اور فرمایا جو شخص نکاح کرتا ہے۔ اور مہر ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا وہ زانی ہے۔ اور جو شخص اس نیت سے قرض لیتا ہے کہ وہ ادا نہ کرے گا۔ وہ چور ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ نیت عمل سکیھو پھر عمل کرو۔ ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے نیک عمل سکھاؤ تاکہ رات دن اسمیں مشغول رہوں اور خیر سے کبھی خالی نہ ہوں۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ اگر تو خیر نہیں کر سکتا تو ہمیشہ خیر کی نیت کیا کر۔ تاکہ اس نیکی کا تجھے ثواب حاصل ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خلق کا حشر انکی نیتوں کے مطابق ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہشت دائمی اس چند روزہ عمل سے نہ ملے گی بلکہ نیت کے سبب سے حاصل ہوگی۔ اس واسطے کہ نیت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔

حقیقتِ نیّت

جاننا چاہیئے۔ کہ آدمی سے کوئی حرکت اسوقت تک ظہور پذیر نہیں ہوتی جبتک کہ تین حاجتیں اسکو درپیش نہ ہوں۔ ۱ علم۔ ۲ ارادت۔ ۳ قدرت یعنی دانش۔ چاہ۔ توانائی۔ مثلاً جبتک آدمی طعام نہیں دیکھتا نہیں کھاتا۔ اور جب دیکھتا ہے اور اسکی چاہ نہیں ہوتی تو بھی نہیں کھاتا۔ اور اگر اسکو کھانیکی خواہش ہے لیکن اسکے ہاتھ شل ہیں تو تب بھی نہیں کھاتا۔ کیونکہ اسکو کھانیکی قدرت حاصل نہیں ہوتی تو یہ تین حالتیں ہر حرکت کے آگے آگے ہوتی ہیں۔ مگر حرکت قدرت کی تابع ہے اور قدرت ارادہ کی۔ کیونکہ ارادہ قدرت کو کام میں رکھتا ہے اور ارادہ علم کے ماتحت نہیں ہے۔ اسواسطے کہ آدمی بہت چیزیں دیکھتا ہے اور اسکا ارادہ اور خواہش نہیں کرتا۔ مگر بغیر علم کے ارادہ وخواہش کرنا محال ہے کیونکہ جو چیز آدمی کو معلوم نہ ہوگی۔ اسکا ارادہ وخواہش کیونکر کریگا۔ ان تینوں حالتوں میں سے ارادہ کا نام ہی نیت ہے۔ نیت علم و قدرت سے عبارت

نہیں۔ اور ارادہ وہ ہے جو آدمی کو کسی کام پر قائم رکھتا ہے اور اس کام پر لگائے رکھتا ہے اسے غرض نیت اور قصد بھی کہتے ہیں تو یہ تینوں الفاظ ہم معنیٰ ہیں اور غرض جو آدمی کو مستعد کرتی ہے کبھی تو ایک ہوتی ہے اور کبھی دو ایک کام میں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ لیکن وہ جو ایک ہوتی ہے اسے خالص کہتے ہیں اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ اور شیر اسکے مار ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اور وہ شخص بھاگ جاتا ہے تو اس شخص کی ایک ہی غرض اور ایک ہی قصد ہے یعنی بھاگ جانا۔ اسیطرح جو شخص کسی معزز اور محتشم آدمی کے آنے سے سرو قد کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کھڑا ہونے سے اعزاز و اکرام کے سوا اس کی اور کوئی غرض نہیں ہوتی تو یہ غرض بھی خالص ہے اور ایک کام میں دو غرضیں تین قسم پر ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر غرض ایسی ہو کہ اگر وہ اکیلی بھی ہوتی تو تب بھی کام میں مصروف رکھتی۔ جیسے کہ کوئی محتاج قرابتدار ایک درہم طلب کرے اور اسے آدمی اپنا عزیز اور محتاج سمجھ کر درہم دیدے اور اپنے جی میں خیال کرے کہ اگر یہ محتاج نہ ہوتا تو میں تب بھی اسے درہم دیتا۔ اور اگر عزیز نہ ہوتا اور محتاج ہوتا تو تب بھی دیتا تو یہ دو غرضیں ہیں اور نیت لشرکت ہے دوسری قسم یہ ہے کہ دینے والا اپنے جی میں خیال کرے کہ اگر یہ مانگنے والا عزیز ہوتا محتاج نہ ہوتا۔ یا محتاج ہوتا عزیز نہ ہوتا تو میں درہم نہ دیتا۔ جب یہ دونوں باتیں اکٹھی ہوئیں تو مجھے درہم دینا پڑا۔ پہلی قسم کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی ملکر پتھر اٹھاتے ہیں۔ اور ہر ایک تنہا پتھر اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ اور دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ ایکدوسرے کی مدد سے دو کمزور آدمی پتھر اٹھاتے ہیں اور ہر ایک ان میں سے اکیلے طور پر پتھر اٹھانے سے عاجز ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ دو غرضوں میں سے ایک غرض خفیف ہے کہ اکیلی وہ غرض آدمی کو کام میں نہیں لگاتی اور دوسری غرض قوی ہے۔ جو تنہا آدمی کو کام میں لگاتی ہے مگر اس غرض سے کام نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص تہجد کی نماز اکیلا پڑھتا ہے۔ لیکن جب لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو اس پر زیادہ آسان ہو جاتی ہے اور خوشی بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو لوگوں کے دکھانے کیلئے نماز نہ پڑھتا۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مضبوط و قوی شخص پتھر اٹھا سکتا ہے۔ لیکن جب کوئی کمزور مدد کرتا ہے تو اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے ان میں ہر اقسام کیلئے جدا جدا حکم ہے۔ جیسا کہ اخلاص میں ذکر کیا جائے گا۔ اور اس سے مقصد یہ ہے۔ کہ تو جان جائے کہ نیت کے معنےٰ میں غرض اور باعث اور محرک کبھی تو خالص ہوتے ہیں۔ اور کبھی ملے جلے ہوتے ہیں۔

فصل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل و کردار سے بہتر ہے اس سے آپکا یہ مقصد نہیں کہ نیت بے کردار۔ کردار بے نیت سے بہتر ہے کیونکہ یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ عمل بلا نیت کے عبادت نہیں اور نیت بلا عمل کے عبادت ہے اس کے معنےٰ یہ ہیں کہ طاعت تن سے ہوتی ہے اور نیت دل سے اور یہ جزو ہیں اور ان دونوں میں سے جسکا تعلق دل کیساتھ ہے وہ بہتر ہے اور اسکا سبب یہ ہے کہ عبادت بدنی سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ دل کی صفت بدل جائے اور نیت و دل سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ بدن کی صفت

بدلجائے۔ اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نیت عمل کیلئے چاہیئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عمل نیت کیلئے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان تمام سے مراد دل کی گردش ہے کیونکہ اس جہان کا مسافر دل ہے اور سعادت وشقاوت بھی اسی کیلئے ہے۔ بدن اگرچہ درمیان میں ہوگا۔ مگر دل کا تابع ہے۔ جیسے کہ بلا اونٹ کے حج نہیں ہوتا۔ مگر اس سے اونٹ حاجی نہیں ہوجاتا۔ اور دل کی گردش ایک چیز سے زیادہ نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دُنیا سے منہ آخرت کی طرف پھیرے بلکہ دُنیا وآخرت دونوں سے حقتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ اور دل کی خواہش بلا اس کی چاہ اور ارادہ کے نہیں جب اس کے دل پر دُنیا کی خواہش غالب ہوجاتی ہے۔ تو اس کی توجہ بھی دُنیا کی طرف رکھنا ہوتی ہے اور دُنیا کیساتھ تعلق دل کی خواہش ہے۔ ابتدائے خلقت میں دل کی حالت یہی ہے۔ جب اس پر حقتعالیٰ اور دیدار آخرت کی خواہش غالب ہوئی تو دل کی صفت بدل گئی اور وہ دوسری طرف متوجہ ہُوا۔ تو تمام اعمال سے فقط دل کا ہی پھرنا مقصود ہے۔ سجدہ کرنے سے پیشانی کا پھرنا مقصود نہیں۔ بلکہ دل کی صفت کا بدلنا مقصود ہے۔ تاکہ اس میں تکبر کی جگہ فروتنی پیدا ہوجائے اور اللہ اکبر کہنے سے پھرنا اور ہلنا مقصود نہیں بلکہ دل کا اپنی تعظیم سے پھر جانا۔ اور اسپر حقتعالیٰ کی تعظیم کا غالب ہوجانا مقصود ہے۔ اور حج میں پتھر پھینکنے سے کسی ایک جگہ پر سنگریزوں کا جمع کرنا مقصود نہیں۔ یا ہاتھوں کا ہلانا مدنظر نہیں۔ بلکہ دل کی طاعت اور بندگی پر راست ہونا اور ٹھہرنا اور خواہش نفسانی کی متابعت کو اپنی عقل کے تصرف کو بالائے طاق رکھ کر حقتعالیٰ کے حکم کی متابعت کرنا اور اپنی باگ اپنے ہاتھ سے چھوڑ کر فرمان الٰہی کے ہاتھ میں دیدینا مقصود ہے۔ جیسا کہ کہا لَبَّیْکَ بِالْحَجَّۃِ حَقًّا تَعَبُّدًا وَّرِقًّا اور قربانی کرنے سے محض بکرے کی جان مقصود نہیں بلکہ تیرے سینہ سے نجاست بُخل کا جانا مقصود ہے۔ اور تجھے یہ سکھلانا ہے کہ تو جانوروں پر اپنی طبیعت کے اقتضاء سے رحم نہ کرے۔ بلکہ حکم الٰہی کے تحت میں ان پر شفقت رکھے۔ اور جب ذبح کرنیکا حکم ہو تو یہ نہ کہے کہ اس بیچارہ نے کیا تقصیر کی ہے اسے کیوں ہلاکت ومعصیت میں ڈالوں۔ بلکہ تجھے تو چاہیئے کہ تو اپنے اختیارات کو چھوڑ دے اور حقیقی طور پر نیست ہو جائے۔ کیونکہ تو خود نیست ہے۔ اسلئے کہ بندہ اپنے حق میں نیست ہے۔ اور حقیقت میں حقتعالیٰ کی ذات ہی ہست ہے۔ اور تمام عبادات کا یہی حال ہے۔ اور حقتعالیٰ نے دل کو ایسا پیدا کیا ہے۔ کہ جب اسمیں کوئی ارادہ اور خواہش پیدا ہوجاتی ہے اور بدن اسکے مطابق حرکت کرتا ہے تو وہ صفت دل میں ثابت تر ومحکم تر ہوجاتی ہے۔ مثلاً جب دل میں یتیم پر رحم آتا ہے۔ اور جب آدمی اسکے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے تو وہ رحم اور مضبوط وقوی ہوجاتا ہے اور دل کی آگاہی بڑھ جاتی ہے۔ اور جب تواضع وعاجزی کی صفت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور آدمی اپنا سر جھکا کر زمین پر لگاتا ہے۔ تو وہ عاجزی دل میں اور مضبوط ہوجاتی ہے۔ اور نیکی کی خواہش تمام عبادات کی نیت ہے یعنی آدمی دنیا کی طرف توجہ نہ کرے۔ اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور اس نیت پر عامل ہونا اس خواہش کو اور مضبوط وقوی کردیتا ہے پس عمل خواہش اور نیت کی تاکید کیلئے ہے۔ اگرچہ عمل نیت ہی سے پیدا ہوتا ہے جب ایسی حالت ہے

تو یہ ظاہر ہے کہ یہ نیت عمل سے بہتر ہے۔ کیونکہ نیت تو خود نفسِ دل کے اندر ہوتی ہے۔ اور عمل دل میں دوسری جگہ سے سرایت کریگا۔ اور اگر عمل دل میں سرایت کرتا ہے تو کام آتا ہے۔ اور اگر سرایت نہیں کرتا اور غفلت کیساتھ سرزد ہوتا ہے تو بالکل رائیگان اور ضائع ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نیت بلا عمل کے بھی ضائع نہیں ہوتی کیونکہ وہ نفس دل میں ہوتی ہے۔ غفلت کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ اور یہ امر ایسا ہے۔ جیسے معدہ میں درد ہوتا ہے۔ اور جب آدمی دوائی استعمال کرتا ہے تو وہ اسمیں پہنچتی ہے۔ اور اگر سینہ پر لیپ کرتا ہے تاکہ اس کا اثر معدہ میں سرایت کرے۔ تو تب بھی فائدہ تو پہنچتا ہے۔ مگر جو دوا معدہ کے اندر پہنچتی ہے۔ وہ ہر حال میں اس سے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔ جسکا لیپ سینہ پر کیا جاتا ہے اور اس دوا سے مقصود سینہ نہیں ہوتا۔ بلکہ معدہ ہوتا ہے تو جب وہ سینہ سے معدہ میں سرایت نہیں کرتی فضول اور رائیگاں ہوتی ہے۔ اور وہ جو معدہ میں پہنچتی ہے اگر سینہ میں نہ پہنچے تو رائیگاں نہیں ہوتی ؁

اُن خیالات و وساوس نفسانی کا بیان جو معاف ہیں اور جو معاف نہیں

جاننا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حقتعالیٰ نے میری اُمت کو خیالات نفسانی معاف فرمائے ہیں اور حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے کہ جو شخص گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور گناہ نہیں کرتا تو ملائکہ کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ اس کے نام پر گناہ نہ لکھیں۔ اور اگر وہ گناہ کرے تو اس کے نام پر ایک گناہ لکھ لیں۔ اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ لیں۔ اگرچہ وہ نیکی عملی طور پر اس سے ظہور پذیر نہ ہو اور اگر وہ نیکی اس سے صادر ہو جائے تو ایک کے بدلہ میں دس نیکیاں اسکے نامۂ اعمال میں تحریر کریں۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ فرشتے اس نیکی کو اسقدر بڑھاتے رہتے ہیں کہ وہ سات سو تک پہنچ جاتی ہے اور اس جگہ سے ایک گروہ نے یہ خیال کیا ہے۔ کہ ارادہ و خیال کی بنا پر آدمی ماخوذ نہ ہوگا۔ حالانکہ ایسا خیال کر لینا غلطی ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اصل دل ہے اور تن اس کا تابع ہے اور حقتعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے چاہے تم اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو۔ حقتعالیٰ تم سے اسکا حساب لیگا اور فرمایا ہے۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا۔ (یعنی آنکھ۔ کان۔ دل تینوں سے سوال کیا جائیگا۔ اور فرمایا ہے۔ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ۔ یعنی زبان .... سے لغو قسموں کیوجہ سے نہ پکڑیں گے۔ بلکہ دل کے قصد کیوجہ سے ماخوذ کریں گے) اور اسبات پر سب متفق ہیں کہ کبر نفاق۔ عجب۔ ریا حسد کے سبب سے آدمی ماخوذ ہوگا۔ اور یہ سب کام دل سے متعلق ہیں۔ پس اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ دل پر گزرتا ہے اسکی چار قسمیں ہیں۔ دو تو ایسی ہیں۔ جسمیں آدمی کا کچھ اختیار نہیں اور ان میں آدمی ماخوذ بھی نہیں اور دو ایسی ہیں جن میں آدمی کو اختیار ہے اور وہ ان میں ماخوذ ہیں اور اسکی مثال یہ ہے کہ تو راہ میں جارہا ہے اور ایک عورت تیرے پیچھے پیچھے

چلی آرہی ہے۔ تیرے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر میں پھر کر دیکھوں تو یہ عورت مجھے دکھائی دے تو اس خیال کے پیدا ہونیکو حدیثِ نفس کے نام سے موسوم کرتے ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ تیری طبیعت میں اس عورت کو پھر کر دیکھنے کی رغبت پیدا ہو اور اسکو میلِ طبیعت سے موسوم کرتے ہیں اور اس رغبت کا پیدا ہونا شہوت ہے تیسری صورت یہ ہے کہ دل پھر کر دیکھنے کا حکم دے۔ اور یہ حکم ایسی جگہ پر دے کہ جہاں کسی قسم کا خوف و شرم مانع نہ ہو اور یہ ضروری نہیں کہ جس بات کی شہوت متقاضی ہو دل بھی وہی حکم کرے اور اسبات کو کرنا چاہیئے بلکہ دل یہ کہے کہ اسے نہ کرنا چاہیئے اور ہم اس امر کو حکمِ دل سے موسوم کرتے ہیں چوتھی صورت یہ ہے کہ پھر کر دیکھنے کا ارادہ کرے اور اگر دل کے اس حکم کو حق تعالیٰ کے ڈر سے اور بدنامی کے خوف سے رد نہ کریگا تو یہ عزم جلدی ہی مضبوط ہو جائیگا پس ان پہلی دو حالتوں کے عوض میں جنکو ہم نے حدیثِ نفس اور میلِ طبیعت کے نام سے موسوم کیا ہے ماخوذ نہ ہوگا کیونکہ یہ امور اسکے اپنے بس کی بات نہیں اور حقتعالیٰ فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا یعنی حقتعالیٰ ہر نفس کو بقدر اسکی طاقت کے تکلیف دیتا ہے اور یہ حدیثِ نفس ایسی ہے جیسے حضرت عثمانؓ بن مظعون نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ اپنے آپکو خصی کر ڈال تاکہ نکاح کی خواہش سے رہائی پائے حضورؐ نے فرمایا ایسا نہ کرنا میری امت میں روزہ رکھنا خصی ہونیکے برابر ہے عرض کیا میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ اپنی عورت کو طلاق دیدے۔ حضورؐ نے فرمایا ٹھیر کہ نکاح کرنا میری سُنّت ہے، عرض کی میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ رہبانوں کی طرح پہاڑ پر جا بیٹھ حضورؐ نے فرمایا۔ ایسا نہ کر کیونکہ میری امت کی رہبانیت حج و جہاد ہے عرض کیا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ گوشت نہ کھا فرمایا نہ اسواسطے کہ میں گوشت کو دوست رکھتا ہوں اگر میں گوشت پاتا تو کھاتا اور اگر حق تعالیٰ سے طلب کرتا تو وہ عنایت فرماتا۔ پس یہ تمام خیالات جو اسکے دل میں پیدا ہوتے تھے حدیثِ نفس ہیں اور معاف ہیں اس واسطے کہ یہ کام کرنیکا ارادہ نہ کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ تو دل کیساتھ ایک مشاورت تھی اور وہ دو حالتیں جو آدمی کے دل میں اسکے اختیار سے پیدا ہوتی ہیں ایک تو ان میں سے حکمِ دل ہے اور دوسری میلِ طبیعت ہے یعنی طبیعت کہتی ہے کہ یہ کرنیکے قابل ہے اور دل اسکے کرنیکا قصد کرتا ہے تو ان دونوں حالتوں کے سبب سے آدمی ماخوذ ہوگا اگرچہ آدمی خوف یا کسی اور رکاوٹ کیوجہ سے اس کام کو نہ کرے اور خدا کیواسطے اسکے کرنیکی رغبت کو ترک نہ کیا ہو اور اسبات کے معنے کہ بندہ ماخوذ ہوگا یہ نہیں ہیں کہ کسیکو اس شخص پر غصہ آئے اور اب یہ انتقام کے خیال سے اسپر سختی کرے اسواسطے کہ حقتعالیٰ کی ذات مقدس غصہ و انتقام سے پاک ہے لیکن اسکے یہ معنے ہیں کہ اس نے جو یہ ارادہ کیا تو اس کیوجہ سے اسکے دل میں ایک صفت پیدا ہوگئی ہو کہ اس کے سبب سے جنابِ الٰہی سے دور ہو گیا ہو اور یہ اسکی انتہائی دوری ہے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آدمی کی سعادت اسی میں ہے کہ اپنی جانب سے دنیا کی جانب سے منہ پھیر کر حقتعالیٰ کیطرف توجہ کرے اور اسکی دوروئی اور خواہش یہی ہے۔ جو وہ دنیا کیساتھ علاقہ و تعلق رکھنے کا قصد کرتا ہے تو اسبات سے اسکا تعلق دنیا کیساتھ نہایت مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے اور جو چیز اسے حاصل ہونی چاہیئے اس سے دور ہو جاتا ہے اور

ماخوذ وملعون ہونیکے یہ معنے ہیں کہ آدمی دنیا میں گرفتار ہوا۔ اور حق تعالیٰ سے دور ہوا۔ اور یہ کام اسی سے ہے اور اسی کیساتھ ہے اور اسی میں ہے نہ کسی کو اسکی عبادت سے خوشی حاصل ہوتی ہے نہ اسکے گناہوں پر غصہ آتا ہے کہ اس سے انتقام لے لیکن خلق کی عقل کے مطابق اسیطرح سے کہا کرتے ہیں اور جس شخص نے ان اسرار کو سمجھ لیا اس کو اس بارہ میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ آدمی دل کی ان حالتوں کی وجہ سے ماخوذ ہوتا ہے اور اسپر دلیل قاطع یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب دو آدمی باہم شمشیر کھینچتے ہیں اور ایک انمیں سے مارا جاتا ہے تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جاتے ہیں صحابہ رضؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ مقتول کیوں دوزخ میں جاتا ہے حضورؐ نے فرمایا اس واسطے کہ وہ دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہے اگر وہ قتل کر سکتا تو قتل کر دیتا دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک شخص مالدار ہے اور وہ اسکو شریعت کے حکم کے مطابق بجا طور پر خرچ نہیں کرتا اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی اسیطرح بجا خرچ نہ کرتا۔ تو یہ دونوں شخص گناہ میں برابر کے شریک ہیں اور یہ سب دل ہی کے ارادے ہیں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے بستر پر عورت کو پائے اور اسکو اپنی جورو نہ خیال کر کے اس کیساتھ جماع کا مرتکب ہو تو وہ گنہگار ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اسکی اپنی ہی بیوی ہو۔ اور اگر اپنے آپکو باوضو سمجھ کر نماز پڑھے اور درحقیقت وہ باوضو نہ ہو تو اسکو ثواب حاصل ہو جاتا ہے اور اگر یہ خیال کرے کہ وضو نہیں ہے اور حقیقت میں وضو ہو تو نماز پڑھنے سے گنہگار ہو جاتا ہے اگرچہ بعد میں اسکو یاد آجائے کہ وہ باوضو تھا اور یہ تمام حالتیں دل کی ہیں اور اگر گناہ کا ارادہ کرے اور پھر حقتعالیٰ کے خوف سے گناہ نہ کرے تو اسکے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کا قصد طبیعت کے موافق ہوتا ہے اور طبیعت کے خلاف کسی خواہش سے دستبردار ہونا مجاہدہ ہے کیونکہ جتنا اس قصد کو دل کے تاریک کرنے میں دخل ہے اتنا ہی اس مجاہدہ کو دل کے روشن کرنے میں نمایاں دخل ہے نیکی لکھے جانیکے یہی معنی ہیں اور حدیث کا یہی مطلب ہے اور اگر کوئی شخص گناہ کا ارادہ کرے اور پھر عاجزی کے سبب سے گناہ کا مرتکب نہ ہو سکے تو یہ مرتکب نہ ہونا اس قصد کا کفارہ نہ ہوگا اور تاریکی رفع نہ ہوگی اور اپنے اس ارادہ کے سبب سے ماخوذ ہوگا جیسے وہ مقتول جو اپنی کمزوری کے سبب سے اپنے قاتل کو قتل نہ کر سکے اور خود قتل ہو جائے۔

وہ اعمال جو نیّت کے سبب سے بدل ہو جاتے ہیں

جاننا چاہیئے کہ اعمال کی تین قسمیں ہیں طاعاتؔ۔ مباحاتؔ۔ معاصیؔ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ اس سے شاید لوگ یہ خیال کریں کہ گناہ بھی نیت کے سبب سے نیکیاں بنجاتی ہیں اور یہ خیال کرنا سراسر خطا وغلطی ہے بلکہ اس ایک قسم کی نیت کو اس میں کچھ اثر نہیں مگر نیت بدلا سے اور بھی بُرا بنا دیتی ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کا دل خوش کرنے کیلئے غیبت کرے یا حرام کے مال سے مسجد یا مدرسہ بنائے اور

یہ کہے کہ میری نیت بخیر ہے۔ اور اس بات سے واقف نہ ہو کہ برائی میں اچھی نیت کرنا دوسری برائی کا مرتکب ہونا ہے اور اگر برائی کو برائی سمجھتا ہے تو فاسق ہے اور اگر اسکو نیکی جانتا ہے تو تب بھی فاسق ہے اسواسطے کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے اور اکثر لوگ جہالت کیوجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور اسیواسطے حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جہالت سے بڑھکر اور کوئی معصیت نہیں اور پھر اپنی جہالت سے ناواقف رہنا جہالت سے بھی زیادہ گناہ ہے اسلئے کہ آدمی جب اپنی جہالت سے واقف نہ ہوگا تو کبھی بھی کچھ نہ سیکھے گا۔ اور یہ جہالت اسکے حق میں حجاب وہ آڑ بنجائیگی اسیطرح ایسے شاگرد کو تعلیم دینا بھی حرام ہے جسکی غرض تعلیم حاصل کرنیسے عہدہ قضا اور وقف اشیاء اور یتیمونکے مال اور بادشاہونکے مال سے دنیا حاصل کرنا مدنظر ہو۔ اور محض اپنی بڑائی جتانے کیلئے مباحثہ اور مناقشہ میں مصروف ہو۔ اور اگر مدرس یہ کہے کہ میری نیت شرع کے علم کی اشاعت کرنا ہے اگر شاگرد علم کی برائی میں صرف کرے تو میں تو اپنی نیت کے مطابق اجر حاصل کرونگا۔ تو مدرس کا یہ کہنا بربنائے جہالت و نادانی ہے اس مدرس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو کسی کو راہزنی کیلئے تلوار دیدے یا ایسے کو انگور دے جو شراب بنائے اور کہے کہ مجھے اس سے سخاوت مقصود ہے اسلئے کہ حقتعالی سخی کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے تو ایسا خیال کرنا اسکی نادانی ہے بلکہ جب اس بات سے واقف ہو جائے کہ وہ راہزنی کریگا۔ تو اسکے ہاتھ سے تلوار چھین لینا چاہیئے بھلا دوسری تلوار اسکے ہاتھ میں پکڑا دینا کیسے درست ہوگا۔ اگلے تمام بزرگان مذہب نے عام فاجر سے حقتعالی کی پناہ طلب کی ہے اور جس شاگرد میں گناہ کا کچھ اثر بھی دیکھا۔ اس کو دور کر دیا۔ حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پرانے شاگرد کو اس بات پر نکالدیا تھا کہ اس نے اپنے مکان کے باہر کہگل کر لی تھی آپنے فرمایا تو نے کہگل کرنیسے مسلمانونکی شاہراہ میں سے ناخن بھر زمین غصب کر لی جا تجھ کو علم سکھانیکی ضرورت نہیں۔ پس گناہ اچھی نیت سے نیکی نہیں بنجاتے۔ بلکہ نیکی وہی ہے جسکا حکم کیا گیا ہو دوسری قسم اعمال کی طاعات ہیں۔ اور اس میں دو وجہ سے نیت اثر کرتی ہے ایک تو یہ کہ اصل عمل نیت سے درست ہوتا ہے دوسری یہ کہ نیت جسقدر زیادہ ہوتی ہے اسیقدر زیادہ ثواب ملتا ہے اور جو شخص علم نیت کو سیکھ لیتا ہے وہ ایک طاعت میں دس نیک نیتیں کر سکتا ہے تاکہ وہ ایک طاعت دس طاعات کے برابر ہو جائے مثلاً جب کوئی شخص مسجد میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھے تو ایک تو یہ نیت کرے مسجد اللہ تعالی کا گھر ہے اور جو شخص مسجد کو جاتا ہے وہ حقتعالی کی زیارت کو جاتا ہے اسواسطے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسجد کو گیا وہ حقتعالی کی زیارت کرنیکو گیا اور جسکی زیارت کیلئے کوئی شخص جاتا ہے اسپر زائر کی تکریم لازم ہو جاتی ہے دوسری نیت یہ ہے کہ دوسری نماز کی نیت کرتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ نماز کا منتظر نماز میں ہوتا ہے تیسری نیت یہ ہے کہ اس اعتکاف کیوجہ سے آنکھ۔ کان۔ زبان ہاتھ پاؤں کو حرکات بیجا سے محفوظ رکھونگا۔ اور یہ ایک قسم کا روزہ ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ مسجد میں بیٹھنا میری امت کی رہبانیت ہے۔ چوتھی نیت یہ کہ تمام دنیوی مشغلوں کو اپنے سے دور کرے تاکہ اپنے آپکو پورے طور پر حقتعالی اکے حوالہ کرکے

اور فکر و مناجات میں مشغول ہو۔ پانچویں نیت یہ کہ لوگوں کے شر سے اور انکی مخالطت سے محفوظ رہونگا۔ چھٹی نیت یہ کہ اگر مسجد میں کوئی امر منکر دیکھے تو اس سے منع کرے اور اگر نیکی دیکھے تو اسکا حکم کرے اور اگر کوئی شخص اچھی طرح نماز نہ پڑھتا ہو تو اسے سکھائے۔ ساتویں نیت یہ کہ شاید کسی دیندار سے ملاقات ہو جائے تاکہ اس سے دینی برادری قائم کرے کیونکہ مسجد دینداروں کی آرامگاہ ہے۔ آٹھویں نیت یہ کہ کسی معصیت کا مرتکب ہونے یا کسی گناہ کا ارادہ کرنے سے حقتعالیٰ سے شرم رکھے۔ اب اسی سے قیاس کر لو کہ ہر طاعت میں آدمی بہت سی نیتیں کر سکتا ہے تاکہ ثواب زیادہ ہو جائے۔ تیسری قسم اعمال کی مباحات ہے کسی آدمی کو مباحات میں بہائم کیطرح غفلت سے کام نہ لینا چاہیئے اور نیکی سے غفلت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ یہ امر نقصان کثیر کا موجب ہے کیونکہ تمام مباحات و حرکات و سکنات وغیرہ کا حساب لیا جائیگا اور بری نیت ہوگی تو عذاب ہوگا اگر اچھی ہوگی۔ تو ثواب ہوگا۔ اگر کچھ بھی نیت نہ ہوئی تو تب بھی سراسر نقصان کا موجب ہے کہ اپنے وقت کو ضائع کیا بلا نیت خیر کے کام میں وقت ضائع کیا اور اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور آیۃ کریمہ کے خلاف عمل کیا وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا یعنی دنیا تو گذرنے والی ہے تو اس سے اپنا حصہ لے لے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ کے ہر کام کی نسبت سوال کیا جائیگا۔ جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہوگا۔ حتیٰ کہ سرمہ جو آنکھ میں لگایا ہوگا یا مٹی کا ڈھیلا جو ہاتھ میں ملا ہوگا یا ہاتھ جو کسی بھائی کے کپڑے کو چھوا ہوگا۔ مباحات کی نیت کا علم بھی بہت بڑا ہے اسے بھی سیکھنا چاہیئے اسکی مثال ایسی ہے جیسے خوشبو کا استعمال مباح ہے مگر ممکن ہے کہ کوئی شخص جمعہ کے روز خوشبو لگائے اور اس سے اسکا مقصد تونگری ظاہر کرنا یا تفاخر جتانا ہو یا یا لوگوں پر اپنی نفاست ظاہر کرنا ہو۔ یا کسی برے خیال کی بنا پر عورتوں کے دل میں جگہ کرنا مقصود ہو اور خوشبو کے استعمال کرنے میں اچھی نیتیں یہ ہوتی ہیں کہ خانۂ خدا کی تعظیم و تکریم مد نظر ہو۔ اور یہ نیت کرے کہ میری خوشبو سے میرے قریب کے بیٹھنے والوں کو راحت پہنچے اور وہ حظ اندوز ہوں اور یہ خیال کرے کہ خوشبو کے استعمال سے بدن کی بو کو دور کرنا منظور ہے تاکہ لوگ اسکی تکلیف سے بچے رہیں اور میری غیبت سے گناہ کے مرتکب نہ ہو جائیں اور دماغ کو قوت دینے کی نیت کرے تاکہ اسکی صفائی سے ذکر و فکر پر زیادہ قادر ہوں۔ اس قسم کی نیک نیتی اس شخص سے ہوتی ہے جسپر نیکیوں کے قصد نے غلبہ پا لیا ہو ہو۔ اور ان میں سے ہر ایک نیت جناب باری کی قربت کا سبب ہوتی ہے سلف صالحین کی یہی حالت تھی حتیٰ کہ وہ کھانا کھانے اور حاجت رفع کرنے اور جورو کیساتھ جماع کرنے میں بھی ایسی نیت کرتے تھے جو خیر کا سبب ہوتی آدمی جب کسی نیک کام کی نیت کرتا ہے تو اسے ثواب حاصل ہوتا ہے مثلاً جورو کے ساتھ جماع کرنے میں نیت ہو کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہوگا اور اپنی اہلیہ کو راحت پہنچیگی اور یہ نیت بھی کہ میں خود اور یہ دونوں گناہ سے محفوظ رہینگے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن الٹا کپڑا پہن لیا۔ لوگوں نے کہا اگر آپ ہاتھ پھیلا دیں تو ہم کپڑا سیدھا کر دیں آپ نے ہاتھ سمیٹ لیا۔ اور کہا کہ میں نے الٹا کپڑا خدا کیلئے پہنا ہے اور اسی کیلئے سیدھا کراؤنگا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کہیں مزدوری کرنے کیلئے تشریف لیگئے تھے لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اسوقت آپ کھانا کھانے میں

مشغول تھے۔ آپ نے ان لوگوں سے نہ کہا کہ تم بھی کھاؤ۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اگر میں یہ سب کھانا نہ کھاتا تو مجھ سے اچھی طرح محنت نہ ہو سکتی۔ کام کرنے میں تھک جاتا اور ہمت و سخاوت کی بنا پر ادائے فرض خدمت سے محروم رہتا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کھانا نوش فرما رہے تھے ایک شخص آپکے سامنے سے گزرا آپنے اسکو کھانا کھانے کیلئے نہ فرمایا۔ جب آپ کھانے سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ اگر یہ کھانا میں نے قرض نہ لیا ہوتا تو میں بلاشک تجھ کو کھانیکو کہتا پھر ارشاد کیا کہ اگر کوئی شخص کسیکو کھانے کیلئے کہے اور دل میں اس کے کھانے سے راضی نہ ہو تو اگر وہ کھانا نہ کھائے تو بلانیوالے کو ایک ہی گناہ ہوا یعنی نفاق۔ اور اگر اس نے کھا لیا تو بلانیوالے سے دو گناہ سرزد ہوئے ایک تو نفاق دوسرا خیانت کیونکہ اگر کھانیوالا اس سے واقف ہوتا تو ہر گز نہ کھاتا۔

اس بات کا بیان کہ نیّت اختیار میں نہیں

جاننا چاہیئے کہ جب کوئی سلیم دل شخص اس بات کو سنیگا کہ ہر مباح میں نیّت ممکن ہے شاید دل یا زبان سے کہے کہ میں خدا کیلئے نکاح کرتا ہوں یا خدا کیلئے روٹی کھاتا ہوں۔ یا خدا ہی کیلئے مجلس درس کرتا ہوں اور یہ خیال کرے کہ دل اور زبان سے یہ کہنا نیّت ہے حالانکہ یہ ایک زبانی بات ہے اور حدیث نفس ہے کیونکہ نیّت تو ایک رغبت اور کشش ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے تاکہ آدمی کو کام میں مشغول کرے جیسا کہ متقاضی الحال کرتا ہے تاکہ بدن اسکے حکم کے مطابق کام کرنے لگے اور یہ بات اسوقت پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ غرض ظاہر ہو اور غالب ہو جائے جب یہ متقاضی نہ ہوگا تو زبانی نیّت ایسی ہوگی کہ جیسے کوئی ایسا شخص جو سیر ہو وہ یہ کہے کہ میں نے بھوکا رہنے کی نیّت کی ہے یا کوئی بے پروا آدمی یہ کہے کہ میں نے فلاں آدمی کو دوست رکھنے کی نیّت کی ہے اور یہ محال ہے جیسے وہ شخص کہ جو شہوت کے سبب سے جماع کرے اور کہے کہ میں نے اولاد پیدا کرنیکی نیت سے جماع کرنیکا ارادہ کیا ہے تو یہ بات ایک بیہودہ بات ہے اسیطرح جب شہوت پرستی کے سبب سے نکاح کرے اور یہ کہے کہ میں نے ادائے سنت کیواسطے نکاح کیا ہے تو یہ بھی ایک لغو اور بیہودہ بات ہے بلکہ پہلے تو شریعت پر ایمان قوی ہونا چاہیئے اور پھر آدمی کو چاہیئے کہ اولاد کے پیدا کرنے وغیرہ کے باب میں جو احادیث ہیں ان میں غور و تفکر کرے تاکہ اس کے دل میں اس ثواب کا لالچ پیدا ہو اور نکاح کرانیکا سبب ہو اسوقت بلا زبان سے کہنے کے خود بخود ادائے سنت کی نیّت ہوگی اور جس شخص کو فرمانبرداری کی غرض نے نماز پر آمادہ کیا ہو تو اسکا زبان سے یہ کہنا کہ میں نے تعمیل حکم الٰہی کی ہے بالکل بیہودہ اور بے فائدہ ہے جیسے کہ کوئی بھوکا آدمی یہ کہے کہ بس میں نے بھوک کیلئے روٹی کھانیکی نیّت کی تو ایک بیفائدہ بات ہے کیونکہ بھوکا ہونیکی حالت میں چاروناچار روٹی کھانا خود بھوک ہی کیلئے ہے اور جہاں حظ نفس پیدا ہو چکا ہو۔ وہاں نیّت آخرت مشکل سے ہوتی ہے مگر اس حالت میں جب کہ کارِ آخرت غالب ہو چکا ہو۔ پس مقصود یہ ہے کہ تو اس بات سے واقف ہو جائے کہ نیّت وہ چیز ہے جو تیرے اختیار میں نہیں کیونکہ نیّت

اس خواہش کا نام ہے جو تجھے کام میں لائے اور تیرا کام تیری قدرت سے ہوتا ہے اگر تو چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے لیکن تیری خواہش تیرے قبضہ و اختیار میں نہیں کہ تو چاہے تو خواہش کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے بلکہ خواہش تو کبھی پیدا ہوتی ہے اور کبھی پیدا نہیں ہوتی اور خواہش کے پیدا ہونیکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تیرا یہ اعتقاد ہو جائے کہ تیری غرض اس جہان سے یا اس جہان سے کسی کام کے متعلق ہے تاکہ تو اسی کی طلب کرے اور جو شخص اس بھید سے واقف ہو جاتا ہے وہ بہت سی عبادات کو ترک کر دیتا ہے کیونکہ اسکی نیت حاضر نہیں ہوتی ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ نہ پڑھی فرمایا کہ میں نیت نہیں پاتا۔ کسی شخص نے حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے دعا چاہی آپ نے فرمایا جب تک نیت پیدا ہو۔ اسوقت تک انتظار کر۔ لوگ جب آپ سے حدیث روایت کرنیکی درخواست کرتے تو کبھی تو آپ روایت کرتے اور کبھی نہ کرتے اور فرماتے ہیں تو نیت کا منتظر رہتا ہوں ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایک مہینہ سے میں فلاں مریض کی عیادت کیلئے جانے کی نیت درست کر رہا ہوں اور ابھی تک میری نیت درست نہیں۔ غرضیکہ جبتک حرصِ دنیوی کا غلبہ رہتا ہے اسوقت تک اسکی نیت درست نہیں رہتی۔ بلکہ ادائے فرائض میں بھی مشکل ہی سے درست ہوتی ہے اور کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ جبتک آدمی آتش دوزخ کا خیال کر کے اپنے آپکو اس سے خوف نہ دلائے۔ تب تک نیت درست نہیں ہوتی جب کوئی شخص ان حقیقتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ فضائل کو چھوڑ کر مباحات میں مشغول ہو جاتا ہے کیونکہ مباحات میں وہ نیت کو دیکھتا ہے مثلاً کوئی شخص قصاص میں نیت پائے لیکن عفو و درگزر کیلئے نیت نہ پائے تو ایسے شخص کے لئے قصاص لینا بہتر ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ نماز تہجد کی نیت نہ پائے اور سو رہنے کی نیت پائے تاکہ صبح کی نماز کیلئے سویرے اٹھوں تو ایسے شخص کیلئے سو رہنا افضل ہے بلکہ اگر عبادت سے پریشان اور ملول ہو اور یہ جانتے کہ اگر وہ ساعت بھر کیلئے اپنی جورو سے دل لگی کریگا۔ یا کسی سے خوش طبعی کی باتیں کریگا تو اسے فرحت انبساط حاصل ہوگی اور عبادت میں دل لگے گا۔ تو اس نیت سے یہ دل لگی اور خوشی اس بدلی کی عبادت سے افضل و بہتر ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کبھی کبھی اپنے آپکو لہو و لعب سے آرام پہنچاتا ہوں تاکہ حقتعالی کی عبادت کیلئے نشاط و فرحت حاصل کروں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر تو ہمیشہ ایک کام میں جبراً دل کو مشغول کریگا۔ تو تیرا دل اندھا ہو جائیگا اور یہ امر ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کسی بیمار کو گوشت کھلائے اگرچہ اس بیمار کو حرارت ہو لیکن گوشت کھلانیسے طبیب کی یہ غرض ہو کہ گوشت کھانے سے مریض کی طاقت اصلی عود کر آئے اور اسے دوا کھانیکی طاقت حاصل ہو جائے کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ صفِ جنگ سے بھاگ جاتا ہے تاکہ دشمن کی پشت پر ناگہانی حملہ کرے استادوں نے ایسے بہت سے حیلوں سے کام لیا ہے اور دین کی راہ بھی نفس کیساتھ ایک قسم کا جنگ و مناظرہ ہے اور اس میں بھی تلطف و حیلہ کی ضرورت ہے۔ اور بزرگان دین کے نزدیک حیلہ ایک پسندیدہ امر ہے اگرچہ علمائے

ناقص اس بات سے ناواقف ہیں۔

فصل جب تجھے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ جس باعث سے عمل ظہور پذیر ہوتا ہے اسے نیت کہتے ہیں تو اب یہ جاننا چاہیئے کہ کوئی شخص تو خوفِ دوزخ کے سبب سے عبادت کرتا ہے اور کوئی نعمت بہشت کے لالچ سے عبادت کرتا ہے جو شخص بہشت کے لالچ سے عبادت کرتا ہے وہ پیٹ اور فرج کا بندہ ہے کیونکہ ایسے مقام میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہے جہاں اسکے پیٹ اور فرج کی مراد حاصل ہو اور جو دوزخ کے خوف سے عبادت کرتا ہے وہ ایسے بدذات غلام کیطرح ہے جو بلا لاٹھی کے دھمکائے سے کام نہیں کرتا۔ ان دونوں کو حقتعالیٰ سے کچھ کام نہیں بلکہ حقتعالیٰ کا بندۂ خاص وہ ہے جسکا ہر عمل خدا کیلئے ہو۔ نہ تو دوزخ کے ڈر سے ہو اور نہ بہشت کے لالچ سے ایسے بندہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے معشوق کیطرف صرف معشوق ہی کیلئے دیکھتا ہے سو اسواسطے نہیں دیکھتا کہ معشوق اسے سونا چاندی دے تو جو شخص سیم وزر کے لالچ سے دیکھتا ہے۔ حقیقت میں اسکا معشوق تو وہی سونا چاندی ہے پس جو شخص حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا خواہاں نہیں اس سے ایسی نیت نہ ہوسکیگی اور جس شخص کو یہ نیت حاصل ہوتی ہے۔ اسکی عبادت حقتعالیٰ کے خیال میں تفکر اور اس کیساتھ مناجات میں مشغول ہونا ہوتی ہے اگر وہ بدن سے عبادت کرتا ہے تو اسلئے کرتا ہے کہ وہ محبوب کی فرمانبرداری کو دوست رکھتا ہے اور بدن کو بھی ریاضت میں ڈالنا چاہتا ہے تاکہ جہانتک ہوسکے اسکو درگاہ محبوب کی بندگی اور رضا ہی کیطرف مشغول کرے تاکہ اسکا دل اسکے جمال بیمثال کے نظارہ سے لذت اندوز ہو۔ اور اگر وہ گناہ کی لذت کو ترک کردیتا ہے تو اس سے کہ شہوت پرستی مشاہدہ اور مناجات کی لذت میں خلل انداز ہوتی ہے اور درحقیقت ایسا بندہ ہی عارف حق ہوتا ہے حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حقتعالیٰ کو خواب میں دیکھا حقتعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ سب لوگ مجھ سے طلب کرتے ہیں لیکن ابویزید مجھ کو طلب کرتا ہے لوگوں نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حقتعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا سلوک کیا آپنے فرمایا حقتعالیٰ نے مجھ پر عتاب کیا کیونکہ میری زبان سے ایکدفعہ نکل گیا تھا کہ اگر بہشت فوت ہوجائے تو اس سے زیادہ کیا نقصان ہے حق تعالیٰ نے فرمایا یہ نہیں میرا دیدار فوت ہونے سے زیادہ اور کیا نقصان ہوگا۔ اس دوستی کی حقیقت و لذت اصلِ محبت میں بیان کیجائیگی۔

باب دوم اخلاص و فضیلت و حقیقت اور اسکے درجات کے بیانمیں

جاننا چاہیئے کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اور فرمایا أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ خالص دین اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے اور جس شخص کے دل میں میں اسے رکھتا ہوں اسکو دوست رکھتا ہوں اور

فرمایا حضور نے اے معاذ عمل اخلاص کیساتھ کر تاکہ تجھے تھوڑا ہی کفایت کرے اور جو کچھ ہم نے ریا کی مذمت میں بیان
کیا ہے وہ اخلاص کی تعریف پر مبنی ہے کیونکہ نظرِ خلق بھی منجملہ ان اسباب کے ہے جو اخلاص کو لیجاتے ہیں اسکے علاوہ
اور اسباب بھی ہیں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپکو کوڑے لگاتے اور کہتے یا نفسُ اَخلِصِی تَخلَصِی
اخلاص پیدا کر تاکہ خلاصی پائے ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص نیکبخت ہے جس نے اپنی عمر میں ایک قدم اخلاص سے
اٹھایا ہو۔ اور اس میں سوائے حقتعالی کے اور کسی شے کو نہ چاہا ہو۔ ابو ایوب سجستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیت
میں اخلاص کرنا اصل نیت سے زیادہ مشکل ہے۔ ایک بزرگ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا پوچھا حقتعالی نے آپ سے کیا
معاملہ کیا۔ انہوں نے فرمایا جو کچھ میں نے حقتعالی کیلئے کیا تھا اس کو میں نے نیکیوں کے پلہ میں دیکھا حتی کہ ایک انار
کا دانہ کہ راہ میں پڑا ہوا تھا۔ اور میں نے اٹھا لیا تھا اور ایک بلی جو میرے گھر میں مری تھی وہ بھی اس میں موجود تھی
اور ایک ریشمی دھاگا جو میری ٹوپی میں تھا اسکو میں نے گناہوں کے پلے میں پایا۔ اور ایک میرا گدھا جسکی قیمت سو دینار
تھی اور وہ مر چکا تھا۔ اسکو میں نے نیکیوں کے پلہ میں نہ دیکھا میں نے کہا سبحان اللہ بلی تو نیکیوں کے پلہ میں ہو اور گدھا
نہ ہو جواب ملا کہ جس جگہ تو نے بھیجا وہیں پہنچا۔ کیونکہ جب تو نے گدھے کا مرنا سنا تھا تو کہا تھا۔ الی لعنت اللہ
اگر فی سبیل اللہ کہتا تو گدھے کو بھی نیکیوں کے پلہ میں دیکھتا اور ایکبار میں نے حقتعالی کی راہ میں صدقہ دیا تھا
اسوقت لوگ دیکھ رہے تھے انکا دیکھنا مجھے اچھا معلوم دیا اور وہ میرا صدقہ رائیگان گیا۔ حضرت سفیان ثوری
رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر کہا۔ کہ اس نے دولتِ گرانمایہ پائی۔ کہ سکو اس قدر نقصان نہ پہنچا۔ بنی اسرائیل میں ایک
عابد تھا لوگوں نے اس سے کہا۔ کہ فلاں جگہ پر ایک درخت ہے اور لوگ اسکی پرستش کرتے ہیں اور اسکو خدا سمجھتے ہیں یہ
سن کر عابد کو غصہ آگیا۔ تبر لے کر اٹھ بیٹھا تاکہ اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے راستہ میں ابلیس علیہ اللعنۃ ایک پیر مرد
کی صو یں اس سے ملا۔ اور کہا کہ کہاں جا رہا ہے عابد نے کہا اس درخت کو اکھاڑنے کیلئے جا رہا ہوں ابلیس نے کہا کہ جا
اور حق تعالی کی عبادت میں مشغول ہو وہ تیرے لئے بہتر ہے عابد نے کہا یہی میری عبادت ہے کہ میں اس درخت کو جڑ
سے اکھاڑ ڈالوں۔ ابلیس نے کہا میں تجھے جانے نہ دونگا اور یہ کہہ کر ابلیس اس سے لڑنے لگا۔ عابد نے اسکو زمین
پر گرا دیا۔ اور اسکے سینہ پر ہو بیٹھا۔ ابلیس نے کہا مجھے چھوڑ دے تاکہ میں تجھے ایک بات کہوں اس نے چھوڑ دیا ابلیس
کہنے لگا۔ کہ اے عابد حقتعالی کے پیغمبر موجود ہیں اگر اس درخت کو اکھاڑنا ہی ہوتا تو حقتعالی انکو حکم فرماتا۔ تاکہ وہ اس
کو اکھاڑ ڈالتے۔ تجھ کو اس امر کا حکم نہیں دیا گیا۔ تو مت کر عابد نے کہا میں ضرور کرونگا۔ ابلیس نے کہا میں تجھے جانے
نہ دونگا اور پھر جنگ کرنے لگا۔ عابد نے اس کو پھر زمین پر پچھاڑ دیا۔ ابلیس نے کہا چھوڑ تاکہ میں تجھے دوسری بات
بتاؤں اگر وہ تجھے پسند نہ آئے تو پھر جو تیرا جی چاہے وہ کرنا عابد نے پھر اسکو چھوڑ دیا ابلیس کہنے لگا اے عابد تو
مرد درویش ہے لوگ تیری خدمتگزاری کرتے ہیں اگر تیرے پاس کچھ ہے تو وہ تو دوسرے عابدوں کو دیدے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے

کیونکہ اگر تو اس درخت کو کاٹ ڈالیگا تو پرستش کرنیوالوں کو کچھ نقصان نہ پہنچیگا۔ وہ اور درخت لگالیں گے تو تو اس خیال کو ترک کردے میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہر روز تیرے تکیہ کے نیچے دو دینار رکھدیا کرونگا۔ عابد نے اپنے دل میں خیال کیا یہ سچ کہتا ہے ایک دینار میں خدا کی راہ میں صدقہ دیا کرونگا اور دوسرا دینار اپنے کام میں صرف کرونگا یہ امر اس درخت کے کاٹنے سے بہتر ہے اور مجھے حق تعالیٰ نے حکم بھی نہیں دیا۔ میں پیغمبر نہیں ہوں کہ اس درخت کا کاٹنا میرے لئے واجب ٹھہرے عابد یہ خیال کرکے گھر واپس چلا آیا اور دوسرے روز دو دینار حاصل کئے اور تیسرے روز بھی دو دینار پائے اور کہا کہ اچھا ہوا کہ میں نے اس درخت کو نہ اکھاڑا۔ چوتھے روز اس عابد نے کچھ بھی نہ پایا غصہ میں آگیا اور پھر تبر اٹھالیا اور درخت کاٹنے چلا۔ ابلیس راہ میں ملا کہا کہاں جا رہا ہے عابد نے کہا درخت کاٹنے کو جا رہا ہوں ابلیس نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے خدا کی قسم تو تو ہرگز ہرگز درخت کو نہیں اکھاڑ سکتا۔ پھر دونوں کشتی کرنے لگے شیطان نے عابد کو پچھاڑ لیا۔ اور عابد کی حالت اسکے ہاتھ میں ایک چڑیا کی مثل تھی اور اس نے عابد سے کہا کہ واپس جاتا ہے یا نہیں ورنہ ابھی بکری کی طرح تیرا سر کاٹ دیتا ہوں عابد نے کہا۔ مجھے چھوڑ دے تاکہ میں جاؤں لیکن اتنا تو بتا کہ پہلے دو بار میں کیوں غالب آیا اور اب تو نے کیوں غلبہ حاصل کیا۔ شیطان نے کہا پہلے دو بار تیرا غصہ حقتعالیٰ کیلئے تھا۔ اس لئے حقتعالیٰ نے مجھ کو تیرا مسخر کردیا۔ کیونکہ جو شخص خالصۃً للہ کام کرتا ہے مجھ کو اسپر قابو حاصل نہیں ہوتا اور اس بار تو اپنے لئے اور دنیا کیلئے مجھ پر خشمگین ہوا تھا۔ اسلئے حقتعالیٰ نے تجھ کو میرا مسخر کردیا۔ کیونکہ جو شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے وہ ہم سے پورا نہیں اترتا۔

حقیقت اخلاص

جاننا چاہیئے کہ جب تو نے یہ جان لیا کہ عمل کا باعث نیت ہوتی ہے اور اس کی متقاضی ہے تو اگر وہ متقاضی ایک ہو تو اسے خالص کہتے ہیں اور جب دو ہوں تو وہ خالص نہ ہوگی۔ اس میں ملاوٹ ہوگی جیسے کوئی شخص روزہ تو حقتعالیٰ کیلئے رکھے لیکن کھانے سے پرہیز کرنا بھی اسے مقصود ہو تاکہ تندرست رہے یا گھر کا خرچ کم ہو جائے یا کھانے پکانے کی محنت بچانا مقصود ہو یا اور کسی کام میں مشغول ہونا مدنظر ہو۔ یا یہ کہ جاگتا رہے تاکہ اور کوئی کام کرسکے یا غلام کو آزاد کرے تاکہ اسکے خرچ اور بدخوئی سے محفوظ رہے یا تبدیل آب و ہوا کی غرض سے حج کرے تاکہ تندرستی حاصل کرلے یا یہ کہ شہروں کی سیر کرے یا زن و فرزند اور انکے رنج وغیرہ سے چند دن آرام حاصل کرے یا کسی دشمن کے رنج سے رہائی پائے یا نیند نہ آنکی غرض سے رات کو نماز پڑھے تاکہ اپنے مال کی حفاظت کرے یا روزی حاصل کرنیکی غرض سے علم سیکھے یا اس غرض سے کہ لوگوں کی نظر میں معزز و ممتاز ہو۔ یا چپ رہنے کے رنج سے رہائی پانیکے لئے جلسہ درس کرے یا اپنے خط کو صاف اور پختہ کرنیکے لئے قرآن شریف لکھے یا کرایہ بچانے کیلئے پاپیادہ حج کرے یا ٹھنڈا اور صاف ستھرا رہنے کی غرض سے

وضو کرے یا بدبو کو دور کرنیکی غرض سے غسل کرے یا گھر کے کرایہ سے بچنے کی غرض سے مسجد میں اعتکاف کرے یا سائل کی ملال والحاح سے بچنے کیلئے خیرات دے یا کسی فقیر کو ناکام پھیر دینے کی شرم سے بچنے کے خیال سے کچھ دے۔ یا لوگوں کی ملامت سے بچنے کے خوف سے یا اس خیال سے کہ جب وہ بیمار ہو تو لوگ اسکی عیادت کو آئیں کسی بیمار کی عیادت کو جائے یا صالح و نیک مشہور ہونیکی غرض سے اچھے اور نیک کام کرے یہ تمام امور ریا میں داخل ہیں اور ریا کا حکم ہم بیان کر چکے ہیں یہ خیالات کم ہوں یا زیادہ اخلاص کو باطل کر دیتے ہیں بلکہ خالص عمل وہی ہے جس میں اپنی ذات کا کچھ فائدہ اور حصہ نہ ہو بلکہ وہ کام خالص خدا ہی کیلئے ہو۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اخلاص کیا شے ہے حضورؐ نے فرمایا اخلاص یہ ہے کہ اَنْ تَقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ یعنی تو یہ کہے کہ میرا پروردگار خدا ہے پھر راہ راست اختیار کئے رہ جیسا کہ تجھ کو حکم دیا گیا ہے آدمی جبتک صفاتِ بشری سے خلاصی نہ پائیگا۔ تب تک اسپر یہ امر نہایت دشوار ہوگا۔ اسلیئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اخلاص سے زیادہ کوئی شے دشوار و سخت نہیں۔ اگر تمام عمر میں ایکبار بھی اخلاص کیا جائے تو تب بھی نجات کی امید ہے اور اس میں شک نہیں کہ صفاتِ بشریت اور اغراض سے ایک کام کو صاف و خالص و علیحدہ کرنا ایسا ہے جیسا گوبر و خون میں سے دودھ کا نکالنا جیسا کہ حقتعالی نے ارشاد فرمایا ہے مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ۔ پس اسکا علاج یہ ہے کہ دل دنیا سے ٹوٹا رہے تاکہ حقتعالی کی دوستی غالب ہو اور ایسے عاشق کیطرح ہو جائے کہ جو کچھ چاہے اپنے معشوق کیلئے چاہے ایسا شخص اگر طعام کھائے یا قضائے حاجت کو جائے ممکن ہے کہ اس میں بھی اخلاص کی نیت کر سکے اور جس شخص پر دنیا کی محبت غالب ہو جاتی ہے اس کیلئے نماز روزہ میں بھی اخلاص کرنا مشکل ہے کیونکہ آدمی کے اعمال دل کی صفت حاصل کرتے ہیں اور جسطرف دل کی رغبت ہوتی ہے اسیطرف راغب ہوتے ہیں۔ جس شخص پر دنیوی جاہ کی محبت غالب ہو جاتی ہے اسکے تمام کام دکھاوا ہوتے ہیں حتّٰی کہ صبح کے وقت ہاتھ منہ دھونا اور کپڑے پہننا بھی لوگوں ہی کیلئے ہوا کرتا ہے اور مجلس و درس روایت و حدیث اور وہ کام جو خلق سے متعلق ہیں ان میں اخلاص سب سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ اکثر ایسے کاموں کا سبب صرف قبولِ خلق کی خواہش ہوتی ہے یا اُس سے ملی جُلی ہوتی ہے ایسی صورت میں خلق کی قبولیت کا قصد یا تقرب خدا کے قصد کی طرح ہوگا اور اس میں کچھ نہ کچھ آمیزش ضرور ہوگی۔ اور قصد قبول خلق سے نیت کو پاک رکھنا اکثر علماء سے بھی ممکن نہیں مگر بعض احمق اپنے آپکو مخلص خیال کرتے ہیں اور دھوکا کھاتے ہیں اور اپنے عیب سے واقف نہیں ہوتے بلکہ بہت دانا لوگ بھی اس معاملہ میں حیران اور عاجز ہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس برس کی پڑھی ہوئی نماز کو قضا کیا۔ جو میں نے پہلی صف میں پڑھی تھی کیونکہ ایک دن میں ذرا دیر سے آیا۔ اور آخر صف میں مجھے جگہ نصیب ہوئی۔ تو میں لوگوں سے شرمندہ ہوا کہ وہ کہینگے کہ دیر کر کے آیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میری تمام خوشی اسلیئے تھی کہ لوگ مجھ کو صف اول میں دیکھیں پس اخلاص ایک صفت ہے جسکو جاننا نہایت

دشوار و مشکل ہے اور اس پر عمل کرنا اور بھی مشکل ہے اور جس عمل میں ملاوٹ ہو۔ اور اخلاص سے خالی ہو اسے درجۂ قبولیت نصیب نہیں ہوتا۔

فصل بزرگوں کا مقولہ ہے کہ عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی عمر بھر کی نمازوں سے افضل ہے کیونکہ جاہل اپنے اعمال کی آفات سے بےخبر ہوتا ہے اور اعمال میں اغراض کی آمیزش سے واقف نہیں ہوتا اور تمام اعمال کو خالص ہی خیال کرتا ہے کیونکہ عبادت کا کھوٹا پن بھی زر کے کھوٹے پن کے برابر ہے کیونکہ زر کے پرکھنے میں صرّاف سے غلطی بھی ہو جاتی ہے مگر جو صرّاف کامل ہوتا ہے وہ اسے پرکھ سکتا ہے اور اس سبب سے جاہل بھی واقف ہیں کہ سونا وہی ہے جو زرد ہو اور سونے کی صورت میں ہو اور عبادت کا ناخالص پن جسکے سبب سے اخلاص نہیں رہتا اسکے چار مدارج ہیں بعض تو ان میں نہایت پوشیدہ ہوتے ہیں ان درجوں کو ہم ریا کی صورت پر تصوّر کرتے ہیں تاکہ انکا حال معلوم ہو سکے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اسکے نماز پڑھنے کی حالت میں لوگ آجاتے ہیں تو شیطان اسے یہ کہتا ہے کہ نماز ذرا احتیاط سے پڑھ تاکہ یہ لوگ تجھ کو ملامت نہ کریں یہ درجہ تو خود ظاہر ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ یہ نمازی اس فریب کو پہچان لے اور اس سے حذر کرے تو شیطان اسکو اسطرح جال میں پھانسے کہ تو اچھی طرح نماز پڑھ تاکہ لوگ تیری اقتدا پر مائل ہوں اور تجھے انکی اقتدا کا ثواب نصیب ہو۔ تو ممکن ہے نمازی اس فریب میں آجائے اور یہ نہ سمجھے کہ اقتدار کا ثواب اسوقت حاصل ہوتا ہے جبکہ اسکے خشوع کا نور اوروں میں اثر کرے اور اگر وہ خاشع نہ ہو اور مقتدی اسکو خاشع خیال کریں تو یہ ثواب ان مقتدیوں کو ہوگا اور اس کو نفاق کے سبب سے ماخوذ کیا جائیگا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہو کہ خلوت میں برملا نماز پڑھنے کے خلاف نماز پڑھنا نفاق میں داخل ہے اور خلوت میں نماز اچھی طرح ادا کرنیکی کوشش کرے تاکہ لوگوں کے روبرو بھی اسیطرح نماز ادا کر سکے یہ درجہ نہایت پوشیدہ ہے اور اس میں کچھ ریا بھی ہے مگر یہ ریا اپنی ذات تک ہی محدود ہے کیونکہ محض اپنے سے شرم رکھتا ہے کہ تنہائی میں جماعت کے خلاف نماز پڑھے تو جماعت میں اچھی طرح نماز پڑھنے کیواسطے تنہائی میں بھی اچھی طرح پڑھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ظاہری ریا سے چھوٹا لیکن درحقیقت تنہائی میں بھی خود ریا کار ہوتا ہے چوتھا درجہ یہ ہے اور یہ درجہ نہایت ہی پوشیدہ ہے اور وہ اسبات سے واقف ہو کہ وہ خلوت اور جلوت میں خلق کیواسطے خشوع کرنا کسی کام نہیں آتا۔ اور شیطان اس سے کہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت سے اندیشہ کر۔ شاید تو نہیں جانتا کہ کہاں کھڑا ہے۔ حتّٰی کہ وہ شخص یہ خیال کرکے خاشع ہو جائے اور لوگوں کی نظروں میں آراستہ ہو۔ اگر خلوت میں ایسا خطرہ اسکے دل میں نہیں آتا تو لوگوں کے سامنے ایسے خیالات آنا ریا میں داخل ہے آدمی جب اسوقت کی عظمت کو یاد کرتا ہے کہ جسوقت اور خلق ایکدوسرے کے کام نہ آئیگی۔ تو یہ خطرہ دفع ہو جاتا ہے بلکہ اسکے نزدیک تمام آدمیوں اور چارپایوں کی نظر برابر ہو جانا چاہیئے اگر اسے تھوڑا سا فرق بھی معلوم ہو تو یہ سمجھ لے کہ وہ ابھی ریا سے خالی نہیں ہے اور یہ مثالیں جو ہم نے ریا میں بیان کی ہیں اس قسم کے بہت سے دھوکے اُن

اغراض میں بھی ہوتے ہیں۔ جو بیان بالا میں درج کئے گئے ہیں اور جبتک یہ شخص ان باریکیوں سے واقف نہ ہوگا۔ عبادت کا اجر نہ حاصل کریگا۔ ایسا شخص خواہ مخواہ اپنی جان کو برباد کرتا ہے اور جو کچھ بھی کرتا ہے سب ضایع ہوتا ہے اور یہ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اُسی کے حق میں ہے وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ۔ ان پر خدا کیطرف سے وہ ظاہر ہو۔ جس کا وہ گمان رکھتے تھے۔

فصل جاننا چاہیئے کہ جب نیت میں ملاوٹ ہوگئی اور ریا یا کوئی اور غرض عبادت کی نیت پر غلبہ حاصل کر گئی تو یہ امر عذاب کا موجب ہوگا۔ اور اگر برابر ہوا تو نہ عذاب کا باعث ہوگا۔ اور نہ ثواب کا۔ اگر نیت ریا کمزور ہے تو عمل کو ثواب سے خالی نہ ہونا چاہیئے اگرچہ احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب نیت میں ملاوٹ ہو۔ اور خلوص نہ ہے تو حقتعالیٰ کا حکم ہوگا کہ جس کیواسطے تو نے عمل کیا تھا۔ اب اُسی سے جا کر اجر طلب کر مگر ہمارے نزدیک اس عمل سے وہ عمل مراد ہے کہ جس میں دونوں ارادے برابر ہوں اس میں بندہ کو اجر سے محروم کر دیا جائیگا اور جب بندہ اسکا اجر طلب کریگا۔ تو اس سے کہا جائیگا کہ اسکا اجر اس سے جا کر مانگ جس کیواسطے تو نے یہ عمل کیا تھا اور جس جگہ پر حدیث عذاب کی دلیل ہے وہاں یہ امر ہے کہ عمل میں ریا ہی ریا مقصود ہو۔ یا ریا اس عمل پر غالب ہو لیکن اگر اصلی باعث قصد تقرب ہے اور ریا وغیرہ کی نیت ضعیف ہے تو پھر ثواب ملنا چاہیئے اگرچہ وہ نیت خالص کے برابر نہ ہو اس امر کو ہم دو دلیلوں کی بنا پر اختیار کرتے ہیں ایک تو یہ ہے کہ دلائل سے ہم پر واضح ہوگیا ہے کہ عقوبت کے معنے صرف یہی ہیں کہ جناب آلہی کی شائستگی سے دل دور رہے اور یہ دوری حجاب کی آگ میں جلنے کا باعث ہوتی ہے اور حقتعالیٰ کے تقرب حاصل کرنیکا ارادہ سعادت کا تخم ہے اور دنیا کا قصد شقاوت کا موجب ہے۔ اور جب اس نے دونوں قصد ونکی مدد کی۔ تو گویا انکو قبول کیا۔ ایک قصد تو اس کیلئے درگاہ آلہی سے دوری کا باعث ہے اور دوسرا قربت کا جب یہ دونوں برابر ہوئے تو ایک قصد اسے بالشت بھر نزدیک کر دیتا ہے اور دوسرا قصد اتنا ہی دور کر دیتا ہے اور اس صورت میں یہ وہیں کا وہیں رہتا ہے جہاں کہ پہلے تھا اور اگر آدھ بالشت نزدیکی حاصل ہوئی تو کچھ دوری رہ جائیگی اور اگر آدھ بالشت دوری حاصل ہوئی تو کچھ نزدیکی باقی رہجائیگی جیسے کوئی بیمار گرم دوا کھا کر اتنی ہی کوئی سرد دوا کھالے تو دونوں ملکر برابر ہوجائینگی اور اگر سرد دوا کم کھائیگا تو کچھ نہ کچھ حرارت بڑھ جائیگی اور اگر سرد دوا زیادہ کھائیگا تو حرارت کچھ نہ کچھ گھٹ جائیگی دل کی روشنی اور تاریکی میں اثر معصیت وطاعت ایسا ہے۔ جیسے بدن کے مزاج کیلئے ادویات کا اثر گناہ اور طاعت ایک ذرہ بھر بھی ضایع نہ جائینگے ترازوئے عمل میں تمام کمی بیشی ظاہر ہوجائیگی فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ کا یہی مطلب ہے مگر احتیاط کو کام میں لانا ہشیاری کی بات ہے ممکن ہے۔ قصد غرض قوی ہو۔ اور آدمی اسے ضعیف خیال کرلے اور عمل کی سلامتی اس بات میں ہے کہ اس میں غرض نفسانی کا دخل تک نہ ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ

یہ امر بالا جماع ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص حج کی راہ میں تجارت کرے تو اسکا حج ضائع نہ ہوگا اگرچہ اسکا ثواب مخلص کے ثواب کیطرح نہ ہوگا۔ چونکہ اسکا اصلی ارادہ حج کا ہے اور باقی جو کچھ بھی ہے اسکے تابع ہے اسکا ثواب بالکل ہی حبط نہ ہوگا۔ اگرچہ ناقص ہو جائیگا۔ اور جو شخص حقتعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے لیکن وہ دو جانب سے جہاد کر سکتا ہے ایک جگہ تو فریق ثانی تو انگر ہے اور وہاں غنیمت کا مال بکثرت دستیاب ہوگا اور دوسری طرف کا فریق محارب غریب ہے۔ تو اگر وہ تو انگر کفار کیساتھ جہاد کریگا۔ تو تب بھی اسکا ثواب ضائع نہ ہوگا کیونکہ غنیمت حاصل کرنے اور نہ کرنے میں آدمی فرق کرتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اس فرق کو آدمی اپنے باطن میں نہ پائے اور اگر (معاذ اللہ) مال غنیمت کی شرط پر جہاد کرے تو ثواب کے حصول میں اندیشہ ہے کیونکہ ایسی شرائط سے کوئی عمل بھی درست نہیں ہوتا خاصکر درس و تصنیف کی مجلس اور جو اعمال خلائق سے متعلق ہیں کیونکہ جبتک حق تعالیٰ آدمی کو دفعتاً خود ہی سے باہر نہ نکال لیگا۔ تب تک ایسے خیالات سے رہائی نہ پائیگا۔ مثلاً اسکی تصنیف کو دوسرے کیساتھ اضافت کریا اور اسکی کلام کو اور کے ساتھ منسوب کریں اور وہ اس امر سے واقف ہو جائے اگرچہ وہ اس واقفیت سے نفرت کرے۔

باب سوم (تیسرا) صدق کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ صدق اخلاص کے قریب قریب ہے اور اسکا درجہ نہایت بزرگ ہے اور جو شخص کمال صدق کے درجہ پر سرافراز ہوتا ہے اس کو صدیق کہتے ہیں اور حقتعالیٰ نے قرآن شریف میں صدیقوں کی تعریف فرمائی ہے اور فرمایا ہے رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ اور فرمایا لِيَسْئَلَ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ کمال کس چیز میں ہے حضورؐ نے فرمایا راستی گفتار میں اور صدق کردار میں پس صدیق کے معنوں کو جاننا نہایت ضروری ہے اور صدق کے معنے سچائی کے ہیں اور یہ راستی و صدق چھ چیزوں میں ہوتا ہے جو شخص ان چھ چیزوں میں کمال تک پہنچ جاتا ہے وہی صدیق ہوتا ہے پہلا صدق زبان میں ہے کہ کچھ بھی جھوٹ نہ بولے نہ تو گذشتہ کی خبر دینے میں۔ اور نہ فی الحال کی بات بیان کرنے میں اور نہ آئندہ کے واسطے وعدہ کرنے میں۔ اسواسطے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دل زبان سے صفت حاصل کرتا ہے کج بات کے کہنے سے اس میں کجی واقع ہو جاتی ہے اور سچی بات کے بیان کرنے سے وہ بھی راست ہو جاتا ہے اور صدیق کا کمال دو چیزوں سے حاصل ہوتا ہے ایک تو یہ کہ معاریض بھی نہ کہے۔ یعنی کنایۃً کبھی ایسی بات نہ کرے جو در حقیقت توسیع ہو۔ لیکن دوسرا شخص اس سے کچھ اور ہی سمجھ لے اور نہ وہاں جھوٹ بولے جہاں مصلحتاً جھوٹ بولنے کی اجازت ہے مثلاً جورو و خاوند میں صلح کرانا۔ یا دو مسلمانوں میں صلح کرانا۔ کمال صدق یہ ہے کہ ایسے مواقع پر بھی جھوٹ

بولنے سے حتی المقدور تعریض کرے اور صراحۃً جھوٹ نہ بولے یعنی ایسی بات زبان پر نہ لائے جو در حقیقت تو سچ ہو لیکن طرفِ ثانی اسکا مطلب غلط خیال کرے اگر آدمی سچا ہے اور خدا کیلئے یا مصلحت خلق کے لحاظ سے جھوٹ بولتا ہے تو درجۂ صدق سے نہ گریگا۔ دوسرا کمال یہ ہے کہ حقتعالیٰ سے مناجات کرنے میں اپنی ذات سے صدق طلب کرے۔ مثلاً جب وَجَّهْتُ وَجْهِيَ کہتا ہے اور دل اسکا دنیا کی طرف متوجہ ہے تو گویا اس نے جھوٹ بولا اور حقتعالیٰ کیطرف متوجہ نہیں ہوا۔ اور جب یہ کہتا ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ یعنی میں تیرا بندہ ہوں اور تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور اسوقت خواہشات دنیوی میں الجھا ہوا ہو۔ اور خواہشات اسکی مطیع نہ ہوئی ہوں بلکہ وہ خواہشات کا مطیع ہو۔ تو اس نے ایسا کہنے میں جھوٹ کہا۔ کیونکہ وہ تو اسی کا بندہ ہے جسکی قید میں گرفتار ہے اسیواسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الدِّينَارِ۔ حضورؐ نے ایسے آدمی کو درہم و دینار کا بندہ کہا۔ بلکہ آدمی تو جبتک تمام دنیا سے آزاد نہیں ہو لیتا۔ تب تک حقتعالیٰ کا بندہ نہیں ہوتا۔ اور دنیا سے آزاد ہونیکا کمال یہ ہے کہ جس طرح آدمی مخلوق سے آزاد ہو اسیطرح اپنی ذات سے بھی آزاد ہو جائے اور خودی بالکل نکلجائے یہانتک کہ اسکا اپنا کوئی ارادہ ہی نہ رہے بلکہ سوائے حقتعالیٰ کے کسی چیز کو نہ چاہے اور حقتعالیٰ جو اس کیساتھ کرے اس پر اپنی رضا کا اظہار کرے بندگی میں صدق کا کمال یہ ہے جس شخص کو یہ درجہ حاصل نہیں اسے صدیق نہیں کہتے بلکہ وہ تو صادق بھی نہیں۔ دوسرا صدق نیت میں ہوتا ہے اور جس کام کیوجہ سے آدمی حقتعالیٰ کا تقرب حاصل کرے اس میں سوائے خدا کے اور کچھ مقصود نہ ہو۔ اور اس کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے یہ اخلاص ہے اور اخلاص کو بھی صدق کہتے ہیں اس لئے کہ اسکے دل میں اگر تقرب الٰہی کے سوائے کچھ اور خیال ہے تو وہ جو عبادت بھی کرتا ہے اس میں کاذب ہے۔ تیسرا صدق عزم و ارادہ میں ہوتا ہے کوئی شخص یہ عزم کرے کہ اگر مجھے سلطنت ملجائے تو میں عدل سے کام لونگا اگر مال حاصل کرونگا تو سب صدقہ میں تقسیم کردونگا اگر کوئی دوسرا شخص مجھ سے بہتر پیدا ہو گا تو حکومت وغیرہ اسکے حوالہ کردونگا۔ اس قسم کا عزم کبھی تو مضبوط اور قوی ہوتا ہے اور کبھی اس میں کچھ کمزوری اور سستی بھی واقع ہوجاتا ہے اور جو قوی اور بے تردد ہوتا ہے اُسے صدق عزم کے نام سے موسوم کرتے ہیں جیسے کہ کہتے ہیں کہ یہ خواہش کاذب ہے یعنی بے اصل ہے اور یہ صادق ہے یعنی قوی ہے اور صدیق وہ شخص ہے جس کے دل میں خیرات کا عزم ہمیشہ نہایت قوی و مضبوط رہے جیساکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر لوگ میری گردن ماریں تو میں اسکو بہ نسبت اس کے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ اس قوم کا امیر بنوں جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں جناب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اسلئے فرمایا۔ کہ اپنے قتل پر صبر کرنیکا عزم قوی آپکے دل میں موجود تھا اگر کوئی ایسا شخص ہو اسکو خود اپنی ذات اور جناب صدیق رضؓ کے قتل کا اختیار دیں تو وہ اپنی زندگی کو دوست رکھے۔ تو اس شخص میں اور جناب فاروق رضؓ میں جنہوں نے اپنے قتل کو دوست رکھا۔ کتنا فرق ہو گا۔ چوتھا صدق عزم کے وفا کرنے میں ہے یعنی یہ عزم قوی ہو کہ میں اپنی جان جنگ میں

فدا کرونگا۔ اور جب کوئی پیشوا پیدا ہوگا۔ تو ولایت اسکے حوالہ کر دونگا مگر جب ایسا وقت آجاتا ہے تو نفس ایفائے عزم میں تندہی سے کام نہیں لیتا۔ اسیواسطے حقتعالی کا ارشاد ہے رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ یعنی ان لوگوں نے اپنے عزم کو وفا کیا اور اپنی جان کو فدا کیا۔ اور جو لوگ مال خرچ کرنیکا عزم کر کے وفا نہیں کرتے حقتعالی نے انکے حق میں ارشاد فرمایا ہے وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ تا وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔ یہ ان لوگوں کے حق میں ارشاد کیا ہے جو وعدہ کے جھوٹے ہیں۔ پانچواں صدق یہ ہے کہ جس صفت سے آدمی کا باطن موصوف ہو۔ وہی اسکے عمل سے ظاہر ہو۔ مثلاً آدمی کے باطن میں وقار نہیں اور وہ ظاہر میں آہستہ آہستہ چلتا ہے تو وہ صادق نہیں یہ صدق ظاہر و باطن کو یکساں درست رکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جسکا باطن بہ نسبت ظاہر کے زیادہ صاف اور بہتر ہو یا کم از کم ظاہر کے مشابہ تو ہو اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ یارب میرے ظاہر کو بہتر بنادے۔ اور میرے باطن کو ظاہر سے بھی زیادہ درست و نیک کردے جس شخص میں یہ صفت نہ ہو اور وہ اسی بات کا مدعی ہو کہ میرا ظاہر میرے باطن پر دلالت کرتا ہے وہ اپنے اس قول میں جھوٹا ہے اور صدق کے درجہ سے گرا ہوا ہے اگرچہ ریا اسکو مقصود نہ ہو۔ چھٹا صدق یہ ہے کہ آدمی دین کے مقامات کی حقیقتوں کو اپنے دل سے طلب کرے فقط اسکی اوائل و ظواہری پر قناعت نہ کرے مثلاً زہد۔ توکل۔ خوف۔ رجا۔ رضا۔ شوق ہر مسلمان کو یہ حال تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے مگر ضعیف و کمزور اور جو مسلمان ان احوال پر مضبوط اور قوی ہو جاتا ہے وہ صادق ہے جیسا کہ حق تعالی نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یعنی درحقیقت مومن وہ ہیں جو حقتعالی پر اور اسکے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور پھر کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے اور خدا کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو صادق ہیں۔ پس جسکا ایمان کامل ہے حقتعالی نے اسکو صادق کہا ہے اسکی مثال یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اسکا نشان یہ ہے کہ وہ کانپتا ہے اور اس کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے اور نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے اور بے قرار رہتا ہے اگر کوئی شخص اسطرح حق تعالی سے ڈرتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خوف صادق ہے لیکن اگر یہ کہتا ہے کہ میں گناہ سے ڈرتا ہوں۔ اور پھر اس سے باز نہ رہے تو یہ خوف کاذب ہے تمام مقامات میں اسی طرح بہت سا فرق ہے پس جو شخص ان چھ وجہوں میں سب مقامات میں صادق ہوتا ہے تو تب کہیں اس کا کمال صادق ہوتا ہے اور اسے صدیق کہتے ہیں لیکن اس کا درجہ بقدر اس کے صدق کے ہوتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

اصل ششم (چھٹی) محاسبہ و مراقبہ کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ہم ترازو کھڑا کرینگے اور کسی پر ظلم نہ کرینگے اور جس شخص نے ایک حبہ نیکی کی ہوگی برابری اسکو ترازو میں رکھینگے اور خلق کا حساب کرنے میں ہم کافی ہیں قولہ تعالیٰ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا۔ پس جب حقتعالیٰ نے یہ وعدہ کیا۔ تو خلق کو حکم کیا کہ اپنے حساب میں نظر کریں قولہ تعالیٰ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اور حدیث شریف میں ہے کہ عاقل وہ ہوتا ہے جو چار ساعتیں رکھتا ہے۔ ایک ساعت میں اپنا محاسبہ کرے۔ دوسری ساعت میں حق تعالیٰ سے مناجات کرے تیسری ساعت میں تو بہتر معاش کرے۔ چوتھی ساعت میں ان چیزوں سے آرام حاصل کرے جو حقتعالیٰ نے دنیا میں اس کیلئے مباح کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا۔ یعنی قبل اس کے کہ تمہارا حساب کیا جائے تم خود اپنے نفس کا محاسبہ کرلو۔ حقتعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔ یعنی تم صبر کرو۔ اور اپنی شہوت و نفس کیساتھ خوب جہاد کرو تاکہ بہتر ہو جاؤ۔ اور رابطوا کے یہ معنے ہیں کہ اس جہاد میں ثابت قدمی دکھلاؤ۔ پس اہل بصیرت اور بزرگان دین نے یہ سمجھا کہ ہم اس جہان میں سوداگری کیلئے آئے ہیں اور انکا معاملہ نفس کیساتھ ہے اور اس معاملہ کا نفع و نقصان بہشت اور دوزخ ہے۔ بلکہ ابد کی سعادت و شقاوت ہے پس انہوں نے اپنے نفس کو اس تجارت کا شریک ٹھہرایا اور جس طرح شریک سے پہلے شرائط کرلیجاتی ہیں پھر اسکی باتوں سے خبرداری کیجاتی ہے۔ اور پھر اس سے حساب کیا جاتا ہے اگر اس نے خیانت سے کام کیا ہو تو اسپر عتاب و عقوبت کیجاتی ہے اسیطرح ان بزرگان دین سے بھی نفس کیساتھ چھ مقامات مقرر کئے۔ مشارطہ۔ مراقبہ۔ محاسبہ۔ معاقبہ۔ مجاہدہ۔ معاتبہ۔ پہلا مقام مشارطہ ہے جاننا چاہیئے کہ جس شریک کو مال دیا جاتا ہے وہ نفع کے حاصل ہونے میں معاون ہوتا ہے مگر ممکن ہے خیانت کی رغبت سے دشمن ہو جائے اور جسطرح شریک سے پہلے شرط کرلینا چاہیئے اور پھر اسکی باتوں سے ہمیشہ آگاہ رہنا چاہیئے پھر حساب لینے میں مبالغہ کرنا چاہیئے اسی طرح نفع کیساتھ بھی ان معاملات کا کرنا ضروری ہے کیونکہ ان معاملات کا نفع ابد تک باقی رہنے والا ہے اور دنیوی معاملات کا نفع محض چند روزہ ہے اور جو چیز باقی نہ رہنے والی ہو وہ عاقل کے نزدیک بے حقیقت ہوتی ہے بلکہ عقلمندوں کا مقولہ ہے باقی نہ رہنے والا شر باقی رہنے والے خیر سے بہتر ہے اور چونکہ عمر میں سے ہر ایک نفس ایک گوہر بے بہا ہے کہ اسی گوہر کیوجہ سے ایک خزانہ پس انداز کرسکتے ہیں تو اس گوہر میں جد و کد اور حساب وغیرہ کرنا اولی ہے پھر عاقل وہ ہے جو نماز صبح کے بعد ساعت بھر کیلئے اس کام میں

دل کو مشغول کرے۔ اور اپنے نفس سے کہے۔ سوائے عمر کے اور تیرے پاس کوئی پونجی نہیں۔ اور جو دم گزر جاتا ہے وہ بے بدل ہوتا ہے کیونکہ انفاس حقتعالیٰ کے علم میں معدود اور مقرر ہیں۔ ان میں ہرگز زیادتی نہ ہوگی۔ اور عمر کے گزر جانیکے بعد تجارت کرنا محال ہے۔ جو کام کرنیکا ہے وہ ابھی کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ زندگی کا میدان تنگ ہے اور آخرت جو ایک وسیع زمانہ ہے وہاں کچھ کام نہیں۔ حقتعالیٰ نے آج نیئے سر سے زندگی بخشی ہے۔ اگر رات کو سوتے ہی میں مرجاتا تو یہی آرزو رہتی۔ کہ کاش صرف ایک دن ہی مہلت ملتی۔ تاکہ کچھ اپنا کام تو درست کر لیتا۔ اب حقتعالیٰ نے جو یہ نعمت عنایت فرمائی ہے۔ یعنی زندگی عطا کی ہے۔ تو اے نفس تو کہا مان اور اس زندگی کے سرمایہ کو غنیمت جان اور اسے ضایع نہ ہونے دے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ کہیں کل کی مہلت نہ پائے اور حسرت ہی حسرت میں رہ جائے اور تو یہی سمجھ لے کہ تو نے مر کر ایک ہی دن کی مہلت طلب کی اور حقتعالیٰ نے وہ تجھ کو عنایت کر دی اور تضیع اوقات کرنے سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوگا۔ اور یہ کہ تو سعادت کے حصول سے محروم رہے۔ حدیث شریف میں ہے کل قیامت کے دن رات دن کے جو چوبیس ساعت ہوتے ہیں۔ انکے عوضانہ میں چوبیس خزانے بندے کے سامنے رکھ کر ایک خزانہ کا منہ کھولیں گے اور بندہ نے جو نیک اعمال کیئے ہونگے۔ انکے نور سے وہ اسی خزانہ کو روشن دیکھیگا اور اسوجہ سے اس کو اسقدر خوشی حاصل ہوگی۔ کہ اگر اس خوشی میں سے دوزخیونکو بانٹ دیں۔ تو وہ دوزخ کی آگ سے بے خبر ہو جائیں۔ اور وہ خوشی اسوجہ سے ہوگی۔ کہ بندہ اس نور کو حقتعالیٰ کے نزدیک اپنی قبولیت کا وسیلہ جانیگا پھر اسکے سامنے دوسرے خزانہ کا دروازہ کھولا جائیگا۔ تو وہ نہایت سیاہ اور تاریک ہوگا۔ اور اس میں سے ایسی بوئے بد آئیگی کہ تمام لوگ اپنی ناک بند کرینگے اور وہ خزانہ معصیت کی ساعت کا ہوگا۔ اسکو دیکھ کر اس کے دل پر ایسی ہیبت و دہشت طاری ہوگی۔ کہ اگر اس ہیبت وغیرہ کو جنتیوں پر تقسیم کر دیں۔ تو ان پر جنت تلخ ہو جائے پھر ایک اور خزانہ کا دروازہ کھولا جائیگا۔ وہ خالی ہوگا۔ نہ اس میں نور ہوگا اور نہ ظلمت۔ اور یہ خزانہ وہ ساعت ہوگی جس میں بندہ نے کوئی گناہ نہ کیا ہوگا۔ اور نہ ہی کوئی عبادت کی ہوگی۔ اسوقت بندہ کے دل میں نہایت پشیمانی و حسرت پیدا ہوگی جیسے کہ بے انتہا خزانہ کے ضایع ہونیسے پیدا ہوتی ہے۔ بندہ کے سامنے اسیطرح اس کی عمر ایک ایک ساعت پیش کیجائیگی۔ تو آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس سے کہے کہ حقتعالیٰ نے اس قسم کے چوبیس خزانے تیرے سامنے رکھے ہیں خبردار کسیکو خالی نہ رہنے دینا۔ کیونکہ تجھ سے اسکی حسرت برداشت نہ کیجائیگی۔ بزرگونکا مقولہ ہے کہ اگر تو فرض کرے کہ حقتعالیٰ تجھے بخشدیگا۔ لیکن صالحین کا ثواب اور درجہ تو تجھے نصیب نہ ہوگا۔ اور تو اس رنج کے نقصان میں رہیگا۔ پس اپنے تمام اعضا کو اس کے سپرد کر کے کہنا چاہیئے کہ خبردار زبان کو بچائے رکھنا۔ آنکھ کو نگاہ رکھنا۔ اسیطرح اپنے ساتوں اندام کے متعلق تاکید کریں کہ انکی حفاظت کرے اسواسطے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں وہ دروازے تیرے اعضا ہی ہیں۔ کہ ہر ایک گناہ کی پاداش میں تجھے دوزخ جانا ہوگا۔ پس ان اعضا کے

معاصی کو یاد کرکے اعضاء کو ان سے محفوظ رکھے۔ اور پھر جو اور وظائف اسدن کر سکتا ہے۔ وہ یاد کر کے انکی رغبت دلائے اور ارادہ کرے اور نفس کو دھمکی دے۔ اگر تو نے میرا کہا نہ مانا تو یاد رکھ میں تجھ کو سزا دونگا۔ اور تکلیف پہنچاؤنگا اگرچہ نفس سرکش ہے۔ لیکن نصیحت بھی قبول کر لیتا ہے۔ اور ریاضت اس کیلئے موثر ہوتی ہے۔ اور یہ سب کچھ محاسبہ میں داخل ہے جو عمل سے پہلے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حقتعالی کا ارشاد ہے۔ وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیٓ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دانا اور عقلمند وہی ہے جو اپنا محاسبہ کرتا ہے۔ اور وہ کام کرے جو مرنیکے بعد کام آئے اور فرمایا ہر پیش آنیوالے کام میں غور کر اگر مناسب ہے۔ تو کر۔ اگر غیر مناسب ہے۔ تو مت کر اور اس سے دور رہ۔ پس ہر روز صبح کیوقت نفس کیلئے ایسی شرائط کی ضرورت ہے۔ اور وہ شخص جو ثابت قدم ہے۔ اسکو بھی ہر روز ایک نہ ایک ایسا کام درپیش آئیگا جس میں اسکو نفس کیساتھ شرط کرنیکی ضرورت درپیش ہو۔ دوسرا مقام مراقبہ ہے۔ مراقبہ کے معنے پاسبانی اور نگہبانی کرنا ہے۔ جسطرح کہ پونجی اپنے شریک کے سپرد کر کے اس سے شرط کر لیتے ہیں اور غفلت نہیں کرتے اور اس کی باتوں سے آگاہ رہتے ہیں۔ اسیطرح ہر وقت نفس سے خبرداری رکھنا بھی آدمی کیلئے ضروری ہے اگر اس سے غفلت کریگا تو نفس کاہلی اور شہوت پرستی کیوجہ سے پھر اپنی طبیعت پر آجائیگا۔ اور سرکشی دکھانے لگیگا اصل مراقبہ یہ ہے کہ آدمی یقین کرے کہ حقتعالی کو میرے افعال اور خیالات کی اطلاع ہے خلق تو صرف ظاہر سے واقف ہوتی ہے۔ اور حق تعالی ظاہر و باطن دونوں سے واقف ہوتا ہے۔ جس نے یہ سمجھ لیا۔ اور یہ سمجھ اس کے دل پر غلبہ پاگئی۔ تو اسکا ظاہر و باطن دونوں ادب سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔ اسواسطے کہ اگر آدمی اسکا ایمان نہ رکھے گا۔ تو کافر ہے۔ اور اگر ایمان رکھیگا تو اس کے خلاف کرنا بڑی دلیری اور ڈھیٹھ پن ہے حقتعالی فرماتا ہے اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یعنی کیا بندہ یہ نہیں جانتا۔ کہ حقتعالی اسے دیکھ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حبشی نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میں نے بہت گناہ کئے ہیں میری توبہ قبول ہو گی یا نہیں۔ فرمایا قبول ہو گی۔ عرض کیا یارسول اللہ ایک چیخ لگائی۔ اور وہیں فوت ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حقتعالی کی عبادت اس طرح کرنا چاہیئے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ جبتک تم اسبات پر یقین نہ کرو گے کہ حقتعالی کی ذات دانا و بینا ہے اور وہ تمہارے افعال کو دیکھتا ہے۔ اور ان سے واقف ہے۔ اس وقت تک تمہارا کام درست نہ ہو گا وہ خود ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا بلکہ تیرا کمال تو یہ ہے۔ کہ تو ہر وقت اس کے مشاہدہ میں رہے اور اسے دیکھتا رہے **حکایت**۔ ایک پیر صاحب کا ایک شخص مرید تھا۔ پیر بہ نسبت دوسروں کے اس سے زیادہ مراعات پیش آیا کرتا تھا۔ اور دوسرے مریدوں کو اس پر غیرت آیا کرتی تھی پیر نے جب یہ دیکھا تو ہر مرید کو ایک ایک چڑیا دی کہ اسکو ایسی جگہ لیجا کر ذبح کیا جہاں کوئی نہ دیکھے۔ ہر مرید تنہائی کے مقام پر گیا۔ اور اپنی اپنی چڑیا کو ذبح کر ڈالا۔ لیکن وہ مرید چڑیا کو زندہ واپس لے آیا۔ پیر نے کہا۔ تو نے

[illegible]

کیوں اس کو ذبح نہیں کیا۔ اس نے عرض کیا۔ میں نے کوئی جگہ ایسی نہیں دیکھی۔ جہاں کوئی نہ دیکھے۔ وہ تو ہر جگہ دیکھ رہا ہے۔ پھر پیر نے دوسرے مریدوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اسبات سے اس کے درجہ کا اندازہ لگاؤ۔ کہ یہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں رہتا ہے۔ اور سوائے حق تعالیٰ کے کسی جانب التفات نہیں کرتا۔ اور جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خلوت میں اپنی طرف بلالیا۔ تو پہلے اس بت پر کپڑا اڑھا دیا۔ جسکی وہ پرستش کیا کرتی تھی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اے زلیخا تو ایک پتھر سے اتنی شرم رکھتی ہے اور میں اس پروردگار سے جو ساتوں زمین و آسمان کا خالق ہے اور دیکھ رہا ہے کسطرح شرم نہ رکھوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ میں بری نگاہ سے اپنی آنکھ کو بچا نہیں سکتا ہوں کسطرح بچاؤں۔ کہا تو جان لے۔ کہ جتنا میں کسیکو دیکھتا ہوں اس سے زیادہ خدا تعالیٰ مجھے دیکھتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ بہشت عدن ان لوگوں کیلئے ہے کہ جو گناہ کا ارادہ کریں اور پھر مجھ سے شرم کھا کر گناہ سے باز رہیں۔ حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ معظمہ کی راہ میں تھا۔ کہ ہم دونوں ایک جگہ اترے وہاں ایک گڈرئیے کا غلام پہاڑ سے بکریوں کو لیکر آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ ایک بکری میرے پاس فروخت کردے۔ اس نے کہا یہ بکریاں میری ملکیت نہیں میں تو غلام ہوں۔ آپ نے محض امتحان کیلئے فرمایا۔ کہ مالک سے کہدینا کہ ایک بکری کو بھیڑیا لے گیا۔ بھلا اسے کیا معلوم ہوگا۔ اس نے عرض کیا۔ اگر وہ نہ جانیگا تو خدا تو اصلیت سے واقف ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے اختیار رونے لگے۔ اور اس نے مالک کو بلایا۔ اور اس غلام کو مول لیکر آزاد کر دیا اور فرمایا اے غلام تو اسبات کیوجہ سے اس جہان میں بھی آزاد ہوا۔ اور اس جہان میں بھی آزاد ہوگا۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ مراقبہ کے دو درجے ہیں۔ ایک صدیقوں کا مراقبہ ہے۔ کیونکہ انکا دل حق تعالیٰ کی عظمت میں مستغرق رہتا ہے۔ اور اس کی ہیبت سے شکستہ رہتا ہے۔ اور اس میں ماسوی اللہ کی طرف التفات کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اور یہ مراقبہ چھوٹا ہے۔ کیونکہ جب دل ٹھہر جاتا ہے۔ تو اعضا اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اور مباحات سے باز رہنے لگتے ہیں۔ تو بھلا پھر گناہوں میں کسطرح مشغول ہونگے۔ ایسے مراقب کو اعضا کی حفاظت کیلئے تدبیر اور حیلہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور یہ وہی بات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ اَصْبَحَ وَهُمُوْمُهُ هَمٌّ وَّاحِدٌ كَفَاهُ اللّٰهُ هُمُوْمَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی جو شخص صبح کیوقت ایک ہمت والا ہو کر اٹھتا ہے۔ تو حق تعالیٰ دنیا و آخرت میں اسکو تمام کاموں کی کفایت کرتا ہے اور کوئی مراقب تو ایسا متغرق ہوتا ہے کہ اگر اس سے بات کہی جائے تو نہیں سنتا۔ اور اگر اس کے سامنے جائے تو باوجود آنکھیں کھلی ہونیکے نہیں دیکھتا۔ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ تم کسی ایسے شخص سے واقف ہو۔ جو خلق سے غافل ہو کر اپنے حال میں مشغول ہو۔ فرمایا ہاں ایک شخص کو جانتا ہوں۔ وہ ابھی آتا ہے۔ اتنے میں حضرت عتبۃ الغلام رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو حضرت عبدالواحد

نے پوچھا۔ آپ نے راستہ میں کس کس کو دیکھا۔ کہا کسیکو بھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ شاہراہ سے ہو کر آئے تھے۔ حضرت یحیٰی بن زکریا علیہم السلام ایک عورت کے قریب سے گزرے تو اسپر اپنا ہاتھ دے مارا۔ اور اسپر گر پڑے۔ لوگوں نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا فرمایا۔ میں نے خیال کیا تھا کہ دیوار ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میرا گزر ایک قوم کیطرف ہوا۔ اور وہ لوگ تیر اندازی کر رہے تھے۔ اور ایک شخص ان سے بہت دُور فاصلہ پر بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے گفتگو کرنا چاہی۔ اس نے کہا بات کرنیسے حق تعالیٰ کا ذکر بہتر ہے۔ میں نے کہا ایک شخص تو اکیلا بیٹھا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں حق تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور دو فرشتے بھی میرے ساتھ ہیں۔ میں نے کہا اس قوم پر کسی شخص نے سبقت حاصل کی۔ جواب دیا۔ اس نے جس کو حق تعالیٰ نے بخشدیا۔ پھر میں نے پوچھا۔ راستہ کدھر ہے۔ تو آسمان کیطرف منہ کرکے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چلا گیا۔ اور یہ کہتا گیا۔ کہ بار خدایا! تیری مخلوق میں بہت سے لوگ تجھ سے دُور رکھنے والے موجود ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کیخدمت میں تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ وہ مراقبہ میں اس انداز سے بیٹھے ہیں۔ کہ انکے بدن کا بال بھی جنبش نہیں کرتا۔ آپنے پوچھا اس سکون کیساتھ مراقبہ کرنا کس سے سیکھا ہے۔ فرمایا بلّی سے۔ کیونکہ میں نے اسکو چوہے کی انتظار میں چوہے کے بل پر اس سے بھی زیادہ سکون کیساتھ بیٹھے دیکھا ہے۔ صدیقوں کے مراقبہ کا یہ حال و درجہ ہے۔ جو بیان بالا میں مذکور ہوا ہے۔ یہ سب لوگ حق تعالیٰ میں مستغرق ہوجاتے ہیں۔ دوسرا درجہ پارسا اور اصحاب یمین کے مراقبہ کا ہے۔ اور یہ لوگ ہوتے ہیں جو جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ انکے حالات سے مطلع ہے اور وہ حق تعالیٰ سے شرم رکھتے ہیں۔ لیکن وہ حق تعالیٰ کی عظمت و جلال میں مستغرق نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنی ہستی سے اور احوالِ عالم سے باخبر ہوتے ہیں۔ اور انکی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص اکیلا و تنہا کوئی کام کرتا ہے۔ یا برہنہ ہے۔ اور کوئی لڑکا آگیا ہے تو وہ شخص اس لڑکے سے شرم کرکے اپنے اختیار سے اپنے آپکو چھپاتا ہے۔ اور اس دوسرے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ناگاہ بادشاہ کسی کے سامنے آجاتا ہے۔ اور وہ بادشاہ کی ہیبت سے بیخود اور مدہوش ہوجاتا ہے۔ پس جو شخص اس درجہ پر سرفراز ہوچکا ہو۔ اسکو اپنے احوال و خطرات اور حرکات و سکنات کا مراقبہ اور دھیان کرنا ضروری ہے۔ اور جو کام بھی وہ کرنا چاہتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ اسے دو نظروں سے دیکھے۔ پہلی نظر تو کام کرنیسے پیشتر ہوتی ہے۔ بلکہ پہلا خطرہ جو اس کے دل میں آئے۔ اس کو ملاحظہ کرے۔ اور ہمیشہ دل کے مراقبہ میں مشغول رہے۔ کہ دل میں کیا کیا خیالات موجزن ہوتے ہیں۔ اور جو خیال بھی آئے اسپر غور کرے۔ اگر وہ خدا کیلیئے ہو تو اسے تمام کرے۔ اور اگر خواہش نفسانی کی بنا پر ہو تو اس سے بچے۔ اور حق تعالیٰ سے شرم رکھے۔ اور اپنے آپکو ملامت کرے کہ اس قسم کی رغبت میرے دل میں کیوں پیدا ہوئی۔ اسکے انجام اور رسوائی کو اپنے دل میں سوچے اور ٹھہرائے۔ تمام خیالات سے پہلے یہ مراقبہ فرض ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو جو حرکات و سکنات بندہ اپنے اختیارات سے عمل میں لاتا ہے۔ اس کی نسبت اس سے تین طرح کے سوالات ہونگے۔ ایک تو یہ کہ کیوں کیا۔ دوسرا یہ کہ کیونکر کیا۔ تیسرا یہ کہ کسواسطے کیا۔ کیوں کیا کے یہ

معنے یہیں کہ اس سے کہا جائیگا کہ خدا کیلئے کرتا شیطان کی موافقت اور خواہش نفسانی کیلئے کیوں کیا۔ اگر اس مواخذہ سے بندہ بچ گیا۔ اور وہ کام خدا ہی کیواسطے کیا ہوگا تو پھر اس سے پوچھا جائیگا کہ تونے یہ کام کیونکر کیا۔ یعنی نیکی کے ہر کام کیواسطے شرط ادب اور علم ہے۔ یہ کام جو تونے کیا آیا علم کے مطابق کیا یا جہالت و نادانی سے کیا۔ اگر بندہ اس مواخذہ سے بھی محفوظ رہا۔ اور شرط کے موافق کام کیا ہوگا تو پھر یہ پوچھا جائیگا۔ کہ تونے یہ کام کسواسطے کیا۔ تجھ پر تو یہ واجب تھا کہ تو اس کام کو اخلاص کیساتھ حق تعالیٰ کیلئے کرتا۔ آیا تونے اس کام کو خدا ہی کیلئے کیا ہے۔ کہ تجھ کو اسکا اجر ملے۔ یا ریا کیلئے کیا تھا۔ تاکہ خلق تجھ کو تحسین و آفرین کرے۔ اگر دنیا کیلئے کیا ہوگا تو ثواب حبط ہو جائیگا۔ اگر کسی مخلوق کیلئے کیا ہوگا تو حق تعالیٰ کے عذاب و غضب میں گرفتار ہوگا۔ کیونکہ تجھ کو کہدیا گیا تھا۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ اور کہدیا گیا تھا اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ جو شخص اس مضمون کو سمجھ لیگا۔ اگر وہ عقلمند ہے تو دل کے مراقبہ سے غافل نہ رہیگا۔ اصل یہ ہے کہ آدمی پہلے خطرات پر غور کرے اگر وہ ان خطرات کو رفع نہ کریگا تو ان سے مانوس ہو جائیگا۔ پھر ہمت ہو جائیگی۔ اس کے بعد قصد کی شکل اختیار کر کے اعضاء سے صادر ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اِتَّقِ اللّٰہَ عِنْدَ ھَمِّکَ اِذَا ھَمَمْتَ یعنی جسوقت تجھے کسی کام کی ہمت پیدا ہو تو حق تعالیٰ سے ڈر۔ جاننا چاہیئے کہ اس بات کا پہچاننا نہایت مشکل ہے کہ کونسا خطرہ حق تعالیٰ کیلئے ہے۔ اور کونسا خطرہ نفس کیلئے ہے جس شخص کو اسکی پہچان نہ ہو اسے کسی باعمل عالم کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے تاکہ صحبت کے نور سے اس کو فایدہ پہنچے۔ اور دنیادار علماء سے حق تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرے کیونکہ دنیادار علماء شیطان کے نائب ہوتے ہیں حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد جس عالم کو دنیا کی محبت نے مدہوش کر دیا ہو اسکی صحبت سے حذر کر۔ اس سے کچھ دریافت نہ کر۔ کیونکہ وہ تجھ کو میری محبت سے محروم کریگا۔ کیونکہ دنیادار عالم میرے بندوں کیلئے راہزن ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حق تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے جو شبہ کی اشیاء میں تیز بین اور دور اندیش ہو۔ اور شہوت کے غلبہ کیوقت اس کی عقل سلامت رہتی ہو۔ اور درحقیقت آدمی کا کمال انہی دو باتوں پر ہے۔ کہ حقیقت حال کو بصیرت نقاد سے پہچان کر عقل کامل کی مدد سے شہوت کو دور کرے اور یہ دو باتیں آپس میں ملی جلی ہوتی ہیں۔ جیسے کہ عقل دافع شہوت نہیں ہوتی۔ اسی طرح بصیرت بھی ناقد شبہات نہیں ہوتی۔ اسیواسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اسکی عقل اس سے ایسی جدا ہو جاتی ہے۔ کہ پھر لوٹ کر نہیں آتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کام تین اقسام پر ہیں۔ ایک تو صاف حق ہے۔ جسکو تجھے بجالانا چاہیئے۔ ایک صاف باطل ہے اسے تجھ کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ ایک مشتبہ ہے اسے کسی عالم سے دریافت کرنا چاہیئے۔ دوسری نظر وہ مراقبہ ہے۔ جو کام کرتے وقت تین حال سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو طاعت ہوگا یا معصیت یا مباح۔ طاعت میں مراقبہ کی یہ صورت ہوتی ہے۔ کہ اسے اخلاص کیساتھ بجالائے۔ اور حضور قلب بھی حاصل ہو۔ اور تمام آداب کا خیال رکھے۔ اور جو شے فضیلت کا باعث ہو اس سے باز نہ رہے۔ اور

معصیت مراقبہ کی یہ شکل ہوتی ہے۔ کہ حق تعالیٰ سے شرم رکھے۔ اور توبہ کرے اور کفارہ ادا کرے اور مباح میں مراقبہ کا یہ انداز ہے کہ مؤدب رہے۔ خدا کی نعمت میں منعم کو دیکھے۔ اور اپنے آپکو ہر وقت اسکی درگاہ میں حاضر جانے مثلاً بیٹھے تو ادب سے بیٹھے۔ اگر سوئے تو داہنے کروٹ اور قبلہ رو ہو کر سوئے مثلاً اگر کھانا کھائے تو دل تفکر سے خالی نہ ہو۔ اسی لئے تفکر تمام اعمال سے افضل ہے کیونکہ ہر ایک طعام میں صورت و رنگ و بو و مزہ اور شکل کے لحاظ سے کسقدر عجیب و غریب صنعتیں ہیں۔ ایسے ہی آدمی کے اعضا بھی کیسی عجیب و غریب صنعتوں کا مظہر ہیں۔ اور علی ہذا القیاس آدمی کے اعضا جو اس طعام کو کام میں لاتے ہیں۔ جیسے انگلیاں۔ منہ۔ دانت۔ حلق۔ معدہ۔ جگر۔ مثانہ اور جو اعضا اس کی حفاظت کیلئے ہیں۔ تاکہ وہ ہضم ہو جائے۔ اور جو اعضا بھوک کے دور کرنیکے لئے ہیں یہ سب حق تعالیٰ کی عجیب و غریب صفات کا مظہر ہیں۔ اور ان تمام اعضا میں تفکر کرنا زبردست عبادت ہے۔ اور یہ علماء کے درجہ سے متعلق ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان صنعتوں کو دیکھ دیکھ کر صانع کی عظمت میں ترقی کرتے ہیں۔ اس کے جلال و کمال و جمال میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ اور یہ درجہ موحدوں اور صدیقوں کا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کھانیکو غصہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بخلاف خواہش مکروہ جانتے ہیں۔ اور بقدر ضرورت کے کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہم کو اس کی بھی حاجت نہ ہوتی۔ اور اس کھانیکی ضرورت میں تفکر کرتے ہیں۔ اور یہ درجہ زاہدوں کا ہے۔ بعض لوگ جو لالچی ہوتے ہیں وہ شوق کی نظروں سے کھانیکو دیکھتے ہیں اور اسی خیال میں رہتے ہیں کہ کسی طرح پکایا جائے تو خوش مزہ و خوش ذائقہ ہوگا۔ اور اگر بہت سا چکھ لیں تو پھر پکوان اور پکانیوالے کے عیب نکالتے ہیں۔ اور کھانے اور میوے کے بھی عیوب بیان کرتے ہیں اتنا نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ سب حق تعالیٰ کی صنعتیں ہیں اور صنعت کا عیب نکالنا گویا صانع کا عیب نکالنا ہے۔ اور یہ درجہ اہل غفلت کا ہے۔ سب مباحات میں اس قسم کے درجات پیش آتے ہیں۔ تیسرا مقام وہ محاسبہ ہے جو عمل کے بعد کیا جاتا ہے۔ چاہیئے کہ رات کو سوتے وقت آدمی اپنے تمام دن کا حساب نفس سے لے تاکہ سرمایہ میں جسقدر نفع و نقصان ہوا ہو اس سے واقف ہو جائے۔ سرمایہ فرائض ہیں۔ اور نوافل انکا نفع ہیں۔ اور جسطرح شریک تجارت سے مبالغہ کیساتھ حساب لیا جاتا ہے۔ تاکہ نقصان نہ ہو جائے اسی طرح اپنے نفس سے محاسبہ کرے۔ کیونکہ نفس نہایت طرار حیلہ ساز اور مکار ہے۔ اور اپنی غرض کا شمار تیرے سامنے طاعت میں کرتا ہے۔ تاکہ تو اسے بھی نفع شمار کرے۔ حالانکہ وہ نقصان ہوتا ہے۔ بلکہ تمام مباحات کے بارہ میں نفس سے محاسبہ کرنا چاہیئے کہ تو نے یہ کیوں کیا۔ اور کس کیواسطے کیا۔ اور اگر نفس کا کچھ قصور نظر آئے تو اس عمل کو نفس پر رکھے۔ اور اس سے تاوان طلب کرے۔ ابن الصمۃ ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کا حساب کیا۔ تو ساٹھ برس کے تھے دنوں کا حساب لگایا تو اکیس ہزار چھ سو دن (۲۱۶۰۰) ہوئے کہنے لگے افسوس اگر ہر ایک دن میں ایک گناہ بھی ہو اکیس ہزار چھ سو گناہ ہوتے۔ بھلا ان سب سے رہائی کیونکر حاصل ہوگی خصوصاً جب کوئی ایسا دن بھی ہو۔ کہ اس میں ہزار گناہ سرزد ہوئے ہوں۔ بس یہ سوچ کر ایک چیخ مار کر گر پڑے۔ لوگوں نے دیکھا تو روح جسد خاکی سے پرواز کر چکی تھی۔ مگر آدمی اپنے نفس سے

غافل ہے۔ حساب نہیں کرتا۔ اگر اپنے ہر گناہ کے حساب سے ایک ایک پتھر کسی مکان میں ڈالتا جائے۔ تو وہ مکان پتھروں سے بھرپور ہو جائے۔ اور اگر کراماً کاتبین اس سے گناہ لکھنے کی اجرت طلب کرتے تو اسکا تمام مال ختم ہو جاتا اور حضرت انسان کی تو یہ حالت ہے کہ چند بار جو سبحان اللہ کہتا ہے۔ تو اس کی گنتی کے لیے ہاتھ میں تسبیح رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے سو بار کہا۔ لیکن تمام دن جو بیہودہ گوئی کرتا ہے۔ اس کے شمار کیلئے کوئی شے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا۔ تاکہ اسے معلوم ہو کہ بیہودہ باتیں ہزار سے بھی زیادہ بک چکا ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی اگر نیکی کا پلہ بھاری ہونیکی امید کرے۔ تو کیا یہ اس کی حماقت نہیں۔ اسیواسطے جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ قبل اس کے کہ تمہارے اعمال وزن کیئے جائیں۔ تم خود اپنے اعمال کو وزن کرو۔ جناب فاروق جب رات کو تشریف لاتے تو اپنے پاؤں پر درّہ مارتے اور فرماتے کہ آج تو نے کیا کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ صدیق رضؓ نے اپنی وفات کیوقت فرمایا۔ کہ عمرؓ سے زیادہ مجھ کو کوئی بھی دوست نہیں پھر فرمایا۔ اے عائشہ میں نے کیا کہا۔ انہوں نے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ہے۔ عمرؓ سے زیادہ مجھکو دوست نہیں۔ فرمایا۔ عمر سے زیادہ کوئی مجھ کو عزیز نہیں۔ تو جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے اتنی ہی بات کا حساب کیا تو اسے راست نہ پایا تو فوراً اس کا تدارک فرمالیا۔ ابن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے لکڑیوں کا گٹھا اپنی گردن پر اٹھایا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یہ کام تو غلاموں کا ہے فرمایا مجھے اپنے نفس کی آزمائش مطلب تھی۔ کہ وہ اس کام میں کس حالت پر رہتا ہے۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب عمرؓ کو ایک دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو کر باغ میں دیکھا۔ تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے۔ کہ واہ واہ لوگ تو تجھے امیر المومنین کہتے ہیں۔ اور تو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اسلئے اسکے عذاب میں مبتلا ہونیکے لئے تیار رہ۔

چوتھا مقام معاقبۂ نفس ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اگر تو اپنے نفس کے محاسبہ سے فارغ رہیگا اور تقصیر کریگا۔ تو تو اسے اپنے حال پر چھوڑے رکھیگا۔ تو وہ دلیر اور ڈھیٹ ہو جائیگا۔ اور پھر اسے اس کام سے ہٹانا مشکل ہو جائیگا۔ بلکہ ہر بُرے کام پر اسے سزا دینا چاہیئے۔ اگر وہ کوئی شبہ کی چیز کھائے تو بھوکا رکھ کر اسے سزا دینا چاہیئے۔ اور اگر اس نے کسی نامحرم پر نظر کی ہو تو اسے نہ دیکھنے اور آنکھ بند کرنیسے سزا دینا چاہیئے۔ اور اسی طرح تمام اعضا کی حرکات و سکنات کو قیاس کر لے۔ سلف صالحین نے ایسا ہی کیا ہے۔ ایک عابد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ کسی عورت پر ڈالا تھا۔ پھر اسی ہاتھ کو اس کے عوض میں آگ پر رکھ کر جلا دیا۔ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا۔ اور وہ ایک عرصہ سے صومعہ میں رہتا تھا۔ ایک عورت نے اپنے آپکو اس عابد کے سامنے پیش کیا۔ اور عابد نے اسکے پاس آنے کیلئے اپنا قدم صومعہ سے باہر رکھا۔ پھر خدا سے ڈر کر توجہ جو کی اور صومعہ میں واپس جانا چاہا۔ تو اپنے جی میں کہا یہ پاؤں جو گناہ کی غرض سے صومعہ سے باہر نکلا ہے۔ اب اسکو پھر اندر نہ جانا چاہیئے۔ حتیٰ کہ وہ پاؤں جاڑے کی سردی اور گرمی کی دھوپ سے خراب ہو کر گل کر بدن سے جدا ہو گیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ کہ ابن الکرنبی کہتے تھے کہ ایک رات میں محتلم ہو گیا۔ سردی کا موسم تھا۔ میں نے چاہا

کہ غسل کر دوں۔ لیکن میرے نفس نے غسل کرنے میں کاہلی بھی دکھائی اور یہ کہا کہ کیوں اس سردی میں اپنے آپکو ہلاک کرتا ہے صبح ہونے پر حمام میں جاکر غسل کر لینا۔ میں نے قسم کھائی۔ کہ کپڑوں سمیت غسل کرونگا اور کپڑے انکو اسیطرح بھیگا رکھونگا۔ ہرگز نہ نچوڑونگا۔ یہانتک کہ میرے بدن ہی پر خشک ہو جائیں۔ اور میں نے ایسا ہی کیا۔ اور کہا کہ ایسے نفس کی یہی سزا ہے جو حق تعالیٰ کے کام میں قصور کرے۔ ایک زاہد تھے۔ انہوں نے ایک عورت پر نظر ڈالی۔ پھر اس بات کی سزا میں قسم کھائی کہ ٹھنڈا پانی نہ پیوں گا۔ اور پھر کبھی بھی نہ پیا۔ حضرت حسان ابن ابی سنان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا گزر ایک منظر کیجانب ہوا۔ دریافت کیا یہ کس نے بنایا ہے۔ پھر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تجھے اس سے کیا سروکار ہے جو تو اس کا حال پوچھتا ہے۔ اب تجھے اس خطا کے عوض میں سال بھر روزے رکھنے کی سزا دونگا۔ اور ایسا ہی کیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نخلستان میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی۔ اسکی خوبصورتی کا خیال جو آیا۔ تو نماز سے غفلت ہو گئی اور رکعتوں کا شمار بھول گئے۔ اس غلطی میں تمام نخلستان صدقہ میں دیدیا۔ مالک بن ضیغم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ رباح القیسی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ اور میرے باپ کو عصر کی نماز کے بعد بلایا۔ میں نے کہا سو رہے ہیں۔ فرمایا سونے کا یہ کونسا وقت ہے اور واپس تشریف لے چلے۔ میں بھی انکے پیچھے پیچھے چلا۔ وہ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے کہ اے فضول تو کہتا ہے کہ سونیکا یہ کونسا وقت ہے۔ بھلا تجھ کو اس کہنے سے کیا کام۔ میں نے عہد کر لیا ہے کہ سال بھر تک تجھکو تکیہ نہ دونگا۔ یہ کہتے ہوئے روتے ہوئے چلے جاتے تھے اور یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ کیا تو خدا سے نہ ڈریگا۔ مجمع نامی ایک بزرگ تھے ایکدفعہ آپنے چھت کی جانب جو دیکھا تو ایک عورت پر نظر پڑی۔ عہد کر لیا کہ اب کبھی بھی آسمان کی طرف نہ دیکھونگا۔ احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ رات کو چراغ لیتے۔ اور ہر ساعت اپنی انگلی اس جلتے ہوئے چراغ پر رکھتے اور فرماتے کہ فلاں دن تو نے فلاں کام کیوں کیا تھا۔ اور فلاں شے کیوں کھائی تھی۔ غرضیکہ اہل احتیاط اس قسم کے لوگ تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ نفس سرکش ہے۔ اگر اسکو عذاب نہ دینگے تو یہ غالب ہو جائیگا۔ اور ہم ہلاک و تباہ ہو جائینگے اور نفس پر ہمیشہ سیاست کرتے تھے۔ پانچواں مقام مجاہدہ ہے جاننا چاہیئے کہ بعض بزرگان دین نے جو اپنے نفس کو سست اور کاہل پایا۔ تو اسے اسطرح سزا دی کہ تنبیہ اور سیاست کی غرض سے اسپر بہت سی عبادات لازم کر دیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اگر ایک نماز جماعت سے فوت ہو جاتی تو ایک رات نہ سوتے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ علیہ سے ایک نماز جماعت فوت ہو گئی۔ تو آپنے دو لاکھ درم کی زمین صدقہ میں دیدی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز مغرب میں کچھ تاخیر واقع ہو گئی۔ یہانتک کہ دو ستارے طلوع کر آئے تو آپنے اسکے کفارہ میں دو غلام آزاد کر دیئے۔ اور اور اس قسم کی بہت سی حکایات ہیں جب نفس عبادت میں کاہلی دکھائے تو اسکا علاج یہ ہے کہ کسی صاحب ریاضت کی خدمت میں حاضر ہو تاکہ اس کی ریاضت دیکھکر اسے بھی شوق اور رغبت پیدا ہو۔ ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ریاضت میں مجھ سے کچھ سستی واقع ہو جاتی ہے۔ تو میں حضرت محمد واسع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیتا ہوں۔ انکے ایک دفعہ دیکھنے سے ہفتہ بھر کیلئے عبادت

کی رغبت باقی رہتی ہے پس اگر کوئی صاحب ریاضت نہ ملے تو ریاضت کرنے والوں کے حالات اور حکایات کو سننا اور پڑھنا چاہئے۔ ہم بعض اصحاب ریاضت کا تھوڑا سا حال لکھتے ہیں حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ روٹی کھایا کرتے تھے۔ اور پانی میں آٹا گھول کر پی لیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ آٹا گھول کر پینے میں روٹی پکانے کی بہ نسبت اس قدر مہلت ملتی ہے کہ آدمی پچاس آیات کی تلاوت کر سکے۔ پھر بھلا اتنا وقت کیوں ضائع کروں ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ تمہاری چھت میں یہ کڑی کب سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں بیس برس سے اس امکان میں رہتا ہوں مگر میں نے کبھی بھی چھت کی طرف نہیں دیکھا۔ بزرگوں نے بیفائدہ کسی طرف نظر کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ حضرت احمد ابن رزین رحمۃ اللہ علیہ فجر کی نماز سے لے کر عصر کی نماز تک بیٹھے رہا کرتے تھے۔ اور کسی جانب بھی نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں بیٹھے رہا کرتے ہیں۔ فرمایا۔ حق تعالے نے بندے کو آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ اس کی عجیب عجیب صنعتوں کو غور سے دیکھا کرے۔ اور جو شخص ان تمام اشیا کی طرف عبرت سے نہ دیکھے گا۔ اس کے نام ایک خطا لکھ لی جائے گی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فقط تین اشیاء کے لئے زندگی کو دوست رکھتا ہوں ایک تو یہ کہ لمبی راتوں میں سجدے کیا کروں۔ دوسرے یہ کہ بڑے بڑے دنوں کو پیاس میں گزارا کروں تیسرے یہ کہ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہوں۔ کہ جن کی تمام باتیں سراسر حکمت اور پاکیزہ ہیں حضرت علقمہ ابن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے نفس کو اتنی تکلیف کیوں دیتے ہیں۔ فرمایا۔ اس دوستی کے سبب سے جو مجھے اپنے نفس کے ساتھ ہے کیونکہ میں اسے عذاب دوزخ سے بچاتا ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپ پر تکالیف واجب نہیں۔ فرمایا جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے کرتا ہوں تاکہ کل قیامت کو کوئی حسرت باقی نہ رہ جائے۔ کہ یہ کام کیوں نہ کیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے سوائے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی میں یہ عجیب بات نہیں دیکھی کہ آپ کی عمر اٹھانوے برس کی ہوئی مگر سوائے موت کے کبھی کسی نے آپ کا پہلو زمین پر نہیں دیکھا۔ حضرت ابو محمد حریری ایک سال پورا مکہ معظمہ میں رہے۔ وہاں نہ تو آپ نے کسی سے بات کی۔ اور نہ ہی سوئے اور نہ ہی اپنی پشت زمین پر لگائی اور نہ ہی پاؤں پھیلائے حضرت ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ اتنی بڑی ریاضت کیونکر کرسکے۔ کہا اس سمجھ کی بدولت جو مجھ کو صدق باطن سے حاصل ہوئی۔ اس نے میرے ظاہر کو اس ریاضت کی برداشت کی قوت دیدی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت فتح موصلی کو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں۔ اور آپ کی آنکھوں سے خون آلود اشک رواں ہیں میں نے پوچھا حضرت یہ کیا حال ہے۔ فرمایا مدت تک اپنے گناہوں پر میں پانی رویا۔ اب ان آنسوؤں پر خون روتا ہوں جو بلا اخلاص نکلے آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا۔ حضرت حق تعالے نے آپ سے کیا معاملہ کیا۔ فرمایا اسی گریہ زاری کے سبب سے حق تعالی نے مجھ کو عزت و بزرگی عطا فرمائی۔ اور ارشاد کیا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم کہ چالیس برس سے جو تمہارا نامہ اعمال فرشتے لائے اس میں میں نے ایک خطا نہ پائی حضرت

داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ اپنی داڑھی میں کنگھی کریں تو کیا ہو۔ اگر کنگھی کرنے میں مشغول ہوں۔ تو غافلوں میں ہو جاؤں۔ حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ نے راتوں کو عبادت کے لئے تقسیم کیا ہوا تھا فرمایا کرتے کہ آج کی رات رکوع کی ہے۔ اور ایک ہی رکوع میں صبح کر دیتے۔ اور فرمایا کرتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے اور ایک سجدہ میں صبح فرما دیتے۔ حضرت عتبۃ الغلام ریاضت کی کثرت کی وجہ سے نہ کوئی خوش مزہ کھانا کھاتے اور نہ پیتے۔ ان کی ماں نے محبت مادری سے مجبور ہو کر کہا۔ بیٹا اپنی حالت پر رحم۔ عرض کیا۔ مادر مشفقہ میں حق تعالیٰ کا رحم چاہتا ہوں۔ چند روز رنج برداشت کر لوں۔ پھر ابدالآباد تک حق تعالیٰ کی رحمت میں رہونگا۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اس خیال سے نہ بلایا۔ کہ آپ کی تسبیح میں خلل پڑے گا۔ میں نے صبر کیا اور آپ اسی طرح بیٹھے رہے۔ اور اپنی جگہ سے بالکل نہ اٹھے۔ حتیٰ کہ آپ نے اسی جگہ پر ظہر اور عصر کی نماز ادا فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن صبح کی نماز بھی وہیں ادا کی۔ اس وقت ذرا کہیں آپ کی آنکھ جھپکی جب نیند سے چونکے تو فرمانے لگے۔ بار خدایا میں بہت سونے والی آنکھ اور بہت کھانے والے پیٹ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا کہ میرے لئے یہی کافی ہے اور واپس چلا آیا۔ حضرت ابوبکر عباسی رحمتہ اللہ علیہ نے چالیس برس تک اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا۔ پھر آپ کی آنکھوں میں سیاہ پانی نے نزول کیا۔ تو بیس سال تک اپنے گھر والوں سے پوشیدہ رکھا۔ اور آپ پانچسو رکعت نماز ہر روز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور جوانی کے دنوں میں ہر روز تیس ہزار بار قل ہو اللہ کا ورد کیا کرتے۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت رابعہ قدس سرہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ محراب عبادت گاہ میں تشریف لے گئیں اور صبح تک نماز پڑھتی رہیں اور میں بھی آپ کے گھر کے ایک گوشہ میں صبح تک نماز میں مشغول رہا۔ پھر میں نے عرض کیا۔ کہ ہم خدا تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کریں کہ اس نے ہم کو تمام رات نماز پڑھنے کی توفیق بخشی۔ آپ نے فرمایا۔ اس طرح کہ ہم کل روزہ رکھیں۔ محنت اور ریاضت کرنے والوں کے یہ حالات و واقعات تھے۔ اور اس قسم کی بہت سی حکایات ہیں جن کا بیان کرنا موجب طوالت ہے۔ احیاء العلوم میں ہم نے بہت سی حکایات نقل کر دی ہیں۔ اگر بندہ اس قسم کی ریاضت نہ کر سکے تو بارے سنے تو سہی۔ اور اپنی تقصیروں کو تو پہچانے۔ تاکہ نیکی کی رغبت اس میں حرکت کرے۔ اور اپنے نفس سے مقاومت تو کر سکے۔ چھٹا مقام نفس پر عتاب کرنا ہے۔ جاننا چاہئے۔ کہ اس نفس کی تخلیق کچھ اس طور پر واقع ہوئی ہے کہ یہ نیکی سے تو بھاگتا ہے اور بدی میں خواہ نخواہ الجھتا ہے۔ اور اس کی طبیعت میں کاہلی و شہوت پرستی ہے اور تجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ تو اس کو اس عادت سے پھیرے۔ اور بے راہی سے راہ پر لگائے۔ اور نفس کی دوستی کبھی تو سختی سے ہوتی ہے اور کبھی نرمی سے کبھی کردار سے اور کبھی گفتار سے کیونکہ اس کی طبیعت میں یہ بات موجود ہے۔ کہ جس کام میں اپنی بہتری دیکھتا ہے۔ اسی

کا ارادہ کرتا ہے۔ اگرچہ اس میں رنج و تکلیف ہی کیوں نہ برداشت کرے۔ مگر یہ اس رنج و تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ لیکن اکثر جہالت و غفلت اس کے لئے حجاب ہوتی ہے۔ آدمی جب خوابِ غفلت سے اسے جگاتا ہے۔ اور روشن آئینہ اس کے سامنے رکھتا ہے۔ تو وہ قبول کر لیتا ہے اور اسی واسطے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (یعنی نصیحت کر تحقیق نصیحت فائدہ دے گی) اور تیرا نفس بھی دوسروں کے نفس ہی کی طرح ہے۔ کہ پند و نصیحت اس میں اثر کرتی ہے پس پہلے اسے نصیحت و عتاب کرنا چاہئے۔ بلکہ عتاب کو تو کسی وقت بھی موقوف نہ کرنا چاہئے۔ اور اس سے کہے۔ کہ اے نفس تو دانائی اور ہوشیاری کا دعوے دار ہے اگر کوئی تجھکو احمق کہتا ہے۔ تو تو بُرا مانتا ہے۔ حالانکہ تجھ سے بڑھ کر کوئی بیوقوف و احمق نہیں۔ اس لئے اگر کسی شخص کے انتظار میں کوئی لشکر شہر کے دروازہ پر ٹھہرا یا ہوا ہو اور اس شخص کے گرفتار کرنے کی غرض سے کسی آدمی کو بھیجا گیا ہو۔ تاکہ اسے اپنے ساتھ لے جا کر ہلاک کر دیں تو ایسے خطرہ کے وقت میں وہ شخص کھیلنے میں مشغول ہو۔ تو اس سے زیادہ اور کون احمق ہوگا۔ اے نفس لشکرِ مردگان شہر کے دروازہ پر تیرا انتظار کر رہا ہے اور انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ اس وقت تک نہ ہلیں گے جب تک تجھ کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے اور بہشت اور دوزخ کو تیرے لئے پیدا کیا گیا ہے اور شاید وہ لشکر آج ہی تجھکو اپنے ساتھ لیجائے اور اگر بالفرض آج تجھ کو اس نے اپنے ساتھ نہ لیا۔ تو ایک نہ ایک دن ضرور اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اور جو امر ہونے والا ہے۔ تجھ کو چاہئے۔ کہ اسے ہوا ہوا سمجھے کیونکہ موت نے کبھی بھی کسی کے ساتھ وقت مقرر نہیں کیا کہ میں شب کو آؤں گی یا دن کو۔ جلدی آؤں گی یا دیر کر کے۔ گرمی میں آؤں گی یا سردی میں۔ وہ تو سب کو اچانک لی جاتی ہے۔ اور موت ایسے وقت آتی ہے۔ جب کہ آدمی نہایت ہی مطمئن ہوتا ہے۔ پس اگر تو مرنے پر تیار نہیں رہے گا۔ تو اس سے زیادہ اور کیا حماقت ہو گی۔ اے نفس نہایت افسوس ہے کہ تو دن بھر گناہوں میں مشغول رہتا ہے۔ اگر تو جانتا ہے کہ حق تعالےٰ تیرے گناہوں کو نہیں دیکھتا تو تو کافر ہے اگر جانتا ہے کہ دیکھتا ہے تو سخت دلیر و بے شرم ہے۔ کہ اس کی اطلاع سے خوف نہیں کھاتا۔ پس اگر کوئی تیرا غلام ہو اور وہ تیری نافرمانی کرے تو تجھے اس پر کس قدر غصہ آئے۔ پھر حق تعالیٰ کے غصہ سے کس بات کی بنا پر مطمئن اور امین ہے اگر تو اس دھوکا میں ہے کہ تجھ میں حق تعالیٰ کے عذاب کے برداشت کرنیکی قوت موجود ہے تو ذرا ایک ساعت کے لئے روشن چراغ پر اپنی انگلی تو رکھ۔ یا ذرا دھوپ کی شدت میں ٹھہر۔ یا کچھ دیر کے لئے گرم حمام ہی میں ٹھہر۔ تاکہ ذرا تجھ پر تیری عاجزی کا راز کھل جائے۔ اور اگر تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں جو کچھ بھی کرتا ہوں اس کے مواخذہ میں نہ پکڑا جاؤں گا۔ تو تو قرآن شریف میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا انکار کرتا ہے۔ اور نعوذ باللہ سب کو کافر اور کاذب سمجھتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (جو شخص بُرائی کرے گا بُرائی دیکھیگا) اے نفس شاید تو یہ خیال کرے کہ حق تعالیٰ رحیم و کریم ہونے کی وجہ سے مجھکو عذاب نہ کرے گا۔ تو اس بات کا جواب ذرا کان کھول کر سن رکھ۔ کہ وہ رحیم و کریم دنیا میں لاکھوں انسانوں کو بھوک و فاقہ میں مبتلا کرتا ہے اور بیمار کیوں ڈالتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ رحیم و کریم ہی ہے۔ تو آدمی بلا بونے کے کھیت ہی

کیوں نہیں کاٹ لیتا۔ اے نفس جب تجھے کچھ خواہش ہوتی ہے۔ تو زر و مال حاصل کرنے کے لیے تمام دنیا کے حیلوں اور تدبیروں سے کیوں کام لیتا ہے اس وقت بھلا تو یہ کیوں نہیں کہتا۔ کہ حق تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ خود ہی تیرے کام کو کر دے گا۔ اور اے نفس کیوں زر و سیم کی طلب میں مصیبتیں اٹھاتا اور تکلیفیں برداشت کرتا ہے اور تندرستی حاصل کرنے کے واسطے ایک یہودی طبیب کے کہنے سے کیوں تمام خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ دوزخ بیماری اور افلاس سے بھی زیادہ سخت ہے اور آخرت کی مدت دنیا کی عمر سے کہیں دراز ہے۔ شاید تو یہ کہے کہ میں تائب ہو جاؤں گا۔ اور ان افعال سے بہتر افعال کروں گا۔ لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جب تک تو توبہ کرے شاید تجھے موت آجائے اور تو اس جہان سے بصد حسرت و یاس رحلت کرے۔ اے نفس۔ اگر آج تو یہ خیال کرتا ہے کہ بہ نسبت آج کے کل توبہ کرنا تیرے لیے آسان ہوگا۔ تو تو جہالت اور نادانی کا شکار ہے۔ تو جس قدر دیر کرے گا اسی قدر تیرے لیے توبہ مشکل ہوگی اور جب موت قریب آگئی۔ تو توبہ کرنا بے فائدہ ہوگی۔ جیسے کہ چڑھائی پر چڑھتے وقت جو کھلانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ یعنی اگر اس کو پہلے جو کھلائے جاتے۔ تو اس کو کچھ نہ کچھ طاقت حاصل ہو جاتی۔ بھلا عین وقت پر کھلانے سے کیا قوت ہوگی اے نفس تو یہ خیال نہ کر کہ حق تعالیٰ نے تجھکو تیرے گناہ پر غصہ آنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ تاکہ تو یہ کہے کہ میرے گناہوں سے حق تعالیٰ کا کیا نقصان ہے۔ عذاب اس سبب سے نہ ہوگا۔ بلکہ تیری خواہشات ہی تجھ میں دوزخ کی آگ پیدا کر دیں گی جس طرح کسی بری شئے کے استعمال سے یا زہر کھانے سے آدمی کے بدن میں بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بات نہیں کہ طبیب تیری نافرمانی کے سبب سے خفا ہو جاتا ہے۔ اور اس سبب سے تجھ میں بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ اے نفس تجھ پر افسوس ہے کہ تو دنیا کی لذات و خواہشات میں گرفتار ہو گیا۔ اور ان پر فریفتہ ہو گیا۔ کیونکہ اس کے علاوہ تیری غفلت کا اور کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ اگر تجھے بہشت و دوزخ پر ایمان نہیں تو موت کا تو یقین کر۔ کہ ایک نہ ایک دن آنے والی ہے۔ اور دنیا کی تمام لذات و نعمتیں تجھ سے چھین لی جائیں گی۔ اور تو ان کی آتش فرقت میں جلا کرے گا۔ ہمارا کام تو صرف تجھکو سمجھانا ہے۔ آگے تیرا اپنا اختیار ہے۔ جس قدر تیری مرضی ہو۔ دنیا کی محبت اپنے دل میں قوی و مضبوط کر۔ مگر یہ سمجھ لے۔ کہ جس قدر محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی قدر فراق سے تکلیف پہنچتی ہے۔ اے نفس حق تعالیٰ تجھے ہدایت دے تو کیوں دنیا کے پیچھے خراب ہو رہا ہے۔ اگر مشرق سے لیکر مغرب تک تمام دنیا تجھ کو دے دی جائے۔ اور تمام جہاں کا تو مسجود ہو جائے۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں تو اور وہ سب خاک میں مل جائے گا۔ اور جس طرح بادشاہان سلف کو کوئی یاد نہیں کرتا تجھ کو بھی کوئی یاد نہ کرے گا۔ اور بھولے سے بھی تیرا نام نہ لے گا۔ اور پھر جب کہ تھوڑی سی دنیا تجھکو نصیب ہو اور وہ بھی خراب خستہ تو بہشت جاودانی کو کیوں اس کے عوض فروخت کرتا ہے۔ اے نفس اگر کوئی شخص گوہر نفیس دے کر مٹی کے ٹوٹے ہوئے پیالہ کو خرید لے تو کیا اس پر نہ ہنسیں گے اور اس کو احمق و بے وقوف نہ خیال کریں گے اسی طرح یہ دنیا مٹی کا پیالہ ہے تو یہ خیال کر اور سمجھ کہ پیالہ اچانک تیرے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ جائیگا۔ اگر تو نے اس سفالِ شکستہ کو اختیار کیا۔ تو یہ سمجھ لے

کہ تجھ کو وہ گوہر جاوداں نصیب نہ ہوگا۔ اور تو ہمیشہ اس کی حسرت و عذاب میں رہیگا۔ اس قسم کے عتاب نفس کو ہمیشہ متواتر کرنے چاہئیں تاکہ اپنا حق ادا ہو جائے۔ اور وعظ و نصیحت کرنے میں ابتدا اپنی ہی ذات سے کرے۔

اصل ہفتم (ساتویں) تفکر کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ یعنی ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے اور قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تفکر، تدبر، نظر و اعتبار کا حکم دیا ہے اور سب تفکر ہی میں داخل ہے اور جب تک آدمی تفکر کی حقیقت اور کیفیت کو نہ جانے گا۔ اور اس کو یہ پتہ نہ چل جائے گا کہ تفکر کس چیز میں ہے۔ اور کیا ہے اور کس فائدہ کے لئے ہے تب تک وہ تفکر کی فضیلت سے آگاہ نہ ہوگا۔ اور ان تمام امور کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے ہم سب سے پہلے تفکر کی فضیلت بیان کرتے ہیں پھر اس کے بعد تفکر کی حقیقت بیان کریں گے اور پھر بتلائیں گے۔ کہ تفکر کس واسطے ہوتا ہے۔ اور کس شے میں ہوتا ہے۔

فضیلت تفکر

جاننا چاہیے۔ کہ ایک ساعت جس کام کا کہنا سال بھر کی عبادت سے افضل ہے اس کا بڑا درجہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ حق تعالیٰ کی ذات میں تفکر کر رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تفکر اس کی مخلوق میں کرو۔ اس کی ہستی میں تفکر نہ کرو کیونکہ تم اسکی طاقت نہ لاسکو گے اور اس کی قدر نہ پہچان سکو گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ آپ کیوں روتے ہیں جب کہ آپ کے گناہ حق تعالیٰ کی طرف سے عفو کئے جا چکے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا کیوں نہ روؤں جبکہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ پھر فرمایا افسوس ہے اس شخص پر جو اس آیت کو تلاوت کرے اور اس میں تفکر سے کام نہ لے لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ کہ یا روح اللہ روئے زمین پر کوئی آپ کا مثیل بھی ہے۔ فرمایا ہاں ہے اور وہ ہے کہ جس کی تمام باتیں ذکر ہوں اور اس کی خاموشی سراسر فکر ہو اور اس کی نظر بالکل عبرت ہو وہ میری مثل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اپنی آنکھوں کو بھی عبادت سے کچھ حصہ دو صحابہ نے عرض کیا وہ کس طرح یا رسول اللہ حضور نے فرمایا قرآن شریف کے پڑھنے سے اور اس میں تفکر کرنے سے۔ اور عجائبات الٰہی سے عبرت حاصل کرنے سے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ دنیا میں تفکر کرنا آخرت کا حجاب ہے اور آخرت میں تفکر کرنے کا ثمرہ حکمت ہے اور دلوں کی زندگی ہے حضرت

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ ایک رات مکان کی چھت پر ملکوتِ آسمان میں تفکر فرما رہے تھے۔ اور رو رہے تھے۔ حتّٰی کہ ہمسایہ کے کوٹھے پر گر پڑے۔ ہمسایہ اٹھا اور تلوار اٹھالی۔ کیونکہ اس نے سمجھا کہ کوئی چور ہے۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو پوچھا آپ کو کس نے گرایا آپ نے فرمایا میں بے خبر تھا مجھے معلوم نہیں۔

حقیقتِ تفکر

جاننا چاہیئے کہ تفکر کے معنی طلب علم ہے اور جو علم بدیہات سے معلوم نہ ہو۔ اس کو ضرور طلب کرنا چاہیئے۔ اور سوائے دو معرفتوں کے اس کا جاننا اور حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مگر اس طرح کہ ان دونوں معرفتوں کو اکٹھا کرے اور ایک دوسری سے ملائے تاکہ آپس میں جفت ہوں اور پھر ان دونوں معرفتوں میں سے تیسری پیدا ہو۔ جیسے کہ نر و مادہ کے ملنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور یہ دو معرفتیں اس تیسری معرفت کے لئے بمنزلہ دو اصلوں کے ہیں پھر اس تیسری معرفت کو کسی اور معرفت کے ساتھ جمع کرے تاکہ اس سے چوتھی معرفت پیدا ہو۔ اور اسی طرح ایک معرفت کو دوسری معرفت سے ملانا نسل علوم کو حد درجہ بڑھانا ہے اور جو شخص اس طریق سے علوم حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ اس لئے ہے۔ کہ وہ ان علوم کی طرف راستہ نہیں پاتا کہ جو اصل ہیں اور ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہوتی ہے کہ جو سرمایہ نہ رکھے اور تجارت کس طرح کریگا۔ اور اگر ان علوم سے واقف ہے اور آپس میں ملانا نہیں جانتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ سرمایہ تو رکھے۔ لیکن سوداگری نہ کر سکے۔ اور اس حقیقت کی شرح طویل ہے۔ اور ہم صرف اس کو ایک مثال میں بیان کرتے ہیں اور یہ اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جانتا ہے۔ کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے تو وہ اس وقت تک نہیں جان سکتا۔ جب تک پہلے دو چیزوں سے واقف نہ ہولے۔ ایک تو یہ جانے کہ باقی فانی سے بہتر ہے اور دوسری بات یہ جانے کہ آخرت باقی ہے اور دنیا فانی ہے جب وہ ان دو اصلوں سے واقف ہو گیا تو پھر بالضرور یہ تیسرا علم کہ آخرت بہتر ہے دنیا سے۔ اس سے تولد کرے گا۔ اور یہ تولد ہونا ہم اس طرح پر نہیں چاہتے۔ جیسے کہ معتزلہ چاہتے ہیں۔ اور اس بات کی تفصیل طویل ہے پس تمام تفکرات کی حقیقت طلب علم ہے۔ کہ جو دل میں دو علوم کے حاصل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح گھوڑے کے جفت ہونے سے بکری پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان دو علموں سے جو علم تو چاہے گا۔ وہ پیدا نہ ہوگا۔ بلکہ علم کی ہر قسم کے لئے دو علیحدہ علیحدہ اصلیں ہیں جب تک تو ان دونوں اصلوں کو دل میں حاضر نہ کریگا۔ وہ فرع پیدا نہ ہو گی۔

تفکر کس واسطے کرنا چاہیئے

جاننا چاہیئے کہ آدمی کو ظلمت و تاریکی میں پیدا کیا ہے۔ اور جہل میں اس کے لئے نور کی حاجت ہے تاکہ اس ظلمت سے باہر نکلے۔ اور اپنے کام کے راستہ پر چلے۔ اور اس بات سے آگاہ ہوئے کہ اس کو کیا کچھ کرنا چاہیئے۔ اور کس راہ سے چلنا چاہیئے

دنیا کی طرف سے یا آخرت کی طرف سے اپنے ساتھ مشغول ہونا چاہئے یا حق تعالیٰ کے ساتھ۔ اور یہ امر سوائے نورِ معرفت کے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور معرفت کا نور سوائے تفکر کے پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ خَلَقَ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ رَشَّ عَلَیْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ۔ اور جس طرح کوئی شخص تاریکی میں عاجز ہوتا ہے اور راستہ نہیں چل سکتا اور وہ لوہے کو پتھر پر مارتا ہے۔ تاکہ اس سے آگ کا نور ظاہر ہو اور وہ اس سے چراغ کو روشن کرے۔ اور اسی چراغ سے اس کی حالت بدل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ دیکھنے لگتا ہے۔ اور راہ و بے راہی میں تمیز کرتا ہے اور پھر چلنا اختیار کرتا ہے اس طرح یہ دو علم جو اصل ہیں ان کو جمع کرنا چاہئے تاکہ پتھر و لوہے سے جس طرح آگ پیدا ہوتی ہے ان سے تیسری معرفت پیدا ہو اور تفکر کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر کو لوہے پر مارنا۔ اور معرفت کی مثال اس نور کی سی ہے جو پتھر اور لوہے سے پیدا ہوتا ہے تاکہ اس سے دل کی حالت تبدیل ہو جائے اور جب حال بدل جاتا ہے۔ تو کام اور عمل بھی بدل جاتا ہے مثلاً جب دیکھا۔ کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے تو پھر دنیا کی طرف پیٹھ کر دے گا۔ اور آخرت کی طرف متوجہ ہو گا۔ پس تفکر تین چیزوں کے لئے ہے۔ معرفت، حالت و عمل حالت کا تابع ہے۔ اور حالت معرفت کی تابع ہے اور معرفت تفکر کی تابع ہے پس تفکر تمام نیکیوں کی اصل و کنجی ہے اور اس کی فضیلت متذکرہ بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔

میدانِ فکر کا بیان کہ فکر کس چیز میں ہوتی ہے اور کہاں جاتی ہے

جاننا چاہئے۔ کہ جولانگاہ و میدان فکر نہایت وسیع ہے۔ اور اس واسطے علم کی بھی نہایت و انتہا نہیں۔ فکر ہر شے میں جاری ہے۔ لیکن جو چیز دین کے راستہ سے تعلق نہیں رکھتی ہمیں اس کی شرح مقصود نہیں۔ لیکن وہ شے جس کا تعلق دین کے ساتھ ہے۔ اگرچہ اس کی تفصیل بھی دراز ہے لیکن اجمالی طور پر اس کے اجناس کا ذکر ہو سکتا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ ہم راہ دین سے اس معاملہ کو مراد لیتے ہیں جو حق تعالیٰ اور بندہ کے درمیان میں ہے۔ کیونکہ بندہ کی راہ وہی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے حق تعالیٰ تک پہنچے۔ بندہ کا تفکر یا تو اپنی ذات کے متعلق ہوتا ہے یا حق تعالیٰ کی ذات کے متعلق ہوتا ہے اور بندہ کا تفکر حق تعالیٰ کی ذات میں ہوتا ہے یا اس کی صفات میں یا اس کے افعال یا عجائب و غرائب مصنوعات ہیں۔ اگر بندہ اپنی ذات میں تفکر کرتا ہے۔ تو وہ تفکر یا ان صفات میں ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ اور اس کو حق تعالیٰ سے دور کرتی ہیں اور وہ صفات معاصی و مہلکات ہیں۔ اور یا تفکر ان صفات میں ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو محبوب ہوتی ہیں اور بندہ کو حق تعالیٰ کی قربت نصیب کرتی ہیں۔ اور وہ صفات طاعت و منجیات ہیں۔ پس یہ چار میدان ہیں۔ بندہ کی مثال عاشق کی طرح ہے اور اس کا خیال کسی طرح بھی معشوق کے خیال سے باہر نہیں جاتا اگر باہر چلا جائے تو ایسے شخص کا عشق ناقص ہوتا ہے۔ کیونکہ عشق کامل وہی ہوتا ہے کہ اس نے اور کسی شے کی جگہ نہ چھوڑی ہو بس اس کا خیال معشوق کے جمال اور معشوق کے حسنِ صورت میں لگا رہتا ہے۔ یا اس کے افعال و اخلاق کی جانب اگر

عاشق اپنی ذات میں فکر کرتا ہے۔ یا اسباب میں فکر کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے معشوق کے نزدیک اس کی زیادہ قبولیت نصیب ہو تاکہ اس کی طلب کرے اور یا ایسی باتوں میں فکر کرتا ہے کہ اس کو نفرت اور کراہیت حاصل ہو تاکہ وہ عاشق سے حذر کرے۔ اور جو خیال بھی عشق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ ان چار سے باہر نہیں ہوتا۔ اور دین کے عشق کا خیال اور حق تعالےٰ کی دوستی کا خیال بھی ایسا ہی ہوتا ہے (میدان اوّل) وہ ہوتا ہے۔ کہ اپنی ذات کا خیال کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس میں کون کون سی مکروہ صفات اور اعمال ہیں۔ تاکہ ان سے اپنے آپ کو پاک وصاف کرے۔ یہ تو ظاہری گناہ ہوتے ہیں یا باطنی اخلاق خبیثہ۔ اور یہ اکثر ہوتا ہے کہ بعض معاصی ظاہر ہفت اندام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے زبان آنکھ۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ اور بعض معاصی تمام بدن سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور خبثِ باطن کی بھی یہی حالت ہے۔ اور ان میں ہر خیال کے تین طریق ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ فلاں کام اور فلاں صفت مکروہ ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ بات ہر جگہ ظاہر نہیں ہوتی۔ تفکر سے معلوم ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب یہ مکروہ ہے۔ تو میں اس پر ہوں یا نہ۔ کیونکہ صفاتِ نفس کو آسانی سے نہیں پہچان سکتے مگر تفکر سے۔ تیسرے یہ کہ اگر اس صفت مذموم سے موصوف ہے تو پھر اس سے خلاصی کی کیا تدبیر ہے پس ہر روز صبح کی وقت چاہیئے کہ آدمی ساعت بھر کے لیے اس سے تفکر کرے۔ پہلے تو گناہ ظاہر کا خیال کرے کہ جو زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ میں آج روز کس بات میں مبتلا ہونگا اور یہ ممکن ہے کہ غیبت اور جھوٹ وغیرہ میں مبتلا ہو۔ تو اسباب کی تدبیر سوچے۔ کہ اس سے کس طرح حذر کریگا اور اسی طرح اگر اس بات کے خطرہ میں ہے۔ کہ لقمہ حرام میں مبتلا ہونگا تو یہ خیال کرے کہ اس سے کس طرح محفوظ رہے گا۔ اسی طرح اپنے تمام اعضا سے تفحص کرے اور تمام عبادات میں بھی اندیشہ کرے۔ اور جب اس ‑ ‑ ‑ ‑ ‑ سے فارغ ہو تو پھر فضائل و اعمال سے تفکر کرے۔ تاکہ سب بجالائے۔ مثلاً کہے کہ زبان حق تعالیٰ نے اپنے ذکر کے لئے اور مسلمانوں کی راحت کے لیے پیدا فرمائی ہے اور اس امر پر قادر ہوں کہ فلاں ذکر کروں اور فلاں اچھی بات کہوں تاکہ کوئی شخص خوش ہو اور آنکھ اس لیے پیدا کی ہے تاکہ دین کا دام بنے اور اس سے سعادت کا شکار کروں اور ان آنکھوں سے فلاں عالم کو تعظیم کی نظروں سے دیکھوں اور فلاں فاسق کو رت کی نظر سے دیکھوں۔ تاکہ آنکھ کی حق ادائیگی ہو۔ اور مال کو حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے آرام کے لئے پیدا کیا ہے۔ تاکہ فلاں شخص کو صدقہ دوں اور اگر مجھ کو حاجت ہے تو صبر کروں اور ایثار سے کام کروں۔ یہ اور اسی قسم کی باتیں خیال میں لائے اور ممکن ہے کہ ایک ساعت بھر کے تفکر میں ایسا خطرہ پیش آئے۔ کہ تمام گناہوں سے محفوظ رکھنے کا باعث ہو۔ اور یہی وجہ ہے جو ایک ساعت بھر کے تفکر کو سال بھر کی عبادت سے افضل کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ عمر بھر رہتا ہے جب ظاہری طاعات ومعاصی کے تفکر سے فارغ ہو جائے تو پھر باطن کی طرف توجہ کرے اور جو مہلکات یعنی اخلاق رذیلہ باطن میں ہوں ان کی طرف خیال کرے۔ اور یہ دیکھے کہ منجیات یعنی نیک اخلاق میں سے میرے باطن میں کیا کیا موجود نہیں۔ تاکہ انہیں حاصل کرنے کی کوشش کروں اس کی تفصیل بھی طویل ہے۔ مگر اصل مہلکات دس ہیں۔ بخل تکبر عجب ریا حسد غصہ۔ حرص طعام۔ حرص سختی، دوستی مال، دوستی جاہ ان سے نجات پانا آدمی کی ہلاکت سے محفوظ رہنے کے لئے کافی ہے۔ اور اصل منجیات بھی دس ہیں۔ توبہ، صبر، رضا،

بمقتضائے شکرِ نعمت، خوف، رجا، زہد، طاعت میں اخلاص، خلق کے ساتھ نیک خلقی، محبت الٰہی، ان تمام صفات میں سے ہر صفت میں تفکر کرنے کی بہت سی گنجائش ہے۔ اور یہ راہ اس شخص پر کشادہ ہوتی ہے جو ان صفات کے علوم کو (جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے) پہچانے۔ اور مرید کو چاہیئے کہ ان صفات کی ایک فہرست اپنے لئے مرتب کر رکھے۔ اور جب ایک صفت اسے حاصل ہو جائے تو اس پر خط کھینچ دے۔ اور دوسری صفت کے حصول میں مشغول ہو۔ اور یہ ممکن ہے کہ ان تفکرات میں سے بعض تفکر کسی کیلئے نہایت ضروری ہوں۔ اس واسطے کہ وہ شاید کسی بری صفت میں مبتلا ہو۔ مثلاً کوئی پرہیز گار عالم تمام برے اخلاق سے تو محفوظ ہو۔ مگر علم پر بہت اتراتا اور فخر کرتا ہو۔ اور علم ظاہر کر کے بزرگی و شہرت کا متلاشی ہو۔ اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی صورت کو آراستہ بنائے رکھتا ہو۔ اور قبول خلق سے اظہار مسرت کرتا ہو۔ اور اگر کوئی شخص اس پر طعن کرے تو وہ اس شخص کے بارہ میں اپنے دل میں کپٹ رکھے اور انتقام لینے کی تاک میں رہے۔ یہ تمام امور پوشیدہ خباثت ہیں۔ اور دین کی راہ میں خلل انداز ہیں تو ایسے عالم کو چاہیئے کہ وہ ان برے امور میں تفکر کیا کرے کہ میں ان سے کس طرح نجات حاصل کروں۔ اور خلق کا ہونا نہ ہونا میرے لئے کیسے برابر ہو جائے۔ تاکہ میری نظر کلّی طور پر حقتعالیٰ ہی پر رہے۔ اسبات میں تفکر کی بڑی گنجائش ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ جو اپنی صفاتِ مہلکہ اور منجیہ میں تفکر کرتا ہے۔ تو اس کی کچھ انتہا نہیں اور اس کی تفصیل کا معرض بیان میں لانا ناممکن ہے والسّلام دوسرا میدان تفکر حق تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اور حقتعالیٰ کی ذات و صفات میں ہوتا ہے۔ یا اس کے افعال و مصنوعات میں تفکر کرنا ہوتا ہے۔ اور اسکی ذات و صفات میں تفکر کرنا بڑا مقام ہے۔ مگر چونکہ خلق میں اس تفکر کی طاقت نہیں اور وہاں تک عقل مخلوق کی رسائی نہیں اس لئے شریعت نے اس تفکر کو منع کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ حقتعالیٰ کی ذات و صفات میں تفکر نہ کرو۔ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَقْدِرُوْا قَدْرَہٗ اور یہ دشواری جلال حق کی پوشیدگی کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی روشنی کے سبب سے ہے۔ کہ وہ اس قدر روشن ہے کہ آدمی کی بصیرت ضعیف طاقت نہیں رکھتی۔ بلکہ اس میں مدہوش و متحیر ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ چمگادڑ کا دن کو نہ اڑنا۔ کیونکہ اس کی آنکھیں کمزور ہیں اور نور آفتاب کی تاب نہیں لاسکتیں اور جب آفتاب غروب ہونے پر آتا ہے تب دیکھتا ہے۔ عوام النّاس کی یہی مثال ہے۔ اور ایسا ہی حال ہے۔ مگر صدیقوں اور بزرگوں میں اس نظر کی طاقت ہے۔ لیکن ہمیشہ نہیں ہوتی۔ اگر ہمیشہ دیکھیں تو بے طاقت ہو جائیں۔ جیسے کہ آدمی آفتاب کو دیکھ سکتا ہے لیکن اگر ہمیشہ اسکی جانب دیکھتا رہے تو اندھے ہونے کا خوف ہے اسی طرح اس نظر میں بھی دیوانہ اور بیہوش ہو جانے کا خطرہ ہے۔ پس حقتعالیٰ کی ذات کے حقائق کے بارہ میں اگر بزرگ لوگ کچھ جان بھی جاتے ہیں تو انہیں عوام خلق سے اظہار کی اجازت نہیں۔ مگر ان الفاظ میں بیان کرنیکی اجازت ہے۔ جو مقامات بشریہ سے قریب ہوں۔ مثلاً تو یہ کہے کہ حقتعالیٰ عالم مرید اور متکلم ہے۔ تو آدمی اپنی صفات کی جنس سے ان باتوں کو سمجھ لیتا ہے۔ اور یہ ایک قسم کی تشبیہ ہے۔ لیکن یہ بھی بتلا دینا مناسب ہے کہ حقتعالیٰ کا کلام تمہارے کلام کا سا نہیں۔ کہ جو حروف اور آواز کا محتاج ہو۔ اور اس میں پیوستگی اور گسستگی ہو۔ لیکن جب تم یہ کہو گے تو لوگ اسبات کو نہ سمجھ سکیں گے۔ اور انکار کر دینگے کہ خدا تعالیٰ کا کلام بھلا بے حروف و صوت کس طرح ہوگا۔ جیسے کہ تو خلق سے یہ کہے کہ حقتعالیٰ کی ذات تمہاری ذات جیسی نہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ جوہر ہے اور نہ عرض اور نہ

جگہ میں اور نہ جگہ پر نہ جہت میں۔ نہ تو عالم سے منفصل ہے اور نہ متصل، اور نہ عالم کے اندر اور نہ عالم کے باہر۔ شاید تو ان امور کا بھی انکار کر دے اور کہے کہ یہ تو ناممکن ہے اور یہ اس سبب سے ناممکن خیال کرے کہ حقتعالیٰ کی ذات کو اپنی ذات پر قیاس کرے، اور اس سے حق تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ سمجھے، کیونکہ خلق نے جو عظمت دیکھی ہوگی وہ ایک بادشاہ کی عظمت ہوگی، جو ایک تخت پر بیٹھتا ہے اور اس کے سامنے غلام کھڑے ہوتے ہیں، پس اسیطرح حقتعالیٰ کے بارہ میں خیال کرے اور کہنے لگے کہ ضرور حق تعالیٰ کے ہاتھ پاؤں، آنکھ، منہ، زبان ہوگی، کیونکہ خلق جب اپنی ذات میں یہ اعضا دیکھیگی، تو کہیگی کہ اگر حقتعالیٰ کی ذات میں یہ اعضا نہ ہوں تو زبردست نقص کی بات ہے، اگر مکھی بھی عوام النّاس کیطرح کچھ عقل رکھتی تو کہتی کہ میرے خالق کے بھی میری طرح پر و بال ہونگے، کیونکہ یہ محال ہے کہ جو قوت و توانائی کی شے میرے پاس ہو، اس کے پاس نہ ہو، پس اسیطرح آدمی بھی تمام کاموں کو اپنے پر قیاس کر لیتا ہے، اور یہی وجہ ہے جو شریعت نے حقتعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنیکی ممانعت کی ہے، اور سلف صالحین نے اس بارہ میں کلام کرنیسے منع فرمایا ہے اور صاف طور پر یہ کہنا کہ وہ نہ تو عالم کے اندر ہے اور نہ عالم کے باہر ہے نہ متصل ہے اور نہ منفصل ہے، روا نہیں رکھا، بلکہ اسی پر قناعت کی ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ یعنی نہ تو وہ کسی شے کی مثل ہے اور نہ کوئی شے اسکی مثل ہے، اور یہ بات بھی مجمل طور پر کہدی اسکی تفصیل نہیں کی۔ بلکہ اس کی تفصیل کرنیکو بدعت خیال کیا، اسوجہ سے کہ اکثر خلق اس تفصیل کے ادراک سے عاجز ہے، اور یہی وجہ تھی کہ حقتعالیٰ نے اپنے بعض پیغمبروں پر وحی نازل فرمائی کہ میرے بندوں سے میری صفات کا تذکرہ نہ کرو، کیونکہ وہ انکار کریں گے، ان سے صرف وہی بات بیان کرو جو انکی عقل میں آسکے، بلکہ اولیٰ یہی ہے کہ مسئلہ میں گفتگو نہ کریں، اور نہ تفکر سے کام لیں، مگر جو شخص کامل ہو، اس کو اختیار ہے، لیکن وہ بھی دہشت اور حیرت کا شکار ہو جاتا ہے، پس اس کی عظمت کو اس کی عجیب و غریب صنعتوں سے معلوم کرنا چاہیئے، اسواسطے کہ جو چیز بھی عالم وجود میں ہے وہ سب اس کے انوار عظمت و قدرت میں سے ایک نور ہے۔ اگر کوئی شخص آفتاب کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو کم از کم اس بات کی طاقت تو رکھتا ہے کہ اس کا نور جس نے تمام عالم کو منور کیا ہوا ہے ملاحظہ کرے ؛

تیسرا میدان حق تعالےٰ کی عجیب و غریب مخلوق میں تفکر کرنا

جاننا چاہیئے کہ جہان میں جو کچھ بھی موجود ہے۔ وہ سب اس کی ادنیٰ صفت کا نمونہ ہے، لیکن عجائب و غرائب کا ایک لاانتہاہی خزینہ ہے اور زمین و آسمان کے تمام ذرات زبان حال سے اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس اور اسکی قدرت کاملہ اور لاانتہاہی علم کا اقرار کر رہے ہیں، اور یہ عجائبات عالم اس کثرت سے ہیں کہ انکی تفصیل احاطہ بیان سے باہر ہے، اگر سب دریا سیاہی بن جائیں، اور تمام اشجار قلم بن جائیں اور تمام مخلوق لکھنے پر بیٹھ جائے اور مدت دراز تک لکھتی رہے تو تب بھی جو کچھ حقیقت میں ہے اس سے زائد ایک شمہ ہی تحریر کر سکے، جیسا کہ خود حقتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہدو کہ اگر دریا میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سیاہی

نجائے، تو قبل اس کے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں تمام دریا ختم ہو جائے اگرچہ لائیں ہم اور دریا اس جیسا" پس بطریق مجمل یہ جاننا چاہیئے۔ کہ مخلوق دو قسم پر ہے، ایک قسم سے تو ہم بالکل بے خبر ہیں، بھلا اس میں تفکر کیا کریں گے، جیسا کہ حقتعالیٰ کا ارشاد ہے، قولہ تعالیٰ سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیا اجناس کو سب کا سب اس شے سے کہ اگاتی ہے زمین اور آدمیوں کی ذاتیں اور اس شے سے کہ نہیں جانتے ہم صرف ایک قسم سے واقف ہیں، اور جس شے سے واقف ہیں اسکی بھی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جنکو ہم آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے جیسے کہ عرش، کرسی، فرشتے، دیو، پری وغیرہ، اس مختصر سی کتاب میں ان میں تفکر کرنے کے اطوار کا بیان کرنا نہایت دشوار ہے، پس جو چیزیں ہمارے دیکھنے کی ہیں ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں، اور وہ آسمان زمین، آفتاب، ماہتاب ستارے وغیرہ ہیں، اور جو کچھ زمین پر ہے، جیسے پہاڑ، جنگل، دریا، شہر اور وہ جواہر و معادن جو پہاڑوں میں ہیں، اور وہ تمام انواع نباتات جو زمین پر ہیں، اور سوائے انسان کے جو اور حیوانات بحر و بر میں موجود ہیں، اور سب سے زیادہ عجیب وہ اشیاء جو زمین و آسمان کے درمیان میں ہیں، جیسے ابر، بارش، برف، ژالہ، رعد، برق، قوس قزح وغیرہ اور وہ علامات جو ہوا میں پیدا ہوتی ہیں، پس یہ اشیاء سب کا خلاصہ ہیں، اور ان میں سے ہر شے میں تفکر کی گنجائش ہے اور سب حقتعالیٰ کی عجیب عجیب مصنوعات ہیں، پس ان میں سے بعض کو ہم مختصر طریق پر بیان کرینگے، یہ سب حقتعالیٰ کے نشان ہیں جن میں غور و فکر کرنیکا تجھ کو حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے، قولہ تعالیٰ وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیٰتٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ یعنی زمین و آسمان میں بہتیرے نشان ہیں کہ گزرتے ہیں ان پر حالانکہ وہ ان نشانات سے اعراض کرنیوالے ہوتے ہیں اور فرمایا اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی بیشک زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات دن کے اختلاف میں نشانیاں ہیں واسطے عقلمندوں کے" اور اس قسم کی بہت سی نشانیاں ہیں اے عزیز ان نشانات میں فکر کیا کر اور پہلی نشانی جو تجھ سے نہایت ہی قریب ہے، وہ خود تیری اپنی ذات ہے، تمام روئے زمین پر تجھ سے زیادہ کوئی عجیب شے نہیں اور تو اپنے سے غافل ہے، حالانکہ حقتعالیٰ فرماتا ہے وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ یعنی اے آدمی تو اپنی ذات میں تامل کر تاکہ تجھ پر ہماری قدرت اور عظمت کا اظہار ہو، پہلے اپنی ابتداء کی نسبت تو خیال کر کہ تو کہاں سے آیا ہے اور حقتعالیٰ نے کس طرح تجھ کو پانی کی ایک بوند سے پیدا فرمایا ہے، اور پیدا ہونے سے قبل تجھ کو اسی ذات مقدس نے تیرے باپ کی پشت میں جگہ دی، اور ماں کی چھاتی میں پھر اسے تیری پیدائش کا تخم بنایا، اور ماں باپ پر شہوت کو مسلط کیا، عورتوں کے بچہ دان کو زمین اور مرد کی پشت کے پانی کو بیج بنایا، اور ماں باپ پر شہوت کو مقرر کیا، حتیٰ کہ زمین میں تخم پڑا، اور پھر خون حیض سے اس تخم کو سینچا، اور اس کی آبیاری کی، اور تجھ کو نطفہ اور حیض کے خون سے پیدا فرمایا، پہلے اس کو علقہ کیا، پھر مضغہ اور اپنی قدرت کاملہ سے اس میں جان ڈالی، پھر اس ایک طرح کے خون پانی سے تجھ میں مختلف اشیاء پیدا فرمائیں، جیسے گوشت و پوست، رگ و پے، ہڈیاں وغیرہ، پھر ان سب سے تیرے اعضا کی شکل کو ترتیب دیا، سر کو گول بنایا، ہاتھوں اور پاؤں کو لمبا کیا۔ اور ان میں پانچ

پانچ انگلیاں پیدا کیں، پھر باہر کی جانب آنکھ، ناک، کان منہ، زبان اور دوسرے اعضاء پیدا فرمائے، اور اندر معدہ، جگر، گردے، تلی، رحم، مثانہ، انتڑیاں وغیرہ پیدا کیں، اور ہر ایک کو جدا جدا شکل صفت و مقدار عطا فرمائی، پھر ان میں ہر ایک عضو کے کئی کئی حصے بنائے۔ ہر انگلی کی تین تین پوریاں بنائیں، اور ہر عضو کو گوشت و پوست، رگ و پے اور ہڈیوں سے مرکب فرمایا، اور آنکھ جو مقدار میں ایک اخروٹ سے زیادہ نہیں اس کے سات طبقے پیدا کئے اور ہر طبقہ کو اور ہی صفت عنایت فرمائی، اگر ان میں سے ایک بھی خراب ہو جائے تو جہان تیری نظروں میں سیاہ ہو جائے، یعنی تجھے کچھ بھی دکھائی نہ دے۔ فقط آنکھ کے عجائبات کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ پھر اپنی ہڈیوں پر غور کر کہ ایک لطیف اور رقیق پانی سے کیا سخت اور مضبوط جسم پیدا کیا، ان میں سے ہر جوڑ اور ٹکڑا اور ہی شکل و مقدار پر ہے، بعض ہڈی گول ہے بعض لمبی، بعض چوڑی، بعض اندر سے خالی اور بعض اندر سے بھری ہوئی اور سب کو باہم مرکب کیا، اور ہر ایک کی مقدار صورت اور شکل میں ایک حکمت کیا بلکہ کئی ایک حکمتیں رکھیں، اور پھر ہڈیوں کو تیرے بدن کا ستون بنا کر اسی پر تمام اعضاء کی بنا ڈالی، اگر ایک سخت سراسر ہڈی ہی ہوتی، تو تو پیٹھ نہ جھکا سکتا، اور اگر جدا جدا ہڈیاں ہوتیں تو تو پیٹھ کو سیدھا نہ رکھ سکتا، اور پاؤں پر زور ڈال کر کھڑا نہ ہو سکتا، تو ان کو ٹکڑے ٹکڑے پیدا کیا، تاکہ بدن جھک سکے۔ پھر ایک ہڈی کو دوسری سے پیوستہ کر کے رگ و پے لپیٹ کر اسے مضبوط کر دیا، تاکہ آدمی سیدھا کھڑا رہ سکے، اور ہر مہرے میں چار زائدے گولی کی طرح پیدا فرمائے، اور انکے نیچے چار سوراخ گڑھوں کی مثل بنائے۔ تاکہ وہ زائدے ان گڑھوں میں جم بیٹھیں، اور مہروں کے کناروں کو بازوؤں کی طرح باہر نکالے رکھا، تاکہ پٹھے جو ان پر مضبوطی کیلئے اڑے رہیں، اور تیرے تمام سر کو پچپن ہڈیوں سے مرکب کیا۔ اور باریک درزوں سے باہم جوڑ دیا تاکہ اگر کونے کو کچھ آفت پہنچے تو دوسرا سلامت رہے، اور سب نہ ٹوٹ جائیں، اور دانتوں کو بنایا، اور ان میں سے بعض کو چوڑا کیا، تاکہ نوالہ چبائے اور بعض کا سر باریک اور تیز رکھا، تاکہ کھانے کی چیز کو کاٹے، اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا کر گویا چکی میں ڈالدے پھر تیری گردن کو سات مہروں سے پیدا کیا، اور رگ اور پٹھے لپیٹ کر قوی و مضبوط کر دیا، اور سر کو اس کے ساتھ مرکب کیا، اور پیٹھ کو چوبیس مہروں سے بنایا، اور اس پر گردن کو رکھا، پھر سینہ کی ہڈیاں ان مہروں کے چوڑان میں پیدا کیں علیٰ ہذا القیاس اور ہڈیاں بنائیں، تفصیل اس کی طویل ہے، غرضیکہ تیرے تمام جسم میں دو سو سینتالیس ہڈیاں پیدا کیں، اور ہر ہڈی کو مختلف حکمت کی بنا پر پیدا کیا، تاکہ تیرا کام بنا رہے، اور ان تمام چیزوں کو صرف ایک کمزور و بے حقیقت پانی سے بنایا، اگر ان ہڈیوں میں سے ایک بھی کم ہو جائے، تو تو کام سے رہ جائے، اور اگر ایک بھی زائد ہو جائے، تو تیرے کام میں خلل پیدا ہو جائے، اور کیونکہ تجھ کو ان تمام ہڈیوں اور اعضاء کے حرکت دینے کی ضرورت تھی اس لئے تیرے تمام اعضاء میں پانسو ستائیس عضلے پیدا کر دیئے، اور ہر ایک عضلہ مچھلی کی صورت کا ہے درمیان سے موٹا اور سر باریک اور بعض عضلات بڑے ہیں، اور بعض چھوٹے ہیں، اور ہر عضلہ گوشت اور پٹھے اور پردہ سے مرکب ہے، پردہ غلاف کی طرح ان پر چڑھا ہوا ہوتا

ہے، اور ان میں چوبیس عضلات صرف اسی واسطے ہیں، کہ تو ہر طرف آنکھ اور پلکوں کو حرکت دے سکے، دوسرے عضلات کو اس پر قیاس کرے، کیونکہ اس کی تفصیل بھی نہایت طویل ہے، پھر حق تعالیٰ نے تیرے بدن میں تین حوض پیدا کئے اور ان میں تین نہریں جاری فرمائیں، جو تمام بدن کو سیراب کرتی ہیں، ایک حوض تو دماغ ہے، جس سے پٹھوں کی نہریں نکل کر تمام جسم میں پہنچتی ہیں، تاکہ بدن میں حس و حرکت کی قوت پیدا ہو، اور ان میں سے ایک نہر پشت کے مہروں میں رکھی، تاکہ پٹھے مغز سے دور نہ رہیں، اگر دور رہتے تو خشک ہو جاتے، دوسرا حوض جگر ہے، اسی سے ہفت اندام میں رگیں پھیلادیں، تاکہ ان میں غذا پہنچ سکے، تیسرا حوض دل ہے، اس سے تمام بدن میں رگیں پہنچائیں، تاکہ اس میں روح رواں رہے، اور دل سے ہفت اندام میں پہنچتی رہے، پس تجھ کو اپنے ایک ایک عضو میں تفکّر کرنا چاہیئے کہ حقتعالی نے ہر عضو کو کیونکر اور کس غرض کے واسطے پیدا فرمایا، آنکھ کو سات طبقوں سے ایسی ہیئت اور رنگت عطا فرمائی کہ اس سے بہتر ہونا ناممکن ہے، پلک کے پپوٹوں کو اسواسطے پیدا کیا کہ آنکھ کو گرد و غبار سے محفوظ رکھے، اور مژگان سیدھی اور سیاہ قوت بصارت اور حسن صورت کے واسطے پیدا کیں، تاکہ جب غبار وغیرہ ہو تو بند کرلے، تاکہ گرد آنکھ میں نہ پڑ سکے، اور تو ان کے درمیان میں سے دیکھ سکے، اور جب کوئی خس و خاشاک اوپر سے گرے، تو مژگاں آنکھ کی نگہبانی کریں، اور ان تمام صنعتوں سے زیادہ عجیب قدرت یہ ہے، کہ آنکھ کی سیاہی جو دو تین مسور کے برابر ہے، اس میں زمین و آسمان کی اتنی بڑی صورت نظر آتی ہے، کہ جس وقت تو آنکھ کھولتا ہے، تو آسمان باوجود اس بُعد مسافت کے تجھے فوراً نظر آتا ہے، اگر نظر کے عجائبات اور آئینہ دیکھنے کے عجائبات اور جو کچھ اس میں چھوٹا موٹا نظر آتا ہے، اس کی کیفیت بیان کریں تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں پھر کان کو پیدا کیا تو اس میں کڑوا میل بھی پیدا کر دیا، تاکہ اس میں کوئی کیڑا وغیرہ نہ گھس جائے، پھر کان کو صدف گھونگا بنایا، تاکہ آواز کو جمع کرے، اور کان کے چھید میں پہنچا دے، اور کان کو نہایت پیچدار بنایا، تاکہ اگر تو سویا ہوا ہو، اور چیونٹی تیرے کان میں گھسنے کا ارادہ کرے، تو راستہ اس پر دراز ہو جائے، اور وہ بہت پھیر کھاتی کہ تو چونک پڑے، اگر میں ناک اور دیگر اعضاء کا مفصّل حال بیان کروں تو مضمون نہایت طویل ہو جائے، اور یہ بیان کرنے سے مقصد صرف اتنا ہے۔ کہ تجھ کو راہ معلوم ہو جائے، اور تو ہر عضو میں فکر کرتا رہے، کہ یہ کس لئے پیدا کیا گیا ہے، اور اس کے سبب سے حق تعالیٰ کی عزت و عظمت اور لطف و رحمت اور علم و قدرت سے آگاہ ہوتا رہے، کہ تیرا سراپا ایک عجائب خانہ ہے، اور عجائب باطنی اور دماغی خزانے اور حس کی قوتیں جو تیرے بدن میں رکھی گئی ہیں، وہ تمام اشیاء سے زیادہ عجیب ہیں، بلکہ جو کچھ سینہ اور شکم میں ہے، وہ بھی نہایت ہی عجیب ہے، اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے معدہ کو دیگ کی طرح بنایا ہے، جو ہمیشہ جوش کھاتا رہتا ہے حتیٰ کہ کھانا بھی پک جاتا ہے، اور جگر اس طعام کو خون بنا دیتا ہے، اور رگیں اس خون کو ہفت اندام میں پہنچا دیتی ہیں، اور پتا اس خون کی کف کو جسے صفرا کہا جاتا ہے، لے لیتا ہے اور تلی خون کے تلچھٹ کو جسے سودا کہتے ہیں، لے لیتی ہے، اور گردے اس خون سے پانی کو علیحدہ کر کے مثانہ کی طرف پھینک دیتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس بچہ دانی اور دیگر آلات ولادت کے

عجائبات بھی اسی قسم کے ہیں، اور ظاہری و باطنی قوتیں اور حواس جیسے بصارت، سماعت، عقل، علم جو آدمی کو عنایت فرمائے وہ بھی نہایت ہی عجیب و غریب ہیں۔

سبحان اللہ، اگر کوئی مصوّر کسی دیوار پر ایک خوشنما تصویر بنا دیتا ہے، تو تو اس کی اُستادی و کاریگری پر حیران ہوتا ہے اور اس کی نہایت تعریف کرتا ہے، اور خالق برحق صانع مطلق کی عجیب و غریب صنعت کو دیکھتا ہے کہ پانی کے ایک قطرہ سے ظاہر و باطن میں کیسے کیسے نقش پیدا کرتا ہے، یہاں نہ تو قلم ہی نظر آتا ہے، اور نہ نقّاش، اور ایسے نقّاش حقیقی کی عظمت سے نہ تو تجھے تعجب ہوتا ہے، اور نہ حیرت، اور نہ ہی تو ایسے باکمال صانع کی قدرت کاملہ اور علم اتم سے بے خود و مدہوش ہوتا ہے اور نہ ہی تو اس کی کمال شفقت و رحمت پر تعجب کرتا ہے، کہ جب تو اپنی ماں کے رحم میں غذا کا محتاج تھا، اگر تو وہاں مُنہ پھیلاتا تو خون حیض اندازہ سے زیادہ تیرے معدہ میں جاکر تجھ کو فنا و تباہ کر دیتا لیکن اس رحیم نے ناف کی راہ سے تیری غذا کا جانا مقرر فرمایا، پھر جب تو رحم سے باہر نکلا تو ناف کا راہ بند کر کے تیرا منہ کھول دیا، تاکہ تیری ماں تجھ کو تیری حاجت کے مطابق غذا دے سکے، چونکہ اس وقت تیرا بدن نہایت نازک و کمزور تھا اور طعام مغلظہ ہضم کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا، تو ماں کے دودھ سے جو نہایت ہی لطیف تھا، تیری غذا مقرر فرمائی، اور اس کو تیری ماں کی چھاتیوں میں بھر دیا، اور پستانوں کے سروں کو تیرے دہن کے مطابق بنایا، تاکہ تیرے منہ میں زور سے نہ گرے، اور تیری ماں کے سینہ میں ایک دھونکی بٹھایا، تاکہ سُرخ خون جو سینہ میں آتا ہے، اس کو سفید دودھ بنا کر نہایت پاکیزگی اور لطافت سے تجھ کو بھیجتا رہے اور تیری ماں پر تیری محبت کو مؤکل مقرر فرمایا تاکہ تو اگر ایک ساعت بھی بھوکا ہو تو وہ نہایت ہی مضطرب اور بے آرام ہو جائے، اور چونکہ دودھ پینے کے لئے دانتوں کی حاجت نہ تھی، اس لئے دودھ پینے کے وقت دانت پیدا نہ کئے، تاکہ تو اپنی ماں کے سینہ کو زخمی نہ کر دے، اور پھر جب تجھ میں طعام کھانے کی قوت پیدا ہو گئی، تو اپنے وقت کے مطابق دانت پیدا کر دیئے، تاکہ تو سخت طعام کھانے پر قادر ہو جائے، اندھا و نابینا وہ شخص ہے کہ جو یہ تمام باتیں دیکھے، اور ان کے پیدا کرنے والے کی عظمت سے مدہوش نہ ہو جائے اور اس کے کمال لطف و شفقت سے حیران نہ رہ جائے، اور اس جلال و جمال پر عاشق نہ ہو، اور وہ بہائم سیرت غافل انسان نہایت ہی عجیب ہے، کہ جو ان عجائبات میں تفکر نہ کرے، اور اپنے بدن کے متعلق نہ سوچے، اور وہ عقل جو اس کو عطا کی گئی ہے اور جو تمام جہان کی اشیاء سے زیادہ عزیز ہے، اس کو ضائع کر دے اور اس سے زیادہ اور کچھ نہ جانے کہ جب بھوک لگے تو طعام کھالے، اور جب غصہ آئے تو کسی سے اُلجھ پڑے، اور بہائم کی طرح حق تعالیٰ کے بوستانِ معرفت کے تماشا سے محروم رہے۔

آدمی کی تنبیہ کے لئے اس قدر بیان کر دینا کافی ہو گا، اور یہ تیری پیدائش کی عجیب عجیب صنعتوں میں سے لاکھ میں سے ایک بھی نہیں، اور عام طور پر یہ عجائبات تمام حیوانوں میں موجود ہیں، مچھر سے لیکر ہاتھی تک ان سے خالی نہیں، اور اس کی شرح نہایت طویل ہے، دوسری نشانی زمین ہے، اور جو کچھ اس کے اندر اور باہر ہے، اگر تم اپنے بدن کے عجائبات

معلوم کرنے کے بعد آگے بڑھنا چاہتے ہو تو زمین کا خیال کرو، کہ حق تعالیٰ نے کس طرح اس کو تیرا بچھونا بنایا، اور اس کو ایسی وسعت عطا فرمائی کہ تو اس کے کنارہ تک نہیں پہنچ سکتا، اور اس پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں، تاکہ تیرے قدم کے نیچے ٹھہرے رہے، جنبش نہ کرے، اور سخت پتھروں سے پانی جاری فرمایا، تاکہ بتدریج نکل کر روئے زمین پر جاری ہو، اگر سخت پتھر پانی کو نہ روکے رہتے تو وہ دفعتہً نکل کر دنیا کو ڈبو دیتا، یا مزارع کی زمین کو سینچنے کے وقت سے پہلے ہی پہنچ جاتا، اور موسم بہار پر تفکر کر کہ تمام روئے زمین ایک خاک کثیف ہوتی ہے، لیکن جب اس پر بارش ہوتی ہے، تو پھر کس طرح زندہ ہو کر دیبائے ہفت رنگ بلکہ ہزار رنگ کی طرح ہو جاتی ہے، اور ہر سبزہ جو پیدا ہوتا ہے، اس میں غور کر کہ پھول بھی ہوتے ہیں، اور کلیاں بھی ہوتی ہیں، اور ہر پھول اور شگوفہ کا رنگ جدا جدا اور صورت مختلف ہوتی ہے اور ایک سے ایک بہتر ہوتا ہے، پھر اشجار و اثمار میں فکر کر، اور ان کی خوبصورتی ذائقہ اور بو اور فوائد پر نظر ڈال، اور ہزارہا بوٹیاں حق تعالیٰ نے اس قسم کی پیدا کی ہیں جن سے تو واقف بھی نہیں، اور ان میں حق تعالیٰ نے عجیب عجیب فوائد رکھے ہیں، کوئی تو ان میں شیریں ہوتی ہے اور کوئی تلخ اور کوئی ترش، کسی کی خاصیت تو یہ ہے کہ وہ بیمار کر دیتی ہے، اور کوئی اس قدر فائدہ بخش ہے کہ شفا دیتی ہے، ایک جان کی حفاظت کرتی ہے، اور ایک زہر ہے کہ اس کے سبب سے جان جاتی ہے، بعض ان میں سے صفرا کی محرک ہیں اور بعض دافع ہیں، ایک غلیظ سوداوی کو ابھارتی ہے اور ایک اس کو رگوں کے اندر سے خارج کرتی ہے، کوئی تو گرم ہے اور کوئی سرد، اور کوئی تو خشک ہے اور کوئی تر، کسی سے بہت نیند آتی ہے اور کسی سے موقوف ہو جاتی ہے، ایک ایسی ہے جو دل کو فرحت عطا کرتی ہے اور ایک ایسی ہے جو رنج و کلفت کی موجد ہے، کوئی تو آدمیوں کی غذا ہے اور کوئی جانوروں کی غذا اور کوئی چڑیوں کا دانہ ہے، اب تجھے خیال کرنا چاہیئے کہ یہ ہزاروں ہی ہیں، اور ان میں ہزاروں عجائبات ہیں، تاکہ تجھ کو ایسی قدرت کاملہ نظر آئے کہ تمام مخلوق کی عقلیں حیران ہوں، تو بجا ہے، یہ اشیاء بھی لاتعداد ہیں، تیسری نشانی وہ بیش قیمت اور نادر الوجود امانتیں ہیں جن کو حق تعالیٰ نے پہاڑوں میں مستور کیا ہے، اور ایسے کان کے نام سے موسوم کرتے ہیں بعض تو ان میں زینت و آرائش کا موجب ہیں، جیسے سونا، چاندی، لعل، فیروزہ یاقوت، یشب، بلور، ہیرا وغیرہ اور بعض ان میں سے برتن بنانے کے کام آتی ہیں، جیسا لوہا، تانبا، پیتل، کانسی، قلعی اور بعض ان میں سے متفرق کاروبار کے لئے ہیں، جیسے نمک، گندھک، نفط، قیر، ان میں سب سے کم نمک ہے، جس سے کھانا ہضم ہوتا ہے، اگر کسی بستی میں نمک دستیاب نہ ہو، تو وہاں کے تمام کھانے بدمزہ ہو جائیں، لوگ بیمار ہو جائیں، اور خوف ہلاکت در پیش ہو، پس حق تعالیٰ کے لطف و کرم پر غور کر تیرا کھانا اگرچہ تجھے غذا پہنچاتا ہے، مگر چونکہ اسے خوش مزہ بنانے کے لئے ایک اور چیز درکار تھی، تو وہ بھی اس نے بلا دریغ عنایت کی، اور برسات کے پانی سے نمک کی تخمیر کی کیونکہ پانی زمین میں جمع ہو کر نمک ہو جاتا ہے، یہ عجائبات بھی لاتعداد و بے نہایت ہیں، چوتھی نشانی روئے زمین کے حیوانات ہیں جن میں سے بعض چلتے ہیں اور بعض اڑتے ہیں، بعض دو پاؤں کے بل چلتے ہیں اور پیٹ کے بل رینگتے ہیں، اور بعض بہت سے پاؤں سے، پھر ہوائی پرندے اور حشرات الارض کے اقسام ہیں، ذرا فکر و تامل کو کام میں لا، اور دیکھ کہ ہر ایک کی شکل

وصورت علیحدہ علیحدہ ہے، اور ایک سے ایک اچھا ہے، ہر جانور کو جس شے کی ضرورت تھی حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائی اور پھر ہر ایک کو حکمت اور ترکیب سکھائی کہ اس طرح غذا حاصل کرتے ہیں، اور اس طرح بچوں کی پرورش کی جاتی ہے، تاکہ وہ بڑے ہوں، اور اپنا آشیانہ آپ بنائیں، ذرا چیونٹی ہی پر غور کرو، کہ وہ وقت پر کس طرح اپنی غذا کو جمع کرتی ہے۔ اگر گیہوں پاتی ہے تو یہ خیال کرکے کہ ثابت خراب ہو جائیں گے، اس کے دو ٹکڑے کر ڈالتی ہے، تاکہ ان کو کیڑا نہ لگنے پائے اور اگر دھنیا ثابت نہ رہے تو خراب ہو جائے، یہ خیال کرکے دھنیا کو ثابت رکھ دیتی ہے، اور مکڑی پر غور کرو۔ کہ وہ کس طرح اپنا گھر تیار کرتی ہے، اور تعمیر میں جو اندازہ کام آتا ہے اس کا کس طرح خیال رکھتی ہے۔ اپنے لعاب سے ڈوری تیار کرکے دیوار کے دو کونے تلاش کرکے ایک طرف بیو جماتی ہے اور دوسری جانب لے جاتی ہے، اور جب اس طریق سے تانا تن چکتی ہے، تو پھر بانا تننے لگتی ہے اور تاروں کا پیچ کیسا برابر رکھتی ہے، تاکہ کوئی تار دور اور کوئی تار نزدیک نہ ہو اور خوبصورت بھی معلوم ہو، اور دیوار کے ایک کونہ میں ایک تار میں لٹک کر مکھی کا انتظار کرتی ہے، تاکہ اپنی غذا حاصل کرے، پھر جب کوئی مکھی دیکھتی ہے تو اسے حملہ کرکے شکار کر لیتی ہے، اور وہ تار اس کے ہاتھ پاؤں میں لپیٹ دیتی ہے تاکہ اس کے اڑ کر بھاگ جانے کا خوف باقی نہ رہے، پھر اس مکھی کو توڑ کر چھوڑتی ہے، اور دوسری کی منتظر رہتی ہے، اور زنبور، شہد کی مکھی پر غور کر کہ دیکھ کس طرح اپنا گھر مسدس بناتی ہے، کیونکہ مربع بنائے تو اس کی اپنی شکل تو گول ہے، تو گھر کے گوشے بیکار خالی رہیں، اور اگر گول بنائے تو جب مدورات کو باہم ملا کر رکھتے ہیں تو ان کے بیچ میں بیکار جگہ رہتی ہے، اور تمام شکلوں میں مسدس سے زیادہ مدور کے قریب کوئی شکل نہیں ہے، اور یہ بات دلیل مہندس سے ثابت ہے۔ تو حق تعالیٰ اپنی رحمت اور مہربانی سے اس چھوٹے سے جانور پر کس قدر عنایت و مہربانی فرماتا ہے کہ اسے یہ ترکیب الہام کرتا ہے اور مچھر کو الہام کرتا ہے، کہ تیری غذا خون ہے، اور اس کے واسطے ایک سونڈ تیز اور باریک اندر سے خالی عنایت کی ہے، تاکہ آدمی کے بدن میں چبھو کر خون کھینچ لے، اور پھر اسے اس قدر سمجھ عطا فرمائی ہے، کہ جب آدمی اس کے پکڑنے کو ہاتھ بڑھائے تو بس فوراً اڑ جائے، اور اسے دو ہلکے ہلکے پر عنایت فرمائے ہیں، کہ ان کی مدد سے جھٹ پٹ اڑ جائے اور فوراً پھر آ جائے۔ اگر حق تعالیٰ اس کو زبان اور عقل دیتا، تو وہ حق تعالیٰ کا اس قدر شکریہ ادا کرتا کہ آدمی حیران رہ جائے۔ مگر وہ زبان حال سے حق تعالیٰ کی تسبیح و شکر میں مشغول ہے، مگر ہم لوگ نہیں سمجھتے، جیسا کہ حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے) اس قسم کے عجائبات بھی بے نہایت ہیں، بھلا یہ کس کی طاقت ہے، کہ لاکھ میں سے ایک کو بھی پہچان سکے، اور بیان کرنے کی طاقت رکھے، اب تو کیا کہتا ہے کہ یہ تمام حیوانات مع ان عجیب و غریب شکلوں کے اور گوناگوں رنگوں کے اور عمدہ عمدہ صورت اور سڈول اعضا کے کس طرح پیدا ہوں گے، آیا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے، یا تو نے انہیں پیدا کیا، سبحان اللہ اس کی کیا شان ہے، کہ باوجود ان آنکھوں کی روشنی کے اندھا کر سکتا ہے، تاکہ نہ دیکھیں اور دلوں کو غافل رکھ سکتا ہے، تاکہ غور نہ کریں، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ظاہری آنکھوں

سے دیکھتے ہیں۔ لیکن دل کی آنکھ سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اور جو بات سننے کے قابل ہے۔ اسکے سننے سے انکے کان بہرے ہیں حتیٰ کہ بہائم کیطرح سوائے آواز کے اور کچھ نہیں سنتے۔ اور چہ چہ ٹوٹکی بولی جس میں حروف وصوت کو دخل نہیں ہے نہیں سمجھتے اور ان کی آنکھ ان چیزوں کے دیکھنے سے عاجز ہے جنکو دیکھنا چاہیئے حتیٰ کہ جو خط سیاہی سے سفیدی پر حروف در قوم کی صورت میں ہو اسے دیکھتے ہیں۔ اور یہ الٰہی خط جو نہ حرف ہے اور نہ رقم۔ اور تمام عالم کے ذرّوں پر قلم الٰہی سے لکھا ہوا ہے۔ اسے نہیں دیکھ سکتے اور چیونٹی کا انڈا جو ذرہ کے سر کے برابر ہوتا ہے اس میں ذرا غور سے کام لے اور کان لگا کر سن کہ وہ کیا کہتا ہے۔ وہ زبان فصیح سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے سادہ دل انسان۔ اگر کوئی شخص صورت دیوار پر بناتا ہے۔ تو تو اس کی نقاشی اور استادی پر حیران رہ جاتا ہے۔ مجھ کو دیکھ۔ تاکہ تو خدا کی نقاشی اور صورت گری دیکھے کہ میں ایک ذرہ سے زیادہ نہیں ہوں۔ کہ نقاش ازل ابتدائے آفرینش میں مجھ سے چیونٹی بنائیگا۔ غور کر کہ میرے اجزاء کو کسطرح تقسیم کریگا کہ مجھ سے دل۔ سر۔ ہاتھ۔ پاؤں اور دوسرے اعضاء بنائے۔ اور میرے سر و دماغ میں کئی ایک خانے اور درجے بنائے رکھے۔ کہ ایک میں چکھنے کی قوت ایک میں سونگھنے کی قوت ایک میں سننے کی قوت رکھے۔ اور میرے سر کے باہر کیسے منظر رکھے۔ اور ان پر نگینے بنائے۔ اور ناک و منہ جو کھانا اترنے کی راہ ہے بنائے اور مجھ سے ہاتھ پاؤں نکالے۔ اور باطن میں کھانا ہضم ہونیکی جگہ رکھے۔ اور ایسا مقام بنائے جہاں سے غذا نکل جائے اور اس کے سب آلات پیدا کرے۔ اور پھر میری شکل کو تیز اور چالاک بنا کر میرے بدن کے تین درجے بنائے۔ اور پھر ایک کو دوسرے سے ملائے اور چوکی پہرہ والوں کی طرح میری کمر میں سیاہ پٹکا باندھے اور کالی قبا پہنائے۔ اور یہ عالم جس کو تو یہ سمجھتا ہے۔ کہ میرے ہی لیئے ہے اس عالم میں مجھ کو ظاہر کرے۔ تاکہ تیری نعمت میں تیری طرح پھروں بلکہ تجھکو میرا مسخر بنا دے۔ تاکہ تو رات دن تو کاشتکاری۔ تخم ریزی۔ آبپاشی اور زمین کی درستی کرے اور جب گیہوں۔ اناج۔ مغزیات وغیرہ حاصل کر کے چھپا کر رکھے۔ تو حق تعالیٰ مجھ ناچیز چیونٹی کو وہاں کی راہ بتا دے حتیٰ کہ میں اپنے گھر کے اندر زمین کے نیچے سے اسکی بُو سونگھ کر وہاں جا پہنچوں۔ اور تو باوجود اسقدر محنت کے سال بھر کا کھانا نہ رکھے اور میں سال بھر سے زیادہ کا لیجاؤں۔ اور نہایت مضبوطی کیساتھ احتیاط سے رکھوں۔ اور اگر میں خشک کرنیکے لیئے اپنی غذا ایک میدان میں لاتی ہوں۔ تو حق تعالیٰ مینہ برسنے سے قبل مجھے الہام فرما دیتا ہے۔ اور میں وہاں سے اٹھا کر ایسی جگہ پر لیجاتی ہوں کہ جہاں مینہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر تو نے میدان خرمن لگایا ہوا ہو۔ اور وہاں سیل و بارش آئے تو تجھے اسکی کچھ خبر نہیں ہوتی حتیٰ کہ تمام خرمن برباد و ضایع ہو جاتا ہے۔ پس میں کیونکر نہ اس ذات پاک کا شکریہ بجا لاؤں کہ جس نے مجھ کو صرف ایک ذرہ سے اس چستی و چالاکی کے ساتھ پیدا کیا۔ اور تجھ کو باوجود اس بزرگی کے میرا خدمتگار بنایا۔ حتیٰ کہ تو میرے لیئے جوتتا بوتا اور کاٹتا ہے۔ اور رنج و تکلیف برداشت کرتا ہے۔ اور میں چین سے کھاتی اور مزے اڑاتی ہوں۔ اور کوئی خرد و کلاں ایسا جانور نہیں ہے جو اپنی زبان حال سے اپنے خالق کی ثنا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک بوٹی اور ہر

ایک ذرہ اگرچہ جمادات میں سے ہے۔ لیکن اپنے رب کا ثناخواں ہے مگر آدمی اسکی آواز ندا سننے سے غافل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اور اس عالم عجائبات کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اور شرح اس کی بھلا کیسے ممکن ہوسکتی ہے۔ پانچویں نشانی دریا ہیں۔ جو روئے زمین پر جاری ہیں۔ اور ان میں ہر ایک سمندر کا ایک جزو ہے جس نے تمام زمین کو گھیرا ہوا ہے۔ اور تمام زمین دریاؤں کے درمیان چند جزیروں سے زیادہ نہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ زمین دریاؤں میں ایسی ہے۔ جیسے زمین میں چند اصطبل جب تو زمین کے عجائبات سے فارغ ہوگیا۔ تو اب دریا کے عجائبات کی سیر میں مشغول ہو کیونکہ دریا وسمندر جسقدر زمین سے بڑا ہے اسیقدر اسکے عجائبات بھی بڑے ہیں کیونکہ جو جانور زمین پر رہتا ہے۔ دریا میں اسکی مثل موجود ہے۔ اور بہت سے ایسے جانور ہیں جو زمین پر نہیں ہوتے اور دریا میں ہوتے ہیں۔ اور جانوروں میں سے ہر ایک کی صورت وسیرت علیحدہ علیحدہ ہے۔ کوئی جانور تو ایسا چھوٹا ہے کہ دکھائی نہیں دیتا۔ اور کوئی اسقدر بڑا ہے کہ جب کوئی جہاز اسکی پیٹھ پر آجاتا ہے تو لوگ خیال کرتے ہیں کہ زمین پر آگیا ہے۔ لیکن جب آگ جلاتے ہیں تو شاید وہ جانور آگاہ ہوجاتا ہے اور جنبش کرتا ہے تب لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ زمین نہیں ہے بلکہ کسی جانور کی پشت ہے۔ عجائبات دریا کے متعلق لوگوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس مختصر کتاب میں بھلا کیونکر اسکی تفصیل گنجائش پاسکتی ہے۔ اب غور کر کہ حق تعالیٰ نے دریا وسمندر میں ایک جانور پیدا کیا۔ کہ صدف اسکا پوست ہے۔ اور اسے الہام فرمایا کہ مینہ برسنے کیوقت وہ دریا کے کنارے پر آکر منہ کھالتا ہے۔ اور مینہ کی بوندشیریں جو سمندر کے پانی کیطرح شور نہیں۔ اس کے منہ میں پڑجاتی ہے اور وہ پھر منہ کو بند کرکے بدستور قعر دریا میں چلاجاتا ہے۔ اور ان قطرات کو اسطرح اپنے اندر رکھتا ہے۔ جیسے رحم میں نطفہ۔ اور انکو پرورش کرتا رہتا ہے حق تعالیٰ نے اسی جوہر صدف کو موتی کی صفت پر پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ قوت اسکو ایک مدت دراز میں حاصل ہوتی ہے۔ تاکہ ہر قطرہ ایک موتی کا دانہ بنجائے کوئی چھوٹا کوئی بڑا تاکہ تو اس سے زیور اور آرایش کرے۔ اور سمندر کے اندر پتھر سے ایک سرخ درخت پیدا فرمایا کیونکہ اسکی صورت درخت کی سی ہوتی ہے۔ اور اس کا جوہر ہوتا ہے اور اس درخت کو مرجان یعنے مونگا کہتے ہیں اور اسکے کف سے ایک شے ساحل پر پیدا ہوتی ہے۔ اُسے عنبر کہتے ہیں۔ اور ان جواہرات کے عجائبات حیوان کے باہر بھی بہت ہیں۔ مثلا روئے دریا پر کشتی کا چلانا۔ اور کشتی کو ایسی شکل پر بنانا کہ دریا میں غرق نہ ہونے پائے۔ اور کشتی بانوں کو ہدایت دینا کہ مخالف اور موافق ہوا کو پہچانیں۔ اور ستارے کا پیدا کرنا۔ تاکہ جہاں پانی ہی پانی ہو۔ وہ راہ بتائے۔ اور یہ سب سے عجیب بات ہے۔ اور پانی کی صورت کو اس لطافت اور صفائی اور اتصال اجزا کیساتھ بنایا اور پھر اسکو تمام حیوانات نباتات وغیرہ کیلئے زندگی کا باعث مقرر کرنا بھی سب سے زیادہ عجیب ہے۔ اور جب تو پانی کے ایک گھونٹ کا محتاج ہوتا ہے۔ اور نہیں پاتا تو تمام روئے زمین کا مال اسکے عوض دینے کو تیار ہوجاتا ہے۔ اور اگر وہ گھونٹ بھر پانی تیرے مثانہ میں رک جائے۔ اور تو باہر نہ نکال سکے۔ تو تب بھی اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے جو کچھ مال و دولت تیرے پاس ہو

ہے اسے خرچ کر ڈالتا ہے۔ غرضیکہ پانی اور دریا کے عجائبات بھی بے اندازہ ہیں چھٹی نشانی ہوا ہے اور جو اشیا ہوا میں ہیں اور ہوا بھی ایک دریا ہے جس میں موجیں اٹھتی ہیں۔ ہوا کا چلنا بھی ایک موج مارتا ہے۔ اور ایسا لطیف جسم جو تو نہ دیکھ سکے۔ اور تیرے دیکھنے میں بھی رکاوٹ نہ ہو۔ ہمیشہ تیری جان کی غذا ہے کیونکہ کھانے پینے کی حاجت تو دن میں ایکبار ہی ہوتی ہے۔ اور اگر ایک ساعت کیلیے ہوا کی غذا تیرے باطن میں نہ پہنچے۔ اور تو سانس نہ لے تو فورا ہلاک ہو جائے اور تو اسبات سے بیخبر ہے۔ ہوا کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ کشتیاں اس میں تھمی رہتی ہیں کیونکہ ہوا کشتی کو پانی میں ڈوبنے سے بچاتی ہے۔ کیفیت ہوا کی تفصیل دراز ہے۔ قبل اس کے کہ تو آسمان میں غور کرے ہوا میں غور کر کہ حق تعالیٰ نے اس میں کیا کیا اشیاء پیدا فرمائی ہیں جیسے مینہ۔ بدلی۔ رعد بجلی۔ برف اور اس ابر غلیظہ کو دیکھ جو دفعۃً ہوائے لطیف میں پیدا ہو جاتا ہے۔ شاید دریا سے پانی پی کر بلند ہوتا ہے۔ یا شاید بخارات کے طور پر پہاڑوں سے آتا ہے۔ یا شاید نفس ہوا سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جو مقامات پہاڑوں۔ دریاؤں چشموں سے دور ہیں وہاں قطرہ قطرہ ہو کر بتدریج برستا ہے۔ اور جو قطرہ بھی آتا ہے۔ وہ ایک خط مستقیم پر آتا ہے۔ اور اسی جگہ پر گرتا ہے۔ جو تقدیر الٰہی میں اس کیلیے مقرر ہے۔ تاکہ فلاں کیڑا جو پیاسا ہے وہ سیراب ہو جائے۔ یا فلاں سبزہ جو خشک ہو رہا ہے تر ہو جائے۔ یا فلاں بیج جسکو پانی کی حاجت ہے۔ اس تک پہنچ جائے۔ اور فلاں میوہ جو فلاں درخت کی چوٹی پر سوکھ رہا ہے۔ پانی اسکی جڑ میں پہنچکر اسکے اندر سرایت کرے اور ان رگوں کی راہ سے جو بال سے زیادہ باریک ہیں۔ جاکر اس میوہ تک پہنچ جاتے۔ تاکہ وہ میوہ تر و تازگی حاصل کرے اور تو حق تعالیٰ کی مہربانی سے غافل ہو کر اسکو کھاتا ہے۔ اور مینہ کے ہر ہر قطرہ پر تحریر ہے کہ فلاں جگہ گرے اور فلاں بندے کی روزی بنے۔ اگر تمام مخلوقات مل کر قطروں کا حساب معلوم کرنا چاہے تو بالکل ناممکن ہے۔ اور اگر پانی دفعۃً آکر برس جاتا تو نباتات کو بتدریج پانی نہ ملتا اسیواسطے حق تعالیٰ نے موسم سرما کو اسپر مسلط فرمایا ہے۔ تاکہ پانی کو برف بنادے اور وہ برف دھنکی ہوئی روئی کی مانند ذرہ ذرہ ہو کر گرتی ہے۔ اور پہاڑوں کو برف خانہ مقرر فرمایا ہے۔ وہاں جمع ہوتی ہے۔ اور وہاں کی ہوا ٹھنڈی ہونیکے سبب سے برف جلدی پگھل کر نہیں بہ جاتی جب فصل بہار کی گرمی پیدا ہوتی ہے تو پھر آہستہ آہستہ پگھلتی ہے اور پھر اس سے حاجت کے مطابق نہریں جاری ہوتی ہیں تاکہ تمام موسم گرما میں تھوڑا تھوڑا پانی کھیتوں میں صرف ہوا کرے۔ کیونکہ اگر ہمیشہ بارش ہوا کرتی۔ تو لوگ نہایت تکلیف پاتے۔ اور اگر ایک ہی دفعہ برس جاتا تو سال بھر تک سبزہ خشک ہوا کرتا۔ تو حق تعالیٰ نے برف میں اپنی رحمت رکھی ہے۔ برف پر ہی کیا موقوف ہے ہر شے میں حق تعالیٰ کی رحمت ہے۔ بلکہ زمین و آسمان کے تمام اجزاء کو حق تعالیٰ نے عدل و حکمت کیساتھ پیدا فرمایا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان میں ہے۔ اس کو ہم نے کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ بلکہ حق پیدا کیا ہے۔ جیساکہ چاہیے تھا۔ ساتویں نشانی ملکوت آسمان اور ستارے اور انکے عجائبات ہیں۔ زمین اور جو کچھ اسپر موجود ہے۔ اس کے مقابل میں

نہایت ہی مختصر ہے۔ اور تمام قرآن شریف میں آسمان اور ستاروں میں تفکر کرنے کیلئے تنبیہ کی گئی ہے۔ جیساکہ حق تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيَاتِهَا مُعْرِضُوْنَ اور بنایا ہم نے آسمان کو نگاہ رکھی گئی چھت اور وہ لوگ اس کی نشانیوں سے انکار کرنیوالے ہیں۔ اور فرمایا لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش بہت بڑی ہے انسان کی پیدائش سے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، پس حق تعالیٰ نے ملکوتِ آسمان میں تفکر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ حکم نہیں فرمایا کہ اس کی نیلاہٹ اور ستاروں کی سفیدی کو دیکھو۔ اس لئے کہ اسطرح تو تمام بہائم دیکھتے ہیں۔ اور تیرے اپنے عجائبات سے جو تجھ سے زیادہ نزدیک ہیں۔ اور دوسرے زمین و آسمان کے تمام عجائبات سے اگر تو ایک ذرہ بھی نہ پہچانیگا۔ تو بھلا ملکوتِ آسمان کے عجائبات کو کسطرح جانے گا۔ بلکہ تجھ کو تدریج ترقی کرنا چاہیئے سب سے پہلے اپنی ذات کو پہچان اور اسکے بعد زمین و نباتات و حیوانات و معدنیات پر غور کر۔ پھر اسکے بعد ہوا اور ابر اور انکے عجائبات کا خیال کر پھر اس کے بعد آسمانوں کے عجائبات اور پھر ستاروں کے پھر کرسی کے پھر عرش کے اور پھر عالم اجسام سے نکل کر عالم ارواح کی سیر کر۔ پھر تو ملائکہ کو پہچان اور شیاطین کو پہچان۔ پھر اسکے بعد فرشتوں کے درجات اور انکے مختلف مقامات سے آگاہی حاصل کر پھر آسمانوں اور ستاروں میں پھر ان کی گردش اور حرکت میں۔ اور ان کے مشارق و مغارب میں تفکر کر۔ اور دیکھ کہ کیا ہیں۔ اور کیوں پیدا ہوئے ہیں۔ اور ستاروں کی کثرت کو ملاحظہ کر کہ انکی تعداد سے کوئی بھی واقف نہیں۔ ہر ایک رنگ مختلف ہے۔ کوئی سفید ہے کوئی سرخ ہے۔ اور کسی کا رنگ سیماب کا سا اور کوئی چھوٹا کوئی بڑا پھر ان کے ہر گروہ کی شکل جداجدا ہے کوئی بکری کی صورت پر ہے۔ اور کوئی بیل کی شکل پر۔ اور کوئی بچھو کی ہیئت پر۔ اور شکلوں کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے بلکہ زمین پر جو جو صورتیں نظر آتی ہیں۔ آسمان پر ہر ایک کی مثل ستاروں کی شکل میں موجود ہے پھر ستاروں کی مختلف گردشوں کو دیکھ۔ کوئی تو ایک مہینہ میں تمام آسمان کو طے کر لیتا ہے۔ کوئی برس بھر میں۔ اور کوئی بارہ برس میں۔ اور کوئی تیس برس میں اور ان میں اکثر ستارے ایسے ہیں کہ اگر آسمان باقی رہے اور قیامت نہ آجائے تو چھتیس ہزار برس میں آسمان کو طے کریں۔ اور ان کے عجائبات علوم کی کوئی انتہا نہیں جب زمین کے تھوڑے سے عجائبات تجھ کو معلوم ہو گئے۔ تو اب سمجھ لے۔ تو ہر عجائب کا فرق ہر ایک کی شکل کی تفاوت کے قدر ہوتا ہے۔ اسواسطے کہ اگرچہ زمین اسقدر وسیع ہے۔ کہ کوئی شخص اسکی نہایت کو نہیں پہنچ سکتا۔ مگر آفتاب زمین سے ایکسو ساٹھ گنا بڑا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کی مسافت کسقدر دور دراز ہے جو اسقدر چھوٹا دکھائی دیتا ہے پھر تو یہ جان لیگا۔ کہ اس کی حرکت میں کسقدر سرعت ہے۔ کہ نصف ساعت میں آفتاب کا تمام گھیر از مین سے نکل جاتا ہے۔ اور زمین کی مسافت جیسی ایکسو ساٹھ مسافتوں کے برابر اُس ساعت میں قطع کر کے حرکت کر جاتا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز جبرائیل سے پوچھا کہ آفتاب کو زوال ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا لَا نَعَمْ یعنی نہیں ہاں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کیسی بات ہے۔ جبرائیل نے عرض کیا کہ لا کہنے سے نعم کہنے کے وقت تک آفتاب پانسو
برس کی راہ طے کر گیا۔ اور آسمان کا ایک ستارہ زمین سے سو گنا بڑا ہے اور بلندی کے سبب سے اتنا ہی دکھلائی
دیتا ہے۔ اب خیال کرنا چاہیئے کہ جب ایک ستارے کی یہ حالت ہے تو تمام آسمان کو قیاس کرنا چاہیئے کہ کتنا بڑا ہوگا۔
اسقدر بڑے آسمان کی شکل تیری چھوٹی سی آنکھ میں نظر آتی ہے۔ تاکہ تو اس سے حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کو پہچانے
پس ہر ستارہ میں ایک حکمت ہے اسکے ثبات میں اسکی سیر میں۔ اور اسکے رجوع میں اسکی استقامت میں اور اسکے
طلوع و غروب میں بھی ایک حکمت ہے۔ اور جو سب سے زیادہ روشن و صاف ہے۔ وہ آفتاب کی حکمت ہے کہ
حق تعالےٰ نے اس کے فلک کو فلک البروج کیساتھ ایک میل عنایت فرمایا۔ حتّٰی کہ ایکسال میں تیرے سر سے نزدیک
ہو جاتا ہے۔ اور ایک سال میں دور ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے سبب سے ہوا کی کیفیت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔
کبھی تو سرد ہو جاتی ہے اور کبھی گرم اور کبھی معتدل۔ اور اسی کے سبب سے رات دن میں تفاوت و اختلاف ہوتا ہے
کبھی بڑے ہو جاتے ہیں کبھی چھوٹے۔ اور اگر ہم اس حال کو پورے طور پر لکھیں تو نہایت طوالت ہو جائے۔ اور حق تعالیٰ نے
اس تھوڑی سی عمر میں جو علوم ہمیں عنایت فرمائے ہیں۔ اگر ہم انکو بیان کریں۔ تو مدّت دراز صرف ہو جائے۔ اور ہمارا علم
انبیاء و اولیاء کے مقابلہ میں نہایت ہی کم ہے اور مختصر ہے۔ اور اولیاء کا علم تفصیل خلقت کے بارہ میں انبیاء علیہم السلام
سے بہت کم ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا علم ملائکہ مقربین کے علم کے مقابلہ میں نہایت کم ہے۔ اور اگر ان کے علوم کو
حق تعالیٰ کے علم کیساتھ اضافت کریں۔ تو اس کو علم کہنا ہی درست نہ ہوگا۔ سبحان اللہ اسکی کیا شان ہے کہ مخلوق
کو اسقدر علوم عطا کر کے پھر ان پر نادانی کا داغ لگا دیا اور فرمایا وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا اطوار تفکر کے باب
میں یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ ایک نمونہ ہے۔ تاکہ تو اسکے سبب سے اپنی غفلت سے آگاہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر تو کسی امیر
کے گھر جاتا ہے۔ جو نقش و نگار اور گچ سے سجا ہوا ہو۔ تو تو ایک عرصہ تک اسکی تعریف کرتا رہتا ہے۔ اور تعجب کرتا
رہتا ہے لیکن تو ہمیشہ خدا کے گھر رہتا ہے۔ مگر ذرا بھی متعجب نہیں ہوتا۔ یہ عالم اجسام خدا تعالیٰ کا گھر ہے۔ اور اسکا فرش
زمین ہے اور اسکی چھت آسمان ہے۔ لیکن چھت ایسی ہے جو بلا ستون کے کھڑی ہے۔ اور یہ نہایت تعجب کی بات ہے۔
اور اسکے خزانے پہاڑ ہیں اور اس کے گنجینے دریا ہیں حیوانات و نباتات اسکا اثاث البیت ہیں۔ اور چاند اس کا
چراغ ہے۔ اور آفتاب اسکی مشعل ہے۔ اور ستارے قندیل ہیں۔ اور اسکے مشعلہ دار فرشتے ہیں۔ اور تو ایسا ہے۔ کہ
اس گھر کے عجائبات سے غافل ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ گھر بہت بڑا ہے۔ اور تیری آنکھ چھوٹی ہے۔ جو اس گھر کو
نہیں دیکھ سکتی۔ اور تیری مثال ایک چیونٹی کی ہے۔ جو بادشاہ کے قصر میں ایک سوراخ کر کے رہتی ہے۔ اور سوائے
سوراخ کے اور اپنی غذا کے اور سوائے اپنے یاروں کے اور کسی شے کی خبر نہیں رکھتی اور قصر شاہی کی زینت
و رونق اور غلاموں کی کثرت اور بادشاہ کے تخت اور بادشاہ کی کچھ خبر نہیں رکھتی۔ اگر تو چاہتا ہے کہ چیونٹی ہی کے درجہ پر قناعت

کرے تو کر۔ ورنہ تجھ کو راستہ دیا گیا ہے۔ تاکہ تو حق تعالیٰ کی معرفت کے بوستان کو دیکھے۔ باہر نکل اور آنکھ کھول تاکہ عجائبات صفت الٰہی کو دیکھ کر تو مدہوش و متحیر ہو جائے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اصل ہشتم (آٹھویں) توکل کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ توکل بھی منجملہ مقربین کے مقامات میں سے ہے۔ اور اسکا درجہ نہایت بزرگ ہے۔ لیکن اسکا علم فی نفسہ نہایت باریک و مشکل ہے۔ اور اسپر عمل کرنا بھی دشوار ہے۔ اور اس میں اشکال اس لئے ہے۔ کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے۔ کہ کاموں میں سوائے حق تعالیٰ کے کسی اور شے کو دخل ہے۔ تو ایسے شخص کی توحید ناقص ہے۔ اور اگر تمام اسباب کو درمیان سے اٹھا دے تو اس نے شریعت پر طعن کیا۔ اور اگر اسباب کو سبب نہ جانے تو اپنی عقل کے خلاف کیا۔ اور اگر سبب جانے تو ممکن ہے۔ کسی اور سبب پر توکل کرے۔ اور اسکی توحید میں نقصان واقع ہو جاتے۔ پس توکل کی شرح جیسے کہ عقل و شرع اور توحید کہتے ہو۔ اور جو ان سب کو جمع کر دے۔ یا ان سب کی جامع ہو۔ نہایت دقیق ہے اور ہر شخص اسکو نہیں جانتا ہم پہلے تو توکل کی فضیلت کو بیان کرتے ہیں پھر اس کے بعد اسکی حقیقت کی پہچان کرینگے۔ اور پھر اسکے بعد اسکے احوال و اعمال کا ذکر کریں گے۔

فضیلت توکل

حق تعالیٰ نے سب کو توکل کا حکم دیا ہے۔ اور اس کو ایمان کی شرط ٹھہرایا ہے اور فرمایا ہے وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ یعنی اگر تم مومن ہو تو حق تعالیٰ پر توکل کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ یعنی حق تعالیٰ متوکلوں کو دوست رکھتا ہے اور فرمایا ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ یعنی جو شخص حق تعالیٰ پر توکل کرتا ہے حق تعالیٰ اس کیلئے کافی ہے اور فرمایا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ یعنی کیا حق تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے کافی نہیں۔ اور اس قسم کی بہت سی آیات ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ پر امتوں کو پیش کیا گیا۔ میں نے اپنی امت کو دیکھا کہ کوہ و بیابان اس سے پر تھے۔ میں کثرت امت دیکھ کر حیران ہوا اور خوش ہوا۔ حق تعالیٰ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کیا تم خوش ہوتے ہو میں نے عرض کیا۔ ہاں ہوا ہوں۔ فرمایا۔ ان میں سے ستر ہزار بلا حساب جنت میں جائینگے۔ صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا۔ وہ کون لوگ ہیں جو بلا حساب بہشت میں جائینگے۔ فرمایا وہ لوگ ہیں جو کام کا منتر داغ اور فال پر انحصار نہیں رکھتے۔ بلکہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی اور پر بھروسہ نہیں کرتے۔ پھر حضرت عکاشہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ مجھکو حق تعالیٰ ان ستر ہزار میں اٹھائے۔ حضورؐ نے دعا فرمائی کہ بار خدایا اس کو ان میں سے کر دے۔ پھر ایک اور صحابی اٹھے۔ اور انہوں

نے بھی یہی دعا چاہی۔ حضورؐ نے فرمایا عکاشہؓ اس امر میں سبقت لیگیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم حق تعالیٰ پر توکل کرو جیساکہ کرنیکا حق ہے۔ تو حق تعالیٰ تم کو تمہاری روزی اسطرح پہنچائے۔ جیسے وہ پرندوں کو پہنچاتا ہے صبح کے وقت وہ سب بھوکے جاتے ہیں۔ اور رات کیوقت اپنے گھونسلوں میں سیر ہو کر آتے ہیں۔ اور فرمایا جو شخص حق تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے۔ تو حق تعالیٰ اسکے تمام کاموں کو سرانجام پر پہنچاتا ہے۔ اور اسکی روزی اسی جگہ سے پہنچاتا ہے۔ جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتی۔ اور جو شخص دنیا کی پناہ لیتا ہے۔ تو حق تعالیٰ بھی اس کو دنیا کے سپرد کر دیتا ہے جب کافروں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو منجنیق میں بٹھایا۔ تاکہ انکو آگ میں ڈالیں تو اسوقت آپ نے فرمایا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ جب آپ ہوا میں تھے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا۔ کچھ حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ حاجت نہیں۔ اور یہ اس لئے کہا کہ حَسْبِیَ اللّٰہُ جو کہا۔ اس کو وفا کریں۔ اور اسیواسطے حق تعالیٰ نے آپکو وفا کی صفت کیساتھ موصوف کیا۔ اور فرمایا اِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی یعنے ابراہیم وہ تھا جس نے وفا کی۔ حق تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔ کہ بندہ تمام دنیا کو چھوڑ کر میرا دامن پکڑتا ہے۔ اگرچہ تمام زمین و آسمان اسکے ساتھ مکر وفریب کرے۔ لیکن میں اسکو ان سب کے مکر وفریب سے بچاتا ہوں۔ اور اسکی مشکل کو آسان کر دیتا ہوں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو بچھو نے کاٹ لیا۔ میری والدہ نے مجھکو قسم دی کہ ہاتھ لا۔ تاکہ لوگ اسپر افسوں کریں۔ میں نے وہ ہاتھ جو بالکل سلامت تھا افسون کیلئے آگے کر دیا۔ اور یہ اس لئے کیا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص افسوں پر بھروسہ کریگا۔ وہ متوکل نہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک راہب سے پوچھا کہ خوراک کہاں سے کھاتا ہے۔ اس نے کہا اس سے پوچھو جو روزی عطا فرماتا ہے کہ کہاں سے بھیجتا ہے مجھ کو اس کی نسبت کچھ علم نہیں۔ ایک شخص سے لوگوں نے پوچھا کہ تو ہمیشہ عبادت میں رہتا ہے لیکن قوت کہاں سے حاصل کرتا ہے۔ اس نے دانتوں کیطرف اشارہ کیا اور کہا کہ جس نے چکی پیدا کی ہے وہ اناج بھی بھیجتا ہے حضرت ہرم بن حیانؓ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں مقام کہاں کروں آپ نے کہا۔ شام میں کہا وہاں روزی کس طرح ملیگی۔ فرمایا اُفٍّ لِّهٰذِهِ الْقُلُوْبِ قَدْ خَالَطَهَا الشَّكُّ وَلَا يَنْفَعُهَا الْمَوْعِظَةُ۔ یعنی ایسے دلوں پر افسوس ہے۔ جن پر شک غالب ہے اور نصیحت ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

حقیقت توحید جو بنائے توکّل ہے

جاننا چاہیئے کہ توکل دل کی ایک حالت ہے۔ جو ایمان کا ثمرہ ہے۔ اور ایمان کے بہت سے باب ہیں۔ لیکن ان سب میں سے دو پر ایمان لانا توکل ہے۔ ایک توحید پر ایمان لانا۔ دوسرا کمال لطف ورحمت پر۔ لیکن تفصیل توحید دراز ہے۔ اور اسکا علم تو علوم کی نہایت ہے۔ لیکن ہم اسقدر بیان کرینگے جس پر کہ توکل کی بنا ہے۔ پس تجھ کو جاننا چاہیئے کہ توحید کے چار درجے ہیں اور اسکا ایک مغز ہے اور پھر اس مغز کا بھی ایک مغز ہے۔ اور توحید کا ایک چھلکا ہے۔ اور پھر اس

چھلکے کا بھی ایک چھلکا ہے۔ تو توحید کے دو مغز اور دو چھلکے ہیں۔ اور اس کی مثال کچے سخت دٹ کی سی ہے۔ کہ اس کے دو چھلکے اور ایک مغز ظاہر ہے۔ اور جو اسکا روغن ہے وہ مغز کا بھی مغز ہے پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی لا الٰہ الا اللہ کہے۔ اور دل سے اعتقاد نہ رکھے۔ اور یہ توحید منافق ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے۔ کہ اس کلمہ کے معنے کا دل سے اعتقاد رکھے۔ جیسیکہ عوام الناس یا متکلم کیطرح ایک نوع کی دلیل سے اعتقاد رکھے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ مشاہدہ سے دیکھے۔ کہ سب کی اصل ایک ہے۔ اور فاعل ایک سے زیادہ نہیں اور کسی دوسرے کا فعل نہیں۔ اور یہ ایک نور ہوتا ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اس نور سے یہ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ عوام الناس یا متکلم کے عقاید کیطرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ انکا اعتقاد ایک گرہ ہے جو تقلید یا دلیل کے صلہ سے دل پر لگ جاتی ہے۔ اور یہ جو مشاہدہ ہوتا ہے اس سے دل کھلجاتا ہے۔ اور یہ سب گرہونکو اٹھا دیتا ہے۔ اور قیود کو توڑ ڈالتا ہے۔ اور عوام الناس کی تقلید کی یہ مثال ہے۔ کہ جیسے کوئی شخص اسبات پر اعتقاد کرے کہ فلاں شخص گھر میں ہے۔ اس سبب سے کہ فلاں شخص کہتا ہے۔ اور یہ عامی آدمی کی تقلید ہے۔ کہ جو اس نے اپنے ماں باپ سے سنا تھا۔ اور متکلم کے اعتقاد کی مثال یہ ہے۔ کہ کوئی شخص دروازے پر گھوڑے اور نوکر کو دیکھ کر اعتقاد کرلے کہ فلاں شخص گھر میں ہے۔ کیونکہ متکلم نے اسکا اس دلیل سے قیاس کیا۔ اور جو شخص اس شخص کو گھر میں دیکھ لے۔ تو یہ عارفونکی توحید کی مثال ہے۔ کیونکہ وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اس توحید کا بڑا درجہ ہے لیکن عارف اس مقام پر خالق کو بھی دیکھتا ہے اور مخلوق کو بھی۔ اور جانتا ہے۔ کہ خلق خالق سے ظہور میں آئی تو اس درجہ کی توحید میں کثرت کو دخل ہے۔ اور عارف جب تک دو کو ملاحظہ کرتا ہے تفرقہ میں رہتا ہے۔ جمع نہیں ہوتا۔ اور یہ کمال توحید نہیں۔ چوتھا درجہ ہے۔ کہ سوائے ایک کے نہ دیکھے۔ اور سب کو خود ایک ہی ملاحظہ کرے اور ایک ہی سمجھے۔ اور اس مشاہدہ میں تفرقہ کو کوئی راہ و دخل نہ ہو۔ صوفی لوگ اس درجہ کو فنائی التوحید کہتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت حسین حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ کو بیابان میں روتے ہوئے دیکھا۔ کہا۔ کیا کرتا ہے انہوں نے جواب دیا۔ اپنے قدم توکل میں درست کر رہا ہوں۔ حضرت حسینؒ نے کہا۔ کہ تم نے اپنی عمر تو باطن کی آبادانی میں گزار دی۔ بھلا نیستی سے مقام توحید پر کب پہنچو گے۔ پس توحید کے یہ چار مقام ہیں۔ پہلی توحید منافق کی ہے۔ اور یہ چھلکے کا چھلکا ہے۔ جیسیکہ اخروٹ کا۔ اوپر کا چھلکا کھانے میں بد ذائقہ معلوم دیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر وہ سبز ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسکو اندر کی جانب سے ملاحظہ کریں۔ تو برا ہوتا ہے۔ اور اگر اسے جلایا جائے تو دھواں دیتا ہے۔ اور آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور اگر تو اس کو رکھے۔ تو کسی کام نہیں آتا۔ بلکہ صرف جگہ روک لیتا۔ وہ سوائے اسکے کسی کام کا نہیں ہوتا۔ کہ چند روز تک اسے اخروٹ پر لگا رہنے دیں۔ تاکہ اندر والے چھلکے کو تازہ رکھنے کا باعث ہو۔ اور اسے آفات سے محفوظ رکھے۔ تو اسیطرح منافق کی توحید بھی ہے۔ اور تو کسی کام کی نہیں۔ مگر یہ کہ منافق کے پوست کو تلوار سے بچائے۔ اور منافق کا پوست اسکا بدن ہے۔ اس نے محض زبانی توحید کے سبب سے تلوار سے نجات پائی یعنے دینا

ہیں اس کو یعنے منافق کو نہ قتل کیا گیا، لیکن جب اس کا بدن جاتا رہا اور صرف جان ہی جان باقی رہ گئی، تو پھر ایسی توحید کچھ سُود مند نہیں ہوتی، جس طرح کہ اخروٹ کے اندر کا چھلکا جلانے کے کام کا نہیں ہوتا، صرف اس کام کا ہوتا ہے۔ کہ اسے اخروٹ پر لگا رہنے دیں، تاکہ مغز ہمیشہ اس کی حمایت میں رہے، اور تباہ ہونے سے بچے، اور یہ چھلکا بمقابلہ مغز کے نہایت حقیر اور ناچیز ہوتا ہے، اسی طرح متکلمین اور عوام الناس کی توحید ہے، کہ اِن کے مغز کو یعنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچاتی ہے، اگرچہ یہ توحید اس کام تو آتی ہے، لیکن مغز اور روغن کی لطافت سے خالی ہوتی ہے۔ اور جس طرح اخروٹ کا مغز مقصود و عزیز ہوتا ہے، لیکن جب اس کا مقابلہ روغن سے کیا جائے گا۔ تو اس کے مقابلہ میں ایک ثقل سے زیادہ حیثیت نہ رکھے گا، اور فی نفسہٖ کمال صفائی کو نہیں پہنچا ہُوا ہوتا، تو توحید کا تیسرا درجہ بھی کثرت تفرقہ اور زیادتی سے خالی نہیں، لیکن کمال درجہ کی مصفا توحید درجہ چہارم کی ہے، کیونکہ اس میں فقط حق ہی حق رہتا ہے۔ اور سوائے ایک کے دوسری کسی شے کو نہیں دیکھتا، اور اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتا ہے، اور جیسے دوسری چیزیں اس کی نظروں میں نیست ہو جاتی ہیں۔ وہ خود بھی اپنے دیکھنے میں نیست ہو جاتا ہے، یعنی اس کو اپنی ہستی بھی پھر نظر نہیں آتی

فصل

شائد تو یہ کہے کہ توحید کے یہ درجات مجھے مشکل معلوم ہوتے ہیں، ان کی تفصیل کرنا چاہیئے۔ تاکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہو جائیں، اور میں سب کو ایک میں سے کس طرح دیکھوں، جبکہ میری آنکھوں کے سامنے بہت سے اسباب موجود ہیں، آسمان، زمین، خلق کو دیکھتا ہوں، اور یہ سب ایک نہیں ہیں، تجھے جاننا چاہیئے کہ منافق کی توحید زبانی اور عوام الناس کی اعتقادی، اور متکلمین کی توحید دلیل ہوتی ہے۔ ان تینوں اقسام کی توحید کو تو آسانی کے ساتھ سمجھ لیتا ہے، البتہ چوتھے درجہ کی توحید کا سمجھنا تیرے لئے مشکل ہے اور توکل کے لئے چوتھے درجہ کی توحید کی ضرورت نہیں، توکل کے لئے تو درجہ سوم کی توحید کافی ہے، اور چوتھے درجہ کی توحید کو اس شخص سے بیان کرنا مشکل ہے۔ جو اس درجہ پر نہ پہنچا ہُوا ہو، لیکن مجمل طور پر تو اس قدر سمجھ لے کہ ممکن ہے کہ بہت سی اشیا ہوں، اور ان سب میں ایک قسم کا ارتباط ہو، تاکہ اس ارتباط کی وجہ سے وہ سب ایک ہو جائیں، چونکہ عارف اس طریق سے ملاحظہ کرتا ہے تو وہ ایک ہی ملاحظہ کرتا ہوگا۔ بہت نہ دیکھتا ہوگا۔ جس طرح آدمی میں بہت سی اشیاء ہیں۔ مثلاً گوشت، پوست، سر پاؤں، معدہ، جگر وغیرہ، لیکن حقیقت میں آدمی ایک ہی شے ہے، حتیٰ کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص آدمی کو ایک شے کی مانند جانے، اور اس کے اعضا کی تفصیل اس کے خیال میں نہ ہو، تو اگر اس سے سوال کریں گے، کہ تو نے کیا دیکھا، تو وہ کہے گا میں نے ایک شے سے زیادہ نہیں دیکھا، یعنے ایک آدمی کو دیکھا، اور اگر اس سے پوچھیں گے، کہ تو کیا سوچتا ہے تو وہ کہے گا، کہ میں ایک ہی چیز کو سوچتا ہوں، یعنی اپنے معشوق کے خیال میں ہوں، تو پس وہ بالکل معشوق ہی ہو گیا۔ اور معشوق ایک ہی ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ معرفت میں ایک ایسا مقام ہے، کہ جو کوئی اس مقام پر پہنچتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے، کہ جو کچھ بھی عالم وجود میں ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ مرتبط ہے، اور تمام ایک حیوان کی مانند

ہیں، اور آسمان، زمین، ستارے دوسرے اجزاء کو باہم وہی نسبت حاصل ہے، جو ایک حیوان کے اعضاء کو حیوان کے ساتھ ہوتی ہے، اور تمام عالم کو اپنے مدبّر کے ساتھ ایک وجہ سے اس میں نسبت حاصل ہے، جیسی حیوان کی مملکت بدنیہ کو عقل اور روح کے ساتھ، کہ یہ مدبّر بدن ہیں، اور تمام عالم تدبیریں تمام وجوہات سے ایسی نسبت نہیں جیسی نسبت بدن میں اور عقل میں اور روح میں ہے۔ اور تاوقتیکہ آدمی اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کو نہ جان لے گا، یا دقیق وبار یک مضمون بھی اس کے فہم میں نہ آسکے گا۔ عنوان کتاب میں ہم نے اشارۃً کچھ بیان کر دیا ہے اور اس جگہ بات کو طول نہ دینا بہتر ہے، کیونکہ یہ درجات دیوانوں کی زنجیر کو ہلاتی ہے، اور ہر شخص اس کے سمجھنے سے قاصر ہے، لیکن تیسرے درجہ کی توحید جسے توحید فعلی کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس کو ہم نے مفصل طور پر احیاء العلوم میں بیان کیا ہے، اگر تجھ میں استعداد ہے، تو اس میں دیکھ لے، اور اس جگہ اسقدر جاننا کافی ہے جو کہ ہم نے شکر کی اصل میں بیان کر دیا، اور اس جگہ اسقدر جاننا کافی ہے، کہ آفتاب و ماہتاب و ستارے و ابر ہوا وغیرہ جس کو تو اسباب تصور کرتا ہے، یہ تمام اسیطرح مسخر ہیں، جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو جنبش نہیں دیتا، بلکہ ان کو ضرورت کے وقت بقدر حاجت جنبش دی جاتی ہے۔ پس کاموں کو ان کے حوالہ کرنا غلطی و خطا ہے، جس طرح کہ سرفرازی کی خلعت کو قلم و کاغذ کے حوالہ کرنا غلطی ہے۔ لیکن جو چیز محلِّ نظر ہے وہ اختیار حیوانات ہے، کیونکہ تو سمجھتا ہے کہ آدمی کے ہاتھ میں کوئی شے ہے، لیکن آدمی بھی کچھ اختیار رکھتا ہے، حالانکہ ایسا سمجھنا غلطی ہے اور خطا ہے، اس واسطے کہ آدمی فی نفسہٖ مضطر و مجبور ہے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اس کا کام قدرت سے وابستہ ہے اور قدرت ارادہ کی مسخر ہے، حتیٰ کہ جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے مگر جب حق تعالیٰ ارادہ کو پیدا فرماتا ہے تو وہ خواہ نخواہ کوئی بات چاہتا ہے، پس جب قدرت ارادہ کی مسخر ہوئی، اور ارادہ اس کے اختیار میں نہیں تو گویا کچھ بھی اس کے اختیار میں نہیں، اور یہ حال تم کو اچھی طرح اس وقت معلوم ہوگا، جب تو یہ جان لے کہ آدمی کے افعال تین قسم پر ہیں، ایک یہ کہ مثلاً یہ آدمی پانی میں پاؤں رکھے، اور نیچے چلا جائے تو اس کو یہ کہیں گے۔ کہ اس نے پانی کو چیر کر اس کے جزو کو دوسرے سے علیحدہ کر دیا، تو اس کے اس فعل کو فعل طبعی کہتے ہیں، دوسرے یہ کہتے ہیں، کہ آدمی سانس لے تو آدمی کے اس فعل کو فعل ارادی کہتے ہیں، تیسرے یہ کہتے ہیں، کہ آدمی نے بات کی اور چل دیا۔ اور اس کے اس فعل کو فعل اختیاری کہتے ہیں، لیکن یہ بات ظاہر ہے، کہ فعل طبعی آدمی کے اختیار سے نہیں ہوتا، کیونکہ وہ چاہے یا نہ چاہے۔ ایسا ہی ہوگا، کیونکہ جب وہ پانی پر پاؤں رکھے گا، اس کے بوجھ سے پانی پھٹ جائے گا۔ اور یہ فعل اس کے اختیار سے نہیں، بلکہ پانی میں اگر پتھر پھینکے گا، تو وہ بھی پانی میں ڈوب جائے گا، اور ڈوب جانا پتھر کا فعل نہیں، اس واسطے کہ پتھر کے بھاری پن کی وجہ سے ایسا ہونا ضروری ہے، اور اگر غور کیا جائے تو آدمی کے فعل ارادی سانس لینے کا بھی یہی حال ہے، کیونکہ آدمی سانس لینے پر قادر نہیں، کیونکہ اس کو ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے، کہ خواہ نخواہ سانس

لینے کا ارادہ اس میں پیدا ہو، اور جب کوئی شخص دُور سے کسی کی آنکھ میں سوئی کبھونا چاہتا ہے، تو دوسرا آدمی ضرور بالضرور پلک جھپکا لیتا ہے، اگر وہ پلک نہ جھپکانا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا، کیونکہ خلقت ہی کچھ اس طریق پر واقع ہوئی ہے کہ وہ ارادہ خواہ نخواہ اس میں پیدا ہو جائے، جیسے کہ اس کی خلقت اس بات کی متقاضی ہے کہ اگر پانی میں کھڑا ہو، تو ڈوب جائے پس ان دونوں افعال سے آدمی کی مجبوری ظاہر ہوتی ہے، مگر فعل اختیاری جیسے چلنا اور کہنا میں کچھ اشکال واقع ہے کیونکہ اگر وہ چاہے تو یہ فعل کرے، اگر نہ چاہے تو نہ کرے، مگر یہ جاننا چاہیئے، کہ آدمی کسی کام کے کرنے کا ارادہ اس وقت کرتا ہے، جب اس کی عقل اسے اس کام کے کرنے کا حکم دیتی ہے، کہ اس کام کے کرنے میں تیری بہتری ہے اور کبھی اس میں غور و فکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جب عقل نے یہ حکم دیا کہ تیری بھلائی اس میں ہے، تو اس کا ارادہ ضرور بالضرور پیدا ہوتا ہے، اور آدمی اپنے اعضا کو حرکت دیتا ہے، جیسے دُور سے سوئی پھینکنے کے وقت آنکھ جھپکا لینا، لیکن چونکہ اس بات کا علم ہمیشہ حاضر ہے اور بداہۃً معلوم ہے کہ سوئی آنکھ کے لئے نقصان دہ ہے اور ایسے موقع پر آنکھ کا جھپک جانا بہتری کا موجب ہے، اور بہتری کے جاننے سے اس میں ارادہ پیدا ہوتا ہے اور ارادہ کی وجہ سے قدرت بالضرور کام میں آتی ہے، اس جگہ پر جب تامّل سے کام لیا، تو اس صفت پر ہو گیا جس صفت پر اس جگہ تھا۔ اور وہی ضرورت درپیش آجاتی ہے، اس واسطے کہ اگر کسی شخص کے مارنے کو لاٹھی اٹھاتا ہے، تو وہ آدمی بالطبع بھاگ جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ کسی چھت کے کنارہ پر پہنچ جاتا ہے، اور یہ دیکھتا ہے کہ لاٹھی کھانے سے کودپڑنا آسان ہے۔ تو کود پڑتا ہے، اور اگر جانتا ہے۔ کہ بہ نسبت کودنے کے لاٹھی کھانا آسان ہے، تو خواہ نخواہ اس کے پاؤں رک جاتے ہیں اور کودنے کی اس میں طاقت نہیں رہتی، اس لئے کہ کودنے کی حرکت ارادہ کی قید میں ہوتی ہے اور ارادہ تابع حکم عقل ہوتا ہے، تاکہ عقل اس کام کے اچھا ہونے پر گواہی دے، اور کہے کہ یہ کرنے کے قابل ہے اور یہ اسی سبب سے ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے آپ کو قتل کرنا چاہے، تو اگرچہ ہاتھ بھی رکھتا ہے، اور چھری بھی اس کے پاس ہوتی ہے، مگر اپنے آپ کو قتل نہیں کر سکتا، کیونکہ ہاتھ کی قوت ارادہ کی مقیّد ہوتی ہے، اور ارادہ اس بات کا مقیّد ہوتا ہے کہ عقل حکم دے کہ یہ کام تیرے کرنے کے قابل اور تیرے حق میں بہتر ہے، اور عقل بھی مجبور اور مضطر ہوتی ہے، اس لئے کہ آئینہ کی مانند صاف ہوتی ہے، کہ جو چیز بہتر ہوتی ہے، اس کی صورت آئینہ عقل میں آتی ہے، اور چونکہ اپنا قتل کرنا بہتری کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے اس کی صورت بھی عقل کے آئینہ میں نہیں آتی، مگر اس وقت آتی ہے، جبکہ آدمی کسی ایسی سخت مصیبت اور بلا میں گرفتار ہو، کہ اس کا متحمل نہ ہو سکے، اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالنا بہ نسبت اس بلا و مصیبت کے برداشت کرنے کے بہتر ہو تو اس کو فعل اختیاری اس لئے کہا گیا ہے، کہ اس کی بھلائی تمیز میں آجاتی ہے، ورنہ جب یہ فعل بالضرور ہی ظہور پذیر ہوا، تو سانس لینے اور آنکھ بند کر لینے کی ضرورت کے مثل ہو گیا، اور ان دونوں افعال کی ضرورت پانی میں ڈوب جانے کی ضرورت کے مثل ہے، اور یہ اسباب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اور سلسلۂ اسباب کے حلقے نہایت وسیع ہیں، کتاب احیاء العلوم

میں اس کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ اور حق تعالیٰ نے آدمی میں جو قدرت پیدا فرمائی ہے، یہ اسی سلسلہ کے حلقوں میں سے ایک حلقہ ہے، اور یہیں سے آدمی گمان کرتا ہے، مجھے اختیار ہے، اور یہ گمان کرنا خطائے محض ہے۔ اس واسطے کہ آدمی کو صرف اس سے اتنا ہی تعلق ہے کہ آدمی اس کی گزرگاہ ہے، پس آدمی اختیار اور قدرت کا محل اور ممر ہے جو حقتعالیٰ اس میں پیدا فرماتا ہے، پس چونکہ درخت ہوا کی وجہ سے ہلتا ہے اور اس میں حقتعالیٰ نے قدرت اور ارادہ کچھ پیدا نہیں فرمایا لہٰذا درخت کو کسی نے بھی محل قدرت و ارادہ نہ سمجھا، اور اس ہلنے کا نام اضطرار محض رکھا، اور چونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے، اس کی قدرت سوائے اس کے اور کسی شے کی مقید نہیں تو اسے اختراع کہتے ہیں، اور چونکہ آدمی نہ ایسا ہے نہ ویسا ہے، کیونکہ اس کی قدرت اور ارادہ اور ہی اسباب سے متعلق ہے جو اس کے اختیار سے باہر ہے۔ اور اس کا فعل حق تعالیٰ کے فعل کی مانند نہیں ہوتا، کہ اسے خلق و اختراع کے نام سے موسوم کریں، اور چونکہ آدمی محل قدرت و ارادہ ہے، اور حق تعالیٰ اس میں بالضرور قوت و ارادہ پیدا کرتا ہے، تو وہ درخت کی مثل بھی نہ ہوگا، کہ اس کے فعل کو اضطرار محض کہیں، بلکہ یہ ایک اور ہی قسم ہے، اور اس کے لئے نام بھی اور ہی تلاش کیا ہے، اور اسے کسب کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس بیان سے معلوم ہوا، کہ اگرچہ آدمی اپنے کام پر قادر ہے، مگر چونکہ اس کی مجبوری اپنے نفس اختیار میں ظاہر ہے، کہ خواہ چاہیئے خواہ نہ چاہیئے تو در حقیقت اس کے اختیار میں کچھ بھی نہ ہوا۔

فصل غالباً تو یہ کہے گا، کہ اگر یہی حالت ہے، تو پھر آدمی کے لئے ثواب و عقاب کیوں ہے، اور شریعت کس لئے ہے، جب کہ آدمی کے اختیار میں کوئی شے نہیں۔ جاننا چاہیئے کہ وہ مقام ہے جس کو توحید در شرح اور شرح در توحید کہتے ہیں، اور اس دریائے بے پایاں میں بہت سے ضعیف الاعتقاد اور کمزور ایمان انسان غرق ہو جاتے ہیں، اور اس ہلاکت سے وہی بچتا ہے جو پانی پر چل سکے، اور اگر پانی پر نہ چل سکے، تو کم از کم تیر ہی سکے بعض لوگ اس طرح ڈوبنے سے محفوظ رہے ہیں کہ اس دریا میں پاؤں ہی نہ رکھا۔ تاکہ غرق نہ ہو جائیں۔ اور عوام الناس اس سے ناواقف ہیں، اور ان پر یہی مہربانی ہوگی، کہ ان کو اس دریا کے کنارہ ہی پہ نہ آنے دیں، کہ کہیں ناگاہ غرق نہ ہو جائیں، اور جن لوگوں نے دریائے توحید میں قدم رکھا، اکثر ان میں سے تو اس وجہ سے ڈوب گئے، کہ وہ تیرنا ہی نہ جانتے تھے، اور ممکن ہے، کہ وہ اس بات سے ناواقف ہوں کہ تیرنا سیکھیں، یا اپنے آپ پر مجبور ہوں، اور طلب ہی نہ کریں، اور اس دریا میں غرق ہو جائیں اور کہیں کہ ہمارے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں، سب کچھ وہی کرتا ہے جس کی نسبت اس نے شقاوت کا حکم دیا ہے، وہ اپنی کوشش سے نہیں بچ سکتا، اور جس کی نسبت سعادت کا حکم دیا جا چکا ہے اسے کوشش کرنے کی حاجت ہی نہیں، اس قسم کا عقیدہ سراسر گمراہی اور جہالت اور ہلاکت کا سبب ہے، اگرچہ ہر چند ان امور کی حقیقت کتابوں میں نہ لکھنی چاہیئے، لیکن جب بات نے یہاں تک طول کھینچا تو کچھ نہ کچھ بیان کیا جاتا ہے، جاننا چاہیئے کہ یہ جو تو نے کہا کہ ثواب و عقاب کس لئے ہے، اب اس بات کو غور سے سن، کہ عذاب اس لئے نہیں ہے، کہ تو نے کوئی برا کام کیا۔

اور حق تعالےٰ نے اس کے عوض میں تجھ پر خفا ہو کر تجھ کو عذاب میں مُبتلا کیا ہے، یا تیری کسی نیکی سے خاموش ہو کر اس کے عوض میں تجھ کو خلعت عطا کرتا ہے، کیونکہ یہ باتیں صفات الٰہیت سے دُور ہیں۔ لیکن جب خلطِ خون یا خلطِ صفرا یا کوئی اور خلط تیرے باطن میں غلبہ حاصل کرتی ہے، تو اس کے غلبہ سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اسے بیماری کہتے ہیں، اور جب دوا غالب ہو جاتی ہے، تو پھر اس سے دوسری حالت پیدا ہو جاتی ہے اور اسے صحت کہتے ہیں، اس طرح جب خواہش یا غصہ تجھ پر غالب آجاتا ہے اور اس کا عقیدہ بن جاتا ہے، تو اس سے ایک آگ پیدا ہوتی ہے، جو جان میں لگ جاتی ہے، اور وہ تیری ہلاکت ہوتی ہے، اور اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْغَضَبُ قِطْعَۃٌ مِّنَ النَّارِ۔ یعنی وہ غصہ ہے، جس کو تو نے اپنے پر مسلّط کر لیا، بلکہ وہ ایک آگ کا ٹکڑہ ہے۔ اور جس طرح نورِ عقل جب طاقتور ہوتا ہے، تو غصہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے، اسی طرح نورِ ایمان دوزخ کی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور دوزخ کہتی ہے جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ اَطْفَأَ نَارِیْ۔ یعنی اے مومن چلا جا تیرا نور میری آگ کو بجھاتا ہے۔ تو یہاں دوزخ ایمان سے فریاد کرتی ہے، بات چیت درمیان میں نہیں ہوتی، بلکہ دوزخ میں اس نور کے دیکھنے کی طاقت ہی نہیں ہوتی۔ اور اس طرح بھاگتی ہے جیسے مچھر ہوا سے بھاگتا ہے۔ تو خواہش کی آگ بھی عقل کے نور سے بھاگ جاتی ہے، پس تیرے عذاب کے لئے کسی دوسری جگہ سے کوئی شے نہ لائیں گے۔ بلکہ تیری چیز ہی تجھ کو دیں گے۔ اِنَّمَا ھِیَ اَعْمَالُکُمْ تُرَدُّ اِلَیْکُمْ۔ یعنی تمہارے اعمال ہی دوزخ ہیں جنہوں نے تمہاری طرف رُخ کیا ہے۔" پس آتش دوزخ کی اصل تیرا ہی غصہ اور تیری ہی شہوت ہے، اور تیرے ساتھ تیرے باطن میں موجود ہے اگر تجھے علم الیقین ہوتا، تو تو اسے دیکھتا، جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد کیا ہے۔ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ۔

پس جاننا چاہیئے کہ جس طرح زہر آدمی کو بیمار کر دیتا ہے، اور بیماری آدمی کو قبرستان لے جاتی ہے۔ اور اس بات میں نہ کسی کا غصہ ہوتا ہے، اور نہ انتقام، اسی طرح معصیت اور شہوت کے سبب سے آدمی کا دل بیمار ہو جاتا ہے، اور وہ بیماری تیرے لئے آگ بن جاتی ہے، اور وہ آگ آتش دوزخ کی جنس سے ہوتی ہے۔ اس جہان کی آگ کی جنس سے نہیں ہوتی، اور جس طرح سنگ مقناطیسی بمقتضائے مجالست لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اسی طرح دوزخ دوزخی کو اپنی طرف کھینچتی ہے، اور اس میں کسی کے غصہ کو دخل نہیں ہوتا، اور ثواب کے حال کو بھی اس پر قیاس کر لینا چاہیئے، کیونکہ اس کا بیان طوالت کا موجب ہوگا، یہ تو اس اعتراض کا جواب تھا، جو تو نے یہ کہا، کہ ثواب وعقاب (عذاب) کیوں ہے، اور یہ جو تو نے اعتراض کیا تھا، کہ شریعت کس واسطے ہے، اور حق تعالیٰ نے پیغمبروں اور رسولوں کو کیوں مبعوث فرمایا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ بھی ایک حکومت اور زبردستی ہے، تاکہ خلق کو جبراً و قہراً زنجیر میں باندھ کر بہشت میں لے جائے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَتَعْجَبُ مِنْ قَوْمٍ یُّقَادُوْنَ اِلَی الْجَنَّۃِ بِالسَّلَاسِلِ۔ یعنی تو اس قوم سے کیا تعجب کرتا

ہے. جو زنجیروں سے جنت کی جانب کھینچی جاتی ہے" اور کمند قہر سے اِن کی حفاظت کرتے ہیں، تاکہ دوزخ میں نہ جا پڑیں، جیسا کہ فرمایا اَنْتُمْ تَتَهَافَتُوْنَ عَلَى النَّارِ وَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ یعنی تم پروانے کی طرح اپنے آپ کو آگ پر گراتے ہو، اور میں تمہاری کمر کو پکڑ کر کھینچتا ہوں، اور گرنے نہیں دیتا۔

پس جاننا چاہیئے کہ پیغمبروں کی بات حق تعالیٰ کی جباری کی زنجیر کی ایک کڑی ہے، اور اس سے تیرا فہم پیدا ہوتا ہے، تاکہ تو راہ اور بے راہی میں تمیز کر سکے، اور پیغمبروں کے ڈرانے سے ہراس پیدا ہو، اور یہ معرفت و ہراس عقل کے آئینہ سے غبار کو صاف کر دے، تاکہ یہ بات کہ دُنیا کی راہ سے آخرت کی راہ بہتر ہے، عقل کے آئینہ میں نظر آئے اور اس کے نظر آنے سے آخرت کی راہ اختیار کرنے کا ارادہ تجھ میں پیدا ہو، اور ارادہ کے سبب سے تیرے اعضا خواہ نخواہ حرکت کریں، کیونکہ اعضا، ارادہ کے تابع ہوتے ہیں، اور اس زنجیر سے جکڑ کر تجھ کو جبراً و قہراً دوزخ سے بچاتے ہیں۔ اور بہشت میں لے جاتے ہیں، اور انبیاء علیہم السّلام کی مثال اس چرواہے کی سی ہے، کہ جس کے پاس بکریوں کا ایک گلہ ہو، اور ایک ہری بھری چراگاہ ہو، اور اس کی بائیں جانب ایک غار ہو، جس میں بہت سے بھیڑیئے رہتے ہوں، اور وہ چرواہا غار کے کنارہ پر کھڑا ہو کر لاٹھی کو ہلاتا ہو، تاکہ بکریاں لاٹھی کے خوف سے اس غار کے کنارہ پر نہ آئیں اور چراگاہ کی طرف لوٹ جائیں، پیغمبروں علیہم السّلام کے مبعوث ہونے کا یہی فائدہ ہے، اور یہ جو تو نے اعتراض کیا تھا کہ ازل ہی میں بندہ کی شقاوت کا حکم ہو چکا ہے، اس کی علامت یہ ہے، کہ یہ بات اس کے دل میں ڈالے تاکہ وہ کوشش سے باز رہے، نہ تو بیج بوئے اور نہ ہی کھیت کاٹے، اور جس کے بارہ میں یہ حکم ہو چکا ہے۔ کہ وہ بھوک کے مارے مر جائے گا، تو اس کا یہ نشان ہے، کہ یہ بات اس کے دل میں ڈال دے، کہ مجھے روٹی کھانے سے کیا فائدہ، جب کہ میرے لئے فاقہ سے مرنے کا حکم ہو چکا ہے، تو ایسا شخص اگر نہ روٹی کھائے گا، تو ضرور فاقہ سے مر جائے گا، اور اگر یہ کہے کہ جب محتاجی کا حکم کیا جا چکا ہے، تو بیج بونے سے کیا فائدہ، اور یہ سمجھ کر نہ بوئے، حتّٰی کہ کھیت بھی نہ کاٹے، اور حق تعالیٰ نے جس کی سعادت کا حکم کیا ہے، اسے یہ سمجھا دیتا ہے، کہ حق تعالیٰ نے جس کے بارہ میں اسباب تونگری اور اسباب حیات کو حکم کیا ہے، وہ زراعت اور تجارت کرے اور روٹی کھائے، پس یہ حکم بیہودہ نہیں، بلکہ اسباب سے متعلق ہے، اور حق تعالیٰ نے جس شخص کو جس کام کے واسطے پیدا کیا ہے، اس کے اسباب بھی اس کے لئے مہیا فرما دیتا ہے، یہ نہیں ہے کہ بلا اسباب اس کو اس کام تک پہنچائے، اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ، یعنی عمل کرو، پس ہر شخص آسان کر دیا گیا ہے اس چیز کے لئے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے" اور جو احوال و اعمال حق تعالیٰ تجھ سے جبراً و قہراً سرزد کراتا ہے۔ اُن سے تو اپنی عاقبت کی بشارت معلوم کر، اور جب علم پڑھنے میں تکرار اور جدّ و جہد تجھ پر غالب ہو تو یہ سمجھ لے کہ یہ تیرے لئے اس بات کی بشارت ہے، کہ تیرے لئے سعادتِ امامت کا حکم کیا گیا ہے، بشرطیکہ تو پوری

کوشش کرے، اور بیکاری اور سُستی سے کام نہ لے، اور اگر بیکاری و سُستی تجھ پر غالب ہو، تو یہ بیہودہ بات تیرے دل میں ڈالی گئی ہے، کہ اگر ازل میں میری جہالت کا حکم لیا گیا ہے، تو تکرار سے کیا فائدہ، تو اس بات سے اپنی جہالت کا حکم نامہ مطالعہ کرلے، اور جان لے، کہ یہ اس بات کی علامت ہے، کہ تو امامت کے درجہ تک نہ پہنچے گا، غرضیکہ امور آخرت کو دُنیا کے کاموں پر قیاس کرلے، جیساکہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ جب تو ان حقائق کو جان لے گا، تو یہ تینوں اشکال تیرے آگے سے دُور ہو جائیں گے، اور توحید پر قائم ہو جائے گی، اور یہ بھی واضح ہو، کہ شرع اور عقل اور توحید ان میں کوئی تناقض نہیں، ہم اس مضمون کو اس سے زیادہ طویل نہیں کرتے، کیوں کہ اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔

دوسرا ایمان جو بنائے توکّل ہے

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، کہ توکل دو ایمانوں کا ثمرہ ہے، ایک ایمان توحید کا، کہ جس کو ہم مفصل طور پر بیان کر چکے ہیں، اور دوسرا ایمان اس بات کا کہ تو یہ جانے کہ پیدا کرنے والا صرف وہی ہے، اور سب اسی کے سبب سے ہیں، اور وہ سب کے لئے رحیم و حکیم و لطیف ہے، اور اس کی عنایت و شفقت ہر ایک چیونٹی اور مچھر سے لے کر آدمی تک بیٹے پر ماں کی شفقت اور عنایت سے بھی زیادہ ہے، جیساکہ حدیث شریف میں وارد ہے اور اس بات کو بھی جان لے، کہ جہان اور جو کچھ جہان میں ہے سکمال و جمال سے اور لطف و حکمت سے اس طریق پر پیدا کیا ہے، کہ اس سے بہتر اور ممکن نہیں اور یہ بھی جان لے کہ حق تعالیٰ نے کسی شے کو بھی اپنے لطف اور رحمت سے محروم نہیں کیا، اور نہ جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اسی طرح پیدا کیا ہے، جیساکہ پیدا کرنے کا حق ہے، اگر تمام روئے زمین کے عقلا جمع ہو جائیں، اور ان کو کمال عقل اور دانائی عطا کی جائے، اور وہ غور کریں، کہ دُنیا میں کوئی سر مو اور مچھر کا پر جس انداز پر کہ ہے، ایسا نہ ہونا چاہیئے تھا، چھوٹا یا بڑا، بدصورت یا خوبصورت، بدتر یا بہتر، تو اس قسم کا کوئی نقص بھی نہ پائیں گے، اور یہ جان لیں گے، کہ سب کچھ جیساکہ چاہیئے تھا ویسا ہی ہے جو شے بہت بُری ہے، اس کا کمال اسی میں ہے کہ وہ بہت ہی بُری ہے، اگر بُری نہ ہوتی تو ناقص ہوتی اور حکمت فوت ہو جاتی، کیونکہ اگر بُری شے نہ ہوتی، تو اچھی شے کی قدر کوئی بھی نہ جانتا، اور اس سے راحت حاصل نہ کرتا، اور اگر کوئی ناقص شے نہ ہوتی تو کامل بھی نہ ہوتی، اور کامل کو اپنے کمال سے خود لذت حاصل نہ ہوتی، کیونکہ ناقص اور کامل کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھ سکتے ہیں، جیسے کہ باپ نہ ہوگا۔ تو بیٹا بھی نہ ہوگا، اور جب بیٹا نہ ہوگا، تو باپ بھی نہ ہوگا، کیونکہ یہ تمام چیزیں ایک دوسرے کے مقابلہ

میں ہیں، اور مقابلہ دو چیزوں میں ہوتا ہے، اور جب دوئی اُٹھ جاتی ہے، تو یگانگت ہو جاتی ہے، اور مقابلہ اور بنائے مقابلہ سب باطل ہو جاتی ہے۔ جاننا چاہیئے، کہ حق تعالیٰ نے کاموں کی حکمت کو اگر بندوں پر پوشیدہ رکھا ہو۔ تو روا ہے، لیکن ایمان اس بات پر ہونا چاہیئے، کہ جس شے کا اس نے حکم کیا ہے، خیریت اس میں ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ پس دُنیا میں جو کچھ بھی ہے، بیماری یا عجز، بلکہ معصیت و کفر و ملامت و نقصان و درد و رنج ہر ایک میں حق تعالیٰ کی حکمت ہے، اور جیسا ہے ویسا ہی چاہیئے تھا۔ اور جس کو اس نے درویش پیدا کیا۔ اس لئے کیا، کہ اس کے درویش بنانے ہی میں اس کی بہتری تھی، کیونکہ اگر توانگر ہوتا تو تباہ ہو جاتا۔ اور جس کسی کو اس نے توانگر پیدا کیا۔ اس کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ اور یہ مضمون بھی توحید کے مضمون کی طرح ایک بحرِ محیط ہے۔ بہت سے لوگ اس میں غرق ہو چکے ہیں، اور اس میں قضاؤ قدر کا راز ہے، کہ جس کے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں، اور میں اگر اس دریا میں خوض کروں، تو بیان طویل ہو جائے، مگر آدمی کے تمام ایمان کا بھید یہی ہے، جو بیان کر دیا گیا ہے۔ اور توکل کو بھی اسی کی حاجت ہے۔

حقیقتِ توکل

جاننا چاہیئے، کہ توکل دِل کی ایک حالت ہے، اور توحید پر اور حق تعالیٰ کے کمال لطف پر ایمان لانے کا ثمرہ ہے، اور اس حالت کے لئے وکیل یعنی کارسازِ حقیقی پر دِل سے اعتماد رکھنا اور اس اعتماد کو مضبوط کرنا اور اس کے سبب سے آرام حاصل کرنا ہے، تاکہ دِل روزی میں نہ باندھے، اور اسباب ظاہر کے خلل پذیر ہونے سے شکستہ دل نہ ہو بلکہ حق تعالیٰ پر اعتماد رکھے، کہ وہی اس کو روزی پہنچائے گا۔ اور اس کی مثال یہ ہے، کہ کسی شخص پر دھوکا اور فریب سے دعویٰ کریں، اور وہ آدمی اس فریب کو رفع کرنے کے لئے کسی شخص کو وکیل مقرر کرے، تاکہ وہ اس پر سے اس فریب اور دھوکا کو رفع کرے، اور اگر اس کو وکیل کی تین صفات پر ایمان ہو گا، تو اس کا دِل وکیل پر اعتماد کرے گا، ایک تو یہ کہ وکیل پورے طور پر دغا اور فریب کی صورتوں سے واقف ہے، دوسرے یہ کہ وکیل کو اس کے اظہار کے لئے دو طرح کی قوت حاصل ہے، ایک تو دلیری، دوسری فصاحت لسانی۔ کوئی شخص ہوتا ہے، کہ بات سے تو واقف ہے، لیکن بُزدلی یا کند زبانی کی وجہ سے بیان نہیں کر سکتا۔ تیسرے یہ کہ میرا وکیل مجھ پر نہایت ہی مہربان ہے، اور میرے حقوق کی حفاظت کے لئے حریص ہے، جب ان تینوں صفتوں پر متوکل اعتماد کرے گا۔ تو اس کا دِل مطمئن رہے گا، اور اپنی جانب سے اس مقدمہ میں حیلہ و تدبیر سے کام نہ لے

گا - تو اسطرح جس شخص نے نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ کے معنے سمجھ لئے - اور اس بات پر ایمان لے آیا - کہ جو کچھ ہے خدا سے ہے - اور دوسرا کوئی فاعل نہیں اور بایں ہمہ علم وقدرت میں کچھ نقصان نہیں - اور اسکی رحمت اتنی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور ہو ہی نہیں سکتی - اور حق تعالیٰ کے فضل وکرم پر دل سے اعتماد کرے اور حیلہ و تدبیر کو کام میں نہ لائے اور یہ سمجھے کہ اس کی روزی مقدر ہے - اور اپنے وقت پر پہنچ جاتی ہے اور اسکس کے فضل وکرم سے تمام کام بوجہ احسن سرانجام پائیں گے - ممکن ہے کہ یہ یقین اس کو ان صفات کے ساتھ ہو لیکن اس کی طبیعت میں بددلی ہو جس کی وجہ سے وہ ہراساں ہو - کیونکہ یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس شے پر آدمی یقین رکھے - اس کی طبیعت بھی اس یقین کی متابعت کرے - بلکہ ممکن ہے - کہ طبیعت وہم کی تابع ہو - حالانکہ نہیں بجانتا ہو کہ وہم کرنا غلطی ہے - مثلاً کوئی ایک شخص حلوا کھا رہا ہے اور دوسرا شخص اس کو نجاست سے تشبیہہ دیتا ہے - تو وہ حلوا نہیں کھا سکتا - اگرچہ وہ اس بات سے واقف ہوتا ہے - کہ یہ جھوٹ ہے - اسی طرح اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ مردے کے ساتھ اکیلا گھر میں سوئے تو نہیں کر سکتا - اگرچہ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے - مُردہ تو ایک جامد شے ہے اور اٹھ نہیں سکتا پس توکل کیلئے یقین کی اور دل کی دونوں قوتوں کی ضرورت ہے - کیونکہ جب اضطراب دل سے دور نہیں ہوتا تب تک آرام واعتماد کلی بھی حاصل نہیں ہوتا اور جبتک اعتماد کلی نہ ہو آدمی متوکل نہیں ہو سکتا کیونکہ توکل کے معنی دل کا اعتماد ہے حق تعالیٰ پر تمام کاموں میں - اور حضرت خلیل علیہ السلام کو ایمان اور یقین دونوں حاصل تھے لیکن کہا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ یعنی اے میرے پروردگار مجھکو دکھلا تو کسطرح مردوں کو زندہ کرتا ہے - حقتعالیٰ نے ارشاد کیا - اے خلیل - کیا تو ایمان نہیں رکھتا - عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن دل کا اطمینان اور تسکین چاہتا ہوں، کیونکہ دل کا آرام ابتدائے حال میں تخیل اور رجیات کے ماتحت ہوتا ہے - لیکن جب نہایت کو پہنچ جاتا ہے - تو دل بھی یقین کے تابع ہو جاتا ہے - اور پھر اس کو مشاہدہ ظاہری کی حاجت نہیں ہوتی ؛

درجاتِ توکّل

جاننا چاہیئے کہ توکّل کے تین درجے ہیں - ایک تو یہ کہ اس کا حال اس مرد کے حال کا سا ہو کہ جو جھگڑے میں ایک چالاک - راہنما فصیح - دلبر - مہربان وکیل مقرر کرے - اور اس پر پورا پورا اطمینان رکھے - دوسرا درجہ یہ ہے - کہ اسکا حال اس بچہ کی طرح ہو جو سوائے اپنی ماں کے کسی دوسری شے کو نہ جانے - اگر بھوکا ہو تو اسی کو پکارے، اور اگر ڈرے تو تب بھی اسی کے ساتھ لپٹے - اور یہ بچہ کی سرشت ہے اسکو تکلف اور اختیار سے نہیں کرتا اور کس قسم

کا متوکل ایسا متوکل ہوتا ہے جو اپنے توکل سے بھی بیخبر ہوتا ہے۔ اس استغراق کی وجہ سے جو اسے پہلے اپنے وکیل کے ساتھ ہوتا ہے لیکن پہلے درجہ والے کو اپنے توکل کی خبر ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے آپکو تکلیف و اختیار سے توکل کی صفت پر لاتا ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے۔ کہ اس کا حال مردہ ہونے سے پہلے مردہ جیسا کہ وہ اپنے آپ کو مردہ دیکھے اور اپنی جنبش اپنے آپ سے نہ خیال کرے۔ بلکہ قدرتِ ازلی سے تصور کرے۔ جیسا کہ مردہ غسال کے حرکت دینے سے حرکت کرتا ہے۔ اور اگر کوئی کام اسے درپیش ہو تو اس کے لئے دعا بھی نہ کہے۔ اس لڑکے کی طرح نہ ہو۔ جو کسی کام کے لئے ماں کو بلاتا ہے۔ بلکہ اس لڑکے کی طرح ہو جائے۔ جو یہ جانتا ہو۔ کہ اگرچہ میں ماں کو نہیں بلاتا لیکن ماں میرے حال سے واقف ہے۔ اور خود بخود میرے کام کی تدبیر میں مشغول ہے۔ پس اس تیسرے درجہ میں متوکل کو کچھ بھی اختیار نہیں ہوتا۔ اور دوسرے درجہ میں بھی اختیار تو نہیں ہوتا لیکن عاجزی اور دعا اور وکیل پر اعتماد کرنا باقی رہتا ہے اور پہلے درجہ میں اختیار ہوتا ہے۔ مگر انہی اسباب کی تدبیر میں کہ جو وکیل کی وضع اور عادت سے معلوم ہوئے ہوں مثلاً جب یہ جانتا ہے کہ وکیل کی عادت یہ ہے۔ کہ جب تک وہ حاضر نہ ہوگا اور سجل حاضر نہ کریگا وہ خصومت نہیں کریگا۔ تو لابد ان اسباب کو بجا لاتا ہے۔ اور اسوقت ہمہ تن انتظار بن جاتا ہے کہ دیکھیئے وکیل کیا کرتا ہے۔ اور جو (دستاویز) کچھ بھی ہوتا ہے۔ اسے وکیل ہی کی جانب سے جانتا ہے اور سجل حاضر کرنا بھی اسی کی طرف سے سمجھتا ہے۔ اس واسطے کہ وکیل ہی کے کہنے سے اس نے حاضر کیا ہے۔ پس جو شخص توکل میں اس مقام پر ہوتا ہے۔ وہ تجارت اور زراعت اور اسبابِ ظاہرہ سے کہ جو حق تعالیٰ کی عادتِ مستمرہ سے معلوم ہیں دست بردار نہیں ہوتا۔ اور اپنی تجارت و زراعت پر بھی بھروسہ نہ کرکے حق تعالیٰ کے فضل و کرم پر اس بات کی امید رکھتا ہے کہ وہ اسکو تجارت اور زراعت سے مقصود پر نہ پہنچادیگا۔ اور جو بات آنکھوں کے سامنے آتی ہے۔ اسے حق تعالیٰ ہی کیجانب سے خیال کرتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل آگے بیان کیجائے گی۔ اور لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے یہی معنی ہیں۔ اس واسطے کہ حَول حرکت کو کہتے ہیں۔ اور قوۃ قدرت ہے۔ اور جب جانتا ہے کہ میری قوت اور حرکت میرے سبب سے نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ تو جو کچھ بھی دیکھتا ہے۔ اسی کی طرف سے دیکھتا ہے۔ حاصل کلام جب کاموں کا ظاہری اسباب کے حوالہ کرنا اس کی نظر کے آگے سے اٹھ گیا حتیٰ کہ سب کاموں کو حق تعالیٰ ہی کی طرف دیکھتا ہے۔ تو ایسا شخص متوکل ہے۔ مگر توکل کا اعلےٰ مقام یہ ہے۔ جو حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت ابو موسیٰ دوئلی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ توکل کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تم کس شے کو توکل کہتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر تیرے دائیں بائیں تمام اژدہا اور سانپ ہوں۔ تو تیرا دل سر مو حتیٰ بھی گھبراہٹ اور جنبش نہ کرے۔ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ تو ایک نہایت ہی آسان بات ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اہلِ دوزخ کو بالکل عذاب میں اور

اہل بہشت کو سراپا نعمت میں ملاحظہ کرے۔ اور پھر ان دونوں میں فرق کرے تو ایسا شخص متوکل نہیں لیکن وہ جو حضرت موسیٰ اشعری نے فرمایا۔ وہ بھی توکل کا نہایت بلند مقام ہے۔ لیکن اس میں یہ شرط نہیں ہے۔ کہ متوکل جذبہ کرے۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غار میں تھے۔ تو آپ نے سانپ کے سوراخ میں ایڑی رکھدی۔ حالانکہ آپ متوکل تھے اور آپکا ہراس سانپ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ سانپ کے پیدا کرنے والے سے تھا۔ کہ وہ سانپ کو حرکت وقوت دے۔ اور اس قسم کا متوکل تمام اشیاء میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے معنیٰ ملاحظہ کرتا ہے۔ اور جو حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تو یہ اس ایمان کی طرف اشارہ ہے جو اصل توکل ہے اور وہ ایمان نہایت ہی عزیز تر ہے۔ اور وہ حق تعالیٰ کے فضل وحکمت اور رحمت پر ایمان لانا ہے۔ اور بندوں کا یہ جاننا ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ کرتا ہے۔ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ جیسا کہ کرنا چاہیئے پس اس لحاظ سے وہ عذاب اور نعمت میں فرق نہیں کرتا۔

اعمالِ توکل

جاننا چاہیئے۔ کہ دین کے تمام مقامات تین اصلوں پر ہیں۔ علم پر، حال پر، عمل پر، توکل کا علم اور حال تو بیان کیا جاچکا ہے۔ باقی رہا عمل۔ تو شاید کوئی آدمی یہ خیال کر بیٹھے۔ کہ توکل کی شرط تو یہ ہے۔ کہ تمام کاموں کو حق تعالیٰ ہی پر چھوڑ دے۔ اور اپنے اختیار سے کوئی کام نہ کرے حتیٰ کہ کسب تک بھی نہ کرے اور کوئی شے کل کیلئے نہ رکھ چھوڑے۔ اور سانپ بچھو شیر سے نہ بھاگے۔ اور اگر بیمار ہو جائے تو دوا نہ کھائے۔ یہ اور اس قسم کی تمام سب باتیں غلط ہیں۔ کیونکہ یہ سب شریعت کے خلاف ہیں۔ اور توکل کی بنا شرع پر رکھی گئی ہے بھلا کسطرح مخالف شرع ہوگا۔ بلکہ آدمی کا اختیار یا تو اس مال کے حاصل کرنے میں ہوگا۔ کہ جو اس کے پاس نہیں۔ یا اس مال کی حفاظت کرنے میں جو اس کے پاس موجود ہے یا اس ضرر سے بچنے میں جو اسے پہنچا ہو یا اس ضرر کے رفع کرنے میں جو اسے نہ پہنچا ہو۔ ان تمام امور میں توکل کرنے کیلئے جداجدا حکم ہے۔ اور ان چاروں مقامات کو بیان کرنا ضروری ہے۔ پہلا مقام۔ منفعت حاصل کرنے کے بارہ میں ہے۔ اور اس کے تین درجے ہوتے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے۔ کہ عادۃ اللہ سے ہمیں کوئی عادت معلوم ہے۔ کہ بلا اس کے کام حاصل نہ ہوگا۔ اسے ترک کر دینا دیوانہ پن ہے توکل نہیں۔ مثلاً کوئی شخص کھانا کو ہاتھ نہ لگائے۔ اور نوالہ منہ میں نہ ڈالے۔ اس خیال سے کہ حق تعالیٰ خود ہی اس کا پیٹ بھر دیگا۔ یا کھانیکو بلائے کہ وہ خود بخود ہی اس کے پیٹ میں چلا آئے۔ یا کسی سے نکاح وصحبت نہ کرے اور چاہے کہ اولاد ہو۔ اور پھر لیسے توکل اختیار کرے۔ تو درحقیقت یہ ایک نہایت زبردست حماقت ہے بلکہ ہر وہ سبب جو قطعی ہے۔ اس میں توکل عمل کردار سے نہیں۔ بلکہ علم اور حالت سے

ہے۔علم یہ ہے۔کہ اس بات کو جانے کہ ہاتھ طعام اور قدرت اور حرکت منہ اور دانت سب کو حق تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔اور حال یہ ہے۔کہ اس کے دل کا اعتماد حق تعالیٰ کے فضل پر ہو۔کھانے اور ہاتھ پر نہ ہو۔کیونکہ ممکن ہے۔کہ اسکا ہاتھ فی الحال مفلوج ہو جائے اور کوئی شخص اسکا کھانا چھین لے پس آدمی کی نظر حق تعالیٰ کے فضل اور اس کے پیدا کرنے اور اس کے محفوظ رکھنے پر رہے کہ اس نے کھانے کو پیدا کر کے محفوظ رکھا۔اسکی نظر اپنے قوتِ بازو پر نہ ہو۔دوسرا درجہ۔وہ اسباب ہیں جو قطعی نہ ہوں لیکن غالب یہی ہو کہ بلا انکے مقصود نہ حاصل ہوتا ہو لیکن شاذ و نادر بلا اس کے مطلب حاصل کرنا ممکن ہو جیسا کہ زادِ سفر کا لینا اور اسکو چھوڑ دینا توکل کی شرط نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ سلف کی عادت ہے۔مگر متوکل وہ شخص ہے۔جس کے دل کو زادِ راہ پر بھروسا نہ ہو۔ممکن ہے کہ زادِ راہ چھین لیا جائے بلکہ اس زادِ راہ کے پیدا کرنیوالے اور محفوظ رکھنے والے پر بھروسا ہے۔اگر بلا زادِ راہ کے جنگل و بیابان کو جاتا ہے۔تو امرِ کمال توکل کی رُو سے روا ہے۔کیونکہ یہ کھانا کھلانے کی مثل نہیں۔اس لئے کہ وہ توکل نہیں ہے۔مگر یہ اس مسافر کیلئے درست ہے جس میں دو صفات ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ اتنی قوت کا مالک ہو۔کہ اگر ہفتہ بھر کھانا دستیاب نہ ہو۔تو بھوک برداشت کر سکے دوسرے گھاس پات وغیرہ کھا کر مدت تک زندگی بسر کرنیکی طاقت رکھے۔جب اس صفت کا مسافر ہو۔تو ممکن ہے۔اس کو جنگل و بیابان میں اس جگہ سے کھانا ملے۔جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ متوکل تھے۔اور آپ میں یہ دونوں صفات موجود تھے۔آپ جنگل میں تنہا بلا زادِ راہ کے جاتے تھے۔لیکن سوئی۔چھری اور ڈول، رسی آپ کے ساتھ ہوتی تھی۔کیونکہ یہ اسباب یقینی ہیں۔اس لئے کہ بلا رسی اور ڈول کنوئیں سے پانی نہیں نکلتا۔اور جنگل و بیابان میں ڈول رسی کہاں،اور جب کپڑا پھٹ جاتا ہے۔تو سوائے سوئی کے اور کوئی شے کام نہیں آتی۔پس اسباب کو چھوڑ دینا توکل نہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ دل سے حق تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھے۔اسباب پر نہ رکھے۔پس اگر کوئی شخص کسی ایسی غار میں بیٹھ جائے۔کہ وہ کسی مخلوق کی گزرگاہ نہ ہو۔اور وہاں گھاس تک بھی نہ اگا ہوا ہو۔اور پھر یہ کہے کہ میں توکل کرتا ہوں۔تو ایسا توکل حرام ہے۔ایسے شخص نے اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالا ہوگا۔اور عادۃ اللہ سے ناواقف ہوگا۔ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے۔جو وکیل کے پاس سجل نہ لیجائے۔حالانکہ وکیل کی اس عادت سے واقف ہو۔کہ وکیل بغیر سجل کے بات نہیں کرتا۔اگلے زمانہ کا ذکر ہے۔کہ ایک زاہد شہر سے باہر نکل کر ایک غار میں ہو بیٹھا۔اور توکل اختیار کیا۔تا کہ اس کا رزق اسکو ملے۔ایک ہی ہفتہ میں وہ مرنے کے قریب پہنچ گیا۔اور کوئی شے اسے کھانے کو نہ ملی۔اس زمانہ کے پیغمبر علیہ السلام پر حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔اس شخص سے کہدو کہ جبتک تو پھر شہر میں واپس نہ آئیگا اور لوگوں کے ساتھ صحبت اختیار نہ کرے گا۔

تب تک تجھ کو روزی نہ دونگا۔ جب وہ شہر میں آگیا۔ تو ہر طرف سے اسکے پاس چیزیں آنی شروع ہوئیں اور اس کے دل میں کچھ خدشہ پیدا ہو گیا۔ تو پھر حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ کہ تو چاہتا تھا۔ کہ اپنے زہد و توکّل سے میری حکمت کو باطل کر دے۔ تو نے اس بات کو نہ سمجھا کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ کہ اپنے بندوں کو روزی اپنے بندوں کے ہاتھوں سے پہنچاؤں۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں پوشیدہ ہو رہے۔ اور دروازے بند کرلے تو ایسا توکّل حرام ہے۔ کیونکہ یقینی اسباب سے کنارہ کشی نہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر دروازے بند کئے بغیر توکّل کر کے بیٹھ رہے تو جائز ہے۔ بشرطیکہ دروازوں کی جانب اس کی ٹکٹکی نہ بندھے۔ اور اس بات کا منتظر نہ رہے کہ کسی سے کچھ آئے۔ اور اس کا دل بھی لوگوں میں مشغول نہ ہو۔ بلکہ حق تعالیٰ کے ساتھ دل لگا کر اس کی عبادت میں مشغول رہے۔ اور اس بات پر یقین رکھے۔ کہ جب اس نے اسباب سے کنارہ کشی نہیں کی۔ تو رزق اسے ضرور ملے گا۔ اور اس جگہ پر بزرگوں کا وہ مقولہ صادق آئے گا۔ جو انہوں نے کہا ہے۔ کہ اگر بندہ روزی سے بھاگتا ہے تو روزی اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔ اور اسے تلاش کرتی ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے کہ مجھے روزی نہ دینا۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے نادان! میں نے تجھ کو کیا بھوکا رکھنے کیلئے پیدا کیا ہے۔ یہ کبھی نہ ہوگا پس توکّل اسطرح ہوتا ہے کہ آدمی اسباب سے کنارہ نہ کرے۔ اور روزی کو اسباب کے سبب سے خیال نہ کرے۔ بلکہ مسبب الاسباب کی طرف سے جانے کہ یہ تمام بندے حق تعالیٰ کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں، مگر بعض ان میں سے سوال کی ذلّت سے اور بعض انتظار کے رنج و محنت سے جیسے کہ سوداگر وغیرہ اور بعض روزی کوشش اور مشقت سے حاصل کرتے ہیں جیسے پیشہ ور وغیرہ۔ اور بعض عزّت کے ساتھ، جیسے صوفی کہ جو حق تعالیٰ کی طرف ٹکٹکی باندھے رکھتے ہیں اور جو چیز ان کو ملتی ہے۔ اسے حق تعالیٰ کی طرف سے ہی جانتے ہیں۔ خلق کو درمیان میں نہیں دیکھتے تیسرا درجہ وہ جو اسباب قطعی نہ ہوں اور اکثر ان کی حاجت ہوتی ہو۔ بلکہ انہیں منجملہ حیلہ و جستجو تصوّر کرتے ہوں۔ اور کسب کے ساتھ ان اسباب کو ایسی نسبت ہے جیسی بیماری کے ساتھ فال منتر اور داغ وغیرہ کو۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے متوکلوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ کہ وہ منتر اور داغ کے نزدیک تک نہیں جاتے۔ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ کسب نہیں کرتے اور شہر سے نکل کر جنگلوں میں جا رہتے ہیں پس اس مقام میں توکّل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ وہ ہے جو حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ کہ متوکّل جنگل بیابان میں بلا زادِ راہ پھرا کرتے ہیں اور یہ درجہ سب سے بلند ہے اور یہ درجہ آدمی کا بھوکا رہنے اور جنگلوں کے گھاس پات کھانے سے حاصل ہوتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو۔ تو ان کے دل میں موت کا خوف پیدا نہ ہو۔ اور اس میں اپنی بہتری خیال کرے۔ اور زادِ راہ کا چوری جانا بھی ممکن ہے اور اسکی موت کا بھی احتمال ہے۔ راہ میں عموماً نادر واقعات پیش آجاتے ہیں۔ ان سے حذر واجب نہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نہ تو متوکل جنگل میں جاتا ہے اور نہ ہی کوئی کسب کرتا ہے۔ بلکہ شہر کی مسجد میں بیٹھ رہتا ہے اور لوگوں سے کسی قسم کی امید نہیں رکھتا۔ بلکہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم کا امیدوار رہتا ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے۔ کہ آدمی کسب کیلئے باہر نکلے۔ مگر آداب شرع کے مطابق کسب کرے۔ اور حیلہ و فریب، چالاکی و عیاری سے روزی کمانے سے حذر کرے۔ لیکن اگر ایسے اسباب میں مشغول ہوگا۔ تو اس شخص کی مانند ہوگا۔ جو منتر اور داغ کرتا ہے توکل سے کام نہیں لیتا۔ اور کسب سے باز رہنا توکل کی شرط نہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے۔ کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ جو کامل متوکل تھے۔ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو کپڑوں کا ایک بقچہ اٹھا کر بازار میں فروخت کرنے کیلئے جایا کرتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا یا امیر المومنین۔ آپ خلافت کے عہد میں تجارت کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا۔ اگر میں اپنے عیال کو ضائع کردوں تو دوسرے لوگوں کو بھی بہت جلد ضائع کردوں گا۔ پھر جب لوگوں نے بیت المال سے کچھ وظیفہ آپ کیلئے مقرر کردیا۔ تو آپ خلافت کو نہایت دلجمعی سے سرانجام دیتے۔ مگر آپکی توکل کی یہ حالت تھی کہ آپ کو مالداری کی مطلقاً حرص نہ تھی۔ اور جو کچھ بھی آپکو حاصل ہوتا۔ اسے اپنی پونجی نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اسے حق تعالیٰ کی طرف سے بخشش سمجھا کرتے، اور اپنے مال کو مسلمانوں کے مال سے عزیز نہ جانتے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ توکل بلا زہد نہیں ہوسکتا۔ پس زہد شرط توکل ہے۔ حضرت ابو جعفر حداد جو حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے۔ اور مرد نہایت متوکل تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس برس تک اپنے توکل کو چھپایا۔ بازار میں جاکر ہر روز ایک دینار کماتا اور اس میں سے ایک قیراط خرچ کرکے حمام میں نہ جاتا۔ بلکہ سب حق تعالیٰ کی راہ میں خیرات کردیتا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ان کے اوپر اپنے توکل کا اظہار نہ فرماتے اور کہتے مجھے اسبات سے شرم آتی ہے۔ کہ پیر کے سامنے ایسے مقام کا اظہار کروں جو خاص انہی کا مقام ہے، اور وہ صوفی جو خانقاہوں میں گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں۔ اور ان کے خادم کسب کیلئے باہر جاتے ہیں تو ان کا توکل بھی کسب کرنیوالے کے توکل کیطرح ضعیف ہے اور توکل کے درست ہونے کی بہت سی شرطیں ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص فتوحات کی امید پر بیٹھ رہے۔ تو یہ بھی توکل کے قریب ہے لیکن اگر وہ کسی ایسی جگہ بیٹھا ہے جو مشہور ہے تو وہ شخص بازاری کی مانند ہے اور اس بات کا خوف ہے کہ شہرت کے سبب سے اس کے دل کو سکون نصیب ہو لیکن اگر دل اس کی طرف متوجہ نہیں، تو وہ توکل بھی کسب کرنیوالے کے توکل کی طرح ہے۔ اس بات میں اصل یہ ہے کہ آدمی خلائق پر نظر نہ رکھے اور کسی سبب پر بھی بھروسہ نہ کرے اور مسبب الاسباب کی ہی ذات پر بھروسہ رکھے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو اپنے ساتھ رہنے پر راضی دیکھا لیکن میں نے اس لئے انکا ساتھ چھوڑ دیا۔ کہ مبادا میرا دل ان پر بھروسہ کرکے ان کی وجہ سے آرام حاصل کرے اور میرا توکل ناقص ہوجائے۔ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مزدور سے کچھ کام کرایا۔ اور شاگرد کو اس کی اصل مزدوری سے کچھ زائد دینے کو فرمایا لیکن اس مزدور

نے قبول نہ کیا۔ جب وہ مزدور باہر کو گیا۔ تو آپ نے اپنے شاگرد سے فرمایا۔ کہ تو اس مزدور کے پیچھے پیچھے لے جا شاید قبول کرلے۔ شاگرد نے عرض کیا۔ کیوں؟ فرمایا۔ اُس وقت اس نے اپنے دل میں اس کی طمع کو ملاحظہ کیا ہو گا۔ اس وجہ سے نہ لیا۔ اب طمع جاتی رہی ہو گی۔ اس لئے لے لیگا۔ حاصل کلام کسب کرنیوالے کا توکل یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ سرمایہ پر اعتماد نہ کرے۔ اور اس کی نشانی یہ ہوتی ہے۔ کہ اگر اس کا مال چوری جائے۔ تو اس کے دل کو ملال نہ ہو اور اس کو رزق سے ناامیدی نہ ہو۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ کے فضل پر اعتماد رکھتا ہے تو جانے کہ حق تعالیٰ اسے رزق اسی جگہ پہنچائے گا۔ کہ جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو گی۔ اگر نہ پہنچائے۔ تو یہ خیال کرے۔ کہ اسی میں میری بہتری ہو گی۔

اس حالت کے حاصل کرنے کی تدبیر

جاننا چاہئے کہ یہ ایک نہایت ہی نادر حالت ہے کہ اگر کسی شخص کا سرمایہ چور لے جائیں یا ضائع ہو جائے تو اسکا دل برقرار رہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حالت نادرو عزیز ہے لیکن محال نہیں۔ اور یہ بات تب حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ کی فضل ورحمت اور قدرت کے ساتھ کمال درجہ کا یقین حاصل ہو۔ حتیٰ کہ وہ جانے کہ اس کی ذات ایسی بے نیاز ہے کہ جو بہت سے لوگوں کو بلا سرمایہ روزی عطا فرماتا ہے۔ اور بہت سے سرمائے ایسے ہیں۔ جو سرمایہ دار کیلئے باعث ہلاکت ہیں تو ایسے سرمایہ کا ضائع ہو جانا ہی بہتر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ رات کو کسی ایسے کام کا اندیشہ کرتا ہے کہ جو اس کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اور حق تعالیٰ عرش پر سے بنظرِ عنایت اس کی جانب دیکھتا ہے۔ اور اس کا وہ کام نہیں ہوتا تو صبح کو وہ شخص اندوہگیں ہو کر کہتا ہے۔ اور گمان بد کرتا ہے کہ یہ کام کس نے خراب کیا اور کیوں کیا۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ یہ کام ہمسایہ نے بگاڑا یا چچا کے لڑکے نے بگاڑا۔ یا فلاں شخص نے کیا۔ لیکن وہ خود درحقیقت حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے جو اس کے شامل حال ہوئی ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ تھی۔ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ میں صبح کے وقت درویش اٹھوں یا توانگر۔ کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ بہتری کس میں ہے۔ اور آدمی کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ درویشی کا خوف اور بدگمانی شیطان کی تعلیم ہے۔ ارشاد ہے اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ۔ اور حق تعالیٰ کی نظرِ عنایت پر ایمان رکھنا معرفت کا کمال ہے۔ اور خاص کر یہ بات جانے کہ روزی اکثر ان اسباب پوشیدہ سے پہنچتی ہے۔ جن کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ اور اسباب خفی پر اعتماد نہ کرے۔ بلکہ مسبب الاسباب کی ضمانت پر بھروسہ رکھے۔ ایک متوکل سا عابد مسجد میں رہتا تھا۔ امام مسجد نے چند بار اس سے کہا کہ تیرے پاس کوئی شے نہیں ہے۔ یعنی تو

بالکل نادار ہے۔ ایسی حالت میں اگر تو کسب کرے تو بہتر ہے۔ عابد نے جواب دیا۔ کہ ایک یہودی ہمسایہ مجھ کو ہر روز دو روٹیاں پہنچانے کا کفیل ہے۔ امام مسجد نے کہا۔ اگر ایسا ہے۔ تو تیرا توکل روا ہے۔ عابد نے کہا تیرے لئے بہتر ہے کہ تو امامت نہ کرے۔ کیونکہ تیرے نزدیک یہودی کی کفالت حق تعالیٰ کی کفالت سے زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔ اسی طرح ایک امام مسجد نے ایک شخص سے کہا۔ کہ تو روٹی کہاں سے کھاتا ہے اس نے جواب دیا۔ صبر کر تاکہ جو نماز میں نے تیرے پیچھے پڑھی ہے، اس کو قضا کر لوں، کیونکہ تجھے حق تعالیٰ کی ضمانت پر ایمان نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ان باتوں کو آزمایا ہے، انہوں نے ایسی جگہ سے فتوحات کو ملاحظہ کیا ہے۔ جو ان کے خیال میں بھی نہ تھیں۔ یہ جو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ اس پر ان لوگوں کا ایمان مضبوط و محکم تھا۔ لوگوں نے حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ کہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ میں کیا کمال دیکھا۔ جو ان کی خدمت اختیار کی۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا کہ ہم دونوں نے مکہ معظمہ کی راہ میں بہت سخت بھوک اٹھائی۔ جب ہم کوفہ میں پہنچے۔ تو اس بھوک کا اثر مجھ پر ظاہر ہوا۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا۔ کیا تو بھوک سے ضعیف ہو گیا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا کاغذ و دوات لا۔ میں لے آیا۔ تو آپ نے لکھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اے کہ ہر حال میں تو ہی تو مقصود ہے۔ اور سب کا اشارہ تیری ہی طرف ہے۔ میں تیرا ثناء گو اور شاکر اور ذاکر ہوں۔ لیکن پیاسا بھوکا اور برہنہ ہوں۔ اور یہ جو تین چیزیں میرے حصہ کی ہیں یعنی ثناء، و شکر و ذکر ان کا میں ضامن ہوں۔ اور وہ تین چیزیں یعنی کھانا پانی اور کپڑا دینا جو کہ تیرا حق ہے۔ اسکا تو ضامن ہو اور یہ رقعہ لکھ کر میرے حوالہ کیا۔ اور فرمایا باہر جا اور سوائے حق کے کسی سے دل نہ لگا۔ اور جس شخص کو تو سب سے پہلے دیکھے۔ یہ رقعہ اسی کو دینا۔ جب میں باہر آیا تو میں نے ایک شخص کو اونٹ پر بیٹھے پایا۔ اور وہ رقعہ اسی کو دیدیا۔ اس نے وہ رقعہ پڑھا اور رونے لگا۔ اور کہا کہ رقعہ کا مالک کہاں ہے۔ میں نے کہا مسجد میں۔ تو اس شخص نے چھ سو طلائی دینار کی ایک تھیلی میرے حوالہ کی۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا۔ کہ یہ کون شخص ہے۔ تو لوگوں نے کہا ایک نصرانی ہے۔ میں حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ کی خدمت میں آیا۔ اور یہ سب کچھ عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس تھیلی کو ہاتھ نہ لگا۔ ابھی اس کا مالک آیا چاہتا ہے۔ وہ نصرانی اسی وقت آ گیا اور حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر گر پڑا اور اسلام سے مشرف ہوا۔ حضرت ابو یعقوب بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں دس روز تک حرم شریف میں بھوکا رہا حتیٰ کہ بے طاقت ہو گیا۔ اور حرم شریف سے باہر آیا۔ تو ایک شلغم راہ میں پڑا ہوا پایا۔ میں نے خیال کیا کہ اس کو اٹھا لوں کسی نے میرے باطن سے کہا۔ کہ دس روز بھوکا رہنے کے بعد تیرے نصیب میں یہ بوسیدہ شلغم ہی ہے۔ میں نے اس شلغم کو پڑا رہنے دیا۔ اور مسجد میں چلا آیا۔ اتنے میں ایک شخص مسجد میں آیا۔ اور روغنی

روٹیوں کی ایک پٹاری مع شکر و بادام و مغز کے لایا۔ اور میرے سامنے رکھدی۔ اور کہا کہ میں سفر دریائی میں تھا راہ میں طوفان جو آیا۔ تو میں نے نذر مانی۔ کہ اگر سلامت رہ گیا تو یہ اشیا۔ اس درویش کو دونگا جس سے میں سب سے پہلے ملوں گا۔ میں نے ہر ایک میں سے مٹھی مٹھی بھر لیا۔ اور اس سے کہا۔ کہ باقی میں نے تجھکو بخش دیا۔ اور اپنے آپ سے کہا۔ کہ حق تعالے نے تیری روزی کے لئے ہوا کو حکم دیا کہ وہ دریا میں اس کا بندوبست کرے۔ اور تو اور جگہ سے رزق تلاش کر رہا ہے۔ تو اس قسم کی حکایات نادرہ کو جاننا آدمی کے ایمان کو قوی و مضبوط کرتا ہے۔

عیالدار کے توکل کا بیان

جاننا چاہیئے کہ عیالدار کے لئے یہ امر مناسب نہیں۔ کہ وہ کسب کو چھوڑ دے۔ اور وادیوں میں پھرے بلکہ عیالدار کا توکل سوائے اس کے نہیں۔ جو تیسرے درجہ میں مذکور ہوا ہے۔ اور وہ مُکتسِب کا توکل ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ توکل دو معنے مسلّم ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ بھوک پر صبر کر سکے اور جو کچھ ہوا سپر قناعت کرے۔ اگرچہ گھاس ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسرے اس بات پر ایمان رکھے کہ شائد اس کی روزی بھوک اور موت ہے۔ اور اس کی بہتری اسی میں ہے۔ لیکن آدمی عیال کو اس بات پر نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ درحقیقت اس کا کفن بھی اس کا عیال ہے اگر صبر کی قوت نہیں۔ اور بھوک پر اضطراب ظاہر کریگا تو ایسے شخص کو کسب ترک کر کے توکل نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر عیال میں بھی صبر کی قوت ہو اور وہ توکل کی اجازت دے تو ایسی صورت میں ترکِ کسب روا ہے۔ پس اس سے فرق زیادہ نہیں ہے۔ اور اپنے آپ کو جبراً و قہراً بھوکا رکھنا روا ہے۔ لیکن عیال کو بھوکا رکھنا روا نہیں۔ لیکن جب کسی شخص کا ایمان کامل اور وہ تقوے میں مشغول ہو۔ تو اگرچہ وہ کسب نہ کرے۔ لیکن اس کے رزق کے اسباب ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں کسب کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ تو حق تعالے ناف کی راہ سے اس کی روزی اس تک پہنچاتا ہے اور جب پیدا ہوتا ہے تو ماں کے سینہ سے روزی عنایت فرماتا ہے۔ اور جب دودھ کے علاوہ کسی اور شے کے کھانے کے قابل ہوتا ہے تو حق تعالے اس کو دانت عطا کرتا ہے۔ اور اگر اس کے ماں باپ مر جاتے ہیں اور وہ یتیم رہ جاتا ہے۔ تو جس طرح اس نے ماں پر شفقت کو مسلّط کر دیا تھا۔ کہ وہ جس طرح اس نے ماں پر شفقت کو مسلّط کر دیا تھا۔ کہ وہ اسے اچھی طرح رکھتی تھی اس طرح شفقت پر دوسرے لوگوں کو مسلط فرما دیتا ہے۔ حتّٰی کہ یتیم پر رحم کرنا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ پہلے تو صرف ایک ہی مشفقہ تھی۔ اور دوسروں نے اس کو اس کے سپرد کر دیا تھا۔ اور جب ماں مر گئی۔ تو حق تعالے نے ہزار آدمی کو

اس پر شفقت کرنے کے لئے کھڑا کر دیا۔ اور جب وہ بڑا ہوا تو اس کو کسب کی قوت عنایت فرمائی۔ اور کسب کی خواہش کو اسپر مسلط کر دیا۔ تاکہ جو شفقت اسپر تعینات کر دی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اسطرح اب بھی غمخواری کرے۔ جس طرح مشفق ماں اپنی شفقت سے اس کی تیمارداری کرتی تھی۔ اور اگر حق تعالے اس خواہش کسب کو اسطرح لے لیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے کسب سے یتیم ہو جائے۔ اور تقوی کی طرف متوجہ ہو۔ اور تمام دلوں کو اسکی شفقت سے پُر کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ سب لوگ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ مرد حقتعالی کے ساتھ مشغول ہے۔ جو چیز اچھی اور بہتر ہو۔ وہ اس کو دینی چاہیئے۔ اس سے پہلے وہ صرف اکیلا اپنے لئے مشفق تھا لیکن اب تمام لوگ اسپر شفقت کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یتیم پر شفقت کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کسب کرنے پر قادر ہے اور بیہودہ امور میں مشغول ہوتا ہے۔ تو شفقت کی یہ حالت لوگوں کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتی تو ایسے شخص کے لئے توکل اور کسب ترک کرنا درست نہیں۔ کیونکہ جب اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہے تو اسے اپنی تیمارداری کرنی چاہیئے۔ پس اگر آدمی حق تعالے کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔ اور اپنے سے یتیم ہو جاتا ہے۔ تو حق تعالے اس وقت لوگوں کے دلوں میں اسپر مہربان بنا دیتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی متقی کو بھوک کے سبب سے ہلاک ہوتے نہیں دیکھا۔ پس جو شخص اس معاملہ میں خوب غور کرتا ہے۔ کہ خداوند عالم نے ملک و ملکوت کی تدبیر کی ہے۔ اور کمال انتظام کے ساتھ رکھتا ہے۔ تو بالضرور ایسے شخص کو اس آیت کے مضمون کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ اور وہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ حق تعالے نے مملکت کی ایسے زیبا طریق سے تدبیر کی ہے۔ کہ کوئی بھی تباہ برباد نہ رہے مگر نادر۔ وہ بھی اس وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ اس کی بہتری اس میں ہوتی ہے۔ اور اس وجہ سے نہیں۔ کہ اس نے کسب کو ترک کر دیا ہے۔ اس واسطے کہ جس کسی نے بہت سا مال کسب کیا ہوتا ہے۔ اس کا بھی تباہ و برباد ہونا نادر ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ اس حال کو مشاہدہ سے دیکھا تھا۔ اس لئے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ تمام اہل بصرہ میرے عیال ہوں۔ اور گندم کا ایک ایک دانہ ایک ایک دینار ہو جائے۔ حضرت وہب ابن الورد نے فرمایا۔ اگر آسمان لوہے کا اور زمین کانسی کی ہو جائے اور میں اپنے رزق کا غم ملاحظہ کروں تو مجھے ڈر ہے کہ میں مشرک ہو جاؤں۔ اور حق تعالے نے رزق کو آسمان کے حوالہ کیا ہے۔ تاکہ لوگ اس بات کو سمجھ لیں اور اسپر کسی کو دسترس نہیں۔ کچھ لوگ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ ہم اپنی روزی تلاش کریں۔ فرمایا اگر تم جانتے ہو کہ کہاں ہے تو بیشک تلاش کرو۔ عرض کیا۔ خدا سے طلب کریں۔ فرمایا۔ اگر تم جانتے ہو۔ کہ وہ تمہیں بھول گیا ہے تو اسے یاد دلاؤ۔ عرض کیا۔ توکل کریں۔ اور پھر دیکھیں۔ کہ کیا ہوتا ہے۔ فرمایا بطور آزمائش کے توکل کرنا شک

میں داخل ہے۔ فرمایا۔ پھر کیا تدبیر ہے۔ فرمایا تدبیر سے دستبردار ہونا۔ درحقیقت رزق میں اس کی (حق تعالیٰ) کی ضمانت کافی ہے۔ جو شخص روزی کا طالب ہو۔ وہ اس کیطرف متوجہ ہو۔

دوسرا مقام۔ جاننا چاہیئے کہ جس شخص نے اپنے لئے ایک سال کا ذخیرہ جمع کیا۔ تو وہ توکل کے درجے سے گر گیا۔ کیونکہ اس نے اسباب خفی کو چھوڑ کر اسباب ظاہری پر اعتماد کیا۔ کیونکہ قدرت کی طرف سے ہر سال مقرر ہوتا ہے۔ اور جس شخص نے بقدر ضرورت کھانے پر جس سے کہ پیٹ بھر جائے قناعت کر لی۔ اور اتنے کپڑے پر جس سے کہ بدن ڈھانپ جائے۔ اس نے توکل کے ساتھ وفا کی۔ لیکن حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص چالیس روز کا ذخیرہ جمع کرتا ہے۔ وہ درجہ توکل سے نہیں گرتا۔ اگر اس سے زیادہ کے لئے جمع کرتا ہے۔ تو دائرہ توکل سے باہر ہو جاتا ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذخیرے توکل کو باطل کر دیتے ہیں۔ حضرت ابو طالب مکی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ چالیس روز سے زیادہ جمع کرنے سے بھی توکل باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ ذخیرہ پر آدمی کا بھروسہ نہ ہو۔ حسین مغازلی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک ادھیڑ آدمی حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے ایک مٹھی بھر چاندی مجھ کو دی۔ اور فرمایا کہ اس سے نہایت عمدہ اور خوش مزہ طعام خرید کر لا۔ حالانکہ میں نے کبھی بھی آپ سے یہ بات نہ سنی تھی۔ میں طعام لایا۔ تو آپ نے اس کے ساتھ مل کر کھایا۔ حالانکہ میں نے کبھی بھی انکو کسی کیساتھ کھانا کھاتے نہ دیکھا تھا۔ جب انہوں نے کھا لیا۔ تو اس میں بہت سا طعام باقی بچ رہا۔ پس وہ ادھیڑ آدمی باقی کھانا سمیٹ کر چلدیا۔ مجھے اس کے بلا اجازت ایسا کرنے پر تعجب آیا۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تجھکو تعجب ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں حضرت میں متعجب ہو رہا ہوں۔ فرمایا یہ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آج وہ موصل سے میرے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور طعام اس لئے اٹھا کر لے گئے کہ مجھے یہ تعلیم دینی تھی۔ کہ جب توکل پورا ہو گیا۔ تو پھر ذخیرہ رکھنا نقصان کا موجب نہیں ہوتا۔ پس اصلیت یہ ہے کہ اصل توکل کو تاہی تمنا ہے اور یہ حکم اس لئے ہے کہ ذخیرہ نہ کرے۔ اور ذخیرہ جمع بھی کرے۔ تو مال کو اپنے ہاتھ میں اسطرح جانے۔ جس طرح حق تعالیٰ کے خزانہ میں ہوتا ہے۔ اور اگر مال پر بھروسہ نہ رکھے تو توکل باطل نہیں ہوتا۔ یہ کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ حکم مجرد مرد کے لئے ہے۔ لیکن عیالدار اگر ایک سال کا ذخیرہ جمع رکھے تو توکل باطل نہیں ہوتا۔ اگر ایک سال سے زیادہ کا رکھے تو توکل باطل ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیال کیلئے۔ اور ان کے دل کے ضعف کے سبب سے ایک سال کا ذخیرہ جمع فرماتے۔ اور اپنے لئے صبح سے شام تک کا بھی قوت نہ چھوڑتے۔ اور اگر رکھتے بھی تو وہ آپ کے توکل کو ضائع نہ کرتا۔ کیونکہ آپ کے نزدیک اس

کا آپکے ہاتھ میں ہونا اور کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہونا یکساں اور برابر تھا۔ لیکن خلق کو آپنے ان کے درجہ ضعف (کمزوری) کے مطابق تعلیم فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ اصحاب صفہ میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ اور ان کے جامہ میں سے دو دینار برآمد ہوئے۔ حضور نے فرمایا دو داغ ہوں گے۔ اور اس پر دو وجہوں کا احتمال ہے۔ ایک تو یہ کہ اس نے اپنے آپ کو مکر سے مجرد ظاہر کیا ہو اور یہ دو داغ آگ کے عذاب کے طور پر ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس نے دغا نہ کی ہو۔ لیکن ذخیرہ کر لینے اس کے درجہ کو اس جہان میں کم کر دیا ہو۔ جس طرح کہ چہرہ کے نشان و داغ کے نقص ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے درویش کے حق میں فرمایا تھا جبکہ اس نے انتقال کیا۔ کہ قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا روشن ہوگا۔ اور اگر اس میں ایک خصلت نہ ہوتی۔ تو آفتاب کی طرح ہوتا۔ اور وہ اس کی یہ خصلت تھی۔ کہ وہ ایک سردی کے موسم کے کپڑے دوسرے سردی کے موسم تک رکھ چھوڑتا تھا اور ایک گرمی کے موسم کے کپڑے دوسرے موسم گرما تک رکھ چھوڑتا تھا۔ اور فرمایا۔ تجھ کو صبر اور یقین سے کم کوئی دوسری شے نہیں دی گئی۔ یعنی کپڑوں کا لگا رکھنا یقین کی کمزوری پر ہو سکتا ہے لیکن اس میں اختلاف نہیں ہے۔ کہ پیالہ دستر خوان ولوٹا و گھڑا اور اسی قسم کی دوسری اشیاء جو ہر وقت کام آتی ہیں ان کا ذخیرہ رکھنا روا ہے۔ کیونکہ سنت اللہ یوں ہی ہے۔ کہ روٹی کپڑا ہر سال ایک دوسری وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ برتن وغیرہ ہر وقت پیدا نہیں ہوتے۔ اور سنت اللہ کے خلاف عمل کرنا روا نہیں لیکن موسم گرما کے کپڑے موسم سرما میں کام نہیں آتے ان کا جمع رکھنا ضعف یقین کی وجہ سے ہے۔

فصل اگر کوئی شخص ایسا ہو۔ کہ اگر وہ ذخیرہ جمع نہ کرے تو اس کا دل مضطرب ہوگا۔ اور لوگوں سے امیدوار رہیگا۔ تو ایسے شخص کے لئے ذخیرہ جمع کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ایسا ہو کہ بغیر قدر کفایت کے زمین رکھنے کے اسکا دل مضطرب ہو۔ اور ذکر و فکر میں مشغول نہ ہو سکے تو ایسے شخص کے لئے بقدر کفایت رکھنا بہتر ہے۔ کیونکہ ان تمام باتوں سے مقصود تو دل ہے تاکہ حق تعالےٰ کے ذکر میں مستغرق رہے۔ اور بعض دل اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ مال کا ہونا انکو حق تعالےٰ کے ذکر سے روکتا ہے۔ اور افلاس میں انکو تسکین حاصل ہوتی تو اس قسم کا دل نہایت شریف ہوتا ہے۔ اور بعض دل اس قسم کے ہوتے ہیں کہ بغیر قدر کفایت کے انکو تسکین حاصل نہیں ہوتی تو ایسے شخص کیلئے زمین کا رکھنا اولیٰ تر ہے۔ اور اگر بلا زیادتی شان و شوکت اور تجمل کے دل کو تسکین نہ ہو۔ تو اس کا دل دینداروں میں سے نہیں ہے۔ اور یہ کسی حساب میں نہیں آتا۔

تیسرا مقام۔ دفع ضرر کے احکام کا پہچاننا۔ جاننا چاہیئے کہ ہر وہ سبب جو قطعی یا اکثر ہوتا ہے اور اس سے حذر کرنا توکل کی شرط نہیں بلکہ متوکل اگر گھر کو تالا لگائے تاکہ چو اسباب چرا کر نہ لیجائیں

تو اس بات سے بھی توکل باطل نہیں ہوتا۔ اور اگر ہتھیار نہ لگائے تاکہ دشمن سے بچے۔ تو تب بھی توکل باطل نہیں ہوتا۔ اور اگر اس خیال سے جبہ پہن لے کہ راہ میں کہیں سردی ہو۔ تب بھی توکل باطل نہیں ہوتا اس طرح اگر سیر ہو کر کھائے تاکہ باطن کی حرارت زیادہ ہو جائے۔ اور سردی کا اثر گھٹ جائے تو اس قسم کے رقیق اسباب توکل کو توڑ ڈالتے ہیں جیسا کہ داغ و افسوں وغیرہ۔ لیکن اسباب ظاہری سے دستبردار ہونا توکل کی شرط نہیں۔ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نے فرمایا تو نے اونٹ کو کیا کیا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور توکل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو باندھ اور پھر توکل کر۔ لیکن اگر آدمی سے کوئی رنج پہنچے تو اس کو برداشت کرنا اور اسے دفع نہ کرنا توکل میں داخل ہے۔ جیسا کہ حقتعالی کا ارشاد ہے۔ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور فرمایا۔ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ یعنی ہم نے صبر کیا اس تکلیف پر جو تم نے ہمیں دی۔ اور خدا ہی پر توکل کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر سانپ۔ بچھو۔ اور درندوں سے تکلیف پہنچے تو صبر کرنا چاہیئے۔ اور دفع کرنا چاہیئے۔ پس جس شخص نے دشمن سے حذر کرنے کیلئے ہتھیار اٹھائے تو وہ اس حالت میں متوکل ہوتا ہے جبکہ اس کا اعتماد ان ہتھیاروں پر نہ ہو اور جب گھر کے دروازوں پر قفل لگا دیا۔ تو قفل پر اعتماد نہ کرے۔ کیونکہ بہت سے قفل ایسے ہوتے ہیں جو چور کو دفع نہیں کرتے۔ متوکل وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ گھر آئے۔ اور اسباب چور چرا کر لے گئے ہوں۔ تو وہ قضائے الٰہی کے ساتھ رضا کا اظہار کرے۔ اور بالکل غمگین نہ ہو۔ اور جب باہر آئے۔ زبان حال سے یہ کہے کہ میں تیری قضا کو دفع کرنے کے لئے قفل نہیں لگاتا۔ بلکہ تیری سنت کی موافقت میں قفل لگاتا ہوں۔ بار خدایا اگر تو کسی شخص کو اس مال پر مسلط کر دے۔ تو میں تیرے حکم پر راضی ہوں کیونکہ میں یہ نہیں جانتا کہ اس مال کو تو نے کسی اور کی روزی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور مجھے صرف بطور مستعار کے دیا ہے۔ یا میری ہی روزی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور مجھے بطور مستعار کے دیا ہے۔ یا میری ہی روزی کے لئے پیدا فرمایا ہے پس اگر گھر کا دروازہ بند کر دے۔ اور جب واپس آئے اور اسباب کو گھر میں نہ پائے۔ اور اسباب کے تلف ہونے پر رنجیدہ ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے توکل کو درست نہ سمجھے۔ اور وہ محض دھوکا تھا۔ جو اس کے نفس نے اس کو دیا تھا۔ لیکن اگر خاموش ہو جائے۔ اور گلہ نہ کرے۔ تو بارے صبر ہی کا درجہ حاصل کیا۔ اور اگر شکایت کرنے پر آمادہ اور چور کی طلب و تلاش کرے۔ تو صبر کے درجہ سے بھی گر پڑا۔ تو پھر جان لے۔ کہ نہ وہ صابروں میں سے ہے۔ اور نہ متوکلوں میں۔ اور اس دعوے کو چھوڑ دے۔ تو پھر اس کو یہ بڑا فائدہ ہو گا۔ جو اسے چور سے حاصل ہوا۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر وہ مال کا محتاج نہ ہوتا۔ تو گھر کا دروازہ بند نہ کرتا۔ اور اس کی

حفاظت نہ کرتا۔ اور جب اس نے مال کی حفاظت اپنی حاجت کی وجہ سے کی۔ اور چور اس کو لے گئے۔ تو کسطرح ممکن ہے۔ کہ رنجیدہ نہ ہو۔

جواب ۔ یہ ہے کہ اس طرح ممکن ہے۔ کہ جبتک وہ مال حقتعالیٰ نے اسے دے رکھا تھا۔ وہ گمان کرتا تھا۔ کہ اس کی بھلائی اسی میں ہے۔ کہ وہ مال اس کے پاس رہے۔ اور اس بھلائی کا نشان یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے وہ مال اس کو عنایت کیا تھا۔ لیکن اب اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ مال اس کے پاس نہ رہے اور اس کا نشان یہ ہے کہ وہ مال اس نے اس سے لے لیا۔ پس دونوں حالتوں میں اپنی بھلائی پر خوش رہے اور اس بات پر ایمان لائے۔ کہ حق تعالےٰ وہی کرتا ہے۔ جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اور وہ اپنی بھلائی سے ناواقف ہوتا ہے۔ حق تعالےٰ بہتر جانتا ہے۔ اور اس کی مثال اس بیمار کی سی ہے۔ کہ جس کا باپ ایک نہایت ہی مشفق طبیب ہو۔ اور اگر وہ اس کو طعام اور گوشت دے۔ تو خوش ہو۔ اور کہے کہ اگر اس میں میری تندرستی نہ ہوتی تو وہ مجھ کو نہ دیتا۔ اور اگر وہ اس سے گوشت لے لے۔ تو تب بھی خوش ہو۔ اور یہ کہے۔ کہ اگر وہ اس کو میرے حق میں مضر نہ دیکھتا تو مجھ سے واپس نہ لیتا۔ اور جبتک اس حالت پر ایمان نہ ہو۔ توکل درست نہیں ہوتا۔ اور سب باتیں بے اصل ہوتی ہیں۔

آداب متوکل

جاننا چاہیئے۔ کہ مال کے چوری جانے پر متوکل چھ آداب بجا لائے۔ **پہلا ادب** تو یہ ہے کہ دروازہ کے بند کرنے میں زیادہ مبالغہ سے کام نہ لے۔ اور بہت سی زنجیریں اور قفل نہ لگائے۔ اور ہمسایوں سے نگہبانی کی خواہش نہ کرے۔ حضرت دینار رحمتہ اللہ علیہ دروازہ کو تاگا سے باندھتے۔ اور فرماتے کہ اگر کتے کے آنے کا خوف نہ ہوتا۔ تو میں تاگا سے بھی بند نہ کرتا۔ **دوسرا ادب** یہ ہے کہ جس مال کے رکھنے سے چور کے آنیکا اندیشہ ہو۔ اس کو گھر میں نہ رکھے۔ کیونکہ وہ چور کے لئے گناہ کی طرف راغب ہونیکا سبب ہوگا مغیرہ نے حضرت مالک دینار رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ مال بھیجا۔ آپ نے واپس کر دیا۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ اپنا مال واپس لے لو۔ کیونکہ شیطان میرے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ کہ اس کو چور لیجائیگا۔ آپنے یہ نہ چاہا کہ آپ وسوسہ میں مبتلا ہوں۔ اور چور گناہ میں۔ یہ بات جب حضرت سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے سنی۔ تو فرمایا۔ کہ صوفیوں کی یہ بزدلی ہے۔ مالک دینار دنیا کے باب میں خراب ہیں۔ کہ اس نے اس بات سے خوف کیا کہ چور لیجائیگا۔ یہ خیال باطل ہے۔ **تیسرا ادب** یہ ہے۔ کہ باہر نکلتے وقت نیت کرلے۔ کہ اگر چور میرا مال لیجائے تو اسے مبارک ہو۔ یہ اسکے لئے مباح اور بحل ہے۔ کہ چور محتاج ہو اور اس کا کام نکل آئے اور تو انگر ہونے پر شاید

کسی دوسرے مسلمان بھائی کا مال نہ چرائے۔ اور اس کے مال کے لئے صدقہ ہو جائے تو یہ بات چور اور مسلمان بھائیوں پر مہربانی ہے۔ اور جان لے کہ اس نیت سے حقتعالیٰ کی مشیّت تبدیل نہیں ہوتی چور چرا لیجائے خواہ نہ چرا لیجائے اسے صدقہ کا ثواب حاصل ہو گا۔ اور ایک درم کے عوض میں سات سو درم کا ثواب ملیگا۔ کیونکہ وہ تو اپنی نیت کر چکا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنی اہلیہ سے صحبت کرنے میں عزل نہ کرے۔ اور نطفہ ڈالدے۔ تو خواہ فرزند پیدا ہو یا نہ ہو اسے ایسا غلام آزاد کرنے کا ثواب حاصل ہو گا جو حقتعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے اور شہید ہو جائے اور یہ ثواب اس وجہ سے ملتا ہے کہ جو فرض اس کے ذمہ تھا۔ اسکو پورا کر دیا۔ اگر فرزند پیدا ہوتا تو اس کا پیدا کرنا اور زندہ رکھنا اس کے اختیار سے باہر تھا اس کا ثواب و عذاب افعال پر ہوتا۔ چوتھا یہ ہے کہ مال کے چوری جانے سے رنج نہ کرے۔ اور اپنی بہتری چور کے مال لیجانے ہی میں تصور کرے۔ اور اگر اس نے یہ کہدیا ہو۔ کہ یہ مال میں نے فی سبیل اللہ کیا۔ تو اسے تلاش نہ کرے اور اگر اس کو واپس دیں۔ تو نہ لے۔ اور اگر واپس لیگا تو یہ اس کا مال ہے صرف نیّت ہی سے ملکیت سے خارج نہیں ہو جاتا۔ لیکن مال کا واپس لے لینا مقام توکل میں اچھا نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک اونٹ چوری چلا گیا۔ آپنے اسے ڈھونڈنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ آپ تھک گئے۔ تو کہا فی سبیل اللہ۔ اور مسجد میں آکر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ ایک شخص نے خبر دی۔ کہ اونٹ فلاں جگہ ہے آپنے جانے کیلئے جوتا پاؤں میں ڈالا۔ اور پھر استغفر اللہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا۔ کہ میں نے تو فی سبیل اللہ کہدیا تھا۔ اب اس کے قریب تک نہ جاؤنگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک شخص کو بہشت میں غمگین دیکھا۔ اور پوچھا کہ تو غمگین کیوں ہے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ یہ غم تو قیامت تک میرے ہمراہ رہیگا۔ کیونکہ علیین میں مجھے بلند مقامات دکھائے گئے ہیں۔ جو تمام بہشت میں نہ تھے۔ میں نے خوش ہو کر ان مقامات کا ارادہ کیا۔ آواز آئی کہ ایسے شخص کو نکالدو۔ کیونکہ یہ مقامات ان لوگوں کے لئے ہیں۔ جنہوں نے سبیل کو جاری رکھا۔ میں نے سوال کیا۔ کہ سبیل جاری رکھنے کے کیا معنی ہیں۔ جواب ملا تو نے کہا تھا کہ فلاں شے فی سبیل اللہ ہے اور پھر اس بات کا نباہ نہ کیا۔ اگر تو نے اپنے عہد کو پورا کیا ہوتا۔ تو یہ مقامات تجھ کو عنایت کئے جاتے۔ ایک شخص مکہ معظمہ میں سویا ہوا تھا۔ جب وہ اٹھا۔ تو اس کی ہمیانی کھو گئی ہوئی تھی۔ وہاں ایک عابد بزرگ تھے۔ اس نے انکو تہمت لگا دی۔ عابد اس شخص کو گھر لے گیا۔ اور پوچھا کہ ہمیانی میں تمہارے کسقدر روپے تھے۔ اس نے چند روپے بتلائے عابد نے اسقدر روپے دیدیئے۔ جسوقت وہ روپے لے کر باہر آیا۔ تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے فلاں دوست نے اس سے دل لگی کی تھی۔ اسپر وہ شخص روپے لیکر عابد کے گھر گیا۔ تاکہ اسے روپے واپس دیدے۔ لیکن عابد نے روپے لینے سے انکار کیا۔ اور کہا۔ یہ روپے میں نے تم کو دیئے تھے۔ اس وقت فی

سبیل اللہ کہدیا تھا۔ آخر اس نے مجبور کر دیا۔ تو اس نے کہا کہ اچھا یہ روپیہ درویشوں کو دیدیا جائے
سلف صالحین کا یہ قاعدہ رہا ہے۔ کہ جب وہ کسی شخص کو روٹی دینے کے لئے جاتے۔ اور وہ وہاں موجود
نہ ہوتا۔ تو اس روٹی کو گھر واپس لانا مکروہ سمجھتے۔ اور کسی دوسرے فقیر کو وہ روٹی دیدیتے۔ پانچواں ادب
یہ ہے کہ ظالم چور کے حق میں بددعا نہ کرے۔ کیونکہ اس سے توکل جاتا رہتا ہے۔ اور جو شخص گذشتہ پر تاسف
کرے۔ وہ زاہد نہیں رہتا۔ حضرت ربیع ابن خثیم رحمتہ اللہ علیہ کا ایک گھوڑا چوروں نے چرا لیا۔ حضرت
ربیع فرماتے ہیں۔ کہ میں نے چوروں کو گھوڑا لیجاتے دیکھا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپ نے پھر انہیں کیوں لیجانے
دیا۔ فرمایا۔ میں جس کام میں مشغول تھا۔ وہ گھوڑے سے زیادہ عزیز تھا۔ یعنی نماز میں مشغول تھا۔ پھر لوگ
چور کے لئے بددعا کرنے لگے۔ تو آپ نے منع کر دیا۔ کہ بددعا نہ کرو۔ کیونکہ میں نے اس کو مباح اور بحل کر دیا ہے۔
اور اسے صدقہ میں دیدیا ہے۔ لوگوں نے ایک بزرگ سے کہا۔ کہ ظالم کیلئے بددعا کیجئے۔ انہوں نے کہا
اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ مجھ پر نہیں کیا۔ اور یہی شر اس کے لئے کافی ہے۔ میں اور شر کا بوجھ اسپر
نہیں ڈالنا چاہتا۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ بندہ اپنے ظالم کے حق میں بددعا کرتا ہے۔ اور اس کو برا کہتا
ہے۔ حتی کہ وہ اپنا پورا پورا قصاص لے لیتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ظالم کا حق اسپر ہو جاتا
ہے۔ چھٹا ادب یہ ہے۔ کہ چور کے لئے ازراہِ مہربانی رنجیدہ ہو کہ اس سے چوری کا گناہ سرزد ہوا ہے
اور وہ اس کے عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اور اپنے مظلوم ہونے پر شکر کرے کہ ظالم نہیں ہوں۔ اور وہ
نقصان مال ہی میں ہوا ہے۔ دین میں نہیں ہوا۔ کیونکہ جو شخص کسی ایسے گناہگار کیلئے رنجیدہ نہیں ہوتا کہ جو
گناہ حلال سمجھ کر کرتا ہے۔ وہ شخص خلق کی نصیحت اور شفقت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ حضرت فضیل رحمتہ اللہ
علیہ نے اپنے بیٹے حضرت علیؓ کو دیکھا۔ کہ انکا مال چور چرا کرلے گئے ہیں اور وہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت
فضیل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کیا تم مال کیلئے روتے ہو۔ کہا نہیں۔ میں تو ان کے لئے رو رہا ہوں۔ جن سے
ایسا برا کام سرزد ہوا۔ کیونکہ قیامت کے دن ایسے شخص کو کسی عذر و حجت کی گنجائش نہ ہوگی۔

مقام چہارم۔ بیماری کے علاج میں اور اس کے ضرر رفع کرنے میں جاننا چاہئے۔ کہ علاج کے
تین درجات ہیں۔ ایک تو یقینی ہے۔ جیسے کہ بھوک کا علاج روٹی۔ اور پیاس کا علاج پانی۔ اور اگر کہیں
آگ لگی ہوئی ہو۔ اور اسپر پانی نہ ڈالا جائے۔ اور اس قسم کی دوسری باتیں حرام ہیں۔ اور توکل کو باطل کر
دیتی ہیں۔ دوسرا علاج وہ ہے جو نہ ظنی ہو اور نہ یقینی مگر اس کے اثر کرنیکا احتمال ہو۔ جیسے منتر و داغ و فال
اس قسم کے علاجوں سے دست بردار ہونا توکل میں داخل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ ایسی
چیزیں کرنا اسباب میں مبالغہ کرنا ہے اور اعتماد کرنا ہے۔ اور ان میں سب سے قوی تر داغ ہے اور پھر اس کے

بعد منتر۔ اور سب سے زیادہ ضعیف فال ہے۔ اور اس کو طیرہ کہتے ہیں۔ تیسرا درجہ ان دونوں درجوں کے درمیان میں ہے۔ اور وہ ایسا علاج ہے جو یقینی نہ ہو۔ مگر ظن غالب ہو۔ جیسے کہ فصد حجامت مسہل لینا۔ اور سردی سے گرمی کا علاج کرنا اور گرمی سے سردی کا علاج کرنا۔ ان چیزوں سے دستبردار ہونا حرام نہیں ہے مگر شرط توکل کے خلاف ہے۔ اور بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جہاں کرنا نہ کرنے سے بہتر ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جہاں نہ کرنا کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ اور ان کا ترک کر دینا شرط توکل نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ قول و فعل ہیں۔ قول تو یہ ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ کہ اے خدا کے بندو۔ دوا کا استعمال کرو۔ اور فرمایا۔ کوئی بیماری ایسی نہیں جس کا علاج نہ ہو۔ مگر موت کا کوئی علاج نہیں لیکن لوگ کبھی جانتے ہیں کبھی نہیں جانتے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ دوا اور منتر سے تقدیر الٰہی پھر جاتی ہے۔ فرمایا یہ بھی تقدیر الٰہی میں داخل ہے اور فرمایا۔ میں ملائکہ کی جس قوم کی طرف سے بھی گذرا انہوں نے بھی یہی کہا۔ کہ اپنی امت کو پچھنے لگوانے کی نسبت حکم کیجیے۔ اور فرمایا پچھنے سترھویں اور انیسویں اور اکیسویں تاریخ لگوایا کرو۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ خون کا غلبہ تمہیں ہلاک کر دے۔ اور فرمایا۔ خدا کے حکم سے خون بھی ہلاکت کا موجب ہو جاتا ہے اور فرمایا بدن سے خون نکلوانا اور کیڑے سانپ کا نکالنا۔ اور گھر میں لگی ہوئی آگ کا بجھانا ایک ہی حکم رکھتا ہے۔ یعنی ان میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ سب ہلاکت کا باعث ہیں۔ اور ان کو ترک کر دینا شرط توکل میں داخل نہیں۔ اگر منگل کے روز سترھویں تاریخ کو پچھنے لگوائے جائیں تو سال بھر کی بیماری کو دور کر دیتے ہیں۔ حدیث منقطع میں یہ روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن معاذ رضی اللہ عنہ کو فصد کھلوانے کا حکم دیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھ میں درد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہ کھاؤ یعنی رطب۔ اور یہ کھاؤ یعنی ورق چقندر کشک[1] جو کے ساتھ پکا کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری آنکھ میں درد ہے۔ اور تم خرما کھاتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ جس طرف کی آنکھ درد کرتی ہے۔ اس طرف کے کلے سے نہیں کھاتا۔ دوسرے کلے سے کھاتا ہوں۔ آپ مسکرا دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال یہ ہیں۔ کہ آپ ہر رات آنکھوں میں سرمہ لگایا کرتے۔ اور ہر مہینے پچھنے لگواتے۔ اور ہر سال دوا نوش فرمایا کرتے اور جب حضور پر وحی نازل ہوتی۔ تو حضور کے سر مبارک میں درد ہونے لگتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مہندی لگاتے۔ اور جب کبھی حضور کے جسم مبارک پر زخم ہو جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مہندی رکھ لیتے۔ اور اکثر زخم پر مٹی ڈال لیا کرتے۔ طب نبوی کے نام ایک کتاب علما نے جمع کی ہے۔ روایت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بیماری میں گرفتار ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا۔ حضرت فلاں دوائی استعمال فرمایئے۔ وہ اس بیماری کے لئے نہایت مجرب ہے

[1] کشک۔ بفتح ک۔ یعنی ماء الشعیر۔ نامی

آپنے دوا کرنے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کی بیماری بڑھ گئی۔ حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے موسیٰ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے۔ کہ تجھے اس وقت تک شفا نہ دونگا۔ جبتک کہ تو دوائی استعمال نہ کریگا۔ آپنے دوائی استعمال کی اور صحتیاب ہو گئے۔ آپکے دل میں کچھ خطرہ پیدا ہوا۔ تو وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ تو چاہتا تھا۔ کہ اپنے توکل سے میری حکمت کو باطل کر دے۔ دواؤں میں سوائے میرے اور کس نے منفعتیں رکھی ہیں۔ ایک نبی علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے اپنی کمزوری کی شکایت کی حکم ہوا کہ گوشت کھاؤ۔ اور دودھ پیو۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا۔ کہ یا اللہ بیماری کس کی وجہ سے ہے اور شفا کس کیوجہ سے ہے۔ حکم ہوا دونوں میرے حکم سے ہیں۔ پھر عرض کیا طبیب کس کام آتے ہیں۔ ارشاد ہوا اسواسطے ہوتے ہیں کہ علاج کی وساطت سے روزی کمائیں اور کھائیں۔ اور میرے بندوں کے دل خوش رکھیں۔ پس علاج کے باب میں توکل کرنا علم اور حال سے ہے کہ اعتماد دوا کے پیدا کرنیوالے پر رکھے۔ اور دوا پر بھروسہ نہ کرے۔ کیونکہ بہت لوگوں نے دوائی کھائی اور ہلاک ہو گئے۔

فصل جاننا چاہیئے۔ کہ مرض کے دفع کرنیکے لئے بعض آدمیوں کی عادت داغ دینا ہے۔ اور آدمی اس فعل سے توکل کے درجہ سے گر جاتا ہے۔ بلکہ یہ فعل منع ہے۔ اور منتر کی ممانعت نہیں کیونکہ آگ سے جلانے میں زخم کیلئے خطرہ ہے۔ اور آگ سے سرایت کر جانیکا ڈر ہے اور یہ فصد اور پچھنے کی مانند نہیں ہے اور یہ فصد پچھنے کیطرح نافع بھی نہیں ہے۔ اور اس کے عوض میں دوسرا علاج بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمران ابن الحصین ایکدفعہ بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ لوگوں نے داغ لینے کو کہا آپنے انکار کر دیا لیکن جب لوگوں کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپ نے داغ لے لیا۔ لیکن آپ فرماتے ہیں کہ داغ لینے سے قبل مجھے ایک نور نظر آتا تھا۔ اور ایک آواز سنائی دیتی تھی اور فرشتے مجھ سے سلام علیک کیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے میں نے یہ داغ لیا ہے۔ یہ تمام باتیں جاتی رہی ہیں۔ پھر آپنے توبہ استغفار فرمائی۔ اور پھر حضرت مطرف ابن عبد اللہ سے کہا۔ کہ مدت کے بعد حق تعالیٰ نے مجھ کو پھر وہ کرامت عنایت فرمائی۔

بیان اس بارہ میں کہ بعض حالات میں دوا نہ کھانا اولیٰ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کے خلاف نہیں

جاننا چاہیئے کہ اکثر بزرگانِ دین نے علاج نہیں کیا۔ شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے۔ کہ اگر علاج نہ کرنے ہی میں کمال ہوتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی علاج نہ کرتے اور دوا استعمال نہ فرماتے تو یہ اعتراض

رفع ہو جائیگا۔ کہ دوا نہ کھانیکے چھ سبب ہوتے۔ ایک سبب تو یہ ہوتا ہے کہ دوا نہ کھانیوالا صاحب کشف ہو۔ اور اس کو اپنی موت کا آنا یقینی معلوم ہو چکا ہو۔ اور یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے طبیب بلانے کو کہا۔ تو آپنے فرمایا۔ کہ طبیب مجھے دیکھ کر کہہ چکا ہے اِنِّیْ اَفْعَلُ مَا اُرِیْدُ یعنی میں وہی کرتا ہوں جو میں چاہتا ہوں۔ دوسرا سبب یہ ہے۔ کہ مریض آخرت کے خیال میں اس قدر مشغول ہو کہ اسے دوائی کا خیال ہی نہ آئے جیسیکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لوگوں نے بیماری کی حالت میں پوچھا۔ کہ آپ کس سبب سے نالاں ہیں۔ فرمایا اپنے گناہوں کے سبب سے پوچھا کس شے کی آرزو ہے۔ فرمایا حق تعالےٰ کی رحمت کی۔ پوچھا کسی طبیب کو بلائیں فرمایا مجھے طبیب ہی نے تو بیمار کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ درد چشم میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپ علاج کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا میرا شغل علاج سے بڑھکر ہے۔ لوگوں نے حضرت سہیل رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا۔ کہ قوت کیا ہے فرمایا حَیٌّ وَّ قَیُّوْمٌ کا ذکر۔ انہوں نے عرض کیا۔ ہم تو قوام کے بارہ میں پوچھتے ہیں۔ جواب دیا قوام علم ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو غذا پوچھتے ہیں۔ فرمایا غذا حق تعالےٰ کا ذکر ہے۔ عرض کیا۔ ہم تو بدن کے طعام کو پوچھتے ہیں۔ فرمایا بدن سے دستبردار ہو جاؤ۔ اور اس کے بنانیوالے کے سپرد کر دو۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ وہ بیماری دیر تک رہنے والی ہو۔ اور اس کا علاج نادر ہو جو شخص سب سے ناواقف ہوتا ہے۔ وہ اکثر دواؤں کو ایسا ہی سمجھتا ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے۔ کہ مریض کو بیماری سے خود نجات حاصل کرنا نہ چاہیئے۔ تاکہ اسے بیماری کا ثواب حاصل ہو اور اپنے صبر کا امتحان کرے۔ اس واسطے حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالےٰ بندے کو بلا میں مبتلا کرکے اس طرح آزماتا ہے۔ جس طرح سونے کو آگ سے آزماتے ہیں۔ کوئی سونا خالص بھی ہوتا ہے اور کوئی خراب ہوتا ہے۔ پانچواں سبب یہ ہے۔ کہ بیمار کے گناہ بہت سے ہوں۔ اور بیماری سے انکا کفارہ ادا کرنا چاہیئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ بندہ کو تپ لاحق ہوتی ہے۔ کہ اسے گناہ سے پاک و صاف کردے۔ یہانتک کہ سب گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ جسطرح کہ اولا گرد سے صاف و پاک ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص بدن کی بیماری اور درماندگی اور مصیبت مال میں گناہوں کے کفارہ کی امید پر خوش نہیں ہوتا۔ وہ عالم نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بیمار کو دیکھا۔ اور حق تعالےٰ سے عرض کیا۔ کہ حق تعالےٰ اسپر رحم کر۔ ارشاد ہوا۔ کہ میں اس بیماری کی وجہ سے تو اسپر رحم کر رہا ہوں۔ چھٹا سبب یہ ہے۔ کہ آدمی یہ جانے تندرستی غفلت و تمرد کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے بیمار کو باقی رہنا چاہیئے تاکہ غفلت نہ ہو۔ اور حقتعالیٰ کو جسکی بھلائی منظور ہوتی ہے۔ اسکو ہمیشہ بلا اور بیماری سے متنبہ کرتا رہتا ہے۔ اور اس سبب سے بزرگوں کا ارشاد ہے۔ کہ مسلمان تین چیزوں سے خالی نہیں رہتا۔ محتاجی بیماری اور ذلت سے حدیث شریف میں ہے کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے

کہ بیماری قید ہے۔ اور درویشی میری قید ہے۔ اور میں اس زندان میں اس شخص کو ڈالتا ہوں جسکو دوست رکھتا ہوں۔ پس جب تندرستی گناہوں کی طرف کھینچے۔ تو بیماری ہی بہتر ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک قوم کو نہایت آراستہ دیکھا۔ دریافت فرمایا۔ کہ یہ کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا آج انکی عید ہے آپ نے فرمایا۔ ہماری عید اس دن ہوتی ہے۔ جس دن ہم گناہ نہ کریں۔ ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے اس نے کہا عافیت ہے۔ اس نے کہا جسدن کہ تم گناہ نہیں کرتے۔ اس دن عافیت سے رہتے ہو۔ اور جس دن کہ گناہ کرتے ہو۔ اس سے زیادہ سخت اور کونسی بیماری ہے۔ کہتے ہیں کہ فرعون دنیا میں چار سو سال زندہ رہا اور اس کو تمام زندگی میں نہ تو کبھی درد سر ہوا اور نہ تپ۔ اگر اس کو ایک ساعت بھی درد سر ہوتا۔ تو ہرگز ایسے دعوے باطل کا مرتکب نہ ہوتا۔ بزرگوں کا مقولہ ہے۔ کہ جب بندہ ایک روز بیمار ہوتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو ملک الموت کہتا ہے کہ اے غافل میں نے چند بار اپنا قاصد تیرے پاس بھیجا۔ اور تجھے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ اور بزرگوں کا مقولہ ہے۔ کہ بندہ مومن کو چالیس روز تک رنج بیماری خوف یا نقصان سے خالی نہ رہنا چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو اپنے نکاح میں لانا چاہا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوتی۔ عرض کرنے والوں نے اس بات کو تعریف سمجھا۔ لیکن حضور نے اس سے نکاح کی خواہش کو چھوڑ دیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور صداع کے متعلق ذکر کر رہے تھے۔ ایک اعرابی بھی حاضر خدمت تھا۔ اس نے عرض کیا حضور صداع کیا شے ہے۔ میں تو کبھی بھی بیمار نہیں ہوا۔ حضور نے فرمایا میرے پاس سے دور ہو جا اور فرمایا جس شخص کو دوزخی کے دیکھنے کی خواہش ہو۔ وہ اس اعرابی کو دیکھ لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضور سے ذکر کیا کہ یا رسول اللہ کسی شخص کو شہادت کا درجہ نصیب ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں اس شخص کو جو موت کو دن رات میں بیس بار یاد کرے اور اس میں شک نہیں کہ بیمار کو دن رات میں بیس بار سے زیادہ موت یاد آتی ہے۔ پس کچھ انہی وجوہات کی بنا پر لوگوں نے علاج نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کے محتاج نہ تھے۔ اس لئے حضور نے علاج کیا۔ غرضیکہ ظاہری اسباب سے حذر کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفہ ثانی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام کو تشریف لیجا رہے تھے۔ حضور کو خبر پہنچی کہ وہاں طاعون بکثرت ہے بعض لوگوں نے وہاں جانے سے انکار کیا۔ اور بعض نے کہا کہ ہم قضاو قدر سے انکار نہیں کرینگے۔ حضرت فاروق اعظم رضہ نے فرمایا کہ ہم قضائے آلہی سے قضائے آلہی کیطرف جائیں گے۔ اور فرمایا تم میں سے کسی شخص کی دو وادیاں ہوں۔ ان میں سے ایک تو ہری بھری ہو۔ اور ایک خشک ہو۔ جو بکریوں کا چرانا جس وادی میں لیجائے وہ تقدیر آلہی سے ہے پھر حضرت فاروق اعظم نے جناب عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ تاکہ انکی رائے معلوم کریں انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس جگہ وبا ہو۔ وہاں نہ جاؤ۔ اور

جب تم کسی ایسے مقام پر ہو جہاں وبا ہو تو وہاں سے دوسری جگہ نہ جاؤ۔ اسپر جناب فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ میری رائے حدیث شریف کے مطابق۔ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسبات پر اتفاق کیا۔ اور جس جگہ وبا ہو وہاں سے نکل جانیکی ممانعت ہے۔ کہ اگر تندرست لوگ چلے جائیں تو بیماروں کی خبر گیری کے لئے کوئی باقی نہ رہے گا۔ اور جب ہوا باطن میں اثر کر جائے تو پھر باہر نکلجانا بھی بیفائدہ ہے اور بعض احادیث میں اس طرح مذکور ہے۔ کہ مقام وبا سے بھاگ جانا اسطرح ہے۔ جیسے کوئی جہاد میں ہو۔ اور کفار کے مقابلہ سے بھاگ جائے۔ اور اس مشابہت کا سبب یہ ہے۔ کہ جس طرح جہاد میں سے بھاگ جانا زخمیوں کی دلشکنی کا باعث ہے۔ اسیطرح مقام وبا سے بھاگ جانا بیماروں کی شکستگی دل کا باعث ہوتا ہے۔ اور پھر تندرست بھاگ جائیں گے تو بیماروں کو کھانا یا پانی دینے کے لئے کوئی باقی نہ رہیگا۔ اور اس صورت میں وہ یقیناً ہلاک ہو جائیں گے۔ اور بھاگنے والے کی خلاص مشتبہ ہے۔

فصل جاننا چاہیے کہ بیماری کو چھپائے رکھنا شرط توکل ہے۔ اور اس کا ظاہر کرنا اور گلہ کرنا مکروہ ہے۔ مگر عذر کے ساتھ مکروہ نہیں۔ مثلاً بیمار طبیب سے اپنی بیماری کا حال کہے۔ یا اپنا عجز ظاہر کرے۔ اور اسے اپنے نفس سے رعونت اور تیزی کا نکالنا منظور ہو۔ جیساکہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بیمار ہوئے۔ تو لوگوں نے آپکی بیمار پرسی کی۔ اور پوچھا کہ کیا بہتر ہو اور بخیریت ہو۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ وہ ایک دوسرکی جانب دیکھنے لگے۔ اور تعجب کرنے لگے۔ تو حضور نے فرمایا کہ میں خدا کو بھی تیزی اور بہادری دکھاؤں۔ اور یہ بات صرف انہی بزرگوں کے لئے زیبا تھی۔ کہ باوجود اس قدر قوت اور بزرگی کے اپنا عجز ظاہر کرتے تھے اور اسی سبب سے حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے خدا مجھے صبر نصیب کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حق تعالےٰ سے خیر و عافیت طلب کرو۔ بلا کو طلب نہ کرو۔ اگر بلا عذر بیماری کو برسبیل شکایت کے ظاہر کرے تو حرام ہے۔ اور اگر شکائت کے طور پر نہ ہو تو روا ہے۔ مگر اظہار نہ کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ کیفیت واقعی سے کچھ زیادہ اظہار ہو جائے۔ اور لوگ اسپر شکوہ کا گمان کریں۔ علماء کا مقولہ ہے۔ کہ بیماری میں نالہ وزاری اور واویلا نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں بھی اظہار کرنا پایا جاتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اور وہب ابن الورد رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی بیمار ہوتے تو اخفائے بیماری کے لئے گھر کا دروازہ بند کر لیتے تاکہ کوئی انکی بیماری سے مطلع نہ ہو۔ اور فرماتے تھے کہ ہماری خواہش یہ ہے۔ کہ ہم اس طرح بیمار ہوا کریں۔ کہ کوئی ہماری عیادت نہ کرے۔

اصل نہم (نویں) محبت و شوق و رضا کا بیان

جاننا چاہیئے۔ کہ حقتعالیٰ کی دوستی تمام مقامات سے اعلیٰ و برتر مقام ہے۔ بلکہ تمام مقامات سے صرف اسی مقام کا حاصل کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ ربع مہلکات اس لئے ہے۔ کہ جو شے حقتعالیٰ کی دوستی سے باز رکھے دل کو اس سے صفائی اور پاکی حاصل ہو۔ اور تمام منجیات جو اس سے پیشتر بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے مقامات ہیں جیسے توبہ۔ صبر۔ شکر و زہد وغیرہ۔ اور جو کچھ اس کے ہے۔ وہ اسکا ثمرہ ہے۔ اور اس کا تابع ہے جیسکہ شوق رضا اور بندہ کے کمال کی غایت یہ ہے۔ کہ حقتعالےٰ کی دوستی اس کے دل پر غالب ہو جائے اور بالکل اسپر تسلط کرلے۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو کم از کم یہ تو ہو۔ بہ نسبت اور چیزوں کی محبت کے حق تعالیٰ کی محبت غالب ہو اور حقتعالیٰ کی محبت کی حقیقت کو پہچاننا ایسا مشکل ہے۔ کہ متکلمین کے ایک گروہ نے انکار کرکے یہانتک کہدیا ہے۔ کہ جو اپنی جنس سے نہ ہو۔ اس سے دوستی و محبت ہو ہی نہیں سکتی اور خدا کی محبت محض اسکی فرمانبرداری کا نام ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے۔ کہ وہ اصل دین سے واقفیت نہیں رکھتا۔ اور اسکی شرح اور تفصیل بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ سب سے پہلے ہم ان شرعی دلائل کو پیش کرتے ہیں۔ جن سے حقتعالیٰ کی محبت کا اثبات ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد ہم محبت کی حقیقت اور احکام کا ذکر کریں گے۔

فضیلت دوستی حقتعالیٰ

جاننا چاہیئے کہ تمام دنیائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ حق تعالےٰ کی دوستی ہر مسلم پر فرض ہے اور حقتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبتک بندہ حقتعالیٰ اور اس کے رسول کو تمام چیزوں سے زیادہ دوست نہ رکھے۔ تب تک اس کا ایمان درست نہیں ہوتا صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایمان کیا شے ہے۔ فرمایا ایمان یہ ہے کہ بندہ خدا اور اس کے رسول کو تمام چیزوں سے زیادہ دوست رکھے۔ اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ اس وقت مومن نہیں ہوتا جبتک کہ وہ خدا اور رسول کو اپنے تمام مال و اہل اور تمام مخلوق سے زیادہ دوست نہیں رکھتا اور حقتعالیٰ نے بھی تہدید فرمائی اور فرمایا قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ یعنی اگر تمکو ماں باپ اور اولاد تجارت اور گھر اور جو کچھ کہ تم رکھتے ہو تمہیں خدا اور اس کے رسول سے زیادہ عزیز ہے تو تیار ہو یہانتک کہ تمکو موت آجائے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپکو دوست رکھتا ہوں فرمایا درویشی لیکر تیار رہ۔ اس نے

عرض کیا میں حقتعالیٰ کو بھی دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا بلا کے لئے تیار رہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب ملک الموت خلیل علیہ السلام کی جان قبض کرنا چاہتا تو آپ نے ملکوت الموت سے فرمایا کبھی تم نے دوست کو دوست کی جان لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ وحی نازل ہوئی۔ کہ کبھی تم نے دوست کو دوست کے دیدار سے کراہیت کرتے ہوئے دیکھا ہے پھر حضرت خلیل علیہ السلام نے ملکوت الموت سے فرمایا کہ اے ملک الموت اب میری جان نکال لے۔ میں نے تجھکو اجازت دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں میں یہ دعا بھی داخل ہے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّکَ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ اِلٰی آخِرِ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ یعنی بارخدایا مجھکو اپنی محبت اور اپنے محبوں کی محبت اور اس شے کی محبت جو مجھ کو تیری محبت سے نزدیک کردے۔ عطا فرما۔ اور اپنی محبت کو مجھپر اس محبت سے زیادہ غالب کردے۔ جتنی کہ پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے محبت ہوتی ہے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ قیامت کب ہوگی۔ حضور نے فرمایا اے اعرابی تو نے اس دن کے لئے کیا رکھا ہوا ہے۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ نماز روزہ تو میرے پاس بہت نہیں لیکن خدا اور رسول کی دوستی ہے فرمایا کل قیامت کو تو اس کے ساتھ ہوگا۔ جس کو تو دوست رکھتا ہے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حق تعالیٰ کی محبت خالص کا مزہ چکھ لیا وہ دنیا کی دوستی سے بیزار ہوا اور مخلوق سے نافر ہوگیا۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حقتعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔ وہ اسکو دوست رکھتا ہے۔ اور جو دنیا کو پہچان لیتا ہے وہ اسے دشمن خیال کرتا ہے۔ اور مسلمان جسوقت غافل ہوتا ہے تب ہی خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ جس وقت بھی وہ اندیشہ کریگا متفکر ہوگا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام ایک قوم کے پاس سے گزرے۔ دیکھا کہ اس قوم کے لوگ نہایت نحیف و کمزور ہو گئے ہیں۔ پوچھا۔ تم کس آفت میں گرفتار ہو انہوں نے عرض کیا۔ ہم عذاب الٰہی کے خوف سے گداز ہوگئے ہیں۔ آپنے فرمایا۔ حقتعالیٰ پر تمہارا حق ہے۔ کہ تم کو عذاب سے بیخوف کردے۔ ایک اور قوم کیطرف عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ہوا تو اس کو ان سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور دیکھا۔ پوچھا تم پر کیا آفت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ بہشت کی آرزو نے ہمیں گداز کر رکھا ہے آپ نے فرمایا حقتعالیٰ پر تمہارا حق ہے کہ تمہاری آرزو کو پورا کرے۔ پھر آپ ایک اور قوم کیطرف سے گزرے تو اس کو ان دونوں قوموں سے زیادہ ضعیف و کمزور پایا۔ لیکن ان کے چہرے آئینہ کیطرح روشن تھے آپنے پوچھا۔ تم کو کیا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہم کو حقتعالیٰ کی محبت نے گداز کردیا ہے۔ آپ انکے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا۔ تم حقتعالیٰ کے مقرب ہو مجھے تمہارے پاس بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن ہر شخص کو انبیاء علیہ السلام کے نام کے ساتھ نسبت دیکر پکاریں گے۔ کہیں گے اے امت موسیٰ اے امت محمد۔ لیکن حقتعالیٰ کے دوستوں کو کہینگے کہ اے حقتعالیٰ کے دوستو حق تعالیٰ کے نزدیک

آؤ۔ بس انکے دل یہ سن کر خوشی سے لبریز ہو جائیں گے۔ اور بعض پیغمبروں کی کتابوں میں مذکور ہے۔ کہ اے میرے بندے میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں۔ اس حق کی بناء پر کہ جو مجھ کو تجھ پر حاصل ہے کہ تو بھی مجھکو دوست رکھتا ہے

حق تعالیٰ کی دوستی کی حقیقت

جاننا چاہیئے۔ کہ حق تعالیٰ کی دوستی ایسی مشکل شے ہے۔ کہ ایک گروہ نے اس سے انکار کر کے کہا ہے کہ حقتعالیٰ کیساتھ دوستی ناممکن ہے۔ اگرچہ یہ ایک ایسا نازک مسئلہ ہے۔ کہ ہر شخص اس کے فہم سے قاصر ہے لیکن تاہم اس کی شرح بیان ضروری ہے اور ہم اس کی تفصیل کو مثالوں میں اسطرح صاف کرتے ہیں۔ کہ جبکو ہر وہ شخص جو اسکے سمجھنے کیطرف متوجہ ہو۔ سمجھ لے۔ سب سے پہلے اصلی محبت سے خبردار ہونا ضروری ہے کہ یہ کیا ہے۔ تو جاننا چاہیئے کہ جو شے اچھی معلوم ہو اسکی طرف راغب ہونے کو محبت سے موسوم کیا ہے اور اس محبت کے قوی ہونیکا نام عشق رکھا ہے۔ اور جو شے بُری معلوم دے اس سے نفرت کرنیکو عداوت کہا ہے۔ اور جس جگہ اچھائی اور بُرائی نہیں۔ وہاں محبت اور عداوت نہیں ہوتی۔ اب تمکو یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اچھائی کیا شے ہے۔ جاننا چاہیئے کہ طبیعت کے حق میں تمام اشیاء تین قسم پر ہیں۔ بعض اشیاء تو طبیعت کے موافق ہوتی ہیں۔ اور طبیعت سے لگاؤ رکھتی ہیں۔ بلکہ طبیعت کو خود بخود انکی خواہش پیدا ہوتی ہے اور پھر اس موافق شے کو اچھی شے کہا جاتا ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو طبیعت کے ناموافق اور نامرغوب ہوتی ہیں۔ اور تقاضائے طبع کے خلاف ہوتی ہیں تو اس ناموافق اشیاء کو بُری اشیاء کہتے ہیں۔ اور جو شے نہ تو موافق طبع ہو۔ اور نہ مخالف طبع۔ اسکو نہ تو اچھی شے کہتے ہیں اور نہ بُری۔ اور یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ کوئی شے اسوقت تک اچھی یا بُری معلوم نہیں ہوتی جبتک کہ تم پہلے اس سے واقف نہیں ہوتے اور ان اشیاء سے آگاہی حواس اور عقل کی معرفت ہوتی ہے اور حواس کی تعداد پانچ ہے۔ اور حواس کے لئے ایک لذت ہے اور اس لذت کی بناپر آدمی اس شے کو دوست رکھتا ہے یعنی طبیعت کو وہ مرغوب ہوتی ہے جس باصرہ کو اچھی چیزوں کے دیکھنے اور سبزہ اور آب رواں کے نظارہ سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ تو آدمی ان اشیاء کو ضرور دوست رکھتا ہے۔ اور حس سامع کی لذت اچھی دلکش آوازوں کے سننے میں ہوتی ہے۔ اور حس شامہ خوشبوؤں سے لذت حاصل کرتی ہے۔ اور حس ذائقہ اچھے اور خوش مزہ کھانوں سے لذت اندوز ہوتی ہے اور حس لامسہ نرم و ملائم اشیاء کے چھونے سے لذت یاب ہوتی ہے اور یہ تمام اشیاء آدمی کو بالطبع مرغوب و محبوب ہیں اور ان تمام لذات سے جانور بھی حظ اندوز ہوتے ہیں۔ اب جاننا چاہیئے کہ آدمی کے دل میں ایک اور چھٹی حس موجود ہے جسکو عقل اور بصیرت اور نور کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور جس لفظ سے تم چاہو تعبیر کر لو۔ محض اسی کی وجہ سے

آدمی جانوروں سے ممتاز ہے۔ اور اسپر فضیلت رکھتا ہے۔ جانور کے بھی مدرکات ہوتے ہیں۔ جو اسے اچھے معلوم دیتے ہیں۔ جسطرح وہ لذات حواس کی محبوب و مرغوب ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان مدرکات کی لذت اسے محبوب و عزیز ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ حقتعالیٰ نے دنیا کی تین اشیا کو میرے لئے محبوب و مرغوب کیا ہے۔ عورتیں۔ خوشبو اور تیسری نماز۔ میری آنکھوں کی روشنی نماز سے ہے۔ حضور نے نماز کے درجے کو بلند کیا۔ پس جو شخص بہائم کی طرح ہے۔ وہ دل سے بیخبر ہوتا ہے۔ اور سوائے حواس کے وہ کچھ نہیں جانتا۔ اور اس کو نماز کے اچھا ہونیکا یقین نہیں ہوتا۔ اور نماز کو وہی دوست رکھتا ہے۔ جسپر نورِ عقل غالب ہوتا ہے۔ اور صفاتِ بہائم سے بہت دور ہوتا ہے اور وہ جنابِ الٰہی کے جمال اور اس کی عجیب و غریب صفتوں اور اسکی ذات و صفات کے جلال میں چشم باطنی سے نظر کرنیکو زیادہ پسند کرتا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اچھی اچھی صورتوں سبزہ و آب رواں وغیرہ کو چشم ظاہر سے دیکھے بلکہ جب اسپر جمالِ الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔ تو یہ تمام لذات اسکی آنکھوں میں حقیر ہو جاتی ہیں۔

اسباب دوستی

اس بات کے معلوم کرنے کیلئے کہ حقتعالیٰ کی محبت و دوستی کے سوا اور کوئی چیز اس امر کی مستحق نہیں کہ اس سے دوستی کی جائے۔ دوستی کے پانچ اسباب سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ پہلا سبب تو یہ ہے۔ کہ آدمی اپنے آپکو دوست رکھتا ہے۔ اور اپنی بقا کو بھی دوست رکھتا ہے۔ اور اپنے کمال کو بھی دوست رکھتا ہے۔ اور اپنی ہلاکت کو بھی دشمنی خیال کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا عدم بلا رنج و الم کے ہو اور کیونکر دوست نہ رکھے۔ جبکہ دوستی کی علت موافق طبیعت ہے تو اپنی ہستی اور ہستی دوام اور اپنے صفاتِ کمال کی نیستی سے زیادہ اور کونسی شے ہے۔ جو اس کی طبیعت کے خلاف اور ناساز گار ہو۔ اور اس سبب سے انسان اپنے فرزند کو دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ اسکی بقا کو اپنی بقا کی مثل سمجھتا ہے۔ تو چونکہ آدمی اپنی بقا سے عاجز ہوتا ہے۔ تو اس لئے جو اس کی اپنی بقا کے مشابہ ہوتی ہے۔ اسے بھی عزیز تصور کرتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ اپنے آپ ہی کو دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کو اپنے پر و بال اور قوت بازو خیال کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ مجھ کو انہی کے سبب سے کمال حاصل ہے۔ دوسرا سبب نیکی ہے۔ کہ جو شخص کسی آدمی کے ساتھ سلوکِ نیک سے پیش آتا ہے آدمی بالطبع اس کو دوست رکھتا ہے۔ اور اسی بنا پر لوگوں کا مقولہ ہے۔ کہ اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ۔ یعنی آدمی احسان کا بندہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ کسی فاجر کو مجھ پر احسان کرنے کی قدرت عطا نہ کرنا۔ کیونکہ اس وقت میرا دل اسے دوست رکھنے لگیگا۔ اور یہ بات آدمی کی طبیعت میں داخل ہے۔ اور تکلف کرنے سے بھی اس سے نہیں پھر سکتی۔ اور اسکی حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ اس نے

اپنے آپکو دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ احسان وہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ایسا کام کرے جو دوسرے آدمی کی زندگی یا اس کے صفات کے کمال کا باعث ہو۔ تو آدمی تندرستی کو جو دوست رکھتا ہے۔ تو محض اس لئے رکھتا ہے۔ کہ وہ زندگی کو خوشگوار بناتی ہے۔ اور طبیعت کو تندرستی کے سببسے دوست رکھتا ہے اور اپنے آپکو کسی اور وجہسے دوست نہیں رکھتا اور جو شخص اسکے ساتھ احسان کرتا ہے اسکو احسان کے سببسے دوست رکھتا ہے تیسرا سبب یہ ہے کہ آدمی نیک آدمی کو دوست رکھتا ہے اگرچہ اس نے اس کے ساتھ نیکی نہ کی ہو جیسا کہ آدمی سنتا ہے۔ کہ مغرب میں ایک بادشاہ ہے اور وہ ایسا عالم و عادل کہ سب لوگ اسکی وجہ سے آرام میں ہیں تو اسکی طبیعت خواہ مخواہ اسکی جانب رغبت کرتی ہے۔ اگرچہ وہ اس بات کو جانتا ہے کہ وہ ہرگز مغرب کو نہ پہنچ سکیگا۔ اور اسکے احسان کو نہ دیکھیگا چوتھا سبب یہ ہے کہ آدمی خوش شکل یعنی خوبصورت آدمی کو دوست رکھتا ہے۔ اور اس سے کچھ حاصل کرنے کی غرض سے دوستی نہیں رکھتا بلکہ اس کو اسکی فراست کے سببسے دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ حسن و جمال آدمی کو بالطبع مرغوب ہوتا ہے۔ اور اچھی صورت کو بلا شہوت کے دوست رکھنا بھی ممکن ہے جسطرح کہ آب رواں و سبزۂ خوشگوار کو اچھا سمجھتا ہے۔ اس غرض سے نہیں۔ کہ اسے کھائے پئے بلکہ اس کے دیکھنے سے اس کو لذت و راحت حاصل ہوتی ہے۔ بعینہ اسی طرح حسن و جمال بھی آدمی کو مرغوب ہوتا ہے اگر آدمی حقتعالی کے جمال بے مثال سے واقف ہو جائے تو ممکن ہے۔ کہ اسکو دوست رکھ سکے اور جمال کے معنی اسکے بعد بیان کئے جائیں گے۔ کہ جمال کیا شے ہے۔ پانچواں سبب مناسبت ہے جو طبائع میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی ایسا شخص ہوتا ہے۔ جو اپنی طبیعت کے موافق آدمی کو دوست رکھتا ہے۔ اور یہ نسبت کبھی تو ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ لڑکے کو لڑکے سے انس ہوتا ہے اور بازاری کو بازاری سے۔ اور عالم کو عالم سے۔ اور ہر شخص کو اپنے ہمجنس سے۔ اور کبھی یہ نسبت پوشیدہ طور پر ہوتی ہے۔ اور کبھی اصل خلقت اور ان اسباب سماوی میں جو ولادت کے وقت غالب ہوں۔ ان میں مناسبت واقع ہو جاتی ہے۔ جو کسی کو اسکی طرف لاتی ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے عبارت کیا اور فرمایا۔ اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ یعنی ارواح کو ایک دوسرے کیساتھ آشنائی بھی ہوتی ہے اور بیگانگی بھی ہوتی ہے اور جب اصل آشنائی ہوئی ہو تو ایک دوسرے سے الفت کرتے ہیں اور یہ آشنائی اسی بات سے عبارت ہے کہ جس کے بارہ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ آدمی کا اس جانب راہ نہیں

حقیقتِ حسن و خوبی

جاننا چاہیئے۔ کہ جو شخص بہائم سے نزدیک ہو اور سوائے خانہ چشم (یعنی بصارت) کی بصیرت سے محروم ہو ممکن ہے کہ وہ یہ کہدے کہ خوبصورتی صرف چہرہ کے رنگ کی سفیدی و سرخی اور مناسبت اعضا کا نام ہے۔ اور حسن و خوبصورتی رنگ ہی سے حاصل ہوتی ہے اور جو صورت وہ رنگ نہ رکھتا ہو۔ وہ خوبصورت نہیں اور ایسا

عقیدہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ عقلا کہا کرتے ہیں۔ کہ یہ خط نیک (اچھا) ہے۔ اور یہ آواز اچھی ہے۔ یہ کپڑا اچھا ہے۔ یہ گھوڑا اچھا ہے۔ یہ باغ اچھا ہے۔ یہ شہر اچھا ہے۔ پس ہر شے میں خوبصورتی کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ جو کمال اس کے لائق ہو۔ اس میں موجود ہو۔ اور کسی شے کی کمی نہ ہو۔ اور ہر شے کا کمال علیحدہ ہی قسم کا ہوتا ہے۔ جیسے کہ خط کا کمال یہ ہے۔ کہ اس میں حروف کا تناسب ہو۔ اور اس کے دوسرے معانی بھی عمدہ ہوں اس میں شک نہیں کہ اچھے گھر کو دیکھنے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ پس خوبصورتی چہرہ کی صورت پر موقوف ہے۔ لیکن یہ سب کچھ چشمِ ظاہر سے محسوس ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ کوئی شخص اس بات کا تو اقرار کر لے لیکن کہے کہ جو شے آنکھ سے نظر نہیں آسکتی وہ کس طرح خوبصورت ہوگی۔ اور ایسا خیال کر لینا بھی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے اخلاق نہایت اچھے ہیں۔ فلاں شخص نہایت بامروت ہے اور کہتے ہیں علم باورع نہایت بہتر ہوتا ہے۔ اور شجاعت سخاوت کے ساتھ نہایت اچھی ہوتی ہے۔ اور پرہیزگاری کوتاہ طمعی اور قناعت تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اور اس قسم کی باتیں مشہور و معروف ہیں اور یہ سب چشمِ ظاہر سے نہیں دیکھی جا سکتیں۔ بلکہ بصیرتِ عقل سے دریافت ہو سکتی ہیں۔ اور کتاب ریاضۃ النفس میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ کہ صورتیں دو ہوتی ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ اور نیک اخلاق جو ہے وہ صورتِ باطنی ہے۔ اور بالطبع محبوب ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دوست رکھے۔ بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوست رکھے تو محال نہ ہوگا۔ بلکہ کیوں محال ہو۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ انکی دوستی میں مال و جان تک نثار کر دیتا ہے۔ اور یہ دوستی شکل و صورت کے لئے نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس نے تو خود ان بزرگان دین کو نہیں دیکھا ہے۔ اور اب ان کی صورت خاک ہو چکی ہے۔ بلکہ یہ دوستی انکے جمال باطنی کی بنا پر ہوتی ہے۔ اور انکا جمال باطنی علم و تقویٰ و سیاست وغیرہ ہے۔ اور اسی طرح ان فضائلِ مقدسہ کی بنا پر لوگ پیغمبروں کو دوست رکھتے ہیں۔ اور جو شخص جناب صدیق رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہے تو جس صورت پر بھی وہ تھے۔ انہیں دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ تو ان کو صفت کے سبب سے دوست رکھتا ہے کہ جس کی وجہ سے صدیق کہلاتے ہیں۔ اور صدق و علم ذاتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک جزو کی صفت ہے کہ اسکو جزو لاینجزی کہتے ہیں۔ کیونکہ نہ تو اس کی شکل ہے اور نہ رنگ۔ اور وہ حکماء کے ایک گروہ کے نزدیک ثابت نہیں۔ اور وہ جس شکل پر بھی ہو اس کے لئے نہ تو شکل ہے۔ اور نہ رنگ اور محبوب تو صرف وہ صفت ہے۔ ظاہری گوشت و پوست محبوب نہیں۔ پس جو شخص عقلمند ہے۔ وہ جمال باطن کا منکر نہیں۔ اور وہ صورت ظاہری سے جمال باطن کو زیادہ دوست رکھیگا۔ کیونکہ اس شخص کو جو دیوار پر ایک صورت کو دوست رکھے اور اس شخص میں جو کسی پیغمبر کو دوست رکھے۔ ایک بہت بڑا فرق ہے۔ بلکہ جب یہ چاہتے ہیں کہ ایک چھوٹا

لڑکا کسی کو دوست رکھے۔ تو لڑکے کے سامنے اس کی چشم و ابرو اور درازیٔ مژگان کا ذکر نہیں کرتے بلکہ اس کے علم و قدرت اور سخاوت کی صفت کو بیان کرتے ہیں۔ اور جب یہ چاہتے ہیں کہ اس سے نفرت کریں تو اس کی زشتیٔ باطن کا ذکر کرتے ہیں نہ کہ زشتی ظاہر کا۔ اور اس وجہ کی بنا پر لوگ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دوست رکھتے ہیں۔ اور ابوجہل کو دشمن تصور کرتے ہیں۔ پس یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ جمال دو ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی اور جو جمال صورت باطن کا ہے۔ وہ محبوب ہے۔ بلکہ جو شخص کچھ تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہے۔ وہ بہ نسبت جمالِ ظاہر جمالِ باطن کا طالب ہوتا ہے۔

اس بات کے بیان میں کہ دوستی کا مستحق صرف خدا ہی ہے

جاننا چاہیئے۔ کہ درحقیقت سوائے حقتعالیٰ کے اور کوئی بھی دوستی کا مستحق نہیں ہے اور جو شخص کسی دوسرے کو دوست رکھتا ہے۔ وہ جاہل ہے۔ حقتعالیٰ کو نہیں پہچانتا مگر جو شخص حقتعالیٰ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے۔ اس کو دوست رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام کو دوست رکھنا حقتعالیٰ ہی کو دوست رکھنا ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کو دوست رکھتا ہے۔ وہ اس کے محبوب اور رسولؐ کو بھی دوست رکھتا ہے۔ پس متقی لوگوں اور علمائے صالحین کی دوستی حقتعالیٰ ہی کی دوستی ہے اور یہ بات اسبابِ محبت کے جاننے سے معلوم ہو گی۔

پہلا سبب تو یہ ہے کہ آدمی اپنے آپکو اور اپنے کمال کو دوست رکھتا ہے۔ اور اس دوستی کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ حقتعالیٰ کو بھی دوست رکھے۔ کیونکہ آدمی کی ہستی اور اس کے صفات کمال کی ہستی سب حقتعالیٰ ہی کی بخشش کے سبب سے ہوتی ہے۔ اور اس کے پیدا کرنے میں اسکا فضل نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی بھی عالم وجود میں نہ آتا اور اگر اسکا فضل نہ ہوتا۔ تو اس کی حفاظت میں نہ رہتا۔ اور اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو اس کے اعضا اور اس کے اوصاف کمال میں اس سے زیادہ ناقص اور کوئی نہ ہوتا۔ پس تعجب ہے اس شخص پر جو دھوپ سے بھاگ کر سایہ اور درخت کو دوست رکھے اور درخت کو جس کے سبب سے سایہ کا قیام ہے اس کو دوست نہ رکھے۔ اور انسان اس بات سے واقف ہے کہ جسطرح سایہ کا قیام درخت کے وجود سے ہے اسی طرح انسان کی ذات کی ہستی اور صفات کا قیام حقتعالیٰ سے ہے پس کیونکر حقتعالیٰ کو دوست نہ رکھے۔ اگر شاید اس وجہ سے کہ اسے جانتا نہ ہو۔ اور اس بات میں شک نہیں کہ جاہل انسان حقتعالیٰ کو دوست نہیں رکھتا۔ کیونکہ اسکی دوستی تو اسے پہچاننے کا ثمرہ ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ آدمی ایسے سبب کو دوست رکھتا ہے۔ جو اس کے ساتھ نیکی کرتا ہے اور اس لحاظ سے حقتعالیٰ کے سوا جسکو بھی دوست رکھیگا۔ تو یہ اسکی جہالت پر مبنی ہوگا۔ کیونکہ اسپر حقتعالیٰ کے سوا اور کسی

نے کچھ احسان نہیں کیا ہے۔ اور نہ کوئی شخص کچھ احسان کر سکتا ہے۔ اور حقتعالیٰ کے احسانات جو اپنے بندوں پر ہیں۔ وہ حدِ شمار سے باہر ہیں۔ جیساکہ شکر اور تفکر کے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور وہ احسانات جو تجھے دوسروں سے نظر آتے ہیں۔ وہ بھی تیری نادانی اور جہالت ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی اسوقت تک تجھ کو نہیں دے سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ اس پر ایک موکل مقرر نہ کرے۔ کیونکہ حقتعالیٰ کی ذات اس کے دل میں یہ بات پیدا کر دیتی ہے کہ تجھکو دینے میں دین و دنیا میں اس کے لئے بہتری ہے۔ اور اسکی مراد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ تو وہ شے درحقیقت اس نے اپنے آپ ہی کو دی۔ اور تجھکو تو فقط اس نے ثواب آخرت یا دنیا میں نیک نامی کا ایک ذریعہ قرار دے لیا۔ اور حقیقت میں وہ شے تجھ کو حق تعالیٰ ہی نے عطا فرمائی کیونکہ حقتعالیٰ نے بلاغرض اسپر ایک موکل مقرر فرمایا۔ جو اس کو اس اعتقاد اور داعیہ کی طرف لایا۔ کہ اس نے وہ شئے تجھکو دیدی۔ اس مضمون کو فصلِ شکر میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

تیسرا سبب یہ ہے۔ کہ بعض اشخاص نیکی کرنیوالے کو اچھا جانتے ہیں۔ اور دوست رکھتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے اس کے ساتھ کوئی نیکی نہ کی ہو۔ جیسے کہ کوئی شخص یہ سنتا ہے۔ کہ مغرب میں ایک بادشاہ ہے جو اپنے عدل و انصاف سے لوگوں کو خوش رکھتا ہے۔ اور کسی کو اپنی مملکت میں ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ تو بالضرور اس شخص کی طبیعت ایسے بادشاہ کو دوست رکھتی ہے۔ اگرچہ وہ جانتا ہو کہ میں اس بادشاہ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ اور اس سے مجھکو کوئی بھلائی نہ پہنچے گی۔ تو اس لحاظ سے حقتعالیٰ کے سوا کسی کو دوست رکھنا جہالت اور نادانی ہے کیونکہ احسان کا موجب ہے۔ اور باعث درحقیقت وہی ہے۔ اور دنیا میں جس شخص سے احسان ظہور پذیر ہوتا ہے۔ محض اسی کے حکمِ محکم کیوجہ سے ہوتا ہے۔ ورنہ خلق کے پاس کیا نعمت ہے۔ احسان یہ ہے کہ حقتعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ اور حسب ضرورت سب کچھ خلق کو عنایت فرمایا۔ حتیٰ کہ جس شے کی خلق کو ضرورت نہ تھی۔ فقط اس سے زیب و زینت تھی۔ وہ مرحمت فرمائی۔ اور یہ بات آدمی کو اس طریق سے معلوم ہو سکتی ہے۔ کہ وہ ملکوتِ زمین و آسمان اور نباتات وحیوانات میں غور و فکر سے کام لے۔ تاکہ اسکو حقتعالیٰ کے بے شمار احسان و انعام اور عجائبات نظر آئیں۔

چوتھا سبب یہ ہے۔ کہ آدمی کسی کو حسن و جمال کیوجہ سے دوست رکھتا ہے۔ یعنی جمال باطنی کے سبب جیساکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دوست رکھتا ہے۔ یا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہے۔ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوست رکھتا ہے۔ اور کوئی شخص سب کو دوست رکھتا ہے۔ بلکہ پیغمبروں کو بھی دوست رکھتا ہے اور اس محبت کا سبب محض ان بزرگان کا حسن ظن باطنی اور صفات ذاتی ہوتے ہیں۔ اگر تم غور کرو گے۔ تو تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس باطنی حسن و جمال کا حاصل تین اشیا ہیں

ایک تو علم کی خوبی ہے۔ کیونکہ علم اور عالم اسوجہ سے محبوب ہے۔ کہ شریف اور نیک ہے۔ اور جس قدر علم زیادہ اور شریف تر ہوتا ہے۔ اسی قدر وہ جمال بھی زائد ہوتا ہے۔ اور تمام علوم سے زیادہ افضل حقتعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور اس کی درگاہ کی معرفت۔ جو ملائکہ۔ رسولوں۔ اور کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر اور دنیا و آخرت کے ملک و ملکوت کی تدبیروں پر شامل ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور صدیق لوگ اس سبب سے محبوب ہیں کہ انہیں ان علوم میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

دوسری خوبی قدرت۔ جیسے انسان کی قدرت اپنے نفس کی اصلاح پر اور حقتعالیٰ کے بندوں کی اصلاح پر اور ان کی سیاست پر اور ظاہر کی مملکت اور دین کی حقیقت میں انتظام رکھنے پر۔ تیسری۔ تنزیہ اور پاکی کی خوبی یعنی عیوب و نقائص۔ اور خباثت اخلاق باطنی سے پاک و منزہ رہنے کی خوبی آدمی کے افعال محبوب نہیں ہوتے۔ بلکہ یہی صفات محبوب ہوتی ہیں۔ کیونکہ جو فعل ان صفات کے سبب سے نہیں ہوتا۔ وہ محمود نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ فعل جو اتفاقاً سرزد ہو۔ یا غفلت کیوجہ سے۔ پس جس شخص میں یہ صفات کامل طور پر ہوتی ہیں۔ اس کی محبت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس سبب سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لوگ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ اب تم کو ان تین صفات میں غور کرنا چاہئیے۔ اور یہ دیکھنا چاہئیے کہ حقتعالیٰ میں یہ تینوں صفات ہیں۔ اور حقتعالیٰ محبت و دوستی کا مستحق ہے۔ کیونکہ کوئی بھی ایسا شخص موجود ہے جو یہ نہ جانتا ہو۔ کہ حقتعالیٰ کے علم اول و آخر کے سامنے فرشتوں اور آدمیوں کا علم بالکل ناچیز اور بے حقیقت ہے۔ اور حقتعالیٰ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ یعنی تم کو بہت تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے۔ اگر تمام عالم جمع ہو کر ایک مچھر کی حقیقت کو دریافت کرنا چاہے۔ تو نہیں کر سکتا۔ اور جس قدر بھی انہیں معلوم ہوگا۔ وہ خدا ہی کی طرف سے معلوم ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے یہ علم ان میں پیدا کیا ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ یعنی حقتعالیٰ نے آدمی کو پیدا کیا۔ اور بات کہنا تعلیم فرمایا اور پھر تمام مخلوق کے علوم محدود ہیں۔ اور جس شے کی طرف نسبت ہو۔ حقتعالیٰ کا علم بے نہایت ہے۔ اور مخلوق کا علم اس کی ذات سے ہے پس سب اسی کا علم ہے۔ اس کا علم خلق سے نہیں۔ اور اگر تم قدرت پر غور کرو گے تو دیکھو گے۔ قدرت بھی محبوب و مرغوب ہے۔ اور اس وجہ سے جناب علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت اور جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیاست تمام لوگوں کو عزیز ہے۔ کیونکہ یہ ہر دو صفات ایک قسم کی قدرت ہیں۔ اور حقتعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے مخلوق کی قدرت کیا شے ہے۔ بلکہ تمام مخلوق اس کے روبرو عاجز ہے۔ صرف ان میں اتنی ہی قدرت ہے۔ جتنی کہ حق تعالےٰ نے انکو عنایت کی۔ اگر مکھی کوئی انکی شے کھا جاتی ہے۔ تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ حقتعالیٰ نے انکو کیسا عاجز کیا ہے پس وہ حق

تعالیٰ ہی کی قدرت ہے۔ جو بے نہایت ہے۔ کیونکہ یہ تمام زمین و آسمان جن و بشر حیوانات و نباتات اسکی قدرتِ کاملہ سے عالم وجود میں آئے ہیں۔ اور وہ اسی قسم کی الیٰ غیر النہایت اشیاء کے پیدا کرنے پر قادر ہے پھر یہ کس طرح درست ہوگا۔ کہ قدرت کے سبب سے لوگ خدا کے سوا کسی اور کو دوست رکھیں۔ اور عیوب سے پاک رہنے کی صفت بکمال آدمی میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کا پہلا نقص جو ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ بندہ ہے اور اس کی ہستی خود اپنے سبب سے نہیں۔ بلکہ کسی دوسرے کا پیدا کردہ ہے۔ اور اس سے زیادہ اور کیا نقص ہوگا اور پھر آدمی جب اپنے باطن کے احوال سے بے خبر ہے۔ تو وہ دوسری اشیا کو کب معلوم کر سکیگا۔ اور اس کے دماغ میں اگر ایک رگ ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ تو وہ دیوانہ اور مجنون ہو جاتا ہے۔ اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اسکا سبب کیا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ اسکی دوا اس کے سامنے رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ اگر آدمی کی عاجزی اور نادانی کا حساب کیا جائے تو ایک ذرہ سا علم اور ذرہ سی قدرت جو اس کو حاصل ہے۔ وہ اس کے عجز و جہل میں نیست و نابود ہو جائے اگرچہ وہ صدیق ہو یا پیغمبر پس وہی خالق عیوب سے پاک ہے جسکا علم بے نہایت ہے۔ اور جس میں جہالت و کدورت کو دخل نہیں۔ اور جس کی قدرت درجہ کمال پر ہے۔ کیونکہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ اگر وہ تمام مخلوق کو ہلاک کر ڈالے۔ تو اسکی بزرگی اور بادشاہی میں ایک ذرہ بھی کمی واقع نہ ہو۔ اور اگر وہ لاکھ عالم ایک لمحہ میں پیدا کرنا چاہے۔ تو پیدا کر سکتا ہے۔ اور اس پیدا کرنے سے اسکی عظمت میں ایک ذرہ بھر بھی ترقی نہ ہوگی۔ کیونکہ بڑھنے کو اس کی ذات میں دخل نہیں۔ اور وہ تمام عیوب سے پاک ہے یعنی کو اس کی صفات و ذات میں راہ نہیں۔ بلکہ نقصان خود اسکی ذات میں ممکن نہیں پس جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے کو دوست رکھے یہ اسکی کمال جہالت اور نادانی ہے اور یہ محبت اس محبت سے زیادہ کامل ہوتی ہے۔ جو احسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ محبت (جو احسان کی وجہ سے ہوتی ہے) تو محسن کے زیادہ یا کم ہونیکے ساتھ ساتھ کم اور زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جب حقتعالیٰ کی بزرگی اور پاکی محبت کا سبب ہوتی ہے۔ تو بہر حال اس کا عشق کامل ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ تھی جو حقتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ وہ بندہ مجھکو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ جو عذاب کے خوف سے اور نعمت کے لالچ سے میری بندگی نہیں کرتا بلکہ بندگی کر کے میری ربوبیت کا حق ادا کرتا ہے۔ اور زبور شریف میں ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ ظالم ہے جو بہشت کی آرزو اور دوزخ کے خوف سے میری عبادت کرتا ہے اور کیا اگر میں بہشت و دوزخ پیدا نہ کرتا۔ تو بندگی کا مستحق نہ تھا دوستی و محبت کا پانچواں سبب مناسبت ہوتی ہے۔ اور آدمی کو بھی حق تعالےٰ کے ساتھ ایک مناسبت حاصل ہے ارشاد ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اور حدیث شریف میں اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اور اس حدیث شریف میں اس نسبت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ جو حدیث قدسی میں بیان ہوا ہے کہ حقتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی زبانی ارشاد کیا ہے۔ کہ میرا بندہ مجھ سے تقرب ڈھونڈھتا ہے۔ تاکہ میں اسکو اپنا دوست بناؤں اور جب میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں۔ تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں اور اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں اور اسکی زبان بن جاتا ہوں۔ اور یہ جو ارشاد کیا ہے۔ کہ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ یَامُوسٰی یعنی اے موسیٰ میں بیمار ہوا تو تو میری عیادت کو نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ بار خدایا۔ تو تو تمام مخلوق کا مالک اور خداوند ہے تو بھلا کیونکر بیمار ہوگا۔ حقتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ہمارا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا۔ اگر تم اس کی عیادت کو جاتا۔ تو گویا وہ ہماری عیادت ہوتی۔ اور اور صورت آدم کی مناسبت کا ذکر ہم نے عنوانِ کتاب میں کر دیا ہے۔ اور اس قسم کے بہت سے بیانات ہیں۔ جنکا ذکر کرنا کتابوں میں غیر مناسب ہے۔ عوام کے افہام انکے سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ بلکہ بہت سے زیرک اور عقلمند اس مقام میں منہ کے بل گر پڑے۔ بعض تو تشبیہ کے قائل ہو گئے۔ اور انکی سمجھ میں نہ آیا کہ سوائے ظاہری صورت کے اور کوئی صورت ہی نہیں اور بعض نے حلول و اتحاد کا عقیدہ جما لیا۔ تو گویا اس بات کا سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ یہاں ہمارا مقصد یہ ہے۔ کہ جب تم اسباب محبت سے واقف ہو گئے۔ تو یہ سمجھ لو کہ حقتعالیٰ کی محبت کے سوائے جو محبت ہے وہ محض نادانی اور جہالت ہے یعنی سوائے حقتعالیٰ کے کسی اور کو دوست رکھنا حماقت ہے اور متکلم نے جو یہ کہا ہے کہ ہم اپنے غیر جنس کو کس طرح دوست رکھ سکتے ہیں۔ اور چونکہ خدا ہماری جنس سے نہیں ہے تو اس لئے اسکا دوست رکھنا بھی محال ہے تو اسے یہ سمجھنا چاہیئے کہ حقتعالیٰ کی محبت سے مراد اسکی فرمانبرداری۔ اور متکلم کی اس بات سے اس کی اس سادہ لوحی کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ بیچارا نادان دوستی سے اسی شہوت کے سوا جس کی وجہ عورتوں کو پیار کرتے ہیں اور کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ شہوت مجالست کی طالب ہے۔ مگر جس محبت کا ذکر ہم نے کیا ہے وہ باطنی جمال و کمال کی خواہاں ہے مجالست صوری کی خواہاں نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو شخص کسی پیغمبر کو دوست رکھتا ہے تو وہ اس لئے دوست نہیں رکھتا کہ اس کی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہیں۔ بلکہ پیغمبر کو اسکی مناسبت باطنی کے سبب سے دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس طرح زندہ۔ عالم۔ ارادہ کرنے والا اور بولنے والا ہے۔ مگر یہ صفات پیغمبر کی ذات میں کمال طور پر ہوتی ہیں۔ اور اس مناسبت کی اصل یہاں بھی ہے مگر کمال صفات میں حد درجہ کا فرق ہے اور جو دوری زیادتی کمال کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے وہ محبت کو بڑھاتی ہے اور جو محبت مناسبت پر موقوف ہوتی ہے اس کے اصل کو منقطع نہیں کرتی اور سب لوگ اس قدر مناسبت کے اقراری ہیں۔ اور اسقدر مناسبت کو سمجھتے ہیں اگرچہ مناسبت کے بھید اور اس کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں چنانچہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اس کے متعلق خبر دی گئی ہے۔ کہ حق تعالیٰ کے دیدار جیسی لذت کسی شئے میں نہیں۔ اور جاننا چاہیئے کہ مسلمانوں کا یہ تمام مذہب زبانی ہے کہ حقتعالیٰ کے دیدار جیسی لذت کسی شئے میں نہیں اور اگر وہ اپنے دل میں تحقیق کریں کہ اس شئے کا دیدار جو نہ تو کسی جانب ہو۔ نہ اسکی شکل ہو۔ نہ رنگ ہو کیا لذت رکھتا ہے۔ وہ اسکو تو نہ سمجھ سکیں گے۔ مگر اس خوف سے

کہ یہ مضمون شروع میں آیا ہے۔ اس کا اقرار زبانی طور پر کر لیں گے۔ لیکن ان کا دل شوق سے خالی ہوگا۔ اس لئے کہ آدمی جس چیز سے واقف ہی نہیں۔ اس کا مشتاق کس طرح ہوگا۔ اگرچہ اس راز کی تحقیق اس کتاب میں مشکل ہے۔ لیکن ہم اشارۃً اس کا ذکر کرتے ہیں۔ جاننا چاہیئے۔ کہ یہ بات چار اصول پر موقوف ہے۔ ایک تو یہ کہ آدمی اس بات کو جان لے کہ حق تعالےٰ کا دیدار حق تعالےٰ کی معرفت سے خوش تر ہے۔ دوسری یہ کہ حق تعالےٰ کی معرفت غیر حق کی معرفت سے بہتر ہے تیسری یہ کہ دل کو علم معرفت راحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ بغیر اسباب کے آنکھ اور بدن کا اس میں حصہ ہو۔ چوتھی یہ کہ جو خوشی دل کا حصہ ہے۔ وہ ان خوشیوں سے جو حواس کا حصہ ہیں۔ خوش تر اور غالب تر اور قوی تر ہوتی ہے۔ پس جب ان چاروں اصلوں سے واقف ہو جائے گا۔ تو اس کو یہ بات بالضرور معلوم ہو جائیگی کہ حق تعالےٰ کے دیدار کے سوا اور کوئی شے زیادہ خوش تر نہیں۔

پہلی اصل اس بیان میں کہ دل کو معرفت میں بلاشرکت بدن کے لذت ہے

جاننا چاہیئے کہ حق تعالےٰ نے انسان کو بہت سی قوتیں عطا فرمائی ہیں اور ہر قوت ایک علیحدہ علیحدہ کام کیلئے مقرر ہے اور وہی کام اس کی طبیعت کا مقتضیٰ ہے۔ اور اس طبیعت کے مقتضیٰ میں اس کے لئے لذت ہے جیسا کہ قوت غضبیہ کو انتقام و غصہ کیلئے پیدا فرمایا ہے اور اس میں اس کی لذت رکھی ہے۔ اور قوتِ شہوت کو حصول غذا کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس میں اس کی لذت رکھی ہے اور قوت سمع و بصر وغیرہ کو بھی اسی طور پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اور ہر قوت ایک اور ہی لذت رکھتی ہے اور یہ لذات مختلف ہیں جس طرح کہ جماع کی لذت غصہ کی لذت سے بالکل مختلف ہے اور یہ لذات بلحاظ قوت کے بھی مختلف ہیں بعض تو نہایت قوی ہیں اور بعض نہایت ضعیف ہیں جیسے کہ لذتِ چشم جو خوبصورت کے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے وہ ناک کی لذت سے جو خوشبو سونگھنے سے پیدا ہوتی ہے زیادہ غالب ہے۔ اور حق تعالےٰ نے آدمی کے دل میں ایک قوت پیدا فرمائی ہے۔ جس کا نام عقل و نور ہے۔ اور اسے ان چیزوں کے پہچاننے اور جاننے کے لئے پیدا کیا ہے جو حس و خیال میں نہیں آتیں۔ اور معرفت عقل کی طبیعت کا یہی مقتضیٰ ہے اور اس میں اس لئے لذت ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے اس بات کو جانے۔ یہ عالم جو پیدا ہوا ہے۔ اسے ایک مدبر حکیم و قادر کی ہمیشہ حاجت ہے اور اس طرح صانع کی صفتوں اور مصنوعات میں اس کی حکمت کو جانے۔ یہ باتیں حس و خیال سے بالا ہیں۔ ان کو اسی قوت سے جانے اور استنباط کرے۔ جیسے وضعِ صفت اور تصنیف کتاب اور ہندسہ کا وضع کرنا اور علوم دقیقہ کا ایجاد کرنا ہے۔ اور اس قوت کو ان تمام امور سے لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک خفیہ سے علم کی مہارت کی بنا پر اس کی تعریف کریں۔ تو اس تعریف سے خوش ہوتا ہے اور اگر کہیں نہیں جانتا ہے تو ناراض ہوتا ہے اس لئے کہ وہ علم

کو کمال سمجھتا ہے۔ بلکہ اگر وہاں بیٹھے جہاں شطرنج کھیلا جا رہا ہو۔ اور اگر اس سے کہیں کہ چال نہ بتانا۔ اور اس سے بہت سی خبر الٹا کریں تو یہ تب بھی ہر گز خاموش نہیں رہتا اور ایسے خسیس علم کی خوشی میں بیتاب ہو کر چاہتا ہے کہ اس کے سبب سے فخر کرے اور بھلا کیونکر آدمی کو علم خوش معلوم نہ ہو۔ اور وہ بھلا کیوں اس کے سبب سے فخر نہ کرے اس واسطے کہ علم حق تعالیٰ کی صفات میں ایک صفت ہے اور آدمی کے نزدیک اس کے کمال سے زیادہ اچھی اور کیا شئے ہوگی۔ اور اس کمال سے بڑھکر اور کونسا کمال ہوگا جو حق تعالیٰ کی صفات سے حاصل ہو۔ پس اس اصل سے تم کو معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ دل کو معرفت سے ہر حال میں لذت حاصل ہوتی ہے بلا اس کے کہ اس میں آنکھ اور بدن کو دخل ہو۔

دوسری اصل اس بیان میں کہ لذّتِ علم و معرفت جو دل کو ہوتی ہے وہ لذّتِ محسوسات اور لذّتِ شہوت سے زیادہ قوی ہے

جاننا چاہیے۔ کہ جس وقت کوئی شطرنج کھیلتا ہے۔ اور اس نے تمام دن کھانا نہیں کھایا ہوتا۔ اگر اس کو کھانا کھانے کے لیے کہیں۔ تو وہ نہیں کھاتا اور کھیل میں مشغول رہتا ہے تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ بازی کھیلنے اور مات دینے کی لذت کھانا کھانے سے زیادہ قوی ہے اور اسی واسطے شطرنج کھیلنے کو کھانے پر مقدم رکھا۔ پس لذّت کی قوت کو ہم اس طرح پہچانتے ہیں کہ جب وہ خواہشات جمع ہو جائیں۔ تو ایک کو مقدم رکھتا ہے۔ پس جو شخص نہایت عقلمند ہوتا ہے اس پر اقواتِ باطن کی لذآت زیادہ غالب ہوتی ہیں اسواسطے کہ اگر کسی عاقل کو ہم اختیار دیں۔ کہ لوزینہ اور بھنا ہوا مرغ کھائے یا کوئی ایسا کام کرے۔ جس سے دشمن مغلوب ہو اور اسے ایک ریاست مل جائے۔ تو وہ عقلمند ریاست اور فتحمندی کو اختیار کرتا ہے۔ مگر وہ شخص اختیار نہیں کرتا۔ جس کی عقل ناقص ہو۔ جیسے کہ لڑکا۔ یا اس کی عقل ضائع ہوگئی ہو۔ یا خبطی یا مجنون وغیرہ۔ پس وہ شخص جس میں کھانا کھانے کی خواہش اور جاہ و ریاست کی خواہش دونوں پیدا ہوئی ہوں۔ تو وہ طلب جاہ کو مقدم رکھتا ہے۔ تا معلوم ہوتا ہے۔ کہ علم و معرفت کی لذّت تمام لذآت سے بہتر ہے۔ اس طرح وہ عالم جو مثلاً علم ہندسہ یا علم حساب یا علم طب یا علم شریعت وغیرہ سیکھتا ہے تو اسے اس کے سیکھنے سے ایک لذّت حاصل ہوتی ہے اور اگر وہ اس علم میں کامل ہوتا ہے۔ تو یہ لذت دوسری تمام لذآت پر فوقیت رکھتی ہے اور غالب ہوتی ہے۔ بلکہ وہ تو ریاست اور حکومت پر بھی اسے ہی ترجیح دیتا ہے اور اگر وہ علم میں ناقص ہے اور اس نے اس کی لذّت کو اچھی طرح حاصل نہیں کیا۔ تو اس کی علیحدہ بات ہے۔ پس اس تقریر سے یہ واضح ہوگیا کہ علم و معرفت کی لذّت تمام لذآت پر فوقیت رکھتی ہے لیکن اس شخص کے لئے جو علم و معرفت میں کامل ہو۔ اور اس میں حق تعالےٰ نے دونوں خواہشوں کو بھی پیدا

کیا ہو. اس لئے اگر بچہ یا بجانے کو لذت مباشرت اور لذت ریاست پر مقدم رکھے. تو ہم شک میں نہ پڑیں گے. کیونکہ یہ تو خود اس کے اپنے ذاتی نقص کی وجہ سے ہے کیونکہ اس میں اس کی خواہش نہیں ہوتی. اس دلیل کی بناء پر کہ جب ریاست و مباشرت یعنی دونوں خواہشات پیدا ہوتی ہیں. تو ریاست ہی کی خواہش مقدم رہتی ہے.

تیسری اصل اس بیان میں کہ حقتعالیٰ کی معرفت

دوسری تمام معرفتوں سے افضل ہے

جب یہ بات واضح ہوگئی. کہ علم و معرفت خوشتر ہے. تو اس میں شک نہیں کہ بعض علوم بعض علوم سے خوش تر ہوتے ہیں. اور جس قدر معلوم زیادہ شریف ہوتا ہے. اس قدر اس کا علم بھی زیادہ شریف ہوتا ہے. کیونکہ شطرنج وضع کرنے کا علم شطرنج کھیلنے کے علم سے بہتر ہے. اور ملک رانی کا علم زراعت و خیاطی کے علم سے افضل ہے. اور خالق شرع اور اس اسرار کا علم نجوم اور علم لغت سے بہتر ہے. اور وزارت میں وزارت کے اسرار بازاریوں کے بھیدوں سے اور بادشاہ کے اسرار سے واقف وزیر کے اسرار کے واقف ہونے سے بہتر ہے. پس معلوم جس قدر شریف تر ہوتا ہے اسی قدر اس کا علم بھی شریف تر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ جو ہر ایک قسم کے جمال و کمال کے پیدا کرنے والا ہے. اس سے زیادہ دنیا میں اور کون سی شریف و بزرگ تر اور کامل تر شئے ہو سکتی ہے. اور کسی بادشاہ کی تدبیر جو اس کی مملکت میں ہے کیا وہ حق تعالیٰ کی تدبیر کی مانند ہو سکتی ہے. جو زمین و آسمان کی بادشاہت اور دنیا و آخرت کے کاموں میں ہے اور کیا کوئی دربار اس کی درگاہ سے بہتر اور کامل تر ہے پس جس کسی کو جناب الٰہی کا نظارہ کرنے والی آنکھ نصیب ہوئی. اور اس کے اسرارِ مملکت کو اس ملک کے اسرار سے بہتر سمجھا. بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص اس کی جناب کا نظارہ چھوڑ کر کسی اور شئے کے نظارہ میں مشغول ہو. پس ان تمام امور سے ثابت ہوا. کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی بادشاہت اور اس کے خدائی اسرار کی معرفت تمام معرفتوں سے بہتر و افضل ہے. اس لئے کہ یہ معلوم شریف تر ہے. بلکہ شریف تر کہنا بھی غلطی ہے. اس لئے کہ جب تو کسی دوسری شئے کو اس کی طرف کرے گا. تو اس چیز کو شریف کہنا لائق نہیں. تو پھر اس حضرت کو شریف تر کیسے کہے گا پس عارف اس جہاں میں ایسی بہشت کے اندر رہتا ہے جس کی یہ صفت حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ یعنی اس کی چوڑان زمین و آسمان کی چوڑان سے بھی زیادہ ہے. بلکہ اس کی وسعت اس سے بھی زیادہ ہے. اس لئے کہ زمین و آسمان کی چوڑان کی ایک حد ہے اور معرفت کے میدان کی کوئی نہایت نہیں اور وہ باغ جو عارف کے لئے تماشا گاہ ہے اس کا کنارہ ہی نہیں اور زمین و آسمان کے کنارے ہیں اور اس باغ

کے میوے نہ ٹوٹتے ہیں۔ اور نہ کوئی ان سے مانع ہے۔ بلکہ ہمیشہ رہتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ
اس لئے کہ جو شئے عارف کے دل میں ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ نزدیک اور کوئی شئے نہیں ہوتی۔ اور اس بہشت میں کسی قسم کی
مزاحمت، ممانعت، کینہ، حسد، بغض وغیرہ کو مطلقاً دخل نہیں۔ اس لئے کہ جتنا زیادہ عارف ہوتا ہے۔ اسی قدر اس کے انس میں
ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ ایسی بہشت ہے جو رہنے والوں کی کثرت کے سبب سے تنگ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی وسعت زیادہ
ہو جاتی ہے۔

چوتھی اصل اس بیان میں کہ لذّتِ نظر لذّت معرفت زیادہ ہے

اس امر کو سمجھنا چاہئے کہ جاننا دو قسم پر ہے۔ ایک تو وہ ہوتا ہے جو خیال میں آئے۔ جیسے رنگ شکل۔ اور
ایک وہ جو خیال میں تو نہ آئے لیکن عقل اس کو دریافت کرے جیسے کہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات بلکہ بعض
خود تیری صفات خیال میں نہیں آتیں۔ جیسے قدرت اور ارادہ اور حیات اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی چگونگی
نہیں اور یہ خیال میں نہیں آتیں۔ بلکہ خشم و عشق اور شہوت و زور و راحت ان سب کو بھی چگونگی نہیں اور خیال
میں نہیں سماتیں۔ اور عقل ان سب کو دریافت کر لیتی ہے اور جو شئے خیال میں آتی ہے اس کو آدمی دو طرح پر
ادراک کرتا ہے۔ ایک تو وہ ہے۔ جو خیال میں حاضر ہوتی ہے۔ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور یہ ناقص ہے۔
دوسرا یہ کہ وہ نظر آئے۔ اور یہ کامل تر ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ معشوق کے خیال سے معشوق کے دیدار کی
لذت بہت زیادہ ہے اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ دیدار میں اس کی صورت دوسری ہوتی ہے صورت خیال سے
بہتر یا صورت خیال کے مخالف۔ بلکہ صورت تو وہی ایک ہی ہوتی ہے۔ لیکن خیال سے زیادہ روشن دکھائی
جیسے کہ آدمی اگر معشوق کو دن چڑھے دیکھتا ہے۔ تو آفتاب کے نکلتے وقت دیکھنے سے زیادہ لذت پاتا ہے۔ اور
اس کا سبب یہ نہیں ہوتا۔ کہ صورت بدل جاتی ہے۔ بلکہ باعث یہ ہوتا ہے کہ دن چڑھے صورت زیادہ روشن دکھائی
دیتی ہے۔ اس طرح وہ شئے جو خیال میں نہیں آتی۔ اور عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک
کو تو معرفت کہتے ہیں۔ اور دوسری معرفت سے بڑھ کر ایک اور درجہ ہے۔ اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ اور کمال
انکشاف میں اس کی نسبت معرفت کے ساتھ ایسی ہے۔ جیسے دیدار کی نسبت خیال کے ساتھ۔ اور جس طرح
کہ پلک کا بند لینا آنکھ کے لئے ایک پردہ ہے اور وہ خیال کو نہیں روکتا۔ اور جب تک یہ خیال نہ مٹ جائے
یعنی آنکھ نہ کھلے دیدار حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس بدن کے ساتھ جو پانی اور مٹی سے بنا ہے آدمی کا تعلق اور
دنیوی خواہشات میں اس کا مشغول رہنا مشاہدہ کے لئے حجاب ہے لیکن معرفت کے لئے مانع نہیں مگر جب تک یہ تعلق منقطع
نہیں ہوتا مشاہدہ غیر ممکن ہے۔ اور یہی وجہ تھی جو حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ لَنْ تَرَانِي

یعنی تو مجھے نہ دیکھ سکے گا۔ اور جب مشاہدہ روشن تر اور کامل تر ہوتا ہے۔ تو اس کی لذت بھی زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ بہ نسبت خیال کے دیدار میں زیادہ لذت ہوتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ اصلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح نطفہ سے آدمی بن جاتا ہے۔ اور تخم خرما درخت بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہ معرفت کل قیامت کے روز اور ہی صفت اختیار کرے گی۔ اور اسے پہلی نسبت سے کچھ نسبت نہ رہے گی۔ اور درجۂ کمال تک پہنچ جائے گی۔ اور یہ گردش اسے اور روشن بنا دے گی۔ اور اسے مشاہدہ نظر اور دیدار کہتے ہیں۔ اس لئے کہ دیدار کمال ادراک سے عبارت ہے اور یہ مشاہدہ اس ادراک کا درجہ کمالیت ہے۔ اس لئے جس طرح اس جہاں میں معرفت جہت کی طالب نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ مشاہدہ بھی جہت کا طالب نہ ہوگا۔ پس معرفت جو ہے تو وہ دیدار کے لئے بمنزلہ تخم کے ہے۔ جس شخص کو معرفت حاصل نہیں۔ وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہے گا۔ کیونکہ جس شخص کے پاس تخم نہیں ہوتا۔ وہ زراعت نہیں کر سکتا ہے اور جو بڑا عارف ہوگا۔ اس کا دیکھنا یعنی دیدار الٰہی سے مشرف ہونا بھی بطریق کامل ہوگا اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ کہ دیدار اور لذتِ دیدار میں تمام لوگ یکساں ہوں گے۔ بلکہ ہر شخص اپنی اپنی معرفت کے مطابق دیدار سے مشرف ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لِلنَّاسِ عَامَّۃً وَّلِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً یعنی حق تعالیٰ عوام کے لئے بالعموم تجلی فرمائے گا۔ اور حضرت صدیق رضہ کے لئے بالخصوص۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق تعالیٰ کو تنہا دیکھیں گے اور سب ساتھ دیکھیں گے۔ بلکہ جو دیدار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوگا۔ وہ اوروں کو نصیب نہ ہوگا۔ اور وہ دیدار انہی کے لئے خاص ہے اس لئے کہ اس خصوصیت کا باعث معرفت کا کمال ہے کہ جس سے دوسرے لوگ محروم ہیں اور یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ پر نماز روزہ کے سبب سے فضیلت نہیں ہے بلکہ ایک بھید کے سبب سے ہے۔ جو حضرت صدیق رضہ کے دل میں قرار پکڑ گیا ہے۔ اور یہ اسی معرفت کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہی معرفت دیدار الٰہی کا باعث ہوگی۔ جو خاص طور پر حضرت صدیق اکبر رضہ کے حصہ میں آئے گا۔ باوصف اس کے کہ حق تعالیٰ ایک ہی ہے۔ مگر دیدار میں خلق کا تفاوت ہی ایسا ہے جیسے کہ ایک صورت کا تفاوت کہ کئی آئینوں میں مختلف طور پر نظر آتی ہے کوئی تو چھوٹی ہوتی ہے اور کوئی بڑی۔ کوئی روشن ہوتی ہے اور کوئی تاریک۔ کوئی ٹیڑھی اور کوئی سیدھی۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کا ٹیڑھا پن اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اچھی صورت بھی بری دکھائی دینے لگتی ہے جیسا کہ اچھی صورت کو اگر تلوار کی چوڑان میں دیکھیں۔ تو بری نظر آتی ہے اور جو شخص اس جہاں سے اپنے آئینہ دل کو تاریک لے جاتا ہے یا ٹیڑھا لے جاتا ہے۔ تو جو شے اوروں کے لئے راحت کا موجب ہوتی ہے۔ وہ اس کیلئے تکلیف اور رنج کا باعث ہوتی ہے۔ پس یہ گمان نہ کرنا چاہئے۔ کہ دیدار الٰہی کی جو لذت پیغمبروں کو نصیب ہوگی۔ عوام بھی وہی لذت حاصل کریں گے۔ اور جو لذت علماء کو حاصل ہوگی۔ وہ عوام کو

حاصل نہ ہوگی۔ اور جو لذّت متقی اور محبّ علماء کو حاصل ہوگی۔ وہی لذّت اور علماء کو بھی نصیب ہوگی اور جس عارف پر حق تعالےٰ کی محبت غالب ہوگی۔ اور جس عارف پر اس قدر محبت غالب نہ ہوگی۔ ان دونوں کی لذّت میں فرق ہوگا۔ اور یہ فرق دیدار کی وجہ سے نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ دونوں ایک ہی کو دیکھیں گے۔ کیونکہ دیدار تو معرفت کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اور معرفت دونوں کو ہوتی ہے اور ان دونوں عارفوں کی مثال ایسی ہے جیسے دو شخص برابر کی بینائی والے ایک خوبصورت انسان کو دیکھیں۔ اور ان دونوں میں سے ایک تو اس کا عاشق ہو۔ اور ایک عاشق نہ ہو۔ بات ظاہر ہے کہ عاشق کو زیادہ لذّت حاصل ہوگی۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک زیادہ عاشق ہوگا۔ اور ایک کم ہوگا۔ تو جو زیادہ عاشق ہوگا۔ وہ اپنے عشق کی زیادتی کی بنا پر زیادہ لذّت حاصل کرے گا پس کمال سعادت کے حصول کے لئے صرف معرفت ہی کافی نہیں۔ تاوقتیکہ اس کے ساتھ محبت نہ ہو اور محبت الٰہی اس طرح پر غالب ہوتی ہے۔ کہ دنیا کی محبت سے آدمی کا دل پاک صاف ہو جائے۔ اور اس پاکی کا حصول سوائے زہد و تقویٰ کے ممکن نہیں۔ پس جو عارف محب و زاہد ہوگا۔ اسے لذّت کامل حاصل ہوگی۔

فصل

شاید تو یہ کہے کہ اگر لذّتِ دیدار لذّت معرفت کی قسم سے ہے۔ تو یہ لذّت نہیں ہے اور یہ تو اس لئے کہے گا۔ کہ معرفت کی لذّت سے تجھ کو خبر ہی نہیں۔ محض کسی کتاب میں چند باتیں لکھی دیکھ کر یاد کر لی ہوں گی یا کسی سے سیکھ لی ہوں گی۔ اور انہی کا نام تو نے معرفت رکھ لیا ہے اور کسی صورت میں بھی اس سے لذّت حاصل نہ کر سکے گا۔ اگر کوئی شخص ترنیہ کا نام لوزینہ رکھ کر کھائے۔ تو وہ ہرگز لوزینہ کی لذّت حاصل نہ کرے گا پس جس شخص کو حقیقت معرفت کی لذّت نصیب ہوتی ہے۔ اس کو اس میں مزہ ملتا ہے اگر اس کو اس جہاں میں اس لذّت کے عوض بہشت بھی دیں۔ تو قبول نہ کرے۔ جیسے کہ آدمی سلطنت کی لذّت کو فرج و شکم کی لذّت سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔ اگرچہ لذّت معرفت ایک بہت بڑی لذّت ہے۔ مگر حق تعالےٰ کے دیدار کی لذّت سے اسے کچھ نسبت نہیں۔ جس طرح کہ بھوکا آدمی اگر کھانے کی بُو سونگھے۔ اور اس کے سونگھنے سے جو لذّت اس کو حاصل ہوگی اسے کھانا کھانے کی لذّت سے کچھ مناسبت نہ ہوگی۔ اس طرح معرفت کی لذّت کو لذّت دیدار سے کچھ نسبت نہیں۔ اور جس طرح کہ کھانا کھانے کی لذّت کھانے کی بُو سونگھنے سے زیادہ ہوتی ہے اسی طرح لذّت دیدار لذّت معرفت سے زیادہ ہوتی ہے۔

فصل

شاید تو یہ کہے۔ کہ معرفت تو دل میں ہوتی ہے اور دیدار آنکھ میں۔ پھر بھلا دیدار کی لذّت کیونکر زیادہ ہوگی جاننا چاہیئے کہ دیدار کو دیدار اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ خیال کے کمال پر پہنچنے سے ہوتا ہے اور اس وجہ سے نہیں کہتے کہ وہ آنکھ میں ہوتا ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ دیدار کو پیشانی میں پیدا کر دیتا تو تب بھی دیدار دیدار ہی ہوتا۔ پس دیدار کی جگہ میں الجھ رہنا فضول ہے۔ بلکہ جب دیدار کا لفظ شریعت میں آیا ہے۔ تو یہ ظاہر

ہے کہ اس کا تعلق آنکھ سے ہے۔ اور دیدار آخرت میں بھی آنکھ ہی کو دخل ہے۔ تو یہ جان لینا چاہئے کہ آخرت کی آنکھ دنیا کی آنکھ کی طرح نہ ہو گی۔ کیونکہ اس آنکھ کو بلاجہت کے نظر نہیں آسکتا۔ اور وہ آنکھ بلاجہت کے دیکھے گی۔ عوام کو اس مسئلہ میں بحث کرنا اور تکرار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ کام ان کی طاقت سے بہت بڑھ کر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ بڑھئی کا کام بندر سے ہونا ناممکن ہے۔ اور جس شخص نے فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ علم میں محنت کی۔ اس کی حالت بھی اس مسئلہ میں عامی کی سی ہے۔ اور اس کا حل کرنا اس کا کام نہیں۔ بلکہ جس شخص نے علم الکلام میں محنت کی۔ وہ بھی اس بارہ میں عامی ہے۔ اس لئے کہ وہ عامی کے اعتقاد کی حفاظت کرنے والا ہے یعنی متکلم عامی کے اعتقاد کی اپنے کلام سے نگہبانی کرتا ہے۔ اور بدعتی کے شر و فساد سے عامی کو بچاتا ہے اور جنگ و جدل سے اس کا دفعیہ کرنا جانتا ہے۔ لیکن معرفت کا کوچہ اور ہی ہے اور اس کے ساکن بھی اور ہی ہیں۔ اور یہ کتاب اس مضمون کے بیان کرنے کیلئے کافی نہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسی پر کفائت کریں۔

فصل

شائد تو یہ کہے کہ ایسی لذت جس کے سامنے بہشت کی لذت بھی فراموش ہو جائے میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہر چند علماء نے اس بارہ میں بہت باتیں بیان کی ہیں۔ مگر یہ تو معلوم ہو۔ کہ اس کی تدبیر کیا ہے۔ تاکہ اگر وہ لذت حاصل ہو۔ تو کم از کم اس پر ایمان لانا تو نصیب ہو جانا چاہئے کہ اس کے چار علاج ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں تو حد درجہ کا غور و فکر کرے۔ تاکہ تجھے معلوم ہو جائے۔ کیونکہ جو بات کان میں ایک دفعہ پڑتی ہے۔ وہ ایک بات کے پڑھنے سے دل میں نہیں اُترتی۔ دوسری بات یہ جان لے کہ آدمی کی صفات کو اس طریق پر پیدا نہیں کیا گیا۔ کہ صفاتِ لذت و شہوت اس میں یکبارگی پیدا کر دی گئی ہوں۔ کیونکہ بچہ کو سب سے پہلے کھانے کی لذت پیدا ہوتی ہے۔ اور سوائے اس کے اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن وہ جب سات برس کا ہوتا ہے۔ تو اس میں کھیل کود کی لذت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ کھانا چھوڑ کر کھیلنے کو دوڑ جاتا ہے۔ اور جب وہ دس برس کا ہوتا ہے۔ تو اس میں زیب و زینت اور عمدہ پوشاک پہننے کی خواہش اور لذت پیدا ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی خواہش میں وہ کھیل کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ اور جب اس کی عمر پندرہ برس کی ہوتی ہے۔ اور اس میں عورتوں کی خواہش اور لذت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ عورتوں کے لئے سب کچھ ترک کر دیتا ہے اور جب اس کی عمر بیس برس کی ہوتی ہے۔ تو ریاست و تفاخر و طلب جاہ کی لذت اس میں پیدا ہوتی ہے * ۲۰ برس اس طرح بعد کی ہر لذت کے سامنے پہلے والی لذت حقیر و ناچیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ لذت بھی لذت معرفت کے سامنے بالکل حقیر و لاشے ہو جاتی ہے۔ اور بہشت کی لذت پیٹ، فرج، آنکھ کی لذت سے بڑھ کر نہیں ہے حضرت رابعہؒ ایک خدا رسیدہ بی بی تھیں۔ لوگوں نے آپ کے سامنے بہشت کا ذکر کیا آپ نے فرمایا۔ اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ یعنی پہلے تو صاحب خانہ ہے۔ اور پھر اس کے بعد خانہ ہے۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اور

ص ۷ یہ لذاتِ دنیا کا آخری درجہ ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ الخ۔ پس

* پس جب بیس ۲۰ برس سے بڑھتا ہے تو اگر دنیا نے اسکو بالکل خراب نہیں کیا ہے اور اس کے دل کو بیمار نہیں کر دیا ہے تو عالم اور آفریدگارِ عالم اور اسرارِ ملک و ملکوت کو پہچاننے کی لذت اس میں پیدا ہوتی ہے *

حق تعالیٰ کے ایسے بندے بہت تھوڑے سے ہیں۔ جن کو دوزخ کا خوف اور بہشت کی امید حق تعالیٰ کی یاد سے باز نہیں رکھتی۔ پھر بھلا دنیا ان کو یادِ الٰہی سے کس طرح باز ـــــ رکھ سکے گی۔ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کے دوستوں میں سے ایک نے آپ سے پوچھا کہ فرمایئے تو سہی۔ کہ وہ کون ہے۔ جس نے آپ کو خلق اور دُنیا سے بیزار کیا ہے۔ اور خلوت و عبادت میں مشغول کیا ہے۔ آیا وُہ موت کا خوف ہے۔ یا قبر کا خوف ہے۔ یا دوزخ کا ڈر ہے یا بہشت کی امید ہے فرمایا۔ ان سب کی کیا حقیقت ہے۔ وُہ بادشاہ جس کے قبضہ میں یہ سب کچھ ہے اگر اس کی دوستی و محبت کی لذت کو چکھے۔ تو ان سب کو بھول جائے۔ اور اگر تجھ کو اس کی معرفت اور دوستی نصیب ہو۔ تو ان سب سے ننگ رکھے۔ لوگوں نے بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ تو ان سے کہا۔ کہ ابو نصر تمار اور عبد الوہاب وراق کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حق تعالےٰ نے جانا کہ مجھے کھانے پینے کی رغبت نہیں ہے۔ تو مجھے اپنا دیدار عنایت فرمایا۔ علی ابن الموفق فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بہشت کو خواب میں دیکھا۔ کہ بہت سے لوگ وہاں کھانا کھا رہے تھے۔ اور فرشتے اچھے اچھے کھانے ان کے منہ میں ڈالتے جاتے تھے۔ اور میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ حضرت قدوس کے سامنے آنکھیں لگائے ہوئے مبہوت ہو کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے رضوان سے دریافت کیا۔ کہ یہ کون شخص ہے۔ اس نے کہا۔ یہ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ کہ انھوں نے نہ تو دوزخ کے خوف سے عبادت کی تھی۔ اور نہ بہشت کی امید پر۔ ان کے لئے حق تعالےٰ نے اپنا دیدار مباح کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمتہ اللہ علیہ نے دعا کی۔ کہ بار خدایا تو جانتا ہے۔ کہ جو محبت تو نے مجھ کو عطا فرمائی ہے۔ اور جو انس اپنے ذکر کے ساتھ تو نے مجھ کو مرحمت فرمایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بہشت میرے نزدیک ایک مچھر کے پَر کی بھی قیمت نہیں رکھتا لوگوں نے حضرت رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔ کہ آپ رسولؐ کو کس طرح دوست رکھتی ہیں آپ نے فرمایا۔ یہ بات نہایت مشکل ہے۔ لیکن خالق کی دوستی نے مجھ کو مخلوق کی دوستی سے محفوظ رکھا ہے لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تمام اعمال سے کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا حقتعالیٰ کی دوستی و محبت۔ اور جو کچھ اس نے کیا۔ اس پر اظہار رضا۔ حاصل کلام اس قسم کی احادیث و حکایات بکثرت ہیں اور اس مقدس گروہ (یعنی اہل اللہ) کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت کی لذت بہشت کی لذت سے بہت بڑھکر ہے۔ تجھ کو اس میں غور و فکر سے کام لینا چاہیئے۔

حق تعالیٰ کی معرفت کی پوشیدگی کا سبب

جاننا چاہیئے۔ کہ جس چیز کا جاننا متعذر ہوتا ہے۔ وہ دو سبب کی بنا پر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ وہ چیز

چھپی رہے اور ظاہر نہ ہو۔ دوسری یہ کہ وہ اس قدر ظاہر ہو اور روشن ہو۔ کہ آنکھ اس کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے
اور یہی وجہ ہے کہ چمگادڑ کو دن کو نہیں نظر آتا۔ اور رات کو نظر آتا ہے۔ اس کا سبب رات کو چیزوں
کا ظاہر ہونا نہیں ہے۔ بلکہ دن کو تو چیزیں نہایت ظاہر ہوتی ہیں۔ مگر اس کی آنکھ دن کی طاقت
نہیں رکھتی۔ اور وہ رات کو دیکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی آنکھ ضعیف ہے۔ اسی طرح کمال روشنی
کے سبب سے کہ دلوں میں اس کے دریافت کرنے کی طاقت نہیں۔ حق تعالیٰ کی معرفت مشکل ہوئی
اور حق تعالیٰ کا نور و ظہور اس مثال کے قیاس سے معلوم ہوگا۔ کہ اگر تو ایک خط لکھا ہوا یا سیاہ کپڑا
دیکھتا ہے۔ تو کوئی شے تیرے نزدیک درزی و کاتب کی قدرت و علم و حیات و ارادہ سے زیادہ
روشن نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کا یہ فعل اس کے باطن سے اس طرح روشن طور پہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ علم الیقین
حاصل ہو جائے۔ اگر حق تعالیٰ تمام جہاں میں ایک پرندے سے زیادہ پیدا نہ کرتا۔ یا ایک نباتات
سے زیادہ پیدا نہ فرماتا۔ تو جو شخص بھی ان میں غور کرتا۔ اور دیکھتا تو اس کو صانع کے کمال علم و قدرت
و جلال و عظمت کا پتہ لگتا۔ کیونکہ صانع کے وجود پر مصنوع کی دلالت کاتب پر خط کی دلالت سے
زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن جو شے بھی عالم وجود میں ہے۔ زمین و آسمان۔ حیوانات و نباتات پتھر ڈھیلے۔ بلکہ
ہر وہ شے جو پیدا کی گئی ہے۔ اور وہم و خیال میں آسکتی ہے۔ سب یک زبان ہو کر صانع کے جلال پر گواہی دیتی
ہیں۔ کثرت دلائل اور روشنی کی وجہ سے معرفت پوشیدہ ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی صفت اس کا فعل
اور کوئی صفت کسی دوسرے کا فعل ہوتی تو معرفت ظاہر ہوتی۔ چونکہ تمام مصنوعات ایک ہی صفت پر
ہو گئے۔ اس لئے صانع کی معرفت چھپ گئی۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شے نورِ آفتاب سے
زیادہ روشن نہیں۔ کیونکہ تمام اشیاء اسی کے نور سے ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن اگر آفتاب رات کو غروب نہ ہوتا
یا سایہ کے سبب سے محجوب نہ ہوتا۔ تو کسی کو معلوم نہ ہوتا۔ کہ روئے زمین پر مثلاً ایک ہی نور ہے اس لئے
کہ سوائے سفیدی و سیاہی اور رنگوں کے اور کچھ نہ دیکھتے۔ اور کہتے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں
پس یہ جو انہوں نے جانا۔ کہ نور رنگوں سے ایک علیحدہ ہی شے ہے۔ کہ رنگ اس سے پیدا ہوتے ہیں
اور یہ اسی سبب سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو رنگ پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور سایہ میں اس قدر پوشیدہ
ہو جاتے ہیں۔ کہ نور آفتاب سے اس قدر ظاہر نہیں ہوتے۔ پس آفتاب کی ضد سے لوگوں نے آفتاب
کو پہچانا۔ اور اگر اسی طرح خالق کا غائب و معدوم ہونا ممکن ہوتا۔ تو آسمان و زمین برہم اور بالکل ناچیز
ہو جاتے۔ تو اس وقت لوگ خواہ نخواہ حقتعالیٰ کو پہچان جاتے۔ مگر چونکہ تمام موجودات و مخلوقات متفقہ طور پہ
اپنے خالق کی گواہی دیتے ہیں۔ اور یہ گواہی ہمیشہ ہے۔ تو بس روشنی ہے۔ اور روشنی کی وجہ سے حق تعالیٰ کی

معرفت چھپی ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے، کہ یہ مصنوعات و مخلوقاتِ عالم بچپن سے ہی نظروں میں رہے اور وہ ایسا وقت تھا کہ اس بات کی عقل نہ تھی، کہ وہ مصنوعات کی گواہی کو سمجھ سکے، جب اس کے ساتھ خوگر ہو گیا، تو اس کی اُلفت میں مبتلا ہو گیا، اور اس کے بعد ان کی شہادت سے آگاہی حاصل نہیں کرتا، مگر یہ کہ جب کبھی کوئی عجیب جانور یا نباتات دیکھتا ہے، تو اس کی زبان سے سبحان اللہ کا کلمہ نکل جاتا ہے، کیونکہ شاید اس کی گواہی سے دل واقف ہو جاتا ہے، پس جس کی بینائی کمزور نہیں، وہ ہر مصنوع میں صانع کی صفت کو دیکھتا ہے، جس طرح کہ کوئی شخص خط کو اس نظر سے نہ دیکھے، کہ وہ سیاہی اور کاغذ ہے اور اس طرح خط کو وہی دیکھتا ہے، جس طرح کہ تصنیف سے آدمی مصنّف ہی کو دیکھتا ہے۔ خط کو نہیں دیکھتا پس جو آدمی اس صفت کا ہو جاتا ہے، وہ ہر شے میں حقتعالیٰ کو دیکھتا ہے، کیونکہ تمام اشیاء اسی کی بنائی ہوئی ہیں، اور تمام جہان اسی کی صنعت اور تصنیف ہے، اگر تو کسی ایسی شے کو دیکھنا چاہے، کہ وہ نہ تو اس کی مصنوع ہو، اور نہ اس کی ذات ہو، تو تو کسی ایسی شئے کو بھی نہ دیکھ سکے گا۔ تمام مصنوعات (مخلوقات) زبانِ فصیح یعنے زبانِ حال سے اس کی فنا نہ ہونے اور اس کی قدرت کے کمال و جلال و عظمت پر گواہی دیتی ہیں، اور اس سے زیادہ روشن جہاں میں کوئی شئے نہیں، لیکن مخلوق اپنے عجز کی وجہ سے اس معرفت سے عاجز ہے۔

حق تعالےٰ کی محبّت کے پیدا کرنے کا علاج

جاننا چاہیئے کہ محبت ایک بڑا بزرگ مقام ہے، اور اس کے علاج (تدبیر) کو جاننا نہایت ضروری ہے، پس جو شخص کسی خوبصورت پر عاشق ہونا چاہے، تو اس کی پہلی تدبیر یہ ہے، کہ اس کے سوا ہر شئے سے منہ پھیر لے، اور ہمیشہ اس کا نظارہ کرتا رہے، اور جب اس کا چہرہ دیکھے، اور اس کے ہاتھ اور پاؤں پوشیدہ ہوں اور وہ بھی خوبصورت ہوں۔ تو ان کے دیکھنے کی بھی کوشش کرے، تاکہ ہر جمال جو دیکھے، اس کے سبب سے رغبت زیادہ ہوتی چلی جائے، جب اس پر مواظبت کرے گا، تو خواہ نخواہ تھوڑا بہت اس میں بھی میل (رغبت) پیدا ہو جائے گا، پس حقتعالیٰ کی محبت بھی اسی طرح ہے، اور اس کی شرط اول یہ ہے، کہ دنیا سے منہ پھیر لے اور دنیا کی دوستی سے دل کو پاک کرلے، کیونکہ تجھے غیر حق کی دوستی حق کی دوستی کی مانع ہے، تو یہ زمین سے گھاس کاٹنے کے برابر ہے، اور اس کے بعد اس کی طلبِ معرفت کرے، اور جو شخص اس کو دوست نہیں رکھتا، وہ اس لئے نہیے، کہ وہ اس کو پہچانتا نہیں، ورنہ اس کا جمال و کمال تو طبعاً محبوب ہے، اور جو شخص حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو پہچان لے۔ تو یہ

ناممکن ہے، کہ ان کو دوست نہ رکھے۔ کیونکہ مناقب و محامد طبعاً محبوب ہوتے ہیں، اور معرفت کا حاصل کرنا زمین میں تخم ڈالنے کے برابر ہے، اور پھر ذکر و فکر میں مداومت کرنا پانی دینے کے مثل ہے، اس لئے کہ جب کوئی شخص کسی کو بہت یاد کرتا ہے، تو خواہ نخواہ یاد کرنے والے کو اُس کے ساتھ ایک اُنس پیدا ہو جاتا ہے، جاننا چاہیئے، کہ کوئی مسلمان بھی اصل محبت سے خالی نہیں، مگر جو فرق ہوتا ہے، وہ تین سبب سے ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ دُنیا کے ساتھ دوستی رکھنے اور مشغول ہونے میں تفاوت رکھتے ہیں، اور ایک شے کی محبت، دوسری شے کی محبت کو کم کر دیتی ہے، دوسرے یہ کہ معرفت میں متفاوت ہوتے ہیں، جیسے ایک عامی امام شافعیؒ کو دوست رکھتا ہے، اس لئے کہ وہ ایک بہت بڑے عالم ہوئے ہیں، مگر جو فقیہ ان کے بعض علوم کی تفصیل سے خبردار ہو۔ وہ انہیں زیادہ دوست رکھے گا، کیونکہ وہ اُن کو اچھی طرح جانتا ہے، اور مزنی جو امام شافعیؒ کے شاگرد تھے۔ وہ آپ کے تمام علوم و احوال اور اخلاق سے واقف تھے، اور دوسرے فقہا سے آپ کو زیادہ دوست رکھتے تھے، پس جو شخص حق تعالیٰ کو اچھی طرح جان لیتا ہے، وہ اس کو دوست رکھتا ہے، تیسرے یہ کہ ذکر و عبادت جس کے سبب سے اُنس حاصل ہوتا ہے، اس میں متفاوت ہوتے ہیں، پس انہی اسباب کی بنا پر محبت کا تفاوت ہوتا ہے، پس جو شخص حق تعالیٰ کو دوست نہیں رکھتا، وہ حق تعالیٰ کو جانتا ہی نہیں، کیونکہ جس طرح ظاہر کی خوبصورتی طبعاً محبوب ہوتی ہے، اسی طرح باطن کی خوبصورتی بھی مرغوب ہوتی ہے، پس محبت معرفت کا نتیجہ ہے، اور معرفت کامل کے حاصل کرنے کے دو طریق ہیں، ایک تو صوفیوں کا طریق ہے، اور وہ مجاہدہ ہے، اور ہمیشہ ذکر کرنے سے اپنے باطن کو صاف کرنا ہے، تا کہ اپنے آپ کو اور ماسوی اللہ کو فراموش کر دے، جب یہ حالت ہوتی ہے، تو اس کے باطن میں معاملات ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں، جن سے حق تعالیٰ کی عظمت مشاہدہ کی طرح روشن ہو جاتی ہے، اور اس کی مثال جال کی طرح ہے، کہ شائد اس میں شکار پھنسے یا اور شاید نہ پھنسے اور ممکن ہے کہ اس میں چوہا پھنسے اور ممکن ہے کہ اس میں باز پھنسے، ہر شخص کی قسمت کے مطابق اس میں بہت بڑا تفاوت ہے، دوسرا طریق معرفت کے علم کا حاصل کرنا ہے۔ اس کے لئے علم کلام اور دوسرے علوم کے سیکھنے کی ضرورت نہیں، اس کی ابتدا عجائب مصنوعات میں تفکر کرنا ہے۔ چنانچہ کتاب تفکر میں اس کی نسبت بعض امور کا بیان کر دیا گیا ہے، پھر ترقی کر کے حق تعالیٰ کے جلال و کمال میں فکر کرنا ہے، تا کہ اسماء اور صفات کے حقائق اس پر منکشف ہوں، اور یہ بہت بڑا علم ہے، اور نہایت ہوشیار مرید عقلمند و دانا مرشد کی مدد سے اس علم کو حاصل کر سکتا ہے، لیکن کند ذہن اس علم کو حاصل نہیں کر سکتا، تو یہ علم دام بچھانے کی طرح نہیں ہے، کہ اس میں شکار کے پھنسنے یا نہ پھنسنے کے متعلق کسی قسم

کا شبہ ہے۔ بلکہ یہ تو تجارت زراعت اور کسب کی طرح ہے۔ جو شخص معرفت کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسرے طریق سے محبت کا متلاشی ہوگا، وہ طلب محال کرے گا، اور جو شخص معرفت کو ان دو طریق کے سوا جو بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کسی اور طریق سے ڈھونڈے گا، تو وہ بھی ناکام ہوگا، اور جو شخص یہ سمجھتا ہے، کہ بلا محبت الٰہی کے سعادت آخرت حاصل کرے گا، وہ بھی غلطی پر ہے۔ اس لئے کہ آخرت کے یہی معنٰے ہیں، کہ تو خدا تک پہنچ جائے، اور اگر کوئی شخص کسی ایسی شے تک پہنچے گا۔ کہ جس کو پہلے بھی دوست رکھتا تھا۔ لیکن بہ سبب عوائق کے اس سے محجوب تھا، اور ایک زمانہ اس نے اس شے کے شوق میں بسر کیا تھا، تو جب وہ عوائق اور موانعات رفع ہو جاتے ہیں، اور وہ شائق اس شے تک پہنچ جاتا ہے، تو وہ پھر بڑے مزے میں ہو جاتا ہے، اور اس کا نام سعادت ہے، اور اگر وہ اس شے کو پہلے سے دوست نہ رکھتا تو اسے کچھ لذت حاصل نہ ہوتی، اور اگر اسے کم دوست رکھتا، تو کم لذت پاتا، پس سعادت جو ہوتی ہے، تو وہ عشق و محبت کے مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ اور اگر عیاذاً باللہ اس نے اپنے باطن میں اس شے کے مخالف اور ضد کے ساتھ الفت پیدا کی ہوگی، تو جو حالت آخرت میں ظاہر ہوگی، وہ اس کے مخالف ہوگی، اور اس کی ہلاکت کا سبب اور وہ رنج و مصیبت میں مبتلا ہوگا، جس شے کے باعث اور لوگوں کو سعادت ہوگی، وہ اسی کے سبب سے شقی ہوگا۔ اور آخرت جو ہے تو وہ عالم ارواح اور عالم جمال الٰہی ہے، کیونکہ حقتعالی کا جمال وہاں ظاہر ہوگا، اور سعید وہی شخص ہے، جس نے دنیا میں اپنی طبیعت کو اسی کے ساتھ مناسبت دی، حتّٰی کہ وہ اس کے موافق ہو گیا، اور یہ تمام ریاضات و عبادات اور معرفتیں اسی مناسبت کیلئے تھیں، اور اسی مناسبت کا نام محبت ہوگا، اور یہ جو حقتعالی نے ارشاد فرمایا ہے، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا۔ اس کا یہی مطلب ہے، اور دنیا کے تمام مصائب اور شہوات اور محبتیں اسی مناسبت کی ضد ہیں، اور قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا سے یہی مراد ہے، ارباب بصیرت اس معنٰے کے مشاہدہ میں حد تقلید سے گزر گئے ہیں، اور اس مضمون کو صدق پیغمبر سے پہچانا ہے، بلکہ اس کے سبب سے صدق پیغمبر کو بے معجزہ کے یقینی سمجھا ہے، اس لئے کہ جو شخص علم طب کا واقف ہوتا ہے، تو وہ جب کبھی کسی طبیب کی بات سنتا ہے، پہچان جاتا ہے کہ یہ طبیب ہے، اور جب کوئی دوکاندار کسی حکیم کی بات سنتا ہے، تو اس کو جاہل سمجھتا ہے، پس اس طریق سے سچے نبی کو نبوت کا جھوٹا دعوے کرنے والے سے یقیناً پہچان لیتا ہے، اور پھر جو کچھ اپنی بصیرت سے پہچان سکتا ہے، تو اس میں سے اکثر نبی سے پہچانا ہوتا ہے، اور یہ علم یقینی ہوتا ہے، اور اس علم کی طرح نہیں ہوتا، جو عصا کے اژدہا بن جانے سے حاصل ہوا، اس لئے کہ یہ علم تو اس خطرہ میں ہوتا ہے کہ گوسالہ کے آواز کرنے سے باطل ہو جائے، کیونکہ معجزہ اور سحر میں امتیاز کرنا علم یقینی کی طرح آسان نہیں ہے۔

علاماتِ مُحبّت

جاننا چاہیئے کہ محبت ایک عزیز گوہر ہے ۔اور محبت کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے ۔پس آدمی کو یہ گمان نہ کرنا چاہیئے ۔کہ میں بھی محبوں میں سے ہوں ۔کیونکہ محبت کے لئے نشان اور دلائل ہیں ۔اور ان کو اپنی ذات میں تلاش کرے ۔اور وہ سات دلائل ہیں ۔ایک تو یہ کہ موت سے کراہیت نہ کرے ۔کیونکہ کوئی دوست اپنے دوست کے دیدار سے کراہیت نہیں کرتا ۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ۔کہ جو شخص حقتعالیٰ کے دیدار کو دوست رکھتا ہے ۔حقتعالیٰ بھی اس کے دیدار کو دوست رکھتا ہے ۔حضرت ابوالعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک زاہد سے کہا کہ کیا تو موت کو دوست رکھتا ہے ۔اس نے توقف کیا ۔آپ نے فرمایا ۔اگر تو صادق ہوتا ۔تو موت کو دوست رکھتا ۔مگر یہ امر جائز ہے ۔کہ آدمی کو محبت ہو ۔اور موت کے جلدی آجانے سے کراہیت کرے ۔اصل موت سے کراہیت نہ کرے ۔اور وجہ یہ ہو کہ اس نے ابھی زادِ راہ تیار نہ کیا ہو ۔اور اسے تیار کرنا چاہتا ہو ۔اور ایسے شخص کی علامت یہ ہے ۔کہ وہ ہمیشہ زادِ آخرت کی فکر میں لگا رہتا ہے ۔**دوسری دلیل** یہ ہے کہ حقتعالیٰ کے محبوب پر اپنے محبوب کو نثار کر دے ۔اور جو چیز اپنے حق میں اُس کی قربت کا ذریعہ سمجھے ۔اس کو نہ چھوڑے ۔اور جو شے اس سے بُعد کا باعث ہو ۔اس سے دُور رہے ۔اور ایسا شخص وہ ہوتا ہے جو اپنے خلوصِ دل سے حقتعالیٰ ہی کو دوست رکھتا ہے ۔جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔کہ جو کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھنا چاہتا ہے جو حق تعالیٰ کو پورے دل سے دوست رکھتا ہو ۔وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ کو دیکھے ۔پس جو شخص گناہ کرے ۔تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے ۔کہ اسے حقتعالیٰ کی محبت نہیں ۔بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے ۔کہ اسے پورے طور سے محبت نہیں ۔ہمارے اس دعویٰ کی یہ دلیل ہے کہ نعمان کو کئی بار شراب خوری کی وجہ سے حد ماری گئی ۔ایک شخص نے اس پر لعنت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کر کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے ۔حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔کہ اگر لوگ تجھ سے کہیں ۔کہ تو حقتعالیٰ کو دوست رکھتا ہے ۔تو خاموش رہ ۔کیونکہ اگر تو یہ کہیگا ۔کہ میں دوست نہیں رکھتا ۔تو کافر ہو جائے گا ۔اور اگر یہ کہے گا ۔کہ ہاں دوست رکھتا ہوں ۔تو تیرا فعل خدا کے دوستوں کا فعل نہ ہوگا ۔**تیسری دلیل** یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ذکر ہمیشہ اس کے دل پر تازہ رہے اور وہ بے تکلفانہ طور پر اس کا شائق رہے ۔کیونکہ جو شخص کسی کو دوست رکھتا ہے ۔اکثر اس کا ذکر کرتا ہے ۔اور اگر محبت کامل ہو ۔تو کبھی فراموش نہیں کرتا ۔پس اگر تکلف سے دل کو ذکر کے ساتھ مشغول کرتا ہے ۔تو اس بات کا خوف ہے ۔کہ اس کا محبوب وہی ہے ۔جس کا ذکر اس کے دل پر غالب ہے اور شاید اس کے دل پر حقتعالیٰ کی محبت کا غلبہ نہیں ۔مگر اس کی محبت

غالب ہے، کیونکہ اس کو دوست رکھنا چاہتا ہے اور محبّت اور شے ہے۔ اور محبّت کی محبّت اور شے ہے۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف کو جو اس کا کلام ہے اور اس کے رسول کو اور ہر اس چیز کو اس کے ساتھ نسبت رکھتی ہو دوست رکھے۔ اور جب دوستی قوی و کامل ہو جائے تو پھر تمام مخلوق کو دوست رکھے۔ کیونکہ تمام لوگ اسی کے بندے ہیں، بلکہ تمام موجودات کو رکھے کہ اس کی پیدا کی ہوئی ہے، جیسے کہ کوئی شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کی تصنیف اور اس کے خط کو بھی دوست رکھتا ہے۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ خلوت و مناجات پر حریص ہو اور اس بات کا آرزو مند رہے، کہ رات آئے، تاکہ عوائق کی زحمت سے نجات ہو اور وہ خلوت میں دوست کے ساتھ مناجات میں مشغول ہو، اور جب رات دن نیند اور باتیں کرنے کو خلوت سے زیادہ دوست رکھے گا، تو ان کی دوستی ضعیف ہوگی۔ حضرت داؤد علیہ السّلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد خلق میں سے ہر کسی کے ساتھ محبت نہ کر کیونکہ دو قسم کے لوگ مجھ سے محروم رہتے ہیں، ایک جو طلب ثواب میں جلدی کرتے ہیں اور جب انہیں دیر سے ملے تو کاہل ہو جائیں، دوسرے وہ جو فراموش کر کے اپنے خیال میں مشغول رہیں۔ ان کی علامت یہ ہے، کہ میں دُنیا میں انکو انہی کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اور دُنیا میں حیران و پریشان رکھتا ہوں۔ پس جب کسی پر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے، تو ماسوائے اللہ کی محبّت بالکل نہیں رہتی۔ حضرت داؤد علیہ السّلام پر حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی، کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے، اور پھر وہ رات بھر مزے سے سوتا ہے، وہ جھوٹا ہے۔ کیا دوست دوست کا دیدار نہیں چاہتا۔ اور جو مجھے تلاش کرتا ہے، میں اس کے ساتھ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جناب باری میں عرض کیا، کہ بار خدایا تو کہاں ہے، کہ میں تجھ کو تلاش کروں، ارشاد ہوا۔ جب تو نے میری طلب کا ارادہ کیا۔ تو نے مجھے پالیا۔ چھٹی دلیل یہ ہے۔ کہ عبادت اس کے لئے آسان ہو۔ اور اسے گراں نہ گزرے جب محبت مضبوط ہو جاتی ہے۔ تو کوئی لذت لذتِ عبادت کو نہیں پہنچتی۔ بھلا عبادت کیونکر دشوار ہوگی، ساتویں دلیل یہ ہے کہ حقتعالیٰ کے تمام فرمانبردار بندوں کو دوست رکھے۔ اور ان سب پر مہربان رہے اور کفّار اور عاصی لوگوں سے عداوت رکھے، جیسا کہ حقتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ ایک پیغمبر علیہ السّلام نے حقتعالیٰ سے عرض کیا کہ بار خدایا وہ کون لوگ ہیں، جو تیرے محب ہیں فرمایا وہ لوگ وہ ہیں، جس طرح بچہ کہ اپنی ماں کا دیوانہ ہوتا ہے۔ اس طرح وہ میرے دیوانے ہوتے ہیں، اور چڑیا جسطرح اپنے گھونسلہ میں پناہ گزیں ہوتی ہے، وہ میرے ذکر سے پناہ گیر ہوتے ہیں، اور جیسے کہ شیر حالت غصّہ میں نہیں ڈرتا۔ اسی طرح جب وہ کسی کو گناہ کا ارتکاب کرتا ہوا دیکھتے ہیں، تو غصّہ میں آجاتے ہیں اور اس قسم کے بہت سے دلائل اور علامات ہیں۔ جسے محبّت کامل ہوتی ہے، اس میں یہ سب پائے جاتے ہیں اور جس شخص میں بعض علامات ہوں اور بعض نہ ہوں، اس کی محبّت ابھی ناقص ہے۔

حق تعالیٰ کے ساتھ شوق کا بیان

جاننا چاہیئے، کہ جس شخص نے محبت کا انکار کیا، اس نے شوق کا بھی انکار کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا میں یہ دعا بھی شامل ہے۔ اَسْئَلُکَ الشَّوْقَ اِلیٰ لِقَائِکَ وَلَذَّۃَ النَّظَرِ اِلیٰ وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ یعنی میں تیری ملاقات کا شوق طلب کرتا ہوں، اور تیرا بزرگ چہرہ دیکھنے کی لذت چاہتا ہوں" اور حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (حدیث قدسی) وَطَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلیٰ لِقَائِیْ وَاَنَا اِلیٰ لِقَائِھِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا۔ یعنی جو نیک بندے ہیں، وہ میری ملاقات کے نہایت شائق ہیں اور میں ان سے زیادہ ان کی ملاقات کا شائق ہوں" اب تمہیں شوق کے معنے کو معلوم کرنا چاہیئے، جس کو لوگ جانتے ہی نہیں، اس کا شائق ہونا محال ہے، اور جس کو جانتے ہوں، اور سامنے موجود ہو، اور وہ اسے دیکھ رہے ہوں تو بھی شوق نہ پایا جائیگا۔ پس شوق اس چیز کا ہوتا ہے، جو ایک وجہ سے تو حاضر ہو اور ایک وجہ سے غائب ہو، جیسے کہ معشوق کہ جو خیال میں تو حاضر ہوتا ہے اور نظر سے غائب ہوتا ہے اور شوق کے معنے محبوب کو تلاش کرنا ہے، تاکہ وہ آنکھ کے سامنے آئے، اور ادراک پورا ہو جائے، پس اس مقام سے تجھ کو معلوم ہو جائے گا، کہ دُنیا میں شوق کی وجہ سے خدا تک پہنچنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ معرفت میں حاضر ہے، اور مشاہدہ میں غائب ہے اور مشاہدہ کی معرفت ہے۔ جیسے کہ دیدار کمال خیال ہے، اور یہ شوق سوائے موت کے اور کسی چیز سے نہیں جاتا، اور ایک قسم کا اور شوق بھی باقی رہتا ہے، جو آخرت میں بھی نہ جائے گا، کیونکہ اس جہان میں ادراک دو وجہ سے ناقص ہے ایک تو یہ کہ معرفت ایک ایسا ادراک ہے۔ جو اس کے دیدار کی طرح ہے، جو کسی باریک پردہ کے پیچھے سے کیا جائے۔ یا اس دیدار کی مانند ہے، جو اندھیرے منہ طلوع آفتاب سے پہلے کیا جائے۔ اور یہ ادراک آخرت میں خوب روشن ہو گا، اور شوق جاتا رہے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص معشوق رکھتا ہے، اور اس نے اس معشوق کا صرف چہرہ ہی ملاحظہ کیا ہو، لیکن اس کے بال اور دوسرے اعضا نہ دیکھے ہوں، اور وہ عاشق یہ جانے کہ معشوق سراپا خوبصورت ہے، تو ایسے شخص کو اس معشوق کے دیدار کا شوق ہوتا ہے، اس طرح حقتعالیٰ کے جمال باکمال کی حد و نہایت نہیں، اگرچہ کوئی بہت جان لے، مگر جو کچھ کہ باقی رہ گیا ہے، وہ بھی بہت زیادہ ہے، اس لئے کہ حق تعالیٰ کے معلومات کی انتہا نہیں، اور بلا تمام کے جانے ہوئے حقتعالیٰ کے جمال و کمال کا واقف نہ ہو گا، اور یہ بات آدمی کیلئے دونوں جہان میں ممکن نہیں، کیونکہ آدمی کا علم محدود ہے، اور آخرت میں جتنا دیدار زیادہ ہو گا۔ اتنی ہی لذت بھی زیادہ ہو گی، اور وہ بے انتہا ہے، جب دل کی نظر کسی چیز حاضر پر پڑتی ہے ـــــ تو

اس کے باعث فرحت و مسرّت حاصل ہوتی ہے۔ تو اسے انس کہتے ہیں اور جب دل کی نظر باقی ماندہ شے کی طرف ہو۔ تو دل کی حالت طلب و تقاضا کی ہوتی ہے اور اسے شوق کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دنیا و آخرت میں اس انس و شوق کی کوئی انتہا نہیں۔ لوگ آخرت میں ہمیشہ یہی کہا کریں گے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ کیونکہ جمال الٰہی سے جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوگا۔ وہ نور ہی نور ہوگا۔ اور یہ لوگ تمام و کمال کے طالب ہوتے ہیں۔ مگر اسکی انتہا تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ سوائے حقتعالےٰ کے اور کوئی بھی حقتعالیٰ کو تمام و کمال طور پر نہیں پہچان سکتا۔ اور جب بدرجۂ کمال پہچاننے سے عاجز ہے۔ تو بدرجہ کمال دیکھنے سے بھی عاجز ہوگا۔ لیکن مشتاقین کے لئے راہ کشادہ رہیگی۔ تاکہ ہمیشہ کشف و دیدار بڑھتا رہے۔ اور بہشت کی لذت بے نہایت کی یہی حقیقت ہے۔ اور اگر یہ حقیقت نہ ہوتی۔ تو لذت پر آگاہ ہونے سے لذت میں کمی واقع ہو جاتی۔ کیونکہ ہمیشہ ملنے والی چیز سے دل خوگر ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس سے لذت حاصل نہیں ہوتی۔ تاوقتیکہ کوئی تازہ شے نہ پہنچے۔ پس اہل جنت کی لذات کو ہر لحظہ تازگی پہنچتی رہیگی۔ حتیٰ کہ جو لذت دل میں پیدا ہو۔ وہ ان کے سامنے ناچیز و حقیر ہوگی۔ کیونکہ وہ نعمتیں دن بدن زائد ہوتی جائیں گی۔ پس اصل سے تم نے اس کے معانی پہچان لئے ہوں گے کہ حاضر کی طرف حالت دل کی التفات کا نام انس ہے بشرطیکہ جو باقی رہ گیا ہو۔ دل اس کی طرف ملتفت نہ ہو۔ اور جب باقی ماندہ کی طرف ملتفت ہو۔ تو وہ حالت شوق ہے۔ پس حق تعالےٰ کے تمام محب دنیا میں و آخرت میں انس و شوق کی حالت میں پھرا کرتے ہیں۔ کسی نبی علیہ السلام پر حق تعالےٰ نے وحی نازل فرمائی۔ کہ میرے بندے وہ ہیں جو مجھے دوست رکھتے ہیں۔ اور میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔ اور وہ میرے آرزومند ہیں میں ان کا آرزومند ہوں۔ وہ میری یاد میں رہتے ہیں۔ میں ان کی یاد میں رہتا ہوں۔ ان کی نظر میری جانب ہے اور میری نظر انکی جانب ہے اگر تو بھی ان کی راہ کو اختیار کریگا۔ تو میں تجھے بھی دوست رکھوں گا۔ اور اگر ان کی راہ سے پھرا۔ تو تجھے دشمن رکھونگا۔ اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں۔ جو محبت و شوق و انس کے بارہ میں مذکور ہیں یہاں اس قدر بیان کرنا کافی ہے

رضا کی حقیقت و فضیلت

جاننا چاہیئے کہ حقتعالیٰ کی قضا کے ساتھ راضی رہنا بہت بلند مقام ہے۔ اور کوئی مقام بھی اس کے آگے نہیں ہے۔ کیونکہ مقام محبت بہترین مقام ہے۔ اور جو کچھ حقتعالےٰ کرے۔ اس پر راضی رہنا محبت ہی کا ثمرہ ہے۔ بلکہ یہ اس محبت کا ثمرہ ہے۔ جو کمال پر ہو۔ اور اسواسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ اَلرِّضَاءُ بِالْقَضَاءِ بَابُ اللّٰہِ الْاَعْظَمِ یعنے قضائے حق پر راضی رہنا حق تعالےٰ کی بڑی درگاہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم سے ان کے ایمان کی علامت دریافت فرمائی۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ ہم بلا میں صابر ہیں۔ اور نعمت میں شاکر ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی قضا کے ساتھ راضی رہتے ہیں۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا۔ کہ اس قوم کے لوگ حکیم و عالم ہیں۔ اور بوجہ کمال انکا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کے قریب قریب ہے۔ فرمایا قیامت کے دن حقتعالیٰ میری اُمت کے ایک گروہ کو پر و بال عنایت فرمائیگا۔ اور وہ لوگ بہشت کی طرف اُڑ جائیں گے۔ فرشتے ان سے حساب و پلصراط کے متعلق پوچھینگے وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو ان اشیاء کو دیکھا ہی نہیں۔ فرشتے سوال کریں گے کہ تم کون ہو وہ کہینگے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ تم نے یہ بزرگی کس عمل کیوجہ سے حاصل کی۔ وہ کہیں گے کہ دو خصائل کیوجہ سے ایک تو یہ کہ خلوت میں حقتعالیٰ سے شرم کھا کر گناہ نہ کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ جو کچھ تھوڑا سا رزق ہم کو حقتعالیٰ نے عطا کیا تھا ہم اسی پر راضی تھے ملائکہ کہینگے۔ ہاں یہ مرتبہ تمہارا ہی حق ہے۔ کچھ لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ آپ جناب باری سے دریافت فرمائیں۔ کہ وہ کونسی بات ہے۔ جس پر عمل کرنے سے تیری رضامندی حاصل کریں۔ وحی ہوئی کہ میرے حکم پر رضا کا اظہار کرو۔ میں تم سے راضی رہوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ حق تعالےٰ نے ارشاد کیا ہے۔ کہ میں وہ خدا ہوں کہ سوائے میرے اور کوئی خدا نہیں جو کوئی میری بلا پر صابر اور نعمت پر شاکر نہ ہو گا۔ اور قضا پر رضا کا اظہار نہ کریگا۔ اس سے کہدو کہ وہ کوئی دوسرا خدا تلاش کرلے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بیس برس کامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ جو کچھ میں نے کیا۔ حضورؐ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ تو نے کیوں کیا۔ اور جو کچھ میں نے نہ کیا۔ اس کی نسبت کبھی یہ ارشاد نہ کیا۔ کہ تو نے کیوں نہ کیا۔ لیکن جب کوئی میرے ساتھ جھگڑا کرتا۔ تو حضور فرماتے کہ اگر تقدیر میں ہوتا تو ہو جاتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں اس پر راضی ہوں جو مقدر میں ہے۔ چاہے وہ جو کچھ ہی ہو۔ کسی نے آپ سے پوچھا۔ کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ فرمایا جو حق تعالیٰ کا حکم ہو چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں۔ کہ میں آگ کھانے کو بہ نسبت اس بات کے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ کہ جو چیز نہ ہوا سے کہوں کہ کاش ہوتی۔ اور جو ہوا سے کہوں کہ کاش نہ ہوتی۔ بنی اسرائیل کے ایک عابد مدت تک عبادت میں محنت و کوشش کرتے رہے۔ خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہتا ہے۔ کہ فلاں عورت بہشت میں تیری رفیقہ ہے۔ عابد نے اسے تلاش کیا تاکہ اس کی عبادت کو دیکھیں۔ دیکھا کہ وہ نہ تو دن کو روزہ رکھتی ہے۔ اور نہ رات کو نماز پڑھتی ہے لیکن فرائض بجالاتی ہے انہوں

نے اس سے پوچھا کہ مجھے بتا تو سہی کہ تیرا عمل کیا ہے۔ اس نے جواب دیا یہی جو تم دیکھ رہے ہو۔ انہوں نے جب بہت سی منت و سماجت کی۔ تو اس نے کہا۔ کہ میں جب کسی بیماری میں مبتلا ہوتی ہوں۔ تو آرام و صحت کی آرزو نہیں کرتی۔ اور اگر دھوپ میں ہوں۔ تو سایہ میں آنیکی آرزو نہیں کرتی۔ اور اگر سایہ میں ہوں تو دھوپ کی خواہش نہیں کرتی۔ عابد نے جب یہ سُنا تو سر پہ ہاتھ رکھا۔ اور کہا یہ کوئی معمولی خصلت نہیں بہت بڑی خصلت ہے۔

حقیقت رضا

ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ بلا و مصیبت اور خواہشات کے خلاف جو چیز ہو۔ اسپر راضی رہنا ناممکن ہے۔ بلکہ اس کی غایت جو ہے تو صبر ہے اس گروہ کا یہ عقیدہ غلطی پر مبنی ہے کیونکہ جب دوستی غالب ہو تو خواہشات کے خلاف رہنا ممکن ہے اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ تو عشق میں ایسا مستغرق و مدہوش ہو۔ کہ اپنے درد سے بھی آگاہ نہ ہو۔ جیسے کہ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے۔ کہ حرب و جنگ میں دشمن کے ساتھ ایسا مشغول ہوتا ہے۔ کہ اس کے بدن میں جو زخم لگتے ہیں۔ اسکا درد بھی اُسے محسوس نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ خون کو آنکھ سے نہ دیکھ لے۔ اور کوئی شخص ایسا ہوتا ہے۔ کہ وہ حرص سے دوڑتا ہے۔ اور کانٹا اس کے پاؤں میں چُبھ جاتا ہے تو اسے معلوم تک نہیں ہوتا۔ اور جب دل کی جانب مشغول ہوتا ہے۔ تو اسے اپنی بھوک اور پیاس تک کی خبر نہیں ہوتی۔ جب یہ باتیں عشق مخلوق اور حرص دنیوی میں ممکن ہیں تو بھلا حقتعالیٰ کے عشق اور محبت آخرت میں کیونکر ممکن نہ ہوں گی۔ اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ باطن کی خوبصورتی ظاہر کی خوبصورتی سے بہت بڑھکر ہے۔ کیونکہ صورت ظاہری تو ایک کھال ہے جو گھوڑے پر تان دی گئی ہے۔ اور چشم بصیرت جو جمال باطن کو دیکھتی ہے۔ وہ ظاہری آنکھ سے بہت زیادہ روشن ہے۔ کیونکہ ظاہری آنکھ اکثر خطا کی مرتکب ہوتی ہے۔ کبھی بڑی شے کو چھوٹا۔ اور دُور کو نزدیک ملاحظہ کرتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ درد تو محسوس ہوتا ہے۔ لیکن سمجھتا ہے کہ میرے دوست کی رضامندی اسی میں ہے۔ لہذا خود بھی راضی رہتا ہے۔ مثلاً دوست اگر اسے خون لگانے کا حکم دے۔ یا کڑوی دوا کھانے کا۔ تو اس تکلیف میں بھی وہ راضی رہتا ہے۔ تاکہ اس حیلے سے اپنے دوست کی رضامندی حاصل کرے۔ پس جو شخص یہ سمجھے۔ کہ حقتعالیٰ کی رضامندی اسی بات میں ہے۔ کہ بندہ اس کے حکم پر راضی رہے۔ تو وہ محتاجی بیماری محنت اور بلا میں بھی راضی رہتا ہے۔ جسطرح کہ لالچی دنیا دار نفع کی امید پر دریا کے سفر اور مصیبتوں پر راضی رہتا ہے۔ اس قسم کے

محب بکثرت ہیں۔ جو اس درجہ کو پہنچے ہیں۔ حضرت موصلی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ مبارکہ کا ناخن اکھڑ گیا۔ آپ ہنسنے لگیں۔ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کیا تمہیں درد محسوس نہیں ہوتا۔ انہوں نے جواب دیا مجھے ثواب کی خوشی اسقدر ہے۔ کہ میں درد کو محسوس ہی نہیں کرتی۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ ایک درد میں مبتلا تھے۔ اور اسکی دوا نہ کرتے تھے۔ لوگوں نے دوا نہ کرنیکی وجہ پوچھی۔ تو فرمایا۔ تم نہیں جانتے دوست کا لگایا ہوا درد تکلیف نہیں دیتا۔ حضرت جنید فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ کیا خدا کا محب بلا سے غمناک ہوتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا۔ اگر اسے تلوار سے مارا جائے۔ تو فرمایا تب بھی رنجیدہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس کو تلوار سے ستر زخم لگ جائیں۔ ایک خدا کے محب کا مقولہ ہے۔ کہ جس شے کو حقتعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ اس کو میں بھی دوست رکھتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دوزخ میں بھیجنا چاہے۔ تو میں اس پر بھی راضی ہوں۔ اور اسباب کو بھی دوست رکھتا ہوں۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ بغداد میں ایک شخص کو ہزار لاٹھیاں ماری گئیں۔ اور اس نے منہ سے اُف بھی نہ کی۔ میں نے دریافت کیا۔ کہ اے شخص باوجود اس قدر تعدّی کے تو نے منہ سے آواز بھی نہ نکالی۔ اس نے کہا۔ میرا معشوق سامنے تھا۔ اور دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا اگر تو بڑے معشوق کو دیکھتا تو کیا کرتا۔ میرے اس کہنے پر اس نے ایک نعرہ لگایا۔ اور جان دیدی۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ ابتدا میں شہر آبادان کی طرف جا رہا تھا۔ راہ میں میں نے ایک جذامی دیوانہ کو پڑے دیکھا۔ کہ چیونٹیاں اس کا گوشت کھا رہی ہیں۔ مجھے اس کی حالت پر رحم آگیا۔ تو میں نے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ لیکن جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگا۔ کہ یہ کون فضول شخص تھا جس نے میرے اور میرے مالک کے درمیان مداخلت کی۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ کہ جو عورتیں جناب یوسف علیہ السلام کا دیدار کرنے کو گئیں۔ انہوں نے آپکے جمال کی عظمت سے مدہوش ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور انہیں مطلقاً خبر تک نہ ہوئی۔ مصر میں جب قحط ہوا۔ تو لوگوں کو جب بھوک محسوس ہوتی۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دیدار کر جاتے۔ تو انکو بھوک بھول جاتی۔ مخلوق کے جمال میں اس قدر اثر تھا۔ اگر کسی پر حقتعالیٰ کا جمال مکشوف ہو اور وہ مصیبت سے بیخبر ہو جائے۔ تو کونسے تعجب کی بات ہے۔ ایک شخص صحرا میں رہا کرتا تھا۔ اور حق تعالیٰ کے ہر حکم پر رضا کا اظہار کر کے کہتا۔ کہ اس میں خیر و بھلائی ہے۔ اس کے پاس ایک کتا نگہبانی کے لئے تھا۔ اور ایک گدھا باربرداری کے لئے ایک مرغ بیدار کرنے کے لئے۔ ایک بھیڑیا جو آیا۔ تو اس نے گدھے کو پھاڑ ڈالا۔ وہ مردِ خدا کہنے لگا۔ خیر اس میں ہے۔ اور پھر کتّے نے مرغ کو مار ڈالا۔ تو اس نے کہا خیر اس میں

ہے۔ اور پھر وہ کتا بھی کسی نہ کسی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ تو اس نے کہا خیر اسی میں ہے۔ اس کے اہل و عیال نہایت رنجیدہ ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ جو حادثہ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ کہ خیر اسی میں ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ اس لئے کہ یہ جانور بمنزلہ ہمارے ہاتھ پاؤں کے تھے۔ وہ ہلاک ہو گئے۔ اس نے کہا شائد خیر اسی میں ہو۔ پس جب دوسرے روز اٹھے۔ تو دیکھا۔ کہ ان کے قریب کے سب لوگ ہلاک ہو گئے ہیں۔ اور چور ان کا اسباب لے گئے ہیں۔ اور ان کو قتل کر گئے ہیں۔ اور کتے و مرغ کی آواز کے نہ ہونے کے باعث یہ بچ گئے۔ پھر اس مرد نے کہا کہ دیکھوں حق تعالےٰ کے کام کی بہتری اسی کو معلوم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مرد کے پاس سے گذرے جو مبروص و مجذوم و نابینا تھا۔ اور اسکا بدن دونوں طرف سے مفلوج ہو چکا تھا۔ اور وہ اس بے دست و پائی کی حالت میں کہتا تھا۔ کہ اس ذات پاک کا شکر ہے۔ جس نے مجھکو عافیت عطا فرمائی۔ اور اس بلا سے نجات بخشی۔ جس میں بہت سی مخلوق مبتلا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سُنا تو فرمایا وہ کونسی بلا باقی ہے۔ جس سے تجھ کو نجات دی گئی۔ اس نے کہا کہ میں اس شخص سے زیادہ عافیت میں ہوں۔ جس کے دل میں وہ معرفت پیدا نہیں کی گئی جو کہ میرے دل میں کی گئی ہے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تو نے سچ کہا۔ پھر آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اسپر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ اور وہ اسی وقت تندرست ہو گیا۔ اور اُٹھ بیٹھا۔ اور اس کی شکل نہایت خوبصورت ہو گئی اور اسکی آنکھیں بھی بینا ہو گئیں۔ اور پھر وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ عبادت کرتا تھا اور آپ کی صحبت میں رہتا تھا۔ لوگوں نے حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو شفاخانہ میں رکھا تھا۔ اور آپ کو ایک دیوانہ خیال کیا تھا۔ کچھ لوگ آپکے پاس گئے آپ نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا ہم آپکے دوست ہیں۔ آپ نے اپنر پتھر پھینکنے شروع کئے۔ وہ سب بھاگ گئے اور فرمایا۔ تم نے جھوٹ کہا اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری بلا پر صبر کرتے۔

فصل

ایک گروہ نے کہا ہے۔ کہ شرطِ رضا یہ ہے۔ کہ تو دعا نہ کرے۔ اور جو کچھ تجھ کو حاصل نہیں اس کو خدا سے طلب نہ کرے۔ اور جو کچھ تجھ کو حاصل ہے۔ اسپر راضی رہے اور معصیت و فسق کو دیکھے تو بُرا نہ منائے۔ کیونکہ وہ بھی حقتعالیٰ ہی کے حکم سے ہے۔ اور جس شہر میں گناہوں کی کثرت اور وبا کا زور ہو۔ وہاں سے نہ بھاگے۔ کیونکہ یہ قضا سے بھاگنا ہے۔ تو اس قسم کی باتیں خطا ہیں۔ دعا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے۔ اور لوگوں کو دعا کی ترغیب دی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اور دعا کی وجہ سے دل میں عجز و انکساری و رقت اور

حقتعالیٰ سے التجا کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ تمام نیک صفات ہیں۔ اور جسطرح پیاس بجھانے کے لئے پانی اور بھوک مٹانیکے لئے روٹی کا کھانا۔ اور سردی سے بچنے کے لئے اُن کا پہننا خلاف رضا نہیں اسی طرح دفعیہ بلا کے لئے دعا مانگنا بھی رضا کے خلاف نہیں۔ بلکہ جس شے کو حقتعالےٰ نے سبب مقرر کیا اور اس کا حکم دیا۔ تو اس کے حکم کے خلاف کرنا اس کی رضا کے خلاف ہے۔ بھلا گناہ پر راضی رہنا کیونکر جائز ہو گا۔ کیونکہ گناہ پر راضی رہنا گناہ میں شریک ہونا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص گناہ پر راضی رہتا ہے۔ وہ گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ اور ارشاد ہے۔ اگر کوئی بندہ مشرق میں بیگناہ قتل کیا جائے۔ اور کوئی شخص مغرب میں اسپر اپنی رضامندی ظاہر کرے تو وہ اس کے قتل میں شریک ہے۔ اگرچہ گناہ حق تعالیٰ کی قضا سے ہے۔ لیکن اس کے دو منہ ہیں۔ ایک بندہ کیطرف ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے اختیار میں ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے۔ کہ بندہ میں حقتعالیٰ کی صفات موجود ہیں۔ اور دوسرا منہ حقتعالیٰ کی طرف ہے۔ کہ گناہ بھی قضائے الٰہی اور تقدیر الٰہی سے ہے۔ اور اس کا حکم اس وجہ سے کیا ہے۔ کہ عالم کفر اور معصیت سے خالی نہ رہے۔ اور اس بات پر رضا کا اظہار کرنا چاہیئے۔ اور گناہ پر بھی راضی نہ ہونا چاہیئے۔ اور اسکی علامت یہ ہے کہ حقتعالیٰ گناہ کو دشمن رکھتا ہے اور اس کو راضی نہ ہونا چاہیئے اور اس بات میں کسی قسم کا تناقض نہیں ہے۔ کہ اگر شخص کا ایک دشمن مرجائے۔ اور وہ اس کے دشمن کا بھی دشمن ہو۔ تو وہ غمگین بھی ہوگا۔ اور شاد بھی ہوگا۔ لیکن شاد اور سبب سے ہوگا۔ اور غمگین اور سبب سے ہوگا۔ اور تناقض اسوقت ہوگا جب کہ غم اور خوشی دونوں ایک ہی سبب سے ہوں۔ علےٰ ہذا القیاس جس جگہ پر گناہ بکثرت ہوں۔ وہاں سے بھاگ جانا ضروری ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ یعنے اے رب تو ہم کو اس شہر سے باہر نکال۔ کہ یہاں کے باشندے ظالم ہیں۔ اور سلف صالحین ہمیشہ ایسے شہر سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ معصیت سرایت کر جاتی ہے۔ اور اگر معصیت سرایت نہ بھی کرے۔ تو اسکی بلا اور عقوبت سب کو تباہ کر دیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً۔ اور اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو۔ جہاں سے نظر کسی غیر محرم پر پڑتی ہو۔ تو وہاں سے بھاگ جانا رضا کے خلاف نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اس شہر سے بھی بھاگ جانا روا ہے۔ جہاں تنگی و قحط ہو۔ مگر جہاں طاعون ہو وہاں سے بھاگنا منع ہے۔ کیونکہ اگر تندرست بھاگ جائیں گے تو بیمار ضائع ہو جائیں گے۔ مگر دوسری بلاؤں اور آفتوں میں ایسا حکم نہیں بلکہ مطابق حکم اسکی تدبیر کرنا چاہیئے اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہو اسپر راضی رہنا چاہیئے اور خیر اسی میں سمجھنا چاہیئے

اصل دہم (دسویں) موت کو یاد کرنا

جاننا چاہیے۔ کہ جس شخص نے یہ جان لیا۔ کہ ہر حال میں میرا انجام موت ہے۔ اور میرا مقام گور ہے۔ اور منکر و نکیر میرے مؤکل ہیں اور قیامت برحق ہے۔ اور اس کے لئے بہشت و دوزخ میں جانا ضروری ہے۔ اگر عاقل ہوگا تو اس کے لئے کوئی اندیشہ موت کے اندیشہ سے بڑھکر نہ ہوگا۔ اور تمام چیزوں سے زیادہ زادِ مرگ کی تدبیر میں مشغول رہے گا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ یعنی دانا وہ شخص ہے۔ کہ جس نے اپنے نفس کو رام کر لیا۔ اور موت کے بعد کے لئے عمل کیا۔ اور جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے۔ وہ ناچار اس کے توشہ کی تیاری میں مشغول ہوتا ہے۔ ایسا شخص قبر کو بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ دیکھے گا اور جو شخص موت کو فراموش کر دیتا ہے۔ اور اس کی تمام ہمت فقط دنیا ہی ہوتی ہے۔ اور زادِ آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے۔ تو ایسا شخص قبر کو دوزخ کے غاروں میں سے ایک غار پائے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ موت کو یاد کرنے کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ کہ اَکْثِرُوْا مِنْ ذِکْرِ ھَادِمِ اللَّذَّاتِ۔ اے وہ لوگو جو دنیا کی لذت میں مشغول ہو اس کو بہت یاد کرو۔ جو لذتوں کو غارت کر دیتی ہے۔ یعنی موت"۔ اور فرمایا۔ اگر چرندے موت کے حال سے اسی طرح واقف ہوتے جس طرح کہ تم واقف ہو۔ تو کسی انسان کے کھانے میں فربہ گوشت نہ آتا۔ یعنی موت کے خوف سے لاغر ہو جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ کوئی شخص شہیدوں کے درجہ کو بھی پہنچے گا۔ فرمایا ہاں وہ شخص پہنچے گا۔ جو دن میں موت کو بیس بار یاد کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے پاس سے گذرے۔ جن کے قہقہوں کی آواز نہایت بلند ہو رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اپنی مجلس میں اسی شے کا ذکر کرو۔ جو تمام لذّات کو منغص کر دیتی ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کونسی شے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا یعنی خلق کی نصیحت کے لئے موت کافی ہے۔ ایک عورت نے جنابہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا۔ کہ میرا دل بہت سخت ہے۔ آپ نے اسے موت یاد کرنے کو فرمایا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور وہ سختی اس کے دل سے جاتی رہی۔ وہ پھر آئی۔ اور اس

بات کا شکر بجالائی . حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھودی ہوئی تھی اور آپ دن بھر میں کئی بار اس میں سویا کرتے تھے . تاکہ وہ موت کو آپکے دل پر تازہ کرے . اور فرمایا اگر میں ایک ساعت بھی موت کو دل سے بھلادوں . تو میرا دل سیاہ ہوجائے . حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے کہا . کہ موت کو بہت یاد کیا کر . اسمیں دو فائدے ہیں . اگر تو محنت و مصیبت میں ہوگا . تو اس سے تیری تسلی ہوجائیگی . اور اگر نعمت وراحت میں مشغول ہوگا . تو اس سے تیری نعمت تلخ ہوجائیگی . ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں . کہ میں نے ام ہارون سے پوچھا . کیا تم کو موت پسند ہے . اس نے جواب دیا نہیں . میں نے کہا وہ کیوں . جواب دیا . اگر میں کسی آدمی کا گناہ کرتی ہوں . تو اس کو دیکھنا نہیں چاہتی . تو بھلا کثرت گناہ کے ساتھ حق تعالےٰ کے دیدار کی کیونکر خواہش کروں

فصل

جاننا چاہیئے کہ موت کو تین طرح یاد کرتے ہیں . ایک تو غافلوں کا یاد کرنا ہے . جو دنیا میں مشغول ہوں . اور موت کو یاد کرکے اس سے کراہیت کریں . اس خوف سے کہ مرنے کے بعد وہ شہوات دنیا سے باز رہیں گے . پس موت کی شکایت کرکے کہتے ہیں . کہ ایک بہت بڑا کام ہے . جو پیش آنے والا ہے . افسوس یہ دنیا بمعہ ان تمام خوشیوں کے ہم سے چھوٹ جائے گی . تو اس طرح ان کا موت کو یاد کرنا یاد حق سے انہیں اور بھی غافل کردیتا ہے . اور اگر کسی وجہ سے ان کو دنیا بری معلوم ہو . اور دل دنیا سے نفرت کرے . تو بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا . دوسرے تائب کا موت کو یاد کرنا . اور وہ اس لئے یاد کرتا ہے . کہ اسپر خوف کا غلبہ ہوجائے . اور توبہ کرنے میں زیادہ مشغول ہو . اور گذشتہ گناہوں کا زیادہ تدارک کرے . تو اس طرح یاد کرنے کا بہت بڑا ثواب ہوگا . تائب موت سے کراہیت نہیں کرتا . لیکن موت کے جلدی آجانے سے کراہیت کرتا ہے . اور وہ بھی اسی خوف سے کہ بلا زاد آخرت کے جانا پڑے گا . اگر اس وجہ سے کوئی آدمی موت سے کراہیت کرے . تو کچھ قباحت نہیں ہے . تیسرے عارف کا موت کو یاد کرنا ہے . اور یہ اس لئے موت کو یاد کرتا ہے کہ دیدار حق کا وعدہ موت کے بعد ہے . اور وہ دوست کے دیدار کے وقت کو کسی وقت بھی فراموش نہیں کرتا . اور ہمیشہ اس کا منتظر رہتا ہے . جیسا کہ حضرت حذیفہ نے موت کے وقت کہا حَبِيبٌ جَاءَ عَلٰى فَاقَتِىْ . یعنی دوست آیا . اور حاجت کے وقت آیا . اور کہا . بار خدایا اگر تو جانتا ہے . کہ میں درویشی کو زیادہ پسند کرتا ہوں تونگری سے اور بیماری کو زیادہ پسند کرتا ہوں تندرستی سے . اور موت کو زیادہ دوست رکھتا ہوں زندگانی سے . تو موت کو مجھپر آسان کردے . تاکہ تیرے دیدار میں راحت پاؤں . اور اس درجہ کے علاوہ بھی ایک بہت بڑا درجہ ہے

جس میں نہ تو آدمی موت سے بیزار رہتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی خواہش کرتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی تعجیل کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور نہ ہی تاخیر کا۔ بلکہ حق تعالیٰ کے حکم پر راضی رہتا ہے۔ اور اپنے تصرف اختیار کو بالائے طاق رکھدیتا ہے۔ اور تسلیم و رضا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اور یہ بات اسے اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ کہ موت تو اس کو یاد آئے مگر موت کا خیال اکثر نہ آئے۔ اس لیے کہ وہ اس جہان میں اکثر حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں رہتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا ذکر اس کے دل پر غالب ہوتا ہے۔ اور مرنا جینا اس کے نزدیک برابر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہر حال میں حق تعالیٰ کی یاد میں اور محبت میں مستغرق رہیگا۔

ذکرِ مرگ دل میں اثر کرنے کے علاج کا بیان

جاننا چاہیئے کہ موت کا ایک زبردست کام ہے۔ اور اس کا خطرہ بھی بہت بڑا ہے۔ اور خلق اس سے غافل ہے۔ اگر وہ موت کو یاد بھی کرتے ہیں۔ تو ان کے دل میں اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا کے اشغال سے دل پُر ہونے کی وجہ سے کسی گنجائش باقی نہیں ہوتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ حق تعالیٰ کی تسبیح اور یاد سے حلاوت نہیں پاتے۔ پس اس کی تدبیر و علاج یہ ہے۔ کہ آدمی خلوت اختیار کرے۔ اور ایک ساعت کے لئے دنیا کے خیالات کو اپنے دل سے باز رکھے۔ اور تنہائی میں بیٹھ کر یہ خیال کرے۔ کہ شائد موت آج ہی آجائے۔ اور اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہے۔ کہ اے دل اگر تجھے اندھیرے تہ خانہ میں جانے کے لئے کہا جائے اور تو اس بات سے بے خبر ہو۔ کہ وہاں راستہ میں کوئی کنواں ہے۔ یا پتھر پڑا ہے۔ تو تیرا زہرہ آب ہو جاتا ہے۔ آخر موت کے بعد تیرے کام کی پوشیدگی اور قبر میں تیرا خطرہ اس سے تو کم نہیں۔ بھلا تو موت سے کس بھروسہ پر غافل ہے۔ اور نہایت بہتر علاج یہ ہے کہ اپنے زمانہ کے مرے ہوئے لوگوں کو یاد کرے۔ اور دنیا میں ان کے شان و شوکت کے ساتھ رہنے کا تصور کرے۔ اور یہ خیال کرے۔ کہ وہ موت سے کس قدر غافل تھے۔ اور کیسے خوش تھے۔ پس عین غفلت اور بے سروسامانی میں ان کو دفعۃً موت آگئی۔ اور انہیں اس جہان سے لے گئی۔ اور پھر یہ خیال کرے کہ اب کی صورت قبر کیسی ہے۔ ان کے اعضا قبر میں کس طرح ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور ان کے گوشت و پوست ہیں۔ اور آنکھ و زبان میں کیڑوں نے کس قدر تصوّر کر لیا۔ ادھر قبر میں انکا یہ حال ہوا۔ اور ادھر دنیا میں ان کے وارثوں نے مال تقسیم کر لیا۔ اور خوشی خوشی کھا رہے ہیں۔ اور

ان کی عورتیں دوسروں سے نکاح کر رہی ہیں۔ اور ان کو فراموش کر دیا ہے۔ پس اپنے زمانہ کے ایک ایک آدمی کی یاد دل میں تازہ کرے۔ اور ان کی سیر و خندہ و غفلت کا خیال کرے۔ اور یہ بھی خیال کرے۔ کہ انہوں نے ایسے ایسے کاموں کا تدارک پہلے ہی کر رکھا تھا۔ کہ بیس برس تک ان تک نہ پہنچے اور وہ ان کاموں کیلئے بڑے بڑے رنج برداشت کرتے تھے۔ ان کا کفن بزاز کی دکان پر موجود تھا۔ اور وہ اس سے بے خبر تھے پھر اپنے دل سے کہے۔ کہ تو بھی انہی کی طرح غفلت و حرص میں مبتلا ہے۔ تجھے تو یہ دولت نصیب ہوئی کہ وہ تیری آنکھوں کے سامنے گزر گئے۔ تاکہ تو ان سے عبرت حاصل کرے۔ فَاِنَّ السَّعِیْدَ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ۔ یعنی نیک بخت وہ ہے۔ جو دوسروں کے حال سے نصیحت و عبرت حاصل کرے پھر اپنے اعضا کی طرف خیال کرے۔ کہ یہ سب ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ اور چند دن کے اندر یہ تمام بدن حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں کی غذا بن جائے گا۔ اور قبر میں جو اس کی صورت ہونے والی ہے اس کا خیال کرے کہ میں تو ایک گلا سڑا مردار ہوں۔ اس قسم کی باتیں ہر روز ایک ساعت اپنے دل سے کیا کرے شاید دل کو موت سے آگاہی حاصل ہو۔ زبانی یاد کرنے سے دل کو کچھ اثر نہیں ہوتا۔ آدمی ہمیشہ دوسروں کو جنازہ کے لئے جاتے دیکھتا ہے۔ اور اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ میں ہمیشہ اسی طرح موت کی سیر کیا کروں گا۔ اپنے آپ کو کبھی بھی مردہ نہیں دیکھتا۔ اور جو کچھ آدمی نہیں دیکھتا۔ وہ اس کے وہم و خیال میں بھی نہیں آتا۔ اسی واسطے حضور اللہ علیہ وسلّم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ کہ یہ جنازہ جو لوگ لئے جاتے ہیں۔ سچ بتا۔ کیا مسافر ہیں۔ جو پھر واپس آئیں گے۔ ان کو خاک کو ملاتے ہیں۔ اور ان کی میراث کھاتے ہیں۔ اور اپنے آپ سے غافل رہتے ہیں۔ اور عام طور پر موت کو یاد نہ کرنا درازئ امید کی وجہ سے ہوتا ہے اور تمام فسادوں کی اصل بھی وہی ہے۔

کوتاہئ اُمّید کی فضیلت

جاننا چاہیے۔ کہ جو شخص اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے۔ کہ وہ لمبی عمر حاصل کرے گا۔ اور دیر تک اس کو موت نہ آئے گی۔ ایسے شخص سے دین کا کوئی کام بھی سرانجام نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ سے کہتا ہے کہ ابھی بہت دیر تک زندہ رہوں گا۔ جس وقت چاہوں گا دینی کام کر لوں گا اب تو ذرا چین و آرام سے گزاروں۔ اور جو شخص اپنی موت کو قریب خیال کرتا ہے وہ ہر وقت اسی

کے خیال میں مشغول رہتا ہے۔ اور یہی بات تمام سعادتوں کی اصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔ کہ جب تو صبح کو اٹھے تو یہ خیال نہ کر۔ کہ میں شام تک زندہ رہوں گا۔ اور شام کو اپنے دل میں یہ خیال نہ کر۔ کہ صبح کو زندہ اٹھوں گا۔ زندگی سے زادِ مرگ مہیا کر۔ اور تندرستی سے زادِ بیماری حاصل کر۔ اس واسطے کہ تجھے یہ معلوم نہیں۔ کہ کل حق تعالےٰ کے نزدیک تیرا کیا نام ہوگا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کوئی شے مول لی۔ کہ ایک ماہ تک کام آتی رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ کہ اسامہ سے کچھ تعجب نہیں کہ اس نے مہینہ کے لئے کوئی شے مول لی۔ اِنَّ اُسَامَۃَ تَطُوِیْلُ الْاَمَلِ۔ یعنی اسامہ درازئی عمر کی اُمید رکھتا ہے اور فرمایا مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ جب میں پلک جھپکاتا ہوں۔ تو خیال کرتا ہوں۔ کہ آنکھ کھولنے سے پہلے ہی مرجاؤں گا۔ اور جب میں آنکھ کھولتا ہوں۔ تو جانتا ہوں۔ کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی میری موت واقع ہو جائے گی۔ اور جو لقمہ منہ میں ڈالتا ہوں بخیال کرتا ہوں۔ کہ موت کے سبب سے یہ میرے حلق ہی میں رہ جائے گا۔ یہ کہکر حضور نے فرمایا۔ کہ اے لوگو۔ اگر تم عقل مند ہو۔ تو اپنے آپ کو مُردہ خیال کرو۔ اس لئے کہ مجھے قسم ہے۔ اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ اس نے جو وعدہ تم سے کیا ہے۔ وہ پورا ہوگا۔ اور تم اس سے بچ نہ سکو گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت سے فراغت پاتے۔ تو اسی وقت تیمم کر لیتے۔ صحابہؓ عرض کرتے۔ حضور پانی قریب ہے۔ آپ فرماتے شاید میں پانی تک پہنچنے سے پہلے ہی مرجاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی دن بدن بوڑھا ہوتا ہے اور دو چیزیں جو اس میں ہیں۔ وہ جوان ہوتی جاتی ہے۔ ایک تو مال کی حرص دوسرے زندگی کی آرزو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا۔ کہ کیا تم جنت میں جانا پسند کرتے ہو۔ عرض کیا۔ ہاں چاہتے ہیں۔ فرمایا آرزو کو کم کردو۔ اور موت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور حق تعالےٰ سے شرم کرو۔ جیسا کہ شرم کرنے کا حق ہے۔ ایک بزرگ تھے انہوں نے اپنے بھائی کو اس مضمون کا خط لکھا۔ کہ دنیا ایک خواب ہے۔ اور آخرت بیداری ہے اور درمیان میں موت واقع ہے۔ اور جس عالم میں ہم ہیں۔ وہ خیالات پریشان ہیں۔

درازئی اُمّید کے اسباب

جاننا چاہیے۔ کہ دو وجہوں کی بنا پر آدمی اپنے دل میں زندگی کو لمبا تصور کرتا ہے۔ ایک تو نادانی کی وجہ سے۔ دوسرے دنیا کی محبت کی وجہ سے۔ جب دنیا کی محبت غالب ہو جاتی ہے تو موت

اس محبوبہ یعنی دنیا کو اس سے چھین لیتی ہے۔ اس لئے کہ آدمی موت کو دشمن سمجھتا ہے۔ اور یہ اس کی طبیعت کے خلاف ہے۔ اور جو شے خلاف طبع ہوتی ہے۔ آدمی اس کو ہمیشہ اپنے سے دُور رکھتا ہے اور اپنے دل کو دھوکہ دے کر ہمیشہ ایسی باتوں کا تصوّر کرتا ہے۔ جو اس کی آرزو کے مطابق ہوتی ہیں۔ اور ہمیشہ فرض کرتا ہے۔ کہ زندگی، مال، زن وفرزند و اسبابِ دنیا قائم رہیں گے اور موت جو اس کی آرزو کے خلاف ہے۔ اس کو بھلائے رکھتا ہے۔ اور جب کبھی اس کے دل میں موت کا خیال بھی پیدا ہوتا ہے تو اس کو بھلانے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی بڑا عرصہ باقی ہے۔ موت کا سامان بھی کر لیا جائے گا۔ اور جب بڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے۔ بڑھاپے تک صبر کر۔ اور جب بوڑھا ہو جاتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ ذرا اس عمارت کے بنانے سے فارغ ہو لوں۔ اور اس زمین کی آبپاشی کے لئے ذرا پانی سے اطمینان کر لوں۔ تا مطمئن ہو کر عبادت کی لذت حاصل کروں اور اسی طرح تاخیر کرتا جاتا ہے اور ہر کام میں پھر دس دس کام نکلتے آتے ہیں اور یہ بیوقوف اتنا نہیں خیال کرتا کہ دنیا سے تو کبھی فراغت حاصل ہی نہ ہوگی۔ ہاں اس حالت میں جب کہ اسے ترک کر دے۔ اور یہ بے وقوف اسی طرح تاخیر سے کام لیتا ہے۔ حتیٰ کہ موت آجاتی ہے اور حسرت ہی حسرت باقی رہ جاتی ہے۔ اور دنیا کی محبت ہی ان تمام باتوں کی اصل ہے اور اسی وجہ سے غفلت ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جس چیز کو تم چاہو دوست رکھو۔ مگر آخر الامر تم سے چھین لی جائے گی۔ اور نادانی تو یہ ہے۔ کہ آدمی جوانی پر بھروسہ رکھتا ہے اور اس قدر نہیں جانتا کہ بڑھاپے سے پہلے بھی مرجانا ممکن ہے۔ ہزاروں جوان اور لڑکے مرجاتے ہیں۔ اور شہروں میں اسی وجہ سے بوڑھے آدمی کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ آدمی جب تندرست ہوتا ہے۔ تو ناگہانی موت کو نہایت بعید سمجھتا ہے۔ اتنا نہیں جانتا۔ کہ اگر ناگہانی طور پر مرجانا نادر ہے۔ تو ناگہانی طور پر بیمار ہو جانا تو نادر نہیں۔ اس لئے کہ تمام بیماریاں ناگہانی طور پر ہی آتی ہیں۔ اور جب بیماری آپہنچی۔ تو پھر مرجانا کوئی نادر بات نہیں۔ اس لئے ہمیشہ یہی فرض کرنا چاہئے۔ کہ موت آفتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ سایہ کی طرح نہیں ہے ہم سے آگے آگے جاتا ہے۔ اور ہم اس تک نہیں پہنچ سکتے۔

علاجِ درازئ عمر

جاننا چاہئے۔ کہ اس کا علاج سبب کو دفع کرنا ہے۔ جب سبب سے واقف ہو گیا۔

تواس کے دفعہ کرنے میں مشغول ہو۔ دنیا کی دوستی کے سبب کا علاج اسی طرح پر کرے۔ جو ہم نے دنیا کی محبت کے باب میں ذکر کر دیا ہے۔ غرضیکہ جو شخص دنیا کی حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے۔ وہ پھر اس کو دوست نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ دنیا کی لذت محض چند دن کے لئے ہے۔ خواہ نخواہ موت کے سبب سے زائل ہو جائے گی۔ اور دنیا فی الحال بھی منغص و مکدر ہے۔ اور رنج سے خالی نہیں اور کبھی بھی کسی شخص سے صاف نہیں ہوئی۔ اور جو شخص مدتِ آخرت کی درازی کا خیال کرے اور عمر دنیا کے انحصار کو جانے۔ تو اسے یہ بات معلوم ہو جائے۔ کہ دنیا کے عوض میں آخرت کا فروخت کرنا ایسا ہے۔ جیسے کوئی شخص خواب کے ایک درم کو بیداری کے ایک دینار سے زیادہ دوست رکھے اس لئے کہ دنیا خواب کی طرح ہے۔ اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَھُوْا۔ یعنی آدمی سوتے ہیں۔ جب مریں گے۔ تو بیدار ہوں گے۔ اور جہالت کا علاج معرفتِ حقیقی اور تفکر صافی سے ہوتا ہے۔ آدمی کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے قبضۂ تصرف میں نہیں ہے کہ وہ جس وقت چاہے اس وقت آئے۔ تاکہ وہ جوانی پر یا کسی اور کام پر اعتماد کرے۔

درجاتِ درازی اُمید

جاننا چاہئے کہ لوگ اس بارہ میں متفاوت ہیں۔ کوئی تو ایسا ہے۔ جو ہمیشہ دنیا میں رہنا چاہتا ہے جیساکہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ۔ یعنی ایک ان میں سے ہزار برس زندہ رہنے کو دوست رکھتا ہے۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے۔ جو بوڑھا ہونا چاہتا ہے۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے۔ جس کو ایک سال سے زیادہ زندہ رہنے کی اُمید نہیں ہوتی۔ اور وہ دوسرے سال کی تدبیر ہی نہیں کرتا۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے جسے ایک دن سے زیادہ زندہ رہنے کی امید نہیں ہوتی۔ اور وہ دوسرے سال کی تدبیر ہی نہیں کرتا۔ جیساکہ عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ کل کے لئے رزق جمع نہ کرو۔ کیونکہ اگر زندگی باقی ہے۔ تو رزق بھی باقی ہے۔ اور اگر زندگی باقی نہیں۔ تو دوسروں کے لئے کیوں تکلیف برداشت کرتے ہو اور کوئی شخص ایسا ہوتا ہے۔ جو دم بھر کی بھی امید نہیں رکھتا۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں تیمم کر لیا کرتے۔ جب کہ پانی حاصل کرنا ممکن ہوتا۔ مبادا پانی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی موت آجائے۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے۔ کہ ہر وقت موت اسی کی

آنکھوں کے سامنے ز...
تھے۔ اور ہر طرف و...
ملک الموت کے...
ہیں لوگ مختلف...
اسے اس شخص پر...
اور اس کا اثر مع... ...و کوتاہ امید خیال
کرتا ہے۔ مگر کوتا... ...لے ہیں جلدی کرے۔ اور ایک
ایک دم کی مہلت کو غنیم... ...لی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ پانچ
چیزوں کو پانچ چیزوں... ...ہو۔ جوانی کو ضعیفی سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے،
اور فرمایا۔ دو نعمتیں ایسی... ...ے سبب سے اکثر لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ ایک تندرستی،
دوسری فراغت۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت منادی آواز دیتا ہے۔ اَلرَّحِیلُ اَلرَّحِیلُ یعنی کوچ ہے کوچ۔ لوگوں نے جناب داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا۔ کہ نماز کے لئے دوڑے جا رہے ہیں۔ پوچھا۔ حضرت کیا جلدی ہے۔ فرمایا۔ دروازہ شہر پر لشکر میرا انتظار کر رہا ہے۔ یعنی قبرستان کے مردے جب تک مجھے اپنے ہمراہ نہ لیں گے۔ یہاں سے کوچ نہ کریں گے۔ حضرت ابو موسےٰ اشعری رحمتہ اللہ علیہ اپنی عمر کے آخری دنوں میں حد درجہ کی ریاضت و محنت کرتے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ اگر اس تکلیف میں آپ کو کچھ نرمی کر دیں تو کیا ہے۔ فرمایا جب گھوڑے کو میدان جنگ میں دوڑایا جاتا ہے۔ تو وہ اپنا تمام زور صرف کر دیتا ہے۔ تو اب یہ میری عمر کا آخری میدان ہے اور موت نہایت ہی قریب آچکی ہے۔ اس لئے میں محنت اور ریاضت میں کچھ کسر اٹھا نہیں رکھتا۔

سکراتِ موت و شدّتِ جان کنی

جاننا چاہئے۔ کہ آدمی کو سوائے جان کی شدت کے اگر کوئی بھی خطرہ درپیش نہ ہوتا۔ تو چاہیئے یہ تھا۔ کہ اگر وہ عقلمند ہو تو اس کے خوف سے دنیا کی کسی شے کی لذت نہ

تو اس کے دفعہ کرنے میں مشغول ہو۔ دنیا کی دوستی کے سبب کا علاج اسی طرح ہے اور اس کو ایک
دنیا کی محبت کے باب میں ذکر کر دیا ہے۔ غرضیکہ جو شخص دنیا کی حقیقت جانتا ۔ اور حالانکہ یہ
ہے۔ وہ پھر اس کو دوست نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ دنیا کی لذت محض چند دن یقینی ہے اور
نخواہ موت کے سبب سے زائل ہو جائے گی۔ اور دنیا فی الحال بھی منغص اور مکدر ہے مگر لوگ غفلت
خالی نہیں اور کبھی بھی کسی شخص سے صاف نہیں ہوئی۔ اور جو شخص مدت آخرت کی ورا ہے۔ کہ جان کنی
[illegible] کے اختصار کو جانے۔ تو اسے یہ بات معلوم ہو جائے۔ کہ دنیا کے عوض لئے کہ زخم
کی تکلیف تلوار سے
کوئی شخص خواب کے ایک ورم کو بیداری کے تکلیف ہوتی ہے
کے درد کا سبب یہی ہوتا ہے
اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ محل زخم میں تلوار کی طرح ہے۔ اَلنَّاسُ نِیَامٌ [illegible] آگ میں جلنے
کی تکلیف اس لئے زیادہ ہوتی ہے۔ کہ آگ تمام اجزاء بجہالت کا علاج [illegible] کرتی ہے اور جان کنی
کی اذیت و تکلیف عین روح میں جس نے آدمی کے تمام اطراف میں نہیں گھیرا ہوا ہے۔ ظہور
کرتی ہے۔ اور حالت سکرات میں آدمی اس لئے خاموش رہتا ہے۔ کہ اس کی زبان بے طاقتی
اور گنگ ہو جانے کی وجہ سے گفتگو کی طاقت نہیں رکھتی اور عقل میں بھی فتور پڑ جاتا ہے۔ اور
یہ سختی اس کو معلوم و محسوس ہوتی ہے جس نے اس کو چکھا ہے۔ یا چکھنے سے قبل نور نبوت کی
معرفت اس کو دریافت کر لیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے
فرمایا کہ دعا کرو کہ حق تعالیٰ جان کنی کی تکلیف کو مجھ پر آسان کر دے۔ اس لئے کہ مجھے موت کا
خوف اس قدر ہے۔ کہ اس کے ڈر سے مرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سکرات کی حالت
میں یہ دعا مانگتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ محمد پر
سکرات موت کو آسان کر دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ جس کی جان کنی میں سہولت
ہو۔ میں اس سے کوئی امید نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کنی اپنی آنکھ
سے دیکھی ہے۔ حضور فرماتے تھے۔ کہ یا اللہ تو رگوں اور ہڈیوں میں سے روح کو نکالتا
ہے۔ اس سختی کو مجھ پر آسان کر دے۔ ایک بیمار حالت نزع میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔ میں اس کی سختی سے واقف ہوں۔ اس کے بدن
میں کوئی رگ ایسی نہیں جس میں ایک جداگانہ درد نہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے
کہ مسلمان کے لئے کچھ درجات باقی رہ جاتے ہیں۔ اور عمل سے ان درجات تک اس کی رسائی
نہیں ہوتی۔ تو حق تعالیٰ وہ درجات عطا کرنے کے لئے جان کنی مشکل کر دیتا ہے۔ اور اگر کافر نے